نام کتاب .... خطبات طاہر جلد نمبر ۱۰
بیان فرمودہ .... حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ
اشاعت .... طبع اول مارچ ۲۰۱۲ء
ناشر .... طاہر فاؤنڈیشن
مطبع .... ضیاء الاسلام پریس ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے ادارہ طاہر فاؤنڈیشن احباب جماعت کی خدمت میں خطبات طاہر کی دسویں جلد پیش کرنے کی سعادت پا رہا ہے الحمدللہ علی ذالک

خطبات طاہر جلد دہم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے 1991ء کے 52 معرکۃ الآراء اور پُر از معارف خطبات جمعہ پر مشتمل ہے۔

1991ء خلیج کی جنگ ہر طرح سے شدت اختیار کر چکی تھی اور عراق کی تباہی کا جو منصوبہ امریکہ اور اس کی معاون طاقتیں بنا چکی تھیں اپنے منطقی انجام کو پہنچ رہا تھا۔ اس سلسلہ میں حضور رحمہ اللہ نے خلیج کے بحران کے سلسلہ میں جاری خطبات کو دوران سال بھی جاری رکھا اور کھول کر بتا دیا تھا کہ اب عراق کی تباہی کو یقینی بنا دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا۔

> ''اللہ تعالیٰ مسلمان ممالک کو اب بھی عقل دے اور وہ اس ظلم میں غیر مسلم قوموں کے شریک نہ بنیں کہ ان کے اعلیٰ مقاصد کی خاطر جو ان کے مفادات سے تعلق رکھتے ہیں ایک عظیم مسلمان طاقت کو ملیا میٹ کر دیں اور اپنے اپنے انگوٹھے اس فیصلے پر ثبت کر دیں اور تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لئے ایک ایسی قوم کے طور پر لکھے جائیں جنہوں نے اپنی زندگی کے نہایت منحوس فیصلے کئے تھے۔ ایسے فیصلے کئے تھے جو بدترین سیاہی سے لکھے جانے کے لائق بنتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دنیا کے اندر ایسے تغیرات برپا ہونے ہیں اور آئندہ لکھنے والا لکھے گا کہ ایسے تغیرات برپا ہو چکے ہیں کہ ان فیصلوں کے بعد پھر دنیا کا امن ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا اور امن کے نام پر جو جنگ لڑی گئی تھی اس نے اور جنگوں کو جنم دیا اور ساری دنیا میں بدامنی پھیلتی چلی گئی۔ مؤرخ نے یہ باتیں جو بعد میں لکھنی ہیں یہ آج ہمیں دکھائی دے رہی ہیں کہ کل ہونے والی ہیں اگر

مسلمان ممالک نے ہوش نہ کی اور بروقت اپنے غلط اقدامات کو واپس نہ لیا اور اپنی سوچوں کی اصلاح نہ کی۔ بہرحال اگر یہ انہی باتوں پر قائم رہے تو عراق مٹتا ہے یا نہیں مٹتا۔ یہ تو کل دیکھنے کی بات ہے مگر اس سارے علاقے کا امن ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ کبھی دوبارہ عرب اس حال کو واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ اسرائیل پہلے سے بڑھ کر طاقت بن کر ابھرے گا۔

حضور نے خلیج کی اس جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ’’اس کے نتیجے میں تمام دنیا میں شدید مالی بحران پیدا ہوں گے اور چونکہ آج کل دنیا کے ترقی یافتہ ممالک خود مالی بحران کا شکار ہیں اس لئے تیسری دنیا کے مالی بحران کے نتیجے میں ایسے سیاسی اثرات پیدا ہوں گے کہ اور جنگیں چھڑیں گی اور دنیا کا امن دن بدن برباد ہوتا چلا جائے گا۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍جنوری ۱۹۹۱ء)

حضور رحمہ اللہ نے دعا کے آداب اور عبادت میں ذوق پیدا کرنے کے لئے جو خطبات کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ اس سال بھی جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں ڈوب کر نماز ادا کریں اور اھدنا الصراط المستقیم کی عظیم دعا کے تابع قرآن کریم میں درج انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے ہمیں قبولیت دعا کے راز سکھائے ہیں۔

حضور رحمہ اللہ نے خلافت کے مقام اور نظام جماعت کی حفاظت کے موضوع پر تین خطبات دیئے اور فرمایا کہ جماعت میں کوئی ڈکٹیٹر نہیں خلیفہ بھی ڈکٹیٹر نہیں وہ مقتدر ہستی کو جواب دہ ہے نیز فرمایا کہ امیر کی پشت پناہی وقت کا خلیفہ کرتا ہے اور خلیفہ کی پشت پناہی خدا فرماتا ہے۔ اسی طرح مجلس عاملہ اور امارت کے فرائض کی تقسیم کا تفصیلی ذکر بھی فرمایا اور جماعت کے مالی نظام کو دنیا کا بہترین نظام قرار دیا۔

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵؍اکتوبر ۱۹۹۱ء میں جماعت کی تعداد کی وضاحت فرمائی اور اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ دعا کریں کہ میری زندگی میں ایک کروڑ نئے احمدی ہو جائیں چنانچہ اس غرض سے احباب جماعت کی راہنمائی کے لئے حضور نے دعوت الی اللہ کے خطبات کا ایک سلسلہ شروع فرمایا جو اس جلد کی زینت ہے۔

یہ وہ سال تھا جس میں چوالیس سال بعد خلیفۃ المسیح قادیان جلسہ سالانہ کے لئے تشریف لے گئے اور دو خطبات قادیان کی سرزمین میں بھی ارشاد فرمائے جن میں درویشان قادیان کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا۔

''قادیان کے درویشوں کے لئے بھی اس میں بہت بڑی خوشخبری مضمر ہے۔ معلوم ہوتا ہے خدا کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہجر کے دن چھوٹے ہو جائیں گے اور وصل کے دن قریب آجائیں گے اور ان سب آنے والوں کے لئے بھی اس میں بہت خوشخبری ہے جو دور دور سے تکلیفیں اٹھا کر اور بہت سے اخراجات کا بوجھ اٹھا کر یہاں پہنچے تا کہ ان کے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو سکیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ ؍دسمبر ۱۹۹۱ء)

یہ خطبات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی تبحر علمی کے آئینہ دار ہیں۔ ان خطبات جمعہ کی تدوین کیلئے حضور رحمہ اللہ کے خطبات کی آڈیو کیسٹس اور ہفت روزہ ''البدر'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تدوین کے دوران خطبات جمعہ میں ضروری حوالہ جات دے دیئے گئے ہیں۔

محترم مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب اور مولانا یوسف سلیم ملک صاحب نے کتابت میں پائی جانے والی اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں جلد ھذا کی تیاری میں معاونت فرمائی ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ طاہر فاؤنڈیشن کی اس پیشکش کو قبول فرمائے۔ اس علمی، روحانی اور تاریخی خزانہ کو لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے علمی فیضان کو جاری رکھنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین۔

خاکسار

مظفر احمد ظفر

چیئرمین طاہر فاؤنڈیشن

فہرست خطبات

وقف جدید کے سال نو کا اعلان ۔ بچوں کو اس مالی قربانی میں زیادہ سے زیادہ شامل کرنے کی تحریک

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ رجنوری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

۱۹۵۷ء کا سال میری زندگی میں ایک لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی سال مجھے دو طرح سے نئی زندگی میں داخل ہونے کا موقعہ ملا۔ ایک تو میری ازدواجی زندگی کا آغاز ۱۹۵۷ء کے آخر پر دسمبر کے مہینے میں ہوا اور دوسرے اسی سال کے آخر پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقف جدید کی تحریک کا آغاز فرمایا اور مجھے وقف جدید کی مجلس کا سب سے پہلا ممبر مقرر فرمایا اور اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک مجھے وقف جدید میں خدمت کا موقعہ ملا۔ اس لحاظ سے میری باقاعدہ جماعتی خدمت کا آغاز ۱۹۵۷ء میں ہوا۔ اِس واقعہ کو ۳۳ سال گزر چکے ہیں اور آج میں وقف جدید کے نئے سال کا اعلان کرنے والا ہوں۔ یہ نیا سال ۳۴ واں سال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ اس عرصے میں وقف جدید کو غیر معمولی ترقی کی توفیق عطا فرمائی۔ شروع شروع میں یہ تحریک بہت معمولی دکھائی دیتی تھی۔ آغاز بھی غریبانہ تھا اور چال چلن بھی غریبانہ۔ دیہات کے ساتھ اس کا تعلق تھا اور دیہاتی معلّمین جو اِس تحریک کے تابع خدمت پر مامور تھے اُن کا ماہانہ گزارا بھی بہت ہی معمولی بلکہ اتنا معمولی کہ ایک عام مزدور سے بھی بہت کم تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی قناعت کے ساتھ اور بڑی خوش خلقی کے ساتھ اُنہوں نے ہر گزارے پر

گزارہ کیا اور خدمت دین میں بہت جلد جلد آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے کے اندر وقف جدید کا سالانہ بیعتوں کا ریکارڈ باقی اس قسم کی دوسری تمام انجمنوں کے اداروں یا تحریکات سے آگے نکل گیا اور لمبے عرصے تک وقف جدید بیعتیں کروانے کے میدان میں اوّل رہی۔ اسی طرح وقفِ جدید کو ایک بہت ہی عظیم الشان خدمت کا تھر کے علاقے میں موقعہ ملا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں ہندو بکثرت آباد ہیں اور یہی ایک وہ علاقہ ہے جہاں آج بھی مسلمانوں کے مقابل پر ہندوؤں کی اکثریت ہے لیکن اکثر ہندو اچھوت کہلانے والے ہیں یعنی ہندوؤں کی طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے سب سے نچلے درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔

وقف جدید کا جس سال آغاز ہوا ہے اِسی دوران عیسائیوں نے جو امریکہ سے غیر معمولی طور پر مدد حاصل کر رہے تھے تھر کے علاقے پر وہاں کے باشندوں کو عیسائی بنانے کے لئے یلغار کی اور اس لحاظ سے یہ الٰہی تحریک خاص طور پر اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ اگر وقف جدید کی تحریک جاری نہ ہوئی ہوتی اور جماعت احمدیہ کو تھر کے علاقے میں اِس طرح خدمت کا موقعہ نہ ملتا تو بعید نہیں کہ وہاں بہت تیزی کے ساتھ عیسائیت پھیل جاتی لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے اس بروقت تحریک کے نتیجے میں جب ہم نے معلّمین تقسیم کرنے کے لئے مختلف علاقوں کے جائزے لئے تو معلوم ہوا کہ تھر کے علاقے میں بڑی شدید ضرورت ہے۔ ایک تو ویسے بھی ہندوؤں میں تبلیغ کی خاطر وہی علاقہ موزوں تھا، دوسرے علم ہوا کہ عیسائیوں نے بہت بڑی یلغار کر رکھی ہے اور امریکن غذائی امداد کا ایک بہت بڑا حصہ اِس علاقے کی طرف منتقل کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ جب میں نے وہاں دورہ کیا اور حالات کا جائزہ لیا تو عموماً یہی مشورہ دیا گیا کہ جماعت کی طرف سے بھی کوئی امدادی پروگرام جاری ہونا چاہئے ورنہ یہاں کامیابی مشکل ہے۔ اِس پر میں نے اس تجویز کو نہ صرف سختی سے ردّ کیا بلکہ آئندہ بھی ہمیشہ اس تجویز کی سوچ کے دروازے بھی سب پر بند کر دیئے اور میرا استدلال یہ تھا کہ جہاں تک دولت کے ذریعے مذہب تبدیل کرنے کا تعلق ہے نہ ہم اُس میدان کے کھلاڑی ہیں نہ اس بات کے قائل ہیں، نہ ہمیں توفیق ہے کہ ہم دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کا اس میدان میں مقابلہ کر سکیں۔ اگر ہم ایک روپیہ خرچ کریں تو امریکہ دس لاکھ روپیہ خرچ کر سکتا ہے اور اگر روپے کی لالچ میں یا لالچ نہ بھی کہیں، ضرورت مند کی مدد پوری کر کے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا ہے تو ضرورت بے انتہاء ہے اُسے آپ پورا

نہیں کر سکتے ۔ایک پیاس بھڑ کا دیں گے اور جس قسم کی پیاس بھڑ کا ئیں گے اِس قسم کا پانی آپ کے پاس نہیں ہوگا۔اِس لئے یہ نہایت ہی جاہلانہ حرکت ہوگی اگر ہم مالی امداد کے ذریعے امریکن طاقتوں کا یا مغربی طاقتوں کا مقابلہ کریں۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ یہ لوگ غریب ہیں اور بہت ہی لمبے عرصے سے خود اپنے ہم مذہب لوگوں کی حقارت کا نشانہ بنے رہے ہیں یعنی ہزار ہا سال سے انسانی طبقات میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جانے والے لوگ تھے' اُن سے میں نے کہا کہ آپ ان کی ذلتوں میں اضافہ کرنے کا سوچ کس طرح سکتے ہیں ۔ یہ غریب عزت دار ہیں ۔غربت میں بھی ان کو ابھی ہاتھ پھیلانے کی عادت نہیں ۔ان میں کوئی بھکاری آپ کو نظر نہیں آئے گا۔غریب فاقہ کش مزدور کثرت سے دیکھیں گے لیکن کوئی فقیر ان میں دکھائی نہیں دے گا۔ بڑی محنت کش قوم ہے۔تو میں نے کہا کہ ایک ایسی باعزت قوم کو جس کا نفس معزز ہے اگرچہ بدن غریب ہے،اُس کے اندر خدا کی ایک ہی نعمت ہے اور وہ اس کی عزت نفس ہے۔آپ اُسے بھکاری بنا کر وہ ایک دولت بھی اس کے ہاتھ سے چھین لیں ۔ چنانچہ اس استدلال کا خدا کے فضل سے اثر پڑا اور وقف جدید کے معلّمین بھی پورے عزم کے ساتھ اِس علاقے میں یہ سمجھتے ہوئے گئے کہ ہم نے ان کو عزّتِ نفس عطا کرنے کے لئے جانا ہے اور یہی پیغام اُن کو دیا۔ چنانچہ مقابلہ ایک طرف دولت کا تھا اور ایک طرف اخلاقی عظمت کا اور معلّمین وہاں جا کر عیسائیوں کے مقابل پر یہی پیغام دیتے تھے کہ کچھ لوگ تمہاری بھوک مٹانے کے لئے آئے ہیں ۔ بہت اچھی بات ہے۔ تمہیں کپڑے پہنانے کے لئے آئے ہیں یہ بھی بہت اچھی بات ہے لیکن ساتھ ہی تمہیں بھکاری بنانے کے لئے بھی آئے ہیں اور پیسہ دیکر تمہارا مذہب تبدیل کرنے کے لئے آئے ہیں اور یہ اچھی بات نہیں ۔ہم تمہیں مزید عزت نفس عطا کریں گے۔ہم تمہیں اسلام بھی دیں گے اور اس کے ساتھ تم سے مالی قربانی کے مطالبے بھی کریں گے اور تمہیں یہ کہیں گے کہ انتہائی غربت کے باوجود کچھ نہ کچھ نیک کاموں میں خرچ کرنے کی عادت ڈالو۔ یہ پیغام بظاہر کڑوا ہے لیکن درحقیقت تمہیں تحت الثریٰ سے اُٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک لے جائے گا اور یہ سادہ پیغام اُن کے دل پر اتنا اثر انداز ہوا اور اتنا اس نے ان کے دلوں کو لبھایا کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ عیسائیت کے مقابل پر احمدیت کو وہاں بڑی کثرت کے ساتھ ہندو غریب اقوام کو اسلام میں داخل کرنے کی توفیق ملی اور اس کے ساتھ

ہی پھر ان کے نچلے طبقے سے اٹھا کر ایک بغیر طبقات کے سوسائٹی میں عزّت کا مقام عطا کیا گیا۔ چنانچہ اس کے خلاف سب سے زیادہ ردعمل دیگر مسلمان تھری لوگوں نے دکھایا۔ جب ہم اُن کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیتے تھے یا کھانا کھاتے تھے تو شدید نفرت کا اظہار دوسرے مسلمانوں کی طرف سے کیا جاتا تھا جن کے مذہب میں طبقاتی تقسیم کا تصور ہی کوئی نہیں اور ہندو اس نفرت سے ہمیں نہیں دیکھتے تھے بلکہ وہ حیرت سے دیکھتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی ظاہری عزت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور مذہب کے تبادلے کے نتیجے میں ان کے ساتھ برابر ہو گئے ہیں۔

بہر حال ایک لمبا عرصہ اس جدّ وجہد میں گزرا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں کی رائیں تبدیل ہوئیں سوچیں بدلی گئیں اور بہت بڑا انقلاب برپا ہوا۔ مشکل صرف یہ درپیش تھی کہ اِن کے اندر گہرا اسلام جذب کرانے کے لئے بہت محنت درکار تھی۔ سادہ محبت کا پیغام، توحید کا پیغام بڑی آسانی سے سمجھ جاتے تھے اور قبول بھی کر لیتے تھے لیکن اس بات کی راہ میں بہت بڑی دقتیں حائل تھیں کہ باقاعدہ نماز سکھائی جائے اور پھر نماز کا عادی بنایا جائے۔ روزے سکھائے جائیں اور پھر روزے رکھنے کی عادت ڈالی جائے اور اسلام کے پرہیزوں کے متعلق تلقین کی جائے، پاکیزگی کے متعلق تلقین کی جائے۔ پھر اس پر عمل پیرا کرنے کے لئے اس پر ان کی مدد ہو، ان کی نگرانی کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ اِس عرصے میں یعنی اس گزشتہ تمام عرصے میں مسلسل وقف جدید کے معلّمین وہاں یہی کام کر رہے ہیں اور اگرچہ حالات بہت ہی ناساز گار ہیں، اتنے ناساز گار ہیں کہ آپ جب تک وہاں جائیں نہ، اُس وقت تک آپ کو تصوّر ہی نہیں ہوسکتا کہ کن مشکلات میں وہاں وقف جدید کے معلمین نے پہلے کام کیا اور اب بھی اگرچہ مشکلات نسبتاً کم ہیں لیکن پھر بھی بہت مشکل حالات ہیں۔

میں جب پہلی دفعہ وہاں گیا تو پہلی تکلیف جو شدت سے محسوس ہوئی وہ پانی کا فقدان تھا۔ یعنی پانی میسر تو تھا لیکن ایسا خوفناک کہ اُسے پینے سے بجائے اس کے کہ پیاس بجھے الٹی آتی تھی اور طبیعت متلانے لگتی تھی۔ تیل کی طرح کا پانی مٹھی کے علاقے میں ہوتا ہے اور وہ بھی قیمت دیکر خریدنا پڑتا تھا اور دنیا کی کوئی سہولت وہاں میسر نہیں تھی۔ وہ تو خیر کوئی ایسی معمولی بات ہے، عام دنیا کی جو موجودہ زمانے کی بڑی سہولتیں ہیں اس کے بغیر بھی انسان بہت اچھی طرح گزارہ کر سکتا ہے۔ زندگی کے انداز بدلنے پڑتے ہے لیکن پانی اچھا میسر نہ ہو تو زندگی بہت ہی تکلیف میں کٹتی ہے۔ بہر حال

معلّمین وہاں اس حالت میں مستقل رہتے تھے جس حالت میں مجھ سے ایک دو دن میں رہنا مشکل تھا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ کس تکلیف میں یہاں گزارہ کرتے ہیں چنانچہ بعد میں یہ کوششیں کی گئیں کہ کسی طرح اُن کے پانی کے مسائل حل ہوں اور خدا کے فضل سے بعد میں حل بھی ہوئے لیکن اور آگے بڑھ کر ایک اور نئی مصیبت کا سامنا ہوا۔ وہاں پتا چلا کہ بعض ایسے سانپ ہیں جن کو ''پین'' کہتے ہیں سندھی تلفظ پین کہے گے۔نون اور ڑ کے درمیان کا کوئی ہے۔یعنی پی جانے والا سانپ اور وہ سانپ ڈستا نہیں بلکہ وہ کہتے تھے کہ مُنہ پر مُنہ رکھ کر سانس پی جاتا ہے دراصل وہ زہر تھوکتا ہے اور اس کے زہر کا اثر گلے پر پڑتا ہے اور گلوں سے براہ راست آنکھوں پر حملہ کرتا ہے اور اس کا مریض اگر بچ جائے تو اندھا ہو جاتا ہے اور خود اس سانپ کی بھی یہ کیفیت ہے کہ اگر دن کی روشنی میں اس آنکھیں کُھل جائیں تو وہ خود اندھا ہو جاتا ہے۔ اِس لئے دن کے وقت بلوں میں' سوراخوں میں' مختلف اندھیری جگہوں میں' اینٹوں کے نیچے سر دے کر یہ سو جاتا ہے اور دن کے وقت بچے اُس سے کھیلتے ہیں جس طرح بٹی ہوئی رسی سے کھیلتے ہیں اُس طرح اس کو اپنے ارد گرد لپیٹتے اور ایک دوسرے کو اس سے سانٹے مارتے اور اُس سانپ کا کوئی خوف نہیں لیکن جونہی اندھیرا ہوتا ہے تو یہ باہر نکل کر مختلف جانداروں کے ساتھ لیٹ کر اُن کے مُنہ پہ مُنہ رکھ کر اِس میں تھوکتا ہے اور اس کو اس میں کیا مزہ ہے، کیا وہ اس سے کیا لذت حاصل کرتا ہے، کوئی نہیں جانتا لیکن یہ عادت بہر حال اسی طرح ہی ہے۔ چنانچہ مجھے وہاں یہ بتایا گیا کہ یہ سانپ ہیں اور ہم نے دیکھے بھی، رات کو سفر کر رہے تھے۔تو طبیعت میں ایسی کراہت پیدا ہوئی کہ ساری رات نیند نہیں آئی۔آدمی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کے ساتھ کوئی سانپ آ کر لیٹ جائے اور پھر منہ پر منہ رکھ دے۔تو وہ جو مختلف نظارے وہاں دیکھے جس طرح معلّم کام کر رہے ہیں تو طبیعت پر بڑا گہرا اثر پڑا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ واپس جا کر اُن کی زندگی کو نسبتاً بہتر بنانے کے لئے وقف جدید میں جو غریبانہ طاقت تھی وہ استعمال کی گئی اور ان کے مسائل کو سمجھ کر پھر اُن سے کام لئے گئے بہر حال اِن حالات میں وقف جدید نے وہاں کام کیا اور کر رہی ہے۔

اور عجیب حسن اتفاق ہے یا خدا کی تقدیر ہے یعنی دونوں چیزیں اکٹھی ہوں گی کہ ہندوستان میں جب وقف جدید کا اجراء ہوا ہے اور خاص طور پر یہاں آنے کے بعد جب میں نے بیرونی دُنیا میں بھی وقف جدید کی تحریک کی تا کہ ہندوستان میں وقف جدید کے کام کو پھیلایا جائے تو وہاں بھی سب

سے زیادہ کامیابی راجستھان کے علاقے میں ہوئی ہے اور یہ وہی علاقہ ہے جو ہندوستان کا تھر سمجھ لیں یعنی سرحد کے اُس طرف اگر سندھ کا تھر کا علاقہ ہے تو اس کے پرلی طرف راجستھان کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور وہاں بھی معلّمین خدا کے فضل سے بڑی ہمت سے کام کر رہے ہیں بلکہ بعض لحاظ سے نامساعد حالات زیادہ ہیں کیونکہ وہاں خطرات بھی درپیش ہیں ۔ یہاں کام کرتے ہوئے ہندوؤں سے احمدیوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہاں چونکہ ہندو مسلم مناقشتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور بعض دفعہ بہت بڑھ جاتی ہیں یعنی ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پھیلانے کے لئے باقاعدہ منظّم کوششیں ہوتی ہیں ۔ ملک میں کہیں فساد ہو اس کا اثر ہر دوسری جگہ پر پڑتا ہے ۔ تو راجستھان کے علاقے میں بھی کیونکہ ہندو اکثریت میں ہیں وہاں مسلمانوں کے لئے یہ بھی ایک بڑی مشکل ہے کہ ہندوستان میں کسی جگہ فساد ہو راجستھان پر اثر پڑ جاتا ہے اور احمدی مبلغین پر بھی اثر پڑتا ہے نئی جماعتیں قائم ہو رہی ہیں ان پر بھی اثر پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی نڈر مبلغین ہیں اور اُن کے حُسنِ خلق کا اثر بھی بہت ہے چنانچہ ابھی تازہ فسادات کے بعد کی جو رپوٹیں ملی ہیں اُن سے یہ معلوم کر کے اللہ تعالیٰ کا بہت ہی شکر ادا کرنے توفیق ملی کہ کسی احمدی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ بعض فساد زدہ علاقوں کے ہندوؤں نے احمدیوں کی تائید کی اور علاقے کے مسلمان اس وجہ سے بچ گئے کہ احمدیوں نے اسلام کی جو صورت وہاں پیش کی تھی ۔ اس میں کوئی قابل نفرت بات نہیں تھی بلکہ دل موہ لینے والی باتیں تھیں تو وہاں بھی خدا کے فضل سے اب وقف جدید کو اچھی خدمت کی توفیق مل رہی ہے اور اس کے علاوہ دیہات میں جو روزمرہ تربیت کا کام ہے وہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے اور عموماً اس کی طرف نظر نہ رہنے کے نتیجے میں بڑے گہرے نقصان قوم کو پہنچ جایا کرتے ہیں ۔ ہم نے جب ہوش سنبھالی تو یہی دیکھا کہ دیہاتی احمدی جماعتیں بڑی مخلص ہیں ۔ قربانی کے میدانوں میں بھی آگے اور بہت ہی جوش کے ساتھ ہر پروگرام میں حصہ لینے والی اور جلسوں میں سب سے زیادہ بلند آواز میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے والی جماعتیں ۔ اس زمانے میں یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ اندورنی لحاظ سے علمی تربیت کی ان لوگوں میں کمی ہوگی اور یہ کمی پھر آئندہ نسلوں پر اثر انداز ہوگی ۔ چنانچہ ایک لمبے عرصے تک یہی تصور تھا کہ شہری جماعتوں کے مقابل پر دیہاتی جماعتیں ہر لحاظ سے زیادہ بہتر اور مخلص ہیں لیکن جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقف جدید کی تحریک جاری فرمائی اور یہ نصیحت کی کہ دیہاتی علاقوں

میں کام کرنا ہے' شہری علاقوں میں نہیں اور وہاں تمہاری سب سے زیادہ ضرورت ہے تو اس کے پیچھے کوئی خاص الٰہی تقدیر کام کر رہی تھی ۔ چنانچہ جب میں نے کام کا آغاز کیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ منظّم جائزہ لیا کہ ہمارے دیہات میں کتنے فیصد نو جوان اسلام کی اس ابتدائی تعلیم سے اچھی طرح واقف ہیں جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں بن سکتا اور مسلمان کی تصویر ابھرتی نہیں ہے۔ معمولی ساخاکہ دکھائی دیدے گا، ایک ہیولا سا کہ ہاں شاید یہ مسلمان ہیں مگر نقوش بھرنے چاہئیں ۔ بغیر نقوش کے تو کوئی چیز اپنی مکمل صورت میں ظاہر نہیں ہوا کرتی ۔ چنانچہ جب ہم نے جائزے لئے تو یہ تعجب ہوا کہ بہت سے ایسے نوجوان دیہات میں ہیں جن کو صحیح **لا الـه الا الـلـه محمد رسول الله** بھی نہیں پڑ نا آتا اور جب اس پر تعجب ہوا تو پتہ لگا کہ باقی غیر احمدی مسلمانوں میں تو اس سے بہت بڑی تعداد ایسی ہے۔ کلمہ کا لفظ جانتے ہیں لیکن تلفظ کے ساتھ اور معانی کو سمجھتے ہوئے کلمہ کس طرح ادا کیا جاتا ہے اس سے ناواقف اور جب مزید جائزہ لیا گیا نمازوں سے متعلق تو پتا چلا کہ ایک بہت بڑی تعداد ہے، معمولی نہیں جس کو ساری نماز با ترجمہ نہیں آتی یعنی نماز تو اکثر احمدی نوجوانوں کو کچھ نہ کچھ آتی تھی مگر تلفظ کی خامیاں آپ نظر انداز بھی کر دیں تو ترجمہ سے ناواقف اور اگر نماز کا ترجمہ ہی نہ آتا ہو تو پھر نماز سے استفادے کا کیا سوال رہتا ہے یعنی حکم کی اطاعت تو ہو جاتی ہے مگر روزمرہ جو نماز آپ کے اندر زندگی کی نئی لہریں دوڑاتی ہے، نیا روحانی خون عطا کرتی ہے نشوونما کرتی ہے اُس سے انسان محروم رہتا ہے۔ اب ماں کے پیٹ میں جنین تو ہوتا ہی ہے لیکن بعض دفعہ مردہ جنین ہوتا ہے۔ اس کا بھی تعلق رہتا ہے اُس خون کی نالی کے ذریعہ جو پلیسینٹا (Placenta) سے بچے تک منتقل ہوتی ہے لیکن وہ نالی بند ہو جاتی ہے یا کسی اور نقص کی وجہ سے وہ خون پہنچنا بند ہو جاتا ہے تو ماں کے پیٹ میں جنین تو ہے لیکن مردہ جنین ہے۔ اس طرح وہ لوگ جو نماز پڑھتے تو ہیں لیکن نماز کے مطالب نہیں سمجھتے اس کے آداب نہیں جانتے، اس کا فلسفہ نہیں سمجھتے' روزمرہ اس کے ذریعے خدا سے تعلق نہیں پیدا کرتے اُن کی نماز ایسی ہی ہے جیسے ایک جنین ہے جو پڑا ہوا ہے جب تک پیٹ میں ہے اُس وقت تک اُس کی حالت مخفی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ زندہ ہے یا نہیں ہے لیکن موت کے بعد جب اِس نے بچے کی طرح باہر آنا ہے اُس وقت پتا چلے گا کہ اس نئی پیدائش میں اس میں جان پڑی تھی کہ نہیں پڑی تھی۔

پس اسی پہلو سے میں گزشتہ کچھ عرصے سے خطبات دے رہا ہوں کہ جب نمازیں پڑھتے ہیں تو زندگی حاصل کرنے کے لئے پڑھیں اور اس کے لئے نماز کا ترجمہ آنا ضروری ہے اس کے مطالب کا سمجھنا ضروری ہے اور مختلف پہلوؤں سے نماز کی دنیا کی سیر کرنی ضروری ہے۔ایک بہت بڑا جہان ہے جو روزانہ آپ پر کھلتا ہے جہاں آپ کو لے جایا جاتا ہے اور سیر کرنے کے مواقع دیئے جاتے ہیں اور بار بار یہ مواقع میسر آتے ہیں۔بہر حال یہ وہ مصالح ہیں جن کے پیش نظر اس وقت ہم نے یہ جائزہ لیا کہ وقف جدید کے معلّم کن دیہات میں پہلے کام کریں اور یہ جائزہ لینے کا مقصد یہ تھا کہ جہاں سب سے زیادہ لوگ نماز کے معنی سے غافل ہونگے ،دیگر روزمرّہ کے مسائل سے ناواقف ہوں گے وہاں وقف جدید کے معلّمین کو پہلے بھیجا جائے گا تو اُس قت جب سارے ملک کا جائزہ لیا گیا تو بغیر کسی ارادے کے، مجھے پہلے یہ علم نہیں تھا کہ یہ حالات ظاہر ہوں گے،بغیر کسی ارادے کے مزید جستجو کا موقع ملا تو ایسی ایسی باتیں دریافت ہوئیں کہ جن سے توجہّ اس طرف منتقل ہوئی کہ دیہات کے علاقے بعض پہلوؤں سے اخلاص میں بہت بہتر ہوتے ہیں لیکن بعض پہلوؤں سے دین کے علم میں اتنا پیچھے رہ جاتے ہیں کہ وہ آئندہ زمانوں میں نہایت خطرناک نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔آپ کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے ایک نسل آپ کے ہاتھ سے نکلتی چلی جارہی ہے اور آپ کو پتا نہیں لگ رہا یہاں تک کہ دین کے علم سے بے بہرہ خالی اخلاص اندھی تقلید پیدا کیا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں پھر ملائیت ابھرتی ہے اور گدھوں کی طرح جس طرف چاہیں ایسے لوگوں کو ہانک کر لے جائیں جو چاہیں ان کا دین بنا کر ان کو بتا دیں کہ یہ تمہارا دین ہے جو مسلک آپ کا ہو آپ ان کے ذمے لگا دیں کہ یہی تمہارا مسلک ہے۔بغیر سوال کئے،بغیر سوچے،بغیر کسی فکر اور تدبّر کے یہ آنکھیں بند کر کے پیچھے لگ جانے والے لوگ بن جاتے ہیں تو اس پہلو سے جب میں نے اسلامی تاریخ کا جائزہ لیا تو وقف جدید کے ذریعے حاصل ہونے والے اعداد و شمار سے مجھے اسلامی تاریخ کے ایک پہلو سے اس المیہ کو سمجھنے کا موقعہ ملا اور قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کو سمجھنے کا موقعہ ملا جس میں اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ تم سے پہلے ایسی قومیں گزری ہیں یعنی یہود، جن کا دین بالآخر ایسے ہو گیا تھا جیسے گدھوں پر کتابیں لادی گئی ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان لوگوں کی طرح نہ بن جانا کہ جن کے علماء کا یہ حال تھا کہ جیسے گدھوں پر کتابیں لادی گئی ہوں اور اس سے وہ صحیح استفادہ نہ کر سکتے ہوں۔

اس تمثیل میں بہت ہی گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں اور پہلی بار اس کی گہرائی کا علم مجھے اسی زمانے میں ہوا جب میں وقف جدید کے سلسلہ میں علاقوں کے جائزے لے رہا تھا اور دیہاتی جماعتوں کے حالات کو اعداد و شمار کی صورت میں دیکھ رہا تھا، اُس وقت پتا چلا کہ قومیں جب دین سے بے بہرہ ہونے لگتی ہیں تو ایسے علماء کے سپرد دین کا بوجھ کر دیتی ہیں جن کی اپنی حالت گدھوں کی طرح ہوتی ہے اور یہ بہت ہی حسین مثال ہے۔ انسان گدھے کی پیٹھ پر وہی بوجھ لادتا ہے جو اُس کو اٹھانا مصیبت لگتا ہے اور محض اٹھانے سے اُس کو کوئی لذّت محسوس نہیں ہو رہی ہوتی اور فائدہ نہیں ہوتا۔ اب کتابیں تو پڑھنے سے فائدہ دیتی ہیں اور پڑھنے سے ہی لذّت دیتی ہیں صرف کتابیں اٹھائے پھرنے کا تو کوئی مزہ نہیں۔ تو جب دین کی باتیں ایسی ہو جائیں کہ وہ بوجھ ہی بن جائیں نہ ان کا ذاتی علم رہے، نہ ان کے پڑھنے کا شوق رہے تو انسان جس طرح کتابوں کا ایک انبار گدھے کی پیٹھ پر لاد دیتا ہے اس طرح قومیں اپنی دینی ذمہ داریاں ان علماء کی پیٹھ پر لاد دیتی ہیں جن کی اپنی حالت اس زمانے تک گدھے جیسی ہی ہو چکی ہوتی ہے یعنی کتابوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود ان کے علم سے بے بہرہ اور ان کی معرفت سے عاری ہوتے ہیں۔ تو قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ یہود پر ایسا ہی ایک وقت آیا تھا کہ جب قوم نے اپنے دین کو بوجھ سمجھ لیا تھا اور بوجھ سمجھ کے انہوں نے بوجھ اُٹھانے والے مزدور ڈھونڈے اور کثرت سے ایسے علماء موجود تھے جنہوں نے اس بوجھ کو اٹھا لیا لیکن دینی لحاظ سے ان کے راہنما بھی وہ گدھے بن گئے اور جب گدھے قوم کے راہنما بن جائیں تو اس قوم کا ہلاک ہو جانا ایک منطقی نتیجہ ہے۔

پس قرآن کریم نے یہ بہت ہی گہری مثال بیان فرمائی اور ہمیں نصیحت فرمائی کہ دیکھو پہلے ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جبکہ ایک مذہبی قوم دین کے علم میں دلچسپی چھوڑنے کے نتیجے میں اس علم کو بوجھ سمجھنے

لگی تھی اور جب قوم کی یہ نفسیاتی حالت ہو جائے تو جن لوگوں پر وہ بوجھ ڈالا جاتا ہے وہ خود بھی اس نفسیاتی حالت کا پھل ہوا کرتے ہیں اور قوم سے الگ نہیں ہوا کرتے چنانچہ بوجھ تو اٹھا لیتے ہیں لیکن علم وہ بھی حاصل نہیں کرتے اور ایسے لوگ گدھوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ آیت جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں یہ ہے: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ:۶) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ اُن لوگوں کی مثال جن کو تورات عطا کی گئی تھی، تورات کی ذمہ داریاں جن پر ڈالی گئی تھیں۔ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا پھر وہ ذمّہ داریاں ادا کرنے سے کترانے لگے اور اُن ذمّہ داریوں سے پیٹھ پھر لی۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ایک ایسے گدھے کی سی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے۔ اب اس میں ایک طرف یہ ہے کہ انہوں نے بوجھ اُٹھانا چھوڑ دیا' دوسری طرف ہے کہ گدھے کی سی مثال ہے جس نے بوجھ اُٹھایا ہوا ہے تو کیا مطلب بنتا ہے۔ وہی مطلب بنتا ہے جو میں پہلے تفصیل سے آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ کہ قوم کو خدا تعالیٰ ذمّہ داریوں کے طور پر شریعت عطا کرتا ہے، وہ بوجھ سمجھنے لگتی ہے اور اس کی ذمّہ داریاں ادا کرنے سے انکار کرتی ہے تو وہ بوجھ قوم کا ایک حصّہ ضرور اُٹھاتا ہے لیکن ایسے ہی اُٹھاتا ہے جیسے گدھے کتابیں اُٹھانے والے ہوں۔

بہر حال میں بتا رہا ہوں کہ اس زمانے میں جب وقف جدید سے منسلک ہو کر میں نے سارے پاکستان میں اور مشرقی پاکستان بھی جو اس وقت ہمارے ملک کا حصہ تھا جائزے لئے تو اِس قسم کے ہولناک کوائف نظر کے سامنے آئے۔ اس وقت خیال آیا کہ اگر آغازِ اسلام سے ہی دیہات کی طرف نظر رکھنے کے کوئی انتظام کئے جاتے تو جس طرح بعد میں اسلام فرقوں میں بٹ گیا ہے کوئی بعید نہیں تھا کہ اس کی اس ہلاکت سے مسلمانوں کو بچایا جا سکتا۔ شہروں پر عموماً لوگوں کی نظر رہتی ہے اور دیہات کو گہری نظر سے نہیں دیکھتے اور دیہات میں ہی پہلے علمی لحاظ سے کمی محسوس ہوتی ہے اور دیہات میں ہی جہالت کے نتیجے میں چند علماء پر اعتماد پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ

جو کچھ یہ کہیں وہی ٹھیک ہے اور قرآن فرماتا ہے کہ اس دور کے علماء جبکہ عموماً دین میں دلچسپی کم ہو جائے خود بھی گدھوں کی طرح ہو جایا کرتے ہیں۔

پس یہ وہ المیہ تھا جس سے بچنے کے لئے وقف جدید کا آغاز ہوا۔ چنانچہ جب ہم نے دیہات کے جائزے لینے کے بعد مریضوں پر نظر ڈالی' ان کی تعداد دیکھی تو اس خیال سے وحشت ہوتی تھی کہ اتنی جائز ضرورتیں اس کثرت کے ساتھ ہیں اور ہم ان کو پورا نہیں کر سکتے ویسی ہی مثال ہے کہ:

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
کس کی حاجت روا کرے کوئی (دیوان غالب صفحہ:۳۳۰)

سینکڑوں ہزار و مطالبے تھے۔ جس گاؤں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ جس علاقے کا جائزہ لیا گیا ہر علاقہ پیاسا تھا۔ ہر جگہ علم کی بھوک تھی اور ایک طلب تھی کہ ہمارے پاس آدمی بھیجو ہمارے پاس آدمی بھیجو اور گنتی کے کل مبلغ جو پہلی کھیپ تھی وہ ۵۳ تھے پھر وہ ۷۰ ہوئے پھر آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھنے لگی۔ تو وقف جدید نے ایک بہت ہی اہم ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی اور وہ ضرورت ابھی تک باقی ہے اور اس ضرورت کا اُسے احساس ہے جو بعض علاقوں میں نہیں ہے لیکن رفتہ رفتہ ہوتا چلا جائے گا اور یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو دائمی ضرورت ہے۔ اس لئے وقف جدید کی تحریک بھی عارضی تحریک نہیں بلکہ ایک دائمی تحریک ہے۔ ابھی تک پاکستان میں وقف جدید کے جتنے معلّمین کی ضرورت ہے، اس کا دسواں حصہ بھی ہم پورا نہیں کر سکے۔ مشرقی پاکستان جو پہلے کہلاتا تھا اب بنگلہ دیش ہے وہاں کی بھی ضرورت ہماری طاقت سے اس وقت بہت زیادہ ہے ہندوستان میں تو بہت ہی تکلیف دہ حالت ہے کیونکہ مالی لحاظ سے جماعت نسبتاً غریب ہے اور کچھ عرصے عدم توجہگی کے نتیجے میں وہاں کی مالی قربانی کا معیار بھی گر گیا تھا۔ اب خدا کے فضل سے پھر بہتر ہو رہا ہے تو اس لحاظ سے جتنی ضرورت ہے اس کے مقابل پر ہم ضرورت پورا کرنے کے لئے بہت کم مواد رکھتے ہیں۔ مبلّغین کے لحاظ سے بھی بہت کم تعداد ہے اور اموال کی ضرورت کے لحاظ سے بھی ایک عرصے تک بہت کمی محسوس ہوتی رہی۔

افریقہ جا کر آپ دیکھے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا کے فضل سے بعض علاقوں میں بہت تیزی سے جماعتیں پھیل رہی ہے لیکن جماعتوں کے پھیلنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم نے اپنے مقصد کو حاصل

کرلیا۔ مقصد کا آغاز تو پھیلنے کے بعد ہوتا ہے جب کوئی علاقہ احمدیت کو قبول کر لیتا ہے تو اس علاقے میں روحانی انقلاب برپا کرنا احمدیت کا کام ہے۔ اگر قبول نہیں کرتا تو وہ کام ہی شروع نہیں ہوتا اِس لئے بیعتیں کروانا آخری مقصود نہیں ہے بلکہ بیعتیں کروانا آخری مقصود کی طرف پہلا قدم اُٹھانے کا ایک ذریعہ ہے۔ پس یہ سارے افریقہ کے علاقے جہاں کثرت کے ساتھ جماعتیں پھیلی ہیں وہاں اب وقف جدید کی قسم کی تحریکوں کے خاموش مطالبے ہو رہے ہیں یعنی بزبانِ حال وہ علاقے کہہ رہے ہیں کہ یہاں بھی وقف جدید جاری کی جائے۔ انشاء اللہ وقت آئے گا کہ دنیا کے ہر ملک میں یہ تحریکیں جاری ہوں گی اور وقف جدید کے ذریعے دیہاتی جماعتوں کی علمی، روحانی ضرورتیں پوری کی جائیں گی۔

اب میں آپ کے سامنے مختصراً گزشتہ سال کے یا سال رواں کے مالی کوائف رکھتا ہوں۔ اِس ضمن میں میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ چند سال پہلے غالباً پانچ سال پہلے میں نے باہر کی دنیا کے لئے بھی وقف جدید کے چندے میں شامل ہونے کی اپیل کی تھی اور یہ گزارش کی تھی کہ اگرچہ اب تک یہ تحریک پاکستان تک محدود رہی ہے اور بعد میں بنگلہ دیش بھی اس میں شامل سمجھا جانا چاہئے کیونکہ پہلے وہ پاکستان ہی تھا اور وہاں ہندوستان میں بھی۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جتنی ضرورت ہے اتنا روپیہ ہندوستان نہیں دے سکتا اس لئے باہر کی جماعتیں چندوں میں شامل ہو جائیں اگرچہ اُن کے اپنے اپنے ملکوں میں وقف جدید کا کام بے شک شروع نہ ہو مگر چندوں کی برکت میں وہ شامل ہو جائیں اِس سعادت میں شامل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت نے بہت ہی مثبت جواب دیا اور تقریباً ۵۲ ملک ایسے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے فضل سے باقاعدہ وقف جدید کا چندہ آنا شروع ہو گیا۔ اِس سال جب ہم نے جائزہ لے کر پہلے دس ممالک کی فہرست تیار کی کہ جو وقف جدید کی قربانی میں اوّل، دوم، سوم، دس نمبر تک آئے ہیں تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جرمنی کی جماعت جو تحریک جدید میں بھی اوّل تھی، وقف جدید میں بھی اوّل رہی ہے اور پاکستان کو میں اس میں شامل نہیں کر رہا۔ پاکستان تو خدا کے فضل سے اپنی اوّلیت کو ہر پہلو سے برقرار رکھے ہوئے ہے اور ابھی تک دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جو ثباتِ قدم کے لحاظ سے یا آزمائشوں پر رضا اور صبر کے ساتھ پورا اُترنے کے لحاظ سے، قربانیوں کے لحاظ سے اور کثرت کے ساتھ باخدا انسان پیدا کرنے کے لحاظ سے پاکستان کے مقابل پر ہو۔ پاکستان کی وہ اوّلیت جو ہندوستان سے ہجرت کے بعد اس کو عطا ہوئی

بفضلہ تعالیٰ ابھی تک قائم ہے تو آئندہ کے اعداد وشمار میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس میں آپ پاکستان کو شامل نہ سمجھیں، اُس کے علاوہ کے اعداد وشمار ہیں۔ جرمنی اوّل رہا ہے اور تحریک جدید میں بھی اوّل تھا اور خوشی والا تعجب اس بات پر ہے کہ ہندوستان دوسرے نمبر پر آ گیا ہے۔ گو باقی امور میں مختلف قِسم کے جو چندے ہیں ان میں ہندوستان کا نمبر بہت پیچھے ہے لیکن وقف جدید میں خدا کے فضل سے ہندوستان اس وقت دُنیا کی جماعتوں میں دوسرے نمبر پر آ گیا ہے۔ تحریک جدید میں ہندوستان کی پوزیشن چھٹے نمبر پر تھی۔ برطانیہ تیسرے نمبر پر ہے اور امریکہ چوتھے نمبر پر، برطانیہ تحریک جدید میں دوسرے نمبر پر تھا تو ایک سیڑھی نیچے اترا ہے وقف جدید کے معاملے میں اور اسی طرح امریکہ نے بھی اور کینیڈا نے بھی یہی نمونہ دکھایا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر اس کا برعکس مضمون دکھاتا ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ:

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیر رُسل ؎

تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے (درثمین صفحہ: ۱۷)

لیکن یہاں معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور کینیڈا برطانیہ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ تیرے گھٹنے سے قدم آگے گھٹایا ہم نے، ایک قدم تو اُترا ہے تو ہم بھی ایک ہی قدم اترے ہیں تو تحریک جدید کے مقابل پر وقف جدید میں جو مثال برطانیہ نے قائم کی وہی امریکہ نے اختیار کی اور کینیڈا نے بھی اور انڈونیشیا نے بھی۔ کافی دور دور تک آپ کے نمونے کے اثر پہنچے ہیں اور ماریشس بھی اسی طرح اسی نمونے پر ہے۔ یعنی سارے ایک ایک سیڑھی نیچے اتر گئے ہیں۔ لیکن ایک خوشی کی بات یہ ہے کہ ناروے جو آٹھویں نمبر پر ہے اس کا پہلے تحریک جدید میں کہیں کوئی شمار ہی نہیں تھا، یہ بھی جس طرح Dark Horse ہوتا ہے گھڑ دوڑ میں، ایک نا معلوم Unseen Player کی طرح اچانک وقف جدید میں ایک پوزیشن حاصل کر گیا ہے اور ڈنمارک بھی اسی طرح تحریک جدید کے مقابلے میں شامل نہیں ہو سکا تھا لیکن نویں نمبر پر آ گیا ہے اور ہالینڈ دسویں نمبر پر ہے۔ پہلے بھی دسویں نمبر پر تھا اس نے اپنی پوزیشن برقرار رکھی ہے۔

جہاں تک فی کس چندہ دینے کا تعلق ہے، تحریک جدید میں جاپان خدا کے فضل سے دُنیا کے سب ممالک میں آگے تھا، اب سوئٹزرلینڈ نے یہ پوزیشن حاصل کر لی ہے یعنی وقف جدید کا فی کس

چندہ دینے کے لحاظ سے سوئٹزرلینڈ نمبر ایک ہے پھر امریکہ، پھر ایران، پھر جاپان، پھر ہالینڈ اور فرانس اکٹھے اور پھر فجی، پھر کینیڈا، پھر جرمنی اور دسویں نمبر پر یو۔ کے ہے۔ اس پہلو سے امریکہ نے اور کینیڈا نے یو۔ کے کی پیروی نہیں کی اور بچ گئے۔ کل وعدوں کا جہاں تک تعلق ہے یہ بھی میں پاکستان کے وعدے اور وصولیوں کا ذکر چھوڑ کر صرف بیرون کا کر رہا ہوں۔ سال ۱۹۸۹ء میں وعدے 63552 پونڈ کے تھے۔ اِن وعدوں میں بہت سے ایسے ممالک شامل نہیں ہیں جن سے روپیہ منتقل نہیں ہوسکتا یا جو اپنے اعداد وشمار بہت تاخیر سے بھجواتے ہیں۔ اس ضمن میں میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا شعبہ مال خدا کے فضل سے بڑی مستعدی سے کام کرتا ہے۔ اگرچہ یہاں ہمارے شعبہ حال تحریک جدید میں کوئی بھی مستقل تنخواہ دار یا تنخواہ تو ہمارے چلتی نہیں گزارا الاؤنس سمجھ لیں، گزارا الاؤنس پانے والا کارکن نہیں ہے اور صرف دو کارکن ایسے ہیں جو طوعی طور پر اور وقف کی طرح ایک خدمت بجالا رہے ہیں مگر طوعی طور پر۔ ان میں ہمارے وکیل المال یا ایڈیشنل وکیل المال کہنا چاہئے کیونکہ اصل وکیل المال تو ربوہ میں ہیں ایڈیشنل وکیل المال محمد شریف صاحب اشرف ہیں اور ان کے ساتھ چوہدری محمد رفیق صاحب خدمت سرانجام دیتے ہیں دونوں ہی خدا کے فضل سے رضا کارانہ خدمت کرنے والے والے ہیں لیکن ایسا عمدہ کام سنبھالا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک پورا بڑا دفتر کام کر رہا ہے اور گھڑی کی طرح باقاعدگی کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر جو کام ہونے چاہئیں وہ شروع کر دیتے ہیں چنانچہ اِن کا طریق یہ ہے کہ دسمبر کے آغاز سے دو ڈیڑھ مہینے پہلے سے باقاعدہ تمام جماعتوں کو یہ خط لکھنے شروع کر دیتے ہیں کہ وقف جدید کا سال اختتام پذیر ہے آپ فوراً رپورٹیں تیار کریں اور دسمبر کے آغاز سے پہلے پہلے اس دفتر تک پہنچ جانی چاہئیں۔ اس پہلو سے جماعتوں کا جو ردّعمل ہے وہ کوئی اتنا خوشکن نہیں ہے۔ لیکن گزشتہ سال کے مقابلے پر پھر بھی کچھ بہتر Response یا جواب ہے۔ گزشتہ سال ۲۰ جماعتوں نے بروقت رپورٹ بھجوائی تھی امسال 26 جماعتوں سے بروقت رپورٹیں موصول ہوئی ہیں اور جہاں تک رپوٹوں کے باقاعدہ آنے کا تعلق ہے خواہ وہ وقت پر آئی ہوں یا بعد میں تو خدا کے فضل سے 52 مختلف ممالک سے گزشتہ سال رپورٹیں آئی تھیں ان 52 کے اعداد وشمار پر انحصار کرتے ہوئے یہ اعداد وشمار جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں بنائے گئے ہیں اس لئے ان کے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ کچھ اندازے ان میں شامل ہیں۔

رپورٹیں اب تک 52 میں سے صرف 26 کی ملی ہیں اور باقی جو رپورٹیں ہیں وہ ہم نے گزشتہ سال کے اعداد و شمار کو شامل کر لیا ہے۔ اس پہلو سے جو اعداد و شمار بنیں گے ان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بہتری تو ہو سکتی ہے کمی نہیں آئے گی یعنی 26 ممالک کے اعداد و شمار من وعن وہی ہیں جو واقعۃً ہیں اور باقی کے متعلق اندازہ ہے کہ پچھلے سال جیسی بھی قربانی اگر وہ کریں تو اتنی وصولی ان کی طرف سے ہو جانی چاہئے۔

اِس تمہید اور تعارف کے بعد اب میں اعداد و شمار پھر دوبارہ پڑھتا ہوں سال گزشتہ کل وعدے 63552 پونڈ کے تھے اور کل وصولی 69012 پونڈ کی تھی۔ سال ۹۰ء میں خدا کے فضل سے وعدوں میں بھی ترقی ہوئی اور 86867 کے وعدے ہوئے اور وصولی میں بھی ترقی ہوئی اور 87255 کی وصولی ہوئی۔ جہاں تک شامل ہونے والوں کا تعلق ہے گزشتہ سال یہ تعداد 23227 تھی یعنی پاکستان سے باہر کے سارے دنیا کے ممالک میں 23227 ایسے خوش نصیب تھے جنہوں نے وقف جدید کی تحریک میں حصّہ لیا۔ اِمسال 29721 ہیں یعنی کسی قدر اضافہ ہے۔ پچھلے سال بچگان کی تعداد صرف 6 ممالک سے موصول ہوئی تھی حالانکہ بچوں کے متعلق تو شروع سے ہی یہ وقف جدید بہت زور دے رہی ہے اور حضرت مصلح موعودؓ نے اس طرف بہت توجہ دلائی کہ زیادہ سے زیادہ بچوں کو اس میں شامل کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ تو خلافت کے اپنے تمام عرصے میں وقف جدید کی تحریک سے متعلق بڑوں کے چندوں کے مقابل پر بچوں کے چندوں میں زیادہ دلچسپی لیا کرتے تھے اور جب میں اعداد و شمار پیش کیا کرتا تھا تو پوچھا کرتے تھے کہ بچوں میں بتاؤ کتنا اضافہ ہوا۔ اس میں ایک حکمت یہ تھی اور بہت بڑی حکمت ہے کہ چندے سے زیادہ ہمیں اگلی نسلوں کے اخلاص میں دلچسپی ہونی چاہئے اگر ہم بچوں کو شروع ہی سے خدا کی راہ میں مالی قربانی کا مزا ڈال دیں اور اس کا چسکا ان کو پڑ جائے تو آئندہ ساری زندگی یہ بات ان کی تربیت کے دوسرے معاملات پر بھی اثر انداز رہے گی اور جس کو مالی قربانی کی عادت ہو وہ خدا کے فضل سے عبادتوں میں بھی بہتر ہو جاتا ہے۔ جماعت سے عمومی تعلق میں بھی اچھا ہو جاتا ہے اور یہ اس کی روحانی زندگی کی ضمانت کا بہت ہی اہم ذریعہ ہے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مجھے ہمیشہ بچوں کے متعلق زیادہ تاکید کیا کرتے تھے اور سوال بھی یہی ہوا کرتا تھا کہ بتاؤ بچوں میں کتنوں نے حصہ لیا ہے۔ بعض دفعہ ہم اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے بعض دوستوں سے بڑے بڑے وعدے لے لیا کرتے تھے تو حضرت خلیفۃ

المسیح الثالثؒ کو میں نے کبھی اس پر زیادہ راضی ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ یہی کہا کرتے تھے کہ بجائے اس کے کہ بعض لوگوں سے زیادہ لو زیادہ لوگوں سے کم بیشک لو لیکن زیادہ لوگوں سے لو چنانچہ اسی لئے میں نے بھی ہمیشہ یہی زور دیا ہے کہ زیادہ تعداد میں احمدی شامل ہوں اور خصوصیت سے بچے تو امسال میں یہی توجہ دلاتے ہوئے اپنے اس خطاب کو ختم کرتا ہوں کہ خدا کے فضل سے اگر چہ بیرونی جماعتیں بغیر کسی مرکزی محنت کے از خود وقف جدید کے چندے میں دلچسپی لے رہی ہیں اور دن بدن آگے بڑھ رہی ہیں لیکن اِس سال اس بات پر بہت زور دیں کہ شامل ہونے والوں کی تعداد بڑھائی جائے اور اگلی نسل کے زیادہ سے زیادہ بچے بے شک کم سے کم دیں مگر وقف جدید میں ضرور شامل کر لئے جائیں۔ اُس سے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نسلوں کے دین کی، ان کے اخلاص کی بھی حفاظت ہوگی اور ان کی ضمانت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ تمام دُنیا میں پھیلتے ہوئے اور مزید اُبھر کر نظر کے سامنے آتے ہوئے دینی تقاضوں کو پورا کریں اور خدا کی رضا کے مطابق ان کو پورا کر سکیں۔

اس وقت تک وقفِ جدید کی کل آمد 72 لاکھ روپے یا اس سے کچھ زائد ہو چکی ہے اور یہ 33واں سال ہے۔ تحریک جدید کے 33 واں سال میں کل آمد کیا تھی۔ اس کا ابھی ہمیں علم نہیں لیکن غالب خیال یہی ہے کہ تحریک جدید کے 33 ویں سال میں کل آمد اس سے کم تھی۔ اس لحاظ سے اگر چہ شروع میں یہ تحریک بہت پیچھے تھی تحریک جدید کے مقابل پر لیکن بعد میں اس کا قدم تیز تر ہو گیا ہے۔ تو جب اعداد و شمار آئیں گے تو پھر آئندہ مَیں آپ کو بتا دوں گا کہ وہ موازنہ کیا ہے لیکن بہر حال ایک کروڑ کا ٹارگٹ اب ہمیں اپنے سامنے نظر آرہا ہے۔ اگر ہم افراد کی تعداد بڑھا کر ایک کروڑ کا ٹارگیٹ حاصل کر لیں تو ایک دل کو بہت مطمئن کرنے والی بات ہوگی اور ایمان افروز بات ہوگی کہ وقف جدید کی تحریک جو بظاہر معمولی سی تحریک کے طور پر جاری ہوئی تھی وہ خدا کے فضل سے اس تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے کہ صرف اسی تحریک کا سالانہ وعدہ ایک کروڑ روپے تک پہنچ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ دعاؤں کے ذریعے بھی مدد کریں کیونکہ دُنیا میں کوئی دینی تحریک صحیح معنوں میں پنپ نہیں سکتی اور بارآور نہیں ثابت ہوسکتی جب تک آسمان سے اس کو پھل نہ لگیں اور آسمان سے پھل دعاؤں کے ذریعے ہی حاصل کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیج کا بحران، عراق کی تباہی یقینی بنادی گئی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱؍ جنوری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

جب خیبر کا قلعہ فتح ہوا تو اُس کے بعد حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ چنانچہ اس نکاح کے بعد اُس سفر سے واپسی پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ جس اُونٹنی پر سوار تھے اسی سواری کے پیچھے حضرت صفیہؓ کو بھی پیچھے بٹھا لیا۔ جو باتیں اس عرصے میں ہوئیں اُن میں سے ایک خاص موضوع پر جو گفتگو آپؐ نے فرمائی وہ احادیث میں محفوظ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ صفیہ! میں تم سے بہت معذرت خواہ ہوں اور دل کی گہرائی سے معذرت کرتا ہوں اس بات پر جو میں نے تمہاری قوم کے ساتھ کی یعنی یہودیوں کا قلعہ خیبر جو فتح کیا اور اس دوران جو یہود کے ساتھ سختی کی گئی اُس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صفیہؓ سے آنحضرت ﷺ نے معذرت فرمائی۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے تمہاری قوم نے مجھ سے کیا سلوک کیا تا کہ تمہیں یہ غلط فہمی نہ رہے کہ گویا میں نے کسی تعصّب کے نتیجے میں ناواجب ظلم کے طور پر قلعہ خیبر پر حملہ کیا اور اس کو تاخت و تاراج کیا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے آغاز سے لے کر اس وقت تک کے یہود قبائل کے ان مظالم کا اور ظلم و ستم کا ذکر کرنا شروع فرمایا جو شروع سے ہی وہ کرتے چلے آئے تھے اور پھر اپنی ذات سے متعلق خصوصیت سے حضرت صفیہؓ کو بتایا کہ کس طرح میرے اُوپر یہ لوگ ذاتی حملے کرتے رہے اور میری کردار کُشی کرتے رہے اور گالیاں دیتے رہے اور اِس ساری گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ نکاح کے بعد جو خاتون گھر میں تشریف لا رہی ہیں اُن کے دل پر کسی قسم کی غلط فہمی کا داغ نہ رہے اور آنحضرت ﷺ کی اس

شخصیت کے متعلق کسی قِسم کی کوئی بھی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

اِن دنوں چونکہ عراق کا معاملہ زیر بحث ہے، عراق اور کویت کا جو جھگڑا چلا ہے اس ضمن میں میں نے کئی خطبات اِس موضوع پر دیئے کہ مغربی قومیں اِن مسلمان ممالک سے کیا کر رہی ہیں۔ اِس دوران مجھے بھی بارہا یہ خیال آیا کہ وہ احمدی مسلمان جو مغربی قوموں سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے دِل میں کہیں یہ وہم پیدا نہ ہو کہ ہم نسلی اِختلافات کی وجہ سے اِس طرح مغرب کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور احمدیوں کے اندر بھی گویا دبا ہوا نسلی تعصب موجود ہے۔ پس سب سے پہلے تو میں اِس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہُوں کہ حضرت اقدس محمد ﷺ کے پیغامات میں سے ایک اہم پیغام یہ تھا جسے آپ نے اپنی زبان سے بھی دیا اور اپنے فعل سے بھی اس کی سچائی ثابت فرمائی کہ مذہب کا نسلی اختلافات سے کوئی تعلق نہیں اور مذہب اِس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ تعصّب کے نتیجے میں کِسی سے اختلاف کیا جائے یا کسی سے کسی قِسم کا جھگڑا کیا جائے۔ جماعت احمدیّہ بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سُنّت کے معدُوم حصّوں کو زندہ کرنے والی جماعت ہے۔ ایسی سُنّت کو اپنے کردار میں ازسرِنو زندہ کرنے کا عزم لے کر اُٹھی ہے جِس سُنّت کے حسین پہلوؤں کو بالعموم مسلمانوں نے بُھلا رکھا ہے۔ پس اس پہلو سے دُنیا کے کسی انسان کے ذہن میں یہ وہم نہ رہے کہ جماعت احمدیہ بھی نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ مشرق اور مغرب کی تقسیموں میں اور اختلافات میں یا سفید اور سیاہ کے اختلافات میں کسی قِسم کا نسلی تعصّب رکھتی ہے۔ کیونکہ نسلی تعصّب اور اسلام بیک وقت ساتھ نہیں رہ سکتے پس جو بھی تنقید میری طرف سے کی جاتی رہی ہے اور کی جائے گی وہ اِسلام کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے پیش نظر ہے اور اس پہلو سے جو بھی تنقید کا سزاوار ٹھہرے گا۔ اس پر تنقید کی جائے گی مگر تکلیف دینے کی خاطر نہیں بلکہ حقائق سامنے رکھنے کے لئے اور معاملات سمجھانے کی خاطر۔

اس تمہید کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب بھی میں تبصرہ کرتا ہوں اپنے دِل کو خوب اچھی طرح ٹٹول لیتا ہوں اور کبھی بھی کسی قِسم کے تعصّب کی بناء پر کوئی تنقید نہیں کرتا بلکہ خدا کے حضور اپنے دل کو پاک صاف کر کے حقائق اور سچائی بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ سچائی بعض صورتوں میں بعض لوگوں کو کڑوی لگتی ہے، بعض صورتوں میں بعض دُوسرے لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ مگر اس میں ہماری بے اختیاری ہے۔ **ہم محض تعصّبات کی وجہ سے کسی ایک کا ہمیشہ ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہمیشہ سچ کا ساتھ دیں گے، ہمیشہ**

کلام اللہ کا ساتھ دیں گے، ہمیشہ سُنّتِ نبوی کا ساتھ دیں گے اور جس نے ہمارا ہمیشہ کا دوست بننا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلام اللہ کا دوست بن جائے، وہ سنتِ نبوی محمد ﷺ کا دوست بن جائے اور حق کا دوست بن جائے۔ سچائی کا دوست ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ ہمیں ہمیشہ اپنے ساتھ پائے گا۔

پس اِس مختصر وضاحت کے بعد اَب مَیں دوبارہ اِسی مسئلے کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس پر دو خطبات چھوڑ کر اس سے پہلے کئی خطبات میں مَیں نے گفتگو کی۔ یعنی عراق کویت کے جھگڑے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عالمی صورتِ حال، اب صرف چند دن ایسے رہ گئے ہیں جن میں امن کی کوششیں بہت تیز کر دی گئی ہیں اور بالآخر رُخ اسی مشورے کی طرف ہے جو مشورہ میں نے آغاز میں قرآنی تعلیم کی صورت میں پیش کیا تھا۔ مَیں نے قوموں کو متوجہ کیا تھا کہ اِس کو اسلامی معاملہ رہنے دیں اور عالم اسلام آپس میں نپٹائے۔ عالم عرب بھی نپٹانے کی کوشش کرے مگر فی الحقیقت یہ درست نہیں ہوگا کہ عرب اسے صرف اپنا عرب مسئلہ بنالیں لیکن افسوس ہے کہ اس معاملہ میں جو کوششیں شروع کی گئی ہیں وہ بہت ہی تاخیر سے شروع کی گئی ہیں۔ اَب عالمی مسئلے سے عرب مسئلے کی طرف تو توجہ بڑی بڑی قوموں کی مبذول ہو چکی ہے۔ لیکن مسلمان مسئلے کے متعلق ابھی چند دن پہلے پاکستان میں بعض وزارئے خارجہ کی ایک کانفرنس ہوئی۔ اس میں اس مسئلے کو چھیڑا گیا اور پاکستان کی طرف سے ایک کوشش کی گئی کہ تمام دُنیا کے مسلمان ممالک مل کر اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کریں۔ لیکن اتنی تاخیر کے ساتھ اُٹھایا گیا قدم ہے کہ بظاہر اس کے نتیجے میں کچھ ہوتا ہوا دِکھائی نہیں دیتا۔

موجود صورت یہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ ان قوموں کی فہرست میں اوّلیت رکھتے ہیں جو شدت کے ساتھ عراق کو کُچل دینے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں اور ان ہی کی راہنمائی میں، ان ہی کی سیادت اور قیادت میں جنگ کا طبلہ بجایا جا رہا ہے اور بار بار اِس بات کو دُہرایا جا رہا ہے کہ عراق کو نیست و نابود کر دینا ضروری ہے تا کہ دُنیا باقی رہے۔ یعنی عراق اگر اپنی اس طاقت کے ساتھ باقی رہ گیا اور اسے اور موقعہ مل گیا تو دُنیا کا امن مفقود ہو جائے گا بلکہ دُنیا کے وجود کو شدید خطرہ لاحق ہوگا یہ ایک مؤقف ہے جسے بلند آواز سے دنیا کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اور بار بار جب انٹرویوز ہوتے ہیں یا اخبارات میں ان لوگوں کے سوال و جواب چھپتے ہیں تو ان میں ایک بات کو پیش کیا جا رہا ہے کہ دیکھو عراق نے کویت پر کتنے مظالم کئے ہیں اور اتنے خوفناک مظالم کے بعد جو عالمی رائے عامہ ہے کس طرح اس کو

نظر انداز کر سکتی ہے۔ ایسے ظالموں کو جنہوں نے قتل و غارت کیا، جنہوں نے لُوٹ مار کی، گھروں کو جلایا، ان کو خود زندہ رہنے کا کیا حق رہ جاتا ہے۔ اگر آج اس ظلم کے خلاف بیک وقت تمام قوموں نے مل کر پیش قدمی نہ کی اور ظالم کو سزا نہ دی تو پھر ظلموں کی راہیں کھل جائیں گی اور کوئی بھی کسی کو ظلم کی راہ پر چلنے سے روک نہیں سکے گا۔ یہ مؤقف ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اور عراق کا مؤقف اس کے برعکس یہ ہے کہ تم بڑے بڑے اصولوں کی اور اعلیٰ اخلاق کی باتیں کر رہے ہو لیکن بھول جاتے ہو کہ مشرق وسطیٰ میں عرب علاقوں میں جو کچھ بھی بے اطمینانی ہے اور بے چینی ہے جس کے نتیجے میں بار بار امن کو خطرہ لاحق ہوتا ہے اس کے اصل ذمہ دار تم ہو اور جب بھی ایسے مواقع آئے جب اُن مسائل کو جو مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں حل کیا جا سکتا تھا تو تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے روکیں پیدا کیں اور ایسی ہی بات جو ہم نے کی ہے یعنی جسے تم ناجائز قبضہ کہتے ہو، عراق ناجائز تو نہیں کہتا مگر کہتا ہے کہ جس طرح ہم نے کویت پر قبضہ کیا ہے اس طرح اسی قریب کے زمانے میں اسرائیل نے اُردن کے مغربی کنارے پر قبضہ کر رکھا ہے اور تم United Nations کی باتیں کرتے ہو حالانکہ United Nations نے بار بار ریزولیوشنز کے ذریعے اسرائیل کو قبضہ چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشیش کیں اور ہر بار خصوصیت کے ساتھ امریکہ نے ان کوششوں کی راہ میں روڑے اٹکائے اور بلکہ اگر Resolutions کو Vito کرنا پڑا تو ویٹو کر دیا۔ تو عراق، امریکہ اور برطانیہ کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ تم اخلاق اور پھر اعلیٰ اصولوں کی باتیں ترک کر دو۔ اگر واقعی تمہارے نزدیک ان اصولوں کی کوئی قدر و قیمت ہے تو پھر مجموعی طور پر ان تمام مسائل کو ایک ہی پیمانے سے ناپنے کی کوشش کرو اور ایک ہی طریق پر حل کرنے کی کوشش کرو، جو مسائل عراق کویت مسئلے سے ملتے جلتے پہلے سے موجود ہیں اگر تم ایسا کرو تو ہم اس بات پر رضامند ہوتے ہیں کہ ہم بھی انہی اصولوں کے مطابق جو بھی انصاف کے فیصلے ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے ۔ایک پہلو تو ان کے مؤقف کا یہ ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر کسی ملک کو کسی ملک پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی جائے محض اس لئے کہ وہ طاقتور ہے تو پھر دنیا سے امن ہمیشہ کیلئے اُٹھ جائے گا۔ یعنی ظلم والے حصے کے علاوہ اس کو الگ پیش کیا جاتا ہے اور قبضے والے حصّے کو الگ پیش کیا جاتا ہے گویا وہ دو دلائل ہیں۔ اب تعجّب کی بات یہ ہے کہ جو قومیں یہ باتیں کرتی ہیں اُن کی اپنی تاریخ اُن کے خلاف ایسی سخت گواہی دیتی ہے کہ کبھی دنیا

کی کسی قوم کے خلاف اس قوم کی تاریخ نے ایسی گواہی نہیں دی۔

امریکہ کی جو موجودہ حکومت ہے اس کا یورپ سے تعلق ہے اور زمانے کا جو نیا دور شروع ہو چکا ہے اسی زمانے میں یہ لوگ یورپ سے امریکہ گئے۔ سترہویں صدی کے آغاز کی بات ہے کہ پہلی دفعہ امریکہ دریافت ہوا اور اس کے بعد انہوں نے سارے امریکہ پر، شمالی امریکہ پر بھی اور جنوبی امریکہ پر بھی قبضہ کر لیا اور جو مظالم اُنہوں نے وہاں توڑے ہیں اور جس طرح نسل کشی کی ہے اُس کی پوری کی پوری تاریخ انسانی میں کوئی مثال شاذ ہی ملتی ہوگی۔ اُن قوموں کو جو اس وسیع براعظم کی باشندہ تھیں وہ ایک قوم تو نہیں تھی مگر Red Indians کے نام پر وہ ساری مختلف قومیں مشہور ہیں ان کا باقاعدہ ایک منصوبہ بندی کے ذریعے قلع قمع کیا گیا یہاں تک کہ وہ گھٹتے گھٹتے اب آثار باقیہ کے طور پر رہ گئی ہیں۔ یہی وہ قومیں ہیں جو جانوروں کے ساتھ ایسی محبت رکھتی ہیں کہ بار بار آپ اِن کے پریس میں یا اِن کے ٹیلی ویژن وغیرہ پر ایسے مضامین اور پروگرام دیکھ سکتے ہیں کہ جس میں یہ بتاتے ہیں کہ فلاں نسل کے غائب ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے اس کو بچاؤ۔ لیکن وسیع براعظم پر پھیلی ہوئی مختلف ریڈ انڈین قوموں کو خود انہوں نے اس طرح ہلاک کیا ہے اور اس طرح ملیا میٹ کیا ہے کہ ان میں بہت سی ایسی ہیں جن کا نام ونشان مٹ چکا ہے اور بہت تھوڑی تعداد میں وہ قومیں باقی رہ گئی ہیں جن کا ذکر ان کی تاریخ میں اور ان کے لٹریچر میں ملتا ہے۔ اب وہ صرف انکی فلموں میں دکھائی دیں گی یا اُن کے لٹریچر میں ورنہ اکثر وہ قبائل صفحۂ ہستی سے بالکل نابود ہو چکے ہیں اور جس رنگ میں مظالم کئے گئے ہیں وہ تو ایک بڑی بھاری داستان ہے۔ پھر افریقہ پر قبضہ کر کے یا افریقہ پر حملے کر کے یورپین قوموں نے جس طرح مظالم کئے ہیں جس طرح ان کو غلام بنا کر لکھوکھہا کی تعداد میں بیچا گیا اور ان سے زبردستی مزدوریاں لی گئیں اور امریکہ میں سب سے زیادہ ان قیدیوں کی مانگ تھی جن کو غلام بنا کر پھر امریکہ میں فروخت کیا گیا اور آج امریکہ کی آبادی بتا رہی ہے کہ وہاں کثرت کے ساتھ یہ سیاہ فام امریکن اسی تاریخ کی یاد زندہ کرنیوالے ہیں جب انسانوں کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا گیا کہ اس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جن قلعوں میں انکو پہلے قید رکھا جاتا تھا ان میں سے ایک قلعہ میں نے بھی دیکھا ہے اور اتنی تھوڑی جگہ میں اتنے زیادہ آدمیوں کو بھر دیا جاتا تھا کہ Black Hole کے متعلق جو ہم نے ہندوستان کی تاریخ میں پڑھا ہوا ہے ویسے

Black Hole بار بار بنائے گئے اور بہت سے آدمی اُن میں سے دم گھٹ کر مر جایا کرتے تھے اور باقیوں کو پھر گائے اور بھینسوں کی طرح ہانک کر جہازوں پر سوار کر دیا جاتا تھا۔ جہازوں کی جو حالت ہوتی تھی وہ ایسی خوفناک تھی کہ ان کے اپنے مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہاز پر ایک بڑی تعداد میں وہ سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکنے کے نتیجے میں مر جایا کرتے تھے۔اور بہت ہی برے حال میں وہاں پہنچا کرتے تھے۔ پھر وہاں ان کو اِس طرح ہانکا جاتا تھا جس طرح گائے بیل کو ہانکا جاتا ہے۔سانٹے مار کر ان سے باقاعدہ مزدوریاں لی جاتی تھیں یا ان کی سواریاں چلاتے تھے، ان کے ہل چلاتے تھے۔ ہر قسم کے کام جو بالعموم انسان جانوروں سے لیتا ہے وہ ان سے بھی لیتا تھا۔تو جس قوم کی یہ تاریخ ہو آج وہ یہ اعلان کر رہی ہو کہ انسانیت اور اعلیٰ اخلاق کے نام پر ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ کویت کی سرزمین کو بحال کرنے کیلئے ان کمزوروں کی مدد کریں۔ظلم وستم ہو رہا ہے۔اس کے خلاف ہم علم بلند کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ ہماری اعلیٰ اخلاقی قدریں ہم سے یہ تقاضا کر رہی ہیں، اگر ہم نے یہ نہ کیا تو دنیا سے انسانیت مِٹ جائے گی۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو دنیا سے ہر غریب اور کمزور ملک کا امن وامان اٹھ جائے گا۔اس کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں رہے گی۔ اگر یہ واقعۃً درست ہے اور اگرچہ بہت دیر میں خیال آیا ہے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بہت اچھا اب اس نیک خیال کے نتیجے میں امریکہ خالی کر دو اور جو بیچارے چند بچے کھچے Red Indians رہ گئے ہیں ان کے سپرد ان کی دولت کر کے واپس اپنے اپنے پرانے آبائی ملک کی طرف لوٹ جاؤ؟ لیکن جب آپ یہ کہیں گے تو کہیں گے تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ ان دونوں کے درمیان کوئی Link نہیں ہے۔ وہ اور بات تھی یہ اور بات ہے۔اب اگر دو ایک جیسی باتوں کو ''اور بات'' اور ''اور بات'' کہہ کر رد کر دیا جائے تو اس کا کیا جواب ہے۔

برطانیہ جو امریکہ کے ساتھ عراق کی مخالفت میں سب سے زیادہ جوش دکھا رہا ہے اور بار بار وہی دلائل دے رہا ہے ان کا اپنا حال یہ ہے کہ جب انہوں نے آسٹریلیا پر قبضہ کیا تو وہ بھی ایک براعظم تھا اور اس معاملے میں امریکہ کے ساتھ بہت گہری مشابہت ہے۔آسٹریلیا میں جو مظالم انگریز قابضوں نے توڑے ہیں وہ اتنے زیادہ خوفناک ہیں کہ امریکہ کے مظالم بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ایک نمایاں فرق آسٹریلین Aboriginies یعنی پرانے باشندوں اور امریکن باشندوں میں یہ تھا کہ امریکن باشندے لڑاکا قومیں تھیں۔جنگجو قومیں تھیں اور بڑی بہادری کے ساتھ

لڑ کر اپنے اپنے علاقوں کا دفاع کرنا جانتی تھیں اور بڑی عظیم الشان قربانیاں اس راہ میں دیتی تھیں لیکن آسٹریلیا کے Aboriginies بالکل امن پسند لوگ تھے اور ان بے چاروں کو لڑنا آتا ہی نہیں تھا۔ ان کو انہوں نے جنگلوں میں اس طرح شکار کیا ہے جس طرح ہرن کا شکار کیا جاتا ہے اور شکار کرنے کے بعد جو بچ جاتے تھے ان کو پکڑ کر باقاعدہ آپریشنز کے ذریعے اس حال تک پہنچا دیتے تھے کہ آئندہ ان سے نسل پیدا ہی نہ ہوسکتی ہو اور بہت ہی وسیع پیمانے پر اور بڑے بھیانک طریق پر نسل کشی کی گئی ہے یہاں تک کہ ان قوموں میں سے جن میں ایک وقت میں 1600 الگ الگ زبانیں بولی جاتی تھیں، اب صرف چند زبانیں ہیں جن کا ریکارڈ رہ گیا ہے اور ان قبائل کے بچے کھچے حصوں کے چند ایسے علاقے رہ گئے ہیں جہاں جس طرح چڑیا گھر میں جانور رکھے جاتے ہیں اس طرح ان کی حفاظت کی جارہی ہے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے کہ یہ وہ لوگ تھے جن سے ہم نے یہ ملک لیا ہے۔ ان کا انتظام کیا جارہا ہے کہ کم سے کم ان کی نسلیں باقی رہ جائیں۔ اب یہ برطانیہ کی تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں جو کچھ کیا گیا جو افریقہ میں کیا گیا، ان سب باتوں کے ذکر کا وقت نہیں ہے مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اصول اور اخلاق کی جب بات کی جائے تو اصول اور اخلاق زمانے سے بالا ہوا کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ بدل نہیں جایا کرتے۔

اب Sanctions کی باتیں کرتے ہیں تو حال ہی کی بات ہے کہ ابھی جنوبی افریقہ کے خلاف Sanctions کی گئیں اور ان Sanctions میں سالہا سال لگ گئے اور انہوں نے کوئی اثر نہ دکھایا یعنی نمایاں اثر نہ دکھایا۔ اس کے نتیجے میں یہ آواز بلند نہیں ہوئی کہ Sanctions میں اتنی دیر ہوگئی ہے وہ کام نہیں کر رہیں۔ اب ضرورت ہے کہ ساری دنیا مل کر جنوبی افریقہ پر حملہ کر دے اور خود مغربی ممالک نے خود انگلستان نے ان Sanctions کا بہت سے مواقع پر ساتھ نہیں دیا اور انگلستان کی رائے عامہ نے بھی اپنی حکومت کے خلاف آواز بلند کی مگر پرواہ نہیں کی گئی اور ان کے خلاف بھی کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ یہ کسی پرانی تاریخ کا حصہ نہیں یہ آج کی تاریخ کی باتیں ہیں اور نہ یہ کسی نے آواز بلند کی کہ جو قومیں Sanctions کے ساتھ تعاون نہیں کر رہیں ان کو زبردستی فوجی طاقت کے ساتھ Sanctions کے مطابق کارروائی پر مجبور کر دیا جائے اور نہ یہ آواز بلند کی گئی کہ اتنی دیر ہوگئی ہے Sanctions کام نہیں کر رہیں اب اس کے متعلق کچھ اور کرنا چاہئے لیکن

عراق کے متعلق یہ دونوں باتیں بڑی شدت کے ساتھ اٹھتی رہیں۔ ایک تو یہ کہ Sanctions یعنی اقتصادی بائیکاٹ اتنا مکمل ہو کہ کچھ بھی وہاں نہ جاسکے، خوراک نہ جاسکے، ادویہ نہ جاسکیں، کوئی چیز کسی قسم کی وہاں داخل نہ ہو نہ وہاں سے باہر نکل سکے اور ساتھ ہی اس سختی کے ساتھ اس کو نافذ کیا گیا کہ چاروں طرف سے عراق کی ناکہ بندی کر دی گئی بلکہ اردن کی بھی ناکہ بندی کر دی گئی۔ جس کے رستے سے یہ امکان تھا کہ یہ Sanctions توڑ دی جائیں گی یا ان کے کسی حصے میں اس کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ساتھ ہی اسرائیل کا اردن کے دریا کے مغربی کنارے پر قبضہ موجود ہے اس پر کوئی Sanctions نہیں لگائی گئیں اور جس قسم کے مظالم اسرائیل نے فلسطینیوں پر توڑے ہیں۔ ان کے ذکر میں کوئی آواز اس کے خلاف بلند نہیں کی گئی۔ اگر وہی دلیل جو آج عراق کے خلاف دی جارہی ہے وہاں بھی چسپاں کی جاتی تو آج سے بہت پہلے یہ مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔

پھر جب آپ امریکہ کی تازہ تاریخ پر غور کرتے ہیں تو خود امریکن مصنفین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے اور بعض اعداد و شمار پر مشتمل کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے C.I.A کے ذریعے آج کے زمانے میں تمام دنیا کے مختلف ممالک میں حسب ضرورت دخل دیا ہے اور Terrorism سے باز نہیں رہے۔ کسی قسم کی ظالمانہ کارروائیوں سے باز نہیں رہے اور وہاں اپنا حق سمجھا ہے کہ ہم جو چاہیں وہ کریں۔ ابھی حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے ’’Secret Wars of President یا President Secret Wars Covert Operation‘‘ یعنی امریکہ کے پریذیڈنٹ کی خفیہ جنگیں اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ Covert Operation یعنی مخفی کارروائیوں کی اصطلاح کے نیچے ہر قسم کے ظلم و ستم کی اجازت تھی۔ جو چاہو کرو جس کو چاہو قتل کراؤ جہاں چاہو پانیوں میں زہر ملا دو، خوراک کو گندا کر دو، عام بنی نوع انسانی کے قتل عام سے بھی پرہیز نہ کرو۔ جو چاہو کرو مگر مخفی طریق پر ہو اور Deniability کی طاقت موجود رہے یعنی یہ بھی ایک نئی اصطلاح ہے، بڑی دلچسپ Deniability کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پریذیڈنٹ صاحب باوجود اس کے کہ عملاً ہر چیز کی اجازت دے رہے ہوں لیکن ان کے لئے یہ گنجائش باقی رکھی جائے کہ جب بعض باتوں کا علم ہو اور ان سے سوال کیا جائے کہ بتایئے کیا آپ کے حکم پر ایسا ہوا تھا تو وہ کہیں بالکل نہیں۔ میرے حکم پر ایسا نہیں ہوا اور میں تحقیق کراؤں گا۔ اس

کا نام ہے Deniability تو جو Terrorism یہ مسلمان ملکوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے ہزار گنا زیادہ Terrorism اسرائیل تو الگ رہا خود امریکہ نے کیا ہوا ہے اور کر رہا ہے۔ آج بھی C.I.A اسی طرح مصروف عمل ہے کہیں فوجی انقلابات برپا کئے جا رہے ہیں۔ کہیں ویٹنام اور کوریا میں یا لاؤس میں یا گوئٹے مالا میں یا ایران میں جو ان کی کارروائیاں ہوئی ہیں آپ اس کتاب میں پڑھ کر دیکھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ وہ کتاب کسی مخالف کی نہیں بلکہ خود ایک امریکن مصنف کی ہے جس نے اور بھی اچھی کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور مستند کتابیں ہیں تو اب بتایئے وہ اصول کہاں گئے۔

فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان ممالک بدقسمتی سے سادگی سے کام لیتے ہیں اور سادگی بھی اتنی جو بے وقوفی کی حد تک سادگی ہے۔ ڈپلومیسی کی زبان نہیں جانتے۔ بجائے اس کے کہ وہ بھی کہیں کہ ہم Covert Operations کر رہے ہیں یعنی مخفی آپریشنز کر رہے ہیں کھل کر کہتے ہیں ہم تم سے انتقام لیں گے اے رشدی! ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ اے فلاں! اسلام اجازت نہیں دیتا کہ تم سے حسن سلوک کیا جائے۔ جس طرح چاہیں ہم تمہیں برباد کریں گے۔ ہاتھ میں کچھ ہوتا نہیں، ہتھیار ان لوگوں سے مانگتے ہیں، بناء اپنی ان قوموں پر ہے جن کے خلاف یہ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں اور اسی بنا کو اکھیڑنے کی دھمکیاں دے رہے ہوتے ہیں جس پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسی بنیاد کو اکھیڑنے کی دھمکیاں دے رہے ہوتے ہیں جس پر انہوں نے اپنی عمارتیں تعمیر کی ہوئی ہیں۔ محض بے وقوفی ہے، اور صرف بے وقوفی نہیں بلکہ ظلم یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں اسلام کی طرف منسوب کر کے کرتے ہیں اور اسلام سے سچی محبت کرنے والوں سے ساری دنیا میں مصیبتیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ ایک طرف یہ قومیں مظالم کرتی چلی جاتی ہیں، دنیا کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں جہاں چاہیں اپنی حکومت چلائیں۔ جس ملک کے باشندوں کو جہاں چاہیں ملیامیٹ کر دیں نیست و نابود کر دیں، صفحہ ہستی سے مٹا ڈالیں لیکن زبان ایسی ہونی چاہئے، اصطلاحیں ایسی ہونی چاہئیں جن کے پردے میں ہر قسم کی کارروائی کی اجازت ہے اور وہ جن کو کچھ کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے وہ نہایت احمقانہ زبان استعمال کر کے خود اپنا منہ بھی کالا کرتے ہیں اور اسلام کے اوپر بھی داغ ڈالتے ہیں۔ تو ایک میرا پیغام تو عالم اسلام کو یہ ہے کہ ہوش کرو عقل سے کام لو جن قوموں سے لڑنا ہے ان سے لڑنے کے انداز ہی سیکھ لو وہ زبان ہی اختیار کر لو جو زبان تمہارے متعلق یا دوسری قوموں کے خلاف وہ استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔

اب میں ایک تیسرے حصے کی طرف آتا ہوں۔عراقی موقف اور مغربی موقف میں نے بیان کیا دوسرے مسلمان ممالک نے بھی ایک موقف اختیار کیا ہے اور اکثریت نے سعودی عرب کے اس موقف کا ساتھ دیا ہے کہ اس موقعہ پر ضروری ہے کہ سب مسلمان ممالک مل کر یا زیادہ سے زیادہ تعداد میں مسلمان ممالک مل کر عراق کو مٹانے کا تہیہ کریں اور اس کوشش میں اکٹھے ہو جائیں لیکن صرف یہیں تک بات نہیں رہتی۔ **اس سے آگے بڑھ کر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ ارض حجاز مقدس زمین ہے اور مکہ اور مدینہ کی مقدس بستیاں یہاں موجود ہیں۔آج صرف کویت کا مسئلہ نہیں ہے آج مسئلہ ان بستیوں کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔ان بستیوں کے تقدس کی حفاظت کا مسئلہ ہے۔جن میں کبھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ** سانس لیا کرتے تھے۔ **وہاں آپؐ کے قدم پڑا کرتے تھے۔پس اسے بہت ہی تقدس کا رنگ دے کر عام مسلمانوں کے جذبات کو ابھارا جاتا ہے۔** چنانچہ پاکستان کی طرف سے بار بار اسی قسم کے اعلان ہوئے ہیں کہ اب ہم نے ارض مقدس کی حفاظت کے لئے دو ہزار سپاہی بھجوا دیئے، تین ہزار سپاہی بھجوا دیئے، پانچ ہزار سپاہی بھجوا دیئے اور ارض مقدس کے نام پر ہم یہ عظیم قربانی کر رہے ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ارض کی اپنی تاریخ کیا ہے؟ اور وہ لوگ جو ارض مقدس کا نام لے کر اور محمد مصطفی ﷺ کے تقدس کے حوالے دے کر مسلمانوں کی رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کا اپنا کیا کردار رہا ہے؟

امر واقعہ یہ ہے کہ سعودیوں نے یعنی اس خاندان نے سب سے پہلے خود ارض حجاز پر بزور شمشیر قبضہ کیا تھا اور ۱۸۰۱ء میں سب سے پہلے یہ فوجی مہم شروع کی گئی اور اس خاندان کے جو سربراہ تھے ان کا نام عبدالعزیز تھا۔لیکن عبدالعزیز کے بیٹے سعود تھے جو دراصل بڑی بڑی فوجی کارروائیوں میں بہت شہرت اختیار کر گئے اور بڑی مہارت رکھتے تھے۔چنانچہ ان کی سربراہی میں ان حملوں کا آغاز ہوا۔سب سے پہلے انہوں نے عراق میں پیش قدمی کی اور کربلائے معلٰی پر قبضہ کیا وہاں کے تمام مقدس مزاروں کو ملیا میٹ کر دیا یہ موقف پیش کرتے ہوئے کہ یہ سب شرک کی باتیں ہیں اور ان میں کوئی تقدس نہیں ہے، اینٹ پتھر کی چیزیں ہیں۔ان کو مٹا دینا چاہئے اور پھر کربلائے معلٰی میں بسنے والے مسلمانوں کا جو اکثر شیعہ تھے، قتل عام کیا اور پھر بصرہ کی طرف پیش قدمی کی اور کربلائے معلٰی سے لے کر بصرہ تک کے تقریباً تمام علاقے کو تاخت و تاراج کر کے وہاں شہروں کو آگیں لگا دی گئیں

قتل عام کئے گئے ،لوٹ مار کی گئی۔ ہر قسم کے مظالم جو آج عراق کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان سے بہت بڑھ کر، بہت زیادہ وسیع علاقے میں اسی خاندان نے عراق کے علاقے میں کئے ،لیکن وہاں سے طاقت پکڑنے کے بعد پھر ارض مقدس کی طرف رخ کیا اور طائف پر قبضہ کرلیا ارض حجاز میں اور ۱۹۰۳ء میں یہ مکہ اور مدینہ میں داخل ہو گئے اور مکہ اور مدینہ میں داخل ہونے کے بعد وہاں قتل عام کیا گیا اور بہت سے مزار گرادیئے گئے اور بہت سی مقدس نشانیاں اور مقامات مثلاً حضرت محمد ﷺ کا مولد، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مولد وغیرہ اس قسم کے بہت سے مقدس حجرے اور مقامات تھے جن کو یا تو منہدم کر دیا گیا یا ان کی شدید گستاخی کی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسلام میں ان ظاہری چیزوں کی کوئی قدرو قیمت نہیں ہے یہ سب شرک ہے اور جو خون خرابہ ہوا ہے اس کا کوئی معین ریکارڈ نہیں لیکن تاریخیں یہ لکھتی ہیں کہ بالکل نہتے اور بے ضرر اور مقابلے میں نہ آنے والے شہریوں کا بھی قتل عام بڑی بے دردی سے کیا گیا ہے۔

۱۸۱۳ء میں شریفان مکہ نے پھر اس علاقے کو سعودیوں سے خالی کروالیا اور پھر بیسویں صدی کے آغاز میں دوبارہ سعودیوں نے ارض حجاز پر یلغار کی اور اس دفعہ انگریزوں کی پوری طاقت ان کے ساتھ تھی۔ انگریزی جرنیل باقاعدہ ان کی پیش قدمی کی سکیمیں بتاتے تھے اور انگریز ہی ان کو اسلحہ اور بندوقیں مہیا کرتے تھے اور انگریز ہی روپیہ پیسہ مہیا کرتے تھے۔ اور باقاعدہ ان کے ساتھ معاہدے ہو چکے تھے چنانچہ ۱۹۲۴ء میں دوبارہ سعودی خاندان ارض حجاز پر قابض ہوا اور اس قبضے کے دوران بھی بہت زیادہ مقدس مقامات کی بے حرمتی کی گئی اور قتل عام ہوا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں انگریزوں کی تائید سے چونکہ یہ داخل ہوئے تھے اس لئے حال ہی میں جو BBC نے Documentry دکھائی اس میں ۲۴ء سے پہلے کی بھی انگریزی تائید کا ذکر کرتے ہوئے BBC کے پروگرام پیش کرنے والے نے یہ موقف لیا کہ جس ملک پر سعودیوں نے ہماری تائید سے اور ہماری قوت سے قبضہ کیا تھا اب اس ملک کے دفاع کے لئے ہم پر ہی انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔

پس اس نقطہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو بات بالکل اور شکل میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ جو بھی حکومت اس وقت مقامات مقدسہ پر قابض ہے وہ انگریز کی طاقت سے قابض ہوئی تھی یا مغربی قوموں کی طاقت سے قابض ہوئی تھی۔ اور اب دفاع کے لئے بھی ان میں یہ استطاعت نہیں ہے کہ

ان مقامات کا دفاع کر سکیں اور مجبور ہیں کہ ان قوموں کو واپس اپنی مدد کے لئے بلائیں ۔اب انگریز کا تصور اس طرح کا نہیں جو اس سے پہلے کا تھا۔تمام دنیا پر انگریز کی ایک قسم کی حکومت تھی ۔اب انگریز اور امریکہ ایک دوسرے کے ساتھ مدغم ہو چکے ہیں ۔ان کے تصورات یکجا ہو چکے ہیں اور عملاً جو امریکہ ہے وہ انگریز ہے اور جو انگریز ہے وہ امریکہ ہے ۔یعنی جو انگلستان ہے وہ امریکہ ہے اور جو امریکہ ہے وہ انگلستان ہے ۔تو اس پہلو سے انگریز نے اپنی تاریخ کا ورثہ امریکہ کے سپرد کیا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ان کے فیصلے ہمیشہ ایک ہوا کرتے ہیں ۔ یورپ اس سے کچھ مختلف ہے لیکن اس تفصیل میں جانے کی بہر حال ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ بنتا ہے کہ ارض مقدس اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے احترام کی باتیں کرتے ہوئے جو عالم اسلام کو ان مقدس مقامات کے دفاع کے لئے اکٹھا کیا جارہا ہے یہ سب محض ایک دھوکہ ہے۔ان مقدس مقامات کی حفاظت کے ساتھ دوسرے مسلمان ممالک کی فوجی شمولیت کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔نہ ان کی ضرورت ہے نہ اس کا کوئی تعلق ہے نہ فی الحقیقت کوئی خطرہ لاحق ہے۔اگر ان علاقوں کو خطرہ لاحق ہے تو غیر مسلموں سے لاحق ہوسکتا ہے۔مسلمانوں سے اگر خطرہ لاحق ہوسکتا تھا تو وہ خطرہ تو خود سعودیوں سے لاحق ہو چکا ہے اور اس خطرے میں جب تک انہوں نے غیر مسلموں کی مدد نہیں لی اس وقت تک ان علاقوں پر قبضہ نہیں کر سکے۔پس امر واقعہ یہی ہے کہ اب ان علاقوں کا دفاع بھی غیر مسلموں کے سپرد ہی ہوا ہے اور مسلمان ریاستیں شامل ہوں یا نہ ہوں اس دفاع سے اس کا کوئی تعلق نہیں یعنی اس امکانی دفاع سے دفاع کا تو ابھی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔امکان ہے ۔لیکن اگر آپ دیانتداری سے غور کریں تو اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے کہ عراق سعودی عرب پر حملہ کردے۔عراق کے پاس تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ ان بڑی بڑی طاقتوں کے اجتماعی حملے سے اپنے آپ کو بچا سکے اور سب دنیا تعجب میں ہے کہ یہ غیر متوازن حالت دیکھتے ہوئے صدر صدام حسین کس طرح یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ بار بار امن کی ہر کوشش کو رد کرتے چلے جاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس عظیم دباؤ کے نتیجہ میں وہ اس طرح پیسے جائیں گے جس طرح چکی کے اندر دانے پیسے جاتے ہیں اور ناممکن ہے کہ اتنی بڑی قوموں کی اجتماعی طاقت کے مقابل پر عراق کویت کا یا اپنے ملک کا دفاع کر سکے۔جو عالمی فوجی ماہرین ہیں یہ ان کی رائے ہے اور سب متعجب ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔آخر صدر صدام حسین کے

پاس وہ کیا بات ہے، کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہ صلح کی ہر کوشش کو رد کرتا چلا جا رہا ہے۔

تو امر واقعہ یہ ہے کہ ساری طاقتیں مغربی طاقتیں ہیں جنہوں نے اس علاقے میں کوئی کارروائی یا مؤثر کارروائی کرنی ہے یا کر سکتی ہیں۔ مسلمان ممالک کو اور وجہ سے ساتھ ملایا گیا ہے اور اس وجہ کا مقامات مقدسہ کے تقدس سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں صرف مسلمان ممالک کو ہی ٹوکن کے طور پر شامل نہیں کیا گیا، یورپ کے دوسرے ممالک کو بھی ٹوکن کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جاپان پر بھی بڑا بھاری دباؤ ڈالا گیا کہ تم شامل ہو جاؤ اور اس طرح دنیا کی مشرق و مغرب کی دوسری قوموں کو بھی ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی گئی اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی ضرورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا کے سامنے یہ قضیہ اس طرح پیش کیا جائے کہ ساری دنیا کی رائے عامہ اس ظالم کے خلاف ہے۔ اس لئے ساری دنیا کی اس رائے عامہ کے احترام میں ہم شدید ترین کاروائی بھی کریں اس کے اوپر حرف نہ آ سکے۔ اگر عراق کے خلاف انتہائی ظالمانہ کارروائی کی جائے اور پاکستان بھی اس کارروائی میں حصہ ڈال کر شریک ہوا بیٹھا ہو اور مصر بھی شریک ہوا ہو اور ترکی بھی شریک ہو چکا ہو اور دیگر مسلمان ممالک بھی شریک ہو چکے ہوں تو وہ پلٹ کر کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تو نے بڑا بھاری ظلم کیا ہے۔

پس آئندہ ان مظالم پر نکتہ چینی کے دفاع کے طور پر کہ دنیا ان پر نکتہ چینی نہ کر سکے جن کے منصوبے یہ پہلے سے بنائے بیٹھے ہیں اتنا بڑا ہنگامہ برپا کیا گیا ہے اور اس طرح رائے عامہ کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور ملکوں کو مجبور کیا گیا ہے کہ تم بھی اس ظلم میں حصہ ڈالو خواہ تم آرام سے ایک طرف بیٹھے رہنا چنانچہ بعض مسلمان ممالک جنہوں نے فوجیں بھیجی ہیں وہ کھل کر یہ کہہ رہے ہیں کہ بھئی ہم حملے میں تو شامل نہیں ہوں گے ہم تو صرف مقامات مقدسہ کی حفاظت کی خاطر مکے اور مدینے میں جا کے بیٹھیں گے۔ چنانچہ پاکستان نے بھی ایسا ہی جاہلانہ سا ایک اعلان کیا ہے یعنی مکے اور مدینے تک جو فوج پہنچ جائے گی اور تمام عالمی طاقتوں کو ملیا میٹ کرتے ہوئے پہنچے گی اس فوج سے بچانے کے لئے تم باقی رہ جاؤ گے۔ کیسا بچگانہ خیال ہے۔ دراصل ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں تم آؤ امن کے ساتھ ہماری گود میں بیٹھو۔ ہماری حفاظت میں رہو۔ ہم صرف تمہارا نام چاہتے ہیں اور تمہاری شرکت کا نام چاہتے ہیں۔ اس لئے تم شریک بن جاؤ اور یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ پس یہ ایک بہت بڑا خوفناک عالمی منصوبہ ہے اور اس منصوبے کو دنیا کے سامنے حسین طریق پر

دھوکے کے ساتھ پیش کرنے کے یہ سارے ذرائع ہیں جو اختیار کئے جارہے ہیں۔

اب پھر سوال اٹھتا ہے کہ صدر صدام حسین کیوں اس سیدھی سادھی کھلی ہوئی حقیقت کو جان نہیں سکتے، پہچان نہیں رہے اور کیوں مصر ہیں کہ نہیں، ان شرائط پر میں کویت کو خالی کرنے کیلئے تیار نہیں۔ میں اور باتوں کے علاوہ یہ سمجھتا ہوں کہ صرف کویت کو خالی کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہر حالت میں عراق کو نہتہ کر دیا جائے گا اور بے طاقت بنا دیا جائے گا اور کویت سے نکلنا پہلا قدم ہے۔ اسی لئے اس کے بعد صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم عراق پر حملہ نہیں کریں گے۔

یہ ساتھ نہیں کہتے کہ ہم عالمی بائیکاٹ ختم کر دیں گے۔ اقتصادی بائیکاٹ ختم کر دیں گے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم مزید دباؤ ڈال کر تمہارے کیمیائی کارخانے جو جنگوں میں ہلاکت خیز کیمیاوی مادے بنانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کو برباد نہیں کریں گے یا ان میں دخل نہیں دیں گے۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم تمہاری ایٹمی توانائی کے مراکز کو ختم کرنے کے لئے تم سے مزید مطالبے نہیں کریں گے اور مزید دباؤ نہیں ڈالیں گے لیکن یہ نہ کہنے کے باوجود دبی زبان سے یہ اظہار جگہ جگہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد کچھ کرنا ضرور ہے اور عراق خوب اچھی طرح سمجھتا ہے۔ عراق جانتا ہے کہ محض کویت کا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر میں کویت خالی بھی کر دوں تو جن مقاصد کی خاطر یہ کویت کی حمایت کر رہے ہیں وہ مقاصد پورے نہیں ہو سکتے جب تک مجھے بالکل ناطاقت کر کے نہ چھوڑا جائے۔ پس عملاً صدر صدام کے پاس دو راہیں نہیں بلکہ ایک ہی راہ ہے اور وہ راہ یہ ہے کہ اگر انہوں نے اپنے بدارادے پورے کرنے ہی ہیں تو پھر اس حالت میں مرا جائے کہ مرتے مرتے ان کو بھی اتنا نقصان پہنچا دیا جائے کہ ہمیشہ کے لئے لولوں لنگڑوں کی طرح رہیں اور پھر پہلے جیسی طاقت اور پہلے جیسا تکبر باقی نہ رہے۔ پس جہاں تک میں سمجھتا ہوں صدر صدام حسین اس وجہ سے بضد ہیں کہ تمہاری شرائط پر میں کویت خالی نہیں کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اب Perez De Cuellar اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل جو وہاں جا رہے ہیں ان کے ساتھ گفت وشنید کے دوران کچھ باتیں کھل کر سامنے آئیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اگر Perez De Cuellar کی طرف سے ایسی گفت وشنید کا آغاز ہو جائے جس کے نتیجے میں بالآخر عراق کو یہ تحفظ دیا جائے اور یونائیٹڈ نیشنز کی طرف سے اس بات کی ضمانت دی جائے کہ اگر تم کویت کو خالی کر دو تو اول تمام عرب مسئلے کو یکجائی صورت میں دیکھا جائے گا

اور United Nations اس کی طرف متوجہ ہوگی اور دوسرے یہ کہ اس کے بعد تمہارے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور عالمی بائیکاٹ کو اٹھا دیا جائے گا اور تمہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر یہ دو شرطیں ان کھلے الفاظ میں عراق کے سامنے رکھی جائیں تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ ان شرطوں پر عراق صلح کرنے پر آمادہ ہوگا لیکن خطرہ مجھے یہ ہے کہ یہی دو شرطیں ہیں جو سب سے زیادہ ان ممالک کے مزاج کے خلاف ہیں جن ممالک نے اس قصے پر ساری دنیا میں ایک طوفان اٹھا رکھا ہے۔ یہی وہ دو باتیں ہیں جو کسی قیمت پر ان کو قبول نہیں ہیں۔ اگر عراق کی فوجی طاقت کو مٹا دینا ان کے پیش نظر نہ ہوتا، اگر اسرائیل کا تحفظ ان کے پیش نظر نہ ہوتا تو کویت پر قبضے کے نتیجے میں انہوں نے کبھی بھی شور نہیں ڈالنا تھا۔ کویت کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ یہ دو بڑے مقاصد ہیں جن کی خاطر یہ سارا ہنگامہ کھڑا کیا گیا ہے اور کیسے یہ شرطیں مان جائیں گے جن سے خود یہ اپنے دو مقاصد کے اوپر تبر رکھ دیں اور ان مقاصد کو خائب و خاسر کر دیں اور نامراد کر دیں۔

پس یہ ہے آخری خلاصہ صورت حال کا۔ جماعت احمدیہ کو میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ میں نے شروع میں بات کھول کر بیان کی ہے ہم قومی اختلافات یا مذہبی اختلافات کے نتیجے میں بھی کسی تعصب کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے اور کسی تعصب کی بناء پر ہم فیصلے نہیں کر سکتے کیونکہ ہم دل و جان سے اس بات کے قائل ہیں کہ ہر وہ شخص جو تعصب کو اپنے دل میں جگہ دے یا تعصّبات کے نتیجے میں فیصلے کرے وہ صحیح معنوں میں مومن اور مسلم کہلانے کا مستحق نہیں رہتا۔ تعصّبات اور اسلام کو ایسا ہی بُعد ہے جیسے شرق و غرب کو آپس میں بعد ہے اور حقیقی اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ہر فیصلہ خدا کی ذات کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے اور اسی کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ ہر چیز کی بنیاد ہے ہر اسلامی قدر تقویٰ پر مبنی ہے اور تقویٰ کا حسن یہ ہے کہ تقویٰ خود اپنی ذات میں کسی مذہب کی اجارہ داری نہیں بلکہ تقویٰ ایک ایسی چیز ہے جو ہر مذہب کا مرکزی نقطہ ہونا چاہئے اور ہر مذہب کی تعلیم کو اس مرکزی نقطے کے گرد گھومنا چاہئے۔ تقویٰ کا مطلب ہے ہر سوچ خدا کی مرضی کے تابع کر دو اور ہر فیصلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔

پس جماعت احمدیہ سے میں توقع رکھتا ہوں کہ تقویٰ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اول تو تمام بنی نوع انسان کے لئے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو تقویٰ سے عاری فیصلوں کے نتیجے میں

ان عذابوں میں مبتلا نہ فرمائے جو عام طور پر ایسے حالات میں مقدر ہو جایا کرتے ہیں بلکہ غیر معمولی طور پر ان کے دلوں پر تسلط فرمائے اور ان کو توبہ کرنے کی توفیق بخشے اور اصلاح احوال کی توفیق بخشے اور سچائی کی طرف لوٹ آنے کی توفیق بخشے۔کل عالم کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کو امن عطا کرے اور امن سے مراد صرف ظاہری امن نہیں بلکہ امن سے مراد دل اور دماغ کا امن ہے کیونکہ میں قطعی طور پر اس بات کو ایک ٹھوس حقیقت کی طرح دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کا امن دل اور دماغ کے امن پر منحصر ہے وہ بنی نوع انسان جن کے دل امن میں نہ ہوں، جن کے دماغ امن میں نہ ہوں ان کا عالمی ماحول امن میں نہیں رہ سکتا۔ یا ان سے دنیا کو خطرہ ہوگا یا دنیا سے ان کو خطرہ ہوگا۔پس دماغ کے خلل اور دل کے خلل کے نتیجے میں بیرونی خلل واقعہ ہوا کرتے ہیں۔پس یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سوچوں کی اصلاح فرمادے۔ان کے دلوں کی اصلاح فرمادے۔ان کے معاشرے کی اصلاح فرمادے اور ان کے دل اور دماغ کو امن عطا کرے۔تا کہ بنی نوع انسان کو بحیثیت مجموعی امن نصیب ہو۔

اس موجودہ تعلق میں خصوصیت کے ساتھ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمان ممالک کو اب بھی عقل دے اور وہ اس ظلم میں غیر مسلم قوموں کے شریک نہ بنیں کہ ان کے اعلیٰ مقاصد کی خاطر جو ان کے مفادات سے تعلق رکھتے ہیں ایک عظیم مسلمان طاقت کو ملیا میٹ کردیں اور اپنے اپنے انگوٹھے اس فیصلے پر ثبت کردیں اور تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لئے ایک ایسی قوم کے طور پر لکھے جائیں جنہوں نے اپنی زندگی کے نہایت منحوس فیصلے کئے تھے۔ایسے فیصلے کئے تھے جو بدترین سیاہی سے لکھے جانے کے لائق بنتے ہیں۔جس کے نتیجے میں دنیا کے اندر ایسے تغیرات برپا ہونے ہیں اور آئندہ لکھنے والا لکھے گا کہ ہو چکے کہ ان فیصلوں کے بعد پھر دنیا کا امن ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا اور امن کے نام پر جو جنگ لڑی گئی تھی اس نے اور جنگوں کو جنم دیا اور ساری دنیا میں بدامنی پھیلتی چلی گئی۔مؤرخ نے یہ باتیں جو بعد میں لکھنی ہیں یہ آج ہمیں دکھائی دے رہی ہیں کہ کل ہونے والی ہیں اگر مسلمان ممالک نے ہوش نہ کی اور بر وقت اپنے غلط اقدامات کو واپس نہ لیا اور اپنی سوچوں کی اصلاح نہ کی۔ بہر حال اگر یہ انہی باتوں پر قائم رہے تو عراق مٹتا ہے یا نہیں مٹتا۔ **یہ تو کل دیکھنے کی بات ہے مگر اس سارے علاقے کا امن ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔کبھی دوبارہ عرب اس حال کو واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔** اسرائیل پہلے سے بڑھ کر طاقت بن کر ابھرے گا اور اسرائیل کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کے متعلق کوئی عرب طاقت

سوچ بھی نہیں سکے گی۔کم سے کم ایک لمبے عرصے تک اوراس کے نتیجے میں تمام دنیا میں شدید مالی بحران پیدا ہوں گے اور چونکہ آج کل دنیا کے ترقی یافتہ مما لک خود مالی بحران کا شکار ہیں اس لئے تیسری دنیا کے مالی بحران کے نتیجے میں ایسے سیاسی اثرات پیدا ہوں گے کہ اور جنگیں چھڑیں گی اور دنیا کا امن دن بدن برباد ہوتا چلا جائے گا۔مختصراً یہ کچھ ہے جو آئندہ پیش آنے والا ہے۔اگر آج مسلمان مما لک نے اصلاح احوال نہ کی۔

مغربی مفکرین بار بار یہ بات دہراتے چلے جارہے ہیں کہ اب Ball عراق کی کورٹ میں ہے اور صدر صدام کے ہاتھ میں ہے،اس بال کوکس طرف ہٹ لگائے جنگ کی طرف یا امن کی طرف حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے صدر صدام کے ہاتھ آپ لوگوں نے اس طرح باندھ رکھے ہیں اوراس معاملے کواس طرح اٹھایا ہے کہ اس کے لئے اب حقیقت میں کوئی دوراہے پر کھڑے ہونے والا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک ہی راہ پر کھڑا ہے جس میں آگے بڑھے تو تب بھی ہلاکت ہے پیچھے ہٹے تو تب بھی ہلاکت ہے آگے بڑھے تو ہلاکت اس رنگ میں ہوگی کی اچانک تیز ہلاکت لیکن ساتھ دشمن بھی بہت حد تک شدید نقصان اٹھائے گا۔ پیچھے ہٹے تو دم گھونٹ کر مارا جائے گا۔اس لئے صدر صدام حسین کو تو آپ نے دوراہے پر لا کھڑا نہیں کیا۔ بلکہ دوسری راہ اس سے منقطع کر دی ہے۔اگر باعزت سمجھنے کی کوئی راہ اس کے سامنے کھولی ہوتی تو پھر وہ یہ فیصلہ کرسکتا کہ جنگ کی راہ اختیار کروں یا امن کی راہ اختیار کروں۔اب تو فیصلہ یہی ہے کہ ایک دم مرمٹنے کی راہ اختیار کروں اور عزت کے ساتھ مرجانے کی راہ اختیار کروں یا ذلت کے ساتھ دم گھونٹ کر مارا جاؤں۔

ہاں Ball جو ہے دراصل صدر صدام حسین کی کورٹ میں نہیں ہے۔وہ مسلمان مما لک کی کورٹ میں ہے۔اگر مسلمان مما لک اس صورت حال کو صحیح سمجھ سکیں اور آج نہ سہی کل کے مورخ کے قلم سے بچنے کے لئے اور تاریخ جوان پر تعزیر لگائے گی اس سے بچنے کی خاطر ہی سہی اگر وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں اور یہ اعلان کر دیں کہ عراق سے نپٹنا ہوگا تو ہم نپٹیں گے۔مغربی طاقتیں ہمارے مما لک کو خالی کر دیں اور اگر کوئی مدد کرنی ہے تو ہتھیاروں کے ذریعہ جس طرح پہلے بھی مدد کی جاتی ہے۔عراق کی بھی مدد کرتے رہے ہو اس طرح ہماری مدد کرو اور اس معاملے کو ہمارے حال پر چھوڑ دو ہم اس سے خود نپٹیں گے۔اگر آج یہ اعلان کر دیں تو مغربی طاقتوں کے پاس کوئی بھی عذر باقی نہیں

رہتا کہ وہ زبردستی عراق پر حملہ کریں اور اگر پھر بھی وہ کریں تو پھر یہ بات اتنی آسان نہیں رہے گی تمام عرب میں اور تمام عالم اسلام میں مغربی ممالک کے خلاف بغاوت شروع ہو جائے گی ۔پس یہ اصل صورتحال ہے۔دعا یہ کریں کہ مسلمان ممالک کو اللہ تعالیٰ عقل عطا فرمائے۔صحیح سوچ اختیار کرنے کی توفیق بخشے اور جرأت مندانہ ایسا فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس کے نتیجے میں غیر قوموں کو عالم اسلام میں دخل اندازی کا بہانہ نہ رہے۔لیکن یہ بھی مجھے نظر نہیں آرہا اور جس حد تک یہ لوگ آگے بڑھ چکے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بنا بڑی شدید قسم کی خود غرضی ہے جس کی وجہ سے اسلام تو محض دور کی بات ہے عرب تعلقات بھی ان کی سوچ کی راہ میں بالکل حائل نہیں ہو رہے اور اپنی ہمسائیگی کا بھی قطعاً کوئی خیال نہیں اور یہ خطرہ بھی نہیں کہ عرب دنیا پر کیا گزرے گی ۔ یہ ساری چیزیں دور کی باتیں ہیں ۔ بنیادی طور پر اپنے ذاتی مفاد کا جو تقاضا ہے وہ ہر دوسری فکر پر غالب آچکا ہے۔اگر آپ نے غور کیا ہو تو آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ ۱۵؍جنوری کی تاریخ پر آخر اتنا زور کیوں دیا جا رہا ہے۔۱۵؍جنوری کوئی خدا نے تاریخ مقرر فرمائی ہے؟ یہ ہو کیا رہا ہے؟ چند مہینے پہلے تم کہہ رہے تھے کہ Sanctions لگائی گئی ہیں ایک سال کے اندر اندر Sanctions کام کریں گی اور یقیناً کریں گی چھ مہینے تک ہو سکتا ہے پورے نتیجے ظاہر نہ ہوں ۔اس قسم کی کھلی کھلی باتیں امریکہ کیا کرتا تھا اور دوسرے مغربی مفکرین بھی ایسے ہی تخمینے پیش کرتے تھے ۔اب اچانک یہ کیا ہو گیا ہے کہ اگرچہ ان Sanctions نے کام شروع کیا اور اس کی تکلیف بھی عراق کو پہنچی تو بجائے اس کے کہ انتظار کرو اور عراق کو اور کمزور ہونے دو اور اگر حملہ کرنا ہے تو اس وقت کرو۔اب اتنی جلدی کس بات کی پڑ گئی ۱۵؍جنوری کی تاریخ کا کیا تعلق ہے۔

میں نے غور کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں اس کا تعلق سعودی عرب اور اس کے ساتھیوں کی خود غرضی سے ہے اس ساری جنگ کا بل تو سعودی عرب نے ادا کرنا ہے اور یہ سعودی عرب بے شمار امیر ہونے کے باوجود اندر سے سخت کنجوس ہے ان کو Billions کے جو بل ادا کرنے پڑ رہے ہیں انہوں نے حساب لگایا ہوگا کہ اگر Sanctions کا انتظار کیا جائے تو جب تک عراق کا صفایا ہوتا اس وقت تک ہمارا بھی صفایا ہو چکا ہوگا ۔ ہمارے سارے بینک بیلنس ختم ہو چکے ہوں گے اس لئے ان کو بڑی سخت افراتفری پڑی ہے ۔اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ ہم تو اس عرصے میں کنگال ہو جائیں گے تو انہوں نے دباؤ ڈالا ہے اور امریکہ یہ بات کھل کر لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرسکتا کہ کون ہم پر دباؤ

ڈال رہا ہے۔صدر بش خود اپنے ملک میں ذلیل ہو رہا ہے کانگریس بار بار اس سے سوال کر رہی ہے کہ تم کل یہ باتیں کر رہے تھے Sanctions یوں چلیں گی اور یُوں چلیں گی اور ایک سال کا عرصہ گزرے گا اور عراق گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔اب اچانک تم نے سارے فیصلے بدل دیئے اور لڑائی کے سوا بات ہی کوئی نہیں کرتا۔اب صدر بش کس طرح کہے کہ بھئی ہم تو Mercenaries بنے ہوئے ہیں۔ہم تو کرائے کے فوجی ہیں اور وہ ملک ہمیں حکم دے رہا ہے جس نے ہمیں کرائے پر رکھا ہوا ہے، وہ کہتا ہے کہ جلدی کرو میں اس سے زیادہ بل برداشت نہیں کرسکتا۔تو اصل صورت حال یہ ہے۔

پس جب میں نے کہا کہ Ball اب مسلمان ممالک کی کورٹ میں ہے تو ایک تو عمومی نظریئے کے طور پر کہا، وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔دراصل بنیادی بات یہ ہے کہ سعودی عرب کے ہاتھ میں فیصلہ ہے اور اس کے جو Mounting Bills ہیں، اس کے بڑھتے ہوئے جنگی اخراجات ہیں وہ اسے مجبور کر رہے ہیں کہ جلدی یہ فساد بیچ میں سے ختم ہو اور پھر ہم اصل صورت حال کی طرف واپس لوٹیں۔مگر یہ بڑی بیوقوفی ہے ان کی جو یہ سوچ رہے ہیں کہ جلد اصل صورت حال کی طرف واپس لوٹیں۔اصل صورت حال کا تو نام ونشان مٹ چکا ہوگا۔اگر عراق مٹایا گیا تو اس کے ساتھ ماضی کی ساری کی ساری تاریخ ملیا میٹ کر دی جائے گی،عرب ممالک کے مزاج بدل چکے ہوں گے،عرب قوموں کی سوچیں بدل چکی ہوں گی اور نئے حالات میں نئے زمانے پیدا ہوں گے اور بیوقوفوں والی خوابیں دیکھنے والے یہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ جلد قضیئے سے نپٹیں اور اصل حالات کی طرف واپس لوٹیں کبھی بھی کسی اصل کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے بلکہ تاریخ انہیں رگیدتی ہوئی آگے بڑھاتی چلی جائے گی اور آئندہ نہایت خطرناک قسم کے حالات ہیں جو ان کو درپیش ہوں گے اور ان سے یہ بچ نہیں سکیں گے۔یہ تو تیز رفتار لہروں پر سوار ہو چکے ہیں۔جیسے پہاڑی ندی نالے زیادہ تیز اترائی میں چلتے ہیں تو ان کے منہ سے جھاگیں نکلتی ہیں،ان کے اوپر مضبوط سے مضبوط کشتی یا جہاز بھی ہو تو تنکوں کی طرح اس سے یہ موجیں کھیلتی ہیں اور خاص طور پر جب یہ ندیاں آبشاروں کی صورت میں چٹانوں سے نیچے اترتی ہیں تو بڑی سے بڑی مضبوط چیزوں کے بھی پرخچے اڑادیتی ہیں۔پرزہ پرزہ کرڈالتی ہیں۔پس یہ زمانے کی طاقتور

لہریں ہیں جن پر یہ سوار ہو چکے ہیں اور ان سے واپسی اب ان کیلئے ممکن نہیں۔

صرف ایک راہ واپسی کی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ اپنے فیصلے خدا کو پیش نظر رکھ کر کریں۔ امت مسلمہ کا عمومی مفاد پیش نظر رکھیں اور اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرنے پر تیار ہوں۔ اگر یہ ایسا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ عالم اسلام کے لئے ایک نیا عظیم الشان دور رونما ہوگا۔ وہ بھی ایک نیا دور ہوگا جو پہلے جیسا نہیں ہوگا کیونکہ پہلے کی طرف تو اب کبھی واپس نہیں جاسکتے مگر ایک ایسا دور ہوگا جو گزشتہ ادوار سے ہزاروں گنا بہتر ہوگا اور بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عقل دے گا اور اگر امید نہیں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو غیر معمولی طور پر عقل عطا فرمائے اور احمدیوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ ہم بہت کمزور ہیں لیکن ہم دعا کر سکتے، دعا کرنا جانتے ہیں، دعاؤں کے پھل ہم نے کھائے ہوئے ہیں اور کھاتے ہیں۔ پس جب نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؐ کی دعا کیا کریں تو خصوصیت کے ساتھ موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ سے یہ عرض کیا کریں کہ مکے اور مدینے کی بستیوں کا تقدس تو عبادت سے وابستہ ہے اور ہمیشہ عبادت سے وابستہ رہے گا۔ یہ بستیاں اس لئے مقدس ہیں کہ ان بستیوں میں ابراہیم علیہ السلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے عبادتیں کی ہیں۔ پس آج اس دنیا میں ان عبادتوں کو زندہ کرنے والے ہم تیرے عاجز غلام ہیں، اس شان کے ساتھ نہیں مگر جس حد تک بھی توفیق پاتے ہیں ہم ان عبادتوں کو اسی طرح زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، پس اے ہمارے معبود! ہماری عبادتوں کو قبول فرما اور ہماری مدد فرما اور آج اگر تو نے عبادت کرنے والوں کی مدد نہ کی تو دنیا سے عبادت اٹھ جائے گی اور دنیا سے عبادت کا ذوق اٹھ جائے گا۔ پس تو ہماری التجاؤں کو قبول فرما اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں، دنیا کی قوم کی طرف نہیں دیکھ رہے تیری طرف دیکھ رہے ہیں تیرے حضور جھک رہے ہیں تو مدد فرما۔ اگر ہماری یہ دعا قبول ہو جائے اور اگر دل کی گہرائیوں سے اٹھے اور تمام دنیا سے احمدی یہ دعائیں کر رہے ہوں تو ہرگز بعید نہیں کہ یہ دعا قبول ہو جائے تو پھر آپ

دیکھیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ Ball کسی کی کورٹ میں نہیں رہے گا Ball تقدیر الٰہی کی کورٹ کی طرف واپس چلا جائے گا اور آپ کی دعائیں ہیں جن کا ہاتھ تقدیر الٰہی پر پڑتا ہے یا جن کا ہاتھ تقدیر الٰہی کے قدموں کو چھوتا ہے اور پھر تقدیر الٰہی آپ کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ رنگ بدلتی چلی جاتی ہے۔اب دنیا کو یہ بدلتے ہوئے رنگ دکھادیں اور دنیا کو بتادیں کہ خدا آپ کا ہے اور آپ خدا کے ساتھ ہیں خدا آپ کے ساتھ ہوگا۔

خلیج کا بحران۔ عراق کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے

افریقہ کے فاقہ زدہ ممالک کیلئے صدقات کی تحریک۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸؍ جنوری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

پیر صاحب پگاڑا جو پاکستان کے ایک بزرگ سیاستدان ہیں انہیں خدا تعالیٰ نے ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔ ان جیسا ملکہ اور کسی پاکستانی سیاستدان میں میں نے نہیں دیکھا۔ مزاح کی زبان میں اور لطیف مزاح میں لپیٹ کر وہ بعض دفعہ ایسی ٹھوس حقیقتیں بیان کر دیتے ہیں جو اگر ظاہری کھلے کھلے لفظوں میں بیان کی جائیں تو ویسا اثر پیدا نہیں کر سکتیں اور ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو وہ بعض حالات میں کھلم کھلا کہنا مناسب نہ سمجھتے ہوں مگر اشاروں کی اس زبان میں جو خاص طور پر مزاح میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے وہ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کی خاص قدرت رکھتے ہیں۔ پیچھے کچھ عرصہ ہوا کسی نے ان سے پوچھا کہ بتایئے کہ مشرقی پاکستان جو پہلے ہوا کرتا تھا وہاں کے ان مسائل کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے مشرق کی باتیں کیا پوچھتے ہو۔ ہمارا تو قبلہ مغرب کی طرف ہے اور مغرب ہی کو ہم سجدہ کرتے ہیں اس لئے مغرب کی باتیں پوچھو۔ کیسی لطیف بات ہے اور کتنی گہری ہے۔ تو مزاح کے پردے میں لپٹی ہوئی لیکن ایک انتہائی دردناک حقیقت ہے جو روز بروز کھل کر ظاہر ہوتی چلی جارہی ہے۔ وہ قومیں جو قبلہ یعنی بیت اللہ سے مشرق کی طرف واقع ہیں ان کا ظاہری قبلہ تو بہرحال مغرب ہی کی طرف ہوگا لیکن پیر صاحب کی مراد یہ نہیں تھی بلکہ یہ مراد تھی کہ

ظاہری قبلہ مغرب کی طرف ہے اور باطنی قبلہ کسی اور طرف ہے مگر حیرت ہوتی ہے خانہ کعبہ کے محافظین پر کہ جو بیت اللہ میں رہتے ہوئے بھی مغرب کو سجدہ کرتے ہیں۔آج عالمی مسائل سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے سب سے اہم ضرورت قبلہ سیدھا کرنے کی ہے۔ جب تک ہمارا قبلہ سیدھا نہیں ہوتا اس وقت تک ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ایک زمانہ تھا کہ جب مسلمان قوم دو ایسے حصوں میں بٹی ہوئی تھی کہ ایک کا قبلہ مشرق کی طرف ہو چکا تھا اور ایک کا مغرب کی طرف اور دونوں میں سے کسی کا قبلہ بھی بیت اللہ کی طرف نہیں تھا وہ اپنے تمام مسائل میں یا مغربی قوموں کی طرف دیکھتے تھے یا مشرقی طاقتوں کی طرف۔ جو سیاسی تبدیلیاں روس میں اور روس اور امریکہ کے تعلقات میں پیدا ہوئی ہیں ان کے نتیجے میں اب ایک قبلہ تباہ ہو چکا ہے اور ایک ہی قبلہ باقی رہ گیا ہے ان کے لئے لیکن جو حقیقی قبلہ کبھی تباہ نہیں ہوسکتا، جو دائمی ہے اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنایا گیا اس قبلے کی طرف رخ نہیں کرتے۔

پس آج کے دور میں سب سے اہم ضرورت قبلہ درست کرنے کی ہے۔ یہ انتہائی دردناک حالات جو اس وقت عالم اسلام پر مصیبتیں بن کر اتر رہے ہیں، اس سے کئی قسم کے ردعمل پیدا ہورہے ہیں اور میں مختصراً ان سے متعلق جماعت کے سامنے وضاحت کرتا ہوں اور پھر جماعت کو نصیحت کروں گا کہ ان کو اسلامی تعلیم کے لحاظ سے کیا ردعمل دکھانا چاہئے۔

ایک بڑا حصہ سعودی عرب کی امامت میں یعنی مسلمان ممالک کا ایک بڑا حصہ سعودی عرب کی امامت میں کلیۃً مغرب پر اپنا انحصار کر بیٹھا ہے اور اس بات میں کوئی بھی عار نہیں اور کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا کہ عالم اسلام پھٹتا جارہا ہے اور دن بدن ان کے رخنے زیادہ گہرے ہوتے چلے جارہے ہیں۔عراق نے جو کچھ بھی کیا، جیسا کہ آپ خطبوں میں پہلے سن چکے ہیں۔ جماعت احمدیہ نے کبھی بھی عراق کے کویت پر اس حملے کی تائید نہیں کی، جماعت احمدیہ کا مؤقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق تمہارا بھائی اگر ظالم بھی ہو تو اس کی اس طرح مدد کرو کہ اس کے ہاتھ ظلم سے روکو۔ چنانچہ اس پہلو سے ہم نے عراق کی بارہا مدد کرنے کی کوشش کی۔ پیغامات بھجوائے گئے، خطبات میں بھی ہر طرح سے یہ مضامین بیان کئے کہ دو باتیں ایسی ہیں جو آپ کو ظلم میں شریک کر دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اگر آپ مدد چاہتے ہیں تو ظلم سے ہاتھ کھینچنا ہوگا۔ پہلی

بات یہ کہ کویت سے آپ کو اپنی فوجیں واپس بلا لینی چاہئیں اور عالمی برادری کے سامنے نہیں بلکہ مسلمان برادری کے سامنے کویت کے ساتھ اپنا معاملہ طے کرنے کے لئے پیش کریں اور امن کے ساتھ اور سمجھوتے کے ساتھ آپ کے اختلافات طے ہوں یہی قرآنی تعلیم ہے اور اسی تعلیم کے مطابق ہم نے بغداد کو نصیحت کی۔

دوسری بات ان کے سامنے یہ پیش کی گئی کہ باہر کے ملکوں کے نمائندے جو آپ کے ملک میں مختلف خدمات پر مامور تھے اور اسی طرح مختلف سفارتکار، وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس امانت ہیں اور اس امانت میں آپ نے خیانت نہیں کرنی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ خواہ یہ نصیحت ان تک پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو، از خود انہوں نے ایک معقول فیصلہ کیا اور مبنی بر انصاف فیصلہ کیا اور اپنے پہلے مؤقف کو تبدیل کر کے اس منصفانہ مؤقف پر آ گئے کہ ہمیں کسی Human Sheild کی ضرورت نہیں ہے، جو غیر ملکی باشندے ہیں وہ جہاں چاہیں جب چاہیں واپس جاسکتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اخباری نمائندگان کو بھی انہوں نے آج تک ایسی غیر معمولی سہولتیں دیئے رکھی ہیں کہ جن کے متعلق مغرب میں بھی یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ جب یہ اپنی زندگی اور موت کی جنگ میں اس طرح مصروف ہوں تو اتنی آزادی کے ساتھ غیر ملکی سفارتکاروں کو حالات کا جائزہ لینے اور باہر خبریں بھجوانے کا موقعہ دیں تو ایک پہلو سے تو وہ ظلم سے باز آ گئے لیکن کویت کے مسئلے پر اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا حکمتیں تھیں، کیا مجبوریاں تھیں کہ انہوں نے اپنا قدم واپس لینے سے انکار کر دیا اور اس انکار پر مُصر رہے اس کے نتیجے میں جو خوفناک جنگ اس وقت وہاں لڑی جارہی ہے وہ ظاہر ہے کہ بالکل یک طرفہ ہے وہ تمام طاقتیں جو بغداد کے خلاف اکٹھی ہوگئی ہیں ان میں مسلمانوں کا حصہ یہ ظاہر کرنے کے لئے ڈالا گیا ہے کہ یہ کوئی اسلام اور غیر اسلام کی جنگ نہیں بلکہ ایک ظالم کے خلاف مسلمان ممالک کی مدد کے لئے ہم قربانی کر رہے ہیں۔ اس قربانی کی حیثیت کیا ہے یہ تو سب دنیا جانتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ قربانی اس نوعیت کی ہے کہ غیر معمولی فوائد مغرب کو پہنچ رہے ہیں جن کا عام آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پروپیگنڈا ہو رہا ہے اس پروپیگنڈا کے پس پردہ بہت سے امور ہیں جو واقعات ہیں اور ان کو سمجھے بغیر آپ کو اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اس خوفناک جنگ کے نتیجے میں کونسی طاقت فائدے اٹھائے گی اور کونسی طاقت نقصان اٹھائے گی۔

جہاں تک عراق کا تعلق ہے وہ آپ جانتے ہیں کہ نقصان ہی نقصان ہے اور بہت ہی دردناک حالات ہیں۔عراق کو میں نے خطبات میں یہ بھی کھلم کھلا مشورہ دیا تھا کہ تمہیں لازم تھا کہ انتظار کرتے۔خدا تعالیٰ نے ایک طاقت عطا کی اس طاقت کو آگے بڑھانے کے لئے ابھی کھلا وقت درکار تھا اس لئے جو بھی فیصلے کئے گئے ہیں کچے ہیں، بے وقت ہیں اور نامناسب ہیں اس لئے اس وقت اس ظلم سے اپنا ہاتھ اٹھالو اور ترقی کرو۔

جلسہ سالانہ پر میں نے عالم اسلام کو یہ توجہ دلائی تھی کہ یہ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک صلاح الدین عطا کردے۔کچھ عرصہ ہوا جب میں نے بغداد کے حالات دیکھنے کے لئے ٹیلیویژن چلایا تو اس میں ایک پروگرام دکھایا جا رہا تھا جس میں بعض مسلمان علماء بڑے جوش کے ساتھ صدر صدام حسین صاحب کو صلاح الدین قرار دے رہے تھے لیکن جذبات کے نتیجے میں، اندھی وابستگی کے نتیجے میں صلاح الدین پیدا نہیں ہوا کرتے۔صلاح الدین سے میری مراد یہ نہیں تھی کہ ایک جذباتی بت کھڑا کر دیا جائے اور اس کا نام صلاح الدین رکھ دیا جائے۔صلاح الدین بننے کے لئے بہت سی صلاحیتوں کی ضرورت ہے اور ان صلاحیتوں کے علاوہ لمبے صبر کی ضرورت ہے۔سلطان صلاح الدین نے سب سے پہلے عالم اسلام کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی تھی۔زندگی کا ایک بڑا حصہ مختلف ٹکڑوں میں بٹی ہوئی عرب ریاستوں کو یکجا کرنے اور ایک مرکزی حکومت بنانے پر عمر کا ایک بڑا حصہ صرف کر دیا اور جب وہ گھر کے حالات سے پوری طرح مطمئن ہو گئے تب انہوں نے فلسطین کے دفاع کے لئے تمام عالم کی طاقتوں کو چیلنج کیا اور دنیا جانتی ہے کہ جس طرح آج مغربی طاقتیں بغداد کے خلاف اکٹھی ہوئی ہیں اسی طرح اس زمانے میں بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت اور جذبے کے ساتھ اس روح کے ساتھ کہ گویا مذہبی جنگ ہے، اس روح نے ان کے اندر دیوانگی کی ایک کیفیت بھی پیدا کر دی تھی پس زیادہ شدت اور جذبے اور دیوانگی کے ساتھ صلاح الدین کی طاقت کو توڑنے کے لئے مغرب نے بار بار کوششیں کیں اور باوجود اس کے کہ وہ نسبتاً کمزور تھا، باوجود اس کے کہ وہ کوئی غیر معمولی حربی صلاحتیں یعنی جنگی صلاحیتیں نہیں رکھتا تھا اس کے باوجود ہر بار اللہ تعالیٰ اس کو فتح پر فتح عطا کرتا چلا گیا اس میں بعض اور صفات بھی تھیں، وہ ایک بہت نیک اور متوکل انسان تھا وہ ایک ایسا شخص ہے جس کے متعلق یورپ کے شدید ترین معاند بھی حرف نہیں رکھ سکے کہ اس نے یہ ظلم کیا اور یہ

بداخلاقی کی۔ چنانچہ وہ محققین جنہوں نے بہت تلاش کیا ان میں سے بعض نے یہ اعتراف کیا کہ صلاح الدین کے متعلق ہم نے ہر طرح سے کھوج لگایا کہ کوئی ایک بات اس کے متعلق ایسی بیان کرسکیں کہ جس نے بنیادی طور پر انسانیت کی ناقدری کی ہو، انسانی قدروں کو ٹھکرایا ہو، ظلم اور سفا کی سے کام لیا ہو، بداخلاقی سے کام لیا ہو۔ مگر ایسی کوئی مثال اس کی زندگی میں دکھائی نہیں دی۔ ایک ہی مثال ان کے سامنے آئی اور یہی مصنف لکھتا ہے کہ اس مثال میں بھی جس کو مغرب نے اچھالا، دراصل کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ مثال یہ تھی کہ وہ یورپین شہزادہ جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے مزار کو اکھیڑنے کے لئے اس نیت کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہوا تھا اور بہت قریب پہنچ چکا تھا اور اس کے ارادے بہت بد تھے۔ اس کو صلاح الدین نے بالآخر پکڑ کر اس کی مہم کو ناکام اور نامراد کیا اور جب وہ شہزادہ صلاح الدین کے سامنے پیش ہوا ہے تو اس وقت اس کا پیاس سے برا حال تھا، ایک شربت کا گلاس وہاں پڑا ہوا تھا اس نے وہ گلاس اٹھایا اور پینے لگا تھا کہ صلاح الدین نے تلوار کی ایک ضرب سے وہ گلاس توڑ دیا کیونکہ صلاح الدین نے زیادہ حکمت عملی کے ساتھ ایک زیادہ طاقتور فوج کو شکست دی تھی اور ان کو صحراء میں آگے پیچھے کر کے ایسے اقدام پر مجبور کر دیا جس کے نتیجے میں وہ پانی سے محروم رہ گئے اور صلاح الدین کی یہ جنگ تلوار کی طاقت سے نہیں بلکہ اعلیٰ حکمت عملی کے نتیجے میں جیتی گئی تھی۔ پس وہ پیاس سے تڑپتا ہوا وہاں پہنچا اور اس وقت اس شربت کے گلاس سے اس کو محروم کر دیا گیا۔ یہ محققین نے ایک داغ نکالا کہ یہ داغ صلاح الدین کے چہرے پر ہے اس کے سوا ہم کچھ تلاش نہیں کر سکے۔

یہ مؤرخ جس کی کتاب میں نے ایک لمبا عرصہ ہوا پڑھی تھی، مجھے نام بھی یاد نہیں لمبا عرصہ پہلے پڑھی گئی تھی، وہ یہ لکھتا ہے کہ جو اعتراض کرنے والے ہیں وہ عرب مزاج کو نہیں سمجھتے اور عرب اعلیٰ اخلاقی روایات کو نہیں سمجھتے۔ عرب اعلیٰ اخلاقی روایات میں سے ایک یہ ہے کہ مہمان کو جو تمہارا گھر کا پانی پی چکا ہو یا تمہارے گھر کا کھانا چکھ چکا ہو اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے اس نے کیسا ہی بھیانک جرم کیا ہو اور اس کا جرم اتنا بھیانک تھا یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے مزار کی توہین کہ صلاح الدین جیسا عاشق رسولؐ کسی قیمت پر اس کو معاف نہیں کرسکتا تھا۔ پس اس کے نزدیک یہ بداخلاقی تھی کہ یہ اس کے میز سے پانی پی لیتا اور پھر وہ اس کو قتل کرتا نہ کہ یہ بداخلاقی کہ مرنے سے پہلے ایک دوسیکنڈ اور اس کو

پیاس میں تڑپنے رہنے دیتا۔

پس صلاح الدین ایک بہت بڑی عظیم شخصیت تھی جو اسلامی اخلاق کا ایک عظیم الشان مظاہرہ تھا۔ ایسا حیرت انگیز مظاہرہ تھا کہ بعض مغربی مؤرخین نے اس کو عمر بن عبدالعزیز ثانی کہنا شروع کر دیا اور وہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز میں جو صلاحیتیں جو روحانیت جو اعلیٰ اخلاق موجود تھے وہ سینکڑوں سال کے بعد صلاح الدین کی صورت میں عرب دنیا میں دوبارہ ظاہر ہوئے۔ پس صلاح الدین محض جذبات سے نہیں بنا کرتے۔ صلاح الدین نام بہت سی صلاحیتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ پس احمدی بھی شاید یہ پروگرام دیکھ کر جذباتی طور پر ہیجان پکڑ چکے ہوں، وہ کہہ رہے ہوں کہ دیکھو جی، ادھر دعا کروائی ادھر صلاح الدین عطا ہو گیا۔ یہ بچگانہ باتیں ہیں۔ آپ کی سوچ پختہ ہونی چاہئے کیونکہ آپ تمام دنیا کی راہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں میں آپ کو آپ کا یہ مقام یاد دلاتا ہوں آپ کسی ایک قوم اور کسی ایک مذہب کی راہنمائی کے لئے نہیں بلکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی غلامی سے آپ نے سیادت کی صلاحیتیں حاصل کی ہیں اور حضرت محمد ﷺ تمام دنیا کی سیادت کے لئے پیدا فرمائے گئے اور تمام دنیا کو صحیح مشورے دینے کیلئے پیدا کئے گئے تھے۔ ایسی پختگی انسانی عقل میں کبھی واقع نہیں ہوئی جیسی حضرت محمد مصطفی ﷺ کو عقل کی پختگی عطا فرمائی گئی تھی۔ آپ کا دل بھی کامل تھا، آپ کی عقل بھی کامل تھی اور دل کے جذبات کو عقل میں ناجائز دخل دینے کی اجازت نہیں تھی۔

آج کل جو انتہائی دردناک حالات گزر رہے ہیں ان میں بعض لوگوں کے لئے تو یہ ایک ایسا ہی تماشہ ہے جیسے کبھی کرکٹ کے میچ ہو رہے ہوتے ہیں اور ان میچوں کے دوران بچے بھی اور بڑے بھی دن رات، دن رات تو نہیں یعنی دن کے حصے میں ٹیلی ویژن کے اردگرد بیٹھے تماشے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ کوئی کرکٹ کا تماشہ نہیں ہے۔ بہت ہی خوفناک اذیتناک جنگ ہے Carpet Bombing کا آپ نے بار بار نام سنا ہوگا اس کا مطلب ہے کہ ایک علاقے کو مکمل طور پر اس طرح ملیامیٹ کر دیا جائے کہ کسی چیز کا کوئی نشان باقی نہ رہے اور ایک بم کے گڑھے کا تعلق دوسرے بم کے گڑھے کے کنارے سے ملتا چلا جائے۔ ایسی بمبارڈ منٹ (Bombard ment) عراق پر کی جارہی ہے کہ پہلی رات میں ہی ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم سے زیادہ طاقت کے بم وہاں گرائے جا چکے تھے اور اس وقت سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان حالات میں جب تمام عالم اسلام

کا دل درد سے بھرا ہوا ہے یعنی اس عالم اسلام کا جس کو اسلام سے محبت ہے جس کو انسانیت سے محبت ہے، جس کو بنی نوع انسان کے امن سے محبت ہے، جو انسانی قدروں کی بلندی چاہتا ہے اور کسی ایک قوم کی عصبیتی فتح کے نتیجے میں وہ نہیں ہوسکتا اس عالم اسلام کی میں بات کر رہا ہوں۔ اس عالم اسلام پر انتہائی درد کی کیفیت طاری ہے۔ دن رات دل دکھے ہوئے ہیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ صدر صدام کے ہر فیصلے پر صاد کر رہے ہیں۔ ہرگز اس کا یہ مطلب نہیں۔ صدر صدام نے جو یہ فیصلہ کیا کہ اسرائیل پر وہ سکڈ میزائلز پھینکیں اس کے نتیجے میں نقصان تو اتنا معمولی ہوا ہے کہ ایک معمولی بس کے حادثہ میں بھی اس سے بہت زیادہ نقصان ہو جایا کرتا ہے۔ زلزلے کے نتیجے میں اس سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ نقصان ہو جاتا ہے جو Terrorist آئر لینڈ سے آکر یہاں بم کے دھماکے کرتے ہیں ان کا نقصان اس سے بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن تمام دنیا اسرائیل پر اس حملے کے نتیجے میں Appal ہوگئی ہے، یہ الفاظ ہیں پرائم منسٹر آف بریٹن۔ (Prime Minister of Britain) کے کہ ہم Appal ہوگئے ہیں اس قدر حیرت اور سکتے میں پڑ گئے ہیں اور اس قدر خوفناک تعجب انگیز تکلیف پہنچی ہے کہ لفظ نہیں ہیں اس کو بیان کرنے کے لئے تو یہ ہمدردیاں ہیں عالمی قوتوں کی اسرائیل کے ساتھ۔ ایسے موقع پر ایک ایسا قدم اٹھانا کہ جس کے نتیجے میں عراقیوں کے لئے اور زیادہ تکلیف ہو اور اگر عراقیوں کو تکلیف پہنچے گی تو چونکہ اکثر مسلمان ہیں اور اکثر عراقی جنگ کے فیصلوں میں ذمہ دار اور شریک نہیں اس لئے دنیا کے ہر شریف انسان کو خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو اس تکلیف میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ پس جو تکلیف نہتے، غریب شہریوں کو پہنچ رہی ہے جو پہلے ہی فاقوں کا شکار ہیں اس پر ان پر ظالمانہ بمباریاں ہو رہی ہیں اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنا شدید نقصان اب تک پہنچ چکا ہے ان پر تو کوئی Appal نہیں ہو رہا ہے لیکن اس واقعہ پر اس لئے Appal ہو رہے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں اسرائیل نے جب جوابی کارروائی کی جو مظالم اب تک عراقیوں پر ہو چکے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ مظالم ہوں گے۔ پس دراصل اس Appal کے لفظ کے پیچھے یہ حکمت ہے اور دوسرا ایسے خطرات ہیں جو خود غرضانہ خطرات ہیں ان کو خطرہ یہ ہے کہ اگر اس کے نتیجے میں اسرائیل نے کوئی جوابی کارروائی کی اور عالم اسلام پھٹ گیا یعنی پھٹا تو پہلے ہوا ہے مزید پھٹ گیا اور کچھ مسلمان ممالک نے عراق کی تائید شروع کر دی تو ہمارے لئے اور مشکلات کھڑی ہو جائیں گی تو بہر حال جو اقدامات ایسے ہیں جن کے نتیجے میں مصیبتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، دنیا میں

کوئی بھی انسانیت اور اسلام کا سچا ہمدرد ان اقدامات پر خوش نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر صدر صدام کے غلط فیصلوں کے نتیجے میں اہل عراق کو دردناک سزائیں دی گئیں تو اس پر خوش ہونا مسلمان تو کیا ایک معمولی ادنیٰ انسان کو بھی زیب نہیں دیتا لیکن ساتھ ہی جب آپ ٹیلی ویژن پر وہ تصویریں دیکھتے ہیں جن میں بے کار بیٹھے ہوئے امیر، بھری ہوئی تجوریوں کے مالک کویتی اور سعودی کانوں کے ساتھ ریڈیو لگائے بیٹھے ہوئے عراق کی تباہی کی خبروں پر قہقہے لگاتے ہیں اور ایسے مزے اڑا رہے ہیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے دیکھ کر۔ جب ان تصویروں کو آپ دیکھتے ہیں تو انسان بیان نہیں کرسکتا کہ دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ حیرت سے دیکھتے ہیں کہ ایسے انسان بھی ہیں جو اسلام کے نام پر ساری دنیا میں اپنے تقویٰ کے ڈھنڈورے پیٹتے رہے ہیں اور یہ بتاتے رہے ہیں کہ ہم اسلام کے صف اول کے سپاہی ہیں ہم وہ ہیں جن کے سپرد خانہ کعبہ کی چابیاں کی گئی ہیں۔ جن کے سپرد مقامات مقدسہ کی حفاظت کی عظیم ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ہم وہ ہیں جنہیں عالم اسلام میں خدا تعالیٰ نے عظیم سیادتیں بخشی ہیں، یہ دعوے کرتے چلے جارہے ہیں اور انسانی قدروں کی حالت یہ ہے کہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے Next Door یعنی ساتھ کے ہمسایہ مسلمان ملک پر اس قدر خوفناک مظالم توڑے جارہے ہیں کہ ان کے حالات جب جنگ کے بعد سامنے آئیں گے تو مدتوں تاریخ ان کے ذکر پر روئے گی۔ ہلاکو خان کی باتیں تو قصہ ہو چکی ہیں وہ پرانی باتیں ہیں۔ ہلاکو خان کو تو جنگ عظیم کی ہلاکت نے خواب بنایا تھا اور اب یہ خود اقرار کر رہے ہیں کہ جنگ عظیم میں جو کچھ ہوا وہ کچھ بھی نہیں تھا، ویتنام میں جو بمباری ہوئی ہے اس کی باتیں چھوڑ دو۔ اب جو بمباری ہم کر رہے ہیں اس کی کوئی مثال بنی نوع انسان کی فوجی طاقت کے مظاہرے میں آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔ ان باتوں کو دیکھ کر قہقہے لگانے اور ہنسنا اور جہالت کے ساتھ ایسی طرز اختیار کرنا کہ جو کسی شریف انسان کو زیب نہیں دیتی۔ ایسی گھٹیا حرکتیں، ایسے گھٹیا انداز میں نے تو پہلی دفعہ دیکھا ہے میں تو حیران رہ گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اتنی دولتوں کا مالک بنایا گیا ہے اور یہ ان کا وقار ہے اور یہ ان کی عقل اور سمجھ بوجھ ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ استغفار کریں، کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ توبہ کریں۔ خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں خدا تعالیٰ کی چوکھٹ پر سجدے کریں اور اس سے دعا مانگیں کہ اے خدا ہم کس مصیبت میں پھنس گئے ہیں، مجبور ہو گئے ہیں کہ اپنے بھائیوں کو نیست و نابود کر دیں اور اس کے نتیجے میں صدقات کریں۔ بنی نوع انسان کی ہمدردی کا اظہار کریں، اس دولت کا صحیح استعمال کریں جس دولت کا

ان کو امین بنایا گیا ہے۔ یہ کرنے کی بجائے یہ صرف اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب کلیۂ عراق کی طاقت ہمیشہ ہمیش کے لئے صفحہ ہستی سے مٹادی جائے اور پھر فاخرانہ انداز میں یہ واپس اپنے چھوٹے سے ملک کویت میں داخل ہوں۔ اور پھر مغربی طاقتیں دوبارہ آ کر ان کے ملک کو از سر نو تعمیر کریں، پھر آباد کریں جب کہ عملاً عراق صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ساری جدو جہد کا، اس خوفناک بین الاقوامی صورت حال کا فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔ آج صبح کے انٹرویو میں کسی نے اسرائیل کے نائب وزیر دفاع سے پوچھا کہ دیکھیں اگر آپ نے کوئی ردعمل دکھایا یعنی ان سکڈ میزائل کے نتیجہ میں جو آپ کے بعض شہروں میں گرے لیکن زیادہ نقصان نہیں ہوا اگر آپ نے کوئی ردعمل دکھایا تو اس کے نتیجے میں عالم اسلام کا جو ہمارے ساتھ اتحاد ہے اس کو شدید نقصان پہنچے گا تو اس نے کہا: تم کیا باتیں کرتے ہو کیسی بے عقلی کا سوال ہے۔ مجھے تو اس سوال میں معمولی عقل کی بات بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اس نے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ سعودی عرب کا احسان ہے کہ امریکہ کے ساتھ ہے اور انگلستان کے ساتھ ہے اور یورپین ممالک کے ساتھ ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ کویت کا احسان ہے یا مصر کا احسان ہے۔ یہ تو سارے تمہارے ممنون احسان ہیں۔ ان کو ایک ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں ہوگی کہ اسرائیل عراق کو تباہ کرے یا کوئی اور تباہ کرے یہ ممالک ہیں جو تمہارے غلام ہیں، تمہارے ممنون احسان ہیں، تم پر کامل انحصار رکھنے والے ممالک ہیں ان کو توفیق ہی نہیں ہے کہ تم سے ناراض ہوسکیں۔ یہ جو جواب ہے اس میں بڑی گہری حقیقت ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کہ اس وقت یہ صورت حال ہو چکی ہے لیکن ایک بات سے مجھے شدید اختلاف ہے کہ اس نے کہا کہ تم نے ان پر احسان کیا ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مغرب نے نہ عالم اسلام پر کوئی احسان کیا ہے اس لڑائی میں حصہ لے کر نہ اُن مسلمان ممالک پر احسان کیا ہے جن کے نام پر یہ لڑائی لڑی جارہی ہے بلکہ ہمیشہ کی طرح اپنے ان مفادات کو حاصل کرنے کی ایک بہت ہی خوفناک کوشش ہے جو اس جدید تاریخ میں ہمیشہ سے اسی طرح کارفرما رہی ہے۔ کوششیں ہمیشہ ہوتی رہی ہیں کہ جب بھی دنیا میں کہیں بدامنی ہو اس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ فائدہ ترقی یافتہ قوموں کو پہنچے۔

پس اس صورت حال کے پیش نظر اگر آپ مزید تجزیہ کریں تو آپ کو میری بات کی خوب سمجھ آجائے گی کہ فائدے کس کے ہیں۔ یہ جو بے شمار جنگی ہتھیار اور جدید ترین جنگی ہتھیار میدان جنگ تک

پہنچائے جارہے ہیں ان پر بے انتہا خرچ آرہا ہے۔ ارب ہا ارب ڈالرز، آپ تصور ہی نہیں کر سکتے یوں سمجھیں کہ دولتوں کے پہاڑ خرچ ہورہے ہیں اور ایک بات آپ نے سنی تھی کہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ اس میں سے نصف سعودی عرب ادا کرے گا۔ دوسرے نصف کی کوئی بات نہیں کی گئی۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ دوسرا نصف کس کس مسلمان ملک کے حصے میں آئے گا کس کے ذمے، کس کے کھاتے میں ڈالا جائے گا اور میں آپ کو یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ دوسرے نصف کا بڑا حصہ کویت اور بحرین اور اسی طرح شیخڈم کی دوسری ریاستیں ادا کریں گی۔ اگر پورا نہیں تو لازماً ایک بڑا حصہ ان سے وصول کیا جائے گا۔ پس اس جنگ کا آخری واضح نقشہ یوں ابھرتا ہے کہ کسی ایسی طاقت کو فائدہ پہنچ رہا ہے جو خود جنگ میں شریک ہی نہیں ہے اور وہ اسرائیل ہے۔ آج کے ایک انٹرویو میں ایک مغربی مفکر یا سیاستدان نے کھل کر اس بات کو تسلیم کیا کہ ہم جو کہتے تھے کہ عراق کو تباہ کرو۔ اب تمہیں سمجھ آ گئی ہے ناں کہ کیوں کہتے تھے۔ یہ سکڈ میزائلز جو پوری طرح چل نہیں سکے اگر یہ اسی طرح رہ جاتے اور یہ جنگ نہ ہوتی تو آخر کار ان میزائلز کو زیادہ ہولناک طاقت کے ساتھ اسرائیل کے خلاف استعمال کیا جانا تھا تو جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے، مقصد کے لحاظ سے اس نہایت ہی خوفناک جنگ کا فائدہ صرف اور صرف اسرئیل کو ہے۔

جہاں تک اقتصادی فوائد کا تعلق ہے یہ تمام تر فائدہ مغربی ملکوں کو ہے وجہ یہ ہے کہ جو بھی ہتھیار یہاں استعمال کئے جارہے ہیں روس سے صلح کے نتیجے میں ان ہتھیاروں کی قیمت مٹی ہو چکی تھی کوئی بھی حیثیت باقی نہیں رہی تھی اور جو زیادہ تر بل ہے وہ ان ہتھیاروں کی قیمت کے طور پر ہے جہاں تک ٹرانسپورٹیشن کے اخراجات ہیں وہ تو سارے کلیۃً ان کے مفت تیل پر ہیں اور اگر صرف نصف بل بھی بنے تب بھی ان کی بچت کا جو مارجن (Margin) ہے یعنی جتنے فی صد بچت ان کو ہوگی وہ بھی غیر معمولی ہے پس اس جنگ کا اقتصادی فائدہ کلیۃً ان مغربی طاقتوں کو حاصل ہے جو اپنے فرسودہ ہتھیار یا نئے ہتھیار ایک ایسی جنگ میں استعمال کررہے ہیں جس جنگ کی قیمت وہ کسی اور فریق سے وصول کررہے ہیں۔ پس جنگ کی محنت کرنے والے مغربی لوگ، جنگ میں چند نقصانات اٹھانے والے یعنی چند جانی نقصانات اٹھانے والے مغربی لوگ اور اس کے نتیجے میں بے شمار اقتصادی فائدہ حاصل کرنے والے بھی مغربی لوگ۔ عالم اسلام کو اس کے شدید نقصانات ہیں اگر عراق کلیۃً تباہ ہو جائے تو یہی نقصان ایک بہت بڑا نقصان ہے جس کے بعد بیسیوں سال تک مسلمان روئیں گے لیکن اس کو نظر انداز بھی کردو تو اس

جنگ کے بعد جو نقشہ ابھرے گا وہ نہایت ہی خطرناک ہوگا۔ ایک تو یہ خطرہ فوری طور پر لاحق ہے کہ صدر صدام نے اگر ایک اور ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی کہ اسرائیل کو اس غرض سے ملوث کرنے کی کوشش کی کہ جو مسلمان ممالک مغربی طاقتوں کا ساتھ دے رہے ہیں وہ ان سے بٹ جائیں تو اسرائیل جب اپنی انتہائی بہیمانہ انتقامی کارروائی کرے گا تو کسی مغربی طاقت نے اس کے ہاتھ نہیں روکنے نہ ان کو اس بات کی پرواہ ہوگی اور اس پر بھی ان ہی مسلمانوں کے دل دکھیں گے جو بالکل بے بس ہیں اور جن کا کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ اسلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں جو انصاف سے محبت رکھتے ہیں۔ جو امن عالم سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے بعد اس کے نتیجے میں تمام عالم اسلام میں ایک ہیجان پیدا ہو جائے گا۔

اگر چہ ظاہری طور پر یہ جنگ جیت جائیں گے مگر بدامنی کے اتنے شدید خوفناک بیج بوڈالیں گے کہ وہ جگہ جگہ اُگیں گے اور اس کے نتیجے میں پھر بدامنیاں پیدا ہوں گی اور بدامنی کی آماجگاہ مسلمان ممالک بنیں گے۔ کہیں اس کے ردعمل میں مسلمان حکومتوں کا تختہ الٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ کہیں اس کے نتیجے میں وہ خوفناک مولویت ابھرے گی جس کا قرآن سے تعلق نہیں بلکہ وسطی تاریخ سے تعلق ہے۔ Middle Ages سے تعلق ہے اور وہ قیادت جو مذہبی جنون سے تعلق رکھتی ہو بظاہر خدا کی محبت اور رسول کی محبت اور قرآن کی محبت سے تعلق رکھتی ہو جو سیاسی نتائج کی وجہ سے ظہور پذیر ہو وہ قیادت ہمیشہ مزید ہلاکت پیدا کرنے والی ہوتی ہے اور اقوام کو مزید پہلے سے بھی بدتر حال کی طرف لے جاتی ہے۔ پس بے انتہاء مسائل ہیں جو اس خوفناک جنگ کے بعد ظاہر ہونے والے ہیں اور ہوتے چلے جائیں گے اور امن عالم کے لئے ان میں سے ہر خطرہ ایک مزید خطرے کا پیش خیمہ بن جائے گا کیونکہ اس قسم کے دھماکے جو مذہبی جنون کے نتیجے میں ہوں یا سیاسی احساس محرومی کے نتیجے میں ہوں۔ یہ دھماکے دور دور تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ جن کانوں تک ان کی گونج پہنچتی ہے کان وہ گونج دل کے ارتعاش میں تبدیل کر دیا کرتے ہیں اور وہ دل کے ارتعاش پھر دماغ تک پہنچتے ہیں اور سکیموں میں بدل جایا کرتے ہیں۔ دھماکا خواہ کویت میں ہو، خواہ مصر میں ہو، خواہ سوڈان میں ہو، دنیا کے کسی ملک میں بھی ہو مسلمانوں کو ہر جگہ اس کی دھمک سے ایک شدید تکلیف پہنچے گی اور ہیجان پیدا ہوں گے اور اس کے نتیجے میں اور کئی قسم کی تحریکیں جنم لیں گی اور یہ دھماکا اگر قومیت سے تعلق رکھے تو اس کے نتیجے میں قوموں میں

اس سے ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور ارتعاش پیدا ہوگا بہر حال یہ ایک لمبی تفصیل ہے اس معاملے کو وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ۔ آپ اسے جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بدامنی کے جو موجودہ حالات ہیں یہ ختم ہونے کے بعد بدامنی ختم نہیں ہوگی بلکہ بہت وسیع پیمانے پر جاری ہوگی اور ایک اور خطرہ بھی ہے کہ یہ موجودہ بدامنی ایک عالمی بدامنی میں بھی تبدیل ہو جائے اور وہ خوفناک عالمی جنگ لڑی جائے جس کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ممالک جو باہر بیٹھے ایک ملک کو تباہ کر کے اس کے تماشے دیکھ رہے ہیں خود ان حالات میں سے گزریں جن کے نتیجے میں وہ تماش بین نہ رہیں بلکہ تماشہ دکھانے والے بن جائیں اس لئے حالات بہت ہی خوفناک ہیں اور خطرناک ہیں اور گہرے ہیں ۔

میں جماعت احمدیہ کو یہ تلقین نہیں کرتا کہ یہ دعا کریں کہ فلاں فریق فتح مند ہو میں جماعت احمدیہ کو یہ تلقین کرتا ہوں کہ امن عالم کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ ہم تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے پیغام کے بھی عاشق ہیں، آپ کے نام کے بھی عاشق ہیں کیونکہ اے آقا! وہ تیرا عاشق تھا۔ اے زمین و آسمان کے مالک!! کبھی دنیا میں کوئی تیرا ایسا عاشق پیدا نہیں ہوا جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تھے۔ پس ہمیں تو آپ کے نام سے آپ کے کام سے، آپ کی ذات سے، آپ کے سلسلے سے محبت ہے اور آپ کو تمام بنی نوع انسان سے محبت تھی آپ تمام عالم کے لئے تمام عالمین کے لئے رحمت بنائے گئے تھے۔ پس ہماری آپ کی ذات سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تمام بنی نوع انسان کے غم میں گھلیں اور ان کے لئے بہتری کے سامان کرنے کی کوشش کریں ہمارے پاس دعا کے سوا کچھ نہیں ۔ ہم ایک کمزور اور نہتی جماعت ہیں ایک مظلوم جماعت ہیں لیکن ہم **محمدؐ کے نام پر تیرے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں اور گڑ گڑا کر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس آقا کی قوم پر رحم فرما اور تمام بنی نوع انسان پر رحم فرما اور عالمی مصائب سے ان کو بچالے خواہ وہ انسانی غلطیوں کے نتیجے میں ہیں یا بعض ایسی تقدیروں کے نتیجے میں جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے اور جو کچھ بھی ہو اس کے نتیجے میں فتح ہو تو اسلام کی فتح ہو فتح ہو تو انسانیت کو فتح ہو وہ کھوئی ہوئی اخلاقی قدریں جو مشرق سے بھی مٹ چکی ہیں اور مغرب سے بھی مٹ چکی ہیں وہ دوبارہ دنیا میں ابھریں اور دوبارہ دنیا پر غالب آئیں ۔ اے خدا اس وعدہ کو پورا فرما جس کا تو نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے ۔ کہ تو نے اس لئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا تھا کہ** لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصف:۱۰) **تا کہ اس کو اور اس کے دین کو تمام دنیا کے ادیان پر**

غالب کرے۔ پس ہم کسی قوم کی فتح کی دعا نہیں مانگتے ہم سچائی کی فتح کی دعا مانگتے ہیں۔ ہم اسلام کی فتح کی دعا مانگتے ہیں ہم سچ کی فتح کی دعا مانگتے ہیں۔ ہم انسانی قدروں کی فتح کی دعا مانگتے ہیں۔ اے خدا آج اگر ہماری دعاؤں کو تو نے نہ سنا تو اس دنیا کی نجات کا کوئی سامان نہیں ہے۔ پس ہم اپنے کامل خلوص اور کامل عجز کے ساتھ تیرے حضور سجدہ ریز ہیں اور گریہ کناں ہیں۔ ان غلاموں کی، محمد مصطفی ﷺ کے غلاموں کی التجاؤں کو سن اور دنیا میں وہ پاک انقلاب برپا فرما جس کی خاطر تو نے ہمیں بھی قائم فرمایا ہے۔ وہ عظیم روحانی اور عالمی انقلاب برپا فرما اور ہمیں اپنی آنکھوں سے دکھا دے کہ وہ تیرے سارے وعدے سچے نکلے جو وعدے اس انقلاب سے تعلق رکھتے ہیں کہ جو ''آخرین'' کے ذریعے دنیا میں برپا ہوگا اور وہ ''آخرین'' ہم ہیں اے ہمارے آقا، تو نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے اس لئے اپنے وعدوں کی لاج رکھ اور ہمارے ہاتھوں وہ روحانی انقلاب برپا کر دے یعنی ہماری دعاؤں کے طفیل وہ روحانی انقلاب برپا کر دے، جس انقلاب کے بغیر دنیا بچ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان عاجزانہ دعاؤں کو سنے اور ہمیں توفیق بخشے۔ امین۔

اس سلسلے میں ایک اور ضروری نصیحت ہے کہ دعا کے ساتھ مصیبتوں میں صدقات کا بھی حکم ہے۔ میں نے جب عالم اسلام کے موجودہ حالات پر غور کیا تو میری توجہ افریقہ کے ان بھوکوں کی طرف مبذول ہوئی جو کئی ملکوں کے وسیع علاقوں میں پھیلے پڑے ہیں۔ ایبے سینیا میں بھی، صومالیہ میں بھی، سوڈان میں بھی، چاڈ میں بھی، بہت سے ممالک میں کثرت کے ساتھ انسانیت بھوک سے مر رہی ہے اور انسان کو بحیثیت انسان ان کی کوئی فکر نہیں۔ اگر کچھ فکر کی ہے تو اہل مغرب نے کی ہے۔ ان کے ہاں ایسے پروگرام میں نے دیکھے ہیں جن کے تحت ان بھوکوں، ننگوں، ان یتیموں، ان فاقہ کشوں، ان بیماری میں مبتلا سسکتے پنجروں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں تاکہ بنی نوع انسان کا رحم حرکت میں آئے اور ان کی خاطر لوگ کچھ قربانیاں پیش کریں لیکن تیل کی دولت سے مالا مال وہ ممالک جن کے پاس تیل کے نتیجے میں دولتوں کے پہاڑ اکٹھے ہو چکے ہیں، وہ محمد مصطفی ﷺ کی طرف منسوب ہونے کے باوجود آپ کے پیغام کی روح کو بھلا بیٹھے ہیں اور ان کو کبھی خیال نہیں آتا کہ ہمارے ہمسائے میں بعض غریب افریقین ملک کس طرح فاقہ کشی کا شکار ہیں۔ سعودی عرب ہے یا عراق ہے یا دوسری مسلمان طاقتیں ہیں، کویت ہو یا بحرین ہو یا شیخڈم کی اور ریاستیں ہوں خدا تعالیٰ

نے ایک لمبے عرصہ تک ان کو بڑی بڑی دولتوں کا مالک بنائے رکھا ہے اور تو اور سوڈان ان کا ہمسایہ ملک ہے۔ وہ مسلمان بھی ہیں لیکن فاقوں کا شکار ہو رہے ہیں لیکن مالدار عرب ملکوں میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہو رہی۔ کسی کو خیال نہیں آیا کہ محمد مصطفی ﷺ کے دین کی امتیازی شان کیا ہے۔ جب آپ کی سیرت کی باتیں کی جائیں تو خدا کی محبت کے بعد سب سے زیادہ ذکر بنی نوع انسان کی محبت اور غریب کی محبت کا آتا ہے جو سیرت محمد مصطفی ﷺ کے روشن ہیولے کی طرح ابھرتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کا نام انسان کے ذہن میں آئے اور غریبوں کے ساتھ آپؐ کی ہمدردی اور ان کے ساتھ تمام عمر شفقت اور رحمت کا سلوک اچانک انسان کی نظر کو خیرہ نہ کردے۔ محمد مصطفی ﷺ کی روشنی میں غریب کی ہمدردی کی روشنی شامل ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے تلاش کرنا ہو تو غریبوں میں تلاش کرنا۔ قیامت کے دن میں درویشوں میں ہوں گا، غریبوں میں ہوں گا اور فرمایا ان کا خیال کرنا کیونکہ تمہاری رونقیں اور تمہاری دولتیں غریبوں کی وجہ سے ہیں۔ ان ہی کی محنتیں ہیں جو رنگ لاتی ہیں اور پھر وہ تمہاری دولتوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ کم سے کم اتنا تو کرو کہ ان سے شفقت اور محبت اور ہمدردی کا سلوک کرو۔ پس حضرت محمد ﷺ بلاشبہ تمام کائنات میں سب سے زیادہ غریبوں کے ہمدرد تھے اور آپ کے نام کے صدقے خدا سے دولتیں پانے کے بعد اور دولتوں کے پہاڑ حاصل کرنے کے بعد اپنے ہمسایہ ملکوں میں غربت کے اتھاہ گڑھوں کی طرف دیکھنا اور دل رحم کے جذبے سے مغلوب نہ ہو جانا یہ کوئی انسانیت نہیں ہے۔ اگر یہ مسلمان ممالک دعا کی طرف متوجہ رہتے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کی طرف متوجہ رہتے تو میں یقین رکھتا ہوں کہ آج اس بڑے خوفناک ابتلاء میں مبتلا نہ کئے جاتے۔ پس ہم اپنی غربت کے باوجود ہر نیکی کے میدان میں ان کے لئے نمونے دکھاتے ہیں۔ اس میدان میں بھی ہم نمونے دکھائیں گے۔ پس دعائیں کریں اور ان کو دعاؤں کی تلقین کریں۔ صدقے دیں اور ان کو صدقوں کی تلقین کریں۔ صبر کریں اور ان کو صبر کی تلقین کریں کیونکہ قرآن کریم کی سورتوں سے پتا چلتا ہے کہ آخری زمانے میں وہی لوگ فتح یاب ہوں گے کہ جن کے متعلق فرمایا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد: ۱۸) کہ وہ صبر کی تلقین صبر کے ساتھ کیا کرتے تھے یا کیا کریں گے اور رحمت کی تلقین رحمت کے ساتھ کرتے تھے۔ پس میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دس ہزار پاؤنڈ جو ایک بہت معمولی قطرہ ہے جماعت کی طرف سے افریقہ کے

بھوک سے فاقہ کش ممالک کیلئے پیش کروں اور حسب توفیق ذاتی طور پر پیش کروں گا اور ساری جماعت بحیثیت جماعت بھی کچھ نہ کچھ صدقہ نکالے۔ جماعت کے ایسے فنڈ ہوتے ہیں جن میں صدقات یا زکوۃ وغیرہ کی رقمیں ہوتی ہیں کچھ تو لازماً مقامی غریبوں پر خرچ کرنی پڑتی ہیں، کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو اس کے علاوہ بچ جاتی ہیں، وہ ''عفو'' کہلاسکتی ہیں۔تو قرآن کریم فرماتا ہے: وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ:۲۲۰) اس عفو کا ایک یہ بھی معنی ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس ان مدات میں سے بچ سکتا ہے وہ بچاؤ اور غرباء کی خدمت پر خرچ کرو یعنی اور علاقوں والے غرباء کی خدمت پر بھی خرچ کرو اور اسی طرح ذاتی طور پر بھی افراد جماعت خرچ کریں اگر چہ جماعت کی ساری دولت خدا ہی کی دولت ہے اور خدا ہی کی خاطر نیک کام پر خرچ ہوتی ہے لیکن ایک یہ بھی میدان خدا ہی کی خاطر خرچ کرنے کا میدان ہے۔پس میں کوئی معین تحریک نہیں کرتا مگر میں یہ تحریک کرتا ہوں کہ خالصتاً اس نیت کے ساتھ کہ ہمارے ان صدقات کو اللہ تعالیٰ امن عالم کے حق میں قبول فرمائے مسلمانوں کے مصائب دور کرنے کیلئے قبول فرمائے جتنا ممکن ہو صدقات دیں ہماری دعائیں بھی ان دو باتوں کیلئے وقف رہیں اور ہمارے صدقے بھی جس حد تک ہمیں توفیق ہے ان نیک کاموں پر خرچ ہوں اور یہ جو سارے صدقات ہوں گے یہ خالصتاً افریقہ کے فاقہ زدہ ممالک پر خرچ کئے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی آنکھیں کھولے جن کو قرآن نے کھلی کھلی نیکی کی تعلیم دی تھی لیکن اس سے یہ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔

آج کا یہ جو خطبہ تھا یا ابھی جاری ہے۔یہ جاپان میں بھی سنا جارہا ہے۔مغربی جرمنی میں بھی سنا جارہا ہے۔ماریشس میں بھی سنا جارہا ہے ان کے علاوہ یہ خطبہ نیویارک (امریکہ) ڈنمارک اور بریڈفورڈ میں بھی سنا جارہا ہے تو یہ جو مواصلات کے نئے ذرائع ہیں حیرت انگیز ترقی کر چکے ہیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ جو خطبے وہاں سنتے ہیں وہ اپنے جمعہ کا اس کو حصہ نہ بنائیں۔میں اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ خطبہ کہیں اور پڑھا جارہا ہو اور باقی لوگ باقاعدہ اس کو جمعہ کے حصے کے طور پر فریضے کی ادائیگی میں شامل کرلیں اپنا جمعہ آپ کو الگ پڑھنا ہوگا اور پھر جاپان میں تو اس وقت وقت ہی اور ہے۔وہاں رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں اس لئے وہاں تو جمعہ کا ویسے ہی سوال نہیں ہے۔بہر حال میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ ان ممالک میں بھی یہ سنا جارہا ہے۔یہ سارے بھی اس تحریک میں براہ راست شامل ہوسکیں گے۔ان کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ان

میں نیکی کی بہت طلب پائی جاتی ہے کوشش کرتے ہیں کہ ہر نیکی کے مقام میں آگے قدم بڑھائیں اللہ تعالیٰ اور بھی ان کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اسلام کا کوئی وطن نہیں اور ہر وطن اسلام کا ہے۔
اے مسیح محمدی کے غلامو! اقوام متحدہ کی نئی فلک بوس عمارتیں تعمیر کرنے والے تم ہو۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ رجنوری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

اسلام کا کوئی وطن نہیں ہے اور ہر وطن اسلام کا ہے۔ اس بنیادی اور نہ تبدیل ہونے والے روشن اصول کو بھلا کر بسا اوقات دنیا کے مختلف امتحانوں اور ابتلاؤں کے وقت بعض ملکوں کے مسلمان غلطی کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور اسلام کی بدنامی کا بھی موجب بنتے ہیں۔ اسی کے نتیجے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم اپنی وفاداریوں کا تعین کرو اور بہت سے ممالک جہاں بھاری اکثریت غیر مسلموں کی ہے وہ اپنے ملک کی مسلمان اقلیت سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم ہمیں واضح طور پر یہ بتادو کہ تم پہلے اسلام کے وفادار ہو یا پہلے وطن کے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اسلام کا کوئی وطن نہیں اور ہر وطن اسلام کا ہے۔ اس حقیقت میں بہت ہی گہرے حکمتوں کے راز پوشیدہ ہیں اور ایک بات جو کھل کر انسان کے سامنے ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ کہیں دنیا میں اسلام اور وطنیت کا تصادم نہیں ہوسکتا یعنی اسلام کے ان سچے اصولوں کا جو عالمی ہیں۔ ان کا عالم کے کسی حصے سے تصادم ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ عقلاً کل کا جزو سے تصادم قابل فہم نہیں یعنی

محالات میں سے ہے، ایسی چیز ہے جو ہو سکتی ہی نہیں۔ اگر اسلام کا خطہ ارض کے بعض بسنے والوں سے تصادم ہو تو اسلام ان کا مذہب نہیں بن سکتا، اسلام ان کیلئے رحمت کا پیغام نہیں، اسلام یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میری آغوش میں تمہارے لئے بھی امن ہے۔ اس ملک کے باشندے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں اہل عرب کے لئے تمہاری آغوش میں امن ہوگا یا اہل انڈونیشیا کے لئے یا اہل ملائیشیا کے لئے یا اہل پاکستان کے لئے لیکن ہمارے لئے تمہارے پاس کوئی امن نہیں کیونکہ تم ہماری وطنیت کے مخالف ہو۔ پس یہ ایک بنیادی واضح حقیقت ہے جسے بدقسمتی سے بعض دفعہ مسلمان بھلا بیٹھتے ہیں اور اسلامی قومیتوں کے تصور کو ابھارتے ہیں اور اس طرح مسلمان اور غیر مسلم کو ایک دوسرے سے برسر پیکار کر دیتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے سب دنیا کے دل جیتنے ہیں اور دل متصادم ہونے سے نہیں جیتے جاتے بلکہ پیغام کی لڑائی بالکل اور ماحول میں اور کیفیت سے لڑی جاتی ہے۔ پیغام کی لڑائی میں تو ایسے اصول کارفرما ہوتے ہیں جن کا دنیا کی لڑائیوں سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اور مختلف انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے مختلف وقتوں میں مختلف اصول سکھائے جو دنیا کی جنگوں پر اطلاق پا ہی نہیں سکتے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیوں کے ہاتھ میں جو ہتھیار پکڑایا وہ یہ تھا کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارتا ہے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دو۔

وہ جنگ جس جنگ کا یہ اسلوب بیان کیا جا رہا تھا۔ وہ جہاد جس کے لئے یہ ہتھیار عیسائیوں کو عطا کیا جا رہا تھا وہ روحانی جنگ تھی اور غلطی سے بعد میں عیسائیوں نے عملاً اس تعلیم کو ایک ظاہری تعلیم کے طور پر سمجھ لیا اور چونکہ وہ ان کے کام نہیں آسکتی تھی، دنیا کے حالات پر اطلاق نہیں پا سکتی تھی اس لئے عملاً اس کو دھتکار دیا پس آج کوئی ایک عیسائی ملک دنیا میں ایسا نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عظیم الشان روحانی تعلیم پر عمل پیرا ہو کیونکہ یہ ایک روحانی تعلیم ہے جسے انہوں نے دنیاوی معنوں میں قبول کیا لیکن عملاً ہر اس وقت اس کو رد کر دیا اور پس پشت پھینک دیا جب ان کے امتحان کا وقت آیا۔ آج بھی یہی کیفیت ہے۔

پس مذہب کا تعلق روحانی دنیا سے ہے اور اس کی تعلیمات کی جنگ روحانی اصطلاحوں میں لڑی جاتی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کو اس غرض سے پیدا کیا گیا تا کہ تمام دنیا کے دوسرے ادیان پر یہ غالب آجائے تو اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ تلوار ہاتھ میں پکڑو یعنی مسلمانوں کو یہ تعلیم ہو کہ تم

تلوار ہاتھ میں پکڑ واور تمام دنیا میں انکار کرنے والوں کی گردنیں کاٹتے پھر واور جو تسلیم کرے اور سر جھکا دے صرف اسی کو امن کا پیغام دو، باقی سب کے لئے تم فساد اور جنگ کا پیغام بن جاؤ۔ یہ نہ عقل کے مطابق بات ہے نہ عملاً دنیا میں ایسا ہو سکتا ہے نہ کبھی ہوا ہے اس لئے جماعت احمدیہ کو ہمیشہ اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جب ہم مقابلے کی اور جہاد کی اور تمام بنی نوع انسان پر اسلام کو غالب کرنے کی باتیں کرتے ہیں تو قرآن اور محمد مصطفی ﷺ کی اصطلاحوں میں باتیں کرتے ہیں اور دنیا کی اصطلاحوں سے انکا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے ابتلاء کے وقت وہ مسلمان جوان باتوں کو نہیں سمجھ سکے، نہ سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے راہنما ان کو غلط تعلیم دیتے ہیں، وہ جگہ جگہ اپنے آپ کو مشکل میں مبتلا دیکھ رہے ہیں اور دن بدن ان کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ مختلف ممالک میں کمزور اقلیتیں ہیں اور اسلام کی تعلیم کو غلط پیش کرنے کے نتیجے میں اپنے ردعمل کو صحیح راستے پر گامزن نہیں رکھ سکتے۔ غلط راہوں پر چلاتے ہیں جہاں چلنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے اور اس کے نتیجے میں شدید نقصان اٹھاتے ہیں اور اسلام کی مزید بدنامی کا موجب بنتے ہیں۔

ایک یہ سوال ہے جو آج دنیا میں ہر جگہ اٹھایا جا رہا ہے جیسا کہ انگلستان میں بھی اٹھایا جا رہا ہے اور اس سوال کا صحیح جواب نہ پانے کے نتیجے میں اور بعض مسلمانوں کی کم فہمی کے نتیجے میں جس رنگ میں وہ اپنے ردعمل کا اظہار انگلستان کی گلیوں میں کرتے ہیں اس ردعمل کے نتیجے میں یہاں مسلمانوں کے لئے دن بدن زیادہ خطرات پیش آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی عبادتگاہوں کو جلایا جا رہا ہے، ان کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں، عام گلیوں میں چلتے پھرتے ان کے لئے خطرات پیدا ہو رہے ہیں آج ہی ایک یہ خبر تھی کہ دو ٹیکسی ڈرائیوروں کو پکڑ کر بہت بری طرح مارا گیا کیونکہ وہ صدام حسین کی حمایت میں تھے تو یہ سب جہالت کے قصے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ **اسلام کی تعلیم عالمگیر ہے اور عالمگیر صفات اپنے اندر رکھتی ہے اور اپنی اندرونی طاقت کے لحاظ سے غالب آنے والی تعلیم ہے جسے دنیا میں کوئی شکست نہیں دے سکتا اور کوئی اس پر اعتراض کرنے کی مجال نہیں رکھتا اس لئے کہ یہ سچائی پر مبنی ہے۔**

پس جماعت احمدیہ کو ہر ابتلاء کے وقت یا ویسے بھی اپنے طبعی ردعمل کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔ جب بھی ماحول میں ہیجان ہو اس وقت انسان کا دل بھی ہیجان پذیر ہو جاتا

ہے۔انسان کے دل میں بھی ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنی جانچ کا اور یہ معلوم کرنے کا وقت ہوتا ہے کہ میں اسلام کے راستے پر ہوں یا کسی اور راستے پر ہوں خواہ انفرادی اختلافات کے وقت دل میں ارتعاش ہو یا کوئی اختلاف کے وقت دل میں ارتعاش پیدا ہو وہ وقت ارتعاش کا ایسا وقت ہے جبکہ مومن اپنے ایمان کی پہچان کر سکتا ہے اپنے دل کے آئینے میں خدا سے اپنے تعلق کو دیکھ سکتا ہے۔

پس آج تمام دنیا میں جماعت احمدیہ کو ایسا ردعمل دکھانا چاہئے جس ردعمل میں ایک انگریز احمدی بھی بلاتردد یہ کہتے ہوئے شریک ہوسکتا ہے کہ یہ سچائی کی تعلیم ہے اور میری قومی وفاداری سے اس کے تصادم کا کوئی سوال نہیں اور افریقہ کا احمدی بھی یہ کہتے ہوئے اس ردعمل میں شریک ہوسکتا ہے کہ یہ بین الاقوامی سچائی کی تعلیم ہے اور میرے ملک سے اس کے تصادم کا کوئی تعلق نہیں۔غرضیکہ مشرق اور مغرب کے بسنے والے تمام بنی نوع انسان اگر فی الحقیقت ایک تعلیم پر اکٹھے ہو سکتے ہیں تو وہ اسلام ہی کی تعلیم ہے کیونکہ یہ وطنیت سے بالا ہے اور وطنیت سے متصادم نہیں ہے کیونکہ سچائی وطنیت سے متصادم نہیں ہوسکتی اگر وطنیت کا غلط تصور ہے تو سچائی کے آئینہ میں وہ تصور غلط ثابت کیا جاسکتا ہے اس لئے جب میں کہتا ہوں اسلام کی تعریف وطنیت سے متصادم نہیں ہے اس سے ٹکراتی نہیں ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں ان کی وطنیت کا تصور اسلام سے متصادم نہیں ہوسکتا۔بعض ملکوں کے وطنیت کے تصور ہی ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ان کی تعریف ہی مختلف ہوتی ہے جیسا کہ آج دنیا کے اکثر ممالک میں انصاف کی تعریف بدل گئی ہے۔وفا کی تعریف بدل گئی ہے۔وطنیت کے معنی ہیں سچ ہو یا جھوٹ ہو اپنے ملک کے ساتھ وفا کرو خواہ اس کے نتیجے میں انسان کی اعلیٰ قدروں سے بے وفائی ہو اور خدا کی اس تعلیم سے بے وفائی ہو جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت فرمائی گئی ہے۔اگر یہ وطنیت کی تعریف ہے تو پھر اسلام ضرور اس سے متصادم ہے لیکن ان معنوں میں متصادم ہے کہ اس تعلیم کو درست کرے اور خواہ اس درستی کی راہ میں کتنی ہی قربانیاں پیش کرنی پڑیں جب تک بنی نوع انسان فطرت کے مطابق سیدھے اور صاف نہیں ہو جاتے اور ان کی فطرت خدا کے حضور لبیک نہیں کہتی اس وقت تک اس دائرے میں اسلام کا ان غلط تعریفوں سے تصادم رہے گا اور یہ ایک ایسا تصادم ہے جس میں اسلام کو اپنی تائید میں ہر وطن سے اٹھتی ہوئی آواز سنائی دے گی۔

آج بھی دنیا میں جو حالات گزر رہے ہیں ان میں جماعت احمدیہ جو مؤقف اختیار کر رہی

ہے اس موقف کی تائید میں بعینہٖ ہر ملک سے تائید کی آوازیں اٹھ رہی ہیں مجھے ابھی دو دن پہلے ایک بڑے مغربی ملک کے ہمارے ایک احمدی نے یہ مطلع کیا بلکہ استفسار کیا، مجھ سے پوچھا کہ یہاں ایک بہت ہی مشہور مبصر اور بڑا ہی بااثر مبصر ہے اس نے موجودہ حالات پر جو تبصرہ کیا ہے یوں لگتا ہے کہ اس نے آپ کا خطبہ پڑھ کر یا خطبات پڑھ کر تمام وہ نکات قبول کر لئے ہیں جو آپ نے پیش کئے تو بتائیں آپ نے ان کے ساتھ کوئی رابطہ کیا تھا یا کسی احمدی نے اس کے ساتھ رابطہ کیا ہے اور ایک جگہ سے نہیں اور بھی کئی جگہوں سے اس قسم کے خطوط ملے۔ بظاہر یہ میرے خطبات کو ایک خراج تحسین ہے مگر میں جاہل نہیں ہوں کہ بے وجہ ایسی حمد کو اپنا بیٹھوں جو میرے ساتھ تعلق نہیں رکھتی بلکہ اسلام سے تعلق رکھتی ہے۔ تعریف کے لائق خدا ہے اور خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور یہ اس تعلیم کی سچائی اور عظمت کا ثبوت ہے ہاں میرے لئے صداقت کی پہچان کی ایک کسوٹی ضرور بن گئی۔ یہ بات میرے لئے ان معنوں میں اطمینان کا موجب بنی کہ مجھے مزید یقین ہو گیا کہ ان حالات پر میرے جو بھی تبصرے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق ہیں ورنہ فطرت انسانی اس طرح مختلف ممالک سے بیک آواز اس کی تائید میں تبصرے نہ کرتی اور تقریر اور تحریر کے ذریعے اس تعلیم کی تائید نہ کرتی۔ پس مسلمانوں کے لئے ایک بہت کڑا وقت ہے اس کڑے وقت میں اپنے جذبات اور ردعمل اور خیالات کی حفاظت کریں اور اسلام کے پرامن دائرے سے باہر نہ جانے دیں کیونکہ جہاں بھی آپ نے اسلام کے دائرے سے باہر قدم رکھا وہیں آپ کے لئے خطرات پیش ہوں گے۔

دوسرا سوال اس دور میں جہاد کے متعلق بار بار اٹھایا جا رہا ہے اور مختلف ممالک سے احمدی مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ بتائیں ہم کیا جواب دیں۔ یہ لڑائی اسلامی تعریف کے مطابق جہاد یعنی Holy war ہے یا نہیں؟ اس کا جواب میں اس خطبے کے ذریعے دیتا ہوں کیونکہ ہر شخص کو خطوط میں تفصیل سے سمجھایا نہیں جا سکتا جہاں تک اسلام کے تصور جہاد کی تعریف کا تعلق ہے، سب سے کامل تعریف سورۂ حج میں پیش فرمائی گئی ہے، اس آیت میں جس کا میں نے پہلے بھی بارہا ذکر کیا اور اس پر تبصرہ کیا أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا (الحج:۳۹) ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے لڑنے والوں کے خلاف تلوار اٹھائیں، ان کے خلاف تلوار اٹھائیں جنہوں نے تلوار اٹھانے میں پہل کی ہے اور کسی جائز وجہ سے نہیں بلکہ وہ مظلوم ہیں اسی طرح یہ آیت اس مضمون کو

آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے اور جہاد کی اس سے زیادہ خوبصورت اور کامل تعریف ممکن نہیں ہے۔ اس تعریف کو اگر ہم موجودہ صورتحال پر اطلاق کر کے دیکھیں تو ہرگز اسلامی معنوں میں یہ جہاد نہیں ہے۔ ایک سیاسی لڑائی ہے اور ہر سیاسی لڑائی خواہ وہ مسلمان اور مسلمان کے مخالف کے درمیان ہو یا مسلمان اور مسلمان کے درمیان ہو وہ جہاد نہیں بن جایا کرتی۔ درحقیقت بعض لوگ حق کی لڑائی کو جہاد سمجھ لیتے ہیں اور چونکہ ہر فریق یہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں اس لئے وہ اعلان کر دیتا ہے کہ یہ لڑائی خدا کے نام پر ہے، سچائی کی خاطر ہے، اس لئے جہاد ہے۔ یہ جہاد کی ایک ثانوی تعریف تو ہوگی مگر اسلامی اصطلاح میں جس کو جہاد کہا جاتا ہے اس کی تعریف اس صورتحال پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ یہ تعریف بنیادی منطق کے خلاف ہے کہ دونوں فریق میں سے جو حق پر ہو اس کی لڑائی قرآنی اصطلاح میں جہاد بن جائے گی۔ مشرکوں کی مشرکوں سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی مختلف مذاہب کے ماننے والوں سے لڑائیاں ہوتی ہیں۔ ملکوں کی ملکوں سے، کالوں کی گوروں سے، ہر قسم کی لڑائیاں دنیا میں ہو رہی ہیں، ہوتی چلی آئی ہیں، ہوتی رہیں گی اور جب بھی دو فریق متصادم ہوں تو ظاہر بات ہے کہ اگر ایک فریق سو فیصدی حق پر نہیں تو کم سے کم زیادہ تر حق پر ضرور ہوگا اور یہ تو ممکن نہیں ہے، شاید ہی کوئی بعید کی بات ہو کہ کبھی دونوں کا برابر قصور ہو کہ دونوں برابر سچے ہوں۔ بالعموم ایک فریق مظلوم ہوتا ہے اور ایک ظالم ہوتا ہے۔ پس ہر مظلوم کی لڑائی کو جہاد نہیں کہا جاتا۔ اُس مظلوم کی لڑائی کو جہاد کہا جاتا ہے جسے خدا کا نام لینے سے روکا جا رہا ہو جس پر مذہبی تشدد کیا جا رہا ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج:۴۱) سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہمارا رب ہے۔

پس اگر کوئی لڑائی محض اس وجہ سے کسی پر ٹھونسی جارہی ہو اور فریق مخالف پہل کر چکا ہو اور تلوار اس نے اٹھائی ہو نہ کہ مسلمانوں نے اور مسلمانوں کا جرم اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب قرار دیتے ہوں اور غیر اللہ کو رب تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوں تو پھر اس لڑائی کا نام جہاد ہے۔ پس محض حق کی لڑائی کا نام جہاد نہیں بلکہ ان معنوں میں جن کی لڑائی کا نام جہاد ہے۔ پس یہ صورتحال تو عراق اور باقی قوموں کی لڑائی پر چسپاں نہیں ہو رہی۔ کویت نے کسی وجہ سے عراق کو ناراض کیا اور عراق نے اس ناراضگی کے نتیجے میں اور اس یقین کے نتیجے میں کہ کبھی یہ چھوٹا سا ملک

ہمارے وطن کا حصہ تھا اور انگریزوں نے اسے کاٹ کر ہم سے جدا کیا تھا اس لئے بنیادی طور پر ہمارا حق بنتا ہے اور کچھ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اس یقین پر کہ اس چھوٹے سے ملک کویت کی ہمارے سامنے حیثیت کیا ہے جبکہ ہم اتنی مدت تک آٹھ سال تک ایران سے لڑ چکے ہیں اور ایران کو بھی ایسے ایسے چیلنج دے چکے ہیں جن کے نتیجے میں بعض دفعہ ایران کو یہ خطرات محسوس ہو رہے تھے کہ شاید ہمارے وطن کا اس دنیا سے صفایا ہو جائے۔ بہت دور تک گہرے ایران کے اندر عراق کی فوجیں داخل ہو چکی تھیں۔ بعد میں ان کو دھکیل کر واپس کیا گیا۔ پھر جس طرح تکڑی کے تول ہوا کرتے ہیں بعض دفعہ ایک طرف سے ڈنڈی ماری جاتی تھی، بعض دفعہ ویسے ہی ایک فریق کا وزن بڑھ جاتا تھا تو یہ اونچ نیچ ہوتا رہا مگر ایران کے مقابل پر کویت کی کیا حیثیت تھی۔ پس ہوسکتا ہے یہ خیال بھی عراق کے لئے شہہ دلانے کا مؤجب بنا ہو کہ یہ کویت، چھوٹا سا ملک اسے تو ہم آناً فاناً تباہ کر دیں گے۔ اور اس وجہ سے انہوں نے قبضہ کر لیا ہو، بہر حال قبضے کی کیا وجوہات تھیں؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ درحقیقت حق کس طرف ہے؟ اور اگر حق تھا بھی تو حق لینے کا یہ طریق جائز بھی ہے یا نہیں؟ یہ سارے سوالات تھے جن پر غور ہونا چاہئے تھا اور عالم اسلام کو مشترکہ طور پر ان پر غور کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے نہ اس لڑائی کو جہاد کہا جا سکتا ہے جو کویت پر حملے کی صورت میں پیدا ہوئی۔ نہ اس لڑائی کو جہاد کہا جا سکتا ہے جو اس کے ردعمل کے طور پر بعد میں عراق کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔

پس خواہ مخواہ جاہلانہ طور پر اسلام کی مقدس اصطلاحوں کو بے محل استعمال کر کے مسلمان اسلام کی مزید بدنامی کا موجب بنتے ہیں۔ ساری دنیا میں اسلام سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے اور قومیں تمسخر کرتی ہیں اور یہ اپنی بے وقوفی میں سمجھتے ہی نہیں کہ ہم کیا بات کر رہے ہیں لیکن عوام الناس کے متعلق یہ سوچنا چاہئے کہ وہ کیوں آخر بار بار اپنے راہنماؤں کے اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور غیر معمولی قربانیاں ان جنگوں میں پیش کرتے ہیں جو درحقیقت جہاد نہیں۔ لیکن انہیں جہاد قرار دیا جا رہا ہے۔ کوئی گہری اس کی وجہ ہے اس کے اندر درحقیقت کوئی راز ہے جس کو معلوم کرنا چاہئے اور اگر ہم اس راز کو سمجھ جائیں تو یہ بھی سمجھ جائیں گے کہ مغربی قومیں جہاد کے اس غلط استعمال کی بڑی حد تک ذمہ دار ہیں اور وہ جو تمسخر کرتی ہیں اور اسلام پر ٹھٹھا کرتی ہیں اگر اس صورتحال کا صحیح تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ خود بہت حد تک جہاد کے اس غلط استعمال کی ذمہ دار ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عالم

اسلام پر گزشتہ کئی صدیوں سے یہ بالعموم تاثر ہے، یہ ایک ایسا مبہم سا تاثر ہے جس کی معین پہچان ہر شخص نہیں کرسکتا بعض دفعہ مبہم خوف ہوا کرتے ہیں یہ نہیں پتا ہوتا کہ کہاں سے آرہا ہے کیوں ہے لیکن ایک انسان خوف محسوس کرتا ہے۔بعض دفعہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔لیکن اس کی وجہ نہیں سمجھ رہا ہوتا۔تو انسانی تعلقات میں بعض دفعہ بعض تاثرات انسان کی طبیعت میں گہرے رچ جاتے ہیں، گہرے اثر پذیر ہو جاتے ہیں اوران تاثرات کی وجہ ایک لمبی تاریخ پر پھیلی ہوتی ہے۔مغرب نے مسلمانوں سے گزشتہ کئی سو سال میں جو سلوک کیا ہے اس سلوک کی تاریخ مسلمانوں کو یہ یقین دلا چکی ہے کہ ان کی مسلمانوں سے نفرت مذہبی بنا پر ہے اور اسلام کا نام خواہ یہ لیں یا نہ لیں لیکن مسلمان قوموں کی ترقی یہ دیکھ نہیں سکتے اور مسلمان قوموں کے آگے بڑھنے کے خوف سے یہ ہمیشہ ایسے اقدام کرتے ہیں کہ جس سے ان کی طاقت پارہ پارہ ہو جائے۔یہ گہرا تأثر ہے جو مسلمان عوام الناس کے دل میں موجود ہے خواہ انہوں نے کبھی تاریخ پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو۔تاریخ کے بعض تأثرات انسانی سوچ اور انسانی جذبات میں اس طرح شامل ہو جاتے ہیں جیسے کسی پانی کی رو میں کوئی چیز ملا دی گئی ہو۔وہ ہاتھ نہ دیکھا ہو کسی نے جس نے وہ چیز ملائی ہے لیکن پانی کے چکھنے سے اس چیز کا اثر معلوم کیا جاسکتا ہے۔

پس عامۃ المسلمین دل میں یہ یقین رکھتے ہیں اور اس لمبے تاریخی تجربے کے نتیجے میں یہ یقین ان کے دل میں جاگزیں ہو چکا ہے کہ یہ قومیں ہر مشکل کے وقت ہماری مخالفت کریں گی اور ایسے اقدامات کریں گی جس سے عالم اسلام کو نقصان پہنچے۔اس تأثر کو حالیہ اختلاف کے دوران بھی اور اس سے پہلے بھی سب سے زیادہ تقویت امریکہ کے سلوک نے دی ہے یعنی اس تأثر کو تقویت دینے کا بڑا ذمہ دار امریکہ ہے۔مثلاً اسرائیل کا مسلمان علاقے میں قیام۔امریکہ کی طاقت استعمال ہوئی ہے اس لئے وہ اس کا بڑا ذمہ دار ہے لیکن یہ شوشہ برطانیہ نے چھوڑا تھا اور برطانیہ کے دماغ کی پیداوار ہے۔جب بھی لڑائیاں ہوتی ہیں اس وقت کچھ مخفی معاہدے کر لئے جاتے ہیں بعض لوگوں کے ساتھ اور یہود سے اس زمانے میں برطانیہ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں عربوں کے دل میں جگہ عطا کریں گے جہاں تمہارا ایک آزاد ملک قائم کیا جائے گا اور داؤد کی حکومت کے نام پر پھر تم وہاں بیٹھ کر تمام عرب پر بھی اثر انداز ہو گے اور تمام دنیا پر بھی اثر انداز ہو گے۔ان الفاظ میں یہ معاہدہ نہیں ہوا ہوگا یقیناً نہیں ہوا مگر اس معاہدے کے وقت یہود کو یہی پیغام مل رہا تھا کیونکہ یہ ان کی خواب تھی جو

پوری ہو رہی تھی۔ United Nations کے نام پر اسے نافذ کیا گیا اور سب سے بڑا کردار اس میں امریکہ نے ادا کیا۔ ایک چیز جو مجھے آج تک تعجب میں ڈالتی ہے وہ یہ ہے کہ، کیوں اس بنیادی سوال کو نہیں اٹھایا گیا کہ کیا United Nations کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں ایک نیا ملک پیدا کرے۔ ملکوں کا قیام تو ایک تاریخی ورثہ ہے جو از خود چلا آیا ہے۔ United Nations کا اختیار تو ان ملکوں تک تھا جو ملک موجود تھے اور اس میں طوعی طور پر شامل ہوئے۔ نہ کوئی دنیا کا ایسا چارٹر تھا جسے سب دنیا نے قبول کر لیا ہو کہ United Nations میں کوئی شامل ہو یا نہ ہو اس کا اثر اس پر پڑے گا اور نہ یہ کسی نے قبول کیا کہ یونائیٹڈ نیشنز کو ہم تمام دنیا کی برادری کے طور پر اجتماعی طور پر یہ حق دیتے ہیں کہ جب چاہے کسی ملک کو پیدا کر دے، جب چاہے کسی ملک کو مٹا دے۔ تو جو حق ہی United Nations کو نہیں تھا، اس ناحق کو استعمال کرتے ہوئے یعنی حق اگر نہیں تھا تو جو بھی تھا ناحق تھا، انہوں نے ایک ملک کو پیدا کیا اس لئے اس ملک کے پیدا ہونے کا کوئی جواز نہیں اور اس میں سب سے بڑا بھیانک اور جابرانہ کردار امریکہ نے ادا کیا ہے۔ یہ وہ یاد ہے جس کو دنیا کا مسلمان بھلا ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ عربوں نے اسے مدتوں تک ایک عرب مسئلہ قرار دیئے رکھا اور باقی مسلمانوں کو اس میں شامل نہیں کیا لیکن باقی مسلمان از خود اس میں شامل رہے ہیں کیونکہ ان کے دل میں یہ بات ہمیشہ سے جاگزیں رہی ہے، گہرے طور پر ان کے دل پر نقش ہے کہ دراصل یہ عرب دشمنی نہیں تھی بلکہ اسلام دشمنی تھی۔ اس کے بار بار مختلف اظہار ہوئے۔ مثلاً اسرائیل نے بعض دفعہ فلسطینیوں پر ایسے بھیانک مظالم کئے ہیں کہ ان کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ عورتوں، بچوں، مردوں بوڑھوں کو اس طرح تہ تیغ کیا ہے کہ ایک کیمپ میں ایک بھی زندہ روح نہیں چھوڑی۔ دودھ پیتے بچے کو بھی ذبح کیا گیا لیکن نہ تمام دنیا کی قوموں کے کانوں پر کوئی جوں رینگی نہ امریکہ کی غیرت بھڑکی۔ بلکہ جب بھی United Nations میں اس کے خلاف کوئی سخت ریزولیوشن پاس کرنے کی کوشش کی گئی تو ہمیشہ امریکہ اس میں مزاحم ہوا اور یہ ایک لمبی تاریخ ہے۔

اب یہاں یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ وہ United Nations یعنی اقوام متحدہ اس نام کی مستحق بھی ہے کہ نہیں جس میں صرف پانچ قوموں کو دنیا کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا حق ہو یعنی وہ مستقل

ممبر جن کو ویٹو کرنے کا حق ہے اور اگر سارے عالم کی رائے بھی متفق ہو جائے تو اس ایک ملک کو یہ حق ہو کہ اس رائے کو رد کر دے تو عملاً وہ ایک ملک اس وقت دنیا بن جائے گا اور عملاً موجودہ فیصلے کے پیچھے یہی بات کارفرما ہے۔ جب صدر بش تحدی کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ عراق کی کیا مجال ہے کہ تمام دنیا کی رائے سے ٹکر لے۔ تو امر واقعہ یہ ہے، ہر آدمی سمجھتا ہے کہ دنیا کی رائے سے مراد امریکہ کی رائے یا صدر بش کی رائے ہے اور اس تحدی میں ایسا تکبر پایا جاتا ہے کہ اس سے طبیعتوں میں منافرت پیدا ہوتی ہے اور جب ان کے یہود کے ساتھ اور اسرائیل کے ساتھ تعلقات پر مسلمان نظر ڈالتے ہیں تو وہ سوائے اس کے کوئی اور نتیجہ نکال ہی نہیں سکتے کہ عراق نے غلطی کی یا نہیں کی۔ عراق کے خلاف جو انتقامی کارروائی کی جارہی ہے یہ صرف اسرائیل کی خاطر ہے، یہ وہ ان کہی باتیں ہیں۔ یہ تجزیے کے بغیر دل میں جمے ہوئے نقوش ہیں جن کے نتیجے میں مسلمان عوام یہ سمجھتے ہیں کہ درحقیقت یہ اسلام کی دشمنی کے نتیجے میں سب کچھ ہو رہا ہے۔

اسرائیل کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ عراق میں جہاز بھجوا کر ان کے نیوکلیئر پلانٹ یعنی وہ کارخانہ جو ایٹم بم کی خاطر بنایا جارہا تھا اور عام پر امن مقاصد کے لئے نہیں تھا۔ کس United Nations نے یہ اختیار اسرائیل کو دیا تھا کہ یہ فیصلہ بھی کرے اور پھر اس کو مٹانے کا اقدام بھی خود کرے۔ اس وقت تو دنیا میں کسی نے یہ اعلان نہیں کیا کہ عراق کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے اسرائیل کے خلاف انتقامی کارروائی کرے۔ یہ فیصلہ کرنا عراق کا کام ہے کہ آج کرے یا کل کرے یا پرسوں کرے مگر اس انتہائی کھلی کھلی جابرانہ بربریت کے بعد اقوام متحدہ عراق کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اگر کسی نے یہ آواز سنی ہو کم سے کم میرے کانوں نے نہیں سنی، اگر کسی نے ایسی خبر پڑھی ہو تو کم سے کم میری آنکھوں نے نہیں پڑھی اور کسی مسلمان نے نہیں پڑھی۔

پس عالم اسلام کا یہ تصور کہ موجودہ دشمنی بھی اسلام کی گہری نفرتوں پر مبنی ہے، حقائق پر مبنی تصور ہے، یہ کھلی کھلی دشمنیاں اور کھلی کھلی ناانصافیاں دنیا کو معلوم ہیں، ان کی نظر میں آتی ہیں اور بھول جاتے ہیں لیکن تأثر قائم رہ جاتا ہے اور وہ تأثر سچا ہوتا ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ جب عراق اسرائیل پر حملہ کرتا ہے اور راکٹس برساتا ہے اور ان کی شہری آبادیوں میں سے کچھ حصہ منہدم ہوتا ہے تو ساری دنیا اس پر شور مچا دیتی ہے۔ فلسطین یاد نہیں رہتا، اسرائیل کا وہ فضائی حملہ یاد نہیں رہتا جو ایٹمی

پلانٹ پر کیا گیا تھا اور اس کے بعد آئندہ مظالم کی نہایت خوفناک داغ بیل ڈالی جاتی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کے نتیجے میں مسلمانوں کے جذبات زیادہ سے زیادہ مجروح ہوتے چلے جا رہے ہیں اور مسلے چلے جا رہے ہیں اور جب وہ ان جذبات کا اظہار کریں تو قومیں ان کو مخاطب کر کے کہتی ہیں کہ آج فیصلہ کرو کہ تم اسلام کے وفادار ہو گے یا ہمارے وطن کے وفادار رہو گے یہ کونسا انصاف ہے۔ **حقائق کے اظہار پر وطنیت کا سوال اٹھانا ہی ظلم ہے**۔ اگر یہ باتیں جو سچی اور حقیقتیں ہیں ان کا مسلمان اظہار کرتا ہے تو اس کو حق حاصل ہے لیکن جو بھیانک بات ظاہر ہو چکی ہے اس سے زیادہ بھیانک باتیں ابھی ظاہر ہونے والی ہیں۔

اسرائیل کے ساتھ کچھ مخفی گفت و شنید امریکہ نے کی اور اپنے ایک بہت ہی اہم افسر کو، اپنے مرکزی حکومت کے نمائندہ کو ان کے پاس بھجوایا اور باتوں کے علاوہ جو مخفی تھیں اور کچھ عرصے تک مخفی رہیں گی جب تک وہ عملی طور پر دنیا کے سامنے ظاہر نہ ہوں، ایک یہ بھی تھی کہ اسرائیل کو چھ بلین سے زیادہ ڈالر دیئے گئے اس لئے نہیں کہ تم جوابی انتقامی کارروائی نہ کرو بلکہ اس لئے کہ سر دست نہ کرو اور بعد میں کر لینا جب ہم مار کر فارغ ہو جائیں تو جو کچھ بچے گا اس پر تم اپنا بدلہ اتار لینا۔ بعض دفعہ پرانے زمانوں میں رواج تھا کہ اگر کوئی ظالم مر جاتا تھا یا کوئی شخص کسی مرے ہوئے کو ظالم سمجھتا تھا اور انتقام لینا چاہتا تھا تو اس کی لاش اُکھیڑ کر اسے پھانسی لگا دیا جاتا تھا تو عملاً جو معاہدہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ لاش بنانے تک ہمیں موقعہ دو۔ ہم تمہاری یہ خدمت کر رہے ہیں اور کرتے چلے جائیں گے۔ جب مار بیٹھیں گے تو پھر تمہارے سپرد کر دیں گے پھر اس لاش کو تم جہاں مرضی لٹکائے پھرنا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب انصاف کی باتیں ہیں؟ کیا یہ انسانیت کی باتیں ہیں؟ لیکن ایک اور بات جو دنیا کی نظر میں نہیں آ رہی وہ یہ ہے کہ عراق کی سویلین پاپولیشن Civilion Population یعنی پرامن عام آبادی پر جو خطرناک بم گرائے گئے ہیں۔ یہ اس واقعہ کے بعد گرائے گئے ہیں اور زیادہ تر مغربی عراق کی آبادی اس سے متاثر ہوئی ہے اور اگر یہ ظلم تھا تو عملاً اس سے ہزاروں گنا بڑا ظلم عراق پر کیا جا چکا ہے۔ اگر ایک اسرائیلی گھر گرا تھا تو عراق کے سینکڑوں گھر گرائے جا چکے ہیں۔ اگر ایک اسرائیلی زخمی ہوا تھا تو ہزاروں عراقی مارے جا چکے ہیں۔ وہاں سے آنے والے بتاتے ہیں کہ بعض علاقوں سے لاشوں کی بدبو کی وجہ سے گزرا نہیں جاتا۔ جلے ہوئے گوشت کی بدبو بھی اٹھتی ہے اور متعفن گوشت کی

بد بو بھی اٹھ رہی ہے اور علاقوں کے علاقے آبادی سے خالی ہو گئے ہیں۔

یہ امریکہ کا وہ انتقام ہے جو یہود کی خاطر اس نے لیا ہے اور یقیناً یہ اس معاہدے میں شامل تھا جس کی باتیں ابھی منظر عام پر نہیں آئیں۔ عملاً وہ منظر عام پر آ گیا ہے اور ابھی یہ انسانیت کے علمبردار ہیں Moral High Grounds سے باتیں کرتے ہیں اور باقی دنیا کو کہتے ہیں تم ذلیل، تمہیں اتنا بھی نہیں پتہ کہ انسانیت ہوتی کیا ہے۔ تم نے نہتے معصوم اسرائیلیوں پر بمباری کی۔ وہ غلط ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ نہتے پُرامن شہریوں کو کسی رنگ میں بھی تکلیف پہنچائی جائے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جب بھی بعض علاقوں میں جہاد یعنی تلوار کا جہاد ہوا کرتا تھا تو آپ افواج کو بھیجنے سے پہلے ان کو تفصیل سے اور تاکید سے جو ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ اس میں ایک یہ بھی ہدایت تھی کہ شہریوں کو، بوڑھوں کو عورتوں کو اور بچوں کو ہرگز تہ تیغ نہیں کرنا۔ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا۔ (حوالہ ---------) پس فی الحقیقت یہ صحیح اسلامی تعلیم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نصیحتوں اور آپ کی سنت سے ملتی ہے۔

پس میں یہ نہیں کہتا کہ عراق نے درست کیا مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر عراق نے غلط بھی کیا تو دنیا کے ان قواعد و دستور کے مطابق جن کے تم علمبردار بنے ہوئے ہو عراق کی اس کارروائی کو ایک جوابی کارروائی تصور کرنا چاہئے تھا۔ اسرائیل میں بسنے والے وہ مسلمان جن پر آئے دن گولیاں چلائی جاتی ہیں اور نہتوں کو تہ تیغ کیا جاتا ہے اور گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر ان کا انتقام لیا جائے تو تم یہ نہیں کہتے کہ یہ انتقام ہے اور جائز ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ یہ سراسر غیر منصفانہ، بہیمانہ ظلم ہے اور زیادتی ہے جس کا بدلہ لینے کا اسرائیل کو حق ہے اور پھر مخفی معاہدے ان سے یہ کرتے ہو کہ ہم تمہیں روپیہ بھی دیں گے اور تمہاری خاطر ایسے خوفناک مظالم ان پر کریں گے کہ تمہارے دل ٹھنڈے ہوں گے اور جو کچھ بھی ان معصوم لوگوں کا بچ رہے گا وہ تمہارے سپرد کر دیں گے کہ جاؤ اور جو کچھ ان کا رہ گیا ہے اس کو ملیا میٹ کر دو یا ان کے مردوں کی لاشیں لٹکا کر ان سے اپنا انتقام لو اور اپنے سینے ٹھنڈے کرو اور پھر یہ باتیں ان کے پیش کردہ اخلاق کے اس قدر شدید منافی ہیں، جن اخلاق کا یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں خود ان کے مخالف ہیں، جو پروپیگنڈا دنیا میں کر رہے ہیں خود اس پروپیگنڈے کو جھٹلانے والی باتیں ہیں۔ پروپیگنڈا یہ کر رہے ہیں کہ صدر صدام ایک نہایت ہی خوفناک جابر ہے۔ ہم اس کو سزا

اس لئے دے رہے ہیں کہ اس نے خود اپنے ملک کے باشندوں کو زبردستی غلام بنایا ہوا ہے۔ ہم اس کو سزا اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں پر ظلم اور تشدد کر رہا ہے اور ان کی رہائی کی خاطر ہم صدر صدام کے خلاف ہیں نہ کہ اہل عراق کے خلاف اور سزا کن معصوموں کو دے رہے ہیں جن پر ان کے بیان کے مطابق مسلسل سالہا سال سے صدر صدام تشدد کرتا چلا جا رہا ہے اور مظالم توڑتا چلا جا رہا ہے ان معصوم عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے جو تمہارے بیان کے مطابق پہلے ہی مظلوم ہیں جن کی آزادی کے نام پر تم نے جنگ شروع کی ہوئی ہے کہ ان کو اس جرم کی سزا دو جس جرم کا ارتکاب تمہارے نزدیک صدر صدام نے اسرائیل کے خلاف کیا اور ایسی سزا دو کہ یہود کی تاریخ میں بھی ایسے خوفناک انتقام کی مثالیں نہ ملیں۔ تمہیں یہ کیا حق ہے کہ عیسائیت کی معصوم تعلیم کو داغدار کرو اور عیسائیت کی تعلیم کو اور عیسائیت کی تاریخ کو بھی اسی طرح انتقام کے ظلم سے خون آلود کر دو جس طرح یہود کی تاریخ ہمیشہ خون آلود رہی ہے۔ پس یہ ساری غیر منصفانہ باتیں ہیں عدل کے خلاف باتیں ہیں۔ تقویٰ کے خلاف باتیں ہیں جن کے خلاف مسلمان کے دل میں ایک ردعمل ہے اس کے باوجود وہ جن ملکوں میں رہتا ہے اس کا پرامن شہری ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ اس بات پر آمادہ ہے کہ ملک کا قانون توڑے بغیر صرف ظلم کے خلاف احتجاج کی آواز بلند کرے اس کو غدار قرار دیا جاتا ہے اور اس کے خلاف مہم چلائی جاتی ہے۔ یہ کونسا انصاف ہے۔

مجھ سے ایک احمدی نے فون پر سوال کیا کہ میرا BBC کے ساتھ یا کسی اور ٹیلی ویژن کے ساتھ انٹرویو ہونے والا ہے وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا کیا ردعمل ہے؟ کیا تبصرہ ہے ان حالات پر؟ بتائیں میں کیا جواب دوں۔ میں نے کہا۔ تم یہ جواب دو کہ جو Tony Ben (ممبر برٹش پارلیمنٹ) کا تبصرہ ہے میرا بعینہٖ وہی تبصرہ ہے جب میرے دل کی صحیح آواز وہ منصف مزاج انگریز بلند کر رہا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے اس آواز کو خود بلند کرنے کی کیونکہ جب میں کروں گا تو تم مجھے غدار قرار دو گے۔ جب Tony Ben کرے گا تو تم اسے غدار قرار دینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ پس جو باتیں ہو رہی ہیں انصاف کے خلاف ہو رہی ہیں، تقویٰ کے خلاف ہو رہی ہیں۔ کوئی قانون نہیں ہے، کوئی اصول نہیں ہے، کوئی Higher moral Ground نہیں ہے بلکہ اخلاقی انحطاط میں تحت الثریٰ تک پہنچے ہوئے لوگ ہیں۔

پس یہ وہ صورتحال ہے جو درست اور تقویٰ پر مبنی صورتحال ہے مگر اس کے باوجود کسی مسلمان عالم کو اور کسی مسلمان بادشاہ کو یہ حق نہیں ہے کہ ان لڑائیوں کو اسلامی جہاد قرار دے لیکن مسلمان عوام کو جب جہاد کے نام پر بلایا جائے گا تو اس لئے لبیک کہیں گے کہ وہ دل سے جانتے ہیں اور بار بار ان کا کردار یہ ثابت کرتا چلا جارہا ہے کہ ان لڑائیوں کے پس منظر میں اسلام کی دشمنی ضرور موجود ہے۔ پس وہ معصوم جہاں مارے جائیں گے میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا کی رحمت ان سے رحم کا سلوک فرمائے گی اور اگر اسلام کی کامل تعریف کی رو سے وہ شہید قرار نہیں بھی دیئے جاسکتے تو چونکہ اسلام کی دشمنی میں ان سے ظلم ہوئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے رحمت اور مغفرت کا سلوک کرے گا۔ لیکن پھر بھی میں اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ نہ مسلمان علماء کا حق ہے اور نہ مسلمان بادشاہوں کا حق ہے کہ وہ اپنی سیاسی لڑائیوں کو خواہ وہ مظلوم کی لڑائیاں ہوں اسلامی جہاد قرار دیں۔

دراصل آج کل اسلام کی دشمنی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ظاہر و باہر ہوتی چلی جارہی ہے اور منہ سے کوئی کچھ کہے درحقیقت دل کی آواز مختلف بہانوں کے ساتھ اٹھ ہی جاتی ہے اور زبان پر بھی آہی جاتی ہے اور جہاں تک عمل کا تعلق ہے وہ میں نے بیان کیا ہے کہ ایسی مکروہ عملی تصویریں بنائی جارہی ہیں کہ جو خون کا رنگ رکھتی ہیں اور نفرت کے برش سے بنائی جارہی ہیں اور اسلام کی نفرت کا برش ان کے خدوخال بناتا چلا جارہا ہے اور کھل کر دنیا کے سامنے وہ تصویریں ابھرتی چلی جارہی ہیں اس کے نتیجے میں اور جو کچھ بھی ہو امن بہر حال قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بنیادی اصول کبھی کوئی دنیا میں تبدیل نہیں کرسکا کہ نفرتیں نفرتوں کے بچے پیدا کرتی ہیں۔ اس لئے یہ ابھی سے بیٹھے ہوئے منصوبے بنارہے ہیں کہ کس طرح اس جنگ کے اختتام پر اس خطہ ارض میں جسے مشرق وسطیٰ کا نام دیا جاتا ہے امن کا قیام کریں گے۔ یہ محض خواب وخیال کی جاہلانہ باتیں ہیں۔ جہاں نفرتوں کے بیج اتنے گہرے بودیئے گئے ہوں وہاں سے نفرتیں ہی اُگیں گی۔ جہاں جنگ کے بیج بودیئے گئے ہوں وہاں جنگیں ہی اُگیں گی اور یہ ہو نہیں سکتا کہ نفرتوں کے نتیجہ میں محبتیں پیدا ہونی شروع ہوجائیں اور جنگ کے نتیجے میں امن کی فصلیں کاٹنے لگو۔ پس آج نہیں تو کل یہ دیکھیں گے کہ جو اقدامات یہ آج کررہے ہیں یہ ہمیشہ کے لئے دنیا کے امن کو تباہ کررہے ہیں اور جو مجرم ہے خدا اس کو سزا دے گا کیونکہ انسان تو بے اختیار ہے۔

جماعت احمدیہ کسی قومی تعصب میں مبتلا ہو کر کسی خیال کا اظہار نہیں کرتی، نہ تعصب میں مبتلا ہو سکتی ہے کیونکہ ہمارے دل توحید نے سیدھے کر دیئے ہیں۔ کوئی کجی ان میں نہیں چھوڑی۔ ہماری وفا توحید کے ساتھ ہے اور توحید جس کے دل میں جاگزیں ہو جائے اور گڑ جائے اس کے دل میں عصبیتیں جگہ پا ہی نہیں سکتیں۔ یہ دو چیزیں ایک سینے میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

توحید تو کل عالم کو اکٹھا کرنے والی طاقت ہے۔ توحید جس سینے میں سما جائے اس میں کوئی عصبیت جگہ نہیں پا سکتی۔ یہ ایک بنیادی غیر مبدل قانون ہے۔ اسی لئے میں جماعت احمدیہ کی طرف سے **یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے تبصروں میں خواہ کیسی ہی تلخی ہو وہ حق پر مبنی تبصرے ہوں گے اور آج نہیں تو کل دنیا ہماری تائید کرے گی کہ ہاں تم نے حق کی صدا بلند کی تھی اور اس میں کوئی تعصب کا شائبہ تک باقی نہیں تھا۔**

لیکن اس کے علاوہ بھی بعض باتیں ہیں جن کی وجہ سے طبیعتوں پر سخت انقباض بھی ہے اور بے قراری پائی جاتی ہے۔ وہ ان کا متکبرانہ رویہ ہے۔ خاص طور پر امریکہ کے صدر جب بات کرتے ہیں عراق کے متعلق یا دوسری ان قوموں کے متعلق جو ان سے تعاون نہ کر رہی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے دنیا میں ایک خدا اتر آیا ہے اور خدا بات کر رہا ہے اور جو موحد ہو وہ تکبر کے سامنے سر جھکا ہی نہیں سکتا۔ شرک کی مختلف قسمیں ہیں لیکن سب سے زیادہ مکروہ اور قابل نفرت شکل تکبر ہے۔ **پس تکبر کے خلاف آواز بلند کرنا موحد کا اولین فریضہ ہے اور جماعت احمدیہ دنیا کے موحدین میں صف اول کی موحد جماعت ہے بلکہ توحید کی علمبردار جماعت ہے توحید کا جھنڈا آج جماعت احمدیہ کے ہاتھوں میں تھمایا گیا ہے اس لئے ہم ہر شرک کے خلاف آواز بلند کریں گے۔ ہر تکبر کے خلاف آواز بلند کریں گے اور دنیا کا کوئی خوف ہماری اس آواز کا گلا نہیں گھونٹ سکتا** کیونکہ وہ مصنوعی خدا جو دنیا کی تقدیر پر قابض ہونے کی کوشش کرتے ہیں ان کے سامنے سر جھکانا اور موحد ہونا بیک وقت ممکن ہی نہیں۔

جب میں ایسے تبصرے کرتا ہوں تو بعض احمدی مجھے لکھتے ہیں، ہیں ہیں! ہمیں آپ کی فکر پیدا ہوتی ہے آپ کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ میں ان کو یاد دلاتا ہوں کہ میں اس لئے ایسی باتیں کرتا ہوں کہ **میرے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ جب آپ نے توحید کے حق میں آواز بلند کی تو مکہ کیا تمام دنیا نے آپ کی مخالف تھی۔ آپ کی منتیں کی**

گئیں۔ آپ کو سمجھایا گیا کہ کیوں اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ آپ کو علم نہیں کہ کتنی کتنی خوفناک طاقتیں آپ کے خلاف اکٹھی ہوگئی ہیں لیکن آپ نے ان کو یہی جواب دیا اور ہمیشہ یہ جواب دیا کہ توحید کی راہ میں میں ہر قربانی کے لئے تیار ہوں یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ یہی میرے پیغام کی جان ہے۔ یہی میرے مذہب کی روح ہے اس لئے ہر دوسری چیز سے تم مجھے الگ کر سکتے ہو مگر توحید اور توحید کا پیغام پہنچانے سے الگ نہیں کر سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو۔ خدا کی قسم! اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دو اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دو تب بھی میں ان کو رد کر دوں گا اور توحید کا دامن کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

پس مجھے کس بات سے ڈراتے ہیں۔ امریکہ کی طاقت ہو یا یہود کی طاقت ہو یا انگریز کی طاقت ہو یا تمام دنیا کی اجتماعی طاقتیں ہوں اگر توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے پارہ پارہ بھی ہو جاؤں تو خدا کی قسم میرے جسم کا ذرہ ذرہ یہ اعلان کرے گا کہ :فزت برب الكعبه . فزت برب الكعبه (حوالہ۔۔۔۔۔۔۔۔) میں خدائے کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کامیاب ہو گیا اور یہی وہ آواز ہے جو آج تمام دنیا کے احمدیوں کے دلوں سے اور ان کے جسموں کے ذرے ذرے سے اٹھنی چاہئے۔

کیا پروگرام ہیں؟ اور کن طاقتوں پر یہ بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ Desert Storm کی باتیں کرتے ہیں یعنی صحراؤں کا ایک طوفان ہے جو دشمن کو ہلاک اور ملیا میٹ کر دے گا۔ یہ نہیں جانتے کہ طوفانوں کی باگیں بھی خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ خدا کی تقدیر کیا فیصلہ کرے گی مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ خدا کی تقدیر جو بھی فیصلہ کرے گی وہ بالآخر متکبروں کو ہلاک کرنے کا موجب بنے گا آج نہیں تو کل یہ تکبر ملیا میٹ کئے جائیں گے کیونکہ وہ بادشاہت جو آسمان پر ہے اسی خدا کی بادشاہت زمین پر ضرور قائم ہو کر رہے گی۔ پس آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں آپ دیکھیں گے کہ یہ تکبر دنیا سے مٹا دیا جائے گا اور طوفان ان پر الٹائے جائیں گے اور ایسے ایسے خوفناک Storms خدا کی تقدیر ان پر چلائے گی کہ جن کے مقابل پر ان کی تمام اجتماعی طاقتیں بھی ناکام اور پارہ پارہ ہو جائیں گی یہ نظام کہنہ مٹایا جائے گا۔ آپ یاد رکھیں اور اس بات پر قائم رہیں اور کبھی محو نہ ہونے دیں۔ یہ اقوام قدیم جن کو آج اقوام متحدہ کہا جاتا ہے ان کے اطوار زندہ رہنے کے نہیں ہیں۔ یہ قومیں یادگار بن جائیں گی اور عبرتناک یادگار بن جائیں گی اور ان کے کھنڈرات سے، آپ ہیں۔

اے توحید کے پرستارو! وہ آپ ہیں جو نئی عمارتیں تعمیر کریں گے نئی اقوام متحدہ کی عظیم الشان فلک بوس عمارتیں تعمیر کرنے والے تم ہو۔ اے مسیح محمدیؑ کے غلامو! جن کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے تم دیکھو گے۔ آج نہیں تو کل دیکھو گے، اگر تم نہیں دیکھو گے تو تمہاری نسلیں دیکھیں گی۔ اگر کل تمہاری نسلیں نہیں دیکھیں گی تو پرسوں ان کی نسلیں دیکھیں گی۔ مگر یہ خدا کے منہ کی باتیں ہیں اور اس کی تقدیر کی تحریریں ہیں جنہیں دنیا میں کوئی مٹا نہیں سکتا۔ آپ وہ مزدور ہیں جنہوں نے وہ نئی عمارتیں تعمیر کرنی ہیں۔ نئی اقوام متحدہ کی بنیادیں تو ڈالی جاچکی ہیں، آسمان پر پڑ چکی ہیں ان کی عمارتوں کو آپ نے بلند کرنا ہے۔ پس ان دو مقدس مزدوروں کو کبھی دل سے محو نہ کرنا جن کا نام ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ تھا اور ہمیشہ یاد رکھنا اور اپنی نسلوں کو نصیحتیں کرتے چلے جانا کہ اے خدا کی راہ کے مزدورو! اسی تقویٰ اور سچائی اور خلوص کے ساتھ، اسی توحید کے ساتھ وابستہ ہو کر اسے اپنے رگ و پے میں سرایت کرتے ہوئے تم اس عظیم الشان تعمیر کے کام کو جاری رکھو گے ایک صدی بھی جاری رکھو گے، اگلی صدی بھی جاری رکھو گے یہانتک کہ یہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچے گی۔ اس عمارت کی تکمیل کا سہرا جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈالی تھی۔ جن کے ساتھ ان کے بیٹے اسماعیلؑ نے مزدوری کی تھی خدا کی تقدیر میں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سر پر باندھا جاچکا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اس تقدیر کو بدل سکے۔ ہم تو مزدور ہیں محمد مصطفیٰ ؐ کے قدموں کے غلام، آپؐ کے خاک پا کے غلام ہیں۔

پس آپ وفا کے ساتھ کام لیں اور نسلاً بعد نسل اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرتے چلے جائیں کہ تم خدا اور رسول کے مزدوروں کی طرح کام کرتے رہو گے، کرتے رہو گے، اپنے خون بھی بہاؤ گے اور پسینے بھی بہاؤ گے اور کبھی بھی نہ تھکو گے نہ ماندہ ہو گے یہاں تک کہ خدا کی تقدیر اپنے اس وعدے کو پورا کر دے کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف: ۱۰) کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین اس لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا کہ تمام ادیان پر غالب آجائے اور ایک ہی جھنڈا ہو جو محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا ہو اور ایک ہی دین ہو جو خدا اور محمدؐ کا دین ہو اور ایک ہی خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہو خدا کرے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اگر نہ دیکھ سکیں تو ہماری اولادیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ہمیں یاد رکھیں اور اگر وہ بھی نہ دیکھ سکیں تو ان کی اولادیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

ان دنیا کی آنکھوں سے آپ دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔ میری روح کی آنکھیں آج ان واقعات کو دیکھ رہی ہیں۔ ان عظیم الشان تغیرات کو اس طرح دیکھ رہی ہیں جیسے میرے سامنے واقعہ ہو رہے ہیں اور ہمارے مرنے کے بعد ہماری روحوں کو آشنا کیا جائے گا اور خبریں دی جائیں گی کہ اے خدا کے غلام بندو! خدا سے عشق اور محبت کرنے والے بندو! تمہاری روحیں ابدی سرور پائیں اور ابدی سکینت حاصل کریں کہ جن راہوں میں تم نے قربانیاں دی تھیں وہ راہیں شاہراہیں بن چکی ہیں اور جن تعمیرات میں تم نے اینٹ اور روڑے اور پتھر رکھے تھے وہ خدا کی توحید کی ایک عظیم الشان عمارت بن کر اپنی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ ہوگا اور ایسا ہی ہوگا اللہ کرے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ اس رنگ میں خدمت کی توفیق عطا ہو۔ آمین۔

گزشتہ جمعہ پر میں نے اعلان کیا تھا کہ جاپان اور جرمنی اور ماریشس کی جماعتیں براہ راست اس خطبے کو سن رہی ہیں۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ نیویارک امریکہ اور بریڈفورڈیو کے اور ڈنمارک کی جماعتیں بھی مواصلاتی ذریعے سے اس خطبے کو براہ راست سن رہی ہیں۔ آج بھی مجھے بتایا گیا ہے کہ ماریشس سویڈن۔ مانچسٹر اور بریڈفورڈ اور جرمنی اور جاپان کی جماعتیں۔ جرمنی میں ہیمبرگ اور فرینکفرٹ شامل ہیں ان کی جماعتیں براہ راست اس خطبے کو سن رہی ہیں پچھلی دفعہ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ جب یہ سن رہی ہیں تو ان کو براہ راست ''السلام علیکم'' کہہ دوں پس اپنی طرف سے بھی اور تمام یوکے کے احمدیوں کی طرف سے میں آپ تمام احمدی بھائیوں کو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ دعاؤں پر زور دیں۔ ہماری طاقتوں کی جان دعائیں ہیں اور جو بھی روحانی انقلاب اب دنیا میں برپا ہوگا وہ دعاؤں ہی کے ذریعے ہوگا۔

اسرائیل کے قیام کی تاریخ اور وجوہات

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم فروری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

اسلام کی تاریخ بہت سی خوفناک غداریوں سے داغدار ہے اور اگر آپ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دور کے ابتدائی حصے کو چھوڑ کر جس میں خلفائے راشدین کا دور اور کچھ بعد کا عرصہ شامل ہے، باقی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے مسلمانوں ہی سے کچھ غدار حاصل کئے گئے ہیں اور کبھی بھی اس کے بغیر ملت اسلامیہ کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکا۔ اس تاریخ پر نظر ڈالیں تو غداریوں کی تعریف میں موجودہ جنگ سیاہ ترین حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے کیونکہ آج تک کبھی اتنی اسلامی مملکتوں نے مل کر ملت اسلامیہ کے مفاد کے خلاف ایسی ہولناک سازش نہیں کی یا اس میں شریک نہیں ہوئے۔ پس یہ جو موجودہ جنگ ہے اس کو اس دور میں آج کے مبصرین ان مسلمان ممالک کو پاگل بنانے کے لئے جو ان کے ساتھ شامل ہوئے جو کچھ چاہیں کہیں۔ لیکن کل مغربی دنیا کے محققین اور مؤرخین بھی یہی بات کہیں گے جو میں آج کہہ رہا ہوں کہ ان مسلمان ممالک نے ان اسلامی مفاد کے ساتھ حد سے زیادہ غداری کی اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ مل کر ایک ایسی ابھرتی ہوئی اسلامی مملکت کو تباہ کیا اور اس طرح ظلم کے ساتھ ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی۔ ابھی تک تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ کوشش کی۔ اللہ بہتر جانتا ہے کل کو کیا نتیجہ نکلے گا لیکن اگر خدانخواستہ یہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو کل کا مؤرخ یہی بات لکھے گا کہ جب انہوں نے کوشش کی تو یہ مسلمان ممالک پوری طرح اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر ایک عظیم اسلامی مملکت کو تباہ

کرنے کے لئے شامل ہوئے اور ذرہ بھر بھی عدل یا رحم سے کام نہیں لیا اور ذرہ بھر بھی قومی حمیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اس ضمن میں کچھ ممالک تو ایسے تھے جن سے مجھے یہی توقع تھی، ان کے متعلق یہی احتمال تھا کہ ایسا ہی کریں گے جن میں ایک سعودی عرب ہے اور ایک Egypt اس لئے کہ Egypt پہلے ہی عالمی دباؤ کے نیچے آ کر اور کچھ اپنا علاقہ واپس لینے کی خاطر اسرائیل کے ساتھ معاہدوں میں جکڑا جا چکا ہے اور اس وقت مغربی طاقتیں مصر کو کلیۃً اپنا حصہ سمجھتی ہیں۔ دوسرے Saudi Arabia جس کی عالم اسلام سے غداریاں ایک تاریخی نوعیت رکھتی ہیں۔ اس کا آغاز ہی غداری کے نتیجے میں ہوا اس کا قیام ہی غداری کے نتیجے میں ہوا۔ مسلسل انگریزی حکومت کا نمائندہ رہا یا امریکن مفاد کا نمائندہ رہا اور اسلام کے دو مقدس ترین شہروں پر قابض ہونے کی وجہ سے مذہب کا ایک جھوٹا سا دکھاوے کا لبادہ پہنے رکھا جس کے نتیجے میں بہت سی مسلمان مملکتیں اس بدنصیب ملک کے رعب میں آئیں اور محض اس لئے اس سے محبت کرتی رہیں اور پیار کا تعلق رکھتی رہیں کہ وہ اسے مکے اور مدینے کا یا دوسرے لفظوں میں محمد رسول اللہؐ اور خدا کا نمائندہ سمجھتی تھیں۔

اس ضمن میں میں نے بارہا بعض مسلمان ریاستوں کے نمائندوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بڑے دھوکے میں مبتلا ہو میں سعودی عرب کی تاریخ کو اچھی طرح جانتا ہوں وہابیت کی تاریخ سے خوب واقف ہوں۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مکے اور مدینے کے میناروں سے جو آوازیں بلند ہوتی ہیں یہ اللہ اور رسولؐ کی آوازیں ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ان میناروں پر صرف لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں اور مائیکروفون واشنگٹن میں ہیں اور ان مائیکروفونز پر بولنے والا اسرائیل ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کسی لمبی چوڑی دلیل کی ضرورت نہیں کوئی انسان جو موجودہ حالات کا ذرا سا بھی علم رکھتا ہے یہ دوٹوک بات خوب جانتا ہے کہ سعودی عرب کلیۃً امریکہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور امریکہ کلیۃً اسرائیلی اقتدار میں داخل ہو چکا ہے اور اسرائیلی اقتدار کو عملاً اپنی پالیسیز Policies میں قبول کر چکا ہے۔ یہ ظاہری صورت ہے جو نظر آتے ہوئے بھی مسلمان ممالک اس صورت سے اندھے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جماعت احمدیہ کو انتہائی جھوٹے اور غلیظ پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا کہ جماعت احمدیہ انگریز کی ایجنٹ ہے اس لئے جب مسلمان ممالک کے نمائندے ہم سے یہ

بات سنتے تھے تو وہ سمجھتے تھے شاید اپنے گلے سے بلا ٹال کر سعودی عرب پر پھینکتے ہیں اور اپنے انتقام لے رہے ہیں ورنہ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ اب دنیا کے سامنے یہ بات کھل کر آ چکی ہے اور وہ سارے مولوی بھی جو ان سے پیسے لے کر، ان کا کھا کر احمدیوں کو کبھی یہودیوں کے ایجنٹ قرار دیتے تھے۔ کبھی انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیتے تھے کھلے بندوں اب ان Saudians کو، سعودی حکومت کے سربراہوں اور سارے جو ان کے ساتھ شامل ہیں ، وہابی علماء کو، سب کو ملا کر یہودی ایجنٹ اور مغربی ایجنٹ قرار دے رہے ہیں اور ان کے متعلق ایسی گندی زبان استعمال کر رہے ہیں کہ وہ تو ہمیں زیب نہیں دیتی لیکن جیسا کہ پاکستان کی گلیوں میں اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے، ایسی ہی آوازیں بلند کی جاتی ہیں آپ جانتے ہی ہیں۔ ایسی ہی آوازیں انگلستان میں بھی سعودیت کے خلاف بلند ہوئیں اور دوسرے ممالک کے متعلق بھی یہی اطلاع آ رہی ہے کہ اب تمام عالم اسلام ان کی حقیقت کو سمجھا ہے اس لئے ان سے کسی قسم کی غداری پر تعجب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یقین تھا کہ یہی کریں گے یہی ان کا طریق ہے، یہی ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ موجودہ دور میں بعض ایسے ممالک نے بھی اسلام کے مفاد سے غداری کی ہے جن سے دور کی بھی توقع نہیں تھی اور اس میں بھی میں سمجھتا ہوں کہ امریکن دباؤ کے علاوہ سعودی دباؤ بھی اور سعودی اثر بھی بہت حد تک شامل ہے اور کچھ غربت کی مجبوریاں ہیں جن کے نتیجے میں بعض ملکوں نے اپنے ایمان بیچے ہیں۔ جن ممالک سے کوئی دور کی بھی توقع نہیں تھی ان میں ایک پاکستان ہے، ایک ترکی ہے اور ایک شام ہے۔

پاکستان سے تو اس لئے مجھے توقع نہیں تھی کہ وہاں کی حکومت چاہے کتنی ہی امریکن نواز کیوں نہ ہو میں بحیثیت پاکستانی جانتا ہوں کہ پاکستانی عوام اور پاکستانی فوج کا مزاج یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ مغربی طاقتوں کے ساتھ مل کر کسی مسلمان ملک پر حملہ کریں یا اس حملے کا جواز ثابت کرنے کے لئے ان میں شامل ہو جائیں۔ کسی قیمت پر پاکستانی مزاج اس بات کو قبول نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود موجودہ حکومت نے جب پوری طرح اس نہایت ہولناک اقدام کی تائید کی جو عراق کے خلاف اتحاد کے نام پر کیا گیا ہے تو میں حیران رہ گیا کہ یہ کیا ہوا ہے اور کیسے ہوا ہے لیکن الحمدللہ کہ دو تین دن پہلے پاکستان کی فوج کے سربراہ جنرل اسلم بیگ نے اس غلط فہمی کو تو دور کر دیا کہ فوج کی تائید اس فیصلے میں شامل ہے چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا اس سے بریت کا اعلان کیا ہے اور کہا

ہے کہ ہم ہرگز اس فیصلے کو پسند نہیں کرتے ۔ یہ غلط فیصلہ ہے اور ملت اسلامیہ کے مفاد کے خلاف ہے۔

جہاں تک Turkey کا تعلق ہے Turkey تو تمام دنیا میں مسلمان مفادات کے محافظ کے طور پر صدیوں سے اتنا نیک نام پیدا کئے ہوئے ہے کہ اسی نام سے یورپ میں یہ جانا جاتا تھا اور ترکی کی عثمانیہ حکومت سے مغربی طاقتیں بھی کانپتی تھیں اور جب بھی ترکی کا نام آتا تھا تو وہ سمجھتے تھے کہ جب تک یہ سلطنت قائم ہے اسلام کی سرزمین میں نفوذ کا ہمارے لئے کوئی موقعہ پیدا نہیں ہوسکتا، کوئی دور کا بھی امکان نہیں ۔ چنانچہ اتنی لمبی عظمت کی تاریخ کو ایک فیصلے سے اس طرح سیاہ اور بدزیب بنا دینا اور ایسے داغدار کر دینا یہ اتنی بڑی خودکشی ہے کہ تاریخ میں شاید اس کی کوئی مثال نظر نہ آئے ۔ ترکی قوم پر ایسا داغ لگا دیا گیا ہے جو اب مٹ نہیں سکے گا۔ سوائے اس کے کہ کوئی عظیم انقلاب برپا ہو اور پھر وہ اپنے خون سے اس داغ کو دھونے کی کوشش کریں۔

جہاں تک Syria کا تعلق ہے اس کے لئے بھی کئی ایسی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مجھے Syria یعنی شام سے ایسی توقع نہیں تھی۔ ایک تو حافظ الاسد کا اپنا گولان ہائیٹ (Height) کا علاقہ اسرائیل نے ہتھیایا ہوا ہے اور بڑی دیر سے ان کی اسرائیل سے مخاصمت اور لڑائی چلی آرہی ہے اور اس تاریخی دور میں جب سے اسرائیل کا قیام ہوا ہے Syria نے اسرائیل کی مخالفت میں بڑی قربانیاں پیش کی ہیں اور اپنے علاقے بھی گنوائے لیکن اپنے مؤقف کو تبدیل نہیں کیا۔ اس کے علاوہ صدام کی جو تصویر مغربی قومیں آج کھینچ رہی ہیں اس سے بہت زیادہ بھیانک اور بدصورت تصویر صدر حافظ الاسد کی انہی قوموں نے کھینچ رکھی تھی اور اب تک وہی قائم ہے اس لئے بھی میں نہیں سوچ سکتا تھا کہ جب مغربی قومیں ایک طرف صدر صدام کو گندی گالیاں دیں گی اور اس کی کردارکشی کر رہی ہوں گی تو صدر حافظ الاسد کس طرح یہ سمجھیں گے کہ میں اس سے بچ کر ان کے ساتھ گلے مل سکتا ہوں لیکن ان کو یعنی صدر بش کو اور صدر حافظ الاسد کو میں نے اکٹھے ایک صوفے پر بیٹھے دوستانہ باتیں کرتے ہوئے ٹیلویژن پر دیکھا اور ان کی پالیسی کو یکسر اس طرح بدلتے دیکھا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، کچھ سمجھ نہیں آتی۔ انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ یہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ ایران سے مجھے نہ توقع تھی، نہ ہے نہ ہوگی کیونکہ ایران کے متعلق پہلے بھی میں بارہا کھلم کھلا یہ اقرار کر چکا ہوں کہ مذہبی عقائد سے اختلاف کے باوجود ایرانی قوم اسلام کے معاملے میں منافقت نہیں کرتی۔ اسلام کی سچی عاشق ہے۔

ان کا اسلام کا تصور غلط ہوسکتا ہے یہ تو ہوسکتا ہے کہ شیعہ ازم میں بعض ایسے عقائد کے قائل ہوں جن سے ہم اتفاق نہیں کرتے ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسلام کے تصور میں جہاں تک سیاست کا تصور ہے ان کے خیال میں بہت سی غلطیاں ہوں یعنی اسلام کے سیاسی تصور میں ان کے خیال میں غلطیاں ہوں اور ہیں میرے نزدیک لیکن جان بوجھ کر اسلام سے غداری کریں یہ ایرانی قوم سے ممکن نہیں ہے اوران کی تاریخ بھی خدمت اسلام کی عظیم کارناموں سے روشن ہے بلکہ جتنی علمی خدمت اسلام کی وسیع تر ایران نے کی ہے جس کا ایک حصہ اب روس کے قبضے میں ہے اس خدمت کو اگر باقی اسلام کی خدمت کے مقابل پر رکھیں تو آپس میں تول کرنا بہت ہی مشکل ہوگا ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایران کی خدمت کسی طرح دوسری سب خدمتوں سے پیچھے رہ گئی ہے ۔ الحمدللہ کہ ایران نے اپنی توقعات کو پورا کیا اور باوجود اس کے کہ صدر صدام کی حکومت سے ایرانی حکومت کا شدید اختلاف تھا۔ آٹھ سال تک نہایت خوفناک خونی جنگ میں یہ لوگ مبتلا رہے ہیں اور بہت ہی گہرے شکوے اور صدمے تھے ۔ اگر ایران ،عراق کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا تو دنیا سمجھ سکتی تھی اور مؤرخ اس کو معاف بھی کرسکتا تھا کہ اتنی خوفناک جنگ کے بعد اگر ایران نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے تو کوئی حرج نہیں ایسا ہو جایا کرتا ہے ۔ آخر انسانی جذبات ہیں جو بعض باتوں سے مشتعل ہوکر پھر قابو میں نہیں آتے ۔ اس وقت انسان گہری سوچوں میں نہیں پڑسکتا کہ اسلام کے تقاضے کیا ہیں ، ملت کے تقاضے کیا ہیں ۔ جذبات میں بہہ جاتا ہے تو یہ باتیں سوچ کر ایک مؤرخ کہہ سکتا ہے کہ اس پہلو سے یہ قابل معافی ہے مگر ایران نے اگر چہ ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ تو نہیں کیا لیکن اس ابتلاء میں پوری طرح نیوٹرل (Neutral) رہتے ہوئے عراق کو عراق کی غلطی یاد کرائی اور مغربی طاقتوں کو ان کی غلطی یاد کروائی گویا کہ انصاف پر قائم رہا۔ اس پہلو سے ایران کا نام انشاء اللہ اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ عزت سے لیا جائے گا۔

یہ تو مختصر تبصرہ ہے سیاسی طور پر اسلام سے وفاداری یا عدم وفاداری کا جہاں تک تعلق ہے ۔ میں جب اسلام سے وفاداری یا عدم وفاداری کہہ رہا ہوں تو سیاسی معنوں میں کہہ رہا ہوں یعنی ملت اسلامیہ سے وفاداری یا عدم وفاداری کی بات ہو رہی ہے لیکن اس ضمن میں ایک یہ بات اور بھی بتانی چاہتا ہوں کہ ملت اسلامیہ میں دو ممالک ایسے تھے دو سلطنتیں ایسی تھیں جو مذہب کے لحاظ سے بھی

غیر معمولی مقام رکھتی تھیں ۔ اسلام کے مقدس مقامات کے محافظ کے طور پر اور اس کے مجاور اور نگران کے طور پر سعودی عرب کو دنیائے اسلام میں ایک عظیم حیثیت حاصل ہے جس سے کوئی انکار نہیں کیا جاسکتا یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اتنی بڑی سعادت ، اتنی بڑی امانت اس کے سپرد ہوئی اور دوسری طرف اسلامی علوم کا محافظ اور نگہدار مصر سمجھا جاتا تھا کیونکہ مصر کی جامعہ ازھر نے اسلامی علوم کی جو خدمت کی ہے اس کی کوئی مثال کسی اور اسلامی ملک میں دکھائی نہیں دیتی اور اسلام کے آخری دور میں علمی خدمت کے لحاظ سے جامعہ ازھر مصر کو جو پوزیشن حاصل ہے اس کا کوئی اور دنیا میں مقابلہ نہیں کرسکتا پس ان دونوں سے اس پہلو سے کوئی دور کی بھی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ یہ ملت اسلامیہ سے غداری کریں گے ۔ چنانچہ ان کا حال دیکھ کر مجھے وہ ایک شعر یاد آجاتا ہے جو بچپن میں سنا ہوا تھا اور اس زمانے میں زیادہ اچھا لگا کرتا تھا مگر بعد میں درمیانہ سا لگنے لگا وہ یہ تھا کہ:

؎ آگ دی صیاد نے جب آشیانے کو میرے
جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

کہ جب ظالم شکاری نے میرے گھونسلے کو جلایا تو جن پتوں پر میرا اٹھکانہ تھا، میرا سرہانہ تھا، میرا تکیہ تھا وہی پتے ہل ہل کر اس میرے گھونسلے کی آگ کو ہوا دینے لگے ۔ تو علمی لحاظ سے اور تقدس کے لحاظ سے جن دوملکوں پر عالم اسلام کا تکیہ تھا جب دشمن نے عالم اسلام کے آشیانے کو آگ دی ہے تو انہوں نے ہی اس آگ کو ہوا دی ہے ۔ پس یہ ایسا جرم نہیں ہے جو کبھی بھی تاریخ میں معاف کیا جاسکے گا ۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کیا فیصلے کرتی ہے ۔ آج کرتی ہے یا کل کرتی ہے، اس دنیا میں کچھ دکھاتی ہے یا ان کی سزا جزا کا معاملہ آخرت تک ملتوی کر دیتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ مالک ہے وہی بہتر فیصلے کرسکتا ہے لیکن جہاں تک دنیا کی سمجھ بوجھ کا تعلق ہے اس کے بداثرات کچھ تو ظاہر ہورہے ہیں کچھ ایسے ہیں جو مدتوں ہوتے رہیں گے اور صرف اس خطہ ارض میں محدود نہیں رہیں گے بلکہ بہت وسیع ہوں گے اور بہت پھیل جائیں گے ۔

دوسرا پہلو اس جنگ کا یہ ہے کہ جس کو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ اس جنگ کا مقصد کیا ہے ۔ کیوں ہورہی ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہے؟ جب تک ہم اس کو اچھی طرح سمجھ نہ لیں اس وقت تک اس بارے میں ہم یہ فیصلہ نہیں کرسکتے کہ عالم اسلام کا صحیح مؤقف کیا ہونا چاہئے یا دنیا کا

مؤقف کیا ہونا چاہئے ۔United Nations کو اس بارہ میں کیا اصلاحی اقدامات کرنے چاہئیں ۔مرض کا جب تک تجزیہ ہی نہ ہو، تشخیص ہی صحیح نہ ہو اس وقت تک صحیح علاج تجویز ہو ہی نہیں سکتا۔اس لئے میں باقی خطبے میں مختصراً اس جنگ کی وجوہات کا اور اصل محرکات کا اور مقاصد کا تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا تا کہ اس کی روشنی میں پھر آئندہ انشاء اللہ ایسی تجاویز پیش کروں گا جو United Nations کیلئے بھی ہوں گی اور دنیا کی دوسری قوموں کے لئے بھی اور عالم اسلام کے لئے بھی کہ احمدیہ نقطہ نگاہ سے بھی ان مسائل کا کیا حل ہے اور آئندہ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے اگر سنجیدگی سے غور ہونا چاہئے تو کس پہلو سے، کس طریق پر غور ہونا چاہئے۔

اس وقت تو ہم مغرب سے یہی آواز سن رہے ہیں اور صدر بش اس آواز کو سب سے زیادہ زور سے اور شور کے ساتھ دنیا میں پیش کر رہے ہیں کہ یہ جنگ مذہبی جنگ نہیں ہے ۔ یہ جنگ کسی قسم کے مفادات سے تعلق نہیں رکھتی یہ تیل کی جنگ نہیں ہے ۔ یہ ہمارے مفادات کی جنگ نہیں، یہ اسلام کی جنگ نہیں ہے یہ یہودیت کی جنگ نہیں ہے یہ عیسائیت کی جنگ نہیں ہے ۔ پھر یہ کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں یہ حق اور انصاف کی جنگ ہے، یہ سچ اور جھوٹ کی جنگ ہے، یہ نیکی اور بدی کی جنگ ہے، یہ تمام دنیا کی جنگ ہے، ایک ظالم اور سفاک شخص صدام کے خلاف ۔ یہ وہ امریکہ نظریہ ہے جس کو اس کثرت کے ساتھ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات میں مشتہر کیا جا رہا ہے کہ اکثر مغربی دنیا اس کو تسلیم کر بیٹھی ہے ۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ واقعی یہی جنگ ہے لیکن بہت سے منصف مزاج اور گہری نظر رکھنے والے مبصرین ہیں جو انکار کر رہے ہیں اور مغرب ہی کے مبصرین کی میں بات کر رہا ہوں۔ان میں بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار سیاستدان بھی ہیں اور دانشور' صحافی' ہر قسم کے طبقے سے کچھ نہ کچھ آوازیں یہ بلند ہو رہی ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے ۔ یہ سب پروپیگنڈہ ہے اور ہمیں ہمارے ہی راہنما دھوکے دے رہے ہیں اور کھلے کھلے دھوکے دے رہے ہیں ۔ یہ جنگ کچھ اور ہے ۔ایڈورڈ ھیتھ Adward Heith جو انگلستان کے پرائم منسٹر رہ چکے ہیں اور اپنی بصیرت کے لحاظ سے اور بصارت کے لحاظ سے اور سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے اور سیاست کے وسیع تجربے کے لحاظ سے انگلستان کی عظیم ترین زندہ شخصیتوں میں شامل ہوتے ہیں اور مسلسل ان کا یہی مؤقف رہا ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی لیڈرشپ ہمیں سخت دھوکا دے رہی ہے اور یہ جو نیک مقاصد کا اعلان کیا جا رہا ہے ہرگز یہ بات نہیں ۔ یہ جنگ انتہائی خود

غرضانہ اور ظالمانہ جنگ ہے اور احمقانہ جنگ ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی اس کے نہایت ہی خوفناک بداثرات پیدا ہوں گے اور جنگ کے بعد کے حالات بہت زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔

بہر حال اس وقت میں اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ مغربی مفکرین کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ خلاصةً دوسری آواز یہ ہے کہ یہ تیل کی جنگ ہے یہ مفادات کی جنگ ہے یہ اسرائیل کے دفاع کی جنگ ہے اسرائیلی مقاصد کو پورا کرنے کی جنگ ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ جنگ صدر بش کی اور صدر صدام کی جنگ ہے اور ان کے نزدیک صدر بش نے اس مسئلے کو اپنی ذاتی اَنا کا مسئلہ بنالیا ہے اور اب ان کی عقل اور ان کے جذبات ان کے قابو میں نہیں رہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو ایسے بے قابو ہو جاتے ہیں اور اس طرح بچوں کی طرح ایسے غلط محاورے استعمال کرتے ہیں کہ یہ لگتا ہی نہیں کہ کوئی عظیم قومی راہنما بات کر رہا ہے اس لئے وہ بڑے زور کے ساتھ اس مسلک کو پیش کرتے ہیں کہ یہ جنگ دراصل صدر بش کی جنگ ہے جو صدر صدام سے شدید نفرت کرتے ہیں اور انہوں نے امریکن تسلط کو قبول کرنے سے جو انکار کیا اور اس کے رعب میں آنے سے انکار کیا اس کے نتیجے میں غضب بھڑکا ہوا ہے جو قابو میں نہیں آرہا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے کیونکہ جماعت احمدیہ کو تو جذباتی فیصلے نہیں کرنے چاہئیں اور چونکہ ہم نے صرف اپنی ہی فکر نہیں کرنی بلکہ سب دنیا کی فکر کرنی ہے۔ کمزور اور چھوٹے اور بے طاقت ہونے کے باوجود کیونکہ ہم میں سے ہر ایک یہ یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس دنیا کی سرداری یعنی خدمت کے رنگ میں ہمارے سپرد فرمائی ہے۔ ہمیں اس دنیا کا قائد بنایا گیا ہے اور قائد کا معنی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ **سید القوم خادمھم** (الجہاد لابن المبارک کتاب الجہاد حدیث نمبر: ۲۰۷) کہ قوم کا سردار اس کا خادم ہوا کرتا ہے۔ یعنی سردار اور خادم دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اگر کوئی خدمت کرنا نہیں جانتا تو وہ سیادت کا حق نہیں رکھتا اور اگر وہ کوئی سیادت پا جاتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ خدمت کرے۔ پس ان معنوں میں میں قائد ہونے کی بات کرتا ہوں اور کسی معنی میں نہیں۔ پس ہم نے بنی نوع انسان کی خدمت کرنی ہے۔ ان کو ان کے صحیح اور غلط کی تمیز سکھانی ہے اور ان کو سمجھانے کی کوشش کرنی ہے کہ تمام بنی نوع انسان کا مفاد کس بات میں ہے۔ کس چیز میں ان کی بھلائی ہے کس چیز میں ان کی برائی ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلے کو

خوب کھولوں اور پھر جہاں جہاں احمدی اس مسئلے کو سمجھ لیں وہاں پھر وہ اپنی طاقت کے مطابق آواز اٹھائیں اور ماحول کی سوچ اور آراء کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔

اس مسئلے کا آغاز دراصل پچھلی صدی کے آخر پر ہو چکا تھا۔ جو جنگ آج نظر آرہی ہے اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ 1897ء میں ایک صیہونی مقاصد کی کونسل قائم ہوئی جو یہود کے اس طبقے سے تعلق رکھتی تھی جو حضرت داؤد کی بادشاہت کے قائل ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ تمام دنیا پر ایک دن داؤدی حکومت ضرور قائم ہو کر رہے گی۔ ان کو صیہونی یا اسرائیلی کہا جاتا ہے۔ صیہونیوں کی ایک ورلڈ کونسل قائم ہوئی اور اس نے اپنا ایک ڈیکلریشن ظاہر کیا۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اسی سال یا اس سے کم وبیش کچھ آگے پیچھے کے عرصہ میں ایک یہودی Document یعنی مسودہ پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے ظاہر ہوا جس کا نام تھا پروٹوکالز آف ایلڈرز آف زائن (Protocols of Elders of Zion) یعنی زائن، وہی زائن (Zion) جس کا میں ذکر کر رہا ہوں یعنی اسرائیلی حکومت، زائن ازم کے قیام کا مظہر یہ لفظ زائن ہے۔ زائن وہ پہاڑ ہے جس کے اوپر کہتے ہیں حضرت داؤدؑ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ بہر حال جب زائن کہتے ہیں تو مراد اسرائیل ہے تو اسرائیل کے بڑے لوگ جو Zionism کے قائل ہیں ان کے چوٹی کے راہنماؤں کی سکیم کہ ہم کس طرح دنیا پر اپنے تسلط کو قائم کریں گے اور اس کے لئے لائحہ عمل کیا ہوگا کن اصولوں پر ہم کام کریں گے۔ کیا ہمارے مقاصد ہوں گے۔ کیا کیا طریق اختیار کئے جائیں گے وغیرہ وغیرہ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو مجھے اب تاریخ تو یاد نہیں لیکن یہ یقینی طور پر یاد ہے کہ انیسویں صدی کے آخر پر 1897ء کے لگ بھگ پہلی مرتبہ یہ Document ایک روسی عورت کے ہاتھ لگا جو دراصل ان Elders of zion، جن کی یہ سکیم تھی ان کے سیکرٹری کے طور پر کام کر رہی تھی۔ جرمنی میں یہ واقعہ ہوا ہے اور ان میں سے ایک کی دوست بھی تھی چنانچہ ایک دفعہ وہ رات کو اپنے دوست کے گھر اس کا انتظار کر رہی تھی اور اس کو دیر ہوگئی اس نے اس کی میز پر پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک مسودہ دیکھنے کے لئے، دل بہلانے کے لئے چن لیا اور یہی وہ مسودہ ہے جس کا نام ہے Protocol Of Eleders Of Zion اس مسودے کو پڑھ کر وہ ایسی دہشت زدہ ہوئی اور اس میں دنیا کو فتح کرنے کا ایسا خوفناک منصوبہ تھا کہ وہ اس کو لے کر بھاگ گئی اور روس چلی گئی اور پہلی مرتبہ اس کتاب کو روس میں شائع کیا گیا پھر 1905ء

میں پہلی مرتبہ اس کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔تو بہر حال یہ وہی دور ہے کہ جب ایک طرف انہوں نے ایک مخفی منصوبہ تیار کیا اور دوسری طرف ایک ظاہری منصوبے کا اعلان کیا اور یہ جو ظاہری منصوبہ ہے اس کے متعلق کوئی Controversy نہیں ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ ہاں ہمارا منصوبہ تھا اور ہم نے دنیا میں اس کو ظاہر کیا ہے۔ وہ صرف اتنا تھا کہ حکومتوں کے تعلقات کے لحاظ سے ،دوسرے اثرات کو بڑھانے کے لحاظ سے ہم ایک منظّم جدوجہد کریں گے جس کا مقصد یہ ہوگا کہ اسرائیل کو اپنا ایک الگ گھر بطور ریاست کے مل جائے ۔تو جو دوسرا منصوبہ تھا اس کا مقصد تھا کہ اسرائیل United Nations کے ذریعے اور اس زمانے میں اگر چہ United Nations کا کوئی تصور بھی موجود نہیں تھا لیگز آف نیشنز بھی نہیں تھیں ،اس کے باوجود اس منصوبے میں یہ سب کچھ ذکر موجود ہے اور اس سکیم کے ذکر کے بعد وہ منصوبہ آخر یہ ارادہ ظاہر کرتا ہے کہ جب یہ ساری باتیں ہو جائیں گی۔ہم United Nations قائم کرنے میں کامیاب ہو چکے ہوں گے تو پھر ہم United Nations پر قبضہ کریں گے اور United Nations پر قبضے کے ذریعے پھر ساری دنیا پر حکومت ہوگی تو یہ United Nations پر قبضہ کرنے کا اور اس کے ذریعے پھر آگے دنیا پر حکومت کرنے کا جو منصوبہ تھا اس میں بہت سالوں کا لگنا ایک طبعی امر تھا لیکن جس مرحلے کا اس میں ذکر ہے کہ ان ان مراحل کو طے کر کے ہم بالآخر اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے وہ تمام مراحل اسی طرح وقتاً فوقتاً طے ہوتے رہے۔ چنانچہ جب یہود نے اس منصوبے سے قطع تعلقی کا اعلان کیا اور کہا کہ یہ ہماری طرف منسوب کیا گیا ہے ہمارا منصوبہ نہیں ہے تو اس پر دنیا کے علماء اور سیاستدانوں اور دانشوروں نے بڑی بڑی بحثیں اٹھائیں۔کئی عدالتوں میں اس پر مقدمہ بازیاں ہوئیں ۔انگلستان کے ایک پروٹسٹنٹ نے اس پر بہت تحقیق کی ہے اور اس نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام ہے Water Flowing Eastwards اس کتاب میں اس کے سارے پہلوؤں پر بحث ہے۔ مجھے آج تقریباً 20 سال پہلے اس کو پڑھنے کا موقعہ ملا تھا۔اس کے بعد کوئی دوست مانگ کر لے گئے اور پھر وہ ہاتھوں ہاتھ بکھر کے پتا نہیں کہاں چلی گئی۔انگلستان سے میں نے کوشش کی ہے لیکن وہ دستیاب نہیں ہوتی کیونکہ اس کتاب میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس کتاب کو یہود فوراً مارکیٹ سے غائب کر دیتے ہیں۔ یہ درست ہے یا غلط کہ یہود کرتے ہیں یا کوئی اور کرتا ہے مگر ہو ضرور غائب

جاتی ہے یہ تو ہمارا تجربہ ہے۔ پس معین طور پر الفاظ تو میں بیان نہیں کرسکتا لیکن جو بات میں بیان کرتا ہوں۔ بنیادی طور پر مضمون کے لحاظ سے درست ہے۔ چنانچہ اس میں اس نے لکھا ہے جب انگلستان کے پرائم منسٹر، غالباً ڈزرائیلی نام تھا، ان سے یہ پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک یہ مسودہ جو یہود کی طرف منسوب کیا جاتا ہے واقعۃً بڑے یہودی آدمیوں کی تحریر ہے اوران کا منصوبہ ہے یا ان کے خلاف محض ایک سازش ہے اوران کو بدنام کرنے کی کوشش ہے تو اس کا جواب ڈزرائیلی نے یہ دیا کہ میرے نزدیک صرف دوصورتیں ممکن ہیں یا تو یہ منصوبہ واقعۃً انہی لوگوں کا ہے جن کی طرف منسوب ہورہا ہے کیونکہ اس کے بعد جتنے واقعات رونما ہوئے ہیں وہ بعینہٖ اس منصوبے کے مطابق ہوئے ہیں اس لئے ازخود کس طرح وہ واقعات رونما ہونے لگے اوراسی ترتیب کے ساتھ، اسی تفصیل کے ساتھ اور یا پھر یہ کسی نبی کی کتاب ہوگی جس نے خدا سے علم پا کر اتنی زبردست پیشگوئی کی ہوگی۔ تو اس نے کہا میرے نزدیک تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو پرلے درجے کے جھوٹوں کی ہے جنہوں نے منصوبہ بنایا اوراب انکار کررہے ہیں اور یا پھر ایک بہت بزرگ اور سچے کی کتاب ہے جس کو خدا نے بتایا تھا کہ آئندہ یہ واقعات ہوں گے۔

آج ہم جس دور میں داخل ہوئے ہیں یہ اس کی تکمیل کے آخری مراحل کا دور ہے۔ جب روس اورامریکہ کے درمیان مفاہمتیں شروع ہوئیں اور برلن کی دیوار گرنی شروع ہوئی تو مجھے اس وقت یہ منصوبہ یاد آیا۔ اگرچہ میرے پاس موجود نہیں تھا کہ میں اپنی Memory، اپنی یادداشت کو تازہ کرسکتا مگر اتنا مجھے یاد ہے کہ اس کے آخر پر یہی لکھا ہوا تھا کہ بالآخر ہم پھر ساری دنیا کو پہلے تقسیم کریں گے اور پھر اکٹھا کردیں گے اوراس وقت یہ ہوگا جب ہمارا United Nations پر پوری طرح قبضہ ہو چکا ہوگا۔ تو اس وقت سے میرا دل اس بات پر دھڑک رہا تھا کہ اب وہ خطرناک دن آنے کا زمانہ معلوم ہوتا ہے آ گیا ہے لیکن اس خوف کے باوجود جو اتنی بڑی بڑی علامتوں کے ظاہر ہونے کے بعد ایک طبعی امر ہے مجھے ایک یہ بھی کامل یقین ہے کہ بالآخر یہ منصوبہ ضرور ناکام ہوگا اور میرا یہ اعلان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک الہام کی بناء پر ہے 1901ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہوا کہ:

''فری میسن مسلط نہیں کئے جائیں گے'' (تذکرہ صفحہ:۳۳۶)

اور 1905ء میں انگریزی میں یہ منصوبہ دنیا کے سامنے آیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ فری میسن مسلط کئے جائیں گے۔ پس اس زمانے میں جبکہ فری میسنز کا کسی کو تصور بھی نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہونا یعنی ہندوستانی میں تو ''فری میسنری'' کا بہت کم لوگوں کو پتا تھا اور پھر قادیان جیسے گاؤں میں اچانک یہ الہام ہو جانا حیرت انگیز بات ہے پس مجھے کامل یقین ہے کہ بالآخر یہ منصوبہ ضرور ناکام ہوگا مگر ناکام ہونے سے پہلے دنیا میں نہایت ہی خطرناک زہر پھیل چکا ہوگا۔ بہت سے آتش فشاں پھٹ چکے ہوں گے اس کے نتیجے میں بہت سے زلازل واقعہ ہو چکے ہوں گے۔ بہت سی تباہیاں آئیں گی۔ بہت سی مصیبتوں میں قومیں مبتلا ہوں گی۔ بہت بڑے خطرناک دن ہیں جن سے ہمیں گزرنا ہوگا کیونکہ اتنا بڑا منصوبہ اچانک خود بخود ناکام نہیں ہوا کرتا۔ پوری کوشش کے بعد یہ منصوبہ اپنے سارے پر پرزے نکالے گا اور اس کی ناکامی کے لئے خدا کی تقدیر جو مدافعانہ کوشش کرے گی وہ بہر حال غالب آئے گی لیکن اس دوران ہمیں ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار ہونا چاہئے کہ بنی نوع انسان بہت بڑے بڑے ابتلاؤں میں سے گزریں گے اور انسان کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا اور اس میں سے کچھ حصہ لازماً احمدیوں کو بھی ملے گا کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ قومی عذابوں اور ابتلاؤں کے وقت سچوں کی جماعت کلیۃً بچ جائے۔ تکلیف میں کچھ نہ کچھ ضرور حصے دار ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بالآخر اسلام کی ترقی اور فتح اور احمدیت کے غلبے کے دن آئیں گے یہ وہ آخری تقدیر ہے جو لازماً ظاہر ہوگی اور وہی دراصل دنیا کا ''نظام نو'' ہے وہ نظام نو نہیں ہے جو صدر بش کے دماغ میں ہے جسے وہ New World Order کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں مگر اس مضمون کو سر دست چھوڑتے ہوئے میں واپس وہاں آتا ہوں کہ سب سے پہلے موجودہ حالات کی بنیاد 1897ء کے لگ بھگ رکھی گئی۔ ظاہری طور پر تو بہر حال 1897ء میں رکھی گئی جب اسرائیل کی حکومت کے قیام کی کوششوں کا اعلان ہوا۔

اس کے بعد دوسرا بڑا قدم 1917ء میں ہمیں نظر آتا ہے جبکہ بالفور Balfour نے، (بالفور یا بیلفور جو بھی Pronunciation صحیح ہے)، جو انگلستان کے Foreign Secretory تھے، انہوں نے ایک بہت امیر یہودی انسان کو جو یہودی کمیونٹی کا نمائندہ تھا، راتشیلڈ Rothschild جو بعد میں لارڈ (Lord) بھی بن گیا یا اس وقت بھی شاید Lord ہی ہو، Lord

Rothschild کو ایک خط لکھا جس میں کیبنٹ کے ایک فیصلے سے اس کو مطلع کیا اور یہ Document کے طور پر چھپا ہوا موجود ہے کہ برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ فلسطین میں اسرائیلیوں کو گھر دینے کے مسئلے پر ہر طرح تعاون کریں گے اور ہر طرح آپ کا ساتھ دیں گے اور ہاتھ بٹائیں گے۔ یہ جو 16'17'18'19 تک کے عرصے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ دور اسلام کے خلاف سازشوں کا ایک نہایت ہی خوفناک اور سنگین دور ہے اوران سازشوں میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ اس وقت کی برطانوی حکومت نے لیا۔ میں اس کی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

1897ء میں First World Zionist Congress نے جو ڈیکلریشن دیا اس کا میں ذکر کر چکا ہوں جس کے اس وقت پریذیڈنٹ DR. Theodor Herzl تھے اور اگست 1897ء میں یہ منصوبہ دنیا میں باقاعدہ شائع ہوا۔ 1917ء کو بالفور Balfour برٹش فارن سیکرٹری نے راتشیلڈ کو جو خط لکھا ہے اس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس سے ایک سال پہلے 1916ء میں MR. Mc Mahon جو انگلستان کی حکومت کے نمائندہ تھے انہوں نے مکہ اور مدینہ اور ارض حجاز کے گورنر شریف حسین صاحب کو ایک خط لکھا۔ یہ شرق اردن کا خاندان تھا جو ترکی کی طرف سے ارض حجاز پر ترکی کی نمائندگی کرتا تھا اور اس خاندان کے افراد کو شریف مکہ کے طور پر یعنی مکہ کے گورنر کے لقب کے ساتھ وہاں گورنر بنایا جاتا تھا تو شریف مکہ کو Mc Mahon نے ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم اس بات پر ہم سے اتفاق کرلو کہ ہم تمہیں ترکی کی ظالمانہ حکومت سے آزادی دلائیں اور آزاد عرب ریاست کے قیام میں تمہاری مدد کریں تو اس کے بدلے تم ہمیں یہ یہ مراعات دو۔ کچھ علاقے A کے نام سے Mark کر کے نقشے میں ظاہر کئے گئے کچھ B کے نام سے اور کچھ فرانسیسی تسلط کے علاقے بتائے گئے، کچھ انگریزی تسلط کے۔ ان ساری شرائط کا خلاصہ یہ تھا کہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے فارن پالیسی بنانے کا پورا اختیار انگلستان کو ہوگا یا فرانس کو ہوگا اور تمہیں اپنے بیرونی معاملات طے کرنے میں ان ان دائروں میں جن جن حکومتوں کا تسلط ہے ان کے مشورے اور اجازت کے بغیر کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی یہاں تک کہ کوئی یورپین مبصر اور کوئی یورپین مشیر تم وہاں سے نہیں بلا سکتے جب تک انگریزی تسلط کے علاقے میں انگریز سے اجازت نہ ملے یا

فرانسیسی تسلط کے علاقے میں فرانس سے اجازت نہ ملے۔ادھر ان سے یہ گفت وشنید ہو رہی تھی یعنی شریف مکہ سے اور ادھر وہابی حکومت کے سر براہ یعنی سعودی خاندان سے ساز باز چل رہی تھی کہ اگر تم ہم سے یہ معاہدہ کرو کہ اس علاقے پر ہمیشہ کے لئے انگریزی تسلط کو قبول کر لو گے اور انگریز کی مرضی کے بغیر کوئی فارن پالیسی طے نہیں ہوگی اور ترکی کی حکومت کو تباہ کرنے میں ہمارا ساتھ دو گے اور بہت سی شرطیں تھیں تو ہم تمہاری مدد کریں گے کہ تم ارض حجاز پر قابض ہو جاؤ اور تمہاری حکومت کی ہمیشہ حفاظت کا تم سے اقرار کریں گے اور تمہیں تحفظ دیں گے کہ کبھی کوئی تمہیں میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔اور یہ معاہدہ ان کے ساتھ طے پا گیا اور چند سالوں کے بعد باقاعدہ اسی طرح حملہ ہوا اور پھر انہوں نے شریف مکہ کو الگ کر دیا تو 1915ء، 16، 17 کے زمانے میں ایک طرف شریف مکہ سے یہ باتیں ہو رہی تھیں دوسری طرف شریف مکہ کے مخالفین سے وہ باتیں ہو رہی تھیں اور تیسری طرف روس اور انگلستان اور فرانس، ان تینوں کا 1916ء میں عثمانی حکومت کا آپس میں بانٹنے پر ایک معاہدہ ہوا اور اس میں یہ باتیں طے ہوئیں کہ جب ہم عثمانی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کریں گے تو کون سا حصہ روس اپنے قبضے میں کرے گا کون سا فرانس اپنے قبضے میں کرے گا کون سا انگریز اپنے قبضے میں کریں گے اور اس کے علاوہ ایک Englo French Agrement ہوا جس میں عرب کی بندر بانٹ کے متعلق انگریزوں اور فرانسیسیوں کا آپس کا معاہدہ تھا۔

پس اس علاقے پر تین بڑی طاقتوں کا تسلط بطور منصوبے کے اس زمانے میں طے ہو چکا تھا اور جہاں عرب کا تعلق ہے۔ یہاں روسی عمل دخل کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔عرب علاقوں پر فرانس اور انگلستان کی اجارہ داری تسلیم کی جا چکی تھی۔پس بعد میں جو جنگیں ہوئیں اور بعد میں ان دونوں قوموں نے جو کردار یہاں ادا کیا ہے وہ اس پس منظر میں سمجھنا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔پس اس پہلو سے جب ہم موجودہ صورتحال کا تجزیہ کرتے ہیں تو مقاصد کو سمجھنا نسبتاً زیادہ آسان ہو جاتا ہے لیکن اس بات کو آگے بڑھانے سے پہلے ایک ایسی Mystery کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ان مسائل سے گہرا تعلق رکھتی ہے دو ایسی باتیں ہیں جو عام طور پر انسان توقع نہیں رکھتا کہ ہوں گی لیکن ہوئی ہیں ایک بات یہ ہے کہ مشرق وسطی دنیا کا امیر ترین علاقہ ہے اور دنیا کے سارے تیل کا ۶۰ فیصد اس علاقے میں پیدا ہوتا ہے اس کے باوجود اپنی دفاع کی طاقت کے لحاظ سے دنیا کا کمزور ترین علاقہ ہے

اور انڈسٹریل Growth کے لحاظ سے دنیا کا کمزور ترین علاقہ ہے۔ پس یہ کیا مسئلہ ہے کیا معمہ ہے کہ جہاں دولتوں کے پہاڑ ہوں وہاں پہریدار کوئی نہ ہوں۔ یہاں کسی بینک میں سونے کی کچھ ڈلیاں بھی ہوں تو حفاظت کے بڑے پکے انتظام ہوا کرتے ہیں لیکن وہاں تو واقعۃً سونوں کے پہاڑ پیدا ہو رہے ہیں اور اس کے باوجود فوجی نقطہ نگاہ سے ایک خلاء کا علاقہ سمجھا جاتا ہے جو طاقت آپ دیکھ رہے ہیں اس کی اس دولت سے درحقیقت کوئی نسبت نہیں ہے جو وہاں موجود ہے تو کیوں ایسا ہو رہا ہے کیوں اس علاقے کو کمزور رکھا گیا ہے جبکہ اسرائیل جو اس علاقے کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے جس میں تیل کی دولت نہیں ہے۔ اس کو غیر معمولی طور پر طاقت ور بنایا گیا ہے۔ پس جہاں مال پڑا ہے وہ حصہ کمزور ہے۔ جہاں ڈاکے کا خطرہ ہے اس حصے کو طاقت دے دی گئی ہے۔ ایک یہ معمہ ہے جو حل ہونے والا ہے۔

دوسرا معمہ یہ ہے کہ صدر صدام نے جب Linkage کی پیش کش کی تو Linkage کی پیشکش کو کیوں رد کیا گیا جب ہم اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ کیوں اس پیش کش کو رد کیا گیا ہے جب آپ اس کو پوری طرح سمجھ جائیں گے تو پھر آخری حل کیا ہونا چاہئے؟ وہ بات بھی آپ کو سمجھ آجائے گی۔ امریکہ نے اور اس کے اتحادیوں نے مسلسل انکار کیا کہ کویت پر قبضے کا جہاں تک تعلق ہے اس کا کوئی Linkage نہیں ہے۔ صدر صدام حسین کہتے تھے کہ اس کا Link ہے اور دونوں کو اکٹھا طے کرو۔ اگر یہ Link تسلیم ہو جاتا تو اس کے نتیجے میں اس مسئلے کا یہ حل بنتا کہ صدر صدام نے کویت کے علاقے میں جو جارحیت کی ہے اس علاقے کو چھوڑ کر اپنی جارحیت کے قدم کو واپس لے لے اور یہود نے، Zionists نے جو شرق اردن کے مغربی کنارے کو غصب کیا ہے اور وہاں اس کے خلاف جارحانہ پیش قدمی کی ہے وہ اپنے قدموں کو وہاں سے واپس ہٹا لے۔ ایک جارحیت کو کالعدم کرو، دوسری جارحیت کو کالعدم کرو۔ دونوں طرفیں برابر ہو جاتی ہیں اور انصاف قائم ہو جاتا ہے یہ معاملہ آگے نہیں بڑھتا۔ یہ دراصل مقصد تھا صدر صدام کا جو بار بار Linkage کے اوپر زور دیتے چلے جارہے تھے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے جن کا اس مسئلے سے تعلق ہے اس کو کچھ اور رنگ میں، عمداً غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور دنیا کی رائے عامہ کو دھوکا دینے کی کوشش کی حالانکہ صدر صدام کا مؤقف وہی تھا جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

مغربی دنیا نے Linkage کو اس طرح عمداً غلط سمجھا کہ گویا صدر صدام یہ کہہ رہے ہیں کہ چونکہ اسرائیل نے ہمارے ایک مسلمان بھائی ملک کے کچھ علاقے پر قبضہ کرلیا ہے اس لئے اس غصے میں میں نے بھی اپنے ایک مسلمان بھائی کے علاقے پر قبضہ کرلیا ہے اور دونوں ایک ہی جیسے معاملات ہیں۔ حالانکہ اس میں کوئی منطق نہیں ہے اور انہوں نے اسی وجہ سے اس Linkage کے مؤقف کا مذاق اڑایا اور اس کو بالکل بودا اور بے معنی قرار دیا اور کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ سب دنیا جانتی ہے کہ تیل کے جھگڑے کے نتیجے میں، یعنی تیل کا جھگڑا ان معنوں میں کہ کویت کی تیل کی فروخت کی جو پالیسی ہے اس سے عراق کو اختلاف تھا اور کچھ اور ایسے مسائل تھے تو تیل کے جھگڑوں کے نتیجے میں یا کچھ اور جھگڑوں کے نتیجے میں عراق نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں کویت پر قابض ہو جاؤں گا اور وہ جھگڑے دراصل بہانے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ کویت کی تیل کی دولت پر قبضہ کرے تو کہتے ہیں اس میں Linkage کہاں سے ہوگیا۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں بڑا گہرا تعلق ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر تم جارحیت کے خلاف ہو تو تم اس جارحیت کو کالعدم کرو جو پہلے اس علاقے پر ہو چکی ہے، میں بھی کالعدم کر دیتا ہوں۔ بات ختم ہو جائے گی لیکن اس کی طرف آتے نہیں تھے۔ تو کیوں نہیں آرہے تھے یہ آخر کیا وجہ ہے؟ اسرائیل سے کیوں اتنا گہرا تعلق ہے؟ کیا رشتے داریاں ہیں؟ کیا اس کے مفادات کی غلامی کی ضرورت ہے؟ اور اس کے بدلے اتنی بڑی بڑی قیمتیں ادا کر رہے ہیں کہ انسان کے تصور میں بھی ان قیمتوں کی کمیت پوری طرح داخل نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک بلین کی کمیت کیا ہے۔ ہم جیسے عام غرباء تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایک بلین کتنی بڑی رقم ہوتی ہے۔ ایک بلین روپے بھی ہمارے لئے بہت ہیں لیکن ایک بلین ڈالر تو بہت بڑی رقم ہے۔ اس جنگ میں جو اعداد و شمار ظاہر ہوئے ہیں، صرف امریکہ کا ایک بلین روزانہ خرچ ہو رہا ہے ایک بلین ڈالر کا مطلب ہے ایک ارب ڈالر اور جتنے دن یہ جنگ چلے گی یہ اسی طرح خرچ ہوتا چلا جائے گا اور اس کے علاوہ انگریزوں کا خرچ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ فرانسیسیوں کا خرچ ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے ان کے خرچ ہو چکے ہیں اور حالت ابھی سے یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دنیا کے سامنے کشکول لے کر نکلنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ انگریز ڈپلومیسی میں امریکہ سے بہت بہتر ہے اور انگریز کی ڈپلومیسی میں صدیوں کی ٹریننگ کی وجہ سے ایک نفاست پائی جاتی ہے۔ اس لئے جب ہمارے فارن

سیکرٹری صاحب جرمنی گئے تو وہاں سے انہوں نے 7،6 سوملین کی جو Aid انکو دی اس کا اعلان کرتے وقت انہوں نے پہلا فقرہ ہی یہ کہا کہ دیکھو بھئی ! میں کوئی کشکول لے کر تو نہیں یہاں آیا تھا۔ میرے ہاتھ میں تو کوئی کشکول نہیں تھا۔ میرے دماغ میں تو Figure بھی کوئی نہیں تھی ۔کوئی اعداد نہیں تھے کہ اتنی رقم میں وصول کروں گا۔ یہ جرمن بھائی ہمارے بڑے مہربان ہیں ۔ بہت اچھے لوگ ہیں ۔اچھی قوم ہے ۔انہوں نے دیکھا کہ ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اپنے ان بھائیوں کی مشکل میں مدد دیں اور War Efforts میں ہم کچھ حصہ ڈالیں تو ہم شکریے سے قبول کرتے ہیں ۔

ایڈورڈ ھیتھ نے کل رات کو اسی بحث میں حصہ لیتے وقت کہا کہ تمہارے جھوٹ کی اور مکاریوں کی حد ہوگئی ہے ۔تم نے قوم کو ساری دنیا میں بے عزت کر دیا ہے ۔کشکول ہاتھ میں پکڑ کے تم بھاگے پھرتے ہو اس مصیبت میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی جس کو سنبھال نہیں سکتے جس کے لئے انگلستان کی عزت کو اور عظمت کو داغدار کر دیا ہے اور اب تم بھکاری بن گئے ہو۔امریکن اس کے مقابل پر کورس (Coarse) یعنی اکھڑ قسم کے Politicians ہیں ۔کوئیل صاحب یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں جو امریکہ کے وائس پریذیڈنٹ ہیں اور ان کی جو ذہنی اور سیاسی قابلیتیں ہیں ان کے اوپر امریکہ کا اخبار نویس ہمیشہ ہنستا رہتا ہے اور مذاق اڑاتا رہتا ہے اس حصے کا تو میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ان کے آپس کے معاملات ہیں لیکن ان کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں اور یہ نہیں پتا لگتا کہ میں کس طرح بعض چیزوں پر پردے ڈالوں چنانچہ اپنے امریکہ کے مانگنے کو انہوں نے ایک اور نام دیا ہے ۔جیسے ہمارے پنجاب میں مشہور ہے کہ بعض ''ڈنڈا فقیر'' ہوتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ یہ کہیں کہ بھئی خدا کے واسطے کچھ بھیک ڈال دو۔ بھوکے مر رہے ہیں کچھ مدد کرو، رحم کرو، وہ ڈنڈا لے کر جاتے ہیں کہ دیتے ہو تو دو ورنہ ہم لاٹھی سے سر پھاڑ دیں گے ۔تو انہوں نے اپنا جو طریق کار پیش کیا ہے وہ ''ڈنڈا فقیر'' والا ہے ۔ جب ان سے ایک اخباری نمائندے نے یا ٹیلی ویژن کے نمائندے نے سوال کیا کہ بتایئے آپ دنیا سے کیا توقع رکھتے ہیں ۔انہوں نے کہا توقع ! ہم نے تو اب فیصلے کر لئے ہیں کہ فلاں سے اتنا وصول کرنا ہے فلاں سے اتنا وصول کرنا ہے فلاں سے اتنا وصول کرنا ہے اور ہم نے مانگنا تو نہیں ۔ہم ان کو بتائیں گے کہ یہ تم نے دینا ہے تو اس نے کہا کہ جناب !اگر وہ نہ دیں تو پھر کیا کریں گے ۔انہوں نے کہا نہ دیں گے تو پھر اتنا میں بتا دیتا ہوں کہ پھر امریکی تعلقات پر انحصار نہ

رکھیں۔ایک دبی ہوئی دھمکی تھی تو بہر حال اتنی بڑی قیمت دے رہے ہیں اور تمام عالم اسلام میں جو نام انہوں نے پیدا کیا تھا یکسر اس کو مٹا بیٹھے ہیں۔قریب ہی کے زمانے میں ایک وقت تھا جب کہ پاکستان عملاً امریکہ کا سیٹلائیٹ بن چکا تھا اور عوام الناس اس کو قبول کر چکے تھے۔ہر سیاست دان اپنے وقار اور عظمت کے لئے امریکہ کی طرف دوڑتا تھا اور عوام میں اس کے خلاف ردعمل ہی ختم ہو چکا تھا۔اب چند دنوں کے اندر اندر نفرت کی ایسی آگ بھڑکی ہے کہ لفظ امریکن وہاں گالی بن گیا ہے اور اسی طرح مسلمان ممالک سے برطانیہ نے اپنے تعلقات کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے اور بہت ہی لمبے عرصے سے جو نیک نام پیدا کیا تھا وہ نام مٹا دیا ہے تو یہ اتنی بڑی قیمت کیوں دے رہے ہیں کیوں نہ Linkage کو تسلیم کر لیا کہ اسرائیل کو کہتے کہ تم فلاں علاقہ خالی کر دو اور عراق فلاں علاقہ خالی کر دے گا۔بات وہیں ختم ہو جائے گی۔اس لئے ہمیں ان باتوں کا مزید تفصیل سے جائزہ لینا ہوگا کہ اس موجودہ لڑائی کے پس منظر میں کیا عوامل کام کر رہے ہیں۔یہ جو الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ان کے مشترکہ مفادات ہیں جن کی خاطر یہ اس وقت عراق کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اور کویت کی بحالی محض ایک بہانہ ہے۔اس کی بھی چھان بین کرنی ہوگی کہ کیا پہلے مشترکہ یا غیر مشترکہ علاقائی مفادات کی خاطر ان قوموں نے اسی قسم کا ردعمل دکھایا کہ نہیں۔

دوسرا جو الزام ہے کہ یہود کی خاطر ایسا کیا جا رہا ہے اس کی چھان بین کرنی ہوگی کہ جب بھی یہود اس علاقے میں مسلمان ریاستوں سے متصادم ہوئے ہیں یا اسرائیل کہنا چاہئے۔یہود میں تو بعض ایسے فرقے بھی ہیں جو اسرائیل کے خلاف ہیں بعض بڑے بڑے شریف النفس ایسے لوگ بھی ہیں جو اسرائیلی جارحیت کی کھل کر تنقید کرتے ہیں اور ان کی کارروائیوں کی کسی رنگ میں بھی تائید نہیں کرتے تو یہود نہیں کہنا چاہئے ،اسرائیل کہنا چاہئے کہ اسرائیل کا جب بھی تصادم ہوا ہے ان قوموں نے اس میں کیا کردار ادا کیا ہے اور کیوں اسرائیل کی ہر موقعہ پر تائید کی ہے اگر تائید کی ہے تو مذہبی تعصب اس میں کارفرما ہے یا محض مفادات ہیں۔اسرائیل کے قیام کی غرض وغایت کیا ہے کیوں اس کو ہر بڑی سے بڑی قیمت پر قائم رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔یہ سارے سوالات ہیں جن کا جواب انشاء اللہ آئندہ خطبے میں پیش کروں گا اور جہاں سے اس تاریخ کی بحث کو چھوڑ رہا ہوں، وہیں سے اٹھا کر آج تک کے حالات رونما ہونے والے بڑے بڑے واقعات آپ کے سامنے پیش کروں گا تا کہ

آپ کی یادداشت تازہ ہو جائے۔

اس تجزیے کے بعد پھر اگلے خطبے میں اگر وقت ملا یا اس کے بعد کے خطبے میں میں اسلامی نقطہ نگاہ سے ان مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ آج وقت زیادہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اس بحث کو، اس خطاب کو سردست یہاں ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ہم بحیثیت غلامان محمد مصطفی ﷺ کو عالمی مسائل کا ایک ایسا حل پیش کرنے کی توفیق پائیں جس کی اندرونی طاقت ایسی ہو کہ اگر وہ اس کو قبول کریں تو بنی نوع انسان کو امن کی ضمانت ملے اور اگر قبول نہ کریں تو جو چاہیں کریں امن مہیا نہ کر سکیں۔ صحیح حل کے اندر ایک یہ طاقت ہوا کرتی ہے جو سچائی کی طاقت ہے۔ اگر کوئی انسان کسی صحیح مشورے کو قبول کرے تو اس کا فائدہ ہوتا ہے اور اگر رد کر دے تو اس کا نقصان ہوتا ہے۔ پس میں چونکہ اسلام کی نمائندگی میں بات کروں گا اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ جو حل جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کیا جائے گا وہ ایسا حل ہے کہ جس کو تخفیف کی نظر سے دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ اگر قبول کرو گے تو اپنے فائدے کے لئے قبول کرو گے اور بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے بھی اور اگر رد کرو گے تو جو چاہے کوششیں کرو، دنیا سے تم فساد کو رفع دفع نہیں کر سکتے اور ایک کوشش کے بعد دوسری کوشش ناکام ہوتی چلی جائے گی اور ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ سر اٹھاتی چلی جائے گی اور ایک بدامنی کے بعد دوسری بدامنی انسانی معاشرے کو خون آلود کرتی رہے گی اور انسان کے دل کے امن اور سکون کو لوٹتی رہے گی۔ یہ میں یقین رکھتا ہوں کہ چونکہ میں خدا کے فضل کے ساتھ اسلامی حل پیش کروں گا اس لئے یہی صورت ہوگی۔ ان کو یا قبول کرنا ہوگا اور فائدہ اٹھانا ہوگا یا رد کرنا ہوگا اور نقصان کی راہ اختیار کرنی ہوگی۔

جماعت احمدیہ سے میری درخواست ہے کہ یہ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ میری ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کو تقویٰ پر قائم رکھے تا کہ میں تقویٰ کے نور سے دیکھ کر ان مسائل کا کوئی ایسا حل تجویز کر سکوں جن سے بنی نوع انسان کو امن کی ضمانت دی جا سکے۔

اسرائیل کی آبادکاری کا پلان کیوں تیار کیا گیا؟
عرب دنیا کے امن کے قتل کا ذمہ دار امریکہ ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍فروری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

غالباً چھ ماہ پہلے یا کم وبیش اتنا عرصہ پہلے میں نے بغداد پر ہونے والے ہلاکو خاں کے حملے کا ذکر کیا تھا اور متنبہ کیا تھا کہ اسی قسم کی ہلاکت آفرینی کی تیاریاں کی جارہی ہیں، فیصلے ہو چکے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر صدر صدام نے احتیاط سے قدم نہ اٹھائے تو ایسی خوفناک ہلاکت خیزی کی جنگ اس پر ٹھونسی جائے گی کہ جس کے نتیجے میں ہلاکو خاں کی باتیں بھی خواب وخیال کی باتیں ہو جائیں گی۔

اس عرصے میں جو کچھ رونما ہوا ہے وہ اتنا ہولناک ہے اور اتنا دردناک ہے کہ اس کی جتنی خبریں اب تک دنیا کو مل چکی ہیں انہی کے نتیجہ میں تمام عالم اسلام کے دل خون ہو رہے ہیں لیکن جو خبریں اب تک ظاہر ہو چکی ہیں وہ ان خبروں کا کوئی 20واں 100واں حصہ بھی نہیں جو رفتہ رفتہ اس جنگ کے بعد ظاہر ہوں گی اور جن سے بعد میں پردے اٹھیں گے۔ میرے اندازے کے مطابق لکھوکھہا شہری اور فوجی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں اور بہت بڑی تباہی ہے سویلین آبادی کی جو ابھی تک کسی شمار میں نہیں لائی جاسکی لیکن اس کے علاوہ فوجیوں کے خلاف جس قسم کی کارروائی ہے وہ جنگ کی کیفیت نہیں بتاتی بلکہ اس طرح ہی ہے جیسے کسی ایک شخص کو باندھ کر رفتہ رفتہ اس کو

Dismember کیا جائے۔اس کے اعضاء کاٹے جائیں، پہلے ناخن نوچے جائیں، پھر انگلیاں کاٹی جائیں، پھر دانت نکالے جائیں، پھر ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور اس کے بعد کہا جائے کہ اے بہادرو! اور شیرو! اب اس شخص پر حملہ کردو اور جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ اپنے ٹنڈے ہاتھوں سے ایک چپیڑ بھی نہیں مار سکے گا اس وقت تک بہادروں کو اس پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ خلاصہ ہے میرے الفاظ میں اس موجودہ جنگ کا اور امریکی جرنیل جو اس وقت یہ جنگ لڑ رہے ہیں وہ عراق کے سکڈ میزائلز وغیرہ کے متعلق ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے اس قسم کے یہ حملے ایسے ہی ہیں جیسے ایک ہاتھی پر مچھر بیٹھ جائے اور عملاً یہ ایک ہاتھی ہی کی نمائندگی کرنے والی طاقتیں ہیں اور اس کے مقابل پر جس کو وہ نئے زمانے کا ہٹلر کہتے تھے اس کی حیثیت عملاً یہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے مقابل پر ایک مچھر سے زیادہ نہیں۔ تو جب تک یہ ہاتھی اور مچھر کی لڑائی جاری ہے اس وقت تک جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس صدی کا مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ ہولناک اور خوفناک منصوبہ اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہوگا اور اس کے بعد پھر یہ نئی صدی میں داخل ہونے کے منصوبے بنائیں گے۔

لیکن میرا کام جنگ کی خبروں پر تبصرہ کرنا نہیں اور جماعت احمدیہ کو مسلسل یہ بتانا مقصود نہیں کہ اب جنگ میں کیا ہوا اور کل کیا ہوا تھا اور آئندہ کیا ہوگا۔ **میرا مقصد یہ ہے کہ اس جنگ کا پس منظر آپ کے سامنے کھول کر رکھوں اور تاریخی پس منظر کی روشنی میں تمام دنیا کے احمدی اور ان کے ساتھ دوسرے مسلمان بھائی جن تک وہ آواز پہنچا سکتے ہیں۔ اس صورت حال کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہو کیا رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے اور مغربی قوموں نے اس میں آج تک کیا کردار ادا کیا ہے اور آئندہ کیا کریں گی اور اقوام متحدہ نے یا اس سے پہلے لیگ آف نیشنز League of Nations نے کیا کردار ادا کیا تھا اور ان کے آپس میں کیا رابطے ہیں؟ اور یہود کے ساتھ ان کے کیا تعلقات ہیں؟ اور کیوں وہ تعلقات ہیں؟ اس میں مسلمانوں کی غلطیوں کا کہاں تک دخل ہے؟** اور اس سب تجزیے کے بعد میرا ارادہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق آپ کے سامنے وہ مشورے رکھوں گا جو الگ الگ قوموں کو مخاطب کر کے دوں گا یعنی میرے نزدیک اس سارے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد پھر وہ Solution یا حل خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ مرض کی تشخیص ہے جو سب

سے اہم اور بنیادی چیز ہے۔اگر تشخیص درست ہو تو علاج تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ پس یہود کو بھی مشورہ دوں گا، عیسائی قوموں کو بھی مشورہ دوں گا، مسلمانوں کو بھی مشورہ دوں گا اور تمام بنی نوع انسان کو بھی مشورہ دوں گا کہ آئندہ ان کو دائمی امن کی تلاش کے لئے کس قسم کی منصفانہ کارروائیاں کرنی چاہئیں۔

بہر حال اب میں مختصراً آپ کے سامنے اس مسئلے کو جس کو فلسطین کا مسئلہ کہا جاتا ہے یا آج کل جسے ہم Gulf War کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اس کا جو گہرا تاریخی پس منظر ہے اس کا مختصراً ذکر میں آپ کے سامنے کرتا ہوں۔ بالفور Balfour نے ۱۹۱۷ء میں جو یہود سے وعدہ کیا تھا اس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔اس کے بعد ایک حیرت انگیز واقعہ ۱۹۲۲ء میں رونما ہوا جبکہ لیگ آف نیشنز (League of Nations) نے ایک مینڈیٹ (Mandate) کے ذریعے انگریزوں کو فلسطین کے علاقے کا نگران مقرر کیا اور اس مینڈیٹ میں یہ بات داخل کی کہ بالفور نے جو یہود سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کروانا اس نگران حکومت کا کام ہوگا۔اب دنیا کی تاریخ میں ایسا حیرت انگیز ناانصافی کا کوئی واقعہ اس سے پہلے کم ہوا ہوگا جو ناانصافی باقاعدہ قوموں کی ملی بھگت سے ہوتی ہے۔ لیگ آف نیشنز تو تمام دنیا کی نمائندہ تھی یعنی کہا یہ جاتا تھا کہ سب دنیا کی نمائندہ ہے اس کا یہ کام ہی نہیں تھا کہ انگریزوں کے کسی وزیر نے جو کسی یہودی لارڈ کو خط لکھا، راتھ چائلڈ Rothchaild یا راتھ شیلڈ (Rothchild) نام ہے۔اس کا تلفظ مجھے یاد نہیں مگر وہ فرانس کا بہت بڑا بینکر Banker تھا۔اس کو خط لکھا کہ ہماری کیبنٹ تم سے یہ وعدہ کرتی ہے، یہ سوچ رہی ہے۔اس کو لیگ آف نیشنز کا حصہ بنالے اور لیگ آف نیشنز کو یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ وہ دنیا کی قسمت بانٹتی پھرے اور جس قوم نے وہ وعدہ کیا تھا ان کے سپرد ہی اس علاقے کی نگرانی کردی کہ اب جس طرح چاہو اس کو نافذ العمل کرو اس پر عمل کرواؤ۔ ساتھ ہی ایک لاکھ یہود کو باہر سے لاکر آباد کرنے کا مینڈیٹ Mandate بھی دیا چنانچہ اس پر عمل شروع ہوا اور ۱۷؍مئی ۱۹۳۹ء کو اگلی جنگ سے پہلے انگریزوں نے ایک وائٹ پیپر White Paper شائع کیا۔اس وقت تک ایک لاکھ کی بجائے اس سے بہت زیادہ یہودی اس علاقے میں آباد ہو چکے تھے۔

۱۹۳۹ء کے وائٹ پیپر White Paper کی رو سے انگریزوں نے اپنی سابقہ پالیسی

میں ایک تبدیلی پیدا کر لی اور اس وقت چیمبر لین Chember Lane کی حکومت تھی۔

چیمبر لین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اب جب کہ ہم دوسری جنگ کے کنارے پر کھڑے ہیں اگر ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا پڑے کہ یہود کے خلاف فیصلہ کر کے ان کو دشمن بنائیں یا عربوں کے خلاف فیصلہ کر کے ان کو دشمن بنائیں تو میری رائے یہ ہے کہ ہمیں یہود کے خلاف فیصلہ کرنا چاہئے، عربوں کے خلاف نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جنگ عظیم ثانی سر پہ کھڑی تھی پہلا فیصلہ پہلی جنگ کے بعد کا ہے۔ دوسرا فیصلہ دوسری جنگ سے پہلے کا ہے اور یہ فیصلہ سیاست پر مبنی تھا حقیقت پر مبنی نہیں تھا۔

ہاں اس وائٹ پیپر (White Paper) میں باقاعدہ یہ اعلان کیا کہ انگریزی حکومت فلسطین میں یہودی حکومت قائم کرنے کے حق میں نہیں ہے اور ہم یہود کا یہ حق تسلیم نہیں کرتے کہ وہ فلسطین میں اپنی حکومت بنائیں۔ ساتھ ہی پچھتر ہزار (75,000) مزید یہودیوں کو باہر سے لاکر وہاں آباد کرنے کی اجازت دی گئی ایک لاکھ پر بات شروع ہوئی تھی جو 75,000 پر رکی۔

اس وقت اگر یہ دیانتدار تھے اپنے فیصلے میں تو لیگ آف نیشنز League Of Nations کو یہ مینڈیٹ واپس کر دینا چاہئے تھا کہ ہمارے فیصلے کے مطابق ۱۹۱۷ء والے فیصلے کے مطابق اگر تم نے ہمیں مختار بنایا ہے کہ اس فیصلے پر عملدرآمد کروائیں تو اب حکومت اس فیصلے کے خلاف ہے اس لئے خود بخود مینڈیٹ ختم ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس کی بجائے ان کو مزید کوٹہ عطا کیا گیا اور 46ء میں یہ کوٹہ بڑھا کر ایک لاکھ کر دیا گیا۔ 1948ء میں جب یہ مینڈیٹ ختم ہوا تو یہود کی آبادی (85,000) پچاسی ہزار سے بڑھ کر، ہاں مینڈیٹ کے آغاز سے بھی پہلے یعنی 1919ء میں (مینڈیٹ تو 1922ء کا ہے۔) اس وقت کی آبادی 85 ہزار بیان کی جاتی تھی، اس میں بہت سے اختلافات ہیں بہت لمبی چھان بین کرنی پڑی لیکن غالباً پچاسی ہزار کی آبادی درست ہے۔ اور ۱۹۴۷ء تک جب یونائیٹڈ نیشنز United Nations نے مینڈیٹ کے ختم ہونے کے قریب آکر یہ اعلان کیا کہ فلسطین کی پارٹیشن کر دی جائے، تقسیم کر دی جائے اور ایک یہودی سٹیٹ State قائم کر دی جائے اور ایک مسلمان عرب سٹیٹ قائم کر دی جائے۔ اس وقت تک یہ آبادی بڑھ کر سات لاکھ ہو چکی تھی اور بعض اعداد و شمار کے مطابق اس وقت عربوں کی کل آبادی بیس لاکھ تھی۔ پس نسبت ایک اور تین کی تھی۔ سات لاکھ ہونا نہیں چاہئے تھا اگر مینڈیٹس کو دیکھا جائے تو اتنی

آبادی ہو ہی نہیں سکتی۔ مزید تحقیق سے پتا چلا ہے کہ بہت بھاری تعداد میں یہود وہاں سمگل کئے جاتے تھے اور برٹش حکومت کی بعض موقعوں پر جائز کوششوں کے باوجود کہ یہ سلسلہ بند ہو، یہ سلسلہ جاری رہا اور جب بھی برٹش حکومت نے اس کو روکنے کی کوشش کی، ان کے خلاف بغاوت ہوئی اور انتقامی کارروائی یہود کی طرف سے کئی گئی بہرحال نسبت سات اور بیس کی بیان کی جاتی ہے۔ جس پر یونائیٹڈ نیشنز یہ فیصلہ کرنے بیٹھی کہ تقسیم کے نتیجے میں کتنا علاقہ یہود کو دیا جائے اور کتنا مسلمانوں کو۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ 56% رقبہ فلسطین کا یہود کے سپرد کر دیا جائے باقی 44% میں سے جو علاقہ یروشلم کا ہے وہ بین الاقوامی نگرانی میں رہے کیونکہ مقامات مقدسہ ہیں جن کا تعلق یہود سے بھی ہے، عیسائیوں سے بھی ہے اور مسلمانوں سے بھی اور باقی جو بچا کھچا رقبہ تھا وہ عرب مسلمانوں کے سپرد نہیں کیا گیا۔ عرب مسلمانوں کو دینا تھا اس فیصلے میں یہ قطعی طور پر اعلان کیا گیا کہ دونوں علاقوں میں دونوں کی باقاعدہ حکومت قائم کروانے کے سلسلے میں برٹش گورنمنٹ یونائیٹڈ نیشنز سے تعاون کرے۔ اوران کی قائم کردہ نمائندہ کمیٹی اس کام کو نگریزی حکومت کے تعاون سے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ عملاً یہ ہوا کہ انگریزی حکومت نے تعاون کرنے سے کلیۃً انکار کر دیا جس کے نتیجے میں جہاں تک مسلمان تھے ان کو منظّم کرنے والا کوئی نہیں تھا ان میں بے چینی تھی۔ افراتفری تھی اور کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جو باقاعدہ ان کی وہاں حکومت بنواتا اور جہاں تک یہود کا تعلق ہے یہاں دو قسم کے ادارے قائم ہوئے ایک تو میناخم بگین (Menachem Begin) کی قیادت میں 48ء سے پہلے سے ہی بہت مضبوط Terrorist Organisation قائم کر دی گئی تھی جو انگریزوں کے خلاف بھی terror استعمال کر رہی تھی اور عربوں کے خلاف بھی Terror استعمال کر رہی تھی اور دوسرے ڈیوڈ بینگوریَن (David Ben Gurion) کی قیادت میں امریکہ سے کثرت سے اسلحہ یہود کو مہیا کیا جارہا تھا اور یہاں تین چار قسم کی Organisations قائم کر دی گئی تھیں جو منظّم طریق پر نہ صرف اپنے علاقے کا دفاع کریں اور یہاں حکومت قائم کریں بلکہ اور بھی کچھ علاقہ عربوں سے ہتھیا لیں۔ چنانچہ یہ جو 1948ء سے 1949ء تک کا ڈیڑھ سال کے قریب کا عرصہ ہے اس عرصے میں عربوں اور یہود کی جھڑپ ہوتی رہی، اس میں اردگرد کی عرب ریاستوں نے بھی حصہ لیا اور غیر رسمی جنگوں کا آغاز ہوا یعنی باقاعدہ حکومتوں کی طرف سے اسرائیل کے خلاف جنگ کا آغاز نہیں ہوا بلکہ وہ

عربوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔لیکن اس کے بعد جب 1949ء میں سیز فائر ہوا ہے یعنی آپس میں Truce ہوئی اور صلح قائم کروائی گئی تو 56% سے بڑھ کر یہود کے قبضہ میں 75% علاقہ جا چکا تھا۔

یہ تو ہے یونائیٹڈ نیشنز کا کردار اور انگلستان کا کردار اور امریکہ کا کردار۔ یہ بہت بڑی تفصیلات ہیں جن کے سب حوالے میرے پاس ہیں لیکن میں اپنے خطبوں کو اسی بحث میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا اور الجھانا نہیں چاہتا۔ خلاصہ یہی ہے کہ عالمی سازش کے نتیجے میں جس میں لیگ آف نیشنز نے اور یونائیٹڈ نیشنز نے بھر پور حصہ لیا اور سب سے اہم کردار انگلستان نے اور امریکہ نے ادا کیا یہود کی ایک ایسی ریاست فلسطین میں قائم کر دی گئی جو انصاف کی کسوٹی پر کسی پہلو سے بھی قائم نہیں کی جا سکتی تھی بین الاقوامی قوانین کی رو سے بین الاقوامی یونائیٹڈ نیشنز کی روایات اور چارٹر کے نتیجے میں اس کا پہلا قدم ہی نہیں اٹھایا جا سکتا تھا مگر اٹھایا گیا اور اس کے بعد پھر جنگوں کا آغاز شروع ہوتا ہے اس علاقے میں دو قسم کی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ یا دو قسم کی کارروائیاں کی گی ہیں۔

ایک مغربی مفادات کے تحفظ کی خاطر بین الاقوامی مفادات کے نام پر کارروائیاں کی گئیں۔ کہا یہ گیا کہ یہ بین الاقوامی مفادات ہیں جن کی خاطر ہم یہ کرتے ہیں اور کھلم کھلا مغربی تحفظات تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کردار انگلستان نے اور فرانس نے ادا کیا اور امریکہ ہمیشہ ان کے ساتھ شامل رہا۔ مفادات کی پہلی کارروائی ایران کے خلاف ہوئی ہے۔ 1950ء میں ایران کی پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے تیل کی دولت سے متعلق جو بیرونی دنیا کی لالچ اور دخل اندازی کے ارادے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک فیصلہ ہم یہ کرتے ہیں کہ ایران کے شمالی حصے کے تیل کے چشموں پر روس کے دخل کی پیشکش کو رد کر دیا جائے یعنی الفاظ پوری طرح شاید بات واضح نہیں کر سکے مراد یہ ہے کہ روس نے ایک پیش کش کی تھی کہ جس طرح (BRITISH IRANIAN OIL COMPANY) برٹش ایرانین آئل کمپنی کو تم نے اپنے جنوبی حصے میں تیل کے چشموں سے استفادے کی اجازت دی ہوئی ہے اور تمہارے ساتھ سمجھوتے کے ساتھ وہ تمہاری خاطر بظاہر تیل نکال رہے ہیں اور اپنے فائدے اٹھا رہے ہیں ہمیں بھی اجازت دو۔ تو انہوں نے کہا روس کو شمالی حصے میں دخل کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دوسرا یہ فیصلہ کیا کہ برٹش ایرینین آئل کمپنی سے ہم اپنے معاہدے کو وقتاً فوقتاً زیر نظر لاتے رہیں گے اور آئندہ اس معاہدے پر نظر ثانی 1951ء میں ہوگی 50ء کے اس فیصلے پر امریکہ میں فتح

کے خوب شادیانے بجائے گئے اور امریکی حکومت نے اس کو بڑا سراہا کیونکہ اس کی نظر اس وقت روس کے خلاف فیصلے پر رہی لیکن 1951ء میں جب برٹش ایرینین آئل کمپنی کے ساتھ معاہدے پر نظر ثانی کا مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہورہا تھا تو برٹش ایرینین آئل کمپنی کی اتنی بڑی طاقت تھی کہ امریکہ یا خود انگریزوں کے وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ ہماری مرضی کے خلاف اس معاہدے میں جو ایرینین آئل کمپنی اور حکومت کے درمیان تھا کوئی ردو بدل کر دیا جائے گا۔ برٹش ایرینین آئل کمپنی کی طاقت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ جو یہ رقم ٹیکس کے طور پر ایرانی حکومت کو دیتے تھے وہ تمام ایرانی بجٹ کا نصف تھا اور جو رقم وہ برٹش ایرینین آئل کمپنی کے مالک ٹیکس کے طور پر انگریزوں کو دیتے تھے وہ اس سے بہت زیادہ رقم تھی اور جو منافع وہ خود رکھتے تھے وہ اس سے دس گنا زیادہ تھا یعنی کم از کم پانچ گنا ایران کی کل اجتماعی دولت یہ برٹش آئل کمپنی سالانہ کھا رہی تھی اس لئے یہ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس کے خلاف کچھ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جب اسمبلی کے سامنے یہ بحث پیش ہونے لگی تو ایرانی وزیر اعظم کو انہوں نے خریدا ہوا تھا یا جس طرح بھی انہوں نے اس کو اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک رپورٹ پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ برٹش ایرینین آئل کمپنی کو قومیانے کا فیصلہ ایرانی مفاد کے سخت خلاف ہوگا اس پر ایک دم پارلیمنٹ میں اس کی مخالفت کا شور اٹھا اور دوسرے دن یا تھوڑی دیر کے بعد ہی اسے نماز پڑھتے ہوئے گولی ماردی گئی اور نئے وزیر اعظم کے طور پر ڈاکٹر مصدق کا انتخاب ہوا۔ ڈاکٹر مصدق چونکہ پوری طرح ایرانی مفادات کے وفادار تھے اس لئے اس وقت سے پھر جنگ کی گھنٹی بجادی گئی سب سے پہلے تو انگریزوں نے امریکہ سے رابطہ پیدا کیا اور اس سے بھی پہلے انہوں نے ماریشس میں مقیم اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے جو فوج منتقل کردی جاتی ہے Air Borne Division اس کو حکم دیا کہ وہ ایران پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن امریکہ نے سمجھایا کہ یہ طریق نہیں ہے اور طریق سے اس کو طے کریں گے۔ اس کے بعد امریکہ پر انہوں نے دباؤ ڈالا کہ ایک سازش تیار کی جائے جو برٹش ISI اور امریکہ CIA مل کر کریں جسے مخفی طور پر منظور کر لیا گیا اور انگلستان میں ISI کے نمائندہ مسٹر سن کلیئر Mr.Sun Clare جو انگریزوں کی طرف سے ISI کے سربراہ تھے اور C.I.A کے نمائندہ Kim Rosevelt ان کے درمیان ایک منصوبہ طے ہوا لیکن اس عرصے میں امریکہ نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے تمام دنیا میں ایرینین آئل کا

بائیکاٹ کرادیا چونکہ بجٹ کی کل آمد کا نصف آئل کمپنی سے ملا کرتا تھا۔ جب تیل کی فروخت بند ہوگئی تو بڑا شدید مالی بحران ایران میں پیدا ہوا۔ ڈاکٹر مصدق نے 52ء کے وسط میں امریکہ کے صدر سے درخواست کی کہ عارضی طور پر ہمیں مالی مدد دی جائے تا کہ ہم اس بحران پر قابو پالیں بعد میں معاملہ طے ہو جائے گا تو ہم آپ کو پیسے واپس کر دیں گے تو امریکی صدر نے اس کا جواب دیا کہ یہ بات امریکن ٹیکس فیئر Tax Fare کے مفادات کے مخالف ہے کہ ایران جب خود پیسے حاصل کر سکتا ہے تو ہم اپنے ٹیکس کے پیسے ان کی طرف منتقل کریں۔ آپ کے پاس سیدھی سادی راہ ہے برٹش ایرینین کمپنی کی بات مان جائیں اور ان سے پیسے لے لیں وہ تو پیسے دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس پر ڈاکٹر مصدق سمجھ گئے کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں ہیں لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے جب امریکی صدر نے ڈاکٹر مصدق کو یہ جواب دیا ہے تو اس سے چار دن پہلے CIA اور ISI کی سکیم مکمل ہو کر امریکن حکومت کی توثیق حاصل کر چکی تھی اور پریذیڈنٹ نے اس پر دستخط کر دیئے تھے کہ ایران کے خلاف یہ کارروائی کی جائے۔ وہ کارروائی تو بہت لمبی چوڑی ہے لیکن خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایرینین پولیس اور ایرینین فوج پر انہوں نے قبضہ کیا جو ان کا طریق ہے فوجی انقلاب برپا کرنے کا اور مختلف اداروں کے سربراہوں کو خرید لینا یا جس طرح بھی ہوا اپنے ساتھ ملا لینا چنانچہ اس کام کو Kim Rose Velt نے ادا کیا اور اسی کے بعد Kim Rose Velt کو امریکہ میں اتنا بڑا میڈل عطا کیا گیا ہے جو شاذ ہی کسی ہیرو کو اس طرح عطا کیا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ایران کے بادشاہ اور ایران کے وزیر اعظم کے درمیان آپس میں پہلے چپقلش ہوئی اور اختیارات کی کھینچا تانی ہوئی۔ ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق خود افواج کے سربراہ بن گئے۔ ایران کے وزیر اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ پولیس کا سربراہ بھی میں ہی مقرر کروں گا اور فوج کا کمانڈر انچیف تو خود بن گئے تھے جو چیف آف سٹاف کہنا چاہئے وہ بھی میں ہی مقرر کروں گا اور اس کی نشاندہی بھی انہوں نے کر دی لیکن پولیس کے ہونے والے سربراہ نے فخریہ طور پر یہ ذکر کیا کہ جتنے بھی برٹش ایجنٹس یہاں ایران میں موجود ہیں ان سب کی فہرست یہاں میرے پاس ہے۔ دل پر ہاتھ مار کے اس نے کہا اور دوسرے دن وہ قتل کر دیا گیا۔ اور جب ڈاکٹر مصدق کو شاہ آف ایران نے آخر ڈسمس کیا (جب یہ تیاری مکمل ہو چکی تھی تو اس کے بعد ان کو معزول کیا گیا) تو جو مظاہرے ان کے

حق میں ہوئے اس کے مقابل پر ایک با قاعدہ مقابل پر مظاہرہ کرنے والی فوج تیار کی گئی تھی عوام میں سے خرید کران کو مسلح بھی کیا گیا تھا غالباً چھ ہزاران کی تعداد تھی وہ چونکہ با قاعدہ مسلح تھے اور تربیت یافتہ تھے انہوں نے ان مظاہروں پر کسی حد تک قابو پایا لیکن وہ مظاہرے اتنے شدید تھے اور اتنے پھیل گئے کہ جیسا کہ ایسے موقع پر پہلے سے ہی پتا ہوتا ہے کہ فوج پھر دخل دے گی۔ دو لاکھ فوج شاہ کی حمایت میں میدان میں کودگئی اور پہلے سے فیصلے کے مطابق شاہ آف ایران کو جو امریکی اور انگلستانی غلامی کی ایک کامل تصویر تھے ان کو ایران پر ہمیشہ کے لئے یا جب تک وہ بدانجام کو نہیں پہنچ گئے مسلط کر دیا گیا۔ ایک یہ کارروائی ہے جو ہمیں اس پس منظر میں پیش نظر رکھنی چاہئیے۔

دوسری کارروائی 1956ء میں ہوئی جب کہ Egypt کے صدر ناصر نے نہر سویز کو قومیانے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کا پس منظر یہ ہے کہ اسوان ڈیم کے سلسلہ میں امریکہ نے صدر ناصر سے کچھ وعدے کئے تھے کہ ہم اس کے پیسے مہیا کریں گے۔ صدر ناصر کے رجحانات چونکہ روس کی طرف تھے اور بار بار کے سمجھانے کے باوجود اسرائیل کے خلاف ان کے تشدد میں کمی نہیں آرہی تھی اس لئے ان کو سبق دینے کے لئے امریکی حکومت نے وہ وعدہ واپس لے لیا۔ اسوان ڈیم اس وقت تک مصر کی زندگی کے لئے سب سے اہم منصوبہ بن چکا تھا کیونکہ مصر کی اقتصادی زندگی اور زرعی پیداوار کے لئے اسوان ڈیم نے بہت ہی اہم کردار آئندہ ادا کرنا تھا اس کے بغیر مصر خوراک وغیرہ میں اور بہت سی دوسری اقتصادی چیزوں میں خود کفیل نہیں ہوسکتا تھا اور منصوبہ اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اس وقت اس کا روکنا مصر قبول نہیں کرسکتا۔ تھا تو مصر نے اپنے Finance حاصل کرنے کے لئے یعنی اس کے اخراجات پورے کرنے کی خاطر نہر سویز کو قومیا لیا۔ نہر سویز پر اس وقت تک انگریزوں اور فرانس کا تسلط تھا کیونکہ اس کمپنی کے فیصلہ کن Shares ان کے پاس تھے۔ چنانچہ پھر انگلستان نے اس کے متعلق ایک منصوبہ بنایا تا کہ ناصر کو اور Egypt کو اس بات کی سزا دی جائے کہ وہ ہمارے مفادات پر حملہ کرے اور منصوبہ بڑا بھونڈا سا بچوں والا منصوبہ ہے لیکن تھا بہت خوفناک۔ اسرائیل کو آمادہ کیا گیا کہ وہ حملہ کرے Egypt پر اور نہر سویز تک پہنچ جائے اور چونکہ یہ اچانک بغیر اطلاع کے حملہ ہوگا اور Egypt کے پاس کوئی ایسی دفاعی فوج نہیں تھی کہ اس حملے کا مقابلہ کرسکتا اس لئے یہ آناً فاناً کامیاب ہونے والا حملہ تھا۔ اس کے بعد انگریز اور فرانسیسی دونوں اسرائیل کو

اور Egypt کو حکم دیں گے کہ دونوں اپنی اپنی فوجیں نہر سویز سے دور دور تک پیچھے ہٹا لیں۔ امن کی خاطر ہم دخل دینے لگے ہیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آناً فاناً اسرائیل کی فوجیں نہر سویز کے کنارے تک پہنچ گئیں اور دوسرے ہی دن انگریزوں اور فرانسیسیوں کی طرف سے ایک حکم نامہ جاری ہوا کہ چونکہ تم دونوں قومیں وہاں لڑ رہی ہو اور عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو رہا ہے اس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی فوجیں نہر سویز سے اتنی اتنی دور ہٹا لو۔ اسرائیل نے اس پر فوراً عمل شروع کر دیا جیسا کہ فیصلہ تھا۔ Egypt نے کہا کہ یہ ہمارا ملک ہے ہماری نہر ہے۔ ہم اپنے ملک سے کیوں فوجیں ہٹا لیں۔ یہ کونسی منطق ہے۔ حملہ آور نے ہٹا لیں بس کافی ہے۔ اس پر پھر ان دونوں قوموں نے مل کر حملہ کیا۔

یہ 56ء کا واقعہ ہے اور اس جنگ میں جو انگریزوں نے کردار ادا کیا ہے۔ اس پر Nutting جو اس وقت فارن سیکرٹری تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی اس جنگ کے حالات پر۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جو طرز عمل انگلستان نے صدر ناصر کے خلاف اور Egypt کے خلاف اختیار کیا بعینہٖ وہی طرز عمل آج صدر بش صدر صدام اور عراق کے خلاف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جس طرح یہ کاربن کاپی ہے ان حالات کی جواب رونما ہو رہے ہیں۔ اسی طرح صدر ناصر کے خلاف کردارکشی کی بڑی خطرناک مہم چلائی گئی، اسی طرح یہ کہا گیا کہ ہم عالمی مفادات کے تحفظ کی خاطر عالمی مفادات کی نمائندگی میں یہ کارروائی کر رہے ہیں۔ جس طرح کی زبان صدر بش نے صدام کے متعلق استعمال کی ہے کہ میں تو وہ گندے الفاظ پورے استعمال بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ تھا کہ کک کر کے اس کو مار کے، پیچھے سے کک کر کے باہر نکالو۔ جو کتاب میں بیان کر رہا ہوں اس کا حوالہ میرے پاس ہے۔ مگر اس وقت سامنے نہیں ہے بہرحال اس میں وہ لکھتے ہیں کہ مقصد اس جنگ کا یہ تھا کہ To Kick Nasir out of his Perch یا ملتے جلتے الفاظ تھے کہ ناصر کو ٹھڈا مار کے جس طرح وہ پرندے شاخ پر بیٹھے ہوتے ہیں کسی جگہ پر اس کے بیٹھنے والی جگہ سے اُڑا کر باہر مارو۔ یہ جنگ کا اصل مقصد تھا، یہ فیصلہ تھا جو فیصلہ ہو چکا تھا۔ جس طرح اس وقت یہ کہا جا رہا ہے بعض مبصرین کی طرف سے کہ دراصل یہ جنگ جنرل بش کی انا کے کچلنے کے نتیجے میں پیدا ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ درست نہیں ہے۔ صدر بش کی انا کا دخل ضرور ہے مگر مقصد ہرگز یہ نہیں تھا لیکن اس زمانے میں Anthony Eden کے متعلق بھی ان کے اس وقت کے فارن سیکرٹری نے اپنی

کتاب میں لکھا کہ Anthony Eden کے متعلق یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ اس نے یہ جنگ ناصر کو اس جرم کی سزا دینے کے لئے شروع کی ہے کہ Egypt کے ایک کرنیل کی مجال کیا ہے کہ دولت عظمیٰ برطانیہ کے وزیراعظم کو Defy کرے اوراس کے مقابل پر اس طرح سربلندی کا مظاہرہ کرے۔ بالکل یہی تجزیہ آج بش کے متعلق بعض مبصرین کی طرف سے پیش کیا جارہا ہے۔ تو عملاً یہ ایک قسم کا 1956ء کی جنگ کا اعادہ ہے۔ تیل کے مفادات اب ہیں اس وقت سویز کے مفادات تھے اور یہودی شرکت کی بجائے اب امریکن شرکت ہے۔ پس اس جنگ میں دراصل وہی تین طاقتیں نمایاں ہیں جو پہلے تھیں۔ انگلستان، فرانس اور یہود لیکن فرق صرف یہ پڑا ہے کہ یہود کی نمائندگی امریکہ نے کی ہے اور وہ پس منظر میں رہا ہے اسے پس منظر میں رکھا گیا ہے۔

اب ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب مینڈیٹ اختتام کو پہنچا۔ یہ مینڈیٹ والا حصہ غالباً میں بیان کر چکا ہوں اس لئے اس کو اس حصے کے ساتھ ملا کر سمجھنے کی کوشش کریں۔ مینڈیٹ جب 48ء کو اختتام کو پہنچا تو انگریزوں نے جس طرح وہاں سے انخلاء کیا اس کی کوئی مثال اور دکھائی نہیں دیتی۔ جب انہوں نے ہندوستان کو چھوڑا ہے تو اس وقت باقاعدہ اس بات کی تسلی کر لی گئی تھی کہ باقاعدہ Demarkation Line ہو۔ وہ خطے جو دو ملکوں میں تبدیل ہونے والے ہیں ان کے درمیان واضح تقسیم ہو باقاعدہ حکومتیں قائم ہوں لیکن انگلستان نے اپنے چھوڑنے کے آخری دن تک ایسی کوئی کارروائی نہ خود کی، نہ یونائیٹڈ نیشنز کو کرنے دی اور ساڑھے گیارہ بجے ان کے جہاز سب کچھ پیک کر کے فلسطین سے رخصت ہونے کے لئے روانہ ہوئے اور مینڈیٹ کے عطا کردہ اختیارات کے نتیجے میں برٹش تسلط کی جو حدود تھیں وہ سمندر میں جہاں تھیں عین بارہ بجے وہاں پہنچ کر انہوں نے رخصت کا بگل بجایا اور اس ملک کو اس طرح چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ بھی ایک بہت ہی ظالمانہ کارروائی تھی۔ جس کا سب سے زیادہ نقصان فلسطینیوں کو پہنچا۔ بہرحال مفادات کی یہ دو جنگیں ہیں جو مفادات کے نام پر لڑی گئیں اور آج کی تیسری جنگ بھی مفادات کی جنگ ہے جس میں یہود بھی ایک کردار کے طور پر کھیل میں شامل ہیں اگرچہ یہود کو پس منظر میں رکھا گیا ہے اور امریکہ نے یہود کی نمائندگی لے لی ہے۔ دوسری قسم کی جنگیں مشرق وسطیٰ میں یہود کی توسیع پسندی کی جنگیں کہلا سکتی ہیں۔ 1948ء 1949ء میں جو توسیع پسندی کی لڑائیاں ہوئیں اس میں سارا الزام فلسطینیوں پر

عائد کیا جاتا ہے اوراردگرد کی مسلمان حکومتوں پر عائد کیا جاتا ہے کہ وہ حملے کرتی تھیں اس لئے یہود کو جوابی کارروائی کرنی پڑتی تھی اور مجبوراً اپنا علاقہ وسیع تر کرنا پڑا لیکن اس کے بعد 1956ء میں جو یہود نے جارحانہ جنگ لڑی ہے یا اسرائیل نے جارحانہ جنگ لڑی ہے اس کا کسی قسم کا کوئی جواز نہیں ۔وہ خالصۃً توسیع پسندی کی جنگ تھی اور انتہائی ہولناک جنگ تھی چند دن کے اندر اندر انہوں نے مصر اورشام اوراردن کی طاقتوں کوکچل کے رکھ دیا اوراپنے علاقے کو اتنا وسیع کرلیا کہ جو علاقہ ان کو مینڈیٹ نے عطا کیا تھا اس سے کئی گناہ زیادہ بڑھ چکا تھا۔ خلاصۃً میں آپ کے سامنے یہودی علاقے کی توسیع کا معاملہ رکھتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کس حد تک یہود نے اپنے علاقے میں توسیع کی ہے اور کرتے چلے جارہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

1937ء کی غالباً بات ہے کہ انگریزوں نے 18ء کے بالفور ریزولیوشن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعداد وشمار میں پہلی دفعہ یہ بات کی کہ یہود کی حکومت کو کتنا علاقہ دینا چاہئے ۔چنانچہ اس فیصلے کی رو سے پانچ ہزار کلومیٹر کا علاقہ یہود کو دیا جانا چاہئے تھا 1947ء کے آخر میں جو فیصلہ یونائیٹڈ نیشنز نے کیا اس میں 5000 کی بجائے بیس ہزار کلومیٹر کا رقبہ ان کو دیا گیا تھا۔کچھ رقبہ دوسال کے عرصہ میں بڑھ گیا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور 1956ء کی جنگ کے آخر پر یہود کے قبضے میں اٹھاسی ہزار کلومیٹر کا رقبہ ہو چکا تھا۔اس سے آپ اندازہ کریں کہ جو بات پانچ ہزار سے شروع ہوئی تھی کہاں تک پہنچی ہے۔آخری جنگ جو اس علاقے میں موجودہ جنگ سے پہلے لڑی گئی وہ یوم کیبور کی جنگ کہلاتی ہے۔یوم کیبور کی جنگ کو یہ مسلمانوں کی طرف سے عرب ممالک کی طرف سے جارحانہ جنگ قرار دیتے ہیں۔حالانکہ یہ بات درست نہیں۔واقعہ یہ ہے کہ 1967ء کی جنگ شاید میں 57 کی کہہ چکا ہوں اگر کہا ہے تو غلط ہے سڑسٹھ (Sixty Seven) کی جنگ جو چھپن کی جنگ کے گیارہ سال بعد لڑی گئی تھی ۔یہ یہود کی جارحانہ جنگ تھی جس کے نتیجے میں یہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں آیا جس کا میں ذکر کر چکا ہوں ۔اٹھاسی ہزار کلومیٹر سے زیادہ رقبہ۔اس کے بعد 1973ء میں یوم کیبور کی جنگ ہوئی یوم کیبور یہود کا ایک مقدس دن ہے۔اس دن اچانک اسرائیل پر شام اوراردن کی طرف سے مشترکہ طور پر حملہ کیا گیا بیان کیا جاتا ہے کہ یہ جنگ خالصۃً عربوں کی جارحانہ جنگ تھی جس میں یہود بالکل بے قصور تھے یہ بات درست نہیں۔وجہ یہ ہے کہ 1967ء کی جنگ کے

بعد یونا ئیٹڈ نیشنز نے اور یونا ئیٹڈ نیشنز کی سیکیورٹی کونسل نے ایک ریزولیوشن پاس کیا جس کا نمبر ہے 242 اس ریزولیوشن کے نتیجے میں انہوں نے اسرائیل کی جارحانہ جنگ کی مذمت کرتے ہوئے متفقہ طور پر حکم دیا کہ اسرائیل اپنی فوجوں کوان تمام علاقوں سے پیچھے ہٹالے جو اس جنگ کے نتیجے میں اس کے ہاتھ میں آئے ہیں اور ساتھ ہی یہ شوشہ بھی اس ریزولیوشن میں چھوڑ دیا گیا جس طرح British اور Western Diplomacy کا طریق ہے کہ جب اس فیصلے پر عملدرآمد کا وقت ہوتو کچھ اور بحثیں ساتھ چھڑ جائیں اس میں شوشہ بھی ساتھ رکھا گیا کہ اس علاقے کی سب حکومتوں کا حق ہے کہ ان کے امن کا تحفظ ہواوران کی ایسی شکل ہو جغرافیائی طور پر کہ گویا ان کے امن کو خطرہ نہ پیش آئے۔ مطلب یہ تھا کہ اس بہانے جب بھی اس فیصلے پر عملدرآمد کا وقت آئے گا تو یہ کہا جائے گا کہ یہود کی بقا کا تقاضا ہے یا اسرائیل کی بقا کا تقاضا ہے کہ علاقے میں اتنا ردو بدل کر و اور ترمیم کرو مگر اس کے کسی پہلو پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یونا ئیٹڈ نیشنز کے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے امریکہ اور اس کے تمام Alliese کو یہ حق حاصل ہے کہ عراق پر حملہ کر دیں تو جن کا اپنا علاقہ تھا (یہ کویت توان کا اپنا علاقہ نہیں تھا جس کی خاطر یہ حملہ کیا گیا ہے) جن قوموں کا اپنا علاقہ تھا وہ سالہا سال تک صبر کرتی رہیں، یونا ئیٹڈ نیشنز کے فیصلے پر کسی نے عملدرآمد نہیں کروایا۔ ان کا حق تھا کہ اس علاقے کو لینے کی خاطر وہ فوجی کارروائی کریں۔ پس اس کو جارحانہ کارروائی کہنا جارحیت ہے بڑا ظلم ہے یہ ایک مظلوم، کمزور قوم کی ایک کوشش تھی کہ یونا ئیٹڈ نیشنز (United Nations) کے فیصلے پر اگر کوئی اور عملدرآمد نہیں کرواتا تو ہم خود کوشش کر دیکھیں۔ پس یہ ہے وہاں کی جنگوں کی تاریخ اور اس میں یہ سب قومیں اب تک جو رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے۔

موجودہ جنگ میں جو باتیں کھل کر سامنے آئی ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں مگر آپ کی یادداشت میں وہ تازہ ہوں گی۔ خلاصہ ان سب باتوں کا یہ نکلتا ہے۔ (مقاصد کے متعلق میں بعد میں بات کروں گا لیکن خلاصہ اس کا یہ ہے کہ) اسرائیل کو اس تمام پس منظر کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قومیں یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جب چاہے، جس ملک کے خلاف چاہے جارحانہ کارروائی کرے اور جارحانہ کاروائی کے نتیجے میں جو علاقے وہ ہتھیائے گا اس کے متعلق اگر یونا ئیٹڈ

نیشنز یا سیکیورٹی کونسل فیصلہ بھی کر دیں گی کہ ان علاقوں سے دستبردار ہو جائے تو اسرائیل کو حق حاصل ہے کہ دستبردار نہ ہو اور کسی دوسرے ملک کو یہ حق حاصل نہیں خواہ وہ مظلوم ملک ہو کہ یونائیٹڈ نیشنز کے اس فیصلے کی تعمیل میں اسرائیل سے وہ علاقہ چھیننے کی کوشش کرے۔ یہ تحفظ حاصل ہے۔اس دوران ایک بات کا میں نے ذکر نہیں کیا کہ 1947ء سے لے کر 49ء تک اسرائیل نے جدید دور میں متشددانہ کارروائیاں یعنی Terrorist کارروائیوں کا آغاز کیا اور Menachem Begin اس کے موجود ہیں اور ان Terrorist کارروائیوں کے نتیجے میں ایک برٹش ڈپٹی گورنر تھے غالباً وہ بھی قتل کئے گئے۔

کنگ ڈیورڈ ہوٹل کو بارود سے اڑا دیا گیا جس کے نتیجے میں ایک سو سے زائد آدمی مرے اور بے شمار تباہی پھیلی۔ فلسطینیوں پر حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں تین ہزار فلسطینی مرد عورتیں اور بچے ذبح کئے گئے اور بار بار انگریزی حکومت سے بھی تصادم کیا گیا وجہ یہ تھی کہ اس وقت لیبر Labour حکومت تھی اور لیبر حکومت کے مسٹر بیون (MR. Bavin) جو فارن سیکرٹری تھے وہ اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور یہود زیادتی کر رہے ہیں چنانچہ انہوں نے ہر کوشش کی کہ یہود کا ناجائز داخلہ فلسطین میں بند کیا جائے۔ چنانچہ ایک جہاز جس میں چار ہزار سے زائد یہود مہاجرین خلاف قانون فلسطین میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے، مسٹر بیون کے حکم پر انگریزی فوج نے اس کا تعاقب کیا، اور اس جہاز کو پکڑا اور واپس جرمنی پہنچا دیا۔ اس پر تمام جرنلسٹ دنیا نے اتنا شدید احتجاج کیا اور بیون کو گالیاں دیں کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ ایک حکومت کے سپرد امانت کی گئی ہے کہ اس علاقے کو امانتاً اپنے پاس رکھو اور امانت کی شرائط میں یہ بات داخل کی گئی ہے کہ اس سے زیادہ باہر سے یہود اس میں داخل نہیں ہوں گے اور اس پر عمل کروانے کے نتیجے میں جو ردعمل دکھایا جاتا ہے برٹش جرنلزم کی طرف سے وہ حیرت انگیز ہے۔

ایک صاحب جنہوں نے کتاب لکھی ہے "Making of Israel" (میکنگ آف اسرائیل) ان کا نام James Cameron کچھ ہے وہ یہ لکھتے ہیں کہ اتنا بھیانک ظلم! آپ سوچیں کہ ان چار ہزار یہودیوں کو جرمنی کی بد بخت اور ظالم زمین میں واپس کیا گیا ہے اور وہ بد بخت اور ظالم زمین میں 1947ء میں واپس کیا گیا ہے جنگ کے خاتمے کے تین سال بعد۔ اگر وہ ایسی ہی

ظالم اور بد بخت زمین اس وقت بھی تھی جب کہ نازی Natsi شکست کھا چکے تھے اور جرمنی کا ملبہ بن چکا تھا جب ان پر انگریز اور امریکن اور فرانسیسی تسلط جما چکے تھے تو پھر اس کے بعد یہود کو وہاں رہنے کا کیا حق ہے۔

بہر حال اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے جرنلسٹ بھی ان کے ساتھ تھے اور جو ساری مغربی رائے عامہ تھی وہ یہود کا تحفظ کر رہی تھی تو Terrorism ٹیررازم کی ایجاد دراصل یہود سے ہوئی ہے۔ تو اس تاریخی پس منظر میں گویا کہ ایک حق یہود کا یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ یہود کو اجازت ہے کہ وہ Terrorist کارروائیاں کریں اور اس کا نام ہم یہودی ٹیررازم نہیں رکھیں گے لیکن مسلمان حکومتوں کو اپنے سیاسی مفادات کی خاطر کسی قسم کی Terrorist کارروائی کی اجازت نہیں۔ اگر کریں گے تو ہم صرف ان کو ہی نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کریں گے اور کہیں گے اسلامک ٹیررازم (Islamic Terrorism) ہے۔

اور جو حقوق ان کے تسلیم کئے ہوئے نظر آتے ہیں وہ میں آپ کو پوائنٹس کے طور پر بتاتا ہوں۔ **سیکیورٹی کونسل کی قراردادوں کو رد کرنے کا حق ہے یہود کو اور یونائیٹڈ نیشنز کے تمام فیصلوں کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے اور اس طرح رد کرنے کا حق ہے جس طرح ایک پرزے کو پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اور کسی ملک کا حق نہیں ہے کہ یہود کی مذمت کرے اس بارے میں۔ یہود کو حق حاصل ہے کہ اپنی بقاء کے نام پر دوسرے ملکوں کے جغرافیے تبدیل کرے اور یہود کو حق ہے کہ وہ ایٹم بم بنائے اور ایٹم بموں کا ذخیرہ جمع کرے اور Mass Destruction کے ہتھیار مثلاً کیمیکل وارفیئر کے اور بیالوجیکل وارفیئر کے کیمیاوی ہلاکتوں کے اور جراثیم کی ہلاکتوں کے ہتھیار تیار کرے اور کسی کو حق نہیں کہ اسرائیل کو تنقید کا نشانہ بنائے لیکن کسی مسلمان ملک کو یہ حق حاصل نہیں۔ یہ خلاصہ ہے اس تاریخی جدوجہد کا جس کا ذکر میں نے آپ کے سامنے کیا ہے۔**

یہ بات قطعی ہے کہ اس پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہے آج تک نہ آئندہ کی جائے گی۔ یہود کے یہ حقوق قائم رکھے جائیں گے اور مسلمانوں کی ان معاملات میں حق تلفی ایک مستقل پالیسی کا حصہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ اس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ صدر بش کا نیو ورلڈ آرڈر New World Order کا خواب کیا ہوسکتا ہے؟ کیونکہ جب تک اس خواب کو نہ سمجھیں

ہم ان کو صحیح مشورہ بھی نہیں دے سکتے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے اس جارحانہ تاریخی پس منظر کے نتیجے میں **بش کا امن کا خواب دراصل امن کا خواب نہیں بلکہ موت وارد کرنے کا خواب ہے بعض لوگ غلطی سے موت کو امن سمجھ لیتے ہیں۔** جس طرح میں نے وہ بیمار گھوڑے کی مثال کئی دفعہ بیان کی ہے۔

ایک گھوڑا بہت بیمار تھا جو بادشاہ کو بہت پیارا تھا بہت تڑپ رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ جو اس کی موت کی خبر مجھے پہنچائے گا اس کو میں قتل کروا دوں گا۔ وہ خدا کی تقدیر چلنی تھی وہ بے چارہ مر گیا۔ ایک آدمی کو پکڑ کے بادشاہ کو خبر دینے کے لئے بھجوایا اس کو مجبور کیا کہ تم نہیں جاؤ گے تو ہم ماریں گے، بادشاہ کے ہاتھ سے مارا جانا زیادہ بہتر ہے۔ وہ سمجھدار آدمی تھا اس نے جا کر بادشاہ کو کہا کہ مبارک ہو آپ کا گھوڑا پوری طرح امن میں آ گیا ہے بادشاہ بہت خوش ہوا کہ اچھا بتاؤ کہ کس طرح امن میں آ گیا ہے اس نے کہا اس طرح کہ پہلے تو اس کی چھاتی کی گڑ گڑاہٹ کی آواز میل میل تک سنائی دیتی تھی اب تو میں قریب بھی گیا ہوں تو کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کی دل کی دھڑکن سے لگتا تھا دھرتی دھڑک رہی ہے زمین دھڑک رہی ہے اب میں نے کان لگا کے دیکھا بالکل آواز ہی کوئی نہیں تھی۔ بڑے امن اور سکون سے لیٹا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ پھر یہ کیوں نہیں کہتے بد بخت! کہ مر گیا ہے۔ اس نے کہا حضور کہہ رہے ہیں میں تو نہیں کہہ سکتا۔

تو قصہ یہ ہے کہ جو امن کا خواب صدر بش مشرق وسطی اور مسلمانوں کے ممالک کے لئے دیکھ رہے ہیں اس کی تعبیر موت ہے خواب خواہ امن کے نام پر ہو اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جہاں تک میں نے سوچا ہے وہ خواب یہ ہے کہ تیل کے امیر ملک سعودی عرب اور شیخ ڈم ریاستوں وغیرہ کو آمادہ کیا جائے گا کہ وہ بھیک کے طور پر اپنی تیل کی آمد کا ایک حصہ ان عرب ممالک میں تقسیم کریں جو تیل کی دولت سے محروم ہیں یا بہت تھوڑا تیل رکھتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں جس طرح امریکن ایڈز (American Aids) کے ذریعہ تیسری دنیا کے ملکوں کو غلام بنایا جاتا ہے عرب ملکوں کو بعض عرب ملکوں کا غلام بنا دیا جائے۔ اور اس کے نتیجے میں جو سٹرنگز (Strings) ایڈز (Aids) کے ساتھ وابستہ ہوا کرتی ہیں اسی قسم کی سٹرنگز اس مالی امداد کے ساتھ بھی لگا دی جائیں۔ امریکہ کی مالی امداد جسے American Aids کہا جاتا ہے ہمیشہ بعض سیاسی مصالح کی شرائط رکھتی ہیں جو امریکہ کے مفاد میں ہوتی ہیں اس ایڈ کے ساتھ بھی کچھ شرائط ہیں جو اسرائیل کے مفاد میں ہوں

گی اور مغرب کے عمومی مفاد میں۔ وہ شرائط یہ ہوں گی کہ یونائیٹڈ نیشنز میں جھگڑا نہیں لے کے جانا۔ بلکہ یونائیٹڈ نیشنز سے باہر امریکن سرپرستی میں یہود کے ساتھ معاملات طے کرواور یہ ضمانت دو کہ آئندہ کبھی اس علاقے میں تم کسی قسم کی جنگ کی جرأت نہیں کرو گے۔ اس بات کی ضمانت دو کہ جہاں یہود ایٹمی اسلحہ بناتا رہے گا اور Mass Destruction کے دوسرے ہتھیار تیار کرتا رہے گا تم میں سے کبھی کوئی ایٹمی اسلحہ بنانے اور Mass Destruction کے ہتھیار بنانے کے خواب بھی نہیں دیکھے گا۔

یہ دو بنیادی نقوش ہیں اس امن کی خواب کے جو صدر بش نے دیکھی ہے اور آپ کل دیکھیں گے کہ اسی طرح ہوگا۔ اس خواب کے بعض اور حصے بھی ہیں۔ وہ ہوسکتا ہے پورے ہوں یا نہ ہوں۔ ایک حصہ یہود کو بعض اقدامات پر مجبور کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہود کو یہ کہیں گے، یہود کہنا غلط ہے یہود میں سے بعض بہت شریف النفس آج ایسے یہود بھی ہیں جو اسرائیل کے شدید مخالف ہیں اور ان کی پالیسیوں کو رد کرتے ہیں اور ان کو دنیا کے لئے ہی نہیں بلکہ خود یہود کے لئے بھی نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ پس جب میں لفظ یہود کہتا ہوں تو ہرگز مراد نہیں کہ یہود قوم کو بحیثیت مجموعی مردود کر رہا ہوں، میری مراد اسرائیل سے ہی ہوتی ہے۔ بہرحال اسرائیل پر وہ یہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گے یعنی خیال ہے ان کا یہ گمان ہے، خواب ہے کہ وہ کلیۃً گولان ہائیٹ کا علاقہ خالی کردے اور Jordin کے مغربی کنارے کا علاقہ خالی کردے اس کے نتیجے میں وہ وہاں صلح کروالیں گے۔ یہ بات قطعی ہے کہ گولان ہائیٹ کا پورا علاقہ اسرائیل کسی قیمت پر خالی نہیں کرے گا اور یہ بات قطعی ہے میرے نزدیک کہ Jordin کے مغربی کنارے پر جو یہود کا تسلط ہے وہ اس کو ختم نہیں کرے گا لیکن اس کے باوجود ان کے تمام Allies یعنی تمام عرب مسلمان Allies ان کی کارروائیوں سے راضی ہوں گے اور جس سمجھوتے کا میں نے ذکر کیا ہے اس میں شامل ہو جائیں گے وجہ یہ ہے کہ مغربی اردن پر یہود کے تسلط کا نقصان صرف فلسطینیوں کو اور شرق اردن کو ہے اور فلسطینیوں اور شرق اردن کی خاطر امریکہ یہود کو ناراض کرلے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور دوسرا اس لئے کہ وہاں باہر سے مزید یہود لا کر آباد کروانے کا منصوبہ ایک بڑا دیرینہ منصوبہ ہے جس پر بہت حد تک عملدرآمد ہو چکا ہے اور مستقل یہودی آبادیاں قائم کرلی گئی ہیں اس لئے بھی اگر امریکہ چاہے تو بھی

اسرائیلی اس علاقے کو خالی کرنے پر آمادہ نہیں ہونگے۔

اور اب تک جو اسرائیل اور امریکہ کے تعلقات ظاہر ہوئے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ صدر بش کی مجال نہیں ہے کہ اسرائیل کو ناراض کرنے کی جرأت کریں۔ جب اسرائیل پر سکڈز کا حملہ ہوا تو صدر بش نے بار بار اسرائیل کے پریذیڈنٹ کو فون کئے اور منت سماجت کی اور اپنے چوٹی کے صاحب اختیار نمائندے وہاں بھجوائے اس بات پر اسرائیل کو آمادہ کرنے کے لئے کہ فوری طور پر اپنا انتقام نہ لو اس واقعہ سے ان کے تعلقات کی نوعیت سب دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ چند سکڈز کے نتیجے میں دو بوڑھی عورتیں مری ہیں اور کہا یہ جاتا ہے کہ دو تین سو سے زیادہ لوگ زخمی نہیں ہوئے اس کو نہایت ہی ہولناک، یک طرفہ جارحانہ کارروائی قرار دیا گیا جبکہ اس سے پہلے اسرائیل نے عراق کے ایٹمی توانائی کے پلانٹ کو بغیر کسی نوٹس کے اپنے ہوائی جہازوں کے ذریعے بمبارڈ Bombard کر کے کلیۃً برباد کر دیا اور اس حملے کو کسی نے جارحانہ حملہ قرار نہیں دیا۔ گویا اسرائیل کو تو یہ حق ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تم جارحانہ کارروائی کرو اور دوسروں کے ملکوں میں جا کے بمباری کرو، نہ یونائیٹڈ نیشنز کو اعتراض کا اختیار ہے نہ کسی اور ملک کو اور جس پر بمباری کی جاتی ہے اس کو جوابی کاروائی کا بھی اختیار نہیں۔ پس اگر اور کچھ نہیں تو سکڈ میزائل کے حملے کو عراق کی جوابی کارروائی قرار دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہئے کیونکہ یہ بات بھی اب تسلیم کر لی گئی ہے کہ جوابی کارروائی کا فوراً ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اس مسئلے پر ذرا تھوڑا سا اور غور کریں تو اسرائیل اور امریکن تعلقات خوب کھل کر نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔

صدر بش نے بار بار فون پر رابطے کئے۔ منتیں کیں بڑے نرم لہجے میں درخواستیں کیں کہ کوئی فوری کارروائی اس کے ردعمل کے نتیجے میں نہ کرنا۔ بعد میں اپنے نمائندہ بھیجے جن کے ذریعے گفت و شنید ہوئی اور آخری نتیجہ یہ نکلا کہ اگر تم کوئی فوری کاروائی نہ کرو تو ہم تمہاری طرف سے زیادہ سے زیادہ انتقام لینے کی کوشش کریں گے اور جو سویلنز Civilians پر بمباریاں ہوئی ہیں اور لاکھوں معصوم شہید ہوئے ہیں اور جن کے گھر برباد کئے گئے ، یہ دراصل اسرائیل کی انتقامی کارروائی Allieds نے اپنے ذمے قبول کی تھی اور اسی پر عملدرآمد ہوا ہے۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس کے علاوہ ہم تمہیں نو بلین ڈالر بطور اقتصادی مدد کے دیں گے آپ اندازہ کریں نو بلین ڈالر کی رقم تو ایک دولت کا پہاڑ ہے اور کس چیز کے بدلے اس چیز کے بدلے کہ وہ

انتقامی کارروائی سے باز آجائے؟ نہیں۔ بار بار اس کو یقین دلایا گیا ہے کہ یہ صرف وقتی طور پر انتقامی کارروائی ٹالنے کی خاطر کیا جارہا ہے۔اس کے بعد تمہیں حق حاصل ہے کہ جب چاہو، جس طرح چاہو، جس زمانے میں چاہو تم اس جارحیت کا بدلہ لو۔اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اسرائیل کا یہ حق تسلیم کیا جاچکا ہے کہ وہ جارحانہ کارروائیاں کرے اور کوئی ملک اس کے خلاف مدافعانہ کارروائی بھی نہ کرے اور اگر وہ مدافعانہ کارروائی کرے گا تو اس کے ساری دنیا کی طاقتیں جارحانہ کارروائی بھی کریں گی اور اسرائیل کا جارحانہ کارروائی کا حق باقی رہے گا اور وہ کب اور کس طرح پورا ہوتا ہے یہ ابھی دیکھنے والی بات ہے۔

تو یہ ہے نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) جس کا خواب صدر بش نے دیکھا ہے اور جس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے امن کی ضمانت ہو جائے گی۔ اس خواب کے کچھ اور حصے بھی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ اسرائیل تو کسی قیمت پر بھی مغربی علاقہ خالی نہیں کرے گا لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ مشرقی علاقے پر قبضہ کرنے کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہے۔ مجبوری کے تحت شاہ حسین ہیں جو نیوٹرل رہے اور انہوں نے صرف یہ قصور کیا ہے کہ دو تین دن پہلے اپنی پریس کانفرنس میں یا تقریر میں اس بات پر سخت اظہار افسوس کیا ہے کہ اتحادیوں نے معصوم عراقی شہریوں کو تباہ و برباد کیا اور بڑا بھاری ظلم کیا۔ان کا یہ تبصرہ خود مغربی اتحادیوں کے اعلانات کے نتیجے میں ہے جو انہوں نے فوجی حالات کے متعلق خود خبر نامے جاری کئے ہیں ان سے یہ تصویر قائم ہوتی ہے یعنی اگر ہر ایک منٹ پر ایک جہاز بمباری کرنے کیلئے اٹھ رہا ہو اور یہ تسلیم کرتے ہوں کہ عراق میں اتنی بمباری کی جاچکی ہے جو آج تک دنیا کی تاریخ میں کسی جنگ میں اس طرح نہیں کی گئی اور ویت نام اس کے مقابل پر کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتا۔اس کے بعد یہ کسی ملک کا نتیجہ نکالنا کہ لاکھوں Civilions یعنی شہری اس سے متاثر ہوئے ہونگے یہ صدر بش کے نزدیک امریکہ کی بھی ہتک ہے اور اسرائیل کی بھی گستاخی ہے اور وہ ان کو متنبہ کرتے ہیں شاہ حسین کو کہ خبردار منہ سنبھال کر بات کرو۔ تمہیں پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں کس نے حق دیا ہے اس قسم کی تنقید کرنے کا؟ خواب کے مندرز پہلو بھی تو ہوتے ہیں۔ کچھ تو انہوں نے امن کے خواب کی تعبیر موت دیکھی ہوئی ہے۔ کچھ خواب کے اندازی پہلو بھی ہیں اور انداری پہلو میں میرے نزدیک یہ بات داخل ہے کہ شرق اردن

کے اوپر حملے کا بہانہ بنایا جائے گا اور یہودی حکومت کو دریا کے اس کنارے پر ہی نہیں دوسرے کنارے کی طرف بھی ممتد کر دیا جائے گا۔

یہ جو میرا اندازہ ہے اس کے پیچھے بہت سے تاریخی رجحانات ہیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں شروع دن سے آج تک یہودی مسلسل وسعت پذیر ہیں یعنی توسیع پسندی کی پالیسی محض تعداد بڑھانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ رقبہ بڑھانے کے لحاظ سے بھی ہے اور جو آغاز میں یہود نے اسرائیل کا خواب دیکھا تھا وہ خواب یہ تھا کہ تمام دنیا کے مظلوم علاقوں سے یہود کو اکٹھا کر کے یہود کی ایک آزاد مملکت میں جمع کر دیا جائے۔ اس وقت آبادی کی نسبت یہ ہے کہ یعنی تفصیل تو میں نہیں بتاؤں گا دو تین ملکوں کی آبادی بتاتا ہوں۔

اسرائیل میں اس وقت یہودی پچیس لاکھ ہیں اس کے علاوہ امریکہ میں پچاس لاکھ یہودی ہے اور روس میں پچیس لاکھ بیان کئے جاتے ہیں اس وقت روسی یہودیوں کو بلا کر اسرائیل میں آباد کرنے کا پروگرام شروع ہے جس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے تک پچیس لاکھ مزید یہودی یعنی موجودہ تعداد سے دگنے اس ملک میں آباد کئے جائیں گے۔ اس کے لئے زمین بھی پھر اور چاہئے۔ یہ ظاہری اور طبعی بات ہے تو جتنی زمین اس وقت ان کے پاس ہے اس سے کافی تعداد میں زیادہ زمین ہو تب جا کر یہ خواب پورا ہوسکتا ہے۔ پھر امریکہ کے یہودیوں کے انتقال کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے اور یورپ کے دوسرے یہودیوں کے انتقال کا پروگرام بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ **اس ضمن میں بعض باتیں میں آئندہ خطبے میں آپ کے سامنے رکھوں گا مگر مختصراً یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کے قیام کے مقاصد کی اولین وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ مغربی ملکوں میں یہود محفوظ نہیں ہیں اور انہوں نے ہمیشہ یہود کو یک طرفہ ظلم کا نشانہ بنائے رکھا ہے۔** اگر یہی مقصد تھا اسرائیل کے قیام کا تو جتنے مغربی ممالک میں یہود ہیں جن تک ان کے لئے فلسطین کے گرد و پیش جگہ نہ بنالی جائے اس وقت تک یہ خواب پورا نہیں ہوتا۔ اور موجودہ رجحان یہی بتا رہا ہے کہ اس طرح یہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ تو صدر بش کے خواب میں غالباً انذاری پہلو یہ بھی داخل ہے کہ شرق اردن کے دوسرے حصے پر بھی قبضہ کر لیا جائے اور بعد میں یہ خواب کس طرح آگے بڑھے گا اور دنیا کو کس حد تک اپنی لپیٹ میں لے گا وہ لمبی باتیں ہیں مختصراً میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد باریوں کی بات ہے۔

جب تک مسلمان طاقتیں ایک کے بعد دوسری تباہ و برباد نہ ہو جائیں اس وقت تک صدر بش کے امن کا یہ خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے بعد کس کی باری ہے یہ نہیں میں کہہ سکتا۔ پاکستان کی ہے یا شام کی ہے۔ پاکستان بھی نیوکلیئر طاقت بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بن چکا ہے یا نہیں۔ یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ ہے لیکن پاکستان کو تباہ کروانے کے لئے کئی ذرائع موجود ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ ہے سکھوں کا مسئلہ ہے۔ ہندوستان کو انگیخت کیا جا سکتا ہے۔ چھٹی دی جاسکتی ہے دفاعی امداد اور اقتصادی امداد روک کر اس طرح بے کار اور نہتہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی طاقت کے جواب کی پاکستان میں طاقت نہ رہے۔ کئی قسم کے منصوبے ہو سکتے ہیں لیکن خطرہ ضرور ہے شام کو لازماً خطرہ ہے کیونکہ شام ایک بہت بڑی طاقت بنا ہوا ہے۔ اور شام کی بڑی سخت بے وقوفی اور غلطی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس وقت اتحادیوں کے ساتھ شامل ہونے کے نتیجے میں آئندہ شام محفوظ ہو چکا ہے جب تک اسرائیل موجود ہے شام محفوظ نہیں ہے۔

اور پھر ایران کو خطرہ ہے اور پھر ترکی Turky کو خطرہ ہے اور ایران اور Turky کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ یہ خواب اس طرح پورا کیا جائے گا کہ ترکی اور ایران کے درمیان آپس میں مخاصمت جو پہلے بھی ہے بڑھائی جائے گی اور اس کے نتیجہ میں کسی وقت آئندہ ان دونوں مسلمان ملکوں کے درمیان اسی طرح لڑائی کروائی جائے گی جس طرح خود امریکنوں نے اور اتحادیوں کی مخفی تائید کے نتیجے میں میں سمجھتا ہوں کہ عراق کو انگیخت کیا گیا تھا کہ وہ ایران پر حملہ کرے اور امریکہ کے اتحادی عرب ممالک نے اس کی ہر طرح مدد کی اور امریکہ کے اتحادی مغربی ممالک نے عراق کو مسلح کرنے میں اور اس کے Mass Destruction کے ہتھیار بنانے کے سلسلہ میں پوری مدد کی۔ تو خواب کا جو پس منظر ہے وہ یہ ہے کہ خواب جس سمت میں آگے بڑھے گی اور پھیلے گی وہ سمت بھی اس پس منظر کے نتیجے میں ہمیں دکھائی دینے لگی ہے اور خواب آخر پر اس طرح پوری ہوگی کہ پہلے جس طرح ایک مسلمان طاقت کو دوسری مسلمان طاقت کو برباد کرنے کے لئے استعمال کیا گیا اور طاقتور بنایا گیا پھر اس بنائی ہوئی طاقت کو برباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اور دوسرے مسلمان ممالک کو اس میں شامل کیا گیا۔ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا؟ اسی طرح جو بچی کھچی مسلمان حکومتیں ہیں ان کو یکے بعد دیگرے برباد کیا جائے گا۔ یہ وہ موت کا خواب ہے جو صدر بش نے دیکھا ہے اور جسے وہ Peace کا خواب کہتے ہیں۔

عراقیوں اور دیگر فلسطینیوں وغیرہ مسلمان مظلوموں یعنی عرب مسلمانوں کے خون سے جس طرح یہ ہاتھ رنگے جاچکے ہیں اس پر مجھے میک بیتھ (Mecbetth) کی چند لائنیں یاد آگئیں۔ لیڈی میکبیتھ (Lady Mecbetth) جس نے اپنے خاوند کو بادشاہ کوقتل کرنے پر آمادہ کیا تھا اوراس کے خاوند میک بیتھ نے بادشاہ کو جو غالباً سکاٹ لینڈ کا تھا بہرحال اس وقت کے بادشاہ کوقتل کیا اورسوتے کی حالت میں قتل کیا۔اس کے بعد لیڈی میک بیتھ کونفسیاتی ردعمل ہوااوروہ سمجھتی تھی کہ اصل قاتل میں ہوں تو نفسیاتی بیماری کے نتیجے میں وہ ہروقت ہاتھ دھوتی رہتی تھی کہ میرے ہاتھ سے خون کی بوآرہی ہےاس بو کے سلسلے میں وہ کہتی ہے:۔

"Here is the smell of the blood still"

میں اتنی دفعہ ہاتھ دھوچکی ہوں اورخون کی بو جاتی ہی نہیں ہے۔ابھی بھی آرہی ہے۔

"All the perfumes of the arabia will not sweeten this little hand"

عرب کی تمام خوشبوئیں مل کر بھی میرے اس چھوٹے سے ہاتھ کی بوکومٹھاس میں تبدیل نہیں کرسکیں گی۔ یہ کڑوی خون کی بوآتی ہی رہے گی۔

صدر بش کا معاملہ اس سے کچھ برعکس ہے مسلمان عرب خون سے جوان کے ہاتھ رنگے گئے ہیں **میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی کڑوی بوکبھی امریکہ اوراس کے ساتھیوں کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اورتمام دنیا کی پرفیومز (Perfumes) بھی عرب خون کی اس بوکومٹا نہیں سکیں گی اوراس کی کڑوی بوکومٹھاس میں تبدیل نہیں کرسکیں گی۔** جہاں تک ان کی بے چین کی خواب کا تعلق ہے وہ بھی میں میک بیتھ ہی سے میک بیتھ کی ایک سولیلوکی Soliloquy یعنی وہ اونچی زبان میں اپنے دل کی حالت بیان کررہا ہے اس کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں جو ان کی صورتحال پر صادق آتی ہے یہ Soliloquy۔وہ سونے کی کوشش کرتا ہےاورنینداڑ گئی ہےاس کے ضمیر پرایک سوئے ہوئے بادشاہ کےقتل کا بوجھ اتنا زیادہ ہےاوراس کا ضمیر اس قدر بے چین ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکتا چنانچہ اس کی راتوں کی نینداڑ جاتی ہےاس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:۔

"Me thought i heard a voice cry sleep no more Mecbetth

Does murther sleep"

"سکائش زبان میں Murder کو Murther لکھا جاتا تھا تو یہاں لفظ MURTHER ہے یعنی MURDER۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہتا ہے Me Thought میں سمجھتا ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے لگتا ہے۔ مجھے گمان گزرتا ہے۔ I heard a voice Cry sleep no more کہ میں نے ایک چیخ سنی ہے جو یہ کہہ رہی تھی کہ اب کبھی نہیں سونا، اب کبھی نہیں سونا۔ Mecbetth does murther sleep دیکھو میک بیتھ نے نیند کو قتل کر دیا ہے چونکہ بادشاہ سویا ہوا تھا اس لئے اس حالت میں اس کو مارنا اس کے نفسیاتی دباؤ کے تابع اس سے بہتر رنگ میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ سوچ رہا ہے کہ میں نے نیند کو مار دیا ہے۔ جب نیند کو مار دیا ہے تو پھر مجھے نیند کہاں سے آئے گی ۔ تو ایک لفظ کی تبدیلی سے امریکہ اور صدر بش کے خواب پر ان سطور کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ۔

"Me thought i heard a voice cry peace no more U.S Does murther peace"

مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک چلانے والے کی آواز یہ سنائی دے رہی ہے کہ اب اس خطے میں یا دنیا میں کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا اگر یہ خواب پوری ہوگئی اس شرط کے ساتھ میں کہہ رہا ہوں تو میں یہ آواز سن رہا ہوں کہ اس خطے میں اب کبھی امن قائم نہیں ہو سکے گا یونائیٹڈ سٹیٹس نے امن کو ہمیشہ کیلئے قتل کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں کیا ہو سکتا ہے ہم کیا کر سکتے ہیں ان قوموں کو کیا مشورے دیئے جاسکتے ہیں کہ یہ ہلاکت کے قدم جو آگے بڑھا چکے ہیں ان کو کس طرح واپس کر لیں اس سلسلے میں انشاء اللہ میں آئندہ خطبے میں آپ سے مخاطب ہوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اس مضمون کو ختم کروں اور واپس اپنے اصلی اور حقیقی اور دائمی مضمون کی طرف آجاؤں یعنی احمدیوں کو عبادتیں کس طرح کرنی چاہئیں اور عبادتوں میں کس طرح لذت پیدا کرنی چاہئے۔

”فری میسن مسلط نہیں کئے جائیں گے“

حضرت مسیح موعودؑ کے الہام کی عظمت

دجال کے دجل اور عراق پر ہونے والے مظالم کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ رفروری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

پیشتر اس سے کہ خطبے کا اصل مضمون شروع کروں ایک دو امور کی میں اصلاح کرنی چاہتا ہوں ۔بعض دفعہ بہت دیر سے پڑھی ہوئی کتب کا مضمون تو ذہن میں یاد رہتا ہے لیکن اس کے سن اشاعت وغیرہ اور اس قسم کے ناموں کی تفاصیل میں بعض دفعہ غلطیاں لگ جاتی ہیں تو خطبے کے بعد بعض دفعہ باہر سے کچھ احمدی دوست تصحیح کروا دیتے ہیں اور بعض دفعہ مجھے خود خطبے کے بعد یاد آنا شروع ہو جاتا ہے کہ غالباً یہ بات نہیں تھی ، یہ تھی ۔اس پہلو سے دو باتوں میں تصحیح کرنی ضروری ہے۔ ایک تو بہت ہی اہم ہے کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کے سال سے تعلق رکھتی ہے۔

میں نے یہ بیان کیا تھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۱۹۰۵ء میں یہ الہام ہوا کہ:

”فری میسن مسلط نہیں کئے جائیں گے“

لیکن یہ 1901ء کا الہام ہے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ انگریزی میں پہلی مرتبہ 1905ء میں Protocols of BF the elders of zion کتاب شائع ہوئی جس میں فری میسن کے تسلط کا ایک منصوبہ ہے یا فری میسن یہود کے تسلط کے اس منصوبے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں تو وہ 1905ء میں رشین زبان میں باقاعدہ کتاب کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔ ابھی انگریزی میں شائع نہیں ہوئی تھی۔ تو اس سے اور بھی زیادہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کو عظمت ملتی ہے اور عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ کہ ابھی یہ کتاب روسی زبان میں آئی تھی اور روس سے باہر کی دنیا کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہ منصوبہ کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس سے چار سال پہلے 1901ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً بتادیا کہ دنیا میں یہود کے تسلط کا کوئی منصوبہ ہے جس میں فری میسن نے اہم کردار ادا کرنا ہے اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر اور تمہاری جماعت پر فری میسن مسلط نہیں کئے جائیں گے۔

ایک اور غلطی اس میں تھی جو مجھے کسی نے توجہ تو نہیں دلائی نہ وقت ملا ہے کہ پورا وقت تحقیق کرسکوں لیکن مجھے یہ غالب گمان خطبے کے بعد گذرا کہ وہ غلط کہہ گیا ہوں۔ ایک بیان میں نے ڈزرائیلی کی طرف منسوب کیا تھا، خطبے کے بعد مجھے خیال آیا کہ وہ تو انیسویں صدی کے غالباً تیسرے حصے میں پہلے یہودی وزیراعظم ہیں جو انگلستان میں وزیراعظم کے منصب تک پہنچے تھے۔ تو ان کا وہ بیان ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ بیان دینے والا بیسویں صدی کے کسی حصے میں بیان دے رہا ہوگا۔ کیونکہ بیان دینے والا یہ کہتا ہے کہ یہود کہتے ہیں اس کتاب سے ہمارا کوئی تعلق نہیں لیکن کتاب میں جو منصوبہ بیان ہوا ہے وہ منصوبہ اسی طرح کھلتا چلا جا رہا ہے جیسا کہ کتاب میں بیان کیا گیا ہے تو اس لئے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ کتاب منصوبہ بنانے والوں کی نہ ہو اور چونکہ وہ منصوبہ یہود کی مرضی کے مطابق بن رہا ہے اس لئے لازماً وہی ہوگا تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ اگر وہ نہیں تھے تو غالباً ھینری فورڈ Henry Ford تھے Henry Ford امریکہ کے پریذیڈنٹ بھی رہے ہیں اور فورڈ کمپنی کے وہ بانی مبانی ہیں اور ان کی ساری دولت رفاہ عامہ کے کاموں وغیرہ پر خرچ ہوئی اور ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ یہودی دجل اور یہودی سازشوں کو بے نقاب کرنے پر گزرا اور غالباً ایک فاؤنڈیشن بھی انہوں نے اس غرض سے قائم کی تھی بہرحال یہ ایک ضمنی بات ہے اصل تبصرہ وہی تھا جو میں نے بیان کیا ہے اور آج اس کے بھی بہت مدت

کے بعد یعنی وہ بیان غالباً 1900ء کے پہلے دو دہاکوں میں دیا گیا تھا۔ 1920ء کے قریب اس کے بعد آج قریباً ستر سال گزر چکے ہیں اور وہ منصوبہ بالکل اسی طرح جیسا کہ بیان کیا گیا تھا یا تحریر میں موجود ہے کھلتا چلا جا رہا ہے۔

اب جنگ کا جہاں تک تعلق ہے میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اس جنگ کے پس منظر میں کیا کیا باتیں ہیں، کیوں ہو رہی ہیں اور جب تک ہم اس کو تفصیل سے نہیں سمجھیں گے اس وقت تک فی الحقیقت نئی دنیا کا نقشہ بنانے کا اہل نہیں بن سکتے۔ ابھی تازہ صورت یہ ہے کہ امن کے قیام کی کوششیں یک دم تیز کر دی گئی ہیں اور ان سے امریکہ کے دو مفادات وابستہ ہیں جس طرح فضائی حملے کی مہم سے پہلے انہوں نے دنیا پر اثر یہ ڈالا کہ ہم بڑی معقول تجویز صدام حسین کے سامنے بار بار پیش کرتے ہیں امن کے خواہاں ہیں، جنگ کے خواہاں نہیں لیکن دیکھو یہ رد کرتا چلا جا رہا ہے۔

اسی طرح دوسرے مرحلے میں جنگ داخل ہونے والی ہے جو بعض لحاظ سے اتحادیوں کے لئے بہت ہی خطرناک ہے کیونکہ اگرچہ جس طرح کہ ان کو غیر معمولی مادی غلبہ حاصل ہے یہ عراق کا زیادہ نقصان کر سکتے ہیں مگر ان کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوگا پس اس مرحلے پر انہوں نے بعینہٖ اسی مہم کا دوبارہ آغاز کیا جس سے دو فوائد حاصل کرنے تھے۔

اول یہ ہے کہ اگر اس مرحلے پر صدام حسین اپنے نقصانات کا جائزہ لیتے ہوئے خوف کھا جائیں اور عراق کی رائے عامہ ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہو اور وہ کہیں کہ کافی ہلاکت ہوگئی ہے بس کرو۔ اب مان جاؤ۔ اتنی سی بات ہے کہ کویت خالی کرنا ہے تو اس سے جو عراق کی طاقت کو پارہ پارہ کرنے والا مقصد تھا وہ بھی حل ہو چکا اور کویت بھی خالی کروالیا گیا اور وہ امریکن جانیں بھی بچالی گئیں جن کا سب سے زیادہ ان کو خطرہ ہے اور اس مرحلے پر بار بار بغداد کی طرف پیغامبر بھجوائے گئے خواہ وہ پاکستان کے پیغامبر تھے اور بغداد کی طرف پیغام دینے کے لئے دوسرے ممالک کی طرف پیغامبر بھجوائے گئے جن کا مقصد یہ تھا کہ مسئلے کو صرف اس شکل میں پیش کریں کہ کویت خالی کرنے کی بات ہے ساری جنگ ختم ہو جائے گی اور سارا جھگڑا طے ہو جائے گا اس لئے اتنی سی بات کے اوپر ضد نہ کرو کافی نقصان اٹھا بیٹھے ہو۔

لیکن اصل واقعہ یہ نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی ایک دفعہ خطبے میں بیان کیا تھا یہ بالکل ایک

جھوٹ اور دجل ہے ۔صدام حسین نے کبھی بھی کویت خالی کرنے سے انکار نہیں کیا۔صدام حسین ہمیشہ یہ موقف لیتے رہے ہیں کہ کویت پر میرا حملہ جارحانہ ہے لیکن اسی قسم کے جارحانہ حملے پہلے اسرائیل کی طرف سے مسلمان ممالک پر ہو چکے ہیں اوران کا قبضہ موجود ہےاسی طرح باوجوداس کے کہ یونائیٹڈ نیشنز اورسیکیورٹی کونسل نے بار بار ریزولیوشنز کے ذریعے اسرائیل کا قبضہ ناجائز قرار دیا ہےتو اگر تم واقعی صلح چاہتے ہوتواس بات پر گفت وشنید ہونی چاہئے صرف کویت کا مسئلہ نہیں ہے۔ دونوں کو اکٹھا دیکھوتا کہ کویت بھی خالی ہواور دوسرے مقبوضہ علاقے بھی خالی ہوں اور یہ مسئلہ جو بڑی دیر سے ایک ظلم کا موجب بنا ہوا ہے یہ ایک طرف سے حل ہو۔

اس کوامریکہ اس شدت سے رد کرتا رہا ہے کہ جتنے بھی پیغامبر عراق کی طرف جاتے رہے یا دوسرے ممالک کی طرف تا کہ وہ عراق پر زور ڈالیں ۔ان کوسختی سے یہ ہدایت رہی ہے یہاں تک کہ یونائیٹڈ نیشنز کے سیکرٹری جنرل کوئیار کو بھی یہی ہدایت تھی کہ تم نے گفت وشنید نہیں کرنی اس مسئلے پر۔ ان دونوں مسائل کو یعنی فلسطین کے مسئلے کواور کویت کے مسئلے کو اکٹھا ایک میز پر زیر بحث ہی نہیں لانا کیونکہ اگر وہ زیر بحث لے آئیں تو اس سے امریکہ کا دجل کھل جاتا ہےاور وہ عرب مسلمان ممالک جو اس وقت امریکہ کے ساتھ ہیں ان کے لئے بڑی سخت نفسیاتی مشکل پیدا ہو جاتی ہے ۔امریکہ انکار کر رہا ہے کہ نہیں وہ خالی نہیں کرے گا اور تم خالی کرو یہ ایک ایسی کھلی کھلی دھاندلی اور زیادتی ہے کہ مسلمان حکومتوں کے لئے بڑی مشکل بن جاتی ہے کہ پھر وہ اپنے ساتھ کو قائم رکھیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ جس وجہ سے وہ ساتھ ہے وہ وجہ ابھی رہے گی لیکن اس کے بعد میں بات کروں گا۔آج جو تازہ خبر آئی ہے صدر صدام حسین نے جس طرح پہلے عقل اور حکمت عملی میں بار باران کو مات دی ہے ایک اور مات دیدی ہے،اوروہ اس طرح کہ سیکیورٹی کونسل کا اجلاس طلب کروانے میں اس نے روس سے مدد مانگی اور دوسرے بعض ملکوں سے ۔ چنانچہ یہ وہ مان گئے چنانچہ جومسئلہ وہ میز پر لانا نہیں چاہتے تھے اب وہ سیکیورٹی کونسل کی میز پر آ گیا ہےاور صدام حسین نے کہا ہے کہ ہمارا موٴقف یہ ہے کہ ہم کویت خالی کرنے کے لئے تیار ہیں سیکیورٹی کونسل ان سب مسائل کو اکٹھا دیکھے اور پہلے یہ سمجھائے ہمیں کہ ریزولیوشن 242 پر کیوں عمل نہیں ہورہا جوسیکیورٹی کونسل کا ریزولیوشن ہے جس میں کلیۃً سارا الزام سارا اتہام یہود پر ہے اور یہ جرم ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے جارحانہ جنگ کی تھی اور از راہ ستم وہ

علاقے ہتھیائے ہیں، تو اس مرحلے پر اس وقت جنگ داخل ہوئی ہے۔

جہاں تک ذمہ داریوں کی تعیین کا تعلق ہے ہم کسی ایک پارٹی کو ذمہ دار قرار نہیں دے سکتے۔ یہ مضمون چونکہ کافی لمبا ہے مجھے ابھی اور وقت لگے گا اس کو سمجھانے میں۔ لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جنگ تو اللہ بہتر جانتا ہے کب کس حالت میں ختم ہو لیکن جنگ کے ساتھ مسائل ختم نہیں ہوں گے، مسائل بڑھیں گے اور اس جنگ کے نتیجے میں پہلی بات جو ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (الزلزال:۲) کا مضمون دکھائی دے رہا ہے کہ وہ صرف مشرق وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے مسائل زمین نے اگل دیئے ہیں بلکہ ساری دنیا میں جو ملتے جلتے مسائل ہیں وہ ظاہر ہو رہے ہیں اور دنیا کی نظر کے سامنے آرہے ہیں۔ نئی دنیا کا نقشہ کیا ہوگا۔ اس میں بڑی چھوٹی قوموں کے تعلقات کیا ہوں گے۔ یونائیٹڈ نیشنز کو کیا کردار ادا کرنا ہوگا۔ وہ یہ کردار ادا کر بھی سکتی ہے کہ نہیں؟ یہ سارے مسائل، اور بھی اس سے متعلق مسائل دنیا کے سامنے آرہے ہیں، تیل کی دولت پر کس کو تسلط ہے۔ کس طرح اس کا استعمال ہونا چاہئے تو چاہے جنگ ہو یا نہ ہو، ختم ہو یا جاری رہے میرا مضمون بہر حال جاری رہے گا کیونکہ اس کا تعلق لمبے عالمی مسائل سے ہے۔

جہاں تک جنگ کی ذمہ داری کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں صدام حسین صاحب پر لازماً یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ انہوں نے کویت پر حملہ کیا اور اس حملے میں بہت جلدی کی اور اس کے نتیجے میں اپنی ساکھ کو بھی اور عراق کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچایا اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ دشمن کے جال میں پھنسے کیونکہ اب جبکہ اس مسئلے پر بحثیں اٹھ رہی ہیں کہ کون ذمہ دار ہے؟ تو امریکہ کے، دانشور، اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے صاحب علم لوگوں نے یہ کھل کے اعتراف کیا ہے کہ سب سے بڑی ذمہ داری امریکہ پر عائد ہوتی ہے۔ پس امریکہ نے جو شرارت کی یہ اس شرارت میں پھنس گئے یہ ایک بہت بڑا جرم ہے، اس لحاظ سے یہ بھی ذمہ دار ہیں۔

امریکہ کے کردار کا جہاں تک تعلق ہے اس میں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جیمز ایکنز James Akins عراق میں امریکہ کے سابق سفیر کا بیان ہے۔

An anonymous defence consultant,using the pseudonym of Mils Ignotus ("unkhown,soldier") wrote an article in

Harper's to this effect.Ignotus even developed a plan to send U.S forces to Saudi Arabia in numbers close to those of early August,less than one week after the invasion of Kuwait.James Akins,former U.S ambassador to Iraq,has gone further.He believes the U.S :suckered" Saddam Hussain into the invasion by instructing the present U.S Ambassador,April Glasple,to Give him the go-agead.A week before the invasion,Glaspie assured Saddam that the U.S would have "no position" on such an act and treat it purely as an Arab to Arab affair.

وہ لکھتے ہیں کہ:

’’جو موجودہ امریکی سفیر ایک خاتون ہیں اپریل گلاسپی (April Glaspie) نام ہے ان کا‘‘ مجھے کامل یقین ہے کہ امریکہ نے گلاسپی کے ذریعہ صدام حسین کو کویت پر حملے کرنے کے لئے انگیخت کیا اور یقین دلایا کہ یہ تمہارا اندرونی معاملہ ہوگا ہم اس میں دخل نہیں دیں گے۔

جنرل مائیکل ڈوگن کا بیان ہے (Gen.Micnael Gugan) یہ جنرل مائیکل ڈوگن ان کے چیف آف ایرسٹاف تھے جن کو فارغ کر دیا گیا ہے اور کس جرم میں فارغ کر دیا گیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے بعض جرنلسٹوں سے سوال و جواب کے دوران ان کو بتایا کہ امریکہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ ’’صدام حسین اور ان کے ساتھی ان کے خاندان اور ان کے ساتھیوں سب کے سر قلم کئے جائیں اور ان پر حملہ کر کے اس قصے کو اس قضیے کو نمٹایا جائے اور ایئر فورس اس مقصد کے لئے تیار ہے اور ساتھ یہ بھی بیان دیدیا کہ یہ تجویز اسرائیل کی طرف سے آئی تھی‘‘ چنانچہ اخبار لکھتا ہے۔

Defence Secretary Richard B. Cheney dismissed Air Force Chief of Staff Gen.Michael J.Dugan last week for showing "lack of judgement" in discussing contingency

plans for war against Iraq,including targeting Saddam Hussein and his family and the decapitation of the Iraqi leadership.

(Aviation Week & Space Technology / September 24,1990)

But Dugan's biggest sin,in Cheney's eyes, was references to Israel's contribution to the U.S military effort.Dugan said that Isreal had supplied the U.S with its latest high-tech, superaccurate missiles, and that based on Jerusalem's advice that Saddam is a "one-man show,"the U.S had devised a plan to decapitate the Iraqi leadership beginning with Saddam,his family,his personal guard and his mistress. Such targeting, Cheney was quick to point out,not only is political dynamite but also " is potentially a violation" of a 1981 Executive order signed by President Ronald Reagan flatly banning any U.S involment in assassination. (The Time October 1,1990)

اب اتنے بڑے عہدیدار جو چیف آف ائیر سٹاف ہیں ان کا یہ بیان ایک معنے رکھتا ہے کسی غیر متعلق مبصر کا بیان نہیں ہے کہ دراصل صدر صدام حسین پر قاتلانہ حملہ کروانے کا منصوبہ تھا اور ان کے خاندان پر اور دوسرے بڑے لوگوں پر اور اس ذریعے سے وہ مسئلہ حل کرنا چاہتے تھے۔

اس کے متعلق امریکہ نے بہت سخت ردعمل دکھایا لیکن کوئی جواز ان کے پاس نہیں ہے اس بیان کے خلاف۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے پہلے صدر قذافی پر ایسا ہی حملہ کروا چکے تھے اور سب دنیا جانتی ہے۔ امریکی قانون صدر کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ کسی غیر ملک میں قتل کروائے اگر چہ قتل کرواتے رہتے ہیں اور اس کا نام انہوں نے کورٹ آپریشنز (Covrt Oprations) رکھا ہوا ہے یعنی مخفی

کارروائیاں مگر جب مخفی کارروائی ظاہر ہو جائے تو یہ ایک بہت بڑا جرم بن جاتا ہے اس لئے یہاں یہ جرم بن چکا ہے اور امریکہ لازماً اس میں سب سے بڑا ذمہ دار ہے۔

تیسری بات اقوام متحدہ کے نام پر یہ کارروائی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ملک خریدے گئے ہیں۔ بہت سے ملکوں پر سیاسی دباؤ ڈالا گیا ہے۔ بہت سے ممالک کو آئندہ کی لالچیں دی گئی ہیں اور ہے یہ سارا امریکن کھیل۔ اس بارہ میں صدر صدام ہمیشہ سے یہی کہتے رہے ہیں کہ اس کا نام یونائیٹڈ نیشنز رکھنا تمسخر ہے یونائیٹڈ نیشنز کے ساتھ۔ عملاً اقوام متحدہ نہیں ہے بلکہ امریکہ ہے۔

لیکن حال ہی میں جو واقعہ ہوا ہے وہ یہ کہ یونائیٹڈ نیشنز کے سیکرٹری جنرل جب گفت وشنید کے لئے صدام حسین کے پاس گئے تو انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ تو ساری کارروائی دنیا کو دھوکا دینے کے لئے امریکن کارروائی ہے۔ اس کا نام یونائیٹڈ نیشنز رکھنا ہی غلط ہے تو ڈی کوئیار نے کہا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں آپ سے سو فیصد متفق ہوں بالکل یہی ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک رسمی پوزیشن لینے کا تعلق ہے میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ میں اس کا اقرار کرسکوں، اس بیان کو امریکہ نے چھپانے کی کوشش کی کیونکہ جب انہوں نے واپس جاکے رپورٹ پیش کی تو اس رپورٹ میں یہ اور ایسی اور باتیں بعض اعترافات شامل تھے، لیکن صدر صدام حسین نے اس کو Publicize کر دیا ہے، کھول دیا ہے۔ اور انگلستان کے بعض اخباروں میں چھپ چکی ہے جو میں نے پڑھی ہے۔

تو اول ذمہ داری اس جنگ کی امریکہ پر عائد ہوتی ہے اگر چہ صدام کو استعمال کیا گیا ہے اور صدام کی جہاں تک ذمہ داری ہے اس میں بعض ایسی وجوہات ہیں جن کے پیش نظر ہم اسے کسی حد تک مجبور بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اتحادیوں کی ذمہ داری ظاہر ہے اور ظلم کی بات یہ ہے کہ اتحادیوں نے اپنے مقاصد کی خاطر یہ کام کیا ہے اور تمام اتحادیوں کے کچھ ذاتی مقاصد اور منفعتیں تھیں جو اس کے ساتھ وابستہ تھیں۔ اسرائیل کی ذمہ داری یہ ہے کہ سارا منصوبہ اسرائیل کا ہے جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں اور اسرائیل کی اس سے بڑی چال دنیا میں ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ ایک بڑھتی ہوئی مسلمان طاقت کو جو اس کے لئے حقیقی خطرہ بن سکتی تھی لڑائی کے دوران اس طرح برباد کرا دے کہ روپیہ مسلمان حکومتوں کا استعمال ہو یا بعض اور اتحادیوں کا اور سپاہی امریکنوں اور انگریزوں کے

اور عربوں کے استعمال ہوں۔اور مقصد اسرائیل کا حاصل ہوا اور ضمناً اس کو کچھ اور علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے بہانہ بھی مل جائے اور نو بلین ڈالر منافع کے بھی ہاتھ آجائیں اور یہ حق بھی رہے کہ جب چاہوں میں مرے مٹے (اگر خدانخواستہ عراق کا یہ حال ہوجائے تو مرے مٹے) عراق پر اپنی مزید انتقامی کارروائی پوری کروں۔تو جرم کا سب سے بڑا فائدہ اسرائیل کو پہنچا ہے اور سب سے زیادہ اس میں وہ ذمہ دار قرار پاتا ہے۔

یونائیٹڈ نیشنز بھی ذمہ دار ہے جب پاکستان میں اسمبلیوں میں ممبران کی خرید وفروخت شروع ہوئی تھی تو اس وقت یہ اصطلاح سامنے آئی تھی کہ ہارس ٹریڈنگ ہورہی ہے۔ہارس ٹریڈنگ تو تھی لیکن یہ نہیں پتا لگتا تھا کہ یہ ہارس ٹریڈنگ کا نکتہ یعنی ممبران اسمبلی کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے خریدنا کہاں سے آیا ہے؟ اس کا نقطہ آغاز کیا ہے؟ کہاں سے یہ خیال آیا؟ اب پتا چلا ہے کہ یہ امریکہ کا ہی خیال ہے کیونکہ یونائیٹڈ نیشنز میں ووٹ خریدنے میں انہوں نے بڑی کھلی کھلی ہارس ٹریڈنگ کی ہے اس لئے یونائیٹڈ نیشنز اگر ایسا ادارہ بن چکا ہے جسے دولت مند قومیں اپنی دولت کے برتے پر خرید سکیں تو نہ صرف یہ ایک بہت بڑا بھیانک جرم ہے بلکہ ایک خودکشی ہے۔اور اس ادارے کا اعتماد ہمیشہ کے لئے اٹھ جاتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ تاریخی پس منظر ہیں ان کو آپ کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے حکومت برطانیہ کا کردار اور یہودی سازش جو اسرائیل کے قیام کے لئے کی گئی تھی اس کی تفاصیل میں دوبارہ جانے کی ضرورت نہیں۔Dr. Theodor Herzl نے 1897ء میں یہ منصوبہ بنایا تھا اور اس منصوبے کے تحت بہت سے یہود سائنسدان اور دانشوروں کو مغربی طاقتوں میں نفوذ پیدا کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ان میں ایک کیمسٹ تھے جن کا نام ویزمن ہے۔وائز مین بھی میں نے شاید پڑھا تھا لیکن میں نے چیک کیا ہے،Pronunciation جرمن ہے وزڈمن Weizmann یہ کیمسٹری کے بہت بڑے ماہر تھے پولینڈ کے باشندے ہیں جرمنی میں تعلیم حاصل کی اور انگلستان پچھلی جنگ عظیم سے پہلے آگئے اور یہاں کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہوئے اور باقاعدہ انہوں نے صاحب اثر لوگوں سے رابطے کئے اور سب سے زیادہ ان کا اثر Balfour پر ہوا۔اس کا انگریزی میں صحیح Prononciation بھی بیلفور ہے میں پہلے متردد تھا اب میں آپ کو بتا رہا ہوں۔تو Mr.Balfour جو جارج کی حکومت میں 15، 16، 17، 18، 19ء اس زمانے میں فارن منسٹر رہے ہیں ان پر

انہوں نے سب سے زیادہ نفوذ کیا اور سب سے زیادہ سخت جدوجہد اسرائیل کے قیام کے لئے Mr.Balfour نے کی ہے۔ پس برطانیہ بھی اس مسئلے میں، اس موجودہ جنگ میں باقاعدہ ایک ذمہ دار قوم کے طور پر شمار ہوگا کیونکہ یہ مسئلہ فی ذاتہٖ بالکل ناجائز اور کچھ مسئلہ بننے کا حق ہی نہیں رکھتا۔ کسی کے ملک میں جا کر کسی اور قوم کو وہاں ٹھونس دو اور ان کی مرضی کے خلاف اور پھر خود اپنے مینڈیٹس Mandates کے خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ظلم پر ظلم کرتے چلے جاؤ اس کے لئے تو کوئی جواز کسی قسم کا نہیں ہے۔ چونکہ سب سے بڑا کردار انگریزی قوم نے اس میں دکھایا اس لئے انگریزی قوم ہمیشہ اس ذمہ داری میں شریک رہے گی لیکن ضمناً میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ انگریزی قوم ساری کی ساری شروع میں اس کارروائی میں شریک نہیں تھی۔ (یہ جو پیچھے میں نے حوالے اقتباسات وغیرہ کا ذکر کیا ہے ان کے اصل حوالے لکھے ہوئے میرے پاس سب موجود ہیں، یہ میں اس لئے پڑھ کر نہیں سنا رہا تھا کہ وقت بچے، لیکن جب خطبہ چھپے گا تو اس میں انشاء اللہ تعالیٰ یہ ساتھ دیدوں گا حوالے یا کیسٹ کے ساتھ بھی یہ بعد میں کسی اور کی طرف سے بیان کئے جاسکتے ہیں)

تو وہ جو انگلستان میں 1917ء سے لے کر 18، 19، 20 تک کی جدوجہد ہے، اس جدوجہد کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی بہت بڑی غفلت کا ثبوت دیا ہے جبکہ یہود ہر طرف سازشوں کا جال پھیلا رہے تھے۔ صاحب اثر لوگوں پر اثر انداز ہو رہے تھے، مسلمان اس مسئلے سے غافل تھے۔ چنانچہ Lord curzon جو Balfour کے بعد وزیر خارجہ بنے اور جنہوں نے مسلمانوں کی حمایت کی ہے بڑے زور کے ساتھ انہوں نے بہت ہی حیرت انگیز باتوں کا انکشاف کیا ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ یک طرفہ یہود لگے ہوئے ہیں، سازشوں کا جال پھیلا رہے ہیں، اور پوری کوششیں کر رہے ہیں اور عرب یوں لگتا ہے جیسے چابی کے سوراخ سے Key Hole سے باہر سے صرف دیکھ رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور ان کو اجازت ہی نہیں دی جارہی کہ وہ داخل ہوں یا ان کو خود ہوش نہیں ہے۔ بہر حال یہ کہنا کہ ساری قوم اس منصوبے میں شامل تھی یہ درست نہیں ہے، Lord Curzon نے بڑی شدت سے مخالفت کی، وہ اس نکتے کی، اسرائیل کے قیام کی غرض وغایت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

”بار بار مجھ پر یہ دباؤ ڈالا گیا کہ میں اسرائیل کا تاریخی تعلق فلسطین کی زمین سے قبول کرلوں لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ بہت گہری سازش ہے بہت خطرناک سازش ہے بہت لمبا اثر دکھانے والی سازش ہے۔ایک دفعہ اگر میں نے اس کو تسلیم کرلیا تو پھر یہود کو روکنے کے لئے اور پابند رکھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی عذر نہیں رہے گا۔اپنی ساری پرانی تاریخ دہرا کر کہیں گے ہم نے وہاں یہ کیا تھا اسی لئے آج ہمیں یہ حق ہے۔ہم نے فلاں زمانے میں یہ کیا تھا اس لئے آج ہمیں یہ حق ہے۔ (The Origins & Evolution of the palestine Problem 1917-1989. Pages 21-28).

چنانچہ آخر تک وہ Adamant رہے ہیں اس کے خلاف انہوں نے ہر ممکن کوشش کی مگر لائیڈ جارج کی کیبنٹ اندر اندر یہود کے بعض مخفی منصوبوں کے نتیجے میں، آہستہ آہستہ یہود کے دائرہ اثر میں منتقل ہوتی رہی اور بالآخر انہوں نے پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ پاس کروالیا کہ یہود کو فلسطین میں اس بنا پر دوبارہ قائم کیا جائے کہ ایک Historical Conection ہے[۲] وہ پہلا Panrase جس میں بڑی سختی سے لارڈ کرزن نے اعتراض کیا تھا اس کو چالاکی سے بدل کر صرف یہ کر دیا گیا کہ Historical Connection ہے[۲] اور اس کے علاوہ جو تحریر ہے وہ اب میں اس وقت پڑھ کر نہیں سنا سکتا لیکن جب آپ پڑھیں گے تو حیران ہوں گے کہ بہت ہی شاطرانہ زبان استعمال کی گئی ہے تا کہ یہود کے سارے مقاصد اس سے پورے ہو جائیں۔

اگلا حصہ، جب یہ ہاؤس آف لارڈز میں پیش ہوا تو برٹش ہاؤس آف لارڈز کو یقیناً ہمیں یہ حق دینا چاہئے کہ انہوں نے پورے انصاف کا مظاہرہ کیا اور انصاف کے علاوہ ایک بہت سخت تنبیہ کی خود اپنی قوم کو کہ تم ایسی حرکت نہ کرو ورنہ یہ بہت ہی خطرناک ظلم ہوگا جس کے دور دور تک اور بہت دیر تک اثرات جاری رہیں گے۔ہم نہیں کہہ سکتے کہ کبھی یہ بداثر ختم ہو بھی سکیں گے کہ نہیں چنانچہ ہاؤس آف لارڈز نے اس کو Reject کیا اور بعد میں ہاؤس آف کامنز House of Commens میں اس کو دوبارہ پیش کر کے پاس کروا گیا۔ہاؤس آف لارڈز میں ایک ممبر تھے لارڈ سڈنم (Sydenham Lord) انہوں نے Balfour کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

".....the Harm done by dumping down an alien

population upon an Arab country-Arab all around in the hinterland-may never be remedied...what we have done is,by concessions,not to the Jewish people but to a Zionist extreme section,to start a running sore in the East,and no one can tell how far that sore will extend."(The orisins of Evolution of The pales time problem (1917-1988 Page:29) pub.by:United wasons,New york, 1990)

''کہتے ہیں کہ ہرگز ایسا نہ کرو،ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ اجنبی لوگوں کو عربوں کے دل میں مسلط کر دیں، ایسے علاقے میں جہاں اردگرد چاروں طرف عرب آبادیاں ہی ہیں اور اگر ایسا تم کرو گے تو عملاً وہاں ایک ایسا ناسور پیدا کر دو گے جس ناسور کی جڑوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کہاں کہاں پھیلیں گی اور کتنی کتنی دور جائیں گی۔''

پس انگریزی قوم میں انصاف اس وقت بھی تھا، اب بھی ہے۔ چنانچہ آج بھی ان کے بڑے بڑے دانشور اس مسئلے پر بڑی جرأت کیساتھ اپنی دیانتدارانہ رائے کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے سازشیں بہت گہری ہیں اور بہت حد تک یہ یہودی چنگل میں آچکے ہیں آج امریکہ ذمہ دار ہے لیکن اس زمانہ میں امریکہ میں بھی انصاف تھا۔ چنانچہ صدر روڑو **Wilson** **نے 1918ء میں جو اصول پیش کئے اس میں انہوں نے یہ اصول پیش کیا تھا کہ ''امریکہ اس اصول کو ہمیشہ سربلند رکھے گا اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہونے دے گا کہ جس علاقے کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جا رہا ہے اس علاقے کی اکثریت کا اول حق ہے کہ وہ اپنی تقدیر کے فیصلے میں شامل ہو۔ اگر وہ نہیں** مانتے تو کسی کا دنیا میں حق نہیں ہے کہ وہاں اس پہ فیصلے کو ٹھونسا جائے۔'' اس وقت امریکہ کی یہ حالت تھی چنانچہ ایک King-Crane کمیشن انہوں نے 1919ء میں بھجوایا اس King-Crane کمیشن نے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ، بہت ہی منصفانہ رپورٹ پیش کی اور اس میں یہ لکھا کہ ہم آپ کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ بہت بڑی طاقت کے استعمال اور بہت بڑے خون خرابے کے بغیر اسرائیل کو وہاں نافذ نہیں کیا جا سکتا اور کیوں ایسا کیا جائے اس لئے کہ دو ہزار سال پہلے۔ یہ لوگ

یہاں آباد تھے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اگر یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو دنیا سے پھر عقل، انصاف سب کچھ مٹ جائے گا۔ یہ دلیل ایسی لغو ہے کہ اس کو زیر غور ہی نہیں لانا چاہئے۔ کجاوہ زمانہ اور کجا یہ زمانہ کہ مکمل امریکی طاقت پوری کی پوری یہود کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح کھیل رہی ہے، نہ کوئی انصاف، نہ کوئی عقل، نہ کوئی اخلاقی قدریں، کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ تو مسلمانوں کا قصور اس میں یہ ہے کہ ان کو اپنے مفاد کے لئے بیدار مغزی کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا چاہئے تھا اور ان حالات میں جس طرح یہود اپنا اثر بڑھا رہے تھے ان کو بھی اپنے اثر نفوذ کو استعمال کرنا چاہئے تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار کے بعد ان میں کوئی ایسی لیڈر شپ ہی نہیں رہی جو ساری امت مسلمہ کے مسائل پر غور کرے اور ان کو ایک زندہ جسم کے طور پر، ایک دماغ اور ایک دل سے منسلک رکھ کر آگے چلائے۔

جہاں تک Reasons کا تعلق ہے کہ مقاصد کیا ہیں؟ کیوں یہ جنگ لڑی جارہی ہے؟ اس کے متعلق سوشلسٹ سٹینڈرڈ Socialist Standard اپنی نومبر 1990ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے کہ:۔

سنڈے ٹائمز نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مقاصد خود غرضانہ ہیں چنانچہ وہ کہتا ہے۔

The Reason why we well shortly have to go to war with Iraq is not to free Kuwait

کہتا ہے، بالکل جھوٹ ہے، کویت شویت کا جو بہانہ ہے کہ اس کی آزادی کی خاطر ہم مرے جارہے ہیں یہ سب بالکل بکواس ہے۔ Though that is to be Desired ہاں ہو جائے تو بڑا اچھا ہے، کیوں نہیں Though that is to be Desired,or to Defend Saudi Arabia, Though that is Important نہ ہی ہم اس غرض سے گئے ہیں وہاں یا جارہے ہیں کہ سعودی عرب کی حفاظت کریں اگر چہ یہ بھی ایک اہم بات ہے۔"

It is because President Sadam is a meace to vital western interests in the Golf,above all the free flow of oil at market prices.which is essential to wests prosperity.

(Socilaist Standard) London,November,1990.

کہ ’’درحقیقت مغرب کے ان تیل کے چشموں پر جو خلیج میں بہتے ہیں حقوق ہیں اور ہم ان حقوق کی حفاظت کی خاطر جارہے ہیں اور یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے کہ صدام حسین ان کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے کھیلے‘‘ لیکن درحقیقت یہ پورا اعتراف نہیں ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان مقاصد میں اسرائیل کو عراق کے خطرے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنا اور اسرائیل پر سے یہ "Threat" یہ دھمکی دور کردینا ہمیشہ کے لئے کہ کوئی مسلمان ملک اس کو چیلنج کرسکتا ہے، یہ ایک سب سے بڑا مقصد تھا اور ویسے اس مقصد کا تیل کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے **کیونکہ اسرائیل کے قیام کی غرض میں ایک غرض یہ بھی شامل تھی کہ مسلمان ممالک کے اوپر ایک پہریدار بٹھا دیا جائے جو جب بھی ضرورت پڑے ان کی گوشمالی کرسکے۔ جب وہ مسلمان ممالک بات نہ مانیں تو پھر ان کو سبق سکھانے والا ایک نمائندہ موجود رہے۔**

اب میں آپ کو جنگ کے نفع ونقصان کو بتاتا ہوں 8905 بلین ڈالر خرچ ہو چکا ہے اس میں سے 30 بلین ڈالر فی یوم ایک بلین ڈالر کے حساب سے خرچ ہورہا ہے آج تیس دن ہو چکے ہیں اور 9 بلین بتایا جاتا ہے کہ جنگ سے پہلے امریکہ کا خرچ ہو چکا تھا، 2 بلین جنگ سے پہلے انگریزوں کا خرچ ہو چکا تھا ان کا جو روز خرچ ہورہا ہے اس کا کوئی شمار معین ابھی معلوم نہیں ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے ممالک کو خریدنے پر جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ بھی جنگ کے اخراجات میں شامل ہے۔ مصر کے 21 بلین قرضے معاف کئے گئے ہیں اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کے مفاد بیچنے کے لئے کتنی قیمت وصول کی ہے۔ اسرائیل کو ۱۳ بلین اب تک اس غیر معمولی صبر دکھانے کے نتیجے میں انعام کے طور پر دیا اور شاباش کے طور پر دیا گیا ہے کہ تمہارے چند سو جو زخمی ہوئے ہیں سکڈ سے ان کے نتیجے میں تم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم فوری انتقام نہیں لیں گے اور جب تم سب کچھ اپنا کر بیٹھو گے۔ عراق کو پارہ پارہ کردو گے پھر ہم آئیں گے کسی دن اور اپنی مرضی سے دل کھول کر انتقام لیں گے۔ یہ اتنا حیرت انگیز صبر کا مظاہرہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ہم تمہیں اور باتوں کے علاوہ (جنگی ہتھیار بھی بہت دیئے گئے) 13 بلین ڈالر تحفہ دیتے ہیں۔

روس کے متعلق العربیہ یا العرب ہے اخبار اس نے بیان دیا ہے (انگلستان سے شائع ہوتا

ہے) کہ 3 بلین روس کو سعودی عرب نے دیا ہے، ایک بلین کویت نے دیا ہے، متفرق اس کے علاوہ ہیں، ترکی اور شام پر کچھ اخراجات انہوں نے کئے ہیں کچھ آئندہ ان کے ساتھ جنگ کے بعد وعدے ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔

اس خرچ کے علاوہ جو ہولناک تباہی ہوئی ہے۔کویت اور عراق میں جائیدادوں کی تباہی اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، مبصرین نے جو جائزے لئے ہیں، پچاس بلین ڈالر صرف کویت کو از سر نو تعمیر کرنے پر لگے گا اور یہ اندازہ آج سے پانچ ،سات دن پہلے کا ہے اور اندازہ لگانے والوں نے اندازہ لگایا ہے کہ عراق پر اس سے کم سے کم دس گنا زیادہ خرچ ہو گا اور جس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ سو بلین ڈالر عراق کو اپنے آپ کو بحال کرنے کے لئے درکار ہو گا۔تو جنگ پر جو اخراجات ہو رہے ہیں یا رشوت پر ہو رہے ہیں ان کے علاوہ یہ اخراجات غیر معمولی طور پر زیادہ ہیں۔

اس کے علاوہ جو جانوں کی تلفی ہوئی ہے اور کثرت کے ساتھ بنی نوع انسان کو تکلیف پہنچی ہے وہ سب اس کے سوا ہے۔تیسری دنیا کو جو اقتصادی نقصان پہنچا ہے وہ بھی سر دست 200 بلین کا اندازہ لگایا گیا ہے جو مبصرین کہتے ہیں کہ آگے زیادہ ہوگا کم نہیں ہوگا یعنی اب تک 200 بلین کا نقصان تیسری دنیا کے غریب ملکوں کو ہو چکا ہے۔

اب یہ جو حصہ ہے اس سلسلے میں ایک نقصان فضا میں آلودگی کا نقصان ہے اور سمندر میں آلودگی کا نقصان ہے جو سمندر میں آلودگی شروع ہوئی تو ایک امریکن جرنیل نے اعتراف کیا اور فخر سے اعتراف کیا کہ ہم نے تیل کے چشموں پر کامیابی سے Hit ہٹ کیا ہے اور تیل بہنا شروع ہو گیا ہے۔اور دوسرے دن ہی وہ ساری کہانی بدل گئی اور کثرت سے پھر بار بار عراق پر الزام لگا کر عراق کو متہم کیا گیا کہ یہ ایسی ظالم قوم ہے کہ پرندوں تک کو نہیں چھوڑا انہوں نے ظلم میں اور وہ جو Coots اور Cormorant اور کچھ اور مرغابیوں قسم کے جانور، بعض تو ایسے تھے جو بار بار وہی دکھاتے تھے تیل میں ڈوبے ہوئے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ اس سے ان لوگوں کی صدام حسین کی سفا کی ثابت ہوتی ہے کہ کس طرح انہوں نے چھوٹے چھوٹے جانوروں تک کو بھی اپنے ظلم سے الگ نہیں رہنے دیا، باہر نہیں رکھا۔اس نقصان کے مقابل پر جس سے یہ اپنی انسانی ہمدردی اور زندگی سے ہمدردی ثابت کرتے ہیں دنیا پر، ان کا دنیا کی تکلیفوں سے متعلق جو رویہ ہے وہ میں آپ پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں

کیونکہ یہ سب دجل ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لفظ دجال میں اسی زمانے کی ساری تاریخ اپنی تمام تفاصیل سے بیان فرما دی۔

ایسا خوفناک دجل ہے کہ آپ حیران ہوں گے یہ سن کر کہ سالہا سال سے افریقہ بھوک کا شکار ہے اور لکھوکھہا کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے بچے، عورتیں، بوڑھے مرد، جوان، سب پنجر بن بن کر دکھ اٹھا اٹھا کر مرتے چلے جارہے ہیں اوران کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں۔اب جنگی اخراجات کا آپ نے اندازہ سن لیا ہے۔ساڑھے پانچ سواس کی تعمیر نو پرخرچ اوراس سے پہلے سو بلین کے قریب دوسرے اخراجات اور 200 بلین دنیا کے نقصانات، تو یہ ساری بات مل کر بالآخر ہزار بلین کا نسخہ ہے اس کے مقابل پر آج پچیس ملین افریقن بھوک کے نتیجے میں مرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔اور یہ یونائیٹڈ نیشنز کا تخمینہ ہے۔اگر ایک افریقن کو خوراک مہیا کرنے پر روزانہ دو ڈالر خرچ آئیں تو پچیس ملین افریقن کو ایک سال کے لئے بھوک سے بچانے کے لئے صرف تقریباً ڈیڑھ بلین ڈالر چاہیئے ایک بلین چھیاسٹھ لاکھ کچھ چاہیئے۔تو آپ اندازہ کریں کہ وہ لوگ جو پچیس ملین انسانوں پر رحم نہیں کھاتے جو عراق کے سولہ ملین انسانوں پر دولت کے پہاڑ خرچ کر کے موت برسا رہے ہیں۔ان کو ہمدردی ہے تو دو مرغابیوں سے ہے اور شور مچایا ہوا ہے کہ یہ چند مرغابیاں مر جائیں گی۔محض جھوٹ، محض فساد انسانی ہمدردی کا کوئی شائبہ بھی ان کے اندر ہوتا تو پہلے انسانی جانوں کی قدر کرتے۔دنیا میں بھوک سے مرنے والے غریب افریقنوں کی اور دیگر قوموں کی فکر کرتے۔اور اقتصادی عدم توازن کو دور کرنے کی کوشش کرتے اس سے آپ کو پتہ لگے گا کہ ایک بلین ہوتا کیا ہے۔پچیس ملین کا مطلب ہے اڑھائی کروڑ۔اڑھائی کروڑ انسان پورا ایک سال عزت کے ساتھ روٹی کھا سکتا ہے تقریباً ڈیڑھ بلین میں اور یہ ایک بلین روزانہ جو یہ موت برسانے پر خرچ کر رہے ہیں اور ایک بلین نو مہینے زندگی بخشنے کے لئے خرچ کر سکتے اور وہ بھی پچیس ملین آدمیوں کی زندگی۔

مجھے اس پر یاد آ گیا وہ قصہ۔ایک دفعہ چرچل نے جارج لائیڈ کے پاس ایڈورڈ گرے کی سفارش کرتے ہوئے ان کی تائید میں کہا کہ آپ ان کی پوری بات نہیں سمجھ رہے۔ان کا کوئی قصور تھا وہ ناراض تھے بڑے سخت گرم تھے ان کے خلاف تو چرچل نے کہا کہ دیکھیں وہ ایسا انسان ہے ایڈورڈ گرے کہ اگر کوئی Natsi اس کے پاس آئے اور سمجھے کہ تم اگر اس پر دستخط کر دو جو میں تجویز پیش کرتا

ہوں تو اس کے بدلے میں تمہاری سب بات مان لوں گا، یہ کروں گا، وہ کروں گا، تمہاری جان بخشی ہوگی۔ جو کچھ بھی ہے اس نے بیان کیا مجھے Exect یاد نہیں لیکن بہت بڑھا کر بتایا کہ اس کی انگلستان سے وفا اور محبت کا اندازہ کریں کہ اگر وہ NATSI یہ پیشکش کرے تو وہ یہ جواب دے گا کہ میں اصولوں کے سودے نہیں کر سکتا۔ میں یہاں ان شرطوں پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لائیڈ جارج نے فوراً چرچل کو جواب دیا کہ میں ان کو GREY (گرے کو) سمجھتا ہوں اگر Natsi سمجھدار ہوا اور وہ یہ شرطیں پیش کرنے کی بجائے یہ شرطیں پیش کرے کہ اگر تم یہاں دستخط کر دو۔ ہماری مرضی کے مطابق تو بہتر ورنہ جو تم نے گلہریاں پالی ہوئی ہیں میں ان کو ماردوں گا تو وہ فوراً دستخط کر دے گا۔ چنانچہ لکھتا ہے

Once during the war when we were rather dissatisfied with the vigour of Sir Edward Grey's policy,I,apologizing for him said to Mr.Lloyd George,who was hot,'Well, anyhow, we know that if the Germans were here and said to Grey, 'If you don't sign that Treaty,we will shoot you at onece,"he would certainly reply, "It would be most improper for a British minister to Yield to a threat. That sort of thing is not done." But Lioyd George rejoined, that's not what the Germans would say to him.They would say,If you don't sign this Treaty, we will scrag all your squirrels at Fallodon." that would break him down. Arthur Balfour had no squirrels.

Great Contemporaries Page240.

By:The Rt.Hon Winston S.Churchill,C.H.,M.P.Thronton.

یعنی توازن بگڑے ہوئے ہیں اور بڑی دیر سے بگڑے ہوئے ہیں۔ کتوں کی خاطر انسانوں

کو ذلیل کیا جا سکتا ہے اور انسانوں کی خاطر اپنے مفادات کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔

پس یہ ذمہ داری اور ارتکاب جرم میں پورے شریک ہیں۔ اگر آج حساب نہیں لیا جائے گا تو کل لازماً ان کا حساب لیا جائے گا۔

جو فوائد یا نقصانات ہوئے ہیں۔ نقصانات تو میں نے بیان کر دیئے ہیں لیکن کچھ اور بھی نقصانات ہیں اور فوائد بھی ہیں بعض عراق کو تو یہ فائدہ پہنچا ہے کہ اس نے ایک بڑی طاقت کا تکبر توڑا ہے۔ اور جنگ میں جانے کی وجوہات میں ایک یہ بھی وجہ بیان کی جاتی ہے بعض قابل مبصرین کی طرف سے کہ دراصل صدر بش اور امریکہ کو ویت نام کمپلیکس کھا گیا ہے۔ ویت نام میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ گزر چکا تھا۔ ویت نام میں امریکنوں نے اتنی بمباری کی ہے کہ عراق سے پہلے کہیں اتنی خوفناک بمباری نہیں ہوئی تھی اور دیہات کے دیہات صاف کر دیئے۔ اس قدر زندگی تلف کی ہے اس قدر اقتصادیات کو برباد کیا گیا ہے کہ یک طرفہ ایسا ظلم انسانی تاریخ میں کم دکھائی دیتا ہے کہ پورے بڑے وسیع ملک پہ ہو رہا ہو لیکن اس کے باوجود اس قوم کی عظمت کردار کو توڑ نہیں سکے۔ ان کا سر نہیں جھکا سکے۔ وہ قوم مرتی چلی گئی ہے اور لڑتی چلی گئی ہے لیکن امریکہ کی خدائی کے سامنے اس نے سجدہ نہیں کیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر ان کا عزم ٹوٹا ہے۔ ان کا تکبر ٹوٹا اور اپنا مقصد حاصل کئے بغیر ان کو ویت نام خالی کرنا پڑا۔ وہ جو ویت نام کی باتیں آپ سنتے ہیں ان میں بعض دفعہ اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید American Public Opinion رائے عامہ انسانی ہمدردی کی وجہ سے اپنی حکومت کے پیچھے پڑی ہے کہ اتنی جانیں تم نے وہاں تلف کر دیں اب دوبارہ نہ کرنا، ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ ویت نام میں ایک کروڑ آدمی مر جائیں امریکن پبلک اوپینئن Opinion کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اتنی بھی نہیں ہوگی جتنی مرغابیاں مرنے سے ان کو ہوتی ہے، لیکن امریکن جانوں کی تلفی اور امریکن تکبر کو چیلنج کرنا یہ ان کے لئے ایک ایسا روحانی عذاب بنا ہوا ہے جو یہ ہضم نہیں کر سکتے تھے۔

پس اس جنگ کی وجوہات میں یہ نفسیاتی پس منظر بھی ہے۔ امریکہ کو جو اپنا تکبر کچلا ہوا دکھائی دیتا رہا ہے آج تک یہ ان کا زخم ہرا ہے۔ آج تک یہ جلن سینے میں لئے پھرتے ہیں۔ تو ویت نام کا انتقام عراق سے لینا چاہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ہم عزم توڑ دیں گے اور پھر ہمیں ٹھنڈ

پڑے گی لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آج ایک مہینہ گزر چکا ہے آج تک تو یہ عزم نہیں توڑ سکے اور جتنی صدام نے باتیں کی تھیں وہ سچی نکلتی رہی ہیں۔ جو انہوں نے بدارادے دکھائے تھے یا تکبر کی باتیں کی تھیں وہ سب جھوٹی نکلتی رہی ہیں۔

مجھے یاد ہے صدر بش نے یا ان میں سے کسی ان کے ساتھی نے یہ کہا تھا کہ ویت نام کی کیا باتیں کرتے ہو۔اس کو ویت نام نہیں بننے دیا جائے گا۔

"It will not be years,it will not be months,it will not be weeks,it will be days."

کہ یہ جنگ سالوں جاری نہیں رہے گی مہینوں جاری نہیں رہے گی، ہفتے جاری نہیں رہے گی، دنوں کی بات ہے اور اس کے بعد ہم نے صدر بش کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

It will not be Days it will be weeks running in to months."

تو آج کا دن وہ ہے جس کے بعد Runing in to months والی بات ہو جائے گی ،لیکن اس اگلی بات نے پہلی بات کو جھٹلایا ہے اور صدر صدام جو باتیں کہتے رہے انہوں نے شروع میں یہ کہا تھا کہ شروع میں تمہارا پلہ غالب ہوگا تم جو مرضی کرو، جتنا مرضی بم برسالینا ہم پر، آخر پر جب ہم اٹھیں گے تو پھر ہم اپنا انتقام لیں گے اب اس موڑ پر پہنچ کر یہ انتقام سے ڈرے بیٹھے ہیں، کیونکہ سارا عراق بھی نعوذ باللہ ہلاک ہو جائے تو American Public opinion پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔لیکن ہزار لاشیں وہاں سے امریکہ پہنچیں گی تو American Public opinion جو ہے وہ ڈانواں ڈول ہوگی اور اس پہ زلزلہ طاری ہو جائے گا۔ پس اس لئے یہ امن کی کوششیں ہیں اور اس پہلو سے صدر صدام نے جو حکمت عملی استعمال کی ہے بڑی عمدہ اور غالب حکمت عملی ہے۔ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر جھوٹے خدا نافذ نہ ہونے دے۔

دنیا میں سب سے بڑا دکھ توحید کے زخم لگنے کا دکھ ہے۔ اگر اسی طرح جھوٹے خداؤں کو خدائی کی اجازت ملتی رہی تو خدائے واحد کی عبادت کرنے والے کون آئیں گے اور کہاں رہیں گے اس دنیا میں تو پھر نہیں رہ سکتے پس سب سے بڑا خطرہ توحید کو ہے، خانہ کعبہ کو ہے۔ خانہ کعبہ کی عظمت کو

ہے محمد مصطفیٰ کے خدا کی وحدت کو، توحید کو خطرہ ہے، خطرہ ان کے نام کو ہے۔ توحید کو تو انشاء اللہ کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ لیکن خدا کی غیرت بھڑکانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے بھی اسی قسم کی التجائیں کی تھیں کہ، اے خدا! آج اس بدر کے میدان میں اگر تو نے ان مٹھی بھر عبادت کرنے والوں کو جو میرے ساتھی اور میرے عاشق ہیں ان کو مرنے دیا تو **لن تعبد فی الارض ابداً**'' اے میرے آقا! ان کے بعد پھر اور کوئی تیری کبھی عبادت نہیں کرے گا۔ پس آج توحید کی عزت اور عظمت کا سوال ہے اور احمدی اس بات میں سینہ سپر ہیں۔ اور کامل یقین کے ساتھ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ساری دنیا کے احمدی ایک صف کے طور پر، ایک بدن کے عضو کی طرح ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہوئے توحید کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے آج بھی تیار ہیں۔ کل بھی تیار رہیں گے اور آئندہ بھی ہمیشہ تیار رہیں گے۔

'' آپ کو یاد ہوگا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالے فرمایا کرتے تھے کہ اگلی صدی توحید کی عظمت اور قیام اور نافذ کرنے کی صدی ہے اور یہ بالکل درست ہے توحید کو جو خطرے آج لاحق ہوئے ہیں، درپیش ہیں یہ ہمیں تیار کرنے کے لئے درپیش ہیں، ہمیں بتانے کے لئے کہ تم کتنی بڑی عظیم ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور کھڑے کئے گئے ہو۔

جو جنگی مقاصد ہیں اور نفسیاتی عوامل اس کے پیچھے ہیں ان کا تاریخ سے بھی بڑا گہرا تعلق ہے چونکہ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ خطبے میں یہ بات ختم کردوں اس لئے آج کا خطبہ تھوڑا سا لمبا کرنا پڑے گا ورنہ پھر یہ چوتھے خطبے تک بات چلی جائے گی۔

ایک پس منظر اس موجودہ لڑائی کا یا اسرائیل کے قیام کا ایسا تاریخی پس منظر ہے جس کا تعلق مسلمانوں اور عیسائیوں کی تاریخی جنگوں سے ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ صلیبی جنگیں جو 1095ء کے لگ بھگ شروع ہوئیں اور 1190ء یا 1191ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے فلسطین پر قبضہ کیا ہے اس کے بعد پھر یہ چھڑا نہیں سکے۔ یہ تقریباً دو سو سال تک جنگیں اسی طرح ہوتی رہی ہیں ان جنگوں میں مسلمانوں نے پہل نہیں کی بلکہ یورپ کی قوموں نے آٹھ مرتبہ تمام طاقتوں نے مل مل کر عرب مسلمانوں پر حملے کئے ہیں، کئی دفعہ ان کے پلے بھاری ہوتے رہے کئی دفعہ شکست کھاتے رہے لیکن بالآخر مسلمان فلسطین کو ان کے ہاتھوں سے بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور وہ زخم آج تک ان

کا ہرا ہے اور وہ بھولے نہیں۔ اور اس کا گہرا صدمہ ہے کہ اتنی بڑی یورپین طاقتیں مل مل کر بار بار حملے کرتی رہیں۔ Richard the Lion Hearted بھی گیا اور دوسرے فرانس کے بڑے بڑے جابر بادشاہ بھی گئے۔ جرمنی بھی شامل ہوا بلجئیم بھی شریک ہوا لیکن انکی کچھ نہیں بنی ایک تو وہ زخم ہیں جن کے دکھ ابھی تازہ ہیں اور کچھ عثمانی سلطنت کے ہاتھوں جو ان کو بار بار زک اٹھانی پڑی اور یورپ کے بہت سے حصے پر وہ قابض رہے۔ یہ جو حصہ ہے یہ بھی ان کے لئے ہمیشہ تکلیف کا موجب بنا رہا ہے اور بنا رہے گا۔

بہر حال خلاصہ یہی ہے کہ ایک لمبا دور ہے ان کی صلیبی جنگوں کا اور سلطنت عثمانیہ کے عروج کا خصوصاً Solomon the Magnificent یعنی سلیمان اعظم کے زمانہ میں جس طرح بار بار ان یورپین طاقتوں کو زک پہنچی ہے اس کی وجہ سے یہ لوگ مجبور ہوئے کہ اسلام کو اپنے لئے خطرہ سمجھیں۔ اور ان کے نفسیاتی پس منظر میں ہمیشہ یہ بات پردے کے پیچھے لہراتی رہتی ہے کہ جس طرح پہلے ایک دفعہ مسلمان ہماری جارحانہ کارروائیوں کو (جارحانہ تو نہیں کہتے لیکن واقعۃً یہی تھیں) بڑی شدت سے رد کرتے رہے ہیں آئندہ کبھی ان کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ اس طرح یہ اپنے مفادات کی ہمارے خلاف حفاظت کر سکیں۔

ایک اور پس منظر بڑا دلچسپ اور گہرا اور بڑا دردناک ہے وہ یہ ہے کہ جب Theodor Herzl نے پہلی دفعہ یہود کی ریاست قائم کرنے کا یعنی اسرائیلی ریاست قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا تو اس نے جو وجہ پیش کی وہ یہ تھی کہ ہم پر ہزاروں سال سے ظلم ہو رہے ہیں اور خاص طور پر یورپ میں جو مظالم ہو رہے تھے اور فرانس میں اس سے پہلے ایک واقعہ ظلم کا ہوا تھا جب ایک یہودی کو ایک جھوٹے مقدمے میں ملوث کیا گیا۔ روفوس نام تھا غالباً اس کا اسی سلسلے میں ہرزل Herzl فرانس پہنچا آسٹریا سے اور اتنا گہرا اس پر اس ظلم کا اثر ہوا کہ اس نے یہ تحریک شروع کی۔ تو وجہ یہ بیان کی گئی تھی فلسطین میں اسرائیل حکومت کے قیام کی کہ ہم پر یورپ میں مظالم ہوئے ہیں۔ اس وقت کسی نے یہ نہیں سوچا کہ ظلم کہیں ہو رہے ہیں اور انتقام کسی اور سے لیا جا رہا ہے یہ کیا حکمت ہے اور فلسطین میں جانے سے ان پر مظالم کا خاتمہ کس طرح ہو جائے گا، لیکن واقعہ یہ ہے اور اس بات میں یہودی یقیناً سچے ہیں کہ عیسائی مغربی دنیا نے یہود پر ایسے ایسے دردناک اور ایسے ہولناک مظالم کئے ہیں کہ کم ہی

دنیا کی تاریخ میں قوموں کی ایسی مثال ملتی ہو جن کو ہزار سال سے زائد عرصے تک اس طرح بار بار مظالم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہو۔

اس ضمن میں میں چند امور آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ یہ جو صلیبی جنگیں 1095ء میں شروع ہوئیں یہ فرانس سے شروع ہوئیں اور فرانس کے ایک بڑے لارڈ (یہ مجھے یاد ہے کہ Bouillon ایک جگہ ہے فرانس میں، Bouillon سے تعلق رکھنے والے وہ لارڈ تھے) جنہوں نے آغاز کیا ہے اور جب انہوں نے اپنی مہم شروع کی اور فرانس کے دوسرے بادشاہوں نے مل کر پہلی Crusade کا انتظام کیا تو انہوں نے کہا کہ اتنے عظیم مقصد کے لئے کوئی صدقہ بھی تو دینا چاہئے۔ چنانچہ Godfrey of Bouillon کو یہ خیال آیا کہ سب سے اچھا صدقہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقام لیا جائے اور تمام یہود یوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ پس جس طرح مسلمانوں میں قربانی کا رواج ہے کہ بڑی بڑی مصیبتوں پہ یا امور مہمہ میں پیش قدمی کرتے ہوئے پہلے کچھ صدقے دیتے ہیں اسی طرح اس عظیم مہم پر جانے سے پہلے انہوں نے نہ صرف یہ سوچا بلکہ واقعۃً فرانس میں اس طرح ظالمانہ قتل عام کروایا ہے یہود کا کہ اس طرح تاریخ میں کم ہی کسی نہتی قوم پر ایسا ظلم ہوا ہوگا اور یہ صلیبی جنگ کا صدقہ تھا۔ اس کے بعد سے یہ رواج بن گیا اور دوسو سال تک کے صلیبی جنگوں کے عرصے میں ہر جنگ میں جانے سے پہلے یہود صدقہ کئے جاتے تھے۔ تو جہاں تک ظلم کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے۔ پھر رد بلاء کے طور پر بھی صدقہ دیا جاتا ہے اس میں بھی یہود کو ہی صدقہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے Black Death کا نام سنا ہوگا جو 1347ء سے 1352ء تک (یعنی چودھویں صدی کے وسط میں) یورپ میں پھیلی تھی جو ایک نہایت ہی خوفناک طاعون کی وبا تھی چین سے آئی اور رفتہ رفتہ مشرقی یورپ سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچی۔ اس وبا میں رد بلاء کے طور پر انہوں نے یہود کا صدقہ شروع کیا اور بہت سی جھوٹی کہانیاں بھی ان کے خلاف گھڑی گئیں کہ یہ ان کی نحوست ہے اور ساری بلاء جو ہم پر وارد ہو رہی ہے یہ یہود کی خباثت اور نحوست کی وجہ سے ہے اس لئے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے اگر ہم نحوست کو تباہ کریں تو اس سے ہماری بلائیں ٹل جائیں گی۔ چنانچہ آپ حیران ہوں گے یہ سن کر کہ ان گنت تعداد ہے بیان نہیں کی جاسکتی معین اعداد و شمار نہیں کہ کتنی تعداد میں یہود کو قتل کیا گیا یا زندہ اپنے گھروں میں آگ میں جلایا گیا جو موٹے اعداد و شمار ہیں وہ

یہ ہیں کہ ساٹھ بڑی بستیوں سے یعنی ساٹھ شہروں سے یہود کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا۔ اور ایک سو چالیس چھوٹی بستیوں سے یہود کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ دوسرا انتقام ہے یہود سے عیسائی دنیا کا۔

اور بہت سے تھے لیکن تیسرا بڑا انتقام Natsi جرمنی میں ان سے لیا گیا جس کے متعلق اگر چہ اعداو وشمار کو سب محقق قبول نہیں کرتے لیکن یہود کا یہی اصرار ہے کہ چھ ملین یہود وہاں گیس چیمبرز میں مار دیئے گئے یا اور مظالم کا شکار ہوئے۔ ساٹھ لاکھ اور یہ دس سال کے عرصے میں ایسا ہوا ہے۔ تو اتنے بھیانک اتنے خوفناک مظالم تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو اپنا گھر دیا جائے یعنی یہ دلیل تھی اور ان مظالم سے دوڑ دوڑ کر یہ مسلمانوں کی پناہ میں فلسطین جایا کرتے تھے۔ یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے دور میں یہود پر مظالم نہیں کئے۔ دو دفعہ صرف فلسطین پر ایسا قبضہ ہوا ہے جہاں جان، مال کی مکمل حفاظت دی گئی ہے اور کسی یہودی کو یا کسی عیسائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اور ایک دفعہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب فلسطین پر قبضہ کیا ہے پس اس کے سوا محققین یہ لکھتے ہیں کہ ایک بھی واقعہ ایسا نہیں کہ جب فلسطین پر کسی فوج کا جابرانہ قبضہ ہوا ہو اور قتل عام نہ کیا ہو۔ چنانچہ Richard Lion انگریز بادشاہ نے جب (ایک دفعہ اس کا کچھ حصہ) فتح کیا تو تمام یہود، مردوں، عورتوں اور بچوں کو اور مسلمانوں کو ذبح کروا دیا گیا کوئی نہیں چھوڑا گیا۔ یہ اس قوم کی عدل کی، انصاف کی اور رحم کی اور انسانی قدروں کی تاریخ ہے جس نے یہود کو مجبور کیا اور Herzl کے دل میں خیال آیا کہ ہم امن میں نہیں ہیں۔ پس اگر امن میں نہیں تھے تو یہاں سے یا تو سارے بھاگتے لیکن یہ کیا علاج ہوا کہ سارا یورپ اسی طرح اپنے قبضے میں بلکہ یہاں قبضہ بڑھا دیا گیا اور اس کے علاوہ مسلمانوں کے دل میں جا بیٹھے۔ پس یہ کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے گدھے سے دولتی کھا کے کوئی اونٹ کی کونچیں کاٹ دے۔ تو مارے کوئی اور بدلہ کسی اور سے اتارا جائے۔ یہ تو بہت بڑا ظلم ہے کوئی منطق اس میں نہیں ہے۔ عیسائی طاقتوں کے لئے میں سمجھتا ہوں ان فیصلوں میں ایک یہ بھی نفسیاتی پس منظر بن گیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیوں بار بار یہود پر مظالم ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے ہر ظلم کے نتیجے میں یہود کا چونکہ یہ تاریخی مسلک ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ، وہ ضرور بدلہ لیتے ہیں، اس لئے ایک

تاریخی سلسلہ چلا آ رہا ہے یہ کمزور قوموں کی طرح چھپ کر مخفی تدبیروں کے ذریعے بدلے لیتے ہوں گے ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دو ہزار سال تک یہ اپنی تاریخ بھولے رہیں اور اپنا مزاج بالکل فطرت سے نوچ کر نکال دیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ تاریخ ہمارے پاس محفوظ نہیں کہ کیا کرتے تھے۔ یہ پتا ہے کچھ الزام ان پر ضرور لگتے تھے اور ان پر ظلم کیا جاتا تھا۔ پس وہ مظالم جو ان پر کئے گئے ہیں وہ مغرب کو خوب یاد ہیں اور مغرب ان کے مزاج سے واقف ہے شیکسپئر کا Sherlock ان کے انتقامی جذبے کی ہمیشہ کے لئے ایک ادبی تصویر بنا بیٹھا ہے۔ ایسے حالات میں ہوسکتا ہے کہ آغاز میں تو یہ خیال نہ آیا ہو لیکن رفتہ رفتہ ان کی سوچوں میں یہ بات داخل ہوگئی ہو کہ یہود کا خطرہ اپنے سے اسلام کی دنیا کی طرف کیوں نہ منتقل کر دیا جائے۔ اور اس سے دوہرا فائدہ حاصل ہوگا۔ ایک وقت میں دو دشمن مارے جائیں گے۔

ایک لطیفہ، ہے تو بے ہودہ سا مگر اسی قسم کے مزاج کا لطیفہ ہے کہ ایک لڑکی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے تین دعویدار تھے۔ تین خواہش مند تھے اس سے شادی کرنے کے۔ ان میں ایک زیادہ ہوشیار تھا وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا اور وہ آپس میں خوب لڑتے مرتے تھے۔ تو کسی نے اس سے پوچھا تم تو بڑے ہوشیار ہو تم کوئی دلچسپی نہیں لے رہے اس نے کہا تم فکر نہ کرو۔ میں ایک کو دوسرے سے لڑا رہا ہوں اور نیت یہ ہے کہ وہ اس کو قتل کر دے تو میں مقتول کے حق میں اس کے خلاف گواہ بن جاؤں تو ایک قتل ہوگا دوسرا پھانسی چڑھے گا میدان میرے ہاتھ رہے گا۔ یہ لطیفہ ویسے تو لطیفہ ہی ہے لیکن عملی دنیا میں ایک بھیانک جرم کی صورت میں ہمارے سامنے ظاہر ہو رہا ہے، کھیلا جا رہا ہے۔

اور آخری سازش یہی ہے کہ یہود کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے ان کو دبانے کے لئے استعمال کرتے رہو اور یہود کا غصہ جو ہمارے خلاف ہے وہ مسلمانوں پر اترتا رہے گا لیکن جیسا کہ میں آئندہ بیان کروں گا یہ بڑی سخت بے وقوفی ہے مغرب کی وہ دھوکے میں ہیں، وہ دھوکا کھائیں گے اور اس وقت ان کو پتہ لگے گا کہ ہم کیا غلطیاں کر بیٹھے ہیں۔ جب یہود کلیۃً ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہوں گے۔

آئندہ میں بعض مشورے دوں گا مغربی طاقتوں کو، اس صورت حال میں، اس گند سے نکلنے کے لئے جس میں مبتلا ہو بیٹھے ہیں اور واقعی دنیا میں قیام امن کے لئے کیا کرنا چاہئے، اپنے اندر کیا

تبدیلیاں پیدا کرنی چاہئیں اور پھر یہود کو مشورہ دوں گا کہ تم اگر ان باتوں سے باز نہیں آؤ گے تو قرآن کریم نے تمہارے لئے کونسا مقدر پیش کیا ہے اور اگر تم فائدہ نہیں اٹھاؤ گے ان نصیحتوں سے تو پھر تم اس مقدر سے بچ نہیں سکتے۔

اور تیسرا عربوں اور مسلمانوں کو مشورہ دوں گا انشاء اللہ کہ اس نئی بدلتی ہوئی دنیا میں تمہیں کیا کردار ادا کرنا چاہئے۔کونسی غلطیاں کر بیٹھے ہو جن کا اعادہ نہیں ہونا چاہئے اور آئندہ کے لئے کیا لائحہ عمل ہو۔

اور چوتھا دنیا کی مختلف قوموں کو مشورہ دوں گا کہ کس طرح جھوٹے خداؤں سے آزادی کے لئے ایک معقول اور پر امن جدوجہد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ جاہلانہ جذباتی باتیں ہیں کہ انگریز سے نفرت کرو، امریکہ سے نفرت کرو۔ یہ ہیں ہی پاگلوں والی باتیں۔ دنیا میں نفرت کبھی کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔اعلیٰ اقدار کامیاب ہوتی ہیں۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی سیرت کامیاب ہوا کرتی ہے اور وہ خلق عظیم کی سیرت ہے۔مسلمان اگر اس سیرت کو اپنالیں تو سب دنیا کے لئے ایک عظیم الشان نمونہ بنے گا اور وہ ایک ایسی سیرت ہے جو مغلوب ہونے کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔کوئی دنیا کی طاقت سیرت محمدؐ پر غالب نہیں آسکتی۔پس اس انصاف کی سیرت کی طرف لوٹو۔اس نمونے کو اختیار کرو۔تو پھر انشاء اللہ ساری دنیا کے مسائل طے ہو سکتے ہیں اور وہ حقیقی انقلاب تو آسکتا ہے جسے ہم اس دنیا میں خدا کی عطا کردہ ایک جنت قرار دے سکتے ہیں۔اگر نہیں تو اسی طرح یہ لڑتے مرتے رہیں گے۔اسی طرح دنیا ابتلاؤں اور فسادوں میں مبتلا رہے گی۔لیکن اب چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے باقی باتیں آئندہ جمعہ کو۔ انشاء اللہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اسرائیل کے قیام کا پس منظر اور اس کی حیثیت۔
عراق پر ہونے والے مظالم کی روح فرسا تاریخ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ رفروری ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

میں نے گزشتہ خطبے میں ذکر کیا تھا کہ آئندہ انشاء اللہ دنیا کو مختلف پہلوؤں سے بعض مشورے دوں گا جن کا آغاز امریکہ سے ہوگا۔

امریکہ کوسب سے پہلا مشورہ تو میں یہ دیتا ہوں کہ وہ بیرونی نظر سے بھی اپنے آپ کو دیکھنے کی کوشش کرے۔ صدر بش اس وقت جس قسم کے ماحول میں گھرے ہوئے ہیں اور جیسی تعریفیں اپنے اقدامات کی سن رہے ہیں ان کو ذہنی طور پر نفسیاتی لحاظ سے یہ ہوش ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے اقدامات اور اپنی پالیسیوں کا بیرونی نظر سے بھی جائزہ لے کر دیکھیں کہ دنیا میں ان کی کیا تصویر بن رہی ہے۔

جہاں تک امریکہ کا اپنا خیال ہے، صدر بش کا اپنا خیال ہے وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اب سب دنیا کو اپنی ایڑی کے پیچھے لگا لیا ہے اور اس سے وہ شکاریوں کا محاورہ Heel کرنا یاد آ جاتا ہے جب بندوق کے شکاری کتوں کی مدد سے شکار کو نکلتے ہیں تو کتے کو ایڑی کے پیچھے لگانے کو Heel کرنا کہتے ہیں۔تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے انگلستان کو بھی Heel کرلیا۔ دوسرے اتحادیوں کو بھی Heel کرلیا اور جس شکار پر نکلتے ہیں ان Heel ہوئے ہوئے ساتھیوں کے بعد اور بھی کچھ جانور ہیں جو اس شوق میں اور اس امید پر ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں کہ جب شکار ہوگا تو بچا کھچا ہمیں بھی

ملے گا۔ یہ صدر بش کا تصور ہے ان تمام اقدامات سے متعلق جواب تک کویت کے نام پر عراق اور مسلمان دنیا کے خلاف کئے جا چکے ہیں لیکن ایک اور پہلو سے دیکھیں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے اور یقیناً یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ صدر بش سے زیادہ یا امریکہ سے زیادہ اسرائیل کو یہ حق ہے کہ یہ کہتے کہ ہم نے سب دنیا کو Heel کر لیا ہے اور امریکہ بھی ہمارے پیچھے اسی طرح چل رہا ہے جس طرح شکاری کے ساتھ کتے اس کی ایڑی کے پیچھے چلتے ہیں اور یہ تصویر زیادہ درست ہے اور دنیا اسی نظر سے ان سارے حالات کا جائزہ لے رہی ہے۔

زاویہ نظر بدلنے سے چیز مختلف دکھائی دینے لگتی ہے۔ایک زاویہ امریکہ کا ہے، ایک دوسرا زاویہ ہے۔ میں اس کی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔امریکہ اور روس کے اتحادیوں کا خیال یہ ہے کہ اسرائیل ان کے تیل کے اور دیگر مفادات کا محافظ ہے اس لئے ہر قیمت پر ہمیں اسرائیل کو راضی رکھنا چاہئے خواہ اس کے نتیجے میں ساری دنیا ناراض ہو۔اس کے برعکس اسرائیل کا بھی ایک نظریہ ہے اور وہ نظریہ یہ ہے کہ اگر تمام ایشیا کی رائے عامہ ہمارے مخالف ہو جائے تو اس کے باوجود ہمیں ایک مغربی ملک کا ساتھ زیادہ پسند ہو گا۔ پس امریکہ یہ سمجھ رہا ہے اور امریکہ کے اتحادی بھی کہ ان کو اسرائیل کی ضرورت ہے۔ واقعۃً اسرائیل کے نقطہ نگاہ سے اسرائیل کو مغرب کی ضرورت ہے یہ کھیل کیوں اس طرح جاری ہے؟ کس مقام تک، کس انتہا تک پہنچے گا؟ اس سلسلے میں میں آپ کے سامنے بعض باتیں بعد میں رکھوں گا۔

جہاں تک تیل کے مفادات کا تعلق ہے امر واقعہ یہ ہے کہ جس طرح گہری نظر سے اسرائیل کے مزاج کے مطالعہ کا حق ہے یہ لوگ اس میں ناکام رہے ہیں۔ اسرائیل کا مزاج ایسا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ تیل کے اتنا قریب رہتے ہوئے وہ بالآخر تیل پر حملے کی کوشش نہ کرے۔ تیل کا محافظ اسرائیل کو بنانا ویسا ہی ہے جیسے پنجابی میں کہا جاتا ہے کہ۔ دودھ دارا کھابلاّ تے چھولیاں دارا کھا بکرا۔ سادہ سی مثال ہے مگر اس میں بہت گہری حکمت ہے۔ اگر چنوں کو بکروں کے سپرد کر دیا جائے کہ ان کی حفاظت کریں یا دودھ کو بلّوں کے سپرد کر دیا جائے تو اس سے بڑی حماقت نہیں ہو سکتی۔ پس جن مفادات کی حفاظت اسرائیل کے سپرد کی جا رہی ہے ان مفادات کو سب سے زیادہ خطرہ اسرائیل سے ہے اور آخر بات وہیں تک پہنچے گی اگر اس وقت دنیا نے ہوش نہ کی۔ لیکن ان امور کا بھی بعد میں نسبتاً

تفصیل سے ذکر کروں گا۔

اسرائیل ایک اور بات اپنے مغربی اتحادیوں، خصوصاً امریکہ کے کان میں یہ پھونک رہا ہے کہ اس علاقے میں امن کے قیام کا صرف ایک ذریعہ ہے، ایک حل ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں ناصروں اور صداموں کی پیداوار کو ختم کر دیا جائے۔ جب تک اس علاقے میں ناصر پیدا ہوتے رہیں گے اور صدام پیدا ہوتے رہیں گے کبھی اس علاقے کو امن نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس پیغام کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ عرب کے زندہ رہنے کی اور آزادی کی روح کو کچل دیا جائے اور فلسطین کی حمایت کے تصور کو کچل دیا جائے اور یہ وہ نظریہ ہے جس کو مغرب عملاً تسلیم کر چکا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ حقیقت میں یہ مظالم ناصروں اور صداموں کی پیداوار نہیں بلکہ وہ مظالم کی پیداوار ہیں۔ ایک ناصر کو مٹانے کے لئے جو مظالم انہوں نے مصر پر اور دیگر مسلمان ممالک پر کئے تھے آج صدام اُن کی پیداوار ہے اور نفرت کے نتیجے میں ہمیشہ نفرت اگتی ہے اور کبھی نیم کے درخت کو میٹھے پھل نہیں لگا کرتے۔ پس بالکل الٹ قصہ ہے جب تک آپ عربوں سے ناانصافی کرتے رہیں گے، عربوں پر مظالم توڑتے رہیں گے ایک کے بعد دوسرا ناصر اور ایک کے بعد دوسرا صدام پیدا ہوتا رہے گا اور یہ تقدیر الٰہی ہے جس کا رخ آپ نہیں بدل سکتے۔ آپ نے عراق پر اب تک جو بمباری کی ہے وہ اتنی ہولناک اور اتنی خوفناک ہے کہ جنگ عظیم کی بمباریاں اس کے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

جنگ عظیم میں ۶ سالوں میں تمام دنیا میں جتنے بم برسائے گئے وہ ۲۷ لاکھ ٹن تھے اور صرف عراق پر ایک مہینے سے کچھ زائد، پانچ ہفتوں میں جتنے بم گرائے گئے ہیں وہ ۱/۲-۱ (ڈیڑھ) لاکھ ٹن ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنی شدت کے ساتھ یہاں مظالم کی بوچھاڑ کی جارہی ہے۔ انسانی فطرت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ بم صدامیت کو مٹا نہیں رہے بلکہ لاکھوں نوجوانوں کے دل میں خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب مسلمان ہوں مزید صدام پیدا کرنے کی تمنا پیدا کر رہے ہیں۔ بہت سی ایسی نوجوان نسلیں ہیں جو آج ان حالات کو دیکھ رہی ہیں اور ان کے ردعمل میں ان کے دل فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم نے کل کیا کرنا ہے۔ پس بموں کی بوچھاڑ سے یہ اگر میٹھے پھلوں کی توقع رکھیں تو اس سے بڑی جہالت ہو نہیں سکتی۔ نفرتیں ہمیشہ نفرتوں کو پیدا کرتی ہیں۔

نفرت کی وجہ کیا ہے؟ جب تک وہاں نہیں پہنچیں گے۔ کون سی نفرتیں ہیں جنہوں نے

ناصراور صدام پیدا کئے جب تک ان کا کھوج نہیں لگا ئیں گے اوران کی بیخ کنی کی کوشش نہیں کریں گے اس علاقے کو امن نصیب نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے اور حقائق اس بات کے گواہ ہیں، دراصل اسرائیل کا قیام ہی تمام نفرتوں کا آغاز ہے، تمام نفرتوں کی جڑ ہے اور اسرائیل کے قیام کے تصور میں جنگیں شامل ہیں اور یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ David Ben Gurion جو اسرائیل کے بانی مبانی ہیں، ان کا یہ دعویٰ ہے میں اس کا اقتباس پڑھ کر سناتا ہوں۔ Making of Israel میں صفحہ 55 پر Games Cameron لکھتے ہیں:۔

"For Ben-Gurion the word,state,had now no meaning other than an instrument of war"

اسرائیل کے حصول کے بعد Ben-Gurion کے تصور میں اب ریاست کے کوئی اور معنی نہیں رہے سوائے جنگ کے "I can think of no other meaning now,he said"

یعنی Ben-Gorion نے کہا

"I feel that the wisdom of isreal now is that to waee war,that and nothing else,that and only that"

میں یقین رکھتا ہوں کہ اب اسرائیل کی حکمت اوراس کی عقل کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جنگیں کرے اوراس کے سوا اور کوئی خلاصہ نہیں جنگ اور جنگ اور جنگ۔

اس عبارت کو پڑھ کر مجھے Colerigde کی دوسطریں یاد آ گئیں جو اس نے اپنی مشہور نظم Kubla Khan میں Kubla Khan کے متعلق لکھیں۔ Kubla Khan کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔

And,mid this tumult kubla heard from far
ancestral voices propngsuing war!

اس غلغلے میں، اس شور اور ہنگامے میں Kubla نے دور سے آتی ہوئی اپنے آباؤ اجداد کی آواز سنی جو جنگ کی پیشگوئی کر رہی تھی۔

Kubla نے وہ آواز سنی یا نہیں سنی لیکن David-ben Gurion نے یقیناً Zion Hill سے بلند ہوتی ہوئی یہ آواز سنی ہے کہ اسرائیل! آج کے بعد تمہارے قیام کا مقصد صرف ایک ہے اور صرف ایک ہے اور صرف ایک ہے کہ جنگیں کرتے چلے جاؤ اور تمام دنیا کو جنگ میں جھونکتے چلے جاؤ۔اس کے بغیر اسرائیل کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے۔پس اس اسرائیل کی تائید میں امریکہ اور اس کے اتحادی اپنے آپ کو خواہ کسی دھوکے میں مبتلا رکھیں اس اسرائیل کی تائید کے بعد کسی امن کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ اسرائیل کی سرشت میں داخل ہے ان کی تعریف میں داخل ہے کہ اب ساری دنیا کو ہمیشہ جنگوں میں جھونکنا ہے اور کیوں جھونکنا ہے؟ اس سلسلہ میں میں آخر پر اس راز سے پردہ اٹھاؤں گا اگر چہ یہ کوئی خاص بڑا راز بھی نہیں۔

اسرائیل کی جنگی تیاریوں کا جہاں تک تعلق ہے، اب تک دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ عراق دنیا کے لئے اتنا بڑا خطرہ ہے کہ وہ ہٹلر ہے، وہ Natsiism کی ایک نئی نمود ہے نئی شکل میں Natsiism ظاہر ہوا ہے حالانکہ عراق کا یہ حال ہے کہ خود ایک مغربی مبصر نے لکھا کہ اس کو تم ہٹلر کہہ رہے ہو جو آٹھ سال تک ایران جیسے ملک پر قبضہ نہیں کر سکا اور ہٹلر نے آناً فاناً سارے یورپ میں تہلکہ مچا دیا تھا۔اس سے تمہاری روحیں کانپتی تھیں، وہ برلن سے اٹھا ہے اور لینن گراڈ کے دورازے کھٹکھٹا رہا تھا اور ادھر اس کے راکٹ تمہارے لندن شہر پر برس رہے تھے اور تم کس منہ سے صدام کو ہٹلر کہہ رہے ہو جس کے اوپر تمہارے راکٹ برس رہے ہیں کیسا جاہلانہ تصور ہے۔ایک سکڈ میزائیل بھی نہیں بنا سکتا۔ گن رہے ہیں کہ کتنی باقی رہ گئی ہیں اور جو پیوند اس پر لگایا تھا تا کہ اس کی Range بڑھ جائے وہ ایسا بے ہودہ سا بنا ہوا ہے بیچارہ جس طرح ہمارے لوہارے تر خانے کام ہوتے ہیں کہ اس پر یہ گرے ہوئے پر مذاق اڑا رہے تھے کہ یہ تو حال ہے عراق کا، ہم سے جنگ کی باتیں کرتا ہے Scud Missile میں صحیح طریق پر ایک تھوڑے سے ٹکڑے کا اضافہ بھی نہیں کر سکتا یہ ہٹلر ہے اور اسرائیل کے ایک جرنیل نے یہ دعویٰ کیا بلکہ یہ کہتا ہے کئی جرنیل یہ دعوے کر چکے ہیں۔

"Israel Generals have often boasted that they could take on all the arab armies at the same time and still destroy them,and the chief of staff has even claimed that

he could defeat the armed forces of the Soviet Union." (Dispossessed, the ordeal of the palestians, Page:224 by david gilmour)

David Gilmour اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اسرائیلی جرنیل بارہا یہ دعوے کر چکے ہیں کہ اگر تمام عرب کی متحدہ قوت سے بھی ہم ٹکرائیں اور بیک وقت ٹکرائیں تو ہم ان تمام کو پارہ پارہ کر سکتے ہیں اور عرب متحدہ قوت کی کیا حیثیت ہے۔ اگر سوویت یونین بھی ہم سے ٹکرلے تو یہ طاقت ہے کہ ہم سوویت یونین کو شکست دے دیں۔

پس ایک خیالی فرضی ہٹلر کو Destroy کرنے کے لئے تباہ کرنے کے لئے ایک حقیقی ہٹلر کو یہ پال رہے ہیں اور کیسے اندھے ہیں، کیسے بصیرت سے عاری لوگ ہیں کہ ان کو یہ پتہ نہیں کہ ہٹلر کا یہ نام صدام کو اور فلسطین کو خود اسرائیلیوں نے دیا ہوا ہے۔ ہٹلر کے نام پر یہ ہٹلر پال رہے ہیں اور ابھی آئندہ اگر یہ سمجھے نہیں تو ان کی آنے والی تاریخ بتائے گی کہ اسرائیل کے کیا ارادے ہیں اور ان کے ساتھ خود اسرائیل کیا سلوک کرنے والا ہے۔

اس پس منظر میں جب مسلمان یہ دیکھتے ہیں کہ اسرائیل ظلم پر ظلم کرتا چلا جارہا ہے اور اس کی حمایت پر حمایت ہوتی چلی جارہی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں ان کو سمجھ نہیں آتی کہ ہم سے ہو کیا رہا ہے؟ اسرائیل کی طرف بار بار مسلمانوں کے Terrorist کے ذکر ہوئے ہیں اور ساری مغربی دنیا میں آپ کی آنکھیں یہ پڑھتے پڑھتے پک چکی ہوں گی کہ مسلمان Terrorist اور مسلمان Terrorist اور مسلمان Terrorist اور فلسطینی Terrorist اور فلاں Terrorist اسلام اور Terrorist کو یک جان، ایک قالب بنا کر دکھایا گیا ہے۔ ایک ہی جان اور ایک ہی وجود کے دو نام ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اسرائیل Terrorist کا بانی مبانی ہے اس سلسلے میں گزشتہ خطبے میں میں نے شاید چند مثالیں پیش کی تھیں۔ اب میں بہت مختصراً آپ کو بتاتا ہوں کہ اسرائیل کی طرف سے Terrorist کے جو خوفناک واقعات ہو چکے ہیں۔ ان پر آج تک عربوں کی تباہ شدہ بستیاں دیر یاسین، یافہ، طیبہ، مغربی بیروت، صبرا اور شاتیلا کے کھنڈرات گواہ ہیں۔ اتنے ہولناک مظالم ان بستیوں پر کئے گئے کہ مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں کو دن دھاڑے آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر ذبح کیا گیا اور بڑے ظلم اور سفا کی کے ساتھ نیزوں میں پرویا گیا اور دوسرے طریقوں پر ہلاک کیا گیا اور ایک ذی روح کو وہاں زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ ہزار ہا اگر نہیں تو سینکڑوں ایسی بستیاں ہیں جنہیں کلیۃً خاک سے ملا دیا گیا۔ کوئی ایک عمارت بھی کھڑی نہیں چھوڑی گئی۔ صرف 77ء کے ایک حملے کے دوران اڑھائی لاکھ فلسطینی بے گھر کئے گئے اور یہ سارے امور ایسے ہیں جن کے متعلق مغرب خاموش ہے اور آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔

پس عرب ہوں یا دوسرے مسلمان ہوں، وہ حیرت سے دیکھتے ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ایک طرف سے ظلموں کے انبار کھڑے کئے جارہے ہیں، طوفان مچائے جارہے ہیں اور مقابل پر کوئی حس نہیں ہے۔ کوئی ایسا انسان نہیں ہے جو انصاف کے ساتھ اسرائیل کو مخاطب کر کے کہے کہ آج تم نے انسانی ظلموں کی تاریخ میں ایسے ابواب کا اضافہ کیا ہے جس سے انسانی ظلموں کی تاریخ کو شرم آتی ہے لیکن ان سب ظلموں سے چشم پوشی ہوتی چلی جارہی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ساتھ ہیں لیکن وقت کی رعایت سے میں ان کو پڑھ نہیں سکتا۔ اگر موقعہ ہوا تو بعد میں چھپ جائیں گی۔

وحشت و بربریت کی تاریخ میں اسرائیل کی طرف سے جو سیاہ ترین باب ہے اس کا اضافہ 1982ء میں ہوا۔ انہوں نے لبنان پر حملے کا ایک منصوبہ بنایا، جس کا نام رکھا تھا Opration Peace for Galilee یعنی گیلیلی کی بستی کے لئے امن کے تحفظ کا منصوبہ۔ اس ضمن میں David Gilmour اپنی کتاب Dispossessed میں جو نقشہ کھینچتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل نے گیلیلی سے متعلق جو یہ منصوبہ بنایا، امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اس منصوبے کے لئے یہ بہانہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے تحفظ کے لئے لبنان کے جنوب سے فلسطینیوں کے حملے کی روک تھام کی خاطر اور ان کے مسلسل حملوں سے تنگ آ کر یہ منصوبہ بنایا۔ مصنف لکھتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ جولائی 1981ء میں فلسطینیوں کا اور اسرائیلیوں کا ایک امن کا معاہدہ ہوا Gilmour لکھتا ہے کہ جولائی 1981ء سے لے کر مئی 1982ء تک جب اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا ہے اس وقت تک فلسطینیوں سے اس معاہدے کی ایک بھی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ اس تمام عرصہ میں کسی فلسطینی نے اسرائیل پر لبنان سے کوئی حملہ نہیں کیا دوسرے وہ کہتا ہے کہ گلیل کو لبنان کی طرف سے کبھی بھی کوئی خطرہ در پیش نہیں ہوا۔ تیسرے وہ کہتا ہے کہ 1982ء سے بہت پہلے وہ ان کے حوالوں سے ثابت

کرتا ہے کہ یہ منصوبہ تیار تھا[۳] اس لئے بعد میں جو فرضی بہانے گھڑ رہے ہیں ان کی اس لحاظ سے بھی کوئی حقیقت نہیں کہ ان بہانوں کی جو تاریخیں ہیں ان سے بہت پہلے ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ منصوبہ بنا چکے تھے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ 1982ء میں جبکہ بیروت پر بمباری شروع کی گئی تو وہ بمباری اتنی خوفناک تھی کہ دن رات ان کی توپیں بیروت سے باہر مسلسل ان پر گولے برسا رہی تھیں اور سمندر سے ان کے جہاز جن پر بہت ہی خوفناک توپیں تھیں ان توپوں سے ان پر آگ برسا رہے تھے۔ دن رات مسلسل مکانوں پر مکان منہدم ہوتے چلے جارہے تھے اور لوگ مرتے چلے جا رہے تھے اور کوئی شخص نہیں تھا کوئی آواز نہیں تھی دنیا میں جو مظلوم فلسطینیوں کے حق میں اٹھتی ہو مغرب بھی خاموش تھا اور بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ خود عرب بھی خاموش تھے اور اس وقت تک اسرائیل کا اس قدر رعب پیدا ہو چکا تھا اور اس کے Terror سے اتنے خوف زدہ تھے کہ کسی عرب ملک نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور بمباری کے نتیجے میں چودہ ہزار آدمی وہاں مرے اور بیس ہزار سے زائد زخمی ہوئے اور لاتعداد انسان بے گھر ہو گئے۔

یہ 1982ء کی اس بمباری کا خلاصہ ہے بعض جو اخباروں نے شائع کیا ہے آپ نے شاید سنا ہو گا کہ جنگ عظیم کے آخر پر جب جرمنوں نے انگلینڈ پر اور بیلجیئم پر V-2 راکٹ چھوڑے تھے اور اس کے ذریعے بمباری کی تھی تو اس دور کو اس جنگ کا سب سے زیادہ ہولناک اور دردناک دور بیان کیا جاتا ہے انگلستان کی طرف سے بار بار مختلف وقتوں میں، مختلف سالوں میں ٹیلی ویژنز پر اور دوسرے پروپیگنڈے کے ذریعہ V-2 کی اس بمباری کے تذکرے چلتے رہتے ہیں اور اسے بھولنے نہیں دیا جاتا لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس V-2 کی بمباری کے نتیجے میں سارے انگلستان اور سارے بیلجئم میں کل ساڑھے سات ہزار اموات ہوئی تھیں اور صرف بیروت میں اس بمباری کے نتیجے میں چودہ ہزار اموات ہو چکی تھیں۔ یہ سارے Terror کے واقعات ہیں جو کسی کھاتے میں شمار نہیں ہوتے اور کوئی مغربی طاقت ان کا نوٹس نہیں لیتی اور اسرائیل کے خلاف اس بارہ میں کوئی آواز بلند نہیں کرتی۔

جہاں تک اسرائیل کے وعدوں کا تعلق ہے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم اسرائیل سے صلح کرلو تو

اسرائیل سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں یہ سب جھوٹ ہے اور اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس کی مثال دنیا میں دکھائی نہیں دیتی۔ میں اعداد و شمار سے یہ بات ثابت کرتا ہوں کہ اسرائیل کے وعدوں کا اتنا اعتبار بھی نہیں جتنا دنیا کے سارے جھوٹوں کے مل کر کئے ہوئے وعدوں کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ 1967ء کی جو جنگ عربوں پر ٹھونسی گئی۔ یعنی وہ جارحانہ جنگ جس کے نتیجے میں عربوں کا ایک بہت وسیع علاقہ اسرائیل نے ہتھیا لیا اس جنگ سے پہلے اسرائیل نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم عربوں کی زمین کا ایک فٹ قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور ساری مغربی طاقتوں کو یقین دلا دیا تھا کہ ہماری نیت ہی قبضہ کرنے کی نہیں ہے ہم تو صرف فلسطینیوں کو ذرا مزہ چکھانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں کہ اگر تم ہم پر حملوں سے باز نہ آئے اور تمہارے حمایتی اسی طرح جرأت کرتے رہے تو ہم اس قسم کی سزا دیں گے۔ یہ مقصد ہے صرف چنانچہ Levi Eshkol ہیں جنہوں نے 1967ء کی جنگ سے پہلے اسرائیل کی طرف سے یہ اعلان کیا تھا۔ یہ پرائم منسٹر تھے۔ کہتے ہیں۔

Israel,said the prime minister,had no intenion of annexing even one foot of arab territory.

ایک فٹ بھی Arab Territory کا ہم نہیں لینا چاہتے یہ اسرائیل کے پرائم منسٹر کا اعلان تھا اس جنگ کے بعد آج تک جتنا رقبہ عربوں کا انہوں نے اپنے قبضہ میں کیا ہے اگر اس کو فٹوں میں بیان کریں تو وہ ۳۷ ٹریلین فٹ بنتے ہیں۔

Billions کی باتیں تو آپ سن چکے ہیں۔ ایک ہزار ملین کا ایک بلین بنتا ہے، ایک ہزار بلین کا ایک ٹریلین بنتا ہے تو ایک فٹ کے بدلے یہ ۳۷ ٹریلین یعنی ۳۷ ہزار ٹریلین Feet عرب رقبہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ اس پر مجھے یاد آیا کہ ایک مغربی مصنف نے اسرائیل کی انتقامی کاروائیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مجھے یہ بات تو سمجھ آجاتی ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، ان کی مذہبی تعلیم ہے ایک آنکھ کے بدلے ایک آنکھ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن ایک آنکھ کے بدلے 20 آنکھیں یا اس سے زیادہ کی سمجھ مجھے نہیں آتی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس مصنف نے اسرائیل کے ردعمل کے اعداد و شمار نہیں نکالے۔ اس وقت اسرائیل کا مذہب ایک کے بدلے 20 آنکھیں نہیں۔ بلکہ ایک آنکھ کے بدلے 20 ہزار یا 20 لاکھ آنکھیں ہیں اور جہاں تک وعدوں کا تعلق

ہے وہ منفی صورت میں ایک کے بدلے Trillions کی اعداد وشمار میں وعدہ خلافی کی جاتی ہے۔ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے ابھی بات سنئے جب انہوں نے لبنان پر 82ء میں حملہ کیا جس کا میں مختصراً ذکر کر چکا ہوں تو اس حملے سے پہلے انہوں نے اسی طرح یہ اعلان کیا کہ ہم لبنان کی ایک انچ زمین بھی قبضے میں نہیں لینا چاہتے اور جب لبنان پر قابض ہو کر انتہائی مظالم کر کے ایک لمبے عرصہ تک اور بھی ایسے مظالم کئے جن کا میں نے ذکر نہیں کیا، آخر لبنان چھوڑا تو دریائے لتانی Litani River کے جنوب کا وہ سارا حصہ قبضے میں کر لیا جو شروع سے ہی اسرائیل کے منصوبے میں شامل تھا اور اس رقبے کا انچوں میں رقبہ 8 ٹریلین 830 بلین مربع انچ بنتا ہے۔ تو جب وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک فٹ بھی نہیں لینا چاہتے۔ تو مراد ہوتی ہے ہم 73 ٹریلین لینا چاہتے ہیں اور جب وہ کہتے ہیں۔ ہم ایک انچ بھی نہیں لینا چاہتے تو مراد اس سے ہوتی ہے کہ 8 ٹریلین 830 بلین (مربع انچ) زمین ہم لینا چاہتے ہیں اس پر مجھے خیال آیا کہ ان کی تاریخ کا حساب لگا کر دیکھیں کہ جب تورات میں یہ تعلیم نازل ہوتی تھی کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت تو اس وقت سے اب تک کتنا وقت گزر چکا ہے ۔سیکنڈز میں کر کے دیکھیں تو پھر اندازہ ہوگا ان کی نفسیات کا کہ ہر سیکنڈ یہ اس انتقام کی کارروائی کے جذبے میں کتنا اضافہ کرتے چلے جارہے ہیں تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ تورات کی تعلیم کے نزول سے لے کر آج تک تقریباً جو میں نے اندازہ لگایا ہے سالوں کو سیکنڈز میں تبدیل کر کے۔ 6 ٹریلین 244 بلین 128 ملین سیکنڈ بنتے ہیں اب آپ اندازہ کریں کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے آج تک 6 ٹریلین 244 بلین اور 128 ملین سیکنڈ کا عرصہ گذرا ہے اس عرصہ میں ان کی وعدہ خلافیوں کی نسبت کتنی بڑھ چکی ہے ایک سیکنڈ کی رفتار سے بھی کئی گنا زیادہ رفتار سے یہ جھوٹ بول رہے ہیں اور اسی نسبت سے ان کی انتقام کی تمنائیں بڑھتی چلی جارہی ہیں۔

لبنان کے اوپر ظلم وستم کی جو بارش برسائی گئی اس کے متعلق صرف ایک اقتباس میں ایک مغربی مبصر کا آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہاں اس وقت کینیڈین ایمبیسڈر (Theodore Argand) تھے۔ انہوں نے اس بمباری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس بمباری کو دیکھ کر 1944ء کی برلن کی بمباری یوں معلوم ہوتا تھا جیسا ایک Tea Party ہو رہی ہو یعنی اگر بمباری یہ ہے تو برلن پر جو نہایت خوفناک بمباری 1944ء میں کی گئی تھی وہ اس کے مقابل پر ایک Tea Party کی حیثیت

رکھتی تھی۔

بعض مبصرین نے بہت عمدہ تجزیہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ محض PLO کے قتل عام کا منصوبہ نہیں تھا بلکہ فلسطین کی خودی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا منصوبہ تھا اور خود Dr.Nanum Goldman جو ZIONISM کے بانی مبانی ہیں اور سالہا سال تک World Janish Confres اور World Zoinist organization کے صدر رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:۔

The apparent aims is to liquidate,the palestinan people جو بھی ہمارے منصوبے تھے ان کا کھلا کھلا مقصد یہی تھا کہ فلسطینیوں کو تحلیل کر دیا جائے ان کو صفحہ ہستی سے نا پید کر دیا جائے۔

فلسطین کے خلاف اور فلسطینیوں کے خلاف اس قوم نے جو ظالمانہ رویہ اختیار کئے رکھا ہے اس میں فلسطینی لیڈر شپ کی کردار کشی نے بھی بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ ایک مغربی مبصر لکھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ فلسطینیوں کی کردار کشی کرتے چلے جارہے ہیں یہاں تک کہ فلسطینیوں کو مخاطب بھی اس طرح کرتے ہیں کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ فلسطینی کا نام لیا گیا ہو اور کوئی تحقیر کا اور تذلیل کا لفظ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ یہ کہنے کی بجائے کہ فلسطینیوں نے ایسا کیا، کہتے ہیں Terrorists یہ کرتے ہیں۔ Animals یہ کیا کرتے ہیں۔ Bastards ایک گندی گالی ہے وہ یہ کیا کرتے ہیں اور بیروت میں عرفات کو ہٹلر کے Banker میں بیٹھا ہوا عرفات بیان کرتے ہی۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ فلسطینیوں سے نفرت کی وجہ یہ بیان کیا کرتے تھے کہ فلسطینی ہمارے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تو ہم ان کے وجود کو کیوں تسلیم کریں ہم کس سے بات کریں ان سے بات کریں کہ جو کہتے ہیں کہ تمہیں سمندر میں پھینک دیا جائے۔ لمبے عرصے کی کوششوں اور ناکامیوں کے بعد آخر یاسر عرفات نے ان کا یہ عذر دور کرنے کی کوشش کی اور یونائیٹڈ نیشنز کے اس اجلاس میں جس میں یاسر عرفات کو بلایا گیا، انہوں نے کھلم کھلا تمام قوموں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ میں تمام فلسطینی آزادی کی تحریک کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ جب یہ اعلان کر دیا گیا تو اس کے چند دن کے بعد اسرائیل کی طرف سے اس کے جواب میں یہ اعلان ہوا۔

The only useful thing the plo could do, said the spokesman of the israel foreign ministry,was to disappear palestin no longer existed and therefore there was no point in it having a liberation movement.

انہوں نے اعلان کیا کہ فلسطین کے وجود کا معنی ہی کوئی نہیں یہ ختم ہو چکا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ان کی وزارت خارجہ نے یہ اعلان کیا کہ یہ جو یا سر عرفات نے ہمیں تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں ہمارا ردعمل یہ ہے اور ہمارا فلسطینیوں کو مشورہ یہ ہے کہ وہ تحلیل ہو جائیں وہ ختم ہو جائیں، کالعدم ہو جائیں، ان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ وہ قوم ہے جس کے ظلم واستبداد سے آنکھیں بند کر کے کمزور مظلوم فلسیطینیوں کو مسلسل نہایت ظالمانہ پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ان کی ساری زمینیں چھین لی گئی ہیں، ان کو ملک بدر کر دیا گیا ہے، ان پر آئے دن انتہائی ظالمانہ کارروائیاں کی جاتی ہیں۔ قتل عام کیا جاتا ہے۔ بستیوں کی بستیاں منہدم کر دی جاتی ہیں اور وہ دربدر پھر رہے ہیں ان کا کوئی وطن نہیں رہا۔ 40 لاکھ فلسطینی دنیا میں دربدر پھر رہا ہے اور ان کے وطن میں یہود کا پودا لگا کر اور اس کے پاؤں جما کر ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ کیا جاتا رہا ہے اور کیا جارہا ہے۔ ان ساری کوششوں کے باوجود آج بھی فلسطین میں کل 25 لاکھ یہودی ہیں اور ابھی تک 15 لاکھ فلسطینی وہاں موجود ہیں اور اس تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور آئندہ ان کے منصوبوں میں یہ بات داخل ہے کہ جب مغربی کنارے کو ہم یہودیوں سے بھر لیں گے تو پھر مزید جگہ کے مطالبے شروع کریں گے۔ پس پہلے یہ مکان بڑھاتے ہیں پھر آبادی بڑھاتے ہیں پھر مکان بڑھاتے ہیں پھر آبادی بڑھاتے ہیں۔ یہ ان کا طریق ہے اور وہ فلسطینی جو اس سرزمین پر سینکڑوں سال سے قابض تھے۔ وہیں پیدا ہوئے، وہیں کی مٹی میں پلے اور بنے اور بڑے ہوئے ان فلسطینیوں کو وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں کہتے ہیں تمہارا کوئی ملک نہیں، تمہارا کوئی وجود نہیں ہم تمہیں تسلیم نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے امریکہ کس برتے پر کس خیال سے، کس حکمت عملی کے نتیجے میں یہودیوں سے اپنے معاشقے کو قائم رکھے ہوئے ہے اور جس طرح ہمارے محاورے میں سانڈ چھوڑنا کہتے ہیں اس طرح عربوں کے کھیتوں میں ایک سانڈ چھوڑا ہوا ہے۔ عام

کھیتوں میں جوسانڈ چھوڑے جاتے ہیں وہ تو سبزیاں کھاتے ہیں، یہ ایک ایسا سانڈ ہے جو خون پی کر پلتا ہے اور گوشت کھا کر بڑھتا ہے اور کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔

ایک ریزولیوشن کی باتیں آپ نے بہت سنی ہیں کہ عراق جب تک اس ریزولیوشن پر عمل نہ کرے، ہم عراق کو مارتے چلے جائیں گے اور برباد کرتے چلے جائیں گے اور اس کو کویت سے نکالنے کے باوجود بھی اس وقت تک ہم اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ یہ امکان نہ مٹ جائے، یہ احتمال ہمیشہ کے لئے نہ مٹ جائے کہ بیسیوں سال تک کبھی عراق کی سرزمین سے کوئی شخص سر اٹھا سکے۔ اس کے مقابل پر اسرائیل کی ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں جب بھی سیکیورٹی کونسلز میں ریزولیشنز پیش ہوئے کہ ان کارروائیوں کو روکا جائے یا ان کا رخ موڑا جائے تو ہمیشہ امریکہ نے ان ریزولیشنز کو ویٹو کیا۔ 27 مرتبہ ایسا ہو چکا ہے کہ سیکیورٹی کونسلز میں اسرائیل کو ظالم قرار دیتے ہوئے اس سے مطالبہ کیا گیا کہ تم عرب علاقے خالی کرو اور ظلم سے ہاتھ کھینچو اور 27 مرتبہ United States کے نمائندے نے اس کو ویٹو کر دیا اور United States کی ویٹو اکثر صورتوں میں اکیلی تھی جب کہ دوسری ویٹو کی تاریخ کا میں نے مطالعہ کیا ہے اس میں اکثر صورتوں میں دو تین دوسرے بھی شامل ہوتے ہیں لیکن باقی سب کے مقابل پر United States اکیلا اسرائیل کا حمایتی بن کران ریزولیشنز کے خلاف ویٹو کا حق استعمال کرتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ ریزولیشنز کتنے ہیں جن میں کچھ نہ کچھ اسرائیل کی مذمت کی گئی ہے اور اسرائیل کو متوجہ کیا گیا کہ تم ظلم سے باز آؤ تو ان کی تعداد بھی ۲۷ بنتی ہے جو پاس ہوئے اوران میں سے اکثر میں امریکہ نے Abstain کیا ہے جن ریزولیشنز کی زبان بہت زیادہ سخت تھی ان کو تو پاس ہی نہیں ہونے دیا جن میں مذمت ہی کی گئی تھی، زبان بہت سخت نہیں تھی ان میں امریکہ الگ رہا اوران کی تائید میں ووٹ نہیں ڈالا اور 242 جس کا ذکر آپ نے بہت سنا ہوا ہوگا وہ ریزولیشن جس میں اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ 67ء کی ہتھیائی ہوئی اپنی زمینیں واپس کرو۔ اس ریزولیشن کو پاس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی عبارت داخل کر دی گئی ہے جس کے نتیجے میں اسرائیل کے حمایتیوں کے ہاتھ میں ایک ہتھیار آ گیا ہے کہ جس طرح چاہیں اس ریزولیشن کا مطلب نکال لیں۔ صرف وہ ایک ریزولیشن ہے جس پر امریکہ نے اثبات کیا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ کیوں ہو رہا ہے عقل بھنا جاتی ہے

کہ یہ قابل فہم بات دکھائی نہیں دیتی۔ کیوں آخر اس طرح ہوتا چلا جارہا ہے؟ کیا مقصد ہے امریکہ کا اسرائیل کی اس طرح پُرزور حمایت کرنے کا؟

اسرائیل کے خلاف مذمت کے جو ریزولیوشنز سیکیورٹی کونسل میں پاس ہوتے رہے ان کے مطالعہ سے ایک اور دلچسپ بات میرے سامنے یہ آئی کہ ان ریزولیوشنز کے رویے میں اور عراق کے خلاف ریزولیوشنز کے رویے میں زمین آسمان کا ایک فرق ہے۔عراق کو سانس نہیں لینے دیا گیا۔ موقعہ ہی نہیں دیا گیا۔ایک طرف یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ Sanctions ہوں۔خوراک بند ہو جائے، دوائیاں تک بند ہو جائیں، کوئی چیز کوئی پتا بھی داخل نہ ہو سکے اور Sanctions ابھی کچھ عرصہ جاری ہوئی تھیں تو فیصلہ کر لیا گیا کہ اب اس پر حملہ کیا جائے۔امر واقعہ یہ ہے کہ Sanctions سے بہت پہلے حملے کا منصوبہ مکمل ہو چکا تھا۔

Sanctions کا مطلب یہ تھا کہ حملے سے پہلے بھوک سے مارا جائے اور ضرورت کی اشیاء کی نایابی کا عذاب دے کر مارا جائے۔ یہاں تک کہ بعد میں بچوں کے دودھ پلانٹ پر بھی حملہ ہوا تو یہ اس کا مقصد تھا۔اس رویے میں اور اس رویے میں جو اسرائیل کے عدم تعاون کے بعد سیکیورٹی کونسل نے اختیار کیا زمین آسمان کا فرق ہے۔ان کے ریزولیوشنز کی زبان یہ بنتی ہے کہ دیکھو اسرائیل! ہم نے تمہیں فلاں فلاں وقت بھی کہا تھا کہ تم عرب علاقہ واپس کر دو اور تم اب تک اس میں جمے ہوئے ہو ہم اس کو نہایت ہی غصے کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ہم یہ بات پسند نہیں کرتے۔ پھر ریزولیوشن پاس ہوتا ہے کہ اے اسرائیل! ہم نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ ہم برا منائیں گے اور ہم برا منا رہے ہیں۔ پھر ریزولیوشن پاس ہوتا ہے کہ ہم نے پہلے بھی دو دفعہ بتایا تھا کہ ہم بہت برا منا رہے ہیں اور ہم ایسے اقدام کرنے پر مجبور ہونگے جس سے تم پر ثابت ہو جائے کہ ہم برا منا رہے ہیں اور پھر ریزولیوشن پاس ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے کہا تھا ہم اب مجبور ہو گئے ہیں تمہیں یہ بتانے پر کہ ہم بہت ہی برا منا رہے ہیں۔اس کے سوا کوئی ریزولیوشن پاس نہیں ہوا۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے ہمارے ہاں U.P کے متعلق یہ لطیفہ ہے کہ وہاں لوگ ذرا لڑائی سے گھبراتے ہیں تو U.P والے کو جب کوئی مارے اور مارنے والا طاقتور ہو تو وہ اس کو کہتا ہے کہ ''اب کے مار''۔اب مار کے دیکھ وہ دوبارہ مارتا ہے تو کہتا ہے ''اب کے مار'' پھر دوبارہ مارتا ہے تو کہتا ہے ''اب کے مار'' چنانچہ یہ لطیفہ تو

شاید فرضی ہوگا۔ U.P کے بڑے بڑے بہادر لوگ ہیں، جیالے ہیں، بڑے بڑے مقابلے انہوں نے دشمنوں سے کئے ہیں مگر یہ لطیفہ United Nations کے حق میں ضرور صادق آتا ہے۔ ہر دفعہ اسرائیل مار پر مار دیتا چلا گیا ہے اور کھلم کھلا بغاوت کے رنگ میں کہتا رہا ہے تمہارے ریزولیوشنز کی حیثیت کیا ہے۔ ردی کا کاغذ ہے میں پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دوں گا۔ میں پاؤں تلے روندھ دوں گا اور ہر دفعہ United Nations کہتی ہے اب کی مار۔ اب اگر تم نے ایسا کیا تو ہم بہت ہی برا منائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیوں یہ پاگل پن ہو رہا ہے۔ کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ ناقابل فہم باتیں ہیں۔ یقین نہیں آسکتا کہ دنیا میں یہ کچھ ہوسکتا ہے لیکن ہو رہا ہے۔

اس United Nations کا فائدہ کیا ہے؟ میں تو یہ سوچتا ہوں اور عرب اور مسلمان ممالک کو اگر وہ ہوشمند ہیں اور باقی دنیا کو بھی یہ سوچنا چاہئے کہ اس United Nations کا کیا فائدہ ہے جو عملاً صرف ان بڑی قوموں کے مفاد میں فیصلے کرتی ہے جو بڑی قومیں یونائیٹڈ نیشنز پر قابض ہو چکی ہیں اور یونائیٹڈ نیشنز کا دستور جن کو یہ طاقت دیتا ہے کہ جب چاہیں کسی کے خلاف ظلم کریں اور ساری دنیا کی قوموں کو یہ طاقت نہ ہو کہ اس ظلم کے خلاف آواز ہی بلند کر سکیں۔ اگر وہ آواز بلند کرنے کی کوشش کریں تو اس کو ویٹو کر دیا جائے اور اپنے کسی حیلے سے جس طرح چاہیں کسی پر ظلم کروائیں کسی دنیا کی طاقت نہ ہو کہ وہ اس کے خلاف آواز بلند کرے اور کلیۃً دنیا کی تقدیر ان کے ہاتھ میں ہو۔ یونائیٹڈ نیشنز کی یہ کیفیت ہے۔ جب عربوں کے خلاف یا مسلمانوں کے خلاف فیصلے کرنے ہوں تو انتہائی ظالمانہ فیصلے کئے جائیں اور جب ان کے حق کی بات ہو تو سوائے چند آوازیں نکالنے کے اس کی اور کوئی بھی حیثیت نہیں۔

بچپن میں مجھے مرغیاں پالنے کا شوق تھا میں نے دیکھا ہے کہ بعض مرغیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بیٹھیں پالنے والے کے صحن میں کرتی ہیں اور انڈے دوسرے کے صحن میں جا کر دیتی ہیں۔ پس United Nations کی مرغی تو ویسی ایک مرغی ہے۔ بیٹھیں کرنے کے لئے عربوں اور مسلمانوں کے صحن رہ گئے ہیں اور انڈے دینے کے لئے اسرائیل اور مغرب کے صحن ہیں۔ پس اگر یہی یونائیٹڈ نیشنز کا تصور ہے اور یہی اس کے مقاصد ہیں تو دنیا کو سوچنا چاہئے۔ چنانچہ اس بارہ میں میں بعد میں انشاء اللہ جب دنیا کو عمومی مشورے دوں گا تو ان کو ایک مشورہ اس سلسلے میں بھی دوں گا۔

ایک ہی بات بالآخر سمجھ آتی ہے کہ مغربی دنیا درحقیقت اسلام سے گہری دشمنی رکھتی ہے۔ اوراس دشمنی کے پس منظر میں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا تاریخی رقابتیں بھی ہیں اوراس دشمنی کی وجہ ایک وہ خوف بھی ہے جو جاہل ملاں اسلام کے متعلق مغربی دنیا اور دوسری دنیا کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ اپنی جہالت سے اسلام کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے جس سے دنیا خوف کھاتی ہے کہ یہ لوگ اگر طاقت پائیں گے تو ہم پر جبر وتشدد کریں گے۔ اس مسئلے کے متعلق بعد میں جب میں مسلمانوں کو مشورہ دوں گا تو پھر اس ذکر کو چھیڑوں گا۔ یہ میں آپ کو بتادینا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کو مسلمانوں کے پیچھے ڈال کر اگر ان کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی مدافعانہ طاقت کو توڑ دیں گے یا اس طرح اسرائیل ان مظالم کو بھول جائے گا جو مغرب نے اسرائیل پر کئے ہوئے ہیں یا ان مظالم کا بدلہ مسلمانوں سے لیتا رہے گا تو یہ ان کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ اسرائیل کے انتقام کی یادداشت بہت قوی ہے اور نہ مٹنے والی ہے اور اسرائیل کے احسان کی یادداشت اس طرح ہے جس طرح پانی پر تحریر لکھی گئی ہو۔ آپ کو اگر اسلامی تاریخ سے واقفیت ہوتو آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ 800 سال تک سپین پر مسلمانوں نے جو حکومت کی ہے اس تاریخ میں ایک واقعہ بھی کسی یہودی پر ظلم کا آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔

مسلمانوں کی طاقت کے ادوار میں جب بھی آپ جس دور پر بھی نظر ڈالیں، ایک دوسرے پر ظلم تو آپ کو دکھائی دے گا اور وہ بھی اس وقت جب ملاں ایک فرقے کے ماننے والوں کو دوسرے فرقوں کے ماننے والوں کے خلاف بھڑکا تا رہا لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف اسلام کی تاریخ میں آپ کو کوئی مظالم دکھائی نہیں دیں گے۔ تین ایسے قبائل ہیں جن کا تاریخ اسلام کے آغاز سے تعلق ہے۔ جنہوں نے بار بار معاہدہ شکنی کی اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے دھوکے کئے۔ ان کے خلاف جنگ کے دوران حملہ آوروں سے ملتے رہے، ان تین قبائل کے خلاف بالآخر مسلمانوں کو کارروائی کرنی پڑی۔ وہ قبائل ہیں بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ۔

جب 1947ء میں یونائیٹڈ نیشنز میں اسرائیل کے قیام پر بحث ہورہی تھی تو وہاں اسرائیلیوں نے مسلمانوں کو طعن دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا حق ہے اور تمہیں تو ہمیں اپنے گھروں سے نکالنے کی عادت ہے۔ ہم آج تک نہیں بھولے جو تم نے بنوقریظہ اور بنونضیر اور بنوقینقاع سے کیا تھا، تو

یہ عجیب یادداشت ہے کہ فرضی مظالم کی یادیں تو 1400 سال سے زندہ رکھے ہوئے ہیں اور حقیقی احسانات کی یادوں کو بھولتے چلے جارہے ہیں۔ یہ عجیب قوم ہے کہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ جب ازابیلا اور فرڈینینڈ نے 1490ء میں یہودیوں کے سپین سے انخلاء کا حکم دیا تو اس سے پہلے تقریباً 200 سال مسلسل سپین میں یہودیوں پر ظلم ہوتے رہے لیکن وہ ایسے ظلم تھے کہ ان کے نتیجے میں یہود نے پھر بھی وہاں سے نکلنے کا فیصلہ نہیں کیا۔ بالآخر جبراً ان کو عیسائی بنایا گیا اور جب بڑی تعداد میں یہودی عیسائی بن گئے تو پھر یہ تحریک شروع کی کہ یہ جھوٹے عیسائی ہیں دھوکہ دینے کے لئے عیسائی بنے ہیں۔ ابھی بھی بہت امیر ہوگئے ہیں اس لئے ان کی دولت چھیننے کے لئے کوئی بہانہ تلاش کرو۔ چنانچہ ازابیلا کو اور فرڈینینڈ کو اس وقت کے عیسائی پادریوں نے بار بار یہ تحریص کی اور لالچ دلائی کہ اس قوم کا ایک ہی علاج ہے کہ ان کی عیسائیت پر اعتماد نہ کیا جائے اور ہمیں Inquisition کی اجازت دی جائے Inquisition سے مراد ہے: وہ ٹارچر کرنے کے ذرائع جو عیسائی دنیا اپنے مخالفوں کے خلاف استعمال کرتی تھی اور ان ذرائع سے نہایت ہی دردناک مظالم غیر عیسائیوں پر کئے جاتے تھے اور ان عیسائیوں پر کئے جاتے تھے جن کے دین پر شک ہو۔ چنانچہ ایک لمبے عرصے تک یہ بحث جاری رہی۔ ازابیلا چونکہ یورپ سے ناراض تھی SixusIV تھا غالباً اس وقت، اس سے کسی وجہ سے ناراض تھی۔ وہ اس کی مرضی کے کارڈینل مقرر نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس نے اجازت نہیں دی کی پوپ کی مقرر کردہ کوئی کمیٹی Inquisition کے کام سپین میں کرے۔ بالآخر فرڈینینڈ کو عیسائی پادریوں نے یہ لالچ دی کہ اگر تم اس کی اجازت دے دو تو یہود کے جتنے اموال چھینے جائیں گے یہ ہم تمہارے قبضے میں دیں گے۔ ہمیں صرف ظلموں کی اجازت دو، اموال تمہارے۔ چنانچہ 1980ء سے Inquisition شروع ہوئی۔

Inquisition کی تاریخ حقیقتاً اتنی دردناک ہے کہ شاید ہی کبھی انسانی تاریخ میں ایسے دردناک مظالم کی مثال آپ کو نظر آتی ہو جیسے اس زمانے میں یہودیوں پر عیسائیوں کی طرف سے کئے گئے۔ اس کے باوجود دل نہیں بھرا تو 1492ء میں ان کے انخلاء کا حکم جاری کر دیا گیا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ Black Death جو 1347ء سے 1352ء تک یورپ میں ہلاکت خیزی کرتی رہی۔ Black Death یعنی طاعون کا وہ حملہ یورپ میں 1347ء

سے 1352ء تک بکثرت انسانی جانوں کی ہلاکت کا موجب بنا۔Black Death کے زمانے میں یورپ میں پہلے ہی یہود پر مظالم کئے جارہے تھے اور فرانس میں سب سے زیادہ مظالم کئے گئے۔ چنانچہ وہاں کے مظالم کا تصور کریں کہ وہاں سے بھاگ کر انہوں نے پہلے فرانس میں اور پھر یورپ کے دیگر ممالک میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن وہاں بھی ان کو پناہ نہیں ملی اوران پر مظالم جاری رہے۔

پناہ اگر ملی تو فلسطین کی اسلامی حکومت نے دی ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور دوبارہ بھی Natsi مظالم کے زمانے میں پھر یہ فلسطین پناہ لینے گئے ہیں۔پس ساری اسلامی تاریخ میں ان کے ساتھ احسان پر احسان کا سلوک کیا جاتا رہا۔ان کے علم وفضل نے مسلمانوں کی گودوں میں پرورش پائی ہے اور ظلم ہوئے ہیں یورپینز کی طرف سے اور مغربی عیسائی قوموں کی طرف سے اوران کا بدلہ یہ مسلمانوں سے لے رہے ہیں۔ یہ تصور ہے جو امریکہ اوراس کے اتحادیوں کے ذہن میں ہے کہ اس سے بہتر اور کیا سودا ہوگا۔ یہودیوں کومسلمانوں کے گلے ڈال دو اور ہمارے ظلموں کا انتقام مسلمانوں سے لیں۔ایک ہی تیر سے دونوں مارے جائیں اس سے زیادہ اور کیا حکمت عملی کی پالیسی ہوسکتی ہے۔لیکن وہ یہ بات بھول رہے ہیں کہ یہودی ظلم بھولنے والی قوم نہیں ہے۔ان کی سرشت کے خلاف ہے یہ ناممکن ہے کہ مغرب سے یہ اپنے مظالم کا بدلہ نہ لیں۔ وقت کی بات ہے آج یہ مسلمانوں کا خون چوس کر طاقت حاصل کریں گے اور یہ طاقت ابھی اتنی بڑھ چکی ہے اور ایسی خوفناک ہو چکی ہے کہ ان کے جرنیل کھلم کھلا کہہ رہے ہیں کہ ہم تو سوویٹ یونین سے ٹکر لیکر اس کو بھی شکست دینے کی طاقت رکھتے ہیں جو ٹیکنیکل Know How جنگی ہتھیار بنانے کا ہے اس میں بہت سی شاخوں میں یہ امریکہ سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ایٹم بم بنا چکے ہیں دوسرے مہلک ہتھیار بنا چکے ہیں یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے۔ کیوں یہ طاقت بڑھتی چلی جارہی ہے امریکہ اوراس کے اتحادیوں کی بڑی ہی جہالت ہوگی اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان کے حملوں سے ڈر کر یہ ویسا کر رہے ہیں بہت بڑی بے وقوفی ہے مسلمان حملوں سے ڈرنا کیا، جب بھی مسلمان بے چاروں نے ٹکر لی ہے ان کی طاقت کو تہس نہس کر دیا ہے اور ہر حملہ آور کو ایسی ظالمانہ شکست دی ہے کہ اس سے سارے عالم اسلام کی گردن شرم سے جھک جاتی رہی ہے۔ان کو مسلمانوں سے کیا خوف ہے؟ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی فتح کے منصوبے ہیں پہلے تیل کی طاقت پر قبضہ کیا جائے گا۔ ہر قدم کے بعد جب اس قدم کی یادداشت پھیکی پڑ جائے

گی پھر اگلا قدم اٹھے گا۔ پھر اس کے بعد اگلا قدم اٹھے گا۔ پھر اگلا قدم اٹھے گا۔ اس لئے جب میں کہتا ہوں کہ مکے اور مدینے کو خطرہ ہے اور توحید کو خطرہ ہے تو اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے انہوں نے بالآخر لازماً تیل کے چشموں پر قابض ہونا ہے یعنی نیت ان کی یہ ہے۔ آگے خدا کی تقدیر اور رنگ دکھائے اور ہماری دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول ہوں تو اور بات ہے ورنہ بظاہر جو منصوبہ ہے وہ یہی ہے۔ اس کے بعد یہ مغرب سے اپنے بدلے لیں گے اور ایسے ہولناک بدلے لیں گے کہ مغرب ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہ جنگ کا بگل بجانے والی قوم ہے اور جنگ کا بگل David Ben-Gurion بجا چکے ہیں۔ تقریباً 4000 سال پہلے کی آواز ان کے کانوں میں گونج رہی ہے کہ جنگ اور جنگ اور جنگ اور اس کے سوا تمہارے قیام کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

پس اگر امریکہ اور اس کے اتحادی اس خوش فہمی میں ہیں کہ وہ یہودیوں کو بھی پاگل بنا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بھی پاگل بنا رہے ہیں اور ایک کو دوسرے کے خلاف لڑا رہے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

امریکہ کے متعلق میں نے ایک یہ بھی بیان کیا تھا کہ بہت سے نفسیاتی عوامل ہیں جو امریکہ کو اپنی بعض پرانی ناکامیوں کے داغ مٹانے کے لئے عراق کو ذلیل و رسوا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے ویٹنام کا ذکر کیا تھا اور ویٹنام کے متعلق اب میں خلاصتہً آپ کو بتاتا ہوں کہ وہاں امریکہ کی خودی کو کس طرح توڑا گیا ہے اور کس طرح دنیا کی سب سے عظیم طاقت کے تکبر کو پارہ پارہ کیا گیا ہے۔

ویٹنام کی جنگ کا آغاز 4 راگست 1946ء کو ہوا ہے اور عجیب اتفاق ہے یہ تو ارد ہے یا تقدیر کی کوئی بات ہے کہ وہ آغاز بھی ایک Strom سے ہوا تھا اس Strom کا نام امریکن مؤرخین Tropic Storm کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ دو امریکن جہاز جب شمالی ویٹنام اور جنوبی ویٹنام کی جنگ جاری تھی اور اشتراکی ویٹنامیز، جنوبی غیر اشتراکی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کر رہے تھے تو امریکہ کو بہانے کی تلاش تھی کہ کسی طرح اس ملک میں دخل دے کر جنوبی ویٹنام کی حمایت میں شمالی ویٹنام کو شکست دی جائے۔ چنانچہ ان کا ایک جہاز جس کا نام Maddox تھا Maddox جہاز شمالی ویٹنام کے سمندر کے اس حصے میں داخل ہو گیا جو در حقیقت ان کی اپنی حدود کا علاقہ تھا، جس پر ان کی بالا دستی ہوتی ہے۔ اس پر انہوں نے کچھ پٹرول Boats بھیجیں تا کہ وہ اس جہاز پر حملہ کریں اور انہوں نے

حملے کی کوشش بھی کی مگر جہاز ان کو Destroy کر کے ان کے حملے سے نکل کر باہر چلا گیا اور باہر ان کا ایک ساتھی Destroyer جن کا نام Turner Joy تھا، اس کو لے کر دوسرے یا تیسرے دن واپس آ گیا ان کا خیال تھا کہ اب جب ہم دوبارہ حملہ کریں گے تو ہمیں بہانہ ہاتھ آ جائے گا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ Tropic Strom آ گیا اور Tropic Strom بھی جس طرح Desert Strom ہوتے ہیں بہت ہی خطرناک چیز ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی ساری الیکٹرانک Equipments Hay'Wire ہوگئیں ، پاگل ہوگئیں ان کو پتہ ہی نہیں لگتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے یہ ہیں کہ انہوں نے واقعتہً یہ سمجھا کہ ان پر حملہ ہو گیا ہے۔ اب جاہلوں والی بات ہے۔ طوفان آ رہا ہے۔ دکھائی دے رہا ہے اور اس سے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ حملہ ہو گیا ہے یعنی ویٹنام نے وہ طوفان چلایا تھا۔ بہر حال بہانے جب تلاش کرنے ہوں تو اس طرح کے بے وقوفوں والے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں کہ انہوں نے کہا حملہ ہو گیا ہے اور انہوں نے دھڑا دھڑ ویٹنام کے علاقے پر بمباری شروع کر دی اور پھر اس بات پر قائم رہ گئے کہ چونکہ انہوں نے حملہ کیا تھا، اس کی جوابی کارروائی کی ہے۔ اس پر بڑی شدت کے ساتھ ویٹنام پر حملہ کیا گیا۔ ہوائی حملہ بھی کیا گیا اور ایک سال کے اندر اندر یعنی وہ 1946ء کا جو سال ہے وہ ختم ہونے سے پہلے پہلے دولاکھ امریکی سپاہی ویٹنام کی سرزمین میں پہنچا دیئے گئے تھے اور 1946ء میں یہ تعداد بڑھ کر 5 لاکھ 40 ہزار بن چکی تھی۔ بمباری کا عالم یہ تھا کہ ساڑھے آٹھ سال تک مسلسل دن رات ویٹنام پر بمباری کی گئی ہے اور ویٹنام پر کل بمباری 25 لاکھ ٹن کی گئی ہے یعنی جنگ عظیم کے 6 سال میں تمام دنیا میں، یورپ اور ایشیا اور افریقہ وغیرہ دوسری دنیا میں جتنی بمباری ہوئی ہے تقریباً اتنی ہی بمباری صرف ایک ویٹنام پر اس ساڑھے آٹھ سال میں کی گئی جو فلوریڈا ریاست کے بمشکل برابر ہے۔ امریکہ کی ریاستوں میں سے ایک ریاست فلوریڈا ہے اور اپنی دنیاوی طاقت کے لحاظ سے فلوریڈا بہت پیچھے ہے۔ نہ صنعت کی کوئی حالت، نہ کوئی دوسری تجارتی طاقت اس کو حاصل ہے۔ ایک غریب ملک ہے لیکن عظمت کردار دیکھیں کہ ساڑھے آٹھ سال تک سر بلند کر کے امریکہ سے ٹکر لی ہے اس عرصے میں جنوبی ویٹنام میں ان کے مرنے والے سپاہی اور شمالی ویٹنام میں مرنے والے سپاہی اور Civilians کی کل تعداد 25 لاکھ تھی ۔ گویا سارے اسرائیل کا یہودی اگر ہلاک ہو جائے تو اتنی تعداد بنتی ہے

اورانہوں نے سرنہیں جھکایا۔امریکن تکبر کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے اوراس ذلت اوررسوائی کے ساتھ امریکہ کو پھر شکست تسلیم کرنی پڑی اورشکست تسلیم کرنے کا طریق بھی ایسا دلچسپ ہے کہ فرانس میں جب Peace کانفرنس ہورہی تھی تو شمالی ویٹنام نے عارضی طور پر بھی جنگ بندی سے انکار کردیا۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہاں ہم صلح کی باتیں بھی کریں گےاورلڑائی بھی جاری رکھیں گے چنانچہ یہ جو سبق آج عراق کو دے رہے ہیں یہ انہوں نے ویٹنام سے سیکھا تھا کہ صلح کی باتیں بھی کریں گے اورلڑائی بھی جاری رکھیں گے۔

پس وہاں جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا تکبر ٹوٹا ہے وہ اتنی ہولناک نفسیاتی شکست ہے کہ کسی طرح وہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں اوراپنی قوم کی خوداعتمادی کو بحال کرنا چاہتے ہیں ۔لیکن امرواقعہ یہ ہے کہ ٹوٹی ہوئی کمریں جڑا نہیں کرتیں اور باوجوداس کے کہ عراق پر بمباری کی رفتار کے لحاظ سے ویٹنام کے مقابل پر 4 گنا زیادہ شدت کی جارہی ہے ۔ابھی تک یہ دودنوں کی جنگ کہہ رہے تھے، چھٹا ہفتہ ہوگیا ہےاورابھی تک عراق کی کمرنہیں توڑ سکے۔امرواقعہ یہ ہے کہ یہ دنیا بدل چکی ہے ۔ یہ زمانے وہ نہیں رہے ۔اب انسان کی خودی کا تصور بلند ہورہا ہے ۔اس کو ہوش آرہی ہے۔آزادی کی لہریں چل رہی ہیں خدا کی تقدیر دنیا کے رجحانات تبدیل کررہی ہے۔

اب جھوٹے خداؤں کے دن نہیں رہے ان کی صفیں لپیٹنے کے دن آچکے ہیں اوران کو یہ دکھائی نہیں دے رہا۔ظلم پرظلم کرتے چلے جارہے ہیں اور یہ نہیں سوچ رہے کہ ان کی کیا تصویر دنیا میں بن رہی ہے اورآئندہ تاریخ میں کیا بنے گی ۔آج یہ صدام حسین کو ہٹلر اورظالم اورسفاک کے طور پر پیش کررہے ہیں ۔اگرساری باتیں بھی تسلیم کرلی جائیں تو ویٹنام میں انہوں نے جومظالم کئے ہیں وہ سارے مظالم صدام حسین کے مظالم کے مقابل پراس طرح ہیں جس طرح رائی کے مقابل پرایک پہاڑ ہو۔صدام حسین کے جتنے فرضی مظالم جو بیان کئے جاتے ہیں اگرفرض کریں سارے سچ ہوں تو ان مظالم کے مقابل پراُن کوکوئی بھی حیثیت نہیں جوامریکہ نے ساڑھے آٹھ سال تک ویٹنام پر کئے ہیں اورکوئی حق نہیں تھا۔تمہارا کام کیا ہے کسی اورملک پر جا کر بمباریاں شروع کردینا اوراس ملک کے ایک حصے کی لڑائی میں اس کا شریک بن کر دوسرے ملک کے انسانوں پر بربریت کی انتہا کردینا۔وہ تفصیل اگرآپ پڑھیں تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔آپ کا ساراوجود کانپنے لگے۔اتنے

خوفناک مظالم ہیں لیکن اس سے بڑا ظلم یہ کہ آج تک یہ ویٹنا میز کی کردار کشی کرتے چلے جارہے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے جن شہروں پر دوبارہ قبضہ کیا تو وہاں ہماری تائید کرنے والوں کو انہوں نے اسی طرح ہلاک کیا، اس طرح ظلم کئے۔ وہاں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی اکٹھی قبریں ہیں۔

جنگ میں جو غداری کرتا ہے اور اتنی ظالمانہ جنگ اور یک طرفہ جنگ میں، اس کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے دنیا کا کونسا قانون ہے جو غدار کی جان کی ضمانت دیتا ہے اور یہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے ان کی حمایت کی تھی۔ پس ان مظالم کے نقشے کھینچتے ہیں اور وہ جو دوسرے مظالم ساڑھے آٹھ سال تک یک طرفہ کرتے چلے گئے ان کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو امریکہ کو خوفناک نفسیاتی بیماری لگ چکی ہے یہ آج دنیا کے امن کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے اور اس پر ایک اور بات کا خوفناک اضافہ ہوا ہے۔ ایک ایسی جنگ کی مثال قائم کی گئی ہے جس کی کوئی نظیر ساری دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ یعنی کرائے کی جنگوں کی باتیں تو آپ نے سنی ہوں گی مگر اتنی وسیع پیمانے پر، اتنی خوفناک کرائے کی جنگ کبھی دنیا کی تاریخ میں نہیں لڑی گئی۔

ویٹنام کی جنگ میں امریکہ کے کردار کا کم سے کم ایک اچھا پہلو یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے کشکول لے کر نہیں گیا تھا کہ ہمیں اس جنگ کے پیسے دو ایک سو بیس بلین ساڑھے آٹھ سال تک ظلم برسانے کا خرچ امریکہ نے خود برداشت کیا ہے۔ 120 بلین بہت بڑی رقم ہے لیکن موجودہ جنگ ساری کی ساری مانگے کے پیسوں سے لڑی جارہی ہے۔ اب ایسی جنگ کی مثال اگر اس دنیا میں قائم کردی جائے کہ تم کسی سے پیسے لے کر لڑو۔ دنیا کے امن کی پھر کیا ضمانت باقی رہے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ غریب قوموں کا امن امیر قوموں کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور جب چاہیں جہاں چاہیں دنیا کی امیر قومیں کرائے کے ٹٹو لے کر، کرائے کے سپاہی لے کر غریب قوموں پر مظالم ڈھاتی رہیں۔ یہ پیغام ہے جو دنیا کو دیا جارہا ہے اور مزید ایک اور ایسی حرص اس جنگ کے ساتھ شامل ہے کہ اس کے نتیجے جب رفتہ رفتہ ظاہر ہوں گے تو آپ حیران ہوں گے کہ کس طرح یورپ کی دوسری قوموں میں بھی اس سے تحریک پیدا ہوگی کہ اگر جنگ کا یہی مطلب ہے تو کیوں نہ ہم بھی ہاتھ رنگ لیں۔ عراق اور کویت پر اس جنگ میں جو تمام تباہی وارد کی گئی ہے اس کے پیسے انہوں نے وصول کئے ہیں اور اس تباہی کے نتیجے میں نقصان پورا کرنے کے اس سے کئی گنا زیادہ پیسے ان سے وصول کریں

گے۔ پس ہلاک کرنے کے بھی پیسے اور دوبارہ زندہ کرنے کے بھی پیسے اور دوبارہ زندہ کرنے کے پیسے ہلاک کرنے کے پیسوں سے بہت زیادہ کرائے کے قاتل کو کم دیا جاتا ہے لیکن سرجن کو زیادہ دیا جاتا ہے تو یہ دونوں کردار انہوں نے اپنی ذات میں اکٹھے کر لئے ہیں یہ ہے دنیا کا سب سے بڑا خطرہ آج کے بعد ایک نیا انداز فکر پیدا ہوا ہے اور بڑھتا چلا جائے گا اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی۔ کسی غریب قوم کو مروانے کے لئے کسی امیر قوم نے پیسے دیئے تو مروایا جائے گا اور پھر بعد میں اس قوم کی تعمیر نو کے لئے بھی اسی کو جرمانے ڈالے جائیں گے اور دونوں کے فائدے ان کو پہنچیں گے۔

آخر پر میں آپ کو عراق کی سرزمین سے متعلق یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ بڑی مظلوم سرزمین ہے اور بڑے بڑے سفاکانہ خوفناک ڈرامے اس سرزمین پر کھیلے گئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ اس سرزمین کو کیا نام دیا جائے تو مجھے خیال آیا کہ اسے موت اور کھوپڑیوں کے میناروں کی سرزمین کہا جاسکتا ہے۔ تاریخ میں سب سے پہلے اسیریوں Assyrians نے عراقی علاقے پر قابض ہو کر اتنے مظالم اس علاقے میں بسنے والی قوموں پر کئے تھے کہ 200 سال تک ان مظالم سے یہ سارا علاقہ کانپتا رہا اور سسکتا رہا۔ 879 (قبل مسیح) میں، اسیرین کے دور استبداد کے آغاز میں وہاں کے فاتح بادشاہ نے اپنے محل کے سامنے ایک مینار تعمیر کیا، اس مینار پر یہ عبارت کندہ تھی کہ میں کھالیں کھنچوانے والا بادشاہ ہوں جس شخص نے مجھ سے ٹکر لی ہے میں نے اس کی کھال کھنچوا دی اور یہ مینار جو تم دیکھ رہے ہو اس پر ساری انسانی کھالیں منڈھی ہوئی ہیں اور اس مینار کی چوٹی پر تم جو پنجر دیکھ رہے ہو نیزے پر گڑھا ہوا وہ بھی انسانی پنجر ہے اور اس مینار کے اندر بھی انسان زندہ چنے گئے تھے پس میں وہ بادشاہ ہوں جو کھالیں کھنچوانے والا اور ہلاکت کا بادشاہ ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دعویٰ تھا کہ میں یہ سب کچھ نیکی کی خاطر کر رہا ہوں اور دراصل اسیرینز Assyrians کی جنگ نیکی اور بدی کی جنگ ہے ہم نیکیوں کے نمائندہ ہیں اور باقی سب دنیا بدیوں کی نمائندہ ہے۔

میں نہیں جانتا صدر بش نے اس تاریخ کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں لیکن عراق میں وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ویسا ہی ایک تمثیلی مینار بنانے کی باتیں سوچ رہے ہیں جس پر یہی عبارت کندہ ہوگی کہ ہم سر توڑنے والے، خودیوں کو برباد کر دینے والے، عزت نفس کو مٹا ڈالنے والے اور پاؤں تلے روندنے والے بادشاہ ہیں جس شخص نے ہمارے خلاف کوئی آواز بلند کی اور سر اٹھانے کی جرأت کی ہم

اس کی کمر توڑیں گے اور ان کی کھوپڑیوں سے ویسا ہی مینار بلند کریں گے جیسے عراق کی تاریخ میں اس سے پہلے بلند ہوتے رہے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا مینار جو عراق میں بنایا گیا وہ 1258ء میں ہلاکو خان نے کھوپڑیوں سے بنایا اور پھر تیسرا مینار 1451ء میں تیمور لنگ نے بغداد میں کھڑا کیا اور وہ بھی واقعۃً انسانی کھوپڑیوں سے بنایا گیا تھا۔

پس یہ کیسی مظلوم سرزمین ہے جہاں ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، اس سے بھی پہلے تین دفعہ انسانی لاشوں اور جلدوں اور کھوپڑیوں سے مینار تعمیر کئے گئے ہیں تاکہ کسی جابر کے سامنے دنیا کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ پس آج جو کچھ عراق میں ہو رہا ہے یہ انہیں باتوں کا اعادہ ہے میں نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ خدا کی تقدیر کب ان کے تکبر کا سر توڑنے کا فیصلہ کرے گی لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ لازماً خدا کی تقدیر اس تکبر کا سر توڑے گی لیکن یہ بات میں امریکہ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کمر جو تمہاری ویٹنام میں توڑ دی گئی تھی، عراق کے مظالم کے نتیجے میں یہ کمر اب جڑ نہیں سکتی۔ بظاہر تم نے وہاں بھی کھوپڑیوں کا ایک مینار بلند کرنے کی کوشش کی تھی مگر 25 لاکھ ٹن بارود سے جتنی زمین کھودی جاسکتی ہے۔ جتنے گہرے کنویں کھودے جاسکتے ہیں اتنے گہرے قعر مذلت میں ہمیشہ کے لئے تمہارا نام دفن ہو چکا۔ آئندہ تاریخ میں یہ باتیں زیادہ اجاگر ہوتی چلی جائیں گی۔ یہ مظالم کے داغ جو تمہارے چہرے پر لگے ہیں آج تمہارے رعب کی وجہ سے اور تمہارے ظلم و ستم کے دبدبے کے نتیجے میں یہ نمایاں کر کے دنیا کو دکھانے کے لئے کسی کے پاس طاقت ہو یا نہ ہو مگر تاریخ بالآخر وقت کے ساتھ ساتھ ان کو زیادہ نمایاں کرتی چلی جائیگی۔ یہ سیاہیاں زیادہ گہری ہوتی چلی جائیں گی۔ پس دوسری نظر سے بھی تو اپنے آپ کو دیکھو باہر تمہاری کیا تصویر بن رہی ہیں اور آئندہ تمہاری کیا تصویریں بننے والی ہیں اور جن مقاصد کو لیکر تم اُٹھے ہو اُن کے بالکل برعکس کارروائیاں کر رہے ہو۔ امن کی بجائے ہمیشہ کے لئے دنیا کو جنگ میں جھونکنے کے فیصلے کر چکے ہو۔

لیکن اگر امریکہ ان باتوں کو سمجھنے پر آمادہ نہیں جیسا کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت اپنے تکبر کے نشے میں اتنی بلند پروازی ہے کہ اپنے ہی بنائے ہوئے فرضی ظلموں کے مینار کی چوٹیوں پر بیٹھے ہوئے دنیا کا ملاحظہ کر رہے ہیں تو پھر آئندہ کیا ہوگا اور خدا کی تقدیر ان کو کیا دکھائے گی۔ اُس

کے متعلق میں انشاء اللہ آئندہ خطبے میں کچھ بیان کروں گا اور یہود کو بھی مشورہ دوں گا اور مسلمانوں کو بھی اور باقی دنیا کو بھی۔آج کا وقت جدید انسانی تاریخ میں انتہائی نازک وقت ہے۔ابھی وقت ہے کہ ہم اس ظلم اور استبداد کے دھارے کا رخ موڑ سکتے ہیں۔**ابھی معاملہ اتنا زیادہ ہاتھ سے نہیں نکلا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ان مشوروں کو قبول کرلیا گیا جو میں قرآنی تعلیم کے نتیجے میں، اُس کی مطابقت میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں تو انشاء اللہ اس ظلم کے دھارے کا رخ ہم واپس موڑنے میں کامیاب ہوجائیں گے** لیکن ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ ہماری حیثیت صرف عاجز دعا گو بندوں کی حیثیت ہے اور ہماری دعائیں لازماً وہ کام کرسکتی ہیں جو ہماری ظاہری کوششیں بظاہر نہیں کرسکتیں۔بظاہر کیا؟ فی الحقیقت بھی نہیں کرسکتیں۔ہماری کوششوں کی کوئی حیثیت نہیں اتنی بھی نہیں ہے کہ ہم جو امریکہ کو ایسے الفاظ میں مخاطب کررہے ہیں، اس سے ان کے وجود کا ایک بال بھی کانپے یا ہلے یا اس میں جنبش محسوس ہو، اس کے باوجود میں جانتا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ یہ مقدر ہے کہ دنیا کے آخر پر اگر دنیا کی تاریخ کا رخ موڑنا ہے **تو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی دعاؤں نے موڑنا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عشاق کی دعاؤں نے موڑنا ہے اور خدا کے عاجز بندوں کی پگھلی ہوئی دعاؤں نے موڑنا ہے۔خطبہ الہامیہ میں حضرت مسیح موعود علی الصلوٰۃ والسلام یہ لکھتے ہیں کہ یہ مقدر تھا اور ہے اور ایسا ضرور ہوگا۔آپ فرماتے ہیں جب مسیح کی روح آستانہ الوہیت میں پگھلے گی اور راتوں کو اس کے سینے سے دردناک آوازیں اٹھیں گی تو خدا کی قسم دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں اس طرح پگھلنے لگیں گی جیسے برف دھوپ میں پگھلتی ہے اور اس طرح ان طاقتوں کے ہلاک ہونے کے دن آئیں گے اور ان کے تکبر کے ٹوٹنے کے دن آئیں گے۔**(خطبہ الہامیہ: روحانی خزائین جلد نمبر 16 صفحہ 317،318)

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو آج نہیں لیکن مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح جماعت احمدیہ میں زندہ ہے۔پس اے مسیح موعودؑ کی روح کو اپنے سینوں میں لئے ہوئے احمدیو! خدا کے حضور راتوں کو اٹھو اور اس طرح پگھلو اور دردناک کراہ کے ساتھ اور دردناک چیخوں اور سسکیوں کے ساتھ خدا کے حضور گریہ وزاری کرو اور یقین رکھو کہ جب تمہاری روحیں خدا کے آستانے پر پگھلیں گی تو دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے پگھلنے کے دن آجائیں گے اور یہ وہ تقدیر ہے جسے کوئی دنیا کی

طاقت تبدیل نہیں کرسکتی۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

حضرت مولوی جلال الدین صاحب شمسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کچھ عرصہ پہلے امریکہ میں عارضہ قلب سے وفات پا گئے۔ بہت ہی مخلص اور فدائی انسان تھے۔ان کا سارا خاندان ہی دین کی خدمت میں قربانی کرنے والا ہے مگر شمس صاحب نے جو روایتیں قائم کی ہیں وہ تو انمٹ ہیں۔ یہ بچہ صلاح الدین جب پیدا ہوا تھا تو اس کے تھوڑے عرصے بعد یا اس سے پہلے ہی مولوی جلال الدین صاحب شمسؓ غیر ملکوں میں فریضہ تبلیغ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔انگلستان میں بہت عرصہ رہے جب واپس گئے تو اس بچے کی عمر 11، 12 سال کی تھی اور سٹیشن سے جب مولوی صاحب کو گھر لایا جا رہا تھا اور ٹانگے میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو مولوی صاحب نے کہا کہ صلاح الدین کہاں ہے۔میرا دل چاہتا ہے میں اپنے بچے کو دیکھوں، اس پر کسی نے کہا کہ مولوی صاحب صلاح الدین آپ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، اس کو دیکھیں۔ یہ قربانی کرنے والے احمدی ہیں جن کی اولادیں اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگے پھر دین میں جت رہی ہیں۔ پھر آگے انشاء اللہ ان کی اولادیں جتتی رہیں گی۔تو مولوی منیر الدین صاحب شمس نے مجھے توجہ دلائی کہ اگر کسی کا حق ہے جنازہ غائب کا تو پھر میرے بھائی کا تو بدرجہ اولیٰ حق ہے میں نے اسے تسلیم کیا۔عام طور پر تو جب کوئی حاضر جنازے آتے ہیں تو ہم دوسرے جنازے ساتھ ملا لیا کرتے ہیں مگر جس رنگ میں مجھے تحریک ہوئی ہے۔میں نے اس کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج جمعہ کے بعد اور عصر کے بعد مولوی جلال الدین صاحب شمس مرحوم مغفور کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر صلاح الدین کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھائی جائے گی۔

خلیج کا بحران، عراق کی تباہی پر اظہار افسوس

قیام امن کے لئے عالمی اور مسلمان سیاست کو قیمتی مشورے

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

جب خلیجی جنگوں کا آغاز ہوا تو مغربی پروپیگنڈے کے اثر کے نیچے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ Natsi جرمنی کا زمانہ لوٹ آیا ہے اور پھر ہٹلر اور گوبلز پیدا ہو چکے ہیں اور ان کو مٹانے کے لئے چرچل اور روز ویلٹ اور سٹالن نے بھی نئے جنم لے لئے ہیں۔ یہ تصویر اتنی بھیانک تھی کہ ساری دنیا اس کو دیکھ کر لرزہ براندام تھی۔ اب جبکہ جنگ ختم ہو چکی ہے تو منظر تو وہی ہے لیکن اس کی ایک اور تصویر ابھری ہے۔ حالات تو وہی ہیں حقیقت میں تو تبدیلی نہیں آئی لیکن حقیقت اور طرح سے دکھائی دینے لگی ہے۔ مجھے تو اس جنگ کے اختتام پر وہ مشہور سپینش طنزیہ، مزاحیہ کردار یاد آ گیا ہے جسے Don Duixot کہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وہ مسخرہ، نائٹ Knight فرضی جن بھوت اور دیو بنا لیتا تھا اور بڑے بڑے نائٹس Knights اپنے تصور میں ہی پیدا کر لیا کرتا تھا اور پھر بہت ڈپٹ کر ان پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اسی قسم کی ایک کہانی اس کی ونڈمل (Windmill) سے لڑائی کی بیان کی گئی ہے۔ اگر اس کہانی کو موجودہ حالات پر چسپاں کرنے کے لئے کچھ تبدیلی کی جائے تو یوں بنے گی کہ Don Duixot اپنے جرنیل سانچو پنزو کے ساتھ اپنے ٹٹو اور گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے تو رستے میں ایک ونڈمل نظر آئی

پون چکی اس پر Don Duixot نے اپنی ساتھی کو بتایا کہ یہ دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور اور خوفناک دیو ہے اور آؤ ہم دونوں مل کر اس پر حملہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ڈپٹ کر اور للکار کر اس پر حملہ کیا اور تبدیل شدہ کہانی پھر یوں بنے گی کہ ونڈمل کو بری طرح شکست دی، اس کے پر خچے اڑا دیئے اس کو پارہ پارہ کر کے پھر انہوں نے فخر سے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ آج دنیا کے سب سے بڑے نائٹ نے دنیا کے سب سے بڑے دیو کو شکست فاش دے دی ہے۔ پس دیکھیں حقیقت وہی رہتی ہے۔ وقت بدلنے سے منظر کیسے تبدیل ہو جاتے ہیں اسی طرح زاویہ بدلنے سے بھی مناظر تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اگر امریکہ کے زاویے سے اس صورتحال کو دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوگا جیسے شکاری اصطلاح میں Heel کرنا کہا جاتا ہے کہ کتے کو اپنی ایڑی کے پیچھے لگا لینا۔ امریکہ کے زاویہ نگاہ سے یہ منظر دکھائی دے گا کہ امریکہ نے انگریزوں کو بھی Heel کر لیا اور فرانس کو بھی Heel کر لیا اور روس کو بھی Heel کر لیا غرضیکہ بہت سے اتحادیوں کو Heel کیا اور اس کے پیچھے پیچھے اور غول بیابانی بھی اکٹھا ہوا اور سب ایک شکار کی لالچ میں اس Heel کرنیوالے شکاری کے پیچھے لگ گئے کہ کب وہ شکار مارا جائے اور اپنی اپنی توفیق اور رتبے کے مطابق اس کے حصے بخرے کریں اور اس میں سے کچھ اپنے لئے حاصل کر سکیں۔

یہ جو لشکر روانہ ہوا ہے شکاریوں کا اور اس کے Heel ہوئے ساتھیوں کا، اس کے منہ سے کویت، کویت، کویت کی آوازیں آرہی ہیں اور جو پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ اپنے دانت تیز کر رہے ہیں کہ کب ہمیں کویت کے نام پر عراق کے شکار کا موقع ملے گا بہر حال ایک زاویہ نگاہ یہ ہے

اور اگر اسرائیل کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اسرائیل یہ سمجھتا ہوگا اور حق بجانب ہوگا یہ سمجھنے میں کہ اس نے امریکہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو ہیل کر لیا ہے اور اسرائیل کے پیچھے پیچھے وہ دیگر جنگلی مخلوقات بھی ساتھ چل رہی ہیں جن کو یہ علم نہیں کہ یہ وہ شکاری ہے جو رفتہ رفتہ پلٹ پلٹ کر ایک ایک Heel ہوئے ہوئے جانور کا شکار کرے گا اور پھر سب مل کر اس کا گوشت اڑائیں گے۔ تو ایک یہ بھی زاویہ نگاہ ہے حالانکہ حقیقت وہی رہتی ہے جس طرح چاہیں اس کی تعبیر کر لیں۔

یہ فیصلہ تو بہر حال آنے والا وقت کرے گا کہ کس نے کس کو Heel کیا ہے۔ آوازوں کے

لحاظ سے بھی دماغ عجیب عجیب کرشمے دکھاتا ہے۔ایک ہی آواز کے مختلف معنی لئے جاتے ہیں۔ایک آواز دنیا یہ سن رہی ہے کہ عراق کے جوڑ جوڑ توڑنے کا ارادہ اس لئے ہے کہ کبھی بھی عراق آئندہ کویت پر حملہ کرنے کی جرات نہ کرے۔گویا سارا مقصود کائنات کویت ہے اور ہر دوسرے ملک پر ہر دوسرے ملک کو حملے کرنے کی کھلی چھٹی ہے لیکن کویت پر کسی کو حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔پس کویت کویت کی آوازوں کا ایک یہ مطلب ہے جو دنیا کو سنائی دے رہا ہے اگر اسی آواز کو اسرائیل کے کانوں سے سنا جائے تو وہاں یہ آواز سنائی دے گی کہ عراق کے اسی لئے ٹکڑے ٹکڑے کئے جارہے ہیں اور اس لئے اسکا جوڑ جوڑ توڑا جا رہا ہے کہ یہ کبھی اسرائیل پر حملہ کرنے کا خواب بھی نہ دیکھ سکے اور صرف یہی نہیں بلکہ دنیا میں کوئی ملک بھی کبھی اسرائیل کو ٹیڑھی نظر سے دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔تو دیکھئے آواز وہی ہے لیکن مختلف کانوں میں مختلف شکلوں پہ پڑ رہی ہے اور مختلف دماغ اس کی مختلف تعبیریں کر رہے ہیں۔

ایک اور پہلو یہ قابل ذکر ہے کہ شائستگی اور تہذیب اور نرمی اور پیار صرف انسانوں کا حصہ نہیں بلکہ گوشت خور جانور بھی ایک تہذیب رکھتے ہیں۔ایک نرمی اور پیار رکھتے ہیں۔جب تک وہ شکار پر نہ جھپٹیں یا جب تک کسی دشمن کا مقابلہ نہ کریں ان کے پاؤں کے تلوے گداز اور نرم ہوتے ہیں اور مخمل کی طرح ہوتے ہیں۔ان کے جبڑے نرم نرم ہونٹوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہوتے ہیں،ان کے دانت نرم نرم ہونٹوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ آپس میں محبت اور پیار سے رہتے ہیں بلکہ دوسرے جانوروں کو بھی بری نظر سے نہیں دیکھتے لیکن وہ وقت جب شکار کا وقت آتا ہے، وہ وقت جب دشمن پر جھپٹنے کا وقت آتا ہے۔انہی نرم نرم مخملیں پاؤں سے خوفناک پنجے نمودار ہو جاتے ہیں اور انہی نرم ہونٹوں کے پیچھے سے وہ ہولناک کچلیاں نکل آتی ہیں جو کسی جانور پر رحم نہیں جانتیں۔پس اس صورتحال کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ وہ کون سے وقت ہوتے ہیں جب انسان پہچانے جاتے ہیں۔ ایک اردو شاعر نے بہت اچھی بات کہی جب یہ کہا کہ

ے اک ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے
لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

مگر مغربی دنیا کے عرب دوستوں کے متعلق حسرت سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ذرا سی بات تو

درکنار۔ عالم اسلام پر قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو ان کے برسوں کے یارانے نہیں جاتے اور ان سے دوست پہچانے نہیں جاتے۔

یہ ہے خلاصہ اس پس منظر کا جس کی روشنی میں میں آپ کے سامنے کچھ دوسرے امور رکھنا چاہتا ہوں جن کا زیادہ تر تعلق مختلف قوموں کو مشورے دینے سے ہے۔ قدیم سے لا مذہب سیاست کے تین اصول رہے ہیں جو مشرق اور مغرب میں برابر ہیں، مشترک ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے یہ مغربی سیاست کے اصول ہیں یا مشرقی سیاست کے اصول ہیں۔ کل کے ہیں یا آج کے۔ ہمیشہ سے یہی اصول چلے آرہے ہیں یعنی سیاست اگر لا مذہب اور بے دین ہو تو پہلا اصول یہ ہے کہ

قوم، وطن یا گروہ کا مفاد جب بھی عدل کے مفاد سے ٹکرائے تو قوم، گروہ اور وطن کے مفاد کو عدل کے مفاد پر لازماً ترجیح دو اور فوقیت دو۔ خواہ عدل کو اس کے نتیجے میں پارہ پارہ کرنا پڑے۔

قرآن کریم کا اصول سیاست اس سے بالکل مختلف ہے اور برعکس ہے۔ جو یہ ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:۹) کہ اے مسلمانو! تمہاری سیاست اور طرح کی سیاست ہے یہ الٰہی فرمان کے تابع سیاست ہے اور اس کا بنیادی اٹل اصول یہ ہے کہ کسی قوم کی شدید دشمنی بھی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ اس سے ناانصافی کا سلوک کرو۔ ہمیشہ عدل پر قائم رہو کیونکہ عدل تقویٰ کے قریب تر ہے۔

دوسرا اصول سیاست یعنی بے دین سیاست کا اصول یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تو مفادات کو طاقت کے زور سے ضرور حاصل کرو۔ کیونکہ "Might is Right" طاقت ہی صداقت ہے اس کے سوا دنیا میں صداقت کی اور کوئی تعریف نہیں۔

قرآن کریم اس کے برعکس ایک مختلف اصول پیش فرماتا ہے جو یہ ہے لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ (الانفال:۴۳) یعنی وہی ہلاک کیا جائے جس کی ہلاکت پر کھلی کھلی صداقت گواہ ہو اور وہی زندہ رکھا جائے جس کے حق میں کھلی کھلی صداقت گواہی دے۔ پس اسلام کا اصول Might is Right کے برعکس Right is might بنتا ہے۔

تیسرا اصول جو لادینی سیاست کا بنیادی حصہ ہے وہ یہ ہے کہ مقصد کے حصول کے لئے بے

دریغ جھوٹا پروپیگنڈا کرو۔ یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ جتنا زیادہ فریب اور ملمع کاری سے کام لیا جائے اتنا ہی زیادہ بہتر اور قوم کے مفاد میں ہے۔ پس دشمن کو صرف میدان جنگ میں شکست نہ دو بلکہ جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے اس کو نظریات اور اصولوں کی دنیا میں شکست خوردہ بنا کے دکھاؤ۔

ازل سے جب سے سیاست کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے یہی تینوں اصول ہمیشہ ہر جگہ کارفرما دکھائی دیں گے سوائے ان استثنائی ادوار کے جب سیاست بعض شرفاء کے ہاتھ میں چلی گئی ہو جو دینی اور اخلاقی اقدار کی قدر کرتے ہوں۔ یا جب مذہب کی دنیا میں خدا تعالیٰ نے دنیاوی طاقت بھی عطا کر دی ہو۔ قرآن کریم اس اصول کے بالکل برعکس یہ اصول پیش فرماتا ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:۳۱) پھر دوسری جگہ فرمایا: وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (الانعام:۱۵۳) لفظوں کی لڑائی میں بھی، لفظوں کے جہاد میں بھی تمہیں سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔ سچائی کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا اور جھوٹ کو قبول کرنا، یہ شرک کی طرح ناپاک اور نجس ہے۔ فرمایا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا بات بھی کرو تو عدل کے ساتھ کرو لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى خواہ تمہاری بات کا نقصان تمہارے قریبی کو پہنچتا ہو اس کی کچھ پرواہ نہ کرو۔

آج کی اسلامی دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ خدا اور دین محمدؐ کے نام پر جہاد کا اعلان کرتے ہیں لیکن سیاست کی تینوں شرائط لادینی سیاست سے اخذ کر لی ہیں اور قرآن کریم کی اس غالب سیاست کو چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اب تک جتنی دفعہ مسلمان اپنے اور اسلام کے دشمنوں سے ٹکرائے ہیں الا ماشاء اللہ معمولی اتفاق کے سوا ہر دفعہ نہایت ہی ذلت ناک اور عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کا یہ کھلا کھلا بلکہ اٹل وعدہ تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الحج:۴۰) کہ خبردار! میری خاطر، میرے نام پر جہاد کے لئے نکلنے والو سنو! تم کمزور ہو مگر میں کمزور نہیں ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اور یہ وعدہ اٹل ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ان کمزور اور دنیا کی نظر میں نہایت حقیر لوگوں کو جو خدا کی خاطر جہاد پر نکلے ہیں ضرور خدا کی نصرت عطا ہو گی اور ان کو اپنے غیروں پر غالب کیا جائے گا۔

یہ سوال آج مسلمان ذہن کو جھنجوڑ رہا ہے اور اسی لئے میں نے اس کو بہت اہمیت دی تا کہ مشرق سے مغرب تک کے دکھے ہوئے مسلمان دلوں کو سمجھاؤں کہ یہ شکست اسلام کی شکست نہیں

ہے بلکہ یہ شکست ان مسلمانوں کی ہے جنہوں نے اسلام کے اصولوں کو ترک کر کے شکست خوردہ اصولوں کو اپنالیا۔ پس یہ جنگ حق اور باطل کی جنگ نہیں رہی یہ طاقت اور کمزوری کی جنگ بن گئی۔ نہ خدا اس طرف رہا نہ خدا اس طرف رہا اور جب طاقت اور کمزوری کی جنگ بن جائے تو طاقت لازماً جیتتی ہے اور اسی کا مطلب ہے "Might is Right"۔

پس خلیج کی جنگ کے اس دردناک واقعہ میں ہمارے لئے بہت گہرے سبق ہیں اور سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اعلیٰ پائیدار اور ناقابل تسخیر اصولوں کی طرف لازماً لوٹنا ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کے حق میں یہ وعدہ پورا نہیں ہوگا کہ ارض کے اوپر خدا کے پاک بندوں کی حکومت لکھی جاچکی ہے۔ الارض یعنی فلسطین کی زمین ہو یا ساری دنیا مراد ہو جب تک **عباد الصلحین** پیدا نہیں ہوتے اور قرآن کریم کے پاکیزہ ہمیشہ زندہ رہنے والے، ہمیشہ غالب آنے والے اصولوں پر عمل نہیں کرتے اس وقت تک ان کے مقدر میں کوئی دنیاوی فتح بھی نہیں لکھی جائے گی۔

پس مسلمانوں کے دلوں پر جو ظلم پر ظلم کی آری چلائی جارہی ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ گویا حق اتحادیوں کے ساتھ تھا اور حق کو جھوٹ اور باطل پر فتح ہوئی ہے یہ ہرگز درست نہیں۔

اس ضمن میں ایک اور بات آپ کے علم میں آنی چاہئے کہ ایک امریکن جرنیل بار بار یہ کہتے رہے کہ ہم سارے سفید ٹوپیوں والے ہیں اور عراق اور عراق کے ساتھی سارے کالی ٹوپیوں والے۔ مغربی ناولوں کا ایک جاہلانہ تصور ہے کہ جوان کے لڑاکا پستول کے اچھے ماہر ہوں وہ سفید ٹوپیاں پہنا کرتے ہیں اور جو بدمعاش ان کے مقابل پر ہوں جن پر وہ غالب آتے ہوں وہ کالی ٹوپیاں پہنتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ یہ سفید اور کالے کی جنگ نہیں تھی۔ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ صدام حسین اتنا ظالم اور سفاک ہے کہ اس نے کردوں کو گیس کا عذاب دے کر مارا اور پھر کردوں کے گاؤں کے گاؤں بمباری کے ذریعے ملیا میٹ کر دیئے۔ اگر یہ بات درست ہے اور غالباً درست ہے تو ایک ایسا بھیانک جرم ہے جس کے لئے جو ظلم کرنے والا ہے وہ خدا کے حضور جواب دہ ہوگا اور تاریخ کے سامنے بھی جواب دہ ہوگا۔ مگر یہ ساری تصویر نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ جرم صدام حسین کو کن قوموں نے سکھایا تھا اور کیسے سکھایا تھا۔

1920ء کی بات ہے کہ انگریزوں کی یہ پالیسی تھی کہ کردوں کو عراقیوں کا غلام بنا دیا جائے جب کردوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو 1920ء میں سب سے پہلے برطانیہ کی حکومت نے نہتے اور کمزور کردوں پر گیس کے بم برسائے اور نہایت دردناک طریق پر ہزار ہا کا قتل عام کیا۔ اس کے بعد مسلسل انگریزوں نے کردوں کو عراق کا غلام بنانے کی خاطر سالہا سال تک ان غریبوں کے دیہات پر بمباری کی چنانچہ اس بمباری کا ایسا اثر اس زمانے کے ان لڑنے والوں پر بھی پڑا جن کے ذریعے بمباری کی جارہی تھی کہ ایک برطانوی ایرفورس کے بہت بڑے افسر نے احتجاج کے طور پر استعفیٰ دے دیا (1922ء کی بات ہے) کہ یہ ظلم میں برداشت نہیں کرسکتا ایسا خوفناک ظلم توڑا جارہا ہے کردوں پر کہ میری حد برداشت سے باہر ہے۔

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ ایران میں بھی صدر صدام نے انہی جرائم کا ارتکاب کیا اور کثرت کے ساتھ ایرانیوں کو گیس کا عذاب دے کر مارا اور ان کی شہری آبادیوں پر بمباری کی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں بھی گیس بنانے کے سامان مغرب نے ان کو مہیا کئے اور دور مار توپیں بھی مغرب نے مہیا کیں اور سب سے زیادہ مالی امداد کرنے والے سعودی عرب اور کویتی تھے اور امریکہ مسلسل ان کی حمایت میں کھڑا رہا ہے۔

پس یہ درست ہے کہ صدام نے انسانیت کے خلاف جو جرائم کئے ہیں وہ ان کے لئے جواب دہ ہے مگر یہ درست نہیں کہ صرف صدام ہی نے جو جرائم کئے ہیں اور بھی بہت سے جرم کرنے والے ہیں اور وہ اتحادی جو اس وقت پاک باز اور معصوم بنا کر پیش کئے جارہے ہیں ان کے اندر بڑے بڑے ظالم اور سفاک موجود ہیں جنہوں نے ہمیشہ جب ان کو ضرورت پیش آئی جرم کی حمایت کی اور سفاکی کا دل بڑھایا۔ پس یہ جنگ سچ اور جھوٹ کی جنگ نہیں ہے۔

مسلمان نوجوان خصوصیت سے سخت دل شکستہ ہیں اور جو اطلاعیں مجھے دنیا سے مل رہی ہیں بعض نوجوان بچوں اور عورتوں، لڑکیوں وغیرہ کا یہ حال ہے کہ ان ظلموں کو دیکھ دیکھ کر جو عراق پر توڑے جارہے ہیں رو رو کر انہوں نے اپنی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ خود انگلستان میں ہی بعض بچے اور بعض بچیاں مجھے ملنے آئے۔ درد کی شدت سے ان سے بات نہیں ہوتی تھی۔ بات کرتے کرتے ہچکیاں بندھ گئیں کہ ہمیں بتائیں یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ہمارا خدا ان کی مدد کو نہیں آرہا؟ ان کو میں

سمجھانا چاہتا ہوں کہ۔

اول تو یہ کہ جب خود خدا کے بندے توحید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں اور اسلام کے پاکیزہ اصولوں کو اپنانے کی بجائے دشمنوں کے ناپاک اصولوں کو اپنالیں تو خدا نہ ادھر رہتا ہے نہ ادھر رہتا ہے اور یہ حق و باطل کی جنگ نہیں رہتی۔

دوسرے یہ کہ جہاں تک دنیاوی جنگوں کا تعلق بھی ہے اس شکست کے ساتھ وقت ٹھہر تو نہیں گیا۔ تاریخ تو جاری وساری ہے ابھی چند دن گزرے ہیں۔ تاریخ اپنے رخ ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ وقت پلٹ جاتے ہیں اور آج کچھ ہے تو کل کچھ ہو جاتا ہے۔ بعض قوموں نے سینکڑوں سال تک جبر واستبداد کی حالت میں زندگی گزاری اور پھر خدا نے ان کو اپنے دشمنوں پر فتح عطا فرمائی۔ پس خدا کے وقت کے مطابق سوچ پیدا کریں۔ اپنے وقت کے مطابق عجلت سے کام نہ لیں۔ دنیا کی تاریخ ایک جاری وساری سلسلہ ہے جو ہمیشہ ایک حال پر قائم نہیں رہا کرتا۔ آپ کے دل کی تسلی کے لئے میں آپ کو تاریخ میں کچھ پیچھے لے جاتا ہوں 1919ء میں جو کچھ یورپ میں ہو رہا تھا اس کی یاد آپ کو دلاتا ہوں یہ وہ سال ہے جبکہ جیتی ہوئی اتحادی طاقتیں جرمنوں کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لئے ورسائے Versalles میں اکٹھی ہوئی تھیں وہ سال انگلستان کے الیکشن کا سال بھی تھا۔ لائیڈ جارج وزیراعظم نے یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے یہ بیان دیا کہ میں جرمن نمبو Lamon کو اس سختی سے نچوڑوں گا کہ اس کے بیجوں سے چرچرانے کی آواز آئے اور ہائے ہائے کی صدائیں اٹھنے لگیں۔ اس ارادے کے ساتھ یہ ورسائے کے لئے روانہ ہوئے۔ مبصر لکھتا ہے کہ ورسائے پہنچ کر جب انہوں نے فرانسیسی نمائندوں کے انتقامی ارادوں پر اطلاع پائی تو وہ سمجھے کہ میرے ارادے تو ان کے مقابل پر بخشش اور حلم کا نمونہ تھے۔ فرانسیسی نمائندوں میں ایسی خوفناک انتقامی کارروائیوں کے جذبات تھے کہ گویا ہر جرمن کو ملیامیٹ کرنے کا فیصلہ تھا۔ بہر حال آپس میں افہام وتفہیم کے ذریعے کچھ ایسے فیصلے کئے گئے جن کے نتیجے میں اس بات کو لازمی بنادیا گیا کہ آئندہ کبھی جرمن قوم کسی اور قوم کے خلاف ہتھیار نہ اٹھا سکے۔ وہی تصویر ہے جو آج عراق کی صورت میں ان کے ارادوں کی شکل میں آپ کو دکھائی دیتی ہے لیکن کچھ عرصے کے بعد اس بات کو مزید یقینی بنانے کے لئے 1928ء میں امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ اور فرانس کے وزیراعظم نے مل کر (سیکرٹری آف سٹیٹ

کا نام Mr.Frank Kellogg تھا) انہوں نے یورپ میں پندرہ مغربی ممالک کی ایک کانفرنس بلائی جس کا عنوان یہ تھا کہ جنگ کو Out Law کر دیا جائے یعنی ایسا مفرور مجرم قرار دیدیا جائے جس کے قتل کا سب کو حق ہے۔عملاً یہ اعلان تھا کہ ہم اب جنگ کو ہمیشہ کے لئے دفنا دیں گے پندرہ ملکوں کے نمائندے اکٹھے تھے جس ہال میں یہ تقریب منعقد ہوئی وہاں جب سب سے پہلے جرمن نمائندہ اپنا سنہری قلم لے کر دستخط کرنے لگا تو سارا ہال تالیوں کی گونج سے لرزنے لگا کسے خبر تھی کہ اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد یعنی 1928ء کو گیارہ سال بمشکل گزریں گے کہ وہی مردہ دوبارہ زندہ ہو جائے گا اور ایک ملک یا ایک وزیر اعظم کو تاخت و تاراج نہیں کرے گا بلکہ اس کی ہیبت سے مشرق و مغرب تک قوموں کے ایوان لرزنے لگیں گے اور بموں کے دھماکوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے گی۔پس دیکھو آناً فاناً یعنی تاریخ کے نقطہ نگاہ سے چند سال آناً فاناً کی بات ہوا کرتی ہے، آناً فاناً کیسے مناظر بدل گئے۔

خدا زندہ ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔انسانی نسلیں آتی ہیں اور گزر جایا کرتی ہیں۔اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ تم تاریخ کے ان اتفاقات پر بھروسہ رکھو میں یہ کہتا ہوں کہ تاریخ کے اس ادلنے بدلنے کے مضمون کو پیش نظر رکھو اور مایوس نہ ہو لیکن بھروسہ خدا پر رکھو جو دائمی ہے اور جس پر دنیا کی کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی۔وہ دنیا کی اور کائنات کی ہر طاقت کو مغلوب کر سکتا ہے۔اس کے ہاتھ میں ان طاقتوں کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔پس اگر تم مظلوم اور مجبور ہو اور درد سے کراہ رہے ہو تو اس درد کو دعاؤں میں خدا کے حضور پیش کرو۔میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری ہر شکست اس طریق پر فتح میں تبدیل ہو جائے گی۔

میں اتحادی فوجوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں اور اتحادی ملکوں کے سربراہوں کو بھی یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر آپ کو بنی نوع انسان کی بھلائی مقصود ہے۔اگر واقعی آپ دائمی امن چاہتے ہیں تو آپ کی سیاست کے اصول تو بار بار پٹ چکے ہیں اور کبھی بھی دنیا میں امن قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔اس لئے خدا کے لئے اب تو عبرت حاصل کرو اور اسلام کے سیاست کے ان اصولوں کو اپناؤ جو تقویٰ کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں۔جن کی جڑیں تقویٰ میں ہیں جو تقویٰ کے پانی سے پلتے ہیں اور تقویٰ کی طاقت سے نشوونما پاتے ہیں۔اگر تم اسلام کے ان تین اصولوں کو اپنا لو جن کا میں ذکر کر چکا ہوں تو یہی ایک ذریعہ ہے کہ جس سے دنیا کو دائمی امن کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔اگر ایسا نہ کرو گے تو

جبر و استبداد کی طاقتیں خواہ مغربی ہوں یا مشرقی ، ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم گرانے والا امریکہ ہو یا انڈونیشیا میں بربریت کی نئی حیرت انگیز مثالیں اور نہایت دردناک مثالیں قائم کرنے والا جاپان ہو، میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان کی نیتیں وہی رہیں جو ہمیشہ سے سیاستدانوں کی نیتیں چلی آئی ہیں اور اخلاق کی بجائے خود غرضی پر ان کی بنا ہوئی تو کبھی دنیا کو امن عطا نہیں کر سکتے ۔ دنیا کی طاقتور قوموں کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنی نیتوں کے جنگلوں میں چھپے ہوئے بھیڑیوں کو ہلاک کریں ۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو صدام کی ایلیٹ فورس کو تباہ کرنے سے دنیا میں امن کی ضمانت نہیں ہوسکتی ، تمام عراق کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیں تب بھی دنیا میں امن کی کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی ۔ انسان کو ہلاک کرنے کے لئے اس کی نیتوں میں بھیڑیے چھپے ہوئے ہیں ۔ جب تک نیتوں میں پوشیدہ بھیڑیوں کو انسان ہلاک نہیں کرتا اور عدل پر قائم ہونے کے عہد نہیں کرتا اس وقت تک دنیا کو ہرگز امن کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی ۔

لیکن یہاں ایک بہت ہی اہم سوال اٹھتا ہے کہ جب تک قرآن کا پیش کردہ نظام عدل اسلامی دنیا خود قبول نہ کرے اور اپنے اپنے ملکوں میں اسلام کا نظام عدل جاری کر کے نہ دکھائے اور اپنے نظریات کو عادلانہ نہ بنائے اس وقت تک وہ دنیا کو کیسے اسلام کے عدل کی طرف بلا سکتی ہے ۔ یہ ناممکن ہے جب تک عالم اسلام خود عدل پر قائم نہیں ہوتا یعنی قرآن کے تصور عدل پر قائم نہیں ہوتا ، نہ عالم اسلام دنیا کو عدل عطا کر سکتا ہے نہ دنیا سے عدل کی توقع رکھ سکتا ہے ۔ اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام میں نہایت ہی خوفناک ایسی باتیں رائج ہیں جو اسلام کے ساتھ بے وفائی کا حکم رکھتی ہیں اور بجائے اس کے کہ اسلام کی عادلانہ تعلیم کو سمجھیں اور قبول کریں ، اسلام کو دنیا کے سامنے ایک ایسے مذہب کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جس کا عدل کے ساتھ کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں ۔ اس میں سب سے بڑا قصور ملّاں اور سیاستدان کا ہے ان دونوں کے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں اسلام کے نظام عدل کو تباہ کیا جا رہا ہے تین ایسے نظریات اسلام کی طرف منسوب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں کہ جن کے نتیجے میں بیرونی دنیا میں اسلام کی تصویر ظالمانہ طور پر مسخ ہو کر پیش ہو رہی ہے اور ہر اسلامی ملک سے بھی امن اٹھتا چلا جا رہا ہے ۔

پہلا نظریہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ تلوار کا استعمال نظریات کی تشہیر میں نہ صرف جائز بلکہ ضروری

ہے اور تلوار کے زور سے نظریات کو تبدیل کر دینے کا نام اسلامی جہاد ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حق صرف مسلمانوں کو ہے۔ عیسائیوں یا یہود یا ہندوؤں یا بدھوں کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی مسلمان کے نظریے کو بزور تبدیل کریں لیکن خدا نے یہ حق سارے کا سارا مسلمانوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ کیسا غیر عادلانہ، کیسا جاہلانہ تصور ہے لیکن اسے اسلام کے نام پر ساری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔

پھر دوسرا جزو اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو کسی کا حق نہیں کہ اسے موت کی سزا دے۔ تمام دنیا میں جہاں کوئی چاہے اپنے دین کو چھوڑ چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتا رہے دنیا کے کسی مذہب کے ماننے والوں کو حق نہیں کہ اسے موت کی سزا دیں لیکن اگر کوئی مسلمان دوسرا مذہب اختیار کر لے تو دنیا کے ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس کی گردن اڑا دے۔ یہ اسلام کا دوسرا منصفانہ اصول ہے جو اسلام کے علمبردار خدا اور قرآن کے نام پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان حکومتوں کا فرض ہے کہ شریعت اسلامیہ کو زبردستی ان شہریوں پر بھی نافذ کریں جو اسلام پر ایمان نہیں لاتے لیکن دوسرے مذاہب کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی اپنی شریعت مسلمانوں پر نافذ کریں۔ چنانچہ اس نظریہ عدل کی رو سے یہود کو بھی یہ حق نہیں کہ مسلمانوں سے طالمود میں بیان کردہ سلوک کریں اور ہنود کو بھی یہ حق نہیں کہ مسلمانوں سے منوسمرتی میں بیان کردہ سلوک کریں۔ پس یہ تیسرا تصور عدل ہے۔ یہ صرف تین مثالیں ہیں لیکن حقیقت میں آپ مزید جائزہ لیں تو بہت سے اور امور بھی ایسے ہیں جن میں آج کے مولوی کا پیش کردہ تصور اسلام قرآن کریم کے واضح اور بین اصول عدل سے متصادم ہے اور اسے رد کرنے کے مترادف ہے۔ آج دنیا میں اسلام کے خلاف سب سے زیادہ استعمال ہونے والا ہتھیار یہی وہ تین اصول ہیں جن کی فیکٹریاں مسلمان ملکوں میں لگائی گئی ہیں۔ یہود سب سے زیادہ کامیابی کے ساتھ ان تین اسلامی اصولوں کو یعنی **نعوذ بالله من ذالك** اسلامی اصولوں کو مولویوں کے بنائے ہوئے اسلامی اصولوں کو کہنا چاہئے۔ مغربی دنیا میں اور دوسری دنیا میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے تمہیں کس طرح امن نصیب ہوسکتا ہے ان لوگوں سے ہمیں کس طرح امن نصیب ہوسکتا ہے جن کا انصاف کا تصور اور عدل کا تصور ہی پاگلوں والا تصور ہے جس کے اندر کوئی عقل کا شائبہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ مسلمانوں کے لئے اور حقوق غیروں کے لئے اور حقوق، سارے حقوق دنیا میں راج کرنے کے مسلمانوں کو اور سب غیر

ہر دوسرے حق سے محروم۔ اگر نعوذ باللہ من ذالك یہ قرآنی اصول ہے تو لازماً ساری دنیا اس اصول سے متنفر ہوگی اور مسلمانوں کو امن عالم کے لئے شدید خطرہ محسوس کرے گی۔

پس صرف یہی کافی نہیں کہ غیروں سے ان زیادتیوں کے شکوے کئے جائیں جو مسلمان پر کی جاتی ہیں۔ اپنے پر بھی نظر ڈالنی چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ یہ زیادتیاں کیوں ہو رہی ہیں اور شاطر دشمن کس طرح مسلمانوں کے خلاف خود مسلمانوں کے بنائے ہوئے ہتھیاروں کو استعمال کر رہا ہے پس امر واقعہ یہی ہے کہ اسلامی ممالک میں اسلام کی طرف منسوب ہونے والے نہایت مہلک ہتھیاروں کی فیکٹریاں لگی ہوئی ہیں اور ملاں ان کارخانوں کو چلا رہے ہیں اور بھاری تعداد میں دشمن ممالک میں یہ دساور کو بھیجے جاتے ہیں اور ان کی برآمد ہوتی ہے اور پھر یہی ہتھیار عالم اسلام کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان سیاستدانوں کا بھی اس میں بہت بڑا قصور ہے۔ انہوں نے خود اسلام کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ملاں کے سپرد کر بیٹھے اور یقین کر لیا کہ ملاں اسلام کی جو بھی تصویر پیش کر رہا ہے وہی درست ہے لیکن ان کے ضمیر نے اور ان کی روشن خیالی نے اس تصویر کو رد کیا ہے لیکن یہ جرأت نہیں رکھتے کہ ان نظریات کو غیر اسلامی سمجھتے ہوئے بھی ان کی مخالفت کر سکیں۔ پس اس نفسیاتی الجھن نے تمام اسلامی ریاست کو مریض بنا رکھا ہے دوگلا اور منافق بنا دیا ہے۔ اپنے عوام ان ملانوں کے سپرد کر دیئے ہیں جو ازمنہ وسطی کی سوچ رکھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے روشن زمانے سے روشنی حاصل نہیں کرتے اس لئے جب انہوں نے اپنے عوام کو ہی ان کے ہاتھ میں دے دیا تو ان کی طاقت سے ڈر کر وہ کھلم کھلا یہ کہنے کی جرأت نہیں رکھتے کہ یہ اصول غلط ہیں کیونکہ وہ خود بھی ان کو نعوذ باللہ اسلامی اصول سمجھ رہے ہیں۔ پس اب وقت ہے کہ حکومتیں ہوش کریں اور عالم اسلام جو دو نیم ہوا پڑا ہے، سیاست کی دنیا الگ ہے اور مذہبی سوچ کی دنیا الگ ہے اور ان دونوں کے درمیان تصادم ہے۔ یہ دوسرا خطرناک پہلو ہے جس کے نتیجے میں عالم اسلام کو خود اپنی طرف سے بھی خطرہ ہے اور اس خطرے کی بیخ کنی ضروری ہے بلکہ فوری ہے ورنہ ایک نئے جہان کا نظام نو بنانے میں مسلمان کوئی کردار ادا نہیں کر سکیں گے۔ پس ضروری ہے کہ مسلمان حکومتیں واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کریں کہ قرآن کے نظام عدل سے ٹکرانے والا کوئی نظریہ اسلامی نہیں کہلا سکتا اس سے بڑی اور کسی دلیل کی

ضرورت نہیں ہے۔ بار بار علماء کو چیلنج کریں کہ آؤ اور اس میدان میں ہم سے مقابلہ کرو ہم اعلان کرتے ہیں کہ قرآن کریم کا نظام عدل واضح اور بین اور غیر مبہم ہے اور عالمی ہے قومی نہیں ہے۔ اگر عالمی نہ ہو تو نظام عدل کہلا ہی نہیں سکتا۔ بین الاقوامی ہے۔ Absolute ہے پہلے اس بات پر بحث کرو کہ یہ ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم کے نظام عدل سے ٹکرانے والا ہر نظریہ غیر اسلامی ہے۔

دوسرے اس اعلان کی ضرورت ہے کہ ہر وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف غیر عادلانہ نظریہ منسوب کرے گا وہ کلام الٰہی کی گستاخی کا مرتکب شمار ہوگا اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا جائے کہ ہر وہ شخص جو حدیث رسول کی طرف قرآن کریم کے خلاف نظریات منسوب کرنے کی کوشش کرے، وہ کلام رسول کی گستاخی کا مرتکب شمار کیا جائے گا۔ یہ ایک ہی لائحہ عمل ہے جو عالم اسلام کے اندرونی تضادات کو دور کرسکتا ہے۔ اگر آج کسی سیاستدان کے دماغ میں روشنی ہے اور وہ تقویٰ رکھتا ہے اور انصاف کا دامن پکڑے ہوئے ہے۔ اگر آج اس میں یہ جرأت ہے کہ حق بات کر سکے اور حق طریق پر کر سکے، اگر آج وہ اپنی قوم اور عالم اسلام سے محبت رکھتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس میدان میں اسلام کے حق میں جہاد کا آغاز کرے ورنہ یہ میدان نہ جیتا گیا تو کوئی اور میدان نہیں جیتا جائے گا۔

اگر چہ ایک گونہ منافقت کے ذریعے مسائل ٹل رہے ہیں لیکن بلا ہمیشہ کے لئے سر سے اتر نہیں گئی۔ عالم اسلام میں ہم یہ واقعہ بار بار ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ جب بھی عالم اسلام کو کہیں سے کوئی خطرہ درپیش ہو وہیں ملائیت کو فروغ ملنے لگتا ہے اور ملائیت دماغوں میں زیادہ سے زیادہ نفوذ کرنے لگتی ہے اور اس وقت ایک انتہا پسند انقلاب کے خطرات سر پر منڈلانے لگتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اگر حکمت کے ساتھ بر وقت اس کا انسداد نہ کیا گیا اور عوام کی سوچ میں اور سیاست کی سوچ میں مذہبی اور سیاسی نقطہ نگاہ سے یک جہتی پیدا نہ کی گئی تو اسلامی ممالک ہمیشہ کمزور رہیں گے اور ہمیشہ اندرونی خطرات کی وجہ سے یہ زلزلوں میں مبتلا رہیں گے اور کبھی ان کو استحکام نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دوٹوک فیصلوں کی ضرورت ہے اور آج ان فیصلوں کی ضرورت ہے کیونکہ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے اور ہم سے مزید رحم کا سلوک نہیں کرے گا۔ رحم کا سلوک کتنی دفعہ ہمیں سزا دے چکا ہے۔ کتنی دفعہ ہمیں دنیا میں ذلیل اور رسوا کر چکا ہے اگر آج نہیں اٹھو گے تو پھر

کبھی نہیں اٹھ سکو گے اس لئے اٹھو اور یہ فیصلے کرو اور خدا کو حاضر ناظر جان کر یہ فیصلے کرو کہ حق کے لئے حق نام کی تلوار اٹھاؤ گے اور وہ نظریاتی جہاد شروع کرو گے جس کی قرآن کریم نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ تم پر اس جہاد کو واجب کر رہا ہے۔

یہی وہ خطرات ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے کسی اسلامی ملک میں حقیقی جمہوریت آ ہی نہیں سکتی۔ اگر جمہور کی بات کریں تو جمہور کی تعلیم و تربیت کا کوئی مؤثر انتظام نہیں ہے۔ نہ سیاسی سوچ میں ان کو شامل کیا جاتا ہے، نہ مذہبی سوچ میں ان کو شامل کیا جاتا ہے بلکہ حکمران طبقہ ان کے نام پر ووٹ لے کر، ابھر کر ایک نیا تشخص حاصل کر لیتا ہے۔ پس ایسے ملک جہاں حکمران طبقے اور عوام الناس میں سوچ اور مذہبی خیالات کی ہم آہنگی نہ ہو وہاں اگر جمہوریت آ بھی جائے تو وہ آمر پیدا کر سکتی ہے جمہوری حکمران پیدا نہیں کر سکتی اور دنیا میں بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ جمہوری عمل کے ذریعے آمر پیدا ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ خطرہ یہ ہے کہ چونکہ مسلمان حکمرانوں کو ہمیشہ یہ خطرہ دامن گیر رہتا ہے کہ ملائیت ہمارے عوام کو کہیں اس حد تک اسلام کے نام سے ہمارے خلاف نہ کر دے کہ ہمارے خلاف کسی قسم کا انقلاب برپا ہو جائے۔ اس خطرے کے پیش نظر وہ ضرور آمر بننا شروع ہو جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ جبر کو اختیار کرنے لگتے ہیں اور چونکہ جن پر ظلم کیا جاتا ہے وہ عوام کی نظر میں اسلام کے سچے ہمدرد ہوتے ہیں اس لئے دن بدن علماء کے حق میں اور سیاستدانوں کے خلاف نفرت کے جذبات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پس یہ ایک مسئلہ نہیں۔ اس مسئلے کی کئی شاخیں ہیں اور ان سب مسائل کا ایک ہی علاج ہے جو میں نے بیان کیا ہے کہ قرآن کے عدل کے نظام کو اس طرح مضبوطی سے پکڑ لیں جیسے **”عروہ وثقی“ پر ہاتھ ڈال دیا جاتا ہے جس کے لئے پھر ٹوٹنا مقدر نہ ہو۔ یہی وہ خدا کی رسی ہے، عدل کی رسی جسے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقوام عالم میں امن پیدا کرنے کے لئے لٹکایا تھا۔ اس رسی کا دامن چھوڑ کر آپ کو دنیا میں کہیں امن نصیب نہیں ہو سکتا پس مضبوطی سے اس کڑے پر ہاتھ ڈالیں اور تمام دنیا کو بھی جو امن کی متلاشی ہے اسی کڑے پر ہاتھ ڈالنے کے لئے دعوتیں دیں۔**

پھر ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ جہاد کے دعاوی بھی کئے جاتے ہیں اور اعلان بھی کئے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ملاّں کے ان تین اصولوں کو تسلیم بھی کیا جاتا۔ یہ سیاستدان کا دوسرا جرم ہے

جانتے بوجھتے ہوئے کہ اسلام کا نظام عدل اس قسم کی لڑائیوں کی تلقین نہیں کرتا جس قسم کی لڑائیوں کو ملاّں جہاد قرار دیتا ہے۔ جب بھی کوئی ملکی خطرہ درپیش ہوا اور سیاسی جنگ سامنے ہو تو خود ملاّں سے کہکر اور اس کے ہم آواز ہو کر عوام کو جہاد کے نام پر بلانے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا ان قوموں سے مزید متنفر ہو جاتی ہے اور دل میں یقین کر لیتی ہے کہ ان کے سیاست دان ظاہری طور پر تو یہی کہتے ہیں کہ اسلام کے جہاد کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تلوار کے زور سے نظریات کو پھیلاؤ یا ہر لڑائی میں خدا کا نام استعمال کرو مگر جب ضرورت پڑتی ہے تو ہمیشہ اسی تصور کا سہارا لیتے ہیں بار بار ہر جگہ ایسے ہوتا ہے اور ہوتا چلا آیا ہے۔

میں نے جہاں تک اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے آنحضرت ﷺ کے مقدس دور کے بعد اگر مسلمان ملکوں کی لڑائیوں پر نظر ڈالیں تو آپ حیران ہوں گے کہ تمام لڑائیاں جہاد مقدس تھیں۔ ایک بھی لڑائی مسلمانوں نے نہیں لڑی خواہ وہ غیروں کے ساتھ لڑی ہو یا اپنوں کے ساتھ لڑی ہو۔ خواہ وہ سنّی سنّی کے درمیان ہو یا شیعہ شیعہ کے درمیان ہو یا شیعہ سنی کے درمیان ہو جو اس وقت کے علماء اور ان کے سیاستدانوں کے نظریوں کے مطابق جہاد مقدس نہ ہو۔ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کے سوا کوئی لڑائی پیش نہیں آتی۔ ساری دنیا کی قومیں سیاسی لڑائیاں لڑتی ہیں۔ ان کو ہر قسم کی لڑائیوں کے سامنے کرنے پڑتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے صرف جہاد ہی رہ گیا ہے اور اس جہاد کی تاریخ میں بھاری حصہ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے کا ہے اور ایک دوسرے کو جہاد کے نام پر قتل و غارت کیا گیا ہے۔

پس یہ تمسخر تو المیہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ایک دردناک المیہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اب اس المیہ کو ختم ہونا چاہئے دنیا کی نظر سے دیکھیں تو اس زمانے کا سب سے بڑا تمسخر یہ نظریہ ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جسے اسلام کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے اور اگر اندرونی مسلمان کے دل کی نظر سے دیکھیں تو ایک انتہائی دردناک اور ہولناک المیہ ہے جو 1300 سال سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ اس لئے اگر اپنی تقدیر بدلنا چاہتے ہیں تو اپنے خیالات اور اپنے رجحانات اور اپنے اعمال میں پاک تبدیلیاں پیدا کریں۔ جب تک مسلمانوں کی سوچ میں انقلاب برپا نہیں ہوتا اس وقت تک وہ دنیا میں کوئی انقلاب برپا کرنے کے اہل نہیں ہو سکتے اور پھر ظلم پر ظلم یہ کہ اس جہاد کے نظریے پر یقین رکھتے ہوئے جہاد کی تیاری کوئی

نہیں۔قرآن کریم نے تو یہ تعلیم دی تھی وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال:۶۱) کہ اے مسلمانوں اپنی خود حفاظتی کے لئے تیار رہو اور خوب تیاری کرو ہر ایسے دشمن کے خلاف جو تم پر کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔ ہر قسم کے میدان میں اپنے سواروں کے ذریعے اور پیدلوں کے ذریعے ان سے مقابلے کے لئے ایسے تیار ہو جاؤ کہ ان پر دور دور تک تمہارا رعب پڑ جائے اور کسی کو جرأت نہ ہو کہ ایسی تیار قوم پر حملے کا تصور کر سکے۔ وہ صرف تمہارے ہی دشمن نہیں بلکہ پہلے اللہ کے دشمن ہیں۔ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ پس تم تو اپنے دشمنوں سے غافل رہ سکتے ہو۔لیکن خدا اپنے دشمنوں سے غافل نہیں رہا کرتا لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ایسے حال میں بھی کہ جب تم ان سے بے خبر ہو گے خدا ان کو جانتا ہو گا۔ پس اگر تم تیاری کا حکم تسلیم کر لو اور دل و جان سے اس پر عمل کرو تو خدا تمہیں خوشخبری دیتا ہے کہ تمہاری غفلت کی حالت میں بھی پردہ پوشی سے کام لے گا اور تمہیں دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھے گا۔

یہ ہیں اسلامی جہاد کو تسلیم کرنے کے بعد اس پر عمل کا فیصلہ کرنے کے بعد مسلمانوں کی ذمہ داریاں جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہیں ان پر کہاں عمل ہو رہا ہے۔حالت یہ ہے کہ جتنے مسلمان ممالک ہیں یہ اسلحہ سازی میں ہر اس ملک کے محتاج ہیں جن کے خلاف مسلمان جہاد کا اعلان کرتے ہیں۔جن مغربی یا مشرقی قوموں کو مشرک اور خدا سے دور اور خدا کے دشمن اور بت پرست اور ظالم اور سفاک بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور یہ حکم سنایا جاتا ہے کہ ان سے لڑنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے راکٹ مانگنے کے لئے بھی ان کی طرف ہاتھ بڑھائے جاتے ہیں اور سمندری اور ہوائی جنگی جہاز مانگنے کے لئے بھی ان کی طرف دیکھا جاتا ہے، توپیں بھی ان سے مانگی جاتی ہیں۔ ہر قسم کے راکٹ اور دوسرا اسلحہ بھی ان سے طلب کیا جاتا ہے۔سادگی کی حد ہے۔ کہتے ہیں

؎ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

لیکن یہ سادگی پھر بھی قرین قیاس ہے۔ سمجھ میں آجاتی ہے، بھولا پن ہے مگر تمہاری سادگی جہالت کی انتہا ہے کہ جن کو دشمن قرار دیتے ہو، جن کو للکارتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمارے مذہب کی تلقین

ہے کہ تمہارے خون کا آخری قطرہ چوس جائیں انہی سے مخاطب ہو کے کہتے ہو کہ ہم نہتے ہیں۔ ہمیں ہتھیار تو دو کہ تمہاری گردنیں اڑائیں۔اس سے بڑی جہالت اور کیا ہوسکتی ہے۔ پس اب ایک قوم کی قوم نے اپنے مفادات کی خودکشی کا فیصلہ کرلیا ہو تو کون ہے جو ان کی مدد کو آئے گا اور کیسے کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔ایسی قوموں کی تو پھر خدا بھی مدد نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۲) ہرگز خدا تعالیٰ کسی قوم کی امداد کا فیصلہ نہیں کرتا۔کسی قوم کی امداد کو نہیں آتا۔اس کے اندر تبدیلیاں پیدا نہیں کرتا جتنی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اس کے دونوں معنی ہیں یعنی یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو تبدیل کرلیں۔ایک اور آیت میں اس کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اپنی نعمتوں کو خود اپنے ہاتھ سے ضائع نہ کرلیں، ضائع کرنے کا فیصلہ نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کی نعمتوں کو تبدیل نہیں کیا کرتا۔اس آیت کو کھلا چھوڑا گیا ہے جس کا مطلب ہے دونوں معانی ہو سکتے ہیں کہ وہ قومیں جو اپنی نعمتوں کو تبدیل کرنے میں جو خدا نے ان کو عطا کی تھیں پہل نہ کریں اللہ تعالیٰ بھی ان کی نعمتوں کی حفاظت فرمائے گا اور دوسرا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قومیں جو خود اپنی تقدیر بنانے میں کوشش نہ کریں اور اپنے حالات کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں اللہ تعالیٰ کبھی ان کو تبدیل نہیں کرے گا۔پس عالم اسلام کو میرا مشورہ یہی ہے کہ پہلے اسلام کی طرف لوٹو اور اسلام کے دائمی اور عالمی اصولوں کی طرف لوٹو، پھر تم دیکھو گے کہ خدا کی برکتیں کس طرح تم پر ہر طرف سے نازل ہوتی ہیں۔

دوسرا اہم مشورہ یہ ہے کہ علوم وفنون کی طرف توجہ کرو۔نعرہ بازیوں میں کتنی صدیاں تم نے گزار دیں۔تم نعرے لگا کر اور شعر وشاعری کی دنیا میں ممولوں کو شہبازوں سے لڑاتے رہے اور ہمیشہ شہباز تم پر جھپٹتے رہے اور کچھ بھی اپنا نہ بنا سکے۔دوسری قومیں علوم وفنون میں ترقی کرتی رہیں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تم پر ہر پہلو سے فتح یاب ہوتی رہیں اور تم پر ہر پہلو سے فضیلت لے جاتی رہیں۔اب ان سے مقابلے کی سوچ رہے ہو اور وہ آزمودہ ہتھیار جو ان کے ہاتھ میں تمہارے خلاف کارگر رہے ہیں ان کو اپنانے کی کوئی کوشش نہیں۔ **پس بہت ہی بڑی اہمیت کی بات یہ ہے کہ علوم وفنون کی طرف توجہ دو اور مسلمان طالب علموں کے جذبات سے کھیل کر، ان کو گلیوں میں لڑا کر گالیاں دلوا کر ان کی اخلاقی تباہی کے سامان نہ کرو اور ان کی علمی تباہی کے سامان نہ کرو اور پھر**

پولیس کے ذریعہ انہیں ڈنڈے پڑوا کر یا گولیاں چلا کر ان کی جسمانی تباہی کے سامان نہ کرو اور ان کی عزتوں کی تباہی کے سامان نہ کرو۔ اب تک تو تم یہی کھیل کھیل رہے ہو۔ مسلمان نسلوں کو جوش دلاتے ہو اور پھر وہ بے چارے گلیوں میں نکلتے ہیں اسلام کی محبت کے نام پر، پھر ان کو رسوا اور ذلیل کیا جاتا ہے ان پر ڈنڈے برسائے جاتے ہیں۔ ان پر گولیاں برسائی جاتی ہیں اور ان کو کچھ پتا نہیں کہ ہم سے یہ کیوں ہو رہا ہے اس لئے جذبات سے کھیلنے کی بجائے **ان کو حوصلہ دو ان کو سلیقہ دو۔ ان کو تحمل کی تعلیم دو ان کو بتاؤ کہ اگر تم دنیا کی قوموں میں اپنا کوئی مقام بنانا چاہتے ہو تو علم و فضل کی دنیا میں مقام بناؤ اور اس کے بغیر تمہیں دنیا میں تمہارا قابل عزت مقام عطا نہیں ہو سکتا۔** اقتصادی استحکام کا یہ حال ہے کہ سوائے چند تیل کے ملکوں کے جن کو تیل کی غیر معمولی دولت حاصل ہے تمام مسلمان ممالک اور تمام تیسری دنیا کے ممالک ان امیر ملکوں کے سامنے دست طلب دراز کئے بیٹھے ہیں جن کی زیادتیوں کے شکوے کئے جاتے ہیں۔ جن کی غلامی کے خلاف اپنے عوام کو نفرت کی تعلیم دی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے آ کر ہمیں غلام بنا لیا اور ایسی قومیں ہیں کہ ان سے ہمیں بالآخر انتقام لینا ہے۔ پس وہاں بھی تضادات پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔ انگریز کا نام خود سعودی عرب میں لو یا کویت میں لو تو جو انگریز کی حمایت میں بولے گا وہ واجب القتل سمجھا جائے گا۔ امریکہ کا نام لینا گالی ہے۔ لیکن ساری کی ساری قوم امریکنوں اور انگریزوں کے ہاتھ پر بکی ہوئی ہے اور ان کی بیعت کر چکی ہے اور کسی کو کوئی ہوش نہیں۔ پس جو غریب ممالک ہیں وہ بھکاری بنا دیئے گئے ہیں۔ جو امیر ممالک ہیں وہ اپنی بقا کے لئے اپنے مخالفوں پر انحصار پر مجبور ہو چکے ہیں۔ پس کیسی مفلسی کا عالم ہے۔ کہ امیر ہو یا غریب ہو وہ بھکاری کے طور پر اس دنیا میں زندہ رہ سکتا ہے۔ اور عزت اور آزادی کے ساتھ سانس نہیں لے سکتا۔

پس سب سے بڑا خطرہ عالم اسلام کو اور تیسری دنیا کو ان کی نفسیاتی ذلتوں سے ہے وہ کیوں نہیں سمجھتے، بھکاری کبھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ اگر تم نے اپنے لئے بھکاری کی زندگی قبول کر لی ہے تو ہمیشہ ذلیل و رسوا رہو گے۔ غیر قوموں کے متعلق تو یہ کہہ سکتے ہو کہ ان کو اس کے خلاف کوئی تعلیم نہیں دی گئی پر تم قیامت کے دن خدا اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کیا جواب دو گے۔ کیا قرآن کی یہ آیت تمہارے خلاف گواہی نہیں دے گی کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۱) اے محمد مصطفیٰ ؐ کے غلامو! تم دنیا کی بہترین امت تھے جو دنیا پر احسان کرنے کے لئے نکالی گئی تھی اور کیا محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی یہ نصیحت تمہارے خلاف گواہ بن کر نہیں کھڑی ہوگی کہ **الید العلیا خیر من الید السفلی** (بخاری کتاب الزکاۃ حدیث نمبر: ۱۳۳۸) کہ اوپر کا ہاتھ، عطا کرنے والا ہاتھ ہمیشہ نیچے کے یعنی بھیک مانگنے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے پس اپنی خوبیاں تو تم نے خود غیروں کے سپرد کر دیں۔ منگتے، بھکاری بن گئے اور فخر سے اپنی قوم کے سامنے تمہارے سیاستدان یہ اعلان کرتے ہیں کہ امریکہ نے اتنی بھیک منظور کر لی ہے اور امریکہ نے جو بھیک نہیں دی تھی وہ سعودی عرب نے منظور کر لی ہے۔ اگر تمہاری رگوں میں بھیک کا خون دوڑ رہا ہے تو کس طرح قوموں کے سامنے سر اٹھا کر چلو گے۔ شعروں کی دنیا میں بسنے کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ اقبال کی پرستش کی جاتی ہے جو یہ کہتا ہے:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی (کلیات اقبال:۔۔)

ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر مغنیاں لہک لہک کر یہ کلام دنیا کو سناتی ہیں اور مسلمان سر دھنتا ہے کہ ہاں اس رزق سے موت اچھی لیکن ہر موت سے ان کے لئے وہ رزق اچھا ہے جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے۔ کوئی قربانی کی موت اپنے لئے قبول نہیں کر سکتے۔ پرواز میں کوتاہی کی باتیں تو دور کی باتیں رہ گئی ہیں اب تو ہر تہہ دام دانے پر لپکنے کا نام پرواز کی بلندی قرار دیا جاتا ہے۔ اس سیاستدان سے بڑھ کر اور کون اچھا سیاستدان ہوگا جو کشکول ہاتھ میں لے کر امریکہ کی طرف گیا اور وہاں سے بھی مانگ لایا اور چین کی طرف گیا اور وہاں سے بھی مانگ لایا اور روس کی طرف گیا اور وہاں سے بھی مانگ لایا۔ یہ اعلیٰ سیاست کی کسوٹی ہے۔ اعلیٰ سیاست کو پرکھنے کے معیار ہیں۔ یہ دینی سیاست تو نہیں یہ اسلامی سیاست تو نہیں۔ یہ انسانی سیاست بھی نہیں۔ یہ بے غیرتی کی سیاست ہے۔ اور واقعۃً اقبال نے سچ کہا ہے کہ اس رزق سے موت اچھی ہے جس رزق سے تمہارے ہاتھ اور پاؤں باندھے جاتے ہوں۔ **تم خود بھی ذلیل اور رسوا ہوئے اور جن قوموں نے تمہیں اپنا سردار چنا ان سب قوموں سے تم نے بے وفائی کی، اپنے عوام سے بے وفائی کی۔ ان کو بڑی طاقتوں کا غلام بنانے کے تم ذمہ دار ہو، اے مسلمان سیاستدانوں اور اے لیڈرو! ہوش کرو اور توبہ کرو ورنہ کل تاریخ کی عدالتوں میں تم مجرموں کے کٹہروں میں پیش کئے جاؤ گے۔ لیکن اس سے بہت بڑھ کر خدا اور محمد مصطفیٰ ؐ کی عدالت میں**

قیامت کے دن تم مجرموں کے کٹہروں میں کھڑے کئے جاؤ گے۔

اس کا بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ جن قوموں کو مانگنے کی عادت پڑ جائے وہ اقتصادی لحاظ سے اپنی حالت بہتر بنا ہی نہیں سکتیں۔ جو ایک فرد کی نفسیات ہوتی ہے وہی قوموں کی نفسیات بھی ہوا کرتی ہے۔ آپ اپنے گردوپیش خود دیکھ لیں کہ جن لوگوں کو مانگنے کی عادت ہو اور تن آسانی اور تنعم کی عادت ہو وہ ہمیشہ مانگتے ہی دکھائی دیں گے۔ تبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے مانگنے والوں کو قیامت کے دن اس حال میں دیکھا کہ چمڑیاں ہڈیوں سے چپکی ہوئی تھیں اور وہ گوشت نہیں تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ مانگ کر تم اپنے گھر بھر نہیں سکتے۔ منگتا خالی ہاتھ ہی رہتا ہے اور اسے اپنی اقتصادیات کو بنانے کا عزم ہی عطا نہیں ہوتا، وہ ہمت ہی عطا نہیں ہوتی۔ پس جب تک اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا قومیں فیصلہ نہیں کرتیں اقتصادی لحاظ سے وہ نہ ترقی کر سکتی ہیں نہ کسی قسم کا استحکام ان کو نصیب ہو سکتا ہے۔

پس صرف مسلمانوں کے لئے نہیں مشرقی دنیا کے اور افریقہ کے اور دیگر ساؤتھ امریکہ کے ممالک سے میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ اب جو کچھ آپ دیکھ چکے ہیں اس کے نتیجے میں خدا کے لئے ہوش کریں اور اپنی تقدیر بدلنے کا خود فیصلہ کریں۔ بہت لمبا زمانہ ذلتوں اور رسوائیوں کا ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے اس بھیانک خواب سے باہر آئیں جو آپ کے دشمنوں اور بڑی طاقتوں کے لئے تو نظام نو کا ایک عجیب تصور ہے مگر تیسری دنیا کے غریب ممالک کے لئے اس سے زیادہ بھیانک خواب ہو نہیں سکتی۔ پس اگر آپ نے نظام نو بنانا ہے اگر جہان نو تعمیر کرنا ہے تو اپنی خوابیں خود بنانی شروع کریں اور خود ان کی تعبیریں کریں اور خود ان تعبیروں کو عمل کی دنیا میں ڈھالنے کے سلیقے سیکھیں۔ کوئی قوم دنیا میں اقتصادی ترقی کے بغیر آزاد نہیں ہو سکتی اور اقتصادی ترقی کا پہلا قدم خودی کی حفاظت میں ہے اور عزت نفس کی حفاظت میں ہے اور یہ ہرگز ممکن نہیں جب تک تیسری دنیا کے ممالک میں سادہ زندگی کی تلقین نہ کی جائے اور سادہ زندگی کی رو نہ چلائی جائے۔ مشکل یہ ہے کہ وہاں اونچے اور نیچے طبقے کے درمیان تفریق بڑھتی چلی جارہی ہے جبکہ جن ملکوں کو آپ سرمایہ دار ممالک کہتے ہیں ان میں وہ تفریق کم ہوتی جارہی ہے اور طرز زندگی ایک دوسرے کے قریب آرہا ہے لیکن آپ ایشیا کے غریب ممالک دیکھئے یا افریقہ کے غریب ممالک دیکھئے یا ساؤتھ امریکہ کے غریب ممالک دیکھئے وہاں دن

بدن نیچے کے طبقے کے اوپر کے طبقے کے بود و باش کی طرز میں فاصلے بڑھتے جارہے ہیں اور خلیج زیادہ سے زیادہ بڑی ہو کر حائل ہوتی چلی جارہی ہے۔ پس ضروری ہے کہ یہ طبقاتی تقسیم سب سے پہلے نصیحت اور تلقین کے ذریعے دور کی جائے اور پھر قوانین کے ذریعے ان فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ تحریک اگر اوپر سے شروع ہوگی تو کامیاب ہوگی ورنہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔ ارباب حل وعقد یعنی جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگیں ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اوپر سے سادہ زندگی اختیار کرنے کی تحریک چلائیں اور سادہ زندگی اختیار کر کے عوام کو دکھائیں۔

پس اقتصادی استحکام اور ترقی کے سلسلے میں یہ دوسرا اہم اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ غریب ملکوں میں ایک پالیسی نہیں چلائی جاسکتی کہ معیار زندگی کو بڑھایا جائے بلکہ دو پالیسیاں چلانی پڑیں گی غرباء کے معیار زندگی کو بڑھایا جائے اور زیادہ سے زیادہ دولت کا رخ اس طرف موڑا جائے اور امراء کے معیار زندگی کو کم کیا جائے۔ یاد رکھیں یہ نکتہ ایک بہت ہی گہرا نکتہ ہے کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے ہرگز اتنے نقصان نہیں پہنچتے جتنے دولت کے غیر منصفانہ خرچ سے پہنچتے ہیں۔ وہ امیر لوگ جو اپنے روپے کو فیکٹریاں بنانے اور اقتصادی ترقی کے لئے ہمیشہ جتے رہتے ہیں اور خود سادہ زندگی اختیار کرتے ہیں ان کے خلاف نفرت کی تحریکیں نہیں چل سکتیں کیونکہ وہ عملاً ملک کی خدمت کر رہے ہیں لیکن وہ لوگ جو تھوڑا کما کر بھی زیادہ خرچ کرنے کے عادی ہو جائیں ان کا سارا اخلاقی نظام ہی تباہ ہو جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دلوں میں وہ آگ بھڑکانے کا موجب بنتے ہیں۔ پس کارخانہ دار تو کم ہیں اور بڑے امیر تاجر بھی کم ہیں لیکن بھاری اکثریت ایسے تنعم پسند ملکوں کی ان افسروں پر مشتمل ہوتی ہے جو رشوت لیتے ہیں اور رشوت کو عام کرتے ہیں اور ان سیاستدانوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کی سیاست بھی اس طرح کھائی جاتی ہے جس طرح کسی چیز کو کیڑا کھا جاتا ہے۔ ان کی سیاست بھی پیسہ کمانے کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ ان کی سیاست بھی دھڑے بندیوں کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ ان کی سیاست بھی غریبوں پر رعب جمانے کے لئے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے گویا کہ سیاست کا رخ تمام تر ان امور کی طرف پھر جاتا ہے جن کے لئے سیاست بنائی نہیں گئی تھی۔ نتیجۃً ملک کے اہم امور سے وہ غافل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے سوچ کا وقت ہی نہیں رہتا۔ ان کی سوچوں کی لہریں تمام تر مسلسل ایک ہی طرف بہتی رہتی ہیں کہ کس طرح

اپنا نفوذ قائم کریں، کس طرح اپنے دشمنوں سے بدلے لیں، کس طرح زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کریں۔ یہ سیاست کی زندگی چند دن کی تو ہے۔کل پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ پھر جو کچھ کمانا ہے آج کمالو۔خواہ عزتیں بیچ دو، خواہ ووٹ بیچو، خواہ ووٹ خریدو۔ ہر چیز جب سیاست میں جائز قرار دے دی جائے تو جو سیاستدان پیدا ہوں گے وہ قوم کے مفاد کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں اور اس سارے رجحان میں سب سے زیادہ ظالمانہ کردار مصنوعی معیار زندگی ادا کرتا ہے۔**جن قوموں میں اپنی اقتصادی توفیق سے بڑھ کر عیاشی کے رجحان پیدا ہو جائیں۔ وہ قومیں بھکاری بن جاتی ہیں ان کی سیاست بھی داغدار ہو جاتی ہے،ان کی اقتصادیات بھی پارہ پارہ ہو جاتی ہے ان کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔**

پس یہ نصیحتیں کن پر عمل کریں گی،کون سے کان ہوں گے جو ان نصیحتوں کو سنیں گے، کون سے دل ہوں گے جو ان نصیحتوں کو سن کر ہیجان پذیر ہوں گے اور ان میں حرکت پیدا ہوگی۔ اگر تمام تر سیاست اور اخلاق اور اقتصادیات کی بنیاد ہی متزلزل ہو۔اگر نظریات بگڑے ہوئے ہوں اگر نیتیں گندی ہو چکی ہوں تو دنیا میں کوئی صحیح نصیحت کسی پر نیک عمل نہیں دکھا سکتی۔اس لئے جس طرح میں نے غیر قوموں کو نصیحت کی ہے کہ خدا کے لئے اپنی نیتوں کی حفاظت کرو۔تمہاری نیتوں میں شیطان اور بھیڑیئے شامل ہیں اور دنیا کی ہلاکت کا فیصلہ تمہاری نیتیں کرتی ہیں ۔تمہاری سیاسی چالاکیاں تمہاری نیتوں پر غالب نہیں آسکتیں بلکہ ان کی مد ہو جایا کرتی ہیں اسی طرح میں مسلمان ملکوں اور تیسری دنیا کے ملکوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے لئے اپنی نیتوں کو ٹٹولو۔اگر تم اس لئے بچپن سے انجینئر نگ کی تعلیم حاصل کر رہے ہو کہ رشوت لینے کے بڑے مواقع ہاتھ آئیں گے اور بڑی بڑی کوٹھیاں بناؤ گے اور ویسے محل تعمیر کرو گے جیسے ہمسائے یا کسی اور کے محل تم نے دیکھے تھے تو اس نیت کے ساتھ تم دنیا میں کچھ بھی تعمیر نہیں کر سکتے۔اگر اس لئے ڈاکٹر بننا چاہتے ہو کہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اکٹھا کر کے اپنے لئے سونے کے انبار بناؤ گے اور بڑے بڑے عظیم الشان ہسپتال تعمیر کرو گے اور زیادہ سے زیادہ روپیہ کھینچتے چلے جاؤ گے اور اپنی اولاد کے لئے دولتوں کے خزانے پیچھے چھوڑ جاؤ گے تو پھر تم خود بیمار ہو۔Physician Heal Thyself ایسے ڈاکٹر بننے سے بہتر ہے کہ تم خود مر جاؤ کیونکہ جو قوم کی فلاح و بہبود کے لئے علم طب نہیں سیکھتا اس کے علم طب میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

پس اگر سیاستدان بننے کے وقت تم نے یہ خوابیں دیکھیں یا اس سے پہلے یہ خوابیں دیکھی

تھیں کہ جس طرح فلاں سیاستدان نے اقتدار حاصل کیا، اس سے پہلے دوکوڑی کا چپڑاسی یا تھانیدار تھا یا کچھ اور محکمے کا افسر تھا، استعفے دیئے اور سیاست میں آیا اور پھر اس طرح کروڑ پتی بن گیا اور اتنی عظمت اور جبروت حاصل کی۔ آؤ ہم بھی اس کے نمونے پر چلیں۔ آؤ ہم بھی سیاست کے ذریعے وہ سب کچھ حاصل کریں تو پھر تم نے سیاست کی ہلاکت کا اسی دن فیصلہ کر لیا اور تم اگر کسی قوم کے راہنما ہوئے تو تم پر یہ مثال صادق آئے گی کہ:

واذا کان الغراب ھاد قوم
سیھدیھم طریق الھالکین

کہ دیکھو جب کبھی بھی کوے قوم کی سرداری کیا کرتے ہیں تو ان کو ہلاکت کے رستوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

پس نیتوں کی اصلاح کرو اور یہ فیصلے کرو کہ جو کچھ گزر چکا گزر چکا، آئندہ سے تم قوم کی سرداری کے حقوق ادا کرو گے، سرداری کے حقوق اس طرح ادا کرو جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم نے تمام عالم کی سرداری کے حق ادا کئے تھے۔ وہی ایک رستہ ہے سرداری کے حق ادا کرنے کا اس کے سوا اور کوئی رستہ نہیں۔ **حضرت عمرؓ جب بستر علالت پر آخری گھڑیوں تک پہنچے اور قریب تھا کہ دم توڑ دیں تو بڑی بے چینی اور بے قراری سے یہ دعا کر رہے تھے کہ اے خدا! اگر میری کچھ نیکیاں ہیں تو بے شک ان کو چھوڑ دے میں ان کے بدلے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر میری غلطیوں پر پرسش نہ فرمانا۔ مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں اپنی غلطیوں کا حساب دے سکوں۔ یہ وہ روح ہے جو اسلامی سیاست کی روح ہے۔ اس روح کی آج مسلمانوں کو بھی ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو بھی ضرورت ہے۔ آج کے تمام مسائل کا حل یہ ہے کہ سیاست کی اس روح کو زندہ کر دو۔ مرتی ہوئی انسانیت زندہ ہو جائے۔ یہ روح زندہ رہی تو جنگوں پر موت آجائے گی لیکن اگر یہ روح مرنے دی گئی** تو پھر جنگیں زندہ ہو گئیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت جنگوں کو موت کے گھاٹ اتار نہیں سکتی۔

میری کوشش تو یہی تھی کہ تمام مضمون آج ہی ختم کر دوں لیکن چونکہ وقت بہت زیادہ ہو چکا ہے اور ابھی بہت سے ایسے مشورے باقی ہیں جن کو مختصر بھی بیان کیا جائے تو وقت لیں گے اس لئے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبے میں میں خدا تعالیٰ سے بھاری امید رکھتا ہوں

کہ یہ سلسلہ ختم ہوگا اور پھر ہم واپس جہاد اکبر کی طرف لوٹیں گے یعنی ذکر الٰہی کے متعلق باتیں کریں گے ۔ دین کے اعلیٰ مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور دین کی معرفت کی گہرائیوں تک غوطہ زنی کی کوشش کریں گے تا کہ رمضان میں خوب دل اور نفوس کو پاک کر کے اخلاص کے ساتھ داخل ہوں اور زیادہ سے زیادہ رمضان کی برکتوں سے اپنی جھولیاں بھر سکیں ۔ آمین

تیسری دنیا کے ملکوں کو مشورے

غریب ملکوں کی یونائیٹڈ نیشنز کے قیام کی ضرورت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸/ مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

خلیج کی جنگ جس کا آغاز 16/ جنوری کو ہوا۔ 26/ فروری کو ایک نہایت ہی ہولناک رات کو اختتام پذیر ہوئی۔ یہ ایک مصائب کی ایسی خوفناک رات تھی کہ جس کی کوئی مثال جدید انسانی جنگوں کی تاریخ میں دکھائی نہیں دیتی۔ اس قدر بمباری عراق کی واپس اپنے ملک جاتی ہوئی فوجوں پر کی گئی ہے اور اس قدر بمباری رات بھر بغداد شہر پر کی گئی کہ جہاں تک میں نے جنگی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے کسی اور ملک میں کسی اور جنگ میں کبھی ایسی خوفناک ظالمانہ یک طرفہ شدید بمباری نہیں کی گئی جو فوجیں کویت چھوڑ کر واپس بصرہ کی طرف جارہی تھیں ان کے متعلق مبصرین کا کہنا ہے کہ اس طرح انہیں بمباری کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ ساری سڑک کویت سے بصرہ تک لاشوں سے اٹی پڑی تھی اور ٹوٹے بکھرے ہوئے گاڑیوں کے موٹروں کے ، بکتر بند گاڑیوں کے اور دوسرے کئی قسم کی Transport کے پرزے ہر طرف بکھرے پڑے تھے اور تباہی کا ایسا خوفناک منظر تھا کہ جسے انسان برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ مغربی مبصرین کا تبصرہ ہے اور بمباری کے متعلق یا عراق میں بغداد پر بمباری کے متعلق بھی جو مبصر وہاں تبصرہ کررہا تھا اس کی اپنی آواز بار بار کانپ جاتی تھی اور وہ کہتا تھا کہ تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ آج رات کیسی ہولناک بمباری ہورہی ہے۔

میں نے اس کے متعلق پہلے بھی کہا تھا کہ اور باتوں کے علاوہ دراصل یہ ویٹنام کی ذلت کا بھوت ہے جو احساس کمتری بن کر امریکہ پر سوار ہے اور کسی طرح اس بھوت کو وہ ہمیشہ کے لئے نکالنا چاہتے ہیں۔ پس وہ رات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک خاص بدمستی کی رات تھی جس میں عراقیوں کے خون کی شراب پی کر وہ ویٹنام کا غم غلط کرنا چاہتے تھے۔ میرا یہ تأثر اس طرح درست ثابت ہوتا ہے کہ اس جنگ کے بعد صدر بش نے جو تبصرہ کیا وہ بعینہٖ یہی تبصرہ ہے۔ انہوں نے اعلان کیا:۔

By God we have kicked the vietnam syndrome once and for all.

(Harrisburg patriot New,Mar.2,1991,U.S.A)

کہ خدا کی قسم! ہم نے ویٹنام کے احساس کمتری کو جو ایک اندرونی بیماری بن کر ہماری جان کو لگ چکا تھا ہمیشہ کے لئے ٹھڈے مار کر باہر نکال دیا ہے۔ لیکن اصل واقعہ یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک انتہائی ہولناک ظلموں کی داستان کا ھوا تھا جو دراصل ان کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور ویسی ہی ایک اور ظلموں کی داستان کا ھوا انہوں نے پیدا کر دیا ہے پس اب ایک ہوے کا مسئلہ نہیں۔ اب دوھوؤں کا مسئلہ ہے دو بھوت ہیں جو ہمیشہ امریکہ پر سوار رہیں گے ایک ویٹنام کا بھوت اور ایک عراق پر ظلم وستم کا بھوت۔

ان کو یہ اس لئے دکھائی نہیں دے رہا کہ ان کے ہاں اس مسئلہ کا تجزیہ اس سے بالکل مختلف ہے جو تجزیہ دنیا کی نظر میں ہے۔ دنیا ویٹنام کو اس طرح نہیں دیکھتی کہ وہاں 54 ہزار امریکن ہلاک ہوئے اور ان کی لاشیں واپس اپنے وطن پہنچائی گئیں۔ دنیا ویٹنام کے قصے کو اس طرح دیکھتی ہے کہ 25 لاکھ ویٹنامی وہاں ہلاک ہوئے اور ہزار ہا شہر اور بستیاں خاک میں مل گئیں۔ تو زاویے کی نظر سے مختلف صورتیں دکھائی دے رہی ہیں۔ مختلف مناظر دکھائی دے رہے ہیں۔ پس جس ویٹنام سے وہ بھاگنا چاہتے ہیں اور وہ اپنے خیال میں ایسے ویٹنام سے بھاگے جہاں 54 ہزار امریکن موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس کے مقابل پر عراق میں ان کا کوئی بھی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تاریخ اس نظر سے نہیں دیکھتی۔ تاریخ نے ویٹنام کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھا ہے اور ہمیشہ اسی نظر سے دیکھتی رہے گی کہ امریکن قوم نے اس جدید زمانے میں تہذیب کا لبادہ اوڑھ کر ناحق ایک نہایت

کمزور اور غریب ملک پر حملہ کیا اور ساڑھے آٹھ سال تک ان پر مظالم برساتے رہے۔ ایسے ایسے خوفناک بم برسائے گئے کہ دیہات کے دیہات، علاقوں کے علاقے بنجر ہو گئے۔ پس ویٹنام کی یاد کو وہ کبھی بھلا نہیں سکتے۔ کیونکہ کبھی دنیا ان کو بھلانے نہیں دے گی۔ اور اب اس پر عراق کے ظلم وستم کا اضافہ ہو چکا ہے۔

Mr.Tom King جو برٹش گورنمنٹ کے سیکرٹری آف ڈیفنس ہیں انہوں نے پارلیمنٹ میں اس بربادی کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ہم نے اس مختصر عرصے میں عراق کے 3000 قصبات کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اب آپ اندازہ کریں کہ جہاں یہ دعوے کئے جاتے تھے کہ عراق کے مظلوموں کو ہم ایک ظالم اور سفاک کے چنگل سے نکالنے کی خاطر یہ جنگ کر رہے ہیں، وہاں 3000 عراقی قصبوں اور شہروں کو تہ خاک کر دیا ہے اور جو باقی تفصیلات ہیں ان کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں کہ کتنے ان کے سپاہی مارے گئے یا دوسری قسم کے کتنے ہتھیاروں کا نقصان ہوا۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصہ میں تین ہزار شہروں کا مٹی میں مل جانا یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ تاریخ میں کبھی اس تھوڑے سے عرصے میں کسی قوم پر اتنی آفات نہیں توڑی گئیں جتنی عراق پر ان ظالموں نے توڑی ہیں اور اس کے باوجود فتح کے شادیانے بجا رہے ہیں۔ حیرت ہے، ذلت اور رسوائی کی حد ہے، یہ ایسی ہی بات ہے جیسے امریکن بچے کی لڑائی جاپان کے ''انوکی'' سے کرا دی جائے اور وہ اس کو مار مار کے ہلاک کر دے اور پھر نعرے لگائے کہ دیکھو جاپان کو امریکہ پر فتح حاصل ہوگئی۔ 30 قومیں اکٹھی ہوئیں۔ دنیا کی تمام طاقتوں نے مل کر عراق کے خلاف ایکا کیا ہوا اور ہر قسم کے جدید ہتھیاروں میں ہر میدان میں سبقت تھی، ہر میدان میں بالا دستی تھی اور جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر، دانت نکال کر، پنجے کاٹ کر کہنا چاہئے جس طرح جانور کے پنجے کاٹے جاتے ہیں، پھر ان کو مارا گیا ہے۔ اس پر اب فخر کیا جا رہا ہے کہ کتنی عبرتناک شکست دی ہے۔ بہر حال یہ باتیں تو ماضی کا حصہ بن چکی ہیں۔ اس کے مستقبل میں جو نہایت خوفناک نتائج نکلنے والے ہیں ان سے متعلق جیسا کہ میں مشورہ دے رہا تھا، میں چند اور مشورے عربوں کو بھی دوسرے مسلمانوں کو بھی اور تمام دنیا کی خصوصاً تیسری دنیا کی قوموں کو بھی دینا چاہتا ہوں۔

عربوں کو فوری طور پر اپنے اندرونی مسائل حل کرنے چاہئیں اور اس اندرونی مسائل کے

دائرے میں میں ایران کو بھی شامل کرتا ہوں ۔ کیونکہ تین ایسے مسائل ہیں جو کہ اگر فوری طور پر حل نہ کئے گئے تو عربوں کو فلسطین کے مسئلے میں کبھی اتفاق نصیب نہیں ہو سکے گا۔

ایران کی عربوں کے ساتھ ایک تاریخی رقابت چلی آرہی ہے جس کے نتیجے میں سعودی عرب اور کویت عراق کی مدد پر مجبور ہو گئے تھے اور باوجود اس کے کہ اندرونی طور پر اختلافات تھے لیکن وہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے کہ ایران ان کے قریب آ کر بیٹھ جائے۔

دوسرا شیعہ سنی اختلاف کا مسئلہ ہے اور اس مسئلے میں بھی سعودی عرب حد سے زیادہ الرجک ہے۔ وہ شیعہ فروغ کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا۔ تیسرا مسئلہ کردوں کا مسئلہ ہے۔ جہاں تک دشمن کی حکمت عملی کا تعلق ہے اسرائیل سب سے زیادہ اس بات کا خواہشمند ہے کہ یہ تینوں مسائل بھڑک اٹھیں ۔ چنانچہ جنگ ابھی دم توڑ رہی تھی کہ وہاں عراق کے جنوب میں شیعہ بغاوت کروادی گئی اور شیعہ بغاوت کے نتیجے میں ایران عرب، رقابت کا مسئلہ خود بخود جاگ جانا تھا۔ چنانچہ شیعہ علماء نے ایران کی طرف رجوع کیا اور ان سے مدد چاہی۔ غالباً سعودی عرب نے اس موقع پر بہت شدید دباؤ ڈالا ہے (کوئی خبر تو باہر نہیں نکلی لیکن منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے) اور امریکہ کو اس یہودی سازش کا آلہ کار بننے سے روک دیا ہے۔ ورنہ یہ معاملہ یہاں رکنے والا نہیں تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایران نے عقل سے کام لیا ہو ورنہ اسی علاقے میں اگلی خوفناک جنگوں کی بنیاد ڈال دی جاتی۔

کردوں کو بھی اسی وقت انگیخت کیا گیا ہے۔ کردوں کا مسئلہ اس لئے آگے نہیں بڑھا کہ مغربی قومیں بظاہر انصاف کے نام پر بات کرتی ہیں لیکن فی الحقیقت محض اپنے ذاتی مقاصد دیکھتی ہیں ۔اس موقعہ پر کردوں کا مسئلہ چھیڑنا ان کے مفاد میں نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کرد مسئلے کا تعلق صرف عراق سے نہیں ہے۔ کرد مسئلے کا تعلق چار قوموں سے ہے۔ ایرانیوں سے، ترکوں سے اور روسیوں سے ۔ پس اگر انصاف کے نام پر عراق کے خلاف کردوں کو ابھارتے اور ان کی مدد کرتے تو لازماً ترکی کے خلاف بھی ابھارنا پڑتا تھا ورنہ ان کا انصاف کا بھرم ٹوٹ جاتا اور یہ دعویٰ جھوٹا ثابت ہو جاتا اور کردوں کو انگیخت کرنے کے نتیجے میں ویسے بھی تمام کردوں کے اندر آزادی کی نئی رو چلتی اور مسائل صرف عراق کے لئے پیدا نہیں ہونے تھے بلکہ ایران کے لئے، ترکی کے لئے اور روس کے لئے بھی پیدا ہونے تھے پس اس وقت خدا کی تقدیر نے وقتی طور پر ان مسائل کو ٹال دیا۔ لیکن نہایت

ضروری ہے کہ یہ تمام مسلمان قومیں جن کا ان مسائل سے تعلق ہے، فوری طور پر آپس میں سر جوڑیں اوران مسائل کو مستقل طور پر حل کر لیں۔ ورنہ یہ ایک ایسی تلوار کے طور پر ان کے سروں پر لٹکتے رہیں گے جو ایسی تار سے لٹکی ہوئی ہوگی جس کا ایک کنارہ مغربی طاقتوں کی انگلیوں میں پکڑا ہوا ہے یا الجھا ہوا ہے کہ جب چاہیں اس کو گرا کر سروں کو زخمی کریں، جب چاہیں اتار کر سر سے لے کر دل تک چیرتے چلے جائیں۔ ان مسائل کے استعمال کا یہ خوفناک احتمال ہمیشہ ان کے سر پر لٹکا رہے گا یہی حال دیگر دنیا کے مسائل کا ہے مغربی طاقتیں ہمیشہ بعض موجود مسائل کو جب چاہیں چھیڑتی ہیں اور استعمال کرتی ہیں اور اس طرح تیسری دنیا کی قومیں ایک دوسرے سے لڑ کر ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کا موجب بنتی ہیں۔

ایک اور اہم مشورہ ان کے لئے یہ ہے کہ بظاہر یہ کہا جا رہا ہے کہ امریکہ اسرائیل پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ اردن کا مغربی کنارہ خالی کر دے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ سب قصہ ہے۔ ایک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔ اگر امریکہ اس بات میں مخلص ہوتا کہ اسرائیل اردن کا مغربی کنارہ خالی کر دے تو صدام پہلے کی دن کی پیش کش قبول کر لیتا کہ ان دونوں مسائل کو ایک دوسرے سے باندھ لو میں کویت خالی کرتا ہوں تم اسرائیل سے ان کے مقبوضہ علاقے خالی کرا لو۔ خون کا ایک قطرہ بہے بغیر یہ سارے مسائل حل ہو جانے تھے۔

پھر اس تیزی سے اسرائیل وہاں آبادیاں کر رہا ہے اور جو روپیہ اسرائیل کو اس وقت مغربی طاقتوں کی طرف سے دیا گیا ہے اس روپے کا اکثر استعمال اردن کے مغربی کنارے میں روس کے یہودی مہاجرین کو آباد کرانا ہے۔ اس لئے عقلاً کوئی وجہ سمجھ ہی نہیں آتی کہ ایسا واقعہ ہو جائے کہ امریکہ اس دباؤ میں سنجیدہ ہو اور اسرائیل اس بات کو مان جائے۔ ایک خطرہ ہے کہ اس کو ایک طرف رکھ کر شام کو مجبور کیا جائے کہ مصر کی طرح تم باہمی دوطرفہ سمجھوتے کے ذریعے اسرائیل سے صلح کر لو۔ اگر یہ ہوا تو فلسطینیوں کا عربوں میں نگہداشت کرنے والا اور ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والا سوائے عراق اور اردن کے کوئی نہیں رہے گا۔ عراق کا جو حال ہو چکا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اردن میں یہ طاقت ہی نہیں ہے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسرائیل اردن سے ایسی چھیڑ چھاڑ جاری رکھے کہ اس کو بہانہ مل جائے کہ اردن نے چونکہ ہمارے خلاف جارحیت کا نمونہ دکھایا ہے یا ہمارے دشمنوں کی حمایت کی ہے اس

لئے ہم اس کو بھی اپنے قبضے میں لے لیں تو اس نقطہ نگاہ سے مشرق وسطی کی تین قوموں کا اتحاد نہایت ضروری ہے ایران عراق اور اردن اور اس کے علاوہ دیگر عرب قوموں سے ان کی مفاہمت بہت ضروری ہے تا کہ یہ تین تنہا ایک طرف نہ رہیں بلکہ کسی نہ کسی حد تک دیگر عرب قوموں کی حمایت بھی ان کو حاصل ہو۔

ایک اور مسئلہ جواب اٹھایا جائے گا وہ سعودی عرب کے اور کویت کے تیل سے ان عرب ملکوں کو خیرات دینے کا مسئلہ ہے جو تیل کی دولت سے خالی ہیں۔ یہ انتہائی خوفناک خودکشی ہوگی اگر ان ملکوں نے اس طریق پر سعودی عرب اور کویت کی امداد کو قبول کر لیا کہ گویا وہ حق دار تو نہیں ہیں لیکن خیرات کے طور پر ان کی جھولی میں بھیک ڈالی جارہی ہے تو اس کے نتیجے میں فلسطین کے مسئلے کے حل ہونے کے جو باقی امکانات رہتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے اس لئے اس مسئلے پر عربوں کو یہ موقف اختیار کرنا چاہئے کہ عربوں کو خدا تعالیٰ نے جو تیل کی دولت دی ہے وہ سب کی مشترکہ دولت ہے اور ایسا فارمولہ طے کرنا چاہئے کہ اس مشترک دولت کی حفاظت بھی مشترک طور پر ہو اور اس کی تقسیم بھی منصفانہ ہو۔ البتہ جن ملکوں میں یہ دولت دریافت ہوئی ہے ان کو ۱/۵ حصہ جیسا کہ اسلامی قانون خزائن کے متعلق ہے 1/5 یا فقہاء کے نزدیک اختلاف ہوں گے، کچھ نہ کچھ حصہ زائد دے دیا جائے۔ مگر مشترکہ دولت کے اصول کو منوانا ضروری ہے اور اس پر قائم رہنا ضروری ہے، اس کے بعد ان کو جو کچھ ملے گا وہ عزت نفس قربان کر کے نہیں ملے گا بلکہ اپنا حق سمجھتے ہوئے ملے گا اور امر واقعہ یہی ہے کہ سارا عالم عرب ایک عالم تھا جسے مغربی طاقتوں نے توڑا ہے اور اپنے وعدے توڑتے ہوئے توڑا ہے ورنہ پہلی جنگ عظیم کے معاً بعد واضح قطعی وعدہ انگریزی حکومت کی طرف سے تھا کہ ہم ایک متحد آزاد عرب کو پیچھے چھوڑ کر جائیں گے اور متحد آزاد عرب کا وعدہ ان کے حق میں ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت سارے عرب کی دولت مشترکہ دولت تسلیم کر لی گئی تھی اور اسی اصول کو پکڑ کر اسے مضبوطی سے تھام لینا چاہئے اور اس گفت وشنید کو ان خطوط پر آگے بڑھانا چاہئے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اس تمام خطے کی ایک اقتصادی دولت مشترکہ بنی چاہئے۔ اس سے پہلے صدر ناصر نے جو ایک عرب کا تصور پیش کیا تھا وہ سیاسی وحدت کا تصور تھا۔ ضروری نہیں ہوا

کرتا کہ سیاسی وحدت کا تصور پہلے ہو اور اقتصادی اور دوسری وحدتوں کا تصور بعد میں آئے جب سیاسی وحدت کے تصور کو پہلے رکھا جاتا ہے تو باقی وحدتوں کو بعض دفعہ شدید نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے یورپ کی کامن مارکیٹ بناتے ہوئے یہاں کے ذی شعور لیڈروں نے پہلے اقتصادی تعاون کے مقاصد کو حاصل کرنے کے بعد رفتہ رفتہ سیاسی وحدت کی طرف قدم اٹھایا ہے۔

Pan Arabism کی تحریک جس کا میں نے ذکر کیا ہے دراصل اس کا آغاز صدر جمال ناصر سے بہت پہلے جمال الدین افغانی نے کیا تھا اور یہ انہیں کا فلسفہ ہے جس کو اپنا کر بعد میں یہ تحریکات آگے بڑھیں پس جمال الدین افغانی کا یہ تصور کہ عرب کو متحد ہو جانا چاہئے بلکہ عالم اسلام کو متحد ہو جانا چاہئے، ایک ایسا تصور ہے جو اس شکل میں مسلمانوں کو قبول ہی نہیں ہو سکتا۔ نہ قرآن کریم نے تمام مسلمانوں کے ایک حکومت کے اندر اکٹھے ہونے کا کہیں کوئی تصور پیش کیا ہے۔ اس شکل میں تو عرب وحدت بھی حاصل ہونا ناممکن ہے سوائے اس کے کہ مختلف قدموں اور مراحل میں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

پس سب سے اہم قدم اقتصادی وحدت کا ہے جس میں مشترکہ لائحہ عمل ہو، مشترکہ منصوبے بنائے جائیں اور اس سارے خطے کو خصوصیت کے ساتھ خوراک میں خود کفیل بنانے کے منصوبے ہوں اور انڈسٹری میں یعنی صنعت و حرفت میں خود کفیل بنانے کے منصوبے ہوں تب ان ممالک کی آزادی کی کوئی ضمانت دی جاسکے گی۔

اس ضمن میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اقتصادی آزادی کا تعلق صرف اس خطے سے نہیں ہے بلکہ تمام دنیا کی تیسری قوموں کے ساتھ ہے اور ان کے لئے ایک شدید خطرہ درپیش ہے جس کو ابھی سے پوری طرح سمجھنا چاہئے اور اس کے لئے انسدادی کارروائیاں کرنی نہایت ضروری ہیں۔ New Imperialism یعنی جدید استعماریت کا خطرہ ہے۔

روس کے ساتھ صلح ہونے کے بعد وہ مشرقی دنیا جو اشترا کی نظریات کی حامل تھی وہ اپنے نظریات کو تج کر کے تیزی کے ساتھ پرانے زمانے کی طرف لوٹ رہی ہے اور اب نئے مقابلے استعماریت کے لحاظ سے ہوں گے۔ جب روس نے موجودہ مشکلات سے سنبھالا لے لیا اور ان پر جب عبور پالیا تو اس کے بعد روس کے لئے اقتصادی مقابلے کے لئے ان سے منڈیاں چھیننے کا مسئلہ

سب سے اہم بن جائے گا۔ جرمنی ایک نئی اقتصادی قوت کے طور پر ابھرے گا اور مشرقی یورپ کے اور بہت سے ممالک جرمنی کے ساتھ اس معاملے میں اتحاد کریں گے اور ان سب کی اجتماعی اقتصادی پیداوار نئی منڈیوں کی متقاضی ہوگی۔ پس تیسری دنیا کے تمام ممالک کے لئے ہولناک خطرات درپیش ہیں۔ یورپ بھی جاگ رہا ہے اور امریکہ بھی جاگ رہا ہے اور ان سب کے اتحادی مقاصد تیسری دنیا پر اس طریق پر مکمل اقتصادی قبضہ کرنے کے ہیں کہ جس کے بعد صرف سسک سسک کر دم لینے والی زندگی باقی رہ جائے گی۔ عزت کے ساتھ دو وقت کی روٹی کھا کر زندہ رہنے کا تیسری دنیا کی قوموں کے لئے کوئی سوال باقی نہیں رہے گا۔ افریقہ کے بعض ممالک ہیں جو ابھی اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ جہاں ان کے لئے سانس لینا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔

پس اقتصادی تعاون کی مختلف منڈیاں بننی ضروری ہیں۔ مثلاً پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش اور سری لنکا، یہ ایک ایسا خطہ ہے جس میں قدرتی طور پر اقتصادی تعاون کی منڈی بنانے کا امکان موجود ہے اور تبھی ممکن ہے اگر ان کے اندرونی مسائل حل ہوں۔ اگر اندرونی مسائل حل نہ ہوں تو یہ نہ یہ اقتصادی منڈیاں بن سکتی ہیں نہ موجودہ تکلیف دہ صورتحال کا کوئی دوسرا حل ممکن ہے موجودہ تکلیف دہ صورتحال سے مراد وہ صورتحال ہے جو میرے ذہن میں ہے کہ اس کے نتیجے میں آپ جب اس پر مزید غور کریں گے تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ ہمیشہ کے لئے تیسری دنیا کے ان ممالک کا اپنی مصیبتوں سے نجات پانے کا ہر رستہ بند ہوا ہے۔ ان کے لئے کوئی نجات کی راہ نہیں ہے اور آنکھیں بند کر کے یہ اسی طرز فکر پر قائم ہیں، اس قسم کے مسائل کو حل کرنے کی ان کی کوششیں ہیں جن کے اندر حل ہونے کی کوئی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ ایسے بند رستے ہیں جن سے آگے گزرا جا ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ مسائل یہ ہیں۔ مثلاً کشمیر کا مسئلہ ہے۔ کشمیر کے مسئلے کے نتیجے میں ہندوستان اور پاکستان میں جو رقابتیں پیدا ہو چکی ہیں ان رقابتوں کے نتیجے میں یہ اتنی بڑی فوج پالنے پر مجبور ہیں کہ جس کے بعد دنیا کا کوئی ملک اقتصادی طور پر آزادی سے زندہ نہیں رہ سکتا۔ ساٹھ فیصدی سے زائد جس قوم کی اجتماعی دولت فوج پالنے پر خرچ ہو رہی ہو اس کے حصے میں دنیا میں وقار کی زندگی ہے ہی نہیں، اس کے لئے مقدر ہی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اقتصادی لحاظ سے اپنی طاقت سے بڑھ کر دفاع پر خرچ کرتا ہے اسے بھیک مانگنا لازم ہے اس کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اقتصادی

لحاظ سے بھی دنیا سے بھیک مانگے اور فوجی طاقت کو قائم رکھنے کے لئے بھی دنیا سے بھیک مانگے۔ پس ہندوستان اور پاکستان کو بھکاری بننے کی جو لعنت ملی ہوئی ہے یا اس لعنت میں وہ مبتلا ہیں کہ مشرق ومغرب جہاں بھی توفیق ملے وہ ہاتھ پھیلا کر پہنچ جاتے ہیں کہ ہمیں کچھ بھیک دو۔ تو اس کی بنیادی وجہ آپس کے یہ اختلافات ہیں۔ آخری قضیئے میں اس کے سوا کوئی صورت نہیں بنتی۔

پس مسئلہ کشمیر اور اس قسم کے دیگر مسائل کو حل کرنے کے نتیجے میں ان علاقوں میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی چیزیں ہیں جن پر عملدرآمد ضروری ہے، صرف ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہی نہیں باقی مشرقی دنیا کے لئے بھی خواہ وہ ایشیا کی ہو یا افریقہ کی ہو، اسی طرح جنوبی امریکہ میں بھی ایسے ہی مسائل ہیں، ہر جگہ یہی مصیبت ہے کہ علاقائی اختلافات کے نتیجے میں عدم اطمینان ہے، عدم اعتماد ہے اور ہر جگہ تیسری دنیا کے غریب ملک اپنی خود حفاظتی کے لئے اتنا زیادہ خرچ کر رہے ہیں کہ امیر ملک اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کر رہے۔ جن کو توفیق ہے وہ تو ۳ فیصد سے ۴ فیصد کی بات کرتے ہیں۔ 4 سے 5 کی اور جب 7 فیصد خرچ پہنچ جائے تو اس پر خوفناک بحثیں شروع ہو جاتی ہیں اتنا زیادہ دفاع پر خرچ ہو رہا ہے، ہم برداشت نہیں کر سکتے اور غریب ملکوں کی عیاشی دیکھیں کہ ساٹھ ساٹھ، ستر ستر فیصد خرچ کر رہے ہیں اور اس کے باوجود یہ کافی نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ فوجی امداد مانگی جاتی ہے۔

اقتصادی امداد نے ان کو بھکاری بنا دیا اور بھکاری بننے کے بعد ان کی اقتصادی حالت سدھر سکتی ہی نہیں۔ ہر ملک کا یہی حال ہے کیونکہ جس شخص کو جھوٹے معیار زندگی کے ساتھ چمٹ جانے کی عادت پڑ گئی ہو، جس شخص کو اپنے جھوٹے معیار زندگی کی بھیک مانگ کر قائم رکھنے کی عادت پڑ چکی ہو، وہ نفسیاتی لحاظ سے اس قابل ہو ہی نہیں سکتا کہ اقتصادی طور پر اس میں خود اعتمادی پیدا ہو اور وہ خود کوشش کر کے اپنے حالات کو بہتر کرے۔ بالکل یہی حال قوموں کا ہوا کرتا ہے۔ آپ نے کبھی مانگنے والے انسانوں کو خوشحال نہیں دیکھا ہوگا۔ مانگنے والے انسان مانگتے ہیں، کھاتے ہیں پھر بھی برے حال میں رہتے ہیں ہمیشہ ترستے ہی ان کی زندگیاں گزرتی ہیں اور وہ لوگ جو قناعت کرتے ہیں وہ اس کے مقابل پر بعض دفعہ نہایت غریبانہ حالت سے ترقی کرتے کرتے بڑے مالدار بن جاتے ہیں۔

پس تیسری دنیا کی قومیں بدقسمتی سے ایک اور لعنت کا شکار ہیں اور وہ ہے، قناعت کا فقدان

عزت نفس کا فقدان ہاتھ پھیلانے کی گندی عادت اور اس عادت کے نتیجے میں معیار زندگی کا جھوٹا ہو جانا آپ نے دیکھا ہو گا بعض دفعہ امیر آدمی بھی ہوٹلوں پر اس طرح خرچ نہیں کرتا جس طرح ایک مانگنے والا بھکاری بعض دفعہ خرچ کر دیتا ہے۔اس کے نزدیک دولت کی قدر ہی کوئی نہیں ہوتی ۔ پیسے مانگے اچھا کھالیا اور چھٹی ہوئی اور اگلے وقت کے لئے خدا تعالیٰ پھر ہاتھ سلامت رکھے تو مانگنے کے لئے کافی ہیں ۔ بالکل یہی نفسیات ان قوموں کی ہو جایا کرتی ہے ۔ایک جھوٹا فرضی معیار زندگی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور دیکھنے میں خوشحال دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ان کی مانگے کی خوشحالی ہے اس خوشحالی کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں ۔غربت کی تنگی ان کو مجبور کر سکتی تھی کہ وہ اقتصادی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور اس کے لئے محنت کریں اور کوشش کریں وہ تنگی صرف وہاں محسوس ہوتی ہے جہاں قوم کا طبقہ بے بس ہے اور جہاں صاحب اختیار طبقہ ہے وہاں محسوس نہیں ہوتی یعنی ایسی قومیں دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں ایک بہت ہی محدود طبقہ ہے جو بالائی طبقہ کہلاتا ہے وہ غریب کی زندگی سے بالکل بے حس ہے اور اس کو پتا ہی نہیں کہ غریب ان کی آنکھوں کے نیچے کیسے بدحال ہیں ۔ زندگی گزار رہے ہیں ۔پس جہاں تکلیف محسوس ہوتی ہے وہاں اختیار کوئی نہیں ، وہاں قوم کی پالیسیاں نہیں بنائی جاتیں اور جہاں پالیسی بنانے والے دماغ ہیں ،حکمت عملی طے کرنے والے سر ہیں وہاں تکلیف کا احساس نہیں پہنچتا۔پس ایک گہری اعصابی بیماری ہے جس طرح ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے تو نچلے دھڑ کا اوپر کے دھڑ سے واسطہ نہیں رہتا۔پاؤں جل بھی جائیں تو دماغ کو پتا نہیں لگتا۔پس یہ ہولناک بیماری ہے جو بھیک مانگنے کے نتیجے میں تیسری دنیا کے ملکوں کو لاحق ہو چکی ہے۔اس کے بعد فوجی امداد کی بات آپ دیکھ لیجئے۔زیادہ مہنگے ہتھیار جب آپ خریدیں گے تو وہ اقتصادی حالت جس کا پہلے ذکر گزرا ہے وہ اور بھی زیادہ بدتر ہوتی چلی جائے گی اور یہی ہو رہا ہے اور چونکہ آپ زیادہ نہیں خرید سکتے اس لئے مانگنے پر مجبور ہیں ۔ جب آپ ہتھیار دوسری قوموں سے مانگتے ہیں تو ہتھیاروں کے ساتھ ان کے فوجی تربیت دینے والے بھی آجاتے ہیں یا آپ کے فوجی تربیت حاصل کرنے کے لئے ان کے ملکوں میں بھی جاتے ہیں اور جتنا بھی غیر قوموں کا جاسوسی کا نظام تیسری دنیا میں موجود ہے اس کا سب سے بڑا ذمہ دار یہی فیکٹر (Factor) یہی صورتحال ہے کہ ہتھیار مانگنے کے نتیجہ میں اپنی فوج کو دوسرے ملکوں کے تابع فرمان بنانے کے احتمالات پیدا کر دیتے

ہیں اور جہاں تک میں نے تفصیل سے فوجی امداد دینے والی قوموں اور فوجی امداد لینے والی قوموں کے حالات کا جائزہ لیا ہے خود ان کے مصنفین کھلم کھلا اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جہاں جہاں بھی فوجی امداد دی گئی ہے وہاں وہاں فوجوں میں اپنے غلام بنالئے گئے ہیں اور کثرت کے ساتھ یہ واقعہ دنیا کے ہر ایسے ملک میں ہو رہا ہے جہاں فوجی امداد پہنچ رہی ہے۔ اب اس حصے میں سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ صرف امریکہ ہی نہیں ہے جو فوجی امداد کے ذریعے دوسرے ملکوں کو غلام بنا رہا ہے بلکہ اسرائیل بھی امریکہ کے دست راست کے طور پر یہی کام کر رہا ہے جہاں امریکہ براہ راست نہیں دے سکتا تو اسرائیل کے سپرد کر دیتا ہے اور بعض ایسی جگہیں ہیں جہاں دونوں مل کر اپنے اپنے دائرے میں غلامی کی دوہری زنجیریں پہنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ مغربی ممالک کے فرسودہ اسلحہ کی مارکیٹ ہمیشہ تیسری دنیا کے ملک بنے رہتے ہیں اور جب بھی ہتھیاروں کی کوئی جدید کھیپ تیار ہوتی ہے تو پرانی کھیپ کو کھپانے کے لئے نئی منڈیاں ڈھونڈنی پڑتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض غریب ملکوں میں سروں کی فصلیں پک کر کاٹے جانے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں کیونکہ غریب ممالک کے آپس کے اختلافات ان ہتھیاروں کی مارکیٹ پیدا کرتے ہیں۔ ابھی تو صرف امریکہ کے زائد اسلحہ کی کچھ ڈھیریاں ختم ہوئی ہیں، روس کے اسلحہ کے پہاڑ بھی ابھی فروخت کے لئے باقی ہیں اور دیگر مغربی ممالک کا بھی اس تجارت میں شامل ہو جانا ہرگز بعید از قیاس نہیں۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ ملٹری ایڈ Aid اور Aids میں مشابہت ہے تو یہ ایک لطیفے کی بات نہیں ایک بڑی گہری حقیقت ہے۔ Aids کی بیماری جس سے دنیا آج بہت ہی زیادہ خوفزدہ ہے اور جس کے متعلق بعض پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 98-1997ء تک یہ بڑے پیمانے پر مغربی عیسائی قوموں کو ہلاک کرے گی۔ اس کی تفصیل میں جانے کی اس وقت ضرورت نہیں لیکن میں الگ طور پر بعض دفعہ ذکر کر چکا ہوں۔ Aids کی بیماری کا تعارف یہ ہے کہ Aids کی بیماری کے جراثیم انسان کے خون کے اندر نظام دفاعی میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور نظام دفاع پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ پس جس نظام دفاع کو خدا تعالیٰ نے بیماریوں پر قابو پانے کے لئے بنایا تھا وہ خود بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور اپنے خلاف وہ حرکت کر نہیں سکتا پس ملٹری ایڈ بالکل اسی Aids کے مشابہ ہے۔ وہاں غیر

قومیں ہمارے غریب ملکوں کے نظام دفاع پر قبضہ کرتی ہیں اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس کا پورا احساس نہیں ہے۔ یعنی صحت مند حصوں کو بھی احساس نہیں ہے۔ ہمارے ہاں (ہمارے ہاں سے مراد صرف پاکستان نہیں بلکہ تیسری دنیا کے سب ممالک ہیں) اینٹیلی جنس کی آنکھیں اندرونی انقلابات کے خطروں کی طرف لگی رہتی ہیں۔ چنانچہ Counter insurgency measures لئے جاتے ہیں۔ ایسی تنظیمیں بنائی جاتی ہیں جو اندرونی بغاوت کے خلاف ہمیشہ مستعد رہیں گی اور Counter Insurgency کے داؤ سیکھنے کے لئے اکثر صورتوں میں امریکہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور بہت سی صورتوں میں اسرائیل کی طرف بھی رجوع کیا جاتا ہے اب آپ دیکھ لیں کہ سری لنکا میں اسرائیل نے ان کو Counter Insurgency کے طریق سکھائے اور باغیوں کو بھی بغاوت کے طریق اسرائیل نے ہی سکھائے۔ اسی طرح لائبیریا میں اسرائیل نے ان کو بغاوت کا مقابلہ کرنے کے طریق سکھائے اور اب مبصرین یہ لکھ رہے ہیں کہ اسرائیل نے لائبیریا کے سربراہ کی حفاظت اتنی عمدگی سے کی کہ بغاوت کی اطلاع تک وہاں نہیں پہنچنے دی اور اس طرح مکمل طور پر ان کا گھیراؤ کیا ہوا تھا۔

ایسے ملکوں کی List بہت لمبی ہے۔ بہت سے اور افریقن ممالک ہیں اور بعض دوسرے ایشیائی ممالک ہیں جن میں صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ اسرائیل بھی ان کو بغاوت کے خلاف طریق کار سکھانے میں سب سے زیادہ پیش پیش ہے اور خطرہ ان سے ہی ہے جو طریق کار سکھانے آتے ہیں۔ ان غریب ملکوں پر ان کی فوجوں کے ذریعے قبضے کئے جاتے ہیں۔

پس اگر کوئی ضرورت ہے تو ایسے جاسوسی نظام کی ضرورت ہے جو اس بات کا جائزہ لے کہ مغربی طاقتوں سے یا غیر مغربی طاقتوں سے خواہ کوئی بھی ہوں جہاں جہاں فوج کے روابط ہوئے ہیں وہاں کس قسم کا زہر پیچھے چھوڑا گیا ہے، کس قسم کے رابطے پیدا کئے گئے ہیں اور وہ رابطہ کرنے والے جو فوجی ہیں وہ زیر نظر رہنے چاہئیں اور خطرات باہر سے آنے والے ہیں، اندر سے پیدا ہونے والے خطرات کم ہیں۔ اگر بیرونی خطرات کا آپ مقابلہ کرلیں تو اندرونی خطرات کم ہیں۔ اگر بیرونی خطرات کا آپ مقابلہ کرلیں تو اندرونی خطرات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اندرونی خطرات بھی پیدا ہوتے ہیں مگر ہمیشہ ظلم کی صورت میں۔ ورنہ ناممکن ہے کہ اندرونی طور پر ہماری اپنی فوجوں کو اپنے

شہریوں سے کوئی خطرہ لاحق ہو۔ یا اپنی سیاست کو اپنے شہریوں سے خطرہ لاحق ہو۔

پس یہ دوسرا پہلو ہے جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے باہر کی قومیں یعنی ترقی یافتہ قومیں ہمیشہ شور مچاتی ہیں کہ آمریت کا خاتمہ ہونا چاہئے مگر تیسری دنیا کو اپنا غلام بنانے کے لئے وہاں ان کو آمریت ہی موافق آتی ہے کیونکہ جہاں آمریت ہو وہاں اندرونی خطرات پیدا ہوجاتے ہیں اور اندرونی خطرات سے بچنے کے لئے بیرونی سہارے ڈھونڈنے پڑتے ہیں اور بیرونی سہارے جس طرح میں نے بیان کیا اس طرح ملتے ہیں۔ پھر جب تک مرضی کے مطابق کام کیا جائے اس وقت تک یہ بیرونی سہارے ساتھ دیتے ہیں، جب مرضی کے خلاف بات کی جائے تو یہ سہارے خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ وہ لعنت ہے جس کا تیسری دنیا شکار ہے اور اب وقت ہے کہ ہوش سے کام لے۔ اب جبکہ استعماریت کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے اور شدید خطرے لاحق ہیں۔ اپنی قومی آزادی کی حفاظت کیلئے عزت نفس کی حفاظت کیلئے اور قوموں کی برادری میں وقار کے ساتھ زندگی گزارنے کے امکانات پیدا کرنے کی خاطر ضروری ہے کہ ان سب امور پر بڑا گہرا غور کیا جائے اور تیزی کے ساتھ اقدامات کئے جائیں۔ خلاصۃً یہ کہ امیر ملکوں سے موجودہ طرز پر امداد حاصل کرنے کے یہ نقصانات ہیں:

اول:۔ امداد دینے والا ملک، امداد لینے والے کو ذلیل اور رسوا کر کے امداد دیتا ہے اور متکبرانہ رویہ اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ اگر امداد لینے والا ملک آزادی ضمیر کے حق کو بھی استعمال کرے تو اسے امداد بند کر دیئے جانے کی دھمکی دی جاتی ہے جیسا کہ صدر بش نے حال ہی میں شاہ حسین اور اردن سے سلوک کیا۔

دوم:۔ امداد کے ساتھ String یعنی ایسی شرطیں منسلک کر دی جاتی ہیں جس سے قومی آزادی پر حرف آتا ہے۔

سوم:۔ امداد کے ساتھ سودی قرضے کا بھی ایک بڑا حصہ شامل ہوتا ہے اور بالعموم بہت بڑی بڑی اجرتیں پانے والے غیر ملکی ماہرین بھی اس کھاتے میں بھجوائے جاتے ہیں جو امداد کا ایک بڑا حصہ کھا جاتے ہیں۔

اکثر افریقہ اور ایشیا میں یہ تلخ تجربہ بھی ہوا ہے کہ امداد کے نام پر پہلی Generation کی مشینری مہنگے داموں فروخت کر دی جاتی ہے اور اکثر ایسے کارخانے جدید ٹیکنالوجی والے کارخانوں کا

مقابلہ نہیں کر سکتے ۔علاوہ ازیں اور بھی بہت سے عوارض ہیں جو تیسری دنیا کے ممالک کی انڈسٹری کو لگے رہتے ہیں جس سے قرضے اتارنے کی صلاحیت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور قرضوں کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔تقریباً تمام جنوبی امریکہ اس وقت قرضے کی زنجیروں میں جکڑا جا چکا ہے اور امریکہ یا دیگر امیر ملکوں سے امداد پانے والا ایک ملک بھی میں نے نہیں دیکھا جس کا قرضوں کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہو یہ تو دن بدن بڑھنے والا بوجھ ہے یہاں تک کہ کثیر قومی آمد قرضوں کا سود اتارنے پر ہی صرف ہو جاتی ہے۔

پس امداد لینے والے اور امداد مانگنے والے ملکوں کو کبھی دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے دیکھا نہیں گیا۔امداد دینے کے بعد رسوا کن رویہ اور اختلاف کی صورت میں امداد بند کرنے کے طعنے اقتصادیات کے علاوہ قومی کردار کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔

پس صرف غیرت ہی کا نہیں بلکہ اور بھی بہت سے دور رس مفادات کا شدید تقاضا ہے کہ بڑے بڑے امداد دینے والے ملکوں کی امداد شکریہ کے ساتھ رد کر دی جائے اور وہ مسلمان ممالک جن کو خدا تعالیٰ نے تیل کی دولت عطا فرمائی ہے ان کو غیر مسلم ممالک کو ساتھ ملا کر جو وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ (المائدہ:۳) پر تیار ہوں۔اسلامی اصول کے تابع ایک نیا امدادی نظام جاری کریں جس میں اولیت اس بات کو دی جائے کہ تیسری دنیا کے وہ غریب ممالک جن پر ہر وقت فاقے اور قحط کی تلوار لٹکی رہتی ہے ان کو جلد تر خوراک میں خود کفیل بنایا جائے یا اقتصادی لحاظ سے اتنا مضبوط کیا جائے کہ اپنے لئے باہر سے خوراک خریدنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔قحط زدہ افریقن ممالک کی طرف دنیا کا موجودہ رویہ انتہائی ذلیل بھی ہے اور غیر موثر بھی۔ملکوں میں قحط اچانک آتش فشاں پہاڑ پھٹنے کی طرح نمودار نہیں ہوا کرتے کئی سال پہلے سے اقتصادی ماہرین کو علم ہوتا ہے کہ کہاں کب بھوک پڑنے والی ہے پس بڑی بے حسی کے ساتھ انتظار کیا جاتا ہے کہ کب قومیں بھوک سے نڈھال ہو جائیں تو ان کو کچھ خوراک مہیا کرنے کے ساتھ انہیں غلامی کے شکنجوں میں جکڑنے کے لئے سیاسی اور نظریاتی سودے بھی کر لئے جائیں۔

پس قرآنی شرطوں کے مطابق آزاد کرنے والی امداد کا نظام جاری کرنا چاہئے نہ کہ غلام بنانے والی امداد کا۔تیل کے ممالک اگر خدا کی خاطر اور بنی نوع انسان کی خاطر اپنی تیل کی آمد کو زکوٰۃ یعنی اڑھائی فیصد 2.5 اس مقصد کے لئے الگ کر دیں تو اکثر غریب ممالک سے بھوک کی لعنت مٹائی

جاسکتی ہے۔اس ضمن میں جاپان کو بھی ساتھ شامل کرنے کی ضرورت ہے۔تیسری دنیا کے ملکوں کو کھل کر جاپان سے یہ بات طے کرنی چاہئے کہ تم تیسری دنیا میں رہنا چاہتے ہو یا اپنے آپ کو ایک مغربی ملک شمار کرنے لگے ہو۔اگر تیسری دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تیسری دنیا کے مسائل طے کرنے میں، خصوصاً اقتصادی مسائل طے کرنے میں بھر پور تعاون کرو بلکہ راہنمائی کرو اور قائدانہ کردار ادا کرو۔ورنہ نہ تم ہمارے رہو گے نہ سفید فام قوموں میں شمار کئے جاؤ گے۔

اگر ہم اندرونی مسائل کے مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے بات شروع کریں تو کشمیر کے سلسلے میں میں سمجھتا ہوں کہ تین حل ایسے ہیں جن پر غور ہونا چاہئے۔موجودہ صورتحال تو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔اگر یہ صورتحال مزید جاری رہی تو دونوں ملک تباہ ہو جائیں گے۔اس مسئلے کا ایک حل تو یہ ہے کہ آزاد کشمیر اور جموں اور کشمیر کو پہلے یہ موقعہ دیا جائے کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ تم تینوں مل کر اکٹھا رہنا چاہتے ہو یا آزاد کشمیر پاکستان کے ساتھ مل جائے اور جموں ہندوستان کے ساتھ مل جائے اور وادی کشمیر الگ ہو جائے دوسرا حل یہ ہوسکتا ہے کہ وادی کشمیر الگ آزاد ہو اور یہ دونوں ملک الگ الگ آزاد ہوں۔جس کو ہم آزاد کشمیر کہتے ہیں الگ آزاد ہو اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ تینوں مل کر ایک ملک بنائیں۔پس تین امکان ہوئے آزاد کشمیر الگ ملک جموں الگ ملک اور وادی کشمیر الگ ملک۔

دوسری صورت تینوں کا ایک ملک اور تیسری صورت یہ کہ آزاد کشمیر پاکستان کے ساتھ مل جائے۔جموں ہندوستان کے ساتھ مل جائے اور کشمیر ایک الگ ریاست کے طور پر نیا وجود حاصل کرے یہ موقع تفصیلی بحث کا تو نہیں ہے۔یہ فیصلہ تو ان قوموں نے خود کرنا ہے۔ان کا وہی حق ہے لیکن میں جہاں تک سمجھا ہوں، یہ تیسرا حل جو ہے یہ زیادہ موزوں رہے گا اور علاقے میں امن کے لئے بہت بہتر ثابت ہوگا۔کیونکہ آزاد کشمیر کے لوگ ہم مزاج ہیں اور ایک ہی جیسے مزاج کے لوگ ہیں جن کا وادی کے کشمیریوں سے مختلف مزاج ہے۔وادی کے کشمیریوں کا ایک الگ مزاج اور ایک الگ تشخص ہے اور جموں کے لوگوں کا ایک بالکل جداگانہ تشخص ہے اور مذہبی لحاظ سے بھی وہ ہندوستان کے قریب تر ہیں۔پس اگر استحکام چاہئے تو غالباً یہ حل سب سے اچھا رہے گا لیکن اس شرط کے ساتھ وہاں آزادی ہونی چاہئے کہ آزاد ملک اس بات کی ضمانت دے کہ کسی طاقتور ملک کے ساتھ الگ سمجھوتے کر کے ہندوستان اور پاکستان کے امن کے لئے خطرہ نہیں بن سکے گا۔اس کے لئے آپس

میں سمجھوتے سے باتیں طے کی جاسکتی ہیں۔اگر یہ نہ کیا گیا اوراسی طرح سکھوں کے ساتھ صلح نہ کی گئی اور دیگر اندرونی مسائل طے نہ کئے گئے تو علاقے میں کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔

اور پاکستان کے اندر جو درست ہونے والے توازن ہیں مثلاً سندھی، پنجابی، پٹھان وغیرہ وغیرہ پھر مذہبی اختلافات ہیں یہ سارے مسائل ہیں جو بارود کی طرح ہیں یا آتش فشاں پہاڑ کی طرح ہیں کسی وقت بھی پھٹ سکتے ہیں اور یہی وہ مسائل ہیں جن سے دیگر قومیں فائدہ اٹھایا کرتی ہیں۔پس پیشتر اس کے کہ دیگر قوموں کو فائدے کا موقع ملے آپ اپنے ملک کی اندرونی حالت کو درست کریں۔ہمسایوں کے ساتھ بھی تعلقات درست کریں۔اوراس کے نتیجے میں آپ کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچے گا کہ توجہ اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی طرف ہو جائے گی۔آپس میں اشتراک عمل کے ساتھ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کی روح کے ساتھ مذہب کو بیچ میں لائے بغیر ہر اچھی چیز پر دوسری قوم کے ساتھ تعاون کے امکانات پیدا ہو جائیں گے اور فوج کا خرچ کم ہو جائے گا اور فوج کا خرچ جتنا کم ہوگا اور اقتصادیات جتنا ترقی کرے گی اتنے ہی امکانات پیدا ہوں گے کہ غریب کی حالت بہتر ہو جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے امکانات کہا ہے اس لئے کہ غریب کی حالت بہتر کرنے کے لئے یہ ساری چیزیں کافی نہیں جب تک اوپر کے طبقے کی سوچ صحت مند نہ ہو۔اگر اوپر کے طبقے کی سوچ بیمار ہے اور بے حسی ہے اور بے حیائی ہے اور عظیم الشان ہوٹل بنتے چلے جارہے ہیں اور ریسٹورنٹ کے بعد ریسٹورنٹ قائم ہو رہا ہے اور ایک سوسائٹی ہے جو سرے شام سے شروع ہو کر رات گئے تک ان ریسٹورنٹس کے چکر لگاتی ہے اور ہوٹلوں کے چکر لگاتی ہے اور عیش و عشرت میں مبتلا رہتی ہے اور لاہور چمک رہا ہوتا ہے کراچی جگمگا رہا ہوتا ہے اگر یہی رجحان جاری رہا اور کسی کی نظر اس طرف نہ گئی کہ ان روشنیوں کے نیچے ایسے ظالم اندھیرے ہیں کہ ان اندھیروں میں تھوڑی دیر بھی آپ جھانکیں تو ان کے اندر کلبلاتی ہوئی انسانیت کی ایسی دردناک شکلیں نظر آئیں گی کہ اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ایک چھوٹی سی مثال میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔میری بیٹی عزیزہ فائزہ جب قادیان جلسے پر گئی تو واپسی پر اٹاری اسٹیشن پر گاڑی پکڑنے لگی دو بچے بھی ساتھ تھے۔کھانے کے لئے چیزیں نکالیں تو وہاں چھوٹے چھوٹے غریب بھوکے بچوں کا ایک ہجوم آ گیا اور وہ کہتی تھی کہ

صاف نظر آتا تھا کہ بھوکے ہیں ۔صرف پیشہ ور بھکاری نہیں ہیں ۔ چنانچہ اس نے وہ کھانا ان میں تقسیم کیا پھر اس کے بعد قادیان سے جو دوستوں نے تحفے دیئے ہوئے تھے، کھانے پینے کی چیزیں وغیرہ، وہ نکالیں، وہ تقسیم کیں اور جو بات میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ نہیں کہ اس نے تقسیم کیں یہ تو ہر انسان جس کے سینے میں انسانی دل دھڑک رہا ہو وہ یہی کرے گا لیکن جو خاص بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ان غریبوں میں بھی انسانیت کا اعلیٰ معیار پایا جاتا ہے۔انسانیت ان غریب ملکوں میں چھوٹی سطح پر زیادہ ملتی ہے بہ نسبت اونچی سطح کے۔اس نے بتایا کہ جب سب کچھ تقسیم ہو کے ختم ہو گیا تو میرے پاس ایک کوکا کولا کا ایک ٹن (Tin) تھا، میں نے کہا وہ بھی ان کو پلاؤں تو ایک بڑی بچی کو دے دیا۔اس نے ایک گھونٹ پیا اور پھر ایک ایک بچے کو ایک ایک گھونٹ پلاتی تھی اور گھونٹ پلانے کے بعد اس طرح اس کے چہرے پر طمانیت آتی تھی جس طرح ماں بھوکے بچے کو دودھ پلا کر تسکین حاصل کرتی ہے اور مسکرا کے ان کی طرف دیکھتی تھی کہ دیکھیں کیسا مزا آیا اور بچوں کی قطار لگ گئی ایک کے بعد ایک کوکا کولا کا ایک گھونٹ پیتا تھا اور سمجھتا تھا اس کو آب حیات مل گیا ہے۔اس کے بعد جب گاڑی چلنے لگی تو پولیس کے روکنے کے باوجود، دھکے کھانے کے باوجود یہ بچے اتنا ممنون احسان تھے کہ گاڑی کے ساتھ دوڑتے چلے جاتے تھے اور سلام کرتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ نظر سے اوجھل ہو گئے ۔جب وہ مجھ سے واقعہ بیان کر رہی تھی ،اس وقت میں نے سوچا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی اس بچی کو زیادہ پیار سے دیکھ رہا ہوں یا وہ بھوکے بچے جنہوں نے احسان کے بعد اس کو پیار سے دیکھا تھا اور میں نے سوچا کہ زندگی میں بعض ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب انسانی قدریں خونی رشتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں اور انسانی تاریخ میں انسانی تعلقات کے خونی رشتوں پر غالب آنے کا سب سے بڑا دور حضرت اقدس محمد ﷺ کے عہد میں آیا بلاشبہ وہ ایک ایسا دور تھا کہ ہر خونی رشتہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور انسانی قدروں کی عظمت کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنا بلند کر دیا تھا کہ مکارم الاخلاق پر آپ کا قدم تھا۔وہ دور ہے جسے واپس لانے کی ضرورت ہے یہ انسانی قدریں ہیں جو تیسری دنیا کو بچائیں گی ۔یہ قدریں تو آپ کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہی ہیں اور خدا کی تقدیر بڑی قوموں کے قدموں کے نیچے آپ کو پامال کرتی چلی جارہی ہے۔کیوں خدا کی تقدیر کے اس اشارے کو آپ نہیں سمجھتے۔

پس تیسری دنیا میں جتنے دوسرے چاہیں حل اختیار کر لیں جب تک عزت نفس کو زندہ نہیں کیا جاتا، جب تک وقار کو زندہ نہیں کیا جاتا جب تک احسان کے جذبوں کو زندہ نہیں کیا جاتا، جب تک تمام انسانی قدروں کا عہد نہیں کیا جاتا اس عہد کو پورا کرنے کے سامان نہیں کئے جاتے، اس وقت تک تیسری دنیا کی تقدیر بدل نہیں سکتی اور تیسری دنیا آزاد نہیں ہوسکتی۔

پس ترقی یافتہ قومیں جن کو پہلی دنیا کہا جاتا ہے، نہ صرف آزاد ہیں بلکہ آپ کو غلام بنانے کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد اور تیار ہو رہی ہیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اقتصادی قدم اس رخ پر ہے کہ اس کے بعد یہ چاہیں نہ چاہیں یہ ان قدموں کے ذریعہ تیسری دنیا کی غریب قوموں کو مزید پامال کرنے پر مجبور ہوتی چلی جائیں گی کیونکہ یہ اپنا معیار نہیں گرا رہیں اور ان کی سیاسی طاقتوں میں یہ استطاعت ہی نہیں ہے کہ اپنی قوم کو معیار گرانے کے مشورے دیں۔ جو پارٹی ایسا کرے گی یہ پارٹی انتخاب ہار جائے گی اس لئے یہ ایسے غلیظ پھندے میں جکڑے جا چکے ہیں کہ ظلم پر ظلم کرنے پر اب مجبور ہو چکے ہیں۔ اس لئے اپنے دفاع کے لئے تیسری قوموں کو خود اٹھنا ہوگا اس کے بغیر نہ ان کو اپنی فوجوں سے آزادی ہوسکتی ہے نہ اپنی بداخلاقیوں سے آزادی ہوسکتی ہے، نہ ان سب لعنتوں سے آزادی مل سکتی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور جب قومیں ان بیماریوں کا شکار ہوں تو پھر یہ شکوہ کیا کہ ہم مر رہے ہیں اور گدھیں ہمارے پاس آ کر بیٹھی ہماری موت کا انتظار کر رہی ہیں۔

مارنے کے لئے آپ کے جسم کے اندر بیماری پیدا ہوتی ہے اور وہ بیماری جراثیم کو دعوت دیتی ہے۔ جراثیم سے بھی بیماری پیدا ہوتی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ صحت مند جسم کو جراثیم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پس بیماری کا آغاز اندر سے ہوتا ہے نہ کہ باہر سے جب جسموں کی دفاع کی طاقت ختم ہو جائے تو پھر جراثیم وہاں پنپتے ہیں اور جسموں پر قبضہ پا لیتے ہیں اور جب ان کا قبضہ مکمل ہو جاتا ہے تو پھر یہ جسم لازماً موت کے منہ میں جا سوتے ہیں اور پھر گدھوں کا آنا اور ان کی بوٹیاں نوچنا اور ان کی ہڈیاں بھنبھوڑنا یہ ایک قدرتی عمل ہے جس نے بعد میں لازماً آنا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تقدیر ہے جس سے کوئی دنیا کی طاقت آپ کو بچا نہیں سکتی اگر آج آپ خود فیصلہ نہ کریں۔

پس پیشتر اس کے کہ اس کنارے تک پہنچ جائیں اور پھر آپ کی لاشیں خواہ کھلے میدان میں عبرت کا نشان بن کر پڑی رہیں یا قبروں میں دفن کی جائیں اور اگر آج آپ یہ فیصلہ کر لیں کہ حضرت

اقدس محمد مصطفی ﷺ کے بیان فرمودہ اخلاق کو اور بیان فرمودہ تعلیم کو اپنا لائحہ عمل بنالیں گے اور انسانی قدروں کی حفاظت کریں گے اور کھوئی ہوئی قدروں کو دوبارہ نافذ کریں گے تو غیروں کی ذلت آمیز غلامی سے نجات کا صرف یہ طریق ہے اس کے سوا کوئی طریق نہیں ہے۔

پس ایک اور بڑی اہم بات ہے کہ خلیج کی جنگ اور اس کے دوران ہونے والے واقعات نے تیسری قوموں کو ایک اور سبق بھی دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا نظام بوسیدہ ہو چکا ہے یعنی جہاں تک تیسری دنیا کے مفادات کا تعلق ہے اقوام متحدہ کا نظام بالکل بوسیدہ اور ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق بن چکا ہے جب تک روس کے ساتھ امریکہ کی مخالفت تھی یا رقابت تھی اس وقت تک اقوام متحدہ کے نظام میں غریب ملکوں کو تباہ کرنے کی ایسی صلاحیت موجود نہیں تھی کیونکہ امریکہ بھی ویٹو کر کے کسی غریب ملک کی حفاظت کر سکتا تھا اور روس بھی ویٹو کر کے کسی غریب ملک کی حفاظت کر سکتا تھا فیصلہ صرف اس بات پر ہوتا تھا کہ امریکہ کا دوست غریب ملک ہے یا روس کا دوست غریب ملک ہے۔ اب تو ساری دنیا میں کسی غریب ملک کو سہارا دینے کے لئے کوئی باقی نہیں رہا۔ اتفاق نیکی پر نہیں ہوا اتفاق بدی پر ہو چکا ہے۔

پس قرآن کریم نے جب یہ فرمایا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى تو اس کا مطلب صرف تعاون نہیں ہے، یہ مطلب ہے کہ صرف نیکی پر اکٹھے ہوا کرو۔ بدی پر تعاون نہ کیا کرو۔ لیکن سیاسی دنیا کے تعاون اس بات پر ہوتے ہیں کہ نیکی یا بدی کی بحث ہی نہیں ہے ہمارے مشترکہ مفاد میں جو بات ہوگی ہم اس پہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔ پس یہ فیصلے ہیں جو دنیا میں ہو چکے ہیں۔ روس اور امریکہ کے درمیان یہ فیصلے ہو چکے ہیں اور چین کو اس وقت ایسی حالت میں ایک طرف پھینکا گیا ہے۔ کہ اس میں طاقت نہیں ہے کہ وہ دخل دے سکے اور ابھی اس کو اقتصادی لحاظ سے کمزور کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ اگر یہ صورت حال اسی طرح جاری رہی تو اس کے نتیجے میں اقوام متحدہ کا ادارہ اور اس سے منسلک تمام ادارے سیکیورٹی کونسل وغیرہ صرف کمزور ملکوں پر ظلم کے لئے استعمال کئے جائیں گے اور ان کے فائدے کے لئے استعمال ہو ہی نہیں سکتے صرف ان کے فائدے کے لئے استعمال ہوں گے جو ان قوموں کی غلامی کو تسلیم کرلیں اور ان کے پاؤں چاٹیں، ان کے لئے اقوام متحدہ کا ادارہ دولتیں بھی لائے گا، سہولتیں بھی پیدا کرے گا ان کو عزت

کے خطابات بھی دے گا اوران کی طرف دوستی کے ہاتھ بھی بڑھائے گا۔ ہرقسم کے فائدے جو ذلت اور رسوائی کے نتیجے میں کمینگی سے حاصل ہوسکتے ہیں وہ تیسری دنیا کے ملکوں کو حاصل ہوسکیں گے لیکن عزت کے ساتھ وقار کے ساتھ سر بلندی کے ساتھ اگر اس دنیا میں اس یونائیٹڈ نیشنز کے ساتھ وابستہ رہ کر کوئی قوم زندہ رہنا چاہئے تو اس کے کوئی امکان نہیں ہیں۔

پس ایک حل اس کا یہ ہے کہ جس طرح پہلی جنگ کے بعد 1919ء میں League of nations بنی پھر دوسری جنگ کے بعد 1945ء میں United Nations کا قیام عمل میں آیا اس خوفناک یک طرفہ جنگ کے بعد تیسری دنیا کی ایک نئی یونائیٹڈ نیشنز کا قیام کیا جائے اور اس میں صرف غریب اور بے بس ممالک اکھٹے ہوں وہ جو Neutrality کی تحریک چلی تھی کہ نیوٹرل ممالک اکٹھے ہوں وہ بوسیدہ ہو چکی ہے۔ اس کے اب کوئی معنی نہیں رہے اس میں جان ختم ہو چکی ہے۔ اب ایک نئی تحریک چلنی چاہئے جس میں ہندوستان اور پاکستان اور ایران اور عراق وغیرہ ایک بہت ہی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن اس میں مذہبی تعصّبات کو بیچ میں سے نکالنا ہوگا۔

اس لئے ایک مشورہ میرا یہ بھی ہے کہ مسلمان ممالک اگر چہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کے تعلق رکھیں خاص بھائی چارے کے نتیجے میں ذمہ داریاں ادا کریں لیکن مسلمان تشخص کو غیر مسلم تشخص سے لڑائیں نہیں۔ اگر (polarization) یعنی یہ تقابل باقی رہا کہ مسلمان ایک طرف اور غیر مسلم ایک طرف تو خواہ غیر مسلم کہتے وقت آپ دماغ میں صرف مغربی طاقتیں رکھتے ہوں لیکن جاپان بھی غیر مسلم ہے، کوریا بھی غیر مسلم ہے، ویت نام بھی غیر مسلم ہے ہندوستان بھی غیر مسلم ہے۔ غرضیکہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ پیغام ہمیں بھی پہنچ گیا ہے۔ اس لئے نہایت ہی جاہلانہ خودکشی والی پالیسی ہے کہ مسلمان کے تشخص کو غیر مسلم کے تشخص سے لڑاویں اور اس کے نتیجے میں کچھ بھی حاصل نہ کریں اور جو کچھ حاصل ہے وہ کھودیں۔ پس دنیا میں تیسری دنیا کے اتحاد قائم ہو ہی نہیں سکتے جب تک قرآن کریم کی تعلیم وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى پر عمل نہ کیا جائے اور اس تعلیم میں مذہبی اختلاف کا ذکر ہی کوئی موجود نہیں۔ اس تعلیم کی رو سے مشرک سے بھی اتحاد ہوسکتا ہے یہودی سے بھی ہوسکتا ہے، عیسائی سے بھی ہوسکتا ہے، دہریہ سے بھی ہوسکتا

ہے۔ مذہب کا کوئی ذکر ہی نہیں اَلْبِرِّ اور التَّقْوٰی ہونا چاہئے۔ ہر اچھی بات پر تعاون کرو۔

پس تعاون کے اصول کے اوپر ان قوموں کے ساتھ وسیع تر اتحاد پیدا کرنا اور اس کے نتیجے میں ایک نئی United nations of poor nation کا قیام انتہائی ضروری ہے اب ضرورت ہے کہ دنیا کی غریب قوموں کی ایک متوازی اقوام متحدہ کی بنیاد ڈالی جائے جس کے منشور میں محض اسی حد تک اختیارات درج ہوں جس حد تک ان کے نفاذ کی اس انجمن کو طاقت ہو اور ہر ممبر ملک کے لئے اس عہد نامہ پر دستخط کرنے ضروری ہوں کہ وہ اس ادارے سے منسلک رہتے ہوئے ہر حالت میں عدل کی بالا دستی کو تسلیم کرے گا۔

تیسری دنیا کے الجھے ہوئے معاملات اور قضیوں کو حل کرنے کے لئے اسی ادارہ کی سرپرستی میں دوطرفہ گفت وشنید کا منصفانہ اور موثر نظام قائم کیا جائے اور کمزور قوموں میں اس رجحان کو تقویت دی جائے کہ کوئی فریق اپنے قضیوں کو حل کرنے کے لئے ترقی یافتہ قوموں کی طرف رجوع نہیں کرے گا اور انہیں اپنے قضیے نبٹانے میں دخل کی اجازت نہیں دے گا۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ بعض تیل پیدا کرنے والے ملک بھی ایک نئی اوپیک (Opec) کی بنیاد ڈالیں یعنی ایسی اوپیک جس میں امریکہ کے وفادار غلاموں کو شامل نہ کیا جائے۔ امریکہ سے تعاون کرنے والے بے شک شامل کئے جائیں کیونکہ ہمارا اصول یہ ہے ہی نہیں کہ مخالفت کی خاطر کوئی اتحاد قائم کئے جائیں۔ قرآن نے کہیں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ اتحاد نیکی پر ہونا چاہئے مگر کسی ملک کا اگر بڑی طاقتوں کے ساتھ بے اصولی پر اتحاد ہو چکا ہو اور ان کا یہ اتحاد قیام عدل کے لئے خطرہ بن جائے تو اس کے نتیجے میں غریب ممالک کے مفادات قربان کر دیئے جاتے ہیں پس لازم ہے کہ تیل پیدا کرنے والے بعض ممالک اپنے دفاع کی خاطر نیا اتحاد کریں۔ مثلاً ایران ہے، عراق ہے، نائیجیریا انڈونیشیا، ملائیشیا، سباوغیرہ ہیں اسی طرح جن دوسرے ملکوں میں جہاں کسی حد تک تیل ملتا ہے وہ آپس میں اکٹھے ہوکر اپنی ایک اوپیک بنائیں اور اگر یہ مشترکہ طور پر اپنی Policies طے کریں گے تو ان کے اوپر اس طرح ظلم کے ساتھ مغربی دنیا کی Policies کو مسلط نہیں کیا جاسکتا جس طرح عراق پر مسلط کر کے اسے غیر منصفانہ طرز عمل پر مجبور کر دیا گیا۔ سعودی عرب اور کویت وغیرہ کچھ عرصے تک اپنی زیادہ تیل کی قوت کے نتیجے میں اس نئی اوپیک کو کچھ مجبور

کر سکتے ہیں مگر اپنی دھن اور اصولوں پر اگر یہ قائم رہیں تو تھوڑی دیر کے بعد دباؤ کا یہ کھیل ختم ہو جائے گا۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اس کے بہت مفید نتائج ظاہر ہوں گے۔

تیسری دنیا کے وہ ممالک جن میں تیل نہیں ہے ان کو بھی اپنی ایک متحدہ بے تیل کے ملکوں کی انجمن بنانی چاہئے کیونکہ جب بھی دنیا میں کسی قسم کے فسادات ہوتے ہیں، ہنگامے ہوتے ہیں۔ جنگیں ہوتی ہیں تو یہی بیچارے غریب ممالک ہیں جو سب سے زیادہ نقصان اٹھاتے ہیں پس اپنے تحفظات کے لئے ان کو اکٹھے ہو جانا چاہئے اور تیل والے ملکوں سے کچھ لمبے سمجھوتے کرنے چاہئیں تا کہ گذشتہ تجارب کی روشنی میں آئندہ کے احتمالات سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہو سکے۔

اس ضمن میں ایک اور چھوٹا سا اتحاد قائم کرنا بھی ضروری ہے وہ ممالک جو تیل پیدا کرنے والے ممالک کو مزدور مہیا کرتے ہیں انہوں نے کبھی نہیں سوچا کہ ان کے مزدوروں کو اس طرح ذلیل اور رسوا کیا جاتا ہے اور ایسا ظالمانہ سلوک ان سے ہوتا ہے اور ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا کہ اس کے نتیجے میں قومی غیرت کچلی جاتی ہے اور قوم کے اندر ایک بے حیائی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے تو جانے کا موقعہ نہیں ملا مگر بعض مسافروں نے گلف میں کام کرنے والے بعض مزدوروں نے اس سلوک کے جو قصے سنائے ہیں جو ہوائی اڈوں پر اترتے ہی ان سے شروع ہو جاتا ہے اس کا سننا ہی ایک باغیرت شخص کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ مثلاً ہوائی اڈوں پر جب پاکستانی جہاز پہنچتے ہیں تو مقامی سپاہی ڈنڈے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے، سوٹیاں اٹھائی ہوئی ان کے ٹخنوں پر مارتے ہیں کہ یوں سیدھے ہو، یہاں کھڑے ہو، ایسے قطار بناؤ اور ایسا ذلت آمیز سلوک ان سے ہوتا ہے کہ جس طرح گائے بھینسوں کو ظالم ممالک میں ہانکا جاتا ہے۔ جو ترقی یافتہ ممالک ہیں ان میں تو گائے بھینس کی بھی اس سے زیادہ عزت کی جاتی ہے تو یہ کب تک برداشت کریں گے؟ غلاموں کی طرح ان سے سلوک اور پھر ان کی کمائیوں کا کوئی تحفظ نہیں یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ وہ غریب مزدوری کرنے جاتے ہیں اور وہ مزدوری کے نتیجے میں ساری عمر کی کمائیاں لاکھ دو لاکھ جو کماتے ہیں، اگر ان کا مالک ناراض ہو جائے اور فیصلہ کر لے کہ ان کا حق نہیں دوں گا تو معاہدہ اس قسم کا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے اختیار میں ہے کہ نہ دے اگر عدالت میں جائیں بھی تو وہاں ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی تو نوکر رکھنے والا اگر ظالم اور سفاک ہو اور اس کو یقین ہو کہ میں جو چاہوں کرلوں گا تو نوکر کو تو غلام سے بھی زیادہ ذلت نصیب

ہوتی ہے۔ پس ان ممالک کو ہندوستان، پاکستان فلپائن وغیرہ یا جن جن ممالک سے لوگ آتے ہیں وہاں اکٹھے ہو کر یہ فیصلے کرنے چاہئیں کہ ہم اپنے مزدوروں کو عزت اور وقار کا تحفظ دیں گے اور اگر ان کی حق تلفی کی گئی یا ان سے بدسلوکی کی گئی تو سب مزدور مہیا کرنے والے ممالک مل کر تاجر ممالک پر دباؤ ڈال کر اپنے مزدوروں کے حق دلوائیں گے۔ اسی طرح توازن پیدا ہو جائیں گے اور توازن کے نتیجے میں امن پیدا ہوتا ہے کیونکہ توازن ہی عدل کا دوسرا نام ہے جس کو قرآن کریم نے میزان بھی قرار دیا ہے۔ پس امن بڑی قوموں کے طاقتور بادشاہوں یا ڈکٹیٹروں یا صدروں کے تحکمات سے تو قائم نہیں ہوا کرتا۔ امن تو لازماً توازن کے نتیجے میں قائم ہوں گے اور توازن عدل سے پیدا ہوتا ہے بلکہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پس تمام عالمی سیاست میں نئے توازن پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اس عہد کی ضرورت ہے کہ ہماری ہر انجمن ہمارا ہر اتحاد عدل کی بالا دستی کے اصول پر قائم ہوگا۔

پس یہ جتنی انجمنوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں یہ بنیادی شرط ہونی چاہئیے کہ ہر شامل ہونے والا ملک یہ عہد کرے کہ میں عدل کی بالا دستی کو تسلیم کرتا ہوں، اپنے مفادات کی بالا دستی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور پھر ایسے انتظام ہونے چاہئیں کہ عدل کی بالا دستی کا واقعی کوئی نہ کوئی ذریعہ پیدا کیا جائے اور عدل کا احترام نہیں کرتا اس کو اس نظام سے الگ کر دیا جائے۔

جو موجودہ یونائیٹڈ نیشنز (United Nations) ہے اس میں کئی قسم کے اندرونی تضادات بھی ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے تا کہ نئی انجمنوں میں ایسے تضادات پیدا نہ ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ یہ عجیب ظالمانہ قانون ہے کہ اگر ساری دنیا میں امریکہ روس، چین وغیرہ پانچ ملکوں میں سے صرف ایک ملک کسی ملک پر ظلم کرنے کا فیصلہ کر لے تو جس پر چاہے اس پر حملہ کروادے۔ اس کے لئے عالمی طاقتوں کو جوابی کارروائی کا کوئی حق حاصل نہیں ہوسکتا جب تک سیکیورٹی کونسل کے مستقل ممالک میں سے ایک ملک اس بات پر قائم رہتا ہے کہ میں کسی کو اس ملک کے خلاف جوابی کارروائی کی اجازت نہیں دوں گا۔

اس کا نام ویٹو ہے یہ فیصلہ آج تک نہیں ہوا کہ یونائیٹڈ نیشنز یا سیکیورٹی کونسل کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ عدلیہ ہے؟ اگر یہ عدلیہ ہے تو پھر بین الاقوامی عدالت کی کیا ضرورت ہے اگر یہ عدلیہ نہیں ہے تو جھگڑوں میں فیصلہ کرتے وقت یہ کیسا فیصلہ کر سکتے ہیں؟ اور پھر عدلیہ نہ ہونے کی وجہ سے اس

فیصلے کو بزور نافذ کرنے کا اختیار بھی ان کو نہیں ہو سکتا اور اگر عدلیہ ہے تو ان کے عدل کا اثر کہاں کہاں تک جائے گا؟ وہ قومیں جو ان کی ممبر نہیں ہیں ان پر بھی پڑے گا کہ نہیں؟ یہ ایک اور سوال ہے جو اس کے نتیجے میں اٹھتا ہے۔

پھر اگر یہ محض ایک مشاورتی ادارہ ہے تو فیصلوں کو بزور نافذ کرنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا ایسی صورت میں محض اسی حد تک اخلاقی دباؤ کا ضابطہ طے ہونا چاہئے جس کا سب قوموں کے خلاف برابر اطلاق ہو سکے۔

اور اگر یہ محض تعاون کا ادارہ ہے تو تعاون کس طرح لیا جائے اور کون کون سے ذرائع اختیار کئے جائیں اور اگر تعاون حاصل نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ یہ سب فیصلے ہونے والے ہیں۔

اسی طرح اگر یہ محض فلاح و بہبود کے کاموں میں غریب قوموں کی مدد کرنے کا ادارہ ہے تو اس پہلو سے بھی یہ حیثیت واضح اور معین ہونی چاہئے اور سیاست اور رنگ و نسل سے بالا رہ کر غریب قوموں یا آفت زدہ علاقوں کی امداد کا ایسا لائحہ عمل تیار ہونا چاہئے جس کی رو سے اقوام متحدہ کی انتظامیہ آزادانہ فیصلے کر سکے اور آزادانہ تنقید کی اہلیت بھی رکھتی ہو۔

یہ سوال بھی لازماً طے ہونا چاہئے کہ اقوام متحدہ کی انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے فیصلوں کے نفاذ کو کیسے یقینی بنایا جائے کہ بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے ماننے پر مجبور ہو۔ جب تک ان سوالات کا تسلی بخش جواب نہ ہو جس سے غریب اور کمزور قوموں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہو یہ ادارہ محض طاقتور قوموں کی اجارہ داری کا ایک پرفریب آلہ کار بنا رہے گا۔

ایک سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ عدلیہ ہے تو یہ سوال اٹھے گا کہ ایک ایسا غریب ملک جس کی حمایت میں نہ امریکہ ہو، نہ روس ہو، نہ چین ہو، نہ فرانس ہو، نہ برطانیہ ہو اور اس کے حق میں اگر اقوام متحدہ کوئی بڑا فیصلہ کر دیتی ہے یعنی دو تہائی کی اکثریت سے فیصلہ کر دیتی ہے کہ یہ مظلوم ملک ہے اس کی حمایت ہونی چاہئے تو اس فیصلے کو نافذ کیسے کریں گے؟ وہ کیسی عدلیہ ہے جسے فیصلوں کو نافذ کرنے والی طاقتوں کا تعاون نصیب نہ ہو، اور تعاون حاصل کرنے کا قطعی ذریعہ اسے میسر نہ ہو۔

اس کی مثال تو ویسی ہی ہے کہ جیسے ایک دفعہ جب امریکہ کے ریڈ انڈینز نے امریکہ کی حکومت کے خلاف وہاں کی عدالت عالیہ میں اپیل کی اور یہ مسئلہ وہاں کی سپریم کورٹ کے سامنے رکھا

کہ بار بار امریکہ کی حکومت نے ہم سے معاہدے کئے اور بار بار ان کی خلاف ورزی کی۔ بار بار جھوٹے تحفظات دیئے اور بار بار وہ علاقے جن کے متعلق قطعی طور پر تحریری معاہدے تھے کہ یہ ہمارے ہو چکے اور مزید ان میں دخل نہیں دیا جائے گا، دخل دے کر ہم سے خالی کروائے گئے اور ہمیں دھکیلتے دھکیلتے یہ ایک ایسی حالت میں لے گئے ہیں کہ جہاں ہماری اب بقا ممکن نہیں رہی۔ اب سوال زندہ رہنے یا نہ زندہ رہنے کا ہے۔ اس پر امریکہ کی سپریم کورٹ نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ انہوں نے کہا بالکل صحیح شکایت ہے۔ ان تمام معاملات میں جو ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں حکومت نے غیر منصفانہ طریق اختیار کیا ہے اور ریڈ انڈینز کا حق ہے کہ پرانے سب فیصلوں کو منسوخ کر کے ان کے حقوق بحال کئے جائیں۔ جب یہ فیصلہ ہوا تو امریکہ کے صدر نے کہا کہ عدالت عالیہ کا فیصلہ سر آنکھوں پر لیکن اب عدالت عالیہ کو چاہئے کہ اس کو نافذ بھی کر دے۔ تو بالکل وہی حیثیت آج یونائیٹڈ نیشنز کی ہے ان پانچوں میں سے جن کو Permanent Members کہا جاتا ہے اگر ایک بھی چاہے کہ فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا، تو نہیں ہو سکتا۔

عجیب انصاف کا ادارہ ہے کہ جس کے خلاف بڑی طاقتیں سر جوڑ لیں اور ظلم پر اکٹھی ہو جائیں تو وہاں ہر چیز نافذ ہو جائے گی لیکن جہاں یہ فیصلہ ہو کہ نافذ نہیں ہونے دینا تو وہاں دنیا کا کوئی ملک الگ الگ یا سارے مل کر بھی کوشش کریں تو اس کے مقابل پر ایک ملک کھڑا ہو سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور اگر اتفاق بھی کر جائے جیسا کہ فلسطین کے مسئلہ میں کئی ریزولیوشنز میں پانچوں طاقتوں نے اتفاق بھی کر لیا کہ اسرائیل وہ علاقے خالی کر دے تو اگر وہ پانچوں اتفاق بھی کر جائیں تب بھی فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا۔ یہ عجیب قسم کا امن عالم کا ادارہ ہے اور عجیب قسم کی یونائیٹڈ نیشنز Unied Nations ہے فیصلے کرنے کا اختیار ہے، فیصلے نافذ کرنے کا اختیار نہیں۔ فیصلے نافذ کرنے کا اختیار بڑی طاقتوں کو ہے اور بڑی طاقتوں کی مرہون منت تمام دنیا کی قومیں بنی ہوئی ہیں۔ **یہ ادارہ زندہ رہنے کے لائق نہیں ہے۔ یہ غلامی کو جاری رکھنے کا ادارہ ہے۔ غلامی کے تحفظات کا ادارہ ہے۔ آزادی کے تحفظات کا ادارہ نہیں ہے۔**

اس لئے اگر آج تیسری دنیا کی قوموں نے اس ادارے کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کیا یا یہ کہنا چاہئے کہ ان کو انصاف کے نام پر تعاون پر مجبور نہ کیا اور اپنے قوانین بدلنے پر مجبور نہ کیا تو دنیا کی

قومیں آزاد نہیں ہوسکیں گی اور یہ ادارہ مزید خطرات لے کر دنیا کے سامنے آئے گا اور اسے بار بار بعض خوفناک مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔اس کی تفصیل میں جانے کی اس وقت ضرورت نہیں۔

اب میں آخری بات آپ کے سامنے یہ رکھنا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کو بھی آج مخاطب ہوکر میں ایک مشورہ دے رہا ہوں۔عام طور پر مسلمانوں میں یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ اسرائیل کا قیام مغرب کی سازش کے نتیجے میں، اسرائیل کی چالاکیوں کے نتیجے میں ہوا ہے یہ اپنی جگہ درست ہے۔لیکن اگر خدا کی تقدیر یہ نہ چاہتی تو ایسا کبھی نہیں ہوسکتا تھا۔اس تقدیر کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کس تقدیر نے آج اسرائیل کا مسئلہ کھڑا کیا ہے اور اسی تقدیر کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے۔پس میں قرآن اور حدیث پر بنا رکھتے ہوئے اس مسئلے کو آج آپ کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں اور اسرائیل کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کیونکہ آج امن عالم کا انحصار اسرائیل پر ہے اور اسرائیل کے فیصلوں پر ہے اور یہی ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں سورۃ اسراء جسے بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے، اس میں اس مسئلے پر چند آیات ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔آیت نمبر 5 یعنی اگر بسم اللہ کو شمار کریں تو پانچ ورنہ چار فرماتی ہے۔وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل:۵) کہ ہم نے بنی اسرائیل کے لئے مقدر کردیا تھا کتاب میں، یعنی غالباً زبور مراد ہے یا تقدیر کی کتاب ہوسکتی ہے، بہرحال ہم نے کتاب میں اسرائیل کے ضمن میں یہ تقدیر بنادی تھی، یہ فیصلہ کردیا تھا کہ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ کہ تم یقیناً دو دفعہ زمین میں فساد برپا کرو گے وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا اور بہت بڑی بغاوتیں کرو گے۔اگلی چھٹی آیت فرمائی ہے :فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (بنی اسرائیل:۷) کہ جب پہلا وعدہ پورا ہونے کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندے مبعوث فرمادیئے جو بہت شدید جنگ کرنے والے بندے تھے۔ہمارے بندے ایسے تھے جو نہایت سخت جنگجو تھے وہ تمہارے گھروں کے بیچ میں گھس گئے۔وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا اور خدا کا وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا اس وعدے کو کوئی ٹال نہیں سکتا تھا کہ

پہلی بغاوت تم کرو اور تمہیں سزا ملے اور وہ سزا دے دی گئی۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ وَبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا (بنی اسرائیل: ۷) پھر ہم نے تمہیں دوبارہ ان پر ایک طاقت عطا کر دی، غلبہ عطا فرما دیا اور ہم نے تمہاری مدد کی اسی ذریعے سے، اموال کے ذریعے سے بھی اور اولاد کے ذریعے سے بھی اور پھر ہم نے تمہیں بڑھاتے ہوئے ایک بڑی طاقت بنا دیا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل: ۸) لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر تم اب حسن سلوک کرو گے اور پہلی بدیاں ترک کر دو گے تو دراصل اپنے سے ہی حسن سلوک کرنے والے ہو گے اور اگر تم نے پھر وہی بدی اختیار کی جو پہلے کر چکے تھے تو پھر وہ بدی بھی تمہارے خلاف ہی پڑے گی یعنی عملاً تم اپنے سے وہ بدی کرنے والے ہو گے۔ فرمایا: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ (بنی اسرائیل: ۸) پھر دوسری دفعہ وعدہ پورا کرنے کا وقت بھی آ گیا جیسا کہ دو وعدے کئے گئے تھے۔ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ کہ یہ تقدیر پوری ہو کہ تم پھر بدی کرو گے اور اس بدی کا مزا چکھو گے اور تمہارے چہرے رسوا اور کالے کر دیئے جائیں گے وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (بنی اسرائیل: ۸) تا کہ وہ دوبارہ مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور اسے تباہ و برباد کر دیں۔ (یہاں ہیکل سلیمانی مراد ہے) یہ دو وعدے تاریخ میں پورے ہو گئے، ایک تیسرا بھی ہے، اس کا بھی قرآن کریم کی اسی سورۃ میں ذکر ملتا ہے۔ (چنانچہ) اگلی آیت یعنی نویں آیت میں فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ (بنی اسرائیل: ۹) کہ اس کے بعد پھر جب خدا چاہے گا اور اگر خدا نے چاہا بلکہ عَسٰى کا مطلب ہے۔ ہوسکتا ہے عین ممکن ہے کہ خدا یہ چاہے۔ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ کہ ایک دفعہ پھر تم پر رحم فرمائے لیکن یاد رکھنا جب تم پر رحم کیا جائے گا تو اس بات کو نہ بھلانا وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا اگر تم نے پھر ان سب بدیوں کا اعادہ کیا اور تکرار کی تو ہم بھی ضرور ان سزاؤں کا اعادہ کریں گے جن کے دو دفعہ تم ماضی میں مزے چکھ چکے ہو۔ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پھر اور کوئی چوتھی حرکت ان کی طرف سے نہیں ہوگی کیونکہ پھر جہنم کا ذکر ہے۔ اس کے بعد دنیا کے معاملات طے اور ختم پھر آخری فیصلہ قیامت کے بعد ہوگا اور جہنم کے ذریعے سزا دی جائے گی۔ پہلے دو وعدوں کے متعلق

میں مختصراً بتادوں کہ کس طرح ہوئے ،ایک وعدہ تو شروع ہوا 721 قبل مسیح میں جبکہ Assyrians نے یہود کی دو مملکتوں میں سے شمالی مملکت کو تاخت وتاراج کیا اوراس پر قبضہ کرلیا اور یہ سماریہ بستی سے تعلق رکھنے والی مملکت تھی جسے اسرائیل کہا جاتا تھا۔ پس 721 قبل مسیح میں یہ واقعہ شروع ہوا، مکمل نہیں ہوا۔ اس کی تکمیل ۵۹۷ قبل مسیح سے شروع ہوئی اور 587 قبل مسیح میں پھر وہ دور اپنے درجہ کمال کو پہنچا یعنی وہ طاقت جس کو توڑنے کا آغاز اسیرینز سے ہوا تھا۔ 124 سال کے بعد دوسرا سلسلہ (اس کے توڑنے کا) شروع ہوااوراس دفعہ بابلیوں میں سے نبوکدنضیر Nebchadnezzar نے یہودیوں کی بقیہ مملکت پر جسے جودیا کہا جاتا تھا یا جودا Judah بھی کہتے ہیں اور جس میں یروشلم دارالخلافہ ہے اس پر حملہ کیا۔

پس یادرکھیں کہ اس وعدے کے مطابق پہلا حملہ اسرائیل کو یعنی یہودیوں کی سلطنت کو ارض کنعان میں توڑنے کے لئے 721 قبل مسیح میں ہوا اور اسیرین نے اس کا آغاز کیا اوراس کی تکمیل کے لئے دوسرا سلسلہ بنوکدنضر 597 قبل مسیح میں شروع کیا اور 587 قبل مسیح میں مکمل کیا۔ دونوں دفعہ یہود کی طاقت کو شدید ضربیں لگائی گئیں لیکن دوسری دفعہ عملاً اسے بالکل ملیا میٹ اور نیست ونابود کردیا گیا۔ بے شمار یہودیوں کو قیدی بنا کر بنوکدنضر ساتھ لے گیا اوراس میں حضرت حزقیل بھی ساتھ تھے اور حضرت حزقیل کی کتاب سے پتا چلتا ہے کہ یہ سزا جو یہود کو ملی تھی یہ اس لئے ملی تھی کہ ان کی کتاب میں جو الٰہی محاورہ ہے وہ یہ ہے کہ ان دو بستیوں کی مثال دو کسی عورتوں کی طرح ہوگئی تھی جو اپنا جسم بیچتی ہیں اور بے حیائی میں حد سے بڑھتی چلی جاتی ہیں اور غیروں کو اپنا دوست بناتی ہیں اور خدا سے دوستی توڑ رہی ہیں۔ بہت ہی خوفناک نقشہ کھینچا گیا ہے اور فرمایا کہ پھر جیسی سزا مقدر تھی خدا نے ان سے پھر تعلق توڑ لیا اور کہا اے کسبی عورتو! جس کی تم ہواسی کی ہو رہو۔ چنانچہ واقعتہً بنوکدنضر نے ان کسبیوں کو اٹھا کر اپنے وطن سے جدا کر دیا اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

اس کے بعد 551 یا 53 میں اس کے لگ بھگ حضرت حزقیلؑ نبی کی کوششوں سے اہل فارس سے تعلقات کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا اور ھاروت ماروت کا جو ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے یہ وہی زمانہ ہے اس کے نتیجے میں ان سے انہوں نے مدد حاصل کی۔ اگر چہ یہ انقلاب بعد میں آیا لیکن یہ حضرت حزقیلؑ کے زمانے میں ہی شروع ہوا تھا۔ چنانچہ نبوکدنضر کے دوسرے شدید حملے کے 48

سال بعد یعنی اس حملے کے 48 سال بعد جس میں اس نے یروشلم کی بستی اور فلسطین کو کلیۃً تباہ برباد کر دیا تھا۔ اہل فارس کی مدد سے یہود کو دوبارہ ارض مقدس پر غلبہ نصیب ہوا اور یہ واقعہ ۵۳۹ قبل مسیح کا ہے جبکہ سائرس Syrus بادشاہ کی مدد سے یہود کو واپس یروشلم میں لے جا کر آباد کر دیا گیا اور اس کے بعد پھر ان کو کئی سو سال تک وہاں رہنے کی توفیق ملی اور جیسا کہ بعض دوسری کتب میں پیشگوئی کے رنگ میں یہ درج ہے کہ یہ دونوں شہر دوبارہ کسبی ہو جائیں گے اور دوبارہ گندگی اختیار کریں گے اور پھر ان کو سزا ملے گی۔

پس قرآن کریم نے جو نقشہ کھینچا ہے کہ مقدر تھا کہ دو دفعہ تم زمین میں فساد کرو دو دفعہ تم بغاوت کرو بعینہٖ اسی طرح ہوا ہے پہلے فساد برپا کیا۔ اس کے بعد دوسری قومیں آئیں پھر انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور بغاوت کے بعد کچلے گئے ہیں۔ چنانچہ دوسری دفعہ کے بعد جب سزا کا سلسلہ شروع ہوا تو رومن بادشاہ Pompey نے 63 قبل مسیح میں جودا Judah پر قبضہ کر لیا اور پھر وہاں سے ان کی تباہی کا آغاز کیا لیکن اس کے باوجود 132 بعد مسیح تک یہ تباہی مکمل نہیں ہوئی 132 بعد مسیح میں Hadrian (ھینڈرین) جو ایک بہت بڑا رومن Emperor ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رومن بادشاہوں کی تاریخ میں غیر معمولی مقام رکھتا ہے۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کی سلطنت انگلستان سے لے کر افریقہ تک اور پھر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی اور انگلستان بھی اس کو آنے کا موقعہ ملا۔ یہاں شمال میں ایک دیوار ہے جس طرح دیوار چین بنائی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی 80 میل بعض کہتے ہیں 74۔76 میل ہے۔ یہ ایک بہت بڑی دیوار ہے جو آج تک قائم ہے یہ اسی Hadrian بادشاہ نے بنائی تھی۔ پس جب یہودیوں نے وہاں دوبارہ بغاوت کی تو اس بغاوت کو کچلنے کے لئے Hadrian بادشاہ نے اپنے اس جرنیل کو واپس بلا لیا جو انگلستان پر حکومت کرتا تھا اور اس نے غالباً یہاں اپنا تسلط جمائے رکھا تھا۔ بہت قابل جرنیل تھا اس کو بلا کر یہود کو کچلنے کے لئے بھجوا دیا۔ یہ واقعہ 132ء کے لگ بھگ ہوا سو فیصدی تاریخ دان متفق نہیں۔ 132ء سے لے کر 133۔34 تک یہ معاملہ مکمل ہو گیا تھا اس نے ان کو ایسا خوفناک مزا چکھایا ہے بغاوت کا کہ مورخین کہتے ہیں کہ 5 لاکھ یہودیوں کو وہاں تہ تیغ کیا۔ پہلے تو مجھے خیال آیا یہ ہو نہیں سکتا۔ یہ غلطی ہو گی لیکن جب میں نے قرآن کریم کی پہلی پیشگوئی کو پڑھا کہ ہم تمہیں بہت

اولاد دیں گے اور بہت برکت تمہارے نفوس میں دیں گے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل درست تاریخی واقعہ ہے۔ واقعۃً اس زمانے کے لحاظ سے 5 لاکھ کے قریب یہودی وہاں ہلاک کئے گئے اور مسجد کو دوبارہ نیست و نابود کر دیا گیا۔

پس دو دفعہ ہیکل سلیمانی تعمیر ہوا اور دو دفعہ برباد ہوا۔ یہ سب کچھ جب ہو چکا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ابھی بھی خدا تعالیٰ کو ہو سکتا ہے تم پر رحم آ جائے یعنی یہ دو ہلاکتیں پوری ہو گئیں۔ دو پیشگوئیاں اپنے وقت پر پوری ہو کر ختم ہوئیں لیکن عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ یہ کب ہونا ہے اور کس طرح ہونا ہے اس کے متعلق اسی سورۃ کے آخر پر یہ آیت ہے، جو آنحضرت ﷺ کے زمانے کے مضمون سے تعلق رکھنے والی آیت ہے اور اسی مضمون میں گھری ہوئی یہ آیت ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ رحم کا واقعہ دور آخر میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے زمانے میں آپ کی امت کے وقت میں ہونا تھا۔ چنانچہ فرمایا: وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی اسرائیل: آیت ۱۰۵) کہ جب **وہ وعدہ آخر آئے گا جب کہ ساری دنیا سے تمہیں اکٹھا کر کے دوبارہ اس زمین پر لے کر آنا ہے تو اس وقت خدا کی تقدیر ایسا انتظام کرے گی اور تم سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ یہ واقعہ پہلی دفعہ ہوا ہے۔ گزشتہ تاریخوں میں یہود بار بار فلسطین پر بستے رہے لیکن ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا** کہ۔ Diaspora یعنی وہ سارا علاقہ جہاں یہود منتشر ہوئے تھے، ان تمام علاقوں سے دوبارہ اکٹھے کئے گئے ہوں۔ یہ تاریخ عالم کا پہلا واقعہ ہے۔ پس دیکھیں قرآن کریم کی پیشگوئیاں کس صفائی اور کس حیرت انگیز شان کے ساتھ پوری ہوئی ہیں اور آئندہ پوری ہوں گی۔

پس یہود کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی تقدیر نے تم پر رحم کھاتے ہوئے اور Natsi ناٹسی جرمنی میں تم پر مظالم کی جو حد ہو گئی تھی ان کے نتیجے میں یہ فیصلہ کیا کہ بہت ہو چکی، شاید اب تم نے سبق سیکھ لئے ہوں۔ تمہیں معاف کر دیا گیا اور تمہیں دوبارہ وہاں ایک غلبہ عطا کیا گیا۔ اس غلبے کو توڑنے کی مسلمان حکومتوں کو طاقت نہیں ہوگی کیونکہ احادیث سے پتا چلتا ہے کہ ایک فتنہ اٹھے گا جو عراق اور شام کے درمیان سے اس چھوٹے سے سمندر کے رستے سے

نکلے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا جو اسرائیل میں واقع ہے، بحیرہ طبریہ اس کا نام ہے جس کا حدیث میں ذکر ہے۔ یہ اسرائیل کے علاقے میں ایک چھوٹا سا سمندر ہے جس میں سے دریائے Jordan ہو کر گزرتا ہے۔ فرمایا: وہاں بہت بڑا لشکر جمع ہوگا اور وہ نکلے گا اور بہت بڑی طاقت ہے جو یلغار کرے گی۔ پس اگر اسرائیل نے پچھلی دو تاریخی ہلاکتوں سے سبق حاصل نہ کیا اور تلخ تجربوں سے سبق حاصل نہ کیا تو تمام دنیا کے امن کو درہم برہم کرنے کے لئے اسرائیل سے فتنہ اٹھے گا اور یہ مقدر ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اسے تباہ کریں گے اور ہم ایسا انتظام کریں گے کہ وہ اور ان کے ساتھ ساری طاقتیں جو ان کی مدد اور مددگار ہیں ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیں اور ان کو عبرت کا نشان بنا دیں۔ آخری پیغام اس حدیث میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے گلوں میں ایسی گٹھلیاں نکالے گا اور ایسی بیماریاں پیدا کرے گا جن کے ساتھ وہ بڑے ہولناک طریق پر، بڑے وسیع پیمانے پر ہلاک ہوں گے اور یہ وہی بیماری ہے Aids جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔ یہ جو میرا اندازہ ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسب ذیل پیشگوئیوں پر مبنی ہے جو کہ حدیث میں تفصیل کے ساتھ ملتی ہیں۔

حضرت نواس بن سمعانؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور تفصیل سے اس کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ حدیث تو بہت طویل ہے۔ میں اس میں سے صرف چند فقرے یہاں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: **انہ خارج خلة بین الشام والعراق** کہ وہ شام اور عراق کے درمیان کے علاقے سے ظاہر ہوگا۔ دائیں بائیں جدھر رخ کرے گا قتل و غارت کا بازار گرم کرتا چلا جائے گا۔ پھر فرمایا:۔ اس میں ایسے ابر باراں کی سی تیزی ہوگی جسے پیچھے سے تیز ہوا دھکیل رہی ہو۔'' (جیسے آج کل کے جیٹ Jet ہوائی جہاز اڑتے ہیں)

پھر فرمایا:۔ کہ'' ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو مبعوث فرمائے گا اور انہیں بذریعہ وحی یہ خبر دے گا کہ **انی قد اخرجت عبادًا لی لا یدان لاحد بقتالھم** (حوالہ۔۔۔) کہ میں نے اب کچھ ایسے لوگ بھی برپا کئے ہیں جن سے جنگ کی کسی میں طاقت نہیں۔''

پھر مزید فرمایا کہ'' اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو برپا کرے گا اور وہ ہر بلندی سے تیزی کے

ساتھ پھلانگتے ہوئے گزر جائیں گے۔'' فرمایا:۔

''یاجوج ماجوج کی اس ٹڈی دل فوج کے اگلے حصے، **فیمروا لھم علی بحیرۃ طبریۃ فیشربون ما فیھا ، بحیرہ طبریہ** کے پاس سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی جائیں گے اور جب اس فوج کا آخری حصہ وہاں پہنچے گا تو کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوا کرتا تھا وہ اب کہاں گیا۔ان روح فرسا حالات میں نبی اللہ مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے ساتھی رضی اللہ عنہم اللہ کے حضور دعائیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔**فیرسل اللہ تعالی علیھم النغف فی رقابھم** اور یاجوج ماجوج کی گردنوں میں کیڑے پیدا کردے گا۔(صحیح مسلم۔کتاب الفتن ،باب الذکر الدجال) جو بڑے پیمانے پر تیزی سے ان کی ہلاکت کا موجب بنیں گے۔

پھر ایک دوسری حدیث میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم فرماتے ہیں۔**لم تظھر الفاحشۃ فی قوم قط حتی یعلنوا بھا الا فشافیھم الطاعون ولا وجاع التی لم تکن مفت فی الاسلا فھم الذین مضوا** (سنن ابن ماجہ۔کتاب الفتن ۔باب العقوبات)

یعنی اگر کوئی قوم جنسی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے اور اس کی نمائش کرے تو اس میں ایک قسم کی طاعون کی بیماری پھیل جاتی ہے جو ان سے پہلوں میں کبھی نہیں پھیلی ۔ یہ وہ حدیث ہے خصوصیت کے ساتھ Aids کی بیماری کی طرف کھلے کھلے لفظوں میں اشارہ کر رہی ہے اور یہ Aids وہ بیماری ہے جسے ایک قسم کی طاعون کہا جاتا ہے اور یہ وہ بیماری ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی دنیا میں نہیں پھیلی۔

دلچسپ بات ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے ایک نئی قسم کی طاعون پھیلنے کی خبر دی تھی ۔یہ 18/ مارچ 1907ء کا الہام ہے ۔فرماتے ہیں۔''یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی'' (تذکرہ صفحہ ۷۰۵) پس ایک یہ ہلاکت ہے جو آج نہیں تو کل مقدر ہے۔اگر ان قوموں نے اپنی اصلاح نہ کی تو ان کی بداعمالیوں کے نہایت خوفناک نتائج نکلیں گے۔

اس موقعہ پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ انذاری یعنی ڈرانے والی پیشگوئیاں ہمیشہ مشروط

ہوتی ہیں خواہ ظاہری لفظوں میں شرط کا ذکر ہو یا نہ ہو۔اس کی واضح مثال حضرت یونسؑ کے واقعہ میں ملتی ہے کہ ایک قطعی پیشگوئی ان کی قوم کی توبہ اور گریہ وزاری سے ٹل گئی۔

پس اسرائیل کی تباہی یا بقا کا فیصلہ اگرچہ آسمان پر ہوگا لیکن اگر یہود کے معتدل مزاج اور امن پسند عناصر، انتہاء پسند صیہونیوں پر غلبہ حاصل کرلیں اور ان کی سرشت میں داخل بہیمانہ انتقام پسندی کے پنجے کاٹ دیں اور بحیثیت قوم، یہود یہ انقلابی فیصلہ کرلیں کہ مسلمان ہوں یا عیسائی ہر دوسری قوم سے انصاف بلکہ احسان کا معاملہ کریں گے تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ جیسا کہ قرآن کریم میں وعدہ ہے اللہ تعالیٰ ان سے احسان کا سلوک فرمائے گا اور مسلمان بھی ان کے ساتھ عدل واحسان کا سلوک کریں گے انہیں یادرکھنا چاہئے کہ ملاں کی سرشت اسلام کی سرشت نہیں۔قرآن اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سرشت مسلمان کو بخشی ہے اس میں انتقام نہیں بلکہ عفو اور بخشش اور رحم کا جذبہ غالب ہے۔عیسائی مغربی قوموں کو بھی میں خلوص دل سے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ قرآن اور احادیث میں مندرج پیشگوئیوں میں آپ کے لئے جن عبرتناک سزاؤں کا ذکر ملتا ہے انہیں حقارت اور استہزاء کی نظر سے نہ دیکھیں آسمانی نوشتے کبھی زمینی چالاکیوں سے ٹالے نہیں جاسکتے اگر ٹالے جاسکتے ہیں تو سچی توبہ اور استغفار اور پاک تبدیلی سے اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت جو اس کے غضب پر حاوی ہے ہر مقدر سزا کو ٹالنے یا کالعدم کرنے پر قادر ہے۔

پس ضروری ہے کہ اپنی سیاسی اور اقتصادی اور اخلاقی اور معاشرتی طرز فکر میں بنیادی تبدیلی پیدا کریں۔ہر میدان میں بلا استثناء عدل کے تقاضوں کو قومی اور نسلی مفادات کے تقاضوں پر غالب کریں۔غریب اور کمزور قوموں سے حسن سلوک کریں۔اگر اسلام قبول نہیں کرسکتے تو کم سے کم تورات اور انجیل کی پاکیزہ تعلیم ہی کی طرف لوٹیں اور اپنی تہذیب کو ہر لحظہ بڑھتی ہوئی بے حیائی سے پاک کریں۔اگر آپ ایسا کریں تو آپ کی تقدیر شر، تقدیر خیر میں بدل جائے گی اور اہل اسلام اور دوسرے بنی نوع انسان کے ساتھ مل کر آپ کو ایک نظام نو کی تعمیر کی توفیق ملے گی اور انسان کا امن عالم کا خواب حقیقت میں ڈھل جائیگا۔

اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نظام کہنہ تو بہر حال مٹایا جائے گا لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سی قوموں کی عظمتیں بھی مٹادی جائیں گی اور ہمیشہ کیلئے ان کی جاہ وحشمت خاک میں مل جائے گی مگر

میری تو یہی تمنا اور یہی دعا ہے کہ نظام جہان نو، تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات پر نہیں بلکہ تبدیل شدہ اور اصلاح پذیر قوموں کی آب وگل سے تعمیر کیا جائے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمیں تو ہمارے خدا نے پہلے ہی بتادیا ہے کہ تم کمزور ہو۔ چودہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمادی تھی کہ خدا نے اتنی بڑی بڑی قومیں آئندہ نکالنی ہیں کہ دنیا میں کسی انسان کو ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہوگی اس لئے دنیاوی ہتھیاروں سے ان کے مقابلے کی کوشش کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ یہ مسلم کی کتاب الفتن کی حدیث ہے ہر شخص اس میں مطالعہ کرسکتا ہے۔ فرمایا! دعا کے ذریعے ہوگا جو کچھ ہوگا۔ خدا کی تقدیر ان کو مارے گی اور خدا کی تقدیر یہ فیصلہ اس وقت کرے گی جب یہ طاقتور قومیں دنیا سے بدی کا فیصلہ کریں گی۔ چونکہ خدا نے دنیا کو نہتا کر رکھا ہے مجبور کر رکھا ہے اور ایک طرف طاقتوں کو بدی کا موقع عطا کردیا ہے اس لئے لازماً اپنے کمزور بندوں کی حفاظت کی ذمہ داری خدا تعالیٰ پر ہوگی۔

پس اس کی آسمانی تائید کو حاصل کرنے کا ایک ہی طریق ہے کہ خدا سے تعلق جوڑا جائے اور جس حد تک ممکن ہو اپنے نفوس کی اصلاح کی جائے۔ اسلام کے نام پر آئندہ کبھی کوئی بدی اختیار نہ کی جائے۔ Terrorism کا تصور ہی مسلمانوں کی لغت سے نکل جانا چاہئے۔ شرارتیں کرنا اور دوسروں کو دکھ دے کر بعض مسائل کو زندہ رکھنا یہ جاہلانہ باتیں ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود امن میں آجاؤ، خود اپنے تعلقات کو درست کرلو۔ غیر قوموں سے اپنے تعلقات کو درست کرو اور صبر کے ساتھ انتظار کرو پھر دیکھو کہ کس طرح خدا کی تقدیر دنیا کی ہر دوسری قوم کی تدبیر پر غالب آجائے گی۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا!

آج خطبہ گزشتہ دو خطبوں سے بھی زیادہ لمبا ہوگیا ہے کیونکہ میں اس کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ یہ ایک مجبوری تھی جو اس مضمون کو زیر بحث لایا گیا ہے ورنہ دل یہی چاہتا ہے کہ واپس اپنے پہلے مضمون کی طرف جلد لوٹیں یعنی یہ کہ عبادت کیا ہے اور اس کی کیا لذتیں ہیں، یہ لذت کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ سورہ فاتحہ کیا سبق دیتی ہے۔ تو میں یہ فیصلہ کر کے آج آیا تھا کہ چاہے جتنی دیر ہوجائے اس مضمون سے آج پیچھا چھڑالینا ہے اور دوبارہ اپنے دائمی مضمون کی طرف یعنی جہاد اکبر کی طرف لوٹنا ہے تو انشاء اللہ آئندہ خطبے سے پھر وہی نماز کا مضمون شروع ہوگا۔

عالم اسلام کے لئے دعا کی تحریک

الحمد کے مضمون میں 99 صفات باری تعالیٰ شامل ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ / مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

ابھی دو روز تک رمضان مبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ جس طرح حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے کو بھٹی کی طرح قرار دیا جس میں زنگ آلود لوہا جب لوٹایا جاتا ہے تو اس کا زنگ، اس کی آلودگیاں جل کر خاک ہو جاتی ہیں اور وہ صاف شفاف ہو کر دوبارہ باہر نکلتا ہے، اسی طرح وقت کے لحاظ سے رمضان کا ظرف بھی بھٹی کا حکم رکھتا ہے اور رمضان کے لفظ میں بھی گرمی اور شعلوں کی تیزی اور بھسم کر دینے والے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس ان معنوں میں رمضان کا مہینہ ہمارے گناہوں، ہماری آلودگیوں، ہماری گزشتہ غفلتوں کو جلانے کا کام دے گا اگر ہم اپنے آپ کو اس مہینے کے حضور پیش کر دیں۔ اور مہینے کے حضور پیش کرنے میں ایک یہ بھی مضمون شامل ہے کہ اپنے مختلف پہلوؤں کو بدل بدل کر اس مہینے کے سامنے رکھیں۔ جس طرح ایک انسان جب آگ پر کوئی چیز بھونتا ہے تو اس کے پہلو بدلتا رہتا ہے ورنہ ایک پہلو جو آگ کے دوسری طرف ہو وہ ٹھنڈا رہ جاتا ہے۔

پس رمضان مبارک میں بھی انسان کو اپنی بدیاں تلاش کر کے مختلف پہلوؤں سے رمضان کے حضور پیش کرنی چاہئیں اور اس پہلو سے اگر آپ غور کریں تو آپ کو یوں لگے گا کہ جیسے انسان اس

مہینے میں ہمیشہ کروٹیں بدلتا ہوا مختلف پہلوؤں سے خدا سے التجائیں کرتا ہوا، مختلف زاویہ ہائے نظر سے اپنی کمزوریوں کا مطالعہ کرتا ہوا مسلسل ایک نئی کیفیت کے ساتھ گزرتا چلا جائے گا یعنی رمضان مبارک میں یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی کیفیت سے داخل ہوں اور اسی کیفیت سے باہر آئیں بلکہ ہر روز ایک نیا مضمون آپ پر ظاہر ہوتا چلا جائے گا۔ ہر روز رمضان مبارک کی نئی برکتیں آپ کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتی رہیں گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اگر اس طرح آپ جستجو اور محنت سے اس مہینے سے گزریں گے تو ایک نیا وجود پا کر نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

جب اس مہینہ سے نکل جاتے ہیں تو پھر واپسی کا دور بھی شروع ہو جایا کرتا ہے اور اسی رمضان مبارک میں یہ بھی دعا کرنی چاہئے کہ جس مقام سے چلے تھے اگلے رمضان مبارک میں داخل ہوتے وقت اس مقام پر نہ پہنچ چکے ہوں اور بلکہ خطرہ ہے کہ اس سے نیچے نہ گر چکے ہوں۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان رمضان مبارک میں سے نیک نیت کے ساتھ گزرتا ہے۔ جدوجہد کے ارادے لے کر داخل ہوتا ہے۔ پھر اسے اپنے ارادوں کو عمل میں ڈھالنے کی توفیق بھی ملتی ہے اور وہ رمضان سے بہت کچھ پاتا ہے اور بہت بدیاں چھوڑ کر اس مہینے سے باہر آتا ہے لیکن جب وہ باہر آتا ہے تو پھر از سر نو وہی غفلتوں کا دور شروع ہو جاتا ہے اور وہی سستیاں جن کے نتیجے میں جگہ جگہ گندگی جمع ہونی شروع ہو جاتی ہے، عود کر آتی ہیں۔ ایسی صورت میں بعض دفعہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ آئندہ رمضان کے وقت انسان اپنے آپ کو اس سے بدتر حالت میں پائے جس حالت میں گزشتہ رمضان میں داخل ہوا تھا۔ پس رمضان کے یہ جو دو کنارے ہیں ان کے مضمون کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ داخل ہونے والا جو کنارہ ہے اس میں ہم گناہوں اور بداعمالیوں سے بوجھل ہو کر داخل ہوتے ہیں۔ بہت سے داغ ہمارے چہرے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ بہت سی کثافتیں ہمارے جسم کو گندا کئے ہوئے ہوتی ہیں۔ ہم صفائی کی نیت سے اور پاک نیت سے رمضان مبارک میں داخل ہوتے ہیں، نہا دھو کر صاف ستھرے ہو کر باہر نکلتے ہیں اور پھر اچانک یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب محنتوں کا دور ختم ہوا۔ عید کے ساتھ ہی یہ دھوکہ لگ جاتا ہے کہ یہ عید نیکیوں کی عید نہیں بلکہ گناہوں کی زندگی کی طرف لوٹنے کی عید ہے۔ شعوری طور پر انسان یہ نہیں کرتا لیکن لاشعوری طور پر دنیا کے اکثر انسانوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے اور وہ معلوم بھی نہیں کر سکتے کہ ہم کیوں خوش ہیں اور یہ خوشی کہیں خیر کے

پردے میں چھپا ہوا شر تو نہیں۔

پس جو باتیں میں آپ کے سامنے کھول کر رکھ رہا ہوں، ان کے مضمون پر جب آپ غور کریں گے تو زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ پھر دوسری شکل یہ ہے کہ جو شخص ہر سال اپنے آپ کو پہلے سے بدتر حالت میں پائے یا ویسی ہی حالت میں پائے وہ خطرے سے باہر نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت احدیت جل شانہ نے جو یہ فرمایا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ:۵) کہ تیری آخرت پہلے سے بہتر ہے تو یہ بہت وسیع مضمون ہے اس کا میں بارہا ذکر کر چکا ہوں لیکن یہ ایک نہ ختم ہونے والا مضمون ہے۔ ہر اچھی صورتحال پر اس کا اطلاق ہوتا ہے پس اس نظر سے اپنا مطالعہ کرنا چاہئے کہ ہمارا بعد کا آنے والا رمضان گزرے ہوئے رمضان سے بہتر رہا کہ نہیں اور ہمیں اس سے بہتر حالت میں پانے والا بنا کہ نہیں اور اس سے بہتر حالت میں چھوڑنے والا بنا کہ نہیں۔

یہ تین نقطہ ہائے نگاہ ہیں جن سے اپنے حالات پر غور کرنا چاہئے اور رمضان سے اپنے تعلقات کو سمجھنا چاہئے۔

اس رمضان میں خصوصیت سے عالم اسلام کے لئے دعا کی ضرورت ہے۔ بہت سے امور میں گزشتہ خطبات میں آپ کے سامنے کھول کر رکھ چکا ہوں۔ بہت سے ایسے خطرات ہیں جو مجھے دکھائی دے رہے ہیں لیکن ان کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں تھا بلکہ بعض کا تو میں ذکر بھی نہیں کر سکا لیکن بعض اشاروں میں ان کے متعلق باتیں ہو چکی ہیں۔ چونکہ میں اب اس مضمون کو ختم کر چکا ہوں اس لئے دوبارہ اس مضمون کو چھیڑنا نہیں چاہتا لیکن یہ میں آپ کو مختصراً بتا دیتا ہوں کہ آئندہ چند ماہ کے اندر مسلمانوں کے متعلق ہی نہیں بلکہ دنیا کی تقدیر کے متعلق بعض ایسے خوفناک فیصلے بھی ہو سکتے ہیں کہ جن کے نتیجے میں ساری صدی دکھوں سے چور ہو جائے گی اور نہایت ہی دردناک زمانے کا منہ انسان دیکھے گا اور کچھ ایسے فیصلے بھی ہو سکتے ہیں جن کے نتیجے میں شیطان کی اجتماعی قوت کے ساتھ جو آخری بھر پور حملہ ہونے والا ہے اس کا دفاع کرنے کی انسان کو اور خصوصیت سے مسلمانوں کو توفیق مل جائے کیونکہ اگر مسلمانوں نے اس کا دفاع کر لیا تو تمام بنی نوع انسان مسلمانوں کے دفاع کے پیچھے حفاظت میں آجائیں گے اور مسلمانوں کے دفاع کی سب سے بڑی ذمہ داری احمدیوں پر عائد ہوتی ہے اور یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں اس کی بناء حضرت اقدس محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث پر

ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ آخری دور میں جب بلائیں اپنی انتہا کو پہنچ جائیں گی تو اس وقت مسیح موعود کی دعائیں ہی ہیں جو اسلام کے دشمنوں سے اسلام کو اور دنیا کو بچائیں گی۔

پس اس پہلو سے یہ رمضان عین وقت پر آیا ہے یعنی جب بلائیں کھل کر سامنے آچکی ہیں اور کچھ ان کے پس پردہ مخفی ارادے ہیں جو ظاہری ارادوں سے بھی بدتر ہیں لیکن ہمیں اندازہ ہو چکا ہے کہ اس بلا کے پیچھے پیچھے اور بھی بہت سی بلائیں آنے والی ہیں۔ اس وقت ہم رمضان مبارک میں داخل ہو رہے ہیں اور دعاؤں کا خاص موقع ہمیں میسر ہوگا۔ **پس اس رمضان مبارک کو خصوصیت کے ساتھ بنی نوع انسان کے دفاع کا رمضان بنادیں۔ مسلمانوں کے دفاع کا رمضان بنادیں۔ انسانیت کے دفاع کا رمضان بنادیں** اور اسلام کے دفاع کا رمضان بنادیں اور دعا یہ کریں کہ اے خدا! ہم اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اتنی بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو خود تو نے پیدا کی ہیں اور جن کی خبر تو نے اصدق الصادقین حضرت اقدس محمد ﷺ کے ذریعے ہمیں 1400 سال پہلے عطا فرمادی تھی۔ پس ہم کمزور ہیں، نہتے ہیں، بے طاقت ہیں اور ہمارے مقابل پر جو طاقتیں ہیں ان کو تو نے ہی اتنی دنیاوی عظمت بخش دی ہے کہ ہم ان کے سامنے بالکل بے بس ہیں، پس تیری ہی طرف ہم جھکتے ہیں، تجھ سے ہی رجوع کرتے ہیں، تجھ سے ہی عاجزانہ دعائیں کرتے ہیں کہ ان پیشگوئیوں کے دوسرے حصوں کو بھی سچا کر دکھا، یعنی مسیح موعودؑ اور آپ کی دعاؤں کی برکتوں سے دنیا کی یہ عظیم طاقتیں اپنے ایسے دنیاوی خزائن کے ذریعے جن کے مقابل پر ہمیں ایک دمڑی کی بھی حیثیت حاصل نہیں دنیا کے ایمان خرید رہی ہیں۔ تو ہی ہے جو اس دنیاوی دولت کے شر سے لوگوں کو بچا۔ یہ اپنے ایسے عظیم ہتھیاروں کے ذریعے جو پہاڑوں کی طرح بلند ہیں اور جن کی ڈھیریاں پہاڑوں کے برابر ہیں اور جن کے اندر ہلاکت کی ایسی طاقتیں ہیں کہ صرف اگر ایٹم بم کو ہی استعمال کیا جائے یعنی ایٹم بم کے ان ذخائر کو استعمال کیا جائے جو امریکہ اور روس میں ہیں تو سائنسدان بتاتے ہیں کہ یہ ساری دنیا بیسیوں مرتبہ ہلاک کی جاسکتی ہے اور ان میں اتنی ہلاکت کی طاقت ہے کہ صرف دنیا میں بسنے والے انسان ہلاک نہیں ہوں گے بلکہ اس دنیا سے زندگی کا نشان تک مٹ سکتا ہے۔ پس یہ دعا کرنی چاہئے

کہ اے خدا! تو نے ان بد بختوں کو دولتیں بھی اتنی دے دیں کہ ان کے مقابل پر سارے عالم اسلام کی مجموعی دولت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور پھر ہتھیار بھی ان کو ایسے عطا فرما دیئے کہ جن میں سے صرف ایک ہتھیار کے ایک حصے کو استعمال کر کے یہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مقابل پر ہمیں احمدیوں کو کھڑا کر دیا ہے جن کے پاس کچھ بھی نہیں جو ایک بہت ہی غریب جماعت ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں خوش خبری بھی دی اور یہ خوش خبری دی کہ تمہاری دعاؤں کو میں سنوں گا اور ان دعاؤں کی برکت سے میں بالآخر ان عظیم قوموں کو پارہ پارہ کر دوں گا۔ اور آنحضرت ﷺ نے نقشہ یہ کھینچا ہے کہ جس طرح نمک سے برف پگھلتی ہے اس طرح تمام دجالی طاقتیں جو انسانیت اور حق کی دشمن ہیں وہ برف کی طرح پگھل کر غائب ہو جائیں گی جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا تو دعاؤں کی طاقت آپ کے پاس ہے۔ اس عظمت کو پہچانیں اور یاد رکھیں کہ یہ عظمت انکساری میں ہے۔ اس بات کو کبھی نہ بھولیں۔ دنیا کی طاقتوں اور مذہبی طاقتوں میں یہ بنیادی فرق ہے کہ دنیا کی طاقتیں تکبر پر منحصر ہوتی ہیں اور مذہبی طاقتیں عجز پر منحصر ہوتی ہیں۔ پس دعا میں اتنی زیادہ رفعت پیدا ہوگی جتنا آپ خدا کے حضور جھکیں گے۔ دعا میں اتنی ہی زیادہ طاقت پیدا ہوگی جتنا آپ بے طاقتی محسوس کریں گے۔ آپ کی بے بسی کے نتیجے میں دعاؤں کو قوتیں عطا ہوں گی۔ پس اس مضمون کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہوئے اس رمضان سے حتی المقدور فائدہ اٹھائیں اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ بے بسی کے عالم میں خدا کے حضور بچھ جائیں کہ اے خدا! ان بڑی بڑی طاقتوں کے شر کے ارادوں کو باطل کر دے اور جو ان کی خیر ہے وہ باقی رکھ۔

ہمیں کسی قوم سے من حیث القوم نفرت کی اجازت نہیں ہے۔ نہ نفرت ہمارے خمیر میں داخل فرمائی گئی ہے اس لئے ہم دنیا کی جاہل قوموں کی طرح مغربی طاقتوں کے خلاف نہ دعائیں کر سکتے ہیں نہ نفرت کے جذبے رکھ سکتے ہیں۔ ہم شر سے متنفر ہیں اور اپنی دعاؤں کو خصوصیت کے ساتھ شر کے خلاف رکھیں۔ قومی اور عصبیتی رنگ میں بعض قوموں کی ہلاکت کی دعائیں نہ کریں۔ یہ دعا کریں کہ اے خدا! جو مشرق میں تیرے عاجز بندے ہیں ان کے ساتھ بھی کچھ شر وابستہ ہیں ان

کے شر کو بھی مٹادے اور جو مغرب کی عظیم طاقتیں ہیں جو ساری دنیا پر غالب ہیں ان کے شر کو بھی مٹادے۔ان کا شر اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ طاقتور کا شر ہمیشہ زیادہ خطرناک ہوا کرتا ہے، طاقت ور کا شر زیادہ پھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔طاقت ور کا شر دنیا کی خیر کو مٹادینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔پس ہم یہ نہیں کہتے کہ تیسری دنیا کی قوموں میں شر نہیں ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ مشرق معزز ہے اور مغرب ذلیل ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اس وقت مغرب میں جو شر پھیلانے کی طاقت ہے ویسی طاقت تاریخ میں کسی قوم کو کبھی عطا نہیں ہوئی اور یہ بات حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ آخری زمانے میں جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کا اتنا شر دنیا میں پھیلے گا اور اسے شر پھیلانے کی اتنی طاقت نصیب ہوگی کہ جب سے دنیا بنی ہے خدا کے تمام انبیاء کو دجال کے شر سے ڈرایا گیا اور ان کو بتایا گیا کہ آئندہ زمانے میں ایک شر پھیلانے والی اتنی بڑی قوم بھی دنیا میں ظاہر ہوگی۔

پس کسی عصبیت کے جذبے کی بنا پر نہیں، کسی قومی یا نسلی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خالصۃً ان پیشگوئیوں کے مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح نشانے کی دعا کریں ورنہ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کی دعاؤں میں آپ کی نیتوں کا شر شامل ہو چکا ہو۔قومی عصبیتوں کا شر شامل ہو چکا ہو۔نسلی تفاوت کا شر شامل ہو چکا ہو اور کئی قسم کے ایسے شر ہیں جو مخفی طور پر انسان کی دعاؤں میں لگ جاتے ہیں اور ان کے اندر زہر گھول دیتے ہیں وہ مقبول دعائیں نہیں رہتیں۔پس اس تفصیل سے آپ کو سمجھانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ محض رونے اور گریہ وزاری سے دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں ۔ دعاؤں کو اپنی مقبولیت کے لئے ایک خاص پاکیزگی اور صحت چاہئے اور جس رنگ میں آنحضرت ﷺ نے دعائیں مانگیں اور دعائیں سکھائیں وہی رنگ اختیار کریں اور اپنے نفس کو اپنے شر سے بھی صاف رکھیں اور ہر قسم کے دوسرے شرور سے بھی پاک کریں اور خالصۃً للہ دعا کریں نہ کہ قومی نفرتوں کی بنا پر تو پھر میں یقین رکھتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالیٰ ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی اور یہ عظیم تاریخی دور جس میں ہم داخل ہوئے ہیں اس کا پلہ بالآخر انشاء اللہ اسلام کے حق میں ہوگا اور اسلام کے غالب آنے کی تقدیر تو بہر حال مقدر ہے یعنی نہ مٹنے والی اٹل تقدیر ہے مگر ہماری دعا اور کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اس تقدیر کو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے پورا ہوتے دیکھ لیں۔

اس کے بعد اب میں واپس اسی مضمون کی طرف آتا ہوں جس کا میں نے ذکر کیا تھا یعنی

سورۂ فاتحہ کے ذریعے نماز میں لذت حاصل کرنا اور سورۂ فاتحہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی صفات کی سیر کرنا اور خدا تعالیٰ سے ایک ذاتی تعلق پیدا کرنا۔ یہ مضمون تو لامتناہی مضمون ہے لیکن ایک دو اور خطبات اس مضمون پر اس لئے دوں گا تا کہ ہر انسان اپنے اپنے ذوق کے مطابق استفادہ کرتے ہوئے پہلے سے بہتر صحت مند نمازیں پڑھ سکے۔ پہلے سے بہتر لذت والی نمازیں پڑھ سکے اور اپنی نمازوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔ میں نے یہ بیان کیا تھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ:۲) کے ساتھ جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ چار بنیادی صفات ہیں اور تمام صفات باری تعالیٰ کے لئے یہ ماں کا حکم رکھتی ہیں اور ہر صفت ان میں سے کسی نہ کسی سے پھوٹی ہے یا خاص تعلق رکھتی ہے۔

اس مضمون پر غور کرتے ہوئے ایک مرتبہ میں نے دعا کے ذریعے مدد چاہی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مجھ پر اور کھول دے تا کہ کوئی ایسا نکتہ میں جماعت کو سمجھا سکوں جس سے ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکے، ورنہ رحمانیت، رحیمیت، مالکیت وغیرہ کے اوپر انفرادی طور پر غور کر کے دیگر صفات باری تعالیٰ سے ان کا تعلق تلاش کرنا ایک مشکل اور دقیق مضمون ہے جس پر ہر کسی کو دسترس نہیں، ہر شخص جس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بات سمجھا دی جو آج میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ تمام صفات باری تعالیٰ کا تعلق صرف ربوبیت سے نہیں۔ صرف رحیمیت سے نہیں، رحمانیت سے نہیں، مالکیت سے نہیں بلکہ سورہ فاتحہ کے اس پہلے بیان سے ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی ربوبیت سے نہیں بلکہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ساتھ ہے اور الرَّحِيْمِ کے ساتھ اور مٰلِكِ کے ساتھ ہے۔ گویا اسی حمد کے جوڑ کے ساتھ۔ چنانچہ جب میں نے اس پر غور کیا تو میں حیران رہ گیا کہ صرف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مضمون میں وہ تمام صفات بھی بیان ہوگئی ہیں جو ہمیں معلوم ہیں اور وہ تمام صفات بھی اس کے اندر شامل ہوگئی ہیں جو ہمیں معلوم نہیں مگر ہم سے زیادہ عالم لوگوں کو معلوم ہیں یا اس زمانے کو معلوم نہیں آئندہ زمانے کو معلوم ہوں گی۔ اس مضمون کو میں مزید کچھ کھول کر بیان کرتا ہوں تا کہ پھر آپ غور کے ذریعے اس سے مزید استفادہ کر سکیں۔

رب کے بہت سے معانی ہیں۔ اگر پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا اور ترقی دینے والا اور محبت سے خیال رکھنے والا اور روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے والا اور کمزوریوں کو دور کرنے

والا اور غیروں کے شر سے بچانے والا اور حفاظت کرنے والا، یہ معنی سامنے رکھیں تو انسانوں میں سے بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں اور بہت سے ایسے وجود جانوروں میں سے بھی ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں رب کہلا سکتے ہیں۔ مائیں ہیں جو اپنے بچوں کے لئے رب بن جاتی ہیں خواہ وہ انسانی مائیں ہوں یا جانوروں کی دنیا کی مائیں ہوں۔ خواہ وہ ادنیٰ زندگی سے تعلق رکھنے والی مائیں ہوں یا اعلیٰ زندگی سے تعلق رکھنے والی مائیں ہوں ان سب میں ربوبیت کا مضمون پایا جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمام صفات کی حامل ہیں۔ پس محض ربوبیت کے نتیجے میں تمام صفات پر حاوی ہونے کا مضمون پیدا نہیں ہوتا اور زبردستی کر کے کوئی انسان کہنا چاہے کہ رب کا معنی ہے: ہر صفت کی ماں، ہر صفت سے ماں والا تعلق رکھنے والا تو یہ درست نہیں ہوگا لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ تو یہ تمام جہانوں کا ایسا رب ہے جس کی ربوبیت میں تمام ''حمد'' شامل ہے اور ''حمد'' کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یعنی ربوبیت کے جتنے بھی جلوے ظاہر ہوئے ہیں ہر جلوے پر انسان کہہ سکتا ہے کہ اس جلوہ افروز ہونے والے رب میں تمام صفات حسنہ پائی جاتی ہیں اور حمد پائی جاتی ہے۔

پس ایسی ربوبیت جس میں کوئی نقص نہ رہا ہو اور ایسی ربوبیت جو اپنی حمد کی وجہ سے بعض اور صفات کی متقاضی ہو جائے اس کی بے شمار مثالیں ہیں، ایک مثال دیتا ہوں۔ آپ ایک ٹیلی ویژن کا سیٹ دیکھ لیں۔ اس ٹیلی ویژن کے سیٹ میں آپ مختلف ممالک سے آنے والی تصویریں بھی دیکھ سکتے ہیں اور ایک ملک میں دکھائی دینے والی تصویریں بھی دیکھ سکتے ہیں، یہ اس بات پر منحصر ہے کہ وہ سیٹ کس طاقت کا ہے اور کس قسم کا ہے۔ پھر اچھی تصویریں بھی دیکھ سکتے ہیں، بری بھی، شور والی بھی، کم شور والی بھی، شور کے ساتھ بھی اور رنگ بھی مختلف دیکھ سکتے ہیں اور پھر اپنی مرضی سے جب چاہیں اس ٹیلی ویژن کا تعلق جس ملک سے چاہیں فوراً کر لیں اور پھر بعض دفعہ یہ کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے جو چاہیں اس سے کروالیں تو ٹیلی ویژن کا ایک سیٹ ہے جس کی یہ عام صفات آپ کو معلوم ہیں کہ بڑی اچھی صفات ہیں لیکن بہت کم لوگ یہ غور کرتے ہیں کہ ٹیلی ویژن بنانے کے لئے کتنے علم کی ضرورت ہے اور کتنے مختلف قسم کے علوم کی ضرورت ہے اور صنعت وحرفت میں کس کس چیز پر کمال کی ضرورت ہے اور اس کے ہر پرزے کے لئے انسانی علم کے کتنے وسیع

ذخیرے کی ضرورت ہے۔ یعنی انسانی علم تو وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا چلا جاتا ہے لیکن محض ایک وقت کا علم کافی نہیں ہوا کرتا۔ ترقی کرنے کے بعد اس علم کی ساری تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے اور اس کا جو مجموعہ ہے وہ یہ ہے جو باقی گزشتہ علوم کے مراحل پر فضیلت رکھتا ہے۔ پس ایک ٹیلی ویژن میں اگر کوئی سلیکان چپ Silicon Chip استعمال ہوا ہے جس کے اندر بہت سے پیغامات بھر دیئے گئے ہیں تا کہ ٹیلی ویژن اس کے ذریعہ سے زیادہ اچھا کام کرے تو سلیکان چپ کو پیدا کرنے کے لئے جتنی صلاحیتوں کی ضرورت ہے اور جتنے علوم کی ضرورت ہے وہ سینکڑوں سال کے علوم کا مجموعہ ہے اور صنعت وحرفت کے لحاظ سے جتنی مہارت کی ضرورت ہے وہ بھی ایک لمبے دور کے مجموعے کا نام ہے اور پھر ایک وقت میں ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ ایک وقت کے مختلف انسانوں اور مختلف قوموں کے انسانوں کی اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے پس ایک ٹیلی ویژن بنانے والا ایک شخص تو ہو نہیں سکتا لیکن انسانوں کا وہ مجموعہ جس نے ٹیلی ویژن بنایا اس کے پیچھے اور بہت سے انسانوں کے مجموعے قطار در قطار آپ کو دکھائی دیں گے اور ان سب کے علوم کا اور ان سب کی مہارتوں کا آخری خلاصہ اس ٹیلی ویژن کی شکل میں آپ دیکھ رہے ہیں جس کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس وقت موجود ٹیلی ویژنز میں سے دنیا کا بہترین ٹیلی ویژن ہے۔ جتنا اچھا ٹیلی ویژن ہوگا اتنا ہی زیادہ صاحب علم لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ اتنا ہی زیادہ صاحب فن لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ اتنا ہی زیادہ وسائل پر اختیار رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ اتنا ہی زیادہ سرمائے کی ضرورت ہوگی۔ غرضیکہ یہ کہ ایک ٹیلی ویژن کے ساتھ متعلق انسانوں کا ایک ہجوم دکھائی دے گا بلکہ لاکھوں کروڑوں انسان ہیں جنہوں نے مختلف وقتوں میں کچھ نہ کچھ اس کی تعمیر میں حصہ لیا ہے خواہ وہ مر چکے ہیں اور اتنے علوم اس کے لئے درکار ہیں کہ عام انسان ان کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اگر فہرست اس کے سامنے پڑھی جائے تو وہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ اب شرط یہ ہے کہ وہ ٹیلی ویژن کامل ہو اور اس کو دیکھ کر حمد کا یہ مضمون انسان کے ذہن میں ابھرے۔

پس اس ٹیلی ویژن کے اوپر آپ جتنا زیادہ کہہ سکتے ہوں کہ کیا کہنے ہیں اس ٹیلی ویژن کے؟ تمام حمد اس کے لئے ہے تو اتنا ہی زیادہ اس کے خالق کے لئے یا وہ تمام وجود جنہوں نے اس کی خلق میں حصہ لیا ہے ان سب کے لئے حمد کا مضمون ثابت آئے گا لیکن ٹیلی ویژن میں جو حمد جمع ہوئی

ہے وہ کسی ایک شخص کے لئے نہیں ہو سکتی، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مختلف زمانوں میں پھیلے ہوئے علوم میں محنتیں کرنے والے بے شمار انسان ہیں جنہوں نے اس کو بنانے میں حصہ لیا ہے اور اس وقت اس دنیا میں بھی جس کارخانے میں وہ بنا، ٹیلی ویژن کی ساری ضرورتیں اس کارخانے میں پوری نہیں ہوئیں بلکہ دنیا کے مختلف کارخانوں سے کچھ پرزے حاصل کئے گئے، کچھ ٹیکنالوجی عاریۃً لی گئی، کوئی اور مدد حاصل کی گئی تو اس کی تعریف ٹیلی ویژن میں تو مجتمع ہوئی لیکن بنانے والوں کے لحاظ سے منتشر ہوگئی اور بے شمار انسانوں کے حصے میں آئی اور مختلف زمانوں کے حصے میں آئی۔

خدا تعالیٰ کے متعلق جب ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں تو اس کی تخلیق کی ہر صنعت کی ہر خوبی بہت سے علوم کا تقاضا کر رہی ہے، بہت سی صفات کا تقاضا کر رہی ہے اور خدا کی صنعت پر واقعۃً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ واقعۃً ہر تعریف کے لائق وہ ذات ہے جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے۔ پس صرف اس وقت کی تعریف نہیں بلکہ ان تمام زمانوں کی تعریف ہے جن زمانوں کی طرف الْعٰلَمِيْنَ کا لفظ اشارہ کر رہا ہے اور اس تمام کائنات کے ہر ذرے میں موجود صفات کی تعریف جن کی طرف لفظ الْعٰلَمِيْنَ اشارے کر رہا ہے، یہ مجتمع ہو کر پھر بکھرتی نہیں بلکہ ایک ذات میں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور وہ ذات اللہ ہے تو اگر آپ صرف ایک جانور کو اپنے پیش نظر رکھ لیں اور اس کی تخلیق کے مختلف مراحل میں مختلف قسم کے جتنے علوم کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور جتنی مختلف صفات کی ضرورت پیش آسکتی ہے کہ جن صفات کے بغیر وہ چیز بن نہیں سکتی۔ اور اسی طرح ہر وہ چیز جس پر آپ نظر ڈالیں اور گہری نظر ڈالیں وہ قابل تعریف دکھائی دے تو اس کے بنانے والے کی ہر صفت قابل تعریف ہو جائے گی کیونکہ وہ وجود ان تمام صفات کی جلوہ گری کا ایک آخری مظہر ہے یعنی آخری صورت میں ظاہر ہونے والا منظر ہے جو آپ کو دکھائی دے رہا ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے لئے جب ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں تو دنیا کے ہر مشاہدے میں آپ کو خدا تعالیٰ کی ایک صفت کی بجائے بیسیوں بلکہ سینکڑوں بلکہ جتنا آپ کا علم بڑھتا چلا جائے گا اتنی ہی زیادہ صفات دکھائی دینے لگیں گی اور ہر صفت کا منبع اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نظر آئے گا۔ اس مضمون پر جب میں نے غور کیا تو یوں کہنا چاہئے کہ عقل بالکل حیران و ششدر رہ گئی۔ یوں لگتا تھا کہ انسان عالم حیرت میں غرق ہو گیا ہے۔ کائنات کے کسی ذرے میں آپ

ڈوب کر دیکھیں تو پہلے ایک خدا دکھائی دے گا، پھر اس ایک خدا کے مختلف جلوے دکھائی دیں گے اور اس کی صفات بڑھتی رہیں گی مگر مرکز ہمیشہ وہی ایک ذات رہے گی۔ انتشار صفات کا ہے ذات کا نہیں اور اس ذات سے تعلق رکھنے والی ساری صفات ہیں۔ اس مضمون کو سمجھنے والی چابی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں ہے یعنی اس رب کو ہر صفت لائق اور زیب ہے جس نے تمام جہانوں کو پیدا کیا اور تمام جہانوں کی پرورش کی۔ پس الْعٰلَمِيْنَ کا ہر وہ ذرہ خدا کی طرف اشارے کر رہا ہے اور ایک ذات کی طرف اشارہ کرنے کے باوجود اس کی تمام صفات کی طرف بھی اشارے کر رہا ہے۔

یہ وہ پہلو ہے جس پہلو سے خدا تعالیٰ کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا جملہ یا بیان واقعۃً بغیر کسی تردد کے، بغیر کسی تصنع کے خدا تعالیٰ کی تمام صفات کی طرف انگلیاں اٹھا رہا ہے لیکن اس ضمن میں ایک احتیاط کی بھی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس رنگ میں حمد کا مضمون بیان ہوا ہے اس کا مطالعہ کریں اور غور سے یہ بات دیکھیں کہ جہاں جہاں بھی قرآن کریم نے حمد کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں خدا کی صفات کو سمجھنے کی کھڑکیاں کھولی گئی ہیں اور ہر کھڑکی ذات کے الگ جلوے دکھا رہی ہے اور اس مضمون کو کھولتی چلی جاتی ہے۔ پس بجائے اس کے کہ اپنے ذوقی نکتوں کے ذریعے آپ اس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں قرآن کریم نے خود جو کھڑکیاں کھولی ہیں، جو روزن ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں ان سے خدا تعالیٰ کی صفات کا معائنہ کریں تو کسی قسم کی غلطی نہیں کریں گے۔ میں نے کہا تھا کہ خدا ظالم نہیں ہے اس کے باوجود سزا کا مضمون ملتا ہے۔ رب العالمین، رحمان، رحیم، مالک کا ذکر ہے۔ غضب ناک خدا کا کوئی ذکر نہیں، اس کے باوجود سورۂ فاتحہ ختم ہونے سے پیشتر ہی ہمیں الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا مضمون نظر آجاتا ہے تو پھر ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ ان سب کا تعلق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہے اور یہ مضمون آپ کو قرآن کریم کی مدد سے سمجھ آئے گا اس لئے جب قرآن کریم کا مطالعہ کریں اور خصوصیت کے ساتھ جہاں تسبیح کا مضمون ہو اور حمد کا مضمون بیان ہو وہاں غور کریں اور ٹھہریں اور پھر آپ دیکھیں کہ اس کھڑکی سے آپ کو اور کیا دکھائی دیتا ہے تو وہاں آپ کو بہت سی صفات باری تعالیٰ دکھائی دینے لگیں گی۔ اس کی ایک دو مثالیں میں نے مضمون کھولنے کی خاطر چنی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام:۴۶) وہ قومیں جنہوں نے ظلم کئے ان کو جڑوں سے اکھیڑ پھینک دیا گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ خدا کو ہر حمد زیبا ہے۔ ہر حمد اسی کی ہے۔ اسی کا حق ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔

اگر ظلم کرنے والے کی جڑیں نہ کاٹ دی جائیں تو خدا تعالیٰ کی صفات حسنہ کے ہر جلوے کی جڑیں کاٹی جائیں اور دنیا سے حسن ناپید ہو جائے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کے ساتھ بیان کر کے یہ فرما دیا کہ جب ہم کہتے ہیں کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کو ہر حمد واجب ہے۔ ہر حمد اسی کا حق ہے اس کو زیبا ہے، اسی کی شان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی چیزوں کا نگران بھی ہے اور ایسی چیزوں کو جو بعض خوبیوں کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، ایسی چیزوں کو جو حسن کو ناپید کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، جو بدی کو پھیلانے کی طاقت رکھتی ہیں ان کو ناپید کرنے کا کام بھی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا ہے اور اسی کو زیبا ہے اور اس کے لئے واجب ہے کہ ایسا کرے۔

پس صفات باری تعالیٰ خواہ وہ غضب کی صفات ہوں یا ناراضگی کی صفات ہوں یا ظاہراً بھی رحم و شفقت کی صفات ہوں، وہ درحقیقت رحمت اور شفقت کی ہی صفات ہیں اور ربوبیت کی ہی صفات ہیں۔ اس کی ایک اور مثال یہ ہے: وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ (الرعد:۱۴) کہ ’’رعد‘‘ اس کی حمد کر رہی ہے یعنی بجلی کے کڑکے جو آپ بادلوں میں دیکھتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی حمد بیان کر رہے ہیں۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ اور ملائکہ بھی حمد کر رہے ہیں مگر اس کے خوف سے، اس کے ڈر سے۔ اب اگر آپ بجلی کو دیکھیں تو ایک سادہ انسان جس کو دنیا کا کوئی بھی علم نہیں ہے وہ بھی اس سے مرعوب ضرور ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ بجلی کے کڑکے کا ایک ایسا ہیبت ناک جلوہ ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے انسان کا پتہ پانی ہو جاتا اور دل لرزنے لگتا ہے۔ اگر انسان واقعی ایسے طوفان میں گھر جائے جس کے سائنسی اصطلاح میں بعض خاص نام رکھے گئے ہیں مگر اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ بعض طوفان ایسی خوفناک برقی طاقتوں پر مشتمل ہوتے ہیں کہ آناً فاناً وہ بڑے بڑے شہروں کو بھسم کر سکتے ہیں اور ایک ایٹم بم کی طاقت سے بھی کئی گنا زیادہ طاقتیں ان کے اندر ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کا تعلق خوف سے بھی ہے۔ چنانچہ جب آپ پہلی سادہ نظر میں ایک طوفان کو، بجلی کو اور خصوصاً بجلی کے کڑکوں کو دیکھتے ہیں تو آپ کا دل خائف ہو جاتا ہے

اور آپ خوف کی وجہ سے خدا کی حمد شروع کر دیتے ہیں۔ یہ مضمون تو سمجھ آ گیا۔ خوف اس بات کا کہ بجلی خیر چھوڑ جائے اور اس کے شر سے ہم محفوظ رہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے نیک وجود ہیں ان کو بھی ملائکہ کے نام سے موسوم فرمایا گیا اور ملائکہ کے طور پر ان کا بھی ذکر کیا گیا، وہ بجلی کو دیکھ کر اس بات کی حمد کرتے ہیں کہ اے خدا! سب طاقتیں تجھ کو ہیں۔ بدی سے شر بھی نکال سکتا ہے، شر سے بدی بھی پیدا کر سکتا ہے۔ بادل جو رحمت کا پانی لیکر آئے ہیں اور ان کے ساتھ بجلی کے کڑکے بھی لگے ہوئے ہیں لیکن ان بجلی کے کڑکوں سے بھی تو خیر پیدا کر سکتا ہے۔ پس ہم تیرے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے، تیرے حضور تذلل اختیار کرتے ہوئے تیری حمد کے گیت گاتے ہیں۔ ہمیں ہر چیز میں تیرا حسن دکھائی دے رہا ہے۔

یہاں خِيْفَتِہٖ کے ساتھ حسن کے مضمون کو باندھ دیا گیا یعنی صرف بجلی کا خوف نہیں ہے۔ بجلی کے خوف پر جب غور ہوا تو پتہ لگا کہ اس کے اندر بہت سے حسن چھپے ہوئے ہیں۔ بہت سی خوبیاں چھپی ہوئی ہیں۔ یہ مضمون غور کرنے کے بعد اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا کی تخلیق میں، ہر چیز میں حمد ہی حمد ہے تو بجلی سے پہلے خوف پیدا ہوا اور انسان ڈر گیا اور لرزنے لگا۔ پھر مزید غور کیا تو اس کو پتا چلا کہ خدا محض ڈرانے والی باتیں تو نہیں کیا کرتا، محض ہلاکت پیدا کرنے والی چیزیں تو نہیں پیدا کیا کرتا، اگر کوئی ایسی چیز ہمیں دکھائی دیتی ہے تو اس کے اندر ضرور کوئی چھپی ہوئی خیر ہے اور اس کی خیر اس کے ظاہری شر پر یقیناً غالب ہے۔ اس مضمون کو وہ تفصیل سے خواہ نہ بھی سمجھ رہا ہو لیکن اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مضمون کو سمجھتا ہے تو لازماً اس کے دل میں بجلی کے کڑکوں کو دیکھ کر بھی خوف کے بعد حمد کا مضمون پیدا ہوگا اور وہ من جملہ اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ خدا کے ہر جلوے میں حسن ہے خواہ وہ جلوہ بظاہر ایک نہایت ہی خوفناک منظر پیدا کر رہا ہو۔ ایک دل ڈرانے والا اور ہول پیدا کرنے والا جلوہ دکھائی دیتا ہو اس کے اندر حمد ضرور ہے۔

اب آپ مزید غور کریں کہ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے وہ بجلی کے مضمون پر غور کریں تو ان کی حمد نسبتاً زیادہ حمد کی مستحق حمد ہوگی۔ یہ مضمون بیان کرنا ذرا مشکل تھا۔ اس لئے مجھے سمجھانے میں وقت لگا۔ حمد تو ہر حالت میں خدا ہی کو واجب ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں لیکن کس حد تک ہمیں علم ہے کہ وہ حمد کا مستحق ہے۔ یہ مضمون اس کی حمد میں مزید وسعت پیدا کر دیتا ہے پس بجلی کو

دیکھنے والا ایک سادہ لوح زمیندار یا ایک بچہ بھی کچھ نہ کچھ اس سے مرعوب ہو کر خدا کی حمد کے گیت گا سکتا ہے اور ان ہی معنوں میں گا سکتا ہے کہ اچھا اور کچھ نہیں تو اے خدا! تو ہی اس بجلی کا مالک ہے مجھے بچالے اور یہی میری حمد ہے۔ لیکن جتنا زیادہ علم بڑھے گا۔ اتنا زیادہ زیادہ بجلی سے تعلق رکھنے والا حمد کا مضمون بھی پھیلتا چلا جائے گا۔ اب دنیا کے سائنس دانوں نے بجلی پر جو غور کیا ہے تو ایک بات اس میں بڑی قطعی ہے جو عام لوگوں کو معلوم نہیں کہ بجلی کے بغیر پانی برس ہی نہیں سکتا۔ پس ایک سادہ لوح بے علم آدمی کی حمد بھی اپنی توفیق کے مطابق چونکہ حمد کے جذبے سے بیان کی گئی ہے اس لئے خدا کو مقبول ہوگی لیکن اس کی حمد میں وہ لذت نہیں پیدا ہو سکتی جو لذت اس مضمون کا علم رکھنے والے کی حمد میں ہوگی اگر اس کو خدا سے تعلق ہو۔

یہ پانی جو بخارات بن کر آسمان پر چلا جاتا ہے، اگر بجلی نہ ہوتی تو یہ کبھی پانی بن کر دوبارہ زمین پر واپس نہ آتا۔ یہ بجلی کے کڑکے ہیں جو پانی کے باریک ذرات کو مجتمع کر دیتے ہیں اور بھاری بنا دیتے ہیں اور پھر وہ پانی ''ودق'' کی طرح نیچے گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے بجلی سے انسان مر جاتے ہیں۔ اس لئے وہ مرتے ہیں کہ ان کے خون میں جو لٹکے ہوئے ذرات ہیں وہ بجلی کے گزرنے سے مجتمع ہو کر Clots بن جاتے ہیں اور تبھی بجلی لگے ہوئے انسان کا رنگ کالا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خون جم کر سیاہ ہو جاتا ہے تو پانی جمانے کے لئے بھی بجلی چاہئے اور وہ باریک ذرے جو ہمیشہ ہوا میں معلق رہ جاتے ہیں یہ بجلی کے کڑکے ہی ہیں جو انہیں اکٹھا کرتے ہیں اور پھر وہ بھاری ہو کر زمین پر گرنا شروع ہو جاتے ہیں تو الرَّعْدُ کی پھر یہ تعریف ہے۔ فرشتوں نے تو اپنے طور پر تعریف کی لیکن مضمون کی گہرائی میں نہیں اتر سکے۔ الرَّعْدُ خود جانتی ہے کہ میں کیا چیز ہوں فرمایا:۔ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ بجلی کا ہر کڑکا اپنے رب کی حمد کر رہا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ بھی فرشتوں کی طرح اچھے کاموں پر مامور ہے۔ اور اس کے نتیجے میں بہت سے بنی نوع انسان کو فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

پھر اس مضمون پر آپ مزید غور کریں تو یہ معلوم کر کے آپ حیران ہوں گے کہ دنیا کی زرخیزی کا براہ راست بجلی سے تعلق ہے۔ پس ایک سادہ لوح انسان، کم علم انسان تعریف تو کرتا ہے لیکن اس کی تعریف میں ڈر زیادہ شامل ہوتا ہے، بجلی کا رعب زیادہ شامل ہوتا ہے۔ حقیقت کا علم اس

کو نہیں ہوتا لیکن بجلی خود اپنی حقیقت کو ان معنوں میں جانتی ہے کہ جس طرح انسان خود اپنے نفس کو جانتا ہے، اسی طرح کارخانہ قدرت بھی خود اپنے آپ کو جانتا ہے لیکن اس میں ایک اور بات داخل ہے کہ ہوا میں جو نائیڑوجن پائی جاتی ہے، یہ نائیٹروجن روئیدگی کے لئے بڑی ضروری ہے اور جتنے بھی کھیتوں میں مختلف قسم کے کیمیاء زرخیزی بڑھانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ Artificial Fertilizers یا مختلف قسم کے گلنے سڑنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کھادیں ہوں ان سب میں جزو اعظم نائیٹروجن ہوتی ہے۔اب فضا میں جو نائیٹروجن تحلیل ہوکر ہمارے ہاتھوں سے یا نباتات کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوتی ہے اسے دوبارہ زمین میں لانے کے لئے بجلی کے کڑکے ضروری ہیں چنانچہ وہ پانی جو آسمان سے برستا ہے۔بجلی صرف اس پانی کو بنانے کا کام نہیں دے رہی ہوتی بلکہ اس میں نائیٹروجن تحلیل کرنے کا کام بھی دے رہی ہوتی ہے۔آسمان پر یہ کارخانہ بھی ساتھ لگا ہوا ہے کہ اگر غذا ساتھ نہ ہو تو خالی پانی کا کیا فائدہ؟ تو آسمان سے جو پانی برستا ہے وہ اپنی غذا بھی ساتھ لے کے آتا ہے، تبھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ دس پانی کنویں کے دیں مگر آسمان سے برسنے والا ایک پانی کھیت کی جو حالتیں بدلتا ہے اور اس میں جو ایک نئی تازگی پیدا کر دیتا ہے اس پر دونوں کا آپس میں مقابلہ نہیں ہوسکتا۔یعنی زمینی پانی اس میں کوئی شک نہیں، کہ فائدہ ضرور دیتا ہے۔بعض جگہوں کے پانی زرخیز بھی ہوتے ہیں لیکن بارش کے ذریعے اگر نائیٹروجن دوبارہ زمین کو نہ ملتی تو یہ زمین اب تک ویرانہ ہو چکی ہوتی۔بجلی کے کڑکوں کے ذریعہ اتنی زیادہ نائیٹروجن بنتی ہے کہ بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ساری دنیا میں جو کارخانے نائیٹروجن بنا رہے ہوتے ہیں ان سے کہیں زیادہ نائیٹروجن بجلی کے کڑکوں کے ذریعے ایک دن میں بنتی ہے اور پھر پانی میں تحلیل ہوکر دوبارہ مٹی کو ملتی ہے،تو اب دیکھ لیں وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ میں کیسا عجیب ایک اور مضمون داخل ہو گیا۔عام آدمی سمجھتا ہے کہ یہ جلانے کیلئے یا ہلاک کرنے کے لئے ہے۔غور کیا تو پتا چلا کہ یہ جلانے اور ہلاک کرنے کے لئے نہیں بلکہ یہ روئیدگی پیدا کرنے کے لئے اور بڑھانے کے لئے اور نشوونما کی خاطر ہے۔پس اس کی ہلاکت بھی معنی رکھتی ہے اور وہ بھی فائدے ہی کے لئے ہے مگر یہ ایک Ecosystem کا مضمون ہے جس کو تفصیل سے یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس کا جو حصہ جلانے کے کام آتا ہے وہ بھی عظیم تر فوائد کی خاطر ہے۔

یہ تو زندگی کو سہارا دینے کا مضمون ہے یعنی ربوبیت کا وہ مضمون جو زندگی پیدا ہونے کے بعد جاری ہوتا ہے۔ پس یُسَبِّحُ الرَّعْدُ میں دیکھیں خدا تعالیٰ نے کیا کیا باتیں ہمیں دکھائیں لیکن اس کا تعلق زندگی کے آغاز سے بھی ہے۔ وہ تمام سائنس دان جنہوں نے زندگی کی پیدائش پر غور کیا ہے اور دنیا میں لاکھوں سائنس دان ہیں جن کے دن رات اس بات پر وقف ہیں وہ معمہ حل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں کہ زندگی کا آغاز کیسے ہوا تھا۔ اس بات پر وہ سب بہر حال متفق ہو چکے ہیں کہ اگر غیر معمولی طور پر طاقت ور آسمانی بجلیاں سمندری پانیوں پر نہ گرتیں تو زندگی کا وہ مادہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا جس سے آگے زندگی نے وجود پکڑنا تھا۔ وہ اینٹیں نہیں بن سکتی تھیں جن سے زندگی نے تعمیر ہونا تھا۔ پس یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ کا مضمون صرف موجودہ زمانے سے نہیں آئندہ زمانوں سے نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے بھی ہے یعنی ابھی زندگی وجود میں ہی نہیں آئی تھی تو بجلی گویا ہم پر ہنس رہی تھی کہ بے وقوفو! تم مجھے سمجھا کرو گے کہ میں تو جلانے اور ہلاک کرنے والی چیز ہوں حالانکہ میری وجہ سے زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ مجھے خدا نے تمہیں پیدا کرنے کے لئے اور کائنات میں ہر قسم کی زندگی کی صورتیں پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ تو دیکھیں، اللہ تعالیٰ کی کیا شان ہے۔ صرف ایک آیت کے ایک حصے پر کچھ غور کریں تو آپ کو خدا تعالیٰ کی کتنی صفات دکھائی دیں گی اور پھر انسان بعض دفعہ یہ سوچتا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ سورۂ فاتحہ میں خدا تعالیٰ کی ننانوے صفات کا ذکر ہو حالانکہ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ میں جن علوم کی طرف اشارہ ہے، جن صفات حسنہ کی طرف اشارہ ہے، جن کے بغیر یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ کا مضمون پیدا ہی نہیں ہوتا وہی ننانوے سے زیادہ ہیں بلکہ اگر آپ غور کریں تو ننانوے ہزار 99000 سے بھی زیادہ دکھائی دیں گی۔

پس یہ سورۃ فاتحہ ہے جس کو آپ غور سے سمجھنے کی کوشش کریں اور اس مضمون کو اپنے دل پر جاری کریں، اس میں ڈوبنے کی کوشش کریں، اسے کشتی بنائیں اور اس میں ذات باری تعالیٰ کی سیر کریں تو یہ وہ سفینہ ہے جو ایک بے کنار سمندر میں ہمیشہ ہمیش کے لئے سفر کرتا رہے گا اور کبھی آپ کو کوئی کنارہ دکھائی نہیں دے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ جیسی نعمت جس قوم کو عطا فرما دی ہو وہ بہر حال یہ نہیں کہہ سکتی کہ اے خدا! عبادت تو تو نے فرض کر دی اور کم سے کم پانچ وقت روزانہ کے لئے فرض کر دی لیکن ہمیں یہ نہ بتایا کہ اس عبادت کو کس طرح لذت سے بھریں، کیونکہ سورۂ فاتحہ نے سب

کچھ سکھایا ہوا ہے اور یہ تو بہت محدود سا ذکر ہے۔ بے شمار ایسے راز ہیں جو سورۂ فاتحہ میں خزانوں کی طرح دفن ہیں۔آپ ان کو پاتے چلے جائیں، ان پر غور کرتے چلے جائیں خدا ان کو ظاہر فرماتا چلا جائے گا۔ہم اپنے غور سے نہیں پا سکتے مگر دل کو جتنا پاک کرتے چلے جائیں گے اللہ تعالیٰ خود آپ پر یہ مضامین ظاہر فرماتا چلا جائے گا۔

لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ:۸۰) کے مضمون کو پیش نظر رکھیں کہ سوائے ان لوگوں کے جن کو خدا پاک کر دیتا ہے کوئی قرآن کریم کے مضامین کو چھو نہیں سکتا۔پس کسی چالاکی کی ضرورت نہیں ہے۔انسانی ذہن مختلف قسم کے ہیں۔کوئی زیادہ قابل،کوئی کم قابل کوئی زیادہ عالم،کوئی کم عالم لیکن سورہ فاتحہ کے مضمون کو سمجھنے کے لئے دل کے پاک ہونے کی ضرورت ہے اور دل کلیۃً پاک ہو نہیں سکتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ پاک کرے اور جتنا پاک کرے وہی کرے۔تو قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کہ صرف پاک لوگ اس کتاب کے مضمون کو چھو سکتے ہیں بلکہ فرمایا لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ وہی لوگ اس کے مضمون کو چھو سکتے ہیں جنہیں پاک کیا جاتا ہے اور پاک کرنے والا خود خدا ہے۔

پس جتنا آپ سورہ فاتحہ کے مضمون پر غور کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے،تان اس بات پر ٹوٹے گی کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اے خدا! ہم نے خوب سیر کی ،خوب لطف اٹھائے لیکن بہت کچھ دیکھنا باقی ہے اور جو کچھ دیکھا اس سے فائدہ اٹھانا باقی ہے۔اسے مستقلاً اپنے وجود کا حصہ بنالینا باقی ہے ۔پس اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں ۔ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

پھر مختلف نظاروں کے ساتھ ہی نہیں ،مختلف اوقات کے ساتھ بھی سورۂ فاتحہ کا مضمون بدلتا چلا جاتا ہے اور خدا کی حمد مختلف صورتوں میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے ۔فرمایا: وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا (طٰہٰ:۱۳۱) کہ اللہ کی حمد،اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے کیا کرو۔قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے۔یہ دو مختلف بدلتی ہوئی حالتیں ہیں،ان سب کا تعلق ربوبیت کے ساتھ ہے کہ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ فرمایا۔اس مضمون کو بھی سائنس دانوں نے جتنا کھنگالا ہے اُتنا ہی اس کے پیچھے

ان کو عظیم معرفتوں کے خزانے دکھائی دیتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورج کا نکلنا اور سورج کا غروب ہونا اور وہ نظام جس کے ساتھ سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کا تعلق ہے، یہ زندگی کی Support کے لئے اور زندگی کو یہاں قائم رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اگر سورج کا یہ نکلنا اور غروب ہونا نہ ہوتا تو اس کرۂ ارض پر زندگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ زندگی پیدا ہو بھی جاتی تو مر جاتی اور اس کے باقی رہنے کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا۔

اب یہ جو فرمایا کہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا تو اس میں غور کرنے کی کھڑکیاں ہمارے سامنے کھول دیں۔ فرمایا کہ موسموں کے بدلنے پر غور کرو۔ دن اور رات کے بدلنے پر غور کرو۔ ان کی بدلتی ہوئی نسبتوں پر غور کرو اور یہ معلوم کرو کہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے وہ کیا تغیرات برپا ہو رہے ہوتے ہیں جو ربوبیت کے جلوے تم تک پہنچانے میں مددگار ہوتے ہیں یا جن کے ذریعے ربوبیت اس دنیا میں جلوہ گر ہوتی ہے اور سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے کون سے تغیرات لازم ہوتے ہیں جو سورج کو غروب کرنے پر مجبور کرتے ہیں ورنہ زندگی اس دنیا میں باقی نہ رہ سکتی اور ربوبیت کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ پس سورج کے طلوع سے بھی ربوبیت کا تعلق ہے اور سورج کے غروب سے بھی ربوبیت کا تعلق ہے اور وقت کے بدلنے کے ساتھ ربوبیت مختلف رنگ میں جلوہ گر ہے۔ اب جیسا کہ میں نے اشارۃً آپ کو بتا دیا ہے کہ سائنس دانوں نے اس مسئلے پر بھی غور کیا ہے اور تمام دنیا کے سائنس دان جو اس مضمون سے تعلق رکھتے ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ موسموں کے ادلنے بدلنے اور دن کے ادلنے بدلنے کا زندگی کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ ہے اور زندگی کے قائم رہنے اور اس کی ترقی کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ ہے کہ اس میں اگر آپ تھوڑا سا تغیر و تبدل بھی کر دیں تو یہ رابطے ٹوٹ جائیں اور یہ کرہ ارض جس پر ہم بستے ہیں یہ زندگی کے بسانے کے لائق نہ رہے۔

پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں ان تمام صفات حسنہ کا بھی ذکر آ گیا جن کا موسموں کے تغیر و تبدل سے تعلق ہے اور موسموں کے تغیر و تبدل کے ساتھ بہت گہرے مضامین وابستہ ہیں۔ بے شمار صفات کا اس سے تعلق ہے تو اپنے علم کے مطابق ہم ربوبیت کے نئے مضامین پر اطلاع پا سکتے ہیں اور جتنا ہم علم بڑھائیں گے اتنا ہی زیادہ ہم دنیا میں خدا تعالیٰ کی سیر کریں گے۔

''سیر فی اللہ'' جو صوفیوں کی اصطلاح ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی ذات میں سیر

کرو ۔ باہر کی سیر تو ایک سیر ہوتی ہی ہے ۔لیکن اس سیر کا فائدہ کوئی نہیں۔ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ (الانعام:۱۲) کا کوئی فائدہ نہیں اگر انسان ''سیر فی اللہ'' کے لائق نہ بن سکے۔پس دنیا کی سیر کریں لیکن مزے خدا کے اٹھائیں۔اگر دنیا کی سیر کر کے دنیا ہی کے مزے اٹھا کر رہ جائیں گے تو آپ کی ساری زندگی بے کار جائے گی ۔ یہ وہ مضمون ہے جو سورۂ فاتحہ ہمیں سکھاتی ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اپنی نماز میں آپ سورۂ فاتحہ کے اس پہلے جزو پر ہی غور کرنا شروع کریں تو ساری زندگی کی نمازیں لذت سے بھر سکتی ہیں اور آپ اس مضمون پر عبور نہیں حاصل کر سکتے ۔ یہ مضمون ہمیشہ آپ پر غالب رہے گا۔

چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے اس کا دوسرا حصہ انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں بیان کرونگا۔ ہاں خطبہ ختم کرتے ہوئے میں بتادوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مختلف ممالک کو براہ راست خطبہ سننے کا شوق پیدا ہو رہا ہے اور اس سے کافی استفادہ بھی کر رہے ہیں۔ پہلے بھی میں نے بعض دفعہ ان ممالک کے نام بیان کئے ہیں درمیان میں وہ فہرست میرے سامنے نہیں رکھی گئی اس لئے میں ذکر نہیں کر سکا۔جن لوگوں نے کافی محنت کر کے اور خرچ کر کے براہ راست خطبے میں شامل ہونے کا انتظام کیا ہے وہ اگر میری زبان سے یہ سنیں کہ میں جانتا ہوں آپ خطبہ سن رہے ہیں تو ان کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ پھر وہ خوش ہو کر خط بھی لکھتے ہیں کہ جب آپ نے ہمارا نام لیا تو بڑا مزا آیا۔پس یہ ان کا حق ہے۔اس لئے میں ان کے نام لے دیتا ہوں لیکن ہمیشہ نہیں لے سکوں گا۔

اب رمضان کا مہینہ آرہا ہے تو ان کو بھی آپ دعاؤں میں یاد رکھیں جنہوں نے آج کے زمانے سے اس طرح استفادہ کیا کہ دنیا تو گندی فلمیں دیکھنے کیلئے ہوائی یعنی آسمانی ذرائع سے ٹیلی وژن اور ریڈیو کے رابطے پیدا کرتی ہے اور احمدی دنیا میں ایک نئی رسم ڈال رہے ہیں کہ نیک باتیں سننے کیلئے اور بنی نوع انسان میں ایک روحانی وحدت پیدا کرنے کی خاطر وہ خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

پچھلے یکم اور 8 / مارچ کے خطبات جن جن ممالک نے سنے ہیں ان میں فرانس ہے، جاپان ہے، ناروے ہے، ماریشس ہے، ڈنمارک ہے اور U.K کے اندر بہت سے ایسے شہر ہیں جنہوں نے براہ راست یہ خطبات سنے اور جرمنی میں بھی ایسے بہت سے شہر ہیں جنہوں نے خطبات براہ راست سنے۔ یکم مارچ میں غالباً جرمنی شامل نہیں ہو سکا لیکن 8 / مارچ میں فرانس، ماریشس، ڈنمارک، ناروے، جاپان

اور جرمنی اور U.K کے بہت سارے شہر شامل تھے۔ پس آپ سے جو میری آواز کو سن رہے ہیں میں آپ کو اپنی طرف سے بھی اور ساری U.K کی جماعت کی طرف سے بھی محبت بھرا اسلام کہتا ہوں۔ ہم بھی آپ کو دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ آپ بھی ہم سب کے لئے دعائیں کرتے رہیں اور عالم اسلام کے لئے اور بنی نوع انسان کیلئے ان دعاؤں کو نہ بھولیں جن کا میں نے ابتداء میں ذکر کیا تھا۔

الحمد۔ ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لئے ہے
سورۃ فاتحہ میں ڈوب کر نماز ادا کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲/ مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

سورۃ فاتحہ سے متعلق گزشتہ چند خطبوں میں ذکر چلتا رہا ہے کہ کس طرح یہ نماز کا سلیقہ سکھاتی ہے۔عبادت کے گر بتاتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذریعہ بنتی ہے اور پھر بنی نوع انسان سے تعلق کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔اس لئے اس سورۃ پر محض سرسری نظر نہیں ڈالنی چاہئے بلکہ ہر نماز میں پڑھتے وقت بڑے غور سے اس کے مضامین سے گزرنا چاہئے اور انہیں اپنے نفس پر ساتھ ساتھ اطلاق کرتے چلے جانا چاہئے اور سورہ فاتحہ کے آئینے میں اگر انسان اپنی تصویر دیکھنے کی عادت ڈال لے تو اس سے بہتر آرائش کا اور کوئی ذریعہ سوچا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ سب سے سچا آئینہ ہے۔اس سے بہتر حق کے ساتھ آپ کو آپ کی تصویر دکھانے والا اور کوئی آئینہ نہیں۔

اس ضمن میں الحمد کا جو مضمون پہلے بیان ہوتا رہا ہے اس میں میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ جماعت کو یہ سمجھایا تھا کہ ہم کہتے تو یہ ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام تر حمد، کلیۃً ہر قسم کی کامل حمد صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں اور جو حمد کسی کو نصیب ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔اس ضمن میں میں نے دنیا کے روزمرہ کے مشاہدات آپ کے سامنے رکھے اور سمجھایا کہ کہتے تو ہم یہی ہیں لیکن بالعموم روزمرہ کی زندگی میں خدا کی تخلیق کی حمد میں تو ڈوب

جاتے ہیں لیکن خالق کی حمد کا ہمیں خیال نہیں رہتا۔ پھول سے محبت کریں گے۔ گلشن سے محبت کریں گے۔ اچھے مکانوں سے محبت کریں گے۔ حسن سے محبت کریں گے خواہ وہ بے جان حسن ہو یا جاندار حسن ہو۔ رعب اور طاقت سے محبت کریں گے مگر ان کے پیچھے جو ذات جلوہ فرما ہے اس کا دھیان روزمرہ کی زندگی میں انسان کو نہیں آتا تو ایسا انسان جب پانچ وقت یا اس سے بہت زیادہ مرتبہ ہر نماز میں کئی رکعتوں میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا اقرار کرتا ہے اور اثبات کرتا ہے تو اس اثبات اور اقرار میں کوئی خاص حقیقت نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے کہ وہ یہ کہنے میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا لیکن یہ آواز اس کی روزمرہ کی زندگی کا مظہر نہیں۔ اس کی روزمرہ کی زندگی کی تصویر نہیں کھینچ رہی۔

اس ضمن میں مَیں خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ (مجھے یاد نہیں کہ پہلے اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی کہ نہیں) کہ خدا تعالیٰ کی حمد کی راہ میں سب سے بڑی روک نفس انسانی کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور سب سے بڑا بت ہر انسان کے اندر موجود ہے کیونکہ باہر کی دنیا کی حمد میں انسان غفلت کے نتیجے میں بسا اوقات خالق کی حمد سے غافل ہو جاتا ہے لیکن نفس کا بت ایسا ہے جو باقاعدہ شرک کے خیالات پیدا کرنے والا ہے اور اس سے بڑا اور کوئی بت نہیں جو خدا کے مقابل پر الوہیت کا دعویٰ کرے اور اگر آپ روزمرہ کی زندگی میں اپنے نفوس کا، اپنی نیتوں کا تجزیہ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ موحد ہوتے ہوئے بھی بسا اوقات جب آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں کہ تمام تر حمد صرف اللہ ہی کے لئے ہے تو دل کے گوشے سے ایک آواز اٹھتی ہے **الحمد لی الحمد لی**۔ سب حمد تو میرے لئے ہے اور میرے لئے ہے چنانچہ یہ آواز اگرچہ ہر انسان کو اس طرح سنائی نہیں دیتی کہ وہ اسے محسوس کرے اور اسی لئے وہ اس آواز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن فی الحقیقت یہ آواز ہے جو روزمرہ کے تجارب میں انسان اگر توجہ سے کوشش کرے تو سن سکتا ہے۔ مثلاً ایک اچھی آواز والا گویّا ہے جب وہ مجمع کے سامنے بہت خوبصورت آواز میں خوش الحانی کے ساتھ نظم پڑھتا ہے تو وہ داد جو اس کو ہر طرف سے ملتی ہے اس کو اپنے نفس میں اس قدر مطمئن کر رہی ہوتی ہے، اس قدر اس کو لذت عطا کر رہی ہوتی ہے کہ اس وقت اس کا خدا خود اس کا نفس بن چکا ہوتا ہے اور اس کا ذہن کبھی اس طرف نہیں جاتا یا یہ کہنا چاہئے کہ اکثر نہیں جاتا کہ یہ آواز کیسے پیدا ہوئی؟ کس نے اس کو عطا کی؟ اس کی ذاتی کوشش کا اس میں کتنا دخل

ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عطا کا کتنا دخل ہے؟ اگر اس مضمون کی طرف توجہ مبذول ہو تو ہر گویے کی خود اپنی نظر میں کوئی بھی حقیقت باقی نہ رہے۔ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہونا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھا گلا عطا کیا گیا ہو، ایسے ماحول میں پیدا ہونا جہاں آواز کو مزید مانجھ کر اور صیقل کر کے زیادہ خوبصورت اور دلکش بنایا جاسکتا ہو یعنی ایسے ذرائع مہیا ہونا۔ ان بیماریوں سے پاک رہنا جو گلے کو خراب کرتی ہیں اور آواز کو تباہ کر دیتی ہیں۔ یہ ساری باتیں بھی قابل غور ہیں مگر سطحی ہیں۔ ان سے اور نیچے اتر کر جب آپ صوتی نظام کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ کس طرح ہر انسان کے گلے میں خدا تعالیٰ نے ایک صوتی نظام قائم فرمایا ہوا ہے جو اربوں سال کے عرصے میں ترقی کر کے یہاں تک پہنچا ہے اور اسے مانجھنے اور صیقل کرنے اور اسے چمکانے اور اس کی صلاحیتوں کو مزید اجاگر کرنے میں زندگی کی ہزار ہا نسلیں اس سے پہلے اپنے اپنے دور طے کرنے کے بعد ماضی کا حصہ بن گئیں اور کسی کو علم نہیں کہ ان تجارب میں جو قدرت نے ان کے ساتھ کئے۔ کیا کیا کارروائیاں آواز کے نظام کو مکمل کرنے کے لئے کی گئیں۔

جو جاندار ہمیں آج دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی کے آغاز سے لے کر اب تک کا مطالعہ بھی ہمیں بہت کچھ سبق دیتا ہے اور انسان یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ کس طرح آواز کا آغاز ہوا حالانکہ اس سے پہلے یہ کائنات بالکل خاموش تھی۔ زندگی موجود تھی لیکن زندگی کا ایک جزو زندگی کے دوسرے جزو تک آواز کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

یہ مضمون پہلے بھی میں نے اس حد تک بیان کیا ہے لیکن اب میں اس تعلق میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ شخص جس کو خدا نے اچھی آواز عطا کی ہے اگر اس کا ذہن ان چیزوں کی طرف کبھی منتقل نہ ہو اور ہمیشہ اپنی ہی تعریف میں ڈوب جایا کرے تو اس کے دل سے ایک بت پیدا ہونا شروع ہو جائے گا جو مزید طاقتور ہوتا چلا جائے گا اور اس کے باقی وجود پر بھی قابض ہو جائے گا کیونکہ شرک کا بت اپنے دائرے تک محدود نہیں رہا کرتا بلکہ پھیلتا ہے اور بڑھتا ہے اور زیادہ طاقتور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اچھا مقرر ہے جب وہ بہت اچھی تقریر کرتا ہے اور داد پاتا ہے یا ایک اچھا شاعر ہے جسے خدا توفیق دیتا ہے کہ اپنے خیالات کو نہایت لطافت کے ساتھ شعروں کے خوبصورت کوزوں میں بند کر کے دنیا کے سامنے پیش کرے تو عموماً یہی مضمون دوہرایا جاتا ہے جس کا میں پہلے آواز کے سلسلے

میں ذکر کر چکا ہوں۔

ایک اچھا مصور ہے، ایک اچھا معلم ہے، ایک اچھا صناع ہے غرضیکہ انسان کے اندر خدا تعالیٰ نے جتنی صلاحیتیں پیدا فرمائی ہیں خواہ وہ جسمانی ہوں، علمی عقلی ہوں یا قلب سے تعلق رکھنے والی ہوں ان سب پر یہی مضمون صادق آتا ہے کہ ہر انسان بالآخر اپنی مدح میں ڈوب جاتا ہے اور ایسا شخص جب بار بار خدا کے حضور یہ اقرار کرتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اس کی روزمرہ کی زندگی کا اس اقرار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پس جب نماز پڑھتے ہوئے آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتے ہیں تو اس آئینے میں اپنی صورت دیکھا کریں اور غور کیا کریں کہ آپ روزمرہ کے زندگی کے تجارب میں کتنی مرتبہ عملاً آپ نے واقعی حمد خدا ہی کے حضور پیش کر دی جو حمد بنی نوع انسان نے آپ کے حضور پیش کی آپ نے اسے اپنا نہیں سمجھا بلکہ کامل عاجزی اور انکسار کے ساتھ التحیات للہ و الصلوٰت و الطیبات کہتے ہوئے اس حمد کو خدا ہی کے حضور پیش کر دیا کیونکہ سب تحفے اسی کے حضور پیش کرنے کے لائق ہیں اور خود اس حمد سے خالی ہو گئے۔ اگر آپ ایسا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیں تو آپ کا دل حمد سے خالی نہیں رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس حمد کو ہمیشہ بڑھا کر واپس کرتا ہے جو اس کے حضور پیش کی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں انسان واقعی لائق حمد بننا شروع ہو جاتا ہے پھر جو اس کی حمد کی جاتی ہے وہ خدا کی آواز کے ساتھ حمد کی جاتی ہے۔ خدا کی آواز دلوں میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ خدا کی آواز ذہنوں پر قابض ہوتی ہے اور بنی نوع انسان سے ایسے شخص کی حمد کے جو گیت اٹھتے ہیں وہ اسے محمود اور محمد بنا دیتے ہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ وعلی آلہ وسلم کا نام محمد رکھنے میں ایک بہت بڑی حکمت تھی کہ آپ نے اپنی تمام حمد ساری زندگی ہمیشہ کلیۃً خدا کے حضور پیش کی اور آپ ہمیشہ حمد سے خالی ہوتے چلے گئے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو محمد بنا دیا۔

پس احمد، محمدؐ میں تبدیل ہوتے ہیں اگر وہ خالص ہوں اور سچے ہوں اور مخلص ہوں اور احمد کے طور پر خدا کی حمد کریں اور اپنا بت بیچ میں حائل نہ ہونے دیں

اس نقطہ نگاہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا مضمون انسانی تربیت کا ایک بہت ہی لمبا سلسلہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور یہ سلسلہ ساری زندگی ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مضمون ایسا

باریک ہے اور اس کے بعض پہلو انسانی نظر سے ایسے مخفی رہتے ہیں کہ ساری زندگی کی محنت اپنے آپ کو اپنی حمد سے پاک کرنے کے لئے درکار ہے اور اس کے باوجود بھی انسان اس مقام محمود کو حاصل نہیں کرسکتا جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو عطاء ہوتا ہے اس لئے دعا کے ساتھ مدد مانگتے ہوئے انسان کو نفس کا یہ جہاد ہمیشہ جاری رکھنا چاہئے۔

جو انسان اپنی حمد کا عادی ہو وہ اکثر اوقات لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ بھی ہو جایا کرتا ہے۔اس کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے حد خوش ہونے کی عادت پڑ جاتی ہے اور تعلّی کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے لَفَرِحٌ کے مضمون کو حمد کے ساتھ یعنی انسان کی جھوٹی حمد کے ساتھ باندھ کر پیش فرمایا ہے اس کا میں آگے جا کر ذکر کروں گا لیکن اس کے نظارے آپ نے بسا اوقات کھیلوں کے میدانوں میں بھی دیکھے ہوں گے کہ کبڈی کا ایک کھلاڑی ہے وہ کسی اچھے مضبوط کھلاڑی کو۔ (پنجابی میں جس کو ''دھول'' کہتے ہیں اردو میں پتا نہیں۔ دھول دھپا تو خیر اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے) ایک دھول لگا کر گراتا ہے اور اس کے شکنجے سے نکل کر واپس بھاگتا ہے تو عجیب وغریب حرکتیں کر رہا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ہاتھ اونچے کر کے دونوں انگلیاں کھڑی کر دیتا ہے بعض دفعہ منہ سے آوازیں نکالتا ہے کہ میں نے کمال کر دیا ہے بعض دفعہ وہ چھاتی پر ہاتھ مارتا ہے۔اسی طرح فٹ بال کے میدان میں جب بھی کوئی شخص گول کرتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ کس طرح عجیب وغریب حرکتیں کرتا اور اچھلتا کودتا اور فخر ومباہات کے اظہار کے لئے اپنے جسم کو مختلف شکلیں دیتا ہے، بعض آوازیں نکالتے ہیں، بعض خاموش اظہار کرتے ہیں۔

یہ جو مناظر ہیں یہ نمایاں طور پر آپ کی نظر کے سامنے رہتے ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس حد تک حمد کا پیاسا ہے اور یہ پیاس اس کو مجبور کر دیتی ہے کہ جہاں حمد کے چند قطرے ملیں ان کو نہ صرف پیئے بلکہ فخر سے اظہار کرے کہ ہاں آج میری پیاس بجھ گئی۔ یہ واقعات روزمرہ کی زندگی میں ہم سے ہو رہے ہوتے ہیں جب ہم دوسروں کو دیکھتے ہیں تو دکھائی دیتے ہیں۔ جب اپنے اوپر نظر ڈالتے ہیں تو دکھائی نہیں دیتے۔ پس اس لئے اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنے اندر حمد چاہنے کا جذبہ اس طرح دکھائی نہیں دے گا جیسے دوسرے کا حمد چاہنے کا جذبہ آپ کو دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے کی تعلّی پر آپ کو بعض دفعہ ہنسی بھی آجاتی ہے مگر یہ بھول جاتے

ہیں کہ یہ تعلّی آپ کا نفس روزانہ کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے اور کوئی آنکھ اس کو دیکھتی نہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو پھر ایسی حمد کا بھی انسان طالب ہو جاتا ہے جو ظاہری طور پر اس کو نہیں ملنی چاہئے یعنی حمد کے بعض قصے تو یہ ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس میں انسان نے ایک اچھا کام ضرور کیا ہے لیکن وہ اچھا کام خود اس کی ذاتی توفیق سے ایسا متعلق نہیں جتنا اللہ تعالیٰ کی بے انتہاء عنایات سے تعلق رکھتا تھا اس کا اس موقعہ پر اس بات کو بھلا دینا یا یہ اہلیت نہ رکھنا کہ اپنے اچھے فعل کے پیچھے خدا کا ہاتھ دیکھے اور خدا کی تخلیق کے ان گنت کرشموں کا نظارہ کرے تو یہ چیز جو ہے یہ ایک حد تک سمجھنے کے لائق ہے اور سمجھانے کے لائق ہے لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ انسان صرف اسی بات پر راضی نہیں ہوتا۔ یہیں ٹھہر نہیں جاتا فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران: ۱۸۹) کہ ہرگز یہ گمان نہ کر کہ وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتراتے ہیں جو کچھ گل وہ کھلاتے ہیں ان پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ جو کوئی اچھا کام کیا یا کسی قسم کا بھی ایسا کام جو کم سے کم اس کی نظر میں قابل تعریف ہو تو اس پر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اترانے لگ جاتے ہیں۔ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اس کے ساتھ وہ اس بیماری میں بھی ضرور مبتلا ہوتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے ان کے لئے بھی تعرف کے خواہاں ہو جاتے ہیں اور جب یہ بیماری بڑھ کر اس مقام تک پہنچ جاتی ہے تو تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ پھر یقین رکھ کر یہ لوگ عذاب سے محفوظ نہیں ہیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس مضمون کا تعلق یقیناً آخرت سے ہے لیکن یہ غلط ہے کہ اس دنیا سے نہیں کیونکہ تعریف کی پیاس جب اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ انسان ان چیزوں پر بھی تعریف کی تمنا رکھنے لگ جاتا ہے، تعریف کروانے کے لئے اس کے دل میں پیاس لگ جاتی ہے جن چیزوں میں اس کا کوئی بھی حصہ نہیں ہوتا یعنی کام کسی اور نے کیا اور تعریف اس نے اپنی کرنی شروع کروادی۔ یہ بات بھی آپ روزمرہ کی زندگی میں ہر گھر میں مشاہدہ کر سکتے ہیں ہر انتظام میں مشاہدہ کر سکتے ہیں اور انسانی تعلقات میں اور قوموں کے تعلقات میں بھی یہ بات اگر آپ باریک نظر سے دیکھیں تو آپ کو دکھائی دے گی۔

اگر کسی نے کوئی اچھا کام کیا ہو اور بتایا نہ جائے مثلاً گھر میں بچوں کے ساتھ گفتگو کرتے

ہوئے کہ ہمیں علم ہے کہ کس نے اچھا کام کیا ہے اور آپ اچانک پوچھیں کہ کس نے کیا ہے تو بے اختیار کئی بچے ہاتھ اونچا کریں گے کہ ہاں! ہم نے کیا ہے۔ اگر ان کو یہ یقین ہو جائے کہ پتہ نہیں لگے گا کہ کس نے کیا تھا تو پھر اکثر بچوں کے اندر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ اس بات میں اپنی تعریف کروائیں جو بات انہوں نے نہیں کی۔ ان کے بھائی یا کسی بہن نے کی تھی لیکن چونکہ تعریف ہو رہی ہے اس لئے وہ کہتے ہیں ہم نے کیا ہے۔ اور اگر کوئی یہ نہ کر سکے تو تعریف میں حصہ ڈالنے کی عادت تو اتنی پختہ ہے کہ اس سے تو شاید ہی کوئی انسان بری ہو۔ اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ بہت اچھا کھانا پکا ہے۔ کس نے پکایا ہے؟ تو اگر گھر کی مالکہ نے پکایا ہوگا تو وہ کہے گی میں نے پکایا ہے کوئی دوسرا ساتھ بولے گا کہ مصالحہ تو میں نے بتایا تھا۔ ایک تیسرا بتائے گا کہ ترکیب میری تھی۔ ایک چوتھا کہے گا کہ ڈوئی تو میں پھیرتا رہا ہوں غرضیکہ ہر شخص بیچ میں اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا مشاہدہ ہے لیکن یہ آگے جا کر بہت گہری بیماری میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ایسے اشخاص کو بعد ازاں احتمال ہے کہ گہری روحانی بیماریاں نہ لاحق ہو جائیں۔ اس کی تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ ہر انسان اپنی زندگی کے واقعات پر غور کر کے یہ جائزہ لے سکتا ہے کہ کس حد تک اس نے اس معاملے میں ٹھوکر کھائی یعنی تعریف کی ایک خواہش تو طبعی ہے اسے اپنے مقام پر رکھنا اور لگام ڈال کر رکھنا یہ ایک الگ مسئلہ ہے مگر جو واقعہ ہوا ہی نہیں اس ضمن میں جھوٹی تعریف کی تمنا یہ بہت بڑی بیماری ہے اور یہ شرک کی بدترین قسم بن جاتی ہے اور ایسے لوگ پھر سب سے زیادہ خدا کی تعریف اس سے چھینتے ہیں اور عمداً ہر چیز میں بات اپنے ذمے لگاتے ہیں کہ ہماری وجہ سے یہ ہوا ہے اور یہ بیماری جب زیادہ باریک ہو جاتی ہے تو عجیب و غریب شکلیں اختیار کرتی ہے۔ میں اس کا ایک نمونہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ نیک انسان بھی اس قسم کی بعض بیماریوں سے محفوظ نہیں رہتے۔ عام طور پر موحد ہیں لیکن بہت سی باتوں میں غلطی کر جاتے ہیں۔

یہ بھی رجحان پایا جاتا ہے کہ اگر خدا کا کوئی فضل ہو تو انسان اپنے اندر وہ نیکی تلاش کرتا ہے کہ کس وجہ سے فضل ہوا ہے خدا نے کوئی خاص احسان کیا تو انسان کہتا ہے یہ اس لئے ہے کہ میں نے غریبوں کی ہمدردی کی تھی۔ خدا نے بہت احسان کیا اور شفاء بخشی تو انسان سوچتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ میں نے فلاں انسان کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا تھا اور یہاں تک کہ جب کسی شخص پر خدا کا خاص

فضل نازل ہوتو لوگ بھی جو تبصرے کرتے ہیں ان میں اس شخص کی خوبیاں تلاش کر رہے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس پر یہ فضل کیا ہے تو اس کی یہ بات سنی گئی۔ اس کی یہ نیکی کام آئی اور ہمارے ہاں روزمرہ کے محاورے میں یہ بات اکثر سننے میں آتی ہے کہ اس کی فلاں نیکی کام آ گئی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی نیکیاں کیا؟ ان کی حیثیت کیا؟ خدا تعالیٰ اگر انسان کی نیکیوں کے مقابل پر اس کی بداعمالیوں کا حساب کرے تو کسی کے پلّے کوئی نیکی باقی نہ رہے۔ اپنی نیکی کی طرف خیال آ جاتا ہے اور بدیاں انسان بھول جاتا ہے اور خدا کے وہ احسانات جو خالصۃً فضل کے نتیجے میں ہیں ان احسانات کو اپنی طرف منسوب کرنے لگ جاتا ہے کہ میری کسی خوبی کے نتیجے میں ایسا ہوا لیکن ایک عارف باللہ اس معاملے میں کبھی دھوکا نہیں کھاتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مناجات میں عرض کرتے ہیں کہ

سب کچھ تیری عطا ہے
گھر سے تو کچھ نہ لائے

(درثمین صفحہ:۔۔) کیسا سادہ لیکن کتنا عظیم اور قوی اظہار ہے کتنی گہری اور دائمی حکمت اس میں بیان فرمادی گئی ہے۔

سب کچھ تیری عطا ہے
گھر سے تو کچھ نہ لائے

پس الحمدللہ کہتے ہوئے جب تک یہ رجحان پیدا نہ ہو کہ سب کچھ تیری عطا ہے۔ گھر سے ہم کچھ نہیں لائے تو اس وقت تک الحمد کا مضمون کامل نہیں ہوسکتا اور اس وقت تک اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی دعا میں طاقت پیدا نہیں ہوسکتی پس جب آپ کلیۃً حمد سے اپنے آپ کو خالی کر لیتے ہیں۔ اللہ کے جتنے احسانات ہیں ان کو خدا کے احسانات کے طور پر گنتے ہیں اور ان پر حمد کے گیت گاتے ہیں تو پھر جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتے ہیں تو دل پوری سچائی کے ساتھ یہ عرض کرتا ہے خدا کے حضور یہ اقرار کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ ہم نے تو اپنی حمد سمجھی کچھ نہیں اس لئے ہم اپنی عبادت نہیں کرتے۔ ہم نے تو کسی غیر کی کوئی حمد سمجھی ہی نہیں اس لئے ہم کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے اور تو جانتا ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ جب تمام تر حمد ہم تیرے حضور پیش کر بیٹھے تو اب سوائے تیری

عبادت کے ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ایسی صورت میں ’’عبد‘‘ عابد بن جاتا ہے اور ایک عام انسان نہیں رہتا۔ یوں تو ہر انسان خدا کا بندہ ہے لیکن سورۂ فاتحہ ایک عبد کو عابد میں تبدیل کرتی ہے۔ تب اس کا یہ حق ہے کہ وہ یہ عرض کرے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہ سب کچھ تیرے خزانے میں جمع ہو گیا ہمارے پاس تو رہا ہی کچھ نہیں اس لئے ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور تیری مدد کے بغیر ہم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

اس نَسْتَعِيْنُ میں بہت کچھ شامل ہے اس نَسْتَعِيْنُ کی دعا میں ہر دعا مانگی جاسکتی ہے اور اس دعا میں از خود حمد کی طلب بھی شامل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب انسان ان تمام مراحل سے گزرتا ہے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے گزرتا ہے احتیاط کے ساتھ گزرتا ہے، شرک سے اپنے آپ کو کلیۃً پاک کر لیتا ہے اور حقیقت میں خدا کے حضور اپنا مقام سمجھنے لگ جاتا ہے تو اس وقت جب اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے تو اس کی کہی اور ان کہی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کے بعد پھر جب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ کہتا ہے تو پھر دعائیں ایک نئے مضمون میں داخل ہو جاتی ہیں۔ انعام والے مضامین ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے اور ایک جاری سلسلہ ہے۔

اس ضمن میں یہ یاد رکھیں کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مضمون میں ایک پوری تاریخ ہمارے سامنے رکھ دی گئی ہے چونکہ اس سے پہلے میں اس بات پر گفتگو کر چکا ہوں اس لئے مزید اسے نہیں چھیڑتا لیکن اَنْعَمْتَ کے چار مراتب ہیں اور سورۃ فاتحہ کی ابتداء میں خدا کی چار صفات پیش فرمائی گئی ہیں۔ ان چاروں صفات سے جس انسان کا تعلق کامل ہو جائے گا وہ انعمت میں آخری مقام تک پہنچے گا اور جس حد تک اس کا صفات باری تعالیٰ سے تعلق کمزور ہوگا اسی حد تک اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے گروہ میں اسے نسبتاً ادنیٰ مقام نصیب ہوگا۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی مقام ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ ہر مقام جاری ہے لیکن سورۂ فاتحہ میں صفات باری تعالیٰ کو جس رنگ میں پیش فرمایا گیا ہے ان صفات کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے جس کامل عبودیت کے ساتھ جس کامل انکسار کے ساتھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کو حمد سے خالی کر کے ربوبیت سے تعلق جوڑا رحمانیت

سے تعلق جوڑ، رحیمیت سے تعلق جوڑ، مالکیت سے تعلق جوڑ اس کے بعد یہ تعلقات کا معیار بہت بلند ہو چکا ہے۔اس لئے آئندہ کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ فرض کر دیا کہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (النساء:۷۰) اب ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت سے عام تعلق کام نہیں دے گا جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کرے گا اور ان اداؤں کے ساتھ خدا سے تعلق باندھے گا جن اداؤں کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ وعلی آلہ وسلم نے اپنے رب سے تعلق جوڑا ہے اس کے لئے انعامات کے سب دروازے کھلے ہیں اور چونکہ یہ مضمون مشکل ہو گیا ہے اور بلند تر ہو گیا ہے اور ڈیمنسٹریٹر Demonstrator نے، جس نے اس مضمون کو اپنی زندگی پر جاری کر کے دکھایا تھا اس مضمون کو درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے اس لئے آخری مقام تک پہنچنا مشکل تر ہو گیا ہے لیکن اس اطاعت کے ادنی مقام بھی ایسے ہیں جو گزشتہ زمانے کے اعلیٰ مقامات کے برابر درجہ پانے والے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو اس طرح کھول کر بیان فرما دیا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیلعلماء تو نبی نہیں ہیں اور مری امت کے معیار کے لحاظ سے نبی نہیں ہیں لیکن جہاں تک گزشتہ امتوں کا تعلق ہے ان کے نبیوں کے برابر تو میری امت میں تمہیں بہت سے علماء اور ولی اور بزرگ ملیں گے۔پس یہ وہ مضمون ہے جس کے پیش نظر اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ نے ایک ایسا وسیع دروازہ کھولا ہے اور ہمیں ایک ایسے راستے پر قدم بڑھانے کی دعوت دی ہے جو لامتناہی ہے اور تمام انبیاء کی گزشتہ تاریخ ہمارے سامنے اکٹھی صورت میں پیش کر دیتا ہے کہ گویا اس راستے پر دور تک مختلف جھنڈے لگے ہوئے ہیں اور سب سے آخر پر مقام محمدیت کا جھنڈا ہے اور مسلسل یہ صلائے عام دے رہا ہے کہ آنا ہے تو یہاں تک آؤ اور اس سے پہلے رکنے کی کوشش نہ کرو۔اس سے پہلے کی تھکن تمہیں مغلوب نہ کر دے۔پس اس سفر میں جس مقام پر بھی انسان دم دے وہی مقام اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا مقام ہے اور بہت ہی بڑا خوش نصیب ہے وہ جسے محمد رسول ﷺ کے قدموں تک پہنچنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔

اس کے بعد مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہاں بھی یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تشریح میں اگر چہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں اور ضالین کی تشریح میں اگر چہ ہم کہتے ہیں کہ عیسائی مراد ہیں مگر اللہ کی یہ شان ہے

اور سورۂ فاتحہ کی فصاحت و بلاغت ہے کہ کسی قوم، کسی مذہب کا نام نہیں لیا۔ مضمون صرف یہ بیان فرمایا گیا کہ خدا کی مذکورہ چار بنیادی صفات سے جو شخص کلیۃً تعلق کاٹ لے گا یا اس حد تک کاٹ لے گا کہ خدا کی رحمت سے وہ کاٹا جائے تو اسے مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ شمار کیا جائے گا اور جو شخص کچھ تعلق برقرار رکھے گا لیکن ٹیڑھے رنگ میں اور کجی کے ساتھ تو اس کو ضَآلِّيْنَ کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔

اس مضمون پر آپ غور کریں تو بہت ہی وسیع تاریخی مطالعہ ہے جو آپ کے سامنے کھلتا ہے وہ قومیں جو مغضوب ہوئیں۔ قرآن کریم نے خود بیان فرمایا ہے کہ کیوں مغضوب ہوئیں۔ کس کس طرح، کس کس جگہ انہوں نے خدا کی بنیادی صفات سے اپنا تعلق توڑا اور ایک دفعہ نہیں بار بار توڑا اور کتنے لمبے عفو کے بعد، کتنے لمبے حلم کے بعد بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں مغضوب قرار دیا تو اس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کن چیزوں سے بچنا ہے اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوشش فرض ہے۔ اگر ایک ٹھوکر کھاتے ہیں تو تب بھی، اگر چہ خطرے کا مقام ہے لیکن آخری طور پر آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مردود نہیں قرار دیدیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے قوموں کو ایک لمبے عرصے کے بعد جو ہزار سال سے زائد عرصے پر پھیلا پڑا ہے ان کو ان کی بار بار کی غلطیوں کے نتیجے میں اور غلطیوں پر اصرار کے نتیجے میں مغضوب قرار دیا۔ پس اس سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ آخری سانس تک جینے کی امید تو ہے لیکن اگر غلطیاں کرتے ہوئے ہم مارے گئے تو ہم مغضوب کی حالت میں مارے جائیں گے۔ پس ایک طرف تو یہ امید کا پیغام بھی ہے اور دوسری طرف ایک عبرت کا پیغام بھی ہے اور یاد رکھنے کے لائق بات یہ ہے کہ یہود کا نام سورۂ فاتحہ میں کیوں نہیں لیا گیا۔ اس لئے کہ قرآن کریم یہ اعلان کرتا ہے کہ **من حیث القوم مغضوب** ہونے کے باوجود ان کے اندر آج بھی نیک لوگ موجود ہیں۔ آج بھی حق پرست لوگ موجود ہیں آج بھی موحد موجود ہیں۔ آج بھی خدا سے محبت کرنے والے موجود ہیں۔ اگر انہیں اسلام کا صحیح پیغام پہنچتا یا محمد رسول اللہ ﷺ کے حسن سے ان کی شناسائی ہو جاتی تو وہ ضرور اسلام قبول کر لیتے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں میں شامل ہو جاتے مگر اپنے اپنے ماحول میں کٹے ہوئے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے پیار کرتے ہیں۔ اس پر یقین رکھتے ہیں اس کے لئے قربانیاں دیتے

ہیں پس دیکھئے سورۂ فاتحہ نے کس حد تک عدل کا حق ادا فرمایا ہے۔مغضوب کی تاریخ بھی ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی لیکن ساتھ یہ بھی متنبہ کر دیا کہ کسی ایک قوم کو ان معنوں میں مغضوب سمجھنا کہ ان میں پھر کوئی نیک آدمی پیدا نہیں ہوسکتا یہ غلط ہے اس لئے جہاں قومی طور پر مغضوب فرمایا وہاں نام کسی کا نہیں لیا اور جہاں قرآن کریم نے نام لے کر یہود کو مغضوب قرار دیا وہاں ساتھ ساتھ استثناء کرتا چلا گیا اور بار بار ہمیں متنبہ کیا کہ خبردار من حیث القوم یہود کو مغضوب قرار دے کر تمام کے تمام کو رد نہ کر دینا اور تمام کے تمام کو جہنمی قرار نہ دے دینا۔اسی طرح من حیث القوم عیسائیوں کو ’’ضآل‘‘ قرار دیتے ہوئے یعنی گمراہ قرار دیتے ہوئے پوری طرح رد کر کے نعوذ باللہ من ذالک یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ یہ سارے کے سارے جہنمی، گندے اور خدا سے دور لوگ ہیں۔بار بار قرآن کریم نے اس بات کا اظہار فرمایا کہ ان میں بھی بہت اچھے لوگ ہیں ان میں بھی نیک ہیں اخلاص سے ایمان لانے والے ہیں اور ہم یقین دلاتے ہیں کہ جب تک یہ اپنے سچائی کے تصور کے مطابق اپنی تعلیمات پر عمل کرتے رہیں گے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور ان کے اجر خدا کے ذمہ ہیں۔پس سورۂ فاتحہ نے جہاں مغضوب اور ضالین کا ذکر قوموں کے نام لئے بغیر فرمایا وہاں ہماری توجہ اس طرف بھی مبذول فرمادی اور اس میں بھی ہمارے لئے ایک امید کا پیغام ہے کہ اگر ایسی قومیں جو ہزار سال دو ہزار سال، چار ہزار سال تک بار بار خدا تعالیٰ کی ناشکری کرتی رہیں اور اس کی نافرمانی کرتی رہیں اور اس کے بندوں پر ظلم بھی کرتی رہیں ان میں بھی نیکوں کی گنجائش موجود ہے اور نیکی کی گنجائش موجود ہے تو محمد مصطفی ﷺ کا لایا ہوا دین جو آخری اور کامل دین ہے اس سے وابستہ لوگوں کے متعلق یہ کہنا کہ نعوذ باللہ وہ سارے جہنمی ہو گئے۔سارے کافر اور بے دین ہو گئے یہ بہت ہی بڑا ظلم ہوگا۔

پس جماعت احمدیہ کے لئے خصوصیت سے اس میں سبق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں ایسے لوگوں پر سختی فرمائی ہے جنہوں نے ظلم اور تعدی اور عناد میں ہر حد پھلانگ دی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق نہایت ہی ناپاک اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا، وہ زبان اس گروہ کے محض چند لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو فساد اور فتنے اور ظلم میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے لوگ تھے۔عامۃ المسلمین سے اس کا تعلق نہیں چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو دوسری جگہ خود کھول کر بیان فرمایا ہے اور فرمایا۔جہاں تک عام مسلمانوں کا تعلق ہے ان

سے بے حد محبت رکھتا ہوں۔ان میں صلحاء بھی ہیں۔ان میں خدا کے بزرگ بھی ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطاء کردہ خبر کے مطابق ان میں بڑے بڑے مرتبہ رکھنے والے لوگ ہیں۔صلحاء عرب بھی ہیں اور ابدال شام بھی ہیں۔

پس جماعت احمدیہ کو سورۂ فاتحہ سے یہ انکسار بھی سیکھنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہم میں سے ہر شخص کی نجات کی کوئی ضمانت نہیں کیونکہ ہر قوم میں ایسے استثناء ہوتے ہیں کہ اچھوں میں سے برے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اور بروں سے اچھے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔اس لئے اَنْعَمْتَ کے مضمون میں کسی قوم کا ذکر فرمایا، نہ مَغْضُوْبِ اور الضَّآلِّيْنَ کے مضمون میں کسی قوم کا ذکر فرمایا اور اس مضمون کو کھلا رہنے دیا۔اس کی بنیاد یہی ہے اور فیصلے کی کسوٹی یہی ہے کہ ہر وہ شخص اور ہر وہ قوم جو خدا تعالیٰ کی ان چار صفات سے گہرا تعلق جوڑتی ہے اور اپنے آپ کو دوئی کی ملونی سے پاک کرتی ہے جن صفات کا سورۂ فاتحہ میں تعارف فرمایا گیا ہے تو وہ اگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو اور واقعۃً وہ اپنے تعلق میں مخلص ہو تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں شمار ہوگی۔لیکن ان کے اندر بھی استثناء ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔اس لئے ہمیشہ ہمیں نگران رہنا چاہئے اور اپنے نفس پر بھی نگران رہنا چاہئے اور بحیثیت جماعت اپنے بھائیوں اپنی بہنوں، اپنے بچوں، اپنے مردوں، عورتوں اور بوڑھوں سب پر نگران رہنا چاہئے تو رمضان المبارک میں آپ جہاں دوسری دعائیں کریں گے وہاں سورۃ فاتحہ کو پڑھتے ہوئے ان مضامین کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کی بھی کوشش کریں۔اپنے اندر ایک شعور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔اپنے شعور کو ہمیشہ بیدار رکھنے کی کوشش کریں اور اپنے بھائیوں کے لئے کمزوروں کے لئے اور غافلوں کے لئے بھی دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ سب کے اندر سے ایک باشعور انسان پیدا فرما دے جو خلقِ آخر کا آغاز ہوگا۔

قرآن کریم نے جہاں خلق آخر کا ذکر فرمایا ہے جو خلق آخر انسان کے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے کہ ایک غافل انسان سے ایک باشعور انسان جنم لینے لگتا ہے وہ رفتہ رفتہ آنکھیں کھولتا ہے کروٹ بدلتا ہے، اپنے اندرونی ماحول کو دیکھنے لگ جاتا ہے اس کے اندھیرے چھٹنے لگتے ہیں۔آنکھیں ملتا ہے تو اور زیادہ روشنی دکھائی دیتی ہے اور وہ اپنے نفس کا شعور ہے جو رفتہ رفتہ عرفان باللہ میں منتقل ہو جاتا ہے اور انسان کے اندر سے ایک خلق آخر ظاہر ہوتی ہے پس اس

رمضان میں خصوصیت کے ساتھ اپنے لئے یہ دعائیں کریں اور بنی نوع انسان کے لئے بھی یہ دعائیں کریں کہ وہ دعوے تو بہت کرتے ہیں اللہ ان کو بھی کوئی شعور عطا کرے۔

میں نے گلف سے متعلق جو پچھلے خطبات تھے ان میں بڑے درد کے ساتھ بعض آنے والے خطرات کی نشاندہی کی تھی ان میں ایک یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ سے امن ہمیشہ کے لئے اٹھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور جن خطرات کا اظہار کیا تھا وہ ابھی جیسے کہتے ہیں ناں کہ سیاہی ابھی گیلی ہی ہو سوکھی بھی نہ ہو تو بات ظاہر ہونے لگ جائے ویسی ہی کیفیت ہوئی ہے۔شام کے اوپر اسرائیل نے جنگ ختم ہوتے ہی یہ الزام لگانا شروع کر دیا کہ اب عراق سے خطرہ تو نہیں رہا مگر ہمیں شام سے خطرہ شروع ہو گیا ہے اور وہی باتیں جو پہلے عراق کے متعلق کہی جاتی تھیں اب شام کے متعلق کہی جانے لگیں۔ پھر وہ خطرے جو میں نے پیش کئے تھے۔ یہ تو نہیں کہ **نعوذ باللہ من ذالک** میں نے کوئی غیب کی خبریں بنائی تھیں مگر ہر انسان حالات کا جائزہ لے کر اندازے لگاتا ہے پس میں نے بھی جہاں تک ان قوموں کے مزاج کو سمجھا کچھ اندازے لگائے اور میرا اندازہ یہ تھا کہ عراق کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ اور بعض دوسری قوموں سے اندر کھاتے مخفی طور پر ہو سکتا ہے سمجھوتے ہو گئے ہیں کہ تم فلاں حصے پر قبضہ کر لینا، تم فلاں حصے پر قبضہ کر لینا۔ پس عراق میں جو بغاوت ہو رہی ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا دوسری قوموں سے کوئی تعلق نہیں مگر جو لوگ بھی اس صدی کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جہاں جہاں بغاوتیں ہوئی ہیں وہاں ضرور دوسری قوموں کا تعلق ہوتا ہے۔ آج کے زمانے میں طاقتور منظّم فوجوں سے لڑنے کی عوام الناس میں طاقت ہی نہیں ہے جب تک باہر سے امداد نہ ہو۔ جب تک باہر سے شہ نہ ملے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی ملک میں واقعۃً منظّم بغاوت ہو جائے چنانچہ افغانستان میں جو کچھ ہوا آپ جانتے ہیں۔ اگر امریکہ مجاہدین کی مدد سے اپنے ہاتھ کھینچ لیتا تو وہاں جو کچھ آپ نے دیکھا ہے ہو ہی نہیں سکتا تھا ممکن ہی نہیں تھا۔ اگر ویٹنام میں روس ویٹنامیوں کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیتا تو امریکہ کو جو بالآخر عبرتناک شکست ہوئی وہ ممکن نہیں تھی۔ غالباً ساڑھے آٹھ سال کا عرصہ ہے جو انہوں نے وہاں بہت ہی دردناک جنگ کی حالت میں گزارا ہے۔ وہ جنگ چند مہینوں کے اندر ختم ہو سکتی تھی اگر امریکہ کے مقابل پر روس انکا مددگار نہ ہو رہا ہوتا تو اس لئے بیرونی خطرات پہلے بھی تھے آج بھی ہیں اور کل بھی ہوں گے لیکن پہلے دو سمتوں سے ہوتے تھے اب ایک ہی

سمت سے ہیں اس لئے اس رمضان میں خاص طور پر دعائیں کریں کہ اب جب کہ ایک ہی طاقت ہے جو دنیا پر غالب آچکی ہے اور وہ امریکہ اور اس کے ساتھیوں کی طاقت ہے تو اللہ تعالیٰ اس عظیم طاقت کو جیسی طاقت آج تک کبھی دنیا کی تاریخ میں پہلے نہیں ابھری کہ وہ ساری دنیا پر اس طرح غالب آچکی ہو کہ مقابل کی ہر طاقت اس کے سامنے گھٹنے ٹیک چکی ہے، یہ توفیق نہ دے کہ خدا کے بندوں سے ظلم کا سلوک کرے۔ اس دعا کی بڑی شدید ضرورت ہے۔ دعا کی یہ ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ امریکہ کو یہ ہوش دے۔ یہ عقل دے کہ وہ خدا بننے کی بجائے خدا کا نمائندہ بننے کی کوشش کرے۔ اور اگر واقعی امریکہ اس طاقت سے سچے دل کے ساتھ استفادہ کرنا چاہتا ہے اور دنیا میں امن پیدا کرنا چاہتا ہے تو سوائے اس کے اور کوئی حل نہیں کہ امریکہ انصاف پر قائم ہو جائے کیونکہ عدل کے بغیر دنیا میں کوئی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص عدل پر قائم ہو وہ خدا کا نمائندہ ہوسکتا ہے خدا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک گہرا راز ہے کہ عدل کے فقدان سے شرک پیدا ہوتا ہے خدا کے عادل بندے مشرک نہیں ہو سکتے۔ اس لئے خدا کے عادل بندے خدائی کے دعوے بھی نہیں کر سکتے۔ پس امریکہ کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ تاریخ میں کبھی کسی قوم کو ایسا موقعہ نصیب نہیں ہوا جیسا کہ امریکہ کو نصیب ہوا ہے کہ تمام دنیا کو اپنی طاقت کے زور سے عدل سے بھر دے اور عدل کے نتیجے میں دنیا کو انصاف عطا کرے اور خدا اس کو یہ توفیق نہ دے کہ اس کے برعکس خود خدائی کا دعویدار بن جائے اور زور اور طاقت کے ساتھ اور جنبہ داریوں کے نتیجے میں اور سیاسی چالبازیوں کے نتیجے میں دنیا سے اپنی طاقت کا لوہا منوانے کی کوشش کرے اگر امریکہ نے ایسا کیا تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ ایسی قوموں کو کچھ مہلت تو دیتا ہے لیکن لمبی مہلت نہیں دیا کرتا اور پھر خدا کی تقدیر ان کو پکڑا کرتی ہے۔

اس کے مقابل پر تیسری دنیا کی قوموں کے لئے بہت بڑے ہولناک دن آنے والے ہیں وہ نہتے ہو چکے ہیں ان کے سروں کی چھت اڑ گئی ہے۔ کوئی ان کا اس دنیا کا سہارا نہیں رہا۔ اس لئے ان کے لئے دعا کریں کہ وہ نیلی چھت والے سے تعلق پیدا کریں اس خدا سے تعلق پیدا کریں جس کی چھت ساری کائنات پر محیط ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انہیں ابتلاؤں سے بچائے گا اور یہ بھی ممکن نہیں جب تک وہ خود عدل پر قائم نہ ہوں کیونکہ غیر عادل کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ یہ

خیال غلط ہے کہ صرف امیر اور طاقت ور ظالم ہوا کرتا ہے یہ راز سمجھنے والا راز ہے اور اس کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ غریب اور کمزور بھی ظالم ہو جایا کرتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اسے اپنے ظلم کی توفیق نہیں ملتی یا کم ملتی ہے۔ پس ظالم ہونا یا نہ ظالم ہونا انسان کے اندرونی رجحانات سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔ میں نے تو جہاں تک نظر ڈالی ہے تیسری دنیا میں بھی اکثر ممالک ایسے ہیں جب بھی انہیں توفیق ملی ہے انہوں نے ظلم سے کام لیا ہے۔ وہی صدام حسین جن کے عراق پر یکطرفہ ظالمانہ بمباری کے نتیجے میں تمام مسلمانوں کے دل خون ہو رہے تھے اور سخت اذیت میں مبتلا تھے۔ اب اندرونی طور پر ان کو چھٹی ملی ہے کہ جبر کے ساتھ بغاوتوں کو ناکام کر دیں اور ملیا میٹ کر دیں تو اس جبر سے آگے بڑھ رہے ہیں جس جبر کی انسان کو خدا تعالیٰ کا خوف اجازت دیتا ہے ایک جبر کے مقابل پر جبر ہے جس کی قرآن کریم نے اجازت دی ہے اور خدا کے خوف کی راہ میں یہ بات مانع نہیں ہے لیکن وَلَا تَعْتَدُوْا کی شرط کے ساتھ کہ ہرگز تم نے مقابل پر زیادتی نہیں کرنی انتقام اس رنگ میں نہیں لینا کہ جتنا تم پر ظلم ہو رہا ہے اس سے زیادہ ظلم کرو یا انسانی قدروں کو پامال کرتے ہوئے ظلم شروع کر دو پس کردوں کے مقابل پر یہ ظلم ہو رہا ہو یا شیعوں کے مقابل پر ظلم ہو رہا ہو۔ جو بھی شکل ہے ہر قوم کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ باغیوں کا سر کچلے لیکن یہ حق نہیں کہ ان کو آگ کا عذاب دے کر مارے جیسا کہ امریکہ نے نیپام بم کے ذریعے عراقی فوجیوں پر ظلم کئے تھے یا گیس سے مارے یا تیزاب برسا کے مارے۔ اگر یہ باتیں جو بیان کی جارہی ہیں سچی ہیں تو پتہ یہ لگا کہ ادھر بھی ظلم تھا اور ادھر بھی ظلم ہے پھر ہماری یہ دعا جس کی میں نے تلقین کی تھی کہ اے اللہ! حق کو فتح دے یہ کس کھاتے میں جائے گی حق تو پھر صرف اتنا سا باقی رہ گیا تھا کہ کویت پر ان کا حملہ ناجائز تھا۔ اور ان کو کویت خالی کر دینا چاہئے تو کویت سے انخلاء کی حد تک تو ہماری حق والی دعا قبول ہوگئی۔ اس کے بعد اگر حق ایک طرف ہو ہی نہ اور دونوں طرف ظلم شامل ہو جائے تو یہ دعا کسی کے بھی حق میں مقبول نہیں ہو سکتی۔

پس یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو حق نصیب کرے۔ اس وقت تو یہ زمانہ آ گیا ہے کہ انسان کنگال ہوا بیٹھا ہے۔ اخلاق سے عاری ہو گیا ہے۔ حق سے عاری ہو گیا ہے غریب قومیں اگر دوسری ہمسایہ قوموں پر ظلم نہیں کرتیں تو اپنے ملک کے غریب باشندوں پر ظلم کرتی ہیں ہر طاقتور کمزور پر ظلم کر رہا ہے۔ ایسی افراتفری کے زمانے میں جبکہ طاقت کو گویا یہ اختیار ہے کہ ہر قسم کے ظلم وستم بجالائے اور کوئی

اس کو روکنے والا نہ ہو۔ ایسے دور میں قوموں کے تعلقات اسی ظلم کے رشتے پر ہی قائم ہوتے ہیں۔

آج امریکہ کو خدا نے جہاں یہ توفیق بخشی ہے کہ اب اس کے مقابل پر اس کا کوئی رقیب نہیں رہا۔ پہلے اگر مجبوریاں بھی تھیں تو اب مجبوریاں نہیں رہیں۔ اس وجہ سے خدا نے اسے توفیق بخشی ہے کہ وہ بے دھڑک ہو کر دنیا میں انصاف قائم کرنے کی کوشش کرے تو یہ موقعہ پھر شاید کبھی ہاتھ نہ آئے۔ آج اگر پہلے قدم غلط اٹھ گئے تو پھر دوبارہ ان غلط فیصلوں کی درستی ممکن نہیں رہے گی اس لئے میں جماعت کو خصوصیت کے ساتھ اس دعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو امریکہ کی قوم کو اس عظیم تاریخی سعادت حاصل کرنے کے بعد کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقتور قوم بن کے ابھری ہے، یہ سعادت عطا کرے کہ اس طاقت کو بنی نوع انسان اور خود اپنی عاقبت کے خلاف استعمال نہ کرے بلکہ انصاف قائم کرنے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں اس طاقت (کے زمانے) کو لمبا کر دے گا اور سینکڑوں سال تک دنیا کو امن نصیب رہے گا لیکن آثار ایسے ظاہر ہو رہے ہیں جن سے مجھے خطرہ ہے کہ شاید یہ نہ ہو سکے تو دوسری صورت میں تیسری دنیا کے لئے دعا کریں۔ کمزور ملکوں کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں انصاف پیدا کرے ان کے دل میں رحم پیدا کرے۔ ان کو اپنی اخلاقی تعمیر نو کی توفیق بخشے کیونکہ طاقت ور قوم کا طاقت سے مقابلہ نہیں ہو سکتا لیکن طاقتور قوموں کا اعلیٰ اخلاق کے ساتھ ضرور مقابلہ ہو سکتا ہے۔ یہ راز ہے جو قرآن کریم نے ہمیں سمجھایا ہے پس اگر کوئی قوم اخلاقی لحاظ سے مضبوط ہو جائے اور اپنے نوک پلک درست کر لے اور اپنے اندر توازن پیدا کر لے اور حرص و ہوا سے باز آ جائے اور قناعت کی زندگی بسر کرنا سیکھ جائے اور غربت میں ہی اپنی غریبانہ جنت بنانے کی اہلیت پیدا کر لے تو ایسی قوم پر دنیا کی کوئی طاقت حکومت نہیں کر سکتی۔ اعلیٰ اخلاق سے بڑھ کر انسان کا کوئی دفاع نہیں ہے۔ پس تیسری دنیا کے ملکوں کو میں بار بار یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی اندرونی اصلاح کریں۔ اپنے اخلاق درست کریں۔ اپنے اندرونی تعلقات کو درست کریں۔ انکسار پیدا کریں اور فی الحال غیر قوموں پر انحصار کو اگر فوری طور پر ترک نہیں کر سکتے تو کم سے کم یہ منصوبہ بنائیں کہ جتنی جلد ہو سکے گا آپ غیر قوموں پر انحصار سے توبہ کریں گے اور خودداری کی زندگی بسر کریں گے خواہ غریبانہ ہو۔ اگر یہ نصیحت تیسری دنیا نے مان لی اور جماعت نے دعائیں کیں اور وہ مقبول ہوئیں اور اگر سب نے نہیں تو آہستہ آہستہ بعض ملکوں نے ان پر عمل کرنا

شروع کر دیا تو پھر ہم یہ یقین کر سکیں گے کہ اگر طاقتوروں نے غلطی کی تو پھر بھی اس کا اتنا بڑا نقصان بنی نوع انسان کو نہیں پہنچے گا کیونکہ کمزور اپنی اصلاح کے ذریعے ان غلطیوں کی زد سے بچتے چلے جائیں گے اور اپنا دفاع وہ خود تیار کر لیں گے۔ اگر یہ نہ ہو تو آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ جنگیں ہوں گی غریب قومیں غریب قوموں سے لڑیں گی۔ امیر قوموں سے ہتھیار خریدیں گی اور اپنے غرباء کا خون چوس کر اپنے ساتھی غرباء کا خون بہانے کے انتظامات کریں گی۔

یہ اس دنیا کا خلاصہ ہے بڑا مکروہ خلاصہ ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جب اخلاق سے عاری ہو کر سیاست پر نظر کی جاتی ہے تو اس کے سوا اور کوئی خلاصہ نہیں نکل سکتا۔ پس اس رمضان میں خاص طور پر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو عقل اور تقویٰ اور انصاف عطا کرے اور جماعت احمدیہ کو یہ توفیق بخشے کہ انتہائی کمزور ہونے کے باوجود اپنی دعاؤں کے ذریعہ اس دور میں سب سے زیادہ اہم تاریخی کردار ادا کرے۔

رمضان المبارک عرفان الٰہی کے حصول کا مہینہ ہے

ان ایام میں اپنے بیوی بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ / مارچ ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

مواصلات کا نظام چونکہ دن بدن بہتر ہو رہا ہے اور بین الاقوامی تعلقات مواصلاتی ذرائع سے مضبوط تر ہوتے چلے جارہے ہیں اس لئے جماعتوں میں بھی خطبہ براہ راست سننے کا رجحان بڑھتا چلا جارہا ہے خصوصیت کے ساتھ ایسے مواقع جن میں جماعت کا خیال ہے کہ خاص مضامین پر مشتمل خطبے ہوں گے ان میں جماعتیں یہ پسند کرتی ہیں کہ کیسٹ کا انتظار کئے بغیر براہ راست خطبے سنیں۔ آج کے خطبے میں بھی حسب سابق ماریشس جو اس رجحان میں اولیت رکھتا ہے شامل ہے۔ ناروے، سویڈن، ڈنمارک جرمنی اور جاپان بھی شامل ہیں اور اسی طرح انگلستان میں برمنگھم، ہنسلو، ساؤتھ ہال، مانچسٹر، ایسٹ لندن، گلاسکو اور جلنگھم کی جماعتیں شامل ہیں۔ ان سب کو میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ اس قسم کے رجحان نیکی کی باتوں تک جلد پہنچنے کی حد تک تو درست اور قابل تعریف ہیں لیکن اس قسم کے خطبوں کو جو مواصلاتی ذرائع سے سنے جاتے ہیں براہ راست خطبوں یا جمعوں کا قائم مقام نہیں بنایا جاسکتا اس لئے اگر آپ کہیں جمعہ کے وقت میں شریک بھی ہیں تو جمعہ کی کارروائی الگ ہونی چاہئے۔ اس کارروائی کو جمعہ کا حصہ نہ بنایا جائے ورنہ اس سے اسلام میں بدعات پیدا ہوں گی اور بدرسوم داخل ہو جائیں گی۔ پس اس نصیحت کے ساتھ اب میں

اپنے اس مضمون کی طرف واپس لوٹتا ہوں جو کچھ عرصے سے عبادات کے سلسلے میں شروع کر رکھا ہے۔

گزشتہ خطبے میں میں نے یہ متوجہ کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حمد کے وقت اپنی ذات سے حمد کی نفی ضروری ہے ورنہ حقیقت میں خدا کی حمد کا اثبات نہیں ہو سکتا۔ اس مضمون کا تعلق دراصل **لا الٰہ الا اللہ** سے ہے **الٰہ** میں جس اللہ کی نفی ہے اور **الا اللہ** میں جس وجود کا بطور معبود اثبات ہے اس کے دونوں تقاضے ہیں کہ پہلے غیر اللہ سے ہر قسم کی تعریف اور ذاتی تعلق کی نفی ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ کا وجود ابھرتا ہے اور اگر کسی کپڑے پر ذاتی محبتوں کے رنگ بھی چڑھے ہوں اور خدا کے مقابل پر وہ رنگ قائم رہیں تو پھر خدا کا رنگ اس کپڑے پر نہیں چڑھتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان اپنی تعریف سے بالکل مستغنی ہو جائے کیونکہ اپنی تعریف چاہنا انسانی فطرت کا حصہ ہے بلکہ اسے شعلہ حیات کہنا چاہئے کیونکہ دنیا میں انسان جو بھی کام کرتا ہے اس میں بڑے محرکوں میں سے ایک اپنی تعریف چاہنا اور ایک اپنے متعلق بد گوئی سے بچنا ہیں اور یہ زندگی کے بہت ہی بڑے محرکات ہیں جیسے موٹروں میں پڑول چلتا ہے اسی طرح یہ دو طاقتیں ہیں جو انسانی زندگی کے عمل کو آگے بڑھاتی ہیں اس لئے یہ خیال نہ کیا جائے کہ اپنی تعریف چاہنا یا کسی دوسرے دوست کی تعریف کرنا جو اپنے محدود دائرے میں تعریف کا مستحق ہو، یہ شرک ہے۔ یہ ہرگز شرک نہیں لیکن شرک وہ بات ہے کہ انسان اپنی یا اپنے دوستوں یا عزیزوں کی تعریف پر جا کر ٹھہر جائے اور پردے پر راضی ہو جائے، نقاب پر راضی ہو جائے اور اس کی نگاہیں نقاب سے پار سرایت کر کے پیچھے اصل حسن کی تلاش نہ کریں۔ اگر یہ کیفیت ہو تو یہ بھی ابھی شرک نہیں بنے گی لیکن غفلت ہوگی اور دنیا میں اکثر لوگ غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے عظیم علم کلام میں ایسے دنیا داروں کو غافل کے طور پر بیان فرمایا ہے اور بڑی باریکی سے ان کی غفلتوں کا تجزیہ فرمایا ہے۔

پس غفلت یہ ہے کہ انسان اپنی تعریف کو اپنا کر اس پر اس طرح راضی ہو جائے گویا واقعی وہ اس کا مستحق تھا اور اس سے پرے کوئی اور قابل تعریف ذات نہیں رہی اور وہیں تعریف کا گویا رستہ بند کر کے اسے اپنے برتن میں ہی سمٹنے لگ جائے۔ یہ چیز غفلت کی کیفیت ہے جو بالآخر شرک پر منتج ہو جاتی ہے اور کئی قسم کی اور بھی برائیاں پیدا کرتی ہے۔ پس جب خدا کی ذات کے تعلق میں اپنی ذات کا سوچا جائے اور اپنی تعریف ہوتے دیکھ کر خدا کی طرف دھیان نہ جائے تو یہ خطرناک بات ہے جس

سے جماعت کو بچنا چاہئے ۔ خصوصاً عبادت کے وقت یہ ایک بہت اچھی ذہنی اور روحانی ورزش ہے کہ انسان جب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا عاشقانہ نعرہ بلند کرتا ہے تو تلاش کر کر کے اپنی حمد سے اپنے وجود کو خالی کرے اور یہ کوئی مصنوعی کوشش نہیں ہے۔ یہ حقیقی کوشش ہے کیونکہ جب آپ زیادہ گہری نظر سے ہر تعریف کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سے پہلے بھی جیسا کہ میں تفصیل سے اس بات پر روشنی ڈال چکا ہوں ، انسان کو ہر تعریف خواہ وہ غیر کی کرتا ہو یا اپنی ہو سطحی دکھائی دینے لگتی ہے اور اس تعریف کے پیچھے عوامل کا بے انتہاء لمبا دور ہے جو بالآخر اس تعریف پر منتج ہوئے جن کے نتیجے میں وہ تعریف پیدا ہوئی جس پر انسان کا کوئی بھی بس نہیں ۔کوئی بھی اختیار نہیں اور وہ خالصۃً اللہ کے فضل سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں ۔

حسن خواہ جسمانی ہو یا روحانی یا اخلاقی ہو۔ بدصورتی خواہ ذاتی جسمانی ہو یا اخلاقی یا روحانی ہو۔ ہر چیز کے پیچھے عوامل کارفرما ہیں اور ان عوامل میں جہاں تک تعریف کا تعلق ہے محض اللہ کا فضل ہے جس کے نتیجے میں دنیا میں ہم قابل تعریف بنتے ہیں یا ہمارا کوئی دوست یا کوئی منظر قابل تعریف دکھائی دیتا ہے۔اس پہلو سے اس مضمون پر غور ہونا چاہئے اور اس ضمن میں ایک مزید بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس حمد کا تعلق جب ہم خدا کے پیاروں سے جوڑتے ہیں اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مضمون سے باندھتے ہیں تو اس وقت ایک اور رستہ ہمارے سامنے کھلتا ہے اور ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اصل تعریف وہی ہے جو خدا کی طرف سے لوٹ کر آتی ہے۔اس مضمون پر بھی میں نے کسی حد تک روشنی ڈالی تھی لیکن اب اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مضمون سے اس تعلق کو جوڑ کر کچھ مزید روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

خدا تعالیٰ کی حمد سے بیان کے بعد باقی آیات سے گزرتے ہوئے جب ہم یہاں پہنچتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ کہ اے خدا! ہمیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا تو انعام جن لوگوں پر فرمایا گیا ہے ان کے ذکر کی تفصیل کا ہمیں علم ہونا چاہئے ۔وہ کیا کیا باتیں کیا کرتے تھے۔کون کون سی نعمتیں اور کون کون سے فضل اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل فرمائے تھے جن کے نتیجے میں ان میں ایک ایسا حسن پیدا ہوا کہ جو خدا کا پسند آنے لگا اور خدا کی آنکھ سے وہ لوگ محمود ہو گئے اور قابل تعریف کہلائے ۔اس پہلو

سے آپ کو گہری نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کرنا ہوگا اور خدا کے پیاروں، انعام یافتہ لوگوں کا جہاں جہاں ذکر ملتا ہے خواہ وہ نبی ہوں یا اس سے ادنیٰ درجے کے انعام یافتہ لوگ ہوں ان کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا کہ کن کن آزمائشوں سے وہ گزرے اور کن کن ٹھوکروں سے بچے۔ کون سے ایسے دوراہوں پر وہ کھڑے ہوئے جہاں ایک طرف اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کا راستہ تھا اور دوسری طرف مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ کا راستہ تھا۔ ایک قدم کی لغزش ان کو یا اس راہ پر چلا سکتی تھی جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کی راہ ہے اور ایک ہی قدم کی لغزش ان کو اس راہ پر بھی ڈال سکتی تھی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے غضب کی راہ اور ناراضگی کی راہ ہے وہاں انہوں نے کچھ فیصلے کئے اور ان فیصلوں کے نتیجے میں ان پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوئیں بعض دفعہ بڑی تلخی کی زندگیاں انہوں نے گزاریں۔ پس ان مواقع پر ان راہوں پر جہاں خدا کی خاطر تلخی برداشت کرنی پڑی وہ تمام تلخیاں نعمتیں ہیں۔ اسی کو آزمائش کہا جاتا ہے اور اگر وہ نعوذ باللہ من ذالک غلط راہ پر قدم اٹھاتے تو مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ میں داخل ہوتے لیکن بظاہر وہ راہ آسان دکھائی دیتی اور نعمتوں والی راہ دکھائی دیتی لیکن اس راہ کی سب نعمتیں قرآنی بیان کے مطابق خدا کے غضب کا مظہر ہیں اور ان کی ضلالت اور گمراہی کا مظہر ہیں تو اس مضمون پر غور کرنے سے نعمتوں اور فضلوں کا نیا مفہوم ذہن میں ابھرتا ہے اور انسان خدا کے ان بندوں پر جو آزمائش کے دور سے گزارے جاتے ہیں، رحم نہیں کرتا بلکہ ان پر رشک کرنے لگتا ہے۔ یہ عرفان کا وہ مقام ہے جس کے بغیر مومن صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکتا۔

اب پاکستان میں ہمارے مظلوم احمدی ہیں جن پر کئی قسم کے مظالم توڑے جارہے ہیں ان کیلئے ہمدردی پیدا ہونا غلط نہیں یہ ایک طبعی اور فطری بات ہے لیکن ان کو اپنے سے ادنی سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ وہ بے چارے تو مارے گئے۔ یہ جہالت ہے اور یہ عرفان کی کمی ہے ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ ہم سب خدا کے حضور پیش ہوں گے، اس وقت آج جو نسبتاً آسانی میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور خدا کی راہ میں آزمائشوں میں نہیں ڈالے گئے وہ ایک اور زاویے سے ان حالات کا جائزہ لیں گے اور وہ حسرت سے یہ کہیں گے کاش ہم ان کی جگہ ہوتے کیونکہ وہ نہیں مارے گئے جو ان مشکل کی راہوں پر خدا کے فضل نے انہیں ثبات قدم عطا فرمایا۔

پس یہ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کی ایک سیر ہے جس کو حمد کے مضمون کے ساتھ جب آپ

جوڑ کر اس دنیا کی سیر کرتے ہیں تو عجیب عجیب حسین نظارے دکھائی دیتے ہیں اور ایسے عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں کہ وہ ایک زاویے سے مکروہ دکھائی دیتے ہیں، دوسرے زاویے سے حسین دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اگر آپ کو وہ مکروہ دکھائی دیتے ہیں یعنی وہ واقعات جو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کی راہ پر گزر رہے ہیں، وہ واردات جو وہاں ہو رہی ہے اگر وہ باتیں آپ کو مکروہ دکھائی دیتی ہیں تو پھر آپ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کی راہ پر چلنے کے لائق نہیں۔ یہ سبق ہے جو آپ کو اس جائزے سے ملتا ہے آپ کو لازماً اپنے زاویہ نظر کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ اس حد تک اپنے نفس کی اصلاح کرنی پڑے گی کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے غلاموں پر جو مصیبتیں ٹوٹیں ان کے ذکر کے ساتھ آپ کا دل خون بھی ہو رہا ہو تو ان پر رشک کر رہا ہو اور دل یقین کرتا ہو کہ یہ تکلیفیں تو خدا کے محبوب بندوں کی تکلیفیں ہیں اور یہ وہ ایسی تکلیفیں ہیں جو ہزار زندگیاں دے کر بھی میسر آجائیں تو غلط سودا نہ ہوگا۔ یہ بظاہر تضاد کی بات ہے لیکن حقیقت میں یہی عرفان ہے جو سچا عرفان ہے۔

پس جب آپ اس پہلو سے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کا ایک نیا تصور دل میں باندھیں گے تو خدا کی راہ میں مشکل کی زندگی بسر کرنا مشکل دکھائی نہیں دے گا۔ مشکل ہوگا بھی تو اللہ کا فضل اس کو آسان کرتا چلا جائے گا کیونکہ وہ چیز مکروہ دکھائی دیتے ہوئے بھی آپ کو اپنے پس منظر میں حسین دکھائی دے گی۔ آپ یہ سمجھیں گے کہ کراہت کا ایک ظاہری پردہ ہے جو سامنے ہے، یہ دھوکا ہے اس کے پیچھے جنت ہے اور اس جنت کی خاطر اس تکلیف کے پردے سے آپ اپنے لئے گزرنا گوارا کر لیں گے پس حمد کا مضمون جب سورۂ فاتحہ کے باقی مضامین سے باندھ کر مطالعہ کیا جاتا ہے تو نئے نئے مطالب انسان کے سامنے ابھرتے رہتے ہیں او کھلتے رہتے ہیں اور نئی نئی راہیں عرفان کے سفر کی انسان کے سامنے دراز ہوتی رہتی ہیں جن پر قدم مارنے کی توفیق محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوتی ہے۔

اس ضمن میں میں جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ رمضان مبارک ہے اور خاص طور پر دعاؤں کے دن اور دعاؤں کی راتیں ہیں اس لئے جن لوگوں پر خدا نے انعام فرمائے ان کی زبان میں دعائیں یاد کریں اور قرآن کریم نے وہ دعائیں سب تو نہیں مگر ان میں سے اہم ترین دعائیں ہمارے لئے محفوظ فرما دی ہیں۔ پس مختلف انبیاء کی جو دعائیں آپ کو قرآن کریم میں ملتی ہیں ان کے علاوہ احادیث نبویہ میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی وہ دعائیں بھی ملتی ہیں۔ جو قرآن میں گزشتہ

انبیاء سے تعلق میں نظر نہیں آتیں مگر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے گزشتہ انبیاء کی دعاؤں کی فہرست میں عظیم الشان اضافے فرمائے ہیں۔ بعض دفعہ دوسروں کو نصیحت کی شکل میں اور بعض دفعہ خود دعائیں کرتے ہوئے ایسی دعائیں کیں جو قرآن کریم میں موجود نہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیں اور آپ کے صحابہ نے انہیں ہمارے لئے محفوظ کرلیا اور اس طرح ہمارے لئے ایک عظیم خزانہ پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اردو زبان میں ایسی دعائیں کی ہیں جو مختلف شکلوں اور مصیبتوں کے وقت دعا کرنے والے دل کو اتنا گداز کر دیتی ہیں کہ اس گداز دل کی کیفیت کے ساتھ انسان یہ یقین ہی نہیں کرسکتا کہ یہ دعا مقبول نہیں ہوگی۔ دعا کی قبولیت کے لئے دل کی زمین کا نرم ہونا ضروری ہے اور اسی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے زمیندار بونے سے پہلے زمین کو ہل چلاتا اور اس پر گوڈی کرتا اور اس پر اور محنتیں کرتا، کبھی سوہاگے پھیرتا اور پھر ہل چلاتا۔ یہاں تک کہ اس کو ایسا نرم اور مزیدار بنا دیتا ہے کہ جانوروں کا دل چاہتا ہے کہ وہ زمین پر لیٹیں اور لوٹیں اور بچوں کا بھی دل چاہتا ہے کہ اس پر خوب دوڑیں اور کھیلیں خواہ ان کے جسم مٹی سے بھر جائیں مگر اس زمین پر دوڑنے کا ایک عجیب اور الگ لطف ہوتا ہے وہ زمین ہے جو بتا رہی ہوتی ہے کہ یہاں بیج ڈالو تو بیج اگے گا۔ میری چھاتی تمہارے بیجوں کے لئے نرم ہو چکی ہے اور وہاں وہ بیج ضرور اگتا ہے۔

پس دعا کا بیج بھی اپنے اگنے کے لئے دل کی ایسی ہی زمین چاہتا ہے جسے نرم اور گداز کر دیا گیا ہو جو ایسی کیفیت میں ہو کہ اگر کوئی دوسرا اس دل کو دیکھے تو اس پر پیار آئے اور اس دل پر لوٹنے کو دل چاہے ایسی کیفیت میں جو دعائیں دل سے اٹھتی ہیں وہ ضرور مقبول ہوتی ہیں اور بسا اوقات ایسے دل سے اٹھنے والی دعا اٹھتے وقت انسان کو یہ خبر دے جاتی ہے کہ میں عرش الٰہی پر پہنچنے سے پہلے نہیں رکوں گی اور لازماً بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں گی۔ وہ ایک عجیب کیفیت ہے جو صاحب تجربہ کو معلوم ہوتی ہے جس کی کیفیت کو دوسرے تک جسے تجربہ نہ ہو بیان کے ذریعہ پہنچایا نہیں جاسکتا لیکن میں جانتا ہوں کہ اکثر احمدی کسی نہ کسی وقت ضرور ان تجارب سے گزرتے ہیں۔ پس انبیاء کے الفاظ میں دعا کرنا دل کے اندر وہ نرمی اور گداز کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ جس میں پھر دعا کا بیج بویا جاتا ہے اور ایک شجرۂ طیبہ بن کر اگتا ہے۔ جس کی شاخیں آسمان تک پہنچتی ہیں اور ان شاخوں کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ ضرور پھل لگتا ہے اور ہر موسم میں پھل لگتا ہے۔ یہ دعا کا شجر ایسا ہے جو کلمہ طیبہ کی

صورت میں دل میں پیوست ہو اور پھر آسمان تک اس کی شاخیں بلند ہوں تو اسے کسی بہار کی انتظار نہیں ہوتی وہ خود اپنی ذات میں بہار کا منظر پیش کرنے والا ایک سدا بہار ایسا درخت بن جاتا ہے جسے پھل لگتے ہی رہتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے ایسے درخت کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہی فرمایا کہ كُلَّ حِيْنٍ ہر حالت، ہر موقعہ پر، ہر کیفیت میں اس کو خدا تعالیٰ کے فضل سے پھل عطا ہوتے رہتے ہیں اور وہ کبھی بھی پھلوں سے محروم نہیں رہتا۔

پس یہ انبیاء کی وہ دعائیں ہیں جو ایسے دلوں سے نکلی تھیں جو دل دعاؤں کو قبول کرنے کے لئے انتہائی درجے پر تیار ہو چکے تھے اور جس کیفیت میں دعائیں دل سے اٹھی تھیں ان کیفیتوں کا ایک اثر پیچھے چھوڑ گئی ہیں اور وہ الفاظ ایسے ہیں جو زمانے کے ساتھ کبھی مر نہیں سکتے۔ وہ کیفیتیں ایسی ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو چکی ہیں۔ پس اگر آپ غور کر کے انبیاء کے الفاظ میں دعائیں کریں تو آپ کی دعاؤں کو بہت بڑی عظمت ملے گی اور پھر آپ کو پتا چلے گا کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کون لوگ ہیں؟ کیوں ان لوگوں پر انعام کیا گیا؟ اور یہ تعریف کا کلمہ ہے ان کے حق میں خدا نے کیوں فرمایا؟ کیسے کیسے یہ لوگ تھے؟ تو اگر چہ آپ خدا کے حضور اپنے وجود کو کلیۃً خالی کر چکے ہوں گے لیکن ایک اور حمد آپ کو عطا ہوگی جو آسمان سے عطا ہوگی اور ان آسمانی وجودوں کی معرفت آپ کو عطا ہوگی۔

اس ضمن میں ایک اور غلط فہمی بھی دور ہونی چاہئے۔ میں نے گزشتہ خطبے میں یہ کہا تھا کہ دعا کرتے وقت اپنی کسی تعریف کے حوالے سے دعا نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنے آپ کو خالی کر کے ایسے فقیر بنا کے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، جس کو دیکھ کر سخت دل کو بھی رحم آ جائے ایسی کیفیت کے ساتھ دعا کرنی چاہئے۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ بعض لوگوں کو ایک حدیث کے نتیجے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ گویا یہ مضمون آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے نعوذ باللہ من ذالک مخالف ہے۔ وہ حدیث ہمیں تین ایسے آدمیوں کا پتا بتاتی ہے جو ایک غار میں کسی کام کی غرض سے گئے۔ پیچھے زلزلے کے نتیجے میں ایک بہت بھاری چٹان لڑھک کر اس غار کے منہ پر آ پڑی اور غار کا منہ بند ہو گیا اور ان کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی اور بالکل بے طاقت تھے کہ وہ اس پتھر کو سر کا سکیں۔ تب ان میں سے ایک نے یہ سوچا کہ میں نے اپنی زندگی میں نیکی کا وہ کونسا ایسا کام کیا ہے کہ جس کے حوالے سے میں دعا

مانگوں تو اللہ تعالیٰ کو رحم آ جائے گا اور اس نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنی ایک ایسی نیکی ڈھونڈی اور پھر اس نیکی کے حوالے سے دعا کی تو وہ پتھر کچھ سرک گیا۔ پھر دوسرے شخص نے بھی اسی کی مثال پکڑی اور اپنی نیکیوں پر نظر ڈال کر، اپنی زندگی پر نظر ڈال کر ایک ایسی نیکی تلاش کی جس کے متعلق وہ سمجھتا تھا کہ خاص مقام رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند آئے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی عرضداشت پیش کی اور وہ مقبول ہوئی اور وہ پتھر کچھ اور سرک گیا لیکن ابھی ان کے نکلنے کی راہ کافی نہیں تھی۔ پھر تیسرے کو بھی یہی خیال آیا اور اس نے بھی اپنی ایک نیکی تلاش کی اور بالآخر وہ پتھر مزید ہٹ گیا اور ان تینوں کے نجات کی راہ نکل آئی۔ یہ مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اپنی نیکیوں کے حوالے سے تعریف کرنا نہ صرف جائز بلکہ ایک اعلیٰ درجے کی گویا خوبی ہے لیکن جو لوگ یہ نتیجہ نکالتے ہیں وہ اس حدیث کے مفہوم کو نہیں سمجھتے کیونکہ اگر اس حدیث کا یہ مفہوم ہوتا تو انبیاء کی دعاؤں میں ہمیں کہیں تو ایک جگہ ایسی دعائیں جس میں خدا کے کسی نبی نے اپنی نیکی کے حوالے سے دعا کی ہو۔ میں نے تو گہری نظر سے قرآن کریم کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہے، احادیث کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے کہیں اشارۃً بھی کوئی ایسی دعا دکھائی نہیں دی جس میں کسی نبی نے بھی یہ عرض کیا ہو کہ اے خدا! میں یہ ہوں اور میری اس نیکی پر نگاہ ڈال اور میری خاطر یہ کام کر دے کہیں کوئی ذکر نہیں۔ اپنے آپ کو بالکل تہی دامن کر دیا ہے۔ خالی ہاتھ دکھایا ہے ایسا کشکول ہے جس میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ روحانی لباس میں وہ لوگ اس طرح خدا کے حضور ظاہر ہوئے ہیں کہ تقویٰ کے لباس سے مزین ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو اس طرح پیش کر رہے تھے جیسے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس کوئی فقیر ہو اور فقیر بن کر اس کی راہ میں بیٹھے تھے اور فقیر بن کر دعائیں کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ دعا دیکھیں رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۵) اے میرے رب! لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ جو بھی خیرات تو میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا فقیر بنا بیٹھا ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ پس انبیاء کی دعاؤں پر غور کرنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے کبھی دعا کی قبولیت کی خاطر اپنی خوبی یا نیکی کا حوالہ نہیں دیا۔ پھر یہ حدیث اگر ان معنوں میں لی جائے جو میں نے بیان کئے ہیں تو اس تمام تاریخ انبیاء سے ٹکرا جائے گی جو درست نہیں ہے۔ اس حدیث کا اور معنی ہے۔

اس حدیث کو میں اس نظر سے دیکھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ ان بندوں کی خوبی یا ان کی چالا کی نہیں بتا رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عظمت کا بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بتا رہے ہیں کہ ایسے تہی دامن لوگ جن کو ساری زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد وہ نیکی دکھائی دی جو عام معیار سے کوئی خاص نیکی بھی نہیں کسی معصوم عورت کی عزت نہ لوٹنا بھلا کونسی نیکی ہے اور فاقہ کشی کے وقت میں، ایسے وقت میں جب کہ انسان کا دل نرم ہو چکا ہوتا ہے اور نرم ہونے کے بعد بجائے کسی اجرت کی طلب کے ویسے ہی انسان جو کچھ گھر میں ہے وہ غریبوں کے لئے خرچ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے سخت تکلیف کے دور میں کسی کی عزت کا سودا نہ کرنا یہ کون سی نیکی ہے۔

پس آنحضرت ﷺ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایسے تہی دامن اور گنہگار لوگ جن کی ساری زندگی میں کوئی نیکی نہیں تھی اور ایک بدی سے بچنا ہی گویا ان کی نیکی تھی۔ جب اس کا حوالہ دیا گیا تو اللہ اتنا رحمان ہے اور اتنا رحیم اور اتنا بخشش کرنے والا ہے کہ اس نے کہا۔ ہاں میرے بندے! اگر یہ نیکی ہے تو یہ بھی قبول ہے، اگر یہ ہے تو یہ بھی مقبول ہے گویا وہ مضمون یہ ہے کہ خدا تو کھوٹے پیسوں سے بھی بعض دفعہ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اتنا بخشش کرنے والا۔ اتنا التجاؤں کو قبول کرنے والا ہے کہ اس سے اگر تم ہمیشہ دعا کے تعلق سے اپنے محبت کے رشتے مضبوط نہ کرتے رہو تو تمہاری محرومی ہے۔ وہ تو ہر وقت قریب ہے۔ ہر وقت سننے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کو بعض لوگ غلط سمجھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنی نیکیوں کے حوالے سے خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں وہ پتھر تو ان کی زندگی میں ایک دفعہ گرا لیکن میں جانتا ہوں کہ ہماری زندگی میں مصیبتوں کے پتھر روز گرتے رہتے ہیں۔ کون انسان ہے جو اس تجربے سے نہیں گزرتا۔ کوئی دن ایسا نہیں آتا جو کسی نہ کسی پہلو سے تلخیاں لے کر نہیں آتا۔ کبھی اپنا غم، کبھی کسی دوست کا غم، کبھی رشتے دار کی تکلیف، کبھی دشمن کی طرف سے ڈراوے اور کئی قسم کے خوف کبھی عالمی خوف، کبھی علاقائی خوف، انسان کی ساری زندگی تو مصیبت کے پتھروں میں گری پڑی ہے اپنی کتنی نیکیاں آپ ڈھونڈ نکالیں گے کہ وہ پتھر سرکنے شروع کریں۔ ایک ہی علاج ہے اور وہ علاج وہ ہے جو انبیاء نے ہمیں سکھایا ہے کہ خدا کے حضور کامل عجز اور انکسار کے ساتھ حاضر ہوں۔ اپنی نیکیوں پر انحصار کر کے دعائیں نہ مانگو۔ خدا کے فضلوں پر انحصار کر کے دعائیں مانگو اور اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہم تہی دامن ہیں۔ سب تعریف تیرے لئے ہے جو کچھ ہمیں اچھا دکھائی دیتا

ہے وہ بھی تیری وجہ سے ہے اور تو نے بنایا ہے تو اچھا ہے۔ جو کچھ ہم نے کمایا اس کمانے کی توفیق بھی تو نے ہی دی اور اس پہلو سے انسان جب اپنی ساری زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو اتنے مواقع دکھائی دیں گے کہ جب وہ ہلاک ہوسکتا تھا اور اپنی کمزوریوں اور بدیوں کی وجہ سے ہلاک ہوسکتا تھا۔ اگر خدا اس کی پردہ پوشی نہ کرتا تو ایسے مواقع بھی ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں کہ ایک دفعہ پردے کا چاک ہونا اس کی ہلاکت کا سامان پیدا کرسکتا تھا، کچھ بھی اس کا باقی نہ رہتا۔

پس جہاں یہ کیفیت ہو وہاں کوئی فَرِحٌ فَخُوْرٌ بے وقوف ہی ہوگا جو اپنی نیکی کے حوالے دے دے کر خدا سے مانگنے کا عادی بنے۔ کہاں سے اتنی نیکیاں لائے گا جب کہ بدیوں کا پلہ اتنا بھاری ہے اور کہاں سے ایسی نیکیاں لائے گا جس کی جزاء خدا نے نہیں دی کیونکہ خدا کا تو سارا زندگی کا تعلق ان باتوں کی جزاء دکھائی دیتا ہے جو ہم نے کبھی کی نہیں۔ یکطرفہ رحم کا سلوک ہے۔ یکطرفہ احسان کا سلوک ہے اور لامتناہی ہے۔ ہر ہر سانس خدا کے احسان کا ممنون ہے تو ایسی کیفیت میں حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کلیۃً ہتھیار ڈال دے۔ خالی ہاتھ اور نہتہ ہو جائے اور خدا کے حضور عجز اور انکسار سے دعائیں مانگے۔ پس یہ وہ مفہوم تھا جو میں کھولنا چاہتا تھا یہ مراد نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک کہ حدیث نبوی کے کسی مضمون کے کوئی مخالف بات سمجھا رہا تھا بلکہ حدیث نبوی کے مضمون کے عین مطابق بات سمجھا رہا تھا اور یہی میں اب بھی سمجھاتا ہوں کہ جب دعائیں کریں تو اس کا آغاز حمد سے ہونا چاہئے اور حمد وہ جو آپ کے دامن کو بالکل خالی کر دے۔ جو کچھ ہے وہ خدا کے حضور پیش کر دیں لیکن دنیا کے کاروبار میں ہمیں بالعموم اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض انسان غفلت میں بلکہ میں سمجھتا ہوں بہت بڑی تعداد ہے جو خدا کی تعریف بھی کر رہے ہوتے ہیں تو ایسے برتن میں ڈالتے ہیں گویا چھلنی ہے نیچے ان کا اپنا برتن ہوتا ہے خدا کی تعریف چھلنی میں سے نکل نکل کر ان کے برتن کو بھرتی رہتی ہے اور خدا کی جو چھلنی ہے وہ خالی رہتی ہے۔ اس کے برعکس خدا کے بعض مومن بندے ایسے ہیں جن کی تعریف کی جائے تو یوں لگتا ہے کہ وہ تعریف چھلنی پر گری ہے اور اس کے نیچے خدا کی حمد کا برتن پڑا ہے جو تعریف ان کی ہو خواہ ان کا اپنا نفس کسی وقت کرے یا غیر اس کی تعریف کرے وہ ان کے دل کی چھلنی سے نکل کر خدا کے دائمی برتن کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہ تعریف کا وہ تعلق ہے جسے سمجھنا چاہئے۔ اگر ایک انسان صحیح معنوں میں خدا تعالیٰ کا

عرفان حاصل کر چکا ہو۔ (عرفان تو کوئی انسان صحیح معنوں میں مکمل طور پر کر ہی نہیں سکتا) میری مراد یہ ہے کہ عرفان کے حصول کا نکتہ سمجھ جائے تو وہ ہمیشہ محسوس کرے گا کہ جب وہ کسی کی تعریف کرے یا جب کوئی اس کی تعریف کرے تو وہ آخری مقام نہیں ہے بلکہ اس سے پرے ایک مقام ہے اور جو بھی تعریف کا مستحق نظر آتا ہے اس کے پیچھے ایک سمندر ہے جس کا وہ ایک معمولی حصہ ہے۔ ویسا ہی ہے جیسا کہ غالبؔ نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے

؎ قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا (دیوان غالب صفحہ:۵۹)

کہ اگر تمہیں قطرے میں سمندر دکھائی نہیں دیتا یعنی کسی قابل تعریف بات میں تمہیں خدا تعالیٰ کی قابل حمد ذات دکھائی نہیں دے رہی اور یہ پتا نہیں لگتا کہ یہ قطرہ خدا کے سمندر کا ایک حصہ ہے تو یہ پھر دیدۂ بینا نہیں ہے۔ یہ تو بچوں کا ایک کھیل ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ غالب نے انہی معنوں میں یہ شعر کہا ہوگا لیکن مجھے تو صرف انہی معنوں میں یہ شعر اچھا لگتا ہے اور انہی معنوں میں تعریف کے لائق بھی ہے کیونکہ یہ شعر خدا کی تعریف سے منسلک ہو جاتا ہے۔

پس یہ وہ معنی ہیں جس کو ملحوظ رکھتے ہوئے حمد کرنی چاہئے اور خوبصورت چیزوں پر نگاہ کرنی چاہئے اور خوبصورت چیزوں سے محبت کرنی چاہئے یعنی وہ محبت ان تک ٹھہر نہ جائے بلکہ ان کے وجود سے پار نکل جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم ہے

؎ کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

کہ دیکھو عالم میں کیسا خوبصورت نور پھیلا پڑا ہے۔ جیسے چاندنی راتوں میں ہمیں مشرق میں تجربہ ہے، ویسی چاندنی راتیں مغرب میں نہیں دیکھی جاتیں۔ وہ منظر ہی اور ہوتا ہے جو مشرق میں چاند ابھرتا ہے یا کسی ٹھنڈے دن خوبصورت دھوپ مغرب میں نکلتی ہے تو اس وقت دن کی روشنی کا جو لطف آتا ہے وہ مشرق میں کم دکھائی دیتا ہے۔ کسی کو خدا نے راتیں خوبصورت دی ہیں کسی کو دن خوبصورت دیدیئے ہیں۔ اگر نظر وہیں ٹھہر جائے اور ایک روزمرہ کے انگریز کی طرح آپ یہ کہیں What a beautiful morning اور وہیں بات کھڑی ہو جائے تو یہ غفلت ہے لیکن

اگر آپ اس دل سے پیچھے چلے جائیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ سے اس نور کا لطف اٹھا رہے ہوں تو بے اختیار دل سے یہی کلام جاری ہوگا۔

؎ کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا

تمام نوروں کا جو سر چشمہ ہے اس کے نور کا ایک معمولی حصہ اس خوبصورت دن یا اس حسین رات کی شکل میں ظاہر ہوا ہے:

؎ بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

تمام جہان، ساری کائنات یوں لگتا ہے ایک شیشہ بن گئی ہے جس میں ہمیں خدا کا حسن دکھائی دینے لگا ہے پس حمد کی نفی اور حمد کا اثبات یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود رہتی ہیں۔ غیر اللہ میں حمد ہوتی ہے کیونکہ اسی نے پیدا کی ہے لیکن اگر اس کی پیدا کردہ چیزوں تک حمد ٹھہر جائے تو وہ غفلت کی زندگی ہے جو بعض دفعہ شرک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ایسی غفلت کی زندگی ہے جو بعض دفعہ نہیں بسا اوقات شرک میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اگر خالق کے حسن کی طرف نگاہ آگے چل پڑے اور انسانی محبتوں کا جلوس آگے قدم بڑھائے اور خدا کی طرف حرکت کرنے لگے تو پھر یہ ایک عارفانہ زندگی ہے۔

پس سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت جب آپ ان راہوں میں چلیں تو میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں انبیاء کی راہوں کی تلاش کریں اور انبیاء کی دعائیں خود بھی سیکھیں اور ان پر غور کریں اور اپنے بچوں کو بھی سکھائیں۔ پھر اسی طرح غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی آیت ہے۔جن لوگوں کی راہ آپ نہیں دیکھنا چاہتے ان کی تاریخ قرآن کریم میں لکھی ہوئی ہے۔کن کن راہوں سے وہ گزرتے تھے۔ بظاہر کتنے عظیم الشان فتح یاب دکھائی دیتے تھے۔جن کے بڑے بڑے قلعے تھے اور بڑی بڑی حکومتیں اور ان کے بڑے بڑے دبدبے تھے جن سے انسان دور دور تک لرزے کھاتا تھا اور انہوں نے بڑی جنتیں بنا رکھی تھیں لیکن وہ ساری رفتہ رفتہ مٹ گئیں۔تہہ خاک ہو گئیں اور سوائے تاریخ کے ان کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ان کی قبروں سے پھر کچھ اور ناداں قومیں اسی طرح اٹھیں اور پھر انہوں نے دنیا کی بڑی بڑی عظمتیں حاصل کیں مگر خدا سے تعلق نہیں جوڑا پھر وہ بھی صفحہ ہستی سے غائب ہوئے لیکن تاریخ میں نیکیوں کا ذکر پیار اور محبت اور دعاؤں کے ساتھ جاری رہا اور آخر تک

ان پر سلام بھیجے گئے لیکن یہ جو پہلی قومیں تھیں جن کی بڑائی اور عظمت وقتی طور پر تھی اور خدا سے تعلق کے نتیجے میں نہیں بلکہ دنیا سے محبت کے نتیجے میں تھی ان کے مٹنے کے ساتھ ان کی حمد بھی مٹ گئی اور ان کی برائیاں باقی رہ گئیں اور مورخین نے پھر ان پر لعنتیں ڈالنی شروع کیں کہ وہ ایسے ظالم، ایسے سفاک تھے۔ان کی عظمتوں میں ہمیشہ کوئی بدی دکھائی دے گی۔

پس خدا تعالیٰ نے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کی راہ بھی خوب کھول دی ہے اور الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کی راہ بھی خوب کھول دی ہے قرآن کریم میں اس کی وضاحت سے ذکر موجود ہے۔پس آج کل رمضان میں خصوصیت کے ساتھ اپنے گھروں میں اس مضمون کو جاری کرنا چاہئے اور اس دلچسپ مضمون کے ذریعے اپنے بچوں کی علمی اور اخلاقی اور عملی تربیت کرنی چاہئے ۔قرآن کریم ایک موقعہ پر فرماتا ہے۔

وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا ﴿۲۸﴾ یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ﴿۲۹﴾ لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۳۰﴾ وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ﴿۳۱﴾ (الفرقان: ۲۸ تا ۳۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا دن آئے گا جب ظالم اپنے انگلیوں کے پورے تکلیف اور بے چین اور بے قراری اور حسرت کے ساتھ چبائے گا۔یقول یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا کہ اے کاش میں اپنے رسول کے ساتھ راہ اختیار کرتا۔اس راہ پر پڑتا جس راہ پر رسول چلا تھا اس لئے یہ جو ذکر میں کر رہا ہوں یہ صرف تاریخی ذکر نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ جس راہ پر چلے ہیں وہ راہ آج ہمارے لئے محفوظ کر دی گئی ہے اور اسی کو ہم صِرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کہتے ہیں۔پس صرف دعاؤں کی حد تک نہیں بلکہ روزمرہ کی عملی زندگی میں آج بھی ہمیں اس رسول کے ساتھ سفر اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے ۔اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو قرآن کریم فرماتا ہے وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡهِ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کاٹے گا اور کہے گا

کاش مجھے رسول کی معیت نصیب ہوتی اور میں اس راہ پر چلتا جس راہ پر رسول نے مجھے ڈال دیا تھا۔ پھر فرمایا وہ کہے گا یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا ۔صرف اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا مضمون نہیں ہے بلکہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کا مضمون بھی بیان ہوا ہے وہ کہے گا وائے حسرت اے کاش ! میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا اوراس کے طریق اختیار نہ کرتا۔ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ اس نے مجھے ذکر ملنے کے بعد پھر اس ذکر سے گمراہ کر دیا وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا اور شیطان کی تو یہ فطرت ہے کہ وہ موقعہ پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور گمراہ کرنے کے بعد پھر آپ غائب ہوجاتا ہے اور انسان کو مصیبتوں میں مبتلا چھوڑ کر اس سے دغا بازی کر جاتا ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا اور رسول خدا کے حضور یہ شکایت عرض کرے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو مَھْجُوْرًا کی طرح چھوڑ دیا۔

پس ذکر سے مراد قرآن کریم ہے گویا یہ مضمون ہمیں صرف ماضی میں نہیں بلکہ حال کی دنیا اور ہمیشہ مستقبل کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ آنے والی نسلوں کو مستقبل کی دنیا میں لے جاتا ہے اور موجودہ نسلوں کو حال کی دنیا میں اور یہ بتاتا ہے کہ وہ راہیں ماضی سے تعلق نہیں رکھتیں جن کو تم اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی راہ کہتے ہو اور وہ راہیں بھی صرف ماضی سے تعلق نہیں رکھتیں جن کو تم مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کی راہیں کہتے ہو بلکہ قرآن کریم اور سنت محمد مصطفی ﷺ کی شکل میں آج تمہارے سامنے پڑی ہیں پس تم کیسی دعائیں مانگتے ہو کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اے خدا! ہمیں صِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دکھا اور ان راہوں پر چلا جوان لوگوں کی راہیں تھیں جن پر تو نے انعام فرمایا اور وہ راہیں تمہارے سامنے کشادہ اور کھلی پڑی ہیں اور تم ایک قدم آگے نہیں بڑھاتے اور پھر یہ دعا مانگتے ہو کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ جو لوگ ہیں ان کی اور ضالین کے گروہ کی راہوں سے ہمیں بچا۔ ان راہوں پر ہم قدم نہ ماریں جن پر مغضوب چلتے رہے اور جن پر گمراہ لوگ چلتے رہے اور جب ان دو راہوں میں سے ایک اختیار کرنے کا وقت آتا ہے تو روزمرہ کی زندگی میں تم الْمَغْضُوْبِ اور الضَّآلِّیْنَ کی راہ میں چل پڑتے ہو لیکن قیامت کے دن تم حسرت سے یاد کرو گے اور کہو گے، اے کاش !ایسا نہ ہوتا۔ کاش ! ہم اس سے پہلے مر چکے ہوتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ کو چھوڑ کر ایک

ایسے بدبخت کی راہ اختیار کر لیتے جس نے ہمیں ذکر سے یعنی قرآن کریم سے پرے ہٹا دیا پس ہر ایسا دوست جو خدا تعالیٰ کی راہ میں قدم بڑھانے سے مانع ہو۔ ہر ایسا تعلق جس کے نتیجے میں انسان رفتہ رفتہ نیکیوں سے محروم ہوتا چلا جائے اور پیچھے ہٹتا چلا جائے اور بدیوں کی طرف بڑھنا شروع کر دے تو وہی خلیل ہے، وہی الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی راہ دکھانے والا ہے، وہی ضَآلِّيْنَ کی راہ دکھانے والا ہے۔ پس ایسے تعلقات سے پرہیز کریں اور صحبت صالحین اختیار کریں یعنی ایسے لوگوں سے تعلق بڑھائیں جن کے نتیجے میں آپ کو قرآن کے ساتھ محبت بڑھتی ہو اور رسول کے ساتھ محبت بڑھتی ہو۔ اس ذکر کو اپنے گھروں میں عام کریں۔ آج کل بہت ہی اچھا موقعہ ہے۔ نمازوں کی طرف توجہ ہے۔ بچے بھی اٹھتے ہیں۔ اگر وہ روزے نہیں رکھ سکتے تو سحری کھانے کے لئے اٹھ جاتے ہیں اگر ایک روزہ نہیں رکھ سکتے تو بعض بچے ایک دن میں دو دو تین تین روزے رکھتے ہیں۔ ایک بچے سے میں نے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ کتنے روزے رکھے تو اس نے کہا: آج میں نے پانچ روزے رکھے تو بڑوں سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن روزے کا احترام ہے۔ مجھے یہ جواب سن کر بڑی خوشی ہوئی اس کے دل میں روزے کا پیار ہے۔ وہ اسے قابل فخر سمجھتا ہے اس لئے اس نے دن میں پانچ دفعہ کھانا کھایا تو اس نے کہا میں نے پانچ روزے رکھے ہیں۔ ان پانچ روزے رکھنے والوں کو پانچ نمازوں کی بھی عادت ڈالیں۔ ان کو بتائیں کہ یہ نمازیں تو تم پڑھ سکتے ہو اور نماز کے طریق سمجھائیں حمد کی جو باتیں آپ سنتے ہیں وہ آگے ان کو ذہن نشین کروائیں اور گھر میں پیار کی مجلسیں لگائیں عورتوں بچوں کی مجالس اور ان کو سمجھائیں کہ اس طرح عبادت کی جاتی ہے۔ یہ یہ مقاصد ہیں۔ پھر جن کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ روزہ رکھ سکیں ان کو ساتھ ساتھ یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ روزہ محض صبح کچھ کھانے سے نہیں رکھا جاتا کیونکہ محض کھانے سے تو جسم کو غذا ملتی ہے اور یہ مہینہ روح کی غذا کا ہے۔ اس لئے تم صبح نفلی عبادت بھی کیا کرو پس یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ جسم کی غذا کو خدا نے کم کیا ہے اور روح کی غذا کا ایک تعلق روح سے ہے جس میں اس کی غذا کو بڑھایا گیا ہے۔ پس اگر تم روح کی غذا بڑھاؤ گے نہیں اور محض جسم کی غذا گھٹاتے چلے جاؤ گے تو یہ فاقہ کشی ہے، روزہ نہیں۔

اس مضمون کو آرام سے نرم لفظوں میں بچوں کی زبان میں ان کو سمجھائیں اور ان کو نوافل پڑھوانا شروع کریں۔ اس چھوٹی عمر میں اگر نفلوں کی عادت پڑ جائے اور احساس ہو کہ میں نے وقت

کے اوپر اٹھنا ہے اور نفل پڑھنے ہیں تو وہ عادت بعض دفعہ ہمیشہ کے لئے دل پر نقش ہو جاتی ہے اور انسانی فطرت کا حصہ بن جاتی ہے، میں نے جو تہجد پڑھنے والے اکثر لوگ دیکھے ہیں وہ وہی جن کو بچپن میں عادت پڑی ہے یا جن کے گھروں میں بعض بزرگ تہجد پڑھا کرتے تھے اور بچپن میں انہوں نے دیکھا۔ دل پر اس کی عظمت بیٹھ گئی۔ خواہ وقتی طور پر وہ نہ بھی پڑھ سکے ہوں بعد میں ان کو عادت پڑ گئی مگر جو گھر ذکر سے خالی ہوں وہ یٰلَیْتَنِی والی بات ہے کہ کاش ان کی دوستی ہمیں نصیب نہ ہوتی جہاں تہجد تو درکنار نمازوں کا بھی اہتمام نہ ہو وہ زندگی سے خالی گھر ہیں وہاں جو بچے پلتے ہیں ان کی حالت سخت قابل رحم ہے لیکن بہت سے ایسے گھر ہیں جو رمضان کے مہینے میں جاگ اٹھتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں ان میں زندگی کی چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور ان گھروں کو خود بھی عبادت پر ہمیشہ قائم رہنے کے عزم کرنے چاہئیں اور رمضان مبارک میں بچوں کو عبادت کی عادت ڈالنی چاہئے۔ بعض دفعہ جو عادت بچے اختیار کرتے ہیں اس پر وہ قائم رہتے ہیں اور بڑے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ پھر بچے ان کو یاد کراتے ہیں اور کہتے ہیں: بھئی! آپ تو ہمیں کل کہہ رہے تھے کہ نماز پڑھا کرو اور تہجد پڑھا کرو۔ آپ تو اب مزے سے رات کو دیر تک باتیں کرتے ہیں اور صبح دیر سے اٹھتے ہیں تو یہ کیا بات ہوئی؟ بچہ بعض دفعہ بے تکلفی سے اپنے ماں باپ کو ایسی باتیں سنا دیتا ہے کہ اگر کوئی باہر سے سنائے تو اس سے لڑائی ہو جائے۔ تو یہ دن ہیں ان سے زیادہ استفادہ کریں۔ اللہ ہم سب کو ذکر کی توفیق عطا فرمائے اور سب سے زیادہ لذت ہمیں عبادت کے ذریعے خدا سے تعلق میں پیدا ہو جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کوئی اور لذت ایسی نہیں جیسی خدا کی محبت میں ملتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

کی عظیم دعا، رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی برکات

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵/اپریل ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

رمضان المبارک اپنے آخری مراحل میں داخل ہو رہا ہے اور آج رات سے وہ عشرہ شروع ہوگا جس عشرہ میں ایسی مبارک گھڑیاں بھی آتی ہیں جب خدا تعالیٰ کے فضل سے قبولیت خود آسمان سے نیچے اترتی ہے اور دعاؤں کو دلوں سے اٹھاتی ہے اور ایک ایسی رات بھی آنے والی ہے جسے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے جس کے متعلق فرمایا کہ وہ ساری عمر کی تمام راتوں سے بہتر رات ہے اگر اس کی برکتیں نصیب ہو جائیں تو انسان کی زندگی بن جائے۔ پس یہ وہ دن ہیں جو خاص دعاؤں کے دن ہیں خاص محنت کے دن ہیں۔ یہ وہ راتیں ہیں جن راتوں کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اس طرح زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح روشن کر دیا کرتے تھے کہ دنوں کی روشنی سے ان کی روشنی بڑھ جاتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ آنحضور ﷺ جو ہمیشہ عبادت پر مستعد رہتے ہیں ان راتوں میں تو یوں لگتا تھا کہ کمر کس لی ہے اور ایسے مستعد ہو گئے گویا آرام کو بھول گئے۔ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو سہولت کی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ اتنی محنت نہ کر، اسے کچھ کم کر دے۔ پس یہ وہ عشرہ ہے جو بہت سی برکتیں لے کر آنے والا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے زیادہ سے زیادہ بندوں کو اس عشرے کی برکتوں سے

نوازے اور ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی نظر میں ان برکتوں کے مستحق ٹھہریں۔

بہت سے کمزور ہیں جو اس عشرے میں جاگ اٹھتے ہیں جو سارا سال غفلت میں پڑے سوئے رہتے ہیں ان کے لئے بھی ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ ان کی آنکھ ایسی روشنی میں کھلے کہ پھر انہیں ہمیشہ کے لئے روشنی سے محبت ہو جائے اور سوائے مجبوری کے پھر وہ آنکھیں بند کرنے والے نہ ہوں ایسے بھی لوگ ہیں جو اس عشرے سے ڈرتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں کہ شاید ہم اس کا حق نہ ادا کر سکے ہوں۔ایسے بھی ہیں جو روزے نہیں رکھ سکتے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اور وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی سب خلقت اس کی رحمتیں لُوٹ رہی ہے اور ہم محروم ہوئے بیٹھے ہیں۔اگرچہ قرآن کریم میں ان کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ تم پر کوئی حرج نہیں۔تمہارا کوئی جرم نہیں اور خدا تعالیٰ تم سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔مگر دلوں کا کیا علاج کہ وہ اپنے آپ کو محروم سمجھتے اور اس محرومی میں جلتے ہیں ان کے لئے بھی ہمیں دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سکینت کے سامان فرمائے اور ان کی محرومیوں کو عنایات میں تبدیل فرمادے اور ان کی دعاؤں کو جس حال میں بھی وہ ہیں اس حال میں سنے۔ایسے بھی ہوں گے جو اٹھ نہیں سکتے۔جو کھڑے ہو کر عبادت ادا نہیں کر سکتے۔ایسے بھی ہیں اور ہوں گے جو بیٹھ بھی نہیں سکتے اور مجبور بستروں پر پڑے رہتے ہیں ایسے بھی ہوں گے جو کروٹ تک نہیں بدل سکتے ایسے بھی ہوں گے جو لب تک نہیں ہلا سکتے۔پس ان سب مجبوروں کو بھی ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مجبوریوں اور بے بسیوں پر رحمت کی نظر فرمائے اور ان کے دلوں سے وہ دعائیں اٹھائے جن کا میں نے ذکر کیا ہے کہ بسا اوقات اس عشرے میں خدا کی قبولیت آسمان سے زمین پر اترتی ہے اور دلوں سے دعاؤں کو اٹھا کر عرش تک پہنچا دیتی ہے۔

اس خاص عشرے کے دوران یہ حسن اتفاق ہے یا اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے کہ وہ مضمون بھی اپنے آخری مراحل میں داخل ہو رہا ہے جو میں گزشتہ کچھ عرصے سے سورۂ فاتحہ سے متعلق بیان کر رہا ہوں اور ان دونوں باتوں کا انطباق ہو چکا ہے۔پس آج کے مضمون میں میں اس حصے کی طرف احباب جماعت کو متوجہ کروں گا۔پہلے بھی میں مختصراً ذکر کر چکا ہوں لیکن اب زیادہ تفصیل سے متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہتے ہیں تو ہم کیا دعا مانگتے ہیں اور ہمیں کیا دعا مانگنی چاہئے۔یہ ہے تو ایک دعا لیکن ایک ایسے برتن کی طرح ہے

جسے ہم نے اپنے جذبات اور اپنی امنگوں سے بھرنا ہے اور اپنے خیالات اس میں ڈال کر ان خیالات کو دعاؤں میں تبدیل کرنا ہے۔

اس ضمن میں یاد رکھنا چاہئے کہ جب ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تو اس دعا کے دو رخ ہیں۔ایک پہلے کی طرف اور ایک بعد کی طرف۔ پہلے رخ کے لحاظ سے ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا جس کا حسن سورۂ فاتحہ نے ہم پر ظاہر فرمایا ہے جس نے ہم کو چکا چوند کر دیا ہے، ہماری نظروں کو چکا چوند کر دیا ہے اور ہمارے دل میں عشق کا شعلہ بھڑکا دیا ہے ہم تیری عبادت کرنا چاہتے ہیں اور صرف تیری عبادت کرنا چاہتے ہیں لیکن تیری مدد کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے پس وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں کہ عبادت کا حق ادا کریں اور عبادت کے سب فیض پانے کے لئے بھی تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ رخ تو پہلے کی طرف ہے۔

سورۂ فاتحہ کا اعجاز ہے کہ اس نے اس دعا کو ایسے مرکز میں رکھا کہ دونوں طرف برابر چسپاں ہوتی ہے۔آئندہ کے لئے اس دعا کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اے خدا! ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور اس معاملے میں تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہمیں سیدھے راستے پر چلا کیونکہ اس راستے پر چلنا تیری مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اس پہلو سے جب ہم اس مضمون کا مزید مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت ہم پر اور زیادہ واضح ہو جائے گا کہ اس دعا کی مدد کے بغیر الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلنا ہرگز انسان کے بس کی بات نہیں۔ پس ہم کیا دعا کرتے ہیں؟ اس پہلو سے میں آپ کو کچھ مزید باتیں قرآن کریم کے مطالعہ کی روشنی میں سمجھانا چاہتا ہوں۔ یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ نعمتیں مانگی جا رہی ہیں اور اس میں کونسی مشکل بات ہے لیکن جو مشکل بات ہے وہ یہ ہے کہ نعمتیں نہیں مانگی جا رہیں بلکہ نعمتیں حاصل کرنے والوں کا راستہ مانگا جا رہا ہے اس لئے یہ غلط فہمی دل سے نکال دیں کہ گویا یہ دعا ہے کہ اے اللہ! ہماری جھولی میں ساری نعمتیں ڈال دے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی دعا کرے کہ اے خدا! میں تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھا رہوں گا تو میری جھولی میں ہر قسم کے پھل ڈال دے۔ یہ تو بہت آسان دعا ہے مگر جو دعا سکھائی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! میں پھل چاہتا ہوں لیکن اس طرح جس طرح تیرے محنت کرنے والے بندوں نے پھل حاصل کئے اس طرح پھل

چاہتا ہوں جس طرح باغبان نے لمبے عرصے تک محنتیں کیں، گٹھلیاں زمین میں گاڑھیں، ان کے اردگرد زمین کی نلائی کی، اسے نرم کیا اور ہر قسم کی ضرورت پوری کی۔ جب راتوں کو اٹھنا پڑا تو راتوں کو اٹھا، جب چلچلاتی دھوپ میں پودوں کی حفاظت کے لئے جانا پڑا تو چلچلاتی دھوپ میں ان کی حفاظت کے لئے گیا، جب پانی کی ضرورت پڑی تو پانی سے ان کو سیراب کیا غرضیکہ لمبا عرصہ محنت کرتا چلا گیا۔ ہر قسم کے جانوروں سے حفاظت کی، ہر قسم کے چوروں اُچکوں سے ان کی حفاظت کی۔ اپنے بچوں کی طرح انہیں پالا پوسا یہاں تک کہ وہ درخت تیری رحمت کے سائے تلے بڑے ہوئے اور پھر اس تمام عرصہ میں وہ تجھ سے دعائیں کرتا رہا کہ اے خدا! اس درخت کو آسمانی آفات سے بھی بچا۔ محنت تو میں نے کی لیکن پھل لانا تیرا کام ہے، تو اب ان درختوں کو ثمردار فرما دے۔ پھر اس کی دعائیں مقبول ہوئیں اور پھر کثرت سے ان درختوں کو پھل لگے اے خدا! مجھے ان زمینداروں کا رستہ دکھا اور ان زمینداروں کے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

اب اس دعا کو آپ سارے زمیندارے کے مضمون پر پھیلا کے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ بہت ہی مشقتوں کی دعا مانگ رہے ہیں۔ آپ یہ سوچ کر حیران ہوں گے کہ آپ نرم سے منہ سے مانگ بیٹھے ہیں۔ اس صورتحال پر تو وہی شعر صادق آتا ہے کہ

؎ الا یا ایها الساقی ادر کاسًا وناولها
کہ عشق آساں نمود اول و لے افتاد مشکل ہا

کہ اے ساقی! پیالے کو چکر میں لا۔ پیالے کا دور چلا اور مے گساروں کے ہاتھوں تک پہنچا دے۔ کیوں اس کی ضرورت پیش آئی؟ اس لئے کہ ہم شروع میں یہ سمجھتے تھے کہ عشق آسان ہے، ہم عشق کو عیش سمجھتے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ عشق لڑائیں گے اور مزے اڑائیں گے۔ و لے افتاد مشکل ہا، اب عشق آن پڑا ہے تو مصیبت آپڑی ہے۔ اب سمجھ آئی ہے کہ عشق ہوتا کیا ہے اور اس کے لوازمات کیا ہیں۔ پس یہ دعا مانگنا تو آسان ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لیکن جب ان رستوں پر چلنے کی کوشش کریں گے اور اس دعا کے مفہوم کو پوری طرح سمجھیں گے تب سمجھ آئے گی کہ خدا سے کیا مانگ بیٹھے ہیں لیکن دنیا کے معشوقوں کی طرح کا یہ معشوق نہیں یہ حقیقی معشوق، مجازی معشوقوں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ تو اپنے عشاق کی مدد نہیں

کرتے لیکن یہ معشوق ہر آن اپنے عشاق کی مدد کے لئے مستعد کھڑا رہتا ہے۔ وہ ان کے دل کی پکار پر کان دھرتا ہے اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ کب میرا عاشق مجھے مدد کے لئے پکارے تو میں دوڑتا ہوا اس کی طرف بڑھوں۔ جب وہ سوال کرتا ہے تو اس کو جواب دیتا ہے کہ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرہ:۱۸۷) اے میرے بے قرار، بے چین بندے، اے میرے متلاشی! میں تو تیرے پاس ہی ہوں۔ یہ ایسا معشوق ہے جو ماں سے بہت بڑھ کر اپنے طلبگار بچے سے حسن و احسان کا سلوک کرتا ہے۔ پس جہاں یہ راہ مشکل ہے وہاں آسان بھی ہو جاتی ہے اگر دعاؤں کی مدد سے اس کو آسان کیا جائے اور خدا سے وہ تعلق باندھا جائے جو محبت اور پیار اور عشق کا تعلق ہے۔

اس وضاحت کے بعد میں چند نمونے آپ کے سامنے قرآن کریم کے بیان کے پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں مختلف جگہ منعم علیہم کا ذکر بھی فرمایا گیا اور ان لوگوں کا ذکر بھی فرمایا گیا جو الْمَغْضُوْبِ ہیں یا الضَّآلِّيْنَ ہیں۔ عام طور پر معاملے کو آسانی سے سمجھانے کی خاطر یہ کہا جاتا ہے کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے متعلق جب آپ سوچیں تو یہ سوچیں کہ گویا یہود کا ذکر چل رہا ہے اور الضَّآلِّيْنَ کی بات کریں تو ذہن میں عیسائیوں کی تاریخ کو لے آئیں لیکن یہ بات اتنی سادہ اور ایسی آسان نہیں اور اس طرح یک لخت اور یک دفعہ کسی ساری کی ساری قوم کو الضَّآلِّيْنَ قرار دینا بھی درست نہیں ورنہ یہ بات قرآن کریم کے بعض بیانات سے متصادم ہو جائے گی، ان بیانات سے ٹکرا جائے گی کیونکہ یہی وہ کتاب ہے جس میں بہت سے یہود کی بہت بڑی بڑی تعریفیں فرمائی گئی ہیں اور ان کو خدا کے نیک بندے قرار دیا گیا ہے یہی وہ کتاب ہے جس نے بہت سے عیسائیوں کی بہت تعریفیں فرمائی ہیں اور انہیں خدا کا عابد و زاہد بندہ قرار دیا، ایسے بندے جو خدا کی خاطر دنیا تج کے ایک طرف چلے گئے اور عمر بھر عبادات میں صرف کر دی۔

پس ایسی کتاب کے مضمون کو اس رنگ میں سمجھنا کہ اس کتاب کے دوسرے مضمون سے ٹکرانے لگے درست نہیں۔ پس جب ہم کہتے ہیں کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کے رستوں سے ہمیں بچا تو یہود کی بات ان معنوں میں سوچتے ہیں کہ یہود قوم میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے شروع تاریخ سے ہی ایسی غلطیاں کیں جو خدا کے غضب کا نشانہ بنانے والی بھی تھیں اور دنیا کے غضب کا نشانہ بنانے والی بھی تھیں۔ پس یہود سے نہیں بلکہ ان بار بار ٹھوکر کھانے والوں اور غلطیاں کرنے

والوں کی راہ سے بچانے کی دعا ہے جو خدا کے غضب کا اور بنی نوع انسان کے غضب کا نشانہ بنے ہیں۔ پس ان مکروہات سے بچنے کی دعا ہے جو مکروہات خدا کے غضب پر منتج ہو جاتی ہیں اور اسی طرح ان غلطیوں اور ٹھوکروں سے بچنے کی دعا کی ہے جن میں عیسائی قوم بحیثیت قوم مبتلا ہوئی اور خدا کے ایک عاجز بندے کو خدا کا بیٹا بنا بیٹھی لیکن خود ان میں بہت سے نیک لوگ بھی ہیں جب وہ خدا کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں، ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں۔ وہ خدا کے حضور اٹھ کر گریہ وزاری میں اور جھک کر اس کے حضور عبادت کرتے ہوئے راتیں گزارتے ہیں۔ ایسے گروہ یہود میں سے بھی ہیں اور نصاریٰ میں سے بھی ہیں۔

پس کسی قوم سے نفرت کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ بعض برائیوں سے نفرت کی تعلیم دی گئی ہے اور ان کی مثالیں آپ کے سامنے معاملے کو آسان بنانے کے لئے رکھی گئیں۔ ایک اور وجہ اس دعا کو زیادہ وسیع معنوں میں لینے کی یہ ہے کہ قرآن کریم سے تو پتا چلتا ہے کہ دنیا میں ہر جگہ خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے پیغام بھیجے، رسول مبعوث فرمائے، خوشخبریاں دینے والے بھیجے، ڈرانے والے بھیجے اور ان کی قوموں نے بھی ان سے ایسے سلوک کئے کہ بعض انعام پانے والی بن گئیں اور بعض مغضوب ہو گئیں اور بعض ضالین ٹھہریں تو اگر اس دعا کو یہود اور عیسائیوں کے ذکر پر ہی محدود کر دیں گے تو ان مشرکین کا کیا بنے گا جنہوں نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت کی اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شرک نجس ہے اور ہر دوسری چیز کو خدا معاف فرما دے گا مگر شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور ان قوموں کا کیا بنے گا جو ہندوستان یا چین یا جاپان یا دوسری دنیا میں شرک میں مبتلا ہیں اور مبتلا رہی ہیں یا دوسرے کئی قسم کے ایسے گناہوں میں ملوث ہوئیں جو خدا کے اور بنی نوع انسان کے غضب کا نشانہ بنانے والے گناہ تھے اور پھر ان قوموں کا کیا بنے گا جو دنیا کے مختلف خطوں میں، نئی دنیا میں یا پرانی دنیا میں پیدا ہوئیں اور خدا کے حضور ضالین ٹھہریں۔

پس اس مضمون کو اتنے محدود تصور کے ساتھ اپنے ذہن میں نہ جمائیں بلکہ اس وسیع تصور کے ساتھ ذہن میں جمائیں اور ساری دنیا میں ہر وہ قوم جو بعض غلطیوں کی وجہ سے خدا کی نظر میں مغضوب ٹھہری اس سے بچنے کی دعا کریں اور ہر وہ قوم جو گمراہ ہو گئی اور اپنی بعض نیکیاں بھی قائم رکھیں لیکن بعض بدیوں میں بھی مبتلاء ہوئی۔ اچھے بُرے کو ملا دیا اور اس طرح خدا نے انہیں گمراہ قرار دیا خواہ

وہ مشرق کی قوم ہو یا مغرب کی قوم ہو۔خواہ وہ اسلام سے باہر ہو یا مسلمانوں کے اندر ہو، ہر ایسی قوم سے بچنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔

پس مسلمانوں میں بھی اگر کچھ ایسے لوگ ہوں جو وہ عمل کریں جو الْمَغْضُوْبِ بنانے والے ہوں تو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعا ان پر بھی صادق آتی ہے اور ان کو بھی اپنے دائرے میں لیتی ہے اور ان سے بچنے کے لئے بھی ہمیں متوجہ کرتی ہے۔اسی طرح اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا دائرہ بھی بہت ہی وسیع ہے۔

پس جیسا کہ میں نے جماعت کو نصیحت کی تھی کہ قرآن کریم کے مطالعہ سے انعمت کی تعریف معلوم کریں کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے لوگ ہیں کیا؟ اور ان کا مزید مطالعہ کریں۔پھر جب آپ دعا مانگیں گے تو پتا ہوگا کہ کیا مانگ رہے ہیں آنکھیں بند کر کے نہیں مانگیں گے بلکہ ہوش سے مانگیں گے اور اس کی ذمہ داریوں کو سمجھ کر دعا مانگیں گے اور پھر ان کا دل ان کو بتائے گا کہ وہ اپنی دعا میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں واقعی صمیم قلب سے دل کی گہرائیوں سے دعا کر رہے ہیں یا پوپلے منہ کی باتیں ہیں۔اس سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔اب بتائیے کہ یہ دعا کوئی آسان دعا ہے کہ اے خدا! ہمیں ان راستوں پر چلا جہاں گندی گالیاں دی جاتی ہیں اے خدا! ہمیں ان رستوں پر چلا جہاں بغیر قصور کے لوگ گھروں سے نکالے جاتے ہوں اور قتل کئے جاتے ہوں، ایسے رستوں پر چلا جن رستوں پر پتھر پڑے ہوں اے خدا! ہمیں ان رستوں پر چلا جہاں چلنے والوں کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے ذبح کئے جاتے ہوں، ان کی مائیں ذبح کی جاتی ہوں، ان کی عزتیں لوٹی جاتی ہوں ان کو ہر قسم کے الزام کا نشانہ اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہو۔جہاں زندگی عذاب بنادی جاتی ہو اب بھلا یہ دعا کوئی ہوش مند آنکھیں کھول کر کرسکتا ہے مگر جب اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو اس راہ سے گزرنے والوں کی جو راہ ہم مانگ رہے ہیں اسی قسم کی مصیبتوں میں مبتلا کئے گئے۔اپنے گھروں سے نکالے گئے بغیر کسی قصور کے ان کو قتل کیا گیا، ان کو گھروں سے نکالا گیا، ان کے اموال لوٹے گئے، انہیں طرح طرح کے سبّ وشتم کا نشانہ بنایا گیا۔ساری زندگی ان سے نفرتیں کی گئیں، ان کو حقیر قرار دیا گیا، ان کو گمراہ قرار دیا گیا، ذلیل ادنیٰ ادنیٰ لوگ جب ان راہوں سے گزرتے تھے جہاں سے خدا کے یہ نیک انعام پانے والے بندے گزر رہے ہوتے تھے تو بڑی بڑی

باتیں ان پر بناتے تھے اور ان کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے تھے اور ہنستے ہوئے کہتے تھے کہ یہ گمراہ ہیں جس نے دیکھنے ہیں دیکھ لے۔ یہ بدبخت لوگ ہیں جن کے پاس کوئی ہدایت نہیں۔ایسے ایسے مظالم کا ان کو نشانہ بنایا گیا اور جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس مطالعہ میں ساتھ ہی خدا یہ بتاتا ہے کہ میرے یہ پیارے بندے ہیں۔میرے یہ انعام یافتہ لوگ ہیں۔ پس جب ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلا تو یہ سب دعائیں اس میں شامل ہیں۔ یہ سب مرادیں ہیں جو ہم مانگ رہے ہیں اسی طرح اس راستے پر چلنے کے نتیجے میں ہم پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں۔ہم خدا سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا (البقرہ:۱۲۹) ہمیں ہماری قربان گاہیں دکھا وہ جگہیں دکھا جہاں ہم تیرے حضور اپنی قربانیاں پیش کریں گے۔ہم خدا سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا! ہم سے ہمارے سارے اموال لے لے اور ہماری جانیں لے لے اور ہم سے یہ سودا کرلے کہ ہمارا کچھ بھی نہیں رہا۔سب تیرا ہو گیا ہے اور اس کے بدلے ہمیں ایک آئندہ آنے والی جنت کی خوشخبری دے دے۔ یہ وعدہ کرلے کہ جب ہم اس دنیا کو چھوڑ دیں گے تو تیری دائمی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔پس جو ہاتھ میں ہے اسے چھوڑنے کی دعا مانگ رہے ہیں اور جو ہاتھ میں نہیں اور عام دنیا کی نگاہ میں ایک موہوم وعدہ ہے اسے حاصل کرنے کی دعا مانگ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو پھر لوگ بے وقوف کہتے ہیں، کہتے ہیں پاگل ہیں۔ان کو پتا ہی نہیں کہ یہی دنیا ہے جو آج کی زندگی ہے بس یہی سب کچھ ہے آنکھیں بند تو سب کچھ ختم اور وہ ہنستے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ پاگل لوگ خدا کے بندے بنتے ہیں، ہوش والے بنتے ہیں یہ تو بے وقوف ہیں۔السُّفَهَآءُ ہیں لیکن خدا کے ان بندوں کے کانوں میں خدا کی یہ آواز پڑتی ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۴) خبردار! ان کے طعنوں سے تم مضمحل نہ ہوجانا۔ان کے طعنوں سے تم کہیں امیدیں نہ چھوڑ بیٹھنا۔ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ خبردار! یہی وہ لوگ ہیں جو بے وقوف ہیں۔تم بے وقوف نہیں ہو۔تم عقل والے ہو۔تم نے صحیح سودے کئے ہیں تو یہ دعائیں ہیں جو ہم مانگتے ہیں اور پھر زنجیریں مانگتے ہیں۔قید کی دعا مانگتے ہیں۔ یہ دعا مانگتے ہیں کہ ہماری ساری عمر پابندیوں میں صرف ہوجائے۔ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اس قید خانے میں ہمیں ڈال جس کا ذکر تیرے سچے رسول محمد مصطفیٰ

ﷺ نے ان الفاظ میں فرمایا کہ **الدنیا سجن المومن وجنة الکافر** (مسلم کتاب الزھد حدیث نمبر:۵۲۵۶) دنیا تو مومن کے لئے ایک قید خانہ ہے، مصیبت خانہ ہے جس میں وہ پڑ جاتا ہے۔ کسی چیز کی آزادی نہیں رہتی، یہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا۔ سونے لگتا ہے تو پابندیوں کے ساتھ سوتا ہے، اٹھتا ہے تو پابندیوں میں آنکھیں کھولتا ہے جو قدم اٹھاتا ہے یہ سوچتا ہے کہ یہ خدا کی ناراضگی کا قدم تو نہیں اور کونسا قدم اٹھاؤں کہ خدا کی پابندی کی زنجیروں میں جکڑا رہتے ہوئے دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ ان ہی راہوں پر قدم اٹھاؤں جن راہوں پر جانے کی یہ زنجیریں مجھے اجازت دیتی ہیں۔

پس آنحضرت ﷺ نے تو قصے کو مختصر فرما دیا اور کہا کہ ہاں! اب دعا مانگو کہ اے خدا! ہمیں عمر بھر کا قیدی بنادے ایسا قیدی بنادے جس کی گویا ساری آزادیاں چھین لی گئیں۔ پس یہ دعا ہے جو آپ مانگ رہے ہیں اور پانچ وقت بھولے پن سے اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں مانگتے ہیں اور پھر خدا کے جو اور بھی زیادہ سادہ لوح اس سے محبت کرنے والے، پیار کرنے والے بندے ہیں وہ نفلوں کے اضافے کرتے ہیں۔ راتوں کو اٹھتے ہیں دنوں کی دعا سے مطمئن نہیں ہوتے کہتے ہیں ابھی ہم نے پوری مصیبتیں نہیں مانگیں۔ اے خدا! اب باقی وقت ہم پر مزید مصیبتیں مانگتے ہیں۔ جو کچھ رہ گیا ہے وہ ہم پر نازل فرما۔ یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ فرما جو قرآن کے بیان کے مطابق یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لانا کافی ہے اور اس کے بعد کوئی ابتلاء نہیں آئیں گے۔ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرما جو ایمان لائے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ابتلاؤں کا رستہ ہے اور یہ دعا کرتے ہوئے داخل ہوئے کہ اے خدا! اب وہ ابتلا ہم پر ڈال لیکن یہ رحم فرما کہ ان ابتلاؤں میں ثابت قدم فرما۔ ان ابتلاؤں سے زندہ سلامت گزار دے اور پھر ہم تیرے فضلوں کا وارث بنتے ہوئے ان ابتلاؤں کے دور سے نکلیں۔

پس اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی دیکھیں کتنی ضرورت تھی۔ شروع میں ہی خدا سے یہ التجا کرنے کی ضرورت تھی کہ عبادت تو تیری ہی کرتے ہیں اور کسی اور کی نہیں کرتے تیری کرنا چاہتے ہیں کسی اور کی نہیں کرنا چاہتے مگر اے خدا! بہت مشکل رستہ ہے تیری مدد کے بغیر ہم وہ دعا بھی نہیں کر سکتے جو دعا تو ہمیں سکھا رہا ہے اور ابھی آنے والی ہے۔ پس اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا یہ پہلو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اس کا مطلب یہ بنے گا کہ اے خدا!

ہمیں اس سچی دعا کی توفیق عطا فرمادے اور امر واقعہ یہ ہے کہ جب آپ اس سارے مضمون کو قرآن کے بیان کی روشنی میں پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں تو یہ دعا بہت مشکل اور مشکل تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ بہت سے ایسے مقام آتے ہیں کہ جب انسان کا دل کانپ جاتا ہے، ڈر جاتا ہے اور اسے اس دعا کی تفصیل کے ساتھ ہمت نہیں پڑتی۔

ان دعا کرنے والوں کی وہ تفصیل جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے ایک تاریخ کی صورت میں کھول کر رکھ دی ہے اس تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دعا مانگنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ پس اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی شدید ضرورت ہے کہ مدد مانگی جائے کہ اتنی اتنی ہمیں دعا سکھا اتنی اتنی دعا مانگنے کی توفیق عطا فرما جو تیری مدد سے آسان ہوتی چلی جائے اور طبعاً سچائی کے ساتھ دل سے اٹھے نہ کہ بناوٹ کے ساتھ ہونٹوں سے نکلے۔

اس ضمن میں مَیں نے قرآن کریم کے آغاز سے لے کر آخر تک چند قرآنی بیانات کو اس دعا کے ساتھ منسلک کر کے آپ کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب میں نے سورۂ بقرہ سے بات شروع کی تو یہ مضمون اتنا بڑھ گیا کہ ناممکن تھا کہ ایک، دو، تین، چار، پانچ، دس جمعوں میں بھی اس کا حق ادا کیا جائے۔ پس میں نے کچھ نمونے سورۂ بقرہ سے لئے ہیں آپ کو سمجھانے کے لئے کہ جب آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں گے تو اس دعا کے ساتھ منسلک کر کے مطالعہ کریں اور پھر ہر دفعہ یہ سوچیں کہ میں یہ دعا مانگا کرتا ہوں اور آئندہ بھی یہ دعا مانگا کروں گا اور پھر میں نے کچھ ٹکڑے کہیں سے، کچھ ٹکڑے کہیں سے غرضیکہ چند نمونے قرآن کریم کی مختلف جگہوں سے اکٹھے کئے تا کہ آپ کو اس دعا کا مطلب سمجھاؤں جو ہم سب روزانہ بار بار مانگتے ہیں اور اکثر ہم میں سے جانتے ہی نہیں کہ ہم کیا مانگ رہے ہیں۔ پس جو کچھ آپ مانگیں ہوش سے مانگیں، سمجھ کر مانگیں کہ کیا مانگا جارہا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے فضل کی امید رکھیں اور اس سے رحم کے طلب گار رہوں کہ وہ ان مشکلوں کو ہمارے لئے آسان کر دے جو ہم ہوشمندی کے ساتھ خود خدا سے طلب کر رہے ہیں۔

دیکھیں! ایک چھوٹے سے معاہدے کے لئے جو دنیا کے سودوں میں کیا جاتا ہے آپ ایک قابل وکیل سے مدد چاہتے ہیں۔ اس سے مدد چاہتے ہیں کہ کہیں دھوکے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کوئی ایسی بات معاہدے میں نہ لکھی جائے جس کو ہم نبھا نہ سکیں تو وہ معاہدہ جو قرآن کریم کا معاہدہ ہے جسے

خدا میثاق قرار دیتا ہے اس پر عمل کرنے سے پہلے، اس پر دستخط کرنے سے پہلے معلوم تو ہونا چاہئے کہ کس بات پر دستخط کئے جارہے ہیں لیکن چونکہ دنیا والے غلطیوں کو معاف نہیں کیا کرتے اور ایک ایک قطرہ خون کا حساب مانگتے ہیں اس لئے دنیا کے معاہدوں میں تو انسان غلطی کرے تو ساری عمر اس کا خمیازہ بھگتتا رہتا ہے لیکن یہ معاہدہ ایک ایسی ذات سے کیا جارہا ہے جو بے حد غفور و رحیم ہے جو قدم قدم پر بخشش کے وعدے بھی کرتی ہے۔ وہ عجیب طرح سے حساب کرتی ہے۔ اچھا! یہ بھی میں معاف کر دیتا ہوں یہ بھی میں معاف کر دیتا ہوں۔ یہ بھی معاف کر دیتا ہوں اور یہ بھی معاف کر دیتا ہوں یہاں تک کہ اس کی معافیوں کا سلسلہ اس کے حساب طلب کرنے والے سلسلے پر غالب آ جاتا ہے اور اس کی رحمت ہر انسان کی لغزش کو ڈھانپ لیتی ہے پس اگر اور نہیں تو یہ مضمون ہی انسان کے دل کے لئے تسلی کا موجب بن جاتا ہے کہ ہمارا خدا ایسا خدا ہے جو اگر چاہے تو ان کو بھی معاف فرما دیتا ہے جن کے اعمال تمام تر اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے بدیاں بھی کیں اور اچھے اعمال بھی کیئے۔ اچھوں اور بروں کو ساری عمر ملائے رکھا اور کبھی ان کو توبہ کی یہ توفیق نہیں ملی کہ زندگی کے کسی موقعہ پر وہ یہ کہہ سکیں کہ اب ہم اپنی بدیاں جھاڑ کر نیکیوں میں داخل ہو چکے ہیں۔ عمر بھر وہ نیکیوں اور بدیوں کے ساتھ ملے جلے رہے اور اسی طرح گھسٹتے گھسٹتے خدا کے قرب کی راہوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے فرمایا: میں چاہوں تو انہیں پکڑلوں اور ان کی بدیوں کی سزا دوں اور اگر چاہوں تو ان کو معاف کر دوں اور بہت ایسے ہیں جن کو میں معاف بھی کر دیتا ہوں تو پھر انسان اس بات سے سہارا لیتا ہے کہ میثاق پر ہم دستخط تو کر بیٹھے ہیں لیکن اب اس میثاق کی شرائط پر پورا اترنیوالے جو اولین لوگ ہیں جو سابقون کا گروہ ہے ان جیسے نہ بھی بن سکتے ہوں تو ہم یہ التجائیں کریں گے کہ اے خدا! ان ادنیٰ لوگوں میں ہی شامل فرمادے جنہوں نے عمر بھر دیانتداری سے میثاق پر عمل نہیں کیا تو میثاق پر عمل کرنے کی تمنا تو رکھتے تھے۔ کوئی خواہش تو ان کے دل میں تھی۔ بے چینی تو ہوا کرتی تھی جب وہ گناہ کرتے تھے تو بے قرار ضرور ہو جایا کرتے تھے۔ گناہوں کے بعد مطمئن نہیں رہتے تھے بلکہ تڑپ کر زندگی گزارتے تھے۔ پس اے خدا! ہمیں ان لوگوں میں ہی شامل فرمادے اور اگر قافلے کے سر پر چلنے والوں میں شامل نہیں تو اس قافلے کے آخر پر اس کی دم میں گھسٹتے ہوئے لوگوں میں ہی شامل فرمادے لیکن رستہ وہ ہو۔ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ کہ جن پر تو نے انعام کیا الۡمَغۡضُوۡبِ کے رستے پر ہمیں نہ ڈالنا۔

پس اب میں آپ کو لکھے ہوئے مضمون میں قرآن کریم کے واقعات کو دعاؤں کی شکل میں ڈھال کر پیش کرتا ہوں۔قرآنی آیات میں یہ مضمون دعاؤں کی صورت میں ظاہر نہیں فرمایا گیا مگر قرآن سے واقعات لے کر اور قرآن کی نصیحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے او امر اور نواھی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں چند نمونے آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ جب ہم اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ کہتے ہیں تو وہ کون سے انعام یافتہ لوگ ہیں جن کے رستے پر چلنے کی ہم دعا کرتے ہیں۔گویا ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کے رستے پر چلا جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ بھی تو نے ان کو عطا کیا ہے اسے تیری راہ میں خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اور حضرت محمد مصطفی ﷺ پر اتاری ہوئی تعلیم پر اور سب گزشتہ تعلیمات پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ ہونے والی موعود خبروں پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اے خدا! ہمیں ان لوگوں کے رستے پر چلا جو اپنی مرادوں کو پا لیتے ہیں۔

اور اے خدا! ہمیں ان لوگوں کے رستوں پر چلا جنہوں نے تجھے اپنا بھی رب تسلیم کیا اور ان کا رب بھی تسلیم کیا جو پہلے گزر چکے تھے اور تقویٰ کی راہوں پر چلے۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جن کو تو نے سدا بہار جنتوں کی بشارت دی ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اور اے خدا! ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جو ہر اس درخت کے پھل سے احتراز کرتے ہیں جس کا کھانا تو نے منع فرما دیا ہے اور اس پھل کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے جسے تو نے ممنوع قرار دیا۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کا رستہ دکھا جو ہمیشہ تیری نعمتوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور جو عہد تجھ سے باندھا ہے اس پر پختگی سے قائم رہتے ہیں۔

ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جو ہر اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو اس تعلیم کی تصدیق کرتی ہے جو قرآن میں اتاری گئی اور تیری آیات کو ادنیٰ اغراض کی خاطر بیچ نہیں ڈالتے اور صرف تیرا ہی تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ جھوٹ کی ملونی سے پاک اور خالص دل رکھتے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں اور تیرے حضور جھکنے والوں کے ساتھ ہر مقام اطاعت پر جھک جاتے ہیں۔

ان لوگوں کا رستہ دکھا جو صبر اور دعاؤں کے ذریعہ سے تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تیرے حضور

عاجزی اور تذلل اختیار کرتے ہیں اور تیرے حضور عاجزی اور تذلل اختیار کرنا ان پر بار نہیں ہوتا، ان پر گراں نہیں گزرتا۔ وہ جو یہ امید لئے بیٹھے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملاقات کریں گے اور بالآخر اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اے خدا! ہمیں وہ نعمتیں بھی عطا کر جو پہلی امتوں کو عطا کی گئیں اور اپنے ان فضلوں سے بھی نواز جن کے ذریعے تو نے پہلی امتوں کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی اور ان خوش نصیبوں میں سے بنا جو ان کی مثالیں زندہ کرنے والے ہیں جنہوں نے تیری نعمتوں کے گیت گائے اور تیرے ذکر کو بلند کیا۔ ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کے رستے پر چلا جو مؤاخذہ کے اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جبکہ کوئی جان کسی دوسری جان کے کام نہیں آئے گی اور اس کی کوئی شفاعت کسی کے حق میں قبول نہ کی جائے گی اور کسی جرم کے بدلے اسے کوئی مدد میسر نہ آئے گی۔

ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جن کی لغزشوں کو تو نے معاف فرمادیا اور تیرے عفو کے نیچے وہ تیرے بے انتہا شکر گزار بندے بن گئے اور ان لوگوں کی راہ پر چلا جن کو جب کتاب اور فرقان عطا کئے گئے تو ان کی ہدایت سے انہوں نے خوب استفادہ کیا۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جن کی خطاؤں کو تو نے معاف فرمادیا اور ان محسنوں کی راہ پر چلا جنہیں تو نے احسان کی توفیق بخشی اور ان کے حسن واحسان کو اور بڑھا دیا۔ اور ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جو تجھ پر اور جزا وسزا کے دن پر حقیقی ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور جن کو تو نے محفوظ اجر کی ضمانت دی اور سلامتی کا یہ پیغام دیا کہ کوئی خوف تم پر غلبہ نہ پاسکے گا اور لمبے غموں میں مبتلا نہیں کئے جاؤ گے۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کے رستے پر چلا جنہوں نے تجھ سے یہ عہد باندھا کہ تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور والدین سے اور اقرباء سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور تیرے بندوں سے نرم گفتاری سے کام لیں گے اور انہیں اچھی باتیں کہیں گے اور اسی طرح انہوں نے تیری عبادت کو قائم کرنے اور تیری راہ میں خرچ کرنے کا عہد کیا اور پھر وفا کے ساتھ ان عہدوں پر قائم رہے۔

اب دیکھیں! بہت سی ان صفات میں سے یہ چند صفات ہیں جو خدا کے ان بندوں کی بیان

فرمائی گئی ہیں جو خدا سے باندھے ہوئے عہدوں کو پورا کرتے ہیں اور الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلتے ہیں اور انعام یافتہ میں شمار ہوتے ہیں، اور روزمرہ کی زندگی کی عام باتیں ہیں جن میں ہم میں سے اکثر ٹھوکر کھاتے اور ان معمولی معمولی عام معروف باتوں پر بھی عمل کرنے کی اہلیت نہیں پاتے۔ پس اگر ہم ہر نماز میں دعا کرتے ہوئے سوچا کریں کہ دعا ہم یہ کر رہے ہیں اور کام کون سے کر رہے ہیں؟ دعاؤں کا رستہ اور ہے اور ہمارا چلنے کا رستہ اور ہے؟ تو اسی وقت انسان کے دل پر لرزہ طاری ہو جائے گا۔ عام انسان سے اگر کچھ مانگے اور دل میں کوئی اور بات ہو تو یہ بھی منافقت ہے اور ایک مکروہ بات ہے مگر خدا سے اور مانگے اور کچھ اور کرنے کے ارادے ہوں تو یہ ایک بہت ہی بڑے خوف کا مقام ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو عبادت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور والدین سے اور اقرباء سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ بہت سے ایسی شکایتیں روزمرہ مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں کہ بعض مرد ہیں جو اپنے گھر میں بھی اپنے بیوی بچوں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتے ان سے کرخت رویہ ہے۔ ان سے ظلم و ستم کا سلوک ہے ان سے کنجوسیاں کرتے اور ان کو مصیبت میں مبتلاء رکھتے ہیں۔

ایسی بیویاں ہیں جو بے چاری روتی پیٹتی مجھے خط لکھتی ہیں کہ ہمیں تو پیسے کا منہ نہیں دکھاتے گھر میں کچھ ڈال دیا تو ڈال دیا اور وہ بھی ایسا کہ ایک ایک چیز کا حساب رکھتے ہیں زندگی اجیرن ہے۔ بچوں سے حسن سلوک نہیں ہے۔ بچوں کو اس طرح پھینکا ہوا ہے جس طرح وہ بے جان چیزیں ہیں، ان کو حس ہی کوئی نہیں۔ ان باتوں میں مبالغہ بھی ہوگا لیکن جو لوگ دنیا کے معاشروں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہر معاشرے میں اس قسم کے ظلم موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ لکھنے والی غلط لکھ رہی ہو لیکن اور بہت سی ایسی ہیں جو نہ لکھنے والیاں ہیں لیکن ان پر یہ حالات گزرتے ہیں۔ پس کئی قسم کی مصیبتیں ہیں جو روزمرہ کی زندگی میں ہماری بداخلاقیوں کے نتیجے میں انسانوں پر ڈالی جاتی ہیں اور انسانوں کی زندگیوں کو اجیرن کر دیتی ہیں۔ مردوں کی طرف سے بھی عورتوں کی طرف سے بھی بہوؤں کی طرف سے بھی ساسوں کی طرف سے بھی، باپوں کی طرف سے بھی اور بچوں کی طرف سے بھی تو دیکھیں یہ دعا جو ہمیں خدا نے سکھائی۔ ان معنوں میں یہ دعا سکھائی کہ اپنے بندوں کا ذکر فرمایا اور کہا کہ انعام یافتہ راہ پر چلنے والے لوگ اس اس قسم کے ہوتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں انعام یافتہ

رستوں پر چلنے والوں میں سے بنادے تو دراصل یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں ایسا بنادے کہ والدین کے حقوق ادا کرنے والے ہوں ان کی دعائیں لینے والے ہوں اور سب اقرباء سے حسن سلوک کرنے والے ہوں اور یتیموں کا خیال رکھنے والے ہوں۔ مسکینوں سے حسن سلوک سے پیش آنے والے ہوں اور تیرے سب بندوں سے نرمی کی گفتگو کرنے والے ہوں۔ ہماری گفتگو میں حسن ہو۔ کراہت کی بات نہ ہو۔ وہ لوگ جو گھر میں ایک دوسرے سے نرمی کی بات نہیں کرتے ان سے عام دنیا میں کم توقع کی جاتی ہے۔ کہ وہ نرمی کی گفتگو کرتے ہوں گے لیکن بعض ایسے ظالم بھی ہیں کہ دوستوں سے نرم اور اپنے گھر والوں سے سخت حالانکہ مضمون والدین اور اقرباء اور نزدیک کے رشتے داروں کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ پس ایسی نرمی جو دوستوں کے لئے ہو اور گھر والوں کے لئے نہ ہو اس نرمی کا ان لوگوں کے ذکر میں کہیں شمار نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مراتب کے لحاظ سے نیکیوں کا ذکر فرمایا۔ پس جب ہم کہتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی تو نگاہ رکھیں۔ اگر ان پر نگاہ نہیں رکھیں گے تو بڑی باتوں کا نہ حق ادا کر سکتے ہیں نہ بڑی باتیں مانگنے کی جرأت کر سکتے ہیں اور جب بھی آپ بڑے بڑے مضامین کو سوچ کر اپنے دل کو ٹٹولیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کی دعا میں طاقت نہیں ہے کہ ان مضامین کی متحمل ہو سکے۔ روح کانپ جاتی ہے جیسے کوئی بڑا بھاری وزن کوئی کمزور انسان اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ دعا ہی بہت بھاری ہے لیکن اگر ہم غور کرنے والے ہوں اور اگر یہ دعا اٹھالیں تو اس دعا کے نتیجے میں جتنی ذمہ داریاں ہیں اگر سچے دل سے اس دعا کو اٹھالیں تو وہ خدا خود اٹھالیتا ہے یہ یقین ہے جو ایک مومن کے دل میں ہونا چاہئے اور اس یقین کے بغیر اس دعا کی ہمت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اسی طرح جن لوگوں نے تیری عبادت کو قائم کرنے اور تیری راہ میں خرچ کرنے کا عہد کیا اور پھر وفا کے ساتھ ان عہدوں کو نبھایا، ہمیں ان لوگوں کے رستے پر چلا۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جو اس بات سے بے خبر نہیں کہ تو ہی زمین و آسمان کا مالک ہے اور تیرے سوا کوئی دوست اور مددگار ان کے کام نہیں آ سکتا۔ ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جن کا قبلہ ہمیشہ تو رہا ہے، تیری حضوری سے وہ اپنے وجود کو ہمیشہ نیا حسن عطا کرتے رہے یعنی وہ لوگ جن کا

اجر تیرے پاس ہے اور تیرے تعلق کے فیض سے وہ ہر دوسرے خوف اور غم سے آزاد ہو گئے۔ ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھا جو جس راہ پر بھی چلے ہمیشہ تجھے پیش نظر رکھا۔ اے خدا تجھے پیش نظر رکھا جو تمام وسعتوں کا مالک خدا ہے، ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اسی کا ہے اور ہر چیز اسی کی اطاعت کا دم بھرتی ہے۔ وہ جو زمین و آسمان کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور جب کسی تخلیق کا ارادہ باندھتا ہے تو فرماتا ہے کہ ہو جا اور لازماً وہ ہو کر رہتی ہے۔ پس اے خدا! ہمیں اس یقین کے ساتھ ان راہوں پر چلا کہ ہم ایسی قدرتوں کے مالک خدا سے مدد مانگنے والے ہیں۔ پھر ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جو تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کا حق ادا کرتے ہیں یعنی دن رات تلاوت کے لئے وقت نکالتے پھر غور اور سمجھ کے ساتھ تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے مضامین کو اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے مضامین میں ڈوبنے کی کوشش کرتے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کتاب کی کسوٹی پر پرکھتے رہتے ہیں۔ یہ مضمون ہے جو حق تلاوت کا مضمون ہے ہم اس کی بھی دعا مانگتے ہیں۔

اور پھر یہ دعا مانگتے ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہمیں ہماری قربان گاہیں دکھا ہمیں آزمائشوں میں ڈال لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان آزمائشوں پر پورا اترنے کی بھی توفیق عطا فرما اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جو مرتے دم تک تیرے حضور سپردگی کے عالم میں رہتے ہیں۔ تسلیم ورضا کی حالت میں رہتے ہیں، اپنے آپ کو تیرے حضور پیش کر دیتے ہیں اور پھر اپنے وجود کو تجھ سے واپس نہیں لیتے اور مرتے وقت اپنی اولاد کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ توحید پر قائم رہنا اور خدا سے تعلق باندھے رکھنا اور کبھی اس تعلق کو نہ توڑنا کیونکہ اس تعلق کے توڑنے پر تم ہمیشہ کے لئے ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ پس وفا کے ساتھ توحید پر قائم رہنا اور ایک خدا سے اپنے تعلق کی حفاظت کرنا۔

ایسے لوگوں کی راہ پر چلا جو تیرے حضور یہ اقرار کرتے ہیں کہ تو نے جتنے بھی دنیا میں رسول بھیجے ہم ان سب پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہمیں توفیق بخش کہ ہم ایک رسول اور دوسرے رسول کے درمیان ایسی تفریق نہ کریں کہ جس کے نتیجے میں کسی کی وحی کو واجب العمل سمجھیں اور کسی کی وحی کو اس طرح واجب العمل نہ سمجھیں بلکہ یقین کریں کہ تیرا کلام خواہ اعلیٰ پر نازل ہو خواہ ادنیٰ پر نازل ہو وہ کلام تیرا کلام ہے اور اس حیثیت سے ہر کلام خواہ دنیا کے کسی بندے پر نازل ہوا ہو وہ عزت اور احترام کے

لائق ہے۔ پھر ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا ہمیں اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ:۱۴۴) بنادے۔یعنی وہ امت بنادے جس کی تو نے محمد مصطفی ﷺ کو خوشخبری دی تھی کہ وہ میانہ روی اختیار کرنے والی امت ہے،افراط اور تفریط سے پاک ہے۔وہ درمیانی راہوں پر چلنے والی امت ہے اور ہمیں تمام دنیا پر نگران بنادے۔ ہم تمام دنیا کے اخلاق کی نگرانی اور حفاظت کرنے والے ہوں اور اپنے رسول محمد مصطفی ﷺ کو ہم پر نگران بنائے رکھ تا کہ گویا ہم اس کی آنکھوں کے سامنے ان فرائض کو ادا کرنے والے ہوں جو تو نے عائد فرمائے ہیں اور اس سند کے ساتھ کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدرسے سے ہم نے تعلیم حاصل کی اور سند پائی۔ہم باقی دنیا کے اعمال کی بھی نگرانی کرنے والے ہوں اور انہیں علم سکھانے والے بنیں اور نیک اعمال سکھانے والے بنیں۔

اے خدا! ہمیں استباق فی الخیرات کی توفیق عطا فرما۔صرف نیکیوں کی توفیق نہ عطا فرما بلکہ ہم ہر وقت جدو جہد میں مبتلا رہنے والے ہوں ہمیں ان لوگوں کی راہوں پر چلا جو ہمیشہ آگے بڑھنے کی نیت سے ورزشیں کرتے رہتے ہیں اور محنتیں کرتے رہتے ہیں۔آپ میں سے کسی کو اگر صبح کی سیر کی عادت ہو یا توفیق ملی ہو تو دیکھا ہوگا کہ بہت سے ایسے اتھلیٹ یعنی کھلاڑی اور جو مختلف جسمانی مقابلوں میں حصہ لینے والے ہیں صبح صبح اٹھ کر دوڑ رہے ہوتے ہیں اور ایسے وقت میں بھی جب کہ شدید سردی ہو یا پاکستان وغیرہ میں شدید گرمی ہو تو وہ ان باتوں سے بے نیاز بڑی محنت کررہے ہوتے ہیں۔ پہلوان ہیں جو اکھاڑوں میں محنت کر رہے ہیں غرضیکہ ایسے لوگ کسی امید پر کہ شاید کبھی ہم اپنے ملک میں نام پیدا کرنے والے بنیں اور اس امید پر کہ شاید کبھی ہم بین الاقوامی مقابلوں میں نام پیدا کرنے والے بنیں ، ساری زندگی محنت میں صرف کرتے ہیں۔پس جب ہم استباق فی الخیرات کی دعا مانگتے ہیں۔تو یہ بات ہے جس کی دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں محنت کی توفیق عطا فرما جس کے نتیجے میں ہم اپنے بھائیوں سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے بنیں۔اگر یہ محنت نہیں کریں گے تو یہ توفیق مانگنے کی دعا کا کیا مطلب ہے؟ پس جب استباق فی الخیرات کی دعا مانگیں تو ان سارے نظاروں کو پیش نظر رکھ لیا کریں، جہاں مقابلوں میں حصہ لینے والے مختلف رنگ میں مختلف مقامات پر دن اور رات یا کسی اور حصے میں محنتیں کر رہے ہوتے ہیں اور زندگیاں ان محنتوں میں صرف کر دیتے ہیں اور اکثر ہیں جن کی امیدیں پوری نہیں ہوتیں۔ بہت

ہی کم ہیں جن کی امیدیں پوری ہوتی ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ شاید ہی ہزاروں میں سے ایک ہم بن سکیں جو اپنی آرزوؤں کو پورا ہوتے دیکھ سکیں گے پھر بھی وہ محنت کرتے ہیں۔ تو یہ دعا سکھائی کہ اے خدا! ہمیں ایسی محنتیں کرنے کی بھی توفیق عطا فرما جن کا پھل ہر شخص کو نصیب ہو ہی نہیں سکتا مگر ان نعمتوں کا کچھ نہ کچھ فیض ہر شخص پا ہی لیتا ہے۔ عام دنیا کے انسان کے مقابل پر وہ بہتر ہوتا چلا جاتا ہے پس استباق **فی الخیرات** کرنے والوں کی راہ پر ہمیں ڈال دے۔

صبر وصلوٰۃ اور شہادت پر تسلیم ورضا کا ردعمل دکھانے والوں کی راہ پر ڈال ایسے لوگوں کی راہ پر ڈال جو ابتلاؤں اور نقصانات پر صبر سے کام لیتے ہیں اور تیرے حضور ہر قسم کی قربانیاں دیتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ **انا للہ و انا الیہ راجعون** کہ سب کچھ گیا لیکن ہم بھی تو خدا ہی کے ہیں۔ ہم بھی چلے جائیں تو کچھ ہاتھ سے دینے والے نہیں ہوں گے۔ **انا للہ** ہم خدا کے تھے اور خدا کے ہیں اور ہم نے بھی تو آخر اسی کے پاس جانا ہے جہاں ہمارا سب کچھ جا رہا ہے۔

پھر ہمیں ایسے لوگوں کی راہ پر چلا جو زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کرتے ہیں لیل ونہار کے ادلنے بدلنے کو دیکھتے ہیں، کشتیوں کا سمندروں میں چلنا دیکھتے ہیں، آسمان سے پانی کے نزول کا نظارہ کرتے ہیں، زمین پر جانوروں کے وجود کو چلتے پھرتے اور نرم نرم گھاس کھاتے یا ویسے رزق کی تلاش میں اڑتے یا دوڑتے پھرتے ہوئے یا سمندر میں تیرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور پھر زمین و آسمان کے درمیان مسخر بادلوں پر غور کرتے ہیں اور ان سب باتوں پر غور کے نتیجے میں وہ ہر چیز کو تیری طرف اشارہ کرتے ہوئے پاتے ہیں اور ہر چیز سے یہ پیغام لیتے ہیں کہ ان کا ایک خالق ہے۔ ان کا ایک مالک ہے اور وہی راہ ہے جس کی طرف ہر چیز انگلی اٹھا رہی ہے۔ پس اب ان سب نظاروں سے اپنے قرب کی راہیں دیکھنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ ہمیں اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرہ:۱۶۶) بنا دے ہماری ہر دوسری محبت پر تیری محبت غالب آجائے۔ نہ ماں کی ایسی محبت رہے نہ باپ کی ایسی محبت رہے نہ اولاد کی ایسی محبت رہے نہ بیوی کی نہ عزیزوں اور رشتے داروں کی نہ کسی حسین انسان کی، نہ کسی حسین نظارے کی، نہ کسی دنیا کی نعمت کی، نہ کسی علمی فضیلت کی ہر دوسری محبت سے تیری محبت بڑھ جائے۔

اے خدا ہمیں حلال طیب رزق عطا فرما، اور ان لوگوں کے رستوں پر چلا جو غیر حلال رزق حاصل کر سکتے تھے لیکن نہیں کیا اور تجھ سے دعا مانگتے ہوئے حلال رزق کی وسعت کی دعا مانگی اور حلال

رزق پر ہی قانع رہے اوران لوگوں کے رستے پر چلا جنہوں نے شیطان کی پیروی سے انکار کردیا اور پھران لوگوں کے رستے پر چلا جنہوں نے جب مجھے آواز دی کہ اے خدا تو کہاں ہے تونے تو ہرآواز کے مقابل پر یہ جواب دیا اِنِّیْ قَرِیْبٌ، اِنِّیْ قَرِیْبٌ اے میرے پکارنے والے بندے میں تیرے قریب ہوں۔ میں تیرے قریب ہوں۔

اے خدا! ہمیں مناسک حج اورعمرہ ادا کرنے والوں کی راہ پر چلا اے خدا! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جنہوں نے اپنی زندگی کا راز راہ تقویٰ بنالیا اورخواہ ان کے پاس کچھ اورنہیں تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اس یقین کے ساتھ تیری راہ میں قدم آگے بڑھائے کہ سب سے زیادہ جس زادراہ کی ضرورت پیش آسکتی تھی وہ تقویٰ ہے۔ چنانچہ تقویٰ سے انہوں نے دامن بھرلیا اور خالی ہاتھ تیری راہ میں سفر اختیار نہیں کیا۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا کہ جب وہ تیری راہ میں لوگوں کو جانیں دیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کو مردہ نہیں کہتے بلکہ وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ زندہ جاوید ہوگئے۔ اے خدا! ہمیں ان لوگوں کے رستہ پر چلا جنہیں تیری خاطر دکھ دیئے جاتے ہیں ان کے اموال چھینے جاتے ہیں۔ ان کی جانیں تلف کی جاتی ہیں خوف اور بھوک ان پر مسلط کی جاتی ہے لیکن وہ تیری راہوں کے مسافر صبر کے ساتھ **انا للہ وانا الیہ راجعون** کہتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ تو ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے اور انہیں ہی سچے اور ہدایت یافتہ قرار دیتا ہے۔

اے خدا! ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جنہوں نے زخم پر زخم کھائے لیکن اس کے باوجود تیری اور تیرے رسول کی ہرآواز پر لبیک کہا۔ زخموں سے چور ہونے کے باوجود جب ان کے کانوں میں تیری یا تیرے رسول کی آواز پڑی تو لبیک کہتے ہوئے وہ اس کی طرف لپکے اوران میں سے وہ خوش نصیب جنہوں نے اپنے اعمال کوکئی طرح سے زینت دی اور تیرا تقویٰ اختیار کیا اور تیری بارگاہ میں عظیم اجر کے لائق ٹھہرے۔

یہ واقعات ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ یہ کوئی افسانے اور قصے نہیں ہیں۔ پس جب ہم کہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں ان لوگوں کے رستے پر چلا جن پر تونے انعام کیا تو یہ سارے واقعات ایک فلم کی طرح ہمارے ذہن میں گھومنے چاہئیں اور وہ شخص جو قرآن کریم کا مطالعہ کرتا ہے

اس کے ذہن میں گھومتے ہیں یہ نہیں کہ ہر دفعہ جب ہم اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ کہتے ہیں تو سارے واقعات اچانک گھوم جاتے ہیں لیکن مختلف کیفیات میں مختلف حالتوں میں کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور ہے جو ان حالتوں سے تعلق رکھتا ہے اور ان پر چسپاں ہوتا ہے اس وقت کی دعا کے وقت وہ واقعۃً نظر کے سامنے ابھرنا چاہئے اور ہر چیز کے پیچھے ایک تاریخ ہے پس جب یہ فرمایا گیا کہ وہ لوگ زخمی ہونے کے باوجود تیری آواز پر لبیک کہتے ہیں تو ایک ایسا ہی واقعہ جنگ احد کے وقت گزرا ہے وہ ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں شاید کوئی مثال دکھائی نہ دے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک عاشق صحابی (حضرت سعد بن ربیعؓ) جب ایک عرصے تک دکھائی نہیں دیئے اور آپ ان کے دل کی کیفیت سے باخبر تھے تو آپ نے کسی سے کہا کہ تلاش کرو اور دیکھو کہ کہاں ہے؟ اس نے آوازیں دیں، اس نے تلاش کیا لیکن کوئی جواب نہیں پایا آخر جب اس نے یہ آواز دی کہ خدا کا رسولؐ تجھے بلا رہا ہے تو زخمیوں اور لاشوں کے ڈھیر کے نیچے سے ایک کراہتی ہوئی آواز اٹھی۔ میں حاضر ہوں، میں یہاں ہوں، وہ جو پہلے اتنی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ جواب دے سکتا جب اس کے کان میں یہ آواز پڑی کہ محمد رسول اللہ ﷺ مجھے تلاش کر رہے ہیں اور ان کے کہنے پر میں آیا ہوں تو خدا جانے کہاں سے اس نے وہ طاقت اکٹھی کر لی اور لبیک لبیک کی آواز اٹھی۔ تب اس نے یہ عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آخری سانس آنحضرت ﷺ کے قدموں میں لوں۔ مجھے وہاں تک پہنچادو۔ پس اس حالت میں اس نے جان دی کہ اس کا سر محمد رسول اللہ ﷺ کے مقدس قدموں میں پڑا ہوا تھا۔

پس قرآن کریم جن راہوں کو انعام پانے والوں کی راہیں قرار دیتا ہے یہ کوئی افسانوی راہیں نہیں ہیں۔ یہ تاریخی حقیقتوں سے تعلق رکھنے والی راہیں ہیں۔ ان راہوں پر خدا کے پاک بندے چلے ہیں اور ان کے ذکر سے قرآن کریم منور ہے۔ پس جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں تو ذہن میں ایسے وجودوں اور ایسی قربانی کرنے والوں کے تصورات بھی زندہ ہونے چاہئیں۔ یہ قربانی کرنے والوں کے تصورات ہیں جو ہماری دعاؤں کو زندہ کریں گے ان سے خالی دعائیں خالی رہیں گی۔ ذکر کے ساتھ ذکر میں جان پڑتی ہے۔ پس اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کی دعا کے ساتھ ان تمام پاک بندوں کا ذکر ہمارے ذہن میں گردش کرنا چاہئے ہمارے قلوب میں اس ذکر کے ساتھ ایک

تازگی پیدا ہونی چاہئے ایک جان پڑنی چاہئے۔ ہلچل برپا ہونی چاہئے اوران تصورات کے ساتھ اپنی دعاؤں کو باندھ کر ہم خدا کے حضور پیش کریں گے تو یہ دعائیں قبولیت کا مقام حاصل کریں گی اور بعض ایسی کیفیات ان میں شامل ہو جائیں گی جن کو خدا کبھی رد نہیں کر سکتا۔ اس کی رحمت سے بعید ہے کہ ان کیفیات والی دعاؤں کو وہ رد فرما دے۔

یہ مضمون تو بہت وسیع ہے اور اگر چہ میں نے چند آیات پر بناء کرتے ہوئے اس مضمون کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا سے باندھ کر نمونۃً آپ کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن ابھی چند صفحے ہی گزر رہے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں وقت بہت آگے گزر چکا ہے۔ اس لئے انشاء اللہ اب آئندہ خطبے میں بعض ایسی دعائیں آپ کے سامنے رکھوں گا جو ان راہوں پر چلنے والوں نے مانگیں اور مشکل کے وقت میں مانگیں یا خاص کیفیات کے ساتھ مانگیں اور وہ چونکہ جمعۃ الوداع ہوگا اس لئے اس وقت ان دعاؤں کا اس جمعہ کے ساتھ ایک خاص گہرا تعلق ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ میں بھی یہی مضمون جاری رہے گا کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں انعام پانے والے لوگوں کی راہ پر چلا تو خدا سے کیا مانگتے ہیں اور یہ مانگتے ہوئے ہمیں کس کیفیت سے مانگنا چاہئے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اس رمضان سے بھر پور استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے کمزوروں کو بھی اور ہمارے طاقتوروں کو بھی ہم میں سے ہر ایک شخص کو اس مقام سے آگے بڑھا دے جس مقام پر وہ اس رمضان سے پہلے تھا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ

منعم علیہ گروہ کی دعاؤں کا ایمان افروز تذکرہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ /اپریل ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

مسافر گاڑیاں جب مختلف سٹیشنوں پر رکتے رکتے اپنا لمبا سفر طے کرتی ہیں تو ہر سٹیشن پر الگ الگ نظارہ ہوتا ہے کہیں تھوڑے مسافر چڑھتے ہیں، کہیں زیادہ مسافر چڑھتے ہیں۔ کہیں تھوڑے لوگ چھوڑنے کے لئے آئے ہوئے ہوتے ہیں کہیں زیادہ لوگ۔ جو بڑے بڑے سٹیشن ہیں ان پر بہت رونق ہوتی ہے اور جب تک گاڑی چلتی نہیں سارا سٹیشن مختلف لوگوں کی گہما گہمی سے پر رونق ہوا ہوتا ہے، چہل پہل ہوتی ہے، باتیں ہو رہی ہوتی ہیں پھر گاڑی چلی جاتی ہے تو سٹیشن سونا سا رہ جاتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسافر نہیں ہوتے صرف مسافروں سے ملنے کے لئے آئے ہوتے ہیں۔

جمعۃ الوداع کی بھی کچھ ایسی ہی صورت ہے۔ عبادت کرنے والوں کی گاڑی جو جمعہ بہ جمعہ ٹھہرتی ٹھہرتی آخر رمضان المبارک کے جمعوں میں داخل ہوتی ہے تو اچانک جمعوں پر رونق بڑھنے لگتی ہے اور پھر ایک ایسا جمعہ بھی آتا ہے جیسا آج ہے جسے جمعۃ الوداع کہا جاتا ہے اس جمعہ پر تو اتنی رونق ہوتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سارے مسافر ہیں جو اس گاڑی پر چڑھنے کے لئے آئے ہیں لیکن جب یہ گاڑی یہاں سے گزر کر اگلے جمعہ پر پہنچتی ہے جو رمضان مبارک کے بعد آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسافر تو وہی چند ایک ہی تھے جو سارا سال سفر کرتے رہے باقی تو چھوڑنے کے لئے آئے

ہوئے تھے۔ پس بہت سے ایسے بھی ایمان لانے والے اور مسلمان ہیں جو آج عبادت کرنے والوں کو چھوڑنے کے لئے آئے ہوئے ہیں، الوداع کہنے کے لئے آئے ہوئے ہیں، خود بھی عبادت میں شریک ہیں لیکن یہ وقتی شرکت ہے، چند لمحوں کی شرکت ہے۔ جب تک اس جمعہ پر یہ گاڑی ٹھہری رہے گی وہ بھی شریک رہیں گے۔ جب یہ گزر جائے گی تو پھر وہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوں گے۔ خدا کی راہ کے مسافر وہی ہیں جو عبادت کی گاڑی پر سوار ہو کر پھر اس کو چھوڑتے نہیں۔ سٹیشنوں پر اترتے ہیں تو عارضی طور پر لیکن دائم کے سوار ہیں، ہمیشہ ہمیش کے مسافر ہیں اور کبھی بھی وہ عبادت سے تعلق قائم کر کے پھر تعلق توڑا نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے مختلف احوال ہیں جو وقتی طور پر آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں پھر خدا یہ توفیق بخشتا ہے کہ ان کے دل میں بھی سفر کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ وداع کرنے آتے ہیں، پھر آتے ہیں، پھر آتے ہیں، پھر خیال آتا ہے کہ کیوں نہ ہم بھی اسی گاڑی کے مسافر بن جائیں۔ تو وہ لوگ جو سچے ایمان لانے والے ہیں ان میں کمزور بھی ہیں لیکن رفتہ رفتہ کمزور طاقتور ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کی بدیاں جھڑتی چلی جاتی ہیں اور بدیوں کی بجائے نیکیاں عطا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ پس سچے مومنوں کی گاڑی ہمیشہ پہلے سے زیادہ بھرتی رہتی ہے۔ وہ لوگ جو پیچھے رہ جانے کے عادی ہیں اور ہمیشہ پیچھے رہ جانے کے عادی ہیں ان کے متعلق بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو عذاب دے گا یا ان سے ناراضگی کا اظہار فرمائے گا۔ بعض خوش قسمت ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی موت کی گھڑی سعادت کی گھڑی ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اللہ ان کو بلاتا ہے کہ وہ نیکی کی حالت میں ہوتے ہیں، ایسے خوش نصیب وہ ہیں کہ جو توقع رکھ سکتے ہیں کہ اگر چہ ہم کبھی کبھی آئے لیکن خدا نے اس وقت بلایا جبکہ ہم نیکوں میں شمار ہو رہے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں یہ دعا خصوصیت سے سکھائی کہ اے خدا! ہمیں اس وقت بلانا، اس وقت ہمیں مارنا جب ہم تیرے حضور نیکوں میں شمار ہو رہے ہوں تو ہمیں چاہئے کہ ان چھوڑنے کے لئے آنے والوں کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور خصوصیت سے یہ دعا کریں کہ ان سب کے انجام نیک ہوں اور رفتہ رفتہ ان کو بھی عبادت کے دائمی سفر کی توفیق عطا ہو۔

میں نے گزشتہ چند خطبات میں سورۃ فاتحہ کا ذکر کیا تھا کہ کس طرح سورۃ فاتحہ عبادت کے راز سکھاتی ہے اور عبادت میں لذت پیدا کرتی ہے اور اس مضمون کے آخری حصے میں ہم داخل ہو چکے

تھے جس میں ہم اس دعا پر غور کر رہے تھے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اور میں نے آپ کو بتایا تھا کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں جن لوگوں کا ذکر ہے اگر چہ وہ سب انعام یافتہ ہیں لیکن ان کی زندگیاں بڑی مشقتوں اور تلخیوں میں گزریں اور خدا کی راہ میں انہوں نے بڑے بڑے ابتلاء دیکھے اور ایسے بھی تھے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ جنہوں نے خود ابتلاؤں کے تقاضے کئے کہ اے خدا! ہمیں ہماری قربان گاہیں دکھا۔ ہمیں ان رستوں پر چلا جن رستوں پر چل کر ہم تیری راہ میں دکھ اٹھائیں اور پھر ثابت قدم ٹھہریں اور تجھ سے نئے اعزاز پائیں لیکن ان تمام باتوں کا ذکر کرنے کے بعد جن میں سے ایک حصہ میں پچھلے جمعہ میں بیان کر چکا ہوں اور ایک وہ حصہ تھا جسے بیان نہیں کر سکا لیکن ان کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ ان سب تاریخی واقعات پر نظر ڈالتے ہوئے جب غور کرتے ہوئے ایک مومن آگے بڑھتا ہے تو دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میں کیا دعا کر رہا ہوں۔ ایسی مشکل اور ایسی مصیبت کی دعا اور ایسی دعا جس پر ہوسکتا ہے میں ثابت قدم نہ ٹھہر سکوں۔ مشکلات کو اپنے منہ سے دعوت دینا اور امتحان کو بلانا بڑے حوصلے کا کام ہے لیکن اس کے باوجود ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرنے پر مجبور ہے کہ مجھے انعام پانے والوں کا رستہ دکھا اور اس کی تفصیل قرآن کریم نے جو بیان کی ہے وہ بہت ہی دل ہلا دینے والی تفصیل ہے، ایسی تفصیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی مشکل جان جوکھوں کا راستہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے یہ رستہ کیسے طے کیا تھا۔ وہ رستہ انہوں نے ایسے طے کیا کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خود سکھایا کہ کیا کرو؟ کس طرح یہ مشکلیں تم پر آسان ہو جائیں گی؟ اور یہ آگ تمہارے لئے گلزار بنادی جائے گی۔ فرمایا: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ:۴۶) اے میرے بندو صبر کے ساتھ اور عبادتوں کے ساتھ اور دعا مانگتے ہوئے مجھ سے مدد چاہو۔ پس اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں جس استعانت کی دعا ہمیں سکھائی گئی اس کا تفصیل کے ساتھ اعادہ کیا گیا اور پھر خدا نے وہ دعائیں بھی اکثر خود سکھائیں۔

پس اب میں ان دعاؤں کے اس مضمون میں داخل ہوتا ہوں جس سے پتا چلے گا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے خود مومنوں کی یہ راہ آسان فرمادی، انہیں دعاؤں کے طریق سکھائے یا ان کی دل

کی گہرائیوں سے اٹھی ہوئی بے ساختہ دعاؤں کو قبول فرمایا اوران کے ذکر کو بڑے پیار کے ساتھ قرآن کریم میں محفوظ فرما دیا۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں اور میں پھر اس بات کا اعادہ کرتا ہوں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس نے تمام انبیاء کی دعاؤں کا خلاصہ اس شان کے ساتھ، اس حفاظت کے ساتھ پیش کیا ہو جس طرح قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ ہر قسم کی ضرورت کی دعا کے بہترین نمونے محفوظ کر دیئے۔ پس وہ لوگ جو یہ دعا مانگتے ہیں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ان کے لئے ضروری ہے کہ اس دعا کی اگلی شاخوں سے بھی واقف ہوں۔ یہ دعا جو آگے دعائیں پیدا کرتی ہے اور جن کے بغیر یہ سفر طے ہونا ممکن نہیں ہے ان دعاؤں پر نظر رکھیں، ان کے پس منظر سے واقف ہوں۔ ان کیفیتوں سے آشنا ہوں جن کیفیتوں میں وہ دعائیں مانگی گئی تھیں۔ جوں جوں ہم اس مضمون میں آگے بڑھیں گے یہ مضمون جو بہت ہی مشکل دکھائی دیتا ہے آسان ہوتا چلا جائے گا اور ان مشکلات میں سے لذت پھوٹنے لگے گی۔

پس اس لحاظ سے میں قرآن کریم کی دعائیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اسی ترتیب سے ہیں جس ترتیب سے قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ میں نے ان کو مضمون وار الگ الگ نہیں کیا لیکن اس سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ ان دعاؤں کے متعلق خدا کا جو وعدہ ہے کہ میں قبول کرتا ہوں وہ وعدہ درحقیقت ایسی ہی دعاؤں کے متعلق ہے جن کا ذکر آنے والا ہے ورنہ بسا اوقات انسان اس مخمصے میں پھنس جاتا ہے کہ خدا نے تو وعدہ کیا ہے کہ میں دعائیں قبول کرتا ہوں اور میں بڑی دیر سے دعا کر رہا ہوں کہ یہ کر دے وہ کر دے۔ یہ دے دے وہ دے دے اور مجھے جواب نہیں ملتا تو اس آیت کو جو میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں ان دعاؤں کے مضمون کے ساتھ ملا کر سمجھیں تو پھر آپ کو پتا چلے گا کہ کون سی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور کون سی مقبول نہیں ہوتیں۔ فرمایا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىۡ عَنِّىۡ فَاِنِّىۡ قَرِيۡبٌ ‌ؕ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ‌ۙ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ وَلۡيُؤۡمِنُوۡا بِىۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡشُدُوۡنَ (البقرہ:۱۸۷) کہ اے محمد ﷺ! جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو اِنِّىۡ قَرِيۡبٌ۔ میں قریب ہوں۔ اُجِيۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے بلاتا ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لِىۡ میری باتوں کا بھی تو جواب دیا کریں

میری آواز پر بھی تو کان دھرا کریں۔ یہ نہ ہو کہ یک طرفہ مجھے بلاوے بھیجتے رہیں اور جب میں ان کو بلاؤں تو وہ پیچھے ہٹ جائیں وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ اور وہ مجھ پر سچا ایمان رکھیں لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ تا کہ وہ ہدایت پائیں اور کامیاب ہوں۔ یہ رشد کا رستہ قبولیت دعا کا رستہ ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمیں تفصیل سے سمجھایا کہ وہ کونسا رستہ ہے اور کیسے لوگ ہیں جو اس رستے پر چلتے ہیں تو ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی سورتیں اگر چہ اس ترتیب سے نہیں ہیں جس ترتیب سے یہ نازل ہوئیں لیکن جو ترتیب وحی الٰہی کے مطابق مقرر ہوئی اور جس ترتیب کے ساتھ ہم قرآن کریم کو آج پاتے ہیں اس ترتیب میں گہری حکمتیں ہیں اور مضمون کا تسلسل ہے۔ پس دعاؤں کے تسلسل میں بھی خدا تعالیٰ نے بعض گہری حکمتوں کو پیش نظر رکھا ہے اس لئے میں ترتیب کو مضامین کے لحاظ سے بدلنے کی بجائے بعینہ اسی طرح آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس طرح قرآن کریم نے پیش فرمائی ہے۔

سب سے پہلی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیان ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی کیا اہمیت ہے۔ آپ ابوالانبیاء کہلاتے ہیں یعنی وہ عظیم الشان نبیوں کا سلسلہ جس پر حضرت محمد مصطفی ﷺ پیدا ہوئے اس کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔ فرمایا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۷﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾

(البقرہ: ۱۲۷ تا ۱۳۰)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا یہ اس وقت کی دعا ہے جبکہ

خانہ کعبہ کے کھنڈرات موجود تھے یعنی بعض بہت پرانے اور تقریباً معدوم مٹے ہوئے آثار موجود تھے لیکن خانہ کعبہ کی کوئی عمارت نہیں تھی۔ وحی الٰہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جگہ پہنچے۔ اسے تلاش کیا اور وہیں آپؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑا اور بعد میں جب حضرت اسماعیلؑ بڑے ہوگئے اور آپ کے ساتھ مدد کرنے کے قابل ہوئے تب اس کی تعمیر نو شروع کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کا حصہ اس میں ڈالنا ضروری تھا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے پیدا ہونا تھا اس لئے آپ نے انتظار کیا کہ یہ بچہ جو دنیا کے عظیم ترین نبی کا جد امجد بننے والا ہے جس کی خاطر خانہ کعبہ کی تعمیر کا آغاز ہوا تھا جس نے خدا کے اس گھر کی تعمیر کے مقاصد کو اپنی انتہا تک پہنچانا تھا اس کا ہاتھ بھی اس تعمیر میں ساتھ لگ جائے اور شامل ہو جائے۔ پس قرآن کریم میں جہاں بھی تعمیر نو کا ذکر ہے وہاں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کو ضرور شامل فرمایا گیا ہے اور دعاؤں میں بھی دونوں مل کر دعائیں کرتے ہیں۔ اس وقت تک صرف دو ہیں لیکن آگے جا کر جو دعائیں آئیں گی ان میں تعداد بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے فرمایا هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا اس جگہ کو امن کی جگہ بنا۔ وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ اور جو بھی یہاں رہیں ان کے لئے ہر قسم کے پھل مہیا فرما۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وہ لوگ جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لانے والے ہیں۔ خدا نے فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا جو انکار بھی کر دے گا اسے بھی ان دنیاوی فوائد میں سے کچھ نہ کچھ میں ضرور پہنچاؤں گا۔ یہ نہیں کہ ادھر کسی نے انکار کیا وہیں میں نے نعمت کا ہاتھ کھینچ لیا تو جہاں تک ثمرات دنیا کا تعلق ہے وہ میں انکار کرنے والوں کو بھی دیتا رہوں گا لیکن کچھ عرصے تک ہمیشہ کے لئے نہیں ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ کچھ عرصے سے مراد نیا کی زندگی ہے یعنی دنیا کی زندگی میں میں پھلوں سے محروم نہیں کروں گا لیکن جب وہ مر کر میرے حضور پیش ہوگا تو اس لئے میں اس کو عذاب سے مبرّا قرار نہیں دوں گا کیونکہ اس کو میں نے دنیا میں نعمتیں دی تھیں۔ پس خانہ کعبہ کی نعمتوں سے وہ فائدہ اٹھانے والا تو ہوگا لیکن اپنے کفر یا ناشکری یا انکار کی وجہ سے مرنے کے بعد پھر اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے جس کی طرف وہ لوٹ کے جانے والا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُؕ اس وقت کو یاد کرو جب

ابراہیمؑ نے قواعد بیت کو اللہ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کرنا شروع کیا۔ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ اور اسماعیلؑ اس کے ساتھ تھا تو اس وقت پہلی دعا ان کی یہ تھی رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا کہ اے خدا! ہم سے اس کو قبول فرمالے۔ حضرت ابراہیمؑ کی جو یہ دعا ہے اور حضرت اسماعیلؑ کی یہ دعا ہے اس دعا میں بہت گہری حکمتیں ہیں پہلی بات تو یہ سمجھائی گئی ہے کہ خدا کی خاطر اتنی مشقت اٹھا کر، اتنی مصیبتیں برداشت کر کے ایک ویرانے میں ابراہیمؑ اپنی بیوی اور بچے کو لے کر آیا۔ پھر لمبی مصیبتوں میں انتظار کیا بھوک دیکھی پیاس دیکھی ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائیں۔ بار بار آتا رہا یہاں تک کہ وہ بچہ بڑا ہو گیا اور خدا کی خاطر، محض خدا کی خاطر گھر تعمیر کیا جارہا ہے لیکن انکسار کا یہ عالم ہے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا سے دعا شروع کی۔ اے اللہ! قبول فرمالینا گھر تو تیری خاطر بنا رہے ہیں خالصۃً نیکی کی خاطر لیکن انسان خود اپنی نیتوں کی کنہوں سے واقف نہیں ہوتا انسان اپنے اندرون حال سے خود واقف نہیں ہوتا، اس لئے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہم تیرے حضور پیش کر رہے ہیں اسے اپنی رحمت سے قبول فرمالینا۔ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ تو سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے۔ صرف دعائیں سنتا ہی نہیں ان کے احوال سے واقف ہے۔ ان کے رازوں سے واقف ہے۔ ان نیتوں سے واقف ہے جو دعاؤں سے پہلے ہوتی ہیں اور جن کے نتیجے میں دعائیں اُٹھتی ہیں۔ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ اے خدا! اس عبادت کے گھر کا کیا فائدہ؟ اگر ہم بنانے والے خود تیرے حضور مسلمان نہ ٹھہریں۔ پس ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا۔ مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ ہمیشہ کے لئے اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور فرمانبرداری کی حالت میں ہمیں عبادت کے راز بھی سکھانا اور قربان گاہیں بھی دکھانا۔ منسک سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں عبادت کا طریق بھی اور قربانی کا طریق اور وہ جگہیں جہاں انسان قربانی پیش کرتا ہے وَتُبۡ عَلَیۡنَا لیکن پھر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم سے بخشش کا سلوک فرمانا ہماری توبہ کو قبول کرنا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ تُو تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

پس نیکی کی دعاؤں کے ساتھ یہ عاجزی اور انکساری کی گریہ وزاری بھی جاری ہے اور اعتراف ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں ہم گنہگار ہیں ہم نیکی کے جو کام بھی کرتے ہیں ان پر بھی ہمیں پورا یقین نہیں ہو سکتا جب تک تیری طرف سے رضامندی حاصل نہ ہو جائے کہ یہ نیکیاں قبول بھی ہوں

گی کہ نہیں رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ اے خدا ان لوگوں میں سے جو یہاں پیدا ہوں گے وہ عظیم الشان رسول برپا فرما يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ جو تیری آیات ان پر تلاوت کرے گا وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ اور انہیں کتاب بھی پڑھائے گا اور اس کی حکمت بھی۔ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اور ان کو پاک فرمائے گا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ یقیناً تو غالب قدرتوں والا اور بڑی حکمتوں والا ہے۔ یہ دعا کی وہ تان ہے جہاں جا کر یہ دعا ٹوٹی ہے، جہاں جا کر یہ دعا اپنے عروج تک پہنچی ہے اور اب سمجھ آئی کہ پہلی دعاؤں میں اس قدر تقویٰ کی باریک راہوں کی پیروی کیوں ہو رہی تھی؟ اتنا انکسار کیوں تھا؟ اتنی بار بار کی احتیاط کیوں تھی کہ اے خدا ہماری دعاؤں کو قبول فرمانا۔ ہمیں پاک وصاف رکھنا۔ ہم میں ذرا بھی غیر کا کوئی شائبہ تک باقی نہ رہے خالص تیرے لئے ہم یہ کام کر رہے ہوں اور تو ان کاموں کو قبول کر رہا ہو کیونکہ یہ دعا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے سلسلے کی بنیاد ڈالنے والی دعا تھی اور اس عظیم الشان رسول کے برپا کرنے کی دعا تھی جس کی خاطر ساری کائنات کو پیدا کیا گیا تھا۔ اس لئے غیر معمولی تقویٰ کی ضرورت تھی اور غیر معمولی انکسار کی ضرورت تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں تکبر داخل ہوسکتا تھا بعض تکبر نیکی میں بھی داخل ہو جاتے ہیں اور شیطان بہکا سکتا تھا کہ تم دونوں؟ تم تو اتنے عظیم الشان وجود ہو کہ وہ عظیم وجود جس کی خاطر ساری کائنات کو پیدا کیا گیا تھا وہ تمہاری نسل سے پیدا ہونے والا ہے۔ تو جتنا بڑا مقام عطا ہونے والا تھا اتنی ہی عاجزی بھی سکھائی گئی اور اس طرح انہوں نے عاجزانہ طور پر خدا کے حضور یہ دعائیں مانگیں جو بعینہٖ اسی طرح قبول ہوئیں۔ حیرت انگیز طریق پر ان ہی لفظوں میں یہ دعا قبول ہوئی ہے جن لفظوں میں ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے مانگی تھی لیکن ترتیب انسانی سوچ کی تھی اگر چہ نبی تھا مگر بہر حال انسان تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ترتیب بدل دی چنانچہ فرمایا: هُوَ الَّذِيۡ بَعَثَ فِي الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۗ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ (الجمعہ:۳) ابراہیم علیہ السلام نے تو یہ عرض کیا تھا کہ جب وہ تلاوت آیات کر دے، پھر ان کی تعلیم دے دے، پھر ان کی حکمت سکھا دے تو اس کے نتیجے میں اس کے اندر پاک کرنے کی صفات پیدا ہو جائیں گی، پاک کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے گی پھر وہ ان کو پاک کرے

کیونکہ جب آیات پڑھی جائیں گی ،ان کی تعلیم دی جائے گی ،ان کی حکمت سکھائی جائے گی تو یہ سارا پاک کرنے والا ایک ایسا سلسلہ ہے جس کے نتیجے میں جو بھی لوگ اس کارخانے سے گزریں گے آخر تک پہنچتے پہنچتے پاک ہونے کے لئے تیار ہوں گے وَ يُزَكِّيهِمْ پھر وہ ان کو پاک بھی کرے گا۔

خدا تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کا اصل مقام قبولیت دعا کے وقت ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ ابراہیمؑ کی سوچ تو یہ تھی کہ وہ کتاب اور حکمت سکھانے کے بعد پھر ان کو پاک کرے گا۔مگر میں یہ کہتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ میں دو ایسی خوبیاں ہیں جن میں وہ سب دوسرے نبیوں سے ممتاز ہے اور پہلے نبی ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ایک یہ کہ وہ ذاتی طور پر ایسی قوت قدسیہ رکھتا ہے کہ کتاب سکھانے سے پہلے اور اس کی حکمتیں بتانے سے پہلے محض اپنے وجود کی برکتوں سے لوگوں کو پاک کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔پس تلاوت آیات تو بہر حال اول ہے کیونکہ خدا کے پیغام کو سنائے بغیر کوئی طاقت بھی حاصل نہیں ہوتی لیکن ساتھ ہی فرمایا وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وہ پہلے پاک کرتا ہے اور پاک کرنے کے لئے کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود خود پاک کرنے والا ہے اور دوسرا امتیاز یہ ہے کہ پہلے لوگ تو ایسے مدرسوں میں داخل ہوتے تھے کہ داخل ہونے سے پہلے پاک نہیں ہوتے تھے داخل ہونے کے بعد پاک کئے جاتے تھے اور گویا پاک ہو جانا ان مدارس کا منتہیٰ اور مقصود تھا۔فرمایا یہ اتنا اونچا مدرسہ بنایا گیا ہے کہ یہاں داخل ہونے کے لئے پاک کی ضرورت ہے۔جب تک پاک دل لے کر تم محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں حاضر نہیں ہو گے تم اس درس گاہ سے کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔پس یہ دونوں مفاہیم بیک وقت صادق آتے ہیں اور اس دعا کی اہمیت بھی ہمارے سامنے ظاہر ہوتی ہے کہ کس طرح بعینہٖ ان چار صفات کا ذکر فرماتے ہوئے جن کا بڑی عاجزی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مانگا تھا ،محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ذکر فرمادیا کہ وہ بعینہٖ وہی صفات لے کر پیدا ہوا ہے جو ابراہیمؑ نے اس آنے والے کے لئے مانگی تھیں۔

اب دیکھیں کہ دنیا کی تاریخ میں اس دعا نے کتنا عظیم الشان کام کیا ہے۔وہ لوگ جو اپنے لئے دعائیں کرتے کرتے مر جاتے ہیں وہ اپنے بچوں کے لئے دعائیں کرتے کرتے جان دے دیتے ہیں ، فائدہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن تھوڑے ماحول میں چند دن کے فائدے پہنچتے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا دیکھیں کتنی نافع الناس تھی ،کتنی عظیم الشان تھی ،تمام دنیا نے

قیامت تک اس سے فائدے اٹھانے تھے اسی لئے اس دعا کو بھی عظمت ہوئی اور اس دعا مانگنے والے کو بھی ایسی عظمت نصیب ہوئی جیسے محمد رسول ﷺ کے سوا کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوئی دوسری دعا میں قرآن کریم ہمیں سورۃ البقرہ آیت ۲۰۲ میں یہ سکھاتا ہے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ یہ دعا درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ان بندوں کے متعلق بیان فرمائی گئی ہے جو مناسک حج ادا کرنے کے بعد پھر خدا سے خیر مانگتے ہوئے واپس لوٹتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہوئے واپس آتے ہیں: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے خدا ہمیں دنیا کی حسنات بھی عطا فرما اور آخرت کی حسنات بھی عطا فرما اور عَذَابَ النَّارِ سے بچانا۔

یہاں حَسَنَۃً اور فضل میں ایک فرق ہے جو آپ کو یاد رکھنا چاہئے ورنہ آپ کی دعا مکمل نہیں ہوگی۔ فضل عموماً دنیاوی فوائد کے لئے استعمال ہوتا ہے اگر چہ دوسرے فوائد کے لئے بھی لیکن حَسَنَۃً کا زیادہ تر تعلق نیکیوں سے ہے اور کوئی ایسی خیر حَسَنَۃً میں داخل نہیں ہوتی جو نیکی سے خالی ہو۔ اس لئے حَسَنَۃً میں جو حسن ہے وہ دوسری دعاؤں میں ویسا پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مراد یہ ہے کہ ہمیں ہر اچھی چیز دے۔ دنیا میں سے بھی اچھی چیزیں دیں یعنی دنیاوی لحاظ سے بھی اچھی ہوں اور تیرے حضور بھی وہ اچھی اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کے لائق ہوں اور پھر آخرت میں سے بھی بہترین چیزیں عطا فرما اور دین میں سے بھی اس حصے پر عمل کرنے کی توفیق بخش جو سب سے زیادہ حسین ہے یعنی تعلیم کا وہ حصہ جو چوٹی کا حصہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دعا کے متعلق فرمایا:۔

''ہماری جماعت ہر نماز کی آخری رکعت میں بعد رکوع مندرجہ ذیل دعا بکثرت پڑھے''۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھی حَسَنَۃً عطا فرما اور آخرت کی بھی حَسَنَۃً عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ پس وہ احمدی جو اس فرمان سے واقف نہیں ہیں وہ شاید دعا سے تو واقف ہوں گے لیکن یہ علم نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر میں یہ دعا کتنی اہمیت رکھتی تھی۔

ایک موقعہ پر حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لئے

تشریف لے گئے جو بیماری سے اس طرح کھوکھلا ہو چکا تھا جیسے کسی چوزے کے پر نوچ لئے گئے ہوں اور وہ بالکل نڈھال ہو چکا ہو، آپ نے اس سے پوچھا کیا تم خدا سے کوئی خاص دعا کرتے ہو، اس نے عرض کی: ہاں! میں دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! تو نے جو عذاب مجھے قیامت کے روز دینا ہے وہ مجھے اس دنیا میں دیدے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! تم اس کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ کیسا پیارا کلام ہے ۔ کیسا دل کی گہرائیوں تک اتر جانے والا کلام ہے سبحان اللہ! تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ خدا سے ایسی دعا نہ مانگا کرو کہ جس کی تم میں طاقت نہ ہو، تم برداشت نہ کرسکو۔ فرمایا: یہ دعا کیوں نہ کی۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ساری باتیں اس میں آگئیں۔ جس عذاب آخرت سے ڈرتے ہوئے تم دعا مانگ رہے تھے اس کا تو اس دعا میں ذکر موجود ہے۔ یہ دعا مقبول ہو جائے تو عذاب آخرت کہاں؟ لیکن اس کے ساتھ یہ دنیا کی حسنات بھی دیتی ہے اور آخرت کی حسنات بھی دیتی ہے۔

پس یہ دعائیں ہیں۔ ان کا ایک پس منظر ہے۔ کس طرح خدا کے پاک بندوں نے ان کی حکمتوں کو سمجھا، کس طرح ان کے متعلق تلقین فرمائی۔ جب بھی آپ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنے کے بعد یہ مشکل دعا مانگتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ۝۶ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو پھر ان لوگوں کی دعائیں بھی تو ساتھ مانگا کریں اور بعینہٖ سورۂ فاتحہ کے بعد ان دعاؤں کے لئے قرآن کریم کی آیات پڑھنے کا وقت آجاتا ہے تو ایسی آیات کا انتخاب کریں جن آیات میں ایسی دعائیں ہوں اور دعاؤں کے مضمون کو اگر آپ سمجھ جائیں تو ہر ضرورت کے لئے ہر مشکل کے لئے ہر خواہش جو نیک خواہش ہے اس کو پورا کرنے کے لئے آپ کو قرآن کریم میں کوئی نہ کوئی مناسب حال دعا مل جائے گی۔ اگر اس کے پس منظر کو سمجھ جائیں تو پھر دل میں درد پیدا ہوگا۔ سوز پیدا ہوگا اور آپ کی دعاؤں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی۔ وہ ایسے چوزے کی طرح کی دعائیں نہیں ہوں گی جس کے پر نوچے جا چکے ہوں، ایسے پرندے کی طرح دعائیں ہوں گی جو اڑنے کی سکت رکھتا ہو اور بلند پروازی جانتا ہو اور بلند پروازی کی طاقت رکھتا ہو۔

پھر ایک دعا ہے جو حضرت طالوت جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جدعون تھے، ان کی دعا قرآن کریم نے محفوظ فرمائی ہے۔ جب وہ جالوت کی فوجوں کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلے تو جالوت

کی فوجیں بہت زیادہ تھیں اور بہت طاقتور تھیں اور اس کے مقابلے پر حضرت طالوت کی فوج بہت مختصر تھی اور اس میں سے بھی بہت سے ایسے تھے جو ابتلاء پر پورا نہیں اتر سکے اور آخر وقت تک ساتھ نہ دے سکے۔اس لئے جو باقی بچے وہ بہت ہی تھوڑے رہ گئے ۔اس وقت انہوں نے ایک دعا کی رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ (البقرہ:۲۵۱) کہ اے خدا! ہم پر صبر نازل فرما، ہمیں صبر عطا فرما، وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا اور ہمارے قدموں کو مستحکم اور مضبوط کردے۔وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ اور ہمیں انکار کرنے والوں کی قوم پر فتح نصیب فرما ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ دعا ایسی تھی جسے میں نے فوراً قبول کرلیا فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (البقرہ:۲۵۲) پس وہ جو عظیم شکست انہوں نے دشمن کو دی وہ محض اللہ کے اذن سے تھی ورنہ ان میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اتنے بھاری دشمن پر فتحیاب ہو سکتے۔

پھر قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم میں باقی انبیاء کی دعائیں ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی دعائیں نہیں حالانکہ بہت سی دعائیں جن میں نام نہیں لیا گیا اور بعض ایمان والوں کی دعائیں بتائی گئی ہیں وہ دعائیں وہ ہیں جو حضرت اقدس محمد رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی دعائیں تھیں اور بہت سی ایسی دعائیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے خود آپ کو مخاطب کر کے سمجھائیں کہ یہ دعا مجھ سے کیا کرو۔ یہ ساری دعائیں قرآن میں محفوظ ہیں۔اس کے علاوہ اور بھی دعائیں ہیں جن کا قرآن میں تفصیل سے ذکر نہیں ملتا لیکن مضمون موجود ہے ان دعاؤں کا انشاء اللہ بعد میں ذکر کروں گا۔ایک دعا یہ بتائی: اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرۃ:۲۸۶)

دیکھو! محمد رسول اللہ خدا تعالیٰ کی ہر اس چیز پر ایمان لے آئے ، ہر اس بات پر ایمان لے آئے۔ ہر اس حکم پر ایمان لے آئے جو ان کی طرف نازل کی گئی اور ان کے ساتھ ہی ان پر ایمان لانے والے بھی خدا کی کامل وحی پر ہر طرح سے ایمان لے آئے۔یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل چل کر جن جن باتوں پر وہ ایمان لاتے گئے آپؐ کے صحابہ آپ کے غلام بھی ان باتوں پر ایمان لاتے چلے گئے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ یہ سب کے سب وہ ہیں جو اللہ پر بھی ایمان لائے ملائکہ پر بھی ایمان لائے اور کتابوں پر بھی ایمان لائے اور خدا تعالیٰ کے رسولوں پر

بھی ایمان لائے اور یہ اقرار کیا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کہ جہاں تک وحی کی عظمت کا تعلق ہے جہاں تک تیرے فرمان کے احترام کا تعلق ہے ہم کسی بڑے چھوٹے رسول کی وحی میں فرق نہیں کریں گے۔ جو حکم تیری طرف سے آئے گا وہ کسی طرح ہم تک پہنچے، خواہ بڑے رسول کے ذریعہ پہنچے یا چھوٹے رسول کے ذریعے پہنچے ہم تو تیرے حکم پر نگاہ کرنے والے ہیں اس لئے جہاں تک وحی کے احترام کا تعلق ہے اس میں ہم کوئی فرق نہیں کریں گے کہ کوئی رسول زیادہ قابل احترام ہے اور کوئی رسول کم قابل احترام ہے اس بحث میں نہیں پڑیں گے اور پھر وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ اے خدا! ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کر دی یعنی جو کچھ ہم نے سنا اس سب پر ہم ایمان بھی لائے اور ہم اطاعت کے لئے حاضر ہوگئے اور عمل کرنا شروع کر دیا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ اس لئے اب ہم تجھ سے بخشش کا حق مانگتے ہیں، بخشش کی توقع رکھتے ہیں تو ہم سے بخشش کا سلوک فرما۔ دیکھئے اس میں بھی کتنا انکسار ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھی جس کیفیت کے ساتھ خدا کی وحی پر ایمان لائے کبھی دنیا میں کوئی قوم ایسی پیدا نہیں ہوئی جس نے اس شان کے ساتھ اس خلوص کے ساتھ اس طرح مضمون کی باریکیوں کو سمجھتے ہوئے خدا کے کسی نبی کی وحی پر ایمان لایا ہو مگر یہ لوگ محمد رسول اللہؐ اور آپ کے ساتھی اس وحی پر اس کامل شان کے ساتھ ایمان لے آئے اور پھر خدا کے سب رسولوں پر فرشتوں پر کتابوں پر سب پر ایمان لانے کے بعد پھر اپنا یہ دستور بنالیا کہ سنا اور اطاعت شروع کر دی اور مقابل پر خدا سے کیا مانگا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا اس کے باوجود ہم کسی چیز کے مستحق نہیں ہم جانتے ہیں کہ یہ سب توفیق تیری دی ہوئی ہے۔ ہاں بخشش کی توقع رکھتے ہیں کہ ہم سے جو کمزوریاں ہو جائیں، غفلتیں ہوں تو ہم سے بخشش کا سلوک فرما۔ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ اور ہم نے آخر تیرے پاس پہنچنا ہے۔ کوئی مفر نہیں ہے۔ لازماً ہم سب آخر تیرے حضور پہنچیں گے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا فرمایا ہاں میں جانتا ہوں کہ تم میں سے مختلف لوگوں کو میں نے مختلف توفیق عطا فرمائی ہے۔ کسی کو زیادہ طاقتیں دی ہیں کسی کو کم طاقتیں دی ہیں چونکہ میں نے طاقتیں دی ہیں میں تم سے تمہاری طاقتوں کے مطابق سلوک کروں گا۔ محمد مصطفی ﷺ سے ان کی طاقتوں کے مطابق اور ان کے غلاموں سے درجہ بدرجہ، صدیقوں سے

صدیقوں کے مطابق، شہداء کے مطابق اور صالحین سے صالحین کے مطابق۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ قانون یہ ہے کہ جو کچھ بھی نیکی تم سے سرزد ہوگی یا ان لوگوں سے ہوگی اس نیکی کی میں جزاء ضرور دوں گا مگر بدی کے متعلق احتیاط کرلوں گا کہ نیت اور پختہ نیت کا دخل ہو۔ جان بوجھ کر عمداً کی گئی ہو۔ اكْتَسَبَتْ میں واضح نیت اور ارادے کا معنی پایا جاتا ہے تو دیکھئے یہ بھی کتنا احسان اور مغفرت کا سلوک ہے۔ دراصل غُفْرَانَكَ کا جواب ہے فرمایا۔ ہاں غفران کا سلوک کروں گا اس طرح کہ نیکی تم سے راہ چلتے اتفاقاً بھی ہو جائے تو میں کہوں گا کہ تمہارے حساب میں لکھ لی جائے اور فرشتے تمہارے حساب میں لکھ لیا کریں گے لیکن بدی کے متعلق احتیاط کا حکم دوں گا کہ دیکھنا اس کی نیت تھی کہ نہیں۔ ارادہ تھا کہ نہیں۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کے ذکر میں فرمایا: وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ:۱۱۶) ہم نے جو اس سے مغفرت کا سلوک فرمایا تو وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ہم نے خوب ٹٹول کر دیکھا، اس کی نیت میں عزم نہیں پایا جاتا تھا۔ ٹھوکر کھائی تھی، غفلت ہوگئی تھی۔ پس غُفْرَانَكَ کا جواب بھی ہمیں مل گیا۔

پھر وہ دعا بتائی اور تفصیل کے ساتھ اس دعا کا ذکر فرمایا جو حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپؐ کے شاگردؓ آپؐ کے غلامؓ آپؐ کے صحابہؓ ہمیشہ خدا کے حضور گریہ وزاری سے کیا کرتے تھے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرہ:۲۸۷) اے خدا! لَا تُؤَاخِذْنَآ ہرگز ہمارا مؤاخذہ نہ فرمانا۔ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے اور غلطی کر دیں تو اس کا تو کوئی کھاتا ہی نہ رکھنا۔ اسے تو شروع سے ہی صاف کر دینا کہ ٹھیک ہے، یہ کسی شمار میں نہیں ہوگی۔ پھر رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا اور اے خدا! جہاں تک اس اصر کا تعلق ہے جو تو نے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا وہ ہم پر ڈالنا ہی نہ۔

اصر اور **حمل** دو مضمون ہیں جو اس آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ اصر سے متعلق لغوی تحقیق یہ ہے۔ **اصر الشئ** : کسی چیز کو توڑا مروڑا روکا۔ کوئی چیز اتنا بڑھ گئی مثلاً درخت کی شاخیں کہ آپس میں گنجھلیں پڑ گئیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کو خراب کرنے لگ گئیں۔ **انتصرا القوم** : لوگ زیادہ ہوگئے۔ **مأصر**: اس رسی کو بھی کہتے ہیں جو سڑک پر ٹول (Toll) وصول کرنے کے لئے لگائی جاتی تھی۔ آج کل بھی گیٹ Gate لگتے ہیں۔ یعنی وہ رسی جو گاڑیوں کو

موٹروں کو، گدھے گاڑیوں کو، اس زمانے میں تو گھوڑے اور خچر وغیرہ ہوا کرتے تھے تو ان کو روکنے کے لئے ہوتی تھی کہ اپنا ٹیکس دے کر جاؤ تو یہ سارے مفاہیم ہمیں بتاتے ہیں کہ اس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم پر کوئی ایسی شریعت نہ نازل فرمانا بوجھ سے مراد بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی طرف سے پابندیاں ہیں، ہرگز یہ مراد نہیں مراد یہ ہے کہ ہم پر ایسی پابندیاں نہ لگانا جن پابندیوں کو برداشت نہ کر کے پرانے لوگوں کی کمریں ٹوٹ گئیں اور وہ منہدم ہو گئے اور ایسی پابندیاں نہ لگانا جو تو نے کم لگائی تھیں لیکن رفتہ رفتہ لوگوں نے بڑھانی شروع کر دیں اور سیدھے سادے دین کو بوجھل بنا دیا۔

چنانچہ وہ جو قرآن کریم میں دوسری جگہ آتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں سے ان کے اِصْر دور فرماتا ہے۔ جن بوجھوں میں وہ مبتلا ہوئے ہیں، جو زائد رسم و رواج ان کے گلوں کے طوق بن گئے ہیں وہ ان سے ان کو رہائی دلاتا ہے۔ تو یہ وہ مضمون ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں کے رستے پر نہ چلانا جن کی تعلیمات ان کے لئے رفتہ رفتہ اِصْر بن گئیں۔ اس میں اضافے ہونے شروع ہو گئے، رسم و رواج پیدا ہو گئے۔ ایسی مشکل بنادی گئیں کہ پھر ان پر عمل نہیں ہو سکتا تھا اور پھر ایسے بھی لوگ تھے جن کی تعلیمات رفتہ رفتہ ٹیکس کی وصولی کی طرح بوجھل اور قابل نفرت بن گئیں۔ جب ان سے ان تعلیمات پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا تو سننے والے یہ سمجھتے تھے کہ یہ کیا مصیبت ہے۔

یہ ویسی ہی کیفیت ہے جیسے گزشتہ کچھ عرصہ پہلے ضیاء الحق صاحب نے نماز فرض کر دی تھی۔ ایک تو خدا نے فرض کر رکھی تھی 1400 سال پہلے سے ایک ضیاء صاحب نے اس کے اوپر پھر فرض فرما دی اور اس وقت کی جو کیفیت لوگ مجھے لکھا کرتے تھے وہ بالکل وہی تھی، جو میں بیان کر رہا ہوں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ تو ٹیکس پڑ گیا ہے اس کی ادائیگی سے جس طرح ہو سکے بھاگو۔ جو خدا کی فرض کردہ نمازیں پہلے پڑھتے تھے وہ تو اسی طرح پڑھتے رہے ان کو تو کوئی فرق نہیں پڑا لیکن ایک بڑی تعداد وہ تھی جو اصر سمجھ کر نمازوں کو پڑھتے تھے اور ان کا رجحان یہ تھا کہ گویا ان پر ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے تو دیکھیں کتنی اچھی دعا سکھادی۔ فرمایا: اے خدا تیری تعلیم کو تو ہم قبول کریں گے لیکن ہم تجھ سے کچھ گزارشات کرتے ہیں ہم ہر چیز پر ایمان لے آئے یہ عہد کر بیٹھے ہیں جو سنیں گے اس کی اطاعت کریں گے **لیکن اب ہمارے ساتھ ذرا ایک Code of conduct طے ہو جائے ایک ایسا طریق کار وضع ہو جائے جس پر ہم سے تیرا معاملہ ہوگا۔ ایک یہ کہ خطا تو شمار میں ہی نہیں آئے**

گی۔ بھول چوک معاف پرانے لوگوں کی غلطیاں دوہرانے کی تو ہمیں توفیق ہی نہیں بخشے گا۔ ہم تیری تعلیم کو ہرگز اپنے لئے بوجھ نہیں بننے دیں گے اور نہ تیری تعلیم کو بوجھ شمار کریں گے اور نہ ٹیکس شمار کریں گے۔ پھر اس کے بعد کیا ہے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ اس کے باوجود ہمیں پتا نہیں کہ پھر بھی کیا کیا ہونے والا ہے جہاں تک گزشتہ تاریخ کے سبق ہیں وہ تو ہم حاصل کئے لیکن اپنی کمزوریوں سے ہم پھر بھی واقف نہیں ہیں۔ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا پس اس وعدے کو یاد دلاتے ہیں اور پھر یہ تاکید اً عرض ہے۔ کہ ہم میں جتنی طاقت ہے اس سے زیادہ ہم پر بوجھ نہیں ڈالنا۔ طاقت دیکھ کر بوجھ ڈالنا اور اس کے بعد پھر بعد میں کیا سلوک ہو۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اے خدا! عفو کا سلوک فرمانا۔ پھر بھی گناہ ہوں گے تو دیکھنا ہی نہ گویا گناہ ایک طرف ہو رہے ہیں اور تیری نظریں دوسری طرف ہیں۔ وَاغْفِرْ لَنَا اور جو گناہ تیری نظر کے سامنے آجائیں ویسے تو ہر چیز پر خدا کی نظر ہے لیکن ایک اسلوب بیان ہے۔ جس طرح بعض لوگ حلم کا سلوک کرنے والے، مغفرت کا سلوک کرنے والے عفو سے آغاز کرتے ہیں اور کوشش کرتے رہتے ہیں کہ برائی نظر کے سامنے ہی نہ آئے۔ برائی کو اس وقت دیکھتے ہیں جب پکڑنے کا ارادہ کرتے ہیں حضرت مصلح موعودؓ کا بھی یہی طریق تھا مجھے یاد ہے بچپن میں آپ جب گھروں میں آیا کرتے تھے تو ہم بچپن کی کئی قسم کی بیہودہ حرکتیں کیا کرتے تھے تو آپ اس طرح غفلت کی نظر سے دیکھتے ہوئے گزرتے تھے جیسے پتا ہی نہیں لگا اور اس وقت دیکھتے تھے جب پکڑنے کا ارادہ ہو۔ جب سمجھیں کہ اب معاملہ کچھ ہاتھ سے بڑھتا چلا گیا ہے لیکن خدا سے یہ دعا نہیں ہے کہ ہمیں اس وقت گناہوں میں دیکھنا جب پکڑنے کا ارادہ ہو۔ فرمایا جب دیکھنا تو بخشش کے ارادے سے دیکھنا۔ جب پکڑے جائیں، بات کھل جائے تو وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اور رحم فرمانا۔ استحقاق کوئی نہیں۔ بار بار کی غلطیاں ہوں گی۔ تیرے حضور حاضر ہوں گے کچھ لے کر نہیں حاضر ہوں گے۔ ایسے اقرار بار بار توڑ چکے ہوں گے جو تیرے حضور مضبوطی سے باندھے ہوئے ہوں گے۔ کئی دفعہ توبہ کی ہوگی۔ ایسی صورت میں رحم کا سلوک فرمانا۔ کہنا: بڑے کمزور عاجز انسان ہیں ان کا کام ہی یہی ہے غلطیاں کرنا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ایک فارسی کا الہام بھی بیان کیا جاتا ہے کہ:۔

این مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

کہ اس خاک کی مٹھی کو میں بخشوں نہ تو کروں کیا۔ اس انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اتنا کمزور اتنا ناقص، بار بار گناہوں میں مبتلا ہونے والا۔ چلو دفعہ کرو اس کو، بخش ہی دو۔ خاک کی مٹھی ہی تو ہے تو یہ معنی وَارْحَمْنَا کے ہیں کہ اے خدا! پھر یہ کہہ دینا کہ چلو رحم ہی کر لیتے ہیں۔ کچھ نہیں۔ اَنْتَ مَوْلٰنَا یہ بات یاد رکھنا کہ ہمارا مولا تو ہے۔ اس لفظ میں ساری دعا کے درد کو سمو دیا گیا ہے اور دعا کی قبولیت کا راز بیان فرما دیا گیا ہے۔ ان حالتوں کے باوجود سوائے تیرے ہم نے کسی اور طرف نہیں دیکھا۔ اپنی تمام کمزوریوں اور گناہوں کے باوجود تجھ سے اس معنوں میں وفا کی ہے کہ اپنا مولا صرف تجھے سمجھا ہے اور کسی اور کو نہیں سمجھا۔ پس جب مولا تو ہے تو جائیں کہاں؟ دیکھئے! وہی دعا ہے ناں کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہ اے خدا جب تیری عبادت کرتے ہیں، کسی اور کی کرتے ہی نہیں تو مدد کس سے مانگیں؟ اور ہے کون؟

ہم تیرا در چھوڑ کر جائیں کہاں
چین دل آرامِ جاں پائیں کہاں (کلام محمود:۔۔)

اور کچھ بھی نہیں ہے پس مولٰنا نے وہ راز کھول دیا کہ کیوں ایسی عجیب وغریب سی دعائیں مانگو، جن میں کوئی منطق نظر نہیں آتی۔ کیوں خدا تم سے یہ سلوک کرتا چلا جائے یہ عرض کرنا کہ اے خدا! ہمارا مولا تو ہے۔ اگر ہم نے کسی اور کو مولا بنالیا تو پھر ان دعاؤں کا ہمیں استحقاق نہیں رہے گا۔ پس یہ دعا مقبول تب ہوگی اگر آپ کا مولا خدا ہی ہو۔ اگر ضرورت اور مصیبت کے وقت دوسروں کی طرف نہ بھاگیں اگر شرک میں مبتلا نہ ہوں۔ اگر مولا دنیا والے بنائے ہوئے اور دعا محمد رسول اللہؐ والی کریں کہ جن کا مولا خدا کے سوا کوئی بھی نہیں تھا تو ایک بے محل دعا ہوگی۔ اس کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ پس انکار کرنے والوں اور ناشکری کرنے والوں پر تو ہمیں نصرت عطا فرما کیونکہ ہمارا مولا تو ہے اور تیرے سوا اور کوئی مولا نہیں۔

پھر یہ دعا سکھائی رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران:۹) یہ دعا راسخون فی العلم کی دعا کے طور پر سکھائی گئی ہے جو محکمات اور متشابہات دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں۔ کل من

عنداللہ۔ یہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔اس لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ بغیر اس مضمون کو سمجھے اگر یہ دعا کرتے رہیں کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا جیسا کہ بعض کتب میں قرآنی دعائیں لکھی ہوئی ہیں اور پس منظر بیان نہیں ہوا تو ہوسکتا ہے کہ آپ کی دعا کا تیر خالی چلا جائے اور آپ کو علم نہ ہو کہ کیوں خطا ہوا۔ کیوں نشانے پر نہیں بیٹھا۔ فرمایا یہ دعا ان لوگوں کی طرف سے مقبول ہوتی ہے جو متشابہات پر بھی ایمان لاتے ہیں اور محکمات پر بھی ایمان لاتے ہیں قرآن کریم کی آیات ہوں یا محمد رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو یا دوسرے **اولو الامر** کی اطاعت کا مسئلہ ہو یہ سلوک نہ کرنے والے ہوں کہ جو بات کھلی کھلی دلیل کے ساتھ سمجھ آجائے اس پر تو شرح صدر کے ساتھ ایمان لے آئیں اور جہاں ذرا بھی شک کا کوئی پہلو دیکھیں وہاں شکوک میں مبتلا ہو جائیں ، توہمات میں مبتلا ہو جائیں۔ شاید یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی، شاید یہ بات پوری نہیں ہوئی یہاں زیادہ سختی ہوگئی ہے۔ یہاں ہمارے مزاج کے خلاف بات ہوگئی ہے۔ یہ متشابہات ہیں تو فرمایا اگر تم متشابہات پر ایمان نہیں لائے اور یہ متشابہات کو شرح صدر کے ساتھ قبول نہیں کرتے۔ اگر میٹھا میٹھا کھانے کی عادت ہے اور ہلکا سا مزا بدلے تو تھوک دینے کے عادی ہو تو پھر یہ دعا کرتے ہوئے ہمارے حضور حاضر نہ ہونا۔ ہم تو یہ دعا تمہیں ایسے لوگوں کی دعا کے طور پر بتا رہے ہیں جو **راسخون فی العلم** تھے۔ جو محکمات پر بھی کامل ایمان لاتے تھے اور متشابہات پر بھی کامل ایمان لاتے تھے۔ پھر وہ کیا کہتے تھے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا اب دیکھیں کتنی موزوں اور برمحل دعا ہے اور اس کا پس منظر جاننا کیوں ضروری ہے۔ دعا یہ ہے کہ اے خدا! ہمارے دلوں کو ایک دفعہ ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا یا ٹیڑھا نہ ہونے دینا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اپنے حضور سے ہمیں رحمت عطا فرمانا۔ ہم سے رحمت کا سلوک کرنا اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یقیناً تو بہت ہی زیادہ رحمت کا اور موہبت کا، بخشش اور پیار کا سلوک کرنے والا ہے۔ اب یہ دعا ان لوگوں کے حق میں قبول نہیں ہوسکتی جو ہر اس مقام پر جہاں دل ٹیڑھے ہونے کے احتمالات پیدا ہوتے ہیں۔ ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور خود اپنے دلوں کو ٹیڑھا ہونے دیتے ہیں۔ فرمایا جو **راسخون فی العلم** ہیں وہ ایسا نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود جانتے ہیں کہ خدا سے طاقت پائے بغیر وہ ان ابتلاؤں سے صحیح سالم گزر نہیں سکتے۔ ان کو دعاؤں کی پھر بھی ضرورت ہے۔ پس متشابہات سے ٹھوکر نہیں کھاتے لیکن جانتے ہیں کہ

دعا کے سہارے کے بغیر ہر وقت خطرے میں ہیں۔ پس اگر تم متشابہات سے ثابت قدمی سے گزرنے کی اہلیت رکھتے ہو اور بار بار شکوں کے ذریعہ، اپنے ایمان کو ضائع نہیں کرتے تو پھر یہ دعا کرو، پھر تمہارے ایمان کو نئی طاقت نصیب ہوگی پھر تمہیں مشکل مقامات پر، لڑکھڑانے کی جگہوں پر خدا کی طرف سے سہارے دیئے جائیں گے اور نئی طاقتیں عطا کی جائیں گی۔ پھر تمہیں ہر خطرے کے مقام سے گرنے سے بچالیا جائے گا۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: ۱۰) اے خدا! تو ایک ایسے دن کے وقت ہم سب کو اکٹھا کرنے والا ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ اب دیکھیں کتنی پر حکمت بات ہے۔ اس مضمون سے اس فقرے کا کتنا گہرا تعلق ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ فرمایا: رَيْبَ کی بات چل رہی تھی کہ اے خدا! وہ لوگ جو متشابہات کے وقت شک نہیں کرتے ان کے ساتھ شامل ہو کر یہ دعا کیا کرو کیونکہ بالآخر ایک ایسا دن آنے والا ہے جس میں کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔ جن باتوں کو تم آج نہیں سمجھ سکے وہ کل تمہارے سامنے کھول دی جائیں گی اور جب وہ کھول دی جائیں گی تو پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ تم کتنی غلطی پر تھے۔ اس لئے استغفار سے کام لیتے ہوئے دعاؤں کے ذریعہ ان ٹھوکروں سے بچنے کی کوشش کرو جن کا حال ایک ایسے دن پر کھول دیا جائے گا جس کے متعلق وہ دعا کرنے والے خود عرض کرتے ہیں کہ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اس دن ہمارے ساتھ ربوبیت کا سلوک فرمانا جس دن سب دنیا اکٹھی ہوگی اور اس دن میں کوئی شک والی بات نہیں ہوگی۔ یہاں دو معنی ہیں۔ وہ دن شک سے بالا ہے یعنی لازماً ایسا ایک دور آنے والا ہے جس میں یہ باتیں ہوں گی اور اس دن کوئی شک والی بات نہیں ہوگی۔ سب پردے اٹھا دیئے جائیں گے۔

پھر سورۂ آل عمران آیت ۱۷ میں متقیوں کی دعا کے طور پر یہ دعا سکھائی: رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے خدا! ہم ایمان لے آئے۔ پس ہمارے گناہ بخش دے۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

پھر آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے خود یہ دعا سکھائی: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۲۷ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ

فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران: ۲۷، ۲۸)

اے محمد ﷺ! تو مجھ سے یوں مخاطب ہوا کر مجھ سے یہ دعا کیا کر کہ اے ہمارے اللہ! تو ملک کا مالک ہے۔یعنی ہر قسم کی ملکیت جس کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ اور دنیا کی بادشاہتیں بھی اور آخرت کی بادشاہتیں بھی تیری طرف سے عطا ہوتی ہیں جس کو جو چاہے جس طرح چاہے تو عطا فرمادے خواہ وہ اس دنیا کا ملک ہو یا آخرت کا ملک ہو۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ لیکن تو چھیننے کی بھی طاقت رکھتا ہے جب چاہے کسی کو نااہل قرار دے کر اس سے اپنا عطا کردہ ملک واپس لے لے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ تو جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے ذلیل ہونے دیتا ہے لیکن بِيَدِكَ الْخَيْرُ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بھلائی ہے۔ تیری طرف سے کسی کو ذلت نہیں پہنچتی۔ تو ذلیل ہونے دیتا ہے۔ یعنی اگر وہ خود ذلیل ہونا چاہتا ہے تو بعض دفعہ تو فیصلہ فرمالیتا ہے کہ اچھا پھر ہم تجھے ذلیل ہونے دیں گے اور پھر وہ ذلیل اور رسوا ہو جاتا ہے لیکن جہاں تک تیرے ہاتھ کا تعلق ہے یہ ہاتھ خیر کا ہاتھ ہے یہ برائی کا ہاتھ نہیں ہے۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور تو ہر چیز پر قادر ہے جو تو چاہتا ہے اور چونکہ تو بھلائی چاہتا ہے اس لئے ہم تجھ سے بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں۔ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ زمانے ادلتے بدلتے رہتے ہیں راتیں دنوں میں داخل ہو جاتی ہیں اور دنوں کو تو راتوں میں داخل فرما دیتا ہے جب چاہے راتوں کو دنوں میں داخل فرماتا ہے۔ دنوں کو راتوں میں داخل فرما دیتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور اسی طرح تو زندوں کو مردوں میں داخل کر دیتا ہے اور مردوں کو زندوں میں داخل فرما دیتا ہے۔ پس ہر آن تیرا فضل ہی ہے جو ہمیں ہمیشہ صحیح رستے پر قائم رکھے اور مردوں سے زندوں میں داخل ہونے والے ہوں نہ کہ زندوں سے مردوں میں داخل ہونے والے۔ اسی طرح ہمارے زمانے راتوں سے روشنیوں میں تبدیل ہونے والے ہوں، روشنیوں سے راتوں میں تبدیل ہونے والے نہ ہوں۔ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور تو جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے اسے رزق عطا فرماتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس دعا کے متعلق فرمایا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے، پھر آیت الکرسی کی تلاوت کرتا ہے، پھر ال عمران کی اس آیت کی تلاوت کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران:۱۹): شَهِدَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس بات کا گواہ ہے اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے بھی اس بات کے گواہ ہیں اور اُولُوا الْعِلْمِ اور جتنے صاحب علم لوگ جتنے ہیں وہ بھی اس بات کے گواہ ہیں۔ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سارے ہمیشہ انصاف پر قائم رہتے ہیں اور وہ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔

اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر یہ دعا پڑھتے ہیں جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے فرمایا: جو شخص بھی ہر فرض نماز کے بعد یہ دعائیں کرے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جنت بطور ماویٰ مقدر کر دی ہے اور اسے جنت الفردوس میں سکونت عطا کروں گا اور ہر روز ستّر مرتبہ اسے اپنے دیدار سے مشرف کروں گا۔ یہاں لفظ ستّر جو ہے اس کے متعلق بتانا ضروری ہے کہ عربوں میں یہ ایک عدد ہے جو کثرت کی علامت ہے یعنی بکثرت میں اسے دیدار نصیب کروں گا۔ تو عرب اسے یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ ستّر مرتبہ۔ تو اس سے مراد ظاہری طور پر ۷۰ نہیں ہے۔ بعض تو ان جنتوں میں ایسے بھی ہوں گے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو ہمیشہ دیدار کی حالت میں ہی رہیں گے اور ساتھ ہی یہ جو نسخہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس کو آنحضور ﷺ نے فراخیٔ رزق کا نسخہ بھی بیان فرمایا ہے۔

پس وہ لوگ جو مختلف قسم کی تنگیوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو اسی ترتیب سے یہ دعا کرنی چاہئے جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تو ان سب دعاؤں سے گزرنے کے بعد جب آپ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تک پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی اس دعا کو باقی سب دعاؤں کی برکت سے بھی قبول فرمالے گا اور آپ کے رزق میں فراخی عطا فرمائے گا۔

اب چونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے ایک دو دعاؤں کے بعد میں پھر اس مضمون کو

سر دست ختم کرتا ہوں لیکن یہ ایسا مضمون ہے جسے بہر حال قسطوں میں جاری رکھنا پڑے گا کیونکہ جب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا کی گفتگو چل پڑی ہے اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی باتیں شروع ہو گئیں تو جماعت کو جب تک یہ نہ پتہ چلے کہ وہ رستہ کیا تھا؟ کس طرح اس رستے پر چلنے کی ان کو توفیق ملے گی؟ کس طرح اس رستے پر چل کر وہ صاحب انعام لوگ بنیں گے؟ اس وقت تک خالی منہ سے یہ باتیں کہہ دینا بے معنی بات ہے، بے معنی نہ سہی، برکتیں کچھ نہ کچھ تو ملتی ہوں گی لیکن جتنی برکتوں کی توقع کی جاسکتی ہے وہ برکتیں اس طرح نصیب نہیں ہوسکتیں جب تک اس دعا کی ذیل میں وہ دعائیں ہی معلوم نہ ہوں جو دعائیں کرتے ہوئے خدا کی راہ میں چلنے والے قافلے عمر بھر اپنا سفر طے کرتے رہے اور ہمیشہ کامیابی کے ساتھ سفر طے کیا۔ ان دعاؤں کے سہارے ان کو ہر ٹھوکر سے بچایا گیا۔ ہر ابتلاء سے وہ سرخرو ہو کر نکلے اور خدا کے حضور مکرم اور محترم ٹھہرے۔ خدا نے خود ان کی حمد بیان فرمائی اور خدا کے فرشتوں نے بھی ان پر درود بھیجے۔ یہ وہ رستہ ہے جس کا تفصیل سے جماعت کو علم ہونا چاہئے لیکن آخر پر میں حضرت زکریاؑ کی یہ دعا آپ کے سامنے رکھتا ہوں کیونکہ آج کل خاص طور پر مجھے بہت سی خواتین کے اور بعض مردوں کے بھی خط مل رہے ہیں کہ اس رمضان میں خاص طور پر ہمارے لئے بیٹے کی دعا کرنا۔ ان خطوں کا حضرت زکریا کی دعا سے ایک گہرا تعلق اس لئے بھی ہے کہ یہ وقف نو میں شمولیت کے شوق رکھنے کے نتیجے میں دعاؤں کے خط لکھ رہے ہیں۔ اکثر خط یہ ہیں کہ ہماری شدید تمنا ہے کہ ہم بھی وقف نو کی تحریک میں شامل ہو جائیں اگر چہ وقت گزر چکا ہے لیکن خدا کے لئے ہمیں شامل کر لیں اور دعائیں کر کر کے شامل کروائیں۔ ایک صرف شامل کرنے کی درخواست نہیں ہے بلکہ اونٹ بھی دیں، سامان بھی دیں اور پھر اس کو لاد بھی دیں تو یہ اکیلے میرے بس کی بات نہیں ہے ساری جماعت اس دعا میں ساتھ شامل ہو، مدد کرے تو پھر اللہ تعالیٰ جس پر رحم فرمائے اس پر رحم ہوگا اور خدا ان مخلصین کی جھولیاں پھر اپنی رحمتوں سے بھر دے گا اور پھر وہ ان جھولیوں کو بھر بھر کر دوبارہ خدا کے حضور پیش کریں گے۔

حضرت زکریاؑ کی دعا کا آغاز اس طرح ہوا کہ قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ وہ جب بھی حضرت مریمؑ کے حجرے میں آپ کا حال پوچھنے جایا کرتے تھے۔ حضرت مریمؑ نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ ان کی والدہ نے ان کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کو وقف کر دیا گیا تھا اور بعد میں حضرت

زکریاؑ کی تحویل میں ان کی تربیت کے لئے دیا تھا تو حضرت زکریاؑ وقتاً فوقتاً حجرے میں ان کا حال پوچھنے جایا کرتے تھے اور وہاں مختلف قسم کے رزق دیکھتے تھے۔ عام طور پر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ غیب سے بغیر کسی انسانی واسطے کے وہاں کئی قسم کے تحفے پہنچے ہوتے تھے لیکن حضرت زکریاؑ کی دعا سے پتا چلتا ہے کہ یہ بات نہیں تھی کچھ اور بات تھی۔ حضرت مریمؑ کو نیکی کی وجہ سے کچھ لوگ تو جیسا کہ دنیا میں رواج ہے دعائیں لینے کے لئے محبت کے اظہار کے لئے تحائف پیش کیا کرتے تھے اور چونکہ حضرت مریمؑ اسے اپنی ذاتی خوبی نہیں سمجھا کرتی تھیں ہمیشہ پوچھنے پر یہ کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ہے میرا تو اس میں کچھ نہیں ہے۔ نہ میں نے مانگا نہ توقع کی۔ لوگوں کے دلوں میں خدا نے خود محبت پیدا فرمادی۔ اور پھر وہ مجھے جو پیش کرتے رہتے ہیں تم دیکھ رہے ہو اور دوسری مراد یہ تھی کہ اس رزق سے کہ روحانی رزق پاتے تھے۔ خدا ان سے رحمت اور مغفرت کا بھی سلوک فرماتا تھا اور ان پر کشوف کے ذریعے یا الہامات کے ذریعے یا سچی رؤیا کے ذریعے رجوع برحمت ہوتا تھا۔ اپنی رحمت کا بار بار اظہار فرماتا تھا تو جس طرح عام طور پر بعض نیک گھروں میں مشاہدے میں بات آتی ہے کہ بعض بچوں سے پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ کیا خواب دیکھی؟ کیا خدا کی طرف سے رحمت کا نشان ملا؟ تو وہ نئی نئی باتیں بتاتے ہیں تو حضرت مریمؑ بھی اپنی معصومیت اور بھول پن میں اس وقت جو بھی گزشتہ رات کے واقعات ہوا کرتے تھے وہ بتایا کرتی تھیں کہ خدا نے مجھ سے یہ فرمایا۔ مجھ سے یہ فرمایا۔ اس طرح رحمت کا سلوک فرمایا۔ اس طرح پیار کا اظہار فرمایا تو حضرت زکریاؑ جو خود نبی تھے وہ رشک کرتے تھے۔ رشک اس بات پر نہیں کرتے تھے کہ مجھے مریمؑ کی طرح کچھ عطا نہیں ہوا۔ رشک اس بات پر کرتے تھے کہ مریمؑ ایک ماں کی دعا کا نتیجہ ہے اور اس دعا کے نتیجے میں پاک اولاد ہے۔ میں پاک اولاد سے محروم ہوں کاش! میں بھی یہ فخر کرسکوں کہ میری اولاد بھی اس طرح نیک ہو اور اس طرح خدا سے رزق پانے والی ہو۔ اگر یہ مضمون درست نہ ہو تو اگلی دعا کا اس سے تعلق ہی کچھ نہیں بنتا تو درحقیقت یہی وہ بات تھی جس نے حضرت زکریاؑ کو خدا سے یہ دعا کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (آل عمران:۳۹) اس وقت جب حضرت زکریاؑ نے یہ کیفیت دیکھی تو دل سے اک ہوک اٹھی اور اپنے رب سے اس نے عرض کیا: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اے خدا! مجھے

بھی خالص اپنی جناب سے پاک ذرّیت عطا فرما اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ یقیناً تو بہت دعا سننے والا ہے۔اس کے بعد پھر اس دعا کی مختلف الفاظ میں تکرار ہوگی جو ایک عجیب پر درد مضمون رکھتی ہے چونکہ میں نمبر کے لحاظ سے چل رہا ہوں اس لئے یہاں بیان کرنے کی بجائے جب وہ موقعہ آئے گا تو پھر میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ پہلے تو میرا خیال تھا کہ یہ مضمون ایک ہی خطبہ میں ختم ہو جائے گا مگر یہ جاری رہے گا۔

پس وہ عبادت کرنے والے جو مسافر گاڑی میں مستقل سوار ہیں، ان کے لئے تو کوئی مشکل نہیں ۔وہ تو ساتھ چلتے رہیں گے اور یہ باتیں سنتے رہیں گے اور ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور عبادت کے نئے نئے گر سیکھتے رہیں گے اور ان کی مشکل کشائی ہوتی چلی جائے گی لیکن جو لوگ اتر گئے ہیں یا اتر جائیں گے جہاں تک آپ کو توفیق ہے اگر آپ ان کے واقف ہیں۔کبھی ان سے ملتے ہوں تو ان کو بھی بتاتے رہیں ہوسکتا ہے یہ باتیں سن سن کر جس طرح حضرت زکریاؑ کے دل میں نیک بات دیکھ کر، خدا کے خاص فضل کو دیکھ کر ویسا ہی فضل طلب کرنے کی تمنا پیدا ہوئی تھی ۔میری دعا ہے اور میری تمنا ہے کہ اسی طرح جب آپ ان لوگوں تک یہ باتیں پہنچا ئیں جو آج کے سٹیشن سے آپ کو رخصت کر کے واپس ہونے والے ہیں تو ان کے دل میں یہ تحریک پیدا ہو کہ وہ مستقل آپ کے سفر کے ساتھی بن جائیں اور اس طرح یہ جمعہ ایک ایسی خیر پیچھے چھوڑ کر جائے جو وداع ہونے والی خیر نہ ہو جو رخصت ہونے والی خیر نہ ہو بلکہ ہمیشہ زندگی کا جزو بن جانے والی خیر، زندگی کے ساتھ وفا کرنے والی خیر، ایسی خیر بن جائے جس سے انسان کبھی پھر وداع نہیں ہوا کرتا، وہ ہمیشہ ساتھ رہا کرتی ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ

کی روشنی میں انبیاء کی دعائیں اوران کی عظمت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ /اپریل ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورانور نے فرمایا:۔

گزشتہ خطبے میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ سورۂ فاتحہ کی آخری دعا یعنی اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ایک بہت ہی مشکل دعا ہے کیونکہ وہ لوگ جن پر خدا نے انعام فرمایا ان کی راہیں بہت مشکل راہیں تھیں اوران پر چلنے کی دعا مانگنا بھی بڑے حوصلے کا تقاضا کرتا ہے۔ساتھ ہی میں نے یہ بیان کیا کہ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں اوران انعام یافتہ لوگوں کی زندگی کے حالات کوقرآن کریم کے شیشے میں دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی راہوں کو دعاؤں کے زور سے آسان کیا اور دعاؤں کے سہارے ان کا یہ سفر جو بہت ہی مشکل تھا آسانی سے طے ہوا یہاں تک کہ وہ اپنے نیک انجام کو پہنچے۔پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں بھی جب ہم سورۂ فاتحہ میں مذکور دعا کرتے ہیں تو ان دعاؤں کا سہارالینا چاہئے جن دعاؤں کا سہارا ہم سے پہلے انعام یافتہ لوگوں نے لیا تھا ورنہ اس راہ پر سفر کرنا تو درکنار یہ دعا مانگنے کی بھی ہمت نہیں پیدا ہوسکتی۔کچھ دعائیں جو قرآن میں مذکور ہیں ان کا بیان گزر چکا۔اب میں جہاں سے مضمون ختم ہوا تھا وہاں سے دوبارہ شروع کرتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ

نے آپ کو مامور فرمایا اور بہت ہی مشکل کام تھا جو آپ کے سپرد ہوا یہاں تک کہ آپ نے محسوس کیا کہ ساری قوم انکار کر بیٹھے گی اور آپ کو رد کر دیا جائے گا تو اس وقت کیا ہوا۔ فرمایا: فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ (آل عمران: ۵۳) کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کفر کو محسوس کیا تب کہا: قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ تو انہوں نے یہ دردناک صدا بلند کی مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کون ہے جو خدا کی راہ میں میری مدد کے لئے آگے آئے۔ اس وقت وہ چند حواری جو آپ پر ایمان لائے تھے انہوں نے کہا: قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کہ ہم تیری مدد کے لئے خدا کی خاطر تیار ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اور اے عیسیٰؑ! تو گواہ بن جا کہ ہم اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ تب انہوں نے یہ دعا کی: رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران: ۵۴) کہ اے ہمارے رب! ہم جو تو نے اتارا ہے اس پر ایمان لے آئے ہیں وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ اور ہم نے اس رسول کی پیروی شروع کر دی ہے جس رسول کو تو نے بھیجا تھا۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ تو ہمیں بھی شاہدوں میں لکھ لے۔

اس دعا کی حکمت کو سمجھنا چاہئے۔ اس کے دو حصے ہیں پہلے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مومن مخاطب ہوتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ ہم پر گواہ بن جائیں اور اس کے بعد خدا سے مخاطب ہوتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ ہم پر گواہ بن جائیں اور اس کے بعد خدا سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ تو ہمیں گواہوں میں شمار کر لے۔ یہ نہیں کہا کہ تو ہمارا گواہ بن جا عرض کرتے ہیں فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کہ تو ہمیں بھی شاہدوں میں لکھ لے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انبیاء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں اور خدا پر ایمان لانے والوں کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال کا ہمیشہ باریک نظر سے جائزہ لیتے رہیں کیونکہ قیامت کے دن ان کو ان لوگوں پر گواہ بنایا جائے گا اور گواہ بننے کے لئے جو شرائط ہیں وہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اس معاملے میں گواہ بننے کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ جس نیکی کی وہ تعلیم دیتے ہیں اس نیکی پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اگر انبیاء میں یہ بنیادی شرط نہ پائی جاتی تو وہ ہرگز قوموں پر گواہ نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ پس نیکی کا گواہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود نیک ہو۔ پس حواریوں نے دیکھئے کیسی پر حکمت دعا کی ہے۔ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ تو ہمارا گواہ بن جا کیونکہ تو ہی

یہ اہلیت رکھتا ہے کہ جو بات کہتا ہے وہی کرتا ہے۔جس نیکی کی تعلیم دیتا ہے اس پر عمل پیرا ہے، ہمارا گواہ بن جا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور پھر خدا سے عرض کی کہ اے خدا! ہمیں بھی گواہوں میں لکھ لے۔ہم تیرے حضور اس قابل بنیں کہ لوگوں کو نہ صرف نیکی کی تعلیم دیں بلکہ اس تعلیم پر خود عمل کرنے والے ہوں یہاں تک کہ تیرے نزدیک ہم شاہدین میں لکھے جائیں۔بہت بڑا مرتبہ ہے جو طلب کیا گیا ہے یعنی تیرے حضور انبیاء کے ان ساتھیوں میں لکھے جائیں جن کو قوموں کی نگرانی پر مامور کیا جاتا ہے۔پس نیک اعمال کی اور اخلاص کی دعا اس دعا کے اندر شامل ہوگئی اور بہت ہی جامع و مانع دعا ہے۔

پھر بہت سے انبیاء کی دعا قرآن کریم نے یوں بیان فرمائی کہ مختلف انبیاء مختلف مصائب میں مبتلا ہو کر یہ دعا کیا کرتے تھے جن کا ذکر یوں فرمایا: وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِينَ (آل عمران:۱۴۷) وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ آگے دعا شروع ہوگی۔وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ کتنے ہی خدا کے نبی ایسے ہیں۔ قُتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ جن کے ساتھ بہت سے خدا والوں نے مل کر جہاد کیا فَمَا وَهَنُوا وہ کمزور نہیں پڑے لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ۔اس وجہ سے کہ ان کو اس راہ میں یعنی اللہ کی راہ میں مصیبتیں پڑیں۔وَمَا ضَعُفُوا اور یہ بھی کمزوری کے اظہار کا ایک مزید لفظ ہے۔ضَعُفُوا کمزور پڑ جانا۔بوڑھے ہو جانا تھک جانا وَمَا اسْتَكَانُوا اور ایسے حال میں نہیں پہنچے کہ وہ ذلیل اور رسوا ہو چکے ہوں اور ہمت ہار بیٹھے ہوں۔تو باوجود شدید مشکلات کے لمبی مشکلوں کی راہ پر چلنے کے ان میں کوئی کمزوری نہیں آئی کوئی بیزاری پیدا نہیں ہوئی کوئی تھکن پیدا نہیں ہوئی اور مشکلات نے اعصاب کو مضمحل نہیں کر دیا اور دنیا کی نظر میں ان لوگوں میں وہ شمار نہیں ہوئے جو تھک ہار کر ذلیل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

یہ کیسے ہوا؟ اس لئے ہوا کہ وہ ایک دعا کیا کرتے تھے وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اس کے سوا ان کی دعا اور کچھ نہ تھی کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے۔وَ إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا اور اپنے نفس پر ہم جو زیادتیاں کرتے رہتے ہیں ان

سے صرف نظر فرما۔ وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے اقدام میں استحکام بخش اور ہمیں متزلزل نہ ہونے دے ۔وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۸)اور ہمیں کافروں کی قوم پر نصرت عطا فرما۔

پس یہ جو دعائیں بتائی گئیں کہ یہ دعائیں کیا کرتے تھے ان دعاؤں کو اس مضمون پر چسپاں کر کے دیکھیں جو پہلے گزر گیا کہ ان میں یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی ، یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی ، یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی ، یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی تو درحقیقت ان سب باتوں کا جواب اس دعا میں ہے۔اس دعا کے جتنے ٹکڑے ہیں ان کا ان باتوں سے تعلق ہے جن باتوں سے وہ بچے رہے اور جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات بخشی اور وہ اس دعا ہی کا نتیجہ تھا۔ پس اگر آج بھی مومن اس راہ کو طلب کر رہے ہیں تو اس راہ کی صفات کو اختیار کرنا پڑے گا اور دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ثبات قدم کی التجائیں کرنی ہوں گی۔

پھر قرآن کریم میں لِّاُولِي الْاَلْبَابِ کی دعا بتائی گئی ہے یعنی عقل والوں کی دعا۔جن کا دماغ روشن ہوتا ہے جن کا نور بصیرت تیز ہوتا ہے۔فرمایا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران:۱۹۱)

دیکھو! آسمان اور زمین کی پیدائش میں رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں یقیناً لِّاُولِي الْاَلْبَابِ کے لئے صاحب عقل لوگوں کے لئے نشانات ہیں ۔صاحب عقل لوگ کیا کرتے ہیں ؟ صاحب عقل وہ لوگ ہیں۔اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا جو اللہ کو کھڑے ہو کر بھی ، بیٹھ کر بھی یاد کرتے ہیں۔ وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ اور رات کو لیٹے ہوئے یا دن کو لیٹے ہوئے بھی۔ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ہمیشہ زمین و آسمان کی پیدائش پر فکر کرتے رہتے ہیں اور غور کرتے رہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ کیا پیدا کیا؟ اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ اس کی تخلیق میں کیا لطائف پوشیدہ ہیں؟ یہ غور کرنے کے بعد ان کے دل سے بے ساختہ یہ دعا نکلتی ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہ اے ہمارے رب ! جو کچھ بھی تو نے پیدا کیا ہے حکمتوں سے بھرا ہوا ہے باطل نہیں ہے۔ بے مقصد نہیں ہے کیونکہ اتنا اعلیٰ انتظام جو ایسا مربوط ہو اور ایسا گہری حکمتوں پر مبنی ہو وہ عبث نہیں ہوسکتا، بے کار نہیں بنایا جاسکتا ضرور

اس کا کوئی مقصد ہے اور اگر ہم اس مقصد کو پورا کرنے والے نہ بنیں تو جس طرح بے کار چیزیں آگ میں پھینک دی جاتی ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہم بھی آگ کا ایندھن نہ بن جائیں تو ان سب باتوں پر مشتمل یہ دعا ہے اگرچہ الفاظ تھوڑے ہیں۔عرض کرتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تیری شان بلند ہے، تو سبحان ہے، تو پاک ہے ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

پس سوال یہ ہے کہ اچانک زمین و آسمان پر غور کرنے کے بعد آگ کے عذاب کا کیا ذکر چل پڑا۔ وہ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ وہ ذکر اس مضمون میں مخفی ہے، اس کے اندر یہ ذکر موجود ہے اگرچہ ظاہری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا۔ مراد یہی ہے کہ جب وہ یہ مضمون پا جاتے ہیں کہ اتنی عظیم الشان کائنات جو اتنی لطافتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنائی گئی ہے اور ارب ہا ارب سال جس کی تخلیق کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں لگے یہ بے معنی اور بے کار نہیں ہوسکتی۔ ایک انسان ایک گلی ڈنڈا بھی بنائے تو اس کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ بچے کوئی معمولی سا کھلونا بھی گھڑ لیں یا مٹی سے بنالیں تو اس کا بھی ایک مقصد ہوا کرتا ہے۔ جب وہ مقصد پورا نہ ہو تو پھر اسے یا تو ردی میں پھینک دیا جاتا ہے یا آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ ہر پرزہ جس مقصد کے لئے بنایا جاتا ہے اس مقصد کو جب وہ پورا کرنا چھوڑ دے تو Junk میں چلا جاتا ہے۔ پرانی کاریں آپ نے دیکھی ہوں گی کہ وہ ایسی جگہوں پر بھجوادی جاتی ہیں جہاں بڑی بڑی مشینیں ان کو چڑ مڑ کر کے محض لوہے کا ڈھیر بنا دینے پر لگی رہتی ہیں اور آناً فاناً ان کاروں کے حلیے بگڑ جاتے ہیں اور وہ محض لوہے کے ٹکڑے باقی رہ جاتے ہیں۔ مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ہر وہ چیز باقی رہے جو مفید ہے جو ان مقاصد کے مطابق ہے جن مقاصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور ہر وہ چیز رد کر دی جائے اور اسے کالعدم کر دیا جائے جو مقاصد کو ادا کرنے سے عاری ہوگئی ہو کیونکہ اس کے رہنے کا اب کوئی جواز نہیں رہا۔ ان کے لئے آگ بنائی گئی ہے۔ آگ ان لوگوں کو ختم کرنے کے لئے بنائی گئی ہے جو مقصد کو پورا نہیں کر سکے۔ اس لئے یہ بڑی پر حکمت دعا ہے دیکھئے ان لوگوں کو لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کہنا یہاں کیسا سجتا ہے کہ غور وفکر کے بعد لمبی باتوں کی بجائے سیدھی نکتے کی بات کہی۔ آخری مقصد کی بات بیان کر گئے کہ اے خدا! ہم نے بہت غور کر لیا ہے۔ اب ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کیا تو ہم آگ کا ایندھن بنائے جانے کے لائق ہوں گے۔ پس ہم تجھ سے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ

تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ اے خدا! جسے تو آگ میں داخل کردے یا داخل کردے گا تو اسے تو ذلیل ورسوا کردے گا وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ۔یہ بھی کیسی پر حکمت دعا ہے اور دیکھیں ان کے لئے لِّاُولِى الْاَلْبَابِ کہلانا کیسا زیب دیتا ہے کیونکہ یہ کہنے کے بعد کہ جسے تو آگ میں داخل کرے یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ اللہ گویا نعوذ باللہ لوگوں کو زبردستی آگ میں داخل کرتا پھرتا ہے۔اس شبے کا ازالہ اس دعا کے آخری ٹکڑے نے کردیا اور وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ اے خدا! جن کو تو آگ میں داخل کرے گا وہ ظالم ہوں گے۔خود اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے اور جو ظلم کرنے والے ہیں ان کی مدد نہیں کی جاتی ۔اس لئے تو ان کی مدد نہیں کرے گا۔وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ پھر یہ دعا آئی :رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ کہ اے خدا! ہم نے اس منادی کی آواز کو سنا جو یہ پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔پس ہم نے اس پکار کو سنا اور ایمان لے آئے اس ایمان لانے کے نتیجے میں کیا طلب کیا جاتا ہے۔لِّاُولِى الْاَلْبَابِ یہ عرض کرتے ہیں :رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے خدا! پہلا مطالبہ تو ہمارا یہ ہے کہ اب جب ہمیں نئی زندگی عطا کی گئی نئے دور میں ہم داخل ہو رہے ہیں تو ہمارے پرانے گناہوں کا شمار نہ کیا جائے۔Clean slate یعنی بالکل صاف تختی کے ساتھ ہم دوبارہ زندگی کا ایک نیا سفر شروع کریں لیکن یہ کہنا بھی کافی نہیں کیونکہ زندگی کے اندر بہت سی برائیاں اس طرح داخل ہو جاتی ہیں جیسے فطرت ثانیہ بن گئی ہوں اور محض ایمان لانے کے نتیجے میں وہ بیماریاں ازخود جھڑ نہیں جایا کرتیں۔

پرانے گناہ تو بخشے گئے لیکن بدعادتیں جو زندگی کا حصہ بن چکی ہیں وہ کیسے چھٹیں گی اور ان کے نتیجے میں جو نئے گناہ پیدا ہوتے رہیں گے ان کا کیا بنے گا تو دیکھئے صاحب عقل لوگ کیسی اچھی دعا کر رہے ہیں ۔کہتے ہیں :وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا پہلے کی بخشش اور آئندہ ہم سے ہماری وہ برائیاں دور کرنا شروع فرمادے جو برائیاں ہمارے ساتھ لاحق ہو چکی ہیں ، بیماریوں کی طرح ہمیں چمٹ گئی ہیں۔جن کو دور کرنا ہماری طاقت میں نہیں ہے۔

پس ایمان لانے کے ساتھ ہی سب برائیاں دور نہیں ہو جایا کرتیں اور یہ خصوصاً ان مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے جو دنیا میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔محض تبلیغ کے ذریعے کسی کو مسلمان بنالینا

اور یہ سمجھ لینا کہ فرض ادا ہو گیا ہرگز کافی نہیں کیونکہ بہت سے ایسے ایمان لانے والے ہوں گے جو سچے دل سے توبہ بھی کر چکے ہوں گے لیکن اپنی بہت سی بدیاں ساتھ لے کر آئیں گے جن سے چھٹکارا پانا ان کے بس میں نہیں۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ کی گئی، اگر تبلیغ کرنے والا ان سے مستقل تعلق رکھ کے ان کی برائیاں دور کرنے میں ان کی مدد نہیں کرتا تو ایسے ہی ہوگا جیسے بعض بچے وبائی امراض کا شکار ہوتے ہیں اور مائیں ان کو جگہ جگہ لئے پھرتی ہیں، اتنا نہیں سوچتیں کہ مجالس میں لے کے جائیں گی تو اور بھی بیماریاں پھیلائیں گی، کئی مائیں میرے پاس بھی لے آتی ہیں جب میں پیار کر چکتا ہوں تو بتاتی ہیں کہ اس کو تو فلاں وبائی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے وہ الگ بات ہے لیکن جو مضمون ہے اس کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ اقرار کرتے ہیں کہ محض ایمان لانے کے نتیجے میں ہم پاک وصاف نہیں ہو گئے، ہمارے گناہ بخشے بھی جا چکے ہوں تب بھی ہمارے اندر برائیاں موجود رہیں گی اور تیری مدد کے سوا وہ برائیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ پس مومنوں کو نو مبایعین کی فکر کرنی چاہئے اور ان کے ساتھ لگ کر ان کی کمزوریاں دور کرنے میں ان کی مدد کرنی چاہئے ورنہ اسی طرح کھلے چھوڑ دیئے گئے تو باقی جماعت میں بھی وہ اپنی بیماریاں پھیلاتے رہیں گے۔ دعا کا اگلا حصہ اسے مکمل کر دیتا ہے پھر وہ عرض کرتے ہیں وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اگر ہماری دعا قبول ہو گئی تو اب برائیاں تو تو دور کر دے گا لیکن پتا نہیں کتنا وقت لگتا ہے۔ بعض بیماریاں عمر کا ساتھ دیئے ہوئے ہوتی ہیں، لمبے عرصے سے چمٹی ہوئی ہوتی ہیں اور پتا نہیں کتنی عمر باقی ہے۔ اتنے عرصے میں وہ مٹ بھی سکیں گی کہ نہیں۔ موت کا کوئی وقت معین نہیں۔ تو دیکھیں لِّأُولِي الْأَلْبَابِ نے کیسی عقل والی دعا کی وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اے خدا! مارنا نہ جب تک نیکوں میں شمار نہ ہو چکے ہوں۔ تیری مرضی ہے جلد صحت دے یا دیر سے صحت دے۔ مقصد یہ ہے کہ جب تک صحت نہ پا چکے ہوں ہمیں واپس نہ بلانا۔ آخری سانس اس حالت میں لے رہے ہوں کہ تو کہہ رہا ہو کہ تم ابرار میں داخل ہو گئے ہو کیسی پیاری دعا ہے اور لِّأُولِي الْأَلْبَابِ واقعی ایسی دعائیں کیا کرتے ہیں اور ایسی دعاؤں کی درخواستیں بھی کیا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاہور میں ایک صحابیہ ہیں جو یہاں ہماری جماعت کی بڑی مخلص رکن آمنہ صدیقہ کی والدہ ہیں بہت بڑی عمر ہو چکی ہے۔ غالباً 90 اور 100 کے

درمیان ہے لیکن ماشاء اللہ ہوش وحواس خوب قائم ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی باتیں یادان کا ابھی رمضان میں مجھے پیغام ملا، اس پر مجھے یہ آیت یاد آئی۔ میں نے کہا دیکھیں خدا نے کس طرح اپنے پیارے بندوں کی باتیں قرآن کریم میں محفوظ کر دی ہیں۔ ان کی بھی جو پہلے گزر چکے تھے ان کی بھی جو بعد میں آنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے لئے صرف یہ دعا کیا کریں کہ خدا مجھے اس حالت میں واپس بلائے جب مجھ سے راضی ہو چکا ہو۔ پس وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ کی دعا صاحب عقل لوگوں کی دعا ہے، وہ جانتے ہیں کہ برائیوں کا زندگی کا ساتھ ہوتا ہے بعض دفعہ گر بھی جائیں تو دوبارہ بھی آجاتی ہیں۔ آخری فیصلہ اس وقت ہوگا جب انسان واپس جارہا ہوگا۔ اس وقت اگر خدا کی رضا کی نگاہیں پڑ رہی ہوں۔ اگر اس کے نزدیک اس وقت انسان نیکوں میں شمار ہو چکا ہو تو زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور پھر انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ میں باطل میں نہیں ہوں۔ ان لوگوں میں نہیں ہوں جو باطل میں شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ابھی ایک دعا جاری ہے ابھی اپنی ذات کے لئے سب کچھ مانگا گیا مگر اس دین کے لئے ابھی کچھ نہیں مانگا جس دین کے نتیجے میں ان کی اصلاح کا سلسلہ شروع ہوا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے تصور کے ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اے خدا! ہم نے یہ پیغام دوسروں کو بھی تو پہنچانا ہے اور تیرے جو وعدے ہمارے متعلق پہلے نبیوں سے کئے گئے ہیں کہ ہم دنیا میں اس طرح اصلاح احوال کریں گے اور لوگوں کے حالات میں پاک تبدیلیاں پیدا کریں گے۔ وہ وعدے اگر پورے نہ ہوئے تو قیامت کے دن پھر بھی ہمارے لئے شرمندگی ہے یعنی ایک انسان اپنی ذات میں اگر نیک بھی بن چکا ہو اور اس کا بظاہر نیک انجام بھی ہو، وہ اگر دوسرے بنی نوع انسان کے متعلق اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا تو وہ اپنے آپ کو کامیاب نہیں سمجھتا۔ یہ لِّأُولِى الْأَلْبَابِ کی تعریف کی جارہی ہے۔ چنانچہ یہ دعا بھی ساتھ بتادی کہ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ اے خدا! وہ سارے وعدے ہمارے حق میں پورے فرمادے جو تو نے پہلے رسولوں کو دیئے تھے کہ ہم آنیوالوں کے ساتھ یہ یہ سلوک فرمائیں گے۔ اب یہ کیا مطلب ہے کہ وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ دراصل یہاں یہ بات کھل گئی کہ یہ ساری دعا جو لِّأُولِى الْأَلْبَابِ کی دعا ہے یہ محمد مصطفی ﷺ کے غلاموں کی دعا ہے اور یہ جو باتیں ہو رہی ہیں یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کی ہی باتیں ہو رہی ہیں کیونکہ یہ آپ کی ہی ایک

امت ہے۔ جس کے متعلق گزشتہ تمام انبیاء نے خوشخبریاں دی تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمام دنیا میں ہر دوسرے دین پر غالب فرمائے گا۔ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ تو نے گزشتہ تمام انبیاء کے ہاتھوں ہمیں جو خوشخبریاں بھیجی تھیں اور وعدے کئے تھے کہ میں امت محمدیہ سے یہ یہ سلوک کروں گا وہ ہمارے حق میں پورے فرما دے۔ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن ہمیں ذلیل ورسوا نہ ہونے دینا کہ وہ وعدے جو ہمارے ساتھ وابستہ تھے وہ پورے نہیں ہوئے۔ اب اگر وعدے پورے نہیں ہوئے تو بظاہر یہ خیال جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدے پورے نہیں کئے حالانکہ خدا تو وعدے پورا کرتا ہے۔ پس اس دعا کا آخری حصہ یہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران:۱۹۵) جہاں تک وعدوں کا تعلق ہے۔ تو یقیناً وعدہ خلافی کرنیوالوں میں سے نہیں، تو لازماً اپنے وعدے پورے کرتا ہے۔ پس جب ہم یہ التجا کرتے ہیں کہ یہ وعدے ہمارے حق میں پورے فرما تو مطلب ہے کہ ہمیں ان وعدوں کا مستحق بنادے کیونکہ اگر ہم مستحق نہ رہے تو پھر یہ وعدے پورے نہیں ہوں گے لیکن قصور تیرا نہیں ہوگا، قصور ہمارا ہوگا۔ تو اس طرح قرآن کریم ان لوگوں کی راہوں کو ہم پر آسان بنادیتا ہے جن کی راہیں ان کی دعاؤں کے نتیجے میں ان پر آسان بنائی گئیں اور ہمیں نصیحت فرماتا ہے کہ اس طرح یہ دعائیں کرتے کرتے اس سفر میں آگے بڑھو۔

پھر اللہ تعالیٰ کمزور عورتوں، مردوں اور بچوں کی دعا کو بھی قرآن میں محفوظ فرماتا ہے۔ ایسی عجیب کتاب ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو خالی نہیں چھوڑتی۔ مختلف حالتوں کی دعائیں اس میں محفوظ ہیں۔ اگر آپ غور سے ان کا مطالعہ کریں تو زندگی کے ہر امکان پر یہ دعائیں حاوی ہیں اور زندگی کے ہر احتمال پر بھی یہ دعائیں حاوی ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی راہ میں جنگ نہیں کرتے ہو جو یہ کہتے ہیں۔ (یہ آیت کے پہلے حصے کا ترجمہ ہے) کہ ان لوگوں کی خاطر تم کیوں جہاد نہیں کررہے جو مظلوم ہیں اور جو مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں اور یہ دعائیں کررہے ہیں کہ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نجات بخش جس بستی کے رہنے والے ظالم ہو چکے ہیں وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ہمارے لئے اپنی جناب سے کوئی دوست بنا کر بھیج دے

وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء: ۷۶) اور اپنی ہی جناب سے ہمارے لئے کوئی مددگار بھیج دے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا ہے جبکہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ بے وفائی کی اور اللہ تعالیٰ کے واضح ارشاد کو سننے کے باوجود اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے وقت میں جبکہ خدا تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک شہر میں داخل ہو جائیں جس کی فتح ان کے لئے مقدر کی گئی تھی تو اس موقع پر انہوں نے کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ: ۲۵) کہ اے موسیٰ! جا تو اور تیرا رب دونوں لڑتے پھرو ہم تو یہاں بیٹھ رہنے والے ہیں۔ جب تم دونوں، تم اور تمہارا رب لڑ کے شہر فتح کر لو گے تو پھر ہمیں بتا دینا ہم بھی داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ عرض کیا: رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ (المائدہ: ۲۶) اے میرے رب! میرا کمزوری کا یہ حال ہے کہ میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی کو اپنے ساتھ نہیں پاتا۔ سب میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اس دعا میں بھی بڑی گہری حکمت ہے۔ جواب دینے والوں نے موسیٰؑ سے یہ کہا تھا کہ تو اور تیرا خدا لڑتے پھرو۔ دو کا ذکر کیا تھا۔ خدا تو ساری کائنات کا خدا ہے اور مالک ہے۔ اس نے کسی سے کیا لڑنا ہے جب وہ کسی کی ہلاکت کا فیصلہ کرے گا تو وہ ان کو ہلاک کر دے گا لیکن دو لڑنے والے ضرور تھے ایک موسیٰؑ تھے اور ایک ان کے بھائی تھے۔ ان کے اس جواب سے یہ شبہ پڑ سکتا تھا کہ موسیٰ ہی صرف وفادار رہا اور موسیٰؑ کا بھائی بھی ان لوگوں میں شامل ہو چکا ہے۔ اس شبہ کے ازالے کی خاطر حضرت موسیٰؑ کی دعا من وعن ہمارے سامنے رکھ دی گئی کہ دیکھو موسیٰؑ اکیلا ہی وفادار نہیں تھا اس کا بھائی بھی وفادار تھا۔ اگر چہ قوم نے اس کا ذکر نہیں کیا تو دعا یہ بتائی کہ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ اے خدا! میں اکیلا ہی تیری راہ میں چلنے والا وفادار نہیں ہوں بلکہ میرا بھائی بھی میرے ساتھ شامل ہے لیکن ہم صرف دو ہی ہیں۔ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (المائدہ: ۲۶) ہمارے اور فاسقوں کی قوم کے درمیان تفریق کر دے۔ ایسا سلوک فرما کہ ظاہر ہو جائے کہ ہم تیرے پسندیدہ لوگ ہیں، تیری رضا کو حاصل کرنے والے لوگ ہیں اور وہ لوگ نہیں جن سے تو ناراض ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ایک دعا یہ سکھائی گئی رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران:۵۴) اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ پس ہمیں بھی شہداء میں شمار کر لے، شاہدین میں شمار کر لے۔ اس سے وہ پہلی دعا یاد آ جاتی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب میں ان لوگوں نے کی تھی جو اپنے آپ کو انصار الی اللہ کہتے تھے اس میں یہ ذکر تھا اے خدا! ہمیں شاہدوں میں شمار کر لے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا عجیب کرشمہ ہے کہ یہ دعا وہاں سکھائی گئی جہاں پہلے عیسائیوں کی تعریف کی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ نصاریٰ میں سے آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ خدا کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ پس چونکہ ان کی خوبیوں کا ذکر چل رہا تھا اس لئے ان کی وہ بہترین دعا یہاں مومنوں کو یاد کرا دی گئی جس کے نتیجے میں ان کی نیکیوں کو اتنا دوام ہوا کہ بعض ان میں سے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد بھی اپنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے بھی نیک ہوئے اور خدا کے نزدیک نیک ٹھہرے۔ پس فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کی دعا ان عیسائیوں کے ساتھ جنہوں نے ابتداء میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کیا ایک گہرا تعلق رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کو یہ دعا منظور ہے تبھی امت محمدیہ کے سلسلے میں بھی اس دعا کو دہرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام بھی یہی دعا کرتے ہیں۔

ایک دعا مائدہ سے متعلق ہے وہ بھی تشریح طلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دنیا کی محبت اپنے حواریوں کے دلوں پر سرد کر دی اور وہ یوں لگتا تھا کہ کشکول ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تبلیغ کے لئے نکل گئے ہیں۔ سارے کام چھوڑ دیئے اور کوئی ذریعہ معاش باقی نہیں رہا تو اس وقت انہوں نے دنیا کی مشکلات سے گھبرا کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ عرض کیا کہ آپ خدا کے حضور یہ دعا کریں کہ وہ آسمان سے ہم پر مائدہ اتارے کیونکہ ہم اب ''کمائی جوگے'' رہے نہیں ہم تو خالصۃً اس دین کے لئے وقف ہو گئے ہیں اس لئے ہمارے رزق کا وہی انتظام کرے اور آسمان سے مائدہ اتارے چنانچہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دعا کی وہ اولین کے لئے بھی اور آخرین کے لئے بھی کی۔ وہ دعا یہ ہے :قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المائدہ:۱۱۵) کہ اے ہمارے خدا! ہم پر آسمان سے نعمتوں کا

دستر خوان نازل فرما نعمتیں نازل فرما، ایسی نعمتیں جو ہمارے اولین کے لئے بھی عید ہو جائیں اور آخرین کے لئے بھی عید ہو جائیں یعنی دونوں کے لئے خوشیوں کے سامان لائیں۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ اور وہ تیری طرف سے ایک نشان بن جائیں وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ تو ہمارے رزق کا انتظام فرما اور تو بہترین رزق عطا کرنیوالا ہے۔ اس دعا کے ساتھ یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس دعا کے بعد خدا تعالیٰ نے جو تنبیہہ فرمائی ہے اس کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ یہ دعا سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری یہ دعا قبول کروں گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان لوگوں نے اگر ناشکری کی تو ان کو عذاب بھی ایسا دوں گا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہ دیا گیا ہو اور دنیا کے لئے عبرت کا نشان بنا دوں گا۔ اب اس شرط کے ساتھ رزق عطا کرنا یہ عجیب سا لگتا ہے آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ غور طلب بات ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ رحیم و کریم، رزاق، دیالو، بے انتہاء سخی اور رحم کرنے والا اور اپنے نبی کی یہ دعا سنتا ہے کہ ہاں! میں ان کے لئے آسمان سے رزق اتاروں گا اور ساتھ ہی اتنی بڑی تنبیہہ کر دیتا ہے کہ اگر یہ ناشکرے ہوئے تو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کبھی کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کو جب آپ سمجھ لیں گے تو پھر اس دعا کو متوازن طور پر خدا کے حضور عرض کرنے کی توفیق پائیں گے ورنہ اس کا غلط مطلب سمجھ کر آپ دعا مانگتے رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مائدہ سے دراصل روحانی مائدہ مراد لیا تھا اور رزق کی دعا بھی مانگی ہے لیکن ضمنی طور پر چنانچہ آپ دوبارہ اس دعا کو پڑھیں۔ فرمایا ہمارے لئے آسمان سے مائدہ اتار جو ہمارے اولین اور آخرین کے لئے عید ہو وَارْزُقْنَا اور ہمیں رزق دے۔ پس دعا کی درخواست کرنے والے جو لوگ تھے ان کے ذہن میں روحانی مائدہ نہیں تھا بلکہ دنیاوی مائدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کرتے ہوئے متوجہ کیا کہ اصل روحانی مائدہ ہے۔ اگر تم نے روحانی مائدہ سے فائدہ نہ اٹھایا اور دنیاوی رزق میں پڑ گئے تو لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بنو گے۔ دنیا تمہاری مادی ترقی دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ حضرت عیسیٰؑ نے جو دعا مانگی تھی اس کے نتیجے میں تمہیں سب کچھ حاصل ہو گیا اور تمہاری پیروی کو فخر سمجھے گی اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھے گی، دنیا یہ سمجھے گی کہ ایسی قومیں جن پر خدا نے اتنی نعمتیں کی ہوں کہ ساری دنیا سے زیادہ ان پر رزق فراخ کر دیا ہو۔ وہ تمام دنیا کی دولتوں کے مالک بن بیٹھے ہوں وہ اچھے لوگ ہیں تبھی تو خدا تعالیٰ ان کو عطا کر رہا ہے تو یہ فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ ظاہری رزق پانے

کے بعد بھی خدا کی نظر میں وہ اچھے لکھے جائیں۔ تیری دعا کی خاطر ہم ان کو رزق تو دے دیں گے لیکن اگر روحانی مائدہ کے بغیر انہوں نے رزق پر قناعت کی اور رزق کے عاشق ہو گئے اور اسی کے ساتھ دل لگا بیٹھے تو چونکہ دنیا کے لئے ٹھوکر کا ذریعہ بن سکتے ہیں اس لئے ہم پر فرض ہوگا کہ ہم آخر ان کو ہلاک کر دیں تا کہ دنیا یہ سمجھ لے کہ محض ظاہری رزق عطا کرنا انعام نہیں ہے۔ انعام اور چیز ہے اور ظاہری رزق میں فراخی دینا اور چیز ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا عظیم الشان رزق یعنی مادی رزق بھی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اتنی ہی بڑی تنبیہ کر دی کہ اس رزق کا حق ادا کرنا ورنہ تم صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جاؤ گے اور ایک عبرتناک عذاب کے ذریعے مٹائے جاؤ گے یہ دعا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا تھی جو اولین کے علاوہ آخرین کے متعلق خصوصیت سے مانگی گئی تھی۔ آخرین میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے آج کے دور کے عیسائی ہیں اور آپ دیکھ لیجئے کہ خدا نے کس شان سے اس دعا کے ظاہر کو پورا فرمایا ہوا ہے۔ اتنا رزق وسیع کیا ہے کہ باقی ساری دنیا ان کے مقابل پر بھکاری بنی ہوئی ہے کچھ بھی ان کے پلے نہیں۔ ساری دنیا کے یہ رازق بنے ہوئے ہیں جس کو چاہیں اس کو رزق دیتے ہیں جس سے چاہیں اس سے چھین لیتے ہیں لیکن چونکہ اس شرط کو پورا نہیں کیا جو روحانی مائدہ سے تعلق رکھتی تھی اس لئے دنیا کے لئے ٹھوکر کا موجب بھی بن گئے ہیں۔ بہت سے غریب ممالک، مسلمان بھی اور ہندو بھی اور بدھسٹ بھی اس لئے عیسائی ہو رہے ہیں کہ وہ کہتے ہیں دیکھو خدا نے ان سے حسن سلوک فرمایا، ان پر فضل فرمائے، یہ ٹھیک ہی ہوں گے تو خدا تعالیٰ ایسا کر رہا ہے پس قرآن کریم کی دوسری آیت میں جو تنبیہ مضمر تھی وہ تنبیہ ہم اپنے سامنے ظاہراً پوری ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں۔ پس اس لئے یہ لازم ہے کہ یہ قومیں اگر اصلاح نہیں کریں گی اور خدا تعالیٰ کے روحانی رزق کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی اور دین کی طرف، سچے دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گی تو یہ عبرت کا نشان بن جائیں گی اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

انگلستان کے دل میں لندن میں کھڑے ہو کر میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ یہ سو فیصدی سچی باتیں ہیں۔ کوئی دنیا کی طاقت ان کو ٹال نہیں سکتی۔ دو ہزار سال پہلے کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس طرح عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو اتنا بڑا رزق عطا کیا جائے گا اور اتنا وسیع دستر خوان ان کے لئے اتارا جائے گا۔ چودہ سو سال پہلے جب قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کوئی وہم و گمان بھی نہیں

کر سکتا تھا کہ عیسائی آخر دنیا میں کس طرح حاوی ہو جائیں گے اور رزق کے تمام ذرائع پر کس طرح وہ قابض ہو کر بیٹھ جائیں گے کیونکہ اس آیت میں موجود ہے کہ جب عیسیٰؑ نے آخران کے لئے یہ دعا مانگی تو خدا نے فرمایا ہاں! میں قبول کروں گا لیکن جو لوگ دنیاوی رزق پر راضی ہو جائیں گے اور روحانیت کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں گے ان کو پھر میں عذاب کا نشانہ بناؤں گا۔

پس یہ جو دوسرا حصہ ہے اس نے لازماً پورا ہونا ہے صرف ایک شرط ہے کہ یہ قومیں توبہ کریں اور ان آخرین میں شامل ہو جائیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے آخرین ہیں کیونکہ ایک وہ آخرین ہیں جن کا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق یہ مضمون بیان ہوا جو اس آیت میں ہے۔ ایک وہ آخرین ہیں جن کا محمد مصطفیٰ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے اور وہ ذکر بالکل مختلف رنگ میں ہے وہ یہ ہے کہ اسلام جس طرح آج غریب ہے یعنی غربت سے شروع ہوا اور دولت سے شروع نہیں ہوا، ایسے آخرین آنے والے ہیں کہ وہ بھی اس تاریخ کو دھرائیں گے اور اسلام دوبارہ غریبانہ حالت سے شروع ہوگا۔ پس جن آخرین کا ذکر ہے وہ دولتمند نہیں ہیں بلکہ غریب جماعت ہیں لیکن خدا کی محبت میں اور خدا کی خاطر اپنے رزق کو قربان کرتے چلے جاتے ہیں اور نیکی کی راہوں میں چندے دیتے چلے جاتے ہیں۔ پس ان امیر قوموں کے لئے اب یہی بچنے کی راہ ہے کہ مسیح موسوی کے آخرین سے نکل کر مسیح محمدی کے آخرین میں داخل ہو جائیں اور وہیں ان کے لئے نجات ہے۔

اب حضرت آدم اور ان کے ساتھی کی دعا جو کہ قرآن کریم میں یوں بیان ہوئی ہے جب کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں دھوکہ دیا تو ان دونوں نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۴) اگر تو نے ہم سے بخشش کا سلوک نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم یقیناً گھاٹا پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں۔

”انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔ آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (ملفوظات: جلد۴، صفحہ ۲۷۵)

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روحانی طبیب بنا کر بھجوایا گیا تھا اس لئے معلوم ہوتا ہے اس دعا کا اس دور کے ساتھ گہرا تعلق ہے جب میں نے غور کیا تو مجھے سمجھ آئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک نئے دور کا آدم قرار دیا گیا اور یہ وہ دور خسروی ہے جبکہ اسلام کو دنیا میں از سرنو زندہ بھی کیا جائے گا اور غالب بھی کیا جائے گا۔تبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک شعر میں اپنے آپ کو آدم قرار دیتے ہیں۔پس اس دعا کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ ایک نئے آدم کے دور کے ساتھ اس دعا کا تعلق ہے۔اس نئے دور میں اس دعا کی مدد سے داخل ہوں اور یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوں کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا اگر تو نے مغفرت نہ فرمائی وَتَرْحَمْنَا اور ہم پر رحم نہ فرمایا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تو یقیناً گھاٹا پانے والوں میں سے ہوں گے اس دعا میں لفظ الْخٰسِرِيْنَ کا بھی دور آخر سے گہرا تعلق ہے کیونکہ قرآن کریم میں سورۂ عصر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ اس زمانے سے خبردار ہو جاؤ۔اس زمانے کا خیال کرو جبکہ انسان بحیثیت مجموعی گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا انسان گھاٹا کھائے گا یعنی تمام عالم کا یہ حال ہوگا۔تمام دنیا گھاٹا کھانے والی دنیا ہو جائے گی۔پس ان دعاؤں کا مضمون ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور بڑے گہرے آپس کے تعلقات ہیں جو سرسری نظر سے دکھائی نہیں دیتے لیکن جب آپ ذرا ڈوب کر ان کا مطالعہ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ روحانی نظام بھی بہت گہرا مربوط نظام ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ اس کا تعلق چل رہا ہے۔پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی جماعت کو اس دعا کی طرف متوجہ فرمایا تو یونہی نہیں کہ دل میں یہ خیال آ گیا کہ چلو یہ بھی دعا کر لیا کرو بلکہ اپنے آدم ہونے کے اعتبار سے اور قرآن کریم کی اس خبر کے اعتبار سے کہ یہ زمانہ گھاٹا کھانے والوں کا زمانہ ہے، یہ دعا جماعت احمدیہ کے لئے نہایت ہی اہم ہے اور ہماری بقا کے لئے بہت ہی ضروری ہے۔

ایک اور دعا سے پتا چلتا ہے کہ دعاؤں کا سلسلہ صرف اس زندگی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ

مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں یہ دلچسپ دعا موجود ہے جو مرنے کے بعد اعراف پر موجود جنتی خدا سے مانگیں گے اور اس وقت وہ یہ دعا کریں گے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اعراف:۴۸) کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں میں نہ شمار کرنا اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ تو ظالموں کی دنیا سے نکل کر اپنے خدا کے حضور حاضر بھی ہو گئے۔ اور اس مقام پر فائز کئے گئے جسے قرآن کریم اعراف کا مقام بتاتا ہے۔ یعنی خدا کے منتخب چند بندے جس طرح کوئی پہاڑ کی بلند چوٹی پر کھڑا ہو اس طرح ان کو رفعتیں عطا کی جائیں گی اور وہ دور سے دکھائی دیں گے۔ نمایاں طور پر معلوم ہوگا کہ یہ خدا کے پیارے بندے ہیں۔ اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود یہ حال ہوگا کہ عرض کریں گے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کی قوم میں داخل نہ کرنا۔ دراصل ابھی اعراف پر فائز لوگوں کے ساتھ حساب کتاب ہونا باقی ہے۔ یہ اس دور کی بات ہو رہی ہے جبکہ حشر نشر ہو چکا ہے لیکن ابھی آخری فیصلے کا وقت آنے والا ہے مگر نیکوں کی علامتیں بھی ظاہر ہو گئی ہیں۔ بدوں اور جہنم والوں کی علامتیں بھی ظاہر ہو رہی ہیں وہ دو گروہوں میں بانٹے جا رہے ہیں تو انکسار کا تقاضا یہ ہے اور عجز کا تقاضا یہ ہے کہ اس حالت میں بھی جبکہ سامنے جنت دکھائی دے رہی ہو خدا سے یہ عرض کریں کہ جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے اگر تو ہمارے ظالم ہونے کا فیصلہ کر لے تو تیرا فیصلہ برحق ہوگا۔ ہم اپنے گناہوں اور کمزوریوں سے واقف ہیں۔ اعراف پر فائز ہونے کی وجہ سے ہمیں کوئی دھوکا نہیں لگا۔ ہم یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو مراد یہ ہے کہ تیرے حضور ہم ظالموں میں شمار نہ ہوں۔ ہماری تو یہ التجا ہے کہ ظلموں کے باوجود تو ہمیں نیک لوگوں میں لکھنا اور اگر ہم بخشے جائیں تو ہم اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہوں گے کہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے بخشے گئے بلکہ یہ سمجھیں گے کہ ظالم ہوتے ہوئے بھی تو نے ہمیں ظالموں میں شمار نہیں فرمایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا جبکہ قوم کے متکبروں نے آپ کو دھمکی دی اور وہ دھمکی یہ تھی کہ تم واپس سواد اعظم میں لوٹ آؤ۔ اکثریت قوم کی تمہیں واپس بلا رہی ہے۔ تم نے اقلیت کی ایک عجب سی نئی راہ اختیار کر لی ہے اور بہت معمولی تعداد میں ہو۔ تمہاری حیثیت کوئی نہیں۔ جب چاہیں ہم تمہیں مٹا سکتے ہیں اس لئے اب دو ہی باتیں ہیں۔ جھگڑے ختم کرو اور بحثیں ختم کرو، یا تو تم ہمارے

مذہب میں واپس لوٹ آؤ یا پھر ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے اور تمہیں اپنے وطن میں بھی رہنے کا حق نہیں رہے گا۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ ایک دعا تھی جو اپنے رب سے مخاطب ہو کر کی۔ قوم یہ دھمکی دے رہی تھی اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ قوم کی بات کو بھلا کر وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا (الاعراف:۹۰) اللہ کا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ عَلَى اللهِ تَوَكَّلْنَا ہمارا توکل تو اللہ پر ہے نہ کہ کسی قوم کے سہارے پر، نہ اکثریت پر، نہ دنیاوی طاقت پر، رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الاعراف:۹۰) اے خدا اب اس قوم اور ہمارے درمیان تو فیصلہ فرما کیونکہ ہمیں تو اب فیصلے کی کوئی طاقت نہیں اور تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تیرا فیصلہ بہتر ہوا کرتا ہے۔ پس وہ قوم جو دین کی راہ میں ستائی جائے اور اسے دھمکی دی جائے کہ یا تم ہمارے اندر واپس لوٹ آؤ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے، ان کے لئے یہ بہت ہی موزوں دعا ہے اور ان کے حالات پر اطلاق پاتی ہے۔

ملک بدر کرنے کا جو مضمون ہے اس کے متعلق یہ ذہن نشین کریں کہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ کسی کو وطن سے نکال کر ملک بدر کیا جائے اس کے شہری حقوق چھین کر بھی اس کو ملک بدر کیا جا سکتا ہے پس مختلف ادوار کے مختلف انداز ہوا کرتے ہیں اس جدید دور میں ملک بدر کرنے کا ایک طریق یہ ہے کہ ملک میں رکھتے ہوئے شہری حقوق سے محروم کر دیا جائے اور یہ واقعہ کوئی نیا نہیں، اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی فرعون نے اس طرح موسیٰؑ کی قوم کو ملک بدر کیا تھا کہ جسمانی طور پر باہر نکلنے نہیں دیتا تھا اور شہری حقوق سارے چھین لئے تھے۔ پس یہ ملک بدر کرنے کی ذلیل ترین صورت ہے کہ نجات حاصل کرنے کے لئے جو باہر بھاگنا چاہے اس کی راہ میں روکیں ڈالو، اس کو سزائیں دو۔ قید کرو کہ تم نکلنے کی کوشش کیوں کرتے ہو اور ملک میں رکھتے ہوئے اس کے سارے حقوق چھین لو۔ پس یہ جو فرعونی دور ہے اس کا ملک بدر کرنا سب سے زیادہ خوفناک اور تکلیف دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور اپنے تمام مظلوم بندوں کو اس قسم کے ظلموں سے نجات بخشے۔

اس وقت جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو فرعون نے نکلنے نہ دیا اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا کہ میری قوم کو نکلنے دو، ان ظلموں سے نجات بخشو، اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ اس ملک کے برابر کے شہری نہیں تو ان کو ملک چھوڑنے دو تو فرعون نے کہا میں یہ بھی نہیں کروں گا۔ جو زور لگا سکتے ہو لگاؤ اس پر بالآخر مقابلہ روحانی مقابلے تک پہنچا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے یہ کہا کہ تم جو الٰہی نشانات دکھاتے پھرتے ہو میرے نزدیک تو یہ محض دھوکا اور جادوگری ہے اس لئے کیوں نہ تمہارا تمہارے جیسوں سے مقابلہ کرا دیا جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ فرعون نے یہ منادی کرائی کہ جو اس ملک کی چوٹی کے جادوگر ہیں وہ اکٹھے ہو جائیں اور لوگ بھی فلاں دن جو کہ خوشیاں منانے کا ایک دن تھا، اس دن اکٹھے ہوں کیونکہ اس دن ایک جادوگر کا دوسرے جادوگروں سے مقابلہ ہونا ہے۔ اس کی ساری تفاصیل قرآن کریم میں موجود ہیں مختصراً یہ بتاتا ہوں کہ جادوگر جب حضرت موسیٰؑ کے مقابلے کے لئے حاضر ہوئے تو فرعون نے ان سے مخاطب ہو کے کہا کہ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ اس کے مقابل پر ہم سے کیا لو گے؟ تو انہوں نے فرعون کا قرب نہیں مانگا۔ انہوں نے فرعون سے دنیاوی انعام مانگے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ خدا کے نیک بندے جب خدا سے انعام مانگتے ہیں تو قرب الٰہی مانگتے ہیں۔ انبیاء سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو ان کا قرب مانگتے ہیں۔ فرعون نے معلوم ہوتا ہے اس میں سبکی محسوس کی۔ اس نے کہا اچھا یہ انعام تو میں دوں گا ہی اور تمہیں مقرب بھی بنالوں گا حالانکہ مقرب بننے کی کوئی التجا ہی انہوں نے نہیں کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں فرعون کی کوئی محبت نہیں تھی، فرعون کی کوئی عظمت نہیں تھی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ پھر ہدایت یافتہ بھی ہو گئے اگر فرعون یا اس کے دین سے گہری محبت ہوتی اور اس کی عظمت دلوں میں بیٹھی ہوتی تو شاید اتنی آسانی سے ہدایت نہ پاتے۔ بہر حال جب انہوں نے خدا تعالیٰ کا نشان دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے شعبدوں پر ایک عظیم الشان فتح عطا ہوئی۔ تو فرعون کی طرف متوجہ ہوئے بغیر وہ ایمان لے آئے اور اسی وقت انہوں نے یہ دعا کی رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ کہ اے خدا! اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل فرما۔ وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ اور ہمیں مسلمین میں وفات دینا۔

اس دعا کی وجہ یہ بنی کہ ان کے ایمان پر فرعون بہت بگڑا اور ان کو بہت دھمکیاں دیں اور یہ کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر کس طرح ایمان لے آئے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اجازت کا کیا

سوال ہے۔ہم نے سچائی دیکھی اور ایمان لے آئے اس پر فرعون نے کہا اچھا! اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اس قدر دردناک عذاب دوں گا کہ ایک طرف سے تمہارے بازو کاٹوں گا اور دوسری طرف سے ٹانگیں کاٹوں گا اور تمہیں ہمیشہ کے لئے ذلیل ورسوا کر کے اور بے کار کر کے پھینکوا دوں گا اور دنیا میں جو تکلیف دی جاسکتی ہے وہ تمہیں دوں گا۔اس پر انہوں نے فرعون سے کہا۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ:۷۳) جو کچھ تو دنیا میں فیصلے کر سکتا ہے کر گزر۔ جو عذاب دے سکتا ہے دے۔ہم تو سچائی کو دیکھ کر ایمان لے آئے ہیں اور ان مشکل حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو ان کو نظر آرہے تھے انہوں نے یہ دعا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ کہ اے خدا! ہم پر صبر نازل فرما، تیری طرف سے جب تک صبر کی توفیق نہ ملے ہم اپنی کوشش سے صبر نہیں کر سکیں گے اور اگر ہمیں مارنا ہی ہے تو مسلمان ہونے کی حالت میں مارنا۔موت کے ڈر سے کافر ہونے کی حالت میں زندہ نہ رکھنا۔

حضرت ہارونؑ کو جب حضرت موسیٰؑ نے جانشین بنایا اور ان کی قوم کا اکثر حصہ بگڑ گیا اور بچھڑا بنالیا تو حضرت موسیٰؑ واپس لوٹے۔یہ واقعہ آپ نے قرآن کریم میں بارہا پڑھا ہوگا کہ کس قدر غضب کی حالت میں تھے اور یہاں تک کہ حضرت ہارونؑ کو ذمہ دار گردانا اور ان سے سختی سے جواب طلبی کی۔اس پر حضرت ہارونؑ نے اپنے بزرگ تر بھائی کو سمجھایا کہ میں تو بالکل بے قصور ہوں۔ مجھ میں تو طاقت ہی نہیں تھی کہ ان جاہلوں کو روک سکتا میں نے کوشش کی مگر انہوں نے اپنی ضد کی اور توحید سے دوبارہ شرک کی طرف مائل ہو گئے۔تب حضرت موسیٰؑ نے یہ دعا کی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الاعراف:۱۵۲) اے میرے رب! مجھے بھی بخش دے اور میرے بھائی کو بھی بخش دے۔ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما۔

حضرت موسیٰؑ کی اس دعا میں اور پہلی دعا میں یہ فرق ہے کہ یہاں اپنا رب کہہ کر دعا کی یہ درخواست پیش کی ہے۔ پہلے ہم دونوں کے رب یا ہمارے رب کے طور پر خدا سے التجا مانگی تھی۔ یہاں چونکہ حضرت موسیٰؑ خدا کی طرف سے لوٹے تھے یعنی خدا کے ساتھ خاص لقاء کے بعد لوٹے تھے اور حضرت ہارونؑ کا معاملہ وہاں مشکوک بنا ہوا تھا کہ آپ کس حد تک ذمہ دار ہیں، کس حد تک نہیں تو آپ نے اپنے حوالے سے دعا مانگی کہ مجھے تُو تو جانتا ہے کہ میں تیری طرف سے لوٹ کے آیا ہوں۔

میں کلیۃً بری الذمہ ہوں اس لئے اے میرے رب! مجھے بھی بخش دے اور میرے بھائی کو بھی بخش دے اور ہم سے ان لوگوں سے الگ معاملہ فرما۔ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعائیں اپنا ایک خاص انداز رکھتی ہیں۔ جب آخر حضرت موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو ایک مقررہ مقام پر جو خدا نے مقرر فرمایا تھا ساتھ لے جانے لگے تو وہاں طبعی طور پر زلزلہ آ گیا اور وہ زلزلہ اتنا شدید تھا کہ ڈر تھا کہ سب ہلاک نہ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی لقاء کے لئے (یعنی جس حد تک بھی ان کو لقاء نصیب ہو سکتی تھی) حضرت موسیٰؑ چنیدہ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر جا رہے تھے اور آگے سے زلزلہ آ گیا اور وہ بھی بڑا خطرناک تو ایسے موقعہ پر حضرت موسیٰؑ نے کیا دعا کی۔ وہ دعا یہ ہے۔ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ (الاعراف:۱۵۶) کہ اے خدا! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے بھی تو ان کو ہلاک کر سکتا تھا۔ اس وقت جبکہ ایک خاص مہم پر جا رہے ہیں یہ تو ہلاکت کا وقت نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ یہ گنہگار نہیں ہیں، یہ نہیں کہ ان کو ہلاک کرنا درست نہیں ہے، پر مجھے موقعہ اچھا نہیں لگ رہا اور جہاں تک تیری قدرت کا تعلق ہے۔ وَاِيَّايَ تو چاہتا تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا کیا تو ہمیں اب اس وجہ سے ہلاک کرے گا کہ ہمارے بعض بے وقوفوں نے شرک اختیار کیا؟ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ یہ نہیں میں مان سکتا۔ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ کا یہ مطلب ہے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ صرف آزمائش ہے۔ ڈراوا ہی ڈراوا ہے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تو ایسی بات کرے تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اس طرح کی آزمائشوں کے ذریعے تو جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ مراد ہدایت عطا کرنا ہے اور جن کمزوروں کو چاہتا ہے ان کو ننگا کر دیتا ہے اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا لیکن اے خدا! یاد رکھنا کہ ہمارا ولی تو ہی ہے۔ تیرے سوا اور کوئی نہیں۔ تیرے سوا ہم کسی سے مدد نہیں مانگ سکتے نہ کسی اور دروازے کو کھٹکھٹائیں گے۔ فَاغْفِرْ لَنَا پس ہمیں بخش دے۔ وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ (الاعراف:۱۵۶) تو سب بخشنے والوں سے بڑھ کر اور سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (الاعراف:۱۵۷) اے خدا! اس دنیا میں بھی ہمارے

لئے حسنات لکھ لے۔اچھی چیزیں لکھ لے۔ حَسَنَةً اس دنیا میں بھی ہمارا مقدر بنا دے۔ وَّفِي الْآخِرَةِ اور آخرت میں بھی۔ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ کیسی پیاری دعا ہے۔ کہتے ہیں ہم تو اب تیری طرف آ ہی گئے ہیں، لمبا سفر کر کے تیرے حضور حاضر ہو گئے ہیں اب تو واپسی کا کوئی رستہ نہیں رہا، اب تو خیر لے کر ہی واپس لوٹیں گے۔ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ہم تیرے پاس آ گئے اب ہم سے یہ سلوک نہ کرنا کہ دشمنوں میں ہماری ہزیمت ہو اور جگ ہنسائی بنے۔

پس انبیاء کی دعاؤں پر غور کریں اور دیکھیں یہ انعام یافتہ لوگ تھے۔ کیسے موقعہ اور محل کے مطابق کتنی حکمت کے ساتھ اور درد کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ انہوں نے ایسی دعائیں مانگیں جو معلوم ہوتا ہے کہ مانگتے وقت ہی خدا کے حضور مقبول لکھی گئی تھیں اور ان کے رد کرنے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ دعائیں اپنی سچائی اور اپنے خلوص کے ساتھ خود اپنی مقبولیت کی گواہ بن کر دلوں سے اٹھ رہی تھیں۔

چونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے اس ایک دعا کے بعد جواب میں آپ کو بتاؤں گا پھر یہ سلسلہ انشاء اللہ اگلے جمعہ میں جاری رہے گا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا آخرت میں بھی دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی جو زندگی ہے اس میں اور بھی مزید ترقیات عطا ہونی ہیں اور روحانی دنیا میں کوئی ترقی دعا کی مدد کے بغیر عطا نہیں ہو سکتی اس مضمون کو خوب ذہن نشین کر لیں۔ پس اگر مرنے کے بعد بھی ترقیات کا سلسلہ جاری ہے تو دعاؤں کا سلسلہ لازم ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا جنت میں ان جنتوں کی کیا دعا ہو گی۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اے اللہ! تو ہر برائی سے پاک ہے۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ اور وہ ایک دوسرے کو سلام بھیجیں گے۔ سلام دعا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے خدا سے سلامتی مانگیں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:۱۱) اور آخری دعویٰ ان کا یہ ہو گا۔ آخری دعا ان کی یہ ہو گی کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے

یہاں رب کے اوپر دعا کی جو تان ٹوٹی ہے اور قرآن کریم کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر جو دعا کی تان ٹوٹی ہے تو اس میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہو گیا جس سے ہم نے سورۃ فاتحہ کا آغاز کیا تھا۔ وہ مضمون یہ ہے کہ خدا تعالیٰ رب ہے یعنی کسی چیز کو ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔ جس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اسے ترقی دیتا رہتا ہے۔ اسے آگے بڑھاتا رہتا ہے۔ اس

کی تکمیل فرما تا رہتا ہے، خدا کے ساتھ ایک دائمی ارتقاء کا تعلق ہے۔ جو اس کی ربوبیت کی صفت سے ظاہر ہوتا ہے اور ربوبیت کی صفت سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شکر ہے ہم نے سب کچھ حاصل کرلیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو رب ہے اور ہمیشہ ترقی دیتا رہتا ہے۔ پس ان مقامات پر فائز ہونے کے باوجود ہم مزید ترقیات کے خواہاں ہیں۔ پس اے خدا! اپنی ربوبیت کا جیسا سلوک تو نے دنیا میں ہم سے فرمایا آخرت میں بھی ربوبیت کا یہی سلوک ہم سے جاری رکھنا۔ اس دعا کے بعد اب میں آج کے خطبے کو ختم کرتا ہوں۔ باقی انشاء اللہ جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے اگلے خطبے میں اسی مضمون کو جاری رکھیں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اس کے بعد حضور انور نے سٹیلائیٹ کمیونیکیشن کے ذریعہ براہ راست خطبہ سننے والی جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

''یہ فہرست انہوں نے مجھے دی ہے۔ آج بھی بعض جماعتیں بڑی ہمت کر رہی ہیں۔ بہت خرچ اٹھتا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ کس طرح اس مستقل مزاجی سے یہ خرچ وہ برداشت کر رہی ہیں ان ممالک میں سے جاپان غالباً سب سے زیادہ دور ہے، زیادہ خرچ آتا ہوگا اور جماعت چھوٹی سی ہے اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں بہت برکت دے۔ ان سب جماعتوں کو جو نیکی کی خاطر اتنا خرچ کر رہی ہیں، فوراً نیکی کی بات سننے کی حرص لئے ہوئے یہ محنت کر رہی ہیں ان کے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو آخرت کے رزق بھی عطا فرمائے اور دنیا کے بھی۔ (آج خطبہ سننے والی جماعتوں میں) جاپان ہے، ماریشس ہے اور جرمنی ہے، یہ تین تو ماشاء اللہ مستقل حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اب U.K میں بھی جماعتیں پھیل رہی ہیں۔ مانچسٹر، ساؤتھ آل، ایسٹ لندن کرائیڈن، جلنگھم اور ھنسلو ہیں جو اس خطبے میں ہمارے ساتھ براہ راست شریک ہیں۔''

حضرت نوح، حضرت ابراھیم اور حضرت یوسف علیہم السلام

کی دعاؤں کی عظمت اور ان کی قبولیت کے راز

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / اپریل ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ دو جمعوں سے یہ مضمون چل رہا ہے کہ خدا کی راہوں پر قدم مارنے والے اللہ تعالیٰ کی راہ کے مسافر رستے کی صعوبتوں اور مشکلات کو کیسے برداشت کرتے ہیں اور کس طرح ان تکالیف پر غالب آتے ہیں جو خدا کی راہ میں چلنے والوں کو پہنچتی ہیں۔قرآن کریم اس کا جواب ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ یہ معجزہ دعا کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتا ہے ورنہ انسان کے اپنے بس میں نہیں کہ خدا کی راہ پر چلتے ہوئے اس کی تکالیف کو صبر اور رضا کے ساتھ کلیۃً برداشت کر سکے اور پھر بجائے مشکلات سے مغلوب ہونے کے غالب بن کر ابھرے پس یہ دو اکٹھی باتیں ہیں جو دعاؤں کا پھل ہیں۔صرف انبیاء ہی کی نہیں بلکہ دیگر انعام یافتہ لوگوں کی دعاؤں میں سے ان دعاؤں کو قرآن کریم میں محفوظ فرما دیا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آئیں اور جن کو امت محمدیہ کے لئے بطور نمونہ محفوظ رکھا گیا۔ایسی ایسی پرانی قدیم دعائیں ہیں اور ایسے ایسے وقت میں ہوئی ہیں جبکہ کوئی ان کا گواہ موجود نہیں تھا۔ایک ابراہیم علیہ السلام تھے اور ایک ان کا بیٹا اور ایسی بھی دعائیں تھیں جبکہ بیٹا بھی نہیں تھا۔اکیلے ابراہیمؑ جنگل بیابان میں دعائیں کر رہے ہیں۔وہ دعائیں بظاہر ہمیشہ کے لئے فضاؤں میں کھوئی گئیں اور ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہا۔کتنی مدت کے بعد؟ ہزاروں سال بعد حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے دل پر وہ دعائیں

الہام کی گئیں اور آپ کو بتایا گیا کہ میرے بندے ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح لق ودق صحرا میں یہ دعائیں کی تھیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعائیں بہت ہی قیمتی خزانہ ہیں اور جن لوگوں کے لئے ان دعاؤں کو محفوظ کیا گیا اگر وہ ان سے فائدہ نہ اٹھائیں تو کتنی بدنصیبی ہوگی۔پس دنیا کے خزانوں کے پیچھے تو لوگ بہت محنت کرتے ہیں مگر وہ خزانے جو قرآن میں مدفون ہیں ان پر سے سرسری نظر سے گزر جاتے ہیں حالانکہ اگر ان میں ڈوب کر دیکھیں تو جو چیزیں بظاہر دلچسپی کا موجب نہ بھی دکھائی دیتی ہوں غور کرنے کے بعد ان میں سے نئی نئی لذّت کے مضامین نکلتے ہیں اور انسان کے دل پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اب اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کی یہ دعا میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو قرآن کریم نے سورۂ یونس آیت ۸۶۔۸۷ میں بیان فرمائی ہے۔ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ خدا پر ایمان لے آؤ تو ان میں سے جو ایمان لے آئے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا اس موسیٰ پر ایمان لانا تو بہت مشکل ہے اور تھا بھی وہ فرعون کا زمانہ اور ایسا جابر فرعون کہ جس کا ذکر بحیثیت ایک جابر فرعون کے تاریخ میں محفوظ ہے اور خود وہ اپنے جبر کا احساس رکھتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے سوا عبادت کے لائق کوئی چیز ہی نہیں ہے۔اس وقت حضرت موسیٰ کی آواز پر یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں بہت بڑا دعویٰ ہوتا اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہم اس دنیا سے کلیۃً مر مٹنے کے لئے تیار ہوگئے ہیں۔پس اس لئے انہوں نے آغاز ہی میں یہ کہا فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا مشکل کام ہے لیکن جس خدا پر توکل کر کے ہم آگے بڑھ رہے ہیں وہ بچانے والا بھی ہے وہ ہر ظالم کے اوپر غالب آسکتا ہے، ہر جابر سے بڑھ کر طاقتور ہے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے خدا ہمیں ظالموں کی قوم کے لئے فتنہ نہ بنانا۔

یہاں فتنہ کا مضمون بہت دلچسپ رنگ میں دہرے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔قرآن کریم میں فتنہ، دین کے زبردستی بدلنے کو بھی کہتے ہیں۔قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اگر جبر کے ذریعے تکلیفیں دے کر کسی کو اس کا دین بدلنے پر مجبور کیا جائے تو اس کو فتنہ کہا جاتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ:۱۹۴) اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ جب دنیا سے فتنہ اٹھ جائے۔ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ اور دین بالآخر اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ کسی چیز اور زور کا محتاج نہ رہے دین آزاد ہو جائے تو رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ میں ایک مطلب یہ ہے کہ اے خدا! ہمیں ان کا تختہ مشق نہ بنا۔ وہ جبر اور ظلم اور تعدی کے ذریعے دنیا میں اپنا دین پھیلانا چاہتے ہیں اور دین حق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پس ان معنوں میں ہمیں فتنہ نہ بنا کہ ہم ان کے تختہ مشق بن جائیں اور وہ ہم پر آزمائشیں کرتے پھریں۔

فتنہ کا دوسرا مطلب ہے۔ ٹھوکر کا موجب نہ بنا کیونکہ فتنہ کا ایک مطلب ٹھوکر ہے۔ پس اے خدا! جب ہم نے دین کو قبول کر لیا ہے تو ایسی کمزوریاں ہم میں نہ ہوں جن کو دیکھ کر وہ کہیں جی! یہ مومنین ہیں یہ یہ غلطیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں، لوگوں کو پاک کرنے والے ہیں آپ اتنے گناہوں میں ملوث ہیں پس ہر قسم کی غلطیوں سے پاک کرنے کی دعا بھی اسی کے اندر داخل ہوگئی۔

پھر فتنہ کے دونوں معنوں کا ایک ملاپ بھی اس کے اندر شامل ہے مطلب یہ ہے کہ اے خدا! اگر تو نے ہمیں ان کے ظلم کا نشانہ بننے دیا تو ظالم لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کا خدا نہیں ہے۔ ان کا کوئی بھی نہیں ہے۔ ٹھوکر کا مضمون اور ظلم وستم کا مضمون یہاں اکٹھا ہو گیا۔ پس جماعت احمدیہ کے لئے یہ دعا بہت ہی موزوں اور برمحل دعا ہے اور خاص طور پر یہ جو ابتلاؤں کا دور ہے اس میں اس دعا کو اس تمام وسعت کے ساتھ پیش نظر رکھتے ہوئے خدا کے حضور مانگنا چاہئے اور اس مضمون میں اگر آپ اپنے مظلوم احمدی بھائیوں کے حالات کو پیش نظر رکھ لیں یا ان تکالیف کو جن میں سے آپ گزر رہے ہیں، مختلف جگہ پر مختلف نوعیت کے جو روزمرہ ظلم ہو رہے ہیں ان کو ذہن میں دہرا لیا کریں تو اس دعا میں بہت درد پیدا ہو جائے گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے متعلق جب آپ یہ سوچیں کہ کتنے عظیم لوگ تھے، کتنے کمزور تھے، کتنے خطرناک جابر سے ان کا مقابلہ تھا لیکن بات ہی اس سے شروع کی۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے اب آگے بڑھ رہے ہیں، تو توکل کے مضمون کو کبھی نہ بھلائیں تو دیکھیں اس دعا میں کیسی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہزارہا سال کی یہ دعا مر نہیں سکتی، زندہ دعا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ پھر عرض کرتے ہیں۔ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہمیں کافروں کی قوم سے اپنی رحمت کے ذریعے نجات بخش۔

یہاں نجات بخشنے کا جو مضمون ہے یہ غالباً ہجرت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم ہو چکا تھا اور فرعون ہجرت میں مانع تھا۔ پس ۔ نَجِّنَا سے مراد یہاں ہجرت ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر مدین کے بزرگ حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچے اور وہاں پناہ لی تو انہوں نے اسی لفظ کے ساتھ آپ کو خوشخبری دی کہ تو ظالموں کی قوم سے نجات پا چکا ہے۔ پس کامیاب ہجرت یہاں مراد ہے تو یہ کہا اے خدا! ان میں ہوتے ہوئے بھی ہمیں ان کے ظلم وستم سے بچا اور پھر اپنے فضل سے ہمیں ان لوگوں سے کامیاب ہجرت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا بھی ریکارڈ کی گئی کہ: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (یونس:۸۹) بالعموم انبیاء کی طرف بددعائیں منسوب نہیں ہوتیں لیکن اگر آپ دو یا تین جگہ جہاں بددعائیں مذکور ہیں ان کا بغور مطالعہ کریں تو بددعا کرنے کی حکمت اور اس کا جواز بھی وہیں موجود ہوگا اور مضمون بہت اچھی طرح کھل جاتا ہے۔ قرآن کریم ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ شبہ کا کوئی پہلو باقی نہیں رہنے دیتی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ قوم بار بار انکار کر رہی ہے اور ہر عذاب کے بعد وقتی طور پر توبہ کرتی ہے اور پھر دوبارہ انکار کر دیتی ہے تو یہ دعا کی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ اے خدا! جو قوم اموال کے تکبر میں مبتلا ہو وہ تو ایمان لا ہی نہیں سکتی۔ مالداروں کا اپنا ایک نفسیاتی رنگ ہوا کرتا ہے اور اپنے سے غریب لوگوں کو ہمیشہ وہ تذلیل اور تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا نفسیاتی مطالعہ کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا کہ عذاب تو آئے ہیں جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ بار بار نشان دکھائے گئے اور اللہ تعالیٰ کی باتیں پوری ہوئیں لیکن پھر آخر یہ کیوں پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بظاہر ایمان لا کر پھر قدم پیچھے کی طرف ہٹا لیتے ہیں تو یہ سوچتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سوچا کہ اموال کا تکبر ان کو برباد کر رہا ہے۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ ان کے اموال پر حملہ کر، ان کے اموال کو برباد کردے۔ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور دلوں میں جو انانیت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے دلوں پر سختی کر، ایسا عذاب ڈال جس سے دل نرم پڑ جائیں۔ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب کا منہ نہ دیکھیں۔

اب یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم تھیں حضرت موسیٰؑ نے کوئی نئی بات تو نہیں نکالی ۔اس کے باوجود خدا تعالیٰ کیوں ان لوگوں کو توفیق نہیں عطا فرمارہا تھا اس لئے کہ وہ ایمان لانے کے اہل نہیں رہے تھے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جب دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو دعا اور قبولیت دعا کے دوران ایک بہت ہی گہرا لطیف رشتہ ہوتا ہے جو سطحی مطالعہ سے نظر نہیں آتا مگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے ایسے لطائف کرتا رہتا ہے اور یہ مضمون قرآن کریم کی دعاؤں اور استجابت دعا کے مضمون میں بہت ہی دلچسپ رنگ میں محفوظ فرمایا گیا ہے ۔حضرت موسیٰؑ نے یہ کہا کہ جب اَلْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دیکھ لیں گے پھر یہ تو بہ کریں گے ۔خدا نے کہا ۔ہاں ہمیں علم ہے کہ کس حد تک اَلْعَذَابَ الْاَلِيْمَ دیکھیں گے تو توبہ کریں گے لیکن دعا قبول کر لی اور بعد میں فرمایا کہ جب ہم فرعون کو غرق کرنے لگے تو اس وقت اس نے کہا :اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ (یونس:۹۱) اس فرعون نے اس وقت پکارا کہ اب میں ایمان لایا ہوں ۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنو اسرائیل ایمان لے آئے ہیں ۔اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ اب ایمان لاتا ہے جبکہ اس سے پہلے تو انکار کر چکا ہے ۔تو مراد یہ ہے کہ انبیاء کی فراست بھی درست ۔ وہ یہ صحیح نتیجہ نکالتے ہیں کہ ابھی اور شدت عذاب میں چاہئے اس کے بغیر یہ مانیں گے نہیں ۔مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ گناہ میں اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ جس قسم کا عذاب ان کو منواتا ہے وہ عذاب اس وقت آتا ہے جبکہ حجت تمام ہو چکی ہوتی ہے اور پھر ایمان لانا بے کار ہو جاتا ہے اب دیکھ لو تمہاری دعائیں سن کر ہم نے فرعون کو اس حد تک عذاب دے دیا کہ جس کے نتیجے میں بالآخر اس کا سر جھکا لیکن خدا نے یہ کہا کہ اب تو تیری روح کے بچنے کا کوئی وقت نہیں رہا، چونکہ جب تیری روح خطرے میں تھی تو نے اس وقت تک تو موسیٰؑ اور موسیٰؑ کے رب کو قبول نہیں کیا ۔اب بدن کا خطرہ ہے تو اب تو کہتا ہے کہ مجھے بچالے تو فرماتا ہے کہ ۔ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ ٹھیک ہے اب روح کے بچنے کا تو وقت نہیں رہا لیکن تیرے بدن کے بچانے کا وقت ہے ہم تیرے بدن کو بچالیں گے اور وہ اس لئے بچائیں گے تا کہ آئندہ نسلوں کے لئے یہ عبرت کا نشان بن جائے ۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا کے نتیجے میں پیش آنے والے اس واقعہ سے متعلق تاریخ میں بہت سا

ابہام موجود ہے۔ بالعموم تمام مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ فرعون وہیں اسی وقت غرق ہو گیا تھا اور بچا نہیں بلکہ صرف اس کا جسم بچا تھا اور تاریخ سے جہاں تک میں نے چھان بین کی ہے ایسی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی کہ یہ فرعون جس کا ذکر چل رہا ہے یہ غرق ہو گیا تھا کیونکہ جو ممی (Mummy) ملی ہے وہ ہے تو اسی فرعون کی۔ اس کے ساتھ ایسا واقعہ تو ضرور پیش آیا ہے مگر یہ قطعی شہادت نہیں ہے کہ وہ غرق ہو کر مرا تھا اس لئے آئندہ مزید تحقیق ہمیں بتائے گی کہ اصل واقعہ کیا ہوا۔ پھر اس آیت کی صحیح تفسیر ہمارے سامنے آئے گی کہ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ سے کیا خدا تعالیٰ کی یہ مراد تھی کہ ہم تیرے بدن کو آج بچائیں گے، تیری روح پھر بھی نہیں بچے گی تو پھر واپس لوٹے گا اور تیرا یہ بدن دنیا کے لئے آئندہ عبرت کے لئے محفوظ کیا جائے گا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم تجھے غرق تو کر دیں گے لیکن تیری لاش کو بچائیں گے اور تیری لاش بعد میں دنیا کے لئے عبرت کا نشان بنے گی تو دونوں صورتوں میں یہ بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ابھی اس کا ایک پہلو تشنہ تحقیق ہے۔

پس دعائیں کرتے وقت یہ احتیاط ضرور کرنی چاہئے کہ اپنی طرف سے دعاؤں میں ایسی ہوشیاریاں یا چالاکیاں نہ کریں کہ بعد میں جب دعا قبول ہو تو پتا لگے کہ اوہو! یہ تو ہماری دعا کے نتیجے میں ایسی بات ہوگئی۔ ایسے دلچسپ واقعات ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو دراصل بڑے پیارے اور لطیف انداز میں اپنے قرب کے نشان دیتا ہے۔ بعض دفعہ تھوڑی تھوڑی سزائیں بھی ساتھ چل رہی ہوتی ہیں، بعض لوگ بڑے معجزے دیکھنا چاہتے ہیں جو ظاہری اور عددی معجزے ہوں کہ جی فلاں شخص نے خواب میں دیکھا ہے کہ فلاں تاریخ کو یہ واقعہ ہو جائے گا اور یہ ہو گیا یہ سطحی چیزیں ہیں اصل جو زندہ معجزہ ہے وہ خدا کا بندے کے ساتھ ایسا باریک سلوک ہے جو زندگی میں اس کے ساتھ ہوتا رہتا ہے ایسے لطیف اشارے اسے ملتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں دل کی گہرائیوں میں یہ بات جاگزیں ہو جاتی ہے کہ میرا اور اللہ کا ایک معاملہ ہے جو چل رہا ہے۔

حضرت منشی اروڑے خانؓ والا واقعہ آپ نے بارہا سنا ہے وہ اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور حضرت منشی اروڑے خانؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ رخصت ہو رہے تھے جب واپس جانے کی اجازت لی تو شدید گرمی تھی اور بہت دیر سے بارش نہیں ہوئی تھی تو حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ نے بے تکلفی سے، پیار سے عرض کیا کہ حضور! دعا

کریں بہت ہی گرمی ہے۔ واپسی کا سفر بھی سخت ہے اللہ تعالیٰ بارش عطا فرمائے تو منشی اروڑے خانؓ نے کہا کہ میرے لئے تو یہ دعا کریں کہ اوپر سے بھی پانی ، نیچے سے بھی پانی، پانی ہی پانی ہوجائے۔ چنانچہ وہ یکے میں بیٹھے اور بٹالے کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں وڈالے کے قریب ایک جگہ جہاں ایک چھوٹی سی پلی آیا کرتی تھی۔ (ہم بھی جب گزرتے تھے تو وہاں ایک چھوٹی سی پلی آیا کرتی تھی) اس سے پہلے کہ وہ پُلی آتی اچانک بادل اُمڈ کر آئے اور اس قدر موسلا دھار بارش شروع ہوئی کہ اس سے جل تھل ہوگئے اور وہ گھوڑا اسی طرح سرپٹ دوڑا جارہا تھا۔ چنانچہ جب وہ پلی آئی تو اس پر وہ یکہ جو اچھلا تو منشی ظفر احمد صاحبؓ تو ٹانگے میں ہی رہے اور منشی اروڑے خانؓ صاحب اچھل کر باہر پانی میں جا گرے اور اوپر سے بھی پانی تھا اور نیچے سے بھی پانی۔

یہ جو چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں یہ بیرونی دنیا کے لئے شاید کوئی حقیقت نہ رکھتے ہوں لیکن مومن کی تقویت ایمان کے لئے بیرونی نشانات سے بہت زیادہ دلنشیں اور روح میں اتر جانے والے نشانات اس قسم کے ہوا کرتے ہیں اور روزمرہ کی زندگیوں میں احمدیوں کے ساتھ یہ معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی ایسا آدمی جس سے خدا تعالیٰ اچھی توقع رکھتا ہے کوئی چھوٹی سی غلطی کر بیٹھتا ہے تو اسی وقت اس کو سزا ملتی ہے، بعض ایسے ہیں جن کو بڑی بڑی غلطیوں پر بھی سزا نہیں ملتی اور وہاں سزا نہ ملنا خدا تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ اپنے پیاروں کو انسان جلدی پکڑتا ہے جن سے اچھی توقعات ہوں ان کو جلدی ٹوکتا ہے۔ جن سے اچھی توقعات نہ ہوں ان کی بڑی بڑی چیزوں سے بھی درگزر کر جاتا ہے کہ ان سے توقع ہی یہی تھی اس لئے دعاؤں کے مضمون میں آپ کو قرآن کریم میں بھی ایسے بڑے دلچسپ واقعات ملیں گے جہاں دعا کرنے والے نے ذرا کہیں کوئی غلطی کی تو اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے اور لطیف انداز میں قبولیت کے وقت اس کی طرف اشارہ فرما دیا۔

پس فرعون کے ڈوبنے کی دعا کا حضرت موسیٰؑ کی اس دعا سے گہرا تعلق ہے جس کے نتیجے میں بالآخر اس کو ایمان لانے کی بھی توفیق ملی لیکن بے کار اور اس کا کوئی بھی فائدہ اس کو نہ پہنچا لیکن یاد رکھیں انبیاء کی دعائیں تو بے کار نہیں جایا کرتیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک نیا اور لطیف مضمون داخل فرما دیا۔

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ہم تیرے بدن کو محض ایک فضول لطیفہ گوئی کے طور پر نہیں

بچارہے خدا تو کوئی عبث کام نہیں کیا کرتا اور پھر میرے بندے موسیٰؑ کی دعا تھی اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ تو پہنچنا چاہئے، تو جو فائدہ تجھے نہیں پہنچا وہ تیری وجہ سے آئندہ نسلوں کو پہنچے گا اور آنے والے لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں گے۔ تو دیکھیں بظاہر سرسری طور پر ان دعاؤں سے گزریں تو معمولی سا مضمون سمجھ میں آتا ہے لیکن جب ڈوب کر چلیں اور ان کے اندر جو مضامین کی تہیں ہیں ان کو دیکھتے ہوئے سیر کرتے ہوئے آگے بڑھیں تو بڑے بڑے لطیف مضامین ہیں جو ان دعاؤں میں اور ان کی قبولیت کے نشانات میں پوشیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا عرفان عطا فرماتا رہے۔ یہ آیت پوری یوں ہے:

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۳﴾ (یونس: ۹۲-۹۳)

کہ اب تو کہتا ہے میں ایمان لے آیا حالانکہ اس سے پہلے عمر تم نے عصیان میں گزاردی اور تو صرف گنہگار ہی نہیں بلکہ فساد کرنے والا گنہگار تھا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو نجات بخشیں گے تا کہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ اور دنیا میں اکثر لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔

اس موقعہ پر جبکہ یہ آیت نازل ہوئی، یہ کہنا کہ دنیا کے اکثر لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں، دوہرے معنے رکھتا ہے۔ ایک تو عمومی بیان ہے کہ لوگ اکثر خدا کی آیات سے غافل ہی ہوتے ہیں دوسرا یہ کہ فرعون کی لاش کے متعلق اس وقت ساری دنیا غفلت میں تھی اور یہ ایک ایسا نشان تھا جس پر دنیا کے کسی عالم کی بھی نظر نہیں تھی، کسی تاریخ دان کی بھی نظر نہیں تھی کیونکہ اُس وقت کی معروف تاریخ کے مطابق فرعون کے دریا میں غرق ہونے کا واقعہ اور پھر خدا کا اس سے وعدہ کرنا، یہ دنیا کے کسی تاریخی ریکارڈ میں درج نہیں تھا۔ قرآن نے پہلی دفعہ بیان فرمایا اور مصر کی تہذیب تہہ در تہہ ریت میں دفن ہو چکی تھی اور وہ بڑے بڑے مقبرے جن میں بعد میں فراعین کی لاشیں مدفون پائی گئیں اور بعد میں دریافت ہوئیں وہ اس وقت کی دنیا کی نظر میں نہیں تھے۔ پس اس ذکر کا کیا پیارا انجام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ کہ دنیا میں اکثر لوگ ہماری آیات سے غافل ہوتے ہیں ہم اتنے مستغنی ہیں کہ ہمیں کوئی جلدی نہیں، کوئی گھبراہٹ نہیں۔ جانتے

ہیں کہ ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ یہ مدفون خزانے پھر ابھر آئیں گے اور زمین ان خزانوں کو یعنی خدا تعالیٰ کے نشانات کے خزانے باہر پھینک دے گی۔

اب میں آپ کو حضرت نوحؑ کی دعا بتاتا ہوں۔ قرآن کریم فرماتا ہے: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ھود:۴۲) نوح کی جو یہ دعا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائی ہوئی دعا ہے فرمایا: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اور یہ پڑھتے چلے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ، اس کی ذات بابرکات کے ساتھ ہم اس سفر کا آغاز کرتے ہیں، مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اس کشتی کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی اسی کے نام سے ہے۔ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یقیناً میرا رب بہت ہی بخشنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

پس یہ الہامی دعا ہے اور جتنے بھی سمندر کے یا دریاؤں وغیرہ کے سفر اختیار کئے جاتے ہیں ان میں عام طور پر وہ مسلمان جو اس دعا سے واقف ہیں یہی دعا کرتے ہیں اور ہمیں بھی سب احمدیوں کو یہ دعا کرنی چاہئے۔ قادیان میں تو سب کو اس دعا سے بہت ہی واقفیت تھی اور بچے بچے کو سکھائی جاتی تھی لیکن اب جو موجودہ نسلیں ہیں اس سے کچھ غافل ہوتی جارہی ہیں۔ اس لئے میں یہ دعائیں دوبارہ پڑھ کر ان کا پس منظر آپ کو بتا رہا ہوں کہ اپنے بچوں کو، اپنے ماحول میں سب عزیزوں کو یاد بھی کرائیں اور ان کا مضمون سمجھائیں ان دعاؤں سے ایک ذاتی تعلق پیدا کر دیں تا کہ جب بچے یہ دعائیں مانگیں یا آئندہ جو بڑے بھی ہوں گے وہ مانگیں تو ان کے دل کی گہرائیوں سے یہ دعائیں اٹھیں اور اس مضمون کو سمجھ کر وہ یہ دعائیں کرنے والے ہوں۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشتی میں سوار ہونے کے بعد اللہ کے نام پر جو سفر اختیار کیا اس سفر میں ان کا ایک بیٹا ساتھ نہیں تھا اور جب وہ طوفان بہت بڑھا تو آپ نے دیکھا کہ وہ بیٹا ایک پہاڑی کے دامن میں کھڑا ہے۔ آپ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ تم آجاؤ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ میں تو اس پہاڑ میں پناہ لے لوں گا مجھے تمہاری کشتی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد اگلا منظر خدا تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ بات ہو رہی تھی کہ ایک موج ان دونوں کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لئے نظر سے غائب ہو گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ نے بڑی

بے چینی سے یہ عرض کی کہ اے خدا! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے اہل کو بچاؤں گا اور میں تیرے مقاصد کو، تیرے طریق کار کو نہیں سمجھ سکتا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے اہل کو غرق ہوتے دیکھ لیا ہے۔ تو بہتر جانتا ہے کہ یہ کیوں ہوا ہے لیکن میرے ذہن میں ایک خلش سی پیدا ہوگئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو یہ جواب دیا۔

اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ (ھود:۴۷) کہ اے نوحؑ! یہ تیرا اہل نہیں تھا۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ یہ بد اعمال بچہ تھا اور بد اعمال اولاد نبیوں کی اولاد نہیں ہوا کرتی۔ یعنی نبیوں کی طرف منسوب ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی تو اھل بمعنی اہلیت کے ہے۔ محض خونی رشتے کے لحاظ سے اولاد ہونا مراد نہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ یہ تو غیر صالح لڑکا ہے اس کے اعمال اچھے نہیں یہ کیسے تیرا اہل ہوگیا۔ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ (ھود:۴۷)

فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ پس مجھ سے مت سوال کر ایسی باتوں کے متعلق جن کا تجھے علم نہیں ہے۔ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں مبادا تو جاہلوں میں سے نہ ہو جائے یعنی اگر تو نے احتیاط نہ کی تو خطرہ ہے کہ اسی نہج پر اگر آگے بڑھتا رہا تو ظالموں میں شامل ہو جائے گا اس پر حضرت نوحؑ نے پھر بڑی بے قراری سے یہ عرض کیا رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ کبھی تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (ھود:۴۸) اور اگر تو نے مجھ سے بخشش کا سلوک نہ فرمایا اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں یقیناً گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

یہاں جو مشکل مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان کو علم ہو اس کے متعلق تو وہ سوال ہی نہیں کرتا اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو یہاں پھر یہ کیا گفتگو ہو رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تو نے آئندہ ایسی باتوں کا سوال کیا جس کا تجھے علم نہیں تو تُو ظالموں میں سے ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا اور حضرت نوحؑ کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اے خدا! آئندہ کبھی میں ایسا سوال نہ کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ تو یہ عجیب سا

معمہ ہے کہ اگر علم ہو تو سوال کرنے کی ضرورت کیا ہے اور اگر علم نہ ہو تو سوال کرنا گناہ کیسے ہو گیا۔ دراصل یہاں سوال کی پردہ داری فرمائی گئی ہے، ستاری کا سلوک ہوا ہے۔ ایک خفیف سا اعتراض دل میں پیدا ہوا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا گیا اور چونکہ حضرت نوحؑ ایک بڑے بلند پایہ نبی تھے اور اس اعتراض پر خود آپ نے بھی معلوم ہوتا ہے پردہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے جو دعا کی ہے اور سوال کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ ادب اپنی جگہ ہے لیکن ساتھ ہی بے قراری بھی ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں۔ میرا دل بے چین ہو گیا ہے خدا کے اولوالعزم انبیاء ہوتے ہیں ان کا دل ایسی باتوں پر بے چین نہیں ہونا چاہئے۔ ان سے خدا یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ سمجھ جائیں کہ کچھ ایسے واقعات ضرور ہوئے ہیں جن کا مجھے علم نہیں لیکن خدا کے علم میں ہیں اور خدا کا فیصلہ سچا ہے اس لئے فیصلے سے متعلق سوال اٹھانے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ یہ جو مضمون ہے یہ بہت ہی لطیف اور بہت گہرا مضمون ہے اور اس کو بھلا دینے کے نتیجے میں میں نے دیکھا ہے بہت سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے احمدی بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ خلفائے وقت کے کئی ایسے فیصلے ہوتے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کے زمانے میں بارہا ایسے واقعات ہوئے ہیں جو کسی باریک حکمت کے پیش نظر کئے جاتے ہیں اور ان کا دنیا کو علم دیا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ دوسرا مضمون بھی اس میں مخفی ہے اور بہت ہی اہمیت والا مضمون ہے۔ بعض دفعہ انسان ایک سوال کر کے مزید دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا جواب اس کو اور تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ایک بیٹا ہے جس کی بدکاری کے متعلق کسی کو علم نہیں، باپ کو علم نہیں، خدا تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہوا تھا اور نوحؑ نے جب شک کا اظہار کیا، ایسے شک کا اظہار جو اتنا خفی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شک کے طور پر پیش کرنا بھی پسند نہ فرمایا لیکن آپس میں جو مکالمہ ہوا ہے اس کی طرز بتا رہی ہے کہ اندر کیا بات تھی، ادب بہر حال قائم تھا اور اس وقت شک کے دوران بھی اتنا گہرا ادب تھا کہ اس ادب کے نتیجے میں اس وقت خدا نے آپ کو جاہل قرار نہیں دیا بلکہ یہ بتایا کہ آغاز اسی طرح ہوا کرتا ہے۔ ایک انسان اگر اپنے سے بالا ایسے لوگوں کے فیصلے جن کا احترام لازم ہے باریک نظر سے نہ دیکھے اور شک کی گنجائش ہو تو اس کا پہلا تقاضا تو یہی ہے کہ ادب اور احترام کی وجہ سے زبان نہ کھولے اور استغفار سے کام لے اور دعا سے کام لے لیکن اگر اس سے ایسا ہو بھی جائے اور بار بار ایسا ہو تو پھر خطرہ ہے کہ انسان مزید ٹھوکر کھا جائے گا۔ پس ایسے مختلف فیصلوں میں جہاں ایک مومن ایمان بھی

رکھتا ہے اور ادب بھی رکھتا ہے وہاں بھی بعض دبی ہوئی آزمائشیں بہت ہی خطرات کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں اور اس سلسلے میں نہایت اعلیٰ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ اعتراض نہیں کرنا چاہئے ۔استغفار سے کام لینا چاہئے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہئے اور اللہ پر توکل کرنا چاہئے اور خدا سے یہ دعا کرنی چاہئے ۔ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ کہ اے خدا! اگر تو نے بخشش کا سلوک نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو اس صورتحال میں میں یقیناً گھاٹا پانے والوں میں شامل ہو جاؤں گا اور اگر سوال اٹھتے ہی ہیں ۔تو پھر یہ دعا بہت اچھی ہے ۔یعنی اس کا پہلا حصہ کہ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ اے خدا! میں تیری حکمتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس دنیا میں بہت سی باتیں کیوں ہو رہی ہیں ۔ تیری تقدیر کیا کیا مخفی مصلحتیں لئے ہوئے ہے۔ تیرے فیصلے کو ہم دیکھ لیتے ہیں۔ تیری تقدیر پر نظر نہیں جاتی ۔اس لئے ہم تجھ سے ان شکوک کے بارہ میں پناہ مانگتے ہیں جو ایسے موقعوں پر دلوں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں ۔

ایک دعا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے جو اسی سورۃ کا ایک اور مضمون بھی ہمیں سمجھا رہی ہے ۔سورۂ یوسف کے آغاز میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ہم بیان کرنے لگے ہیں یہ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ہے اتنا حسین واقعہ ہے کہ ایسا دلچسپ واقعہ، اس سے زیادہ پیارا اور دلکش قصہ تم نے کبھی نہیں سنا ہوگا، نہ سن سکتے ہو کیونکہ یہ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ہے۔اب قرآن کریم میں انبیاء کے بہت سے قصص بیان ہوئے ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بڑے دلچسپ واقعات بیان ہوئے ہیں لیکن صرف سورۂ یوسف کو اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ کہا گیا ہے۔ میں اس پر غور کرتا رہا تو میرے دل نے یہ گواہی دی کہ یہ دعا جو حضرت یوسفؑ نے کی ہے یہ حسن کی انتہاء ہے اتنی حسین دعا ہے اور حضرت یوسفؑ کے حسن کا ایک عجیب منظر پیش کرتی ہے کہ انسانی دنیا میں آپ کو ایسی مثالیں دکھائی نہیں دیں گی ۔آپ کو زلیخا نے جب ابتلاء میں ڈالا اور دعوت دی اور اپنے ساتھ اس شہر کی یا اس قصبے کی دوسری خوبصورت عورتوں کو بھی شامل کرلیا کہ اگر یہ اکیلا میرے سے پوری طرح قابو نہیں آسکتا تو ہوسکتا ہے ہم سب مل کر اس پر اپنا جادو چلائیں تو یہ اس جادو کے اثر کے تابع ہماری بات مان جائے ۔یہ سکیم تھی جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔اس پر حضرت یوسفؑ یہ دعا کرتے ہیں: قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ (یوسف:۳۴) یہ مجھے لذتوں کی طرف اور عیش وعشرت کی طرف

بلا رہے ہیں اے خدا! میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں قید ہو جاؤں اور قید خانے میں زندگی بسر کروں ۔ مجھے یہ آزادی پسند نہیں ہے جو لذتوں کی آزادی ہے مگر تیری رضا کی آزادی نہیں ہے ۔

کتنی عظیم الشان دعا ہے ۔وہ یہ بھی دعا کر سکتا تھا کہ اے خدا! مجھے بچالے لیکن دوسری طرف قید خانے کو دیکھا۔اس مضمون کو ذہن میں رکھا اور یہ دعا کی کہ اے خدا! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے ۔اب دیکھیں دعا اور قبولیت میں کیسے لطیف رشتے ہیں ۔پس یہ سمجھ نہیں سکتا تھا کہ حضرت یوسفؑ بے چارے کو اللہ تعالیٰ نے اتنی لمبی قید میں کیوں مبتلا کر دیا۔اپنی منہ مانگی دعا ہے جو ان کے سامنے آئی ۔

پس جہاں ایک طرف دعاؤں میں احتیاط بتانے والا یہ مضمون ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ہمیں سکھایا کہ اپنے لئے مشکل دعا مانگا ہی نہ کرو۔اللہ تعالیٰ تو تمہیں مشکل میں ڈالے بغیر بھی معاملے حل کر سکتا ہے اس لئے خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو مشکل میں ڈالتے ہو۔آپؐ نے یہ کہہ کر ہم پر بڑا احسان فرمایا لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ میرے بندے جب بعض دعائیں مانگتے ہیں تو میں ان کے دل کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتا ہوں ۔اس دعا نے اور اس کی قبولیت نے مل کر اس معاملے کو اتنا حسین بنا دیا ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے ایسا عجیب واقعہ کبھی دنیا میں پیش نہیں آیا کہ وہ خدا جو اپنے بندے سے اتنا پیار کرتا ہے اور پھر ایسے پاکباز بندے سے یعنی یوسفؑ جیسے بندے سے، اس کی دعا بھی سنتا ہے اور اس کو بچا بھی لیتا ہے اور پھر قید خانے میں ڈال دیتا ہے۔تو قید خانے میں کیوں ڈال دیا؟

میرے نزدیک اس لئے کہ حضرت یوسفؑ کے دل کی سچائی ثابت ہو اور عام دعا کرنے والوں سے الگ اور ممتاز کر کے آپ کو دکھایا جائے ورنہ دعا کرنے والے بڑی بڑی دعائیں کر جاتے ہیں اور باتوں باتوں میں اپنی جان فدا کرتے رہتے ہیں لیکن جب ابتلاء کا وقت آتا ہے تو جانیں لے کر بھاگ جاتے ہیں ۔میں نے دیکھا ہے اور مجھے کئی خط بھی آتے ہیں کہ جی آپ کہیں تو مال جان سب کچھ حاضر اور چھوٹا سا ابتلاء اولاد کی طرف سے آجائے یا قضاء کے فیصلے کی طرف سے آجائے تو نہ جان حاضر ہوتی ہے، نہ مال حاضر ہوتا ہے ۔وہی لوگ باتیں بنانی شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ۔یہ خلیفہ ہے؟ اس میں تو انصاف ہی کوئی نہیں ۔تو خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ منہ کی اکثر باتیں جھوٹی اور بے معنی ہوا کرتی ہیں ۔خدا کے حضور سجدوں میں لوگ بڑی بڑی پیاری دعائیں کرتے ہیں ۔روتے

ہوئے بھی کرتے ہیں کہ اے خدا! یہ ہو جائے تو ہم سب کچھ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں مگر جب مشکل پڑتی ہے تو اس وقت وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔قرآن کریم نے اس مضمون کو ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا کہ تم لوگ تو قتال مانگا کرتے تھے کہتے تھے کہ اے خدا! ہمیں جہاد کے وہ میدان دکھا جہاں ہم اپنی قربانیاں پیش کریں اور اب وہ آ گیا ہے تو تم کھڑے دیکھ رہے ہو۔تمہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں۔تو دعا سے کوئی چیز مانگنا اور بات ہے اور جب وہ ابتلاء سامنے آ کھڑا ہو تو اس میں پڑنا اور حوصلے کے ساتھ صبر کے ساتھ اس تکلیف کو برداشت کرنا اور بات ہے۔پس خدا تعالیٰ نے اس حسین قصے میں جو سب سے زیادہ حسین ہے ہمیں یہ بتایا کہ یوسفؑ نے دعا مانگی اور ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا تو محض اس کو تکلیف دینے کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کو بتانے کے لئے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے بتانے کے لئے کہ وہ دعا میں انتہائی سچا اور مخلص تھا۔واقعۃً اس کو قید خانہ اور اس کی صعوبتیں دکھائی دے رہی تھیں اور وہ ان کی پناہ مانگ رہا تھا کہ اے خدا! اس عیش کی زندگی سے مجھے وہاں ڈال دے چنانچہ پھر انہوں نے خوشی سے قبول کیا، وہاں رہے، وہاں تبلیغیں کرتے رہے۔وہاں خدا کی یاد میں مزے کی زندگی گزاری اور ایک ذرہ بھی دل میں شکوہ پیدا نہیں ہوا کہ مجھ معصوم کو جو آج ساری دنیا میں سب سے زیادہ معصوم انسان ہے بے جرم کیوں مارا جا رہا ہے اور پھر آخر پر جب آپ کو وہاں سے نجات ملتی ہے تو پھر اس وقت بہت ہی عجیب حیرت انگیز انکسار کا اظہار کرتے ہیں۔پیغامبر کو کہتے ہیں پہلے اپنے آقا، بادشاہ سے کہو کہ وہ جو عورتیں تھیں جنہوں نے الزام لگایا تھا ان کا حال تو پوچھو۔کیا حال ہے ان کا؟ اب کیا کہتی ہیں؟ اور مجھے نکالو تو معصوم حالت میں نکالو۔

دیکھیں کتنا عجیب دلچسپ اور گہرا مضمون ہے۔فرمایا۔میں الزام کی حالت میں گیا ہوں۔میں الزام کی حالت میں کیسے باہر آ جاؤں۔یہ الزام تو مجھے پسند نہیں ہے۔اس کی خاطر تو ساری تکلیفیں برداشت کی تھیں اس لئے میں جب تک معصوم ہو کر نہیں نکالا جاتا مجھے ابھی بھی آزادی نہیں چاہئے۔حالانکہ بادشاہ مہربان ہو چکا ہے اور پھر جب بادشاہ نے ان سے پتا کروایا تو اُنہوں نے کہا وہ تو بالکل معصوم ہے، فرشتہ ہے۔اس کا کوئی قصور نہیں، ہم نے شرارت کی تھی، ہم نے فتنہ پیدا کیا تھا۔اس کے بعد وہ یہ کہتے ہیں میں اپنے نفس کو اب بھی بَری نہیں کرتا۔اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (الیوسف:۵۴) کہ انسان کا نفس تو گناہوں کی تعلیم دینے والا ہے۔اللہ ہی کا فضل تھا جو میں بچ گیا ہوں۔

پس دیکھیں کہ قرآنی دعائیں جو گہرے مضامین سمیٹے ہوئے ہیں جب آپ ان میں غوطہ مارتے ہیں۔ ان میں اُتر کر اُن دعاؤں کو اور ان کی مقبولیت کے حالات کو دیکھتے ہیں تو کیسے کیسے حسین دلکش نظارے ان پردوں کے پیچھے دکھائی دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ پردوں کے پیچھے اور پردے ہوتے ہیں۔ آپ اور بیچ میں داخل ہوتے چلے جائیں۔ اپنے نفس پر ان مضامین کو وارد کرتے رہیں تو آپ کو اور زیادہ لطیف اور دلکش نظارے ان کے پیچھے سے دکھائی دیتے چلے جائیں گے۔

پھر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری دعا جو اُس سے ملتی جلتی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ وہ یہ بیان فرمائی گئی: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم: ۳۶) یہ جو دعا ہے یہ اس دعا سے ملتی جلتی لیکن اس سے مختلف ہے جو سورۂ بقرہ کی ۱۲۵ اور آگے پیچھے کی آیات میں درج تھی وہاں بھی یہ ذکر ہے کہ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا سرسری نظر سے پڑھیں تو ایک ہی دعا لگتی ہے۔ دونوں جگہ اس شہر کے امن کی دعا مانگی گئی ہے۔ اس کے امین ہونے کی دعا مانگی گئی ہے۔ لیکن حقیقت میں جو پہلی دُعا تھی اس میں شہر کیلئے دُعا نہیں مانگی تھی، جگہ کے لئے دُعا مانگی تھی کیونکہ وہاں یہ دُعا ہے: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا یہ جگہ چٹیل میدان جہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ اسے ایک رستے بستے شہر میں تبدیل فرما دے۔ پس یہ دُعا جواب کی گئی ہے اس میں یہ نہیں فرمایا کہ اس جگہ کو امن کی جگہ بنا دے بلکہ فرمایا ہے: هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا کہ اے خدا! تُو نے میری دُعاؤں کو سُن لیا۔ اور اس جگہ کو شہر بنا چکا ہے۔ اب یہاں با قاعدہ آبادی ہے۔ اب میں اس شہر کے لئے تجھ سے امن کی دعا مانگتا ہوں اس کے بعد اس دُعا میں بعض ایسی باتوں کا ذکر ہے جو دراصل پہلی دُعا کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہیں اور ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو خطاب فرمایا اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی دُعا میں ترمیم کی گئی ہے۔ پہلی دُعا آپ کو یاد دلانے کے لئے پڑھتا ہوں۔ وہ یہ تھی: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (البقرہ: ۱۲۷)

جب ابراہیمؑ نے خدا سے یہ عرض کیا کہ اے خدا! اس جگہ کو تو ایک شہر میں تبدیل فرما جو امن کا شہر ہو اور اس میں بسنے والوں کو تو ہر قسم کے رزق عطا فرما، ہر قسم کے پھل عطا فرما۔ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی ان سب کو جو اللہ پر ایمان لے آئیں اور آخرت پر ایمان لے آئیں۔ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا اے ابراہیمؑ! میں تیری دعا کو اس سے زیادہ قبول کرتا ہوں جتنا تو مانگ رہا ہے جو ان میں سے ایمان نہیں بھی لائے میں دنیا کی زندگی میں ان کو بھی فائدہ پہنچاؤں گا ہاں آخرت میں ان کو میں عذاب دوں گا۔

یہ جو آخرت کے عذاب کا جواب تھا اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بڑا ڈرا دیا ہے اور اگلی دعا میں پھر آپ نے ترمیم کر لی ہے۔ اس ترمیم کی طرف میں آپ کو لے کر جاؤں گا تو پھر آپ سمجھیں گے کہ اس دعا میں اور اس دعا میں کیوں فرق ہے؟ اور کیسے پیارے انداز میں پھر آپ نے وہ ترمیم کر کے دعا کی ہے۔

کہتے ہیں: هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ پتا لگ گیا ہے کہ کوئی ظالم ضرور پیدا ہوں گے، کچھ مشرک پیدا ہوں گے، شہر توحید کی خاطر بنایا گیا لیکن یہیں شرک کرنے والے بھی داخل ہو جائیں گے۔ تو یہ دعا کی کہ اے خدا! مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھ کہ ہم کبھی بھی بتوں کی پرستش کریں۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراھیم :۳۷) کہ ان بتوں اور جھوٹے خداؤں نے تیرے اکثر بندوں کو گمراہ کر دیا۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ جو ان میں سے میری پیروی کرے گا وہ میرا ہوگا اور جو میرا ہوگا وہ موحد ہی رہے گا۔ اس لئے میروں پر تو ناراض ہوگا ہی نہیں، کس طرح ان کا دامن بچالیا۔ پہلے خدا نے اس دعا کے نتیجے میں ایک استثناء کیا تھا اور کہا تھا کہ میں ان کے ساتھ دنیا میں تو حسن سلوک کرتا رہوں گا لیکن آخرت میں ان کو پکڑوں گا اس کے بعد یہ کہا کہ جو میرا ہوگا اس کو تو لازماً سزا نہیں دے گا کیونکہ مجھ سے تو اتنا پیار کرتا ہے اور مجھ سے تو ایسا حسن سلوک فرماتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو میرا ہو اس کے ساتھ بھی تو کسی قسم کا غضب کا معاملہ فرمائے گا۔ رہا ان لوگوں کا معاملہ جو میرے خلاف ہوں گے، جو گنہگار ہوں گے، جن کے متعلق تو نے کہا ہے کہ میں انہیں عَذَابٌ اَلِيْمٌ میں مبتلا کروں گا حضرت ابراہیمؑ بے حد رحم کرنے والے تھے بڑے نرم دل تھے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے تو وہاں بھی دل نہیں چاہتا کہ ان سے سختی کا سلوک ہو تو کہتے ہیں کہ وَمَنْ عَصَانِيْ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو میرے نافرمان ہیں فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ مجھے تو اتنا پتا ہے کہ تو بڑا بخشنے

والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ بس یہ کہہ کر بات چھوڑ دی۔ تو چاہے تو سزا دے سکتا ہے اور میری پہلی دعا کے جواب میں تو نے مجھے بتا دیا ہے کہ ایسے بدنصیبوں کو بالآخر سزا ملے گی تو میں اب نئی ترمیم شدہ دعا یہ عرض کر رہا ہوں کہ جو میرا ہے وہ تو امن میں آ ہی گیا اور جو میرا نہیں رہے گا میں اس کے لئے بھی صرف یہ کہتا ہوں کہ اس کو نہ دیکھنا۔ اپنی ذات کو دیکھنا۔ وہ گنہگار ہے لیکن تو غفور رحیم ہے۔ دعا کا کتنا پیارا انداز ہے۔ اور دعا کا کتنا دردناک انداز ہے۔ اگر اس گہرے درد کو سمجھ کر اسی درد میں ڈوب کر آپ دعائیں کریں تو دیکھیں آپ کی دعاؤں کو کیسے کیسے پھل لگتے ہیں۔ پھر عرض کیا:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

(ابراھیم: ۳۸) کہ اے خدا! میں نے اپنی اولاد کو اپنی اس پیاری اولاد اسماعیلؑ کو اس بے آب وگیاہ وادی میں ایک ایسے لق ودق صحرا میں جہاں کچھ بھی نہیں اُگتا۔ تیرے مقدس گھر کے قریب اس لئے چھوڑا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ کہ یہ لوگ تیری عبادت کریں۔

اس لئے جو دعا مانگی تھی کہ ان کو پھل دینا، ان پر رحمتیں کرنا (پہلی دعا میں یہ ذکر تھا) وہ ثانوی باتیں ہیں۔ میرا اصل مقصد یہ تھا کہ تیرے گھر کے قریب میں ان کو چھوڑوں تا کہ اس گھر کے مقاصد کو یہ پورے کرنے والے ہوں۔ لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ پس اس وجہ سے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر کہ یہ تیرے عبادت گزار بندے ہیں ورنہ اگر تیرے عبادت گزار بندے نہ ہوں تو ان کو پھل کھلوانے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے تو یہ دلچسپی تھی کہ قیامت کے دن تو بخشش کر سکتا ہے تو ضرور بخش دے۔ جہاں تک دنیاوی پھلوں کا تعلق ہے تو نے وعدہ تو کر دیا ہے مگر میں عرض کر دوں کہ ابھی بھی مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ دنیا میں ان کو کچھ دے نہ دے لیکن جو نیک بندے ہیں، جو عبادت کرنے والے ہیں، ان کی طرف دلوں کو ضرور مائل فرمانا اور ان کے لئے لوگ دور دور سے طرح طرح کے تحائف لے کر آئیں ہر قسم کے پھل ان تک پہنچیں لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ تا کہ وہ تیرے شکر گزار بنیں۔ ان نعمتوں کو

دیکھیں اور بار بار شکر ادا کریں کہ اے خدا! محض تیرے پیار کا اظہار ہے کہ لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو رہے ہیں ورنہ ہماری کیا حیثیت تھی۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ (ابراھیم:۳۹) حضرت ابراہیمؑ کا مقام آپ کی دعاؤں پر غور کرنے سے مزید ابھرتا چلا جاتا ہے۔ یہ عرض کیا کہ اے خدا! میری نیت پاک ہے مجھے تو یہ دلچسپی تھی کہ عبادت کرنے والے ہوں۔ ظاہری رزق میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ بعض دفعہ انسان اپنی مخفی نیتوں سے خود بھی واقف نہیں ہوا کرتا۔ خدا کے حضور تو یہ دعویٰ کرنا بہت بڑی بات ہے کہ میں اس نیت سے کر رہا ہوں اور فلاں نیت سے نہیں کر رہا۔ تو فوراً عرض کیا: رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ اے خدا! تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جن باتوں کا ہم اظہار کر رہے ہیں۔ مطلب ہے ہم اچھی نیتیں کہہ بھی دیں، اچھی باتیں تیرے حضور عرض کر رہے ہوں کہ ہم یہ یہ نیکیاں پیش نظر رکھتے ہوئے دعائیں کر رہے ہیں پھر بھی احتمال موجود ہے کہ بعض مخفی ارادے برے ہوں۔ بعض مخفی نیتیں گندی ہوں یا نفسانی ہوں اس لئے میں تیرے حضور یہ عرض کرتا ہوں کہ میں اپنے متعلق کسی بھی براءت کا اقرار نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے جو نیت صاف دکھائی دے رہی ہے اس کے پیچھے پھر بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسا مخفی بدارادہ موجود ہو اس کے لئے تو مجھ سے رحمت کا سلوک فرمانا۔ یعنی اپنی عاجزی کا اظہار ہے اور احتمالی گناہوں کا اقرار ہے۔ وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ میں کیا چیز ہوں۔ اے خدا! تو تو وہ ہے جس سے آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ (ابراھیم:۴۰) ہر حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اس بڑھاپے کی عمر میں اسماعیل اور اسحٰق جیسی اولاد عطا فرمائی اور یہ وہ اولاد ہے۔ جو نیک اولاد کی طلب کے نتیجے میں عطا ہوئی اور جس نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت اندر تک پاک تھی۔ پس بظاہر یہ نہیں فرمایا گیا لیکن جب اس مضمون کو آپ اکٹھا ملا کر پڑھیں تو خدا کی طرف سے یہ گواہی بھی ساتھ دے دی گئی ہے کہ ابراہیمؑ تو اپنے عجز میں کہہ رہا تھا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں میری نیت صاف ہے لیکن تو بہتر جانتا ہے۔ ساتھ ہی اس نے ایک ایسی بات کہی جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی نیت کو جانتا تھا اور اس کی نیت کی پاکی کے مطابق اس سے سلوک فرمایا کیونکہ جس نیک اولاد کے متعلق اس نے کہا کہ میں تجھ

سے نیک اولاد مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ نے وہ نیک اولاد عطا فرما کر بتا دیا کہ تیری نیت پاک تھی چنانچہ اس کو اسماعیل دیا پھر اس کو اسحاق دیا۔ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ چنانچہ ابراہیمؑ خود اقرار کر جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے دماغ وہاں پہنچا ہے تو خود ہی بات بھی سمجھ آ گئی ہے عاجزی کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے سمجھا بھی دیا ہے کہ ابراہیمؑ تو کیوں اپنی نیتوں کے متعلق ڈر رہا ہے۔ اپنی اولاد کے منہ تو دیکھ، کتنے پاک چہرے ہیں۔ ان کے وجودوں پر نظر کر کیا یہ تیری دعاؤں کا ثمرہ نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو پھر **الحمد** پڑھ اور خدا کا شکر ادا کر اور اس کی حمد کے گیت گا اور یہ کہ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ۔ کہ دیکھو دیکھو میرا رب بہت ہی دعا سننے والا ہے اور اس دعا کی مقبولیت کے نشان کے طور پر اس نے مجھے ایسی پاک اولاد عطا فرمائی۔

یہ ویسی ہی دعا ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے شعروں میں کہا کہ

بشارت تو نے دی اور پھر یہ اولاد
کہا ہرگز نہیں ہوں گے یہ برباد
بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی (درثمین:۔۔۔)

پس بار بار اللہ تعالیٰ اپنے پاک بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی دعاؤں کے مطابق پھل لگاتا ہے اور جب وہ پھل نکلتے ہیں تو بتاتے ہیں کہ ہاں وہ دعائیں بھی سچی تھیں اور یہ پھل بھی سچے نکلے۔

اب میں آخر پر (گو مضمون کا ابھی آخر نہیں آیا ابھی کافی ہے لیکن باقی آئندہ انشاء اللہ) حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی ہی ایک دعا پڑھتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی: رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۱﴾ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ (ابراہیم: ۴۱-۴۲) کہ اے خدا! مجھے اور میری اولاد کو نماز پر قائم رکھ۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ اور اے ہمارے رب ضرور ہماری دعا قبول کر لے۔ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ اے خدا مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش دے۔ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور مومنوں کو بھی بخش دے۔ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ جس دن حساب کتاب کیا

جائے گا۔

یہاں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ پیدائش سے پہلے حضرت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا مانگی تھی کہ نیک اولاد چاہتا ہوں ۔نماز پڑھنے والی اولاد چاہتا ہوں۔اسی لئے تیرے گھر کے پاس جہاں نہ پانی تھا نہ خوراک کا کوئی انتظام تھا، اپنے نوزائیدہ بچے کو چھوڑ دیا کہ وہ تیری عبادت کرے اگر غذا کی اور دنیاوی لذتوں کی خواہش ہوتی تو ان آباد جگہوں سے لے کر اس ویران جگہ میں کیوں آتا۔یعنی اس میں نیت کی صداقت کتنی گہری اور کتنی صفائی کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہے اور اس دعا کو خدا نے قبول بھی فرمالیا اس کے باوجود جب تک زندگی کا سانس ہے یہ دعا جاری رہنی چاہئے کیونکہ عبادت پر قائم ہونے کے باوجود عابدوں کے لئے بھی امتحانات آیا کرتے ہیں اور ٹھوکر کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔بعض ایسے عبادت کرنے والوں کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے کہ عمر بھر عبادت کی مگر کسی موقعہ پر کسی وجہ سے ٹھوکر کھا کر ہمیشہ کے لئے خدا سے دور جا پڑے۔پس عبادت کرنے والے کو تکبر سے باز رکھنے کے لئے اور خدا کی خوشخبریاں پانے کے باوجود انکسار کے ساتھ خدا کے حضور یہ عرض کرتے رہنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جو کچھ ہم نے عبادت میں حاصل کیا ہے جب تک زندگی کا سانس ہے اسے خطرہ ہے۔ یہ تیری طرف سے ایک دولت اور نعمت ہے تو سہی لیکن نعمتیں بھی تو ضائع ہو جایا کرتی ہیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام خود پہلے اپنے لئے دعا کرتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ اے خدا مجھے بھی نماز قائم کرنے والا بنا۔اب بتائیں آج کل کوئی شخص اگر بظاہر نماز پر قائم ہو چکا ہو تو اس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نماز پر قائم ہونے سے بھلا کیا مقابلہ؟ کوئی نسبت ہی نہیں ہے لیکن بعض نمازی آج کل کی اس دنیا میں بڑا تکبر کر جاتے ہیں۔ہمیں اور کیا چاہئے ہم نماز پڑھتے ہیں اور خوب سختی سے نماز پر قائم ہیں حالانکہ سختی سے قائم ہونا اور چیز ہے اور دل کی نرمی کے ساتھ نماز پر قائم ہونا اور چیز ہے لیکن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ ہمیں بتاتا ہے کہ نماز پر قائم ہونا محفوظ مقام نہیں ہے جب تک انسان آخری سانس نہ لے اور خدا اپنی طرف نہ بلالے۔

پس اس دعا کو اس مضمون کو سمجھنے کے بعد ادا کیا کریں اور خدا کے حضور اپنی عبادتوں کو فخر کے ساتھ پیش نہ کریں بلکہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ ڈرتے ڈرتے پیش کریں اور دنیا کی طرف نگاہ

ڈالیں کہ اس دنیا میں بھی یہی ہوتا چلا آیا ہے اور آج بھی یہی ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے بڑے امیر، بڑے بڑے دولت منداچانک ایسے مصائب کا اور حوادث کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ساری دولتیں مٹ جاتی ہیں جو کچھ کمائی تھی وہ سب ختم ہوگئی۔ تو اگر دنیا کی دولتیں محفوظ نہیں ہیں تو روحانی دولت بھی ان معنوں میں محفوظ نہیں ہے۔ اگر کوئی بلا پڑے گی تو بلا ان نعمتوں کو تباہ بھی کر سکتی ہے اس لئے دعا ہی کے ذریعے ان نعمتوں کی حفاظت کی مدد مانگنی چاہئے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ اے خدا! مجھے بھی بخش دے، میرے والدین کو بھی۔ یہاں توازن پیدا کیا گیا ہے اور اولاد کے لئے جو دعا مانگی گئی تو اس کے مقابل پر فرمایا والدین کو بھی یاد رکھا کرو، والدین کے لئے بھی دعا کیا کرو۔ وَلِوَالِدَيَّ میں نماز کے قیام کی دعا نہیں کیونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور اکثر صورتوں میں ہو چکے ہوتے ہیں یا بعض صورتوں میں فوت ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے والدین کے لئے قیام نماز کی دعا نہیں ملے گی بلکہ بخشش کی دعا ملے گی۔ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور مومنوں کے لئے بھی۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ جس دن کے حساب کتاب کیا جائے۔

یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے متعلق آئندہ کبھی گفتگو کی ضرورت پیش آئے گی کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے والد کے لئے جو دعا کی تھی جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو خصوصی اجازت دی گئی تھی تو اس کے بعد پھر اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ وَلِوَالِدَيَّ میرے والدین کے لئے بھی۔ کیا یہ وہی دعا ہے اور اس کے بعد خدا نے منع فرمایا یا یہ دعا کوئی اور مفہوم رکھتی ہے اور اسی طرح حضرت نوحؑ کی دعا بھی ہمیں انہیں لفظوں میں ملتی ہے کہ وَلِوَالِدَيَّ مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش دے اور ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس نبی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ماننے والوں کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیا کہ اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (التوبہ:۱۱۳) کہ خواہ وہ اقرباء ہی کیوں نہ ہوں یعنی صرف والدین کا ذکر نہیں دوسرے اقرباء بھی شامل ہیں کہ اگر وہ مشرک ہوں تو ان کے لئے استغفار نہیں کرنا۔ تو یہ ایک ایسا مضمون ہے جو بعض دفعہ بعض دوست پوچھتے بھی ہیں کہ اب نماز میں ہم یہ دعا پڑھتے ہیں۔ ہندوؤں سے اگر کوئی مسلمان ہوا ہوا اور اس کے والدین مشرک ہوں تو کیا وہ نماز میں وہ دعا نہیں پڑھے گا اور پھر سوال یہ ہے کہ کیا صحابہؓ یہ دعا نہیں پڑھا کرتے تھے جن میں سے اکثر کے

والدین مشرکین تھے تو یہ ایک مزید تحقیق طلب مضمون ہے۔اس کے کچھ حصوں پر تو میں نے نظر ڈالی ہے اور کچھ مفہوم سمجھ آیا ہے لیکن ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔آئندہ کسی وقت انشاءاللہ آپ کے سامنے یہ مضمون پیش کروں گا۔باقی انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ کیونکہ اب وقت زیادہ ہو چکا ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:

یہ خطبہ حسب سابق ماریشس اور جاپان کی جماعت بھی براہ راست سن رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو ہمت بھی عطا فرمائے۔بہترین جزاء دے اور توفیق بخشے۔بے حد خرچ ہوتا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ بے چارے کس طرح مسلسل برداشت کررہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں بہت برکت دے اور خدا کی خاطر جو یہ قربانی کررہے ہیں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے۔اس کے علاوہ انگلستان کی جماعتیں ساؤتھ ہال، کرائیڈن، ہنسلو ایسٹ لندن، مانچسٹر، جلنگھم بھی ساتھ شامل ہو چکی ہیں۔

اب ایک مختصر سی اپیل کرنی ہے۔افریقہ میں جو غربت ہے اور جو فاقہ کشی ہے اس پر بعض دفعہ حوادث کے ذریعے تکالیف میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے پچھلی تحریک پر جماعت نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے عام حالات میں جو توقع تھی اس سے بہت بڑھ کر قربانی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کو جو روپیہ ہے وہ انشاءاللہ تعالیٰ بہترین رنگ میں بھوکوں کو کھانا کھلانے میں استعمال ہوگا۔کچھ ہو رہا ہے اور آئندہ ہم تجویز کررہے ہیں کہ کس طرح بہتر نتائج حاصل کئے جائیں۔

لائبیریا سے چونکہ بہت سے مہاجرین غانا، نائیجیریا اور سیرالیون پہنچے تھے اور وہاں کیمپوں میں ان کی حالت بہت بری ہے اس لئے وہاں میں نے ہدایت کی تھی کہ خدام الاحمدیہ وغیرہ دوسری تنظیمیں امیر کے ماتحت منظّم پروگرام بنا کر ان کی خدمت کریں ان کی طرف سے اب مطالبے آئے ہیں کہ ہمیں یہ یہ چیزیں چاہئیں یعنی محض روپیہ کافی نہیں ہے بلکہ بعض اجناس چاہئیں۔کچھ ادویہ کی ضرورت ہے وہ ہم انشاءاللہ مہیا کررہے ہیں۔جہاں جہاں احمدی میڈیکل ایسوسی ایشنز پہلے بھی ایسے کارخیر میں حصہ لیتی ہیں ان کو میں مطلع کرتا ہوں کہ جب دوائیوں کی فہرستیں آئیں گی تو ہم ان کو بھجوائیں گے تو وہ کوشش کریں اور اپنے طور پر بھی اندازہ لگا کر کہ اس علاقے میں کیسی کیسی بیماریاں ہوتی ہیں، جو دوائیں بھی مہیا کر سکتے ہیں وہ مہیا کریں۔دوسرا وہ کہتے ہیں کپڑوں کی بہت تکلیف ہے، چھوٹے بچے عورتیں وغیرہ بہت برے حال میں ہیں بہت گرم کپڑے نہیں چاہئیں بلکہ ٹھنڈے یا

درمیانے کپڑے چاہئیں تو آپ کے گھروں میں یعنی یورپ اور امریکہ، کینیڈا وغیرہ کی جماعتوں میں جہاں ایسے زائد کپڑے ہوں وہ ضرور پیش کریں کیونکہ یہاں سے ہم آسانی سے بھجوا سکتے ہیں اور یہ انتظام انصار اور خدام اور لجنہ مل کر کر سکتے ہیں باہر ملک کے امیر کا کام ہے وہ دیکھ لے۔ اگر کسی ایک مجلس کے سپرد کرنا چاہے تو اس کے سپرد کر دے۔ بحیثیت جماعت کرنا چاہے تو بحیثیت جماعت کرنے والے ہیں وہ اس بات کا خیال کریں کہ یہ ہیں تو بہت غریب اور بہت ضرورت مند لوگ لیکن چونکہ ہم اصل میں ان کو پیش نہیں کر رہے بلکہ خدا کے حضور پیش کر رہے ہیں اس لئے گندے کپڑے جس طرح وہ پنجابی میں کہتے ہیں ناں ''کُجی سے نکلے ہوئے'' ان میں بل پڑے ہوئے برے حال، اس طرح نہ دیں کہ بد بوئیں چھٹی ہوئی ہوں، دھو کر صاف ستھرے کر کے جس طرح آپ اپنے بچوں کو پہنائیں اور شرم محسوس نہ کریں۔ اس طرح کپڑوں کی حالت کر کے پھر پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی اس قربانی کو قبول فرمائے اور ہمیں بنی نوع انسان کے دکھ بانٹنے اور ان میں سکھ پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے:۔ آمین۔

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا کی دعا دونوں نسلوں کیلئے ہے نیز حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام Nunspeet ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ میں ہالینڈ کی جماعت Nunspeet سے دے رہا ہوں۔ جہاں مجلس خدام الاحمدیہ ہالینڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ یہ خطبہ بھی حسب سابق مواصلاتی نظام کے ذریعے مختلف ممالک میں سنا جا رہا ہے۔ جاپان میں بھی حسب سابق توقع ہے کہ رابطہ مکمل ہو جائے گا لیکن سر دست یہ رابطہ قائم نہیں ہوسکا۔ انگلستان کی ایسٹ لنڈن، ساؤتھ آل ہنسلو، کرائیڈن، لنڈن Mosque اور مانچسٹر اور جلنگھم کی جماعتیں یہ خطبہ سن رہی ہیں۔ اسی طرح جرمنی سے بھی اور ماریشس سے بھی جماعتیں یہ خطبہ سن رہی ہیں۔

یہ نظام جو مواصلاتی رابطوں کے ذریعے قائم ہوا ہے اس میں ہمارے لنڈن کے ایک مخلص دوست سعید جسوال صاحب اور ان کے بھائیوں اور ایک بہنوئی کی محنت کا بہت دخل ہے اور یہ اپنی ٹیم لے کر آج یہاں بھی پہنچے ہیں تا کہ جن جماعتوں کو براہ راست خطبہ سننے کی عادت پڑ چکی ہے وہ ان خطبوں سے محروم نہ رہ جائیں جو اس سفر کے دوران دیئے جائیں گے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جو ایک سلسلے کی صورت میں جاری ہوا ہے اور جس کا تعلق سورۃ الفاتحہ کی اس دعا سے ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ اے ہمارے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔اس صراط مستقیم پر جس پر وہ لوگ چلتے رہے جن پر تو نے انعام نازل فرمائے۔

میں نے بتایا تھا کہ جن پر انعام نازل فرمائے گئے وہ دعاؤں کی بدولت اپنی مراد کو پہنچے ہیں محض انسانی کوششوں سے کامیاب نہیں ہوئے اور ہمارے لئے بھی سورۃ فاتحہ کی اس دعا نے قرآنی دعاؤں کا ایک سلسلہ کھول دیا ہے اور اس سلسلے کا قرآن کریم میں مکمل طور پر ذکر محفوظ ہے۔صرف انبیاء ہی کی دعائیں درج نہیں بلکہ دیگر صالحین اور خدا تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں، مردوں اور عورتوں کی دعائیں بھی قرآن کریم میں ہمارے لئے محفوظ فرمادی گئی ہیں۔

آج کے لئے پہلی دعا اولاد کی دعا ہے جو اسے اپنے والدین کے لئے کرنی چاہئے اور یہ دعا جو الہامی دعا ہے ان معنوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپ کی امت کو سکھائی، دعا تو یہ ہے: رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل:۲۵) اے میرے رب! ان دونوں پر، میرے والد اور میری والدہ پر اس طرح رحم فرما جس طرح بچپن سے یہ میری تربیت کرتے چلے آئے ہیں۔

لیکن اس دعا کی گہرائی کو سمجھنے کے لئے اس کا وہ پس منظر جاننا ضروری ہے جو یہی آیت کریمہ ہمارے سامنے کھول کر رکھ رہی ہے۔پس پوری آیت کو پڑھنے کے بعد اس دعا کی اہمیت بھی سمجھ آتی ہے کہ اور کن کن باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا کرنی چاہئے، یہ مضمون بھی ہم پر روشن ہو جاتا ہے۔آیت یہ ہے وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:۲۴) کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر فرمادیا ہے، یہ فیصلہ کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی بجائے رَبُّكَ لفظ ہے یعنی اے محمد ﷺ تیرے رب نے یہ فیصلہ صادر فرمادیا ہے اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کا سلوک کرو۔والدین کے ساتھ نیکی کے برتاؤ کی اتنی بڑی اہمیت ہے کہ توحید کی تعلیم کے بعد دوسرے درجے پر خدا نے جس بات کا فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔احسان کا لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کے متعلق میں پھر دوبارہ آپ سے بات کروں گا۔

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ

هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اگر ان میں سے کوئی تیرے ہوتے ہوئے تیری زندگی میں بڑھاپے تک پہنچ جائے ۔ان میں سے خواہ ایک پہنچے یا دونوں پہنچیں فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ان کو اف تک نہیں کہنی ۔اف نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے بڑھاپے میں ایسی حرکتیں ہوسکتی ہیں جوان کے بچپن کے سلوک سے مختلف ہوں ۔بچپن میں تو وہ بڑی رحمت کے ساتھ تمہاری تربیت کرتے رہے لیکن بڑھاپے کی عمر میں پہنچ کر انسان کو اپنے جذبات پر اختیار نہیں رہتا ۔زیادہ زودرنج ہو جاتا ہے اور بہت سی صحت کی کمزوریاں اس کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا کردیتی ہیں پھر کئی قسم کے احساسات محرومی ہیں ۔اولاد بڑی ہوگئی، اپنے گھروں میں آباد ہوگئی اور جس طرح والدین توقع رکھتے ہیں کہ یہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ساتھ ہم سے بھی ویسا ہی معاملہ کرے گا اس میں کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے یا والدین کو وہم گزرتا ہے کہ ہم سے ویسا پیار نہیں جیسا اپنی بیوی اور اولاد سے ہے تو ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم نے بڑی حکمت کے ساتھ فرمایا ۔فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ایسی باتیں ہونگی جن کے نتیجے میں ہوسکتا ہے تمہیں جائز یا ناجائز شکایت پیدا ہو اور والدین تم سے بظاہر سختی کا سلوک کرنا شروع کردیں ۔تم جو بچپن کی نرمی کے عادی ہو اس سلوک سے گھبرا کر اف نہ کہہ بیٹھنا ۔اف کا لفظ کوئی گالی نہیں ہے، کوئی سخت کلامی نہیں ہے ۔ایک اظہار افسوس ہے ۔فرمایا کہ اظہار افسوس تک نہیں کرنا ۔وَّلَا تَنْهَرْهُمَا اور جھڑکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔اپنے والدین کے ساتھ ہرگز سخت کلامی نہیں کرنی قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا اور ان کے ساتھ عزت کا کلام کیا کرو۔ ہمیشہ احترام کے ساتھ ان سے مخاطب ہوا کرو وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ اور اپنی نرمی کے پران کے اوپر پھیلا دو مِنَ الرَّحْمَةِ رحمت کے اور نرمی کے یا رحمت کے نتیجے میں جو نرمی پیدا ہوتی ہے ۔اس کے پران پر پھیلا دو اور پھر یہ دعا کرو: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا جس طرح انہوں نے بچپن میں بڑے رحم کے ساتھ میری تربیت فرمائی ہے ۔

یہ بہت ہی پیاری اور کامل دعا ہے اور بہت سی ذمہ داریوں کی طرف جو اولاد کے ذمہ اپنے والدین کے لئے ہیں، ہمیں توجہ دلاتی ہے لیکن اس دعا میں اور بھی بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں ۔اب میں نسبتاً تفصیل سے اس آیت کے بعض مضامین کھول کر آپ کے سامنے رکھتا ہوں ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ احسان کا حکم دیا گیا ہے۔ادائیگی فرض کا نہیں اور احسان بظاہر ضروری نہیں ہوا کرتا۔احسان تو ایسا معاملہ نہیں ہے کہ ہر انسان پر فرض ہو۔کیا یا نہ کیا کوئی فرق نہیں پڑتا۔یعنی اگر فرق پڑتا بھی ہے تو احسان ایک ایسی بات نہیں ہے جو اگر انسان نہ کرے تو خدا کے نزدیک معتوب ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ نے ذمہ داریاں ادا کرنے کا حکم کیوں نہ دیا اور احسان کا حکم کیوں دیا؟ اس میں اور بھی حکمتیں پوشیدہ ہوں گی لیکن دو ایسی حکمتیں ہیں جن کو میں آپ کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی پہلے ہوا کرتی ہے اور احسان بعد میں آتا ہے اگر فرض ادا نہ ہو تو احسان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے قرآن کریم جو بڑی فصیح و بلیغ کتاب ہے، خدا کا کلام ہے اس نے ایک لفظ میں اس سے پہلے ہونیوالی ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرما دیا اور مومن سے گویا یہ توقع رکھی کہ جہاں تک اس کی روزمرہ کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے فرائض کا تعلق ہے وہ تو لازماً وہ پورے کر رہا ہے ان کو نہ پورے کرنے کا تو سوال ہی نہیں لیکن جہاں تک والدین کا تعلق ہے محض ذمہ داریاں پورا کرنا کافی نہیں ہے۔ان کے ساتھ احسان کا سلوک ہونا ضروری ہے۔ایک یہ حکمت ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ یہاں لفظ احسان کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن کریم کی ایک اور آیت کا سہارا لینا ہوگا جو اس مضمون کے لئے کنجی کی حیثیت رکھتی ہے۔ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:۶۱) کہ احسان کی جزاء احسان کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ پس یہ احسان ان کے اوپر ان معنوں میں احسان نہیں ہے جن معنوں میں ہم ایک دوسرے پر احسان کرتے ہیں۔یہ احسان والدین کے اوپر اولاد کی طرف سے کوئی یک طرفہ نعمت نہیں ہے جو ان کو ادا کی جارہی ہے بلکہ خدا تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ والدین نے تم سے احسان کا معاملہ کیا تھا اس لئے صرف فرض کی ادائیگی کافی نہیں ہوگی جب تک تم ان سے احسان کا معاملہ نہیں کرو گے تم اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے والے نہیں بنو گے۔چنانچہ فرمایا هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کہ احسان کی جزاء تو احسان کے سوا ہے ہی کوئی نہیں۔کوئی شخص تم پر احسان کرتا چلا جارہا ہو اور تم اپنی روزمرہ کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔چنانچہ اس مضمون کو آیت کے آخری حصے نے کھول دیا یہ جہاں دعا سکھائی گئی: رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اے اللہ ان سے اس طرح رحم کا سلوک فرما جس طرح یہ بچپن میں مجھ سے رحم کا سلوک فرماتے تھے۔صرف اپنے

حقوق ادا نہیں کرتے تھے۔ محض مجھے زندہ رکھنے کے لئے اور روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے محنت نہیں اٹھاتے تھے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر مجھ سے شفقت اور رحمت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ میری معمولی سی تکلیف پر یہ بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ میری ادنیٰ سی بیماری پر ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جایا کرتی تھیں اور انہوں نے جو مجھ سے سلوک فرمایا وہ رحمت کا سلوک ہے۔ پس مجھے جو احسان کا حکم ہے کہ میں بھی احسان کا سلوک کروں تو اے خدا! میں اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا اس لئے میں دعا کے ذریعے تجھ سے مدد چاہتا ہوں اور جب تک تو اس بارہ میں میری مدد نہ فرمائے حقیقت میں میرے والدین کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں جو بھی کوشش کروں اس کے باوجود ان احسانات کو چکا نہیں سکتا۔ پس تو میری مدد فرما اور رَّبِّ ارْحَمْهُمَا اے خدا تو ان کے اوپر رحم فرما اور میرے سلوک میں جو کمیاں رہ جائیں گی وہ تو اپنے رحم سے پوری فرمادے۔ كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا جس طرح بچپن میں یہ میری تربیت کرتے رہے تو ان کے ساتھ وہ سلوک فرما۔

اس دعا نے ایک اور حیرت انگیز مضمون کو ہمارے سامنے کھول دیا کہ والدین بھی جہاں تک خدا کا تعلق ہے اس کی تربیت کے محتاج ہیں لَّهُمَآ اُفٍّ کہنے کے ساتھ ان کی بشری کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو وہاں بھی خدا تعالیٰ کی ربوبیت کی بہت ضرورت ہے اور انسان تو مرتے دم تک خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا محتاج رہتا ہے اس لئے یہ دعا بہت ہی کامل دعا ہے اور اس کے معنی یہ بنیں گے کہ اے خدا! اگر چہ بظاہر ان کے اعضاء مضمحل ہو چکے ہیں یہ کمزوری کی طرف لوٹ رہے ہیں، طاقت کے بعد ضعف شروع ہو چکا ہے لیکن ضعف کے وقت زیادہ رحم کے ساتھ تربیت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب میں بچہ تھا تو میرے والدین نے مجھ سے میرے ضعف کی وجہ سے رحم کا سلوک کیا اور صَغِيرًا کے لفظ نے بتادیا کہ بڑے ہو کر رحم کا معاملہ اتنا نہیں رہا کرتا جتنا بچپن میں ہوتا ہے۔ بچپن کی کمزوری ہے جو رحم کا تقاضا کرتی ہے۔ بچے کو آپ ایک بات سکھاتے ہیں۔ چلانا سکھائیں تو بار بار وہ گرتا ہے، بولنا سکھائیں تو بار بار غلطیاں کرتا ہے تتلاتا ہے، سبق پڑھائیں تو اس کو پڑھا ہوا سبق بار بار بھولتا جاتا ہے لفظ آپ رٹا بھی دیں تو پھر اگلی دفعہ جب سنتے ہیں تو اس لفظ میں پھر وہی غلطیاں کرنے لگ جاتا ہے۔ بعض دفعہ بچے کو پڑھانا اعصاب شکن ہوتا ہے اور حقیقت میں

جب تک رحم کا معاملہ نہ کیا جائے اس وقت تک بچے کی صحیح تعلیم نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ بعض والدین جو جہالت سے حوصلہ چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ بچپن سے بجائے رحم کے سختی کا معاملہ شروع کر دیتے ہیں اور سختی کے ساتھ بچے کی تربیت ہو نہیں سکتی۔ اس میں بغاوت پیدا ہو جاتی ہے، اس میں سخت ردعمل پیدا ہوتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اس کی تربیت ہو اس کے اندر بچپن سے نقائص بیٹھ جاتے ہیں۔

پس اس آیت کریمہ نے اس حکمت کو بھی ہمارے سامنے روشن کر دیا کہ وہ والدین جو اچھی تربیت کرنے والے ہوں وہ بچپن میں رحم کے ساتھ تربیت کیا کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کو یہ دعا سکھائی گئی ہے وہ کیونکہ دراصل حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے غلام ہیں اس لئے ان کے والدین سے بہترین توقعات بھی پیش فرمائی گئیں اور یہ بیان کیا گیا کہ جس طرح ہمارے والدین بچپن میں ہماری کمزوریوں کے پیش نظر ہم سے سختی کرنے کی بجائے رحمت کا معاملہ کیا کرتے تھے اور تربیت میں بار بار بخشش کا سلوک فرماتے تھے اسی طرح اے خدا! اب میرے والدین کمزور ہو چکے ہیں تو ان کی غفلتوں اور کمزوریوں سے درگزر فرما اور ان کے ساتھ بخشش اور رحمت کا سلوک فرما۔

اس ضمن میں ایک یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ کَمَا کے لفظ نے ہمیں ہماری بہت سی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلا دی جو صرف والدین کی طرف سے نہیں بلکہ اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں کی طرف سے ہمیں پیش آتی ہیں اور ہمیں انہیں کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے فرمایا رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ کَمَا کے لفظ نے یہ بتایا کہ اگر والدین بچوں کی تربیت رحمت کے ساتھ نہیں کرتے تو یہ دعا ان کے حق میں نہیں سنی جائے گی کیونکہ کَمَا کا مطلب ہے جیسے انہوں نے بچپن میں رحمت کے ساتھ میری تربیت کی یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو بھلا کر یورپ اپنے معاشرے میں کئی قسم کے عذاب پیدا کر چکا ہے۔ اولاد کے ساتھ حسن سلوک اور رحمت کے ساتھ تربیت کرنا اس لئے بھی نہایت ضروری ہے تا کہ بعد میں بڑے ہو کر اس اولاد کا اپنے والدین سے اسی طرح رحمت اور نرمی اور مغفرت کا تعلق ہو۔ اگر بچپن ہی سے والدین اپنی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں اور اولاد کو سکولوں کے سپرد کر دیں یا معاشرے کے سپرد کر دیں اور ان کی تربیت میں جو ذاتی تعلق پیدا کرنا چاہئے وہ تعلق پیدا نہ کریں تو یہ دعا ان کے حق میں نہیں سنی جائیگی یاد رکھیں یہاں بچوں کے ساتھ پیار کا ذکر نہیں ہے۔ بچوں کے ساتھ پیار تو ہر

معاشرے میں والدین کو ہوتا ہی ہے۔فرمایا ایسا پیار ہو جو تربیت میں استعمال ہوا ہو اور ایسا پیار نہ ہو جو تربیت خراب کرنے والا پیار ہو۔

پس پیار کے متوازن ہونے کا بھی اس آیت میں ذکر فرما دیا اور یہ بھی بتادیا کہ وہ پیار ہی کام کا پیار ہے جس کے نتیجے میں اولاد اعلیٰ تربیت پائے۔پس وہ والدین جو اس بات سے غافل رہتے ہیں ان کی سوسائیٹیوں میں کئی قسم کی خرابیاں جگہ پکڑ جاتی ہیں اور ان کی اولادیں جب بڑی ہوتی ہیں تو وہ اپنے والدین کے لئے نہ خدا تعالیٰ سے احسان کی دعائیں مانگتے ہیں نہ خود احسان کا سلوک کرتے ہیں۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بوڑھے آدمیوں کے گھر ایسے والدین سے بھر جاتے ہیں جن کی اولادیں ان سے غافل ہو چکی ہوتی ہیں۔ان کے ساتھ حسن سلوک تو درکنار ان کی معمولی سی غفلت پر ان کو ڈانٹتے ہیں،ان سے قطع تعلقی کرتے ہیں ان کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور جن جن معاشروں میں یہ مرض بڑھتا چلا جاتا ہے وہاں حکومت کے اخراجات بوڑھے لوگوں کے گھروں پر زیادہ سے زیادہ بڑھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ بعض امیر ممالک بھی عاجز آجاتے ہیں اور ان کے پاس اتنا روپیہ مہیا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی سوسائٹی کے سب بوڑھوں کی ضرورتوں کو پورا کرسکیں۔جو ضرورتیں دراصل ان کی اولاد کو پوری کرنی چاہئے تھیں۔لیکن جیسا کہ غالباً مولانا روم کا شعر ہے

؎ از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

کہ اعمال کے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان سے غافل نہ رہنا گندم از گندم بروید جو ز جو گندم کا بیج ڈالو گے تو گندم ہی اگے گی اور جو بوؤ گے تو جو ہی اگیں گے۔اس لئے پہلی نسلوں کے ساتھ آنے والی نسلوں کا تعلق دراصل اس تعلق کا آئینہ دار ہے جو پہلی نسلوں نے اپنی چھوٹی نسلوں سے رکھا تھا اگر اس میں شفقت تھی اور اس میں صرف شفقت ہی نہیں تھی بلکہ تربیت کے لئے استعمال ہونیوالی شفقت تھی،اگر رحمت کا سلوک تھا اور اس رحمت کے نتیجہ میں اولاد کے ساتھ بہت ہی حکمت کے ساتھ برتاؤ کیا گیا تاکہ ان کے اخلاق بگڑیں نہیں بلکہ سنورتے چلے جائیں اور اس رنگ میں ان کی تربیت کی گئی اور رحم کے نتیجے میں تربیت کی طرف زیادہ توجہ دی گئی تو ایسے لوگوں کی اولادیں پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس احسان کو یاد رکھتے ہوئے فطری طور پر اپنے والدین کے لئے آخر وقت تک نرم

رہتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کے تعلق کٹ نہیں سکتے۔

ایسی سوسائٹی میں کوئی Generation Gap پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ Generation Gap ایک بہت خطرناک اصطلاح ہے اور آج کی ترقی یافتہ دنیا کی ایجاد ہے ورنہ قدیم سوسائٹیوں میں آج تک Generation Gap کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوا۔ یہ ایک تعلیم اور ترقی کی نشانی نہیں ہے بلکہ قرآن کریم نے جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں یہ بیماری پیدا ہوتی ہے کہ ایک Generation اپنی چھوٹی Generation کے ساتھ محبت کا تعلق چھوڑ دیتی ہے اور تربیت سے غافل ہو جاتی ہے تو وہ نسل جب بڑی ہوتی ہے اپنی پہلی نسل سے بہت دور ہٹ چکی ہوتی ہے ان کے درمیان فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ فاصلے پھر نسلاً بعد نسل بڑھتے چلے جاتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ کم ہونے لگیں۔ اس لئے یہ دعا جو سکھائی گئی اس کا پس منظر بھی خوب کھول کر بیان فرما دیا گیا اور اس کا جو بیچ کا حصہ ہے وہ ہے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل:۲۵) کہ اے بچو! تم اپنے والدین کے لئے اس طرح نرمی کے پر پھیلا دو جیسے پرندے اپنے چوزوں کے اوپر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہاں پر کا استعمال اس لئے کیا گیا تا کہ پرندوں کا اپنے بچوں کے ساتھ سلوک ایک تصویر کی صورت میں ہماری نظروں کے سامنے ابھر آئے اور فرمایا کہ اس طرح اپنے والدین کے ساتھ پیار اور محبت کا سلوک کرو جس طرح پرندے اپنے بچوں کو پالتے ہیں، ان کی نگہداشت کرتے ہیں جو کلیۃً ان کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہاں دراصل انسانوں سے ہٹ کر پرندوں کی مثال دی گئی ہے۔

جناح کا لفظ محاورہ ہے ضروری نہیں کہ پر کے لئے استعمال ہو۔ ایک صفت کے بیان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن کیوں استعمال ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پرندوں کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ پرندوں کے پر ہوتے ہیں اور پرندے اپنے بچوں کی بعض دفعہ اس طرح لمبے عرصے تک تربیت کرتے ہیں کہ نہ وہ بچے دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ کھا سکتے ہیں۔ ان کی چونچوں کو ٹھونگے مار مار کے وہ خوراک کے لئے کھلواتے ہیں اور جب تک وہ اس لائق نہیں ہو جاتے کہ خود آزاد زندگی بسر کر سکیں۔ اس وقت تک پرندوں کے والدین مسلسل محنت کرتے چلے جاتے ہیں۔

پھر اس میں ایک اور بھی حکمت ہے کہ دونوں پرندے اپنے بچوں کے لئے محنت کرتے ہیں اور صرف ماں پر نہیں چھوڑا جاتا۔ اور قرآن کریم نے جو ہمیں دعا سکھائی اس میں بھی اس مضمون کو کھول دیا گیا ہے۔ آج کل کے جدید معاشروں میں ایک یہ بھی خرابی ہے اور ہمارے قدیم معاشروں میں بھی یہ خرابی ہے بلکہ بعض صورتوں میں تیسری دنیا کے ممالک میں یہ خرابی ترقی یافتہ ممالک سے بہت زیادہ پائی جاتی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ماں کا کام ہے تربیت کرے اور والد اس میں دخل نہیں دیتے۔ والد ساتھ مل کر محنت نہیں کرتے اور ماں پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جس طرح چاہے ان کو پالے، ان کا خیال رکھے نہ رکھے والد تو صرف کمانے میں مصروف رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔ قرآن کریم نے جو دعا سکھائی اس میں یہ بتایا رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا کہ اے میرے اللہ ان دونوں پر اس طرح رحم فرما جس طرح ان دونوں نے رحم کے ساتھ میری تربیت کی۔ یعنی ماں اور باپ دونوں اولاد کے لئے محنت کرنے میں برابر کے شریک ہونے چاہئیں اور دونوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں مگر ذمہ داریاں سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ رحم کے نتیجے میں اور شفقت کے نتیجے میں پس اس دعا کو اب دوبارہ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو آپ کو سمجھ آجائے گی کہ وہاں پرندوں کی ہی مثال دی گئی ہے کیونکہ جانوروں کی دنیا میں سب سے زیادہ مل کر اولاد کی خدمت کرنے میں پرندے ہیں۔ ان کے مقابل پر کسی اور جانور کی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔ جس طرح پرندے دونوں مسلسل محنت کرتے ہیں اپنی اولاد کے لئے اس طرح دوسرے جانوروں میں اتنی مکمل مشترکہ محنت کی مثال نہیں ملتی۔ گھونسلہ بنانے میں بھی وہ اسی طرح محنت کر رہے ہوتے ہیں، خوراک مہیا کرنے میں بھی اسی طرح محنت کر رہے ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات آدھا وقت Male یعنی نر پرندہ بیٹھتا ہے اور آدھا وقت انڈوں پر مادہ پرندہ بیٹھتی ہے اور پھر جہاں تک خوراک مہیا کرنے کا تعلق ہے اس میں بھی دونوں محنت کرتے ہیں مگر نر پرندے کو بعض دفعہ زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے خوراک مہیا کرنے میں۔

تو فرمایا یہ بھی ہمیں اس دعا سے حکمت سمجھ آگئی کہ صحیح تربیت کرنے میں ماں کے علاوہ باپ کو برابر کا شریک رہنا چاہئے اور جہاں ماں اور باپ مل کر اولاد سے حسن سلوک کر رہے ہوں وہاں طلاقیں شاذ کے طور پر واقع ہوں گی۔ وہ گھر نہیں ٹوٹا کرتے اکثر وہی گھر ٹوٹتے ہیں جہاں اولاد کی

تربیت میں دونوں میں سے کسی ایک کا زیادہ دخل ہوتا ہے اور آپس کے تعلقات اس حد تک خراب ہوتے ہیں کہ دونوں بیک وقت اپنی اولاد کی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے۔اسی وجہ سے ایسی اولادیں پھر بڑی ہو کر زیادہ خراب ہو جایا کرتی ہیں۔بعض دفعہ وہ ماں کی سائڈ لیتی ہیں کیونکہ ماں نے تربیت اور پیار میں زیادہ حصہ لیا۔بعض دفعہ باپ کے ساتھ تعلق قائم رکھتی ہیں اور ماں کے خلاف ہو جاتی ہیں کیونکہ جانتی ہیں کہ ماں نے تو ہماری ذمہ داریاں ادا نہیں کیں باپ قربانی کرتا رہا ہے تو اس طرح گھروں کے ٹوٹنے کے احتمالات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

یہ صورت حال پھر بعض دفعہ ایسے خطرناک نتائج پر منتج ہو جاتی ہے جس کے آثار اس وقت ترقی یافتہ ممالک میں ہر جگہ دکھائی دے رہے ہیں کہ اولاد کو اپنے والدین سے خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔یورپ کے بعض علاقوں میں پولیس کی تحقیق کے مطابق تیس فیصد گھر ایسے ہیں جہاں بچے اپنے ماں باپ سے محفوظ نہیں ہیں یہاں تک کہ جنسی بے راہ روی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔پس جہاں یہ صورت حال ہو وہاں یہ دعا کیسے کام کر سکتی ہے کہ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا یہ ایک ایسے صالح معاشرے کی دعا ہے جہاں والدین نے اپنی اولاد سے محض عام سلوک نہیں کیا، ذمہ داریاں ہی ادا نہیں کیں بلکہ بے حد رحمت کا سلوک کیا اور ان کی تربیت شفقت سے کی،کسی غصے کے ساتھ نہیں کی اور تربیت کے لئے رحمت ضروری ہے۔یاد رکھیں جہاں جلد بازی میں انسان غصے میں مبتلا ہو جاتا ہے اولاد کو مارنے لگ جاتا ہے اس کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے وہاں تربیت کا مضمون غائب ہو چکا ہوتا ہے وہاں نفسانی جوش کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے اور نفسانی جوش سے تربیت نہیں ہوا کرتی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لئے ایک صحابی پر بہت ہی خفگی کا اظہار فرمایا۔جن کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ وہ اپنی اولاد سے سختی کرتے ہیں اور مار کے ان کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں۔اتنی سختی کا اظہار فرمایا کہ بہت کم میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے صحابہ پر اس طرح ناراض ہوتے دیکھا ہے اور بار بار اس طرف توجہ دلائی کہ تم دعا کیوں نہیں کرتے اس سے پتہ چلا کہ خدا کے پاک بندے جو سچا ایمان رکھتے ہیں وہ تمام کوششوں میں سب سے زیادہ اہمیت دعا کو دیتے ہیں۔

پس رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا میں ایک یہ پہلو بھی ہمارے سامنے آ گیا کہ وہ رستہ جس پر خدا کے انعام یافتہ لوگ چلا کرتے تھے، وہ اپنی اولاد کیلئے صرف رحمت کا

سلوک نہیں کیا کرتے تھے، ان کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے اور ان کی دعائیں ان کے رحم کے نتیجہ میں ہوتی تھیں کیونکہ رحم کے نتیجے میں وہ خود بعض سختیاں اختیار نہیں کر سکتے تھے بعض جگہ وہ تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں ہے کہ میں یہاں زبردستی اس کو ٹھیک کر دوں۔ اس کے نتیجہ میں ان کے دل میں درد پیدا ہوتا تھا اور دعاؤں کی طرف توجہ پیدا ہوتی تھی۔ پس وہ لوگ جو **منعم علیهم** ہیں جن کو خدا نے اس راستہ پر کامیابی سے چلنے کی توفیق بخشی جو انعام یافتہ لوگوں کا رستہ تھا انہوں نے اپنی اولاد کے لئے دعائیں بھی بہت کیں۔ پس اس کے نتیجہ میں خدا نے بھی جب جواباً حسن سلوک سکھایا تو اس مضمون کو دعا پر ختم کیا۔ فرمایا وہ تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اس میں دعائیں بھی شامل تھیں۔ كَمَا کے لفظ نے بتا دیا کہ دعائیں ضرور شامل تھیں اگر دعائیں شامل نہ ہوتیں تو خدا دعا سکھاتا کیوں؟ پس اس مضمون کو دعا پر ختم کرنا اس آیت کو بہت ہی زیادہ دلکشی عطا کرتا ہے بہت ہی حسین بنا دیتا ہے کیسا کامل کلام ہے تربیت کے سارے امور بھی اس میں بیان ہو گئے۔ دونوں نسلوں کے تعلقات اس میں بیان ہو گئے وہ خطرات بیان ہو گئے جو ہمیں پیش آسکتے ہیں جن سے ہمیں متنبہ کیا گیا اور پھر یہ بتایا گیا کہ تربیت کا بہترین طریق دعا ہی ہے۔ پس جس طرح تمہارے والدین بچپن میں دعاؤں کے ذریعہ تم سے اپنی رحمت کا اظہار کرتے تھے تم بھی آخر پر خدا سے یہ دعا کیا کرنا اور اس دعا کو حسن سلوک کے بعد رکھا ہے دیکھیں! وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ان پر اپنی رحمت کے پَر پھیلا دو، ان کو اپنے پروں کے نیچے لے لو۔ ساری بات بظاہر مکمل ہو گئی پھر فرمایا نہیں مکمل ہوئی جب تک یہ دعا ساتھ نہیں کرو گے اس وقت تک تم حقیقت میں احسان کا بدلہ احسان کے ذریعے نہیں دے سکو گے۔ پس اس دعا نے اس مضمون کو مکمل کیا۔

اس دعا کے وقت ان سب باتوں کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو اس دعا میں بہت گہرائی پیدا ہو جاتی ہے اور بہت عظمت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دعا اگلوں کے لئے بھی مفید ہے اور گزرے ہوؤں کے لئے بھی مفید ہے اور ہر طرف برابر اثر دکھاتی ہے۔

توحید باری تعالیٰ کے ساتھ اس مضمون کا بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ سوسائٹی میں وحدت توحید کے اعلیٰ قیام کے لئے ضروری ہے۔ اور سوسائٹی میں وحدت تبھی ممکن ہے اگر والدین کا اولاد

کے ساتھ اور اولاد کا والدین کے ساتھ گہرا اٹوٹ تعلق قائم ہو چکا ہو۔اسی کے نتیجہ میں خاندان استوار ہوتے ہیں،اسی کے نتیجہ میں سوسائٹی میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے جہاں خاندانی رشتے ٹوٹ جائیں جہاں والدین اپنی اولاد سے الگ ہونے شروع ہو جائیں وہاں سوسائٹی پارہ پارہ ہو کر بکھر جاتی ہے اور ایک بکھری ہوئی منتشر سوسائٹی توحید پر قائم نہیں ہوا کرتی۔پس وحدت کے ساتھ اس مضمون کا ایک اور بھی گہرا تعلق ہے یعنی ایک تعلق تو یہ ہے کہ خدا کو اپنی توحید کے بعد سب سے زیادہ یہ چیز پیاری ہے کہ مومن احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دینے والا ہو اور دوسرا تعلق یہ ہے کہ جو میں نے بیان کیا ہے۔

اب ایک اور دعا میں آپ کو بتاتا ہوں قرآن کریم میں سورۃ الکہف آیت ۱۱ میں یہ دعا بیان ہوئی ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے اپنے حضور سے رحمت عطا فرما وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور ہمارے لئے اپنی جناب سے ہدایت اور رشد کے سامان پیدا فرما دے ہمیں ہدایت اور رشد عطا فرما۔اس دعا کا بھی ایک پس منظر ہے یہ دعا ان اصحاب کہف کی دعا ہے جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان پر جب دنیا تنگ ہوگئی جب سطح زمین پر بسنا ان کے لئے ممکن نہ رہا تو بجائے اس کے کہ وہ توحید سے تعلق توڑتے انہوں نے یہ زیادہ پسند کیا کہ سطح زمین پر بسنے کی بجائے غاروں میں اتر جائیں اور بنی نوع انسان سے چھپ کر اپنی زندگی بسر کریں تا کہ توحید پر قائم رہ سکیں۔

پس اس دعا کا بھی توحید کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب نوجوانوں کی ایک جماعت فرماتا ہے الْفِتْيَةُ سے مراد نوجوانوں کی جماعت ہے، غار میں داخل ہونے لگے، غاروں کی طرف مائل ہوگئے اور یہ غاروں کی زندگی بسر کرتے ہوئے انہوں نے دعا کی کہ اے خدا! دنیا سے تو ہمیں اب رحمت کی کوئی امید نہیں رہی رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً میں مِنْ لَّدُنْكَ پر بہت زور ہے۔مِنْ لَّدُنْكَ کا مطلب ہے کہ اب اپنی جناب سے تو نے جو کچھ دینا ہے عطا کرنا ہے اگر دنیا میں کوئی رحمت کا دودھ باقی ہوتا تو ہمیں کیا ضرورت تھی کہ انسانوں کی طرح سطح زمین پر بسنے کی بجائے ہم جانوروں کی طرح غاروں میں اتر جاتے۔یہ عیسائیت کی پہلی صدی اور پھر دوسری اور تیسری صدی کے ان مؤحدین کا ذکر ہے

جنہوں نے توحید کی خاطر عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اور یہ قربانیاں ان کو رومن حکومت کے مظالم کے مقابل پر بھی دینی پڑیں اور بعض عیسائی متعصب فرقوں کے مقابل پر بھی دینی پڑیں جو رفتہ رفتہ توحید سے تثلیث کی طرف گمراہ ہو چکے تھے۔ پس ان کا یہ ذکر تاریخی لحاظ سے ہر اس قوم کے لئے اہمیت رکھتا ہے جس کو خدا کی راہ میں تکلیفیں پہنچائی جائیں گی اور بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالا جائے گا۔ اس سے پہلے میں نے حضرت یوسفؑ کی ایک دعا آپ کے سامنے رکھی تھی اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بہت ہی حسین قصہ ہے کہ یوسف نے یہ دعا کی کہ اے خدا! یہ عورتیں جن لذتوں کی طرف مجھے بلاتی ہیں رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ (یوسف:۳۴) میرے اللہ مجھے قید خانہ زیادہ پیارا ہے بجائے اس کے کہ میں ان کی دعوت کے نتیجہ میں دنیاوی لذتوں کو اختیار کرلوں اور تیری رضا کو تج کردوں۔

یہ اس سے ملتی جلتی دعا ہے۔ عیسائی قوم نے بھی آغاز میں خدا کی خاطر بہت ہی عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اور ان کی قربانیوں کی یاد زندہ رکھنے کے لئے قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے دنیا کی سطح کے مقابل پر غاروں میں بسنا پسند کرلیا۔ تہذیب کو چھوڑ کر پرانے زمانوں کی طرف لوٹ گئے جبکہ انسان ابھی متمدن نہیں ہوا تھا اور یہ عرض کیا اے خدا! اب ہمیں دنیا والوں سے رحمت کی کوئی امید نہیں رہی۔ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اب تیرے سوا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے تو اپنی جناب سے ہمیں رحمت عطا فرما وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور محض اپنے فضل اور رحمت کے نتیجہ میں ہمیں ہدایت پر قائم رکھنا کیونکہ ہدایت کی خاطر ہم یہ قربانی دے رہے ہیں اگر غاروں میں بسنے کے باوجود ہم ہدایت سے خالی ہوگئے یا دوبارہ گمراہ ہوگئے تو ہماری یہ قربانیاں ضائع جائیں گی۔

جماعت احمدیہ کے حالات پر یہ دعا بہت صادق آتی ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ پہلے مسیح کے ماننے والوں کی قربانیوں کو یاد رکھتے ہوئے اب اپنے لئے وہی ترجیحات قائم رکھیں جو پہلے مسیح کے ماننے والوں نے اپنے لئے قائم رکھی تھیں کہ دنیا کی خاطر ہدایت کو قربان نہیں ہونے دیں گے اور مظالم سے گھبرا کر وہ ہدایت کی راہ نہیں چھوڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اگر تمام انسانی حقوق سے محروم بھی کردیئے جائیں گے تب بھی وہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے اس زندگی کو خوشی کے ساتھ قبول کرلیں گے اس لئے مجھے اس کا خیال آیا کہ بعض دفعہ پاکستان میں تکلیفیں

اٹھانے والے بعض احمدی مجھے شکایت کے خط لکھ دیتے ہیں کہ ہماری ترقیات رک گئیں۔ بچے لکھ دیتے ہیں کہ تعلیم کے معاملے میں ہم سے برا سلوک ہو رہا ہے۔ ہمارے حقوق ادا نہیں کئے جارہے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ تو مسیح محمدیؐ کو ماننے والے ہیں اور مسیح موسوی کی قوم نے کتنی عظیم الشان قربانیاں دی تھیں اور کتنے ثبات قدم کے ساتھ ان قربانیوں پر قائم رہے تھے اور کچھ بھی پرواہ نہیں کی تھی کہ ان کو انسانی حقوق سے کس حد تک محروم کیا جاتا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے اس حد تک محروم کر دیا گیا کہ سطح زمین پر بسنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا، انسانوں والی زندگی بسر کرنا ان کیلئے ممکن نہیں رہا۔ پس اگر مسیح موسوی کے غلاموں نے ایسا عظیم الشان قربانی کا مظاہرہ کیا تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے مسیح کی طرف منسوب ہو کر یہ ادنیٰ چھوٹی چھوٹی باتیں اس جماعت کو زیب نہیں دیتیں۔ دشمن جو چاہتا ہے کر گزرے جب تک چاہتا ہے اپنے مظالم پر اصرار کرتا چلا جائے مگر یہ دعا مانگتے ہوئے اگر جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ سے صبر مانگے گی اور رحم مانگے گی تو انشاء اللہ ان کے حوصلے کبھی نا کام نہیں ہوں گے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ان کے حوصلوں کے سربلند رکھے گا۔

اب ایک دعا حضرت زکریا کی میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اولاد کی تمنا میں کی گئی ہے مگر کس قسم کی اولاد کی تمنا ہے کیوں ایسی تمنا کی گئی تھی، اس کا پس منظر میں پہلے حضرت زکریا کی ایک دعا میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں یہ دعا اپنی ایک الگ شان رکھتی ہے بڑا گہرا اس میں درد ہے اور بہت ہی زیادہ خدا تعالیٰ سے وفا کا اظہار ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں استقلال کا اظہار ہے اس سے یہ آیت شروع ہوتی ہے سورہ مریم کی یہ پہلی آیت ہے کٓھٰیٰعٓصٓ (مریم:۲) کٓھٰیٰعٓصٓ یہ وہ حروف ہیں جو حروف مقطعات کہلاتے ہیں اور ان میں خدا تعالیٰ کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۞ (مریم:۳)۔ اے محمد ﷺ اب ہم اپنے ایک خاص بندے زکریا کے ساتھ تیرے رب کی رحمت کا ذکر کرنے لگے ہیں۔

جب کوئی خاص اہم بات ہو تو تمہیداً اس سے پہلے متوجہ کیا جاتا ہے کہ دیکھو دیکھو اب بہت عظیم الشان ذکر ہونے والا ہے، تو اس طرح قرآن کریم نے اس مضمون کا عنوان باندھا ہے پہلے اپنی وہ صفات بیان فرمائیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ کی تشریح فتح البیان میں یہ مذکور ہے کہ ام ہانی

سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ك سے مراد کاف ہے یعنی خدا اپنے بندے کے لئے کافی ہے **الیس اللہ بکاف عبدہ** میں یہی لفظ کاف پایا جاتا ہے کیا خدا اپنے بندے کیلئے کافی نہیں جس کی انگوٹھیاں احمدی اکثر پہنے پھرتے ہیں۔تو پہلی بات تو کی ہے پھر خدا سے مایوس ہونے کا کیا سوال۔کیا وہ اپنے کیلئے کافی نہیں پھر ''ھ'' سے مراد ھادہے یعنی ہدایت دینے والا وہی ہے جو اپنے بندے کو ہدایت پر قائم رکھے تو رکھے ورنہ انسان اپنی طاقت سے ہدایت پر قائم رہ نہیں سکتا۔''یٰ'' کا لفظ مخاطب کا ہے کہ اے خدا جو کافی ہے اور ھادی ہے اور ''ع'' سے مراد عالم یا علیم اور ''ص'' سے مراد صادق ہے۔

عالم ان معنوں میں یعنی اس لئے اس موقع پر اس کا استعمال ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کسی کے لئے کوئی اولاد مفید ہے یا نہیں ہے۔کیوں اولاد عطا فرماتا ہے؟ کیوں نہیں اولاد عطا فرماتا اور صادق ان معنوں میں کہ اگر وہ وعدہ کر لے تو ضرور پورا ہوتا ہے۔خواہ بظاہر اولاد کے پیدا ہونے کا کوئی امکان بھی باقی نہ ہو۔پس ان صفات الٰہی کے ذکر کے بعد فرمایا اب ہم تجھ سے اپنے ایک بہت ہی پیارے بندے زکریاؑ کے ساتھ اپنے حسن سلوک کا ذکر کرتے ہیں۔ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا اس نے ہلکی ہلکی آواز میں جس طرح ایک آدمی کراہتا ہے اور گلے اور منہ سے دردناک سی آوازیں نکلتی ہیں گو بظاہر دوسرے آدمی کو وہ پوری طرح سمجھ بھی نہیں آتیں لیکن یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بہت ہی کوئی دردناک بات ہو رہی ہے تو اس حالت میں حضرت زکریا نے اپنے رب سے ایک دعا مانگی۔وہ یہ تھی قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم:۵) اے میرے اللہ! میری ہڈیاں نرم پڑ چکی ہیں اور بڑھاپا میرے سر پر غالب آ گیا ہے اور اس طرح وہ بھڑک اٹھا ہے جس طرح آگ روشن ہو جاتی ہے۔اس طرح سفیدی سے میرا سر روشن ہو گیا ہے وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا۝ اے اللہ میری وفا کو دیکھ کہ اب تک میں اپنی دعا سے جو میں تیرے حضور کر رہا ہوں مایوس نہیں ہوا کتنی عظیم الشان دعا ہے ایک بوڑھا آدمی جس کی ہڈیاں گل گئی ہوں، جس میں پوری طرح کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی ہو، اس کے بال سفید ہو چکے ہوں اور صرف یہی نہیں بلکہ یہیں آگے جا کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

لَّدُنْكَ وَلِيًّا (مریم: ٦) اے خدا! صرف میں ہی کمزور نہیں ہوں ۔ میری بیوی بھی بانجھ ہے ۔ اس میں بھی بچہ دینے کی کوئی جان نہیں ہے ۔ کتنا عظیم تو کل ہے کہ اس کی کوئی مثال دنیا میں کہیں آپ کو دکھائی نہیں دے گی ۔ ایسی ایسی عظیم دعائیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارے لئے محفوظ کی ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگنے کے لئے تو موجیں ہوگئی ہیں جتنا مشکل رستہ ہے اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے ۔ جب ہم انعام پانے والوں کی دعاؤں کا ذکر قرآن کریم میں پڑھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ رستے آسان ہوئے کیسے تھے؟ تو اب سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس بندے نے مجھ سے یہ دعا کی ۔ میری ہڈیاں نرم پڑ چکی ہیں ۔ میرا سر سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (مریم: ۵) اے اللہ آج تک میں تجھ سے، تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوا ۔ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ میں اپنے بعد اپنے شریکے سے ڈر رہا ہوں کہ وہ پتہ نہیں ہم لوگوں سے کیا سلوک کریں گے وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا اور میری بیوی بانجھ ہے اس کا کوئی بچہ نہیں جو اس کی نگہداشت کر سکے ۔ اس کے لئے کھڑا ہو سکے، اس کی حمایت کر سکے ۔ یہ تنہا اس دنیا میں رہ جائے گی فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا مجھے اپنی جناب سے کوئی ولی کوئی دوست عطا فرما اور ولی کی دعا نے اس کی نیکی کی دعا بھی ساتھ ہی مانگ لی کیونکہ بد اولاد نیک لوگوں کی ولی نہیں ہوا کرتی ۔ کیسی فصاحت و بلاغت ہے ۔ حضرت زکریا کی دعا؟ واقعی یہ تو کہتے ہیں سنہری حرفوں سے لکھنے کے لائق ہے مگر سنہری حرف کیا چیز ہیں جس دعا کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں محفوظ کر لیا اس سے زیادہ روشن اور کوئی چیز کوئی روشنائی اس کو ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رکھ سکتی پھر کہا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (مریم: ۷) کہ میں ایسی اولاد چاہتا ہوں جو میرا اور آل یعقوب کا ورثہ پائے اور یہ ورثہ نیکیوں کا ورثہ تھا کوئی دنیاوی دولتوں کا ورثہ نہیں تھا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا اور ایسا اس کو بنا جس سے تو راضی ہو جائے ۔

اب جیسا کہ یہ دعا ہے ظاہر ہے کہ یہ دعا یوں لگتا ہے کہ نامقبول ہو ہی نہیں سکتی ۔ جس طرح اس کا مضمون اٹھایا گیا ہے جس طرح اس کا آغاز کیا گیا ہے ۔ پڑھتے پڑھتے انسان کا دل یقین میں ڈوب جاتا ہے، یہ انسان کا دل بے اختیار گواہی دینے لگتا ہے کہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اس دعا کو نامنظور فرما دے ۔ چنانچہ اس کے معاً بعد یہ نہیں فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا سن لی، بلکہ بے

ساختہ جواب دیا ہے کہ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ (مریم:۸) اے میرے بندے زکریا ہم تجھے ایک غلام کی خوشخبری دے رہے ہیں اسْمُهٗ يَحْيٰى اس کا نام یحیٰی ہوگا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا اس نام کی کوئی مثال اس سے پہلے دکھائی نہیں دیتی۔

دنیا میں کبھی کسی نے اپنے بیٹے کا یہ نام نہیں رکھا جو آج ہم تمہیں دے رہے ہیں۔ پس یہ ایک غیر معمولی بیٹا ہوگا اور بے مثال جیسا کہ خود ہوگا ویسا ہی اس کا نام ہوگا۔ اسْمُهٗ يَحْيٰى اور اس کا نام يَحْيٰى ہے اب يَحْيٰى نام کا تو مطلب ہے زندہ رہنے والا۔

یحیٰی نام کیوں رکھا گیا حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان کی شہادت کی بھی خوشخبری تھی۔ حضرت یحیٰی شہید ہوئے ہیں اور شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور لفظ حیٌ ان پر اطلاق پاتا ہے تم ان کو بے وقوفی سے مردہ سمجھ رہے ہو لیکن وہ ہمیشہ کی زندگی پانے والے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بعض حکمتوں کے پیش نظر حضرت زکریا کو جو اولاد سے محروم رکھا تھا ان حکمتوں کے پیش نظر ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اولاد سے محروم رکھا گیا اور ان حکمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ یہ سلسلہ آگے نہ چلے کیونکہ یہ سلسلہ تبدیل ہونے والا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان حکمتوں کو تو تبدیل نہیں فرمایا لیکن دعا کو پھر بھی قبول فرمالیا اور حضرت یحیٰی کے متعلق فرمایا کہ وہ زندہ رہے گا۔ یہاں زندگی کی یہ خوشخبری ہے کہ جب تک تو رہے گا تو اسے زندہ دیکھے گا جب تک تیری بیوی زندہ رہے گی وہ اس کو زندہ دیکھے گی اور تم دونوں کو اس بچے کی طرف سے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ تم دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ بعد میں ہم اسے وہ ہمیشگی کی زندگی عطا کریں گے جو شہادت کے ذریعہ عطا ہوتی ہے۔

پس دعاؤں پر اگر آپ غور کریں جو قرآن کریم میں محفوظ کی گئی ہیں تو عظیم الشان حکمتوں کے سمندر ہیں جو کوزوں میں بند کئے گئے ہیں اور دعائیں قبول کیوں ہوتی ہیں؟ اور کس وجہ سے ہوتی ہیں؟ وہ تمام باتیں وہ مصلحتیں بھی ان دعاؤں کے اندر مضمر ہیں، بظاہر نظر سے چھپی ہوئی ہیں لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو سمجھ آسکتی ہے۔ پس وہ والدین جو اپنے لئے ایسی اولاد کی دعا کرتے ہیں کہ جو محض ایک طبعی تقاضے کی دعا ہوا کرتا ہے کہ ہمیں بیٹا دے، ہمیں بیٹا دے، ہمیں بیٹا دے۔ کیوں دے؟ اس سے کوئی بحث ان کو نہیں ہوتی۔ نیک ہو یا بد ہو۔ اس سے ان کو کوئی بحث نہیں ہوتی وہ تو

اپنے طبعی تقاضے کی وجہ سے بس اس تمنا میں مر رہے ہوتے ہیں کہ ہم بے اولاد مرے جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کی دعائیں ہمارے لئے محفوظ رکھی ہیں۔ جن بزرگ خواتین کی دعائیں ہمارے لئے محفوظ فرمائیں وہاں ہمیشہ ایسی اولاد کی تمنا کی گئی ہے جو نیک ہو، جو خدا والی ہو، جو بزرگوں کے ولی بننے کی اہلیت رکھتی ہو، اور جو اپنے بزرگ والدین کی نیکیاں ورثے میں پانے والی ہو۔ پس احمدیوں کو بھی جو اولاد کی نعمت سے محروم ہیں اس جذبہ کے پیش نظر اسی سنت کے مطابق دعائیں کرنی چاہئیں، اور ہمیشہ نیک اولاد کی دعا کرنی چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اس کے سوا اولاد کی جو دعائیں ہیں سب مردود اور دنیا کے قصے ہیں ان کی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب ایک دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیان کر کے پھر میں سر دست اس مضمون کو یہاں ختم کروں گا، کیونکہ آج خدام کا اجتماع ہے اور، اور بھی یہاں بہت سے پروگرام ہونے والے ہیں۔ باقی مضمون انشاء اللہ بعد میں جاری رہے گا۔

حضرت موسیٰ کی یہ دعا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي (طٰہٰ:۲۶) اے میرے اللہ میرا سینہ کھول دے۔ اے میرے رب میرا سینہ کھول دے۔ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي (طٰہٰ:۲۷) اور جو فریضہ تو نے مجھ پر عائد فرمایا ہے اسے آسان کر دے۔

داعیین الی اللہ جو خدا تعالیٰ کی راہ کی طرف بلانے کیلئے نکلتے ہیں ان کیلئے یہ دعا ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ اس دعا کو ذہن میں رکھ کر اور اسی طرح یہ دعا کرتے ہوئے جس روح اور جذبے کے ساتھ حضرت موسیٰ نے یہ دعا کی تھی، اگر کوئی داعی الی اللہ وقت کے بڑے بڑے جابر کو بھی دعوت دینے کیلئے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کو شرح صدر عطا ہو گا۔ اس کی زبان کھول دی جائے گی اس کی مشکلات آسان کی جائیں گی اور اس جابر کے خوف سے اس کو بچایا جائے گا۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي (طٰہٰ:۲۸) کہ مجھ سے تو صحیح گفتگو نہیں ہوتی۔ میں تو تتلاتا ہوں اور اٹک کر بولتا ہوں اور وقت کے، اس زمانے کے سب سے بڑے جابر کے پاس تیرا پیغام لے کر جا رہا ہوں تو تو ہی ہے جو میری زبان کی گرہ کشائی فرما اور اس گرہ کو کھول دے يَفْقَهُوا قَوْلِي (طٰہٰ:۲۹) اور ایسی فصاحت کلام عطا کر کہ جو میں کہوں اس کو خوب اچھی طرح وہ لوگ سمجھنے لگیں۔ صرف میں بات ہی نہ کرنے والا ہوں بلکہ وہ بات ذہنوں سے دلوں تک اتر جانے والی ہو اور وہ خوب اچھی

طرح سمجھ رہے ہوں۔ پھر عرض کیا وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ (طٰہٰ:۳۰) لیکن میرے اہل میں سے ایک وزیر بھی میرا مقرر فرما دے۔ هٰرُوْنَ اَخِي (طٰہٰ:۳۱) یہ میرا بھائی ہارون ہے میں اس کی تجھ سے التجا کرتا ہوں اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ (طٰہٰ:۳۲) اس کے ذریعہ میرا بازو میری طاقت کو مضبوط فرما وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ (طٰہٰ:۳۳) اور میرے ساتھ جو تو نے نیکی کا معاملہ کیا ہے اس میں اس کو بھی شریک کردے۔ پس دنیا میں تو انسان شریک نہیں چاہتا لیکن نیکیوں میں شریک چاہنے کی دعا ہمیں بتائی گئی ہے کہ یہ ایک ایسی دولت نہیں ہے جس کو تم اپنے تک محدود رکھو اور دوسروں تک پہنچانے سے بخل سے کام لو۔ اس میں خدا تعالیٰ سے خود شریک مانگا کرو۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا (طٰہٰ:۳۴) اے خدا یہ اس لئے ہو کہ ہم سب مل کر پھر تیری خوب تسبیح کریں۔ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا (طٰہٰ:۳۵) اور خوب تیرا ذکر بلند کریں۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا (طٰہٰ:۳۶) اے خدا تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔

اس دعا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر مانگا اس کی دلیل یہ دی کہ میں بول نہیں سکتا۔ اگر چہ یہ دعا بھی ساتھ کی کہ اے خدا میری زبان کی گرہ کھول دے، مجھے بولنے کی طاقت عطا فرما اور صحیح بولنے کی طاقت عطا فرما میرا پیغام مخاطب خوب اچھی طرح سمجھ سکے اس کے باوجود اپنا ایک وزیر مانگا کیونکہ دل میں پوری طرح اطمینان نہیں تھا کہ میں اس حق کو ادا کرسکوں گا کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں دعائیں قبول کرلیں۔ وزیر تو بنا دیا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ضرورت اس کی کوئی نہیں اور بڑا دلچسپ مضمون پیدا ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم نے حکم دیا تو موسیٰ کی دعا کے نتیجہ میں دونوں کو حکم دیا۔ کہا: اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (طٰہٰ:۴۴) اے موسیٰ اور اے موسیٰ کے بھائی! تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت ہی سرکشی سے کام لیا ہے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰہٰ:۴۵) اور تم دونوں اس سے بات کرتے ہوئے نرمی کی بات کرنا کیونکہ وہ دنیا کا ایک بہت بڑا انسان ہے اور سخت کلامی سے وہ بات سمجھ نہیں سکے گا۔

یہاں قول لین کہنے کی کیا ضرورت تھی حقیقت میں یہ حضرت موسیٰ کی دعا کا جواب ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا تھا يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ اے خدا! ایسی بات کہنے کی توفیق عطا فرما کہ وہ سمجھ جائیں پس قول لین کسی فرعون کے رعب کی وجہ سے نہیں ہے، اس کے خوف کی وجہ نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا یہ راز کھولا جا رہا ہے کہ جب تم بڑے آدمیوں سے بات کرو تو اگر تم اکڑ کر بات کرو گے

اور یہ سمجھتے ہوئے کہ تم خدا کے نمائندہ ہو، تمہیں نرمی کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو بات تو تم کرلو گے، اللہ تمہیں بچا بھی سکتا ہے لیکن پھر وہ بات سمجھیں گے نہیں۔ ایسے دنیا دار لوگ جو دنیا کی بڑائیوں کے نتیجہ میں اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ نرم بات سننے کے عادی ہوتے ہیں، نرمی کی بات ان پر اثر کر سکتی ہے، سخت بات اور اونچی بات سے وہ اور زیادہ بھڑک اٹھتے ہیں اور بدک جاتے ہیں۔ پس قَوْلًا لَّيِّنًا کی یہ نصیحت دراصل يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ کی دعا کی استجابت کا ایک نشان ہے اسی کے نتیجہ میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى اس طرح ایک صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ شاید وہ نصیحت پکڑے یا شاید خدا کا خوف اختیار کرے تو جب یہ دونوں پہنچے۔ دیکھیں یہاں ہر جگہ دونوں کو حکم دیا گیا ہے تثنیہ کے صیغے سے۔ فرعون دونوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ موسیٰ سے مخاطب ہو کر اس نے کہا قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى اے موسیٰ تو بتا کہ تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرعون بھی سمجھ گیا تھا کہ ہیں دونوں ہی نمائندہ۔ مگر بڑا نمائندہ یہ ہے اسلئے میں اسی کو مخاطب ہوں گا اس کے بعد ساری گفتگو حضرت موسیٰؑ نے کی ہے۔ حضرت ہارون ایک لفظ نہیں بولے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى موسیٰ نے جواب دیا دونوں نے جواب نہیں دیا۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ وہی ہمارا رب ہے جس نے ہر چیز کو خلقت عطا فرمائی۔ ثُمَّ هَدٰى پھر اسے ہدایت کے رستہ پر ڈال دیا پس دیکھیں کس لطافت اور باریکی کے ساتھ دعا قبول ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ موسیٰ کو طاقت عطا کی جائے گی اسے کسی وزیر کی ضرورت نہیں ہوگی مگر چونکہ اپنے اس عاجز بندے سے خدا کو بہت پیار تھا اور اس نے نیکی میں ایک شریک مانگا تھا اس لئے خدا نے وہ دعا بھی قبول کر لی اور وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ والی دعا بھی قبول کر لی شرح صدر بھی عطا فرما دیا اور سارے قرآن کریم میں جہاں بھی فرعون کے ساتھ مکالمے کا ذکر ہے وہاں ہر جگہ آپ صرف حضرت موسیٰ کو بات کرتے ہوئے سنیں گے اور کہیں بھی حضرت ہارون کا کوئی ذکر فرعون سے گفتگو کرنے میں موجود نہیں ہے۔

پس داعیین الی اللہ کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے لئے مددگار مانگیں اپنے بھائیوں کو اپنا شریک بنائیں ان روحانی نعمتوں میں ان کو اپنا ساتھی بنائیں جو وہ خدا تعالیٰ سے پاتے ہیں اس میں کنجوسی نہ کریں لیکن دعا یہ کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خود کفیل بنا دے اور وہ اس لائق ٹھہریں کہ ان کی باتیں ہر مخاطب غور اور تدبر سے

سنے ذکر الٰہی کا اس کے دل پر اثر پڑے۔ خدا کا خوف کرے اور بات کو سمجھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آئندہ جمعہ میں انشاء اللہ یہ مضمون جاری رہے گا۔ لیکن خطبہ ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور دعا کی بھی تحریک کرنا چاہتا ہوں جاپان کی جماعت ماشاء اللہ باوجود بہت چھوٹی جماعت ہونے کے اور مالی لحاظ سے درمیانے درجہ کے ہونے کے باوجود قربانیوں میں بہت نمایاں ہو چکی ہے۔ ایک تو یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کی استطاعت بڑھائے اور استقامت عطا فرمائے اور یہ وقتی قربانیاں نہ ہوں بلکہ دن بدن آگے بڑھنے والی ہوں اور جس طرح وہ قربانیاں کرتے ہیں اس سے بہت زیادہ اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے ان کی استطاعت بڑھاتا چلا جائے خصوصیت کے ساتھ اس لئے یہ توجہ پیدا ہوئی کہ جب میں جاپان گیا تو وہاں ہمارے دو مشن ہیں لیکن با قاعدہ مسجد نہیں ہے اور مسجد کے لئے زمین خریدنا ہی بہت مشکل کام ہے۔ ایک تو جگہ نہیں ملتی آسانی سے۔ دوسرے بہت مہنگی زمینیں ہیں اور جماعت چھوٹی سی ہے اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اتنی بڑی جگہ خرید سکے۔ چنانچہ ابھی آنے سے پہلے مجھے جماعت جاپان کی مجلس شوریٰ کے فیصلے پہنچے ہیں ان میں انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم خالصتاً اپنی طاقت سے کام لیتے ہوئے خود کفیل ہوتے ہوئے آئندہ تین سال کے اندر جاپان میں پہلی احمدیہ مسجد بنائیں گے اور پہلے سال کے لئے انہوں نے تین لاکھ پاؤنڈز کا وعدہ کیا ہے، اگلے سال کے لئے تین لاکھ پاؤنڈز کا۔ اس سے اگلے سال تین لاکھ پاؤنڈز کا اور جو حساب کیا گیا ہے اس کی رو سے فی احمدی دوسو پاؤنڈز مہینہ بنتا ہے اور آپ میں سے جن لوگوں نے سوسائیٹی وغیرہ سے مکان خریدے ہوئے ہیں، وہ سالانہ پانچ سو، چھ سو پاؤنڈز کچھ سود میں، کچھ قیمت میں ادا کرتے ہیں۔ ان کو پتا ہے کتنا مشکل کام ہے لیکن چونکہ ذاتی گھر ہے اس لئے لوگ بڑی بڑی دقتیں برداشت کرتے ہیں اور سخت حالات میں بھی وہ قسطیں ادا کرتے چلے جاتے ہیں جاپان کی چھوٹی سی جماعت نے یہ عجیب مثال قائم کی ہے کہ خدا کے گھر کے لئے ساری جماعت نے اوسطاً دوسو پاؤنڈز مہینہ کے چندہ کی ذمہ داری قبول کر لی ہے اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ جس طرح بھی ہو ہم انشاء اللہ آئندہ تین سال میں پہلی با قاعدہ مسجد جاپان میں بنا کر چھوڑیں گے۔ تو دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو اس عزم کو پورا کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ ان کی استطاعت بڑھائے۔ ان کے حوصلے

بلند رکھے ان کو اپنی نیکیوں پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق بخشے اور جتنا وہ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس سے بہت زیادہ غیب سے ان کو عطا کرتا چلا جائے۔ آمین

حضرت ایوب، حضرت یونس علیہم السلام کی دعائیں اوران دعاؤں کی قبولیت کے راز

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام ناصر باغ (گروسن گیراؤ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا خطبہ میں ناصر باغ فرینکفرٹ جرمنی سے دے رہا ہوں جہاں مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے آیا ہوں چونکہ یہ خطبہ براہ راست مختلف ممالک میں سنا جانے لگا ہے اس لئے ان کی اطلاع کی خاطر یہ وضاحت کر رہا ہوں، اس وقت ٹوکیو، سویڈن، ناروے، ماریشس اور یو کے کے علاوہ جرمنی میں بھی دو اور جگہوں پر یہ خطبہ سنا جارہا ہے۔ U.K کی مجالس یا جماعتیں جواب خطبہ سنتی ہیں ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت سات U.K کے ایسے شہر ہیں جہاں براہ راست اس خطبہ کی آواز پہنچ رہی ہے۔

پیشتر اس کے کہ سلسلہ مضمون جاری رکھتے ہوئے قرآن کریم کی دعاؤں کا ذکر کروں ایک اعلان اس اجتماع کی نسبت سے میں آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔ مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ جرمنی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کی ضروریات اتنی بڑھ چکی ہیں کہ ان کو ایک ایوان خدمت کی تعمیر کی ضرورت ہے اس غرض سے انہوں نے اجازت بھی چاہی اور ایک سرسری سا منصوبہ بھی سامنے رکھا۔ اصولاً اس کی میں نے منظوری دیدی ہے اور امید رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تین سال تک وہ ایوان خدمت تیار ہو جائے گا لیکن سب سے پہلا مرحلہ اس کے لئے مناسب زمین کی تلاش

ہے۔ جہاں تک چندوں کا تعلق ہے اس سلسلہ میں مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کو اس شرط کے ساتھ چندہ اکٹھا کرنے کی منظوری دی ہے کہ کسی خادم کو اس چندہ کے نتیجے میں یہ عذر نہ ہو کہ میرے دوسرے جماعتی چندے متاثر ہو گئے ہیں اس لئے تمام وہ خدام جو شوق کے ساتھ اس چندہ میں حصہ لینا چاہیں اس شرط کے ساتھ حصہ لیں گے کہ خدام الاحمدیہ کے ہال کی تعمیر کے سلسلہ میں جو بھی مالی قربانی وہ پیش کریں اسے جماعت کے دوسرے چندوں میں کمی کرنے کا عذر نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ اعلان اس لئے ضروری تھا کہ خلیفۃ المسیح کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا کوئی چندہ اکٹھا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور خدام الاحمدیہ بھی اور دیگر ذیلی تنظیمیں بھی اس بات کی پابند ہیں اور پابند رہنی چاہئیں کہ جماعت سے جو بھی استثنائی چندے طلب کرنا چاہیں ان کی پہلے باقاعدہ اجازت حاصل کریں۔

اب میں سلسلہ مضمون کی طرف لوٹتا ہوں، سورۂ فاتحہ میں جو ہمیں یہ دعا سکھائی کہ اے خدا ہمیں سیدھے راستہ پر ڈال، وہ راستہ جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اس ضمن میں انعام کی راہ پر چلنے والے یا خدا کی راہ کے وہ مسافر جو انعام یافتہ شمار ہوئے ان کا ذکر قرآن کریم میں مختلف شکلوں میں ملتا ہے اور ان کی دعائیں بھی محفوظ کر دی گئی ہیں۔ ان دعاؤں کے سلسلہ میں ایک دعا نظر سے رہ گئی تھی جس کا بیان پہلے ہونا چاہئے تھا اس لئے میں اس دعا سے آج کا مضمون شروع کروں گا۔ پھر چونکہ بعد کی چند دعائیں پہلے خطبہ میں بیان ہو چکی ہیں ان کی ضرورت نہیں ہوگی اور پھر اس پہلی بھولی ہوئی دعا کے بعد حضرت ایوبؑ کی دعا سے سلسلہ مضمون شروع ہو جائے گا۔

وہ دعا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائی گئی اور دعا یہ ہے: رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا (بنی اسرائیل: ۸۱) اے میرے رب! مجھے صدق کے ساتھ داخل فرما یعنی میرا قدم سچائی پر پڑتا ہو اور سچائی کے ساتھ میں داخل ہوں۔ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ اور اسی طرح سچائی پر قدم رکھتے ہوئے یا سچائی کے قدم کے ساتھ میں اس منزل سے باہر نکلوں وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا اور میرے لئے اپنی جناب سے ایک ایسا مددگار عطا فرما جو غالب اور قوت والا ہے۔ یہ وہ سورۃ ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اگرچہ اس بارہ میں اختلاف ہے

لیکن جو مستشرقین محققین باقی مسلمان علماء سے اختلاف بھی رکھتے ہیں ان کے نزدیک بھی سن ۱۲ھ تک کا زمانہ ہے اس عرصہ کے اندر اندر یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی اور بعض مفسرین تو اس سے بہت پہلے کا زمانہ بتاتے ہیں بہر حال ہجرت سے پہلے کی یہ سورۃ ہے اور اس آیت کے متعلق بھی یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ اس دعا میں دراصل ہجرت کی بھی پیشگوئی فرمائی گئی تھی ۔لیکن صرف ہجرت تک اس دعا کا مضمون محدود نہیں جیسا کہ میں بیان کروں گا اس سے زیادہ وسیع تر معانی اس میں پائے جاتے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے ۱۳ سال نبوت کے مکہ میں بسر فرمائے۔ تیرہ سال تک دکھ جھیلے اور پھر تیرہویں سال کے آخر پر کم وبیش اس عرصہ میں آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ پس یہ دعا آپ کو یہ بتارہی تھی کہ اے محمد ﷺ تجھے اس شہر سے نکلنا بھی ہے اور دوبارہ اس شہر میں داخل بھی ہونا ہے۔ تیرا نکلنا بھی سچائی کے ساتھ ہوگا اور تیرا دوبارہ اس شہر میں داخل ہونا بھی سچائی کے ساتھ ہوگا لیکن اس میں نکلنے اور داخل ہونے کی ترتیب کو بدل دیا گیا ہے اور داخل ہونے کا ذکر پہلے ہے اور نکلنے کا بعد میں فرمایا۔ اے محمد ﷺ گویا کہ آپ کو دعا سکھائی جارہی ہے کہ تو یہ دعا کیا کر۔ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ اے میرے رب مجھے صدق کے ساتھ داخل فرما وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور صدق کے ساتھ مجھے نکلنے کی توفیق عطا فرما۔ تو مکہ سے تو پہلے نکلنا تھا پھر ادخال کا ذکر کیوں پہلے فرمایا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی ﷺ کو ایک لحظہ کے لئے بھی خدا تعالیٰ اس دکھ میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ گویا میں مکہ سے نکلوں گا اور پھر شاید واپس آؤں یا نہ آؤں ۔ پس واپسی کو زیادہ قطعی اور یقینی بنا کر پہلے پیش کر دیا گیا اور جس وقت یہ وحی نازل ہوئی ہے اس وقت اخراج سے پہلے آپ کو یہ خبر دیدی گئی کہ آپ نے ضرور اس شہر میں داخل ہونا ہے اس لئے جہاں تک نکلنے کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کسی قسم کے تفکر اور غم کی ضرورت نہیں۔

دوسرا اس میں حکمت یہ تھی کہ مکہ سے جس حالت میں نکالے جارہے تھے اس حالت کے متعلق دشمن یہ کہتا تھا کہ یہ صدق کی حالت نہیں ہے، آپ سچائی کی حالت میں نہیں نکالے جارہے۔ دشمن آپ کو جھوٹا، کذاب، مفتری اور طرح طرح کے اور بدنام دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے، اس نے خدا پر اپنی طرف سے بات گھڑ لی ہے، مگر مدینہ جس نے آپ کا استقبال کیا اس نے صدق کے ساتھ آپ کا استقبال کیا، صدق کی گواہی دیتے ہوئے استقبال کیا۔ پس رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ کا مضمون

مدینہ کی نسبت سے یہ ہوگا کہ اے محمدؐ اب تو اس شہر میں داخل ہونیوالا ہے جو تیرے صدق پر گواہ ہوگا اور صدق کے ساتھ تجھے قبول کرے گا اور پھر جب تو نکلے گا تو صدق کے ساتھ ہی نکلے گا اور دوبارہ اس شہر میں داخل ہوگا اور دوبارہ داخلے کا مضمون چونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لئے فتح مکہ کے اوپر اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ کا مضمون صادق آئے گا اور یہ بات بن جائے گی کہ جب تو دوبارہ اس شہر میں داخل ہوگا اس وقت شہر کا ذرہ ذرہ اس کی اینٹ اینٹ اس کی ساری فضا گواہی دے رہی ہوگی کہ یہ مرد صادق ہے جو واپس اپنے شہر کو لوٹ کر آیا ہے اور چونکہ یہ ایک پیشگوئی تھی اس لئے اس کے پورا ہونے کے نتیجہ میں از خود ہی آپ کا صدق مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ظاہر و باہر ہو جانا تھا۔ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا کا مطلب ہے اور میرے لئے اپنی جناب سے کوئی ایسے مددگار انصار عطا فرمادے جن کو تو طاقت عطا کرے، غلبہ عطا کرے اور ان کی مدد معنی خیز ہو، کوئی کمزور مددگار نہ ہو بلکہ غالب اور طاقتور مددگار ہو چنانچہ یہ دعا بھی انصار مدینہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بعینہٖ اسی طرح قبول فرمائی جیسا کہ سکھائی تھی اور انصار مدینہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کی غالب نصرت کرنے کی توفیق ملی اور انصار نے جو مدد کی ہے وہ اگرچہ بظاہر انصار کی طرف سے ہے مگر مِنۡ لَّدُنۡکَ کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ انصار کی مدد اللہ کے ایماء پر ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے بغیر اس مدد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پس بظاہر آنحضرت ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھی انصار کے ممنون احسان ہونے والے تھے مگر خدا تعالیٰ نے دعا میں مِنۡ لَّدُنۡکَ کا لفظ رکھ کر یہ خوشخبری بھی ساتھ دیدی کہ تیری اس دعا کے نتیجہ میں وہ مدد کریں گے ان کے دل تبدیل کئے جائیں گے ان کو توفیق عطا کی جائے گی اس لئے تو یہ نہ سمجھنا کہ کسی انسان کے زیر احسان آرہا ہے بلکہ دعا کے نتیجہ میں یہ مدد خالصۃً للہ ہی کی طرف سے ہوگی۔

دوسرا اس دعا کا ایک تعلق عام روزمرہ کے سفروں سے بھی ہے اور قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ قرآنی دعائیں وسیع معانی رکھتی ہیں اور مختلف حالات پر چسپاں ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں اس لئے قرآن کریم کی جو دعائیں خاص مواقع سے بھی تعلق رکھتی تھیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے صحابہ ان کو مختلف ملتے جلتے مواقع پر بھی استعمال کیا کرتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ پس روزمرہ کے سفروں میں یہ دعا بہت ہی مفید ہے اور میں نے خود اس کا تجربہ کر کے دیکھا ہے

اور حیرت انگیز طور پر اس دعا کے نیک اثرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ایک دفعہ میرا خیال تھا کہ اس موضوع پر جماعت سے الگ خطاب کروں کہ دعا کے نتیجہ میں سفروں میں جو حیرت انگیز سہولتیں میسر آتی ہیں وہ اتفاقی حادثات کے نتیجہ میں نہیں ہوتیں بلکہ ایسا مسلسل نصرت الٰہی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے کہ کوئی معمولی عقل کا انسان بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس میں غیبی ہاتھ ہے لیکن چونکہ اس سلسلہ مضامین میں اتنے لمبے عرصے کے لئے ایک دوسرے مضمون کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے اس لئے آئندہ کسی وقت انشاء اللہ اس حصہ کو آپ کے سامنے رکھوں گا۔

اس دعا کا ایک اور بہت ہی اہم مفہوم انسان کے مراتب سے تعلق رکھتا ہے۔انسان ہمیشہ حالتیں بدلتا رہتا ہے۔ایک حالت سے نکل کر دوسری حالت میں داخل ہوتا ہے۔یہ حالت بدی سے اچھائی کی طرف بھی حرکت کرسکتی ہے اور اچھائی سے بدی کی طرف بھی حرکت کرسکتی ہے۔یعنی اس حالت کا بدلنا بدی سے اچھائی کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور اچھائی سے بدی کی طرف بھی ہوسکتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے جہاں یہ دعا سکھائی وہاں صدق کا لفظ ساتھ سمجھا دیا کہ یہ دعا کرنا کہ اے خدا! جب بھی میری حالت تبدیل ہو سچائی کے ساتھ تبدیل ہو۔اس آیت سے پہلے جو مضمون چل رہا ہے، وہ آنحضرت ﷺ کے بلند مراتب کا مضمون ہے اور پہلی آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یہ نصیحت فرمائی کہ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:۸۰) کہ اے میرے بندے! راتوں کو اٹھ کر تہجد کے نوافل ادا کیا کر اور خدا کی راہ میں جدوجہد کیا کر۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا اس کے نتیجہ میں ہرگز بعید نہیں بلکہ قریب ہے کہ تجھے مقام محمود عطا کیا جائے۔

یہاں مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کو نکرہ رکھ کر اس مقام کے بہت ہی عظیم الشان ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔پس اس دعا کے معاً بعد یہ دعا رکھی یعنی اس خوشخبری کے بعد کہ خدا تعالیٰ تجھے بہت ہی عظیم مقام اور مرتبہ عطا فرمانیوالا ہے، یہ دعا سکھائی رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ کہ اے خدا جس مقام پر تو مجھے فائز فرمانا چاہتا ہے یا جس پر فائز فرمانے کا تو نے فیصلہ فرمالیا ہے اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ مجھے صدق کے ساتھ اس میں داخل فرمانا وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور اس مقام پر ٹھہرائے نہ رکھنا بلکہ اس سے آگے بلند تر مقامات کی طرف بھی ہاتھ پکڑ کر لے جانا اور صدق

کے ساتھ لے جانا۔ یہاں صدق کے لفظ نے تنزل کی نفی فرما دی۔ چونکہ بعض دفعہ ایک انسان ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنے کے باوجود اس مرتبہ پر اپنی شامت اعمال کے نتیجہ میں قائم نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم نے بلعم باعور کی مثال دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی صلاحیتیں عطا کی تھیں کہ اگر وہ چاہتا یعنی اگر وہ نیک اعمال پر استقامت اختیار کرتا اور خدا کی طرف رفعتیں حاصل کرنا چاہتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان صلاحیتوں کے نتیجہ میں جو اسے عطا کی گئی تھیں اسے بلند مقام عطا فرما سکتا تھا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لیکن وہ بد بخت ایسا نکلا کہ وہ دوبارہ زمین کی طرف جھک گیا پس اس کا بلند مرتبہ سے نکلنا مُخْرَجَ صِدْقٍ نہیں کہلا سکتا کیونکہ وہ سچائی کی بجائے جھوٹ کے قدم کے ساتھ باہر نکلا۔ پس آنحضرت ﷺ کو یہ کامل دعا سکھائی گئی کہ تیرا داخل ہونا بھی صدق کے ساتھ ہو اور تیرا نکلنا بھی صدق کے ساتھ ہو یعنی تنزل کی طرف تو نہ جائے بلکہ ہمیشہ مراتب کی طرف تیرا قدم آگے بڑھتا رہے۔ دوسرا صدق کا معنی یہاں ایسا ہے جسے تمام مومنین کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

بسا اوقات انسان کو اعلیٰ مراتب کی تمنا ہوتی ہے اور اس تمنا میں خود غرضی بھی داخل ہو جاتی ہے، ریا کاری بھی داخل ہو جاتی ہے اور انسان چاہتا ہے کہ میں بھی نیک شمار کیا جاؤں اور دنیا کی نظر میں میرا مرتبہ بلند ہو اور مجھے مقام محمود حاصل ہو، یعنی دنیا کی نگاہ میں مقام محمود حاصل ہو ایسے لوگوں کو بعض دفعہ ایسے روحانی تجارب سے ملتے جلتے تجارب ہوتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے مقرب بن گئے ہیں حالانکہ وہ روحانی تجارب نہیں ہوتے وہ شیطانی تجارب ہوتے ہیں۔ پس ہر وہ شخص جو بلند پردازی کا خواہشمند ہے، جو خدا تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے اس کو یہ دعا بہت ہی باقاعدگی کے ساتھ اور اس کے مضامین میں ڈوب کر کرنی چاہئے ورنہ اس کا قدم قدم صِدْقٍ نہیں رہے گا۔

پس رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا مجھے جو بھی بلند مرتبہ عطا فرما وہ سچائی کے ساتھ ہو۔ اس میں میرے دل کی نفسانی خواہشات کا کوئی بھی دخل نہ ہو اس میں میرے جھوٹ کا کوئی دخل نہ ہو۔ وہ خالصۃً سچائی کا قدم ہو جو ترقیوں کی طرف اٹھنے والا ہو اور تیری رضا اسے حاصل رہے اور اسی طرح جب میں اس مقام سے نکال کر ایک بلند تر مقام کی طرف لے جایا جاؤں تو تب بھی میری ادنیٰ تمناؤں کا اس میں کوئی دخل نہ ہو بلکہ ارفع و اعلیٰ مقاصد کے لئے تجھ سے ہی مدد مانگتے ہوئے میں آگے بڑھنے والا بنوں۔ پس یہ دعا بہت ہی کامل جامع اور مانع دعا ہے۔

زندگی کے مختلف مراحل پر، مختلف حالات پر چسپاں ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے روزمرہ کے سفروں کے سوا دنیا کے ہر سفر پر جو ظاہری ہو یا روحانی ہو اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس دنیا کے کاروبار میں جہاں مثلاً انسان بعض ملازمتیں مثلاً کرتا ہے اور ترقیاں پاتا ہے اس وقت بھی یہ دعا کام آسکتی ہے ورنہ بعض لوگ ترقی پاتے ہیں اور پھر ذلت کے ساتھ نکالے جاتے ہیں۔ تو پیشتر اس سے کہ وہ ترقی حاصل کریں اگر اس دعا کو وہ اپنی حرز جان بنا چکے ہوں اور ہمیشہ اس دعا کی طرف ان کی توجہ رہے تو زندگی کا جو بھی مرحلہ پیش آئے گا جس میں ایک حالت دوسری حالت میں تبدیل ہوتی ہے یہ دعا ان کے کام آئے گی۔

اب وہ چند دعائیں جو اس کے بعد قرآن میں بیان ہوئی ہیں وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اب حضرت ایوبؑ کی اس دعا کی طرف آتا ہوں، سورۂ انبیاء آیت ۸۴ میں اس کا ذکر ہے۔ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اور یاد کرو ایوب کو کہ جب اس نے بڑے درد سے اپنے رب کو پکارا کہ اے خدا مجھے تو بہت ہی دکھ پہنچ چکا ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اور میں جانتا ہوں کہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر تو رحم کرنے والا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت ایوبؑ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا مختصراً ذکر کرتا ہوں اور آپ کا تعارف بھی کرواتا ہوں کیونکہ بہت سے لوگ حضرت ایوبؑ کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ حضرت ایوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو سال کے لگ بھگ پہلے پیدا ہوئے۔ ۱۵۵۰ء کے قریب بیان کیا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو سو سال پہلے۔ آپ کی شخصیت کے متعلق اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک آپ بنی اسرائیلی نبی تھے اور بعضوں کے نزدیک آپ باہر کے کوئی نبی تھے جن کا ذکر وہاں ملتا ہے۔ مسلمان مفسرین نے آپ کو شام کے علاقے میں پیدا ہونیوالا بتایا ہے اور بائبل میں مقام کا ذکر ہے لیکن اس کا مجھے صحیح پتا نہیں چل سکا کہ وہ کس علاقے کا شہر ہے جس کی طرف آپ کو نسبت دی گئی ہے۔ غالباً موز ولفظ ہے جس کے متعلق میں ابھی تحقیق نہیں کر سکا کہ وہ کونسا علاقہ بتایا جاتا ہے۔ بہرحال جہاں تک بائبل کی روایات کا تعلق ہے ان کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ حضرت ایوب کو خدا تعالیٰ نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں، دنیاوی اموال بھی، ریوڑ گلے، ہر قسم کے جانور، بیوی بچے، بہت ہی خوشحالی عطا فرمائی اور اس وقت علاقہ کے امیر ترین

انسانوں میں سے تھے اور بہت ہی فیاض اور خدمت کرنے والے انسان تھے۔شیطان کو آپ پر حسد ہوا اور شیطان نے خدا تعالیٰ سے بات کرتے ہوئے یہ کہا کہ ایوبؑ جو تیرا بندہ ہے تو اس پر نازاں ہے کہ بڑی عبادت کرنے والا اور ان سب نعمتوں کے باوجود مجھے نہ بھلانے والا ہے لیکن اسے آزمائش میں ڈال کر دیکھ پھر پتا چلے گا۔چنانچہ اس کے اموال تباہ کردے پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے تیرا بندہ رہتا ہے۔اس پر خدا تعالیٰ نے اسے کہا کہ ہاں اموال پر تجھے تصرف دیا جاتا ہے اور حضرت ایوبؑ کے تمام اموال تباہ ہوگئے۔پھر اس نے اولاد کا طعنہ دیا کہ اولاد تو اچھی ہے۔دنیا کے جانور اور دولتوں کی بعضوں کو پرواہ نہیں ہوتی اولاد کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو پہلے جلاوطن کروایا پھر مرنے دیا اور اولاد ضائع ہوگئی۔پھر شیطان نے کہا کہ اس کے بدن کے اوپر مجھے تصرف دیا جائے۔خدا تعالیٰ نے کہا کہ اگر بدن کی آزمائش بھی چاہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لو چنانچہ آپ کے بدن کو ایسی بیماری لگ گئی کہ بائیبل کے بیان کے مطابق جس میں ناسور ہوگئے اور نہایت ہی مکروہ قسم کی بیماری تھی جس سے لوگ بھی کراہت کر کے پناہ مانگتے تھے اور دوڑتے تھے اور جسم میں کیڑے پڑ گئے اور لوگوں نے آپ کو نکال کر بستی سے باہر کر دیا۔تب بھی حضرت ایوبؑ صابر و شاکر رہے اور خدا کے ساتھ وفا میں کوئی کمی نہ آئی۔تب شیطان نے خدا سے کہا کہ بیوی تو ابھی تک ساتھ ہے اور وہ وفادار ہے، بیوی کی طرف سے بھی اس کو کچھ صدمہ پہنچے تو بیوی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے شیطان کی چال میں آکر یا کہانی یوں بیان کی گئی ہے کہ شیطان نے خود ہی سوچا کہ جس طرح میں نے حوا کو گمراہ کیا تھا میں اس کی بیوی کو بھی گمراہ کروں تا کہ یہ بھی ساتھ نہ رہے پھر میں دیکھوں گا کہ اس کا صبر ٹوٹتا ہے کہ نہیں۔چنانچہ اس نے بیوی کو یہ کہا کہ یہ بچھڑا یا کوئی جانور میرے نام پر ذبح کرو تو تمہارا خاوند اچھا ہو جائے گا گویا شرک کی تعلیم دی اور بیوی اس پر اس حد تک آمادہ ہوگئی کہ اس نے حضرت ایوبؑ سے اس کا ذکر کیا اور یہاں تک کہا کہ تو اب خدا کو چھوڑ۔کہاں تک صبر کرے گا۔اس سے موت مانگ اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر۔حضرت ایوبؑ اس پر ناراض ہوئے اور عہد کیا کہ اگر میں اچھا ہو جاؤں گا تو اس کو سو کوڑے ماروں گا۔اس شرک میں مبتلا ہونے کے نتیجہ میں یعنی بطور سزا اس کو میں سو کوڑے ماروں گا۔اس پر بیوی چھوڑ کر چلی گئی اور اکیلے رہے۔تب بھی حضرت ایوبؑ ثابت قدم رہے۔تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ یہ تیری آزمائش کا دور تھا، تو اس پر

پورا اترا ہے اور جو کچھ تیرے نقصانات تھے وہ سب پورے ہو جائیں گے اور اب تو پہلی حالتوں کی طرف بلکہ ان سے بھی بہتر حالتوں کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پھر بیوی بھی ملتی ہے۔ پھر اولاد بھی آتی ہے پھر اور جو شہر کے لوگ نکالنے والے تھے ان کے اندر بھی ندامت پیدا ہوتی ہے گویا کہ انجام اس واقعہ کا یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ دوبارہ اپنی صحت کی طرف بھی لوٹ آتے ہیں۔ پرانی شان اور آن بان کی طرف بھی لوٹ آتے ہیں۔ سب چھوٹے ہوئے، روٹھے ہوئے ساتھی واپس آ جاتے ہیں، یہ ہے خلاصہ اور مفسرین نے بھی کم و بیش یہی مضمون بیان کیا ہے لیکن بعض تبدیلیوں کے ساتھ اور بائیبل نے یہ لکھا ہے کہ شیطان فرشتوں کے گروہ میں شامل ہو کر خدا کے حضور میں پیش ہوا اور اس طرح خدا سے اس نے گویا فرشتہ بن کر باتیں کیں اور یہ سارا قصہ اس کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ مفسرین نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو نیا رنگ یہ دیدیا ہے کہ اس زمانے میں یعنی کہ حضرت ایوبؑ کے زمانے میں شیطان بعض دفعہ فرشتوں اور نبیوں کے درمیان باتیں سن لیا کرتا تھا مچان لگا کر بیٹھا رہتا تھا اور وہ باتیں سن لیا کرتا تھا۔ تو ایک دفعہ فرشتوں کی اور حضرت ایوبؑ کی باتیں ہو رہی تھیں اور بڑی ان کی تعریف ہو رہی تھی اور انہوں نے خدا سے عرض کیا کہ دیکھو کیسا نعمتوں والا بندہ ہے اور پھر اس کے باوجود عبادت کرتا ہے تو اس پر شیطان کو پتا چل گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر یہ شرارت شروع کی۔

حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے کہ اس سے ملتا جلتا ایک دفعہ ہریش چندر ایک ہندو بزرگ کا بھی بیان کیا جاتا ہے جن کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح انعام یافتہ تھے جس طرح حضرت ایوبؑ کے ذکر میں ملتا ہے مگر وہاں شیطان کی بجائے بعض دیوتاؤں کو حسد پیدا ہوا حضرت مصلح موعودؓ نے تو تفصیل سے ذکر نہیں کیا مگر میں نے پھر ان روایات کو مختلف تاریخی حوالوں سے دیکھا ہے۔

ہریش چندر کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں لیکن خلاصہ مختصراً یہی ہے کہ وہاں دیوتاؤں کو اس پر رشک آیا اور انہوں نے ہندو میتھالوجی کے مطابق سب سے بڑے خدا سے یہ کہا کہ ہمیں موقع دیں ہم اس کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ چنانچہ ایک دیوتا انسان کے روپ میں گیا، اس نے ہریش چندر سے کہا سنا ہے کہ تو بڑا سخی داتا ہے۔ کیا میری استدعا کو قبول کرے گا؟ اس نے کہا ہاں جو مانگے گا میں دوں گا اور ہریش چندر کے متعلق بھی یہ مشہور تھا کہ وہ حد سے زیادہ وعدے کا پختہ ہے اور جو ایک

دفعہ قول وقرار دے بیٹھے اس سے پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تو اس طرح پختہ قول لینے کے بعد اس نے کہا کہ اپنا سب کچھ مجھے دیدو۔ تمام جائیداد، دولتیں، اموال، گھر جو کچھ تیرا ہے سب کچھ دیدے اور ہریش چندر نے دیدیا اس کے بعد اس نے کہا کہ تو نے سب کچھ نہ دیا۔ ابھی تیرے بچے، بیوی، تو خود ہے اور تیرا جسم ہے، اس کا کیا ہوگا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ان سب کو وہ بیچ دیں اور ایک شودر نے جو ہندو Cast System کے مطابق سب سے ذلیل قسم کی ذات ہے آپ کو خرید لیا اور پھر وہ مشقتوں کا دور ہوا اور بہت تکلیفیں ہوئیں۔ مصائب در پیش ہوئے۔ تو ملتی جلتی کہانی ہے۔

حضرت مصلح موعود کا یہ رجحان ہے کہ چونکہ زمانہ بھی کم وبیش ایک ہی ہے اس لئے بعید نہیں کہ حضرت ایوب ایک ہندی نبی ہوں اور (جیسا کہ پہلے بھی میں نے بیان کیا ہے کہ بعض محققین کے نزدیک وہ اسرائیلی نہیں تھے) اس ہندی نبی کی روایات وہاں پہنچی ہوں اور ان کو بائیبل کا حصہ بنا دیا گیا ہو۔

اس پس منظر میں اب میں قرآن کریم کی وہ دعا آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو سکھائی اور وہ یہ تھی۔ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

یہاں اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ پر دعا کو ختم کیا گیا ہے کہ تو سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ایوب کی حالت کے متعلق جو تفاصیل ہیں وہ ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتیں لیکن جتنے بھی اشارے ملتے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ آپ کو بہت ہی تکلیفیں پہنچیں اور جسمانی عوارض بھی بہت لاحق ہوئے اور یہاں تک کہ آپ کو اپنا ملک چھوڑ کر بھی جانا پڑا چنانچہ منجملہ تفصیل کے ساتھ تو ذکر نہیں مگر یہ ضرور ملتا ہے کہ کچھ نہ کچھ واقعات جیسا کہ بیان کئے گئے ہیں ویسے آپ کے ساتھ ضرور پیش آئے یہاں تک کہ سب نے آپ کو چھوڑ دیا۔

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کا مطلب ہے کہ اے خدا میری تو یہ حالت پہنچ گئی کہ دنیا کے جتنے رحم کرنے والے ہو سکتے ہیں وہ تو منہ موڑ کر چلے گئے۔ میری بیوی نہ رہی، میرے بچے نہ رہے، میرے شہر والے نہ رہے، جو ایمان لائے تھے انہوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اب میں اکیلا اپنے وطن سے نکلتا ہوں، تو مجھے بتا کہ میں اکیلا کیا کروں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں مایوس نہیں، تو اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہے۔ جس پر کوئی اور رحم کرنیوالا نہ ہو اس پر تو رحم فرماتا ہے۔ اس دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ

(الانبیاء:۸۵) کہ ہم نے اس دردناک پکار کو سنا اور قبول کیا۔ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ اور ان سب تکلیفوں کو کھول دیا اور تبدیل کر دیا جو اسے لاحق تھیں وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ ہم نے اس کے اہل بھی اسے واپس لوٹا دیئے اور اسے اس جیسے اور بھی بہت سے گھر عطا کئے جو اپنا سمجھتے ہوئے ان کے خاندان کی طرح ہی ہو گئے، یعنی ایسے ان سے محبت کرنیوالے خاندان عطا کئے جو اپنوں سے الگ شمار نہیں کئے جا سکتے تھے جس طرح بعض دفعہ انسانی تعلقات میں بعض خاندانوں میں ایسی محبت ہو جاتی ہے ایسا ملنا جلنا اور قرب کا تعلق ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی گھر کے افراد دکھائی دیتے ہیں۔ پس مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ میں یہ بھی خوشخبری دی گئی کہ ایک گھر تجھ سے چھٹا تھا، تجھے اور بھی بہت سے گھر ہم عطا کریں گے۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا یہ خالصۃً ہماری طرف سے رحمت کے طور پر ہوگا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ اور جو عبادت کرنیوالے ہیں ان کے لئے یہ ہمیشہ کے لئے نصیحت ہوگی کہ جس قسم کے بھی ابتلاء در پیش ہوں مایوس نہیں ہونا چاہئے اگر صبر کے ساتھ عبادت پر قائم رہتے ہوئے صرف خدا کی ہی طرف جھکو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ تمہارے دکھوں کو دور فرما دے گا اور ہر تکلیف کو راحت میں تبدیل فرما دے گا۔

ایک اور دعا جو اس کے بعد مذکور ہے۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے وہ یہ ہے کہ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء:۸۸) اور صاحب نون کی اس حالت کو یاد کرو اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا جبکہ وہ بہت سخت خفا ہوئے ہوئے دل کے ساتھ جب اس کا دل بہت ناراض اور تنگی محسوس کر رہا تھا ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ کی طرف گیا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اور اس نے یہ گمان کیا کہ گویا ہم اس پر غالب نہیں آئیں گے یا اس کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کریں گے۔

نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی کے خلاف فیصلہ کرنا اور ایک یہ مطلب بھی ہے کہ کسی پر غلبہ پالینا تو دونوں مفہوم کچھ نہ کچھ اس صورتحال پر اطلاق پاتے ہیں فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ تب اس نے اندھیروں میں یہ دعا کی اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اے میرے خدا! تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے سُبْحٰنَكَ تو بہت پاک ہے

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں بہت ہی ظلم کرنے والوں سے تھا، میں اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا ہوں اس لئے تو ہی ہے تو مجھے اس ظلم کی حالت سے نجات بخش۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الانبیاء: ۸۹) ہم نے پھر اس کی اس دعا کو سن لیا اور شدید غم سے اس کو رہائی بخشی وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ اور اسی طرح ہم مومنوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

حضرت یونسؑ کے متعلق بھی تاریخ میں اختلافات پائے جاتے ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کے پس منظر سے متعلق بھی چند الفاظ بیان کئے جائیں حضرت یونسؑ کے متعلق جو بائبل نے واقعات بیان کئے ہیں وہ قرآن کریم سے مختلف ہیں اور ان کی ترتیب بھی بدلی ہوئی ہے اور بائیبل کے بیان کے مطابق حضرت یونسؑ کا جو واقعہ ہے وہ ایک ایسی جگہ پیش آیا یعنی یافا میں۔ یافا فلسطین کے مغربی ساحل پر ایک بندرگاہ ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یافا سے آپ نے وہ جہاز پکڑا تھا یا سمندری کشتی پکڑی تھی جس میں سے بالآخر آپ کو پھینکا گیا۔ یہ یافا اس مقام سے جو نینوا کا مقام ہے جسے حضرت یونسؑ کی بستی بھی قرار دیا جاتا ہے اگر سیدھا کوے کی اڑان اڑا جائے تو پانچ سو سے زائد میل دور ہے۔ نینوا جس کے متعلق عام طور پر مفسرین کا خیال ہے کہ نینوا وہ بستی تھی جہاں حضرت یونس کو بھجوایا گیا تھا وہ موصل میں واقع ہے جو عراق کے شمال میں آج کل کردوں کا علاقہ ہے۔ اس زمانے میں جس زمانے کی یہ بات ہے وہاں (Asyrians) اسیریز کی حکومت تھی۔ حضرت یونسؑ کا زمانہ آٹھ سو سال قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے لیکن مختصراً اب میں بائبل کے متعلق بتاتا ہوں کہ بائبل کیا کہتی ہے۔ پھر میں قرآن کریم کی طرف آؤں گا کہ قرآن کریم کیا بیان فرماتا ہے۔ بائبل کے نزدیک حضرت یونسؑ جن کو جونا یا یونا کہا جاتا ہے اور ان کے نام کی ایک کتاب بھی بائبل میں ہے۔ ان کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو نینوا بستی کو جا کر ڈرا کہ اگر وہ توبہ نہیں کرے گی تو ہلاک کردی جائے گی حضرت یونسؑ نینوا جانے کی بجائے یافا چلے گئے اور یافا جا کر آپ نے وہ کشتی پکڑ لی جس میں سے بالآخر آپ کو قرعہ اندازی کے بعد باہر پھینک دیا گیا اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔

اول تو یہ بات قرین قیاس نہیں یعنی ایک مومن جس نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہوا اور انبیاء کی عظمت کا تعارف قرآن کریم سے حاصل ہوا ہو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوچ نہیں سکتا کہ خدا ایک

نبی کو مشرقی علاقے میں کسی شہر میں جانے کا حکم دے اور وہ اس طرف پیٹھ کر کے مغرب کی طرف روانہ ہو جائے اور خدا کے حکم کا انکار کر کے کسی اور جگہ کا رخت سفر باندھے، کسی اور جگہ کی تیاری کر لے۔ یہ تو شان نبوت کے بالکل خلاف بات ہے، ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی نبی ایسی کھلی کھلی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ دوسرے وہ زمانہ وہ ہے جبکہ اسیریا کی عراق کے شمالی علاقہ میں بہت ہی زبردست حکومت تھی اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں اسیریز نے سب سے پہلے حملہ کر کے بنی اسرائیل کی حکومت کو پارہ پارہ کیا تھا۔ پس تاریخی نقطہ نگاہ سے ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ اس زمانے میں فلسطین کے کسی باشندے کو خدا تعالیٰ یہ حکم دے کہ (پانچسو میل تو سیدھا رستہ ہے ویسے زمینی سفر کر کے جو رستہ ہے وہ بہت لمبا بنتا ہے) اتنا لمبا رستہ طے کر کے تم نینوا جاؤ اور وہاں جا کر ان کو دھمکاؤ۔ پس یہ قرین قیاس بات دکھائی نہیں دیتی۔ دوسرے یہ کہ نینوا بستی کے متعلق اس زمانے میں ایسی کوئی شہادت نہیں ہے کہ وہاں کسی نبی نے بھی کسی قسم کی منادی کی ہو اور اس کے نتیجے میں ساری بستی ایمان لے آئی ہو۔

پس بائیبل کا قصہ کئی لحاظ سے قابل قبول نہیں ہے۔ دوسرے بائیبل نے جو واقعات کی ترتیب بیان کی ہے وہ بھی عجیب و غریب ہے۔ بائیبل کے مطابق حضرت یونسؑ نے خدا کا انکار کرتے ہوئے نینوا کی طرف جانے کی بجائے یافا سے کشتی پکڑی اور کسی اور جگہ کا رخ اختیار کیا۔ سمندر میں طوفان آ گیا اور جب کشتی ڈوبنے کے قریب ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہم میں کوئی گنہگار ایسا ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے لگا ہے۔ اس وقت حضرت یونسؑ نے اقرار کر لیا اور کہا کہ میں ہی وہ ہوں جس کی وجہ سے تم سب کی شامت آ گئی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم مجھے کشتی سے باہر پھینک دو۔ چنانچہ ان کو کشتی سے باہر پھینک دیا گیا، وہاں ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور بائیبل کے بیان کے مطابق تین دن اور تین رات مسلسل آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ پھر مچھلی نے آپ کو کسی جگہ اگلا۔ وہاں سے پھر آپ واپس نینوا گئے اور اس طرح بالآخر خدا کی بات پوری کی۔ نینوا جانے کے بعد بھی آپ نے حقیقت میں سچی توبہ نہیں کی بلکہ نینوا والوں کو پیغام دیتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے کہ مجھے پتا ہے کہ ان لوگوں نے توبہ کر لینی ہے اور خدا نے معاف کر دینا ہے اور خواہ مخواہ میں بے عزت ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جب نینوا کو اللہ تعالیٰ نے تباہ نہیں فرمایا اور نینوا کے باشندوں نے توبہ کر لی تو حضرت یونسؑ خدا تعالیٰ سے روٹھ کر وہاں سے پھر جنگل کی طرف چلے گئے۔ وہاں بائیبل کے بیان کے

مطابق خدا تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک بیل دار درخت اگایا، جس کی چھاؤں میں آپ نے امان حاصل کی لیکن پھر ایک کیڑا بھیج دیا جس نے اس کی جڑیں کھالیں اور وہ درخت کھوکھلا ہو کر زمین پر جا پڑا۔ تب حضرت یونسؑ نے ایک اور شکوہ کیا کہ یہ کیا واقعہ ہو گیا کہ ایک چھاؤں تھوڑی سی تھی اس سے بھی محروم رہ گیا اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو کہا کہ یہ درخت تو نے نہیں لگایا تھا اور اس ایک درخت کے مرنے پر تجھے اتنا افسوس ہے جس کے لگانے میں تیری محنت کا کوئی دخل نہیں اور مجھ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ لاکھ سے زائد بندے جو میں نے پیدا کئے ان کو آناً فاناً تباہ کر دوں۔ تب حضرت یونسؑ کو یا یونا کو نصیحت حاصل ہوئی۔

قرآن کریم اس سے بالکل مختلف روایت بیان فرماتا ہے سب سے پہلے یہ کہ قرآن کریم میں نینوا بستی کا کوئی ذکر نہیں اور مفسرین نے بائیبل کو پڑھ کر اندازہ لگایا کہ بستی نینوا ہی ہوگی بعضوں کا خیال ہے ذوالنون یعنی نون والا جو کہا گیا ہے اس سے نینوا بستی والا مراد ہے حالانکہ نون، مچھلی کو کہتے ہیں اور صاحب الحوت بھی آپ کو قرار دیا گیا ہے اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ نینوا کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسرے ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اگر نینوا سے ناراض ہو کر آپ واپس جائیں تو سات آٹھ سو میل دور جا کر یافا کی بندرگاہ سے کیوں جہاز پکڑیں۔ آپ کے ساتھ ہی دریائے دجلہ تھا نینوا کی بستی دریائے دجلہ کے ایک کنارے پر واقع ہے۔ وہاں سے کشتی لے کر آپ جو بھی سفر اختیار کرنا چاہتے اختیار کر سکتے تھے اس لئے یہ بات بھی قرین قیاس نہیں ہے۔ پس بائیبل کے بیان کے برعکس قرآن کریم نے اول تو اس بستی کا ذکر نہیں فرمایا دوسرے جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ بہت ہی معقول اور مربوط ہے اور اس میں کسی قسم کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ خصوصیت کے ساتھ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے آپ کے تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ یہ فرمایا ہے کہ مچھلی نے آپ کو نگلا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ نے اس تکلیف اور دکھ کی حالت میں یہ دعا کی ہے اور ساتھ ہی یہ بتادیا کہ مچھلی نے اگل دیا، لیکن یہ کہیں ذکر نہیں کہ تین دن اور تین رات آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے۔ پس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے وہاں رہے ہوں۔

اس بات کی وضاحت کی اس لئے خصوصیت سے ضرورت پیش آئی ہے کہ عموماً احمدی، عیسائیوں کے ساتھ گفت وشنید کرتے وقت اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ

حضرت یونسؑ تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے اور زندہ رہے اور زندہ حالت ہی میں باہر نکالے گئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تین دن کی آزمائش کے بعد جس میں چند گھنٹے صلیب پر لٹکنا اور بقیہ عرصہ ایک قبر نما جگہ میں رہنا ہے آپ زندہ وہاں سے باہر نکلے تو میں یہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم نے جس بات کا ذکر نہیں کیا وہ حکمت سے خالی نہیں، تین دن جو بائیبل نے ذکر کیا ہے وہ یقیناً غلط ہے تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں کوئی چیز خدا کے قانون کے مطابق زندہ نہیں رہ سکتی اور اس عرصے میں ہڈیاں گل سڑ کے ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ یعنی ہر قسم کا گوشت گل سڑ کے ختم ہو جاتا ہے صرف ہڈیوں کا پنجر باقی رہ جاتا ہے اور اس کے علاوہ دم گھٹنا اور تیزابی حالتیں یہ تو سوچنے والی بات ہی نہیں ہے۔ پس قرآن کریم نے تین دن کا جو ذکر نہیں کیا وہ حکمت سے خالی بات نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی نے نگلا ہے اور اس کیفیت میں حضرت یونسؑ نے بے اختیار یہ درد ناک دعا کی ہے کہ اے خدا میں کن ظلمات میں پھنس گیا ہوں۔ یہ میری اپنی ہی ظلمات ہیں۔ اپنے گناہوں کی ظلمتیں ہیں اور میں اب تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں تو اسی وقت قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی نے ابکائی لی ہے اور حضرت یونسؑ کو اگل دیا ہے اور یہ اتنی سی دیر ہوگی کہ سمندر کے اتنے پانی میں جہاں وہ بڑی مچھلی آجاتی ہے صرف اس سے ساحل تک پہنچتے پہنچتے کا عرصہ ہے۔ کیونکہ آپ کو ساحل کے اوپر اُگلا گیا ہے پھر آپ نے وہاں چند دن ایک بیل کے سائے میں گزارے۔ اسی بیل کا پھل کھایا جس نے آپ کو شفا بھی بخشی اور کچھ توانائی بھی دی اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ نے ہجرت کے بعد نبوت کا عرصہ شروع کیا۔

پس خلاصہ جو قرآن کریم کی رو سے بنتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ نبی نینوا یا کسی ایک بستی میں جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے خدا کا پیغام لے کر گئے اور بستی والوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اگر اس بستی نے توبہ نہ کی اور استغفار سے کام نہ لیا تو اس عرصے کے اندر اندر یہ ہلاک ہو جائیگی جیسا کہ دیگر انبیاء کی تاریخ سے پتا چلتا ہے اس اطلاع کے بعد حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے ہجرت کر کے کچھ فاصلے پر جا کر ٹھہر گئے اور آنے والوں سے اس بستی کا حال پوچھتے رہے، یہاں تک کہ مقررہ وقت گزر گیا۔ حضرت یونسؑ کو یہ علم نہیں تھا کہ اس عرصے میں اس بستی نے

نہ صرف توبہ کی بلکہ ایسے دردناک طریق پر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ خدا ایسی التجاؤں کو رد نہیں فرمایا کرتا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے، لیکن یہ قرآن کریم کا بیان نہیں یہ روایات کا اور بائیبل کا بیان ہے کہ بستی کے لوگوں نے حضرت یونسؑ کے نکل جانے کے بعد یہ خیال کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ خدا کا نیک بندہ تھا اس کی باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ اس لئے نجات کی صرف یہ راہ ہے کہ ہم سارے اس شہر کو چھوڑ کر باہر میدان میں نکل جائیں اور خدا کے حضور سخت گریہ وزاری کریں اور گریہ وزاری کا اثر بڑھانے کے لئے اور لوگوں کے دلوں میں درد پیدا کرنے کے لئے انہوں نے یہ ترکیب کی کہ ماؤں نے اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلایا اور بکریوں کے بچوں کو بھی تھنوں سے جدا رکھا گیا اور باہر میدان میں جب اس حالت میں گئے تو بچوں کے رونے اور چلانے اور جانوروں کے، جو بھوکے تھے اور پیاسے تھے، شور مچانے کے نتیجے میں ایک کہرام مچ گیا اور ایسی دردناک حالت ہوئی کہ وہ سارا بڑا میدان جس میں ایک لاکھ کے لگ بھگ شہر کے لوگ بڑے چھوٹے موجود تھے، وہ قیامت کا نمونہ بن گیا اور اس طرح وہ روئے اور چلائے کہ جیسے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے اور وہ تڑپتے ہیں تو چنانچہ خدا تعالیٰ کو اس حالت پر رحم آ گیا اور خدا نے اپنے وعدے کو ٹال دیا چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ کاش باقی لوگ بھی جن کو خدا کے انبیاء نے ڈرایا یونس کی قوم کی طرح ہوتے وہ گریہ وزاری کرتے۔ وہ توبہ و استغفار کرتے، ہم ان کو بھی بخش دیتے اور ان کا دنیا میں نفع کی حالت میں رہنا لمبا کر دیا جاتا، یعنی اچھی حالتیں ان کی لمبی کر دی جاتیں اور ان کو خدا کا عذاب نہ پکڑ لیتا تو یہ وہ واقعہ ہے، حضرت یونسؑ چونکہ اس بات سے بے خبر تھے جب وقت معینہ گزر گیا اور ایک دیہاتی جو اس شہر سے آ رہا تھا اس سے حضرت یونسؑ نے پوچھا کہ کیوں جی بتاؤ اس بستی کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا وہ ٹھیک ٹھاک ہے، بس رہے ہیں۔ اس پر حضرت یونس اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ وہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میرے ذریعے ان کو یہ وعید دیا تھا کہ تم ہلاک کئے جاؤ گے اور ہلاک نہیں کیا۔ تو شرم کے مارے وہ بستی کو نہیں لوٹے۔ قرآن کریم اس کے بعد کے واقعات کو بہت ہی لطیف انداز میں بیان فرماتا ہے۔ فرماتا ہے وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (الصّٰفٰت: ۱۴۰) یاد رکھو یونس مرسلین میں سے تھا۔ اس گواہی کے ساتھ اس کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بات نہ کہہ دینا جو مرسلین کی شان کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق

یہ نہ خیال کر لینا کہ خدا نے اس کو حکم دیا کہ تو فلاں جگہ جا اور وہ نافرمانی کرتے ہوئے کسی اور جگہ کی طرف چل پڑا تو مرسل وہ بہر حال تھا۔ مرسلین سے بھی بعض دفعہ کچھ غفلتیں ہو جاتی ہیں۔ عام انسان اس سے سینکڑوں گنا بڑی غفلتیں کرتا ہے اور پکڑا نہیں جاتا۔ کیونکہ اس کے معیار کے مطابق وہ گناہ نہیں بنتا لیکن جتنا بلند مقام ہوا تنا ہی داغ نمایاں ہوتا جاتا ہے اور معمولی داغ بھی سفید کپڑوں پر بڑا ہو کر دکھائی دیتا ہے۔ پس یہ مضمون ہے جس کی طرف قرآن کریم اشارہ فرما رہا ہے۔ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کہ یونس بہر حال مرسلین میں سے تھا۔ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔ جس کو خدا نے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا تھا۔ اس لئے جو کچھ بھی اس سے غلطی ہوئی وہ مرسلین میں پھر بھی رہے گا اور سننے والوں پر یہ واجب ہے کہ وہ ادب کے تقاضوں کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (الصّٰفٰت:۱۴۱) جب وہ بھاگتا ہوا ایک بھرے ہوئے جہاز میں داخل ہوا ابق کا مطلب ہے جیسے گاڑی چھوٹتی ہوئی آپ دیکھتے ہیں تو ڈر کے پکڑتے ہیں گاڑی یا جہاز کی سیٹیاں بج چکی ہیں۔ رخصت ہونے والا ہے تو آپ تیزی سے آگے جاتے ہیں کہ میں رہ نہ جاؤں تو فرمایا کہ وہ جہاز پہلے ہی بھرا ہوا تھا اور چل رہا تھا۔ حضرت یونس نے دیکھا تو دوڑ کر اس کو پکڑا فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (الصّٰفٰت:۱۴۲) قرعہ حضرت یونسؑ نے ڈالا۔ اقرار وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اپنے گناہوں کا ان کے سامنے اقرار کیا۔ معلوم ہوتا ہے جہاز ڈولا ہے۔ پہلے ہی بھرا ہوا تھا، طوفان آ گیا ہے، لوگ ڈر گئے تو فیصلہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے اور جہاز کا لفظ تو اس پر اطلاق ہی نہیں کرتا، اس زمانے کے لحاظ سے جہاز کہلاتا ہوگا لیکن ایک عام کشتی تھی ورنہ جہاز سے ایک آدمی کے پھینک دینے سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا۔ اتنی بڑی کشتی تھی۔ اس سے بڑی نہیں تھی کہ اگر اس میں سے ایک آدمی بھی باہر پھینک دیا جائے تو اس کے نہ ڈوبنے کے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ بچ جانے کے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خدا کی شان ہے کہ یونسؑ سے قرعہ ڈلوایا گیا اور اس میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ پہلے ہی چونکہ بہت سے مسافر بھرے ہوئے تھے، حضرت یونس چونکہ بعد میں آئے تھے، اگر کوئی اور قرعہ ڈالتا تو حضرت یونسؑ کو یہ شک پڑ سکتا تھا کہ مجھے انہوں نے نکالنا ہی تھا بہانہ بنا لیا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو بتانے کے لئے کہ میری تقدیر کام کر رہی ہے اس میں کسی بندے کی سازش کا دخل نہیں ہے ایسا انتظام کیا کہ کشتی والوں نے آپ ہی کو کہا کہ آپ قرعہ ڈالیں

چنانچہ جب قرعہ نکالا تو آپ کا اپنا نام نکلا اور الْمُدْحَضِيْنَ یعنی سمندر میں پھینکے ہوؤں میں سے وہ ہو گیا۔ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ (الصّٰفّٰت:۱۴۳) اس حالت میں مچھلی نے اسے نگلا کہ وَهُوَ مُلِيْمٌ کہ وہ ملامت کرنے والا تھا۔ یعنی اپنے نفس پر ملامت کرنے والا تھا ملامت زدہ تھا۔ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (الصّٰفّٰت:۱۴۴) پس اگر ایسا ہوتا کہ اس سے پہلے وہ خدا کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الصّٰفّٰت:۱۴۵) تو یونس مچھلی کے پیٹ میں اس وقت تک رہتا کہ جس وقت دوبارہ انسانوں کو حشر کے دن اٹھایا جائے گا۔

ان آیات میں اگر آپ ذرا سا مزید غور کریں تو حضرت یونس کے ساتھ جو واقعات پہلے گزرے تھے ان کا بڑے لطیف رنگ میں ذکر موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہمیں بتایا کہ خدا تعالیٰ جب اپنے بندوں کو سبق دیتا ہے تو نہایت ہی لطیف رنگ میں ان غلطیوں سے مناسبت رکھتے ہوئے سبق دیتا ہے جو ان سے پہلے ہو چکی ہوئی ہوتی ہیں۔ اب یاد کریں کہ حضرت یونسؑ نے ایک بھرے ہوئے شہر کو چھوڑا تھا۔ وہ بھرا ہوا شہر ایسا تھا کہ جو اپنے گناہوں کے باعث ہلاک ہونے کے لائق تھا اور خدا کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ صرف یونس علیہ السلام ایک ایسا انسان ہے جو بچائے جانے کے لائق ہے اور بھرے ہوئے شہر کو ہلاکت کا نشانہ بنتے ہوئے چھوڑ کر خدا کی وحی کے مطابق حضرت یونسؑ اس شہر سے الگ ہوئے۔ چونکہ اس کے بعد ان سے ایک غلطی سرزد ہوئی اور دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید خدا میرے خلاف کوئی فیصلہ نہ کرے چونکہ آپ مرسلین میں سے تھے اس لئے ہم یہ بدظنی نہیں کریں گے کہ یہ خیال انہوں نے کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ میں نے غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترجمہ کرنا یہاں درست نہیں ہے بلکہ بہت ہی لطیف بات ہے جو بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ سوچا ہو گا کہ وہ خدا جو ایک لاکھ گنہگاروں کو سخت گناہوں کے باوجود اس فیصلے کے باوجود کہ میں ان کو ہلاک کر دوں گا، پھر معاف کر دیتا ہے تو مجھے کہاں پکڑے گا پھر؟ میں تو نیک بندوں میں شمار ہوتا ہوں، میں تو اس کے مرسلین میں سے ہوں، مجھ سے تو زیادہ رحمت کا سلوک کرے گا۔ پس اس آیت یعنی مجھ پر قدرت نہیں پا سکے گا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ میرے خلاف فیصلہ نہیں دے گا۔ جو اتنا رحم کرنے والا خدا ہے اس نے مجھے کہاں کچھ کہنا ہے؟ لیکن یہ بات وہ بھول گئے کہ ہر شخص سے اس کے حالات اور اس کی توفیق کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔ خدا کے نیک بندوں

سے بہت زیادہ اونچی توقعات ہوتی ہیں پس خدا تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو یہ سبق دینا تھا کہ جب خدا تعالیٰ چاہے اس صورتحال کو بالکل الٹ سکتا ہے پس۔ اب آپ کشتی کی طرف آئیں، ایک بھری ہوئی کشتی تھی، وہاں حضرت یونسؑ کے سوا سارے گنہگار تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ان سب گنہگاروں کو بچالیا یعنی بظاہر اور جو سب سے معصوم انسان تھا اس کو ہلاکت کی طرف باہر پھینکوا دیا اور جو بھی اس پہلے شہر میں واقعہ گزرا تھا اس سے بالکل الٹ مضمون ہوگیا وہاں حضرت یونسؑ ایک بھرے ہوئے شہر کو چھوڑ کر جارہے تھے، جس سارے شہر کو خدا کی تقدیر نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور صرف یہ ایک معصوم انسان تھا جسے نجات کی خبر دی گئی تھی اور کشتی کی حالت یہ تھی کہ وہ گنہگاروں سے بھری ہوئی تھی اور خدا کی تقدیر یہ کہہ رہی تھی کہ ان سب کو میں معاف کرتا ہوں اس نیک بندے کو یہاں سے نکالا جائے جس نے مجھ پر بدظنی کی ہے اور اسے ہلاکت کے منہ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ مچھلی نے آپ کو نگل بھی لیا، وہاں ظلمات کا لفظ استعمال کرنا، اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سکھائی ہوئی دعا تھی۔ بہت ہی فصیح و بلیغ کلام ہے۔

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

ایک ظلمت کا کام اس سے سرزد ہوا تھا، ساری زندگی نور میں کٹی اور ہلکا سا ظلمت کا سایہ آیا جو اس نے خدا تعالیٰ پر بدظنی کر لی۔ اس کے نتیجے میں وہ ظلمات میں گھر گیا۔ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ کئی قسم کے اندھیروں میں اس نے بے اختیار یہ دعا کی۔ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے سُبْحٰنَكَ تو ہی پاک ہے۔ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ میں ہی ظالم انسانوں میں سے تھا اور ظلمت اور ظلم یہ دونوں ایک ہی منبع سے نکلے ہیں اور دونوں ہم معنی ہیں۔ ظلم کا مطلب گناہ بھی ہے اور اندھیرا بھی ہے۔ پس اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ نجات بخشی اور یہ فرمایا۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ میں نے جو یونس کو معاف کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ساری زندگی تسبیح و تحمید میں گزری تھی۔ پس خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی سابقہ نیکیوں کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اگرچہ غلطی بہت بڑی ہی کیوں نہ ہوئی ہو جو خدا توقع رکھتا ہے اس کے خلاف انسان سے بعض دفعہ کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے جس سے گویا اس کا پچھلا سارا اعمال نامہ سیاہ شمار کرلیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نیک بندوں کی نیکیوں کو اس طرح بھلا نہیں دیا کرتے، وہ ہمیشہ

تسبیح وتحمید میں وقت گزارا کرتا تھا۔

اس میں ہمارے لئے یہ نصیحت ہے کہ ہم عین وقت کے اوپر جو دعا کریں کہ اے خدا ہم سے غلطی ہوگئی ہمیں ظلم سے نجات بخش ہمیں ظلمات سے نکال دے اور اس سے پہلے خدا کی تسبیح وتحمید نہ کریں تو ہماری دعا میں قبولیت کی وہ طاقت نہیں ہوگی اس لئے ہمیں ہمیشہ خدا تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کی حالت میں رہنا چاہئے۔اس وقت خدا کی تسبیح کرنی چاہئے جبکہ خدا سے کوئی مطالبہ نہیں ہو رہا۔کوئی بھیک مانگنے کے لئے اس کے در پر نہیں گئے بلکہ اس کی محبت میں،اس کی یاد میں،اس کے پیار میں ہم اس کی مدح کے گیت گا رہے ہوں اس کی تسبیح بلند کر رہے ہوں۔ایسی حالت میں ہمیں جب بھی مشکل پیش آئے گی تب خدا تعالیٰ اس پرانی تسبیح کو یاد کرتے ہوئے اگر چہ گناہ بڑا بھی ہوگیا ہو تب بھی مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔

پس وہ لوگ جو بعض دفعہ مجھے یہ لکھتے ہیں کہ ہم مصیبت میں گھر گئے،ہم نے تو بڑی التجائیں کیں ، بڑا شور مچایا بہت روئے پیٹے ،ہماری دعا قبول نہیں ہوئی ان کے لئے اس میں نصیحت ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ پہلی زندگی میں وہ خدا سے غافل رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے نعمتیں عطا کیں لیکن انہیں خدا کو یاد رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔اسی وقت یاد آیا جبکہ ضرورت پیش آئی تو جب ضرورت پیش آئی اس وقت کی یاد کی کوئی حقیقت نہیں ہوا کرتی ،کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی۔

پس ضمناً یاد کرادوں وہ تین دن والی جو بحث ہے اس کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے کہ آپ اصرار کریں کہ ضرور تین دن ہی مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے۔تین دن کی خطرناک حالت ہم کہہ سکتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے بائیبل میں جو واقعہ ہے وہ لکھنے والوں کو پوری طرح واضح نہیں تھا۔خدا تعالیٰ نے ممکن ہے کسی نیک بندے پر وحی کی ہو یا ایک باہر کے نبی کا قصہ وہاں پہنچا ہو اور اس میں غلطی رہ گئی ہو۔ تین دن کی انتہائی نازک حالت کا ذکر ہوگا جس کو یہ سمجھ لیا گیا کہ گویا تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے دل کا حملہ ہوتا ہے تو تین دن تک بعض دفعہ ایک شخص Intensive care میں رکھا جاتا ہے یعنی ایسی حالت میں جہاں زندگی اور موت کے درمیان کشمکش جاری ہوتی ہے پس وہ حالت جس میں بظاہر موت غالب آنے والی ہوا سے ہم خطرناک حالت قرار دیتے ہیں، بیماری تو بعد میں بھی کچھ چلتی ہے لیکن اس بعد کی حالت میں صحت کے غلبے کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔پس

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی صلیب پر چند گھنٹے رہنے کے بعد دو اڑھائی دن ایسی ہی حالت رہی کہ گویا جانکنی کی حالت تھی، شدید گہرے زخموں میں آپ مبتلا تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ دم آیا کہ نہ آیا، کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا، تو تین دن کی مشابہت اس رنگ میں حضرت یونسؑ سے ہوئی کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مچھلی نے خواہ چند ثانیوں کے لئے یا ایک دو منٹ کے لئے ہی پیٹ میں رکھا ہو، جب اگلا ہے تو اس کے زخم بھی اتنی کاری تھے اور اتنا گہرا نقصان ہو چکا تھا کہ تین دن اس کے بعد جان کنی کی حالت میں رہے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ بیل اگا کر اس کا سایہ نہ کر دیتا اور اس بیل میں شفا نہ رکھتا تو آپ کے بچنے کے بظاہر کوئی امکان نہیں تھے اور ایسی حالت سے بھی اللہ تعالیٰ نجات بخش دیتا ہے۔ پس جہاں بعض احتیاطوں کے سبق ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے انتہاء ہونے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ ایسی خطرناک حالت میں بھی خدا تعالیٰ بچا سکتا ہے جس سے بظاہر بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔

اب میں آخر میں حضرت زکریا کی دعا کے بعد اس خطبہ کو ختم کروں گا حضرت زکریا کی ایک دعا پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اب جو دعا قرآن کریم نے دوسرے لفظوں میں ہمارے سامنے رکھی ہے وہ یہ ہے۔ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (انبیاء:۹۰) کہ زکریا کو بھی یاد کرو اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ جب اس نے اپنے رب کو پکارا اور یہ عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا اے میرے خدا! مجھے اکیلا نہ چھوڑ وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ اور سب وارثوں میں بہتر تو ہی وارث ہے۔ پہلی دعا سے متعلق اگر کسی کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہو تو اس دعا میں اس کا ازالہ فرما دیا گیا ہے۔ پہلی دعا میں یہ ذکر تھا کہ آپ نے یہ عرض کی کہ اے خدا! میرا کوئی والی نہیں ہے، مجھے شریکوں کا ڈر ہے، میری بیوی بانجھ ہے اور بوڑھی ہے، میرے مرنے کے بعد وہ اکیلی رہ جائے گی تو کوئی اس کی حفاظت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اس سے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ حضرت زکریا کے نزدیک ظاہری اولاد کی ظاہری حکمتوں کے پیش نظر اہمیت ہے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر میرا وارث نہ ہوا تو میرے پیچھے میری بیوی گویا لاوارث رہ جائے گی تو حضرت زکریاؑ چونکہ خدا تعالیٰ سے بے انتہاء پیار کرنے والے اور اس پر بے حد توکل کرنے والے انسان تھے اس لئے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ان کی ایک اور دعا بھی قرآن کریم میں بیان فرما دی۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ اے خدا! میری خواہش تو یہی ہے کہ

میں اکیلا نہ رہوں، میرے بعد میری اولاد آئے لیکن یہ معنے نہیں ہیں کہ اولاد نہ ہوئی تو میرے پیچھے میری بیوی اور باقی جو بھی سلسلہ ہے وہ لاوارث ہو جائے گا۔ وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ہر شخص کے بعد تو ہی اصل وارث ہوا کرتا ہے اور اس کی ہر جائیداد، ہر عزت، ہر دولت اور ہر ذمہ داری تیری طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہاں وارث کے دو معنے ہیں ان دونوں معنوں میں آپ کو دعا کرنی چاہئے۔ یعنی ان دونوں معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا کرنی چاہئے۔ ایک وارث وہ ہے جو جائیداد پالیتا ہے اور ایک وارث وہ ہے جو ذمہ داریاں ورثے میں پاتا ہے اور سچا وارث وہ ہوتا ہے جو ان کو ادا کرتا ہے تو اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا! جو کچھ میرا ہے میرا تو ہے ہی کوئی نہیں۔ کسی کا بھی کچھ نہیں ہم تو مر کر یہاں سے چلے جانے والے ہیں جو کچھ تو نے ہمیں عطا کیا ہے وہ سب تیری طرف واپس لوٹتا ہے اور تو ہی ہے جو باقی رہے گا اور ہر چیز آخر تیری ہی ہوگی۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دنیا والے وارث تو اپنی ذمہ داریاں ادا کریں نہ کریں۔ جو تجھ پر توکل رکھتے ہیں ان کا صحیح وارث تو ہی ہوا کرتا ہے اور ان کے سارے بوجھ تو اٹھالیتا ہے ان کے قرضے اتارنے کا بھی تو ہی انتظام کرتا ہے۔ ان کی دیگر ذمہ داریوں کا بھی تو ہی ذمہ دار بن جاتا ہے پس وارث ان دونوں معنوں میں ہے۔ پس وہ لوگ جو اولاد کی تمنا رکھتے ہیں ان کو یہ دعا ان معنوں میں کرنی چاہئے کہ ہم تمنا تو رکھتے ہیں مگر یہ مطلب نہیں ہے کہ اولاد نہیں ہوگی تو ہم برباد ہو جائیں گے ہمارا تو ہی تو ہے اور تو ہمیشہ رہنے والا ہے اور جس کا تو ہو جائے اس کے نام مٹا نہیں کرتے اس کی ذمہ داریاں اس کے بعد بھی ادا ہوا کرتی ہیں۔ پس اگر تو اولاد نہ دے تو ہم ناراض نہیں ہم خفگی محسوس نہیں کرتے، تمنا ہے اگر عطا کر دے تو بہتر ہے ورنہ تو بہترین وارث ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے ہم کسی قسم کے شکوے کا حق نہیں رکھتے چنانچہ فرمایا۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ (الانبیاء:۹۱) پس ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے ہم نے یحيٰ بطور تحفہ عطا کیا وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اور اس کی بوڑھی بانجھ زوجہ کی اصلاح فرمادی۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا یہاں بھی قبولیت دعا کی حکمت واضح فرمادی کہ کیوں بعض لوگوں کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یہ وہ لوگ تھے جو محض ضرورت کے وقت میرے پاس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ میری محبت کے نتیجہ میں نیک

کاموں میں سبقت لے جایا کرتے تھے۔ بنی نوع انسان کی خدمت کیا کرتے تھے جو بھی بھلائی کا موقع آتا تھا اس سے چوکتے نہیں تھے بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر نیک کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا اور ہمیشہ مجھے یاد کیا کرتے تھے اور میرے سے دعائیں کیا کرتے تھے، رغبت رکھتے ہوئے بھی اور خوف رکھتے ہوئے بھی بعض دفعہ میری رضا کی تمنا میں اور لالچ میں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور بعض دفعہ اس خوف میں دعا کیا کرتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ خدا ناراض ہو جائے اور پھر فرمایا وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ اور وہ ہمیشہ میرے ساتھ عاجزی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ بہت ہی خشوع و خضوع کرنے والے تھے۔ پس جن کا یہ دستور ہو ان کی دعائیں جو غیر معمولی حالات میں قبول ہوئی ہیں تو اس کا یہ پس منظر ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ کے حق میں خدا تعالیٰ نے ایسا اعجازی نشان دکھا دیا، ہم دعا مانگتے ہیں، ہماری بوڑھی بیوی تو کچھ بھی نہیں جنتی، ہماری بانجھ عورت کو تو کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری کمزوریاں تو دور نہیں ہوتیں، ان کے لئے نصیحت ہے کہ خدا سے غیر معمولی طلب کرنے والے اپنے اندر بھی غیر معمولی تبدیلیاں پیدا کیا کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو خدا کی خاطر بدل دیتے ہیں اور محض اپنی ضرورت کے وقت خدا کے حضور حاضر نہیں ہوتے بلکہ ساری زندگی حاضر رہتے ہیں۔ اور اس کی رضا پر بھی راضی رہتے ہیں، اس کے ابتلاء پر بھی راضی رہتے ہیں اور ہمیشہ یہ خوف ان کو دامنگیر ہوتا ہے کہ کہیں خدا ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے ہم سے ناراض نہ ہو اور ہم اس کی رضا سے محروم نہ رہ جائیں۔ پس ایسے لوگوں کی دعائیں غیر معمولی طور پر اعجازی رنگ میں قبول کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ایسے بندوں میں شامل فرمائے کہ ہم اس سے بہت کچھ مانگیں اور التجاؤں کے ساتھ مانگیں لیکن اس فیصلے کے ساتھ مانگیں کہ اگر وہ رد کر دے گا تب بھی ہم راضی رہیں گے۔ حضرت مصلح موعود کا یہ شعر جو میں پہلے بھی بار ہا پڑھ چکا ہوں مجھے بہت ہی پیارا، آپ کے سب شعروں میں زیادہ پیارا لگتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

ے ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلاء ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو (کلام محمود صفحہ:۲۷۳)

اے ہمارے اللہ! چاہتے تو فضل ہیں لیکن فضل ہو یا ابتلاء آجائے، تیری طرف سے اگر ابتلا

آ جائے اور رضا والا ابتلاء ہونا راضگی والا ابتلاء نہ ہو

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

اس روح کے ساتھ آپ دعائیں کیا کریں تو آپ نے سب کچھ پالیا وہی لوگ دنیا میں کامیاب ہوں گے جو مالک کی ہر ادا سے راضی ہوں جن کو خیرات سے پیار نہ ہو خیرات دینے والے ہاتھ سے پیار ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

ابھی نماز جمعہ ہونے کے بعد نماز جنازہ ہوگی۔ جرمنی کی یہ خاتون امۃ العزیز جو فیصل آباد کے نائب امیر چوہدری غلام دستگیر صاحب کی بہو تھیں۔ بہت ہی نیک خاتون سلسلے سے بے حد محبت اور خلوص رکھنے والی اور خلافت احمدیہ سے تو ان کو ایسا عشق تھا کہ ایک مثالی عشق تھا بلکہ حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح ان کو محبت بھی ہے، یقین اور اعتماد بھی ہے۔ کئی دفعہ پہلے فیصل آباد میں اس حد تک بیمار ہوگئیں کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ خلیفہ وقت دعا کریں گے تو میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اخلاص کو قبول کیا اور حیرت انگیز طریق پر شفایاب ہوئیں۔ پھر خواہش کے مطابق لنڈن بھی آئیں۔ مجھ سے ملیں بعد میں واپس جا کر پھر دوبارہ جرمنی آئیں۔ اب چند مہینے پہلے سے ان کی حالت بہت زیادہ خراب ہوئی اور ایک اور بیماری ہوئی یعنی لنگز (Lungs) کا کینسر تھا تو اس وقت بھی ان کے ایمان میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ توکل میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ہسپتال میں ایک دفعہ لاعلاج کر کے گویا پھینک دیا گیا تھا تو ان کی طرف سے پھر مجھے پیغام ملا۔ پھر خدا تعالےٰ نے دعا کی توفیق دی اور اس حالت سے نکل کر پھر خدا کے فضل سے باہر آ گئیں لیکن تقدیر جو ہے وہ تو لازماً آنی ہے یعنی موت تو ٹل ہی نہیں سکتی۔ یہ وہم تو دلوں سے نکل جانا چاہئے کہ کوئی شخص تقدیر سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔ دعا سے خدا تعالیٰ اپنے پیار اور محبت کے اظہار کے لئے تھوڑی سی مہلتیں بڑھا دیا کرتا ہے۔ آخر ان کا وقت آنا ہی تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ میں ان کا جنازہ پڑھوں۔ چنانچہ جب ہم یہاں جرمنی آ رہے تھے تو میری اہلیہ نے مجھے یاد کرایا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو، اس کی یہ جو تمنا تھی خدا نے یہ بھی پوری کر دی اور اس وقت تک نہیں مری جب تک آپ کے جرمنی آنے کا انتظام نہیں ہوا۔ ورنہ جنازہ غائب ہی ہوسکتا تھا۔ سامنے

رکھ کر تو جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احمدیوں، بڑوں چھوٹوں، مردوں عورتوں کے دل میں اسی طرح اخلاص پیدا کرے۔ اسی طرح ان کے اخلاص کو نوازتا رہے۔ اپنے قرب کے نشان دکھاتا رہے۔ ان کے بچے چھوٹے ہیں۔ ان کے لئے بھی خصوصیت سے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو بھی اسی رنگ میں رنگین فرمائے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ وہی خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ہے جو یہ دعا تھی اسی پر تان ٹوٹتی ہے۔ باقی وارث تو آنے جانے والے ہیں۔ ذمہ داریاں ادا کریں نہ کریں۔ اگر خدا کسی کا وارث بن جائے تو پھر اسے کوئی غم اور کوئی فکر نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ دو جنازہ غائب ہیں۔ ایک مسماۃ امۃ الرشید زوجہ چوہدری محمد سعید صاحب کلیم اور دوسرا ڈاکٹر رفیق بخاری صاحب کی ہمشیرہ ہیں۔ ان کو بھی اس دعا میں شامل کر لیں۔ نماز جمعہ کے معاً بعد آپ سب اسی طرح صفوں کی حالت میں کھڑے ہو جائیں۔ میں چند ساتھیوں کے ساتھ باہر نعش کے سامنے حسب سنت نماز جنازہ پڑھوں گا۔ یہاں آپ کو آواز آئے گی اور اس طرح آپ یہیں کھڑے کھڑے اس جنازہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ جرمنی کے بعض دوستوں نے مجھے خط لکھے تھے۔ مجھے اب یاد نہیں رہا وہ وہاں انگلستان میں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون کون تھے۔ تو ہم سب کو غائبانہ طور پر دعا میں شامل کر لیتے ہیں۔ خدا کے علم میں ہے۔ وہ خواہشمند کون تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اس مغفرت کی دعا میں حصہ دار بنا دے۔ (آمین)

حضرت ابراہیمؑ اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا تفصیلی ذکر اولاد کے لئے دعا کریں کہ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

ان دعاؤں کا ذکر چل رہا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ بندوں نے کیں اور جن کا ذکر بطور خاص قرآن کریم میں محفوظ فرمایا گیا ہے۔ایک دعا سورۂ انبیاء کی آیت ۱۱۳ میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے طور پر محفوظ ہے۔ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (الانبیاء:۱۱۳) کہ اس نے کہا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا: رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ کہ اے میرے رب !حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ اور ہمارا رب بہت رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا ہے۔اَلْمُسْتَعَانُ اوران باتوں میں ہمارا مددگار ہے عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ جو تم ہمارے خلاف بناتے ہو۔

اس دعا کا پس منظر اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ اس میں پہلے زبور کی اس پیشگوئی کا ذکر ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلْاَرْضَ یعنی فلسطین کی زمین خدا تعالیٰ کے عبادت گزار، صالح بندوں کو عطا کی جائے گی۔ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء:۱۰۶) یہ (اس پیشگوئی کے) الفاظ ہیں اس سے کچھ آیات کے بعد پھر یہ آیت آتی ہے ۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (الانبیاء:۱۱۲) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا یا میں نہیں جانتا کہ یہ جو وعدہ ہے شاید تمہارے لئے آزمائش کا ایک ذریعہ بنے اور مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور کچھ عرصے کے لئے تمہیں اس سے فائدہ پہنچے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے مطلع فرمادیا تھا کہ اگر چہ خدا تعالیٰ کے صالح عبادت گزار بندے بہر حال اس سرزمین کے وارث بنائے جائیں گے مگر وقتی طور پر اس پر غیروں کا قبضہ ہوگا کیونکہ یہ آیت بہر حال مسلمانوں سے متعلق آنحضرت ﷺ کا بیان شمار نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ وعدہ کہ جو خدا کے پاک بندوں کو اور عبادت گزار بندوں کو زمین دی جائے گی ایک مستقل وعدہ ہے اور جس قوم کو مخاطب کر کے آنحضور ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ اس سے کوئی مخالف گروہ مراد ہے مسلمان مراد نہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہارے لئے یہ کیا آزمائش لے کر آئے گی یعنی یہ زمین جس پر تم قابض ہو گئے تمہارے لئے کیا آزمائش کا مؤجب بنے گی۔ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ہاں کچھ مدت کے لئے تمہیں ضرور اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کے معاً بعد یہ دعا ہے:

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ اے میرے رب! حق سے فیصلہ فرمادے۔ مجھے یاد ہے جب یہ Gulf خلیج کا تنازعہ چل رہا تھا تو اس وقت بھی میں نے بہت سوچ کر یہی دعا کرنے کی احباب جماعت کو تلقین کی تھی کہ کسی ایک طرف کی بجائے حق کے جیتنے کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حق کو فتح عطا فرمائے۔ پس چونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا کے ساتھ یہ دعا منطبق ہو جاتی ہے اور بعینہٖ اسی مضمون کی دعا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس دور کے ساتھ اس دعا کا خاص تعلق ہے اور یہ فیصلے ابھی ہونے باقی ہیں، کسی ایک فریق کے جیتنے یا نہ جیتنے کی بحث نہیں ہے بلکہ اس تنازعہ کے نتیجے میں جو کچھ بھی آگے جدوجہد کا ایک سلسلہ جاری ہونے والا ہے، جو حالات بھی پیدا ہوں گے بالآخر ہماری دعا یہی ہے کہ اے خدا! حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے اور جن لوگوں کے مقدر میں یہ سرزمین لکھی گئی ہے بالآخر ان تک پہنچے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضور ﷺ اپنے رب سے عرض کرتے ہیں۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ کہ ہمارا رب بہت ہی رحمت کرنے والا، بے انتہاء دینے والا، بن مانگے دینے والا ہے اور جو کچھ یہ لوگ ہم پر باتیں بناتے ہیں یا تم لوگ ہم پر باتیں بناتے

ہوان کے خلاف بھی ہمارا رب مددگار ہوگا اور مددگار رہے۔ پس اس وسیع ترمعنے میں یہ دعا کرنی چاہئے۔

اس کے بعد دوسری دعا سورۃ المومنون کی آیت ۲۷ میں ہے۔ یہ حضرت نوحؑ کی دعا ہے اس سے پہلے کی آیات میں یہ ذکر ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے سرداروں نے آپ کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنائیں اور کہا کہ تم محض اپنی فضیلت چاہتے ہو اور خدا کا پیغام ہم تک پہنچانا محض ایک بہانہ ہے اور پھر یہ کہا کہ اگر خدا چاہتا تو اپنی طرف سے فرشتے نازل فرماتا۔ کجا یہ کہ تمہیں ہم پر پیغمبر بنا کر بھجواتا جو محض ایک انسان ہو، اس سے زیادہ تمہیں کوئی حیثیت (حاصل) نہیں اور پھر یہ بھی کہا کہ انسان ہی نہیں ایک مجنون انسان ہو۔ تمہیں تو جنون ہو چکا ہے، دیوانے ہو گئے ہو۔ پس ہم اس بدانجام کا انتظار کر رہے ہیں جو تمہیں پہنچے گا اس پر حضرت نوحؑ نے یہ دعا کی کہ۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (المومنون: ۲۷) اے میرے رب! میری نصرت فرما، بِمَا كَذَّبُوْنِ بِمَا كَذَّبُوْنِ کا ایک ترجمہ یہ ہے اور یہی حضرت مصلح موعودؓ نے بھی کیا ہے کہ بسبب اس کے جو انہوں نے مجھے جھٹلا دیا اور ایک اور ترجمہ جو اس سیاق وسباق میں برمحل بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ بِمَا كَذَّبُوْنِ میری جن باتوں میں یہ تکذیب کر رہے ہیں ویسی ہی مقابل کی نصرت عطا فرما یعنی جن جن باتوں میں یہ میری تکذیب کرتے ہیں ایسی نصرت فرما کہ ان سب باتوں میں یہ خود جھوٹے ثابت ہو جائیں۔ اس دعا کی قبولیت کا ذکر اگلی آیت میں ملتا ہے اور وہ انہی معنوں میں ہے جن معنوں میں میں یہ ترجمہ کر رہا ہوں۔ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (المومنون: ۲۸) پس اس دعا کے بعد ہم نے نوحؑ پر وحی نازل فرمائی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے، ہمارے دیکھتے میں ایک کشتی بنا اور اس طرح کشتی بنا جس طرح ہم تم پر وحی نازل فرماتے ہیں۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا اور جب ہمارا حکم آ گیا وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور چشموں نے خوب جوش مارنا شروع کیا فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ تو اس وقت ہر قسم کے جاندار جو ضروری ہیں ان کے جوڑے لے لینا اور اپنے اہل کو ساتھ لے لینا سوائے اس کے جن کے خلاف ہمارا فیصلہ گزر چکا ہو۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارہ میں مجھے خطاب نہ کرنا یعنی میرے سامنے دعا نہ کرنا۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ وہ یقیناً غرق کئے جائیں گے۔

پس دراصل انہوں نے حضرت نوحؑ کو نہ صرف جھوٹا اور ریاء کار بتایا بلکہ قوم کا حضرت نوحؑ

کو جو خطاب ہے وہ اس بات پر ختم ہوتا ہے کہ ہم انتظار کر رہے ہیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ عرصے تک تم اپنے بدانجام کو پہنچنے والے ہو۔تو یہ تھا ان کا تکذیب کا ذریعہ اور تکذیب کا جو مدعا تھا وہ یہ تھا کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھوں کے سامنے یہ جھوٹا ثابت ہو اور ہلاک ہو جائے ۔پس چونکہ حضرت نوحؑ نے یہ دعا کی کہ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ اے میرے خدا! میری ویسی ہی نصرت فرما جیسی یہ میری تکذیب کرتے ہیں تو بعینہٖ اس کی قبولیت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی آنکھوں کے سامنے ان کی ہلاکت کی خبر دیدی اور ایسا ہی ہوا۔

پس یہ دعائیں اگر اسی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر کی جائیں جس پس منظر میں قرآن کریم نے ان کا ذکر فرمایا ہے تو ان کے اندر قوت بھی بہت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا مضمون بھی بہت وسیع ہو جاتا ہے اور حالات کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے ۔پس جماعت احمدیہ پر بھی جہاں جہاں ایسے حالات گزرتے ہیں یا آئندہ گزریں گے ، جماعت احمدیہ کو بھی ان دعاؤں سے اسی طرح استفادہ کرنا چاہئے سورۃ المومنون کی آیت ۲۹ اور ۳۰ میں ایک اور دعا کا ذکر ہے جو اسی سلسلے میں ہے فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المومنون:۲۹) پس جب تو اور جو بھی تیرے ساتھ ہوگا کشتی پر سوار ہو جاؤ گے اور اطمینان کے ساتھ محفوظ ہو جاؤ گے فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو پھر یہ کہنا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ تمام حمد، سب تعریف، کامل تعریف محض اللہ ہی کے لئے ہے ۔اَلَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ جس خدا نے ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات بخشی ۔وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا اور پھر یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب مجھے مبارک منزل پہ اتارنا ۔وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (المومنون:۳۰) اور تو سب مہمان نوازوں سے اور اتارنے والوں سے بہتر مہمان نواز اور بہتر اتارنے والا ہے۔

یہ دعا ہجرت کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا ذکر گزر چکا ہے جو آپ کو ہجرت کے متعلق سکھائی گئی تھی ۔یہ دعا حضرت نوحؑ کی دعا ہے کہ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا ہو۔ جہاں میں جاؤں دنیاوی اغراض سے نہ جاؤں بلکہ جو کچھ بھی مجھے ملے تیری طرف سے ملے اور برکتیں عطا ہوں ۔وہ مہاجرین جو آج مختلف ظلم کی جگہوں سے ہجرت کر رہے ہیں یا کل کریں گے یا آئندہ زمانوں میں کریں گے ان کو ہمیشہ یہ دعا پیش نظر رکھنی چاہئے ۔آنحضرت ﷺ والی دعا تو

بہت ہی جامع و مانع دعا ہے اس کے علاوہ یہ دعا بھی خاص حالات پر اطلاق پاتی ہے اور جو مہاجرین یہ دعا نہیں بھی کر سکے ان کو اب یہ دعا اپنی دعاؤں میں شامل کر لینی چاہئے تا کہ ان کی منزل مبارک ہو اور خدا ہی ہے جو ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہو اور ان کی مہمانی کرنے والا ہو۔ اس دعا کے بغیر کسی قوم کو حقیقی میزبانی کا حق عطا نہیں ہوسکتا اور دنیا والے جو میزبانی یا مہمانی کرتے ہیں وہ ایک عارضی سی حیثیت رکھتی ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ پس مختلف علاقوں میں جانے والے احمدی مہاجرین کو ان ہی مسائل کا سامنا ہے۔ بعض قومیں بعض دوسری قوموں کے مقابلے پر زیادہ فراخ دل ہیں لیکن ہر جگہ اس معاملے میں کئی قسم کی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں اور ویسے بھی بہت سے غیور احمدی ایسے ہیں جن کے دلوں پر بوجھ ہے کہ ہم جو غیر قوموں کی مدد پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تک ہمیں کام کی اجازت نہ ملے گویا ان کی خیرات پر پل رہے ہیں ان کے لئے یہ دعا بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر یہ دعا کر کے چلتے تو ان کے دل میں ہمیشہ یہ یقین رہتا کہ میری آؤ بھگت کرنے والا دراصل خدا ہی ہے اور میری دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یہ سامان فرمائے ہیں اور اس طرح وہ کسی قسم کی نفسیاتی الجھن کا شکار نہ ہوتے اور پھر اس مدد کے باوجود بھی جو مشکلات ہیں اور معاملات ہیں بعض دفعہ کئی قسم کی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں بے برکتی بھی ہوتی ہے۔ ان سب کا علاج یہ دعا ہے کہ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا اے میرے رب مجھے ایسی جگہ اتار اور اس طرح مجھ سے سلوک فرما کہ میں برکتوں والی جگہ پر اترنے والا ہوں۔ ایسی برکتیں پانے والا ہوں جو تیرے حضور سے عطا ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو جو دعائیں سکھائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی دعا ہے قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (المومنون: ۹۴، ۹۵) کہ تو کہہ دے اے میرے رب! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تو مجھے اپنی زندگی میں ہی دکھا دے جو تو میرے مخالفوں سے وعدے کرتا ہے یعنی ان سے جو وعید کرتا ہے، ان کو جو انذار فرماتا ہے۔ کیا ہو نہیں سکتا؟ کیا ممکن نہیں۔ التجا کا ایک رنگ ہے۔ کہ میں بھی اپنی آنکھوں سے وہ دیکھ لوں۔ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اور میرے رب! مجھے ظالموں میں شمار نہ فرمانا۔ اس کے معاً بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ہے وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (المومنون: ۹۶) کہ یقیناً ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ ہم ان سے وعید کرتے ہیں تجھے بھی اس میں سے کچھ دکھا دیں۔

اس موقعہ پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی قبول کرنی ہیں ۔ پھر خود ہی دعائیں کیوں سکھاتا ہے ۔اس میں کیا حکمت ہے؟ اور یہ جو طرز مسلسل چل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ایک طرف دعا سکھاتا ہے اور دوسری طرف اس کی قبولیت کا اعلان فرما دیتا ہے ۔اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے دراصل اپنے بچوں سے اپنے تعلقات پر نظر ڈالنی چاہئے ۔وہ پیارے پیارے بچے جن کو ابھی پوری طرح خود شعور نہیں ہوتا ، بہت سی باتیں کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا ۔ والدین جو پہلے سے ہی کچھ دینے پر تیار بیٹھے ہوتے ہیں ۔انہیں پہلے مانگنے کے طریقے بتاتے ہیں اور کئی طرح سے پیار کے رنگ میں ان کو کہتے ہیں کہ تم ہم سے یہ مانگو، اس طرح مانگو اور پھر جیب پہلے ہی بھری ہوتی ہے ۔ ہاتھ مچل رہے ہوتے ہیں کہ ادھر سے وہ مانگے اور ادھر ہم اس کو عطا کر دیں تو یہ پیار کے خاص انداز ہیں ۔ پس انبیاء کو جو دعائیں سکھائی جاتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے محبت کے اظہار کے رنگ ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتے کلیۃً خدا ہی کے ہاتھوں میں پلتے ہیں ۔جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار

(درثمین صفحہ:۱۲۶)

پس ایک طفل شیر خوار کی طرح انبیاء کی کیفیت ہوتی ہے ۔ماں باپ کی گود میں اور ہاتھوں میں کھیلتے اور انہیں سے باتیں سیکھتے ہیں اور وہی باتیں ان کو سکھائی جاتی ہیں جو سکھانے والے کو مقبول نظر ہوں ، اس کو پیاری لگتی ہوں پس اس رنگ میں ہماری تربیت کے بھی سامان ہو گئے جن سے براہ راست خدا کا تکلم نہیں ہوتا اور بعد میں آنیوالی نسلوں پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ باتیں جن کے ہم حقدار نہیں کہ خدا ہمیں براہ راست سکھائے ، اپنے پیارے انبیاء کو سکھا کر، ان کا ذکر محفوظ کر کے ہمیں بھی وہ طریقے بتا دیئے ۔پس آنحضور ﷺ کو آپ کے دشمنوں کا جوانجام دکھانا تھا وہ تو مقدر تھا اس کے فیصلے ہو چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس رنگ میں یہ دعا سکھائی کہ گویا آپ کی طلب پر عطا ہو رہا ہے اور طلب پر عطا ہونے میں اپنی ایک لذت ہے اور پھر معاً بعد بلا توقف یہ اطلاع فرما دی کہ وَاِنَّا عَلٰۤى اَنۡ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمۡ لَقٰدِرُوۡنَ کیوں نہیں میرے بندے ہم ضرور اس

بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ ہم ان کو ڈرا رہے ہیں تجھے بھی وہ دکھا دیں۔ پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جو دشمن پر کامل غلبہ عطا ہوا اور طرح طرح کے معاند آنحضور ﷺ کے غلاموں کے ہاتھوں عبرتناک شکست کھا کر اس دنیا سے اپنے انجام کو سدھارے۔ یہ ساری باتیں اسی دعا کے نتیجے میں تھیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مقدر تو تھا مگر دعا کے تعلق کے ساتھ تقدیر کو باندھ دیا گیا۔ اس سے ہمیں یہ حکمت بھی سمجھ آتی ہے کہ تقدیر اعلیٰ کا دعاؤں سے گہرا رابطہ ہے۔ اور تقدیر کے بنانے میں دعا کام کرتی ہے۔ پس ایک پہلو جب تک تشنہ تکمیل ہو اس وقت تک تقدیر جاری نہیں ہوتی۔ پس اس خوش فہمی میں بیٹھے رہنا کہ فتح بہر حال ہمارے مقدر میں ہے اس لئے ہمیں کچھ کرنے یا کہنے کی ضرورت نہیں یہ غلط ہے۔ یہ مضمون بھی اس طرز کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقدیر اپنی جگہ درست لیکن تقدیر کی طلب اپنی جگہ ضروری ہے جیسا کہ گرمی ہوتی ہے تو مون سون پہنچ جاتی ہے۔ مون سون کا اٹھنا اپنی جگہ اپنے قانون کے مطابق ہے لیکن اس کو طلب کرنے کے لئے کسی خاص علاقے کی خاص گرمی کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ گرمی اگر پوری طرح میسر نہ آئے تو مون سون تو اپنی جگہ اٹھتی ہی ہے لیکن اس علاقے پر بعض دفعہ نہیں برستی۔ پس اس لحاظ سے یعنی یہ مضمون تو بعینہٖ صادق نہیں آتا مگر یہ ایک ملتی جلتی مثال ہے ہمیں اپنی فتح کی دعاؤں سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ اور یہ سمجھ کر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے وعدے فرمائے ہیں کہ آخرین کے دور میں اسلام کو تمام دیگر ادیان پر غلبہ فرماؤں گا اس لئے ہمیں کیا ضرورت ہے اس کے لئے گریہ وزاری کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر اس مضمون پر سب سے زیادہ گہری تھی، اس کے باوجود آپ نے اس قدر بے قراری سے غلبہ اسلام کی دعائیں کی ہیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دعائیں کرتے کرتے آپ کی جان نکل جائے گی۔ چنانچہ آپ کا بہت ہی دردناک اظہار ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنت قائم کر کے ہمیں بتا دیا کہ انبیاء اور صلحاء اور اخیار کا یہی مقام ہے اور یہی ان کو زیب دیتا ہے کہ خدا کے وعدوں کے باوجود اس کی طلب میں اپنی جان کھونے کی کوشش کریں اور بہت ہی گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فضل مانگتے رہیں۔ پھر یہاں جو فرمایا گیا کہ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (المومنون: ۹۵) یہاں الظّٰلِمِيْنَ کا کیا معنی ہے اور فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ سے کیا مراد ہو سکتی ہے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا کر رہے

ہوں کہ جن ظالموں کو تو نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جن کے متعلق میں عرض کر رہا ہوں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے دکھا دے کہ تیرے وعدے پورے ہوئے ہمیں ان میں نہ شامل فرما دے۔ یہ تو ایک بالکل بے تکی اور بے جوڑ بات بن جائے گی۔ پس ظالمین کے استعمال کے متعلق قرآن کریم پر نظر ڈالنی چاہئے کہ کن کن معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک دعا اس سے پہلے گزری ہے جس میں حضرت یونسؑ نے یہ عرض کی تھی کہ اے خدا! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اگر تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا اور میری بخشش نہ فرمائے گا تو میں ظالمین میں سے ہو جاؤں گا۔ وہاں ظالمین کے معنی یہ ہیں کہ تیری بخشش اور اعتراض کرنے والا، تیری بخشش پر تلخی محسوس کرنے والا، تو نے گنہگاروں سے جو حسن سلوک فرمایا اور نرمی فرمائی اور عفو سے کام لیا اس پر میرے دل میں ایک ہلکا سا میل آ گیا۔ یہ ظلم ہے تو اس دعا کے تعلق میں جب آنحضورﷺ فرماتے ہیں کہ اے میرے رب ہمیں ظالموں میں نہ داخل فرما دینا تو اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں بن سکتا کہ ہمیں ان لوگوں میں نہ داخل فرما دینا جن کے بدانجام دیکھنے کی ہم تمنا کر رہے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر تیری تقدیر یہ ہو کہ ہم آنکھوں سے نہ دیکھیں اگر تیرا یہی فیصلہ ہو کہ ہماری زندگیاں ختم ہو جائیں اور یہ قوم اسی طرح دندناتی پھرتی رہے اور ظلم کرتی رہے اور ان کا بدانجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں تو ہمارے دلوں پر سکینت نازل فرمانا ہمارے دلوں پر صبر نازل فرمانا اور ہم تیری رضا پر راضی رہنے والے ہوں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اس سے پہلے جب تو نے اس کے دشمنوں سے بخشش کا سلوک فرمایا تو دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کی۔

پھر سورۃ المومنوں ہی میں آیات ۹۸ اور ۹۹ میں آنحضورﷺ کو ایک دعا سکھائی گئی۔ وہ یہ ہے: وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (المومنون: ۹۹،۹۸) کہ اے میرے بندے! تو مجھ سے یہ کر مجھ سے یہ دعا کر کہ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ اے میرے رب! میں تیرے سرکش بندوں کے وساوس اور ان کے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ اور میں تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ مجھ تک پہنچ سکیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: اور تو کہہ دے اے میرے رب! میں سرکش لوگوں کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

هَمَزٰتِ کا اول ترجمہ وساوس ہیں اور کئی قسم کے برے خیالات ہیں: اور دراصل شیاطین کی شرارتوں سے ان کا گہرا تعلق ہے اسی لئے حضرت مصلح موعودؓ نے اس موقعہ پر اس کا ترجمہ شرارتیں کر دیا۔ ایسے دور جن میں مخالفین کو خاص طور پر غلبہ نصیب ہو اور وہ مومنوں سے جس طرح چاہیں سلوک کریں، اسی دور میں ان شرارتوں کے نتیجے میں وساوس پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنے موقف سے مومنین کو ہٹانے کے لئے طرح طرح کے وسوسے پھیلائے جاتے ہیں کہ دیکھو اگر تمہارا خدا ہوتا، اگر تم سچے ہوتے جس پر تم ایمان لائے ہو اگر وہ واقعی خدا نے بھیجا ہوتا تو آج تم کیوں بے سہارا چھوڑے جاتے، کیوں تم آج ہمارے رحم و کرم پر ڈالے گئے۔ پس شرارتوں کے ساتھ وساوس کا گہرا تعلق ہے اور ہم نے گزشتہ ابتلاء کے دور میں پاکستان میں (جو ابھی بھی جاری ہے) خاص طور پر یہ دیکھا ہے کہ پہلے احمدیوں کو ظلموں کا نشانہ بتایا جاتا ہے، طرح طرح کی شرارتیں کی جاتی ہیں اور پھر خود ظلم کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو ہم تو تم پر ظلم کر رہے ہیں اور ہمارا کچھ نہیں ہو رہا اس لئے ہم سچے ہیں تم جھوٹے ہو اور بعض نادان اور جاہل کچھ ظلموں سے تنگ آ کر کچھ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس دلیل کو مان جاتے ہیں حالانکہ شیطان اور ظلم کرنے والا سچا ہو ہی نہیں سکتا۔ جو شخص ظلم سے کام لے رہا ہے اس ظلم کے نتیجے میں اس کی سچائی کیسے ثابت ہوگئی۔ ظالم تو بہر حال جھوٹا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس کا ذکر شیاطین کے طور پر فرمایا ہے کہ یہ عجیب باغی اور شیطان لوگ ہیں۔ ایک طرف مومنوں کو دکھ دیتے ہیں اور پھر انہی دکھوں کو ان کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ دعا کر کہ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ میں شیاطین کے ہر قسم کے شر اور ان شرور کے نتیجے میں پیدا ہونے والے وساوس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ بلکہ میں تو یہ پناہ مانگتا ہوں کہ ہم تک ان کی رسائی ہی نہ ہو۔ نہ وہ ہم تک پہنچ سکیں نہ ان کے وساوس اور ان کے شر ہمیں چھوئیں۔

ایک دعا سورۃ المومنون آیت ۱۱۰ میں درج ہے۔ یہ خدا کے ان نیک بندوں کی دعا ہے جو دوزخیوں کے مقابل پر جب وہ ان سے تمسخر کیا کرتے تھے تو وہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ (المومنون: ۱۱۰) میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوئے ان سے تمسخر کا سلوک ہوا تو وہ یہ کہا کرتے تھے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا اے ہمارے رب! ہم تو ایمان لے آئے ہیں اس لئے ہم سے بخشش کا سلوک فرما وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المومنون:۱۱۰) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔اس کے معاً بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا (المومنون:۱۱۱) وہ یہ دعائیں کرتے تھے۔ یہ التجائیں کرتے تھے اور اس کے باوجود تم انہیں مذاق کا نشانہ بنالیتے تھے حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ (المومنون:۱۱۱) یہاں تک کہ تم میرے ذکر کو بھلا بیٹھے وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ اور تم ان سے مسلسل مذاق کرتے رہے۔ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (المومنون:۱۱۲) کہ آج کے دن جو جزاء سزا کا دن ہے میں اپنے ان مومن بندوں کو جو تمہارے ظلموں کے مقابل پر صبر کیا کرتے تھے جزاء کی خوشخبری دیتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کہ یہی وہ لوگ ہیں جو نجات یافتہ ہیں اور نیک انجام کو پہنچنے والے ہیں۔

پھر سورۃ المومنون کی ۱۱۹ ویں آیت میں ایک اور دعا آنحضورﷺ کو سکھائی گئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المومنون:۱۱۹) کہ اے میرے رب! تو مجھ سے مغفرت کا سلوک فرما، وَارْحَمْ اور رحم کا سلوک فرما۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ تجھ سے بڑھ کر اور کوئی رحم کرنے والا نہیں۔سورۃ الفرقان آیات ۶۶۔۶۷ میں اللہ تعالیٰ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی دعا بیان فرماتا ہے عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کا تذکرہ چل رہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ بندے ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں۔ جب جاہل ان کو مخاطب ہوتے ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں تو وہ جواباً یہ کہتے ہیں وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان:۶۴) اور پھر اپنے رب کے حضور راتیں سجدوں اور قیام میں گزار دیتے ہیں۔ان کے متعلق فرمایا کہ وہ کیا دعائیں کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۞ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۞ (الفرقان:۶۶،۶۷) وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب ٹال دے اس وجہ سے وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک طرف دشمن کا عذاب ہے اور اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔فرعون کے وقت میں جن ساحروں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے بھی یہی ذکر کیا تھا کہ ہم تو خدا سے زیادہ

ڈرتے ہیں کسی سے نہیں ڈرتے تو ہم پر جو چاہے عذاب نازل کر ہم نے تو صداقت کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اس لئے اب ہم اس صداقت سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ پس دنیا کے عذاب اور دنیا کی طعن وتشنیع اور دنیا کے تمسخر کے نتیجے میں ایک طرف انسانوں کا خوف پیدا ہوتا ہے اس خوف سے صرف خدا کا خوف انسان کو بچاسکتا ہے اگر وہ دل پر غالب ہو۔ پس ان دوخوفوں کے درمیان **عبادالرحمن** کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کا ذکر چل رہا ہے، فرمایا ان کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ راتوں کو اٹھتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ خدا کے حضور کھڑے ہوجاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اے اللہ ہمیں عذاب جہنم کا زیادہ خوف ہے اس لئے اس عذاب کو ہم سے ٹال سے۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٦﴾ کیونکہ جہنم کا عذاب جو ہے وہ تو بہت بڑی تباہی ہے دنیا کے عذاب تو اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا کہ وہ عارضی طور پر بھی بہت برا ہے اور مستقل ٹھکانے کے طور پر تو بدتر ہے۔ عارضی طور پر کہہ کر دراصل دنیا کے عذاب کی طرف اشارہ فرمادیا اور بتایا کہ جس عذاب سے تم بھاگتے ہو وہ تو عارضی ہے اور جس عذاب کی طرف تم اس کے نتیجے میں جاسکتے ہو وہ ایک مستقل عذاب ہے لیکن عارضی حیثیت سے بھی دنیا کے عذاب کے مقابل پر آخرت کا عذاب بہت زیادہ سخت ہوگا یعنی اگر محض عارضی بھی ہوتب بھی دنیا کیعارضی عذاب کو وہ آخرت کے عذاب پر ترجیح دے دیتے ہیں یعنی (آخرت) کے اس عذاب کو قبول نہیں کرتے اور دنیا کے عذاب کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ پس اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا اس کے یہ معنی ہیں کہ اے خدا! ہمیں تو تیرے عذاب سے اتنا ڈر لگتا ہے کہ ہم تجھ سے ہی پناہ مانگتے ہیں وہ عذاب جو تیری طرف سے آئے اگر تھوڑا بھی ہوتو وہ بہت زیادہ تباہ کن ہوتا ہے اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

پھر یہی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان: ۷۵) کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی جناب سے اپنے ازواج کی طرف سے وَذُرِّيّٰتِنَا اور اپنی اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض لوگ

ازواج سے مراد صرف بیویوں کو لیتے ہیں اور تفسیر صغیر میں بھی یہی ترجمہ ہے کہ ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ یہ ترجمہ کرنے کی وجہ غالباً یہ بنی کہ شروع میں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مردوں سے متعلق بات ہورہی ہے۔ عبادالرحمٰن خدا کے بندے اور وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ میں بھی مردوں کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں لیکن درحقیقت خدا تعالیٰ نے جہاں مردوں کے صیغے میں بات کی ہے وہاں مومن عورتیں شامل ہیں اور ان کو اس خطاب سے نکالنے کا ہمیں کوئی حق نہیں کیونکہ یہ نہ صرف عربی طرز کلام ہے بلکہ دنیا کی دوسری قوموں میں بھی جب ہم بنی نوع انسان کا ذکر کرتے ہیں تو بسا اوقات مردوں کے صیغے میں بات ہورہی ہوتی ہے اور مردوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ بڑے اور چھوٹے سب اس میں شامل ہوتے ہیں تو طرز کلام یہ ہے جو آسان ہے کہ ایک ہی صیغے کا ذکر ہو جائے اور اس میں جنس کی ہر قسم کے ہر نوع کے افراد اس جنس میں شامل ہو جائیں۔

پس وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا میں مردوں ہی کو صرف دعا نہیں سکھائی گئی، عورتوں کو بھی دعا سکھائی گئی ہے اور ان کو اسی طرح دعا کرنی چاہئے کہ هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا کیونکہ زوج کا مطلب بیوی نہیں ہے۔ زوج کا لفظ میاں اور بیوی دونوں پر برابر اطلاق پاتا ہے اس لئے عورتوں کو اس دعا کو تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں وہ اس مضمون میں شامل ہیں اور دعا کے اندر ایسے بھی زوج کے تحت ان کے خاوند شامل ہو جاتے ہیں۔ پس اب اس دعا کا معنی یہ ہوگا کہ اے خدا! ہمیں زندگیوں کے ساتھیوں سے خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں، آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔ ایسی نسل پیچھے چھوڑنے کی ہمیں توفیق عطا فرما جو تیری نظر میں متقی ہوں۔

یہ دعا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے گھروں کے ماحول سدھر سکتے ہیں۔ جو خطوط مجھے ملتے ہیں، بلا استثناء ان میں روزانہ کچھ خطوط ضرور ایسے ہوتے ہیں جن میں گھریلو زندگی کی ناچاقیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عذاب کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے خطوط بعض دفعہ بچوں کی طرف سے بھی ملتے ہیں۔ بچے لکھتے ہیں ہمارے ماں باپ کی آپس میں ناچاقیاں ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے

خلاف گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔گھر جہنم بنا ہوا ہے اور ہم جو بہن بھائی ہیں یوں لگتا ہے کہ بے سہارا ہیں اور ہمارے سر پر کوئی چھت نہیں ہے۔اس صورتحال سے ہم بہت ہی تنگ ہیں اور مشکل یہ ہے کہ ہم کسی کی طرفداری کر نہیں سکتے۔اگر کسی کو سچا سمجھیں بھی تب بھی ہم کسی ایک کی طرف داری نہیں کر سکتے۔پھر بیویوں کے خط آتے ہیں۔خاوندوں کے خط آتے ہیں۔اس کے برعکس بعض خط بہت ہی پیارے ملتے ہیں جس میں ایک بہو اپنی ساس کی، اپنے خسر، اپنے خاوند کی، اپنے سارے ماحول کی تعریف کر رہی ہوتی ہے۔ان کے لئے دعاؤں کے لئے لکھ رہی ہوتی ہے۔کہتی ہے میں تو ایک جنت نشان گھر میں آ گئی ہوں۔اس طرح یہ لوگ میرا خیال کرتے ہیں،اس طرح مجھے پیار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جن کو اعلیٰ خلق عطا ہوں امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے گھر جنت نشان ہی بنتے ہیں۔اخلاق کی کمی کے نتیجے میں یہ دنیا ہمارے لئے جہنم بن سکتی ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ اگر اخلاق گھروں کو جہنم بنا سکتے ہیں تو یہی اخلاق قوموں کو بھی جہنم میں دھکیل دیتے ہیں یہی اخلاق بنی نوع انسان کے لئے جہنم پیدا کر دیتے ہیں۔پس اخلاق کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اعلیٰ خلق کے نتیجے میں صرف ہمارے گھر ہی جنت نشان نہیں بن سکتے بلکہ ہماری گلیاں، ہمارے شہر، ہمارے وطن اور اس کے بعد پھر ساری دنیا کے لئے تمام سطح ارض جنت بن سکتی ہے لیکن اس کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔**میں نے پہلے بھی بارہا احباب جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ اس دعا سے غیر معمولی استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔کیونکہ یہ پھر آگے اولاد پر بھی ممتد ہو جاتی ہے اور اولاد پر بھی اس کا فیض جاری ہوتا ہے کیونکہ اس دعا میں یہ سکھایا گیا ہے مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا اور ذریت میں صرف پہلی نسل مراد نہیں ہے بلکہ بعد میں آنے والی نسلوں کا سلسلہ اس کے اندر آ جاتا ہے۔قیامت تک کے لئے انسان اپنی اولاد کے لئے جو دعائیں کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس سے بہتر دعا نہیں ہو سکتی کہ اے خدا! ہماری اولاد کو، اولاد در اولاد کو، سلسلہ اولاد کو ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنانا اور وہ ٹھنڈک ان معنوں میں ہو کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔غیر متقی کا امام نہ بنانا، یہ بہت ہی کامل ہے دعا اور قیامت تک اثر پیدا کرنے والی ہے اور پھر یہ بھی ہمیں توجہ دلائی ہے کہ اگر تم نے اپنے لئے اس دنیا میں جنت پیدا کر لی اور تمہاری اولاد کو یہ توفیق نہ ملے کہ وہ متقی ہو تو تم نے جو کچھ حاصل کیا تھا عملاً اس کو کھو بیٹھو گے تمہارا سارا سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔تمہاری ساری**

محنتوں کا پھل جاتا رہے گا اس لئے صرف اپنے لئے فکر نہ کیا کرو، اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کی بھی فکر کیا کرو۔

اس مضمون پر غور کر کے اگر آپ یہ دعا کریں تو آپ کے گھر کے ماحول کا ایک بہت ہی دلکش نقشہ آنکھوں کے سامنے اُبھرتا ہے۔ بعض میاں بیوی ایک دوسرے سے راضی ہوتے ہیں مگر اُن کے آپس میں راضی ہونے کی بناء تقویٰ نہیں ہوتی۔ ایسے میاں بیوی بھی تو ایک دوسرے سے راضی ہوتے ہیں جن کے گھر میں Disco چل رہا ہے۔ گانے بجانے ہو رہے ہیں کئی قسم کی بیہودگیاں ہو رہی ہیں۔ بظاہر وہ گھر جنت ہے لیکن اس دعا کے آخری حصے نے بتا دیا کہ وہ جنت محض ایک فرضی اور خیالی جنت ہے اور عارضی حیثیت کی ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی اولادیں پھر متقی نہیں بن سکتیں ایسے لوگوں کی آنے والی نسلیں ان کے لئے حقیقی معنوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان مہیا نہیں کر سکتیں۔ تو وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا نے صرف مستقبل کی بات نہیں کی بلکہ اس زمانے میں جو ہمیں نصیب ہوا ہے ہمارے گھروں کا ایسا نقشہ بھی کھینچ دیا جسمیں تقویٰ کی باتیں ہوں اگر تقویٰ کی باتیں نہ ہوں تو اگلی نسل کو تقویٰ کہاں سے نصیب ہو جائے گا۔ پس آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جس کا تقویٰ سے گہرا تعلق ہو اس کے لئے دعا سکھائی گئی ہے اور اس دعا سے غفلت کے نتیجے میں میں سمجھتا ہوں بہت سے گھر بے وجہ مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔ سنجیدگی سے ہر وہ خاوند اور ہر وہ بیوی جو اپنے لئے یہ دعا کرتی ہے ان کو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس دعا کے نتیجے میں ان کے گھر کے نقشے بدل جائیں گے اور ساری جماعت کا معاشرہ اتنا پاکیزہ ہو جائے گا اور اتنا بلند ہو جائے گا کہ واقعی اس بات کا مستحق ہوگا کہ بنی نوع انسان کی راہنمائی کر سکے اور ہم ساری دنیا کو جنت دینے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ احباب جماعت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سورۃ الشعراء آیات ۸۴ تا ۹۰ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ وہ دعا یہ ہے کہ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور مجھے صالحین میں شامل فرما دے۔ یہاں حکم کا معنی حکومت نہیں۔ حکومت بھی ہو سکتا ہے، مگر صحیح تعلیم مراد ہے۔ فیصلہ کن صحیح تعلیم۔ ایسی صحیح تعلیم جو بین ہو، جو روشن ہو، جس میں بد تعلیم سے نمایاں فرق شامل ہو۔ ہر ایسی تعلیم کو ہم حکم کہہ سکتے ہیں۔ پس اپنے رب سے یہ عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا اے خدا!

مجھے کھلی کھلی روشن، امتیازی ہدایت عطا فرما۔ وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ اور مجھے صالحین میں شمار فرمالے صالحین کے ساتھ میرا تعلق قائم فرمادے ۔ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ اور بعد میں آنے والوں کی زبان پر میرا ذکر سچائی کے ساتھ چلے۔

یہ دعا بہت ہی معنی خیز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جتنی گہری اور جتنی بلند صفات سے نوازا تھا اور جس طرح آپ کے ذہن میں باریک در باریک مضامین نازل فرمائے جاتے تھے ان کا اظہار آپ کی دعاؤں سے ہوتا ہے۔ اپنی دعاؤں کے آئینے میں ہمیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل دکھائی دینے لگتا ہے، آپ کی طرز فکر دکھائی دینے لگتی ہے۔ عام طور پر لوگ آئندہ زمانوں میں اپنی شہرت چاہتے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے جتنے ہیرو Hero ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ان کا ذکر چلتا ہے اور بلند ہوتا رہتا ہے اور اس میں کئی قسم کے فرضی قصے بھی داخل ہونے لگ جاتے ہیں۔ پس جس کو ہم Legendary Figures کہتے ہیں وہ انسان جو اپنے اپنے وقتوں میں ہیرو شمار ہوئے بہت بلند مقام تک پہنچے وہ بالآخر Legend بن جاتے ہیں اور ان کے متعلق قصے کہانیاں، افسانے مشہور ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کے حقیقی وجود سے بہت بڑھ کر ان کی طرف اعلیٰ صلاحیتیں منسوب ہونے لگتی ہیں اسی کے نتیجے میں بہت سے انبیاء کو خدا یا خدا کا بیٹا یا اس کا قریبی بتا دیا گیا اور یہ وہ طبعی رجحان ہے جس نے سلسلہ ہائے مذاہب کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

دیکھیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کی قوم نے کیا سلوک کیا ہے۔ اسی طرح حضرت کرشنؑ کے ساتھ حضرت رامچند رجی کے ساتھ اور بہت سے بزرگ انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کو وقت کے گزرنے کے ساتھ بہت بڑے مقامات اور مرتبے عطا کئے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلند مرتبہ نہیں مانگ رہے۔ آنے والی نسلوں سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ آپ کی حمد و ثناء میں مصروف رہیں اور آپ کی تعریف میں بڑے بڑے قصیدے کہیں۔ کیسی عمدہ دعا ہے: وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ اے میرے رب میرے متعلق تو آئندہ جو بات بھی ہو سچی ہو۔ اس میں جھوٹ کی ادنیٰ سی ملونی بھی نہ ہو۔ اب آپ دیکھیں کہ کس شان کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں خدا تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا ہے۔ کتنا بلند مرتبہ آپ کو عطا کیا گیا۔ ابوالانبیاء کہلائے اور آج

کی دنیا کے مذاہب کے سلسلوں میں سے تین سب سے قوی سلسلے آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہود بھی آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں، عیسائی بھی آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور مسلمان بھی آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہ وہ تین قومیں ہیں جو درحقیقت اپنی طاقت کے لحاظ سے تمام دنیا پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات کے بارے میں کبھی کوئی مبالغہ نہیں کیا گیا۔ ہزاروں سال گزر گئے ہیں۔ کسی نے آپ کے متعلق فرضی قصے نہیں بنائے۔ کوئی ایک بھی فرضی خیالی قصہ آپ کی طرف منسوب نہیں ہوا۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ سچی دعاؤں میں جو دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہیں کتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ دل سے سچ کی یہ پکار تھی کہ اے خدا ہمیشہ میری تعریف سچی رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو سچا کر دکھایا۔

اسی دعا کے مطالعہ سے مجھے درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی حکمت سمجھ آئی اور بھی بہت سے انبیاء گزرے ہیں ان کا بھی ذکر خیر درود میں چل سکتا تھا لیکن صرف حضرت ابراہیمؑ کو یہ اعزاز دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کو یہ درود سکھائیں: **اللھم صلی علی محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید** ”مجید۔ اس درود سے یہ بھی سمجھ آ گئی کہ لسان صدق کا اس درود کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے۔ اس دعا کو اس درود کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو کما کی دعا سکھا کر حضرت ابرہیمؑ کی دعاؤں کے ساتھ اپنی امت کو باندھ دیا اور گویا اپنے متعلق بھی یہ دعا کر دی کہ اے خدا جس طرح ابراہیمؑ پر تو نے سلامتی بھیجی اور اس زمانے میں بھی آپ کو سلامتی عطا ہوئی اور آئندہ آنے والی نسلوں میں، آئندہ آنیوالے زمانوں میں بھی ہمیشہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مس شیطان سے پاک رکھا اور لغو اور جھوٹے قصوں سے آپ کو بچایا۔ اے خدا اسی طرح میری بھی حفاظت فرما اور میری امت کی بھی حفاظت فرما۔ بہر حال ایک مضمون نہیں یہ تو بہت ہی وسیع مضامین ہیں کما کے تعلق میں یہ باتیں پھر انشاء اللہ کبھی توفیق ملی تو میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ بہت سے احمدی یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ کما جو کہہ دیا گیا تو اس میں کیا برابری مقصود ہے؟

لیکن برابری مقصود نہیں ، کچھ اور مضامین بھی ہیں۔ایک تعلق بہر حال درود شریف کا اس آیت میں مذکور دعا سے ہے۔وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الشعراء:۸۵) کہ اے خدا! آخرین میں میرا ذکر خیر ، سچائی کا ذکر جاری ہے اور چونکہ آخرین کا زمانہ آنحضرت ﷺ کو عطا ہونا تھا کیونکہ قیامت تک کے لئے آخرین کا دور آپ کا دور تھا اس لئے اگر آپ کی امت میں آپ کا ذکر خیر سچائی کے ساتھ جاری نہ رہتا تو یہ دعا قبولیت کا سب سے بڑا ثبوت وہ وہ درود ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (الشعرہ:۸۶) اور اے اللہ! مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔ جنت تو خود ہی نعمت ہے۔ پھر یہ کیا مطلب کہ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ تو حقیقت یہ ہے کہ جنت کے بھی مختلف درجے ہیں ۔ایک جنت نعیم ہے۔ جَنَّةِ النَّعِيْمِ کے معنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وہ جنت ہے جس میں انبیاء شامل ہوتے ہیں کیونکہ ویسے تو سب نعمتوں والے خواہ وہ صالح ہوں ۔خواہ شہید ہوں ،خواہ صدیق ہوں یا نبی ہوں جنت میں جائیں گے اوران معنوں میں ہر جنت جَنَّةِ النَّعِيْمِ کہلاسکتی ہے مگر النَّعِيْمِ کے اندر ایک اور معنی پیدا کر دیتا ہے یعنی وہ جنت جوان لوگوں کی جنت ہے جن کو کامل نعمت عطا ہوئی اور کامل نعمت انبیاء کو عطا ہوتی ہے پس ہرگز بعید نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان معنوں میں یہ دعا کی ہو کہ مجھے جنت میں بھی انبیاء کے زمرے میں رکھنا اور وہ جنت عطا کرنا جس میں کامل طور پر تجھ سے انعام یافتہ لوگ شامل ہوں۔ پس آپ دیکھیں کہ اس دعا کا سورۃ فاتحہ کی اس دعا سے کتنا گہرا رابطہ ہے کہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پس منعم علیہ میں شامل ہونا ہے تو منعم علیہ گروہ کی وہ ساری دعائیں پیش نظر رہنی چاہئیں جو ہماری زندگی کے مختلف حالات پر اطلاق پاتی چلی جاتی ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں ۔ وَاغْفِرْ لِاَبِيْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (الشعرہ:۸۷) کہ اے میرے رب ! میرے باپ کو بھی بخش دینا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ گمراہ تھا اس کے باوجود تجھ سے یہ عرض کر رہا ہوں ۔اس کے متعلق یہ ذکر گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چونکہ آزر سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ میں تیرے لئے ضرور دعا کروں گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور خاص یہ اجازت فرمائی کہ وہ اپنے اس وعدے کو پورا

کریں لیکن آخر پر خدا نے ایک وقت پر آپ پر یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ صرف گمراہ نہیں تھا بلکہ میرا دشمن تھا اور یہ بتانا ہی کافی تھا۔اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے کبھی دعا نہ کی۔ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (الشعرہ:۸۸) اور جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا اس دن مجھے رسوا نہ کرنا۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (الشعرہ:۸۹) جب کہ انسان کے کام نہ اس کے مال آئیں گے نہ اس کے بچے اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعرہ:۹۰) ایک ہی بات کام آئے گی کہ خدا کے حضور کوئی صاف دل لے کر حاضر ہو۔ پاک دل لے کر حاضر ہو۔ ایسا دل لے کر حاضر ہو جو خدا کے حضور جھکا رہنے والا ہو اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر بیٹھا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی حالت میں اس دنیا سے بلائے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہمارے حق میں بھی یہ گواہی دے کہ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ہم ان لوگوں میں شمار ہوں جو ایک سلیم دل لے کر اپنے خدا کے حضور واپس لوٹنے والے ہوں۔ آمین

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کا حقیقی مفہوم

حضرت مریم، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی دعاؤں کا تفصیلی ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

انعام یافتہ خدا کے پاک بندوں کی وہ دعائیں جو قرآن کریم میں محفوظ ہیں ان کے ذکر میں کچھ ایسی دعائیں نظر سے رہ گئی تھیں جو اس سے پہلے گزر چکی ہیں جہاں تک میں پہنچا ہوں ، اور اب جب دوبارہ تحقیق کرائی گئی کہ کہیں کوئی ایسی دعا نظر سے رہ تو نہیں گئی تو چند دعائیں سامنے آئی ہیں اس لئے اب میں وہ دعائیں پہلے آپ کے سامنے پیش کروں گا اس کے بعد جہاں سلسلہ مضمون چھوڑا تھا وہاں سے شروع کروں گا۔

سب سے پہلی دعا جو روزمرہ عام طور پر مسلمانوں کے استعمال میں رہتی ہے خواہ وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ (البقرہ:۱۵۷) ہے غالباً یہ اس لئے نظر سے رہ گئی تھی کہ اس میں بظاہر دعا کا رنگ نہیں ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ مگر جو موقعہ ہے جہاں یہ استعمال ہوتی ہے وہ نقصان کا موقعہ ہے اور اس دعا کے نتیجہ میں بسا اوقات انسان کی گمشدہ چیزیں مل جاتی ہیں اور بہت سے نقصان

پورے ہو جاتے ہیں۔قرآن کریم نے یہ دعا نقصانات کے ذکر ہی میں بیان فرمائی اور فرمایا کہ میرے مومن بندے ایسے ہیں جب ان کو کوئی قسم کے مالی، جانی، پھلوں وغیرہ کے نقصانات پہنچتے ہیں۔مصیبتوں میں وہ آزمائے جاتے ہیں تو ان کا یہ قول ہوتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ یہ ایک بہت ہی مؤثر دعا ہے۔ میں نے ایک دفعہ خطبہ میں اس کا ذکر بھی کیا تھا کہ بعض بچوں پر میں نے اس کو آزما کر دیکھا اور انہوں نے جب توجہ سے بہت چھوٹی عمر میں بطور دعا اس کو پڑھنا شروع کیا تو بسا اوقات ان کی گمشدہ چیزیں حیرت انگیز طور پر ملتی تھیں اور ان تجارب کا بہت گہرا نقش ان کے دل ودماغ پر جم گیا اور ہمیشہ کے لئے ان کی دعا کی طرف توجہ ہوگئی۔لیکن یہ ایک ایسی دعا ہے جس میں کوئی چیز ملے یا نہ ملے دعا اپنی ظاہری صورت میں مقبول ہو یا نہ ہو دعا وہ فائدہ پہنچا جاتی ہے جو نقصان کو پورا کرنے والا فائدہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس میں توجہ یہ دلائی گئی ہے کہ جو کچھ ہم نے کھویا ہے درحقیقت یہ ہمارا نہیں تھا تقدیر کا تھا۔ ہر چیز جو کائنات میں پیدا ہوئی ہے وہ خدا ہی نے پیدا فرمائی ہے۔اصل میں ملکیت اس کی ہے یہاں تک کہ ہم بھی تو اس کے ہیں۔ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور ہم نے بالآخر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔پس تھوڑی سی چیز کے گم جانے کا کیا غم کرنا۔اس عارضی نقصان پر رونے دھونے کا کیا فائدہ۔ہم بھی تو ہمیشہ یہاں نہیں رہیں گے۔ یہ دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور یہ غم بھی عارضی ہے کیونکہ بالآخر ہر چیز خدا ہی کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہم اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔

یہ دعا بہت ہی گہری ہے اور دعا کا رنگ اس میں اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خدا مالک ہے اور چونکہ وہ مالک ہے اس لئے ہر چیز بالآخر اس کی طرف لوٹے گی۔تو ایک قسم کی خاموش دعا کا رنگ یہ بنتا ہے کہ اے خدا! تو نے ہمیں عارضی ملکیت دی تھی تو جو مستقل مالک ہے۔سب چیزیں تیری طرف لوٹتی ہیں۔تو ہماری عارضی ملکیت بھی ہماری طرف لوٹا دے۔ یہ ایک خاموش دعا کا وہ رنگ ہے جو اس مضمون میں داخل ہے۔ چنانچہ اگر آپ اس کو سمجھ کر اور غور سے اور عاجزی سے یہ دعا کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بسا اوقات اس دعا کے نتیجہ میں حیرت انگیز طور پر نہ صرف نقصان پورے ہو جاتے ہیں بلکہ ان سے بہت بڑھ کر عطا کیا جاتا ہے۔وہ جماعت کے مخلصین جنہوں نے مختلف

ابتلاؤں میں بسا اوقات اپنا سب کچھ کھودیا۔ جو کچھ تھا ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔گھر لوٹ لئے گئے۔دکانیں جلادی گئیں اور جو کچھ سرمایہ تھا وہ لوگ جنہوں نے قرضے دینے تھے لے بھاگے۔تجارتوں میں اکثر ایسے قرضے ہوتے ہیں جن کے آنے جانے کے ساتھ تجارت چلتی ہے اورانہوں نے صبر کا نمونہ دکھایا اور یہی کہا کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اوراس کے نتیجہ میں ایک ایک کی جگہ دس دس دکانیں بنیں۔ جہاں چند دکانیں احمدیوں کی جلائی گئی تھیں، وہاں بازار احمدیوں کے ہو گئے۔ایک مکان تھا تو پھر مختلف بچوں کے لئے الگ الگ مکان بنانے کی توفیق ملی۔

پس یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کے پیچھے جماعت احمدیہ کی سوسالہ تاریخ آج کے زمانہ میں گواہ کھڑی ہے اور اس سے پہلے امت محمدیہؐ کی تمام تاریخ مختلف ممالک میں اس بات پر گواہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی مؤثر دعا ہے۔پھر عجز سکھاتی ہے اور بظاہر کچھ بھی نہ ملے تو ایک عظیم الشان چیز ملنے کی بشارت دیتی ہے۔وہ لوگ جو عجز کے ساتھ دنیا سے تعلق رکھنے کی بجائے خدا سے تعلق رکھتے ہیں دنیا سے راضی ہونے کی بجائے خدا سے راضی رہتے ہیں ان کے لئے اس میں یہ خوشخبری ہے کہ تم خدا کی کھوئی ہوئی چیز خدا کو مل جاؤ گے۔سب سے بڑی دولت جو دنیا میں ممکن ہے اور سوچی جاسکتی ہے یا دنیا میں کیا دنیا مافیہا اور آخرت، ہر لحاظ سے انسان کے ادراک میں جو چیز سب سے زیادہ قیمتی آسکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔تو فرمایا تم تھوڑا سا کھونے کے نتیجہ میں کیوں غم کر رہے ہو۔تم اپنے رب کو پالو گے۔اور یہ جو مضمون ہے اس میں مومنوں کے لئے خصوصیت سے اس لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اگر چہ ہر چیز لوٹے گی لیکن قرآن کریم فرق کر کے دکھاتا ہے۔قرآن کریم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو خدا کے بندے ہیں جن کی روح خدا کی طرف ہمیشہ لوٹتی رہتی ہے،جن کا تصور خدا کی طرف لوٹتا رہتا ہے اصل رجوع ان کا ہوگا اور جو دنیا کے بندے ہیں۔وہ خدا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔یہ مضمون قرآن کریم کی ایک الگ آیت میں واضح طور پر بیان فرمادیا گیا۔بظاہر ان دو باتوں میں تضاد ہے بظاہر ایک آیت یہ کہتی ہے کہ ہر چیز کائنات کی بالآخر خدا کی طرف لوٹائی جائے گی اور قرآن کریم کی بعض دوسری جگہوں پر اس مضمون کو کھول کر بیان فرماتا ہے کہ بالآخر ساری کائنات کی صف لپیٹ دی جائے گی اور کچھ بھی نہیں رہے گا۔جو کچھ تھا وہ پھر عدم ہو جائے گا صرف خدا کی ذات باقی رہے گی۔تو زندگی ہو یا بے جان چیزیں، ہر چیز اس کی طرف لوٹنے والی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ خدا کے وہ بندے جو متکبر ہیں، جو دنیا میں کھوئے جاتے ہیں ان کا رجوع نہیں ہوگا ۔وہ خدا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔ان دو باتوں میں تضاد نہیں ہے۔معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کو پائیں گے نہیں۔اندھے لوٹائے جائیں گے،لوٹیں گے مگر دیکھیں گے کچھ نہیں۔ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا پس یہاں ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو کچھ کھوتے ہیں اور صبر کرتے ہیں اور دل کو تسلی دیتے ہیں کہ سب کچھ خدا کا تھا۔اس کی طرف چلا گیا تو کیا ہے،ہم نے بھی تو اسی کی طرف جانا ہے ان کے لئے خوشخبری یہ بن جاتی ہے کہ تم نے کچھ کھویا ہے **اس سے بہت زیادہ پالو گے اور مخلوق کھوئی ہے تو خالق کو پالو گے** اس لئے اس دعا کی گہرائی میں اتر کر اس کے سارے پہلوؤں پر غور کر کے خود بھی اس دعا سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی شروع ہی سے یہ دعا سکھانی چاہئے۔یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۵۷ ہے۔

اس کے بعد ایک دعا آل عمران کی رہ گئی تھی۔یہ آیات ۳۶ تا ۳۸ ہیں۔اس میں یہ ذکر ہے کہ

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (آل عمران:۳۶) کہ یاد کرو وہ وقت جبکہ آل عمران کی ایک عورت نے اپنے رب سے یہ التجا کی کہ اے میرے رب! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اسے آزاد کر کے میں نے تیری نذر کر دیا۔پس تو میری طرف سے جس طرح ہوا سے قبول فرمالے۔یقیناً تو ہی بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

یہ دعا وہ دعا ہے جس کی روشنی میں میں نے وقف نو کی تحریک کی تھی اور یہ تحریک کی تھی کہ عورتیں جو امید رکھتی ہیں یا آئندہ توقع رکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی گود بھرے گا۔وہ بچے کی پیدائش سے پہلے اسے وقف کریں۔میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ عام طور پر اس سے پہلے جتنی وقف کی تحریکیں ہوئی ہیں ان میں عورتوں کے وقف کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی اور یہ ہماری خواتین پر بہت زیادتی ہے کہ ان کے لئے وقف کا کوئی نظام ہی نہ ہو گویا یہ نعمت صرف مردوں ہی کے لئے رہ گئی ہے۔پس اس آیت سے مجھے یہ روشنی ملی کہ اگر مائیں یہ عہد کریں کہ میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اے خدا! میں تیرے حضور پیش کرتی ہوں۔پھر جو لڑکی ہوگی وہ بھی وقف ہوگی اور بعض دفعہ ایسی وقف لڑکی ،لڑکوں سے بہت بہتر اور مقدر والی ثابت ہوتی ہے۔جیسا کہ حضرت مریم کے معاملہ میں ہوا جو آل

عمران کی اس دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں: اِذْقَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اے میرے خدا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، میں نے تیرے حضور پیش کردیا۔ مُحَرَّرًا آزاد کرتے ہوئے۔ یہاں لفظ مُحَرَّرًا بہت قابل غور ہے اور جو یہ دعا کرتے ہیں ان کو اس کا مضمون پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب ہم زندگی وقف کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آزادی سے قید کی طرف جارہے ہیں۔ اپنی ساری آزادیاں کھودیں اور ہمیشہ کے لئے وقف کی زنجیروں میں باندھے گئے اور بہت سے واقفین بچے ہیں جن کو ان کے والدین یہی بتاتے ہیں کہ دیکھو سوچ سمجھ کر وقف کرو۔ عمر بھر کی قید ہے تمہارا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اپنی مرضی قربان ہو جائے گی۔ کوئی اپنا وطن نہیں رہے گا جماعت جہاں چاہے گی تمہیں اٹھا کر بھیج دے گی اور پھر جتنی دیر چاہے گی وہاں رکھے گی۔ جس حال میں چاہے گی وہاں رکھے گی۔ تو بہت ہی مشکل زندگی ہوگی۔ یعنی دنیا کے لحاظ سے معمولی گزارا تو اور بات ہے لیکن اپنی مرضی کی ایسی قربانی کہ اپنی مرضی نہ رہے یہ ایک زبردست قربانی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم وقف زندگی کو ایک بالکل اور رنگ میں پیش فرماتا ہے۔ فرماتا ہے اس صاحب حکمت عورت نے یہ دعا کی کہ اے میرے خدا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ میں تیرے حضور پیش کر کے اس کو آزاد کرتی ہوں۔ آزاد کس سے؟ دنیا کے جھنجٹوں سے شیطان کی غلامی سے ہر اس چیز سے جو غیر اللہ ہے۔ جو غیر اللہ کی طرف سے آتی ہے اس سے میں اسے آزاد کرتی ہوں۔ یعنی آزادی کی ایک نئی تعریف فرمادی گئی۔ یہ بتایا گیا کہ حقیقی آزادی وقف میں ہے جو خالصۃً خدا کی خاطر ہوا کرتا ہے اور جو خدا کا غلام ہو جائے وہ ہر غیر اللہ کی غلامی سے نجات پا جاتا ہے اور یہ وہ تجربہ ہے جو حقیقی واقفین کو ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور جو وقف کی روح کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے ایک اللہ کی غلامی قبول کر کے ہزار غلامیوں سے نجات پالی ہے۔ پس یہ بھی ایک رنگ سمجھانے کا ہے۔ اس دعا کو سمجھ کر اس کے مطابق اپنے واقف بچوں کی تربیت کرنی چاہئے اور اس رنگ میں جب تربیت کریں گے تو کوئی شخص اپنی وقف زندگی کو بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔ اس میں کسی پابندی پر تلخی محسوس نہیں کرے گا۔ بلکہ حقیقی آزادی یہی سمجھے گا کہ خدا کے سوا ہر دوسری چیز سے ہر دوسری قید سے وہ آزاد ہو چکا ہے۔ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اے خدا! تو بہت ہی سننے والا اور بہت ہی جاننے والا ہے۔ اب

دیکھیں کتنی پر حکمت دعا ہے۔ کتنی گہری دعا ہے اور ایک عورت کو سمجھائی گئی جو نبی نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی قدر فرمائی کہ قرآن کریم میں اس دعا کو ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما دیا اور واقفین کے لئے اس دعا کو ایک ماڈل بنا کر پیش فرمایا۔ پس وقف نو کے سب بچے اسی دعا کی حکمت کا فیض ہیں جو میرے دل میں ڈالی گئی اور اسی کے نتیجہ میں یہ وقف نو کی تحریک ہوئی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى کہہ تو یہ بیٹھی تھیں کہ جو کچھ ہے تیرے حضور ہے اور دماغ میں یہ تھا کہ لڑکا ہوگا۔ یہ بھی خدا کے عجیب رنگ ہیں۔ قرآن کریم میں جب آپ یہ دعائیں پڑھتے ہیں اور ان کی قبولیت کا حال دیکھتے ہیں تو بہت ہی لطیف مذاق خدا کی طرف سے چلتا ہے۔ ایک بہت ہی گہرا رابطہ ہے دعا میں اور قبولیت میں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا جب تو نے یہ کہا کہ جو کچھ ہے تو پھر میری مرضی جو کچھ پیدا کروں۔ ضروری نہیں کہ بیٹا ہی ہو چنانچہ جب بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے کہا رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى میری تو بیٹی پیدا ہوگئی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ حالانکہ خدا زیادہ جانتا ہے کہ اس نے کیا پیدا کیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کو بتا رہی تھی کہ بیٹی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے۔ یہ تو عام سادہ معنی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ گہرے معنی یہ ہیں کہ اس کو کیا خبر تھی کہ جو بیٹی پیدا کر رہی ہے وہ بیٹوں سے بہت افضل ہوگی۔ وہ تو ظاہر کو دیکھ رہی ہے وہ بیٹوں سے بہت افضل ہوگی لیکن میں نے اس کی آزمائش بھی کر لی اور اس کی دعا کو اعلیٰ رنگ میں قبول کیا ہے۔ پس خدا کے لطائف میں کوئی انسانی لطائف کا رنگ نہیں ہوتا کہ جس کے نتیجہ میں دوسرے کو تکلیف پہنچے اور بھونڈا مذاق ہو۔ خدا کے مذاق میں بھی ایک نعمت چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبولیت کے بہت ہی لطیف رنگ ہیں۔ کس رنگ میں وہ قبول کرتا ہے۔ بظاہر دعا کے نقائص کی طرف انسان کو متوجہ بھی کر دیتا ہے اور پھر پردہ پوشی بھی فرما دیتا ہے۔ بہر حال فرمایا وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى مرد جو بھی ہو وہ اس عورت جیسا نہیں ہوسکتا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ عام بچوں کی کیا بات ہے۔ عام لڑکوں کا کیا ذکر وہ اس لڑکی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ ایک بہت ہی عظیم الشان لڑکی ہے۔ دوسرا فرمایا وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى اس الْاُنْثٰى جیسا اپنی نوعیت کے لحاظ سے کوئی لڑکا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس کے اندر وہ صفات بھی رکھ دی گئی ہیں جن کے نتیجہ میں عورت مرد کی محتاج ہوتی ہے اور بچہ پیدا کرتی ہے اور پیدائش کی صفات بھی رکھ دی گئی ہیں یہ اکیلی کافی ہے اس کو کسی مرد کی ضرورت نہیں۔ تو اس لحاظ سے عورتوں میں تو افضل تھی

ہی، مردوں پر بھی سبقت لے گئی۔ پس قرآن کریم کی دعاؤں پر جب آپ غور کیا کریں تو اس کے پس منظر کو غور سے پڑھا کریں۔ بعد میں آنے والے مضمون کو غور سے دیکھا کریں تو آپ کی دعاؤں میں وسعت پیدا ہوگی، آپ دعاؤں میں گہرائی پیدا ہوگی۔ الفاظ وہی ہوں گے لیکن ان کے معانی پھیلتے چلے جائیں گے اور ایک دفعہ کا مضمون کافی نہیں ہوگا بلکہ جتنا آپ غور کریں گے یہ میرا تجربہ ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو اور مضامین انہی دعاؤں میں ملتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا پس اللہ تعالیٰ نے اس کے رب نے اس بچی کو قبول فرمالیا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ بہت حسین قبولیت تھی۔ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور اس کی پرورش کی اور اس کو بڑھایا بہت ہی خوبصورت اور حسین رنگ میں۔ پس واقفین نو پیش کرنے والوں کے لئے یہ نمونہ ہے کہ وہ بھی اپنے واقفین نو بچوں کی اس رنگ میں تربیت کریں۔ کہ عام بچوں سے مختلف دکھائی دیں۔ بہت ہی حسین اور دلکش انداز میں ان کو پالا پوسا جائے اور پروان چڑھایا جائے لیکن دعا کے نتیجہ میں یہ توفیق مل سکتی ہے۔

ایک دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانیوالے ساحروں کی دعا ہے جو رہ گئی تھی۔ یہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۲۷ ہے۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا فرما وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا۔ پہلے یہ مضمون دوسرے رنگ میں گزر چکا ہے مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ فرعون کو مخاطب ہو کر چیلنج دے بیٹھے تھے کہ جو عذاب تو دے سکتا ہے ہم کو دے۔ جو ہم سے کرنا چاہتا ہے کر گزر لیکن ہم کسی قیمت پر بھی مرتد نہیں ہوں گے اور جو ایمان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے بہر حالت میں چمٹے رہیں گے۔ یہ ان کا چیلنج تھا فرعون کو لیکن معاً ان کا ذہن اس طرف گیا کہ یہ خدا کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ خواہش ہے، ارادے ہیں لیکن انسان کمزور ہے اس لئے اس معاملہ میں لازماً ہمیں خدا سے طاقت مانگنی چاہئے پس ہر وہ مومن جو نیک ارادے باندھتا ہے اور وقتی طور پر خلوص سے باندھتا ہے، جانتا ہے کہ وہ تقویٰ کے ساتھ یہ فیصلے کر رہا ہے اس کے لئے بھی نصیحت ہے کہ دعا سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے ورنہ نیک باتوں کے نیک ارادے جو خلوص کے ساتھ بھی کئے گئے ہوں ضروری نہیں کہ انسان کو ان کے پورا کرنے کی توفیق

مل سکے۔ پس آخری بات یہ کہہ دی کہ وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ہمیں بلانا اسی وقت جبکہ ہم تیری نظر میں فرمانبردار ہوں۔

ایک حضرت موسیٰ ؑ کی مشہور دعا جو دیدار الٰہی کے لئے انہوں نے کی تھی ، حالانکہ دیدار تو روز ہوتا تھا۔ کچھ اور معنوں میں وہ دیدار چاہتے تھے یہ سورۃ الاعراف ۱۴۴ ہے:۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور جب وقت مقررہ اور مقررہ جگہ پر موسیٰ ؑ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور خدا نے ان سے کلام کیا قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے میرے خدا ایسا کر کہ میں تجھے دیکھوں اور بہت ہی خوبصورت محاورہ ہے۔ اَرِنِيْٓ اکا مطلب ہے مجھے دکھا۔ اَنْظُرْ کہ میں دیکھوں۔ تو عام بول چال میں ہم یہ کہہ سکیں گے اے اللہ مجھے دکھا تو سہی کہ تو کیسا ہے تا کہ میں تجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ تو لوں۔ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ اے موسیٰ تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ہاں تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنے مقام پر ٹھہرا رہا پس پھر ممکن ہے تو بھی مجھے دیکھ سکے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔پس جب خدا تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی جَعَلَهٗ دَكًّا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ ؑ غش کھا کر پچھاڑ کھا کر جا پڑے۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ پس جب آپ کو ہوش آئی تو کہا سُبْحٰنَكَ اے رب تو ہر کمزوری سے پاک ہے۔ تُبْتُ اِلَيْكَ یعنی ایک دعا سے بات شروع ہوئی تھی دعا پر ختم ہو رہی تھی اس لئے پوری آیت پڑھنی پڑی ہے آپ کو بتانے کے لئے کہ بیچ کا مضمون کیا تھا اور آخر پر پھر ایک دعا ہے تُبْتُ اِلَيْكَ میں توبہ کرتا ہوں تیری طرف وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور میں پہلا مومن ہوں۔ اس آیت کے ساتھ ایک روایت وابستہ ہے جس نے بعض اشکال بھی پیدا کئے ہیں اور کافی اس پر مفسرین نے اور احادیث کے ماہرین نے بحثیں کی ہیں۔ روایت یہ ہے کہ قیامت کے دن جب حشر نشر ہوگا اور جب خدا تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو سب بے ہوش ہو کر جا پڑیں گے اس وقت سوال یہ ہے کہ پہلے کس کو ہوش آئے گی۔ ایک حدیث ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور جب آنحضرت ﷺ دیکھیں گے موسیٰ

پہلے ہی ہوش میں کھڑے ہوں گے (حوالہ۔۔۔۔) اس کی توجیہہ اس حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ موسیٰ کو اس سے پہلے اس کا تجربہ ہو چکا ہے وہ تجلی جس کے نتیجہ میں آناً فاناً انسان ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اس کا جلوہ اتنا سخت ہے کہ طبیعتیں برداشت نہیں کرسکتیں۔اس دنیا میں موسیٰ نے مانگ لی تھی اور اس کا تھوڑا سا نمونہ موسیٰ دیکھ چکا ہے۔پس چونکہ اس میدان کا کھلاڑی رہ چکا ہے اس راہ سے گزر چکا ہے اس لئے جب واقعۃً قیامت کے دن یہ تجلی ہوگی تو نسبتاً جلدی افاقہ ہوگا۔یہ حدیث اس آیت کی روشنی میں اور دوسری متعلقہ آیت کی روشنی میں جس کا میں نے ذکر کیا ہے قابل غور ہے لیکن عموماً آپ کو مفسرین اور ماہرین حدیث کی کتب میں یہی تشریح ملے گی۔بہر حال یہ جو دعا ہے اس میں ہے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ لفظ اول ہے اس سے مراد وقت کے لحاظ سے اول نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے اول آچکے ہیں اور آنحضرت ﷺ معنوی لحاظ سے مومنوں میں سے سب سے اول ہیں پس اول اور آخر یہ دونوں لفظ جو ہمیں قرآن کریم یا احادیث میں ملتے ہیں یہ مرتبے کے لحاظ سے ہیں نہ کہ ظاہری وقت کے لحاظ سے۔اول جب کہا جاتا ہے تو مراد ہے نمبر میں پہلا ہے۔جس طرح کوئی امتحان میں فرسٹ آتا ہے اسے اول کہتے ہیں ویسا ہی مضمون ہے۔

ایک دعا قوم میں بچھڑے کو معبود بنانے والوں میں سے ان لوگوں نے کی جو شرمندہ ہوئے تھے اور انہوں نے توبہ کی تھی۔وہ دعا یہ تھی وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۱۵۰)۔کہ جب وہ شرمندہ ہوگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ گمراہ ہوگئے تھے تب انہوں نے یہ دعا کی لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے گا اور ہماری بخشش نہ فرمائے گا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یقیناً ہم بہت گھاٹا پانے والوں میں سے ہوں گے۔

پس دیکھیں ہر موقعے کے لئے ، ہر ایسی صورتحال کے لئے جس سے انسان دوچار ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کوئی نہ کوئی اس پر اطلاق پانے والی دعا ہمیں سکھا دی ہے اور اس لحاظ سے بھی اگر آپ قرآن کریم کی دعاؤں کو ازبر کریں یا پوری یاد نہیں کرسکتے تو کچھ حصہ کبھی کبھی یاد کرتے رہا کریں اور قرآنی دعاؤں کو ہر مشکل کے وقت دیکھ لیا کریں۔آپ کو ضرور کوئی نہ کوئی دعا اپنی صورتحال پر اطلاق پاتی ہوئی ایسی ملے گی جس کو جس طرح وہ دعا کی گئی تھی اسی جذبہ کے ساتھ آپ

جب دعا کریں گے تو انشاء اللہ قبولیت دعا کے عظیم الشان نظارے دیکھیں گے۔

قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اتنی دعائیں خدا تعالیٰ نے خود سکھائی ہیں کہ اور کسی نبی کے ذکر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے سکھائی ہوئی دعائیں اس کثرت سے نہیں ملتیں۔ایک موقعہ پر فرمایا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) اے میرے بندے تو جب وحی نازل ہوا کرے تو جلدی جلدی اسے دہرانے کی کوشش نہ کیا کر کہ کہیں بھول نہ جائے۔ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اور یہ کہا کہ اے میرے رب میرا علم بڑھاتا چلا جا۔

اس سے آنحضرت ﷺ کی معصومیت کا بھی پتہ چلتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام کو کس طرح دیکھتے تھے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔وحی نازل کرنا بھی خدا کا کام ہے اور وحی کو محفوظ کرنا بھی خدا کا کام ہے۔مگر جس کو کسی چیز سے بے انتہاء محبت ہو اور اسے وہ سنبھالنا چاہے۔اسے یقین بھی ہو کہ یہ چیز سنبھل جائے گی تب بھی وہ اپنی طرف سے بہت کوشش کرتا ہے اور جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مار کر اسے سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔پس یہ وہ نقشہ ہے جو آنحضرت ﷺ کا کھینچا گیا۔جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی آپ تیزی کے ساتھ زبان چلاتے تھے اور اس وحی کو دہراتے چلے جاتے تھے تا کہ کوئی بھی لفظ کوئی نقطہ بھی ادھر سے ادھر نہ ہو۔تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فرمایا کہ تجھے یہ محنت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ہاں اس عرصہ میں تو یہ دعا کیا کر وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اے میرے اللہ میرا علم بڑھا۔اب یہ جو دعا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو نظام حفظ تھا، وہ عام نظام حفظ جیسا نہیں تھا بلکہ جہاں تک وحی کا تعلق ہے ہوسکتا ہے باقی انبیاء کو بھی یہی امتیاز حاصل ہو کہ وحی اس رنگ میں نازل ہوتی ہے کہ وہ ازخود ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور اسے توجہ سے سن کر یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دعا وہ سکھائی گئی ہے جو بالکل اور ہے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے۔آپ کسی کی بات سن رہے ہوں اور کوئی اور بات منہ سے کر رہے ہوں۔تو جو آپ سن رہے ہیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں نہ اسے یاد کر سکتے ہیں۔تو وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا سکھایا جانا کہ یہ دعا کیا کر،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی ذہنی کوشش کا وحی کو محفوظ کرنے سے کوئی علاقہ نہیں تھا وہ ازخود اترتی تھی اور نقش بن کر، دائمی نقش بن کر جمتی چلی جاتی تھی اور توجہ اس طرف

دیتے یا نہ دیتے خدا کی تقدیر نے اس کو بہر حال محفوظ کرنا تھا۔ پس فرمایا کہ فارغ وقت میں یہ کیا کر کہ مجھ سے اور دعائیں مانگا کر اور یہ کہا کر کہ اور بھی علم نازل فرما۔ اور جو علم ہے بجائے اس کے کہ میں اسے کھودوں میرا علم بڑھادے کیونکہ جو بات بھول جائے وہ حاصل کیا ہوا علم انسان کھو دیتا ہے۔ تو **زدنی علماً** میں یہ بتایا کہ تیرے علم کو کھونے کا تو سوال ہی کوئی نہیں ہم جو ذمہ دار ہو گئے ہیں۔ ہاں تو مزید مانگا کر۔

اس دعا کے ضمن میں ایک اور دعا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً سکھائی گئی وہ بھی میں آپ کو بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ رَبِّ اَرِنِیْ حَقَآئِقَ الْاَشْیَاءِ (تذکرہ صفحہ: ۶۱۳) اے میرے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقتیں بتا۔ یعنی ان کے اندر جو گہرے راز ہیں وہ سمجھا۔ میں بالعموم قرآن کریم کی اس دعا کے ساتھ اس دعا کو ملا کر کرتا ہوں اور خصوصاً اس وقت جبکہ کسی قسم کی رہنمائی کی خاص ضرورت ہو اور میرا تجربہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بہت سے ایسے مطالب پر آگاہی فرماتا ہے جس کی طرف انسان کا اپنا ذہن اپنی کوشش سے جا نہیں سکتا۔ الہام تو نہیں ہوتا لیکن اس طرح خدا تعالیٰ نکتے اچانک دماغ میں ڈال دیتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ پس جماعت کو بھی اس قرآنی دعا سے استفادہ کرنا چاہئے اور ہمارے طالب علموں کو خاص طور پر اس دعا کو جو چھوٹی سی دعا ہے، ایک چھوٹا سا فقرہ ہے وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا اس کو پڑھتے رہنا چاہئے۔ اس کے نتیجہ میں ان کی توجہ اس امر کی طرف بھی مبذول ہوتی رہنی چاہئے کہ اصل علم کلام الٰہی ہے۔ دوسرا دنیا کا جو علم ہے وہ ثانوی علم ہے۔ یہاں قرآن کریم کی وحی سے متعلق علم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ طالب علم جب یہ دعا مانگیں قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا تو یہ نہ کیا کریں کہ اعلیٰ مضمون کو چھوڑ دیا کریں اور ادنیٰ مضمون کو ذہن میں رکھ کر دعا کیا کریں۔ دعا یہ کیا کریں کہ اے خدا ہم دنیا کے عارضی علوم کی طرف متوجہ ہیں۔ یہ مجبوریاں ہیں۔ ہمیں وہ علم بھی عطا فرما جو تو نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا تھا اور اس کے صدقہ میں ہمیں یہ دنیاوی علم بھی عطا فرمادے جو اس کی ذیل میں آتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۵﴾ (طٰہٰ: ۱۱۵)

اس کے ساتھ ساتھ میں نے وہ جگہیں بھی درج کروالی ہیں جہاں ان کو اپنی ترتیب کے لحاظ

سے بیٹھنا چاہئے تھا، مگر اس وقت میں چھوڑتا گیا ہوں لیکن جب یہ خطبہ ضبط تحریر میں آئے گا تو کاتب وہ ذکر بھی کر دے گا یا ان کو اٹھا کر وہیں لے جائے گا جہاں ان کو ہونا چاہئے۔ یعنی جب یہ سلسلہ خطبات اکٹھا شائع ہوگا تو آج جو ان آیات سے متعلق گفتگو ہوئی ہے ان کو ہم اصل مقام پر لے جائیں گے تو جو لوگ سن رہے ہیں وہ بعد میں خیال نہ کریں کہ غلطی ہوگئی ہے۔ بالا ارادہ ایسا کیا جائے گا۔

اب جہاں سے مضمون چھوڑا تھا وہاں سے پھر بات شروع کرتا ہوں سورۃ الشعراء آیات ۱۱ تا ۱۸ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ (الشعراء: ۱۱-۱۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب خدا تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور ان کو حکم فرمایا کہ تو فرعون کی ظالم قوم کی طرف جا۔ اَلَا يَتَّقُوْنَ کیوں وہ تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ کیوں وہ خدا خوفی کی راہ اختیار نہیں کرتے۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ اے خدا میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلا نہ دیں اب یہ جو لفظ ہے جھٹلانے کا اس میں حضرت موسیٰ کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ انبیاء کو ہمیشہ جھٹلایا جاتا ہے بلکہ خاص دلیل آپ کے ذہن میں ہے جس کو قرآن کریم کھول کر بیان فرماتا ہے وہ کہتے ہیں وہ تقویٰ اختیار نہیں کرتے ٹھیک ہے پر میں بھی تو ایک بات سے ڈرتا ہوں اور وہ خوف میرا یہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے اور کیوں جھٹلائیں گے۔ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ میرا سینہ باتیں بیان کرتے وقت کھلتا نہیں ہے۔ میں کوئی مضمون سوچ کر بیان کرنا چاہتا ہوں تو اپنے سینے میں تنگی محسوس کرتا ہوں اور یہ انسانی تجربہ کی بات ہے۔ بسا اوقات ایک انسان بات ٹھیک بیان نہیں کرسکتا۔ طالب علم امتحان میں بعض باتیں جانتے ہوئے بھی پیش نہیں کرسکتے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو طالب علم ناکام رہے یا کم نمبر لے وہ ضرور ہی نالائق ہوگا۔ بعض دفعہ اس بے چارے کو بات پیش کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ تو حضرت موسیٰ نے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ

اور میری زبان بھی نہیں کھلتی۔ کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ ہکلا کر بولتے تھے فَاَرۡسِلۡ اِلٰی ھٰرُوۡنَ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ہاروں کی طرف وحی بھیج دے اب یہ عجیب دلچسپ دعا ہے۔ عاجزی بھی ہے، سادگی بھی کیسی ہے پیاری کہ اللہ تعالیٰ کو بتا رہے ہیں کہ ان باتوں کو سوچ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہارون کو نبی بنایا جائے اور مزید اصل بات آخر پر نکلی ہے۔ وَلَھُمۡ عَلَیَّ ذَنۡبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ مشکل یہ ہے کہ مجھ پر ایک گناہ ہے جس کے لئے اس قوم کو میں جوابدہ ہوں اور غلطی سے مجھ سے ان کا ایک آدمی مرگیا تھا اب اگر عام حالات میں نبی کو جھٹلائیں تو وہ تو ہے ہی جھٹلانا لیکن اگر جرم بھی ہو اور پتہ ہو کہ نبی نہیں ہے یہ جھوٹا ہے۔ پھر تو بڑھ چڑھ کر زیادہ غصے کے ساتھ پہلے نقصان کا بدلہ اتاریں گے اور پہلے گناہ کی جزا دیں گے۔ تو یہ تھا اصل قصہ جس کی وجہ سے اپنے آپ کو بیچ میں سے نکال ہی دیا کہ اے اللہ ان سب حالات میں بہتر یہی ہے کہ تو موسیٰ کی بجائے ہارون کو نبی بنادے قَالَ کَلَّا ۚ فَاذۡھَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ (الشعراء:۱۶) کہ خبردار موسیٰ ضرور جاؤ لیکن تم دونوں جاؤ۔ اب دعا قبول بھی فرمائی اور وہ جو خوف تھا وہ بھی دور کر دیا۔ کَلَّا میں ہلاکت کا ڈرانا نہیں بلکہ امید کو زیادہ یقینی طور پر پیش کرنا ہے۔ کَلَّا سے مراد یہ ہے کہ جو باتیں تو سوچ رہا ہے۔ تیرے توہمات ہیں ان میں کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ ہو کیسے سکتا ہے کہ خدا کے تم نمائندہ ہو اور خدا کی مرضی کے سوا تم پر ہاتھ ڈال بیٹھے۔ فَاذۡھَبَا تم دونوں جاؤ بِاٰیٰتِنَاۤ ہمارے نشانات لے کر اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ میں تمہارے ساتھ سننے والا ہوں۔ اس آیت سے اور اس دعا کے جواب سے پتا چلتا ہے کہ ساتھ ہی حضرت موسیٰ کو کچھ قبولیت کی خوشخبری بھی دیدی گئی تھی۔ کیونکہ تثنیہ سے خطاب معاً جمع میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ فرمایا تم دونوں جاؤ ہمارے نشان لے کر۔ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ میں تمہارے ساتھ کھڑا تمہاری التجاؤں کو سن رہا ہوں گا۔ پس وہ جو ساحروں کی دعا تھی اس کے سننے کی خوشخبری بھی اس آیت میں پہلے کلام میں حضرت موسیٰ کو دیدی گئی تھی کہ تم ڈرتے کس بات سے ہو تم آگے بڑھو گے۔ ایک سے دو میں نے تمہیں بنایا ہے۔ تم دو بھی نہیں رہو گے۔ دو سے تین چار، ایک قوم بنتے چلے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کھڑا تمہاری التجاؤں کو سن رہا ہوگا۔ وہ کون ہوسکتا ہے جو تم پر ہاتھ ڈالے۔ فَاۡتِیَا فِرۡعَوۡنَ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الشعراء:۱۷) اور فرعون کے پاس جاؤ اور دونوں اس سے یہ کہو کہ ہم خدا کا رسول

ہیں۔خدا کا ایلچی ہیں۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا بلکہ واحد کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔ رَسُوْلُ نہیں فرمایا۔ بلکہ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی ان دو میں کوئی فرق نہیں تھا کہ دو الگ الگ رسول ہوں۔ایک ہی مشن پر ان دونوں کو فائز فرمایا گیا تھا اور اپنی مجموعی حیثیت میں وہ ایک ہی رسول کے مقام پر فائز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ دعا ہم عام حالات میں کیسے مانگیں گے۔کسی کو خدا ایسے مقام پر فائز کرے یا ایسے حالات ہوں تو پھر دعا اس سے مانگی جائے۔لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ان دعاؤں کے اندر بعض مخفی التجا کی کیفیات ہیں جو ایک عاجز بندے کے کام آجاتی ہیں جب وہ موسیٰ کے رنگ میں ڈوب کر یا کسی اور گزشتہ نبی کی دعا کو یاد کرتے ہوئے اس کے رنگ میں ڈوب کر یہ دعائیں کرتا ہے۔اپنے عجز اور بے بسی کی کیفیت کے لئے ایسی حالت میں جب کسی سے کوئی گناہ کسی کا سرزد ہو گیا ہو،کسی سے خوف کھاتا ہو،تو حضرت موسیٰ کی یہ دعا حضرت موسیٰ کے رنگ میں ڈوب کر اگر کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انسان کی دوسری ضروریات میں بھی کام آسکتی ہے۔

حضرت لوطؑ کی ایک دعا بیان فرمائی گئی ہے سورۃ الشعراء میں (یہ جو دعا تھی یہ بھی سورۃ الشعراء آیات ۱۱ تا ۱۸ تھی) اب سورۃ الشعراء کی آیت ۱۷۰ میں حضرت لوط کی یہ دعا بیان ہوئی ہے۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ (الشعراء:۱۷۰) اے میرے رب ! مجھے اور میرے اہل کو نجات بخش ان باتوں سے جو میری قوم کرتی ہے۔ یہاں جسمانی نجات کی دعا نہیں ہے جو اس کے ذیل میں آئی تھی۔دراصل یہ ایک ایسے گناہ سے نجات کی دعا ہے جو ساری قوم میں وبا کی طرح پھیل چکا تھا اور ساری قوم میں سرایت کر گیا تھا۔ایسے موقعہ پر دعا کے بغیر انسان صحیح معنوں میں ایسی قومی بدیوں سے بچ نہیں سکتا۔پس جب مثلاً انگلستان میں رہنے والے یہ دیکھتے ہیں کہ بعض بدیاں وہاں امریکہ میں بسنے والے دیکھتے ہیں کہ بعض بدیاں پھیلی ہوئی ہیں تو ان کے لئے بھی یہ دعا کرنی چاہئے۔ورنہ یہ بدیاں اس طرح فضا میں سرایت کر چکی ہوتی ہیں کہ ہر سانس میں انسان ان کو لے رہا ہوتا ہے۔ٹیلیویژن آن کرے،ریڈیو آن کرے،بازاروں میں چلے،یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان بدیوں سے کلیتۂ بچ کر نکل سکے۔پس یہ دعا ہمیں سکھاتی ہے کہ نجات صرف ظاہری نجات کی دعا نہیں ہوتی بلکہ بدیوں سے روحانی نجات بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور جو روحانی نجات حاصل کرتا ہے

اس کے لئے بدنی نجات خود بخود عطا ہو جاتی ہے۔ پس حضرت لوطؑ اگر صرف بدنی نجات مانگتے تو اس کے اندر روحانی نجات شامل نہیں تھی مگر جب روحانی نجات مانگی تو اس میں بدنی نجات شامل ہوگئی پس وہ لوگ جو مثلاً امریکہ میں رہتے ہیں، مجھے ایک طالب علم کی والدہ کا خط ملا۔ انہوں نے یہ لکھا کہ میرے دو بچے ہیں ان میں سے ایک نے جو فلاں یونیورسٹی میں امریکہ میں پڑھتا ہے۔ مجھے لکھا ہے کہ یہاں طالب علموں کی بھاری اکثریت نشہ کرتی ہے اور یونیورسٹی میں یہ فیشن ہے اور اس کے علاوہ دوسری بدیوں کا ذکر تھا کہ یہ بھی کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہم میں رہنے کا حق نہیں رکھتے۔ ہم سے الگ ایک مخلوق ہے اور پوری کوشش کی جاتی ہے کہ وہ لتیں ان کو بھی ڈال دیں۔ تو اس نے اپنی والدہ کو دعا کے لئے لکھا تھا کہ دعا کے ذریعے میری مدد کریں ورنہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ پس جو طالب علم امریکہ جاتے ہیں میں ان کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتا ہوں کہ وہاں تم کوشش تو ضرور کرو گے بچنے کی لیکن یہ دعا ضرور کرتے رہنا۔ چنانچہ والدہ نے جب مجھے دعا کے لئے لکھا تو اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ میرے جو خطرات تھے وہ درست تھے۔ یورپ میں بھی خرابیاں ہیں لیکن جتنی بدیاں اس وقت امریکن یونیورسٹیز میں اخلاقی لحاظ سے پھیلی ہوئی ہیں میرا خیال ہے دنیا کے پردے پر اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ پاکستان میں کثرت سے پھیل رہی ہیں نشہ بہت عام ہو رہا ہے تو وہاں سے جو لوگ ہجرت کرتے ہیں۔ ہجرت سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ قوم کی بداعمالیوں سے نجات کی دعا مانگا کریں اور اس کے لئے حضرت لوطؑ کی یہ دعا ہمارے لئے ایک نمونہ ہے رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ اے مرے رب! مجھے بھی اور میرے اہل کو بھی ہر اس بدی سے نجات بخش جو یہ کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ہے۔ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ (الشعراء: ۱۱۸) اے مرے اللہ! میری قوم مجھے جھٹلا بیٹھی ہے فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ (الشعراء: ۱۱۹) اب میرے اور ان کے درمیان فرق کر کے دکھا دے وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور مجھے اور مومنوں کو نجات بخش اب یہ بظاہر محض بدن کی نجات کا ذکر چل رہا ہے لیکن اس دعا کو آپ غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ مضمون اس کی نسبت زیادہ گہرا ہے جو دکھائی دیتا ہے آپ نے پہلے یہ دعا کی ہے کہ قوم مجھے جھٹلا بیٹھی ہے۔ اب ہمارے درمیان تمیز کر دے کہ کون پاک ہے کون ناپاک ہے

اور تمیز اس طرح کہ پاکوں کو بچالے اور ناپاکوں کو ہلاک کر دے۔ پس یہاں بدنی نجات کی دعا نہیں تھی۔ روحانی نجات کی دعا تھی بدنی نجات کو اس کا نشان بنا کر مانگا گیا تھا۔ اب دعا غور سے سنیں۔ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ حضرت نوحؑ نے عرض کیا اے مرے رب! میری قوم مجھے جھٹلا بیٹھی ہے۔ یعنی اب اس سے کوئی امید باقی نہیں رہی۔ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ اب میرے اور ان کے درمیان فَتْحًا نمایاں فرق کر کے دکھا دے کہ دنیا دیکھ لے کہ کون پاک تھا اور کون مجھے پیارا تھا اور کون ناپاک اور کون تیری نظر میں مغضوب تھا اور نشان کیا ہو اس فتح کا وہ یہ ہے کہ وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مجھے اور وہ لوگ جو مجھ پر ایمان لائے ہیں ان سب کو اس ہلاکت سے بچالے جو اس قوم کا مقدر ہو چکی ہے۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (الشعراء:۱۲۰) اور ہم نے اسے اور جو کچھ اس کے ساتھ تھا۔ ایک بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔ اس سے پہلے ایک بھری ہوئی کشتی کا ذکر گزر چکا ہے جس میں سوائے خدا کے ایک نبی کے ساری قوم کے لئے جگہ تھی وہ اس بھری کشتی میں نہ صرف یہ کہ خود نجات نہیں پا سکا بلکہ وہ باقی قوم کے لئے بھی خطرہ بن گیا کہ اگر یہ ہوا تو کشتی ڈوبے گی اگر یہ نکلے گا تو کشتی بچے گی۔ تو وقتی طور پر جب خدا کی رحمت کا سایہ آزمائش کے لئے بھی اٹھتا ہے تو کتنا ہولناک منظر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں اب بالکل برعکس منظر ہے۔ فرمایا، جا شوق سے جتنے مومن ہیں وہ بھی کشتی میں بھر لے اور ہر قسم کے ضرورت کے جانوروں کے نمونے بھی بھر لے۔ ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ بھری ہوئی کشتی میں تمہیں ان طوفان خیز موجوں سے نجات بخشیں گے اور فرمایا کہ ہم نے ایسا ہی کیا ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ (الشعراء:۱۲۱) پس اس کے بعد ہم نے باقی سب کو غرق فرما دیا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (الشعراء:۱۲۲) اس میں ایک بہت بڑا نشان ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ہے جس کے ساتھ ایک گہرا مضمون وابستہ ہے لیکن وہ بعد میں بیان کروں گا۔ اب وقت نہیں ہے۔ پہلی دعا جو ہے اس کا مختصر ذکر میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ (بعد میں جو ایک ایسی دعا ہے جس کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت کا ایک نشان وابستہ ہے اس کا ذکر بعد میں تفصیل کے ساتھ کروں گا۔ اس دعا کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے لیکن دو تین دعائیں اکٹھی ہیں جن کا انشاءاللہ آئندہ جمعہ میں ذکر کیا جائے گا) رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ

نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ (النمل:۲۰) انہوں نے یہ دعا کی کہ اے خدا مجھے توفیق عطا فرما اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کرسکوں جو تو نے مجھ پر فرمائی وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا اور میں نیک اعمال بجالاؤں تَرْضٰىهُ جن سے تو راضی ہو۔ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے صالح بندوں کے گروہ میں داخل فرمالے۔

حضرت سلیمانؑ کی یہ دعا اس موقع پر بیان ہوئی ہے جب وہ اپنے لشکر سمیت وادی نملہ میں داخل ہوئے اور عام طور پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک چیونٹی تھی جس نے حضرت سلیمانؑ کو دیکھ کر اپنی باقی چیونٹی بہنوں کو متنبہ کیا کہ یہ ایک بہت بڑا جابر بادشاہ آ گیا ہے اور بہت بڑی فوج لے کر آیا ہے۔ اگر اس سے بچنا ہے تو بھاگ کر اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ورنہ اس لشکر کے پاؤں تلے تم روندی جاؤ گی۔ یہ بات حضرت سلیمانؑ نے سمجھ لی جن کو علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ ظاہری طور پر مَنْطِقَ الطَّيْرِ عطا ہوئی تھی یعنی پرندوں کی بولی ظاہر میں بھی عطا ہوئی تھی اور دنیا کے ہر قسم کے پرندوں کی زبان وہ سمجھتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ یہ تو چیونٹی تھی مَنْطِقَ الطَّيْرِ میں چیونٹی بے چاری کہاں سے داخل ہوگئی۔ اس لئے النَّمْلِ سے مراد چیونٹی لینا یہ درست نہیں ہے۔ نَمْلَةٌ سے اصل میں جو ایک قوم کا نام تھا اور حضرت سلیمانؑ جب لشکر کشی کر رہے تھے تو ایک ایسی قوم پر سے گزرے جس قوم کے ایک فرد نے اپنی قوم کو متنبہ کیا کہ اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپ جاؤ اور غائب ہو جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے وہ پہاڑی علاقہ تھا یا ایسی جگہیں تھیں جہاں غاروں میں چھپا جا سکتا تھا۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ قوم ایک لشکر کے سامنے آتی اور اس کے نتیجہ میں اس کو خطرات درپیش ہوتے تو مشورہ دینے والے نے یہ مشورہ دیا۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی کہ اس طرح یہ تجھ سے خوف کھا رہے ہیں اس پر انہوں نے عرض کی۔ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ کہ اے خدا میں دنیا کے بادشاہوں جیسا تو بادشاہ نہیں ہوں تو نے مجھ پر ایک عظیم الشان نعمت کی اور میرے والدین پر بھی ویسی ہی نعمت فرمائی۔ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں نیک اعمال کروں ایسے نیک اعمال جن سے تو راضی ہو۔ اگر عام بادشاہوں کی طرح میں نے اپنی فتوحات کے نتیجے میں یا لشکر کشی کے دوران کمزوروں کو کچلا

اورمسلا اور بے بسوں پر ظلم کیا تو پھر میں اس نعمت کی خلاف ورزی کررہا ہوں گا یہ معنی ہیں اس کے۔ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اور اپنی رحمت کے صدقے ، اپنی رحمت کی عطا کے طور پر مجھے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔

یہ دعا اس وقت کے کام کی دعا ہے جب انسان کو خدا تعالیٰ بنی نوع انسان کے کسی ایک حصے پر کسی قسم کی فضیلت بخشے کسی قسم کا ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی طاقت بخشے اور اس کے نیچے کئی قسم کے خدمتگار رہوں کئی لوگوں کے معاملات اس کے قبضہ قدرت میں ہوں ایسے وقت میں بھی انسان کو محض اپنی عقل پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ جس طرح حضرت سلیمانؑ جو بہت ہی صاحب عقل تھے اور سب سے بہتر مقام پر فائز تھے کہ فیصلہ کرتے کہ کون مجرم ہے کون نہیں ہے۔ کس کو سزا دینی ہے، کس کو نہیں دینی ہے لیکن اعلیٰ عقل کا سب سے بڑا تقاضا یہ تھا کہ وہ عاجزی کے ساتھ خدا سے دعا کرتے کہ اگر تو نے مجھے توفیق دی تو میں اس طاقت کا صحیح استعمال کرسکوں گا۔ اگر تو نے توفیق نہ دی تو میں اپنی عقل کے باوجود اس طاقت کا صحیح استعمال نہیں کرسکوں گا۔ خطرہ ہے کہ ایسے اعمال سرزد ہوں جن سے تو ناراض ہو اس لئے میری التجاء یہ ہے کہ خواہ کتنی ہی مجھے حکومت کیسا ہی غلبہ کیوں نہ عطا کر مجھے توفیق عطا فرما کہ ہر حالت میں میرے اعمال تیری رضا کے مطابق ہوں اور طاقت کے نشے میں میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں۔ پس ہر موقع ہر محل کے مطابق ان لوگوں کی دعائیں قرآن کریم میں محفوظ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام نازل فرمائے اور جن کی راہوں پر چلنے کی ہم سورۃ فاتحہ میں دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ان راہوں پر خدا کی رضا کے مطابق ہمیشہ قدم مارتے رہیں

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا۔

اس جمعہ کے بعد آئندہ جمعہ سے پہلے میں انشاء اللہ ایک لمبے سفر پر روانہ ہونے والا ہوں اور غالباً ڈیڑھ مہینہ یا اس کے لگ بھگ سفر پر رہوں گا۔ تو دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کو پورا کرنے والا سفر ہو جن کی خاطر یہ سفر کیا جارہا ہے۔ واپس آکر جلسہ بھی ہے اور میری واپسی اور جلسہ کے درمیان وقت بہت تھوڑا ہوگا تو اللہ تعالیٰ یہ بھی توفیق عطا فرمائے کہ جلسے کی ساری ذمہ داریاں بھی باحسن سرانجام دے سکوں۔ (آمین)

حضرت سلیمانؑ کی دعا میں الٰہی انعامات پر اظہار تشکر

آئندہ نسلوں کو خلیفہ وقت کے خطبات سے جوڑ دیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام بیت الناصر۔ پیرامار یبو (سرینام))

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

گزشتہ چند جمعوں سے قرآن کریم میں مذکور دعاؤں کا بیان چل رہا ہے اور میں جماعت کو اس طرف متوجہ کر رہا ہوں کہ سورۂ فاتحہ میں جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ تو وہ رستہ جو نیک لوگوں کا رستہ ہے، وہ رستہ جس پر وہ لوگ چلے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اس رستے کی مشکلات پر قابو پانے کے لئے اس رستے کے خطرات سے بچنے کے لئے اور اس رستے پر چلتے ہوئے خدا کی رضا پانے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ وہ دعائیں زندگی بھر مانگتے رہیں جو دعائیں خدا کے وہ پاک بندے مانگا کرتے تھے جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگ تھے۔ اللہ نے ان پر انعام فرمائے تو جن کا رستہ مانگا ہے ان کی ادائیں بھی تو لینی پڑیں گی ان کے طریق بھی تو اختیار کرنے پڑیں گے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہم رستہ انعام والوں کا مانگیں اور ادائیں الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی اختیار کر لیں۔ اس لئے سب سے اہم بات جو منعم علیہ گروہ یعنی انعام یافتہ لوگوں کی ہمیں نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ دعا کے سہارے گزرتا تھا۔ ہر مشکل کے وقت، ہر آسانی کے وقت، ہر خوشی اور ہر غم میں وہ خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔

یہ سفر جو میں نے للہ اختیار کیا اس سے پہلے میں نے بھی وہ دعائیں کیں جو سفر کے موقعہ کے مناسب حال قرآن کریم میں مذکور ہیں۔آج میں آپ سے سرینام کے دارالخلافہ پیرامار یبو (Paramarib) میں مخاطب ہوں اور بعض باتیں آپ کو دوبارہ سمجھانی پڑ رہی ہیں جو اس سے پہلے میں بیان کر چکا ہوں کیونکہ آپ ایک ایسی جماعت ہیں جن کو پوری طرح اردو نہیں آتی اگر چہ آہستہ سمجھا کر بات کروں تو اردو سمجھتے ہیں۔بعض آپ میں سے اچھی بھی جانتے ہیں۔بعض ذرا کمزور جانتے ہیں اس لئے میں یہ وضاحت کر رہا ہوں کہ یہ خطبہ جب باہر جائے گا اور دنیا کی اکثر جماعتوں میں پہنچتا ہے تو وہ متعجب ہوں گے کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔میں کیوں بار بار وہ باتیں سمجھا رہا ہوں جو وہ سمجھ چکے ہیں۔تو ان کو علم ہونا چاہئے کہ میں اس وقت یہ خطبہ سرینام کے دارالخلافہ پیرامار یبو (Paramarib) سے دے رہا ہوں اور وہاں کی جماعت اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہے ان میں بچے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں اور پردے کے پیچھے خواتین بھی ہیں اور ان کو ان کے فہم اور طاقت کے مطابق بات سمجھا کر آگے چلنا ہوگا تو پس منظر میں نے دوبارہ بتادیا کہ ہم روزانہ ہر نماز میں انعام یافتہ لوگوں کا رستہ سورۂ فاتحہ کی ہر دعا میں مانگتے ہیں اور دن رات خدا سے یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں انعام یافتہ لوگوں کا رستہ دکھا، ان کا رستہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا۔ان کے رستے سے بچا جن لوگوں کے رستے پر تیرا غضب نازل ہوا تو پھر ہمیں انعام یافتہ لوگوں کی ادائیں لازماً اختیار کرنی ہوں گی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو دعائیں وہ کیا کرتے تھے ایسی دعائیں جو خدا نے قبول فرمالیں۔ایسی دعائیں جو خدا تعالیٰ کو پیاری لگیں اور اتنی پیاری لگیں کہ اپنے سب سے پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو وہ دعائیں الہاماً بتائیں اور وہ دعائیں بھی قرآن کریم میں محفوظ کیں جو خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلی بار سکھائی گئیں اور اس سے پہلے دوسرے انبیاء کو بعض ایسی دعائیں تھیں جو نہیں سکھائی گئیں تو یہ سارا ہمارا خزانہ ہے اس خزانے سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔اب میں حضرت سلیمانؑ کی ایک دعا آپ کے سامنے رکھتا ہوں ۔ یہ دعا سورۃ النمل آیت ۲۰ سے لی گئی ہے۔آپ عرض کرتے ہیں:

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ

کہ اے میرے رب ! اَوْزِعْنِيْٓ مجھے توفیق عطا فرما۔ مجھے اس بات کی طاقت بخش اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ کہ میں تیری نعمت کا شکر یہ ادا کرسکوں۔

یہ سادہ سی دعا ہے اس کا پہلا حصہ یہ ہے کہ مجھے توفیق بخش کہ میں تیری نعمت کا شکر یہ ادا کرسکوں۔سوچنے والی بات یہ ہے کہ ہم تو ہر چھوٹی سی نعمت ہو یا بڑی نعمت ہو اس پر شکر یہ کہہ کر سمجھتے ہیں کہ حق ادا ہو گیا تو پھر حضرت سلیمانؑ کو کیا ضرورت تھی کہ خدا سے شکریے کا طریقہ بھی مانگیں اور توفیق بھی مانگیں۔امر واقعہ یہ ہے کہ شکر یہ ادا کرنا صرف زبان سے شکر یہ ادا کرنا نہیں ہوا کرتا کوئی شخص آپ پر اتنا بڑا احسان کرے۔آپ کا کام کرنے کے لئے اتنی مشکل اٹھائے۔کوئی شخص ڈوب رہا ہے اس کی جان بچانے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالے اور دریا میں چھلانگ لگا دے اور بڑی مشکل سے ہاتھ پاؤں مار کے خود ڈوبتے ابھرتے اس شخص کی جان بچالے اور وہ باہر آ کے کہہ دے شکر یہ! تو کیا شکر یہ ادا ہو جائے گا؟ یہ سوال ہے۔اس لئے یہ دعا ہمیں سکھا رہی ہے کہ تم یہ بیوقوفی نہ کیا کرو کہ زبانی خدا کو کہہ دیا اچھا شکر یہ! بہت آپ نے احسان فرمایا بس کافی ہوگئی۔شکر یہ اگر ادا کرنا ہے تو خدا سے اس کی توفیق مانگو توفیق اس چیز کی مانگی جاتی ہے جو مشکل ہو۔جس کے لئے جان کو جوکھوں میں ڈالنا پڑتا ہو۔پس انبیاء چونکہ شکر یہ کا حق ادا کرنا چاہتے تھے، ہر چند کہ اللہ کے شکر یہ کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور غالب والی بات ہی درست ہے کہ:

؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا (دیوان غالب صفحہ:۶۵)

کہ ہم خدا کو زیادہ سے زیادہ جو چیز پیش کر سکتے ہیں، اپنی جان دے سکتے ہیں نا۔اس سے بڑھ کر ہم کیا کر سکتے ہیں لیکن جان بھی خدا کو دے دیں تو وہ بھی تو اسی نے دی تھی۔اسی کی عطا کو اس کو واپس کریں گے، نئی چیز کیا اپنے پاس سے گھر سے لائیں گے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ مصرعہ جو مجھے بہت پیارا لگتا ہے بار بار میں اسے پہلے بیان کر چکا ہوں۔بہت ہی اعلیٰ پائے کا ایک

شعری قلبی مضمون بیان ہوا ہے۔عرض کرتے ہیں کہ:۔

سب کچھ تیری عطا ہے
گھر سے تو کچھ نہ لائے (درثمین صفحہ:۔۔)

جو کچھ نعمتیں تو نے ہمیں بخشی ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو ہم نے خود بنائی ہو۔سب تیری عطا ہے اگر تیرے حضور واپس کر دیں تو اس کے نتیجے میں ہم تو تجھے کچھ دینے والے نہیں بنیں گے۔پس شکریہ ادا کرنا زبان سے اور بات ہے اور دل سے شکریہ ادا کرنا اور بات ہے۔ جب دل سے شکریہ ادا ہو تو پھر انسان کے اندر تڑپ پیدا ہو جاتی ہے کہ میں شکریے کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں۔آپ دیکھیں کہ اللہ ہمیں جو توفیق بخشتا ہے ہم اس کے حضور چندے دیتے ہیں اور اس معاملے میں ساری دنیا میں سب سے نمایاں جماعت احمدیہ ہے۔ساری دنیا کے پردے پر تلاش کر کے دیکھ لیجئے آپ کو احمدیہ جماعت سے بڑھ کر خدا کی راہ میں مالی قربانی کرنے والی کوئی جماعت نہیں ملے گی۔بڑے، چھوٹے، جوان، سارے توفیق کے مطابق کچھ نہ کچھ دیتے ہیں لیکن بعض لوگ جو کچھ زیادہ دینے کی توفیق پاتے ہیں ان کے دماغ میں بعض دفعہ یہ کیڑا پڑ جاتا ہے کہ اچھا جماعت تو ہم پر منحصر ہے۔ہماری قربانیاں ہیں جن کے نتیجے میں جماعت چل رہی ہے اور بعض ایسے لوگوں کا انجام پھر برا ہوتا ہے۔خدا انہیں باہر نکال پھینکتا ہے لیکن وہ لوگ جو عجز کے ساتھ قربانی کرتے ہیں جن کے دل میں شکریہ پیدا ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ سب کچھ خدا کی عطا ہے ہم نے جو کچھ واپس کیا اس کا بہت تھوڑا اواپس کیا جو اس نے ہمیں دیا تھا اس لئے ہمارا احسان نہیں ہے خدا کا یہ بھی احسان ہے کہ اس نے ہمیں دیا اور یہ بھی احسان ہے کہ اس میں سے کچھ اس کے حضور پیش کیا۔پس انبیاء اسی لئے شکریے کا حق ادا کرنے کی توفیق مانگتے ہیں۔وہ جانتے ہیں، وہ عارف باللہ ہوتے ہیں ان کو پتا ہے کہ خدا کے احسان بہت زیادہ ہیں۔ان کو پتا ہے کہ خالی زبان سے الحمدللہ کہنا کافی نہیں ہے۔**بدن کو بھی شکریے کے ساتھ خدا کے حضور جھکنا ہوگا۔جذبات کو بھی جھکنا ہوگا۔خدا نے جو کچھ ہمیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا ہوگا۔**اب اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں ہر نعمت کا شکریہ اس کے رنگ میں ادا ہوا کرتا ہے۔ایک شخص کو اللہ نے علم عطا کیا ہے وہ اپنے علم سے پیسے کما بھی سکتا ہے اور پیسے لگا کر اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچا بھی سکتا ہے۔علم تو وہی ہے جو خدا نے دیا ہے بعض

لوگ اس کو صرف تجارت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بعض اس علم کو خدا کی خاطر اس کے بندوں پر خرچ کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ تکلیف بھی اٹھاتے ہیں اور خود اپنی جان پر ان کو خرچ کرنا پڑتا ہے تو ان دونوں چیزوں میں دیکھیں کتنا فرق ہے۔ پس قرآن کریم نے جو ہمیں سکھایا وَمِمَّارَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:۴) کہ جو کچھ ہم ان کو عطا کرتے ہیں۔ یا جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں سے وہ خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے یہ دعا کی تو آپ کی دعا کے پیچھے بہت بڑا مضمون تھا۔ کیونکہ حضرت سلیمانؑ کو خدا نے بہت کچھ دیا تھا۔ اتنی حکمت دی تھی کہ دنیا کے پردے پر کبھی کسی انسان کو اس زمانے میں وہ حکمت نہ ملی اور ساری دنیا میں آپ کی حکمت کی باتیں اس وقت بھی شہرت پا گئیں اور آج تک حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا عظیم الشان فلسفی حکیم، ایک دانشور ایک دانا انسان کے طور پر جانتی ہے۔ پس حکمتوں کا شکریہ کیسے ادا کریں جب تک حکمتوں کے موتی نہ بکھیریں، جب تک ساری دنیا کو اپنی حکمتوں سے فائدہ نہ پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ پھر بادشاہت وہ عطا کی جس کی کوئی مثال یہودی تاریخ میں نہیں ملتی، نہ پہلے نہ بعد میں اس زمانے سے آج تک کبھی کسی کو ایسی شاندار دنیاوی بادشاہت نہیں ملی جیسی خدا کے اس پاک نبی کو دنیاوی بادشاہت ملی اور پھر روحانی بادشاہت بھی عطا ہوگئی، نبی بنائے گئے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے تو یہ ساری باتیں حضرت سلیمانؑ کے ذہن میں تھیں اگر چہ اس سے پہلے آپ کے باپ حضرت داؤدؑ کو بھی نعمتیں ملی تھیں مگر جو شان وشوکت یہود کی سلطنت کو حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں عطا ہوئی ویسی اور کبھی کسی کو عطا نہیں ہوئی۔ اب اس کو دوبارہ پڑھیں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ کیوں عاجزی کے ساتھ خدا کے حضور گر گر کر منت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اے خدا تیری نعمتیں تو میری حد سے بڑھ گئی ہیں۔ کس طرف دیکھوں جہاں تیری نعمت نہیں۔ کس بات پر غور کروں جہاں مجھے تیرے احسان نہ دکھائی دیتے ہوں۔ پس تو ہی ہے جو مجھے اپنی اس چھوٹی سی زندگی میں اپنے شکریے کا حق ادا کرنے کی توفیق بخش سکتا ہے۔

ان باتوں کو سوچتے ہوئے اس سارے پس منظر کو دماغ میں رکھتے ہوئے اگر ہم میں سے ہر ایک چھوٹا بڑا خدا کی نعمتوں پر غور کرے اور عاجزانہ طور پر یہ عرض کرے کہ اے خدا! جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس پر مجھے توفیق بھی دے کہ میں تیرا سچا شکریہ ادا کروں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اگر

کوئی ڈوبتے کو بچاتا ہے اور بعد میں اس شخص کا کوئی بچہ ڈوب رہا ہو یا اس کا کوئی پیارا مشکل میں ہو تو اس کو دیکھ کر وہ شخص جس کو بچایا گیا ہے وہ آنکھیں پھیر کر چلا جائے تو یہ ناشکری ہوگی ۔ یہ ظلم ہوگا۔ اس کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ جب اس کو بچایا گیا تھا تو اس نے بچانے والے کو شکریہ کہہ دیا۔ پس اللہ کو تو ہم نعوذ باللہ کسی شکل میں احسان کا بدلہ براہ راست نہیں دے سکتے ۔ وہ تو ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہر چیز کا مالک وہ ہمیں زندگی عطا کرنے والا ، ہمیں سب نعمتیں عطا کرنے والا ، ہم اس کا شکریہ کس طرح ادا کریں ۔ ایک ہی رستہ ہے کہ اس کے رستے پر خرچ کریں ۔ ان بندوں پر احسان کریں جو خدا کے بندے ہوں اور ہمیں خدا اس احسان کا موقعہ عطا فرمائے ۔

پس اس دعا نے ہمیں حکمت کی بہت کچھ باتیں سکھائی ہیں ۔ اب آپ دیکھ لیجئے خدا کے بہت سے بندے تکلیف میں کئی قسم کی مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں ۔ ہم یہاں ایک سکول دیکھنے گئے تھے جو ایک ڈچ نیک دل انسان نے قائم کیا تھا اور اب بڑھتے بڑھتے کافی ترقی کر گیا ہے ۔ اس میں معذور و مجبور بچے ہیں جن کی دیکھ بھال کی جاتی ہے ۔ جن کو اس قابل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ زندگی میں ایک عزت والا مقام حاصل کر سکیں اور کسی کی محتاجی کے بغیر اپنا گزارا کر سکیں ۔ یہ بہت نیکی کا کام ہے ۔ جو احمدی ہے اس کے اوپر تو ہر دوسرے سے بڑھ کر یہ فرض ہے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے ایسے لوگوں پر احسان کرے ۔ جب ہم میں سے کسی کے ہاں کوئی معذور بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو ایسا شخص اگر بدقسمت ہو تو بعض دفعہ خدا پر باتیں بنانے لگ جاتا ہے ۔ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ہی ظلم کرنا تھا اور ساری دنیا رستی بستی ہے اس کو تکلیف نہیں پہنچتی اور مجھے خدا نے چن لیا۔ یہ اس کی جہالت ہے جو کچھ خدا نے دیا ہے اس میں سے تھوڑا سا نہ دینے پر اتنی تکلیف ہو، اتنا جزع فزع اور خدا پر اتنی باتیں بنانا اور یہ نہ دیکھنا کہ اس نے جو دیا ہے وہ بہت زیادہ ہے اور مالک ہے وہ اگر وہ بھی واپس لے لے جو دے چکا ہے تو کسی کا کوئی بس نہیں ۔

دوسرے ان باتوں پر غور کرنے سے ، اگر وہ سچے دل سے غور کرتا تو اس کو بہت بڑی حکمت سمجھ آجاتی ۔ اللہ تعالیٰ جن کو دیتا ہے ان کی آزمائش بھی کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ جن کو میں نے عطا کیا ہے وہ میرے شکریے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نہیں ۔ خدا تو نعوذ باللہ لولا لنگڑا نہیں ہوسکتا خدا بے نور نہیں ہوسکتا۔ آپ کو آنکھیں عطا ہوئیں تو اگر بے آنکھوں والوں کی خدمت نہ کریں گے تو

خدا کا شکریہ کیسے ادا کریں گے۔ اگر ہاتھ پاؤں عطا ہوئے اور دنیا میں اگر کوئی لولا لنگڑا نہ ہو اور اس کی خدمت کا آپ کو موقعہ نہ ملے تو کیسے خدا کا شکریہ ادا کریں گے۔

پس دنیا میں آزمائشوں کا جو نظام چل رہا ہے، اگر غور کیا جائے تو دراصل ایک ہی رستہ ہے جس رستے سے خدا کے شکر گزار بندے اپنے رب کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور یہ جو مضمون ہے یہ ہمیں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھایا۔ آپؐ نے ہمیں معرفت کی یہ بات سمجھائی ہے کیونکہ ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا۔ یہ ایک حدیث قدسی ہے یعنی ایک حکایت کے رنگ میں ایک بیان ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی بندہ پیش ہوگا تو وہ اسے کہے گا کہ دیکھو میں بھوکا تھا اور بہت تکلیف میں تھا تو نے مجھے روٹی نہ کھلائی اور پھر کہے گا کہ میں بغیر کپڑوں کے تھا، میرے بدن پر گرمی سے بچنے کے لئے اور سردی سے بچنے کے لئے کچھ نہیں تھا تجھے توفیق تھی تو نے میری کچھ خدمت نہ کی، تو نے مجھے کپڑے نہ پہنائے۔ میں بے چھت کے تھا میرا کوئی گھر نہیں تھا اور تجھ سے امید تھی کہ تو مجھے گھر دے گا، مجھے آرام پہنچائے گا لیکن تو نے میری کوئی خدمت نہ کی۔ اس طرح خدا باتیں کر رہا ہوگا اور وہ بار بار احتجاج کرے گا کہ اے میرے مالک اے میرے خدا! تو تو سب کو دینے والا ہے تو نے ہی تو تن ڈھانکے ہیں تو کب بغیر کپڑے کا تھا، تو تو سب کو رزق دینے والا ہے، تو کب بھوکا تھا تو اللہ فرمائے گا دیکھ جب میرا بندہ ننگا تھا اور نہ سردی سے بچ سکتا تھا نہ گرمی سے اس وقت میں ہی ننگا تھا تو اس وقت تو میری مدد کر سکتا تھا یعنی میرے بندے کی مدد کر سکتا تھا جب میرا کوئی غریب بندہ بھوکا تھا اور تو کھانا کھلا سکتا تھا مگر نہیں کھلایا تو گویا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔

جو مضمون میں بیان کر رہا ہوں آپ دیکھ لیں اس کے ساتھ یہ بالکل مطابقت کھا رہا ہے آنحضرت ﷺ اس تمثیل کے ذریعے ہمیں یہ سمجھاتے ہیں کہ تم اگر خدا کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہو تو براہ راست تو ادا کر ہی نہیں سکتے۔ جو کچھ خدا نے تمہیں دیا ہے اس کے غریب بندوں پر احسان کرتے ہوئے اس میں سے کچھ ان کو دو تو اس رنگ میں تم گویا خدا کا شکریہ ادا کر سکتے ہو۔ جتنی زیادہ کسی کو نعمتیں عطا ہوں اتنی ہی زیادہ شکریہ ادا کرنے کی ذمہ داری اس پر بڑھ جاتی ہے، اتنی ہی زیادہ اس کو دعا کرنی پڑے گی اور انبیاء کی دعاؤں نے ہمیں سکھا دیا کہ انبیاء جیسے بڑے مقام پر فائز لوگ بھی اپنی طاقت سے شکریہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اگر انبیاء کو خود یہ طاقت ہوتی کہ اللہ کا شکریہ ادا کر سکیں تو خدا

سے رورو کر دعائیں مانگنے کی اور گریہ وزاری کیا ضرورت تھی کہ اے اللہ! ہمیں شکریہ کا طریقہ سکھا صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء عارف تھے، خدا کی حکمت کے راز سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ اگر خدا نے توفیق نہ دی تو ہم شکر کا حق بھی نہیں ادا کر سکیں گے۔

پس حضرت سلیمانؑ کے منہ سے یہ دعا بہت زیب دیتی ہے کیونکہ آپ پر خدا کے بے انتہاء احسانات تھے۔ پس نہایت عاجزی کے ساتھ جھکتے ہوئے خدا کا خوف کھاتے ہوئے انہوں نے عرض کیا۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ کہ میں تیری نعمت کا شکریہ ادا کرسکوں الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر کی اور صرف اسی کا نہیں۔ وَعَلٰی وَالِدَیَّ اور اس نعمت کا بھی مجھ پر شکریہ واجب ہے جو تو نے میرے والدین پر کی۔ اب یاد رکھیں اس دعا نے ہمیں ایک اور بہت گہرا حکمت کا موتی پکڑا دیا۔ بچوں پر فرض ہے کہ اپنے والدین کا شکریہ بھی ادا کریں اور والدین پر جو خدا نے نعمتیں عطا کیں، والدین کی زندگی تھوڑی ہوئی اور وہ ان سب نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کر سکے تو یہ اولاد پر قرض ہو گیا اور وہ والدین بھی جو خدا کے نیک بندے تھے اور انہوں نے خدا کا شکر کرتے ہوئے زندگی گزاری ان کی اولاد کو بھی یہ احساس ہونا چاہئے کہ ہم پر ہمارے ماں باپ کا احسان ہے ہم اس احسان کا صرف اس رنگ میں بدلہ اتار سکتے ہیں کہ جو نیک کام وہ کیا کرتے تھے ان نیک کاموں کو ہم بھی کریں۔ جو خدا نے ان پر احسان کئے تھے ان احسانات کا شکریہ ہم ان کی طرف سے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کریں۔ تو کتنا عظیم الشان نبی تھا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، کتنی گہری معرفت اور حکمت کی باتیں کرنے والے تھے۔ آپ کی دعائیں بھی گہری حکمت پر مبنی تھیں۔ پس شکریہ اپنا ہی نہیں بلکہ اپنے والدین کا بھی ادا کرنے کا خیال آ گیا اور کہا وَعَلٰی وَالِدَیَّ اور اپنے والدین کا بھی شکریہ ادا کروں اور کس طرح شکریہ ادا کروں؟ زبان سے! نہیں نہیں عرض کرتے ہیں وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ایک ہی طریق ہے تیرا شکریہ ادا کرنے کا کہ نیک اعمال بجالاؤں۔ ایسے اعمال بجالاؤں جو تجھے پسند آجائیں۔

پس شکریہ ادا کرنے کا ایک اور طریق ہمیں سمجھا دیا کہ شکریہ ادا اس لئے کیا جاتا ہے کہ دوسرا خوش ہو اور اللہ تعالیٰ تو زبانی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تو نیک اعمال سے خوش ہوتا ہے۔ پس

خدا سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا مجھے ایسے نیک اعمال ادا کرنے کی توفیق بخش کہ جن پر تیری نگاہیں پڑیں تو تو خوش ہو جائے کہ دیکھو میرا بندہ سلیمان کیسے اچھے کام کر رہا ہے۔ کیسے نیک کاموں میں مصروف ہے اور مجھے خوش کرنا چاہتا ہے حضرت سلیمان عرض کرتے ہیں کہ اس رنگ میں تو مجھے دیکھے کہ تیری رضا کی نظریں مجھ پر پڑ رہی ہوں۔ آپ کا کوئی بچہ آپ کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہو اور آپ کی مرضی کا کام کرے اور پھر بار بار دیکھے کہ آپ خوش ہوئے ہیں کہ نہیں اور آپ کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے، خوشی کے آثار دیکھے، مسکراہٹ دیکھے، آنکھ میں پیار دیکھے تو اس کو کیسا مزا آئے گا پس حضرت سلیمان یہی عرض کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے خدا توفیق بخش کہ میں نیک کام کروں اور ایسے کام جن کو تو پسند کرتا ہو اور تیرے پیار کی نگاہیں مجھ پر پڑ رہی ہوں۔ اور پھر میں کہوں کہ ہاں اب میں نے تیرا شکریہ ادا کیا ہے۔ جس طرح تو نے مجھے راضی کیا میں نے بھی تجھے راضی کر دیا۔ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ اور مجھے اپنی خاص رحمت سے اپنے صالح بندوں میں داخل فرمالے۔ ایسے بندوں میں جن کے متعلق تو یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صالح زندگی گزارنے والے تھے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں اور قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی سب سے اونچی نعمت اس کے بعد صدیق، اس کے بعد شہید۔ اس کے بعد صالح، اور وہ سمجھتے ہیں صالح سب سے ادنیٰ درجہ ہے اس لئے نبیوں سے نیچے کا مقام ہے لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی صالح نہیں ہوتا۔ یا نبی شہید نہیں ہوتا، یا نبی صدیق نہیں ہوتا۔ بلکہ نبی کے اندر بیک وقت یہ سارے عہدے شامل ہوتے ہیں، یہ سارے مرتبے اس کو اکٹھے نصیب ہوتے ہیں۔ جو صرف صالح ہو وہ اوپر کا درجہ نہیں رکھتا جو اوپر کا درجہ رکھتا ہو یعنی شہید ہو، وہ صالح بھی ہوتا ہے۔ پس انبیاء جانتے ہیں کہ انہیں ہمیشہ صالح رہنا پڑے گا اور اس لئے وہ عاجزی کے ساتھ خدا کے حضور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہم تیری نظر میں صالح رہیں اور نہ ہم سے ایسے اعمال سرزد ہوں کہ تیرے ہاں ہم غیر صالح لکھے جائیں۔

حضرت سلیمانؑ ایک ایسے نبی ہیں جن پر یہود نے یعنی اس قوم نے جس پر حضرت سلیمانؑ کے سب سے زیادہ احسان ہیں سب سے زیادہ ظلم کئے ہیں آج تک کسی احسان مند نے اپنے محسن کے خلاف ایسی ناشکری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جتنا یہود نے حضرت سلیمانؑ کے متعلق ناشکری کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ بائبل میں یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ نہ صرف یہ کہ حضرت سلیمانؑ کو نبی تسلیم نہیں کیا

جاتا اور صرف بادشاہ مانا جاتا ہے بلکہ ایسے گندے کردار کا بادشاہ مانا جاتا ہے کہ اس کو پڑھ کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ اگر **نعوذ باللہ من ذالک** یہ خدا کا شکر گزار بندہ ہے تو پھر دنیا سے امن وامان اٹھ جائے۔ دنیا میں کوئی نیکی باقی نہ رہے۔

یہ قرآن کریم کا احسان ہے کہ اس نے بائبل کے گزشتہ انبیاء کے تقدس کو دنیا کے سامنے دوبارہ قائم کیا ہے۔ یہ قرآن کریم کا احسان ہے کہ اس نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کو ایسے پاکباز خدا ترس بزرگ انسانوں کے طور پر پیش کیا ہے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی اعلیٰ ترین نعمت عطا فرمائی۔ ورنہ بائبل کی رو سے اور یہود کے قصوں کی رو سے تو حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نہایت ہی خوفناک قسم کے بدکردار انسان (**نعوذ باللہ من ذلک**) بنتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عیسائی عام طور پر قرآن کریم پر جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے تو بائبل کی نقل اتاری ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، جو پرانی بائبل کی باتیں ہیں وہ آپ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے سنی ہیں اور انہی قصوں کو قرآن کریم میں لے لیا ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر نبی کے طور پر نہ ملتا اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر اتنے پیار کے ساتھ اور محبت کے ساتھ نہ ملتا۔ ایسے مقدس اور بزرگ انسانوں کے طور پر نہ ملتا بلکہ بائبل کی نقل ماری ہوتی تو قرآن کریم ان کے ذکر سے بھی گھن کرتا، اور کہتا دیکھو **نعوذ باللہ من ذالک** کیسے گندے لوگ تھے۔

پس قرآن کریم نے حضرت سلیمان کو جو ہمارے سامنے پیش کیا ہے تو ایک بہت ہی عظیم الشان اور بزرگ نبی کے طور پر پیش کیا ہے جو احسان مند اور ہر لمحہ خدا کا شکر یہ ادا کرنے والا تھا اور بنی نوع انسان کو ان نعمتوں سے حصہ دینے والا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی تھیں۔ اس کے مقابل پر آپ جب بائبل پر غور کرتے ہیں اور بائبل کے جو محققین ہیں ان کی رائے دیکھتے ہیں تو آپ حیران ہو جاتے ہیں کہ کس طرح بعض قومیں ظالم ہو کر اپنے پاک انبیاء پر کیسے کیسے بہتان تراشنے لگتی ہیں۔ ایک یہودی تاریخ کا مصنف حضرت سلیمانؑ کے متعلق لکھتا ہے کہ یہود حضرت سلیمان کی بادشاہت سے سخت بیزار تھے کیونکہ وہ نہایت گندے کردار کے انسان تھے، نہ صرف گندے کردار کے بلکہ مشرک تھے اور خدا کے ساتھ اپنے کئے ہوئے عہد کو توڑ بیٹھے تھے اور غیر قوموں کی عورتوں کو بیاہ

کر کے لاتے تھے اور پھر ان کے معبودوں کی پرستش کرنے لگ جاتے تھے۔ یہ جو کچھ لکھا ہے یہ بائبل کی نقل کی ہے۔ بائبل میں یہ باتیں لکھی ہوئی ہیں۔لیکن آخر پر وہ لکھتا ہے کہ ہاں ایک بات ہے کہ وہ عقلمند ضرور تھے۔لیکن اس عقل کا کیا فائدہ جوان کے کام نہ آسکے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے یہود میں یہ حکایت مشہور تھی اور یہ بات بار بار کہی جاتی تھی کہ:۔

Soloman was the wisest man on earth yet see how foolishly he lived. کہ سلیمانؑ دنیا کا سب سے زیادہ عقل والا انسان تھا لیکن دیکھو دیکھو وہ خود کتنی بیوقوفی کی زندگی گزار کر چلا گیا۔تو ایسی ظالم قوم ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے اوپر ایسے ایسے بہتان باندھے ہیں جوایک عام انسان پر بھی باندھتے ہوئے خدا کا خوف کھانا چاہئے اور آپ کے کردار کو ہر طرح سے داغدار بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں نے اس پر تحقیق کی،غور کیا، کچھ بائبل کے متعلقہ حصوں کا مطالعہ کیا تو مجھے یہ راز سمجھ آیا ہے کہ کیوں انہوں نے ایسا کیا ہے۔حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام غیر معمولی انصاف کرنے والے انسان تھے۔ایسا منصف نبی اور بادشاہ یہود کی تاریخ میں آپ کو شاید ہی کوئی اور دکھائی دے بلکہ بے مثل ہیں اس معاملہ میں چنانچہ آپ نے غیر قوموں کو یہ حق عطا کیا کہ مذہبی اختلاف رکھتے ہوئے اپنے خدا کی اس طرح پرستش کریں جس طرح یہود کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے خدا کی پرستش کریں۔یعنی جس کو خدا سمجھتے ہیں اس کی پرستش کریں۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ان غیر قوموں کو مذہبی آزادی کا حق ملا ہے۔ جو اس سے پہلے اس حق سے محروم تھیں اور بہت وسیع حکومت تھی آپ کی، وہاں حقیقت میں اکثریت تو غیر قوموں کی تھی اور اسرائیل کو خدا نے اگر چہ بادشاہت عطا کی تھی مگر اسرائیلی ایک اقلیت میں تھے۔Minority میں تھے تو کتنا ظلم ہوتا کہ ایک اقلیت کے مذہب کو تو کھلی چھٹی ہوتی کہ جو چاہے کرے لیکن ملک کی اکثریت کو اس خدا کی پرستش کا حق نہ ہوتا جس کو وہ خدا سمجھ رہے ہیں تو حضرت سلیمانؑ کا انصاف تھا جو یہودیوں کو چبھتا تھا اور تکلیف دیتا تھا۔

حضرت سلیمانؑ وہ نبی ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے تصور کو یہود تک محدود نہیں رہنے دیا اور تمام بنی نوع انسان کے لئے خدا کے تصور کو عام کر کے پیش کیا جس طرح کہ ہم سورۂ فاتحہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھتے ہیں اگر آپ سلاطین نمبر(۱)، باب (۸) کا مطالعہ کریں (جس

کو انگریزی میں king:2 کہا جاتا ہے۔یعنی سلاطین) تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہیکل سلیمانی تعمیر فرمایا اور اس کی تکمیل کی آخری تقریبات ہو رہی تھیں اور جشن منایا جا رہا تھا تو اس وقت آپ نے ایک عظیم الشان تقریر۔ہیکل سلیمانی کے مقاصد کے اوپر کی اور وہ تقریر اپنے مضمون کے لحاظ سے اس سے ملتی جلتی ہے جو خانہ کعبہ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی۔اگر چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر یعنی ان کی دعائیں بہت جامع مانع ہیں اور اس سلسلے میں آپ کے ملفوظات بہت جامع مانع ہیں لیکن حضرت سلیمانؑ کی اس تقریر میں اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں یہود کے ایک نبی کیلئے کیسی عجیب بات ہے کہ وہ وہاں اعلان کر رہے ہیں کہ اے خدا یہ ہیکل سلیمانی صرف یہود کے لئے محدود نہ رہے اے خدا! اس ہیکل میں جو دعائیں مانگی جائیں وہ اس صورت میں بھی قبول فرما کہ یہود وہ دعائیں مانگ رہے ہوں، اسرائیلی وہ دعائیں مانگ رہے ہوں اور اس صورت میں بھی قبول فرما کہ دنیا کے دور کے کناروں سے آنے والے وہ لوگ جن کا ہمارے مذہب سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے وہ بھی یہاں آ کر دعائیں مانگیں تو تو ان کو بھی قبول فرمالے۔حضرت سلیمانؑ یہ کہتے ہیں کہ'' وہ خدا جو اسرائیل کا خدا ہے وہی کل عالم کا خدا ہے''۔گویا وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہی خدا ہے جو صرف اس عالم کا نہیں بلکہ تمام جہانوں کا رب ہے۔دیکھیں سورۂ فاتحہ کے مضمون کا ایک حصہ حضرت سلیمانؑ کو بھی عطا ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا گویا یہ ترجمہ ہے۔کہتے ہیں تمام جہانوں کا وہ رب ہے۔وہ یہود کے لئے کس طرح محدود ہو جائے گا۔پس وہ خدا سے دعائیں کرتے چلے جا رہے ہیں اور سارے یہود بڑے بڑے بزرگ، نیک، بد، چھوٹے بڑے اکٹھے ہوئے تھے اور سارے ان کے ساتھ آمین کہتے تھے اور اس دعا میں شامل تھے کہ اے خدا تو اس گھر کو عام کر دے اس کے فیض کو عام کر دے۔سارے بنی نوع انسان جو بھی یہاں حاضر ہوں وہ تیری رحمتوں کا فیض پائیں اور واپس جا کر اپنی اپنی قوموں میں اعلان کریں کہ ہم نے ایک ایسے خدا کے گھر کا پتا پایا ہے جس کا فیض ساری دنیا پر عام ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔جو سب سے زیادہ طاقتور ہے تو یہ حضرت سلیمانؑ کی پیاری باتیں تھیں جو یہودی علماء کو تکلیف دیتی تھیں۔وہ متعصب علماء جنہوں نے خدا کو اپنے گھر کی ملکیت بنالیا تھا وہ سمجھتے تھے کہ نیکی سوائے اسرائیل کے باہر ہو ہی نہیں سکتی وہ کس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو برداشت کرتے۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک اور چیز جو یہود کو تکلیف دیتی تھی وہ بھی انصاف کا ایک اور پہلو ہے حضرت سلیمانؑ نے بہت عظیم الشان تعمیرات کرائیں ۔ آپ کو علم ہے کہ آپ کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ آپ کو خدا نے ہواؤں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشی اور وہ سفر جو آپ سے پہلے ایک مہینے کی مشقت سے کیا جاتا تھا وہ صبح اور شام میں طے ہو جایا کرتا تھا تو حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے بہت علم عطا کیا، بہت ہی عظیم الشان ایجادات کی توفیق بخشی اور بہت سی اصلاحات کی توفیق بخشی ۔ اس ضمن میں قوم کی تعمیر کا جو پروگرام تھا اس میں آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ساری آبادی جو بالغ مرد ہیں، جن میں کام کرنے کی طاقت ہے وہ بلا امتیاز اپنے وقت کا تیسرا حصہ الٰہی کاموں پر یا قومی کاموں پر خرچ کرے گویا کہ ایک قسم کا قومی وقف کا اعلان تھا اور تیسرے حصے سے پتا چلتا ہے کہ یہ روایت یا رسم ہمارے ہاں چلی آتی ہے کہ تیسرے حصے سے زیادہ خدا کو نہیں دینا یعنی خدا خود پسند نہیں فرماتا کہ تم اپنے بال بچوں کا حق مارلو بلکہ یہ اجازت دیتا ہے کہ تیسرے حصے تک اپنے مال کو خدا کی راہ میں قربان کرو تو یہ رسم کوئی نئی نہیں ۔ بہت پرانی چلی آرہی ہے ۔ حضرت سلیمانؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت کی بات سمجھائی کہ اسی طرح خدمتیں لو کہ جن لوگوں کو خدمت پر مقرر کرو ان کے وقت کے تین حصوں میں سے دو حصے ان کے ہوں گے اور ایک حصہ قوم کا ہو گا ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے یہ رواج تھا کہ یہود کو اس خدمت سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا ۔ وہ سمجھتے تھے ہم حاکم قوم ہیں جس طرح ڈچ یہاں حکومت کرتے تھے تو خود ویسے محنت کے کام نہیں کرتے تھے ۔ جیسے آپ لوگوں سے لیتے تھے یا افریقہ کے ان لوگوں سے لیتے تھے جن کو وہ پکڑ کر یہاں لانے والے تھے ۔ وہ آپ بادشاہ بن کر پھرتے تھے انگریز یہی سلوک ہندوستانیوں سے کیا کرتے تھے ۔ افریقنوں سے کیا کرتے تھے تو ابتداء سے یہی رواج چلا آرہا تھا کہ یہود چونکہ ایک فاتح قوم ہے اس لئے یہود خود محنت کے کام نہیں کریں گے اور جو قومیں مغلوب ہو چکی ہیں صرف ان سے ان کے وقت کا ۳ ر۱ حصہ لیا جائے گا ۔ لیکن حضرت سلیمانؑ کا یہ عظیم الشان انصاف ہے کہ آپ نے پہلی مرتبہ اس قانون کو تبدیل کیا اور کہا کہ یہود بھی اسی طرح وقت پیش کریں گے جس طرح غیر قومیں پیش کریں گی اور اس ملک میں اپنے اور غیر کا کوئی فرق نہیں رہے گا ۔ انصاف چلے گا اور کامل انصاف چلے گا ۔ کتنا عظیم الشان نبی تھا ۔ کیسے انقلابی فیصلے کرنے والا تھا ایسا محسن اعظم ! اور اس کا بدلہ یہود نے اس ناپاک طریق پر دیا کہ ان باتوں سے چڑ

کر آپ پر گندے حملے کئے ۔ آپ نے کیونکہ غیروں کو عبادت کا حق دے دیا اس لئے یہ کہنے لگ گئے کہ یہ مشرک تھا اور یہ خود غیر قوموں کی عبادت کیا کرتا تھا۔ وجہ یہ بیان کی کہ بے شمار غیر قوموں کی عورتوں سے اس نے بیاہ کئے اور بیان یہ کیا جاتا ہے کہ ۷۰۰ بیویاں کیں اور وہ بھی کافی نہ سمجھیں، اس کے علاوہ ۳۰۰ لونڈیاں بھی گھر میں رکھ لیں تو گویا ایک ہزار بیویاں حضرت سلیمانؑ کی بیان کی جارہی ہیں حالانکہ یہ ایک ایسی جاہلانہ بات ہے جسے انسان قبول ہی نہیں کرسکتا۔ نہایت ناپاک قصے بنا بنا کر ان کی طرف منسوب کئے اور پھر یہ کہا کہ یہ ساری بیویاں غیر قوموں کی تھیں یا بھاری اکثریت ان کی تھی اس لئے ان بیویوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے خداؤں کی عبادت کرنے لگ گیا اور ان کے حضور سجدے کرنے لگ گیا اور ان کے معبد بنانے لگ گیا۔

پس قومیں جب وقت کے نبی کی مخالفت کرتی ہیں تو اس طرح ان پر ناپاک حملے کرتی ہیں۔ ہم بھی ایک ایسے زمانے سے گزر رہے ہیں جہاں ہمارے سامنے ثبوت کی تاریخ بن رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع فرمان نبی ہیں۔ آزاد نبی نہیں ہیں مگر امتی نبی ضرور ہیں۔ آپ تحریرات پڑھ کر دیکھیں کہیں بھی آپ نے امتی نبوت کا انکار نہیں کیا۔ امام مہدی ہونا اور امتی نبی ہونا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پس آپ پر بھی اسی طرح ناپاک حملے کئے جارہے ہیں۔ آپ غیر احمدی مخالفین کا لٹریچر پڑھ کر دیکھ لیں آپ حیران رہ جائیں گے کہ کیسے گندے ناپاک حملے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور آپ کے خلفاء پر آپ کے صحابہؓ پر یہ لوگ کرتے چلے جارہے ہیں گویا ہم اس تاریخ کو اپنی آنکھوں کے سامنے بنتا دیکھ رہے ہیں جس تاریخ کا ذکر قرآن کریم میں محفوظ ہے اور جس کے تفصیلی تذکرے ہمیں بائبل میں ملتے ہیں۔

پس حضرت سلیمانؑ کی اس ایک دعا پر ہی آپ غور کر کے دیکھ لیں آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ مؤحد ہی نہیں بلکہ ایک بہت پائے کے عارف باللہ مؤحد تھے۔ آپ کو شرک سے دور کا بھی علاقہ نہیں تھا۔ آپ احسان فراموش نہیں تھے بلکہ احسان کو بے انتہاء محسوس کرنے والے تھے اور خود لوگوں کے محسن تھے اور اس کے باوجود عجز اتنا تھا کہ سمجھتے تھے کہ میں احسان کا حق ادا نہیں کرسکا اور اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ پوچھتے تھے کہ مجھے شکر یہ ادا کرنے کی راہیں سکھلا۔

پس آج کے اس خطبہ میں چونکہ دیر ہو چکی ہے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور آئندہ انشاء اللہ باقی

دعاؤں کا تذکرہ جس ملک میں بھی وہ خطبہ ہوگا وہاں سے پیش کروں گا۔ آپ سے میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ اپنی نسلوں کو خطبات باقاعدہ سنوایا کریں یا پڑھایا کریں یا سمجھایا کریں کیونکہ خلیفہ وقت کے یہ خطبات جو اس دور میں دیئے جارہے ہیں یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والی نئی ایجادات کے سہارے بیک وقت ساری دنیا میں پھیل رہے ہیں اور ساری دنیا کی جماعتیں ان کو براہ راست سنتی اور فائدہ اٹھاتی اور ایک قوم بن رہی ہیں اور امت واحدہ بنانے کے سامان پیدا ہورہے ہیں اس لئے خواہ وہ فجی کے احمدی ہوں یا سرینام کے احمدی ہوں، ماریشس کے ہوں یا چین جاپان کے ہوں، روس کے ہوں یا امریکہ کے، سب اگر خلیفہ وقت کی نصیحتوں کو براہ راست سنیں گے تو سب کی تربیت ایک رنگ میں ہوگی ۔ وہ سارے ایک قوم بن جائیں گے خواہ ظاہری طور پر ان کی قوموں کا فرق ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے رنگ چہروں کے لحاظ سے جلدوں کے لحاظ سے الگ الگ ہوں گے مگر دل کا ایک ہی رنگ ہوگا۔ ان کے حلیے اپنے ناک نقشے کے لحاظ سے تو الگ الگ ہوں گے لیکن روح کا حلیہ ایک ہی ہوگا۔ وہ ایسے روحانی وجود بنیں گے جو خدا کی نگاہ میں مقبول ٹھہریں گے کیونکہ وہ قرآن کریم کی روشنی میں تربیت پارہے ہوں گے اور قرآن کے نور سے حصہ لے رہے ہوں گے۔

آپ کے ہاں سرینام میں مجھے تربیت کے لحاظ سے بہت سے خطرات دکھائی دیتے ہیں یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں افریقن مزاج جو ناچ گانے اور کھلے معاشقے اور شراب نوشی کا مزاج ہے۔ کثرت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور یہ معاشرہ غالب آرہا ہے۔ یہاں بے پردگی صرف بے پردگی نہیں بلکہ اس سے زیادہ بے حیائی میں بھی تبدیل ہو چکی ہے۔ یہاں فیشن ایسے ہیں جو کھلم کھلا عورت کی ایسی نمائش کرنے والے ہیں جن سے انسان کی طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے اور طبیعت میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔ ایسی جگہ پر رہتے ہوئے احمدی ماں باپ کو اپنی بچیوں کی فکر کرنی چاہئے۔ اپنی نوجوان نسلوں کی فکر کرنی چاہئے اور ایسے آزاد معاشرے میں جب تک شروع سے ان کی صحیح تربیت نہیں کریں گے اس وقت تک ان کے اخلاق کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ کچھ دیر تک یہ آپ کے بچے رہیں گے پھر یہ معاشرے کے بچے بن جائیں گے۔ پھر یہ اس قوم کے بچے ہو جائیں گے۔ آپ کا سرمایہ دوسرے کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ جبکہ یہ وہ دولت ہے جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے۔ سب سے بڑی دولت اولاد کی دولت ہے۔ اگر ساری عمر کی کمائی آپ ایک ہی دن گنوا بیٹھیں تو کتنا دکھ محسوس

کرتے ہیں لیکن یادرکھیں اولاد کی دولت سے بڑھ کر دنیا کی اور کوئی دولت نہیں ہے۔ اگر اولاد ہاتھ سے نکل جائے تو گویا ساری عمر کی کمائی ہاتھ سے گئی۔ پس اس کی فکر کریں اور اس ضمن میں آپ کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ باقاعدگی کے ساتھ خطبات کو خود بھی سنیں اور اپنے بچوں کو بھی سمجھائیں تو چونکہ ان میں قرآن کریم کا ذکر چلتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کا ذکر چلتا ہے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے نصیحتیں پیش کی جاتی ہیں اس لئے تربیت کا ایک بہت ہی اچھا ذریعہ ہے اور آپ کی نئی نسل کو قرآن اور دین اور محمد رسول اللہ ﷺ اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان خطبات کے وسیلے سے انشاء اللہ ایک گہرا ذاتی تعلق پیدا ہو جائے گا اور جب خدا سے تعلق پیدا ہو جائے تو پھر دنیا والے اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ کیسا ہی گندا معاشرہ ہو لیکن جس کا اللہ سے تعلق ہو جائے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

پس اس سے فائدہ اٹھائیں اور آج خدا نے آپ کو توفیق بخشی ہے کہ سرینام کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی بندے کا خلیفہ براہ راست آج آپ سے جمعہ کے دن مخاطب ہے اور یہ جو تاریخی واقعہ ہے یہ ایک ہی دفعہ ہونا تھا اور ایک ہی دفعہ ہو چکا۔ اب یہ دھرایا نہیں جاسکتا۔ خلفاء انشاء اللہ آئندہ بھی آئیں گے۔ تقریریں بھی کریں گے خطبے بھی دیں گے مگر پہلی دفعہ پہلی دفعہ ہی رہتی ہے دہرانے سے وہ دوسری پہلی مرتبہ تو نہیں ہوسکتی۔ تو آپ خوش نصیب ہیں کہ اس تاریخی موقعہ کے گواہ بن گئے ہیں۔ اس کا شکر ادا کرنا بھی تو ضروری ہے۔ **پس حضرت سلیمانؑ کی طرح خدا سے دعا مانگیں اور اس بات کا شکر آپ اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ اپنی اولاد کو خطبات سنانے کا انتظام کریں اور انہی الفاظ میں سنائیں خلاصوں پر راضی نہ ہوں۔** عام طور پر یہ رواج مربیوں مبلغوں میں دیکھا جاتا ہے کہ محنت سے جی چراتے ہوئے بجائے اس کے کہ وہ سارے خطبہ کا ترجمہ کر کے پیش کریں، اپنی طرف سے وہ اپنے کام کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں اور اردو میں ایک محاورہ ہے ٹرخانہ تو وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح جماعت کو بھی ٹرخا دیا۔ خلیفہ وقت کو بھی ٹرخا دیا اور یہ لکھ دیا کہ ہم نے آپ کے خطبہ کا مضمون عمدگی سے پیش کر دیا۔ یہ کافی نہیں ہے۔ ہر شخص کو خدا تعالیٰ نے بات کرنے کا اپنا ایک طریق سکھایا ہے ہر شخص خواہ وہ وہی مضمون بیان کر رہا ہو الگ اثر رکھتا ہے اس لئے اصل طریق یہ ہے کہ اگر آپ میں سے کسی کو اردو سمجھ نہ آئے تو مربی سلسلہ پورے خطبہ کا ترجمہ اس زبان میں

کرے جو زبان آپ کو سمجھ آتی ہے اور وہ ایک ہفتے کے اندر اندر بآسانی ایسا کر سکتا ہے جہاں تک انگریزی، فرنچ، جرمن کا تعلق ہے اس کا پہلے ہی انتظام ہے۔ دنیا کی بہت تھوڑی جگہیں ایسی ہیں جہاں یہ زبانیں نہ سمجھ آرہی ہوں۔ ہاں عربی کا بھی انتظام ہے تو عربی، انگریزی، جرمن، فرنچ، اردو تو ہے ہی ان سب میں سے پہلے سے انتظام ہے۔ صرف وہاں مربیوں کو یا آپ کو محنت کرنی پڑے گی جہاں چند علاقوں میں یہ زبانیں نہیں سمجھی جاتیں تو اس پر توجہ کریں اور اس رنگ میں **آپ شکریہ کا حق ادا کرنے والے ہوں گے کہ اپنی اولادوں کو ہمیشہ خطبات سے جوڑ دیں اگر آپ یہ کریں گے تو ان پر بہت بڑا احسان کریں گے۔ اپنی آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت کرنے والے ہوں گے ان کو غیروں کے حملوں سے بچانے والے ہوں گے ان کے اخلاق کی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔** پس اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ آپ کی جماعت کو بہت ترقی دے میں نے یہاں آکر دیکھا ہے کہ سرینام کی جماعت میں اللہ کے فضل سے بہت اخلاص کا مادہ ہے یہاں اخلاص کی کان ہے لیکن اگر کانوں کو کھودا نہ جائے ان سے قیمتی جواہر نکالے نہ جائیں تو کیا فائدہ؟ وہ مٹی میں ملی رہتی ہیں آپ لوگوں کے اندر خدا نے اخلاص کا وہ مادہ عطا کیا ہے کہ اگر مبلغ یا مربی اور آپ کے عہدیدار اس اخلاص کی کان سے فائدہ اٹھائیں اور ان جواہر کو باہر نکالیں تو آپ کے فیض سے سارا علاقہ اللہ کے فضل کے ساتھ اسلام اور احمدیت کے نور سے بھر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپس کے اختلافات ختم کریں
”سچے ہو کر جھوٹے کی تذلل اختیار کرو“ صلح کے لئے
عظیم نسخہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عطا فرمایا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷؍ جون ۱۹۹۱ء بمقام ٹرینیڈاڈ)

تشہد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج مجھے ایک مشکل درپیش ہے کیونکہ آپ میں سے بہت سے احباب اردو نہیں جانتے۔مشکل یہ ہے کہ جب سے میں نے پاکستان چھوڑا ہے تقریباً سات سال اور کچھ ماہ قبل میں تمام خطبات ہمیشہ اردو میں دیتا رہا ہوں کیونکہ جو احمدی پاکستان میں ہیں ان سے میرا رابطہ اسی توسط سے قائم ہے اور وہ براہ راست میرے خطبات جمعہ سننے کے عادی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی احمدی ہیں خصوصاً ہندوستان میں کشمیر میں جو صرف اردو ہی بول اور سمجھ سکتے ہیں اور بھی بہت سے احمدی جو کہ یورپ میں تعداد میں تقریباً تیس سے چالیس ہزار تک ہیں وہ اردو ہی سمجھتے ہیں اور انگلش نہیں سمجھتے۔اسی وجہ سے میرے خطبات ہمیشہ اردو میں ہی ہوتے ہیں لیکن خوش قسمتی سے انگلستان اور امریکہ اور کینیڈا والوں کیلئے ان خطبات کے براہ راست انگلش ترجمہ کے انتظامات بھی موجود ہیں لیکن یہاں ایسی سہولت میسر نہیں اس وجہ سے باامر مجبوری مجھے یہ خطبہ انگلش

میں دینا ہوگا۔

اس وجہ سے میرا خیال ہے کہ جو خطبات کا ایک سلسلہ، نماز اور ان قرآنی دعاؤں کے موضوع پر جاری ہے جو ہمیشہ کیلئے انسان کی بھلائی کیلئے قرآن میں محفوظ کر دی گئی ہیں اس سلسلہ کو روک کر آج کا خطبہ انگلش میں دیا جائے۔ دراصل میں نے گزشتہ کافی عرصہ سے خطبات کا ایک سلسلہ قرآنی دعاؤں کے موضوع پر شروع کر رکھا تھا۔ ان دعاؤں کی افادیت، ان کا پس منظر اور ہم کیسے آج کے دور میں ان دعاؤں سے بہترین فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

لیکن آج مجھے اس موضوع کو وہیں چھوڑنا ہوگا دوبارہ جب میں اردو زبان میں خطبات دوں گا تو پھر اس سلسلے کو دوبارہ جاری کریں گے تا کہ پھر وہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہے۔

جمعہ کی نماز دین اسلام کا ایک خاص امتیاز ہے۔ یہ روزانہ کی پانچ نمازوں کی نسبت ایک بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ پنجوقتہ نماز میں تو ایک محدود علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ کی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں لیکن جمعہ کی نماز کیلئے ہفتہ میں ایک بار تمام شہر یا قصبہ کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور اگر شہر بہت بڑا ہو تو ایک سے زیادہ جگہ پر اجتماع ہوتا ہے اور اس مقصد کیلئے بڑی مساجد بنائی جاتی ہیں اور ایسی مساجد کو جامع مسجد کہتے ہیں۔

اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام تمام بنی نوع انسان کو آپس میں متحد کرنا چاہتا ہے اور یکجہتی اور اتحاد ہی اسلام کی اصل شناخت ہے۔ اسی وجہ سے اجتماعات کا حجم مواقع کے لحاظ سے بڑھتا جاتا ہے یعنی ہر ہفتہ میں جمعہ کی نماز اور سال میں پھر عیدین پر اور عید کے موقع پر صرف ایک شہر اور قصبہ کے رہنے والے ہی نہیں جو ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں بلکہ تمام علاقے کے مسلمان ایک ہی جگہ پر اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور یہ تمام لوگ جامع مسجد میں بھی اکثر اوقات سما نہیں سکتے اور عموماً عید کے اجتماع کھلی اور کشادہ جگہ پر ہوتے ہیں۔ یہ تمام اجتماعات اس بات کا اظہار ہے اور مسلمانوں کیلئے اس میں یہ پیغام ہے کہ انہوں نے ہمیشہ متحد رہنا ہے اور پھر زندگی میں کم از کم ایک بار حج کیلئے مکہ مکرمہ میں اکٹھے ہونا کل عالم اسلام کے ایک ہونے کا اظہار ہے۔

وحدانیت اور یکجہتی صرف چھوٹے پیمانے پر ہی نہیں اور صرف محدود علاقوں میں ہی نہیں بلکہ

بہت بڑے پیمانے پر جہاں تمام بنی نوع انسان کی نمائندگی ہوتی ہے اور تمام لوگ ایک جگہ پر اکٹھے ہوتے ہیں یعنی مکرمہ مکرمہ میں تا دنیا جان لے کہ ہم ایک ہیں۔ تمام بنی نوع انسان ایک ہی ہیں نہ رنگ ونسل میں تفریق ہے اور نہ ہی جغرافیائی اعتبار سے، تمام انسان اللہ ہی کے بندے ہیں خواہ وہ کہیں بھی پیدا ہوئے ہوں۔ جس رنگ کے ہوں، جو بھی زبان بولتے ہوں تو تمثیلی رنگ میں ایک پیغام ہے جو بار بار آپ کو یاددہانی کرواتا ہے کہ تم سب ایک ہی خدا کی مخلوق ہو اور توحید کا یہی مطلب ہے۔ اس موضوع پر میں دنیا جہان میں مختلف اجتماعات اور جلسوں میں خطاب کرتا رہا ہوں اور اس کی ضرورت پر زور دیتا رہا ہوں اور نہ صرف احمدیوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی۔ جب بھی مجھے ان سے مخاطب ہونے کا موقعہ ملا۔ لوگ عموماً اپنی سادگی اور لاعلمی میں یہ خیال کرتے ہیں کہ توحید وحدانیت صرف ایک عقیدہ ہے اور اس کا تعلق صرف ہماری سوچ سے ہے اور عملی زندگی میں اپنانا ضروری نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اگر یہ صرف عقیدہ یا مسلک کے معنوں میں ہوتا تو **لا الٰہ الا اللہ** پانچ ارکان اسلام میں شامل نہ ہوتا۔

لوگ یہ جانتے ہوئے بھی سمجھتے نہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ تمام مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ کلمہ طیبہ یقینی طور پر پانچ ارکان اسلام کا حصہ ہے نہ کہ پانچ ارکان ایمان کا۔ پانچ ارکان ایمان تو ہیں اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، رسولوں پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان لیکن پانچ ارکان اسلام میں سب سے پہلے کلمہ طیبہ **لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ یہ صرف ایک پیغام ہی نہیں، نہ ہی یہ صرف ایک نظریہ ہے بلکہ یہ تو ایک فرض ہے اور یہ فرض کیا ہے؟ یہی میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔

روزانہ پانچ مرتبہ چھوٹے پیمانے پر اس فرض کی یاددہانی ہر مسلمان کو کرائی جاتی ہے اور ہر جمعہ کو نسبتاً بڑے پیمانے پر اس کی پھر یاددہانی کروائی جاتی ہے۔ پھر اور بھی بڑے پیمانے پر عیدین کے موقعہ پر اور پھر زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر تمام مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

یہ اجتماعات انسانوں کی وحدانیت اور باہمی اشتراک کا اتنا کامل اور واضح نمونہ پیش کرتے ہیں تا کہ کسی بھی ذہن میں یہ شک نہ رہ جائے کہ اسلام صرف اللہ ہی کو ایک ماننے کا نام نہیں بلکہ تمام

انسانوں کو بھی ایک ماننا شرط ہے۔ خدا ایک ہی ہے اور تمام انسانوں کا اس پر متفق ہونا ضروری ہے اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔ اب دیکھ لیں کہ صرف ایک نظریہ ہی نہیں جیسا کہ میں نے واضح کیا ہے اس کے ساتھ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر تمام انسانوں کا متحد ہونا اسلام کا ایک بنیادی پیغام ہے تو پھر ہر وہ چیز جو اس اتحاد کو توڑتی ہے وہ یقیناً غیر اسلامی ہوگی۔

اگر آپ اس نقطے پر مزید غور کریں اور گہرائی میں جا کر سوچیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک بھی تلخ کلمہ یا لفظ اگر کسی دوست کو کہا جائے۔ یا اپنے بھائی یا بہن یا ہمسائے یا کسی کے بارے میں بھی بولا جائے جس کی وجہ سے آپ میں اور اس میں اختلاف ہو جائے اور ماحول میں تلخی پیدا ہو جائے اور پھر اس وجہ سے اختلافات شروع ہو جائیں اور لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے جائیں تو یہ سب توحید کے خلاف ہے ہر تلخ بات پر تلخ عمل۔ کوئی بھی ناانصافی یہ سب تفرقہ ڈالنے والی چیزیں ہیں اور توحید سے بعید تر۔

آپ ایک خدا یا ایک کلمہ کو ماننے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو اگر آپ کا عمل ہی اس کے برعکس ہو۔ یہ ایک نہایت ہی گہرا اور حکیمانہ پیغام ہے جو کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کو فرمایا۔ **من قال لا اله الاالله فدخل الجنة** آپ نے اس کے ساتھ محمد رسول اللہ نہیں فرمایا۔ یعنی جو بھی **لا اله الاالله** کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ اس پیغام کی گہرائی اور حکمت کو نہ سمجھ سکے اور مدینہ کی گلیوں میں بآواز بلند یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ لوگو سنو تمہارے کیلئے ایک بڑی عظیم الشان خوشخبری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جنت میں داخل ہونے کیلئے تمہیں صرف **لا اله الاالله** کہنا کافی ہے۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آ رہے تھے جہاں حضرت ابوہریرہؓ یہ اعلان کر رہے تھے۔ آپ نے ان کو پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے واپس آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے اور شکایت کی کہ ابوہریرہؓ یہ اعلان کر رہے تھے۔ اب لوگوں کا کیا ہوگا اور جس نے بھی یہ اعلان سنا ہے وہ کیا کرے گا۔

حضور ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ ابوہریرہ کو چھوڑ دو میں نے ہی اس کو یہ بتایا تھا لیکن تمہاری بات بھی ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ اس بات کی حکمت نہ سمجھ پائیں گے اور اس بات کو یہیں روک دینا چاہئے۔

وہ کیا پیغام تھا یہی میں آپ کو آج بتانا چاہتا ہوں۔ یہ پیغام اتنا گہرا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس کو نہ سمجھ سکے۔ آنحضرتﷺ نے آپ ہی اپنے متعدد خطبات میں اور روایات میں اس کی تشریح فرمائی ہے اور اس تمام پیغام کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ **لا الہ الا اللہ** صرف ایک عقیدہ نہیں ہے بلکہ تمام زندگی کا طرز عمل ہے کوئی بھی جو اس کے خلاف کرے گا یا اس کا عمل رشتوں اور تعلقات میں تفریق کرنے والا ہوگا جو رحمی رشتوں کو نقصان پہنچائے گا یا ہمسایوں کو تکلیف دے گا یا تمام انسانوں میں سے کسی کیلئے بھی تکلیف کا موجب بنے گا یا اس کا کوئی بھی عمل باہمی اتحاد کو نقصان پہنچائے گا تو ایسا شخص ہرگز **لا الہ الا اللہ** کو ماننے والا نہیں ہوسکتا۔

یہ ہے وہ پیغام۔ اسی طرح آنحضرتﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن اور رحیم کی تشریح اس طرح فرمائی۔ رحم کے مادہ حروف ہیں۔ رح۔م اس کا مطلب رحم بھی ہے اور رحیم بھی۔ اور رحم تو اللہ تعالیٰ کے رحم کو کہتے ہیں جو کہ صفت رحمانیت اور رحیمیت کا ماخذ ہے اور رِحم عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں اس کا مادہ بھی یہی تین حروف ہے۔ ر۔ح۔م لیکن رحم کا مطلب بالکل اور ہے یعنی عورت کی بچہ دانی یعنی ماں کا پیٹ جہاں بچہ نشو ونما پاتا ہے۔

یعنی عورت کا وہ عضو جہاں بچہ نشو ونما پاتا ہے اس کو بھی رِحم کہتے ہیں اور اس کا ماخذ بھی یہی تین حروف مادہ ہیں یعنی ر۔ح۔م۔ تو آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لفظ رحمٰن اور رحم کا ماخذ ایک ہی ہے اور ایک عظیم الشان پیغام ہمیں دیا کہ جو کوئی بھی ماں سے تعلق رکھنے والے تعلقات کو توڑے گا تو وہ رحمٰن سے یعنی اپنے خدا سے تعلق توڑے گا۔ بنیادی طور پر اگر آپ درخت کو اس کی جڑ سے کاٹ دیں تو آپ نے تمام درخت کاٹ دیا اگر رحم کے تعلق کو توڑا تو رحمٰن سے تعلق از خود ہی ٹوٹ جائے گا۔

اب دیکھیں یہ توحید ہی کا پیغام ہے اور واضح کرتا ہے کہ توحید کا آغاز گھر ہی سے ہوتا ہے۔ خاندانوں میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ ایسا رویہ اپنائیں جس سے خاندانی تعلقات مضبوط ہوں اور گھر ایک صحت مند اور مکمل خاندان کی شکل اختیار کریں جس سے بنی نوع انسان میں امن وسلامتی قائم ہوگی۔

جب تک گھروں کو مضبوط نہ کیا جائے اور خاندانی اقدار کی حفاظت نہ کی جائے یہ ناممکن ہے کہ ٹوٹے ہوئے گھروں کے لوگ انسانیت کو وحدانیت کے حصار میں لے آئیں۔ چنانچہ یہ ہمارے

عقیدے کا حصہ ہے اور اس عقیدہ کو عملی شکل دینا ہمارا کام ہے۔اب دیکھیں کہ کتنا گہرائی میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھا اور ہمارے لئے بیان فرمایا۔

رحمٰن اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی تنزیہی صفت ہے کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ صفت دوسری تمام صفات پر بھی حاوی ہے۔اس میں بھی بنی نوع انسان کیلئے ایک خوبصورت پیغام ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمیں ہمیشہ رحمانیت پر زور دینا چاہئے۔ہمیں ایسا طرز زندگی اپنانا ہے کہ ہم ہمیشہ دوسروں کیلئے منفعت بخش وجود بنیں اور تمام مخلوقات سے نرمی اور حلم سے پیش آئیں۔اس طرح ہم انسانوں کو وحدانیت کی طرف لا سکیں گے۔

بطور مسلمان ہمیں رحمانیت پر زور دینا چاہئے۔ہمیں ایسے رویہ پر زور دینا چاہئے جس میں ہم دوسروں سے نرمی کا اظہار کریں اور انسانوں سے محبت کریں۔انسانیت کو وحدانیت کی طرف لانے کے یہ معنی ہیں۔یہ صرف ایک نظریہ نہیں ہے۔یہ ایک خیالی بات نہیں ہے۔اگر ہم آنحضور ﷺ کی تعلیمات کا مزید مطالعہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح آنحضور ﷺ کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور آپ نے جو بھی بیان فرمایا وہ بالآخر ایک بنیادی تعلیم پر مرکوز ہو جاتا ہے۔مثلاً ایک اور جگہ آپ نے فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا، جو خدا کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم نہیں کرتا جو اس کے تخلیق کردہ ہیں اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔چنانچہ وہی تعلیم جو پہلے ایک ماں کے بچوں کے حوالہ سے بیان فرمائی تھی اب انسانیت کے حوالہ سے بیان فرمائی ہے۔

رحم کا لفظ دونوں میں مشترک ہے۔پس سمجھنے کی کوشش کریں۔جب آپ رحمی رشتوں کی بات کرتے ہیں تو اس میں ایک گہرا پیغام مضمر ہے۔یہ ایک محدود تعلیم نہیں ہے جس کا تعلق محض گھروں کی حد تک ہو، یا ایک ماں کی اولاد کے حسن سلوک سے ہو۔بظاہر اتنا ہی نظر آتا ہے مگر اگر آپ آنحضور ﷺ کی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کریں، احادیث پر نظر ڈالیں تو آپ آنحضور ﷺ کی حکمت کی گہرائی اور وسعت سے حیران رہ جائیں گے۔کس قدر عمدگی اور گہرائی سے آپ نے خدا کا عرفان حاصل کیا تھا اور کس طرح خدائی صفات کو انسانی معاملات سے جوڑا ہے۔چنانچہ آغاز میں آپؐ نے فرمایا کہ ماں کی طرف سے اپنے قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو پھر اسی

مضمون کو وسعت دیتے ہوئے۔خدا تعالیٰ کی اسی صفت کے حوالہ سے،یعنی رحمانیت کے حوالہ سے،کسی اور حوالہ سے نہیں اسے پوری انسانیت تک پھیلا دیا۔فرمایا! جو دیگر انسانوں پر رحمت نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔نہایت عظیم الشان اوراہم تعلیم ہے۔ یہ مطلب ہے کہ **مــن قــال لاالــه الــلـه دخل الجنة** اگر کوئی یہ اعلان کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔جو کوئی خدا کی وحدانیت کے ہر پہلو پر یقین رکھے۔وہ توحید کا ادراک حاصل کرتا ہے اوراس پر عامل ہو جاتا ہے۔یہ پیغام ہے کہ تب وہ یقیناً جنتی ہے۔پس جنتی ہونا اوراعمال پر ہی منحصر نہیں۔یہ اسلام کے پیغام کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کا معاملہ ہے اور پھر اسے عملی زندگی میں جاری کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

جنت کی وضاحت کرتے ہوئے آنحضورﷺ نے اسے پھر ماؤں کے حوالہ سے ایک دوسرے پہلو سے واضح فرمایا ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔جنت کا راستہ ماؤں کے قدموں تلے گزر کر جاتا ہے۔چنانچہ تمام تعلیم ایک دوسرے سے منسلک ہے،ایک ہی چیز کے مختلف حصے ہیں۔پس احمدی خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود امام مہدی علیہ السلام کو اس زمانے میں مبعوث فرمایا اور اسلام کی حکمتیں آپ پر اس طرح کھولی گئیں کہ گویا اسلام نے دوبارہ جنم لیا ہے،اسے ایک نئی زندگی عطا ہوئی ہے۔

وہی مُلاں جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں وہ قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں،احادیث بھی پڑھتے ہیں مگر سطحی طور پر۔انہیں علم نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔وہ پیغام سمجھتے ہی نہیں یہ حضرت مسیح موعودؑ کیلئے ہی مقدر تھا جنہیں خدا کی راہنمائی حاصل تھی کہ آپ اسلام کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس کی خوبیاں ہمارے لئے کھینچ نکال لائے۔

چنانچہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے ہمیں یہ موقع عطا فرمایا کہ ہم نے سچائی کے پیغام کو قبول کرنے کی توفیق پائی اوراس نے آنحضورﷺ کے غلام صادق کو موجودہ دور میں مبعوث فرمایا۔ایسا غلام جس کی اپنی ذات کامل طور پر اپنے آقا کی ذات میں مدغم ہوگئی۔یہی وجہ تھی کہ آپ کو دنیا کی راہنمائی کیلئے چُنا گیا۔المہدی کا یہی مطلب ہے۔تو جب ہم یہ گفتگو کرتے ہیں تو یقین رکھیں کہ یہ ہم نے حضرت مسیح موعودؑ سے سیکھا ہے۔اگر آپ حضور کی تحریرات پڑھیں تو صحیح اسلام جو

آنحضور ﷺ پر نازل ہوا، کو سمجھنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ تو جب ہمیں دوبارہ سمجھایا گیا، دوبارہ وضاحت کی گئی تو اب ہم پر دُہری ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اس پیغام پر عمل کریں۔

جب میں یہ کہتا ہوں تو میری نظر میں بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے اختلافات ہیں جو آپ میں وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جن پر بعض دفعہ مجھے اطلاع ہو جاتی ہے اور میں بہت بے چین ہو جاتا ہوں۔ بعض اوقات مجھے گہرا دکھ پہنچتا ہے، میں درد محسوس کرتا ہوں، پریشان ہوتا ہوں کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں آپ کے پاس آ کر سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ وہ رویہ نہیں ہے جو آپ سے اپنانے کی خواہش کی جاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کو علیحدہ نہ کریں۔ آپ تو دنیا کو متحد کرنے کیلئے تخلیق کئے گئے ہیں، مختلف انسانوں کو آپس میں جوڑنے کیلئے انہیں تقویت دینے کیلئے۔ آپ تو جوڑنے کیلئے آئے ہیں نہ کہ توڑنے کیے لئے تو اگر آپ چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ اگر ایک دوسرے پر بدظنی کریں گے تو بکھر جائیں گے۔ آپ خدا کے نام پر اپنے لئے چھوٹی چھوٹی علیحدہ مساجد تعمیر کرنے لگیں اور انہیں ایک مخصوص خاندان یا گروپ کیلئے خاص کریں تو یہ تو اسلام نہیں۔ قرآن مجید اس کے حوالہ سے بڑی شدت سے اس کی نفی کرتا ہے۔ مسجد ضرار کیا تھی؟ مسجد ضرار ایک مسجد تھی جو بظاہر خدا کے نام پر بنائی گئی تھی مگر دراصل یہ مسلمانوں کے ایک حصہ میں اختلافات پیدا کرنے کیلئے تعمیر کی گئی تھی۔ زندگی میں اللہ تعالیٰ کا گھر بنانے سے زیادہ مقدس کیا کام ہوسکتا ہے۔ بیوت اللہ۔ مگر اگر نیتیں خراب ہوں اگر نیت میں جوڑنے کی بجائے توڑنے کا فتور پایا جاتا ہو تو پھر یہ مقدس ترین مقصد بھی گھناؤنا ہو جاتا ہے۔

پس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ میں دل کی گہرائیوں سے آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو میں نے بیان کیا ہے اس کی روشنی میں وحدت کو قائم رکھیں، اس کی توقیر کریں، اس بات کو سمجھیں کہ خدا کی وحدانیت کا اظہار خدا کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا، جب تک آپ آپس میں متحد نہ ہوں۔ اگر آپ پہلے اپنے بھائیوں سے اور پھر تمام انسانیت کے ساتھ اتحاد نہیں کرتے۔

پس یہ پیغام بہت گہرا اور اہم ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس حوالہ سے ایک دفعہ ایک نظم لکھی۔ انہوں نے لکھا کہ:

میں اپنے پیاروں کی نسبت ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پہ راضی ہوں اور ان کی نگاہ رہے نیچی
وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شیروں کی طرح غراتے ہوں
ادنیٰ سا قصور اگر دیکھیں تو منہ میں کف بھرلاتے ہوں
وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر امید لگائے بیٹھے ہوں
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو مقصود بنائے بیٹھے ہوں
شمشیرِ زباں سے گھر بیٹھے دشمن کو مارے جاتے ہوں
میدانِ عمل کا نام بھی لو تو جھینپتے ہوں گھبراتے ہوں
گیدڑ کی طرح وہ تاک میں ہوں شیروں کے شکار پہ جانے کی
اور بیٹھے خوابیں دیکھتے ہوں وہ ان کا جوٹھا کھانے کی
اے میری الفت کے طالب! یہ میرے دل کا نقشہ ہے
اب اپنے نفس کو دیکھ لے تُو وہ ان باتوں میں کیسا ہے
گر تیری ہمت چھوٹی ہے گر تیرے ارادے مردہ ہیں
گر تیری اُمنگیں کوتہ ہیں گر تیرے خیال افسردہ ہیں
کیا تیرے ساتھ لگا کر دل میں خود بھی کمینہ بن جاؤں
ہوں جنت کا مینار، مگر دوزخ کا زینہ بن جاؤں
ہے خواہش میری الفت کی تو اپنی نگاہیں اونچی کر
تدبیر کے جالوں میں مت پھنس کر قبضہ جا کے مقدر پر
میں واحد کا ہوں دل دادہ اور واحد میرا پیارا ہے
گر تُو بھی واحد بن جائے تو میری آنکھ کا تارا ہے
تُو ایک ہو ساری دنیا میں کوئی ساجھی اور شریک نہ ہو
تُو سب دنیا کو دے لیکن خود تیرے ہاتھ میں بھیک نہ ہو

(کلام محمود صفحہ:۱۴۲)

مجھے ان سے پیار ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہیں۔جن کا افق وسیع ہے، جن کے پاس درگزر کرنے کی صلاحیت ہے۔ جو لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں اس کے باوجود کہ انہیں تنگ کیا جائے۔ وہ معاف کرنا جانتے ہیں۔ وہ درگزر کرنا جانتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان پر ظلم ہو وہ اپنے دشمنوں سے معافی طلب کرتے ہیں، بجائے اس بات کا انتظار کرنے کے کہ ظلم کرنے والے ان کے دروازے کھٹکھٹا کے معافی طلب کریں۔جن پر ظلم ہوتا ہے وہ فیصلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جا کر ظالموں سے معافی مانگ لیتے ہیں۔ یہ ایک عجیب تعلیم ہے مگر حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ:

”سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو“۔(کشتی نوح روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ:۱۲)

اگر تم درست بھی ہو، خدا کی خاطر ان لوگوں سے معافی مانگنا سیکھو، جنہوں نے تم پر ظلم کیا ہے جیسے تم نے ان پر زیادتی کی ہو، جیسے تم غلطی پر ہو۔

میں نے حضرت مسیح موعودؑ کی اس نصیحت پر برسوں غور کیا ہے اور میرے خیال میں انسانی معاشرے کے دو متحارب گروہوں کو آپس میں ملانے کا اس سے بہتر کوئی فارمولا نہیں۔ان بھائیوں کو متحد کرنے کیلئے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے ہفتوں ناراض رہتے ہیں۔ بات بھی نہیں کرتے۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر علیحدہ ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے خاندان علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہ جماعت سے بھی الگ ہو جاتے ہیں۔صرف اس بات پر کہ ان کے خیال میں مشنری انچارج نے یا کسی اور عہدیدار نے ان سے زیادتی کی ہے۔

بعض دفعہ وہ کسی حقیقی یا خیالی زیادتی پر مسجد میں جانا چھوڑ دیتے ہیں۔ایسے لوگوں سے لمبے عرصہ سے میرا واسطہ رہا ہے۔میں پاکستان میں بہت پھرا ہوں۔ بہت سے دیہاتوں میں جاتا رہا ہوں دوردونزدیک سفر کیا ہے اور ہر جگہ اس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ جو اپنے بارہ میں بہت حساس ہوتے ہیں اور بعض گفتنی یا ناگفتنی باتوں پر ایک دوسرے سے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی میرا ان سے واسطہ پڑا۔ میرے پاس حل موجود تھا۔ان کا اصرار ہوتا تھا کہ ہم صحیح ہیں اور دوسرا غلط۔ ہم اس سے معافی کیوں مانگیں؟ اور جب دوسرے فریق کے پاس جاؤ تو وہ خود کو

درست اور دوسرے کو غلط قرار دیتے ہیں۔ ہم اس شخص سے کیوں معافی مانگیں جس نے ہمارے حقوق پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ تحریر ہمیشہ میرے کام آئی۔ میں ان سے بار بار پوچھتا تھا کہ تمہیں یقین ہے کہ تم درست ہو اور تمہار بھائی غلط۔ وہ جواب دیتے یقیناً۔ ہمیں یقین ہے۔ تو میں ان سے کہتا کہ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم پہلے جا کر اس سے رابطہ کرو کیونکہ جو امام تم نے چنا ہے۔ جسے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے وہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر تم درست ہو تو اپنے غلطی خوردہ بھائی کے پاس جاؤ اور اس سے معافی طلب کرو۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ سے منسوب شخص کیلئے اور کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔ سوائے اپنے ان بھائیوں سے صلح کر لے سے جن سے وہ دور چلا گیا تھا۔ اس سے بہتر اور کیا فارمولا ہو سکتا ہے؟ تو جب کبھی آپ کا ایسے احمدی سے واسطہ پڑے جو کسی بات پر اپنے بھائی سے ناراض ہو۔ خواہ وہ درست ہو یا غلطی پر، یہ ایک علیحدہ سوال ہے۔ اس پر یہی فارمولا استعمال کریں۔ اس سے دریافت کریں کہ کیا تم صحیح ہو؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو اسے بتائیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کیا فرماتے ہیں۔ خود کو درست ثابت کرنے کیلئے تمہیں خود سے آگے بڑھنا ہے اور اپنے بھائی سے معافی مانگنی ہے۔ یہ نہایت خوبصورت تعلیم ہے۔ یہ ایک متحارب معاشرے کو جوڑ سکتی ہے اور ایک دفعہ اگر کوئی صحیح راستے پر ہونے کے باوجود اپنے بھائی سے معافی مانگے تو ناراض بھائیوں کو منانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

میرا مشاہدہ ہے کہ ناراضگی کے بعد صلح بعض اوقات زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ گزشتہ ناراضگیوں کا سدباب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو خوش کرنے کیلئے اور زیادہ محبت سے پیش آنے لگتے ہیں۔ آپس میں متحد ہونے کے حوالہ سے یہ ایک نصیحت میں آپ کو کرنی چاہتا ہوں اور جیسا کہ میں نے کئی بار وضاحت کی ہے۔ اتحاد نہایت اہم چیز ہے۔ یہ محض ایک نظریہ نہیں ہے۔ یہ محض عقیدہ بھی نہیں ہے۔ یہ تو زندگی کا حصہ ہے۔ عملی قدم ہے۔

اتحاد پر عملدرآمد کئے بغیر آپ خدا کی توحید پر ایمان نہیں لا سکتے۔ پس آپس میں متحد ہو جائیں، اپنے بھائیوں اور بہنوں سے کوئی ایسی بات نہ کریں جو ان کی ناراضگی کا باعث ہو، اگر کوئی آپ

کو تکلیف بھی دے تو حوصلہ مندی کے ساتھ اس سے معافی مانگ لیں خواہ آپ درست بھی ہوں۔ اپنے اس بھائی کے گھر جس نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے پہلے چل کر جائیں اور اس سے معافی طلب کر لیں۔

یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ اسی زمین پر جنت ہے۔ اس پر عمل کریں۔ پھر آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ کی زندگی امن اور آشتی اور محبت کی عظیم الشان صورت میں بدل جائے گی۔ یہ بہر حال ہمیں پہلے اپنے اندر پیدا کرنی ہوگی تب ہی ہم باقی معاشرہ جنت نظیر بنا سکتے ہیں۔

دنیا میں ہر جگہ گھر ٹوٹ رہے ہیں، معاشرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ آپ نے اقوام متحدہ کا نام سنا تو ہوگا مگر اگر آپ گہرائی سے جائزہ لیں تو یہ اقوام غیر متحدہ کا ادارہ ہے۔ نہ زیادہ، نہ کم۔ آپ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اقوام متحدہ کے قیام کیلئے اس رنگ میں چنا ہے جس رنگ میں قرآن کریم دنیا میں اس کا قیام چاہتا ہے اس لئے آپس میں اکٹھے ہوں، ایک دوسرے سے محبت کریں پھر آپ دنیا کو کہہ سکیں گے محبت سب کیلئے نفرت کسی سے نہیں اسکے بغیر نہیں۔ یہ محض نعرے نہیں ہیں جو دنیا کو دکھانے کیلئے ہیں۔ جو اپنے مہمانوں کو دکھانے کیلئے ہیں کہ ہم یہ ہیں اگر ہم اندرونی طور پر اپنے بھائیوں سے بغض رکھیں۔ اگر ہم بعض لوگوں سے نفرت کریں۔ بعض خاندانوں سے۔ تو ہمارے دلوں میں ہمارے بھائیوں اور بہنوں کیلئے محبت نہ ہو تو پھر یہ منافقت ہے یہ اسلام تو نہیں، یہ خدا تعالیٰ کی توحید پر یقین تو نہیں۔ خدا تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور نہ صرف یہ کہ آپ کو یہ پیغام سمجھنے والا بنائے بلکہ اس پر عملدر آمد کرنے والا بھی بنائے۔

دنیا کو اس کی ضرورت ہے، احمدیت کو اس کی ضرورت ہے۔ اگر آپ دس قدم آگے بڑھ رہے ہیں تو متحد ہو کر آپ سو قدم یا ہزار قدم سالانہ ترقی کر سکتے ہیں۔ یہ اتحاد کا پھل ہے۔ جو منتشر ہوں وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ ان کی طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف ضائع ہو جاتی ہیں، وہ صحیح رنگ میں دنیا میں ترقی کر ہی نہیں سکتے، وہ اپنے ماحول میں کوئی دیر پا اثر نہیں ڈالتے۔

پس متحد ہو کر آگے بڑھیں اور ترقی کرتے چلے جائیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو نسلاً بعد نسلاً متحد رکھے اور پھر انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی ترقی کی رفتار پہلے سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں گنا بڑھ جائے گی۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آمین

ان الفاظ کے ساتھ میں خطبہ اس امید پر ختم کرتا ہوں کہ آپ یہ پیغام سمجھ گئے ہوں

گے۔ میں نے اسے بار بار دھرایا ہے۔ مختلف رنگ میں روشنی ڈالی ہے۔ میرا خیال نہیں کہ آپ میں سے کوئی ایسا بھی ہو جسے جو میں کہنا چاہتا ہوں سمجھ نہیں آئی۔ خدا کی توحید پر ایمان اور اسکے مطابق عمل جنت کا راستہ ہے۔ یہ جنت کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ خدا آپ پر فضل فرمائے۔ آمین۔

ہم جمعہ کے ساتھ نماز عصر جمع کریں گے کیونکہ میں سفر میں ہوں اور اسی طرح بہت سے دوسرے لوگ بھی۔

قرآنی دعاؤں کے سلسلہ میں حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہم السلام کی دعاؤں کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍ جون ۱۹۹۱ء بیت الاول ۔گوئٹے مالا)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ میں مسجد بیت الاول گوئٹے مالا سے دے رہا ہوں ۔جیسا کہ احباب جماعت کو معلوم ہے کہ ایک لمبے عرصہ سے قرآنی دعاؤں کے مضمون پر خطبات کا سلسلہ جاری ہے ۔صرف گزشتہ خطبہ میں استثناء کرنا پڑا کیونکہ یہ خطبہ ٹرینیڈاڈ Trinidad میں آیا اور ٹرینیڈاڈ کی جماعت میں کوئی بھی اردو نہیں جانتا اس لئے جماعت کی خواہش یہ تھی کہ چونکہ تاریخ میں پہلی دفعہ ہمیں موقعہ ملا ہے کہ ہم آپ سے براہ راست بات سن سکیں اس لئے ہماری خاطر اس دفعہ استثناء کر دیں اور ہمیں مخاطب کرتے ہوئے ہمارے مسائل کو پیش نظر رکھ کر خطبہ دیں ۔چنانچہ ان کی اس خواہش کے احترام میں مَیں نے ایسا ہی کیا ۔پس اس سلسلۂ مضمون کا یہ خطبہ اسی طرح جاری ہے جس طرح پہلے تھا اور بیچ کا جو خطبہ تھا وہ وقفہ شمار ہونا چاہئے ۔

یہ دعا جو میں اب پڑھ کر سنانے لگا ہوں سورۂ نمل کی آیت ۴۵ سے لی ہے ۔اس میں ملکہ سبا جس کا نام بلقیس بیان کیا جاتا ہے اس نے یہ دعا کی کہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آج سلیمانؑ کے ساتھ اس کے رب پر ایمان لاتی ہوں ۔اس سے پہلے جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ کے

پاس حاضر ہوئی تھی تو اس نے یہ کہا تھا کہ ہم نے تو جب پیغام سنا تھا اسی وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ پھر دوبارہ اسلام لانے کا کیا مطلب ہے۔اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ سمجھتے تھے کہ منہ کی ایک بات ہے۔حقیقت میں ان کو ابھی اسلام کا علم نہیں۔اسلام لانے اور اسلام میں ترقی کرنے میں ایک فرق ہے۔پس حضرت سلیمانؑ نے اس کا ایک امتحان لیا اور امتحان ہی نہیں بلکہ اس امتحان کے ذریعہ ایک پیغام دیا۔آپ نے اسے ایک ایسے کمرے میں ملاقات کا وقت دیا جس کا فرش شیشے سے جڑا ہوا تھا اور دیکھنے والے کو دھوکا لگتا تھا کے یہ پانی ہے،شیشہ نہیں ہے۔چنانچہ ملکہ جب اس میں داخل ہوئی تو اس نے اپنے کپڑے بے اختیار اسی طرح سمیٹ لئے جس طرح پانی میں داخل ہوتے وقت ہر انسان طبعاً اپنے کپڑے سمیٹتا ہے۔اس پر جب اس کو احساس ہوا کہ یہ غلطی ہوئی ہے تو پھر وہ سمجھی کہ دراصل مجھے یہ پیغام ہے کہ یہ جو ظاہری چمک ہے یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔اس کے پیچھے ایک اور پیغام ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔پس صنعت کی چمک دمک سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے ۔جب یہ پیغام اس کو ملا تو درحقیقت وہ توحید کی دوبارہ قائل ہوئی ہے اور دل کی گہرائی سے قائل ہوئی ہے۔چنانچہ اس واقعہ کے معاً بعد اس نے یہ اظہار کیا ہے۔اس سے پہلے آیت میں یہ ہے کہ۔فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (النمل:۴۵) جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ سمجھی کہ یہ ایک چمکتا ہوا شفاف پانی ہے۔وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اس نے اپنے لباس کو اٹھایا یہاں تک کہ اس کی پنڈلیاں ننگی ہو گئیں۔ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ اس پر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو جڑاؤ شیشہ ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔من قواریر شیشے کے جڑاؤ ٹکڑوں سے بنا ہوا ہے۔تب اس نے دعا کی قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔یہاں ظلم کے معنی دو طرح ہیں۔ایک تو ظلم اور شرک کو قرآن کریم نے ہم معنی قرار دیا ہے اور چونکہ وہ مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی اور حقیقت میں اب اس کو توحید کا سچا علم ہوا تھا اس لئے ظَلَمْتُ کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے میں ایک مشرکانہ زندگی بسر کرتی تھی۔میں اس سے توبہ کرتی ہوں۔دوسرے ظاہرداری کی باتوں میں یا محض دوسرے کو خوش کرنے کے لئے یہ کہنا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں یہ بھی ایک ظلم ہوا کرتا ہے۔تو وہ سمجھ گئی کہ حضرت سلیمانؑ کو اب میری حقیقت کا علم ہو چکا ہے۔آپ جانتے

ہیں کہ ابھی میں نے تسلیم و رضا کی راہیں طے کرنی ہیں اس لئے اس سے پہلے جو میں نے حضرت سلیمانؑ پر یہ اثر ڈالا تھا کہ گویا میں تو پیغام سنتے ہی مسلمان ہوگئی تھی یہ مجھ سے غلطی ہوئی اور میں اس سے توبہ کرتی ہوں۔ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ اور اس دفعہ اس نے بہت ہی عمدہ الفاظ میں اپنے ایمان کو بہت اعلیٰ رنگ میں پیش کیا ہے کہ اب جو میرا ایمان ہے وہ وہی ہے جو سلیمانؑ کا ہے اور جیسا کہ سلیمانؑ کے ایمان میں کوئی رخنہ نہیں ہے کوئی گدلا پن نہیں ہے، اسی طرح اب اے میرے خدا تو میرے ایمان کو بھی اسی طرح قبول فرمالے۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ پس یہ دعا بھی انسان کو بعض مواقع پر کام دیتی ہے۔ کئی قسم کے ظلم انسان کرتا ہے۔ اگر چہ آج کل ویسا شرک تو نہیں جیسے پرانے زمانوں میں پایا جاتا تھا اب بھی بعض جگہوں میں پایا جاتا ہے لیکن بسا اوقات انسان اپنے نفس کو معبود بنالیتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو معبود بنالیتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا تو ہر ایسے موقعہ پر جب کہ سہواً بھی غلطی ہو انسان کو ایسی دعا کرنی چاہئے جس کا تعلق شرک سے سچی توبہ اور حقیقت اسلام کو پالینے سے ہے۔

ایک دعا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے یہ سورۃ القصص آیت ۱۷ سے لی گئی ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے۔ یہاں ظلم کا معنی وہ نہیں ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں ظلم سے مراد ایک ایسا واقعہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام معصومانہ ملوث ہوگئے تھے۔ پس جب ایک عام انسان ظلم کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کے معانی زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ واقعی اس سے بڑا ظلم سرزد ہوا ہوتا ہے لیکن اگر ایک نبی یا ولی خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے یہ کہتا ہے کہ میں نے ظلم کیا تو اس کو ان معنوں میں نہیں لینا چاہئے۔ مثلاً ملکہ سبا کا ظلم ابھی گزرا ہے۔ وہ واقعی ایک مشرکہ تھی۔ اس نے شرک سے توبہ کی تھی۔ اس سے جو پہلا فعل سرزد ہوا تھا وہ بھی اس کے نزدیک ایک ظلم تھا اور واقعۃً ظلم تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جس ظلم سے توبہ کر رہے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ایک ہم قوم کو ایک ظالم قوم کے ہاتھوں مار کھاتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ شخص مظلوم ہے اور طاقتور قوم کا فرد اس پر ظلم کر رہا ہے کیونکہ آپ بہت طاقتور تھے۔ آپ نے جب اس کو مکہ مارا تو ایسی جگہ لگ گیا مثلاً بعض دفعہ کنپٹی پر لگ

جاتا ہے یا کسی اور نازک جگہ پر کہ اس سے انسان کی جان بھی نکل جاتی ہے تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے جب مکہ مارا تو اس کا وقت آ گیا تھا۔ اس نے دم توڑ دیا اور اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ڈرتے رہے اور توبہ کرتے رہے۔ چنانچہ آپ نے عرض کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ پس مجھے بخش دے۔ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (القصص:۱۷) اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس کو بخش دیا اور وہ بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے ایک عرض کی۔ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ (القصص:۱۸) اے میرے رب! تو نے چونکہ مجھ پر انعام فرمایا ہے۔ بخشش کا سلوک فرمایا ہے۔ پس مجھ پر شکر واجب ہے اور میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ آج کے بعد کبھی مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔

اس میں ہر دعا کرنے والے کے لئے ایک پیغام ہے۔ ہم جب دعا کرتے ہیں تو بسا اوقات یہ سوچتے ہیں کہ فلاں کی دعا قبول ہوگئی ہماری نہیں ہوئی حالانکہ دعا کی قبولیت میں بھی ایک بہت ہی لطیف نظام عدل جاری ہے۔ وہ لوگ جو قبولیت دعا کے بعد اس کا شکر ادا کرنا جانتے ہیں دعا کی قبولیت کے بعد جو ان پر تقاضے عائد ہوتے ہیں ان کا حق ادا کرنا جانتے ہیں، ان کی دعائیں اللہ تعالیٰ زیادہ سنتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ صرف انہی کی دعائیں سنی جائیں۔ بعض دفعہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک شخص جس گناہ میں ملوث ہے پھر ہوگا، پھر ہوگا اور پھر ہوگا پھر بھی بخشا چلا جاتا ہے۔ یہ تو اس کی مغفرت کے ساتھ تعلق رکھنے والی بات ہے لیکن اگر آپ دعا کی قبولیت کا راز سمجھنا چاہیں۔ یعنی وہ معاملہ جو خدا اور انبیاء کے درمیان ہوتا ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خاص رحمت کا سلوک اس لئے فرماتا ہے ان کی دعائیں بہت زیادہ قبول کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ناشکرے نہیں ہیں۔ میری طرف سے ہر احسان کے بعد یہ پہلے کی نسبت احسان کا بہت زیادہ بخشش مانگنے کے ذریعے بدلہ اتارنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے احسان کے مقابل پر تو احسان نہیں ہوسکتا لیکن اس کے سامنے زیادہ جھک کر اور اس کے احسانات میں ڈوب کر اور بار بار اس کی حمد کے گیت گا کر ایک رنگ میں انسان احسان کا اعتراف کرتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مغفرت کا زیادہ سلوک ہوتا ہے اور ان کی دعائیں بھی عام لوگوں کی نسبت زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔

پس مغفرت پر بھی سہارا ہوسکتا ہے لیکن بسا اوقات محض مغفرت پر سہارا نہیں لیا جاسکتا اور عادت کو ایسا درست کرنا ضروری ہے کہ جس کے نتیجہ میں دعائیں قبول ہوں اور اسی مضمون کو قرآن کریم نے ہمارے انسانی تعلقات کے سلسلہ میں ایک اور رنگ میں بیان فرمایا۔ فرمایا جب کوئی تمہارا گناہ کرتا ہے۔ جب کوئی تم پر زیادتی کرتا ہے تو تمہارا حق ہے کہ تم بدلہ لو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ ہمیں گناہوں کی سزا دے لیکن فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ:۴۱) جو مغفرت کرے بشرطیکہ اس کی مغفرت اصلاح کا موجب بنے جرم کی حوصلہ افزائی کا موجب نہ بنے اس کا اجر خدا کے ہاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون میں قبولیت دعا کا بہت گہرا راز بھی بیان فرما دیا۔ جب خدا نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی کہ تمہیں کھلی بخشش کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تمہاری بخشش کے نتیجہ میں گناہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو نہیں بخشنا لیکن اگر اصلاح پیدا ہوتی ہے اور انسان اس بخشش کے شکر کے نتیجہ میں اپنی حالت تبدیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر ایسے شخص کی بخشش باعث اجر ہے اور یقیناً خدا کے پاس اس کا اجر محفوظ ہے۔

پس وہی بات ہے جو یہاں کی جارہی ہے۔ انسان کے تعلق میں بھی وہی اصول بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم کی آیات میں بہت گہرے رشتے ہیں۔ ایک منضبط نظام ہے۔ اندر اندر تعلقات قائم ہیں اور کوئی بھی ایسی آیت نہیں جو دوسری آیات کے ساتھ گہرے تعلقات نہ رکھتی ہو۔

پس اس ضمن میں مغفرت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے جس کے نتیجہ میں جب بھی بخشش کی دعا کی جائے تو دل میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ اگر اللہ بخشش کا سلوک فرمائے گا تو اس کے بعد میں بھی انبیاء کی سنت پر چلتے ہوئے اس کے شکریہ کا اظہار اس رنگ میں کروں گا جس رنگ میں پاک لوگوں کی سنت چلی آئی ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ پھر خدا بار بار ایسے لوگوں کو کیوں بخشتا ہے جو بار بار جرم کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ہمیں منع کرتا ہے کہ جرم کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی۔ اگر بخشش کے نتیجہ میں جرم سرزد ہو تو پھر نہیں بخشنا۔ میں نے اس مضمون پر گہرائی سے غور کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اس مسئلے کو صحیح حل کرسکا ہوں۔ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے خدا تعالیٰ کی مغفرت ایسے گنہگاروں سے بار بار ہوتی ہے جن کے دل میں شرم یقیناً پیدا ہوتی ہے، بخشش کے نتیجہ میں جرم کی

حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ واقعی تائب ہوتے ہیں، بہت شرمندہ ہوتے ہیں، علیحدگی میں خدا کے حضور روتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں، اے خدا ہمیں بخش دے ہم سے غلطی ہوئی، بہت گنہگار ہیں کمزور ہیں اور پھر اس کے بعد کمزوری غالب آجاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ ہرگز وہ نہیں ہے جن کے ساتھ آپ حسن سلوک کریں اور وہ گناہوں پر شیر ہوتے چلے جائیں۔ ہر گھر میں ایسے بچے دیکھے گئے ہیں بعض مائیں ان کو بگاڑ دیتی ہیں اور وہ اتنے بدتمیز ہو جاتے ہیں کہ آنے والے مہمانوں کا بھی ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ ان گھروں میں جانا ایک مصیبت بن جاتی ہے کیونکہ وہ ہر جرم کے بعد اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ کوئی حرج نہیں۔ ٹھیک ہے سب کچھ۔

یہ وہ مضمون ہے جس کو قرآن کریم بیان فرما رہا ہے کہ اگر مغفرت کرنی ہے تو ایسے شریف النفس لوگوں کی مغفرت کرو جن کے اوپر نیک اثر پڑے۔ یہ لازم نہیں ہے کہ اسی وقت وہ توبہ کرلیں لیکن اصلاح کی طرف میلان ضرور رکھتے ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اور دل کی گہرائیوں پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ میرے کون سے بندے نیک فطرت اور سعید ہیں اور گناہوں میں ملوث ہونے کے باوجود سچی شرمندگی کا احساس رکھتے ہیں وہ اس علم کے باوجود ان کو بخش دیتا ہے کہ پھر بھی گناہ کریں گے اور پھر بھی گناہ کریں گے لیکن بالآخر وہ نیک انجام ہوتے ہیں۔ ان میں اور دوسرے لوگوں میں فرق یہ ہے کہ جو گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور ضد کرتے ہیں اور بدتمیزی سے گناہ پر جرأت کرتے ہیں وہ ہمیشہ بد انجام کو پہنچتے ہیں لیکن سچی توبہ کرنے والے یا توبہ کرتے رہنے والوں کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے۔ پس یہاں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ بہت ہی نفیس طبیعت کا انسان تھا۔ میں نے بغیر شرط کے اس کو بخشا لیکن اس کے دل میں بہت ہی جذبات تشکر پیدا ہوئے اس نے کہا قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ (القصص:۱۸) اے خدا! تو نے بڑا احسان کیا ہے جو مجھے بخش دیا ہے اب میں اس کے بدلے توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی مجرموں کی پشت پناہی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰؑ کی ایک اور دعا ہے قَالَ رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ (القصص:۲۲) جب اس حادثاتی قتل کی اطلاع جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے قوم کے بڑے لوگوں تک پہنچی تو انہوں نے مل کر مشورے کئے کہ اس شخص کو ضرور سزا دینی چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک

غالب قوم تھی اور قوم کے وقار کا سوال تھا۔ یہ بحث نہیں تھی کہ غلطی سے قتل ہوا ہے یا عمداً ہوا ہے۔ یہ بحث تھی کہ ایک غالب قوم کے فرد پر اگر ایک مغلوب قوم کا فرد جرأت کرنے لگے تو اس سے ان کا جو سارا رعب تھا وہ جاتا رہے گا اس غرض سے ان لوگوں نے آپس میں مشورے کئے اور حضرت موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ کیا۔ اس وقت جب آپ ڈرتے ہوئے چھپتے ہوئے ملک چھوڑ رہے تھے کیونکہ ان میں سے ہی ایک ہمدرد انسان نے جو آپ کی سچائی کا قائل تھا اور آپ کی عزت کرتا تھا اس نے آپ کو اطلاع دی کہ میں وہاں سے آرہا ہوں جہاں تمہارے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ابھی یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ اس کے مشورے پر جب آپ روانہ ہوئے ہیں تو یہ دعا کی۔ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اے میرے رب مجھے ظالموں کی قوم سے نجات بخش۔

اس میں بھی حکمت کی بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں اپنے اس گناہ سے توبہ نہیں کی گئی کیونکہ پہلے ہی خدا بخش چکا تھا۔ جس کو خدا بخش دے اس پر ظالم قوم ہی حملے کی جرأت کرسکتی ہے تو فرمایا تو نے مجھے بخش دیا ہے مگر دنیا کے ظالم تو مجھے نہیں بخش رہے اس لئے ان ظالموں سے بھی اب مجھے نجات بخش۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات بخشی اور اس سے اگلی دعا اسی تسلسل کی ہے۔ اس سے آگے تین آیات بعد یعنی سورۃ القصص کی بائیسویں آیت میں یہ دعا ہے۔ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اور آیت پچیسویں میں یہ دعا ہے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۵) اے میرے رب! تو میری جھولی میں جو بھی خیرات ڈال دے میں اس کا فقیر ہوں۔ یہ بہت دلچسپ موقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدین کی قوم کی طرف گئے جہاں حضرت شعیبؑ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اس وقت خدا تعالیٰ کے اس قوم کے لئے نبی تھے اور دونوں ہم عصر ہیں۔ حضرت شعیبؑ کی دو بیٹیاں تھیں ان کا بیٹا کوئی نہیں تھا۔ حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں قوم کی پنگھٹ پر پانی بھرنے کے لئے آئی ہوئی تھیں اور چونکہ بہت سے مرد تھے اس لئے وہ شرما کر ایک طرف کھڑی رہیں اور انتظار کرتی رہیں کہ کب ان کی باری آئے تو وہ اپنے گھڑے بھریں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دیوار یا درخت کے سائے تلے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ آپ چونکہ بہت مضبوط، قوی ھیکل انسان تھے اور دل میں گہری ہمدردی بھی تھی۔ آپ اٹھے اور ان سے ان کے برتن لئے اور مردوں کو ہٹاتے ہوئے جا کر ان کا پانی بھرا اور گھڑے ان کے

سپرد کر دیئے ۔واپس آ کر وہیں بیٹھ گئے اور چونکہ آپ کی عادت نہیں تھی کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں ،کسی سے مدد مانگیں ۔ یہ احسان کا سلوک کرنے کے بعد ان کی طبیعت دعا کی طرف مائل ہوئی اور معلوم ہوتا ہے اس احسان کے نتیجہ میں دل سے یہ دعا اٹھی ہے کیونکہ آپ اس دعا کے مضمون کو غور سے سنیں تو اس کے پیدا کرنے کے لئے کوئی محرک ہوا ہے۔ چنانچہ وہ محرک یہ تھا کہ آپ نے بے یارو مددگار بچیوں پر ایک احسان کیا اور پھر خیال آیا کہ میں بھی تو خدا کے حضور بے یارو مددگار پڑا ہوں کیوں نہ خدا سے عرض کروں کہ میری مدد کرے۔ چنانچہ یہ دعا بہت ہی دردناک ہے اور بہت ہی دل پر اثر کرنے والی ہے۔

ایک دفعہ انگلستان میں ایک بڑی تقریب میں جب میری تقریر ختم ہوئی تو اس کے بعد مجھ سے بعض ملنے والے آئے ۔ان میں کسی ملک کی ایک شہزادی بھی تھی ۔اس نے قرآن کریم کی بعض آیات سنیں تو دل پر بہت اثر ہوا تو مجھ سے اس نے کہا کہ سارے قرآن کریم میں سے کوئی ایک دعا جو آپ کو بہت پسند ہے وہ مجھے لکھ دیں میں اسے آئندہ اپنی زندگی کا وظیفہ بناؤں گی ۔ چنانچہ میں نے اس کو یہ دعا لکھ کر دی اور سمجھایا کہ کیوں مجھے یہ دعا پسند ہے۔اس دعا میں ہر چیز خدا پر چھوڑ دی گئی ہے۔ کچھ نہیں مانگا گیا۔صرف یہ کہا گیا ہے کہ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ اے خدا! میں محتاج ہوں ۔ تجھے پتہ ہے کہ میں کس کس چیز کا محتاج ہوں ۔ میں کیا کیا بتاؤں ۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس دعا کو ایک اور بہت ہی پیارے رنگ میں یوں عرض کیا:۔

ے وہ دے مجھ کو جو اس دل میں بھرا ہے
زباں چلتی نہیں شرم و حیا ہے (درثمین صفحہ:۔۔)

زبان چلتی نہیں شرم وحیا ہے، میں کیا کیا بیان کروں ، میں تجھ سے کیا کیا مانگوں ۔حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! جو کچھ تو میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا فقیر ہوں ۔میں نہیں بتاتا کیا مجھے چاہئے نہ مجھے حقیقت میں علم ہے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد جو بھی احسانات کا سلسلہ ہے وہ اسی دعا کے نتیجہ میں ہے اور اس کی جڑیں اسی دعا میں ہیں ۔معاً بعد اس گھر میں ایک واقعہ ہوا جس گھر کی وہ بچیاں تھیں ان دونوں بیٹیوں نے اپنے باپ کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک بہت ہی نیک مرد اور اچھا توانا مرد اس طرح بیٹھا ہوا اجنبی ہے۔اس نے نہ ہم سے کچھ پوچھا، نہ

مانگا، صرف ہمارا کام کیا اور جا کر پھر بیٹھ گیا لیکن ضرورت مند معلوم ہوتا ہے اس پر ان کے والد جو نبی تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نور یافتہ تھے انہوں نے بھیج کر بلوایا اور بلانے کے بعد ان کو کیا کیا دیا۔ ایک امان دی اور کہا کہ اب تم یاد رکھو تم امن میں آچکے ہو، تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں کسی قوم سے۔ دوسرے گھر دیا اور ان کو کہا میرے گھر میں رہو۔ تیسرے یہ کہا کہ ان دونوں بچیوں میں سے جس کو انتخاب کرتے ہو وہی تمہاری ہے۔ چوتھے اس خیال سے کہ یہ ممنون احسان نہ ہو۔ یہ نہ سمجھے کہ میں کسی کے احسان کے نیچے آ گیا ہوں کہا کہ اس میں کوئی شرمانے کی بات نہیں۔ میرا اور تمہارا نوکری کا معاہدہ ہے۔ میں ۸ سال یا ۱۰ سال تم سے خدمت لوں گا۔ اس لئے کوئی احسان نہیں۔ چار باتیں اس طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے پیدا فرمائیں اور اس کے بعد پھر اسی شادی کے بعد حضرت شعیبؑ کی صحبت میں رہنے کے نتیجہ میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے دل میں جو نیکی کے بیج تھے وہ بہت ترقی کر گئے اور بعد میں واپسی کے سفر میں آپ کو نبوت بھی عطا ہو گئی۔ پس اس لئے مجھے یہ دعا پیاری ہے کہ اس میں بہت ہی وسیع مضامین ہیں تعیین نہیں کی گئی اپنی چالاکیوں سے کہ یہ بھی دے، وہ بھی دے اور وہ بھی دے۔ کھلا خدا پر معاملہ چھوڑ دیا گیا ہے جو کچھ تو جانتا ہے کہ ہمیں ضرورت ہے وہ ہمیں مہیا فرما دے۔

اب حضرت لوطؑ کی ایک دعا ہے قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ (العنکبوت: ۳۱) اے میرے خدا! اے میرے رب !! مفسد قوم کے مقابل پر میری نصرت فرما۔

اس دعا کا پس منظر معلوم کرنا بھی ضروری ہے۔ حضرت لوطؑ کی قوم میں جو بدیاں پائی جاتی تھیں۔ آپ سب جانتے ہیں اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بھی حضرت لوطؑ نے نصیحت فرمائی کہ ان بدیوں سے باز آؤ۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (العنکبوت: ۳۰) ہر دفعہ وہ تان میں یہی کہتے تھے کہ اچھا پھر جو عذاب تیرا خدا ہم پر وارد کر سکتا ہے جاؤ اپنے خدا سے وہ عذاب مانگ لاؤ۔ یعنی اب گفت و شنید کی راہیں بند ہو چکی ہیں۔ اب نصیحت کے ان قصوں کو چھوڑو۔ ہم تمہاری باتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے ہیں۔ نہیں باز آئیں گے۔ ہزار دفعہ کہا نہیں باز آئیں گے۔ اب تم جاؤ

اور اپنے خدا کو کہو کہ وہ عذاب لے آئے جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ یہ ہے پس منظر۔ نہایت بے ہودہ طریق پر متکبر رنگ میں خدا کے عذاب کو چیلنج کیا گیا ہے اور حضرت لوطؑ کے ساتھ بڑا تحقیر کا معاملہ کیا گیا ہے لیکن اس کے جواب میں آپ یہ دیکھیں کہ حضرت لوطؑ نے عذاب کی دعا نہیں کی یہ عرض کیا۔ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ اے میرے رب میں تو اب بھی صرف نصرت چاہتا ہوں۔ مفسد قوم کے خلاف میری نصرت فرما کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ان کا فساد اصلاح کی حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس لئے ان پر عذاب آیا مگر حضرت لوطؑ نے براہ راست قوم کے خلاف عذاب طلب نہیں کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا سورۃ صّٰفّٰت آیت نمبر ۱۰۱ میں ہے

اس میں عرض کرتے ہیں رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ اس سے پہلے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کو قوم نے جب آگ کا عذاب دینے کی کوشش کی۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ باقاعدہ آگ میں ڈال دیا گیا اور وہ آگ گلزار بن گئی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے روحانی محاوروں کے طور پر بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دراصل ہر نبی کے لئے مخالفت کی ایک آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ اس آگ ہی میں سے وہ گلزار ظاہر ہوتا ہے جو ان کی مقبولیت کی صورت میں اور ان کی آخری فتح کی صورت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو انعام ملتا ہے۔ تو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ جس آگ کا ذکر ہے یہ تمثیلی زبان ہے اس کو ظاہر پر نہیں قبول کرنا چاہئے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی لکھا ہے اور بڑی تحدی کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر وہ ظاہری آگ بھی ہے تو ہمیں کامل یقین ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاص سنت نے اس آگ سے حضرت ابراہیمؑ کو بچالیا تھا۔ گلزار بننے والی یہ باتیں تو مفسرین کے قصے ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں تک فرمایا ہے وہ بس اتنا ہی ہے اور اتنا ہی ہمارے لئے کافی ہے کہ وہ آگ تھی۔ خواہ وہ ظاہر کی آگ تھی خواہ وہ مخفی آگ تھی۔ معنوی طور پر آگ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آگ سے آپ کو بچالیا اور آگ جلانے والوں کو ناکام کردیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک الہام ہوا۔ ''آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے۔'' (تذکرہ صفحہ: ۳۲۴)

ظاہری طور پر بھی کیا یہ درست ہے؟ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کی بار بار کی ان کوششوں کو ناکام کردیا کہ احمدیوں کو زندہ آگ میں جلائیں۔ ابھی حال ہی میں پیچھے پاکستان میں

دو احمدی بستیوں کو جلا کر خاک کر دیا گیا لیکن غیر معمولی طور پر اور حیرت انگیز اعجازی رنگ میں اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو اس آگ سے بچالیا۔

ایک دفعہ مولانا رحمت علی صاحب مرحوم ومغفور جو انڈونیشیا میں مبلغ تھے۔ وہ جن دنوں میں وہاں مبلغ تھے ان دنوں میں بہت مخالفت تھی۔ مجھے اب جگہ کا نام یاد نہیں مگر وہ جس جگہ بھی تھے شدید مخالفت تھی اور وہاں بڑے بڑے مناظرے ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی کی شرارت سے نہیں بلکہ حادثۃً اس بلاک کو آگ لگ گئی۔ (لکڑی کے اکثر مکان وہاں ہوتے ہیں) جس کے ایک طرف حضرت مولوی رحمت علی صاحب کا مکان تھا اور ساتھ ہی بہت تیز آندھی چلی اور اس رخ پر چلی جس رخ پر آپ کا مکان تھا۔ اس وقت سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ باقاعدہ ایک جمگھٹ ہو گیا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے چھلانگیں مار مار کر نکل رہے تھے۔ سامان نکال رہے تھے۔ **احمدی بھی وہاں آئے اور مولوی صاحب کو کہا کہ نکلیں اس گھر سے، ختم کریں۔ آگ آپ کے پاس آرہی ہے تو اس وقت مولوی صاحب نے اس الہام کا حوالہ دے کر خدا سے دعا کی کہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! میں مسیح موعودؑ کا غلام ہوں آپ کی غلامی میں یہاں پیغام دینے آیا ہوں۔ اس لئے آج اس الہام کو میرے حق میں سچا کر دے۔** آج تک انڈونیشیا کے وہ لوگ عش عش کرتے ہوئے لہکتے ہوئے اور روحانی وجد کے ساتھ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہتے ہیں آگ بڑھتی رہی۔ بڑھتی رہی ہم لوگ ڈولتے رہے۔ ایک لرزہ طاری ہو گیا کہ کیا ہونے والا ہے جس وقت آگ وہاں پہنچی ہے جہاں سے ان کا مکان شروع ہوتا تھا تو ایسی موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔ اس قدر تیز کہ آگ کو اس اگلے ساتھ کے گھر تک پہنچنے کی توفیق نہیں ملی۔ ساری آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔

پس خدا تعالیٰ ظاہری طور پر بھی ان باتوں کو پورا کر دکھایا کرتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر جگہ معنوی سہارے تلاش کریں۔ وہ صاحب مقدرت ہے۔ جب چاہے جس طرح چاہے وہ اپنی کائنات کو جو اس کی غلام ہے جیسا حکم دے وہ اس کے تابع ہے اور ویسا ہی کرتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام کے یہ معنی تو بہر حال ثابت ہوئے کہ ظاہری آگ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے غلاموں پر غلبہ نہیں پا سکے گی۔ پس اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کا یہ معجزہ دیکھا تو وہاں سے ہجرت کی

اور ہجرت کرتے ہوئے یہ کہا۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ (الصافات:۱۰۰) میں تو اپنے رب کی طرف چلا ہوں۔ سَيَهْدِيْنِ اور وہ میری ہدایت کرے گا۔ میری راہنمائی فرمائے گا۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصافات:۱۰۱) اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطا فرما۔

اب ان باتوں کا جوڑ کیا ہے۔ دیکھنے والی یہ بات ہے آگ سے ہلاکت سے بچ کر باہر نکل رہے ہیں ہجرت فرما رہے ہیں اور کہتے ہیں مجھے صالح اولاد عطا فرما۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت تک اس قوم سے رخصت نہیں ہوئے جس وقت تک کامل طور پر یقین نہیں ہو گیا کہ کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا۔ جو ظلم انہوں نے کرنا تھا وہ انتہا تک پہنچا دیا اور جب دیکھا کہ ان کے آباء واجداد میں سے سب تباہ ہونے والے ہیں کچھ بھی نہیں۔ تو اکیلے نکلے اور اس وقت خدا سے عرض کی کہ اب میری نسل کو تو چلا۔ میں تو تیرے ان بندوں میں سے ہوں جو عاجز ہیں۔ تیرے حضور کامل طور پر جھکنے والے، سب کچھ تیرے سپرد کرنے والے۔ پہلوں کی نسلیں اگر ہلاک ہو جائیں تو وہ ان کی ذمہ داری۔ میں تو تیری خاطر اس قوم کو چھوڑ کر ہجرت کر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ سے پاک نسل جاری فرما۔

یہ جو معنی ہے اس کو قرآن کریم کی دوسری بہت سے آیات تقویت دیتی ہیں اور خود بائبل بھی اس بات کو تقویت دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کے نتیجہ میں محض ایک بچے کی خوشخبری نہیں دی گئی بلکہ آپ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ میں تیری نسل کو تمام دنیا میں اتنا پھیلاؤں گا کہ جس طرح آسمان کے ستارے نہیں گنے جاسکتے اور ریت کے ذرے نہیں گنے جاسکتے اس طرح تیری نسل بے شمار ہوگی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اتنے کامل اخلاص کے ساتھ اپنی قوم کو اپنے آباء واجداد کو چھوڑا تھا۔ ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا تھا کہ آپ سے پھر آگے ایک نیا جہان پیدا ہونا تھا۔ نئی نسلیں جاری ہونی تھیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے اکیلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت قرار دیا ہے۔ پس وہ لوگ جو اپنے رشتے داروں کو، اپنے جتھوں کو خدا کی خاطر چھوڑتے ہیں۔ وہ جو اپنی برادریوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اکیلے ہو جاتے ہیں بعض دفعہ وہ اپنے آپ پر رحم کرنے لگ جاتے ہیں اور مجھے ان پر رحم آتا ہے۔ اس قدر بے وقوفی ہے کس بات پر رحم کر رہے ہو۔ تم نے سنت انبیاء کو زندہ کیا ہے اگر خدا کی خاطر کیا ہے تو وہ تمہیں ایک قوم بنا دے گا اور تمہاری قوم

بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جائے گی۔ وہ جتھے چھوٹے ہو جاتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں اور تاریخ کے صفحوں میں ملتے ہیں لیکن مستقبل میں پاک لوگوں کی نسلیں جاری رہتی ہیں۔ یہ سنت انبیاء ہے لیکن سب سے زیادہ شان کے ساتھ یہ سنت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئی۔

پس رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کی دعا ایک بہت شاندار پس منظر رکھتی ہے اور ایک بہت عظیم الشان مستقبل رکھتی ہے۔ ان معنوں میں اپنی اولاد کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو بھی ابراہیمؑ فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آگ ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ برادری کے قطع تعلقی کے معاملہ میں بھی خدا نے ایسا ہی سلوک فرمایا۔ چنانچہ جب ساری برادری نے آپ کو چھوڑ دیا تو اس وقت آپ کو الہام ہوا۔ **ینقطع اٰبائك ویبدء منك** (تذکرہ: ۳۹۷) کہ اے غلام احمد! تیرے آباء واجداد کی نسل کاٹی گئی۔ **ویبدء منك** اب تجھ سے یہ نسل جاری ہوگی۔ یہ ایسا عظیم الشان الہام ہے اور ایسی عظیم الشان قوت کے ساتھ یہ سچا ثابت ہوا ہے کہ اس کی روشنی کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ وہ ظالم اور احمق لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کا کوئی ایک نشان دکھاؤ اگر ان کے اندر ذرا بھی انصاف کا مادہ ہو تو صرف یہی بہت کافی ہے۔ ان پر ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعوے میں سچے تھے۔ خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا اور آپ کی تائید میں نشان ظاہر فرماتا تھا۔

جب یہ الہام ہوا ہے جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے اس زمانے میں کم و بیش ۷۰ افراد خاندان آپ کے آباء واجداد کے تھے جو قادیان میں بستے تھے اور ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا اور یکے بعد دیگرے وہ مرتے چلے گئے اور ان کی نسلیں ختم ہوتی چلی گئیں۔ قریبی رشتے دار بھی، دور کے رشتے دار بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے ایک پرانے خادم تھے بابا سندھی۔ وہ ایک دفعہ خدمت کے لئے ہمارے ساتھ ڈلہوزی بھی گئے۔ بڑی عمر تھی لیکن پھر بھی جسم میں توانائی تھی۔ ان سے بعض دفعہ ہم پرانی باتیں سنا کرتے تھے تو بڑے مزے سے وہ قصے سناتے تھے۔ کہتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخالفین کی جو حویلی تھی وہاں یکے بعد دیگرے تالے ہی پڑتے چلے گئے۔ پہلے وہ گھر بیواؤں سے بھر گیا پھر ان کے بچے مرنے شروع ہوئے۔ رفتہ رفتہ وہ خالی ہوگئی۔ کہتے ہیں مرزا گل محمد کے والد مرزا نظام دین صاحب آخری عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔

صدموں کا دماغ پر بھی اثر تھا تو میں (یعنی بابا سندھی) ان کو دبایا کرتا تھا۔ کہتے ہیں! وہ مجھ سے بھی کہتے تھے فلاں بی بی کو بلا کر لاؤ۔ فلاں بی بی کو بلا کر لاؤ۔ ہر دفعہ میں جواب دیتا تھا کہ میں کس کو بلا کر لاؤں اس کے کمرے میں بھی تالا پڑ گیا ہے۔ میں کس کو بلا کے لاؤں اس کے کمرے میں بھی تالا پڑ گیا ہے۔ بہت ہی دردناک منظر ہے لیکن خدا کی یہ شان خود ان کی بدنصیبی کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا گوہر اپنے اندر پا کر اس کی قدر نہیں کی اور آپ کو مٹانے کی کوشش کی۔ پس جو خدا کے پاک بندوں کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے بالآخر ضروری نہیں کہ ہمیشہ اسی وقت، لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان کو مٹا دیا جائے اور پھر ان کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ مرزا نظام دین کا ایک بیٹا زندہ رہا جن کا نام مرزا گل محمد ہے اور ان کی نسل میں اب تک احمدیت ہے اور خدا کی یہ شان ہے کہ ان کو اس لئے زندہ رکھا گیا کہ انہوں نے احمدی ہو جانا تھا۔ کوئی شخص ایسا زندہ نہیں رہا جس نے احمدی نہیں ہونا تھا۔ اسی کو زندہ رکھا گیا جس نے احمدی ہونا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے بیٹوں میں سے دو تھے۔ ایک مرزا سلطان احمد۔ ایک مرزا فضل احمد۔ اس وقت دونوں میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان نہیں لایا تھا اسی کو زندہ رکھا گیا اور اسی کی نسل جاری رکھی گئی جس نے ایمان لانا تھا یعنی مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد اسی طرح بے اولاد لاولد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بہت ہی تفصیل کے ساتھ میں نے جائزہ لیا ہے۔ ہر ہر واقعہ میں ایک عظیم نشان پوشیدہ ہے۔ ایک صاحب اولاد ہونے کی طاقت رکھتے تھے۔ شادی کرنا چاہتے تھے لیکن دماغ میں ایسا دورہ پڑا کہ فقیر بن گئے اور فقیر بننے کے بعد خود اپنے آپ کو اولاد کی اہلیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر لیا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات یہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ان کی حالت دیکھ کر رحم آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دیواروں سے سر ٹکرائیں گے۔ کہا کرتے تھے میں نے اپنے اوپر کیا کر لیا ہے کیا ظلم کر بیٹھا ہوں۔ کاش مجھ میں طاقت ہوتی اور میں شادی کرتا اور میری اولاد ہوتی لیکن خدا کی تقدیر کے نیچے تھے۔ پس اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء واجداد کی نسل کاٹی جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ کو پتا تھا مجھے تو یقین ہے کہ خدا نے الہاماً خبر دی تھی کہ یہ واقعہ ہے تم جس جگہ سے رخصت ہو رہے ہو اب یہاں کوئی باقی نہیں بچے گا۔ یہ ساری نسلیں ختم ہونے والی ہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے

دعا کی رَبِّ هَبۡ لِيۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ اے خدا مجھے نسل دے مگر نیک نسل دے ۔ بدنسل کا میں متمنی نہیں ہوں ۔ مجھ سے آئندہ نیک نسلیں جاری ہوں اور دیکھیں کتنی گہری دعا تھی کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ بھی آپ ہی کی نسل میں پیدا ہوئے ۔ پس محض دعا کے لفظوں کی بات نہیں ہوا کرتی ۔ خدا کی نظر دعا کی گہرائی پر پڑتی ہے ۔ دل میں کتنی گہرائی سے اٹھی ہے ۔ کس جذبے کے ساتھ اٹھی ہے ۔ کس درد کے ساتھ اٹھی ہے ۔ کس اخلاص اور ایثار کی روح کے ساتھ اٹھی ہے ۔ یہ ساری باتیں ہیں جو دعا کو طاقت بخشتی ہیں اور پھر نیک اعمال دعا کو طاقت بخشتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کلمہ طیبہ خدا ہی کی طرف رفع کرتا ہے مگر نیک اعمال اس کو طاقت مہیا کرتے ہیں ۔ پمپ کر کر کے نیک اعمال اس کلمہ کو اوپر اٹھاتے ہیں تو اسی طرح دعاؤں کا حال ہے ۔ یہ ساری باتیں دل کے نیک اور نیک اعمال مل کر دعاؤں میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا کر دیتے ہیں اور قوموں کے مستقبل ان دعاؤں سے بنتے ہیں ۔

پھر ایک دعا حضرت سلیمانؑ کی ہے سورۃ ص آیت ۳۶ میں بیان ہوئی ہے ۔ وَهَبۡ لِيۡ مُلۡكًا اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما ایک ایسا عظیم ملک عطا فرما ، لَّا يَنۡۢبَغِيۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِيۡ کہ میرے بعد پھر کبھی کسی کو نصیب نہ ہو ۔ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ یقیناً تو ہی مہربانی کرنے والا ہے ۔ بہت ہی زیادہ پیار کا سلوک فرمانے والا ہے ۔ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِيۡ اس دعا کے متعلق کئی علماء بحثیں اٹھاتے ہیں کہ ایسی دعا مناسب بھی ہے کہ نہیں ۔ درست ہے کہ نہیں کہ میرے بعد کسی کو ویسی سلطنت نہ ملے ۔ یہ تو بظاہر ایک خودغرضی کی دعا ہے ۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری اولاد میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھ اور بڑھا چڑھا اور اس شان کو بڑھاتا رہ ۔ حضرت سلیمانؑ نے یہ کیسی دعا کی اور پھر دعا بھی ایسی جو بددعا بن کر بعد میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ حضرت سلیمانؑ کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کے بعد نہ نسل میں نبوت رہی ، نہ اس رنگ میں بادشاہت رہی ۔ حضرت سلیمانؑ کا دور بنی اسرائیل کی حکومت کا سب سے شاندار دور تھا ۔ آپ نے آنکھیں بند کیں تو فتنے شروع ہوئے اور سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی اور آپ کی نسل کے حصے میں چھوٹی سلطنت آئی لیکن فلسطین اسی کا حصہ تھا ۔ اسی کو جوڈا کہا جاتا ہے ۔ ایک شمالی سلطنت تھی جس میں بنی اسرائیل کے دس قبائل آباد تھے اور ایک جنوبی جس میں دو تھے ۔ ان میں حضرت سلیمانؑ کا اپنا قبیلہ بھی تھا ۔ چنانچہ آپ کے بیٹے کے پاس بالآخر صرف وہی بادشاہت رہ گئی جو دو قبیلوں کی راجدھانی پر مشتمل تھی اور وہ دس

قبیلے وہ ہیں جن کے متعلق بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف جانے والا ہوں۔

اصل مضمون تو دعا کا ہے مگر ضمناً ساتھ ساتھ میں آپ کو یہ باتیں بھی سمجھا تا جا تا ہوں کیونکہ ہمارے جماعتی محاورے میں اکثر گمشدہ بھیڑوں کا ذکر ملتا ہے تو وہ کیا تھیں اور کیسے بنیں۔ وہ دس قبائل جو شمال کے قبائل تھے ان کی ایک الگ سلطنت قائم ہوئی اور انہی کی طرف حضرت مسیحؑ کا اشارہ ہے۔ گمشدہ ان کو اس لئے کہا گیا کہ ۶۰۰ سال کی حکومت کے بعد یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جب بنی اسرائیل کو حکومت ملی تو اس کے پورے ۶۰۰ سال کے بعد بابلیوں نے ان پر حملہ کیا (اور آج کل کے کُرد بھی اکثر بابلی علاقہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں بابلیوں کی ایک شاندار سلطنت تھی) اور ان کو بالکل تہس نہس کر دیا۔ کلیۃً ملیا میٹ کر کے ان کو ملک بدر کر دیا اور یہ ساری دنیا میں بکھر گئے۔ بعض روایات کے مطابق مارا تو بہت بری طرح لیکن پوری طرح نکالا نہیں بلکہ ایک سو سال بعد جبکہ جنوبی عراق کی طرف سے حملہ ہوا ہے اس وقت ان کو آخری دفعہ کلیۃً نکال دیا گیا۔ مگر بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں آپ کی آمد سے کئی سو سال پہلے یہ لوگ دنیا میں بکھر چکے تھے اور ان کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ کا فاصلہ ۱۳۰۰ سال کا ہے۔ یہ بات احمدیوں کو خصوصاً یاد رکھنی چاہئے۔ پس حضرت عیسیٰؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام گمشدہ بھیڑوں کے بکھرنے کے ۶۰۰ سال کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے یاد رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امت کے مسیح تھے۔ آپ بھی پوری ۱۳ صدیوں کے بعد ظاہر ہوئے ہیں اور مماثلت مسیحؑ کی لوگ بات کرتے ہیں تو فیتے سے آپ زمانے کو ناپ کر دیکھ لیں بعینہٖ اتنا زمانہ بنتا ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بارہ مجدد گزرے تھے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی امت پر حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بارہ مجددین گزر چکے تھے۔ بہر حال یہ قوم کا ایک حصہ اس زمانے میں بکھرا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت سلیمانؑ نے خود اپنے بچوں کے لئے اور اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی۔ اس کے متعلق قرآن کریم اشارہ کر رہا ہے اس سے پہلے آیت میں کہ اصل واقعہ کیا تھا پہلی آیت یہ ہے کہ۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (ص: ۳۵) کہ ہم نے

سلیمانؑ کو آزمائش میں ڈالا، فتنے میں ڈالا ۔ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا اور اس کے تخت پر ایک لاشے کو لا بٹھایا۔ ثُمَّ اَنَابَ اس کے نتیجہ میں وہ بار بار خدا کے حضور جھکا اور مغفرت مانگی اور توبہ کی۔ بہت ہی افسوسناک بات یہ ہے کہ بہت سے غیر احمدی مفسرین اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ سے گناہ سرزد ہوا اور آپ نے اپنے بستر پر ایک عورت ڈال دی۔ **نعوذ باللہ من ذالک** بہت ہی جاہلانہ تفسیریں ہیں۔ یہ تفسیریں دیکھ کر تو بار بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ کس طرح ہمیں اندھیروں سے روشنی میں نکالا ہے اور اگر یہ بات تھی تو اچانک اس کے بعد اپنی قوم پر بددعا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر **نعوذ باللہ من ذالک** کوئی گناہ ہی سرزد ہوا تھا تو اس گناہ کا بدلہ اپنی قوم کو، اپنے بچوں کو دینا تھا کہ یہ دعا کرتے کہ اچھا چونکہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے اس لئے میری اولاد اور میری نسلوں کو اس کی سزائیں دے اور سارے بنی اسرائیل کو اس کی سزا دے اور میرے بعد یہ ملک تباہ کر دے۔ ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ آپ کو جب خدا نے خبر دے دی کہ تیری اولاد اس لائق نہیں ہے کہ وہ تیری تخت نشین ہو۔ نالائق اولاد آنے والی ہے تو اس وقت آپ نے یہ کہا کہ اے خدا میں تو نبی ہوں اور نبوت کے ساتھ ملوکیت کرتا رہا ہوں اور پورے انصاف اور تقویٰ کے ساتھ حکومت کے حقوق ادا کرتا رہا ہوں۔ اگر ایک نالائق کے سپرد یہ ساری قومیں کر دی گئیں تو وہ تو بہت ظلم کرے گا۔ ہرگز وہ اس لائق نہیں ہے کہ ایسی شاندار حکومت اس کے سپرد کی جائے۔ پس اس عاجزانہ دعا کے نتیجہ میں جو تقویٰ پر مبنی تھی خدا تعالیٰ نے آپ کے بعد پھر اس حکومت کو اس طرح جاری نہیں رہنے دیا۔ یہ آخری حکومت ہے جس میں نبوت اور دنیاوی حکومت اکٹھے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ پس ہرگز **نعوذ باللہ من ذالک** نہ نبیوں کو بددعائیں دینے کی عادت ہوتی ہے نہ وہ ایسی جاہلانہ خودکشی کرنے والی بددعائیں کرتے ہیں۔ یہ دعا تقویٰ پر مبنی ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ جس کے ہاتھ میں قوم کی لگام ہوگی اگر خدا کے نزدیک وہ بد ہے تو خدا پھر اس کے سپرد یہ حکومت نہ کرے اس سے بنی نوع انسان کو دکھ پہنچے گا۔

اب چونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اور ترجمہ بھی ہونا ہے انشاء اللہ تعالیٰ باقی دعاؤں کے مضمون کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آئندہ خطبہ میں میں جہاں سے چھوڑا ہے وہاں سے شروع کرونگا۔

رسول کریم ﷺ کی دعائیں اور ان کا عرفان

اولاد کی تربیت دعاؤں سے کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱؍ جون ۱۹۹۱ء واشنگٹن ڈی سی۔ امریکہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ میں واشنگٹن ڈی۔ سی امریکہ سے دے رہا ہوں اور اس اعلان کی ضرورت اس لئے ہے کہ بہت سی جماعتوں میں اب براہ راست خطبے کی آواز پہنچنے لگی ہے۔ چونکہ میں سفر پر ہوں اس لئے جہاں بھی کوئی خطبہ پڑھا جاتا ہے وہاں خطبہ کا آغاز اسی فقرے سے کرتا ہوں کہ اس وقت کہاں سے بول رہا ہوں۔

یہ سلسلہ مضامین جو جاری ہے اس کا تعلق قرآنی دعاؤں سے ہے۔ یعنی ان لوگوں کی دعاؤں سے جن کے متعلق ہم روزانہ سورۂ فاتحہ میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ان انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلا۔ چونکہ یہ ایک بہت مشکل راہ ہے اس لئے میں نے پہلے سے ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ اس راہ پر چلنا دعاؤں کی مدد کے بغیر ممکن نہیں اور قرآن کریم نے خود ہی وہ سب دعائیں ہمیں سکھا دی ہیں جن دعاؤں کی مدد سے پہلے انعام یافتہ لوگوں نے یہ مشکل راہیں طے کیں۔ پس ان دعاؤں سے غافل رہ کر ہر نماز میں یہ دعا کرتے رہنا کہ اے خدا! ہمیں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلا کوئی معقول طریق نہیں ہے۔ ایک طرف تو ایک بہت ہی مشکل راہ پر چلنے کی دعا مانگی جا رہی ہے۔ دوسری طرف ان لوگوں کی اداؤں سے پوری طرح ناواقف جن لوگوں نے اس سے پہلے ان

راہوں پر چل کر خدا سے انعام پائے تھے اور خدا تعالیٰ نے ان کا ذکر تفصیل سے قرآن کریم میں محفوظ فرما دیا کہ یہ وہ انعام یافتہ لوگ تھے۔ یہ یہ کیا کرتے تھے اور اس اس طرح مجھ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور پھر میں اس طرح قبول فرماتا تھا اور ان پر مزید انعامات کی بارش نازل فرمایا کرتا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی ایک دعا پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اب ایک اور دعا ہے جس کی ادا اس پہلی دعا سے کچھ مختلف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (ص:۴۲) فرمایا کہ میرے بندے ایوب کو بھی تو یاد کرو۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ جب اس نے اپنے رب کو بڑے درد سے پکارا اور یہ کہا کہ مجھے شیطان نے بہت ہی تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس دعا کی ادا کچھ مختلف اس رنگ میں ہے کہ یہ دعا سے بڑھ کر شکایت کا رنگ رکھتی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس لئے تو میری مدد فرما یا یہ کر اور وہ کر بلکہ بے ساختہ درد کا اظہار ہے جیسے بسا اوقات کوئی بچہ اپنی بیماری کا بتاتا ہے کہ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور آگے کچھ نہیں کہتا۔ تو بعض دفعہ ان مانگی دعائیں جو محض درد کا اظہار ہوتی ہیں بہت گہرا اثر رکھتی ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے معاً بعد فرمایا اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ (ص:۴۳) یہ بھی نہیں کہا کہ ہم نے دعا قبول کر لی کیونکہ دعا تو ایک بین بین سا رنگ رکھتی تھی۔ شکایت تھی یا بے ساختہ درد کا اظہار تھا۔ فوراً معاً مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔ تو سوار ہو، ایک سواری پکڑ اور اپنی ایڑی سے اسے تیز بھگا۔ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ اور دیکھو یہ جگہ کیسی اچھے پانیوں پر مشتمل جگہ ہے، ٹھنڈی ہے اور بہت عمدہ نہانے کا پانی بھی اور پینے کا بھی میسر ہے۔

دراصل اس میں ہجرت کی طرف اشارہ تھا اور بعد کے واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کو جس شیطان نے تنگ کر رکھا تھا وہ اس زمانے کا کوئی بہت ہی بڑا غاصب اور ظالم انسان تھا۔ حضرت ایوبؑ کے متعلق کہانیاں تو بہت مشہور ہیں لیکن قرآنی بیان سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اگرچہ جسمانی بیماری بھی تھی مگر محض کوئی ایک تکلیف نہیں تھی بلکہ آپ کے دشمنوں نے ہر طرح سے آپ کی زندگی آپ پر اجیرن کر رکھی تھی۔ آپ کے اموال لوٹ لئے گئے تھے، آپ کے جانوروں میں طرح طرح کی بیماریاں پھیلا دی گئی تھیں، آپ کے خاندان میں سے بعض لوگوں کو آپ سے منحرف اور بدظن کر دیا گیا تھا اور اتنے دردناک حالات پیدا کئے گئے کہ روایات میں آتا ہے کہ

آپ کی بیوی بھی آپ کو چھوڑ کر الگ ہوگئی تھی۔

ان تمام واقعات کا تو قرآن نے ذکر نہیں فرمایا لیکن جس رنگ میں اس دعا کے بعد خدا تعالیٰ حضرت ایوبؑ سے مخاطب ہوا اس سے پہلی بات تو یہ پتہ لگتی ہے کہ ہجرت کا حکم تھا۔ان حالات میں مزید ایسی جگہ میں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔دوسرا وعدہ یہ تھا کہ تمہیں ہم ایک ٹھنڈی چشموں والی جگہ میں پہنچا دیں گے اور وہ ایسے چشمے ہیں جن سے تم اپنے جسم کو دھولو تو شفاء نصیب ہوگی۔ یہاں بَارِدٌ سے مراد ٹھنڈ پیدا کرنے والا پانی ہے۔ٹھنڈا پانی نہیں کیونکہ تحقیق کرنے سے جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے حضرت ایوبؑ کو چونکہ خارش کی جسمانی بیماری تھی اور جسم پر ناسور پیدا ہو گئے تھے اس لئے گندھک کے چشموں والے علاقے کی طرف آپ کی ہجرت ہوئی ہے جو گرم ہوتا ہے لیکن جب ایک انسان کا جسم سوزش سے جل رہا ہو اور سخت بے قرار ہو تو گرم پانی جو اسے شفا دیتا ہے تو انسان ہمیشہ یہ کہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈ پڑ گئی۔چین نصیب ہوا۔تو یہاں بَارِدٌ سے مراد ٹھنڈا پانی نہیں بلکہ تسکین بخش پانی ہے۔صحت عطا کرنے والا پانی ہے۔تبھی میں نے اس کا ترجمہ ٹھنڈا پانی نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ صحت بخش پانی۔ چنانچہ پینے کے لئے بھی اچھا تھا لیکن پینے کے لئے ضروری نہیں کہ وہی پانی استعمال ہوا ہو کیونکہ ہم نے ایسے علاقوں میں دیکھا ہے جہاں بہت ہی گرم پانی کے ابلتے ہوئے چشمے ہوتے ہیں ان میں جلد کے مریض جا کر نہاتے ہیں اور صحت یاب ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی بہت ہی ٹھنڈے پانی کے چشمے بھی ہوتے ہیں اتنا ٹھنڈا پانی کہ بعض دفعہ اس میں ہاتھ رکھا نہیں جاتا۔ کلو منالی میں اس قسم کے بہت چشمے ہیں۔ بچپن میں مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہمیں وہاں لے کر گئے اور وہاں اتنا گرم پانی تھا کہ اس میں ہاتھ ڈالنا ناممکن تھا اور ساتھ ہی ٹھنڈے پانی کا چشمہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے انعام مقرر کیا کہ جو بچہ ایک منٹ ہاتھ رکھے گا میں اسے اتنا انعام دوں گا لیکن کوئی نہیں رکھ سکا۔تو وہ ایسی جگہ تھی جہاں معنوی طور پر بھی بَارِدٌ پانی تھا اور ظاہری طور پر بھی ساتھ بَارِدٌ پانی موجود تھا۔ایک پانی شفاء کے لئے بَارِدٌ تھا اور ایک پینے کے لئے ٹھنڈ پیدا کرتا تھا اور اچھا پانی تھا۔ پھر فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ (ص:۴۴) اور ہم نے اس کے گھر والے بھی اس کو واپس کر دیئے۔معلوم ہوتا ہے ہجرت کے وقت وہ ساتھ نہیں گئے۔جب ان کے حالات بہتر ہوئے تو پھر رفتہ

رفتہ وہ ملنے شروع ہوئے لیکن محض اہل وعیال ہی نہیں ملے۔ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اور بہت سے ایسے خاندان مل گئے جو اپنے خاندان ہی کی طرح تھے اور یہ امر واقع ہے حضرت رسول اکرم ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو جتنے خاندان رشتہ دار پیچھے چھوڑے ان سے بہت بڑھ کر محبت کرنے والے خاندان اور رشتہ دار نصیب ہوئے اور روحانی طور پر اہل مدینہ نے اخوت کا حق ادا کر دیا۔ کبھی ہجرت کرنے والوں کو اپنے خاندانوں میں وہ سکون نہیں ملا، ایسی محبت ان سے نہیں کی گئی جیسے مدینہ کے انصار نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ بہت سے ان میں سے ایسے تھے جنہوں نے اپنی آدھی جائیداد آنے والے مہاجرین کو بانٹ دی اور اتنا جذبہ تھا اپنا سب کچھ فدا کرنے کا کہ ایک دفعہ ایک صحابی حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے مال جائیداد ہر چیز تو تقسیم کر دی ہے مگر بیویاں میری ایک سے زائد ہیں۔ میں چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو آدھیوں کو طلاق دے دوں اور یہ جو مہاجر آئے ہیں بعض ان میں سے اپنی بیویوں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے میں ان کے ساتھ ان کی شادی کروادوں (حوالہ۔۔۔) حیرت انگیز جذبہ تھا۔

پس حضرت ایوبؑ کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے جہاں ہجرت کی گئی وہاں کے لوگوں نے اسی طرح احسان کا سلوک کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ایسا ہوا ورنہ یہ فقرہ عجیب سا لگتا ہے۔ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ یہ تو ٹھیک ہے ہم نے اس کے اہل اس کو واپس کر دیئے۔ دوبارہ عطا فرما دیئے۔ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اس جیسے اور بھی بہت سے۔ تو یہ ہجرت کا انعام تھا اور میں نے بھی دیکھا ہے پاکستان سے جب انگلستان آیا ہوں تو کثرت سے ایسے خاندان ہیں جو اس قدر محبت کا گہرا تعلق رکھتے ہیں کہ بالکل یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خاندان میں آ گئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ فرق نہیں لگتا بلکہ کئی پہلوؤں سے زیادہ محبت اور شفقت کا اظہار کرنے والے خاندان ہیں۔ تو جب میں یہ آیت پڑھتا ہوں ہمیشہ مجھے مدینہ کی بات بھی یاد آتی ہے اور اپنے سفر کے بعد اللہ کی رحمت بھی یاد آتی ہے۔ لیکن جو خاص نکتہ غور کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ دعا بعض دفعہ بن مانگے محض درد کے اظہار کے نتیجہ میں قبول ہوتی ہے۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا کا ذکر گزرا ہے جس میں انہوں نے عرض کیا کہ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۵) اے میرے خدا میں مانگتا کچھ نہیں تو بہتر جانتا ہے کہ مجھے کس چیز کی حاجت ہے۔ پس جو تو چاہے میں اسی کا فقیر

ہوں اور اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے ہر ضرورت کو پورا کر دیا۔ گزشتہ خطبہ میں میں نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔ اب یہ بھی ایک ملتی جلتی دعا کی ادا ہے کہ اظہار درد تو ہے لیکن طلب کوئی نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ہاں ہم نے سن لیا ہے۔ تو بہت دکھ میں ہے۔ بہت تو نے صبر کیا۔ اب تو یہ یہ کام کر۔ تو نے صبر کیا کے لفظ یہاں تو نہیں آئے لیکن اس دعا کے بعد خدا کے سلوک کا ذکر چلتے ہوئے اس بات پر بات ختم ہوئی ہے۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص:۴۵) کہ ہم نے اسے یعنی حضرت ایوب کو بہت ہی صبر کرنے والا پایا، کیا ہی اچھا بندہ تھا۔ الْعَبْدُ ہو تو ایسا ہو۔ نِعْمَ الْعَبْدُ کا محاورہ اس رنگ کا مضمون ہے جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں کیا خوب انسان تھا۔ انسان ہو تو ایسا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے بہت ہیں مگر ایسا بندہ ہو تب مزے کی بات ہے جیسے ایوب تھا۔ بہت ہی صبر کرنے والا تھا۔ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ اور کثرت سے میری طرف جھکنے والا تھا۔

پس دعا کی قبولیت کے پیچھے یہ مزاج بھی تو ہیں جنہیں اپنانا ہوگا۔ محض درد کا اظہار کافی نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ درد کا اظہار اگر ایسے بندہ کی طرف سے ہو جو صابر ہو تو دل پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور عام انسانی معاملات میں میں نے تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ بعض لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر درد کا اظہار کرتے ہیں وہ مانگیں بھی تو ان کو دینے پر دل نہیں کرتا۔ جس طرح بعض بندے جن کو مانگنے کی عادت نہیں ہے وہ خاموش رہتے ہیں اور صبر پر صبر کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب ان کا صبر ٹوٹتا ہے تو بے اختیار ان کے لئے دل پھٹنے لگتا ہے اور انسان کہتا ہے کہ بہت ہی تکلیف میں ہوگا۔ جب اس نے یوں ہاتھ پھیلایا ہے۔ تو ایک تو اس دعا سے پہلے حضرت ایوبؑ کا صبر ہے جس نے ایک پس منظر بنایا اور پھر اَوَّابٌ کا مطلب ہے ہر بات میں خدا کی طرف دوڑتا تھا۔ غیر کی طرف نہیں جاتا تھا۔ جب بھی کوئی ضرورت پڑتی تھی۔ جب بھی کوئی تکلیف ہوتی تھی اگر دوڑتا تھا تو خدا کی طرف دوڑتا تھا۔ یہ دو عادتیں ہیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو اس شان کے ساتھ قبول کیا ہے۔

پس جب بھی آپ قرآنی دعائیں مانگا کریں تو ان اداؤں کے ساتھ مانگا کریں جن اداؤں کے ساتھ پھر دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ بعض لوگ مجھے کہتے ہیں کہ جی ہمیں آپ دعا لکھ دیجئے جو ہم کرتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں ہم یہ ورد کرتے چلے جا رہے ہیں۔ گھنٹوں مصلے پر بیٹھ کر یہ ورد کرتے

چلے جاتے ہیں ۔ ہماری دعا تو ابھی تک قبول نہیں ہوئی لیکن بغیر اداؤں کے کیسے قبول ہوگی ۔ **پیار تو اداؤں پر آتا ہے کلمات پر نہیں آیا کرتا**۔ایک ہی بات ایک عام آدمی کہتا ہے بعض دفعہ اس پر غصہ آجاتا ہے ایک ایسا شخص جس سے پیار پیدا ہو جائے جب وہ بات کہتا ہے تو اس پر پیار آتا ہے۔ پیار آنا ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے اور قبولیت دعا کا پیار سے تعلق ہے۔جس طرح شاعر نے کہا ہے کہ:۔

ع ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پر پیار آتا ہے

اب دونوں کا آپس کا تعلق اس قسم کا ہے کہ ایک شخص کو نفرت ہے ایک کو محبت ہے ۔جس کو نفرت ہے کہنے والا کہتا ہے ہم اس سے پیار کرتے ہیں تو اسے ہم پر غصہ آجاتا ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ جب اسے غصہ آتا ہے تو ہمیں پیار آجاتا ہے۔تو یہاں دعاؤں کے معاملہ میں محض لفظوں کی بات نہیں ہے کہ کسی نبی کے الفاظ آپ دہرانے لگ جائیں۔قرآن کریم نے ان کیفیات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان حالات کا ذکر فرمایا ہے۔ان نبیوں کے اخلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ان نبیوں کے اپنے ساتھ تعلقات کا ذکر فرمایا ہے۔وہ ایک پس منظر بنا کر پھر وہ دعا سکھائی گئی ہے۔اس پس منظر کے پیدا کرنے کے لئے اگر انسان کوشش کرے اگر چہ ویسا نہ بھی بن سکے لیکن کچھ تو ہو پھر دعا کر کے دیکھے کبھی خطا نہیں جائے گی۔ میرا تو ایمان ہے کہ وہ دعا جو انبیاء نے کی اور خطا نہ گئی اگر اسی درد اور اسی جذبے کے ساتھ کی جائے تو کبھی خطا نہیں جائے گی ۔ہم نے تو دیکھا ہے کہ وہ اچھے ڈاکٹر جو نسخے بیان کرتے ہیں اور ساتھ اس کے متعلق تفصیل سے بتاتے ہیں کہ یہ یہ باتیں ہوں تو نسخہ کارگر ہوگا۔ان کا نسخہ واقعی کارگر ہوتا ہے میں ہومیو پیتھک کا شوق رکھتا ہوں اور میں نے دیکھا ہے بعض ڈاکٹر جو نسخہ بتاتے ہیں شاذ ہی کبھی کامیاب ہوتا لیکن بعض جو تفصیل سے بتاتے ہیں یہ یہ باتیں ہوں تو کامیاب ہوگا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔پس اللہ تعالیٰ سے بہتر کون ڈاکٹر ہوسکتا ہے جو انسان کی ہر اصلاح کے لئے ہمیں قرآن کریم جیسا نسخہ عطا کرتا ہے۔آپ غور سے دیکھیں تو قرآن کریم کی ہر دعا سے پہلے اس کا پس منظر بیان ہوا ہے۔وہ ساری ادائیں تفصیل سے زیر بحث لائی گئی ہیں جن پر نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا۔

اب ایک دلچسپ دعا ایسی ہے جو بندے نہیں کررہے بلکہ فرشتے کرتے ہیں۔فرمایا

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (المومن:۸) کہ ہمارے بعض ایسے ملائک ہیں جو ہم نے پیدا کئے جوعرش کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ وَمَنْ حَوْلَهٗ اور جو کچھ بھی اس کے اردگرد ہے۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وہ خدا کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کرتے ہیں وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اور وہ اس پر پوری طرح ایمان لاتے ہیں۔ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو لوگ بھی ایمان لاتے ہیں ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

اس آیت کا اکثر مفسرین یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ گویا **نعوذ باللہ من ذالک** آسمان پر کہیں عرش کوئی ایسا تخت ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے اور اس کو کچھ فرشتے کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں اور یہ ان فرشتوں کی دعا ہے۔ یہ ایک بالکل جاہلانہ تصور ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اس کو اٹھانے والا کون ہے۔ اس لئے عرش سے مراد ہرگز کسی قسم کا کوئی جسمانی عرش نہیں۔

عرش کے مختلف معانی ہیں۔ قرآن کریم میں عرش کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے **اور عرش سے نظام کائنات ہی مراد ہے**۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ہم نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اس کے بعد فرمایا۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف:۵۵) پھر اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ کیا۔ تو عرش سے مراد وہ ساری کائنات تھی اور اس کا نظام تھا جس کو خدا نے پیدا کیا اور پھر اس کو سنبھال لیا، اس کا انتظام چلایا۔ پس وہ طاقتیں جو نظام کائنات کو چلانے والی طاقتیں ہیں اور نظام کائنات کی جب ہم بات کرتے ہیں تو صرف ظاہری نظام کائنات نہیں بلکہ روحانی نظام کائنات بھی ہے اور یہاں غالباً اسی کا ذکر ہے کہ وہ خدا کے پیدا کردہ فرشتے یا وہ طاقتیں جو روحانی نظام عالم کو چلانے کی ذمہ دار ہیں وہ خدا کی حمد کرتی ہیں، اس کی تسبیح کرتی ہیں اور پھر یہ عرض کرتی ہیں کہ اے خدا! مومنوں سے مغفرت کا سلوک فرما۔ فرشتوں کی طرف زیادہ دھیان اس لئے جاتا ہے کہ یہاں اپنے لئے انہوں نے استغفار نہیں مانگی۔ یہ بھی ممکن تھا اس آیت کا ترجمہ کہ خدا کے فرشتہ صفت انسان یہ دعا کرتے ہیں لیکن فرشتہ صفت انسانوں میں سب سے بڑھ کر تو محمد رسول اللہ ﷺ تھے وہ پہلے اپنے لئے استغفار فرماتے تھے پھر مومنوں کے لئے استغفار فرماتے تھے۔ چونکہ

ملائکہ کو بدی کی طاقت نہیں ہے۔ان کو اختیار ہی نہیں ہے۔اس لئے وہ اپنے لئے استغفار کر ہی نہیں سکتے۔ان کے لئے بے اختیاری کی بات ہے۔پس اس لئے یہاں ترجمہ یہی کرنا پڑے گا کہ ایسے فرشتے جو روحانی نظام کو چلانے والے ہیں ان کا دل بھی چاہتا ہوگا کہ ہم بھی استغفار کریں اور چونکہ ان پر استغفار اطلاق نہیں پاتا اس لئے وہ خدا کے مومن بندوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور استغفار اس طرح کرتے ہیں۔رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اے ہمارے رب! وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا تو نے اپنے علم اور رحمت کے ذریعے ہر چیز پر احاطہ کرلیا ہے۔تیرا علم بھی ہر چیز پر حاوی ہے اور تیری رحمت بھی ہر چیز پر حاوی ہے فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا پس ان لوگوں سے مغفرت کا سلوک فرما جو توبہ کرتے ہیں۔وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ اور جو تیرے رستے پر چلتے ہیں۔وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اور ان کو آگ کے عذاب سے بچا۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اے ہمارے رب ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرمادے۔وہ جنتیں جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور ان کو بھی جو ان کے آباواجداد میں سے اچھے لوگ تھے۔وَذُرِّيّٰتِهِمْ اور ان کی اولادوں کو بھی اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یقیناً تو غالب علم رکھنے والا اور صاحب حکمت ہے۔وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ (المومن:۱۰) ان کو بدیوں سے بچا۔وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ آج اگر تو کسی کو بدیوں سے بچاوے تو تو نے اس پر بہت رحم فرمایا۔وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ خدا ہی ہے جو بہت مغفرت کرنے والا اور یہ بہت ہی عظیم کامیابی ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ایسی ہیں جو میں خاص طور پر آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔ اگرچہ ملائک کے متعلق یہ قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ بنی نوع انسان اور مومنوں کے لئے استغفار کرتے تھے لیکن حضرت اقدس محمد ﷺ بھی تمام بنی نوع انسان خصوصاً مومنوں کے لئے استغفار کرتے تھے اور چونکہ آپ بھی رحمۃ العالمین تھے اس لئے جب میں یہ پڑھتا ہوں کہ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اے ہمارے رب تو ہر چیز پر اپنی رحمت کے ذریعے عام ہوگیا ہے تو وہ پہلا نبی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام بنی نوع انسان کے لئے عام کی گئی وہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے استغفار کا بھی اس میں ذکر ہے اور آپ کی رحمت جو تمام بنی نوع انسان پر پہنچی ہے زیادہ تر آپ کی دعاؤں کے ذریعہ پہنچی ہے کیونکہ براہ راست آپ کی تعلیم کے ذریعہ آپ کا فیض عام نہیں ہوا۔ وَّ عِلْمًا میں تعلیم کا ذکر ہے اور رَّحْمَةً میں آپ کی برکتوں کا ذکر ہے۔ پس ایک ہی نبی جس کی تعلیم بھی تمام بنی نوع انسان کے لئے عام تھی اور جس کی رحمت بھی عام تھی وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اگر چہ تعلیم تو سب جگہ نہیں پہنچ سکی اور آج بھی نہیں پہنچ سکی۔ آج بھی جس ملک میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں اس ملک کے اکثر باشندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم سے غافل ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے تھی لیکن آپ کی رحمت ضرور پہنچی ہے اور رحمت اگلوں کو بھی پہنچی ہے اور پچھلوں کو بھی پہنچی ہے اور تمام عالم کو پہنچی ہے۔

اس مضمون کو سمجھنے کے لئے آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہماری طرف سے یہ محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔ آنحضور ﷺ کو مقصود کائنات بتایا گیا ہے اور چونکہ شریعت نے ترقی کرتے ہوئے بالآخر جس طرح ارتقا انسان تک پہنچا۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم تک پہنچنا تھا۔ گویا اسلام میں شریعت کا ارتقاء ہے۔ اس پہلو سے جو پہلے لوگ تھے ان سب کو جو تربیت دی گئی وہ اسی طرف قدم بڑھانے کی غرض سے تربیت دی گئی اور تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعت نازل ہوئی اور رحمت کے نزول ہوئے ان سب کو بالآخر آنحضرت ﷺ کی طرف سے پیدا کی جانے والی عالمی برادری کا جز بننے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ پھر جس طرح درخت کو پھل لگتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی مراد کو پہنچ گیا لیکن پھل لگنے کے بعد تو اس کی خدمت نہیں کی جاتی۔ درخت کی خدمت کو بیج ڈالتے وقت بلکہ بیج ڈالنے سے پہلے شروع کر دی جاتی ہے جب آپ مٹی کھودتے ہیں اس کو نرم کرتے ہیں، جب آپ کھاد کا انتظام کرتے ہیں اور پانی کا انتظام کرتے ہیں۔ ابھی بیج بویا بھی نہیں تو یہ سب انتظام شروع ہیں۔ پھر بیج بوتے ہیں، پھر وہ درخت بنتا ہے اور مسلسل اس کی نگہداشت جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بالآخر وہ پھل پیدا کرنے لگ جاتا ہے۔

پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا فیض اگر زمانے میں بھی پہلوں کو پہنچا اور کائنات میں بھی ہر جگہ عام تھا تو یہ کوئی فرضی دعویٰ نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (حوالہ ۔۔) کہ اے میرے بندے اگر تجھے پیدا کرنا

مقصود نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا کیونکہ اس کائنات کا پھل تو ہے۔اس کا مقصود تو ہے۔ تجھ جیسا میں نے پیدا کرنا تھا بیچ میں دوسرے بھی پیدا ہو گئے اور درخت کے پھل کے لئے لکڑی بھی تو پیدا ہوتی ہے۔ پتے بھی تو پیدا ہوتے ہیں اور ان کے مختلف فوائد بھی دنیا کو پہنچتے ہیں۔تو یہ وہ معنی ہے جن معنی میں میں سمجھتا ہوں کہ فرشتے خدا سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! تیری رحمت اور علم تو سب دنیا میں اب عام ہو چکے ہیں۔ فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اس لئے ہر اس شخص پر رحم فرما اس کی توبہ قبول فرما جو تیری طرف توبہ سے جھکتا ہے اور اس کو آگ کے عذاب سے بچا۔

یہاں يَوْمَئِذٍ کا معنی بھی سمجھ آ جاتا ہے ۔اس دعا میں فرشتے یہ عرض کرتے ہیں وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ یہاں یوم سے مراد زمانہ ہے۔عام طور پر تو عقل میں یہی بات آنی چاہئے کہ جس زمانے میں بھی خدا کسی پر رحم کرے کسی کو بخش دے، وہ اس نے بہت رحم کیا۔یومئذ سے کیا مراد ہے؟ فرشتے یہی کہتے ہیں کہ آج تو جس کو بخش دے وہ مراد کو پہنچ گیا۔مراد یہ ہے کہ جو زمانہ محمد مصطفی ﷺ میں بخشا جائے اس کی کیا ہی شان ہے؟ یہ وہ زمانہ ہے جو خدا سے رحمت طلب کرنے والا اور خدا کی طرف توبہ کے ساتھ رجوع کرنے کا زمانہ ہے۔ دوسرے اس آیت کے ذریعہ ہمیں رَحِمْتَهٗ یعنی تو نے رحم کیا، کی ایک ایسی تشریح معلوم ہوئی جو اس سے پہلے معلوم نہیں تھی۔ہم دعا کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا (البقرہ:۲۸۷) قرآن کریم کی یہ دعا ہے جو ہمیں سکھائی گئی وَاعْفُ عَنَّا ہم سے درگزر فرما وَاغْفِرْ لَنَا اور ہمیں بخش دے وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما عام دعا کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ رحم سے مراد یہ ہے کہ جس طرح فقیر کہتا ہے ہماری حالت زار ہے، بھوکے ہیں، ننگے ہیں، کوئی دے دے رحم فرمائے لیکن یہاں رحم کا معنی اس سے بہت زیادہ گہرا ہے۔ چنانچہ ملائکہ اللہ نے اپنی دعا کے دوران آخر پر جا کر اس مضمون کو کھولا۔ وہ عرض کرتے وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ کہ اس زمانہ میں یعنی شریعت محمدیہ کے زمانہ میں جس کو تو بدیوں سے بچاوے اس پر تو رحم فرماتا ہے یعنی ترے رحم کا مطلب ہے کسی کو بدیوں سے بچانا اور خصوصاً زمانہ نبوی میں جو شخص بدیوں سے بچا رہے کیونکہ سب سے بڑی آزمائشیں بدیوں کے لئے زمانہ نبوی میں مقدر تھیں۔ وہی ہے جس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ تو نے

اس پر رحم فرمایا۔ اب دوبارہ اس دعا کو پڑھیں تو اس کا زیادہ واضح مضمون سمجھ میں آجاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم سے عفو کا سلوک فرما۔ جو غلطیاں ہم کر جاتے ہیں ان سے صرف نظر فرمالے۔ گویا تو نے دیکھا ہی نہیں۔ وَاغْفِرْ لَنَا جو گناہ کر بیٹھے ہیں وہ بخش دے اس لئے تا کہ ہم اور گناہ کرتے چلے جائیں؟ نہیں! وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما ان معنوں میں کہ ہمیں بدیوں سے بچالے۔ ہم آئندہ بدیاں کریں ہی نہ۔

پس یہ مضمون ملائکہ کی اس دعا سے واضح ہوا اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا یومئذ اس لئے کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود پیشگوئی فرمائی ہے کہ جیسی بدیوں کی آزمائش میری امت میں آنے والی ہے ویسی آزمائش کبھی کائنات میں نہیں آئی۔ فرمایا کہ میرے زمانہ میں دجال نے پیدا ہونا ہے اور فرمایا کہ دجال سے تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے آئے ہیں کہ خبردار! ایک ایسا زمانہ ظاہر ہونے والا ہے کہ دجال ظاہر ہوگا (حوالہ۔۔) اور کبھی ایسی بدیاں انسان کے سامنے امتحان بن کر اٹھ کھڑی نہیں ہوں گی جیسے اس زمانہ میں اٹھ کھڑی ہوں گی اور اکثر انسانوں کو مغلوب کرلیں گی بدیاں پیدا کرنے والے کا نقشہ بھی ایک بہت بڑے دیوہیکل وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو مذہب سے کلیۃً عاری اور دنیا میں بے انتہا ترقی یافتہ ہے اور جہاں تک بدیوں کی تفاصیل کا تعلق ہے تو احادیث میں بھی اور قرآن کریم میں بھی مختلف جگہ پر ان کا ذکر ملتا ہے کہ آئندہ ایسے ایسے دن آنے والے ہیں اور یہ وہ دن ہیں جن میں سے ہم گزر رہے ہیں۔ پس يَوْمَئِذٍ کا سب سے زیادہ تعلق اس زمانہ سے ہے۔ اب دیکھیں کہ اس دور میں مغرب سے جیسی بدیوں کے سیلاب نکلے ہیں اور دنیا کو ڈبوتے چلے گئے ہیں ویسے اس سے پہلے کسی زمانے میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جس ملک میں آپ بیٹھے ہیں یہ بعینہٖ اس نقشے کا تصور ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دجال کی اداؤں کے متعلق کھینچا تھا۔ چودہ سوسال پہلے آپ نے فرمایا کہ اس کی دینی آنکھ نہیں ہوگی یعنی روحانیت سے اور تقویٰ سے اور اللہ کی محبت سے وہ عاری ہوگا لیکن بائیں آنکھ بہت بڑی اور روشن ہوگی اور اتنی بصیرت والی ہوگی کہ وہ پاتال تک نظر ڈالے گی۔ زمین کے راز دیکھ لیا کرے گی۔ (حوالہ۔۔) پس آج کی دنیا میں کوئی طاقت امریکہ سے بڑھ کر سائنس پر عبور حاصل کرنے والی پیدا نہیں ہوئی۔ بدیاں بھی یہیں سے نکل کر سب دنیا میں پھیل رہی ہیں اور دنیاوی ترقیات کے لحاظ سے بھی یہی ملک ہے جو سب سے آگے ہے۔ پس جب یہ دعا آپ پڑھیں تو سوچیں کہ یہاں یومئذ سے کون سا دور مراد ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

کی امت کا وہ دور جس میں بدیاں پھیلنا مقدر تھیں۔ آپؐ آئے تھے رحمت اور علم پھیلانے کے لئے مگر اسی امت میں ایک ایسا دور بھی آنا تھا جبکہ ہر طرف سیئات نے پھیل جانا تھا تو کیسی اچھی دعا ہمارے لئے کی گئی ہے۔ ابھی ہم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ عرش پر خدا کے فرشتے اس زمانہ کو یاد کر کے ہمارے لئے دعائیں کرتے تھے کہ اے خدا! اس دور میں دعاؤں کی مدد کے بغیر وہ بچ نہیں سکیں گے۔ بہت بڑی ذمہ داریاں ان پر ہوں گی اور کمزور لوگ ہوں گے۔ ان کے مقابل پر اتنی بڑی طاقتیں ظاہر ہوں گی کہ تو خود فرماتا ہے کہ ایسی طاقتیں کبھی دنیا میں جاری نہیں کی گئیں۔ اس لئے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ رحم کا سلوک فرما ان کو بدیوں سے بچانا۔

پس یہاں جو ماں باپ اپنے بچوں کے متعلق اپنی بچیوں کے متعلق فکر مند رہتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بتائیں کیا نسخہ ہم استعمال کریں وہاں اور نسخوں سے پہلے سب سے بڑا نسخہ میں دعا کا بتاتا ہوں۔ اور دعا کس رنگ میں کرنی چاہئے یہ آپ کو قرآن کریم کی اس آیت نے بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتے جن کے ذریعہ نظام روحانی جاری ہے۔ جن کے کندھوں پر روحانی نظام چلانے کا بوجھ ہے ان کی دعا ایک بہت ہی معنی خیز دعا ہے گہری نظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ دعا کی ہے۔ پس ہمیں بھی اس دعا میں شامل ہو جانا چاہئے اور جس طرح کہ میں نے اس کی تفصیل بتائی ہے اس کا پس منظر سکھایا ہے ان معنوں میں یہ دعا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کیا کریں۔

ایک اور دعا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کو سکھائی۔ یہ سواری کی دعا ہے۔ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف: ۱۴، ۱۵) کہ وہ لوگ جب سوار ہوتے ہیں تو سوار ہونے پر خدا سے یہ دعا مانگتے ہیں فرمایا جب تم سواریوں پر چڑھ جایا کرو اور قرار پکڑ لیا کرو تب یہ کہا کرو سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا پاک ہے وہ ذات جس نے سواری کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ہم تو اس لائق نہیں تھے کہ سواری کو اپنے تابع کر سکیں۔ مُقْرِنِيْنَ کا مطلب ہے لگام ڈال سکیں۔ مسخر کرنا جیسے کسی چیز کو ہمیشہ کے لئے دائمی طور پر اپنا غلام بنا لیا جائے اور اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور وہ چیز مجال نہ رکھتی ہو کہ مالک کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر سکے۔ یہ مضمون ہے جو تسخیر کے تابع ہے اور اسی کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا وَمَا

كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ہم ہرگز طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اسے اپنے تابع فرمان کر سکتے وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اور یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

یہ دعا بھی اس زمانے کے ساتھ خصوصیت سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ پہلی سواریاں جو انسان کے لئے بنائی گئی تھیں یعنی جانوران میں اور موجودہ سواریوں میں بہت بڑا فرق پڑ چکا ہے۔ یہ سواریاں غیر معمولی طور پر طاقتور ہیں اوران کا تعلق بھی اسی دجال سے ہے جس کے متعلق میں ابھی دعا پڑھ چکا ہوں۔اس لئے گو یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ آگے پیچھے بھی دعائیں اسی لئے رکھی گئیں کہ یہ اسی زمانہ کی دعائیں ہیں کیونکہ صورت الگ الگ ہے لیکن خواہ کوئی اسے حسن اتفاق سمجھے خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص تقدیر سمجھے۔امر واقعہ یہی ہے کہ جہاں پہلی دعا کا ذکر ہے اور آخری زمانے کی بدیوں کا ذکر ہے وہاں اس کے معاً بعد جو دوسری دعا ہمیں قرآن کریم میں ملتی ہے وہ یہی دعا ہے اس لئے میرا رجحان اسی طرف ہے کہ یہاں موجودہ زمانے کی سواریاں خصوصیت سے پیش نظر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں سکھاتا ہے کہ جب ان سواریوں پر بیٹھا کرو تو یہ دعا کیا کرو کہ بظاہر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے قابو کر لی ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تیرے ہی قابو میں ہیں۔اگر تیرا قانون قدرت ساتھ نہ دے تو یہ سواریاں ہرگز ہمارے قابو نہیں آسکتیں اور واقعہ یہی ہے کہ موجودہ دور میں جب بھی سائنسدانوں نے تکبر کئے ہیں خصوصاً سواریوں کے معاملہ میں تو ہمیشہ ان کو منہ کی کھانی پڑی ہے۔

انگلستان میں ایک بہت بڑا جہاز بنایا گیا۔اتنا شاندار کہ کہتے تھے کہ کبھی ایسا جہاز نہ بنا۔ اور شاید نہ آئندہ بن سکے اور بہت ہی فخر تھا انگلستان کو کہ ایسا مسافر جہاز جو انگلستان سے امریکہ تک سفر کرے گا پہلے کبھی اس کا تصور نہیں تھا۔ ہر قسم کی سہولت تھی، ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا انتظام تھا اور بڑی شان اور تکبر کے ساتھ انہوں نے روانہ کیا اور وہ اپنے پہلے تجرباتی سفر میں ہی سمندر میں غرق ہو گیا اور بے شمار لوگ اس کے ساتھ غرق ہو گئے جو بڑی شان کے ساتھ اس پہلے تاریخی سفر میں شامل ہو رہے تھے۔ جہازوں کا بھی اعتبار نہیں ہے۔اعتبار ہو بھی تو قانون قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو انسان کی بنائی ہوئی مشین ان کے سامنے بالکل ایک پر کاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔جس طرح ایک چھوٹا سا خاک کا ذرہ ہو یا ایک تنکا ہو اور وہ اڑتا پھرے ایسی حیثیت ہو جایا کرتی ہے اس لئے احمدیوں کو خصوصیت سے یاد رکھنا چاہئے کہ ہر سواری پر سوار ہونے

کے بعد یہ دعا کیا کریں لیکن اس کے ساتھ ایک اور بھی کلمہ زائد فرما دیا گیا جو بہت ہی پر لطف کلمہ ہے وہ یہ ہے کہ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ کہ ہم نے آخر خدا ہی کی طرف جانا ہے بہت گہرا مضمون ہے جو اس کلمے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ سواریوں پر بیٹھتے ہوئے خصوصاً خطرناک سواریوں پر بیٹھتے ہوئے خدا کے مومن بندے دعائیں تو کرتے ہیں لیکن ڈرتے نہیں ہیں۔ وہ دعا کرنے کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے خدا! یہ تو عارضی سفر ہے۔ اصل سفر تو ہمارا تیری طرف ہونا ہے۔ ہم نے بالآخر تجھ تک پہنچنا ہے اس لئے اگر تیری مرضی یہ ہو کہ یہ جہاز غرق ہو جائے ہم اپنے وطن واپس نہ بھی جا سکیں تو اصل وطن تو وہ ہے جہاں تو ہے۔ جہاں تجھ سے جا کر ملنا ہے اس لئے ہم یقین رکھتے ہیں وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ہم تو یقیناً اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس کا ایک دلچسپ تجربہ مجھے بھی ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں جب میں سری لنکا گیا تو جس جہاز پر میں سوار تھا میرے ساتھ سری لنکا کے ایک کیبنٹ منسٹر بھی تھے۔ ہم سری لنکا پہنچنے لگے تو اس سے چند منٹ پہلے ایسا خوفناک طوفان آیا کہ میں نے اس سے پہلے جہاز میں کبھی ایسا خوفناک منظر نہیں دیکھا۔ کہرام مچ گیا۔ سارے جہاز میں چیخ و پکار اور دعائیں، کوئی بیوی بچوں کو یاد کر رہا تھا کوئی خدا کو یاد کر رہا تھا اور جہاز بے حد اونچا نیچا ہو رہا تھا اور میں اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے یہ دعا یاد تھی اور میں بالکل ایک ذرا بھی فکر میں مبتلا نہیں ہوا۔ خیر خدا نے فضل کیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم اس طوفان سے گزر گئے۔ جب نیچے اترنے لگے تو اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو۔ میں نے کہا میں مسلمان ہوں۔ کہتا ہے کہ اس جہاز میں اور بھی تو بہت سے مسلمان سفر کر رہے ہیں تم کون سے مسلمان ہو۔ خیر میں اس کی بات سمجھ گیا۔ میں نے اس کو بتایا۔ کہتا ہے میں حیران ہوں کہ سارا جہاز ایک قیامت کا نمونہ دکھا رہا تھا اور تم آرام سے بیٹھے ہوئے تھے تمہیں کچھ بھی پتا نہیں۔ میں نے کہا اس لئے کہ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ نے ہمیں پیغام دیا ہے کہ ہم یہ چھوٹے چھوٹے سفر کرتے ہیں۔ بعض منازل کو پیش نظر رکھ کر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کراتا ہے کہ اپنی آخری منزل نہ بھول جانا۔ وہ اصل منزل ہے اور دائمی مقام ہے۔ ہم نے لوٹ کر وہیں آنا ہے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج چلے جائیں، کل جائیں، جانا تو وہیں ہے۔ فرق کیا پڑتا ہے۔

پس مومن کو ایسی دعا کے بعد کا یہ جملہ غیر معمولی تقویت دیتا ہے۔ اول تو یہ کہ اس دعا کی

برکت سے میرا ایمان ہے کہ بہت سے حادثات سے مومن بچایا جاتا ہے اور جہاں مقدر ہو بھی وہاں بڑی شان اور طمانیت کے ساتھ خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔

پس دعائیں وہی کیا کریں جو انعام یافتہ لوگوں کی دعائیں ہیں مگر انعام یافتہ لوگوں کی اداؤں کے ساتھ ان کے مضامین میں ڈوب کر دعائیں کیا کریں۔ یہ دعا چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سکھائی گئی تھی اس لئے ساتھ ہی اس کے گہرے مطالب بھی بتا دیئے گئے جن کو آپ سے بہتر اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ تو اور تیرے ساتھی یہ دعائیں تو کیا کرو گے لیکن ہمیشہ یہ یاد رکھتے ہوئے کہ بالآخر خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

اب ایک دعا ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ الانسان کی دعا ہے الانسان سے مراد یہ ہے کہ انسان کامل کی دعا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسی طرح اس دعا کو پیش فرمایا ہے اور اس سے میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً یہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا ہے۔ اس میں الانسان کے لفظ کے سوا اور بھی اشارے ہیں جو اس دعا کو آنحضرت ﷺ کی دعا بتاتے ہیں فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(الاحقاف:۱۴) یقیناً وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے ثم استقاموا پھر وہ استقامت اختیار کرتے ہیں۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ان پر کوئی خوف نہیں آتا اور کبھی وہ اپنی ضائع شدہ چیزوں پر غم نہیں کرتے۔ يَحْزَنُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غم کے موقعے ان کو پیش نہیں آتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خوف آتے ہیں تو آتے ضرور ہیں لیکن وہ ان سے ڈرتے نہیں۔ مرعوب نہیں ہوتے بلکہ ہر خوف کے وقت خدا کا خوف ان پر غالب رہتا ہے اور دنیا کے خوفوں سے ان کو بچاتا ہے پھر کچھ نہ کچھ نقصان بھی پہنچتا ہے جیسے کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ بیان فرمایا گیا۔ لیکن ان نقصانوں کے نتیجہ میں غم میں مبتلا نہیں ہوتے۔ جاتا ہے تو کہتے ہیں ٹھیک ہے چلا گیا اور احمدیہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس دور میں بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ایسے غلام پیدا ہوئے جن کا سب کچھ لوٹ لیا گیا لیکن وہ مسکراتے رہے۔ غم میں مبتلا نہیں ہوئے۔

میں نے پہلے بھی خطبہ میں ایک نوجوان کا ذکر کیا تھا جو ۱۹۷۴ء کے فسادات میں مجھے ملنے آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملنے آیا تھا تو میں ان دنوں وقف جدید میں کام کیا کرتا تھا وہ

میرے پاس بھی آ گیا اور کمرے میں داخل ہوا تو باچھیں کھلی ہوئی، مسکراتا ہوا ہنستا ہوا بہت خاص خوشی کے مزاج کے ساتھ داخل ہوا اس کا نام نصیر تھا۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر میں نے کہا۔ نصیر! کیا بات ہے آج تم نے بہت کچھ پا لیا ہے کہ تم اس طرح خوش ہو رہے ہو۔ اس نے کہا یہی سوال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بھی مجھ سے کیا تھا اور ان کو بھی میں نے یہی جواب دیا تھا کہ آج ہم نے خدا کی راہ میں سب کچھ کھو دیا ہے۔ یہ خوشی ہے۔ چاولوں کی ملیں اور کارخانے تھے۔ خدا کے فضل سے بڑا کھاتا پیتا گھر تھا۔ انہوں نے بتایا کہ سارا دن ٹرک لدلد کے بوریاں ڈھوتے رہے (ڈھونا پنجابی میں سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کو کہتے ہیں) اور کسی نے بھی پوچھا نہیں اور نہ پولیس آئی اور نہ کسی کو پرواہ ہوئی یہاں تک کہ سب کچھ صاف ہو گیا۔ کارخانہ بھی برباد دیواریں منہدم کر دی گئیں اور میں اب اس لئے خوش ہوں کہ بہت مزے میں ہوں کہ اب سب کچھ اللہ نے پھر دوبارہ دینا ہے۔ ہم نے تو جو کچھ تھا وہ سب اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔

پس وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا یہ مطلب ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جن میں ایمان کی کمی ہوتی ہے ان کو آپ دیکھیں چھوٹا سا نقصان پہنچے تو جان کا زیاں کر بیٹھتے ہیں۔ وہ اس غم میں گھل گھل کر اپنی جان ضائع کر دیتے ہیں تو کتنا فرق کتنے عظیم الشان بندے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں اور آپ ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے متعلق فرما رہا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ دیکھو کیسے شاندار بندے ہیں میرے جب وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے تو پھر کسی اور کو رب نہیں مانتے۔ یہاں رَبُّنَا اللّٰهُ میں یہ مضمون ہے۔ رب کا مطلب ہے پرورش کرنے والا، سب کچھ عطا کرنے والا، زندگی کے گزارے دینے والا، ادنیٰ حالتوں سے ترقی دے کر اعلیٰ حالتوں کی طرف لے جانے والا۔ رب تو خدا کو کہیں مگر دنیا کی طاقتوں سے ڈر جائیں اور ان کو رب سمجھ لیں خدا فرماتا ہے ایسا نہیں ہوتا۔ میرے بندے وہی ہیں جو میرے رب کہنے کے بعد پھر میرے ہو رہتے ہیں اور ان کی نشانی کیا ہے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ دنیا کا کوئی خوف ان پر غالب نہیں آ سکتا۔ بے خوف ہو جاتے ہیں اور جو بھی نقصان پہنچ جائے ان کو غم نہیں ہوتا۔ ہمیشہ سکینت کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ کتنا عظیم الشان انسان ہے جو قرآن کریم پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے الانسان کی دعا کے طور پر پیش فرمایا کہ ابھی ان کی صفات بیان ہو رہی ہیں

دعا ابھی آگے آنی ہے فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا (الزخرف:۱۵) یہی وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں داخل کئے جائیں گے اور پھر ہمیشہ رہیں گے۔ان جنتوں سے ان کو کبھی نکالا نہیں جائے گا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ یہ ان کے اعمال کی جزاء ہے جیسا کہ وہ ہمیشہ کے لئے خدا کے ہو گئے تھے۔خدا ہمیشہ کے لئے ان کا ہو جائے گا۔ وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا (الزخرف:۱۶) ہم نے الانسان یعنی محمد رسول اللہ کو، انسان کامل کو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے والدین سے احسان کا سلوک کرو۔ یہاں یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو اپنے والدین کا منہ نہیں دیکھا۔والدہ کو دیکھا لیکن تھوڑے عرصہ کے لئے اور والد تو بعض روایات کے مطابق آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔پس بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا کا کیا مطلب ہے ۔ یہاں دراصل آنحضرت ﷺ کو جو نصیحت ہے وہ تمام بنی نوع انسان کو نصیحت ہے کیونکہ انسان کامل کو جو نصیحت کی جائے اس میں تمام ادنیٰ انسان شامل ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مزید کسی تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔فرمایا ہم نے انسان کامل سے یہ کہا تھا کہ یاد رکھو کہ اپنے والدین سے ہمیشہ احسان کا سلوک کرنا حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا یہ مضمون بھی دیکھ لیجئے عام ہے۔ تمام بنی نوع انسان پر یہ مضمون مشتمل ہے۔آگے جا کر یہ مضمون اور رنگ اختیار کر جائے گا۔تم دیکھو تمہاری ماؤں کا تم پر احسان ہے یا اگر لفظی ترجمہ کریں تو غائب میں مضمون بیان ہو رہا ہے تو حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا ترجمہ ہوگا ہر انسان کی ماں اسے بہت تکلیفوں سے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے۔ وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا اور بہت تکلیف کے ساتھ جنم دیتی ہے۔نو مہینے تک اپنے پیٹ میں پالتی ہے۔ایسی حالت میں کہ وہ بہت ہی ادنیٰ حالت سے ترقی کرتے کرتے انسان کی حالت تک پہنچتا ہے۔اب آپ دیکھیں جس نے رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ کیا تھا اسی کی مزید صفت بیان ہوئی ہے۔رب کا مطلب ہی یہ ہے ادنیٰ سے ترقی دے کر اعلیٰ حالت تک پہنچانے والا۔انسانی رشتوں میں اس کی بہترین مثال ماں بنتی ہے فرمایا اپنی ماں کی طرف دیکھو کہ ہر انسان کی ماں نے اسے بڑی مصیبتوں سے پیٹ میں پالا اور پھر بڑے خطرات کے ساتھ اس کو جنم دیا۔ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا اور یہ عرصہ پیٹ میں اٹھائے پھرنے کا اور پھر وضع حمل کا اور پھر دودھ پلانا یہ تیس مہینوں تک پھیلا ہوا ہے حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گیا

اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ تو اس نے دعا کی جو میں بیان کروں گا۔ یہاں میں نے کہا تھا کہ آگے جا کر مضمون بدل جائے گا۔ ایک مضمون ہے عام جو سارے بنی نوع انسان میں مشترک ہے۔ ہر ایک کی ماں اسی طرح اسے جنم دیتی ہے لیکن ہر شخص احسان مند نہیں ہوا کرتا۔ اب واپس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف مضمون لوٹ گیا ہے۔ ایک عام واقعہ بیان کر کے جو سب بنی نوع انسان میں مشترک ہے پھر الانسان بمعنی محمد رسول اللہ اس مضمون کو دوبارہ اٹھا لیا گیا اور یہ کہا گیا کہ جب وہ بلوغت کو پہنچا اور ۴۰ سال کی عمر کو پہنچا اور ۴۰ سال کی عمر آپ کی نبوت کی عمر تھی اس لئے ۴۰ سال کا لفظ استعمال ہوا ہے ورنہ ہر انسان تو ۴۰ سال کی عمر کو پہنچنے پر یہ بات نہیں کہا کرتا۔ پس یقیناً قطعی طور پر یہاں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور آپ کا نقشہ بیان فرمایا ہے کہ آپ نبوت پانے کے بعد کیا دعائیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کرسکوں جو تو نے مجھ پر کی اور اس نعمت کو تمام کر دیا۔ (تمام کا مضمون لفظاً ظاہر نہیں لیکن نبوت میں تمام کا لفظ شامل ہوتا ہے اس لئے تمام کا لفظ داخل کیا) آیت کریمہ فرماتی ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کرتا رہوں۔ شکریہ ادا کرسکوں اس کی توفیق پاؤں جو تو نے مجھ پر فرمائی۔ وَعَلٰی وَالِدَیَّ اور میرے والدین پر تو نے جو نعمت کی ہے اس کا بھی میں شکرا دا کروں۔

اب دیکھیں یہاں والدین سے آنحضرت ﷺ کے احسان کا یہاں ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ آپ کے والدین پہلے گزر چکے تھے۔ یہ مضمون لگتا ہے دو دھاگوں سے بنا ہوا ہے کبھی عام ہو جاتا ہے کبھی خاص ہو جاتا ہے۔ عام ہو جاتا ہے تو تمام بنی نوع انسان پر پھیل جاتا ہے جب سمٹتا ہے تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں سمٹ آتا ہے۔ آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے خدا! مجھ پر تو نے جو اتنا بڑا احسان فرمایا یہ توفیق عطا فرما کر اس پر شکر کا حق ادا کرسکوں اور صرف اسی کا نہیں بلکہ اپنے والدین کی طرف سے بھی تیرا شکرا دا کروں۔ صاف ظاہر ہے کہ والدین گزر چکے ہیں اور ان کو پتا نہیں کہ کیا نعمت ان کو ملی ہے اور واقعۃً آنحضرت ﷺ کے والدین گزر چکے تھے ان کو کیا پتا تھا کہ ان کی

صلب سے دنیا کا سب سے بڑا انسان پیدا ہونے والا ہے اور وہ ایسے اعلیٰ مدارج تک پہنچے گا کہ کبھی کسی انسان کے تصور میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ کوئی شخص خدا کے اتنا قریب ہو جائے اور چونکہ والدین ایسی حالت میں گزرے تھے کہ ابھی وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نہ مسلمان ہو سکتے تھے اور انبیاء کو حکم نہیں ہے کہ وہ اپنے ان والدین کے لئے دعا کریں جن کے متعلق احتمال ہو کہ وہ مشرک ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے دعا نہیں کی بلکہ یہ عرض کیا ہے کہ اے خدا! ان پر بھی تو نے بہت بڑا انعام کیا ہے۔ اتنا بڑا انعام کہ مجھے ان کے گھر پیدا کر دیا اور وہ شکر ادا نہیں کر سکتے ۔ ان کو علم نہیں ہے کہ کیا احسان تو نے ان پر کیا ہے۔ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ان کی طرف سے تیرا شکر ادا کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی مغفرت کی دعا کرنے کا اس سے اعلیٰ طریق اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور ان معنوں میں احسان کا بدلہ بھی اتار گئے ۔مضمون دیکھیں کس طرح اٹھایا گیا ہے کہ والدین کے احسان کو یاد کرو۔ والدین کے احسان کو یاد کر کے آنحضرتؐ فرماتے ہیں اے خدا! ان کی طرف سے مجھے شکر کی توفیق عطا فرما۔ پس جن کی طرف سے محمد رسول اللہ شکر ادا کر رہے ہوں کیسے ممکن ہے میں تو یقین نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان سے مغفرت کا سلوک نہ فرمائے وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ اور شکر کی تعریف فرما دی۔ ہم جو زبانی شکر ادا کرتے رہتے ہیں یہ تو کوئی شکر نہیں۔ فرمایا شکر کس طرح ادا کروں فرمایا وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ میں ہمیشہ ایسا عمل کروں کہ جن کے نتیجہ میں تو راضی ہوتا رہے۔ اس میں شکر کا فلسفہ بھی بیان ہو گیا۔ ایک انسان شکر اس لئے کرتا ہے کہ کوئی شخص اس پر احسان کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اس احسان کا بدلہ چکا سکے۔ خدا کو آپ احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے لیکن احسان کا بدلہ چکانے کی روح یہ ہے کہ جب آپ احسان اتارتے ہیں تو اگلا راضی ہوتا ہے۔ جب آپ کو کوئی تحفہ دے اور آپ اس کو اس سے بڑھ کر تحفہ دیں تو تحفے تو عارضی چیزیں ہیں بعض دفعہ وہ خود استعمال بھی نہیں کرتا کسی اور کو دے دیتا ہے یا پھینک دیتا ہے یا اس کے کام کی چیز نہیں ہوتی لیکن وہ راضی ہو جاتا ہے اگر محبت سے ایک ذرہ بھی کسی کو تحفہ دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے تو کیسا عمدہ گہرا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا۔ فرمایا کہ میں تو تجھ پر احسان کر نہیں سکتا لیکن تجھے راضی تو کر سکتا ہوں اور احسان کا بدلہ تو اسی لئے چکایا جاتا ہے کہ کوئی راضی ہو جائے پس اب تو ایسا فیصلہ فرما کہ ایسے عمل کی تو مجھے خود توفیق عطا فرما، مجھے معلوم نہیں تو کس عمل سے راضی ہو گا جن سے بھی تو راضی ہوتا ہے وہی

عمل میں کرتا چلا جاؤں اور ساری زندگی میں تیری رضا حاصل کرتا رہوں۔ تجھے خوش کرتا رہوں۔ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ اور یہی نہیں میری ذریت کو بھی صالح بنادے اور اس ذریت میں آپ سب شامل ہیں۔صرف آنحضرت ﷺ کی جسمانی اولاد ہی نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان جنہوں نے آپ سے تعلق جوڑنا تھا یا آئندہ جوڑیں گے وہ سارے اس دعا میں شامل ہوجاتے ہیں اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الاحقاف:۱۶) دیکھیں اب بات کس طرح کھل گئی ہے۔آنحضرت ﷺ عرض کرتے ہیں تو تو جانتا ہے میں تیری طرف لوٹ آیا ہوں میں تو ایسی توبہ کر چکا ہوں کہ کبھی کسی نے ایسی توبہ نہیں کی ہوگی اور مجھے کچھ نہیں چاہئے میں یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ ہاں میں مسلمان ہوں۔

پس اس کے نتیجہ میں میرے بعد میں آنے والے تعلق رکھنے والوں سے بھی احسان کا سلوک فرما اور ان کو بھی ایسے اعمال کی توفیق بخش جن کے ذریعے تو راضی ہوجائے۔پس اسی دعا پر میں آج کا خطبہ ختم کرتا ہوں لیکن میں آپ کو ایک دفعہ پھر توجہ دلاتا ہوں کہ اس دعا کی دنیا میں ہر جگہ پر ہر دور کے انسان کو ضرورت پڑتی ہے لیکن جیسی آج کے دور میں اس دنیا میں اس جگہ جہاں سے میں یہ خطبہ دے رہا ہوں اس دعا کی ضرورت ہے شاید کبھی کسی اور جگہ ایسی دعا کی ضرورت نہ پڑی ہو۔ایسے ظالم ماحول میں آپ بس رہے ہیں جس کی فضا زہریلی ہے۔ جب بچے سانس لیتے ہیں تو دوقسم کی پولوشن میں مبتلا ہوتے ہیں ایک پولوشن (Polution) تو بنی نوع انسان کو نظر آرہی ہے اور اس کے خلاف ان کے دماغ روشن ہوگئے ہیں وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کسی طرح اس پولوشن (Polution) کو کم کریں۔اس فضاء کی وہ آلودگی جو جرائم کے ذریعہ خاک کے ذروں کے ذریعہ دھوئیں کے ذریعہ زہریلی گیسوں کے ذریعہ دنیا کو نظر آتی ہے اس سے وہ بڑے سخت متنبہ ہو چکے ہیں اور کوشش بھی کررہے ہیں لیکن ایک آلودگی ایسی ہے جو اس سے بہت زیادہ ہلاک کرنے والی ہے اور وہ روح کو ہلاک کرنے والی آلودگی ہے وہ اس فضا میں اتنی زیادہ ہے کہ اگر ان کو پتا چلے کہ کس فضا میں دم لے رہے ہیں تو اس خوف سے ان کے دم نکل جائیں کہ کیا ہوا ہے جو ہم اپنی سانسوں میں لے رہے ہیں۔اس کی طرف کوئی توجہ نہیں۔

پس جب آپ یہ دعا کیا کریں تو اس رنگ میں دعا کیا کریں کہ آپ نے بھی اس آلودگی سے بچنا ہے اور اپنے ساتھیوں کیلئے بھی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس آلودگی سے ان کو بھی بچائے

کیونکہ یہ فضا واقعی بہت گندی ہے۔ میں نے بہت سے احمدی ماں باپ کو روتے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں اس طرح ہماری بچی ہاتھ سے نکل گئی، اس طرح ہمارا بچہ ہاتھ سے نکلا جار ہا ہے۔ اس کے نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں زندگی کے متعلق اس کا تصور بدل جاتا ہے اور کوئی نصیحت اس پر کام نہیں کرسکتی۔ وہ اور رنگ میں دیکھ رہا ہوتا ہے ماں باپ اور رنگ میں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں دعاؤں ہی کا سہارا ہے اور دعا کے علاوہ اور بھی باتیں ہیں جو میں بعض دوسری جگہ بیان کرتا چلا آیا ہوں اور آئندہ بھی بیان کروں گا۔ مگر ہمارا سب سے طاقتور سہارا دعا ہے اور دعاؤں سے میں سمجھتا ہوں یہ دعا جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے یہ امریکہ کے حالات میں اور باقی دنیا کے حالات میں بھی آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ اس دعا کا حق ادا کرتے ہوئے اس میں ڈوبتے ہوئے خاص سوز کے ساتھ اپنے لئے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے دعا کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی قبولیت اور طوفان نوح کا زبردست نشان، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بنائی گئی کشتی نوح آج نجات کی واحد راہ ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸/ جون ۱۹۹۱ء بمقام ایسٹرن مشی گن یونیورسٹی ڈیٹرائیٹ، امریکہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج جمعہ کا دن ہے اور میں یہ خطبہ ڈیٹرائیٹ سے دے رہا ہوں۔ جہاں اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ کثیر تعداد میں امریکہ کی جماعتیں اپنے سالانہ کنونشن میں یعنی جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے تشریف لائی ہوئی ہیں۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے قرآن کریم میں مندرج ان دعاؤں کا ذکر چل رہا ہے جو خدا تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے خدا تعالیٰ کے حضور عرض کرتے رہے اور ان سے انعام پاتے رہے لیکن اس ذکر کو دوبارہ چھیڑنے سے پہلے میں مختصراً آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جمعہ کے دن کا جماعت احمدیہ کے ساتھ بھی ایک بہت گہرا اور دائمی رشتہ ہے اور اس رشتے کا ذکر سورۃ جمعہ میں فرمایا گیا ہے۔ جمعہ کا دن جمع ہونے کا دن ہے اور اسی پہلو سے عربی میں اس دن کو جمعہ قرار دیا گیا لیکن قرآن کریم میں سورۃ جمعہ میں یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ جب آئندہ آنے والے لوگ پہلے آنے والے لوگوں کے ساتھ جمع کر دیئے جائیں گے وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (الجمعہ:۴) بعد میں آنے والے ایسے بھی ہیں جو

حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں اور آپ کی غلامی کرنے والوں میں بعد میں آنے کے باوجود اس طرح شامل کر دیئے جائیں گے کہ گویا وہ انہی میں سے ہیں۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کا جمعہ کے دن سے ایک گہرا اور دائمی رشتہ ہے۔

جو مضمون میں دعاؤں کا بیان کر رہا ہوں اس کا بھی اس سے ایک اور رشتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنی دعائیں جو انعام یافتہ لوگوں نے مانگیں جماعت احمدیہ اگر ان دعاؤں میں خاص توجہ اور انہماک سے گریہ وزاری کے ساتھ خدا تعالیٰ سے فضل مانگتی رہے تو گزشتہ تمام زمانے اس زمانے میں جمع ہو جائیں گے اور وہ سارے انعام جو اللہ تعالیٰ نے گزشتہ تمام زمانوں میں اپنے مختلف عاجز بندوں پر نازل فرمائے ان دعاؤں کے طفیل وہ سارے انعام اس زمانے میں جماعت احمدیہ میں جمع ہو سکتے ہیں۔ (مجھے افسوس ہے کہ ابھی لاؤڈ اسپیکر کا انتظام درست نہیں ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ میری بات آپ سب کو سمجھ آ جائے گی۔)

دعاؤں کے ذکر میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے میں آج کے مضمون کا آغاز کرتا ہوں۔ یہ دعا قرآن کریم میں سورۃ القمر میں محفوظ فرمائی گئی دعا تو اتنی ہے۔ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر: ۱۱) حضرت نوحؑ نے اپنے خدا کو پکارا اور عرض کیا کہ میں مغلوب ہو چکا ہوں اور میری مخالف قوم مجھ پر غالب آ گئی ہے۔ پس تو میری نصرت فرما۔

اس دعا کا پس منظر یہ بیان فرمایا گیا ہے کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ (القمر: ۱۰) کہ اس سے پہلے نوح کی قوم نے نوح کو جھٹلا دیا فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا اس قوم نے ہمارے بندے کو جھٹلا دیا۔ اس طرز بیان میں بہت ہی پیار کا اظہار ہے اور حضرت نوحؑ سے غیر معمولی اپنائیت کا اظہار ہے یہ نہیں فرمایا کہ نوح کو جھٹلا دیا بلکہ فرمایا فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلا دیا۔ وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ اور کہا یہ تو پاگل ہے اسے جنون کے دورے پڑتے ہیں۔ وازدجر اور ہمارے خداؤں کی طرف سے پھٹکارا گیا ہے۔ ہمارے خداؤں نے اس پر پھٹکار ڈالی ہے چنانچہ حضرت نوح نے اس موقعہ پر یہ عرض کیا اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ اے میرے خدا میں مغلوب ہو گیا۔ پس تو میری نصرت فرما۔

اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ

(القمر:۱۲) ہم نے اس کے جواب میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جن سے مسلسل برسنے والا پانی نازل ہوا۔ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا (القمر:۱۳) اورہم نے زمین سے بھی چشمے پھوڑ دیئے۔ فَالْتَقَى الْمَآءُ پس یہ دونوں پانی یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی اکٹھے ہوگئے عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ایک ایسی بات پر جس کا فیصلہ کیا جاچکا تھا وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ اور ہم نے اسے ایک ایسی چیز پر اٹھالیا یعنی سیلاب میں ایک ایسی چیز کے ذریعہ اسے بچایا جو پھٹیوں اور میخوں سے بنائی گئی تھی تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا (القمر:۱۵) وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی۔ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ یہ جزا ہے اس شخص کی جس کا انکار کیا گیا ہے۔

اس دعا کا جماعت احمدیہ کے ساتھ خصوصیت سے اس لئے رشتہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے بھی نوح کے زمانے کی باتیں کی گئیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً ایک سے زائد مرتبہ فرمایا کہ تجھ پر بھی نوح جیسا زمانہ آئے گا اور ہم ویسے ہی تیری مدد فرمائیں گے چنانچہ انہی الہامات کی روشنی میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کشتی نوح لکھی ایک زمانہ ایسا تھا کہ جب کوئی احمدی بچہ ایسا نہیں مل سکتا تھا جس نے کشتی نوح کا مطالعہ نہ کیا ہو لیکن آج میں سمجھتا ہوں کہ ہماری بہت سی نسلیں ایسی ہیں بہت سے ممالک میں احمدی نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے شاید نام تو سن رکھا ہو لیکن انہیں اس اہم کتاب کے مطالعہ کی توفیق نہ ملی ہو۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ یہ کشتی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی ہے یہ پھٹوں اور میخوں سے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ ایک تعلیم سے بنائی گئی ہے۔

پس آج کے زمانہ میں جو ہلاکتوں کا زمانہ ہے اور طرح طرح کے عذاب امڈ آنے پر تیار بیٹھے ہیں اس موقعہ پر جماعت احمدیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کشتی نوح کے مضمون سے خوب اچھی طرح واقف ہو اور معلوم کرے کہ کس کشتی کے سہارے اس نے بچنا ہے ورنہ جو بھی اس کشتی میں سوار نہیں ہوگا اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

دو قسم کی ہلاکتیں انسان کو درپیش ہیں ایک روحانی ہلاکت اور ایک مادی ہلاکت اور جیسا کہ ظاہر ہو رہا ہے اس زمانہ میں یہ مضمون لفظاً لفظاً ظاہری طور پر نہیں دہرایا جائے گا لیکن معنوی طور پر دہرایا جائے گا۔ پس آسمان سے بارش کا برسنا اور زمین کا پانی اگلنا یہ دو معنی اس طرح آج کے زمانے پر

اطلاق پاتے ہیں کہ روحانی ہلاکت ہے جو آسمان سے انسان کو کاٹ رہی ہے اور دنیاوی ہلاکت ہے جو طرح طرح کے عذابوں کے ذریعے جو دنیا کی بدکاریوں کے نتیجے میں نازل ہو رہے ہیں انسان کے جسمانی خاتمہ کا بھی سامان پیدا کیا جا رہا ہے۔ پس دونوں طرح کی ہلاکتیں دنیا کو درپیش ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تعلیم کشتی نوح میں دی ہے اگر چہ اس پر سو فیصد عمل کرنا بہت مشکل کام ہے اور شاذ ہی کوئی ایسا شخص ہو جو یہ کہہ سکے کہ میں نے اس ساری تعلیم کو اچھی طرح سمجھ لیا اور میں کامل یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اس پر عمل پیرا ہوں لیکن اس تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرنا ہی درحقیقت نجات کا موجب ہے۔ بعض احمدی مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم جب کشتی نوح کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو اس کشتی میں نہیں پاتے ہم کیا کریں؟ ہمیں تو اس کتاب کے مطالعہ سے خوف آتا ہے کیونکہ بعض ایسی ایسی باریک باتیں ہیں اس میں بیان فرمائی گئی ہیں کہ اگر تم ایسا کرو گے تب بھی میری جماعت میں سے نہیں۔ اگر تم ویسا کرو گے تب بھی میری جماعت میں سے نہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں امن کے پیغام کے بجائے ہمارے دل سے ایک خوف کی آواز اٹھتی ہے اور ہمیں ڈراتی ہے کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو اس کشتی میں سوار ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ ایسے خیالات صرف ایک دو کے دل میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ ہر وہ شخص جو ضمیر کی آواز پر کان دھرتا ہے اس کے دل میں ایسے ہی خیالات پیدا ہوں گے۔ میں اپنے تجربے سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ کتاب پڑھتے ہوئے بعض دفعہ انسان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ ابھی میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے کا اہل نہیں ہوا لیکن دوسری طرف ایک اور پہلو بھی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلنا خدا کی رضا کے بغیر ممکن نہیں ہے اور دعا ہی سے سہارا ملتا ہے اور جو شخص دعا کے ذریعہ کشتی نوح میں داخل ہونے کی التجا کرتا رہے اس کا ہر قدم اس امن کی کشتی کی طرف اٹھتا رہے گا اور اس دوران جس قدم پر بھی اس کو موت آئے وہ امن کی حالت میں مرے گا۔

یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے خوب اچھی طرح کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ ایک تمثیل میں آپؐ نے یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص جس نے بہت گناہ کئے تھے اتنے گناہ کئے تھے اتنے گناہ کئے تھے کہ کوئی دنیا کا ایسا گناہ تصور میں نہیں آ سکتا تھا جو اس سے

سرزد نہ ہوا ہو۔ وہ مختلف بزرگوں اور مختلف علماء کے دربار میں حاضر ہوتا رہا اور ان کے سامنے اپنی حالت زار بیان کر کے یہ کہتا رہا کہ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں توبہ کرلوں کیا میرے لئے بھی کوئی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ ہر عالم، ہر ظاہری بزرگ نے اس کو یہی جواب دیا کہ تمہارے لئے توبہ کا کوئی دروازہ نہیں کھلا تم نے اپنے اوپر توبہ کا ہر دروازہ بند کرلیا ہے اس لئے تمہاری بخشش کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ لیکن بالآخر اس کو کسی ایک بزرگ نے یہ مشورہ دیا کہ تم فلاں شہر کی طرف چلے جاؤ وہ نیک لوگوں کا شہر ہے۔ صالحین کا شہر ہے اس شہر میں جا بسو اور بد شہروں کو چھوڑ دو تو ممکن ہے تمہاری نجات کا کوئی سامان ہو۔ اس نیت کے ساتھ وہ اس شہر کی طرف چل پڑا لیکن راستے میں بیماری نے آلیا اور ایسی حالت ہوگئی کہ اس کے لئے چلنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ اس حالت میں وہ لیٹے ہوئے کہنیوں کے بل گھسٹتا ہوا اس شہر کی طرف آگے بڑھنے لگا اور اسی حالت میں اس کو موت آگئی۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ کے فرشتے خدا کے حضور حاضر ہوئے اور اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا کہ ہم اسے کن لوگوں میں شمار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ بندہ توبہ کی نیت کر چکا تھا اور توبہ کا ایسا سماں تھا کہ جب اس کے بدن نے جواب دے دیا اور کوئی طاقت باقی نہ رہی تب بھی آخر دم تک گھسٹتے ہوئے نیکوں کے شہر کی طرف حرکت کرتا رہا۔ پس اس کے ساتھ یہ معاملہ کرو۔ فاصلہ ناپو اگر نیکوں کی شہر کی طرف فاصلہ کم نکلے تو اسے بخشے ہوئے لوگوں میں شمار کرو اگر بدلوگوں کے شہر کا فاسلہ کم نکلے یہ سمجھو کہ اس کی بخشش کا سامان نہیں ہوا۔ تمثیل میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ فرشتے جب فاصلے ناپنے لگے تو اللہ تعالیٰ بدشہروں کی طرف کا فاصلہ لمبا کرتا چلا گیا اور نیک شہر کی طرف زمین کو سکیڑتا رہا یہاں تک کہ آخری نتیجہ یہ نکلا کہ فرشتوں نے دیکھا کہ وہ شہر اس کے نزدیک تر ہے جس شہر میں یہ توبہ کی نیت سے جا رہا تھا۔ (حوالہ حدیث...........)

پس ہمارے خدا کا اپنے بندوں سے ایسا معاملہ ہے۔ وہ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ہے اس سے مایوسی کفر اور گناہ ہے۔ پس کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہمارا قدم ہجرت میں نیکوں کی طرف ہو دراصل اس تمثیل کا تعلق حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی اس مشہور حدیث سے ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** ہر شخص کا عمل اس کی نیتوں کے مطابق طے پائے گا اگر اس کی ہجرت خدا کی طرف ہوگی تو ایسا شخص خدا سے اجر پانے والا ہوگا اگر اس کی ہجرت کسی عورت کی طرف یا مال کی طرف یا کسی دنیاوی غرض کی

طرف ہوگی خواہ کہنے میں وہ کچھ کہتا رہے اس کو وہی اجر ملے گا جو اس کی نیت ہے۔ پس نیتوں کا بہت گہرا تعلق سچی توبہ اور آخری نجات سے ہے۔

اس پہلو سے جب آپ وہ دعائیں کریں جو حضرت نوحؑ کی دعائیں تھیں تو نوح کی کشتی میں بیٹھنے کا تصور بھی تو ساتھ پیدا ہونا چاہئے ورنہ یہ دعائیں غیر مقبول ہوں گی اور بے معنی ہو جائیں گی۔ آپ دعا تو کریں گے کہ اے خدا! نوح نے جس طرح تجھے پکارا تھا ہم تجھے پکارتے ہیں ہم بھی مغلوب ہوگئے ہیں، ہم بھی بے بس ہو چکے ہیں، ہماری قوم بھی اپنے ظلموں سے ہم پر غلبہ پا چکی ہے۔ ہماری نصرت فرما اور اس کے باوجود ہمارا قدم اس دور کے نوح کی بستی کی طرف اٹھنے والا نہ ہو یعنی نیک لوگوں کی طرف ہجرت کا نہ ہو بلکہ بدشہروں کی طرف ہجرت کا قدم ہو تو یہ دعائیں بالکل بے کار جائیں گی۔ ان کے اندر کوئی اثر اور کوئی قوت نہیں ہوگی۔

پس دعاؤں کے مضمون کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان جیسا بننے کی کوشش کریں جن کی وہ دعائیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ پیغام پہنچانے میں حد کر دی تھی کوئی ایک معمولی سا پہلو بھی باقی نہ چھوڑا جس کے ذریعے آپ قوم تک نجات کا پیغام پہنچا سکتے تھے اور آپ نے نہ پہنچایا ہو اس کا ذکر بعد میں ایک دعا میں آئے گا۔

سر دست میں آپ کو اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ کشتی نوح کا مطالعہ کیا کریں اور آج کا نوح وہی نوح ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں اس زمانے کو عطا ہوا ہے۔ آج کے نوح کی کشتی وہ کشتی ہے جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ پس اس کشتی میں بیٹھنے کی کوشش کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی غفلتوں کی بخشش مانگتے رہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ہمارا قدم اس طرف بڑھتا رہا تو خواہ ہم اس تک پہنچ سکیں یا نہ پہنچ سکیں خدا کی مغفرت ہمیں اپنی جھولی میں اٹھا لے گی اور خود اس کشتی تک پہنچا دے گی۔

قرآن کریم میں ایک اور دعا کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق مومنوں کے باہمی تعلقات سے ہے۔ انصار کی تعریف بیان فرمائی گئی کہ وہ کیسے اچھے لوگ تھے کس طرح انہوں نے اپنے گھر مہاجرین کے لئے کھول دیئے اور اس کے بعد مومنوں کی ایک دعا یہ سکھائی گئی۔ وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ (الحشر:۱۱) کہ وہ لوگ جو

مہاجرین اور انصار کے بعد آئے وہ ان کے ذکر خیر سے متاثر ہونے کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وہ لوگ جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ہمارے دل میں کسی مومن کے لئے کجی اور نفرت نہ پیدا ہونے دے۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اے ہمارے رب تو تو بہت ہی مہربان اور بہت ہی رحم سے پیش آنے والا ہے۔ اس دعا کا پس منظر یہ ہے کہ انصار اور مہاجرین جو خدا کی نظر میں بہت بڑے بڑے مرتبے پا گئے آخری دور میں کچھ ایسے اختلافات میں ملوث ہوئے کہ جن کے نتیجہ میں مؤرخ کے لئے یہ سمجھنا بہت مشکل ہو گیا کہ کسی نے کیا غلطی کی تھی اور کون کس حد تک حق پر تھا۔ ان عبث بحثوں میں مبتلا ہو کر مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ جو شیعان علی کہلاتے ہیں ایک وہ جو اہل سنت اور چودہ سو سال ہونے کو آئے آج تک یہ ان بحثوں سے باز نہیں آرہے کہ کون کس سے بہتر تھا کس نے کیا گناہ کیا؟ کس سے کیا غفلتیں سرزد ہوئیں۔ مجھ سے ایک مرتبہ ایک شیعہ دوست نے سوال کیا کہ بتایئے حضرت علیؓ درست تھے یا حضرت عائشہؓ درست تھیں۔ میں نے کہا جس نے بتانا ہے وہ تو اس کے دربار میں حاضر ہو چکے۔ میں کون ہوں بتانے والا اور آپ کون ہیں پوچھنے والے جس خدا نے فیصلے فرمانے ہیں اس کے دربار میں خدا کے یہ نیک بندے حاضر ہو چکے ہیں۔ اپنا سب کچھ اس کو پیش کر بیٹھے ہیں اس لئے ان لغو بحثوں میں مبتلا نہ ہوں۔

اس آیت کریمہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام باقرؒ کے سامنے جو ایک بہت بزرگ شیعہ امام تھے، اولین ائمہ میں سے تھے۔ کسی شیعہ نے آنحضرت ﷺ کے بعض خلفاء اور صحابہ کے متعلق زبان طعن دراز کی۔ غیرت سے آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت ہی جلال کے ساتھ اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کہ وہ لوگ جوان بزرگوں کے بعد آنے والے ہیں۔ وہ تو صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا ہمیں بھی بخش دے اور ان کو بھی بخش دے۔ اگر ان سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں تو ہماری التجا یہ ہے کہ ان کو معاف فرمادے اور ہم تو ہیں ہی گناہ گار بندے ہمیں

بھی ضرور معاف فرما۔ یہ وہ بھائی ہیں جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے تھے۔ اوران کے پہلے ایمان لانے کے نتیجہ میں ہم نے یہ فیض پایا ہے اس لئے ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ان کے متعلق کسی قسم کا اور کوئی کلمہ کہیں سوائے اس کے کہ تجھ سے ان کے لئے بخشش کے طالب ہوں۔ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ہمارے دل ایسے بنادے کہ ان میں کسی ایمان لانے والے کے لئے بھی کسی قسم کی کوئی کجی نہ رہے، کوئی بیہودہ خیالات پیدا نہ ہوں۔ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اے خدا تو تو بہت ہی مہربان ہے، ہمیں بھی مہربان بنادے تو تو بار بار رحم کرنے والا ہے ہمیں بھی بار بار رحم کرنے والا بنادے۔ پس مسلمان سوسائٹی کے لئے یہ دعا بہت ہی قیمتی دعا ہے ایسی جماعتیں جہاں بعض دفعہ اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ نفرتوں میں بدل جاتے ہیں اور وہ جماعتیں پھٹ جاتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے یہ دعا بہت ہی اہمیت رکھتی ہے اور شیعوں اور سنیوں سے گفتگو کے دوران بھی آپ کے پیش نظر یہ دعا رہنی چاہئے اور یہی مسلک ہے جو سب سے اچھا مسلک ہے اس میں عاجزی اور انکسار پایا جاتا ہے اور معاملات کو خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے یہ دعا سورۃ الحشر آیت:۱۱ میں ہے۔

ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور ان لوگوں کی دعا ہے جو آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے اسوہ سے فیض پانے والے تھے قرآن کریم فرماتا ہے۔ وہ لوگ مشرک نہیں تھے اور ہر قسم کے شرک سے بیزار تھے اور خالصۃً للہ وقف ہو چکے تھے۔ وہ خدا کے حضور یہ عرض کیا کرتے تھے۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (الممتحنہ:۵) اے خدا ہمارا تمام تر توکل تجھ پر ہے وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا اور ہم تیری ہی طرف جھکنے والے ہیں وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ اور تیری ہی طرف ہر راستہ جاتا ہے۔ تیری طرف جانے کے سوا ہم اور کوئی راہ نہیں پاتے۔ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ایک بہت ہی خوبصورت بیان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اور کسی طرف جا نہیں سکتے لازماً بالآخر وہاں پہنچنا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ All Roads lead to Rome یہ تو ایک فرضی محاورہ ہے کہاں ساری سڑکیں روم کی طرف جاتی ہیں مگر امر واقعہ یہ ہے کہ خدا کی طرف ساری سڑکیں جاتی ہیں۔ مومن کی بھی اور کافر کی بھی بالآخر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو وہ یہ عرض کرتے ہیں عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ اس دعا میں ایک بہت ہی گہرا پیغام ہے وہ یہ ہے

کہ خدا کی طرف تو تم نے بہر حال لوٹ کر آنا ہے خواہ کافر بنو یا مومن بنو، نیک ہو یا بد ہو آخر وہاں جائے بغیر چارہ نہیں ہے۔لیکن وہ لوگ جو از خود پہلے خدا کی طرف حرکت کرتے ہیں وہی ہیں جو مقبول ہوتے ہیں وہی ہیں جو اس کو پا لیتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے غلاموں نے یہ دعا کی اے خدا ہمارا تجھ پر توکل ہے اور ہم تیری ہی طرف آ رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ بالآخر تیری ہی طرف جانا ہے اسلئے جو لوگ طوعی طور پر خدا کیلئے سفر اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور طاقت بخشتا ہے کہ بالآخر وہ اس کو پالیں۔

پھر یہ دعا ہے رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الممتحنہ:٦) اے ہمارے رب ہمیں ان لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنا جنہوں نے انکار کر دیا۔فتنہ سے دو باتیں مراد ہیں۔ایک یہ کہ ہم کسی کے لئے ٹھوکر کا مؤجب نہ بنیں ہم ایمان لے آئے ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں ہم تیری طرف آتے ہیں لیکن راہ میں ایسی ٹھوکریں نہ کھائیں کہ کوئی اور دیکھنے والا بھی ٹھوکر کھا جائے اور ہماری وجہ سے کسی ابتلا میں پڑ کر وہ راہ راست کو کھو دے۔

یہ ایک بہت ہی اہم دعا ہے ہر انسان کو اپنے اعمال کی اس طرح نگرانی بھی کرنی چاہئے اور دعا بھی کرنی چاہئے کہ میری وجہ سے کوئی انسان ٹھوکر میں مبتلا نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مرتبہ اس مضمون کو یوں بیان فرمایا کہ ایک ایسا شخص جو کسی کے لئے ٹھوکر کا موجب بنتا ہے بہتر تھا کہ اس کی ماں نے اسے جنم نہ دیا ہوتا کیونکہ وہ شخص بھی پکڑا جاتا ہے اس لئے دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہنا چاہئے۔

امریکہ کے اس سفر کے دوران بارہا مجھ سے بعض دوستوں نے یہ ذکر کیا کہ پاکستان سے آنے والے اس طرح کرتے ہیں اور اس طرح کرتے ہیں اور ہمارے لئے وہ ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں۔ان کو تو میں یہ سمجھاتا ہوں کہ اسلام کسی ایک ملک کا اسلام نہیں ہے۔اسلام تو تمام دنیا کا اسلام ہے۔آپ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کو اس لئے نہیں مانا کہ آپ کا تعلق ہندوستان سے تھا آپ نے تو اس لئے ان کو مانا ہے کہ آپ کا تعلق حضرت محمد ﷺ سے تھا۔ایک ایسے رسول سے تعلق تھا جس کے متعلق قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ۔ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ (النور:٣٦) ایسا نور ہے جو نہ مشرق کا ہے نہ مغرب کا ہے دونوں میں سانجھا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ہے۔(الانبیاء:۱۰۸) وہ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے تو میں ان کو سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ آپ تو حضرت محمد مصطفی ﷺ کو پانے کے دعویدار ہیں۔ پھر یہ جغرافیائی تفریقیں کیسی؟ پھر یہ خیال کیسا کہ فلاں شخص کو ہم سے بہتر ہونا چاہئے تھا کیوں کسی کو ہم سے بہتر ہونا چاہئے؟ وہی بہتر ہے جو خدا کے نزدیک بہتر ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات:۱۴) رنگ و نسل کی تمیز ہمیشہ کے لئے مٹادی گئی ہے۔تم میں سے وہی معزز ہے جو خدا کے نزدیک معزز ہے۔اس لئے میں ان کو یہی کہتا رہا کہ آپ ان لوگوں پر رحم کریں جو پاکستان سے آتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ وہ احمدیت کے سفیر بن کر آئے ہیں لیکن وہ احمدیت کی بجائے بعض اور بدیوں کے سفیر بن کر جاتے ہیں۔آپ محمد مصطفی ﷺ کے سفیر بن کر ان کو بچانے کی کوشش کریں نہ کہ ان کی وجہ سے خود ٹھوکر کھا جائیں۔ پس جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ٹھوکر کھاتے ہیں ان کا یہ عذر قبول نہیں ہوگا اور قرآن کریم یہ بات کھول کر بیان فرما چکا ہے کہ جب قیامت کے دن بعض لوگ جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے تو وہ یہ عذر پیش کریں گے کہ اے خدا ان بڑے لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ان کی وجہ سے ہم نے ٹھوکر کھائی اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں کیلئے جہنم ہے ٹھوکر میں مبتلا کرنے والوں کے لئے بھی اور ان کے لئے بھی جنہوں نے بعض لوگوں کے بدنمونے سے اثر قبول کر کے خود اپنی گمراہی کے سامان کئے۔

پس قرآن کریم کی تعلیم دوطرفہ ہے اور مکمل ہے اور متوازن ہے لیکن یہ بیان کرنے کے باوجود ان احمدیوں کی ذمہ داری کو میں کم نہیں سمجھتا جنہوں نے لمبے عرصے تک پاکستان یا ہندوستان میں تربیت پائی۔ بہت سے ان میں سے ایسے ہیں جو صحابہ کی اولاد ہیں، بہت سے ان میں سے ایسے ہیں جنہوں نے صحابہ کو خود دیکھا ہوا ہے اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے صحابہ کو دیکھے ہوئے لوگوں سے تربیت پائی ہے۔وہ جب باقی دنیا میں جاتے ہیں تو طبعاً انسانی فطرت ہے خواہ یہ دلیل مضبوط ہو یا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ احمدیت کے سفیر آرہے ہیں اور ان کے نمونے پر چل کر ہمیں نجات ملے گی جب وہ غلط نمونے دیکھتے ہیں تو لازماً ان کو صدمہ پہنچتا ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے انعام یافتہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو تقویت دی جاتی ہے وہ ٹھوکر نہیں کھاتے لیکن کمزور پھر بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں اس لئے یہ دعا بہت ہی ضروری ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ نے کی کہ رَبَّنَا لَا

تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اے خدا ہمیں ان لوگوں کے لئے ٹھوکر کا مؤجب نہ بنا جنہوں نے کفر کیا یہاں لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا کہہ کر اس بات کو کھول دیا کہ وہ لوگ بری الذمہ نہیں ہیں جو ٹھوکر کھا جاتے ہیں کیونکہ انکار ان کی فطرت میں ہے تبھی وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں ۔ پہلے کفر کی حالت ان کے اندر موجود ہے اگر وہ نہ ہوتی تو وہ ٹھوکر نہ کھاتے لیکن اس کے باوجود ہم اس بات میں ملوث نہیں ہونا چاہتے ۔ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری وجہ سے کوئی ظالم ٹھوکر کھا جائے ۔

دوسرا مضمون فتنہ کا یہ ہے کہ دشمن کو ہمیں عذاب میں مبتلا کرنے کا موقعہ عطا نہ فرما۔ قرآن کریم ان معنوں میں بھی لفظ فتنہ استعمال فرماتا ہے ۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوۡبُوۡا (البروج:۱۱) وہ لوگ جنہوں نے مومنوں کو فتنے میں ڈالا اور پھر توبہ نہیں کی ۔ پس فتنہ دو طرفہ ہے مومن کی طرف سے فتنہ یہ ہے کہ کوئی شخص ٹھوکر کھا جائے اور خدا کی راہ سے ہٹ جائے ۔ کافر کا فتنہ یہ ہے کہ زبردستی عذاب میں مبتلا کر کے کسی کو خدا کی راہ سے ہٹائے ۔ نتیجہ فتنے کا ایک ہی ہے اگر چہ مختلف سمتوں سے مختلف شکلوں میں فتنہ ظاہر ہوتا ہے ۔ مومن ظلم اور تعدی کر کے فتنے کا مؤجب نہیں بنتا بلکہ اپنی نااہلی کی وجہ سے یا غلطیوں کی وجہ سے فتنے کا مؤجب بن جاتا ہے ۔ نتیجہ یہی ہے کہ کوئی دیکھنے والا خدا کی راہ سے دور ہو جاتا ہے ۔ کافر اس قسم کے فتنے میں مومن کو مبتلا کرتا ہے کہ جسمانی عذاب دے کر اس کو خدا کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے ۔

پس آج کے دور میں یہ دعا دنیا کے ہر حصے میں برابر اطلاق پا رہی ہے کچھ ایسی جگہیں ہیں جہاں غیروں کو احمدیوں کی طرف سے فتنہ درپیش ہے ان کی بداعمالیوں یا کمزوریوں کی وجہ سے غیر فتنے میں مبتلا ہو سکتے ہیں ۔ بعض ایسے ملک ہیں جہاں احمدیوں کو غیروں کی طرف سے اذیت اور عذاب کا فتنہ درپیش ہے پس دونوں لحاظ سے یہ دعا ایک عالمگیر دعا ہے اور ہر جگہ اپنے اپنے مضمون کے مطابق اثر دکھائے گی پس میں چاہتا ہوں کہ احمدی خصوصیت کے ساتھ اس دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں ۔

پھر یہ عرض کی گئی ۔ وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اے خدا ہمیں بخش دے اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ یقیناً تو بہت ہی عزت والی طاقت رکھتا ہے ۔ لفظ الۡعَزِيۡزُ سمجھنے کے لائق ہے اس میں طاقت بھی ہے اور عزت بھی ہے جبر نہیں ہے بلکہ ایسی طاقت ہے جس کے نتیجے میں طاقتور معزز ہوتا ہے اور طاقت کا بے محل استعمال نہیں کرتا اور لازماً غالب آتا ہے پس الۡعَزِيۡزُ کا ترجمہ محض غالب یا طاقت

والا کرنا درست نہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ اے وہ طاقت ور ہستی جس کی طاقت میں عزت واحترام شامل ہے اور الْحَكِيمُ تو حکمتوں والا خدا ہے ہمیں بھی عزت والی طاقت عطا فرما اور ہمیں بھی حکمتیں عطا فرما۔

ایک دعا ہے جس کا ذکر توبۃ النصوح کرنے والوں کے ذکر کے بعد آتا ہے۔ یہ فرمایا گیا کہ وہ لوگ جو خدا کے حضور سچی توبہ کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ ایک نور عطا فرماتا ہے اور وہ نور ان کے آگے بھی بھاگتا ہے ان کے پیچھے بھی ہوتا ہے اور ان کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ
يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا
نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (التحریم: ۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو سچی توبہ کرو اور کامل توبہ کرو ممکن ہے کہ خدا اس کے نتیجہ میں تمہاری بدیاں تم سے دور فرما دے وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے جن میں دائمی نہریں بہتی ہیں۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ یاد رکھو ایک ایسا دن آنے والا ہے جبکہ خدا کا نبی ذلیل نہیں کیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ہر عزت بخشی جائے گی کیونکہ دنیا اس نبی کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ذلیل نہیں کیا جائے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر کوشش کو ناکام و نامراد بنا دیا جائے گا اور ہر عزت اس مقدس نبی کے حصے میں آئے گی فرمایا لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اور یہی سلوک ان لوگوں سے بھی کیا جائے گا جو اس کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ان کا نور ان کے سامنے ان کے آگے آگے دوڑے گا۔ وَبِاَيْمَانِهِمْ اور ان کے داہنے ہاتھ بھی يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا وہ یہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لئے کامل فرما دے اور ہمیں بخش دے اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں نور کے سامنے بھاگنے کا اور دائیں طرف بھاگنے کا ذکر ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ کیا ان کے بائیں طرف نور نہیں ہوگا اور ان کے پیچھے نور نہیں ہوگا یہ اس محاورے کا مطلب نہیں۔ سامنے بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے رستے روشن ہوں گے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ ہم نے کیا کرنا ہے اور دائیں طرف کے نور کا مطلب یہ ہے کہ ان کا دین روشن ہوگا اور دین کے معاملات میں غلطیوں سے مبرا ہوں گے کیونکہ سامنے تو انسان رستہ دیکھنے کے لئے نور کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ آپ ٹارچ لے کر جب اندھیرے میں چلتے ہیں تو ٹارچ کا منہ پیچھے کی طرف کر کے تو آگے نہیں بڑھتے۔ پس اس میں کیفیت بیان ہوگئی جس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ترقی کرنے والے لوگ ہوں گے اور جو محاورہ ہے نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ اس نے ایک بہت ہی خوبصورت منظر کھینچا ہے حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے غلاموں کی تیز رفتاری کا۔ جتنا تیز یہ آگے قدم بڑھائیں گے اتنا ہی نور تیزی سے آگے آگے بڑھے گا جس طرح بعض دفعہ ایک پائلٹ اس لئے زیادہ تیز آگے بڑھتا ہے کہ پیچھے آنے والا تیز رفتار ہے ویسا ہی نقشہ نور کا کھینچا گیا ہے کہ وہ ایسی تیزی کے ساتھ خدا کی جانب قدم بڑھانے والے ہیں کہ نور کو جلدی ہوگی کہ میں کہیں پیچھے نہ رہ جاؤں اور وہ ان کے رستے روشن کرتا چلا جائے گا اور بِاَيْمَانِهِمْ کا مطلب ہے کہ ان کا دایاں پہلو یعنی دین پوری طرح روشن ہوگا یعنی دنیا میں اگر وہ غلطیاں بھی کر جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں بعض باتوں میں دنیا کے لحاظ سے وہ لاعلم بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس سے ان کی روحانی شخصیت پر کوئی بد اثر نہیں پڑے گا اور پھر وہ یہ دعا کریں گے رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اے خدا ہمارا نور کامل فرما دے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نور کسی ایسی حالت کا نام نہیں ہے جہاں روشنی مکمل ہو جائے۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا روشنی درجہ بدرجہ بڑھتی رہتی ہے اور درجہ بدرجہ کم بھی ہوتی رہتی ہے یہ روشنی جس میں ہم اب بیٹھے ہوئے ہیں ہم سمجھ رہے ہیں کہ بہت ہی اچھی روشنی ہے دور تک ہر چیز ہمیں صاف دکھائی دے رہی ہے لیکن باہر کی دھوپ میں نکل کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ روشنی کچھ اور ہی روشنی ہے اور اسی زمانے میں اسی دن آپ کسی سخت گرم ملک کی دھوپ میں جا کر نکل کر دیکھیں تو اتنی تیز روشنی ہوگی کہ آنکھیں نہیں کھلیں گی تو روشنی اپنی کیفیت کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا نور بڑھاتا چلا جا دوسرے نُوْرَنَا میں ایک اور اشارہ فرما دیا گیا کہ ہر شخص کے اندر اللہ تعالیٰ نے اندرونی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں اور دراصل وہی ہیں جن سے وہ نور پاتا ہے۔ آنکھوں کا تعلق نور سے ہے جس

کی آنکھیں زیادہ روشن ہوں اتنا ہی زیادہ وہ بیرونی نور سے استفادہ کرسکتی ہیں اگر آنکھوں میں روشنائی نہ ہوتو خواہ ہزار سورج چمک رہے ہوں ایسے شخص کو کچھ دکھائی نہیں دے گا۔

پس اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھا کر بہت عظیم احسان ہم پر فرماتا ہے اس طرح متوجہ کرتا ہے کہ تم میرے نور کے اگر محتاج ہو اور واقعی مجھ سے مزید نور چاہتے ہوتو اپنے باطن کا نور بڑھاؤ اور خدا سے یہ دعا کرو کہ اے خدا ہمارا نور کامل فرمادے۔ ہمارے اندر بہت سی ایسی کمزوریاں ہیں کہ ہم تیرے نور سے پوری طرح استفادہ نہیں کر سکتے۔ ان کمزوریوں کو دور فرما تا رہ تا کہ ہم زیادہ سے زیادہ نور کے اہل بن سکیں۔ وَاغْفِرْلَنَا کا مضمون ان معنوں میں اس مضمون سے تعلق رکھتا ہے کہ ہماری صلاحیتیں جو تو نے ہمیں بخشی ہیں ہوسکتا ہے ہم نے ان کا غلط استعمال کیا ہو اور اس وجہ سے ان کے اندر پوری طرح دیکھنے کی طاقت نہ رہی ہو، اس لئے ہم بخشش کے طالب ہیں۔ اگر کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں کچھ غلطیاں ہوئی ہیں تو تو درگزر فرما اور بخش دے تا کہ ہماری خوابیدہ صلاحیتیں جاگ اٹھیں ہماری مرتی ہوئی صلاحیتوں میں نئی زندگی پیدا ہو جائے اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو ہر چیز پر قادر ہے جب چاہے یہ فیصلہ کرے کہ کس کی مرتی ہوئی صلاحیتیں زندہ ہوں تو اس بات پر قادر ہے کہ انہیں زندہ کر سکے لیکن دنیا میں ہم ہر چیز پر قادر نہیں ہیں۔

اب نور کی بات ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر کے پاس اگر کوئی شخص آنکھیں دکھانے کے لئے جائے اور ڈاکٹر یہ معلوم کرے کہ اس کا اندرونی نور مر چکا ہے یعنی وہ رگ یا Nurve جسے آپٹیکل Nurve کہا جاتا ہے اس میں نور نہیں رہا تو ڈاکٹر ہمیشہ عاجزی سے یہ کہے گا کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا ، ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ بتائے گا کہ جو رگیں مر جائیں ، جو Nurve مر چکی ہوں ان کو کوئی انسان دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا تو اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ نے ایک نئی امید پیدا کر دی۔ ہمیں یہ بتایا کہ دنیا کے تجربے میں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ اندرونی صلاحیتیں مر چکی ہوں تو دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتیں مگر اے خدا تو تو قادر ہے تو چاہے تو مرے ہوؤں کو بھی زندہ کرسکتا ہے۔ پس ہم تجھ سے ہر چیز مانگتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ تو ہر چیز عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

ایک دعا فرعون کی بیوی کی دعا قرآن کریم نے محفوظ فرمائی ہے، وہ یہ ہے: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي

الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ (التحریم:۱۲) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اور اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کے لئے ایک یہ بھی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ بعض پہلوؤں سے فرعون کی بیوی کی طرح ہوتے ہیں۔ کس پہلو سے؟ اس پہلو سے کہ جب اس نے اپنے آپ کو مجبور اور مغلوب دیکھ کر اور ایک فاسق وفاجر بادشاہ کے ہاتھوں بے بس پاتے ہوئے یہ عرض کیا کہ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا اے خدا مجھے تو اپنے پاس گھر عطا کر۔ یہاں فرعون کے گھر میں بسنے والی ایک مجبور عورت ہے اس کا اور کوئی اپنا گھر نہیں۔ کتنی دردناک دعا ہے۔ اس نے اپنے سارے دکھوں کا تصور کر کے کہ میں خدا کی عبادت کرنا چاہتی ہوں میں نیک بننا چاہتی ہوں مگر ایک ظالم کے گھر میں ڈالی گئی ہوں جو ایسا ظالم ہے جو بڑی عظیم الشان سلطنت پر حکومت کر رہا ہے اور ساری قوم اس سے ڈر رہی ہے اس کے گھر سے نکل کر جاؤں بھی تو کہاں جاؤں اس لئے دنیا کا کوئی گھر مجھے پناہ نہیں دے سکتا یہ مضمون ہے۔ عرض کرتی ہے۔ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اے خدا مجھے تو اپنے پاس جنت میں گھر بنادے۔ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ مجھے فرعون سے بھی نجات بخش اور اس کی بداعمالیوں سے بھی نجات بخش۔ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما۔

پس مومنوں پر بھی ایسی کیفیت آتی ہے کہ وہ بے بس ہو جاتے ہیں ایک ایسے ملک میں بستے ہیں جہاں کا بادشاہ ظالم ہے جہاں کی قوم ظالم ہے وہ وہاں سے نکل کر کہیں جا نہیں سکتے جو نکل کر جا سکتے ہیں وہ تو ہجرت کر جاتے ہیں مگر ایسے بھی کمزور ہیں جیسے فرعون کی بیوی ہے وہ نہ گھر سے نکل سکتی ہے نہ ملک سے نکل سکتی ہے۔ ایسے بے بس بھی ہیں ان کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے دیکھیں کیسے نجات کے سامان مہیا فرما دیئے۔ قرآن کریم میں ایک ایسی دردناک دعا لکھ دی جس کے نتیجہ میں ایسے بے بس لوگ بھی فیض پا جاتے ہیں اور براہ راست خدا سے نجات کی راہیں مانگتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ اس دنیا کے گھر کی کیا بات ہے ہمیں جنت میں اپنے حضور گھر عطا فرما۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک اور دعا ہے جو بہت ہی دردناک ہے اور اس میں بہت تفصیل کے ساتھ یہ نقشے کھینچے گئے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے کیا کیا کچھ کیا بعض لوگ پیغام پہنچانے کے بعد جب دیکھتے ہیں کہ پیغام کو قبول نہیں کیا گیا یا ان سے حقارت کا

سلوک کیا گیا تو بددعا میں بے حد بے صبری کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا اس نے ہماری بات نہیں مانی رد کر دی ہے اب دیکھو خدا کا عذاب اسے پکڑے گا۔ یہ بالکل جاہلانہ اور بچگانہ باتیں ہیں اور غیر مومنانہ باتیں ہیں خدا کے انبیاء کی طرز اس سے بالکل مختلف ہے۔

وہ پیغام رسانی کی حد کر دیتے ہیں اس طرح پیغام پہنچاتے ہیں کہ عام انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور پھر بظاہر ناکام و نامراد ہونے کے باوجود وہ خدا سے عذاب نہیں چاہتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو بتائے کہ کسی قوم کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ اب دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام نے کس طرح دعوت الی اللہ کا حق ادا کیا تھا۔ امریکہ میں بار بار مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے تو دعوت الی اللہ کا حق ادا کیا، لوگ سنتے ہی نہیں مگر کیا آپ نے اس طرح کیا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام بیان کر رہے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَهَارًا (نوح:۶) عرض کیا اے میرے رب میں نے تو اپنی قوم کو دن کو بھی پکارا اور رات کو بھی پکارا فَلَمۡ یَزِدۡهُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا (نوح:۷) اور میری پکار نے ان کو مجھ سے متنفر ہونے کے سوا اور کچھ نہ دیا مجھ سے اور زیادہ بھاگنے لگے۔ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَهُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا (نوح:۸) کہ اے میرے خدا جب بھی میں نے ان کو بلایا تا کہ تو انہیں بخش دے اپنی خاطر نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ تیری بخشش حاصل کریں۔ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دیں وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَهُمۡ اور اپنے سروں پر اور اپنے کانوں پر کپڑے لپیٹ لئے وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا اور انہوں نے ضد کی کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے اور بہت بڑے تکبر سے کام لیا ہے لیکن اس کے باوجود میں ان سے مایوس نہیں ہوا۔ میں انہیں تیری راہوں کی طرف بلاتا رہا جس جس طرح مجھے خیال گزرا کہ شاید اس طرح یہ لوگ مان جائیں میں ویسے ہی طریق اختیار کرتا چلا گیا۔ یہ سننے کے بعد انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ اب اس کے بعد کوئی دعوت کی راہ باقی رہی ہوگی آپ کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرے کہ کانوں میں انگلیاں ڈالے سر اور منہ پر کپڑے لپیٹے اور بار بار ضد اور تکبر سے کہے کہ جاؤ جو کرنا ہے کر لو میں ہرگز تمہاری بات نہیں سنوں گا۔ تو آپ کہیں گے ہر راہ ختم ہوگئی ہے مگر حضرت نوح اس ذکر کو جاری رکھتے ہیں کہتے ہیں ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا (نوح:۹) پھر مجھے خیال آیا کہ

بعض دفعہ کھلے کھلے اعلانوں سے بعض لوگ سن لیتے ہیں۔ مخفی باتوں سے نہیں سنتے تو میں نے بازاروں میں نکل کر بلند آواز سے لوگوں کو بلانا شروع کیا ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا (نوح: ۱۰) اور میں نے مخفی طور پر اشاروں کنایوں سے بھی ان کو پکارا کہ آؤ خدا کی طرف آجاؤ۔ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا (نوح: ۱۱) اور میں ان کو بتاتا چلا گیا کہ تمہارا رب بہت ہی مہربان ہے بہت ہی بخشش کرنے والا ہے اس سے بخشش مانگو تا کہ تم بخشے جاؤ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡكُمۡ مِّدۡرَارًا (نوح: ۱۲) وہ تم پر نعمتوں کی بارش برسائے گا۔ وَّیُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا (نوح: ۱۳) اور وہ تمہارے لئے تمہارے اموال میں برکت دے گا اور تمہاری اولادوں میں برکت دے گا اور تمہیں وہ ہیشگی کے باغات عطا فرمائے گا وَّیَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا اور تمہارے لئے نہریں جاری فرمائے گا۔ مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (نوح: ۱۴) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی طرف حکمت کی باتیں منسوب نہیں کر رہے وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا (نوح: ۱۵) اور میں نے ان کو ان کا ماضی یاد دلایا اور ان کو بتایا کہ دیکھو خدا نے تمہیں اس مقام تک پہنچانے سے پہلے کن کن ادوار سے گزارا کیسے کیسے طبقات سے گزرتے ہوئے تم ترقی کرتے آخر انسان کے مقام تک پہنچے ہو۔ اَلَمۡ تَرَوۡا كَیۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح: ۱۶) پھر انسانی زندگی سے پہلے کی طرف نگاہ ڈالو کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے زمین و آسمان کو کس طرح طبقہ بہ طبقہ دور بہ دور پیدا فرمایا وَّجَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡهِنَّ نُوۡرًا وَّجَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا (نوح: ۱۷) اور اس نے آسمانوں میں چاند کے لئے نور رکھ دیا جو ٹھنڈی چاندنی تمہارے لئے لے کر آتا ہے وَّجَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا اور تمہارے لئے چمکتا ہوا سورج بنایا وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا (نوح: ۱۸) اور اللہ تعالیٰ نے نباتات کی طرح تمہیں زمین سے اٹھایا ہے اور تمہاری رفتہ رفتہ پرورش فرمائی ہے۔ ثُمَّ یُعِیۡدُكُمۡ فِیۡهَا وَیُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا (نوح: ۱۹) لیکن یاد رکھو کہ بالآخر تم اس مٹی میں ملا دیئے جاؤ گے اور اسی مٹی سے ایک دن نکالے جاؤ گے۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا (نوح: ۲۰) اور تمہارا خدا وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونے کی طرح بچھا دیا ہے۔ لِّتَسۡلُكُوۡا مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا (نوح: ۲۱) اگر تم اس زمین پر کھلے کھلے رستوں پر قدم آگے بڑھاؤ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ

عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا (نوح:۲۲) اے میرے خدا یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ یہ پھر بھی میرا انکار کرتے چلے جارہے ہیں وَاتَّبَعُوْا اور اس کی پیروی کرتے ہیں مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ ایسے ظالموں کی پیروی انہوں نے کی ہے جن کو ان کے مال نے اور ان کی اولاد نے گھاٹے کے سوا کچھ نہیں دیا۔ یعنی ایسے دنیا والے امیروں کی پیروی کرتے ہیں۔

ایسی طاقتور قوموں کے پیچھے لگ گئے ہیں جن کے متعلق یہ دیکھ رہے ہیں کہ آخر ان کا قدم گھاٹے کی طرف اور نقصان کی طرف ہے وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا (نوح:۲۳) اور میری نیکیوں کے جواب میں یہ اپنے مکر میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ بہت بڑے مکر میرے خلاف استعمال کئے وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (نوح:۲۴) اور ان کے لیڈروں نے ان میں بار بار اعلان کئے کہ ہرگز تم نے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑنا نہ تم وَدًّ کو چھوڑو گے نہ سُوَاعًا کو چھوڑو گے نہ یَغُوْثَ کو چھوڑو گے نہ نَسْرًا کو چھوڑو گے۔ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا (نوح:۲۵) اور انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا اور تو نہیں بڑھاتا ان لوگوں کو جو گمراہ ہو گئے ہیں مگر گمراہی میں ہی۔ یعنی تیری تقدیر اسی طرح کارفرما ہوتی ہے کہ جو لوگ گمراہی میں بڑھنے پر ضد کرتے ہیں تو ان کو پھر موقع دیتا ہے کہ وہ گمراہی میں آگے بڑھتے چلے جائیں۔ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا (نوح:۲۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس ان کی خطیئات کی وجہ سے بے شمار گناہوں کی وجہ سے وہ آگ میں داخل کئے گئے فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا اور خدا کے سوا ان کو کوئی مددگار پھر نظر نہ آیا یعنی کوئی مددگار ان کے کام نہیں آسکتا تھا۔ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:۲۷) تب نوح نے کہا اے خدا اب کافروں میں سے اس زمین پر کوئی باقی نہ چھوڑ۔

یہ جو دعا ہے یہ سب کچھ کرنے کے بعد کی دعا ہے اس سے پہلے کی نہیں ہے اور اس کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح:۲۸) کہ اب اس قوم کی حالت ایسی ہو چکی ہے کہ اگر ان کو زمین پر تو باقی چھوڑے گا تو یہ سوائے

گمراہی پھیلانے کے سوائے بدیاں پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کریں گے، اور ایسے بچے جنیں گے جو گمراہی میں بڑھتے چلے جائیں گے رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح:۲۹) اے میرے رب میری بھی بخشش فرما میرے والدین سے بھی بخشش کا سلوک فرما وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا اور ہر اس شخص کو بھی بخش دے جو میرے گھر میں ایمان لاتے ہوئے داخل ہو۔

وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ سب مومنوں کو بخش اور سب مومنات کو بخش وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا اور دشمنوں کو سوائے ہلاکت کے اور کچھ نصیب نہ ہو۔

یہ وہ دعا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے پھر وہ مشہور بارش برسائی اور زمین نے اپنے چشمے اگلے یہاں تک کہ طوفان نوح آیا۔ وہ عظیم سیلاب جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قرآن سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ یہ سیلاب ساری دنیا میں نہیں آیا بلکہ صرف نوح کی قوم پر آیا ہے جو کہ ایک محدود علاقہ میں بستی تھی اور صرف وہی لوگ ہلاک کئے گئے جن کا ذکر ان آیات میں ملتا ہے جن کو حضرت نوح علیہ السلام نے کامل طور پر پیغام پہنچا دیا تھا اور اس پیغام کو ہر طرح سے ہر پہلو سے سننے اور سمجھنے کے باوجود انہوں نے حضرت نوح کا انکار کیا۔

یہاں ایک خاص مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قانون قدرت بارشیں برساتا ہے اور قانون قدرت ہی ہے جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ زمین سے چشمے ابلنے لگتے ہیں تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ عذاب الٰہی ہے اور کیا خدا تعالیٰ اپنے قانون کو تبدیل کر کے خصوصیت کے ساتھ نئے قانون جاری فرماتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تبلیغ میں اس مسئلہ کا حل ملتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (نوح:۱۲) کہ تم پر خدا کثرت سے بارشیں نازل فرمائے گا یعنی بارشوں کا نازل ہونا معلوم ہوتا ہے مقدر تھا اور غیر معمولی طور پر بارشوں کا اس علاقہ میں برسنا پہلے سے ہی مقدر ہو چکا تھا اور اس کی تیاریاں ہو چکی تھیں لیکن ساتھ ہی بتایا کہ یہ بارشیں ہلاکت کی نہیں ہوں گی۔ قانون قدرت تو ہے مگر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے قانون قدرت کو استعمال فرماتا ہے۔ وہ بارشیں نازل فرمائے گا کس لئے؟ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ (نوح:۱۳) وہ بارشیں تمہارے لئے کثرت اموال کا موجب بنیں گی اور کثرت اولاد کا موجب بنیں گی اور تمہارے

لئے ہمیشہ کی جاری رہنے والی نہریں پیچھے چھوڑ جائیں گی۔ پس قانون قدرت کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے یہ سوال ہے بارشوں نے تو آنا تھا وہ تو پہلے سے ہی بخارات کی صورت میں اٹھ کر کہیں اکٹھی ہو چکی تھیں لیکن کس طرح برسیں گی۔ اکٹھی برسیں گی یا ٹھہر ٹھہر کر برسیں گی فائدہ پیچھے چھوڑ کر جائیں گی یا نقصان پیچھے چھوڑ کر جائیں گی یہ فیصلے انسان کے اعمال نے کرنے تھے پس ایسا ہی ہوا۔ دیکھیں بارشیں آئیں لیکن اور رنگ میں آئیں بجائے فائدہ پہنچانے کے ہمیشہ کے لئے اس قوم کا نشان مٹا گئیں۔

یہ دعا سورۃ نوح آیات ۶ تا ۲۹ سے لی گئی ہے یعنی ان آیات میں وہ سارا مضمون بھی بیان ہے اور دعا بھی اس میں شامل ہے۔

اب میں آخری دو دعاؤں کا ذکر کرتا ہوں جو معوذتین کے نام سے مشہور ہیں اور جن میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ کہہ کر ہمیں بعض دعائیں سکھائی گئی ہیں فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق:۲) اے محمد ﷺ تو یہ کہہ اور کہتا چلا جا اور جو سنے وہ بھی آگے یہ پیغام دیتا چلا جائے کہ تم اپنے رب سے یہ کہا کرو۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہ ہم اس رب کی پناہ میں آتے ہیں جو تخلیق کا رب ہے۔ جو راتوں کو صبح میں تبدیل کرتا ہے اور صبحوں کو راتوں میں بدلتا ہے جس کی طاقت سے یا جس کی تقدیر سے نئی نئی چیزیں پھوٹتی ہیں۔ گٹھلیاں پھٹتی ہیں اور ان سے کونپلیں نکلتی ہیں جو درخت بن جاتی ہیں۔ بیج پھوٹتے ہیں اور طرح طرح کی سبزیاں اور پودے پیدا کرتے ہیں۔ اس سارے نظام کو فلق کا نظام کہا جاتا ہے ایک عورت حاملہ ہوتی ہے اور ایک بچے کو پیدا کرتی ہے پس کائنات میں جہاں بھی ایک چیز اپنی کیفیت بدل کر ایک دوسرے روپ میں تبدیل ہوتی ہے اس نظام کو نظام فلق کہا جاتا ہے۔ تو یہ دعا سکھائی گئی کہ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ تو کہہ خود بھی کہہ اور لوگوں سے بھی کہہ اور وہ لوگ آگے لوگوں سے کہتے چلے جائیں کہ وہ خدا سے یہ عرض کیا کریں کہ اے خدا! ہم رب فلق کی پناہ چاہتے ہیں۔ یعنی تیری پناہ چاہتے ہیں جس نے یہ نظام پیدا فرمایا ہے مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (الفلق:۳) ہر تخلیق کے ساتھ شر وابستہ ہیں ہمیں ہر تخلیق کی خیر تو عطا فرما۔ لیکن ہر تخلیق کے شر سے بچالے۔ اب آپ دیکھیں بعض عورتیں بے چاری حاملہ ہوتی ہیں ۹ مہینے تکلیف اٹھاتی ہیں لیکن بچہ پیدا کرتی ہیں اور اسی حالت میں وفات پا جاتی ہیں اور اپنے بچے کا منہ دیکھنا بھی ان کو نصیب نہیں ہوتا، بعض ایسے بچے پیدا کرتی ہیں جو ساری عمر ان کے لئے سوہان روح بن جاتے ہیں، عذاب کا

مؤجب بن جاتے ہیں۔ان کو سنبھالنے میں بہت دکھ اٹھاتی ہیں ان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ از خود نہ وہ کھا سکتے ہیں، نہ چل سکتے ہیں نہ سنبھل سکتے ہیں۔پس تخلیق کے ساتھ جہاں بہت سی خیر وابستہ ہے اور یاد رکھیں کہ خیر غالب ہے وہاں کچھ طبعی شر بھی ہیں۔پس یہ ایک بہت ہی اہم دعا ہے جسے ہمیں ہر ایسی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے خدا کے حضور مانگتے رہنا چاہئے جس میں ایک کیفیت دوسری کیفیت میں بدلتی ہے وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (الفلق:۴) اندھیروں کے اس شر سے ہمیں بچا جبکہ ہر طرف فتنے اور شرارتیں پھیل جاتی ہیں وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (الفلق:۵) اور ان پھونکنے والوں کے شر سے بچا جو رشتوں میں پھونکتے ہیں۔تعلقات میں پھونکتے ہیں اور بدنیتوں کے ساتھ کوشش کرتے ہیں کہ انسانی تعلقات کو خراب کر دیں اور ان میں دشمنیاں اور نفرتیں پیدا کریں۔

اس دعا کی گھریلو حالات کو سدھارنے کے لئے بھی بہت شدید ضرورت ہے۔آج تک بارہا میں نے توجہ دلائی ہے کہ اپنے گھروں میں رحمی رشتوں کا خیال کریں اور اپنے تعلقات کو سدھاریں لیکن اس کے باوجود کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جبکہ ایسی تکلیف دہ خبریں یا ساسوں کی طرف سے یا بہوؤں کی طرف سے یا ماؤں کی طرف سے یا بیٹیوں کی طرف سے یا بیٹوں کی طرف سے نہ آتی ہوں جہاں ایک دوسرے سے شکوے کئے گئے ہیں۔بعض بیویاں اپنے خاوندوں کے شکوے کرتی ہیں،بعض بچے اپنے باپوں کے شکوے کرتے ہیں کہ سخت کلام ہیں۔بدتمیز ہیں ہر وقت گھر میں ایک عذاب بنا ہوا ہے،تعلقات کو توڑنے والے ہیں بجائے جوڑنے کے اور اس کے نتیجہ میں شر پیدا ہوتا ہے،اس کے نتیجہ میں گھر جنتوں کی بجائے جہنم میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی کہ ہر ایسے پھونکنے والے کے شر سے ہمیں بچا جس کے نتیجہ میں تعلقات خراب ہوتے ہیں اور یہاں پھونکنے والوں سے مراد جادو ٹونے ٹوٹکے کرنے والے بھی ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کے دم سے ان کے بدنفس سے دوسرے کے حالات بگڑ جائیں افریقہ میں آج تک یہ رواج پایا جاتا ہے اور بہت سے احمدی مجھے افریقہ سے لکھتے ہیں کہ ہم کس طرح بچیں ان کا جواب ۱۴۰۰ سال پہلے قرآن کریم نے دے دیا تھا۔یہ مراد نہیں ہے کہ ضرور ان کے بدنفوس میں اثر ہے اصل بات یہ ہے کہ ان بدنفوس کے ساتھ وہ شرارتیں بھی کرتے ہیں اور دھوکے بازیوں سے بھی کام لیتے ہیں بعض مخفی طریقوں پر زہر بھی دے دیتے ہیں بعض دشمنوں سے نقصان بھی پہنچا دیتے ہیں اور بظاہر

اپنا ایک رعب بھی قائم رکھتے ہیں کہ ہمارے دم پھونکنے کے نتیجہ میں تمہیں یہ نقصان پہنچا ہے پس ہر قسم کے اس فتنہ سے بچایا گیا ہے جس کے نتیجہ میں تاریکی پھیلے، روشنی کم ہو ایک نئی تخلیق ہو لیکن بدیاں لے کر آئے یا خود بد ہو جائے یا جہاں سے نکلی ہے اس کو بد بنا دے۔

ہر اس قسم کے احتمالات کے لئے یہ کامل دعا ہمیں سکھائی گئی اور پھر فرمایا وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق:۶) ہمیں حاسد کے شر سے بچا جب وہ حسد کرے۔ یہ مضمون کچھ الجھا ہوا سا نظر آتا ہے کیونکہ حاسد کے شر سے بچا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ حَاسِدٍ کے شر سے بچا جب وہ حسد کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محض حسد کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ جب وہ حسد کے نتیجہ میں بدعمل کی ٹھانتا ہے۔ جب وہ نقصان پہنچانے کی کوئی تدبیر کرتا ہے تو وہ وقت ہے جب یہ کہا گیا اِذَا حَسَدَ ورنہ لوگ خالی حسد کرتے پھرتے رہتے ہیں، جلتے رہتے ہیں۔ انکا اپنا نقصان ہوتا ہے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تو حاسد کہہ کر یہ تو بتا دیا کہ وہ ہر وقت حسد کی حالت میں ہے پھر اِذَا حَسَدَ کا کیا مطلب ہے وہ شخص جو ہے ہی حاسد۔ ہمیشہ ہی حسد کرنے والا ہو۔ وہ جب حسد کرے گا، کیا مطلب ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جب وہ اپنے حسد کو ایک بدعمل میں تبدیل کر دے، شرارت میں تبدیل کر دے، جب فتنہ پیدا کرے، جب سازش کرے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے تو جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے ایسی صورت میں تو مجھے اس کے شر سے بچا۔

پھر آخری دعا یہ ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس:۲ تا ۴) کہہ دے اور کہتا چلا جا کہ تم سب اپنے رب کے حضور یہ عرض کیا کرو۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کہ میں پناہ چاہتا ہوں اس ذات کی جو تمام بنی نوع انسان کے رزق کا ذمہ دار ہے ان کی پرورش کا ذمہ دار ہے۔ ان کو ادنیٰ حالتوں سے اعلیٰ حالتوں کی طرف ترقی دیتے ہوئے لے جانے کا ذمہ دار ہے، وہ ہر حال میں ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے والا ہے۔ میں اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو حقیقی رب ہے۔ مَلِكِ النَّاسِ وہی ہے جو تمام بنی نوع انسان کا بادشاہ بھی ہے۔ اِلٰهِ النَّاسِ اور وہی ہے جو تمام بنی نوع انسان کا معبود بھی ہے یہ تین باتیں کہہ کر انسان کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھ لیا گیا۔ کوئی بھی ایسا دائرہ نہیں جس میں انسان کوشش کرتا ہے جس پر یہ دعا حاوی نہ ہو گئی ہو اس پر میں بہت تفصیل سے اپنے رمضان کے درسوں میں روشنی ڈال چکا ہوں اور کئی گھنٹے اس

مضمون کو بیان کرتا رہا ہوں ۔اس وقت میں دہرانے کی نیت سے کھڑا نہیں ہوا۔ میں مختصراً آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں یا رزق ہے، اقتصادیات کا مضمون ہے جس نے انسانوں کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے یا بادشاہتیں ہیں یعنی سیاست ہے اور یا پھر عبادت ہے، مذہب کی دنیا ہے۔ ان تین مضامین میں انسان کی تمام دلچسپیاں بیان کردی گئی ہیں۔ اور یہی تین ہیں جو انسانی زندگی پر ہر لحاظ سے حاوی ہیں تو فرمایا کہ تم یہ دعا کیا کرو کہ اے رب ہمیں لوگوں کا محتاج نہ بنا۔ یہ مراد ہے اپنا محتاج رکھنا۔ ہم غیروں کی محتاجی سے تیری طرف بھاگتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ اصل رزق تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے دنیا کے بس میں نہ ڈالنا، اپنی طرف سے رزق عطا فرمانا۔ دنیا کے بادشاہ ظالم ہوتے ہیں۔ ہم ان کے مقابل پر بے بس ہوں گے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ تو اصلی بادشاہ ہے تیرے ہاتھ میں ان بادشاہوں کی بھی گردنیں ہیں۔ اس لئے ان کے ظلم سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو جب کسریٰ کے نمائندے نے یہ اطلاع دی کہ تم تین دن کے اندر اندر میری طرف آؤ اور اپنی حرکتوں سے توبہ کرو ورنہ میں تمہیں قتل کروادوں گا۔ تو آنحضرت ﷺ نے اس پیغام دینے والے سے کہا کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دو۔ میں دعا کر کے معلوم کروں کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتا ہے۔ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رات کو خبر دی اور اس خبر کو آپؐ نے یوں بیان فرمایا کہ جاؤ واپس چلے جاؤ۔ تمہارے بادشاہ کو میرے بادشاہ نے رات ہلاک کر دیا ہے (حوالہ۔۔) جو میرا مالک ہے اور میرا رب ہے اور میرا بادشاہ ہے اس نے تمہارے بادشاہ کو رات ختم کر دیا ہے۔ وہ واپس آ گیا اور معلوم ہوا یعنی دیر کے بعد یہ خبر وہاں پہنچی کیونکہ ایران سے چلتی ہوئی یمن کی طرف پہنچتے پہنچتے دیر لگتی تھی کہ عین اسی رات جس رات آنحضرت ﷺ کو یہ نظارہ دکھایا گیا خود کسریٰ کے اپنے بیٹے نے اپنے باپ کو اس کے ظلموں کی وجہ سے قتل کر دیا۔

تو یہ معنے ہیں۔ مَلِكِ النَّاسِ آپ اگر یقین کریں کہ وہ ملک ہے تو وہ یہ طاقت رکھتا ہے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ سے آپ کو بچائے لیکن یقین کی بھی ضرورت ہے اور اس کی ملکیت کے اندر رہنے کی بھی ضرورت ہے آپ اس کی ملکیت سے نکل کر دنیا کی ملکیت میں زندگی بسر کریں اور جب تکلیف اٹھائیں تو اس کی طرف دوڑیں اس وقت یہ دعا صادق نہیں آئے گی۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے لئے سوائے خدا کے کوئی مَلِكِ نہیں تھا۔ اس لئے آپ کی یہ التجا سنی گئی اور اللہ

تعالیٰ نے اپنے جلوے کو کس شان کے ساتھ ظاہر فرمایا۔ پس اگر خدا کی ملکیت کے جلوے دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی ملکیت کے دائرے میں رہیں۔ پھر دیکھیں کہ خدا کس طرح آپ کی نصرت فرماتا ہے اور اِلٰهِ النَّاسِ ہر قسم کی خواہشات سے نجات کے لئے یہ دعا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں خود فرماتا ہے کہ کئی دفعہ انسان اپنی تمناؤں کو اپنا معبود بنالیتا ہے۔ اور وہ نہیں جانتا کہ وہ مشرک ہو رہا ہے۔ بظاہر یہی کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنا خدا بنائے پھرتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے طاقتور لوگوں کو اپنا خدا بنائے پھرتا ہے اور اپنی تمناؤں کو ہر دوسری چیز پر غالب رکھتا ہے۔ ایسا شخص جب یہ دعا کرے گا تو اس کی دعا میں کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ خدا کہے گا تم کہتے ہو کہ مجھے تم نے اِلٰهِ بنایا اور روزمرہ کی زندگی میں تم نے سینکڑوں اور بت بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے دعاؤں میں اثر کے لئے نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے اور اگر کامل نیک اعمال نہ بھی ہوں تو نیک نیتی کے ساتھ نیک اعمال کی کوشش کرنے کا دعاؤں میں بہت بڑا دخل ہے۔ انسان عاجزی کے ساتھ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اے خدا میں گنہگار ہوں مجھ سے بہت ہی بدیاں سرزد ہوتی ہیں، میں بار بار گناہوں میں مبتلا ہوتا ہوں لیکن مرا دل تیرا احترام کرتا ہے، میرا دل تجھ سے محبت کرتا ہے، میں جانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی نہیں جو مجھے بچاسکے۔ یہ التجا اگر درد سے کی جائے تو اللہ تعالیٰ بہت غفور الرحیم ہے وہ گناہوں سے پردہ پوشی بھی فرماتا ہے۔ ان کی بخشش بھی فرماتا ہے۔ لیکن دل کی آخری تمنا خدا ہونا چاہئے۔ اس کا معنی ہے اِلٰهِ آخری تمنا، آخری مدعا، آخری مقصود خدا ہونا چاہئے۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر آپ کی یہ دعا غیر معمولی طاقت کے مظاہرے دکھائے گی۔ اِلٰهِ النَّاسِ میں اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو تمام بنی نوع انسان کا ایک ہی معبود ہے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ کس چیز سے پناہ مانگ رہا ہوں۔ ہر قسم کے وسوسوں سے۔ الۡوَسۡوَاسِ کہتے ہیں وسوسے پھیلانے والوں کو۔ عام طور پر وسوسوں سے نجات پانے کے لئے دعا مانگی جاتی ہے۔ مگر لفظی ترجمہ اس کا یہ ہے مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ایسے وسوسے پیدا کرنے والے کے شر سے جو الۡخَنَّاسِ بھی ہے، یعنی خاموشی سے شرارت سے وسوسے پیدا کر دیتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے اور بسا اوقات آپ کو پتا بھی نہیں لگتا کہ کس بدنیتی کے ساتھ آپ کے دل میں ایک شک کا بیج بو گیا ہے۔ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ایک ایسا دور آنے والا ہے جب

کہ یہ خناس تمام دنیا میں خدا کے خلاف اس کی ربوبیت کے خلاف اس کی الٰہیت اور ملکیت کے خلاف وسوسے پھیلانا شروع کرے گا اور آج کا یہ وہ دور ہے جس دور میں سے ہم گزر رہے ہیں کیونکہ آج کی دنیا میں ایسے فلسفے پیدا ہو چکے ہیں جو خدا کو رب نہیں بناتے بلکہ دنیا کے طاقتور ملکوں کو رب بناتے ہیں اور ان سے احتیاج کا تصور اتنا مضبوط ہو چکا ہے کہ ہر حاجت کے وقت سب سے پہلے بڑی طاقتیں ذہن میں آتی ہیں کہ فلاں سے مدد مانگیں گے، فلاں سے مدد مانگیں گے۔ مسلمان ممالک کو دیکھیں جب ضرورت پڑتی ہے وہ کشکول اٹھاتے ہیں، کبھی امریکہ کی طرف بھاگتے ہیں کبھی روس کی طرف بھاگتے ہیں۔ کبھی چین کی طرف چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِلٰہِ ہمارا خدا ہے۔

پس عملی دنیا میں آج وہ زمانہ ہے جب کہ ہمارے اِلٰہِ بکھر چکے ہیں اور بہت سے بن چکے ہیں اور رب بھی بہت سے اور ہو چکے ہیں۔ تو فرمایا کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے، جبکہ تمہارے ایمان کی جڑیں کھوکھلی کرنے والی طاقتیں پیدا ہوں گی۔ وہ تمہارے دل میں وسوسے پیدا کریں گی۔ اور تم ان وسوسوں کے نتیجہ میں نہ خدا کو اپنا رب سمجھو گے نہ اپنا بادشاہ سمجھو گے۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو بادشاہ سمجھنے لگ جاؤ گے اور نہ ان کو معبود سمجھو گے کیونکہ فی الحقیقت تمہارے دل میں تمہاری آرزوؤں کی عبادت ہو رہی ہوگی۔ فرمایا۔ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۶﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ (الناس: ۶ تا ۷) یہ وہ شر پیدا کرنے والی طاقتیں ہیں جن سے ہم پناہ مانگتے ہیں، جو بڑے لوگوں میں سے بھی ہیں اور چھوٹے لوگوں میں سے بھی ہیں۔ بوژوا بھی ہیں اور Proletariat بھی ہیں Capitalist بھی ہیں اور سائنٹفک سوشلسٹ بھی ہیں الجن سے یہاں مراد بڑی بڑی طاقتیں اور عظیم الشان طاقتیں ہیں اور الناس سے مراد عوامی طاقتیں ہیں۔ تو یہ دعا اس زمانہ کے اوپر ہر پہلو سے اطلاق پا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سونے سے پہلے ان دعاؤں کو پڑھتے تھے اور اپنے ہاتھوں پر پھونکتے تھے اور اپنے جسم پر ملتے تھے (حوالہ۔۔)۔ اس میں کوئی Superstition نہیں ہے۔ دعا تو خدا سنتا ہے جسم پر ملتے کیوں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ محبت کا اظہار ہے۔ بعض دفعہ کسی پیارے کا کپڑا انسان کو مل جائے۔ اسے انسان اپنے جسم پر ملتا ہے۔ اپنے منہ سے لگاتا ہے اسے چومتا ہے۔ پس میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ جسم پر ملنا اس غرض سے نہیں تھا کہ آپ سمجھتے تھے کہ اگر جسم پر مل لی گئی تو میں بلاؤں سے بچ جاؤں گا آپؐ تو محفوظ مقام پر تھے۔ آپؐ کو تو ہمیشہ

سے خدا کی حفاظت حاصل تھی اور دعائیں خدا سے کیا کرتے تھے اور جانتے تھے کہ حفاظت خدا کی طرف سے آئے گی پس جسم پر دعاؤں کو پھونک کر ملنا سوائے عشق اور محبت کے اظہار کے اور کچھ نہیں۔ خدا کے کلام کو پڑھتے تھے۔ دل اس میں ڈوب جاتا تھا۔ محبت اچھلنے لگتی تھی۔ بڑے پیار کے ساتھ ہاتھوں پر پھونکتے تھے۔ اپنے جسم پر اس پیارے کلام کو ملتے تھے۔

اس جذبے اور ولولے کے ساتھ اگر جماعت دعائیں کرے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ انعام پانے والوں کی جس راہ کی ہم تمنا کرتے ہوئے روزانہ پانچ وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ۝۶ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ اے ہمارے رب ہمیں صراط مستقیم پر چلا اس صراط مستقیم پر جس پر ہم سے پہلے وہ لوگ چلتے رہے جن کو تو نے انعاموں کے لئے چن لیا، جن پر تو نے انعاموں کی بارشیں نازل فرمائیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جو یہ دعائیں کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چلا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے ہم ان دعاؤں کا حق ادا کرنے والے ہوں اور ان دعاؤں کے نتیجہ میں ہم ان راہوں پر چلیں جہاں ہمیشہ اللہ کی طرف سے انعام کی بارشیں برستی رہیں۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

میں نے اس جمعہ کا آغاز جمعہ کے معنی کے بیان سے کیا تھا اور میں نے آپ کو یہ خوشخبری دی تھی کہ ہم آج جماعت احمدیہ وہ جماعت ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں سورۂ جمعہ میں ملتا ہے اور آخری زمانہ کے لوگ جو پہلے زمانے کے لوگوں سے ملائے جائیں گے وہ اللہ کے فضل کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیرت پر عمل کرنے والے لوگ ہوں گے۔ اس سے آپ ان پہلوں سے ملیں گے، اس کے بغیر نہیں لیکن یہ زمانہ اور لحاظ سے بھی جمع کا زمانہ ہے۔ اتنی دور دور کے ممالک ایک جگہ مختلف رنگ میں جمع ہو جاتے ہیں کہ انسان کی عقل حیرت میں مبتلا ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس بات کا ہمیں مزید یقین دلانے کے لئے کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کا سورۂ جمعہ سے گہرا تعلق ہے ایسی نئی ایجادات فرمادی ہیں جن کے نتیجہ میں یہاں بیٹھے ہم دور دور کے احمدیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور اکٹھے ایک جگہ جمع ہو چکے ہیں۔ عید کا جو خطبہ میں نے دیا تھا اس کے متعلق ابھی مجھے رپورٹ ملی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اسی وقت دنیا کے چوبیس ممالک میں

سنا جارہا تھا اور دنیا کی تریسٹھ جماعتیں اس کو براہ راست سن رہی تھیں اب یہ سلسلہ انشاء اللہ پھیلتا چلا جائے گا اور ظاہری طور پر بھی صرف جماعت احمدیہ ہے اور صرف جماعت احمدیہ ہے جس کو خدا نے یہ توفیق بخشی ہے کہ اس طرح ایک زمانے کے مختلف لوگوں کو بھی ایک ہاتھ پر جمع کر دے۔ پس ان معنوں میں یہ ہمارے لئے خوشخبری بھی ہے اور ذمہ داریوں کو بڑھانے والی بات بھی ہے۔

مغضوب اور ضآلین کی دعائیں اور ان کی حقیقت

فرعون کی بدنی نجات سے مراد ایک بے اختیار زندگی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵/ جولائی ۱۹۹۱ء بمقام ٹورنٹو۔ کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا یہ خطبہ جمعہ جو میں ٹورانٹو انٹار یو کینیڈا سے دے رہا ہوں ٹورانٹو کے علاوہ کینیڈا کے تین اور شہروں میں بھی سنا جا رہا ہے۔ یعنی وینکور، ایڈمنٹن اور کیلگری اسی طرح یونائیڈ سٹیٹس کے پانچ شہروں میں یہ خطبہ براہ راست سنا جا رہا ہے یعنی نیویارک، واشنگٹن، شکاگو، ولنگبر و اور نیو جرسی۔ اسی طرح دنیا کے دوسرے ممالک میں سے حسب سابق ماریشس اور جاپان کے علاوہ پیرس (فرانس) میں بھی اور ڈنمارک اور فرنکفرٹ (جرمنی) میں بھی پیرس کی طرف سے یہ اطلاع مجھے ملی ہے کہ چونکہ آج وہاں خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا ہے اور یہ فرانس کی تاریخ میں غالباً پہلا سالانہ اجتماع ہے اس لئے انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس خطبے میں ان خدام کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے لئے بھی حوصلہ افزائی کے کچھ الفاظ کہہ دوں۔ میں اپنی طرف سے بھی اور آپ سب کی طرف سے بھی جو یہاں اس خطبے میں شریک ہیں مجلس خدام الاحمدیہ فرانس کے ہونے والے اجتماع پیرس میں جتنے احباب شامل ہیں خواہ وہ خدام ہیں، انصار ہیں خواتین ہیں یا بچے ہیں سب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ہر لحاظ سے کامیاب بنائے اور یہ اجتماع تو دو تین دن میں ختم ہو جائے گا مگر اس کی برکتیں اور فوائد ہمیشہ جاری رکھے۔ (آمین) اب میں اصل

مضمون کی طرف آتا ہوں۔

ایک لمبے عرصے سے نماز سے متعلق خطبات کا ایک سلسلہ جاری ہے جس میں سورہ فاتحہ سے نماز میں استفادہ کرنے سے متعلق مختلف خطبات دیئے ہیں۔آخری خطبہ اس مضمون پر تھا کہ نماز میں جب ہم اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہتے ہیں تو وہ خدا کے پاک بندے جن پر خدا نے انعام فرمایا ان کے رستے پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں اس لحاظ سے ہم پر ضروری ہے کہ اس سفر کو آسان کرنے کے لئے ان ہی لوگوں کی دعائیں مانگیں جن کی قبولیت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمائے۔پس آخری خطبہ جو امریکہ میں اس موضوع پر تھا اس میں منعم علیہ گروہ کی دعاؤں میں سے آخری دعاؤں پر میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

اس دعا کا اگلا حصہ ہے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اے ہمارے رب ہمیں اس رستے پر نہ چلانا جس پر وہ انسان چلتے رہے جو تیرے غضب کا نشانہ بنے یا وہ لوگ چلے جنہوں نے کچھ عرصہ صراط مستقیم پر چل کر صراط مستقیم کو چھوڑ دیا اور بھٹک گئے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ بھی بعض دعائیں کیا کرتے تھے اور جیسے منعم علیہ گروہ کی دعائیں قرآن کریم میں درج ہیں الْمَغْضُوبِ اور الضَّالِّينَ کی دعائیں بھی درج ہیں پس ضروری ہے کہ ہم ان دعاؤں سے بچیں اور ان دعاؤں کی روح سے بچیں جو قرآن کریم میں عبرت کے طور پر ہمارے لئے محفوظ کی گئی ہیں اور اس پہلو سے آج کا خطبہ اسی موضوع پر ہوگا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرہ:۲۰۱) کہ بعض انسانوں میں سے ایسے بھی ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا ہمیں اس دنیا کی حسنہ عطا فرما یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔اس دعا کا پس منظر یہ ہے کہ حج کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا کہ جب تم حج کے مناسک ادا کر چکو یعنی عبادت پوری کر چکو تو پھر اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کو یاد کیا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر اس کے بعد فرماتا ہے کہ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی اچھی چیزیں عطا فرما۔

سوال یہ ہے کہ اس کا حج کے مضمون سے کیا تعلق ہے۔ وہ تعلق یہ ہے کہ وہ انسان جو اس دنیا کا ہو چکا ہو اور دنیا ہی کے لئے جیتا ہو دنیا ہی کے لئے مرتا ہو وہ جب عبادت کے معراج پر بھی پہنچتا ہے تو اس کی دعا دنیا طلبی کی دعا ہی ہوتی ہے۔ پس فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ حج میں جو لوگ میرے قریب آئے جو اپنی عبادت کے معراج کو پہنچے وہ سب کے سب ایسے ہیں جو میری تمنا لے کر آئے تھے۔ کچھ بدنصیب ان میں سے ایسے بھی ہیں جو دنیا کی آرزوئیں لے کر یہ جان جوکھوں کا سفر اختیار کرنے والے تھے اور آخر پر جب وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہے تو مجھ سے دنیا ہی مانگتے رہے۔ فرمایا میں ان کو دنیا دوں گا لیکن پھر آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ یہاں جو سزا کا پہلو ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ عبادت میں جب ایک انسان معراج کو پہنچتا ہے تو خدا قریب آ چکا ہوتا ہے۔ اس وقت خدا کو نہ مانگنا اور دنیا کی طرف جھک جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بالآخر دنیا ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ پس دنیا مانگنا منع نہیں ہے مگر جس پس منظر میں دنیا مانگنے کا نقشہ بیان ہوا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہاں جا کر وہ لوگ اپنے اندرونے کو ننگا کر دیتے ہیں۔ پس خدا بہتر جانتا ہے کہ کتنے لکھو کھہا حج کرنے والے ہیں جو دنیا طلبی کی تمنا لئے ہوئے حج کرتے ہیں لیکن یہاں اس مضمون کا تعلق صرف حج ہی سے نہیں بلکہ ہر عبادت سے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نصیحتاً فرماتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰۲) لیکن کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا ہمیں دنیا کی اچھی چیزیں بھی عطا فرما اور آخرت کی اچھی چیزیں بھی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی چیزیں ہمیں اپنی طرف اس طرح مائل نہ کر لیں کہ ہم ان کے نتیجے میں تجھے بھول جائیں اور بالآخر آگ کے عذاب کا سزاوار ٹھہریں۔ پس دنیا کی اچھی باتیں طلب کرتے ہوئے ساتھ احتیاطاً یہ دعا بھی سکھا دی گئی کہ وہ باتیں بھی تمہیں ملیں گی اور آخرت کی اچھی چیزیں بھی ملیں گی مگر یاد رکھنا کہ دنیا کی اچھی چیزوں میں گم نہ ہو جانا کیونکہ اس کے نتیجے میں پھر بھی یہ خطرہ رہے گا کہ تم خدا کے عذاب کے سزاوار ٹھہرو۔

یہ دعا سورۃ البقرہ آیت ۲۰۲ سے لی گئی تھی۔ ایک دوسری مغضوب اور ضالین کی دعا یہ ہے جو سورہ نساء کی آیت ۷۸ اور ۷۹ سے لی گئی ہے اس میں وہ یہ دعا کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے کیوں ہم پر قتال اتنا جلدی فرض کر دیا کاش تو نے اسے کچھ مدت کے لئے ٹال دیا ہوتا ان سے کہہ دے کہ دنیا کی زندگی تو ایک عارضی فائدے کی جگہ ہے اور باقی رہنے والی بھلائی آخرت ہی میں ہے۔اور تم پر کوئی اتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا جتنا کھجور کی گٹھلی کے اندر لکیر ہوتی ہے۔

اس دعا کا پس منظر یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کہ کیا تو نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن کو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا تھا کہ تم لوگوں سے اپنے ہاتھ کو روکے رکھو۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یہاں ایسے لوگوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔جن پر یکطرفہ ظلم ہو رہے ہیں اور اس ظلم کے دور میں وہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں کیوں اجازت نہیں دی جاتی کہ ہم اپنا دفاع کریں ۔ہمیں کیوں اجازت نہیں دی جاتی کہ ہم بھی جوابی حملے کریں اور اس مزاج کے لوگ جیسے پہلے زمانوں میں پائے جاتے تھے اس زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں جو احمدیوں پر ایک لمبا ابتلاء کا دور گزرا ہے۔اس میں مجھ سے بھی ایسے مطالبے ہوئے ہیں اور بعض خطوط کے ذریعے بھی بڑے بڑے احتجاج ملتے ہیں کہ ہمیں بھی موقع دیں۔ہم بھی جوابی کارروائی کریں جس طرح وہ ہم پر ظلم کرتے ہیں ہم اس کا بدلہ ان سے اتاریں لیکن ان کو میں ہمیشہ صبر کی تلقین کرتا ہوں۔

پس قرآن کریم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ مومنوں کو جوابی حملے کی اجازت نہیں دیتا اور یہ نصیحت فرماتا ہے کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور صبر سے کام لو۔ دعا کے ذریعے اور زکوٰۃ کے ذریعے نیک کاموں میں خرچ کر کے تسکین قلب حاصل کرو لیکن وہ لوگ جب بالآخران پر جہاد فرض کر دیا جاتا ہے تو اس وقت ان کا مزاج بالکل الٹ جاتا ہے۔ وہ جو پہلے بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں موقع دیا جائے ہم جوابی کارروائی کریں گے ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ کہتے

ہیں رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ اے خدا اتنی جلدی تو نے جہاد فرض کر دیا ابھی تو ہمیں طاقت ہی کوئی نہیں آئی۔ کاش کچھ اور مدت کے لئے اس فرضیت جہاد کو ٹال دیا ہوتا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ ان سے کہہ دے کہ تم دنیا میں چند دن اور بھی رہ جاؤ گے تو بالآخر یہ دنیا عارضی ہے اور اس دنیا کے فائدے بھی چند دنوں کے فائدے ہیں۔ جو باقی رہنے والی حسنات ہیں وہ تو آخرت ہے۔ پس چند دن کے جہاد کو ٹالنے سے تمہیں کیا فرق پڑے گا۔ بہرحال یہ جو دعا ہے یہ اس سے پہلے کی ایک کیفیت سے تعلق رکھتی ہے جو کھلی کیفیت ہے اور وہ مومنوں کو دھوکا دینے والی بات ہوتی ہے۔ عام طور پر ایسے لوگ جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں وقت آنے پر ہمیشہ بزدلی دکھایا کرتے ہیں۔

پھر سورۃ انعام ۲۸ تا ۳۱ میں الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی یہ دعا ہے وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کاش تو دیکھتا ان لوگوں کو جو آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے یعنی مرنے کے بعد ان کا عذاب ان کو دکھائی دینے لگے گا۔ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا کاش ایسا ہو کہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے۔ تب ہم ہرگز اپنے خدا کی اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہیں کریں گے وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم یقیناً مومنوں میں سے ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ان کی وہ صورت حال وہ حقیقت ظاہر ہو چکی ہے جو اس سے پہلے وہ چھپایا کرتے تھے۔ لیکن اگر وہ دوبارہ لوٹا دیئے جائیں تو پھر بھی وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا جاتا تھا یا منع کیا جاتا ہے اور اس دعوے میں وہ جھوٹے ہیں کہ اگر ہمیں ایک اور مہلت دی جائے تو اس مہلت سے استفادہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کریں گے اور خدا تعالیٰ کے احکامات کے مطابق کریں گے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے اور اس کا فیصلہ دراصل اس دنیا میں ہو چکا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ اگر ان کو دوبارہ لوٹایا جائے تو وہی کریں گے یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ اس کا ثبوت ان لوگوں کی زندگیوں سے بارہا ملتا ہے ہر وہ شخص جو اپنے گناہ کے نتیجے میں اپنی پاداش عمل کا منہ دیکھنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی سزا قریب آ گئی ہے۔ ہمیشہ یہی

کہتا ہے کہ اگر اس دفعہ میں نہ پکڑا جاؤں تو میں تو بہ کرلوں گا اور جب مشکل ٹل جاتی ہے۔ جب ابتلاء دور ہو جاتا ہے تو پھر دوبارہ وہی حرکتیں کرتا ہے۔ ایسے طالب علم آپ نے دیکھے ہوں گے اور میں ذاتی تجربے کے طور پر بھی جانتا ہوں کہ جب امتحان سر پر آجایا کرتا تھا تو وہ بہت توبہ کیا کرتے تھے کہ اگلی دفعہ جب نئے سال ترقی کریں گے تو پھر شروع سے ہی کتابیں اچھی طرح سنبھال کر رکھیں گے۔ خوب پڑھیں گے محنت کے ساتھ اس دفعہ کسی طرح یہ بلا ٹل جائے اور ایسے طلباء جو یہ باتیں کرتے ہیں جب بھی بلا ٹلتی ہے دوبارہ پھر بالکل ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے امتحانوں میں تو کوئی ایسی بات نہیں مگر جب خدا کے حضور ایسے وعدے کئے جائیں اور بار بار پہلی حالت کی طرف رجوع کیا جائے تو پھر قیامت کے دن خدا تعالیٰ کا یہ جواب دیکھیں کیسا برحق ہے کہ تم وہی تو ہو جو پہلے اسی قسم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ آج اگر ہم یہ عذاب ٹال دیں اور تمہیں واپس لوٹا دیں تو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ تم پھر دوبارہ وہی حرکتیں کرو گے جو اس سے پہلے کرتے چلے آئے ہو۔ پس ایسی باتیں کرنا جب پکڑ کا وقت آجائے اور امتحان کا وقت ختم ہو جائے بالکل بے معنی اور لغو باتیں ہیں ایسی دعا سے استغفار اور اس کے مواقع سے استغفار کرنا چاہئے۔

سورۃ الانعام کی ایک دعا ہے ۱۲۹ اور ۱۳۰ آیات میں۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ

فرماتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا جب اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ اے جنوں میں سے سردار اور بڑے لوگو تم نے عوام الناس کا خوب استحصال کیا ہے۔ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ عوام الناس میں سے جو بڑے لوگ ہیں وہ خدا کے حضور یہ عرض کریں گے۔ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ اے خدا ہم میں سے بعض نے بعض کا استحصال کیا ہے وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا یہاں تک کہ وہ مدت جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرما رکھی تھی وہ پوری ہوئی۔ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے تم اس میں لمبے عرصے تک رہو گے۔ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ

سوائے اس کے کہ اللہ اس بلا کو ٹالنے کا فیصلہ فرمالے۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ بہت حکمتوں والا اور بہت جاننے والا ہے۔

ان آیات میں بظاہر دعا پیش نہیں کی گئی مگر ایک ایسی حالت بیان کی گئی ہے جس کے نتیجے میں اپنی حالت خدا کے حضور پیش کرنے والے رحم کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ دعا جو عذاب کے سامنے حاضر ہونے کے بعد بعض لوگ کریں گے نسبتاً زیادہ مطالعہ کی محتاج ہے تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ یہاں جن سے کیا مراد ہے انس سے کیا مراد ہے اور کیا بات پیش کی جارہی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے فرمایا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ اے جنو تم نے لوگوں میں سے، عوام الناس میں سے اکثر سے ناجائز فائدے اٹھائے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر جن وہ مخلوق ہے جس کے متعلق عوام الناس میں مشہور ہے اور خاص طور پر مُلاں لوگ مشہور کرتے رہتے ہیں کہ یہ انسانوں سے ہٹ کر ایک ایسی مخلوق ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ اس کے متعلق کب انسان کے سامنے یہ بات آئی ہے، کب انسانی تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ ان فرضی جنوں نے بھاری تعداد میں انسانوں سے فائدہ اٹھایا ہو اور ان کو اپنا غلام بنالیا ہو۔ کوئی اتفاق سے کہیں کوئی ایسا مریض ملتا ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو جن چڑھ گیا اور اس نے اس کو قابو کر لیا۔

پس یہاں لازماً جن سے مراد کچھ اور ہے اور وہی معنی ہیں جو جماعت احمدیہ کی تفاسیر میں ہمیں ملتے ہیں یعنی جن سے مراد بڑے لوگ ہیں اور جب خدا جن اور انس کا ذکر ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر فرماتا ہے تو اس سے ہمیشہ مراد Capitalist اور Proletarlat یعنی عوام الناس اور بورژوا لوگ ہیں ایک دوسرے کے مقابل پر یعنی بوژوا کے مقابل پر Proletarlat جو بڑی بڑی استحصالی طاقتیں ہیں مثلاً مغربی طاقتیں Proletariat ان کے مقابل پر اشترا کی طاقتیں اور بڑے آدمیوں کے مقابل پر چھوٹے غریب بے کس عوام۔ یہ مقابلہ ہمیشہ کیا جاتا ہے جن اور انس کے ذریعہ اور اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ لفظ استحصال کا ذکر یہاں خوب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیشہ اشترا کیت کی طرف سے یہی آواز اٹھائی گئی ہے کہ مغربی Capitalist طاقتیں استحصالی طاقتیں ہیں اور سائنٹفک سوشلزم کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ بعض لوگ بعض غرباء کا استحصال کرتے ہیں اور اس

کے ردعمل کے طور پر ایک اشترا کی نظام وجود میں آیا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہم بڑے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہیں گے قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْإِنْسِ تم نے عوامی طاقتوں کو زیر کرلیا ہے اور ان سے بہت سے استفادے کئے ہیں۔ ایسے استفادے جو استحصال کہلاتے ہیں جو جائز نہیں ہیں۔ یہ ایک دور تو وہ تھا جو جنگ عظیم سے پہلے کا دور تھا جبکہ اشترا کی نظام مقابل پر ابھرا نہیں تھا اور اس وقت ایک ہی Capitalist نظام تھا جو ساری دنیا کو زیر کئے ہوئے تھا۔ ایک اب وہ دور ہے جس میں ہم داخل ہو رہے ہیں اس میں پھر Capitalistic نظام اکیلا رہ گیا ہے اور اکثر عوامی نظام کو اس نے زیر منقار کرلیا ہے، اپنی لگام کے نیچے لے لیا ہے وَقَالَ أَوْلِيَؤُهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ۔ یہ ذکر چل رہا ہے قیامت کے دن ان دونوں گروہوں کو سزا دی جائے گی یہ پس منظر ہے اس آیت کا۔ اس وقت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو عوام الناس ہیں وہ یہ عرض کریں گے کہ اے خدا یہ لوگ غالب تھے اور طاقتور تھے۔ انہوں نے ہمارا استحصال کیا اور اس استحصال کے نتیجے میں ہم سے بدیاں سرزد ہوئیں۔ ہم ان کے پیچھے چل پڑے اور اس معاملے میں ہم مجبور تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کہ یہ کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے جس کے نتیجے میں انسان خدا کو چھوڑ دے اور راہ راست سے ہٹ جائے اس لئے اگر دنیا میں انہوں نے تمہارا استحصال کیا تو اس کا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ تم گناہوں پر مجبور ہو گئے اور الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لئے یہ عذر قبول نہیں ہوگا۔ گمراہوں کی یہ دعا ہمارے لئے ایک عبرت ہے۔ بہت سے ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ بڑے لوگوں کے تابع ہیں ان کے ہاتھوں مجبور ہیں اس لئے ہم اپنے گناہوں کی پاداش نہیں دیکھیں گے، ہم اپنے گناہوں کی سزا نہیں پائیں گے کیونکہ ہم تو مجبور تھے۔ اللہ تعالیٰ اس عذر کو رد فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ ہر انسان اپنا خود ذمہ دار ہے۔ اگر کسی بڑے آدمی کے پیچھے لگ کر تم بدی کرو گے تو یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ ہم بڑے آدمی کے اثر کے نیچے مجبور تھے۔

ایک دعا سورۂ اعراف کی آیت ۱۲ تا ۱۹ میں ہے یعنی دعا تو آیت ۱۵، ۱۶، ۱۷ میں اور ۱۸ میں درج ہے لیکن آیات جو درج ہیں یہاں یہ ۱۲ تا ۱۹ ہیں۔ دعا یہ ہے قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

(الاعراف: ۱۵) یہ شیطان کی دعا ہے اب اندازہ کریں کہ دعاؤں کا مضمون کتنا پھیلا ہوا ہے نعمتوں کی دعائیں کرنے والوں میں سرفہرست حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، پھر فرشتے ہیں، پھر خدا کے دیگر انبیاء اور ہر قسم کے نیک لوگ اور الْمَغْضُوبِ اور الضَّآلِّيْنَ کی دعا کرنے والوں میں سرفہرست شیطان ہے اس کی دعا بھی محفوظ فرمالی گئی اور بتایا گیا کہ تمہیں کس شیطان سے واسطہ ہے کونسی دعا تمہیں نہیں مانگنی چاہئے اور جس قسم کے شر سے تمہیں واسطہ پڑے گا اس کی کیفیت کیا ہے۔ وہ اپنے لئے خدا سے کیا مانگ بیٹھا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک مدت کے لئے اس کی یہ دعا قبول فرما چکا ہے اس لئے ہمیں بہت ہی کھلے لفظوں میں متنبہ فرما دیا گیا ہے۔ فرمایا شیطان نے کہا اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اے خدا مجھے اس دن تک مہلت دے دے جس دن سب لوگ اٹھا کر تیرے حضور حاضر کئے جائیں گے۔ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (الاعراف: ۱۶) فرمایا! ہاں تجھے مہلت دی جاتی ہے تو بعض دفعہ بددعا بھی قبول ہو جاتی ہے اور یہ کہنا کہ ہم نے فلاں دعا مانگی اور قبول ہوگئی صرف یہی کافی نہیں ہے اگر بددعا قبول ہو تو بہت بڑی لعنت ہے۔ اگر نیک دعائیں قبول ہوں تو پھر قربت کا نشان ہے نہ کہ بددعاؤں کا قبول ہو جانا اور بددعاؤں کے قبول ہونے کی بھی بعض حکمتیں ہیں۔

بہر حال خدا نے وہیں فرما دیا کہ ہاں تجھے چھٹی ہے۔ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ (الاعراف: ۱۷) اس نے کہا اچھا اگر مجھے اجازت ہے تو میں بتاتا ہوں کہ میں کیا کروں گا چونکہ تو نے مجھے گمراہ قرار دے دیا ہے اور ساتھ ہی اجازت دیدی ہے کہ میں تیرے بندوں کو بھٹکاؤں اس لئے لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ میں صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا اور ہر وہ شخص جو صراط مستقیم سے گزر رہا ہوگا اس کو بھٹکانے کی کوشش کروں گا۔ تو دیکھیں جب ہم دعا کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تو یہ کافی نہیں ہے تبھی اس کے بعد یہ تشریح آتی ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ راستہ تو سیدھا ہے مگر اس سیدھے راستے پر بھٹکانے والے لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، وسوسے پیدا کرنے والے بھی بیٹھے ہوئے ہیں طرح طرح کے عذر تراش کر یہ سمجھانے والے بھی بیٹھے ہیں کہ یہ کرلو تو کوئی حرج نہیں وہ کرلو تو کوئی حرج نہیں۔ اتنی سی بات سے کیا ہوتا ہے۔ تو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر جگہ جگہ اسی طرح یہ شیطان بیٹھے ہوئے ہیں جس طرح بعض دفعہ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے رستے میں بیٹھے ہوئے فقیر ملتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے بنا کر یہ انسان کو بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ راز ہم پر کھول دیا ہے اگر یہ چھپا رہتا تو ہمارا دھوکا کھانا شاید کوئی عذر رکھتا۔ لیکن یہ سب کچھ بیان ہونے کے بعد ہمارا پھر آنکھیں کھول کر دھوکا کھانا یہ ہمارے گناہوں کی شدت کو بڑھا دیتا ہے۔ کہتا ہے پھر میں کیا کروں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ (الاعراف: ۱۸) میں پھر ان کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی آؤں گا یعنی پیچھا ہی نہیں چھوڑوں گا صرف رستے پر بیٹھا نہیں رہوں گا بلکہ ساتھ ساتھ بھاگوں گا اور میں نے دیکھا ہے بچپن میں ایسے فقیر بڑا تنگ کیا کرتے تھے جن کو اگر کچھ نہ دو تو وہ آگے بھی ہوتے تھے پیچھے بھی ہوتے تھے۔ رستے روکتے تھے پیچھے سے دامن پکڑتے تھے اور لوگوں کا پیچھا چھوڑتے نہیں تھے جب تک ان کو کچھ مل نہ جائے۔

تو خدا نے شیطان کا بھی ویسا ہی نقشہ کھینچا ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صراط مستقیم پر بیٹھا نہیں رہے گا ساتھ ساتھ دوڑے گا اور کبھی سامنے سے آ کر کوئی بات کرے گا کبھی پیچھے سے آ کر کان میں کچھ پھونکے گا اور مجبور کرے گا کہ تم اس کی بات مان کر الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ سے ہٹ جاؤ اور ٹھوکر کھا جاؤ۔ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ پھر کبھی وہ دائیں طرف سے بھی آئے گا اور کبھی بائیں طرف سے بھی آئے گا۔ دائیں طرف سے مراد یہ ہے کہ دین پر کھلے کھلے حملے کرے گا۔ اور بائیں طرف سے مراد یہ ہے کہ لالچیں دے گا کیونکہ بائیں طرف دنیا کا نشان ہے اور دائیں طرف دین کا نشان ہے غرضیکہ ہر طرح سے وہ مشکلوں میں مبتلا کر دے گا۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ یعنی شیطان یہ بتائے گا کہ میں یوں کروں گا اور یوں بھی کروں گا اور پیچھا نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ میں تجھے بتا دیتا ہوں کہ تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ (الاعراف: ۱۹) خدا نے فرمایا کہ اے شیطان تو میرے دربار سے باہر نکل جا۔ تیری ہمیشہ مذمت کی جائے گی اور تو درگاہ سے راندہ ہوا ہے پس جو بھی تیری پیروی کرے گا اس کا بھی ویسا ہی حال ہو گا اور میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

یہاں ایک پتے کی بات شیطان نے بیان کر دی جس سے مومن کو فائدہ اٹھانا چاہئے جس طرح لقمان سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو نے حکمت کی باتیں کس سے سیکھیں۔اس نے جواب دیا کہ بے وقوفوں سے۔تو بعض دفعہ شیطان سے بھی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس سے مومن فائدہ اٹھا لیتا ہے۔اول تو اس کا سارا بیان خدا نے ریکارڈ کر دیا اور ہمارے سامنے رکھ دیا کہ یہ باتیں ہیں جن کے متعلق میں اس کو اجازت دے بیٹھا ہوں۔دوسری بات یہ ہے اس نے آخری نتیجہ یہ نکالا ہے وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ کہ اے خدا تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں دیکھے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ شکر گزار انسان ٹھوکر نہیں کھا سکتا کوئی ایسا شخص جو احسان مند ہو اور اس کے اندر احسان مندی کا جذبہ پایا جاتا ہو اور اس کے دل میں کسی محسن کے احسانات کا احساس رہے وہ شخص اس طرح حد سے نہیں گزر سکتا کہ محسن کے خلاف کارروائی کرے۔بعض انسان ایسے ہیں جو احسان فراموش ہوتے ہیں ان سے آپ ساری عمر احسان کا سلوک کریں ذرا سامنہ موڑیں تو وہ اس کے نتیجے میں آپ کے مخالف ہو جاتے ہیں اور بعض آپ کو گزند بھی پہنچانے کی کوشش بھی کرتے ہیں ایک فارسی کا شعر اس مضمون کا بہت ہی اچھا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ دیکھو کتا ایک ایسا جانور ہے کہ تم اس کو ایک دفعہ روٹی کا ٹکڑا ڈال دو پھر اس کو سو دفعہ مارو لیکن وہ تم پر حملہ نہیں کرے گا لیکن بعض انسان ایسے بدنصیب ہیں کہ ان کو سو دفعہ روٹی ڈالو ایک دفعہ ان سے منہ موڑ لو تو وہ تم پر بھونکنے لگتے ہیں اور تمہارے خلاف ہو جاتے ہیں اور تم سے بدلے اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔تو شیطان نے بہت پتے کی بات کہی ہے تبھی خدا نے اس کو محفوظ کر لیا اور ہمیں شیطان سے بچنے کی راہ سکھا دی۔وہ شخص جو احسانات کے نتیجے میں زیر بار ہو جاتا ہے اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہوتا کہ اپنے محسن کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔

پس وہ انسان جو چاروں طرف سے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں سے اللہ تعالیٰ کے احسانات سے گھرا ہوا ہے اس کے اوپر بھی احسانات ہیں اور اس کے نیچے بھی احسانات ہیں اللہ تعالیٰ یہ توجہ دلا رہا ہے کہ شیطان ایسے شخص پر حملہ نہیں کر سکتا جو ان احسانات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے والا ہے کیونکہ شیطان کہتا ہے کہ میں دائیں طرف سے بھی حملہ آور ہوں گا۔دائیں طرف سے بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس اس کا دفاع کر رہا ہوگا۔وہ کہتا ہے میں سامنے سے آؤں گا۔سامنے سے بھی

اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس اس کا دفاع کر رہا ہوگا۔ اسی طرح آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف اللہ تعالیٰ کے احسانات انسان کو گھیرے ہوئے ہیں اور ایک احسان مند ہونے والا دل کبھی بھی اس کے نتیجے میں شیطان کے حملے کا نشانہ نہیں بن سکتا۔ تو شیطان نے پتے کی بات یہ کہی کہ میں ناشکروں پر حملے کروں گا اور جتنے ناشکرے ہیں وہ میرے غلام بن جائیں گے اور یہ بات درست ہے۔

گناہ کا آغاز ناشکری سے ہوتا ہے اور اس کا انجام وہی ہے جس طرح قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا کہ تم سب سے پھر میں جہنم کو بھر دوں گا۔ ایک دوسری جگہ اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جو میرے عبد ہیں ان پر تو غالب نہیں آسکے گا جو چاہے کر لے۔ اور عبد سے مراد وہی ہے کہ جو احسان مند لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھ کے اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔

ایک اور دعا ہے سورۃ اعراف آیات ۳۸ تا ۴۰ میں ان میں دعا والا حصہ یہ ہے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ

فرمایا کہ جب ایک امت، ایک قوم، بعض گروہ جب نئے داخل ہوں گے جہنم میں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ کہ اے لوگو تم اپنے ہی جیسی ایک اور امت کے مقام میں داخل ہو جاؤ تم سے پہلے بھی کچھ لوگ ایسے گزرے تھے جو تمہارے جیسے اعمال کیا کرتے تھے ان کا جو ٹھکانا ہے وہی تمہارا ٹھکانا ہے یعنی خدا دنیا میں مختلف زمانوں میں آنے والے انسانوں سے ناانصافی نہیں کرے گا جن اعمال کے نتیجے میں پرانے زمانوں میں بعض لوگ کسی خاص انجام کو پہنچے ویسے اعمال کرنے والے خواہ جب آئیں بالآخر ان کا بھی وہی مقام ہوگا۔ فرمایا كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا اور اس حال میں وہ لوگ داخل ہوا کریں گے کہ جب بھی کوئی لوگ داخل ہوں گے تو اپنے جیسوں پر لعنت بھیجیں گے جس طرح مومن جب جنت میں داخل ہوں گے تو سلام کہا کریں گے اسی طرح جہنم میں جانے والے اپنے ساتھیوں پر لعنت بھیجیں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا یہاں تک کہ جب وہ سب اکٹھے ہو جائیں گے۔ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ اس وقت بعد میں آنے والے اپنے پہلے آنے والوں کے متعلق اپنے رب سے یہ عرض کریں گے کہ اے خدا یہ وہ شیطان لوگ ہیں جن کے پیچھے چل کر ہم نے اپنا دین بھی گنوایا اور اپنی دنیا بھی گنوائی ۔ یہ وہ بد بخت ہیں جن کو ہم نے اپنا امام بنالیا تھا پس ان کو دوہرا عذاب دے اور یہ بھی ایک خاص گناہ گار کی فطرت کا اظہار ہے ایک مومن تو یہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا بخش دے ۔معاف کر دے ۔اور جو شیطان صفت لوگ ہیں ان کو مزا اور ہی طرح آتا ہے ان کو اگر اپنی بخشش میں مزا نہیں تو دوسرے کے زیادہ عذاب میں مزا ہے۔اپنی دنیا کی زندگیوں میں بھی ان کا یہی طریقہ ہوا کرتا تھا کہ کسی کے دکھ کو دیکھ کر ان کو سکون ملتا تھا۔تو جہنم میں جا کر بھی ان کا مزاج نہیں بدلے گا وہ یہ نہیں کہیں گے کہ اے خدا ان بد بختوں نے ہمیں گمراہ کیا اور اس لئے ہمیں معاف کر ہم سے رحم کا سلوک فرما۔ وہ کہیں گے اچھا پھر ان کے دہرے عذاب کا مزا ہمیں چکھا۔اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا لِكُلٍّ ضِعْفٌ دیکھو دونوں کے لئے دوہرا ہی عذاب ہے ۔ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ لیکن تم اس بات کو سمجھتے نہیں ۔دونوں کے لئے دوہرا عذاب کیوں ہے ایک دوسرے کے لئے گمراہی کا موجب بنا اور ایک نے گمراہی اختیار کی۔

سوال یہ ہے کہ اس کا یہ جواب کیوں دیا گیا کہ دونوں کے لئے دوہرا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی کی پیروی کرتے ہوئے ایک برا نمونہ پیش کرتا ہے وہ محض کسی برے نمونے کے پیچھے چلنے والا نہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے خود بھی وہ ٹھوکر کا سامان بن جاتا ہے۔تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے ان کی پیروی کی اسلئے ان کو دوہرا عذاب دیا جائے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم تو پیروی کر کے اب میرے حضور حاضر ہو گئے لیکن تم نہیں جانتے کہ تم نے کتنے بدنمونے پیچھے چھوڑے ہیں اور کتنی آنے والی نسلوں کی گمراہی کے سامان پیدا کئے ہیں اس لئے جس دلیل سے تم کہتے ہو کہ ان کو دوہرے عذاب میں مبتلا فرما وہی دلیل تمہارے دوہرے عذاب کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔پس اللہ تعالیٰ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں اور خدا تعالیٰ جب گمراہوں اور مغضوبوں سے باتیں کرتا ہے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوٹوک جواب دے دیا کوئی دلیل نہیں لیکن جب آپ گہری نظر سے دیکھیں تو خدا کے دوٹوک جواب میں گہری حکمت کارفرما ہوتی ہے اور بہت ہی پر شوکت

اور پر حکمت کلام ہے چنانچہ یہ بات سن کر پھر خدا فرماتا ہے وَقَالَتْ اُولٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (الاعراف:۴۰) کہ دیکھ لیا تم نے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں دی گئی۔ تم سے کوئی غیر معمولی سلوک نہیں کیا جائے گا اب آؤ مل کر ہم اس عذاب کو چکھیں جو ہم نے بھی کمایا تھا اور جو تم نے بھی کمایا ہے۔

سورۃ الانفال آیت ۳۱ تا ۳۴ میں سے ایک آیت میں یہ دعا ہے:۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کہ بعض ایسے بد بخت لوگ ہیں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے مخالفین میں سے کیونکہ ان کا ذکر ہورہا ہے جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے اللہ اگر واقعی محمد مصطفی ﷺ حق پر ہیں اور تو نے ان کو حق عطا کیا ہے۔ یہ حق تیری طرف سے ہے فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ تو ہم پر پھر آسمان سے پتھروں کی بارش نازل فرمایا اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یا ہمیں بہت ہی دردناک عذاب دے۔

یہ دعا کفار مکہ کی دعا ہے اور روایات سے پتا چلتا ہے کہ ابوجہل نے یہ دعا کی تھی اور یہ کہا تھا کہ جس بندے کا میں انکار کر بیٹھا ہوں مجھے اتنا یقین ہے کہ یہ جھوٹا ہے کہ میں بڑی دلیری کے ساتھ تجھے مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اے خدا اگر تو نے اس کو سچ عطا کیا ہے تو پھر آسمان سے بے شک مجھ پر پتھروں کی بارش نازل فرما اور جو بھی دردناک عذاب ہوسکتا ہے ہمیں پہنچے۔

ایک دفعہ ایک بدوی نے بنو عباس کے ایک خلیفہ کو یہ طعنہ دیا کہ تم لوگ جو قریش مکہ بن کر اپنی فضیلتوں کے قصے سناتے رہتے ہو۔ خدا نے ہم پر تمہارا حال کھول دیا ہے۔ تم بڑے ہی بے وقوف لوگ ہو اور قرآن کریم نے تمہاری بے وقوفی پر ہمیشہ کے لئے گواہی دیدی ہے۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ کون سی گواہی۔ اس نے کہا تم میں سے سب سے بڑا صاحب حکمت ابوالحکم ہی تھا نہ۔ جس کو خدا نے بعد میں ابوجہل قرار دیا اور ابوالحکم کا حال یہ تھا کہ خدا سے اس نے یہ دعا کی کہ اے خدا اگر محمد مصطفی ؐ کو تو نے حق عطا فرمایا ہے تو پھر ہم پر پتھروں کی بارش نازل فرما۔ وہ بڑا پاگل آدمی تھا اس کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ اے خدا اگر حق ہے تو ہمیں توفیق عطا فرما کر ہم اس حق کو قبول کرلیں۔ یہ کہنا چاہئے تھا کہ اگر یہ جھوٹا ہے تو ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کو نہ مانیں لیکن اگر حق ہے تو پھر ہم پر رحمتیں نازل فرما اور ہمیں توفیق عطا فرما۔ یہ دعا مانگ بیٹھا کہ اگر حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش نازل فرما۔ لیکن یہ جو

ابوجہل کی فطرت ہے یہ ہر زمانے میں دہرائی جاتی ہے۔بعض لوگ ہم نے دیکھے ہیں یہ کہتے ہیں کہ اگر مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق خدا آسمان سے اتر کر ہمیں کہے کہ یہ سچا ہے تب بھی ہم نہیں مانیں گے۔تو یہ جو فطرت ہے بغاوت کی یہ شیطانی فطرت ہے اور خدا آسمان سے خود اتر کر کہے کہ یہ سچا ہے تو ہم نہیں مانیں گے۔یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جو شیطان کا مکالمہ گزر چکا ہے اس میں یہ بات کھل کر ثابت ہو چکی ہے۔شیطان جانتا تھا کہ خدا حق ہے اور شیطان جانتا تھا کہ خدا نے آدم کو حق قرار دیا ہے اور اس کے باوجود وہ دیکھو کیسی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے اے خدا میں پھر بھی نہیں مانوں گا اور تو مجھے مہلت دے تا کہ قیامت تک میں ان لوگوں کے رستے پر بیٹھوں۔

اس دعا سے یہ معاملہ بھی سمجھ آ گیا کہ شیطان کن لوگوں کے بھیس میں ان رستوں پر بیٹھا کرتا ہے۔ہر نبی کے دور میں جیسے آدم کے دور میں ایک شیطان نے خدا سے یہ مکالمہ کیا۔عملاً ایسے ابلیس پیدا ہوتے رہتے ہیں جو بعینہٖ یہی بات کہتے ہیں کہ اے خدا تو نے ہمیں بتا دیا تب بھی ہم نہیں مانیں گے اور آدم کی کہانی ہر دور میں دہرائی جاتی ہے۔پس ان مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعاؤں سے اور جو مکالمہ انہوں نے خدا سے کیا ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے گہری نصیحتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے استفادے کی توفیق بخشے۔

سورۂ یونس آیت ۲۲ تا ۲۴ کی ایک دعا ہے جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی طرف منسوب ہے۔مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا مضمون تو ہے لیکن یہ ذرا مضمون میں چھپا ہوا لپٹا ہوا مضمون ہے۔فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (یونس:۲۳) وہی خدا ہے جو تمہیں خشکیوں اور سمندروں میں سفروں پر لے جاتا ہے اور سفر کی سہولتیں تمہیں عطا فرماتا ہے۔حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو۔وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ اور وہ کشتیاں ٹھنڈی خوشگوار ہواؤں کے ساتھ ان کو لے کر سفر پر روانہ ہوتی ہیں وَّفَرِحُوْا بِهَا اور وہ اس سے بہت خوش ہو جاتے ہیں جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ہواؤں میں تیزی آ جاتی ہے اور خنک ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور ہر طرف سے موج در موج طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ہر طرف سے موجیں ان کو گھیر لیتی ہیں۔وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہم ان موجوں کے گھیرے میں آ چکے ہیں۔دَعَوُا اللّٰهَ

مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ وہ اس وقت پورے اخلاص کے ساتھ اپنے دین کو سچا قرار دیتے ہوئے خدا سے یہ عرض کرتے ہیں لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ ھٰذِہٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ اے خدا اگر اس بار اس مصیبت سے تو ہمیں نجات بخش دے تو ہم یقیناً تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے فَلَمَّاۤ اَنۡجٰھُمۡ اِذَا ھُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ (یونس:۲۴) پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات بخش دیتا ہے تو وہ دنیا میں اسی طرح ناحق بغاوت کرتے پھرتے ہیں جس طرح پہلے کیا کرتے تھے اور خدا کے معصوم بندوں کو ستاتے ہیں ۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ کہ اے لوگو سن لو کہ تمہاری بغاوت بالآخر تمہارے ہی خلاف ہوگی مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا اور یہ جو نفع کی باتیں کرتے ہو یہ تو عارضی دنیا کا نفع ہے بالآخر تم ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہو اور فَنُنَبِّئُکُمۡ تب ہم تمہیں بتائیں گے کہ تمہارے اعمال کی کیا حقیقت تھی۔

اس دعا کو الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ کی دعا میں نے اس لئے کہا ہے کہ بالآخر یہ لوگ اپنے وعدوں سے ٹل جاتے ہیں اور ہٹ جاتے ہیں ۔مگر مصیبت کے وقت کی یہ دعا بذات خود الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ کی دعا نہیں اسی لئے میں نے کہا کہ یہ لپٹی ہوئی سی دعا ہے۔ ہر وہ شخص جو نیک ہو یا بد ہو جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی قسم کی دعائیں کیا کرتا ہے لیکن بعض ان میں ایسے ہیں جو مغضوب بھی ہیں۔ جو جھوٹے ہیں دھوکا دینے والے ہیں ۔خدا سے وعدے کرتے ہیں اور پھر ان وعدوں سے ہٹ جاتے ہیں۔ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ایسے لوگوں کی بھی دعائیں قبول کرلیا کرتے ہیں۔ پس یہاں یہ مضمون سمجھانے کی خاطر میں یہ دعا آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ ایسی دعا جو مصیبت کے وقت کی جائے بعض دفعہ وہ اس شدت کے ساتھ دل سے اٹھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر گواہی دیتا ہے کہ دین کے خلوص کے ساتھ وہ دعا کی گئی تھی۔ واقعۃً دل کی کیفیت یہی ہوتی ہے اور چونکہ وہ کیفیت ایسی ہے جس کو خدا تعالیٰ رد نہیں فرمایا کرتا اس لئے اس علم کے باوجود کہ یہ کیفیت بدل جائے گی اس وقتی کیفیت پر احسان فرماتے ہوئے اس دعا کو قبول کر لیتا ہے۔ پس بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بد بھی ہیں تب بھی ہماری دعائیں تو قبول ہو ہی جاتی ہیں ان کو دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے ۔اللہ تعالیٰ اتنا رحم فرمانے والا ہے کہ جب ایک انسان ایک اضطرار کی حالت

میں دعا کرتا ہے اور وقتی طور پر مخلص ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو رد نہیں کر سکتی۔

یہ مضمون آپ نے اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی دیکھا ہوگا۔ بعض لوگ بار بار شرارت کرتے ہیں لیکن جب پکڑے جائیں تو واقعی ایسی عاجزی کی کیفیت اختیار کر لیتے ہیں ۔ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں وہ تھر تھر کانپتے ہیں، پاؤں کو جھک جھک کر ہاتھ لگاتے ہیں کہ خدا کے لئے اس دفعہ معاف کر دو۔ آئندہ ہم نہیں ایسا کریں گے اگر پتا بھی ہو آپ کو کہ آئندہ پھر بھی کریں گے وہ عاجزی اور انکساری کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ ایک شریف انسان اس کو رد نہیں کرسکتا۔ پس اگر ایک عام انسان بھی اس الحاح سے متاثر ہو جاتا ہے اس عاجزی سے متاثر ہو جاتا ہے تو خدا تو بہت زیادہ غفور و رحیم ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کو علم نہیں۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ پھر یہی حرکتیں کریں گے لیکن ساتھ ہی بیان فرما دیا کہ آخر ہمارے پاس آنا ہے۔ ہمیں پتا ہے کہ بھاگ کے تو کہیں جائیں گے نہیں ۔ چونکہ انجام بالآخر میرے پاس ہونا ہے اس لئے مجھے اس سے فرق ہی کوئی نہیں پڑتا چاہے میں دس دفعہ معاف کروں ہزار دفعہ معاف کروں ۔ چونکہ مجھ تک پہنچنے والے ہیں اس لئے آخری فیصلہ میں قیامت کے دن کروں گا۔ جب سب کے اعمال میرے حضور پیش کئے جائیں گے چونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے ایک دعا کے ذکر کے بعد میں آج کا خطبہ ختم کروں گا۔ فرمایا ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس:۹۱)

فرماتا ہے کہ جب ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا اور فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اس کی پیروی کی اور بغاوت کی باتیں کرتے ہوئے اور دشمنی کے ارادے لے کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب اس کے غرق ہونے کا وقت آپہنچا۔اس وقت اس نے یہ دعا کی ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ میں گواہی دیتا ہوں کہ بنو اسرائیل جس خدا پر ایمان لائے ہیں اس خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور میں مسلمان ہوتا ہوں۔تب خدا نے فرمایا آٰلْـٰٔنَ (یونس:۹۲)۔کیا اب جب کہ تیرے غرق ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔

وَقَدْ عَصَيْتَ اور تو اس سے پہلے ساری عمر نافرمانی میں گزار چکا ہے۔ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ اور تو ہمیشہ فساد کرنے والوں میں سے رہا۔

اس دعا کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے اس دعا کو بھی مشروط رنگ میں قبول کرلیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس وقت آخری لمحے میں اس دعا کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس کی ساری عمر بدیوں میں گزری۔ ساری عمر بغاوت میں کٹی۔ اب جبکہ موت سر پر آ کھڑی ہوئی بلکہ ڈوب رہا ہے ان لمحوں میں جو وہ دعا کرتا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں لیکن اس کے باوجود بعض دفعہ اس دعا میں ایک شدت ایسی اضطرار کی پیدا ہو جاتی ہے کہ خدا اس کو بھی قبول فرمالیتا ہے۔ لیکن کسی حکمت کے تابع فرمایا ہم نے اس کو یہ جواب دیا آٰلْئٰنَ کیا اب اس وقت پھر فرماتا ہے۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (یونس: ۹۳) چلیں ہم تیرے بدن کو نجات بخش دیں گے کیونکہ روح کے خوف سے تو تو نے توبہ نہیں کی تھی۔ بدن کا خوف درپیش ہے تو توبہ کر رہا ہے اس لئے اس آخری توبہ میں روح کو تو نہیں بچاؤں گا لیکن تیرے بدن کو ضرور بچالوں گا۔ کس لئے؟ اس لئے لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً تاکہ تو اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ اور دنیا میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو ہمارے نشانات سے غافل ہیں۔

اس آیت سے مختلف مفسرین نے مختلف نتائج نکالے ہیں۔ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ کے مضمون میں وہ یہ سمجھتے ہیں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ خدا نے جب وہ غرق ہو رہا تھا تو اس وقت کی یہ دعا تھی اس لئے خدا نے صرف بدن کو بچایا یعنی لاش کو بچایا اور فرعون کو نہیں بچایا۔ وہ سمجھتے ہیں روح کے مقابل پر لاش سے مراد یہ ہے کہ زندہ نہ رکھا گیا اور اس کی دعا اس رنگ میں قبول ہوئی کہ اس کا بدن بعد میں باقی رہے گا۔ میرے دل میں ہمیشہ اس تفسیر کے بارے میں تردد رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فراعین مصر کی لاشیں تو ویسے ہی محفوظ کی جاتی تھیں اس لئے خدا نے اس کی کیا دعا سنی۔ وہ تو دستور تھا اہل مصر کا۔ اپنے فرعون کی لاش کو ڈھونڈھ کر جب وہ پانی اترا ہوگا تو انہوں نے ضرور اس کی ممی بنالی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ ہم تیرے بدن کو محفوظ رکھیں گے اس سے مراد اس کی زندگی سمیت بدن ہے اور یہ نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ روح نہیں بچے گی۔ یعنی جب وہ قیامت کے دن پیش ہوگا تو اس وقت گناہگاروں اور مجرموں کے طور پر ہی پیش ہوگا لیکن چونکہ اس نے عارضی زندگی کی خاطر دعا مانگی

ہے اور روحانی زندگی کی خاطر نہیں مانگی اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تجھے ہم عارضی زندگی عطا کر دیں گے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پچاس سال ٹھہر و سو سال ٹھہر ولیکن بالآخر اس کے نتیجے میں تجھے معاف نہیں کریں گے کیونکہ جو گناہ تجھ سے سرزد ہو چکے ہیں آخری دم تک تو نے ان سے توبہ نہ کی تھی۔ اس مضمون کی روشنی میں میرے ذہن پر ہمیشہ ہی اثر رہا کہ فرعون کے متعلق جستجو کروں کہ واقعۃً اس سے کیا ہوا؟

چنانچہ کچھ عرصہ پہلے انگلستان میں ایک انسائیکلو پیڈیا ایسا میرے ہاتھ آیا جس میں تفصیل سے اس فرعون کا ذکر تھا یعنی Rameses the second (رعمسیس ثانی) اور مجھے یہ معلوم کر کے بڑا تعجب ہوا کہ وہ اس واقعہ کے بعد پچاس ساٹھ سال زندہ رہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ نوے سال کی عمر اس نے پائی اور بہت چھوٹی عمر میں اس کا باپ فوت ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا اکثر حصہ اس کے باپ کے زمانے میں کٹا ہے جو اور مزاج کا تھا۔ اس کی موت کے بعد یہ نوجوان تھا جب یہ بادشاہ بنا ہے اور چونکہ یہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے سے ہی حسد کرتا تھا اور جانتا تھا کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا ہمارے دربار میں ہمارے بادشاہ کے گھر میں پل رہا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے دل میں حسد تھا۔ تو ذاتی انتقام کی خاطر بھی اس نے بہت زیادہ شدت اختیار کی۔ جب یہ واقعہ ہوا ہوگا۔ جس وقت بھی ہوا ہے اس وقت حضرت موسیٰ اپنی بڑی شر کو پہنچ چکے تھے اور یہ شخص ابھی بالکل نوجوان تھا۔ اگر یہ اس وقت غرق ہو جاتا۔ واقعۃً ڈوب کر مر چکا ہوتا تو اس کی جو لاش ممی کی ہوئی ملتی وہ نوجوانی کی لاش ہونی چاہئے تھی۔ اس کی جو لاش دریافت ہوئی ہے وہ ایک نوے سالہ انسان کی لاش ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ لازماً اللہ تعالیٰ نے اس کو جب بدن کی نجات کا وعدہ فرمایا تو مراد تھا دنیاوی زندگی کی نجات کا وعدہ ہے۔ خالی بدن کے رکھنے کا تو کوئی مطلب نہیں اور فرمایا کہ یہ اس لئے ہوگا کہ اس کے بعد تو جب بھی مرے گا تیری لاش ہمیشہ کے لئے عبرت کے نشان کے طور پر محفوظ رہے گی اور پھر ہم دنیا کو بتائیں گے کہ یہ وہ ظالم انسان تھا جس نے خدا سے ٹکر لی تھی۔

ایک اور وجہ بھی اس کی لاش کو بچانے کی یہ نظر آتی ہے کہ اگر یہ ڈوب جاتا تو ممکن ہے پانی اترنے کے بعد اس کی لاش ڈھونڈنے کی کوشش کی جاتی لیکن اس کا بہت کم امکان تھا کیونکہ سمندر میں ڈیلٹا کے پاس ایسی مچھلیاں ہوتی ہیں جو لاشوں کو کھا جاتی ہیں بڑی جلدی اور پھر لہریں بھی بہا کے کہیں

سے کہیں لے جاتی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے جب فرعون ڈوبنے لگا ہے جب اس نے دعا کی ہے تو اس کے حوالی موالی اس کے ساتھی زور مارتے رہے ہیں کہ کسی طرح اس کو بچالیں اور بالآخر اس کو دنیا کی زندگی کی نجات مل گئی تھی۔

دعا کے مضمون کے لحاظ سے آخری نتیجہ یہ نکالنا چاہئے کہ آخری سانس کی دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں اس لئے توبہ کے لئے وہ وقت ہوا کرتا ہے جب توبہ کے بعد بھی ایک زندگی گزرنی ہو۔ اگر توبہ ایسے وقت میں ہو جبکہ انسان اپنے آخری وقت کو پہنچ چکا ہو تو ایسی توبہ قبول نہیں ہوا کرتی اس لئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی طرح اس وقت توبہ کی توفیق نہ بخشے جبکہ توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہوں بلکہ زندگی میں توبہ کی توفیق بخشے اور توبہ کی دعا کرتے وقت ان سب بدنصیبوں کے انجام کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ یہ دعا کیا کریں کہ اے خدا ہم اس وقت مخلص ہیں لیکن تو نے ہمیں بتایا ہے کہ بعض الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ بھی تو مخلص تھے۔ تو نے ہمیں بتایا ہے کہ بعض گمراہ بھی تو دعا کرتے وقت مخلص تھے اس لئے ہم نہیں جانتے کہ ہمارا کیا انجام ہوگا اس لئے ہم تیرے حضور جھکتے ہوئے عاجزانہ یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اس اخلاص کو عارضی نہ بنا دینا۔ ان بدنصیبوں میں ہمیں شامل نہ کرنا جن کے وقتی اخلاص کے پیش نظر تو نے ان کی التجاؤں کو قبول فرمالیا لیکن جب مہلت دی تو وہ دوبارہ ویسے ہی کاموں میں پڑ گئے۔ اس لئے ہمیں ایسی سچی توبہ کی توفیق عطا فرما جو تیرے حضور دائمی ٹھہرے اور جب بھی ہم سے دوبارہ غلطی سرزد ہو مجرموں کی طرح ہم سے صرف نظر نہ کرنا بلکہ اس طرح صرف نظر فرمانا جس طرح اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے کوئی صرف نظر کیا کرتا ہے۔ پس امید ہے کہ ہم جب اس مضمون کو ختم کریں گے تو ہماری اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعاؤں میں ایک نئی جلا پیدا ہو جائے گی۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ انعام یافتہ لوگوں کی دعائیں کیا رنگ رکھتی ہیں اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعائیں رکھتی ہیں۔ یہ دعا قبول ہوتی ہے تو کیوں ہوتی ہے؟ وہ دعا قبول ہوتی ہے تو کیوں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ایسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ جس پر ہر چند کہ شیطان بیٹھا ہوا ہے مگر ہم اس کے شکر گزار بندوں کی طرح اس پر قدم ماریں اور کبھی بھی شیطان ہمارے شکر پر حملہ نہ کر سکے کیونکہ وہی ہمارا دفاع

ہے۔اگر ہم شکر سے عاری ہوگئے تو پھر ہمارے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ایسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔جس پر انعام یافتہ بندے دعائیں کرتے ہوئے چلتے رہے اور بالآخر اپنی مراد کو پہنچے۔آمین۔

فرعون کے غرق ہونے کی وضاحت

اللہ کے بندوں پر شیطان کو کوئی تسلط حاصل نہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲؍ جولائی ۱۹۹۱ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں میں نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تفسیر کے دوران اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ گروہ کی بعض دعائیں نمونۃً آپ کے سامنے رکھی تھیں وہی مضمون آج بھی جاری رہے گا۔ لیکن دوسری آیت جو گزشتہ تسلسل میں پیش کرنی تھی اس سے پہلے میں فرعون کے غرق ہونے سے متعلق کچھ مزید کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ استنباط کیا تھا کہ قرآن کریم نے جب یہ فرمایا کہ جب فرعون غرق ہونے کے قریب پہنچا تو اس نے ایک دعا کی اور اس دعا کے نتیجے میں ہم نے اس کو یہ جواب دیا کہ: آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:۹۲) اب تو دعا کا وقت نہیں رہا کیونکہ اس سے پہلے تو مسلسل نافرمانی کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (یونس:۹۳) لیکن آج کے دن ہم تیرے بدن کو ضرور نجات دے دیں گے لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً تا کہ وہ جو تیرے بعد آنے والے ہیں ان کے لئے تو عبرت کا نشان بن جائے۔

اس بحث میں میں نے یہ امکان پیش نظر رکھا تھا اور میں اب بھی یہی یقین رکھتا ہوں کہ بدن کی نجات کا جو وعدہ فرعون کو دیا گیا تھا اس سے مراد محض لاش کی نجات نہیں کیونکہ لاشیں تو بہتوں کی

کنارے پر پہنچ گئی ہونگی بہت سے ایسے ہیں بلکہ اکثر فرعون وہی ہیں جن کی لاشیں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی تھیں تو خصوصیت کے ساتھ اس فرعون کی دعا کے نتیجے میں جب بدن کی نجات کا ذکر ہے تو اس سے میں نے یہ استنباط کیا کہ ایسی زندگی مراد ہے جو روح سے عاری ہو جیسے انگریزی میں Zombie کہا جاتا ہے بعض ایسے لاش نما انسان ہوتے ہیں جن کی زندگی روحانیت سے کلیۃً عاری اور روح سے عاری ہوتی ہے انگریزی میں لفظ Zombie تو ظاہری روح کے بغیر زندگی کا تصور پیش کرنا ہے لیکن نُنَجِّيۡكَ بِبَدَنِكَ میں جو مضمون ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم تجھے زندگی تو دے دیں گے مگر نجات نہیں دیں گے اور روحانیت سے عاری زندگی ہوگی۔

اس ضمن میں باقی آیات جن میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق کا ذکر ہے کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ سوائے ایک موقع کے ہر دوسری جگہ بنو اسرائیل کو نجات دینے اور ان کی پیروی کرنے والے ان کے پیچھے آنے والے فرعون کے لشکر کے غرق کا ذکر ہے لیکن ایک جگہ خود فرعون کے غرق کا بھی ذکر ہے ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس موقع کے ساتھ اس مضمون کا کہیں تضاد تو نہیں جو میں بیان کر رہا ہوں ۔سورۂ بقرہ میں ہے کہ:۔ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ (بقرہ:۵۱) یعنی ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر سورہ انفال میں بھی وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ کا ذکر ہے پھر سورۂ الشعراء میں۔ وَاَنۡجَيۡنَا مُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۚ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ (الشعراء:۶۶-۶۷) ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا کا ذکر فرمایا۔اسی طرح الشعراء،الزخرف میں یہی مضمون ہے مختلف جگہ جہاں بھی فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق کا ذکر ملتا ہے سوائے ایک سورۂ الاسراء کے باقی جگہ صرف فرعون کے ساتھیوں یا فرعون کی قوم کے غرق کا ذکر ہے۔سورۂ الاسراء میں یہ ذکر ہے فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا (بنی اسرائیل:۱۰۴) اور ہم نے فرعون کو اور اس کے ساتھ جو بھی تھے سب کو غرق کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو غرق کر دیا دوسری جگہ فرماتا ہے جب غرق قریب آیا اور اس نے دعا کی تو ہم نے اس سے بدنی نجات کا وعدہ کر لیا تو کیا ان دونوں کے درمیان تضاد ہے یا کوئی مفاہمت کی صورت ممکن ہے غرق کا لفظ جب میں نے ڈکشنری میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر جگہ جس کو ہم اردو میں ڈوبنا کہتے ہیں بالکل وہی مفہوم عربی میں غرق کا پایا جاتا ہے

کوئی شخص تیرنے کی کوشش کرتا ہو، بچنے کوشش کرتا ہو لیکن ہار جائے اور پانی کے اندر ڈوب جائے ڈوب مرنے کا معنی غرق کا میں نے کہیں نہیں دیکھا اس لئے ان دونوں میں میرے نزدیک تضاد کوئی نہیں جس طرح خدا تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں سے بھی ایک نبی کو زندہ بچالیا تھا جہاں اس کے بچنے کے امکان ایک عام ڈوبے ہوئے آدمی کے بچنے کے مقابل پر بہت کم تھے۔ بارہا ہم نے دیکھا ہے کہ ایک شخص ڈوب جاتا ہے اور ڈوبے ہوئے کو ایسی حالت میں نکال لیا جاتا ہے کہ ابھی اس نے دم نہیں توڑا اور پھر کوشش کر کے اس کو بچالیا جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ جہاں غرق کا لفظ استعمال فرماتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون ضرور ڈوبا ہے اور اپنے لشکر کے ساتھ ڈوبا ہے اور جہاں فرماتا ہے کہ ہم تیرے بدن کو نجات بخشیں گے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ڈوبے ہوئے کے لئے ظاہری زندگی کے بچانے کا انتظام ممکن ہے اور خدا تعالیٰ نے ایسا انتظام ضرور کیا ہوگا کیونکہ اس وعدے کا خصوصیت کے ساتھ یہاں ذکر کرنا ایک گہرا پیغام رکھتا ہے اور وہ پیغام اس وقت تو لوگوں کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کی دنیا میں ہمیں سمجھ آیا جبکہ ہم نے فرعون کی لاش کو بچا ہوا اور ممی ہوئی حالت میں دیکھا لیکن جب میں نے مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ فرعون جس نے موسیٰ سے ٹکر لی تھی اور جس کے متعلق یہ آتا ہے کہ ہم نے اس کو غرق کیا وہ فرعون ۹۰ سال کی عمر میں طبعی موت مرا ہے اور اس کی ممی اور اس کے سارے کاغذات جو ساتھ ہیں اور تمام تحریریں یہ بتا رہی ہیں کہ وہ نوعمری میں غرق ہونے کی حالت میں نہیں مرا تھا بلکہ لمبی عمر پا کر اس کے بعد اس نے کئی لڑائیاں بھی کی ہیں ان لڑائیوں کے بعد ایک جگہ فلسطینیوں کے ہاتھوں بڑی بھاری شکست بھی کھانے لگا تھا جس کو بعد میں دوبارہ ایک قسم کی فتح میں تبدیل کیا گیا لیکن ایک موقع پر تو بہر حال بہت ذلت ناک شکست بھی اس نے کھائی۔

سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کا ایسا ترجمہ کیا جائے گا جس کے مقابل پر تاریخی گواہی کھڑی ہو اور بجائے اس کے کہ وہ لاش عبرت کا نشان بنے **نعوذ باللہ من ذلک** قرآن کریم پر ایک شک ڈالنے کا نشان بن جائے۔ ایک یہ پہلو ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی پر غور کر کے اس کی خاص طرز کلام کو سمجھتے ہوئے ایسے معنی کئے جائیں جو بجائے اس کے کہ حقائق سے متضاد دکھائی دیں۔ حقائق کو اس رنگ میں پیش کریں کہ غیر معمولی طور پر خدا تعالیٰ کی شان ان سے ظاہر ہو اور وہ لاش واقعۃً عبرت کا نشان بن جائے۔

میرا رجحان لازماً اس طرف ہے اور میرے نزدیک غرق ہونے اور غرق ہونے کے بعد بچائے جانے میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ عام انسانی تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ بارہا ڈوبے ہوؤں کو بچالیا گیا ہے۔خاص طور پر فرعون کے اردگرد جو اس کا محافظ عملہ تھا اور خاص طور پر اس لئے کہ وہ دریائے نیل کے کنارے بسنے والے لوگ تھے اوران میں بڑے بڑے تیراک تھے بہت ماہر غوطہ خور موجود تھے ان لوگوں کا اپنے بادشاہ کو بچانے کی کوشش نہ کرنا بعید از فہم ہے اس لئے ہرگز بعید نہیں بلکہ میرے نزدیک واقعۃً یہی ہوا کہ فرعون کے ڈوبنے کے بعد اس کے ساتھیوں نے غوطہ خوری کے ذریعے جو بھی انہوں نے کوشش کی اس کی لاش کو نکالا اور چونکہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کرلیا تھا کہ میں تیرے بدن کو نجات بخش دوں گا اس لئے وہ بدن زندہ رہا اور ایک لمبے عرصے تک اس بدن کے ساتھ وہ چلتا پھرتا حکومت کرتا ہوا دکھائی دیا لیکن اس کی روح کو نجات نہیں بخشی گئی گویا زندگی میں ہی اس کی موت کا فیصلہ کردیا گیا تھا اور یہ ایک ایسا قطعی فیصلہ تھا جو باقی سب سے اس کو جدا کرتا ہے باقی لوگوں کے لئے آخر دم تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس سے زیادہ اور کوئی کیا عبرت کا نشان ہوسکتا ہے کہ ایک لمبی زندگی اور بادشاہت کی اور فخر کی زندگی اس کے سامنے پڑی ہو اور اس کو معین طور پر خبر دی گئی ہو کہ تم پر ہر قسم کی توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے اب تم ایک ظاہری زندگی بسر کرو گے لیکن اس میں کوئی روحانیت نہیں ہوگی۔تو یہ ساری باتیں میرے ذہن میں تھیں اور ہیں اس کے باوجود میرا رجحان اسی طرف ہے کہ قرآن کریم نے جو وعدہ کیا تھا وہ بدنی زندگی کا وعدہ تھا محض فرعون کو عبرت کا نشان بنانے کا وعدہ نہیں تھا۔

اب ہم بقیہ آیات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ایک دعا یہ بتائی گئی ہے کہ:۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ (ابراہیم:۴۵)

اور تو لوگوں کو اس دن سے ڈرا جس دن عذاب ان کو آلے گا فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ خدا سے یہ استدعا کریں گے کہ اے خدا ہمیں کچھ اور مہلت دے دے۔ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے اور تیرے

بھیجے ہوؤں کی پیروی کریں گے اَوَلَمْ تَكُونُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَالَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ کیا اس سے پہلے تم یہ قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں کبھی کوئی زوال نہیں ہوگا۔ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ (ابراہیم:۴۶) اور تم ان لوگوں کے گھروں میں بسے رہے جنہوں نے تم سے پہلے اپنی جان پر ظلم کئے تھے وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ اور تم پر خوب روشن ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تھا وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ اور ہم نے تمہارے سامنے کھول کھول کر مثالیں بیان کی تھیں وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور جو مکر وہ کر سکے انہوں نے وہ سارے مکر کئے اور اللہ کے پاس ان کے مکروں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ (ابراہیم:۴۷) خواہ ان کے مکر ایسے بھی تھے جس سے پہاڑ ٹل جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروں کو ناکام کر دیا۔ یہ جو دعا ہے یہ ویسی ہی دعا ہے جیسی کئی دعائیں اس سے پہلے بھی آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں کہ عین اس وقت جبکہ خدا کا فیصلہ آجائے اس وقت کی دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں اس سے پہلے فرعون کی دعا کی مثال بھی گزری ہے لیکن اس میں خدا تعالیٰ نے خود استثناء فرمایا ہے کہ جزوی طور پر میں تیری بات مانوں گا لیکن مکمل طور پر نہیں مانی جائے گی۔ اکثر دعائیں تو وہ بیان کی گئی ہیں جو قیامت کے دن جہنم کے سامنے پیش کرتے ہوئے یا جہنم کے اندر ظالموں کی التجائیں ہیں اور ان سب کے رد ہونے کا ذکر ہے۔ کچھ دعائیں وہ ہیں جو موت کا منہ دیکھ کر یا عذاب کا منہ دیکھ کر کی جاتی ہیں ان کے بھی اکثر رد ہونے کا ذکر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی دعائیں صرف دو تین مضامین پر کیوں مشتمل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مومن کو تو ایسے دور میں ابتلاؤں کی ایک لمبی زندگی ملتی ہے جبکہ دعائیں قبول ہو سکتی ہیں وہ دعائیں کرتا ہے اور دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور اس کے بے شمار نمونے ہیں جو اس کی زندگی کے مختلف حالات پر چسپاں ہوتے ہیں لیکن کافر کی دعائیں ہوتی اس وقت کی ہیں جبکہ آخری وقت آپہنچا ہو اس لئے صرف نجات کی چند دعائیں یا عذاب سے بچنے کی دعا کے سوا آپ کو کوئی دعا نظر نہیں آئے گی۔ ان کو دعا کا شعور نہیں ہوتا اس لئے دعا کے بہت تھوڑے نمونے ہیں جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھے ہیں لیکن ان پر بھی جب غور کریں تو ان سے ہمیں بہت سی نصیحتیں ملتی ہیں۔

یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ ذکر فرمایا کہ جب وہ عذاب کا منہ دیکھیں گے تو بچنے کے لئے دعا کریں گے لیکن جو جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کا بظاہر اس دعا سے تعلق نہیں ہے فرمایا: اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَالَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔ وہ تو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں بچالے۔ ہم توبہ کریں گے، ہم سے عذاب ٹال دے تا کہ ہم دوبارہ موقع پائیں کہ تیرے رسولوں کی پیروی کریں اور تجھ پر ایمان لائیں لیکن جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ کیا اس سے پہلے تم ہی لوگ یہ قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ ہمیں کوئی زوال نہیں آئے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہاں ان کافروں کا ذکر ہے جو زمین میں تکبر کرتے ہوئے خدا کی جگہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا کے بھیجے ہوؤں کو ایسے چیلنج کرتے ہیں کہ جن کے نتیجے میں گویا خدائی کے اختیارات ان کو مل چکے ہیں اور کھلے کھلے چیلنج کرتے ہیں کہ جو کچھ کرنا ہے کرلو، جو عذاب لا سکتے ہو لے آؤ ہم پر کبھی کوئی زوال نہیں آئے گا۔ ہمیں ہمیشگی کی بادشاہت عطا ہوئی ہے، ہماری طاقت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تو یہ ساری کہانی ہے جو اس قسم کے اندر بیان فرمادی گئی۔ تم یہ کہا کرتے تھے اور قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں زوال نہیں آئے گا، کن معنوں میں زوال نہیں آئے گا۔ جب وہ انبیاء سے ٹکر لیتے تھے تو ان کو وہ کہا کرتے تھے کہ جو کرنا ہے کر گزرو۔ جو دعائیں کرنی ہیں کرو کوئی دنیا میں ایسی طاقت نہیں۔ کوئی آسمان پر ایسی طاقت نہیں جو ہماری ترقیوں کو تنزل میں بدل دے۔ فرمایا! کہ جن کے تکبر کا یہ حال ہے وہ جب عذاب کو سامنے دیکھتے ہیں اور اس زوال کو دیکھتے ہیں جس کے متعلق وہ انکار کیا کرتے تھے تو اس وقت ان کی دعا کے قبول ہونے کا کوئی وقت نہیں رہتا وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہاں ہر جگہ جہاں کافر یا ظالم کی دعا بیان ہوئی ہے اس کے رد ہونے کے دلائل بھی بیان فرما دیئے گئے ہیں فرمایا: تم تو ایسے لوگ ہو جو تم نے کبھی نصیحت پکڑی ہی نہیں۔ اب عذاب کو دیکھ کر کیسے نصیحت حاصل کرو گے۔ کیا اس سے پہلے تم جیسے لوگوں پر عذاب نہیں آئے تھے؟ کیا انہی کے گھروں میں تم بسے نہیں رہے؟ کیا تم نے تاریخ سے یہ سبق نہیں سیکھے کہ تم جیسے کام کرنے والے تم سے پہلے ہلاک کر دئے گئے۔ پس اگر عذاب سے تم نے نصیحت پکڑنی ہے تو پہلوں کے عذاب سے کیوں نصیحت نہ پکڑی وہ بھی تو تم جیسے ہی تھے تمہارے جیسے کاموں کے نتیجے میں

وہ اپنے بدانجام کو پہنچے۔ پس تمہارے سامنے ان کا ماضی ہے اور اب تم اس ماضی کو بُھلا کر نظر انداز کرنے کے بعد جب اس کو مستقبل کے طور پر اپنے سامنے دیکھ رہے ہو تو ہمیں کہتے ہیں کہ ہمیں واپس کردو۔ ہم نصیحت پکڑیں گے۔ یہ فطرت کے خلاف بات ہے جسے نصیحت پکڑنی ہو وہ دوسرے کے بدحال کو دیکھ کر اپنے لئے نصیحت کا رستہ اختیار کرتا ہے اور نیکی کا رستہ اختیار کرتا ہے۔ جب اپنے اوپر آ پڑے تو پھر بچنے کا کوئی سوال نہیں رہا کرتا۔ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور پھر وہ بھی تمہاری طرح بہت مکر کرنے والے تھے اور خدا کے پاس ان کا مکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کہ ان کو جس طرح چاہے ذلیل اور رسوا کر کے نامراد کردے عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ان کے مکر خدا کی مٹھی میں ہیں ان کے مکر خدا والوں کو کیا کہہ سکتے ہیں دوسرا یہ کہ مکر خدا کے پاس ان کے مکروں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اگر ایسے ایسے مکر بھی ان کے پاس ہوتے جن سے پہاڑ ٹل جاتے تب بھی خدا کے قبضہ قدرت میں تھے۔ خدا کی اجازت کے بغیر وہ سارے مکر بے اثر رہتے اور بے اثر رہے تو جو دعا آخر پر نامنظور کی جاتی ہے اس کا فیصلہ بھی خدا تعالیٰ ساتھ ساتھ بیان فرماتا چلا جا رہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر:۲۹) اس ذکر کے بعد کہ کس طرح ہم نے انسان کو ایک گلی سڑی مٹی سے پیدا کیا اور پھر فرشتوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا فرماتا ہے۔ سب نے اطاعت کی سوائے ابلیس کے جب خدا نے پوچھا کہ کیوں تو نے اطاعت نہیں کی تو اس نے کہا کے قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر:۳۴) کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو ایک ایسی ذلیل چیز کی اطاعت کریں جسے تو نے گندی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ایسی گھٹیا اور رسوا چیز کی اطاعت کرنے والوں میں میں نہیں ہوں۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (الحجر:۳۵) فرمایا کہ تو اپنی موجودہ کیفیت سے باہر نکل جا یعنی ہم تجھے ایسی حالت میں نہیں رہنے دیں گے جس حالت میں ہم نے تجھے بنایا تھا۔ تجھے ذلیل و رسوا کریں گے۔ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (الحجر:۳۶) اور قیامت کے دن تک کے لئے تجھ پر لعنت ہے یہ سننے کے بعد تب شیطان نے دعا کی لیکن یہاں لفظ شیطان نہیں ہے بلکہ ابلیس ہے يٰٓاِبْلِيْسُ

مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (الحجر:۳۳) یہاں لفظ ابلیس خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ میں آگے جا کر بیان کروں گا کہ کیوں یہ یہاں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الحجر: ۳۷) اے خدا مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے کہ لوگوں کو تو دوبارہ نئی زندگی عطا کرے گا۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (الحجر:۳۸) فرمایا: ہاں ہم تجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دیتے ہیں اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر:۳۹) اس معین وقت تک کے لئے جس کا ذکر گزر چکا ہے قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر:۴۰) اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ قرار دے دیا ہے میں ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے وہ بہت ہی حسین اور خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا۔ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور میں تیرے سب کے سب بندوں کو گمراہ کروں گا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجر ۴۱) وہاں شیطان نے خود یہ استثناء کیا کہ سوائے ان بندوں کے جو تیرے مخلَص بندے ہیں۔ یہاں مخلِص کا لفظ نہیں بلکہ مخلَص کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ جن کو تو خالص کر دے۔ پس شیطان نے جو بات کی ہے وہ بھی حکمت کی بات ہے اور شیطان کی طرف بھی قرآن کریم نے جو باتیں منسوب کی ہیں ان میں سے بعض عقل اور سمجھ کی باتیں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شیطان دنیا میں صاحب عقل بھی ہوتے ہیں مگر انکار کی صورتیں میں ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔ جس طرح ابوجہل پہلے ابوالحکم کہلاتا تھا۔ حکمت کا باپ، وہ جہالت کا باپ بن گیا اور **یہاں ابلیس سے مراد میں سمجھتا ہوں ہر دور کا ابلیس ہے اور مہلت دینے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو بھیجتا ہے تا کہ اس کے خالص بندوں کا اور ظاہری بندوں سے سچے اور مخلَص بندوں کو الگ کر کے دکھایا جائے تو ان کو نبی کے ذریعے مخلَص بنایا جاتا ہے۔** وہ لوگ جو نبی کی اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی طرف سے خالص بنائے جاتے ہیں اپنے طور پر کوئی خالص نہیں بن سکتا۔ تو یہ نبوت کا مضمون ہے جس کو شیطان نے یہاں بیان کیا ہے وہ کہتا ہے۔ ہاں وہ لوگ جن کو نبوت کے ذریعے تیری طرف سے خلوص عطا ہوگا اور وہ نبوت کی پیروی کے ذریعے مخلَص بنائے جائیں گے وہ یقیناً میری پیروی نہیں کریں گے۔ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (الحجر:۴۲) خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ وہ سیدھا رستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ یعنی شیطان بھی وہیں بیٹھا ہوا بہکا رہا ہے اور خدا

کے انبیاء بھی اسی رستے پر نیک نمونے دکھا رہے ہیں اور جن کو خدا کے ان نیک بندوں پر ایمان لانے کی توفیق ملتی ہے وہ مخلص بنا دیئے جاتے ہیں اور ان پر شیطان کا کوئی دخل نہیں رہتا فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ (الحجر:۴۳)

میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط نہیں سوائے ان کے جو پہلے سے گمراہ ہوں اور ٹیڑھی طبیعت رکھتے ہوں۔ وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمَوۡعِدُہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ (الحجر : ۴۴) اور جہنم تم سب کے لئے وعدہ ہے اَجۡمَعِیۡنَ سب کے سب اس جہنم میں داخل ہوں گے۔ لَہَا سَبۡعَۃُ اَبۡوَابٍ اس کے سات دروازے ہیں لِکُلِّ بَابٍ مِّنۡہُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ (الحجر:۴۵) اوران کے ہر دروازے کے لئے ایک حصہ مقرر ہو چکا ہے ایک ایسا جز ہے جو پہلے سے تقسیم شدہ ہے وہ ان دروازوں کے ذریعے داخل ہوگا۔

ان سادہ سی آیات میں بہت سی حکمت کی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ شیطان نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا میں سب کو گمراہ کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو تو گمراہ کرے گا ان پر بھی تیرا تسلط اس وجہ سے ہوگا کہ ان کے اندر کجی موجود ہوگی ورنہ تیرا کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ یہ ایک بہت گہرے فلسفے کی اور حکمت کی بات ہے جسے مومن کو سمجھ لینا چاہئے کہ شیطان کا کسی پر بھی کوئی تسلط نہیں ہے جن کو خدا مخلص کر دے ان پر تو اس کے تسلط کا سوال ہی نہیں، دوسرے جو بندے ہیں ان میں سے وہ جو ٹیڑھے ہوں وہی شیطان کو دعوت دیتے ہیں جن کے نفس میں کجی نہ ہو ان پر شیطان کو غلبہ نہیں مل سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ میرے بندوں پر تو تیرے غلبے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ سوائے اس کے کہ کوئی ٹیڑھے لوگ خود تیری پیروی کریں۔

پس گناہ کا فلسفہ ہے جو بہت کھول کر بیان فرما دیا گیا۔ اگر اب اپنی غلطیوں پر کوئی انسان گہری نظر سے نگاہ ڈالے اور اپنے ماضی کے حالات کا مطالعہ کرلے تو اس پر یہ خوب کھل جائے گا کہ اندر کی کجی ہے جو باہر سے گناہ کو بلاتی ہے جب تک وہ کجی انسانی فطرت میں پیدا نہ ہو انسان گناہ کی طرف نہ راغب ہوسکتا ہے نہ گناہ اسے مغلوب کرسکتا ہے اس لئے پہلے اندر ایک فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہی فیصلہ ہے جو آگے پھر گناہ کے رستوں کی پیروی کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ پس کیسا خوبصورت

اور واضح انسانی فطرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ **پس اندر کی جو کجی ہے اس کا نام شیطان ہے اور باہر سے بلانے والے جو ہیں وہ ابلیس ہیں اور آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی ابوجہل ایک ابلیس تھا اور اسی طرح ہر دور میں بہت سے ابلیس پیدا ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی ہو وہ بدیوں کی طرف بلاتے ہیں اور ہر انسان کے اندر ایک شیطان ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص کی رگوں میں شیطان دوڑ رہا ہے اور ہر شخص کا اپنا شیطان ہے۔** جب پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ! آپ کا بھی شیطان ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے (حوالہ۔۔) **یعنی میرے اندر کوئی کجی رہی نہیں۔ یہ فطرت کا بہت گہرا راز ہے ہر انسان کی رگوں میں کچھ نہ کچھ کجی موجود ہوتی ہے** جو اسے باہر کی بدآواز کے سامنے جھکانے پر آمادہ کر دیتی ہے اور اصل خطرناک شیطان اندر کا شیطان ہے اور وہ شیطان اگر مسلمان ہو جائے تو پھر دنیا میں کسی کو اس شخص کے اوپر غلبہ نہیں نصیب ہو سکتا یعنی خدا کے سوا کسی کو اس شخص پر غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا۔

اس گہری انسانی فطرت کے راز کو سمجھنے کے بعد ایک انسان شیطانی اثرات سے یا ابلیسی اثرات سے بہتر رنگ میں بچ سکتا ہے اور پھر مزید اس بات کو واضح فرما دیا کہ یہاں فطرت انسانی کی بات ہو رہی ہے فرمایا: جہنم جس میں یہ لوگ داخل کئے جائیں گے لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ اس کے سات دروازے ہیں جنت کے بھی سات دروازے بتائے گئے ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے بتائے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ربوہ میں آغاز کے سالوں میں میں نے ایک مرتبہ ایک خطبہ دیا تھا جس میں سمجھایا تھا کہ ان دروازوں سے کیا مراد ہے پانچ تو حواس خمسہ ہیں کان کا دروازہ آنکھ کا دروازہ، قوت شامہ کا دروازہ، مزے کا دروازہ، لمس کا دروازہ، وغیرہ وغیرہ یہ پانچ سوراخ ایسے ہیں جن کے ذریعے انسان بیرونی دنیا سے رابطہ کرتا ہے۔ اگر ان دروازوں پر پہرے نہ بٹھائے گئے ہوں تو جہاں بھی کمزوری ہوگی وہاں سے کوئی اچکا داخل ہو سکتا ہے، کوئی چور آ سکتا ہے پس جو لوگ ان دروازوں کی حفاظت کریں وہ خدا کے فضل کے ساتھ امن میں رہتے ہیں لیکن دو دروازے اندر بھی ہیں ان میں سے ایک دماغ کا دروازہ ہے اور ایک دل کا دروازہ ہے اور یہ دونوں دروازے ایسے ہیں جو تمام پانچوں اثرات کو قبول کرتے یا رد کرتے ہیں اور ان اثرات کے نتیجہ میں ان کی اپنی ایک شخصیت پیدا ہوتی ہے، ایک شخصیت ذہنی قابلیتوں کی شخصیت ہے ایک شخصیت جذباتی قابلیتوں کی شخصیت ہے

اور یہ دونوں چیزیں بیرونی اثرات سے رفتہ رفتہ بنتی ہیں اور اندرونی قابلیتوں کے اوپر جب بیرونی اثرات اپنی روشنی ڈالتے ہیں تو ان کے نتیجہ میں اندر سے ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح جب بیرونی اندھیرے اندر کے اندھیروں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں تو اندر سے ایک اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ پس ذہنی تاریکیاں ہوں یا قلبی تاریکیاں ہوں، ذہنی روشنیاں ہوں یا قلبی روشنیاں ہوں یہ دو دروازے ہر انسان کے اندر کھلے رہتے ہیں۔پس قرآن کریم نے جب فرمایا کہ سات دروازوں سے تم لوگ جہنم میں داخل کئے جاؤ گے تو مراد یہ ہے کہ اندر کے شیطان انسانی نفس کے ساتھ لگے ہوئے جو شیطان ہیں یہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے زبان، آنکھ، ناک وغیرہ یہ جتنے بھی حواس خمسہ کے دروازے ہیں ان پر اگر انسان قابو پالے اور ان کو خدا کے سپرد کردے تو پھر اندر کے دو دروازے بھی واقعۃً خدا کے سپرد ہو جاتے ہیں یعنی ذہن کا دروازہ اور دل کا دروازہ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ وہ ہیں جو مخلصین ہیں۔جن کو اللہ کے لئے خالص کر دیا گیا ہے ان پر کسی ابلیس کو کوئی تسلط نہیں ہوسکتا۔یہ مضمون سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے اور خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ یہ **صراط مستقیم** ہے جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے اور روز پانچ وقت پانچ نمازوں میں ہر رکعت میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں **صراط مستقیم** پر چلا۔کیسی **صراط مستقیم** ہے جہاں نیک بھی چلتے ہیں، بد بھی چلتے ہیں، ٹھوکریں کھانے والے لوگ بھی ہیں، بچ کر نکل جانے والے لوگ بھی ہیں۔اکثر وہ ہیں جو رستہ کھو دیں گے۔کم وہ ہیں جو خوش نصیب ہیں اور جو آخر منزل تک پہنچیں گے ان سب کے مضامین قرآن کریم نے تفصیل سے کھول کر ہمارے سامنے رکھے۔تمام دعائیں ہمیں سکھائیں اور ان بدعاؤں سے ہمیں متنبہ کیا جو الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ کی دعائیں ہیں لیکن وہ بھی صراط مستقیم پر ہی آپ کو ملتی ہیں لیکن وہ صراط جو سیدھی خدا تک پہنچا دیتی ہے وہ عباداللہ المخلصین کی راہ ہے اور ان ہی کی دعائیں کرتے ہوئے ہمیں ان رستوں پر آگے بڑھنا چاہئے اور جو جو ٹھوکریں خدا تعالیٰ نے ہم پر کھول دی ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ اپنی کوشش سے کوئی انسان نیک نہیں ہوسکتا جب تک دعا کے ذریعے اسے توفیق نہ ملے اور دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ دل سے ایک خالص آواز اس دعا کی قبولیت کے لئے اٹھے عام دعاؤں کے لئے تو دل سے خالص

آوازیں آسانی سے اٹھ جاتی ہیں مگر نیکی کی دعا کے لئے دل کی خالص آواز کو بلند کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ بات میں آپ کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ آپ اگر یہ دعا کریں کہ ہمارا بچہ ٹھیک ہو جائے تو دل سے نکلے گی۔ یہ دعا کریں کہ اے خدا ہمیں اس بلا سے نجات بخش دے، ہمیں اس طوفان سے بچالے تو دل سے اٹھی گی۔ چنانچہ قرآن کریم نے جیسا کہ میں نے پہلی دعاؤں میں ذکر کیا تھا۔ ان دعاؤں کی قبولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں پتا تھا کہ بعد میں یہ لوگ مکر جائیں گے لیکن اس وقت دل سے دعا کر رہے تھے۔ ایک مضطر کی دعا تھی اور ہم نے اس کو قبول کر لیا لیکن نیکی کی دعا مانگنا سب سے مشکل دعا ہے کیونکہ وہ بہاؤ کے خلاف دعا ہے۔ انسانی فطرت گناہوں کی پیروی کرتی ہے اس کی طرف دھکیل کر لے جانا چاہتی ہے۔ طبیعت کا طبعی بہاؤ مزے کی طرف ہے، لذتوں کی طرف ہے، آرام طلبی کی طرف ہے۔ بہاؤ کے خلاف دعا کرنا سب سے مشکل دعا ہے۔ واقعۃً نیکی کی دعا مانگتے ہوئے ہر انسان اگر اپنے نفس کو کرید کر دیکھے اور یہ غور کرے کہ واقعۃً وہ خدا سے ان سب چیزوں سے بچنے کی دعا مانگ رہا ہے تب اس کو پتہ چلے گا کہ وہ دعا کچھ نیم جان سی دعا تھی۔ انسان کہتا ہے کہ مجھے نیکی عطا کر لیکن ساتھ ڈرتا بھی ہے اور پوری طرح نیت بھی نہیں رکھتا۔ ایک شخص مثلاً رزق حلال کی دعا مانگتا ہے۔ اب اس کے لئے روزانہ رزق حرام کئی طرح سے بہت خوبصورت بن کر ظاہر ہوتا ہے اگر ان سب امکانات کو پیش نظر رکھے اور پھر یہ دعا کرے کہ اے خدا مجھے رزق حلال عطا کر تب اس کو سمجھ آئے گی کہ مخلص دعا ہوتی کیا ہے۔ وہ دعا مخلص نہیں ہوگی جب تک کہ وہ پہلے رزق حرام کے سارے دروازے اپنے اوپر بند نہیں کر لیتا اور خدا سے یہ کہہ نہیں دیتا کہ میں نے بند کر دیئے ہیں اب میں التجا کرتا ہوں کہ وقت کے اوپر آ کر ٹھوکر نہ کھا جاؤں۔ اس وقت تک یہ دعا مخلص نہیں ہو سکتی تو مخلص دعا یعنی نیکیوں کے معاملے میں مخلص دعا سب سے مشکل دعا ہے۔ اپنے بچوں لئے آپ کر سکتے ہیں۔ اپنے مرے ہوئے بزرگوں کے لئے کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی خاطر آپ کو اپنے اندر تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے آسانی سے کر سکتے ہیں۔ مائیں بچوں کو جتنی مرضی دعائیں دے لیں اے خدا! ان کو نیک بنا۔ سب ٹھیک ہے لیکن اپنے لئے نیکی مانگیں، اپنی کجیاں درست کرنے کی دعائیں مانگیں، اپنے جھوٹ سے بچنے کے لئے دعا مانگیں، اپنی نمازیں پڑھنے کی توفیق کی دعائیں مانگیں اور بہت سی ایسی دعائیں مانگیں تب ان کو سمجھ آئے گی کہ بچوں کیلئے تو پوپلے منہ سے آسانی سے دعائیں

کرلیں ۔مرے ہوئے بزرگوں کے لئے بھی کرلیں لیکن وہ دعائیں بھی تب زیادہ مقبول ہوں گی اگر اپنے لئے بھی اسی جان کے ساتھ دعائیں کی جائیں ۔اس لئے اپنے لئے دعائیں یہ بھی فیصلہ کردیتی ہیں کہ مستقبل کے لئے مقبول ہوں گی یا نہیں اور ماضی کے لئے مقبول ہوں گی کہ نہیں۔

انبیاء کی نیکیوں کی دعائیں کیوں ان کی اولاد کے حق میں مانی جاتی ہیں ۔عام انسان کے لئے کیوں نہیں مانی جاتیں ۔یہ بھی تو ایک مسئلہ ہے ۔پس مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی دعاؤں پر جب آپ غور کرتے ہیں تو بہت سی نیک لوگوں کی دعاؤں کی حکمتیں بھی سمجھ آنے لگ جاتی ہیں ۔اسی لئے یہ مضمون ضروری ہے اوراسی لئے میں آپ کے سامنے اسے کھول کر رکھنا چاہتا ہوں ۔جو مغضوب لوگوں کی دعائیں ہیں یا کج لوگوں کی دعائیں ہیں وہ جب نیکی کی دعائیں بھی کرتے ہیں تو ان کے اندر ایک کجی ہو جاتی ہے اور اس کجی کی وجہ سے وہ دعائیں رد ہو جاتی ہیں اور غیروں کے لئے خواہ کجی نہ بھی ہو چونکہ اپنے لئے کجی ہوتی ہے اس لئے دوسروں کی دعاؤں میں بھی کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔

قیامت کے دن ایک سوال ہے پوری دعا نہیں بنتی اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو اندھا بنا کر اٹھائے گا یعنی دوسری دنیا میں نور سے عاری کردے گا۔بصیرت سے عاری فرمادے گا تو وہ یہ کہے گا۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا (طٰہٰ :۱۲۶) کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھادیا۔میں تو دعا میں دیکھا کرتا تھا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا (طٰہٰ :۱۲۷) اللہ فرمائے گا کہ اسی لئے یعنی دلیل یہ ہے کہ تیرے پاس میرے نشانات آیا کرتے تھے یا آتے رہے اور تو نے انہیں نظر انداز کردیا فَنَسِيْتَهَا کا معنی یہاں ’’بھلا دیتا‘‘ ان معنوں میں نہیں کہ ایک چیز یاد تھی اور بھلا دی گئی نسیت کا معنی ہے: انہیں اس طرح نظر انداز کردیا کہ گویا وہ بھول چکے تھے ۔ان کو فراموش کردیا ۔ان کی طرف توجہ ہی نہیں کی ۔ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى اور آج تجھے اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔دیکھتے ہوئے نہ دیکھنے کا مضمون ہے جو بیان ہوا ہے فَنَسِيْتَهَا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تو نے کوئی یاد چیز کو بھلا دیا بلکہ مراد یہ ہے کہ تیرے سامنے تھی اور تو نے دیکھا ہی نہیں ۔نظر انداز کردیا تو جو چیز اپنی مرضی سے تو نے نہیں دیکھی آج تجھے نظر ہی نہیں آئے گی اور آج تو بھی اسی طرح خدا کے سامنے بھلا دیا جائے گا اور تیری ضرورتوں کی پروا نہیں کی جائے گی ۔یہ بہت ہی دردناک سزا ہے اور یہ سزا ہم دنیا میں اپنے لئے بناتے چلے جاتے ہیں ۔جب خدا کی طرف سے کوئی

بات ظاہر ہو جائے اسے دیکھنے کے باوجود آنکھیں بند کر لی جائیں تو اس پر یہ مضمون صادق آتا ہے۔

میں نے تبلیغ کے دوران بہت سے مولویوں سے باتیں کی ہیں اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ لوگ اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب ان کے سامنے کھلی کھلی بات رکھی گئی تو ان کے چہروں پر آپ خوف کے آثار دیکھ سکتے تھے آپ جانتے تھے کہ ان کو نظر آ گیا ہے لیکن بڑی پریشانی کے ساتھ انہوں نے اس رخ کو موڑا ہے اور کوشش کر کے مضمون کو بدلتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے اور روزمرہ کی زندگی میں بعض دفعہ انسان مومن ہوتے ہوئے بھی ایسی غلطیاں کر جاتا ہے۔ اس لئے اس سوال کا جواب خدا نے ہمیشہ کے لئے دے دیا کہ تم آئندہ کی زندگی کے لئے اپنی بصارت اور بصیرت خود بناؤ گے یا خود بگاڑو گے۔ اگر اس دنیا میں تم اندھے بن کر رہو گے تو قیامت کے دن بھی اندھے ہی اٹھائے جاؤ گے اور اگر اس دنیا میں روشنی پاؤ گے تو پھر قیامت کے دن بھی روشنی عطا ہوگی۔

اس کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں بلکہ حواس خمسہ سے ہے تمام حواس کا تعلق خدا تعالیٰ کی بعض فرماں برداریوں اور بعض نشانات سے ہے اور جہاں جہاں انسان ان کو بھلاتا ہے وہاں اگر کلیۃً ان پر فالج نہیں گرا دیتا تو کم سے کم ان حصوں کو بیمار کر دیتا ہے اور قیامت کے دن ان حصوں سے اس نے جنت کی لذتیں پانی ہیں یا اس جنت سے محرومی کے نتیجے میں عذاب دیکھنا ہے اس لئے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس دنیا میں ہم اپنے حواس خمسہ کو اس طرح استعمال کریں کہ ان سے ملتے جلتے، ان سے تعلق رکھنے والے حواس خمسہ آئندہ کی دنیا میں پیدا ہوتے رہیں۔ چنانچہ جب میں نے کہا کہ اس کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں بلکہ دوسرے حواس سے بھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اس کے بعد فرماتا ہے کہ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ (طٰہٰ: ۱۲۸) ہم اس قسم کا سلوک ہر اس شخص سے کرتے ہیں جو اسراف سے کام لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نشانات پر ایمان نہیں لاتا اور ان کا انکار کرتا ہے۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى اس ضمن میں جو بعد میں آنے والا عذاب ہے وہ زیادہ سخت ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ یہ دعا سورہ طٰہٰ ۱۲۵ تا ۱۲۸ سے ہے سورۃ مومنون کی ۱۰۰ تا ۱۰۲ آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ (المومنون: ۱۰۰) یہاں تک کہ جب ان

میں سے کسی ایک کو موت آجائے تو وہ کہے گا کہ اے خدا! مجھے لوٹا دے۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا (المومنون:۱۰۱) تا کہ میں جو جگہ چھوڑ کر آیا ہوں اس جگہ واپس جا کر نیک اعمال بجالاؤں یعنی اپنی زندگی کو نئے اعمال سے زینت دوں۔ كَلَّا خبردار ایسا نہیں ہوگا۔ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا یہ تو محض منہ کی بات ہے جو یہ شخص کہہ رہا ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اور ایک پردہ ایسے لوگوں کے پیچھے ہے جو قیامت کے دن تک ان کے درمیان اور حقیقت کے درمیان لٹکا رہے گا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون:۱۰۲)

جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان کوئی قرابتیں باقی نہیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔

ایک بات تو بارہا پہلے گزر چکی ہے کہ جب پکڑ کا وقت آجائے جب موت آجائے تو اس وقت بچنے کی کوئی دعا کارآمد نہیں ہوتی۔ ان مضامین کو جب دہرایا جاتا ہے تو بے وجہ نہیں دہرایا جاتا بلکہ ان کے ساتھ مزید کچھ اور مضامین بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں درحقیقت ایک بھی Repitation نہیں ہے۔ آپ کو بہت سی جگہ بعض مضامین دہرائے ہوئے دکھائی دیں گے اور انسان سمجھتا ہے کہ وہی مضمون دوبارہ ہے اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بعض مضامین بار بار نظر کے سامنے آئیں تو انسانی فطرت پر زیادہ گہرا اثر پڑتا ہے لیکن اور فائدہ یہ ہے کہ ان دہرائے ہوئے مضامین کو مختلف شکلوں میں پیش کیا جاتا ہے اور قرآن کریم میں ایک بھی ایسی دہرائی نہیں جس کا پس منظر یا بعد میں آنے والی آیات اس مضمون پر کوئی نئی روشنی نہ ڈالتی ہوں اس لئے کہیں بھی محض تکرار نہیں ہے بلکہ ہر تکرار کے ساتھ کچھ حکمتیں ایسی پوشیدہ ہیں جو پہلے موقعہ پر بیان نہیں ہوئی تھیں یا ان کے بعض پہلو بیان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی بات ہے۔ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا کہہ کر بظاہر وہی باتیں پیش کی گئی ہے جو پہلے بھی کئی دفعہ پیش ہو چکی ہیں مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اور ان کے درمیان ایک پردہ ہوگا جو قیامت کے دن تک لٹکا رہے گا۔ کن کے درمیان پردہ ہے؟ یہ بحث ہے۔

ایک مضمون تو یہ ہے کہ مستقبل میں جو کچھ ان کے لئے ظاہر ہونا ہے وہ پوری طرح ان کو دکھائی نہیں دے گا اور ایک پردہ ہوگا لیکن مزید غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کے درمیان اوران کے درمیان ایک پردہ ہے جو کبھی بھی نہیں اٹھایا جائے گا اور ان کو اعمال صالحہ کی توفیق مل ہی نہیں سکتی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں اگر کوئی شخص بدی کی حالت میں اٹھایا جاتا ہے تو جس حد تک اس کے بچنے کا امکان تھا وہ امکان اس کو مہیا کیا جا چکا ہے۔ اور جس شخص کو ابھی اور بھی آزمائش میں ڈالنا ہو اور ابھی اس کی صلاحیتیں پوری طرح استعمال نہ ہوئی ہوں اور یہ امکان ہو کہ ابھی کچھ اور امتحان باقی ہیں تو ایسے شخص کو اگر وہ بد ہے بدیوں میں لمبی زندگی ملتی ہے اور اگر وہ نیک ہے تو نیکی میں اور لمبی زندگی ملتی ہے لیکن کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ اپنی نیکی یا بدی کی کیفیتوں میں اس حد تک آزمایا نہ جا چکا ہو کہ جس کے بعد یقین سے یہ کہا جا سکتا ہو کہ اب اس کے بعد اگر اس کو لاکھ سال کی زندگی بھی ملے تو اس کے اندر تبدیلی پیدا نہیں ہوگی۔ یہی مضمون ہے جو اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ میں فرمایا ہے کہ زندگی کی حد تک ہم نے ان کو دیکھ لیا۔ یہ جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ موقعہ ملے گا تو ہم نیک اعمال کریں گے۔ یہ سب بکواس، جھوٹ ہے، منہ کی باتیں ہیں۔ قیامت تک یہ لوگ اب نیکی کی توفیق نہ پانے والے ہیں تب ہم نے ان کو ایسی حالت میں اٹھایا ہے اور پھر اس مضمون کو آگے بڑھا کر فرمایا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ان کے اوران کے نیک ساتھیوں کے درمیان کوئی رشتہ بھی باقی نہیں رہے گا جس طرح ان کے اوران کے اعمال کے درمیان کوئی رشتہ نہیں اسی طرح ان کے وہ رشتے دار جو نیک تھے ان کے درمیان کوئی رشتہ اب دوبارہ قائم نہیں ہوگا بلکہ ان کے بدوں کے ساتھ رشتے رہیں گے اور جس طرح یہاں انسان اپنے نیک ساتھیوں کے بھی حال پوچھ لیا کرتا ہے اولاد ہو یا ماں باپ ہوں یا اور عزیز ہوں، اقرباء ہوں نیک اور بد اکٹھے رہتے ہیں لیکن یہاں مرنے کے بعد فرمایا کہ بدوں اور نیکوں کی دنیا الگ کر دی جائے گی اور وہ ایک دوسرے کے حال پوچھنے کی بھی توفیق نہیں پائیں گے سوائے اس کے قرآن کریم میں بعض جگہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ سے استدعا کی گئی ہے کہ ہمیں ان لوگوں کا حال بتا اور خدا تعالیٰ ان کو توفیق دے گا کہ نعوذ باللہ دوسرا حال دیکھ لیں۔ وہ ایک الگ مضمون ہے جو استثناء کے طور پر ہے اور اس آیت میں

عمومی مضمون ہے جو بیان ہوا ہے۔

اب میں اس مضمون کو سر دست یہاں چھوڑتا ہوں کیونکہ مختصراً ایک اور بات بھی آپ کے سامنے رکھنی ہے کہ ہمارا مالی سال ۳۰؍ جون کو اختتام کو پہنچا ہے۔ میں چونکہ دورے پر تھا اس لئے میں اس کے متعلق پہلے کوئی گفتگو نہیں کر سکا۔ واپس آنے کے بعد مجھے بعض اطلاعیں ملی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن ممالک سے بھی اطلاع ملی ہے ان میں یہ خوشخبری ہے کہ بجٹ سے توقع سے زیادہ آمد ہو چکی ہے۔ پاکستان میں بھی انتہائی مشکل حالات کے باوجود مسلسل یہ مضمون ہمیشہ دہرایا جاتا ہے کہ سال ختم ہونے سے پہلے ناظر صاحب بیت المال ڈرانے کے خط لکھتے ہیں اور ایسی اطلاعیں بھیجتے ہیں کہ گویا اس دفعہ تو ہم بالکل رہ جائیں گے اور معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کس طرح آمد پوری ہوگی لیکن میرا خیال ہے وہ دعا کی خاطر جان کے ڈراتے ہیں تا کہ دعاؤں کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہو۔ اب میں سفر میں تھا تو مجھے ان کا خط ملا اور بہت سخت ڈرانے والا خط تھا کہ اس دفعہ تو حالت حد سے خراب ہو چکی ہے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ہم اپنا بجٹ اس دفعہ پورا کر سکیں گے لیکن واپس آیا ہوں تو چٹھی بالکل برعکس مضمون کی موجود ہے یعنی اللہ کے فضل سے دو ہفتے کے اندر اندر ایسی کایا پلٹی ہے کہ جتنی متوقع آمد تھی اس سے بھی کئی لاکھ اوپر آمد ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ باقی دنیا میں بھی یہی سلوک چلتا ہے جہاں کمزوری ہے وہاں انتظامیہ کی کمزوری ہے اور انتظامیہ کی کمزوریاں دو طرح سے ہیں ایک تو یہ کہ ان کو سارا سال بیدار مغزی سے احمدیوں تک پہنچنے، ان کو ان کے فرائض یاد دلانے کی توفیق نہیں ملتی۔ بعض سیکرٹریان مال سست ہو جاتے ہیں کئی کئی مہینے کے بعد، بعض دفعہ سال کے بعد بتاتے ہیں کہ تمہارا سب کچھ بقایا پڑا ہے اور ہر قسم کے انسان دنیا میں ہیں۔ اخلاص کے باوجود بعض طبعاً کمزور ہوتے ہیں۔ بعض طبعاً سست ہوتے ہیں ان تک اگر آپ وقت کے اوپر پہنچ جائیں تو جو کچھ ہے حاضر کر دیں گے لیکن جب وقت پر نہ پہنچیں تو دنیا کی دوسری ضروریات پہلے آجاتی ہیں پھر ان پر خرچ کر دیتے ہیں۔ آخر پر ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ جہاں بھی انتظامیہ مستعد ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت بھی وہاں اسی طرح مستعدی کے رد عمل دکھاتی ہے اور جہاں انتظامیہ دعا کرنے والی ہے وہاں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حیرت انگیز نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے مالی امور کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ تو اس لئے میں اعلان کرتا ہوں اور اب جہاں جہاں بھی خطبے کی یہ آواز

پہنچے گی کہ ایک مہینے کے اندر اندر اپنی مجالس عاملہ کی میٹنگز بلائیں اور اپنے سابقہ رویے کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ سارا سال کیا مستعدی کے ساتھ نادہندوں کی فکر کی گئی؟ کم شرح سے چندہ دینے والوں کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی یا نہ کی گئی؟

اس ضمن میں United States میں میں نے مجلس عاملہ کو جو خصوصیت سے ہدایت دی تھی اس کی ریکارڈنگ باقی دنیا میں بھی بھجوادی جائے گی اس پر بھی غور کرلیں اور اپنے مالی حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر ممالک رپورٹ بھجوانے میں سستی کر دیتے ہیں۔ مثلاً اب ایک مالی سال کا جو عرصہ ہے وہ تو گزر چکا لیکن ابھی تک بھاری اکثریت ایسے ممالک کی ہے جنہوں نے یہاں رپورٹ بھیجنے کا خیال بھی نہیں کیا حالانکہ ہر سال اس سال کی مکمل رپورٹ آنی چاہئے۔ پس ایک مہینے کے اندر اندر اب جماعتیں اپنی مکمل رپورٹ بھی بھجوائیں اور اس رپورٹ کے ساتھ معین اطلاع کریں کہ اس وقت تک ان کے پاس کتنا حصہ مرکز زائد پڑا ہوا ہے اور اس حصہ مرکز کے متعلق ہدایت طلب کریں کہ اس کو کیا کرنا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب کہ حصہ مرکز زائد کے طور پر اکثر باہر پڑا رہ جاتا تھا کیونکہ مرکز براہ راست بہت سے جماعتی کاموں میں اس طرح ملوث نہیں تھا کہ ساری دنیا میں مرکز کی طرف سے تفصیل سے خرچ ہو رہا ہو بلکہ جو جماعتیں تھیں وہی خرچ کرتی تھیں اور وہی مرکزی خرچ کے مترادف سمجھا جاتا تھا اب بہت سے ایسے غیر معمولی انقلابی کام ہو رہے ہیں جن کے نتیجے میں مرکز کا خرچ بہت بڑھ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک اس خرچ میں کمی نہیں آئی لیکن بعض دفعہ یہ الجھن ضرور پیدا ہوتی ہے کہ فلاں ملک میں پتا نہیں ہمارے کتنے پیسے پڑے ہوئے ہیں، فلاں ملک میں کتنے پڑے ہوئے ہیں بعض دفعہ چھ چھ مہینے تک اطلاع نہیں ملتی اور یہاں جو ہمارے اس وقت ایڈیشنل وکیل المال شریف احمد صاحب اشرف ہیں ان کے سپرد میں نے کیا ہے ان کو بے وجہ ضرورت سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ میں تمام دنیا کی جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ آج سے ایک مہینہ ختم ہونے سے پہلے مجلس عاملہ میں بھی اس صورتحال پر غور کریں اور مجھے براہ راست وہاں سے رپورٹ بھجوائیں۔ ایڈیشنل وکیل المال کو نہ بھجوائیں کیونکہ مجھے بھجوائیں گے تو مجھے پتا لگ جائے گا کہ کس نے بھیجی ہے اور کس نے نہیں بھیجی اور ان کے ذہن میں بھی یہ دباؤ رہے گا کہ میرے سامنے بات آنی ہے

اس لئے ممکن ہے تھوڑا سا مزید ذمہ داری کا احساس پیدا ہو تو میں امید رکھتا ہوں کہ جلد یہ رپورٹیں آجائیں گی۔ جہاں تک مرکزی اخراجات کا تعلق ہے مجھے اللہ کے فضل سے اس بارہ میں کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اب تک جتنی بھی نئی سکیمیں بنی ہیں، جتنے بھی نئے اخراجات سامنے آئے ہیں خدا تعالیٰ از خود پورا کرتا چلا جا رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ ہمیشہ یہی اس کا سلوک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ ہماری نیتیں پاک ہونی چاہئیں۔ مخلص ہونی چاہئیں۔ ہماری کوششیں مخلص ہونی چاہئیں اور پاک ہونی چاہئیں باقی سب برکتیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے اور وہی عطا فرماتا رہے گا۔

اس کے بعد میں باقی مضمون انشاء اللہ آئندہ ہفتے پیش کروں گا۔ ہاں ایک چھوٹا سا اعلان یہ کرنا تھا کہ اس جمعہ میں دو نئے ممالک کا اضافہ ہوا ہے جو براہ راست مواصلاتی ذرائع سے یہ خطبہ سن رہے ہیں۔ ایک تنزانیہ ہے اور ایک نیوزی لینڈ۔ تو یہ سلسلہ خدا کے فضل سے پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ کرے آئندہ ایسے انتظام بھی ہوں کہ آڈیو ویڈیو دونوں طرح سے جماعت بیک وقت ساری دنیا میں خطبے اور بعض اہم تقاریر سے مستفید ہو سکے۔ آمین

مغضوب اور ضآلین کی دعاؤں میں بڑے سبق ہیں۔
ایٹمی جنگ کی خبر اور اسلام کے غلبہ کی خوشخبری

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍ جولائی ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

سورۃ فاتحہ کے مضامین پر خطبات کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس میں سے غالباً آج کا یہ خطبہ آخری ہوگا کیونکہ اب ہم الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کے ذکر میں داخل ہو چکے ہیں اور اس ذکر سے انشاء اللہ آج نکل کر پھر نماز کی بقیہ دعاؤں اور حمد وثنا سے متعلق میں کچھ بات کروں گا وہ دعائیں جو قرآن کریم نے الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ کی دعاؤں کے طور پر محفوظ کی ہیں ان میں ہمارے لئے بہت بڑے سبق ہیں۔ کچھ دعاؤں کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے آج سورۂ مومنون کی آیات ۱۰۴ تا ۱۰۹ سے مضمون شروع کرتے ہیں۔ دعا تو ان میں سے ۱۰۷ اور ۱۰۸ آیات پر مشتمل ہے لیکن یہ آیات اس دعا کے تعلق میں ہیں اس لئے یہ ساری آیات درج کر دی گئی ہیں دعا یہ ہے کہ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ (المومنون:۱۰۷) وہ خدا سے یہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ہم پر ہماری بدنصیبی نے غلبہ پالیا تھا۔ وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ اور ہم گمراہ قوم بن چکے تھے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (المومنون:۱۰۸) اے ہمارے رب ہمیں اس جہنم کی حالت سے نکال دے پھر اگر ہم دوبارہ وہی حرکتیں کریں تو پھر یقیناً ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (المومنون:۱۰۹)

اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم اس میں دور ہٹ جاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

جتنی بھی دعائیں محفوظ کی گئی ہیں ان میں سے غالباً یہ اپنے مضمون کے لحاظ سے سب سے زیادہ دردناک دعا ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ ذکر تو ملتا ہے کہ خدا نے دعا کی اجازت دی اور لوگ دعا کرتے رہے اور پکارتے رہے لیکن دعا رد ہوتی رہی لیکن یہ ایک ایسی دعا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ سے کلام نہ کرو اور اپنی اس حالت میں اور دور تک پیچھے ہٹ جاؤ۔

اس مضمون کا ان کے اس اقرار سے تعلق ہے قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا انہوں نے کہا کہ اے خدا اس دنیا میں بدنصیبی ہم پر غالب آ گئی تھی اور بدنصیبی کے غلبے کی یہ تفسیر ہے کہ سب سے زیادہ بدنصیب وہ قوم ہوا کرتی ہے جو خدا سے اس طرح تعلق توڑ لے کہ اس کو پکارنا اور دعا میں اس کو یاد رکھنا ہی بھول جائے گویا خدا کا کوئی وجود ہی نہیں رہا۔ پس درحقیقت خدا کے جواب نے غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا کی تفسیر فرما دی ہے اور ہمیں یہ سمجھایا ہے کہ دنیا میں سب بدنصیبوں سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہوا کرتی ہے۔ دنیا میں ایسی قومیں بھی ہیں جن پر مصیبتوں کے وقت بھی آتے ہیں تب بھی وہ خدا کو نہیں پکارتے اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مصیبتوں کے وقت خدا کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا ذکر خدا تعالیٰ نے مختلف جگہوں پر فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ دوبارہ اس پہلی حالت کو لوٹ جائیں گے پھر بھی ہم بعض دفعہ ان کی دعائیں سنتے رہے کیونکہ ان کو دعا کی طرف توجہ تھی، یہ خیال تو آتا تھا کہ ہمارا ایک رب ہے اس کی طرف ہمیں جھکنا چاہئے اور اس سے مدد مانگنی چاہئے لیکن وہ بدنصیب جن پر بدنصیبی غلبہ پا جائے وہ دعا کے مضمون کو ہی بھول جاتے ہیں۔ اس پہلو سے آج کی دنیا پر اگر آپ نظر ڈالیں تو یقیناً انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ کہ زمانے کی قسم زمانہ بہت بڑے گھاٹے میں جا رہا ہے کیونکہ آج دنیا کی بھاری اکثریت وہ ہے جو دعا کا مضمون ہی بھلا چکی ہے۔ جتنی دعا جماعت احمدیہ میں کی جاتی ہے اور جتنا دعا کا ذکر جماعت احمدیہ میں چلتا ہے بعض ایسے بڑے بڑے خطے ہیں جہاں ساری آبادی مل کر بھی ساری زندگیوں میں دعا کا اتنا ذکر نہیں کرتی جتنا جماعت احمدیہ ایک سال بلکہ ایک مہینہ میں کرتی ہے بلکہ جماعت احمدیہ کی دعاؤں کے بعض دن بعض براعظموں کی دعاؤں پر غالب آ جاتے ہیں۔

پس دعا ہی حقیقت میں روحانی زندگی ہے اور جو قوم دعا کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے تعلق کاٹ لیتی ہے اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا پس دعائیں نامقبول بھی ہوں تب بھی دعا میں لگے رہنا چاہئے کیونکہ ایک وسیلہ تو ہے ایک واسطہ تو ہے خدا سے جس سے زندگی کی رمق قائم رہتی ہے اور ایک امید باقی رہتی ہے پس ایسی دعائیں بھی جو نامقبول ہوں اور نامقبول رہیں بسا اوقات ان کو بھی بالآخر پھل لگ جاتے ہیں۔ اس دعا سے جو ایک بدنصیب قوم کی بددعا ہے اس سے ہم نے یہ راز سمجھ لیا کہ سب سے اہم چیز خدا سے دعا کا تعلق قائم رکھنا ہے خواہ وہ قبول ہو یا نہ ہو۔

پس وہ لوگ جو بسا اوقات اپنی اس تشویش کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم دعائیں تو کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں۔ ہم نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر مزہ نہیں آتا کیوں نہ چھوڑ دیں ان کے لئے اس آیت میں بہت ہی بڑا انذار ہے اگر اس دنیا میں چھوڑ دو گے تو آئندہ تمہیں بھی یہی جواب ملے گا قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ پہلے بھی تم نے مجھ سے رابطہ توڑ لیا تھا تم مجھ سے کلام نہیں کیا کرتے تھے اب میری باری ہے میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ آج میں تم سے کلام نہیں کروں گا۔ دعا کے مضمون میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ بظاہر دعا قبول نہیں ہوتی لیکن متقی کی ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے فرمایا **بسا اوقات وہ دعا اس طرح قبول ہوتی ہے کہ انسان کو اس وقت معلوم نہیں ہوتا لیکن بعد میں اس کو علم دیا جاتا ہے کہ کس رنگ میں تمہاری دعا قبول ہوئی۔**

یہ مضمون ایک گہرا مضمون ہے، اس کے ذکر کے بغیر میں آگے چلتا ہوں کیونکہ میری خواہش ہے کہ آج ہی الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ کی دعاؤں کے اس مضمون کو ختم کر دوں۔

اسلامی لٹریچر میں ایک ایسی دعا کا ذکر ملتا ہے یا ایسے دعا کرنے والے کا ذکر اسلامی لٹریچر میں ملتا ہے جو ایک لمبے عرصہ تک دعائیں کرتا رہا اور دعائیں نامقبول ہوتی رہیں اور نامقبول ہونے کی اطلاع اس کو دی جاتی رہی لیکن پھر بھی وہ تھکا نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بزرگ کوئی خاص دعا کیا کرتے تھے اور ان کے بہت سے مرید تھے کیونکہ وہ بہت ہی تقویٰ شعار انسان تھے اور دور دور تک ان کی نیکی کی شہرت پھیل چکی تھی۔ بہت سے مرید آتے تھے اور کچھ عرصہ صحبت پا کر چلے جایا کرتے تھے لیکن ایک ایسا مرید تھا جس نے کبھی ان کا دامن نہیں چھوڑا۔ اس کے متعلق آتا ہے کہ اس نے ایک دفعہ اپنے پیر سے، اس بزرگ سے کہا کہ ۱۲ سال سے میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک دعا روزانہ

کرتے چلے جاتے ہیں اور روزانہ آپ کو خدا تعالیٰ یہ اطلاع دیتا ہے کہ میں نے تیری یہ دعا نامقبول کر دی ہے، رد کر دی ہے اور پھر آپ رات کو اٹھتے اور پھر وہی دعا کرتے ہیں اور پھر اٹھتے ہیں اور پھر وہی دعا کرتے ہیں اور آپ کا اصرار ختم ہونے میں ہی نہیں آتا جبکہ ہر دفعہ خدا آپ کو مطلع فرما دیتا ہے کہ میں نے تیری دعا رد کر دی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ دیکھو میں ایک بھکاری اور فقیر انسان ہوں فقیروں کا کام مانگنا ہے اور خدا مالک ہے اس کا کام ماننا یا نہ ماننا ہے وہ اپنا کام کرتا چلا جارہا ہے میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ یہ بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس بزرگ کو الہام ہوا کہ جا ہم نے تیری تمام عمر کی دعائیں قبول کر لی ہیں۔ **تو بعض دعاؤں کا وفا سے تعلق ہوتا ہے بندے کا کام نہیں ہے کہ خدا سے کلام کا تعلق توڑ لے یہ سب سے بڑی گستاخی ہے اگر ماں باپ بھی اپنے بچے کی کوئی بات نہ مانیں اور وہ روٹھ کر مانگنا چھوڑ دیں تو ماں باپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اسے ذاتی طور پر اپنی بے ادبی اور گستاخی سمجھتے ہیں ماں باپ کے مقابل پر بچے کا جو رشتہ ہے وہ ایک معمولی رشتہ ہے لیکن خدا کے مقابل پر بندے کا رشتہ تو بہت ہی عاجزی کا رشتہ ہے اس لئے ان باتوں کو سمجھیں اور خدا سے کلام کا تعلق توڑنے کا تصور بھی دل میں نہیں آنا چاہئے۔** پس وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں یا نمازوں میں لطف نہیں آتا ان کو یہی نصیحت ہے کہ وہ بندگی کرتے چلے جائیں یقیناً خدا تعالیٰ ان کی دعاؤں کو کسی نہ کسی رنگ میں قبول فرمائے گا اور ہرگز بعید نہیں کہ ایک وفا شعار بندے کو آخر وہی جواب ملے جو اس بزرگ کو ملا تھا کہ ہم نے تیری ساری عمر کی دعائیں قبول کر لیں۔

ایک دعا سورۂ قصص آیت ۴۹ میں بیان ہوئی ہے فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ۥ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ

اس میں بدنصیب منکر قوموں کی نفسیات بیان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب ان کے پاس حق آ گیا جو ہماری طرف سے تھا تو انہوں نے کہا کیوں نہ اس شخص کو وہ کچھ دیا گیا جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا یعنی انبیاء کے انکار کرنے والے ہمیشہ اسی قسم کے بہانے تراشتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے یہ مطالبے کرتے ہیں کہ جو اس سے پہلے دیا گیا جس رنگ میں اس سے تو نے کلام کیا، جس رنگ میں اس سے

تو نے سلوک فرمایا اگر بعینہٖ ویسا ہی کلام اس بندے سے کرے اور ویسا ہی سلوک اس بندے سے فرمائے تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے مگر یہ پہلوں سے ملتا نہیں۔ چنانچہ ہر نبی کو ہمیشہ یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ جو تجھ سے پہلے نبی نشان لائے تھے وہ نشان لا کر دکھا اور جب اس کے نشانات اس پر نازل ہوئے تو انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ جب بعد میں ایک نبی آیا تو اس سے بھی یہی مطالبہ ہوا کہ تجھ سے پہلے جو نبی گزرا ہے ویسا نشان دکھا۔ چنانچہ اس کا جواب دیکھئے کہ کتنا عظیم الشان جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا موسیٰؑ کو اس سے پہلے تم لوگ رد نہیں کر چکے مراد یہ ہے کہ یہ ذہنیت ایسی ہے جو ہر آنے والے کو رد کرتی ہے۔ جب موسیٰؑ کے وقت میں تمہارے جیسی سرشت کے لوگ تھے تو انہوں نے بعینہٖ یہی سوال موسیٰ سے بھی تو کیا تھا کہ تیرے نشانات کو ہم نہیں مانتے۔ تجھ سے پہلے جو نشانات آئے تھے ویسے نشان لا کر دکھا اور یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح سے جاری ہے۔ پس تم اس سرشت کے لوگ ہو جو قبول کر ہی نہیں سکتے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے صدق کی بعض نشانیاں ہوتی ہیں، اہل اللہ کی بعض علامتیں ہوتی ہیں وہ علامتیں تو ہمیشہ دہرائی جاتی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا وہی علامتیں ہیں جنہیں دیکھ کر سچے لوگ پہچانے جاتے ہیں لیکن اس کے علاوہ یہ کہنا کہ موسیٰؑ نے جس طرح عصا سے جھوٹے بنے ہوئے سانپوں کو دوبارہ رسی بنا دیا تھا اسی طرح کا عصا دکھا۔ یہ کہنا کہ جس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے تھے اسی طرح مردے زندہ کر کے دکھا۔ یہ سارے انکار کے بہانے ہیں اور جو بھی ایسے بہانے کرے گا اللہ تعالیٰ ان بہانوں کو رد فرما دے گا۔

یہ دعا سورۂ قصص ۶۳ تا ۶۵ میں درج ہے۔ میں جب آیات کا نمبر لیتا ہوں تو اس دعا سے پہلے اور بعد کی آیات کا نمبر بھی بیچ میں دے دیتا ہوں۔ وہ پس منظر کے طور پر اور بعد میں آنے والے جواب کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ لیکن میں صرف دعا پڑھ کر سناؤں گا فرمایا:

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ

وہ یہ کہیں گے وہ لوگ جن پر خدا تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے گا حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ وہ وعید جو ان کو دئے گئے تھے جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا اس عذاب میں داخل ہونے کا وقت ان کے سامنے آ جائے گا تو اس وقت وہ یہ کہیں گے رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا اے ہمارے رب! یہ وہ

لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا۔

اس سے پہلے ایک ایسی دعا گزری ہے جس میں گمراہ ہونے والے لوگ خدا سے یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! یہ وہ بد بخت ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ اقرار کریں گے کہ ہم نے فلاں کو اور فلاں کو اور فلاں کو گمراہ کر دیا تھا کَمَا غَوَيْنَا جیسا کہ ہم خود بھی گمراہ ہو گئے تھے تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ آج ہم تیری طرف اپنے گزشتہ اعمال سے الگ ہو کر لوٹتے ہیں یعنی پچھلے اعمال سے بریت کرتے ہیں تو تیری طرف آرہے ہیں مَا كَانُوْٓا إِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ یہاں دراصل ایک اور مضمون شروع ہو گیا ہے۔ مَا كَانُوْٓا إِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ کا تعلق پھر انہی لوگوں سے ہے جن کے متعلق کہا گیا کہ ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا اور اقرار کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اس آیت کو سمجھنے کے لئے یہ آخری ٹکڑا اس کی چابی ہے کہ وہ لوگ کیوں خود کہیں گے کہ ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا۔ لوگ تو ایسے موقع پر کہا کرتے ہیں کہ ہماری توبہ! ہم نے تو کچھ نہیں کیا لیکن عذاب کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ یہ کیوں کہیں گے کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم بھی گمراہ تھے اور ہم نے ان کو گمراہ کیا تھا آخر پر یہ کہا گیا ہے کہ مَا كَانُوْٓا إِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ کہ یہ ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ سب سے بڑی سزا ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں جھوٹے معبود بن جائیں اور ان کے لئے سب سے خوفناک جہنم ہے جو خدا سے ہٹا کر اپنی عبادت کی تعلیم دینے لگیں۔ یہ مضمون ایسے فرضی خداؤں کے اوپر چسپاں ہو رہا ہے جو بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ جہنم کے سامنے پیش کئے جائیں گے جن کو ان چھوٹے لوگوں نے خدا بنا لیا تھا جن کو ان چھوٹے لوگوں نے معبود کی صفات دے دی تھیں اس لئے وہ بڑے عذاب سے ڈر کر چھوٹے گناہ کا اقرار کر رہے ہیں ورنہ کوئی اتنی بڑی بہادری نہیں ہے کہ خدا کے حضور حاضر ہو کر بڑی تعلّی سے کہیں کہ ہاں ہم گناہگار ہیں ہم نے ایسا کیا تو آیت کا آخری ٹکڑا یہ بتا رہا ہے کہ اے خدا! ہم نے خود ان کو گمراہ کیا ہے ہمیں پتا ہے ہم خود بھی تو گمراہ تھے مگر ہم نے کبھی ان کو یہ نہیں کہا کہ ہماری عبادت کرو۔ یہ ان کی جہالت ہے اور اس لحاظ سے ہم بریت کا اعلان کرتے ہیں ہمیں اس بات کی سزا نہ دینا۔ گمراہ تھے گمراہی کی سزا دے دینا۔ گمراہ کرنے کی سزا دے دینا مگر جھوٹے خدا بننے کی سزا نہ دینا کیونکہ ہم نے ان کو نہیں کہا یہ جو ہماری عبادت کرتے تھے یہ دراصل خود اپنے نفسوں کی عبادت کرتے تھے اس میں دوسرا گہرا حکمت کا راز یہ سمجھایا گیا کہ جھوٹے خداؤں کی

عبادت کرنے والے کسی اور کی عبادت نہیں کرتے بلکہ اپنے نفس کی عبادت کرتے ہیں، اپنے فرضی قصوں کی عبادت کرتے ہیں اپنے مفادات کی عبادت کرتے ہیں اور حقیقت میں ان جھوٹے خداؤں سے ان کا کوئی ذاتی تعلق نہیں ہوتا نہ کوئی مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق نہ ہو جس کو مشاہدہ نہ کیا گیا ہو حقیقت میں ان کی عبادت نہیں کی جاتی بلکہ اپنی اغراض اور اپنے نفوس کی عبادت کی جاتی ہے، اپنے توہمات کی عبادت کی جاتی ہے۔ پس اس آیت نے بہت سے فطری رازوں سے پردہ اٹھایا اور یہ سمجھایا کہ انسان جب کسی بڑے گناہ میں ملوث پایا جاتا ہے یا اس پر الزام لگتا ہے تو وہ چھوٹے گناہ کا اقرار کرتا ہے لیکن اس کا فائدہ کوئی نہیں کیونکہ فرمایا:۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝ (القصص:۶۵)

کہ قیامت کے دن ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم ان شرکاء کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ جن کو تم دنیا میں پکارا کرتے تھے فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا پھر وہ ان کو بلائیں گے اور ان کو پکاریں گے۔ آوازیں دیں گے لیکن کوئی جواب نہیں پائیں گے وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور عذاب کو دیکھیں گے لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ کاش ایسا ہوتا کہ وہ دنیا کی زندگی میں ہی ہدایت پا چکے ہوتے۔

سورۂ سبا کی آیت بیسویں میں یہ دعا درج ہے: فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (سبا:۲۰) حضرت سلیمان نے جب بہت ترقی کی اور بہت عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی اور عظیم الشان سلطنتوں میں شہری آبادیاں ہمیشہ بڑھ جایا کرتی ہیں اور نتیجۃً بعض دفعہ شہروں سے شہر مل جاتے ہیں۔ چنانچہ Civilization کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ جتنی بڑی Civilization ہوگی اتنا شہری آبادیاں پھیلتی چلی جائیں گی یہاں تک کہ بعض شہر دوسرے شہروں سے مل جاتے ہیں تو ایسا ہی نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ایسی حالت میں یہود نے یہ دعا کی رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ انہوں نے کہا اے خدا! ہمارے درمیان سفر بڑھا دے مطلب یہ تھا کہ ہماری بستیوں کے درمیان فاصلے زیادہ کر دے وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا فَجَعَلْنٰهُمْ

احادیث اور ہم نے ان کو ماضی کے قصے بنادیا وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ بکھیر دیا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ان باتوں میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تو دعا کی کہ اے خدا ہمارے فاصلے بڑھا دے لیکن اس پر اتنی خطرناک سزا کا کیا مطلب تھا کہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، ان کو بکھیر دیا گیا، ان سے برکتیں چھین لی گئیں اگر ایک انسان کھلی جگہ رہنا چاہے اور یہ پسند نہ کرے کہ شہر سے شہر ملے ہوں تو اس کے نتیجہ میں تو یہ سزا نہیں ملنی چاہئے۔ عام طور پر قرآنی تراجم میں یہی لکھا ہوا ہے کہ انہوں نے یہ دعا کی تھی تا کہ ہمارے رہن سہن آسان ہو جائیں ہمارے شہر ایک دوسرے سے ہٹیں کچھ کھلی ہوا میں ہم بھی دم لیں۔ شہر کی تنگیوں سے گھبرا گئے تھے اور یہ دعا کی حالانکہ یہ بات درست نہیں قرآن کریم نے اس دعا کے معاً بعد یہ فرما کر وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اس کی بنیادی خرابی کا ذکر فرما دیا ہے۔ وہ اس لئے ایک دوسرے سے دور نہیں ہونا چاہتے تھے کہ ان کو کھلی فضا میں سانس لینے کی خواہش تھی بلکہ اس لئے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے دور ہو چکے تھے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے تھے اور وہ سوسائیٹی جس میں محبت نہ رہے اس میں تو انسان یہ بھی چاہتا ہے کہ میرا ہمسایہ بھی مجھ سے دور ہٹ جائے۔ پس نفرتیں جب فاصلے بڑھانے کے مطالبے کریں تو یہ دعا ایسی ہے جس کے نتیجہ میں چین کی دوریاں نصیب نہیں ہوں گی بلکہ عذاب کی دوریاں نصیب ہوں گی۔ بعض دوریاں ایسی ہیں جیسے کھلی فضا میں دیہات دیہات سے الگ ہوتے ہیں ایک گاؤں سے سفر کر کے دوسرے گاؤں میں جائیں بڑا خوشگوار ماحول نظر آتا ہے بڑی خوشگوار فضا ہوتی ہے سبز سبز لہکتے ہوئے کھیت ہیں یہ وہ منظر نہیں ہے۔ جس کا تصور قرآن کریم پیش فرما رہا ہے۔ فرماتا ہے وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وہ بظاہر تو یہ دعا کرتے تھے لیکن حقیقت میں اپنی جانوں پر ظلم کر چکے تھے ایک دوسرے سے شدید نفرت کرنے لگے تھے ایک دوسرے کا قرب ان کو گوارا نہیں رہا تھا۔ اس کے جواب میں اب دیکھیں خدا تعالیٰ نے جو سلوک فرمایا وہ بعینہ ان کے دل کی حالت کے مطابق ہے۔ وہ پھٹے ہوئے تھے تو فرمایا اب ہم تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ جو دل کی اصل دعا ہے وہ قبول ہوئی ہے زبان کی دعا قبول نہیں ہوئی اور وہ قوم جو بظاہر ایک تھی ان کے چونکہ دل پھٹ چکے تھے اس لئے وہ مختلف فرقوں اور گروہوں میں

بٹ گئے اور اس کے نتیجہ میں افتراق کا عمل شروع ہو گیا۔

پس روحانی جماعتوں کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر دل میں ایک دوسرے سے دوری کی تمنا پیدا ہو جائے ، اگر ایک دوسرے سے محبت میں کمی آ جائے۔ایک دوسرے سے مل کر لطف اندوز ہونے کی بجائے ایک دوسرے کے قرب سے طبیعت میں وحشت پیدا ہوتی ہو تو یہاں بالآخر پھٹنے کا آغاز ہو چکا ہے اور آئندہ تفریق کی بنیاد اسی دوری کی تمنا میں ہوتی ہے اور پھر آخر کار ایسی قومیں ایک دوسرے سے جدا ہو جایا کرتی ہیں اور تفریق کا عمل ایک دفعہ جاری ہو تو پھر رکا نہیں کرتا۔اس لئے جماعت احمدیہ کو اخوة بن کر رہنا ضروری ہے۔ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کی محبت میں منسلک رہنا چاہئے اور جہاں بھی یہ خطرہ دیکھیں کہ احمدی کو احمدی سے دوری ہو رہی ہے وہاں ان کے دلوں میں خطرے کے الارم بج جانے چاہئیں اور یہ دعا نہیں کرنی چاہئے کہ بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا بلکہ یہ دعا کرنی چاہئے جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے کہ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الحشر:۱۱) اے ہمارے خدا ہمارے دلوں میں ٹیڑھا پن اور اپنے بھائیوں سے کجی پیدا ہو رہی ہے اب بھائیوں کے خلاف نفرتیں جنم لینے لگی ہیں پس اے خدا تو فضل فرما اور ہمارے دلوں میں اپنے مومن بھائیوں کے لئے کسی قسم کی نفرت پیدا نہ ہونے دے۔

ایک دعا سورۂ فاطر آیت ۳۸ میں سے لی گئی ہے اور وہ ہے:

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (فاطر:۳۸)

کہ وہ چیخ چیخ کر خدا کو پکاریں گے یعنی جب ان کو سزا دی جائے گی تو ایک شور پڑ جائے گا ایک کہرام اٹھ کھڑا ہو گا وہ کہیں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اے خدا ہمیں اس عذاب سے نکال نَعْمَلْ صَالِحًا ہم یقیناً اچھے عمل کریں گے غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ان اعمال کے سوا جو ہم کیا کرتے تھے جب کہہ دیا کہ ہم اچھے عمل کریں گے تو اس تکرار کی کیا ضرورت ہے کہ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ یعنی وہ اعمال نہیں کریں گے جو ہم کیا کرتے تھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں بداعمال لوگ ہمیشہ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اچھے عمل کر رہے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے شروع ہی

میں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (البقرہ:۱۲) کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بڑے اچھے اچھے کام کرنے والے لوگ ہیں۔ہم اصلاح کر رہے ہیں تو فرمایا:۔

قیامت کے دن جب سزا کا وقت آئے گا تو اس وقت وہ خوب سمجھ چکے ہوں گے کہ ہم اچھے اعمال کا نام لے کر بدیاں کیا کرتے تھے وہ خدا سے یہ نہیں کہیں گے کہ ہمیں بھیج دے ہم اچھے اعمال کریں ان کو فوراً خیال آئے گا کہ ایک قسم کے اچھے اعمال تو پہلے ہی ہم کیا کرتے تھے اسی کی تو سزا مل رہی ہے تو وہ دعا میں وضاحت کریں گے کہ اے خدا ہم اچھے اعمال کریں گے یعنی وہ اعمال نہیں کریں گے جو ہم اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔خدا فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ ہم نے کیا تمہیں لمبی عمریں نہیں دیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی توفیق کے مطابق اس دنیا میں مہلت دی جاتی ہے تب وہ پکڑا جاتا ہے اور کوئی شخص جس کو سزا ملنی مقدر ہے وہ اتنی عمر ضرور پاتا ہے جتنی عمر میں اس کی بدیوں کی پختگی ثابت ہو جائے۔جس کے متعلق خدا تعالیٰ یہ حکم صادر فرما سکے کہ تجھے اتنی لمبی مہلت ملی تھی ،اتنی اصلاح کے مواقع ملے تو اپنے بدحال پر قائم رہا راسخ رہا، مستحکم ہو گیا اس کے بعد اب تجھے یہ کہنے کا حق نہیں کہ مجھے لوٹا دے تاکہ میں نیک اعمال کروں۔پھر فرمایا کہ ایسی عمر نہیں ملی تھی کہ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کہ جس کے نتیجہ میں وہ شخص جو نصیحت پکڑنا چاہے وہ نصیحت پکڑ سکتا تھا یعنی انسان کو اتنی مہلت ضرور ملتی ہے کہ اسے اگر اتنی ہوش ہو کہ نصیحت پکڑ سکے تو ضرور پکڑے گا وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ اور اس کے علاوہ تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ پس اب اپنے اعمال کا مزہ چکھو کیونکہ ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

سورۂ ص میں ۱۷ویں آیت ہے: وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ یہ مرنے کے بعد کی نہیں بلکہ اس دنیا کی زندگی کی دعا ہے بعض ایسے لوگ تھے جو یہ دعا کیا کرتے تھے کہ رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ کہ اے خدا! ہمیں یوم حساب سے پہلے ہی جو کچھ چکھانا ہے یہاں چکھا دے۔

اس دعا کے دو مطلب ہیں۔ایک تو یہ معنی ہو سکتا ہے کہ اے خدا! اس دنیا میں جو کچھ ہمیں دینا ہے دے دے ہمیں آخرت کی کوئی پرواہ نہیں۔یعنی ایک قسم کا تمسخر ہے جو وہ دعائیں کرتے ہیں وہ

یہ کہتے ہیں قیامت کے دن جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اپنے مومنوں کو دے دینا جو کچھ دینا ہے ہمیں تو اس دنیا میں جو کچھ میسر آتا ہے وہ دے دے تاکہ ہمارا حساب یہیں صاف ہو جائے ۔ قیامت میں ہمیں کچھ نہیں چاہئے یہ دعا وہی کر سکتا ہے جس کو قیامت کا یقین نہ ہو۔ جس کو اعتماد ہی نہ ہو کہ مرنے کے بعد کی کوئی زندگی ہے اور کوئی جزا سزا ہے اس لئے یہ دعا ان معنوں میں تمسخر کا رنگ رکھتی ہے اور یہی دعا بغاوت کا رنگ بھی اختیار کر جاتی ہے۔ جبکہ بعض ظالم لوگ خدا سے یا خدا والوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جس عذاب کی تم باتیں کرتے ہو کہ مرنے کے بعد آئے گا مرنے کے بعد وہ عذاب کس نے دیکھنا ہے۔ اب لاؤ وہ عذاب اگر اب کچھ دکھا سکتے ہو تو لا کر دکھا دو۔ چنانچہ ابو جہل کی جس دعا کا اس سے پہلے ذکر گزرا ہے وہ بھی اسی مضمون کی دعا تھی تو یہ دونوں طریق نہایت ہی خطرناک اور مہلک ہیں

انسان پر قرآن کریم کی دعاؤں کے مطالعہ سے ایک بات خوب کھل جاتی ہے ۔ کہ جہاں الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی دعائیں ہیں وہاں ان کی دعاؤں کی عاجزی ان کی دعاؤں کی قبولیت میں مددگار ثابت نہیں ہوتی بلکہ بڑی عاجزی سے بھی جب وہ دعائیں کرتے ہیں تب بھی وہ نامراد دعائیں ہوتی ہیں، نامقبول دعائیں ہوتی ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جب وہ دعا میں باغیانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور چیلنج کرتے ہیں تو اس وقت ان کی وہ دعا قبول ہو جاتی ہے مومنوں کے ساتھ تو برعکس اصول ہے مومن جتنا عاجزی اختیار کرتا ہے اتنی ہی اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جہاں اس کے ذہن میں کوئی باغیانہ تصور سائے کی طرح بھی آئے وہاں اس کی دعا رد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھیں سب سے خوفناک باغیانہ دعا شیطان نے کی تھی اور خدا نے ساری کی ساری دعا قبول کر لی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں خدا کی عظمت اور جبروت کو چیلنج ہے اور چیلنج اگر قبول نہ ہو تو اس میں سبکی ہوتی ہے اور انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہم نے دھمکی بھی دی۔ ہم نے چیلنج بھی دیا اور اس کے باوجود بھی قبول نہیں ہوئی کیونکہ خدا گویا نعوذ باللہ بھاگ گیا۔ پس ظالم کی دعا جب بغاوت کا رنگ اختیار کرتی ہے تو وہ مقبول ہو جایا کرتی ہے۔ ایسے بہت سے چیلنج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب دیئے گئے تو وہ قبول ہوئے اور عاجزانہ دعائیں ان کی نامقبول ہوتی ہیں کیونکہ وہ عجز کا جو وقت ہے وہ کھو چکے ہوتے ہیں تو مومن چونکہ عاجزی اختیار کرتا ہے اور یہی اس کو زیب دیتی ہے اس لئے عجز کے ساتھ مومن کی دعاؤں کی قبولیت کا گہرا تعلق ہے۔

ایک دعا فصلت حٰمٓ السجدہ آیت ۳۰ میں درج ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دعا کریں گے کہ رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا اے خدا! وہ لوگ ہمیں دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، ان کو ہمارے سامنے لا خواہ وہ بڑے لوگوں میں سے تھے خواہ وہ چھوٹے لوگوں میں سے تھے۔ جن تھے یا انس تھے نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا آج ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے کچلیں گے لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ تا کہ وہ سب سے نیچے اور ذلیل لوگ دکھائی دیں۔

مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں جب گندے اور ظالم بڑے لوگوں کی پیروی کی جاتی ہے تو قیامت کے دن کا عذاب انسان پر یہ کھول دے گا کہ دراصل وہ ذلیل ترین لوگ تھے جن کے پیچھے تم چلا کرتے تھے اور ذلیل ترین لوگوں کے پیچھے چلنے کے نتیجہ میں تمہیں یہ عذاب ملا ہے۔ پس صرف انتقامی کارروائی کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک طبعی تمنا کے طور پر وہ خدا سے یہ التجا کریں گے کہ اے خدا! تو نے جو ایسے ظالموں کو ضرور ہم سے بڑھ کر عذاب دینا ہے تو ان کو ہمارے سامنے پیش کر، ہمارے پاؤں تلے وہ کچلے جائیں تا کہ ان کو پتا چلے کہ وہ اس دنیا میں کس قسم کے بڑے لوگ تھے اور حقیقت میں وہ سب سے رسوا اور سب سے ذلیل انسان تھے مگر ان کی لذتیں بھی انتقامی لذتیں ہی ہیں اور جہنم میں کوئی حقیقی خوشی اور تسکین کی بات ان کے لئے نہیں ہوگی۔

پھر سورۃ الدخان آیت ۹ تا ۱۷ میں یہ ایک دعا بتائی گئی ہے:

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۵﴾ (الدخان: ۱۳ تا ۱۵)

یہ دعا اک ایسے زمانے سے تعلق رکھتی ہے جو ابھی آنے والا ہے۔ جو گزرا ہوا زمانہ نہیں ہے بلکہ سورۃ دخان سے یہ دعا لی گئی ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا جبکہ ایک خاص قسم

کا مہلک دھواں دنیا کے بڑے بڑے خطوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ وہ ایسا مہلک دھواں ہوگا کہ جس کے نتیجہ میں نہ انسان زندہ رہ سکے گا نہ مر سکے گا۔ انتہائی مہلک حالت ہوگی۔ انتہائی پُر عذاب حالت ہوگی۔ فرمایا ایسی حالت میں کیا ہوگا۔ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾ يَّغْشَى النَّاسَ (الدخان: ۱۲) اے محمد ﷺ! آج جو یہ تیری باتوں کا انکار کر رہے ہیں اور تیری پیشگوئیوں سے تمسخر کر رہے ہیں انتظار کر و اس دن کا، مراد یہ ہے کہ تو اور تیری امت انتظار کرے۔ یہاں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے آپ کے بعد آنے والے آخری زمانے تک پیدا ہونے والے مسلمانوں کو مخاطب فرمادیا گیا ہے۔ اہل اسلام کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ بعض ایسی پیشگوئیاں ہیں جو لازماً پوری ہونے والی ہیں۔ ان میں سے ایک دھوئیں کی پیشگوئی ہے اب آپ سوچئے کہ آج سے ۱۴۰۰ برس پہلے دھوئیں کے عذاب کا کوئی تصور ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کوئی ایسا دھواں ہوگا جو زمین کے بڑے بڑے خطوں کو ڈھانپ لے گا اور اس کے نیچے نہایت دردناک عذاب ہے۔ یہ ایٹمی دور کی بات ہے اور ایٹمی دور سے پہلے کے انسان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔ پس اس دعا میں ہمارے لئے قرآن کریم کی صداقت کا بھی ایک عظیم الشان نشان ہے۔ فرمایا! اے محمدؐ! ہم تجھ سے یہ کہتے ہیں کہ تو انتظار کر، ایک ایسا زمانہ لازماً آئے گا جبکہ ایک بہت بڑا دھواں دنیا کے عظیم خطوں کو ڈھانپ لے گا۔ يَّغْشَى النَّاسَ یہاں خطوں کی بجائے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ دراصل وہ دھواں ظالم انسانوں کو سزا دینے کے لئے ان پر مسلط کیا جائے گا۔ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ یہ تو بہت ہی دردناک عذاب ہے۔

اب بتائیے! اس زمانے کا انسان تو در کنار، آج سے ۱۰۰ سال پہلے کا انسان بھی کیا یہ تصور کر سکتا تھا کہ کوئی ایسا دھواں دنیا پر پھیلے گا جس کے نیچے بہت ہی دردناک عذاب ہے۔ سوائے ایٹمی دھوئیں کے اور کوئی دلیل اس دھوئیں کے تصور کی موجود ہی نہیں۔ جس کو یہ علم ہو کہ ایک ایٹم بم کے نتیجہ میں بہت خوفناک قسم کے بادل اٹھیں گے اور وہ دنیا کو ڈھانکیں گے اور جہاں جائیں گے وہاں عذاب پھیلاتے چلے جائیں گے جب تک کسی کو یہ علم نہ ہو یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ پس یقیناً یہ خدا کا کلام ہے۔ عالم الغیب خدا کا کلام ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلام نہیں۔ آگے فرمایا کہ وہ اس وقت کیا دعا کریں گے۔ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ وہ یہ کہیں گے کہ اے خدا! اس

عذاب کو ہم سے ٹال دے، ہم ایمان لے آئیں گے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ جب تک یہ واقعہ نہ ہوا اسلام کی طرف بنی نوع انسان کا رجوع نہیں ہوگا کیونکہ یہ دھوئیں کا عذاب بنی نوع انسان پر اس وقت آئے گا جبکہ بنی نوع انسان اکثریت کے لحاظ سے شریر ہونگے ورنہ تو خدا کی طرف سے اتنا خوفناک عذاب نیک بندوں پر نہیں آیا کرتا۔ اگر وہ ایمان لے آتے تو اس عذاب کے آنے کا سوال ہی باقی نہ رہتا۔ پس یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے قبول عام کے وقت سے پہلے لازماً نیوکلیئر بمبز Nuclear Bombs دنیا میں چلیں گے اور دنیا کی ترقی یافتہ قومیں جو چاہیں کرلیں اس قسم کی نیوکلیئر جنگ سے ہمیشہ کے لئے بچ نہیں سکیں گی۔ بالآخر ان کی غلطیاں ضرور ان کو نیوکلیئر وارفیئر Warfare پر مجبور کردیں گی اور اس کے نتیجہ میں دو باتیں پیدا ہونگی۔ بہت ہی خوفناک زہریلے دھوئیں کے بادل دنیا پر پھیلیں گے اور انسانوں کو شدید عذاب میں اور دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ اس کے نتیجہ میں وہ ایمان لانے کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ اس سے پہلے بھی ہیروشیما اور ناگاساکی میں دو بم پھٹ چکے ہیں لیکن ان کے نتیجہ میں اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ کی آواز وہاں بلند نہیں ہوئی تھی اور نہ دنیا نے اسلام کی طرف توجہ کی۔ پس اس لئے میں قطعی طور پر یقین رکھتا ہوں کہ اس آیت کا اور اس دعا کا تعلق آئندہ زمانے سے ہے اور جب تک بنی نوع انسان کو اس قسم کی خوفناک سزا کے ذریعہ جھنجھوڑا نہیں جائے گا اس وقت تک وہ اسلام کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ فرمایا: اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ (الدخان:۱۴)

اب وہ نصیحت کیسے مانگ رہے ہیں۔ کس منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نصیحت پکڑیں گے وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ان میں ایک کھلا کھلا رسول ظاہر ہو چکا ہے۔

پس یہ اسی زمانے کے کسی رسول کی بات ہو رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ایک ایسے رسول کا ذکر ہے جس نے ان کو تنبیہ کرنی تھی اور تنبیہ کر دی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا گزشتہ ۱۴۰۰ سال میں ایک بھی انسان ایسا نہیں گزرا جس نے ایٹمی ہلاکت سے دنیا کو متنبہ کیا ہو۔ پس اس آیت کا تعلق احمدیت سے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے ہے۔ آپ تمام بزرگوں کی تاریخ کا مطالعہ کرلیں۔ ۱۴۰۰ سال میں ایک بھی بزرگ ایسا نہیں ملے گا جس نے ایٹمی ہلاکت کا تصور خدا سے علم پا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہو۔ یا

قرآن کریم کی اس آیت میں یہ ذکر موجود ہے یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ ایسی خوفناک جنگیں آنے والی ہیں یا ایسے خوفناک زلازل دنیا میں ظاہر ہونے والے ہیں جن کے نتیجہ میں بڑے وسیع خطہ ہائے ارض زندگی کی ہر قسم سے محروم رہ جائیں گے۔اب یہ بات بہت ہی گہری قابل غور بات ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جبکہ الہاماً آپ کو یہ خبر دی گئی تھی اس وقت تک ایٹم بم کے تصور کا تو کیا سوال ابھی ہوائی جہاز بھی ایجاد نہیں ہوئے تھے۔۱۹۰۵ء میں پہلی مرتبہ وہ معمولی سا جہاز ایجاد ہوا ہے جس کا امریکہ میں تجربہ کیا گیا تھا لیکن اس کو بھی دنیا نے مذاق کے طور پر لیا تھا۔وہ کونسی ہستی تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بارہ میں متنبہ فرما رہی تھی کہ زمین کے علاقے کے علاقے زندگی کی ہر قسم سے محروم رہ جائیں گے۔جو کنونیشنل وارفیئر Conventional Warfare ہے اس کے نتیجہ میں انسان ہلاک ہو سکتے ہیں، جانور ہلاک ہو سکتے ہیں مگر جراثیم تو ہلاک نہیں ہو سکتے۔حشرات الارض تو ہلاک نہیں ہوا کرتے زندگی کی ہزاروں قسمیں ہیں جن پر دنیا کی خوفناک ترین جنگ بھی اثر انداز نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ ایٹمی جنگ ہو۔ایٹم بم کے نتیجہ میں زمین کی گہرائی تک زمین زندگی کی ہر قسم سے عاری ہو جاتی ہے اور یہ وہی دخان مبین ہے جس کی بات ہو رہی ہے۔پس اس لئے میں نے یہ بات کھولی کہ اس دعا کا تعلق آنے والے وقت سے ہے اور اس عذاب کے نتیجہ میں دنیا کو اسلام کی طرف توجہ پیدا ہوگی۔پس ہم پر یہ مضمون کھل چکا ہے اس لئے ہمیں آج ان لوگوں کے لئے دعا کرنی چاہئے کیونکہ عذاب کے وقت کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی۔جب ہم پر بات خوب روشن ہوگئی تو امن کی حالت میں اگر بے قراری سے بے چین لوگوں کے لئے دعا کی جائے تو وہ ضرور مقبول ہو جایا کرتی ہے۔پس آج جماعت احمدیہ کو یقین کے ساتھ کہ یہ آنے والا وقت ضرور ہے اور اس وقت کو احمدیت کی دعاؤں کے سوا کوئی چیز ٹال نہیں سکتی بڑی ہمدردی اور بہت ہی گہرے فکر کے ساتھ ایسے وقت سے بنی نوع انسان کے بچنے کے لئے دعا کرنی چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پھر ایمان نصیب فرما دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے بعد پھر انشاء اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کے دن آئیں گے۔

آخری دعا جو اس ضمن میں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس میں وہی مضامین ہیں جو پہلے دہرائے جا چکے ہیں، صرف ایک نتیجہ خدا نے اس کے بعد ایسا نکالا ہے جس کو ہمیشہ ہمیں پیش نظر

رکھنا چاہئے وہ دعا یہ ہے اور یہ دعا بھی ایک امکانی دعا ہے یعنی کسی قوم کا ذکر نہیں فرمایا گیا کہ وہ یہ دعا کرتی ہے بلکہ فرمایا کہ ایک ایسا وقت آ سکتا ہے جبکہ ہر انسان اس قسم کی دعا کرے۔ فرمایا۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (المنافقون: ۱۱)

فرمایا اس دن سے پہلے پہلے ہر اس چیز میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے۔ کون سے دن سے پہلے؟ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اس سے پہلے کہ تم سے کسی کو موت آجائے فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ پھر وہ کہے: اے خدا! کاش تو نے مجھے کچھ تھوڑی سی اور مہلت دے دی ہوتی۔ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ تو میں تیرے نشانات کی تصدیق کرتا اور صالحین میں سے نیک عمل کرنے والوں میں سے ہو جاتا۔ فرمایا: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المنافقون: ۱۲) یاد رکھو جب کسی کی تقدیر آجائے، جب وقت مقررہ آجائے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی جان کو مزید مہلت نہیں دیا کرتا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اس میں دو تین باتیں احمدیوں کے لئے قابل غور ہیں اور ان کے لئے خوشخبری بھی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا قبولیت دعا سے تعلق پیدا کیا گیا ہے فرمایا: اگر تم موت سے پہلے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ تو پھر تمہاری آخری دعائیں بھی قبول ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر تم موت سے پہلے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا سلیقہ نہ سیکھو یا اس سے لطف اندوز ہونا نہ سیکھو تو پھر تمہاری موت کے وقت کی کوئی دعا قبول نہیں ہوگی۔ پس اس دنیا میں جماعت احمدیہ خدا کی راہ میں جو خرچ کرتی ہے، ان کے لئے بہت بڑی خوشخبری ہے اور حقیقت میں اس دنیا میں ایک ہی جماعت ہے جو اس رنگ میں پورے انہماک اور جذبے اور ولولے کے ساتھ اور ایسے ولولے کے ساتھ جس سے وہ خود لطف اندوز ہوتی ہے خدا کی راہ میں اور نیک کاموں پر خرچ کر رہی ہے۔ میرے علم میں دنیا میں اور کوئی ایسی جماعت نہیں ہے۔ پس آپ کے لئے اس میں بڑی خوشخبری ہے لیکن وہ احمدی جو احمدی ہونے کے باوجود خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی لذت سے ناآشنا ہیں ان کے لئے انذار بھی ہے کیونکہ فرمایا

کہ تم لوگ اس وقت سے پہلے پہلے خرچ کرو جبکہ تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ اے خدا! ہمیں مہلت دے دے کہ کچھ اور نیک کام کرلیں۔ فرمایا وہ لوگ جنہوں نے نیک راہوں پر خرچ کیا ہوگا وہ مستثنٰی ہیں ان کے اوپر یہ وقت نہیں آئے گا۔

پس اگر آپ آج کی زندگی میں جو کچھ خدا نے آپ کو صلاحیتیں عطا کی ہیں یا جو کچھ مال اور دولت دیئے ہیں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو آپ کو پُر امن موت کی بشارت ہے آپ کو وہ موت نصیب نہیں ہوگی جس میں حسرت کے ساتھ انسان یہ کہے گا کاش مجھے اور مہلت ملتی تو میں خدا کے لئے کچھ کر لیتا۔ پس اللہ تعالیٰ جماعت کو ہمیشہ اسی حال پر قائم رکھے اور ایسی موت نصیب فرمائے جس موت کے متعلق اللہ تعالیٰ خود رضا کی نظریں ڈال رہا ہو۔ وہ نفس مطمئنہ ہمیں عطا کرے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب اس کا میری طرف لوٹ آنے کا وقت آئے گا تو میں اسے کہوں گا کہ يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۸﴾ ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۹﴾ (الفجر: ۲۸، ۲۹) اے نفس مطمئنہ، اے میرے بندے اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ایسی حالت میں کہ تو بھی راضی ہے اور میں بھی تجھ سے راضی ہوں، دونوں راضی ہیں۔ تو راضی بھی ہے اور مرضیہ بھی ہے یعنی میری رضا کو پانے والا ہے۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۳۰﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ پس آ اور میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ یعنی وہ جنت جو خاص میرے بندوں کیلئے بنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرمائے جن کے ایسے پیارے اور نیک انجام کی خبر دی گئی ہے۔ آمین۔

سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ اور التحیات للہ کا عظیم مفہوم اور عرفان

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / جولائی ۱۹۹۱ء بمقام اسلام آباد یو کے)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

کچھ عرصہ سے نماز سے متعلق خطبات کا سلسلہ جاری ہے اور یہ سلسلہ اس غرض سے شروع ہوا تھا کہ وہ احباب جماعت جو نماز سے محبت تو رکھتے ہیں لیکن استفادے کی طاقت نہیں رکھتے ان کی مدد کی جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ پانچ وقت نماز سے کس طرح زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور کس طرح نماز سے محبت میں مزا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حقیقی محبت وہی ہے جس میں مزا ہو ورنہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقیدے کی محبت ہوا کرتی ہے۔ اس محبت کے نتیجہ میں انسان اپنے آپ کو بعض اعمال پر مجبور کر لیتا ہے لیکن ان اعمال میں لذت حقیقی محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عرصہ تک سورہ فاتحہ کے مضامین پر خطبات ہوتے رہے۔ اب میں بقیہ نماز سے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

پہلی قابل توجہ بات تو یہ ہے کہ حرکت کے وقت ہمیں سکھایا گیا ہے کہ اللہ اکبر کا اقرار کریں۔ سوائے دو حرکات کے یعنی رکوع سے اٹھتے وقت اور سلام پھیرتے وقت۔ ان کا جب موقعہ آئے گا تو ان پر وہاں گفتگو ہوگی۔ اللہ اکبر حرکت کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے۔ دراصل انسان زندگی میں ذہنی اور جسمانی جتنی بھی حرکات ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف، ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف کرتا ہے، اس کے ہمیشہ دو محرکات ہوا کرتے ہیں۔ ایک خوف اور ایک

حرص ۔خوف کے نتیجے میں انسان ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ سوتے میں جب آپ کروٹ بدلتے ہیں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کیونکہ جس پہلو پر آپ لیٹے رہتے ہیں کچھ عرصے کے بعد وہاں تکلیف شروع ہو جاتی ہے اور تکلیف سے بھاگنے کے لئے آپ حرکت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جن کو انتہائی پرسکون نیند آتی ہے وہ ایک ہی کروٹ پر پڑے رہتے ہیں کیونکہ نیند کے غلبے کی وجہ سے ان کو یہ احساس نہیں رہتا کہ ایک پہلو پر لیٹے لیٹے ان کو تکلیف شروع ہو چکی ہے۔

بہر حال انسان کی زندگی کے جس پہلو پر خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، آپ غور کر کے دیکھیں آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ جب آپ جگہ بدلتے ہیں یا حالت بدلتے ہیں تو ہمیشہ یا خوف اور تکلیف سے بچنے کے لئے یا کسی خواہش اور تمنا کو پورا کرنے کے لئے **اللہ اکبر** کا اعلان ہر حرکت کے وقت آپ کو یہ بتاتا ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے۔ اس سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جا سکتے اور اگر تم نے کسی حالت سے کسی اور حالت کی طرف منتقل ہونا ہے تو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف منتقل ہونا چاہئے۔ جو چھوٹا ہے اس سے بڑے کی طرف جانا چاہئے اور زندگی کی ہر حرکت اس غرض سے ہو کہ تم اس ذات کے قریب تر ہوتے چلے جاؤ جو اکبر ہے۔ یہ بہت ہی گہرا اور وسیع مضمون ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اشارہ کافی ہے۔ اس مضمون پر جب نماز پڑھنے والا غور کرے گا تو اس کے لئے اور بھی مضامین کی کھڑکیاں کھلتی چلی جائیں گی اور نماز کی باہر کی حالت بھی عبادت بنتی چلی جائے گی کیونکہ **اللہ اکبر** کا پیغام نمازی کے لئے صرف نماز کی حالت میں پیغام نہیں بلکہ ساری زندگی کا پیغام ہے اور حرکت وسکون کا تمام فلسفہ اس میں بیان ہو گیا ہے۔

پس نماز کی حالت میں اس پہلو سے اس مضمون پر غور کرنے کے نتیجے میں زندگی کے دیگر مسائل بھی خدا کے فضل کے ساتھ احسن رنگ میں حل ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد رکوع کی حالت ہے اس میں ہم **سبحان ربی العظیم** پڑھتے ہیں۔ اکثر لوگ غفلت کی حالت میں یہ پڑھتے ہوئے گزر جاتے ہیں ان کو علم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس مضمون پر دو تین پہلو خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں اول یہ کہ عظیم کے کیا معنی ہیں۔ عظیم کے معنی بڑا ہے۔ کن معنوں میں بڑا؟ اکبر میں بڑائی کے جو معنی ہیں وہ مقابلۃً بڑائی کے معنی ہیں اور اکبر کا مضمون عظیم سے مختلف ہے۔ عظیم اپنی ذات میں ایک ہیبت اور ایک جلوہ رکھتا ہے۔ ہیبت کا ایسا جلوہ جو قریب سے دکھائی دے۔ جب بھی آپ کسی کو عظیم

سمجھتے ہیں اس کو عظیم سمجھنے کے لئے ایک تو دور کا نظارہ ہے وہ کانوں کے ذریعے آپ کو بتایا جاتا ہے یا دور سے آنکھوں کے ذریعے دکھایا جاتا ہے کہ فلاں چیز عظیم ہے لیکن اس کی عظمت کا احساس اس کے قریب آئے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ جب تک آپ کسی پہاڑ کے دامن میں نہ پہنچیں آپ کو یہ علم نہیں ہو سکتا کہ پہاڑ کن معنوں میں عظیم ہے۔ ہمالہ کی باتیں ہم نے بھی سن رکھی تھیں مگر جب ہم ہمالہ کی طرف روانہ ہوئے اور ہمالہ کے دامن میں پہنچے اور بلند و بالا چوٹیوں کا قریب سے مشاہدہ کیا تب ہمیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی عظمت کیا ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو عظیم کہلاتے ہیں دور کے نظارے میں وہ عظیم مانے تو جاتے ہیں لیکن ان کی عظمت کا احساس نہیں ہوا کرتا۔ عظمت کا احساس ہمیشہ قرب سے ہوا کرتا ہے۔ **یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمت درحقیقت ان لوگوں پر روشن ہوئی جو آپ کے قریب تھے اور وہ جو دور کے زمانوں میں پیدا ہوئے ان پر بھی آپ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے روحانی قرب کا نظام جاری فرمایا گیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی آپ کو قریب سے دیکھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے قرب کی وجہ سے ہمیں بھی قرب نصیب ہوا اور ہم نے بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظمتوں کا قریب سے نظارہ کیا۔** یہی مضمون ہے جس کو سورہ جمعہ میں یوں بیان فرمایا گیا۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:۴) کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو محمد مصطفیٰ ﷺ کی قربت عطا کی جائے گی۔ زمانے کے لحاظ سے وہ دور ہیں لیکن خدا کی تقدیر کے تابع قریب کئے جائیں گے۔ وہ اٰخَرِيْنَ میں پیدا ہونے والے اولین سے ملا دیئے جائیں گے۔

پس یہاں بھی عظمت کا مضمون ہے۔ جب تک کسی کی عظمت اس کے قرب سے ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس عظمت کے نتیجہ میں عظمت کے احساس کے نتیجے میں انسان کے اندر تبدیلیاں پیدا نہیں ہوا کرتیں۔ پس **سبحان ربی العظیم** کا مضمون سمجھنے کے بعد انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم نے سورہ فاتحہ میں جس خدا کی عظمت کا نظارہ کیا تھا اس خدا کے قریب تر ہو گئے ہیں اور اتنا قریب ہوئے ہیں کہ اس کے حضور جھک گئے اور اس کی اطاعت کو قبول کر لیا ورنہ دور کا خدا اطاعت کروانے کے لئے کافی نہیں۔ خدا کی اطاعت حقیقی معنوں میں تبھی ہو سکتی ہے جب اس کی عظمت کا احساس ہو اور عظمت جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قرب کو چاہتی ہے۔ پس رکوع نے اس مضمون کو مکمل کر دیا۔ یہ اطاعت کی حالت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بھی بیان فرمایا

وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ:۴۴) یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاں تم لوگوں کو رکوع کرتے دیکھو تم بھی ساتھ اسی طرح بدن جھکا کر رکوع کر لو۔ مراد یہ ہے کہ جہاں بھی تم خدا کے بندوں کو اطاعت کرتے ہوئے دیکھو تم بھی اسی طرح اطاعت میں ساتھ شامل ہو جایا کرو کیونکہ خدا کی اطاعت کا مضمون زندگی کے ہر شعبہ پر، ہر حال پر حاوی ہے۔

اس پہلو سے جب آپ **سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم سبحان ربی العظیم** کہتے ہیں تو عظمتوں کا مضمون بھی بدلتا چلا جاتا ہے۔ عظمتیں ہر صورت حال پر مختلف رنگ میں اطلاق پاتی ہیں۔ پہاڑ کی عظمت اور ہے، ایک جانور کی عظمت اور ہے۔ ایک انسان کی عظمت اور ہے اور خدائے **ذو المجد و العلیٰ** کی عظمت اور ہے۔ وہ خدا جس کی عظمت کو سورہ فاتحہ نے ہمیں سمجھایا اس کی عظمت کو قریب سے دیکھنے کے نتیجہ میں روح بے اختیار رکوع میں جاتی ہے اور جسم کا رکوع اس کے تابع ہوتا ہے، اس سے پہل نہیں کرتا۔ پس جب آپ قیام کے وقت کے مضامین کو خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیں تو اس وقت آپ کے دل پر ایک ایسی کیفیت طاری ہونی چاہئے جس کے نتیجہ میں روح جھکتی ہو اور بدن بھی ساتھ جھکنے کے لئے بے اختیار ہو جائے۔ ایسی حالت کا نام رکوع ہے اور اس کے بعد جب آپ عظمت کے مضمون پر رکوع کی حالت میں غور کریں گے تو تین دفعہ کا یہ اعتراف کہ **سبحان ربی العظیم** آپ کو بہت ہی مختصر سا دکھائی دے گا اس لئے ساری زندگی کے رکوعوں میں آپ کے لئے مختلف سوچوں کا انتظام فرما دیا گیا ہے۔

لفظ ''**العظیم**'' اور **سبحان ربی العظیم** میں ایک ایسا خوبصورت مضمون ہے جو ختم نہ ہونے والا ہے اور ہر انسان اپنی کیفیت کے مطابق، اپنے رب سے اس وقت کے حالات کے مطابق اس کی عظمتوں کے مختلف تصورات سے **سبحان ربی العظیم** میں نئے رنگ بھر سکتا ہے علاوہ ازیں یہ قابل غور بات ہے کہ سورۂ فاتحہ نے تو ایک خدا سے غائبانہ تعارف کروایا اور اس خدا کو آپ نے نصف سورۃ کے بعد مخاطب کرنا شروع کیا لیکن وہ تخاطب جمع کی حالت میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ:۲) تمام کائنات پر حاوی خدا ہے۔ کوئی ایک وجود بھی اس کی ربوبیت سے باہر نہیں ہے اور اس کی حمد کا ترانہ خواہ انسان باشعور ہو، خواہ زندگی کی دوسری شکلیں ہوں، خواہ جمادات ہوں وہ سارے اپنے اپنے رنگ میں ہمیشہ گاتے چلے جاتے ہیں لیکن یہ ایک عام

حالت ہے اس میں ذاتی تعلق کا پیدا ہونا ابھی انتظار چاہتا ہے اس انتظار کی حالت کو خدا نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (البقرہ:۵) کے ذریعہ ختم فرمادیا اور ایک ذاتی تعلق قائم فرمادیا اس رب سے جو سب کا سانجھا رب ہے لیکن یہاں بھی اجتماعی رنگ ہے۔ ہم اے خدا! تیری عبادت کرتے ہیں یا تیری عبادت کرنا چاہتے ہیں یا تیری عبادت کریں گے اور تیری ہی عبادت کریں گے لیکن مدد بھی تجھ سے چاہیں گے لیکن یہاں ابھی تک ایسا تعلق قائم نہیں ہوا کہ آپ یہ کہہ سکیں کہ میرا رب ہے۔ یہ تعلق ایک ادنیٰ قدم تعلق کا ہے **اور یہ تعلق اطاعت کے بغیر قائم نہیں ہوا کرتا۔ زبانی تعریف کے ذریعہ کوئی چیز آپ کی نہیں ہوسکتی۔ جب آپ عمل کی شکل میں اس کا بننے کی کوشش کرتے ہیں تب وہ آپ کی ہوجاتی ہے۔** تو رکوع نے بتایا کہ وہ رب جو آپ سب کا ہے وہ آپ کا بھی تو ہونا چاہئے یعنی آپ کی ذات کا بھی تو ہونا چاہئے اور اگر آپ واقعی سچے دل سے اس کی تعریف کررہے ہیں اور اسی سے دعائیں کررہے ہیں تو اس کو اپنانے کے لئے آپ کو خود ذاتی طور پر اس کے سامنے سر جھکانا ہوگا اور اطاعت کرنی ہوگی۔ جب آپ اطاعت کے ذریعہ اس کے ہوں گے تب آپ کو یہ حق دیا جائے گا کہ یہ اعلان کریں۔ **سبحان ربی العظیم** ۔**سبحان ربی العظیم** پاک ہے میرا رب ، پاک ہے میرا رب۔ پاک ہے میرا رب اور بڑی عظمتوں والا ہے۔ بڑی عظمتوں والا ہے۔ بڑی عظمتوں والا ہے۔ پاک کن معنوں میں ہے آپ کا رب پاک کن معنوں میں ہے۔ عظمتوں والا کن معنوں میں ہے اور آپ کا رب کن معنوں میں عظمتوں والا ہے۔ اس میں آپ کے ساتھ نسبتیں قائم ہوگئیں اور ایک اور مضمون نفس کے تجزیہ اور تزکیہ کا شروع ہوگیا۔ آپ کن باتوں سے پاک ہیں، کن باتوں سے پاک ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر بعض باتوں میں آپ پاک ہیں یعنی اپنی توفیق کے مطابق اور بعض باتوں میں پاک ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ کو حق ہے کہ کہیں **سبحان ربی** میرا رب پاک ہے تا کہ یہ کہہ کر خدا سے مدد مانگیں۔ اگر آپ میں عظمت کے نشان پائے جاتے ہیں یا سچی عظمت کے خواہاں ہیں اور اس کی طرف حرکت کررہے ہیں تو آپ کو یہ حق ہے کہ کہیں **سبحان ربی العظیم** ہاں میرا رب عظیم ہے۔ اس نے مجھے عظمتیں عطا کی ہیں۔ وہ مجھے عظمتوں کی طرف لیکر روانہ ہوا ہے۔ پس دیکھیں کہ مضمون کو ذرا سا بدل کر دیکھنے سے زاویہ بدلنے سے نئے مضامین کے کیسے جہان آپ کے سامنے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

اس کے بعد پھر وہ حرکت ہے جہاں اللہ اکبر کی بجائے ایک اور مضمون شروع ہوتا ہے وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی حمد کی ۔ اگر کہیں استثناء کرنا تھا تو عام انسانی عقل یہ سوچتی ہے کہ یہاں سورہ فاتحہ کا مضمون جو حمد میں کمال درجے کا مضمون ہے جو درجہ کمال کو پہنچا ہوا مضمون ہے۔ جہاں وہ مضمون ختم ہوا تھا اس کے بعد آنا چاہئے تھا۔ **سمع اللہ لمن حمدہ** اللہ نے اس کی سن لی جس نے اسکی حمد کی لیکن اس کو بعد میں کیوں ٹال دیا گیا یعنی رکوع کے بعد کیوں رکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حمد سننے کے لئے صرف زبان کی حمد کافی نہیں ۔ زبان کی حمد کو خدا نہیں سنتا جب تک اس حمد کے نتیجہ میں اطاعت کی روح پیدا نہیں ہوتی اور وہ اطاعت اعمال میں نہیں ڈھلتی اس لئے وہ جو خدا کی تعریفوں کے زبانی جمع خرچ کرتے ہیں ان کی حمد گویا خدا نے سنی ان سنی کر دی۔ انسان کی زندگی میں روزمرہ بعض ایسے تجارب ہوتے رہتے ہیں۔ بعض علاقے ہیں جہاں جھوٹی تعریفیں کرنے کی عادتیں ہیں وہ جب آپ سے ملتے ہیں تو ہمیشہ آپ کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسی تعریفیں کرتے ہیں کہ مبالغے کی حد کر دیتے ہیں لیکن اگر آپ خود جھوٹے نہیں ہیں تو آپ کی طبیعت میں بجائے اس سے کہ ان کے لئے محبت پیدا ہو تنفر پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اگر آپ جھوٹے ہیں تو جھوٹی تعریفوں سے ہمیشہ خوش ہو جایا کرتے ہیں لیکن آپ کا صدق آپ کو بتائے گا کہ کس حد تک آپ سچے ہیں کیونکہ سچا انسان کبھی جھوٹی تعریف سے راضی نہیں ہو سکتا اور سنتا ہی نہیں۔ سنی ان سنی کر دیتا ہے بلکہ نفرت کرتا ہے اور گھبراتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جلد یہ ملاقات ختم ہو۔ پس ایسی حمد جو دل سے نہ اٹھے اور جو اپنے اندر گہری سچائی نہ رکھتی ہو وہ خدا نہیں سنتا لیکن جب حمد کے نتیجہ میں اطاعت شروع ہوگئی، جب انسان نے قربانیاں پیش کرنی شروع کر دیں جب اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنی شروع کر دیں تو حمد سننے کے لائق ہے اور اسی مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں بیان فرمایا کہ کلمہ طیبہ کو، پاک کلمے کو نیک اعمال بلند کرتے ہیں۔ جب تک نیک اعمال اچھے کلمات کے ساتھ شامل نہ ہوں اس وقت تک ان کو رفعت پرواز عطا نہیں کی جاتی اور وہ اوپر پہنچتے ہی نہیں۔ پس وہ ایسی آوازیں ہیں جو عرش سے ورے ورے گر جاتی ہیں اور اپنے مقصود اور مقام تک نہیں پہنچتیں ۔ پس رکوع نے ہمیں یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر تم ایسی حمد چاہتے ہو جسے خدا سنے تو پھر اطاعت کرو اور خدا کے حضور جھک جاؤ۔ ایسی صورت میں تمہیں یہ آواز سنائی دے گی کہ اللہ اس حمد

کو قبول فرماتا ہے جو سچی حمد ہے۔ سمع الله لمن حمده اب خدا یہ کہتا ہے کہ ہاں میں اس حمد کو سنتا ہوں اس حمد کرنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جو سچے دل سے میری حمد کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں جب آپ ربنا و لك الحمد کہتے ہیں تو یہ تشکر کی حمد ہے۔ یہ شکرانے کی حمد ہے۔ پہلی حمد جو سورہ فاتحہ کی تھی اس کے قبول ہونے کی خوشخبری رکوع کے بعد آپ کو عطا کی گئی اور اس خوشخبری کے نتیجہ میں اظہار تشکر کے طور پر آپ پھر جھک جاتے ہیں اور کہتے ہیں: ربنا و لك الحمد حمد اً کثیراً طیباً مبارکاً فیه ایسی حمد جو نہ ختم ہونے والی ہے بہت بڑی وسیع ہے۔ طیباً پاک ہے اس میں کوئی نفس کی ملونی شامل نہیں وہ تیری خاطر ہے اپنی خاطر نہیں مبارکاً فیه اس میں بہت سی برکتیں ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حمد میں برکتوں سے کیا مراد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حمد واقعی سچی ہو اس میں سے نئی حمد پھوٹتی رہتی ہے اور وہ ہمیشہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک ایسا محبوب جس کی خوبیاں آپ کے ابتدائی تعارف سے زیادہ گہری ہوں جب آپ اس کے قریب جاتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں تو اس کے اندر مزید حسن پاتے ہیں۔ اس کے اندر مزید گہرائی پاتے ہیں یہاں تک کہ آپ ہر دفعہ جب اس کے حضور اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں تو پہلے سے بڑھ کر محبت لیکر لوٹتے ہیں۔ تھک کر واپس نہیں آتے۔ وہ لوگ جن کے محبوب کھوکھلے ہوں اور سطحی ہوں ان کی محبتیں بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ زیادہ لمبا عرصہ نہیں چلا کرتیں کیونکہ ان کے محبوبوں میں گہرائی نہیں پائی جاتی۔ ان کے حسن میں گہرائی نہیں پائی جاتی اس لئے وہ حمد برکت سے خالی رہتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ مضمون سمجھایا کہ تمہاری سچی حمد وہی ہے جو برکتوں والی حمد ہو جس میں ہمیشہ نشوونما ہوتی رہے جو بڑھتی چلی جائے اور تمہیں نئے سے نئے حمد کے مضمون سوجھتے چلے جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی ایسا وجود نہیں جس کی حمد ان معنوں میں برکتوں والی حمد ہو کہ اس کی برکتیں نہ ختم ہونے والی ہوں۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر جتنا آپ غور کریں گے۔ اس کے حال کے احسانات پر جتنا غور کریں گے، مستقبل میں اس سے جو کچھ چاہیں گے، ان سب مضامین کا عرصہ بہت ہی دراز ہے اور بہت ہی وسیع ہے اور حمد جس حصے سے تعلق رکھنے والی بھی ہوگی اگر آپ سچے غور کی عادت ڈالیں اور دل ڈال کر حمد کرنے والے ہوں تو اس حصے میں وہ برکتوں والی حمد ہوگی۔

اس کے بعد پھر اللہ اکبر ہے اور وہاں آپ سجدے میں سبحان ربی

الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ کی تکرار کرتے ہیں۔ عظیم اوراعلیٰ میں کیا فرق ہے۔ عظیم تو ساری کائنات پر محیط ہے اور عظیم میں آپ سے دوری نہیں آپ سے قرب کا مضمون ہے۔ قرب ان معنوں میں کہ آپ اس کی عظمت کے قریب آ گئے ہیں۔ قریب سے آپ نے جلوہ دیکھا ہے اور اس جلوے سے مرعوب ہو گئے ہیں لیکن علو کے مضمون میں ایسی بلندی ہے کہ آپ محسوس کرتے ہیں کہ قریب آنے کے باوجود آپ اس کے ہمسر نہیں بن سکتے۔ وہ بہت بلند تر ہے اور جتنا آپ اس کے قریب جاتے ہیں اتنا ہی اس کی بلندی کا احساس بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ مضمون بھی حقیقت میں کوہ ہمالیہ کے قرب سے بھی معلوم ہو جاتا ہے اور بلند عمارتوں کے تعلق میں بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہوا ہے کہ آئفل ٹاور اتنا اونچا ہے۔ ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ اتنی اونچی ہے۔ ٹورنٹو کا CN ٹاور اتنا اونچا ہے دور سے دیکھیں تو اونچے تو ہیں مگر کوئی خاص اثر دل پر نہیں پڑتا لیکن جب آپ قریب جاتے ہیں۔ ان کے دامن میں کھڑے ہو جاتے ہیں تب آپ کو ان کی بلندی کا احساس ہوتا ہے لیکن بعض ایسی بلندیاں ہیں۔ وہ آپ کی پہنچ سے بالا ہیں۔ فرعون نے ایک دفعہ یہ کوشش کی اور قرآن کریم نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ایسی بلند عمارت بناؤں جس پر چڑھ کر میں خدا کی بلندی کا خود نظارہ تو کروں کہ اگر خدا ہے تو کتنا اونچا ہے اور کہاں ہے۔ یہ اس کی ذہنی پستی کا معراج ہے لیکن اس نے ہمیں ایک سبق دیا اور وہ سبق یہ دیا کہ علو کا مضمون ایسا ہے جس کی بنیادیں آپ کے پاس نہیں ہیں۔ وہ بلند تر مقام پر ہے۔ جس طرح غالب نے کہا ہے۔

منزل اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا (حوالہ۔۔)

پس خدا کی بلندی کیلئے عرش سے پرے کے تصورات کی ضرورت ہے اور اس بلندی تک پہنچنے کیلئے فرعونیت نہیں جو جسمانی بلندی کا تقاضا کرتی ہے بلکہ عبودیت چاہئے جو گرنے اور اپنے نفس کو مٹا دینے کا تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ انتہائی انکسار کی حالت میں سب سے اعلیٰ ہے اس کے سامنے سب سے زیادہ بلند مضمون سکھایا گیا۔ وہ انسان جو اپنا سر خدا کے حضور زمین سے رگڑ دیتا ہے، اپنی پیشانی زمین پر ٹکا دیتا ہے، ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ بعض دفعہ مغربی دنیا کے لوگ جو ان باتوں کو نہیں سمجھتے جب مسلمانوں کو سجدے کی حالت میں دیکھتے ہیں تو وہ تمسخر اڑاتے ہیں کہتے ہیں کیسے بے

وقوف لوگ ہیں خدا نے اشرف المخلوقات بنایا اور سیدھا چلنے والا جانور بنایا لیکن اب یہ زمین پر ماتھے رگڑ رہے ہیں۔ ان بے وقوفوں کو علم نہیں ہے کہ ساری بلندیوں کا راز اس بات میں ہے کہ جو سب سے اعلیٰ ہے اس کے سامنے سب سے زیادہ نیچے ہو جاؤ اس تک پہنچنے کا زینہ سب سے زیادہ نیچے جھکنے سے ملتا ہے۔ اوپر بلند ہونے سے نہیں ملا کرتا۔

پس **سبحان ربی الاعلیٰ** اس حالت میں کہتے ہیں جب آپ نے اپنے آپ کو کلیۃً خدا کے سامنے عاجز اور نابود کر دیا، انتہائی ذلتیں قبول کر لیں، کچھ بھی اپنا باقی نہ چھوڑا۔ جس خدا نے آپ کو سیدھا چلنے والا بنایا تھا آپ اس کے سامنے اس طرح ہو گئے جس طرح دنیا کا ایک عام کیڑا ہوتا ہے۔ جس کو اٹھنا نہیں آتا۔ ایسی حالت میں آپ یہ دعا کرتے ہیں **سبحان ربی الاعلیٰ** پاک ہے میرا رب جو بلند تر ہے جو ہر چیز سے بلند تر ہے۔ وہ خدا ہے جو پھر آپ کو علو عطا کرتا ہے اور آپ یہ حق رکھتے ہیں کہ میرا رب اعلیٰ ہے کہہ سکیں اور جب آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا رب سب سے بلند ہے۔ میرا رب اعلیٰ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے اندر بھی وہ علو پیدا ہو گی جو آپ کے رب میں ہے ورنہ وہ آپ کا رب کیسے ہو گیا۔ جو آپ کا ہو اس کی کچھ باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں اس کا کچھ فیض آپ کے وجود میں نظر آنا چاہئے۔

پس ہر وہ شخص جو **ربی العظیم** کی تکرار سے گزرتا ہے اور سچے دل سے گزرتا ہے اس میں عظمتوں کے نشان پیدا ہونے چاہئیں۔ ہر وہ شخص جو بار بار خدا کے حضور انتہائی تضرع کے ساتھ **سبحان ربی الاعلیٰ** کہتا ہے اگر وہ رب واقعی اس کا ہے تو اس کے اندر علو مرتبت کے نشان پیدا ہونے چاہئیں تب وہ خدا کا سفیر بنکر دنیا میں نکل سکتا ہے، تب اس کو دیکھ کر دنیا خدا کی عظمتوں کو محسوس کرتی ہے۔ تب اس کو دیکھ کر دنیا خدا کے علو کو محسوس کرتی ہے تبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا حضرت رسول اکرم ﷺ کے عشق میں نثر میں بھی اور نظم میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا کہ تو خدا تو نہیں ہے لیکن خدا نما ایسا ہے کہ کبھی ایسا خدا نما نہیں دیکھا گیا۔ تجھے دیکھا تو خدا کو دیکھ لیا یہ شرک کا جملہ نہیں ہے بلکہ عدم شرک کا جملہ ہے۔ اس کی گہرائی کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں بعض دفعہ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ خدا نما اس لئے بنے کہ اپنے وجود کو مٹا دیا۔ **لا الہ** کے مضمون کو اپنی ذات میں مکمل کر دیا یہ نہیں کہا کہ اے خدا! تیرے سوا اور میرے سوا دنیا میں جتنے ہیں وہ کچھ بھی نہیں ہیں

اور بالعموم لوگ جب یہ کہتے ہیں کہ **لا الہ الا اللہ** تو درحقیقت یہی اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ اے خدا تیری ذات ہے اور میری ذات ہے باقی سب کچھ نہیں لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی کے ذریعہ یہ مضمون ظاہر فرمایا کہ میں بھی نہیں ہوں۔ سوائے خدا کے کچھ بھی نہیں ہے۔ جب آپ نے اپنی ذات کو مٹادیا تو اس برتن میں پھر خدا ظاہر ہوا ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہر حرکت میں اور ہر سکون میں اللہ جلوہ گر ہوا۔

پس یہ شرک کا مضمون نہیں ہے بلکہ توحید کامل کا مضمون ہے اور **سبحان ربی الاعلیٰ** ہمیں اس مضمون کی یاد دلاتا ہے کہ اگر تم اعلیٰ ہو اور تم کہتے ہو کہ میرا رب اعلیٰ ہے تو اپنے اندر سے سفلی صفات دور کرو کیونکہ جو سفلی صفات کا بندہ ہے وہ رب اعلیٰ کا بندہ تو نہیں بن سکتا اس لئے ایک دن کے سجدے کی بات نہیں، ساری زندگی کی جدوجہد کا معاملہ ہے۔ کیا ایک دن میں، کیا ایک سال میں کیا دس یا بیس یا سو سال میں بھی انسان ہر قسم کی سفلی صفات سے مبرا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یہ ایک ایسا جاری مضمون ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا لیکن یہ حرکت ہمیشہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف جاری رہے گی اور یہ حرکت تب جاری ہوگی جب آپ کے اندر عجز پیدا ہوگا اور عجز کا ایک نیا مقام آپ کو عطا ہوگا۔ پس ہر سجدے میں آپ کو عجز بڑھانا چاہئے۔ ہر سجدے کے نتیجہ میں آپ کو اپنی بے بضاعتی اور بے بسی کا مزید احساس ہونا چاہئے۔ اس احساس اور خلاء کو خدا کا علو بھرتا چلا جائے گا اور آپ کے اندر سے ایک نیا وجود پیدا ہوتا چلا جائے گا۔

یہ ہے سجدوں کا مضمون اور اب آپ دیکھیں کہ وہ لوگ جو جہالت سے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی عبادتیں عجیب بور کرنے والی عبادتیں ہیں۔ ایک ہی مضمون، تکرار کرتے چلے جاؤ، ہر روز کم سے کم پانچ دفعہ اس کے حضور حاضر ہو، ہر رکعت میں اس کے سامنے وہی دعائیں کرتے چلے جاؤ۔ اگر آپ کا تصور سرسری اور ظاہری ہے تو یہ خالی برتن ہے۔ ان برتنوں سے آپ یقیناً کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے لیکن برتنوں کو تو بھرا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس رنگ میں برتن عطا کئے ہیں اور بھرنے والے وہ مضامین بخشے ہیں کہ جو ہر دفعہ برتنوں میں نیا مضمون بھرتے ہیں، نیا رنگ بھرتے ہیں، نیا حسن بھرتے ہیں، نئی لذتیں بھرتے ہیں اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہنے والا سلسلہ ہے اور یہ سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا کیونکہ خدا کی عظمتوں کا کامل تصور کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک لامتناہی

ارتقاء کا سلسلہ ہے جو ہمیشہ جاری رہنے والا ہے۔

اس کے بعد ہم **التحیات** کی طرف آتے ہیں۔**التحیات** میں ہم خدا کے حضور یہ عرض کرتے ہیں کہ **التحیات للہ والصلوٰت والطیبات** سب تحفے خدا ہی کے لئے ہیں۔**والصلوٰت والطیبات** اور سب بدنی عبادتیں بھی خدا ہی کے لئے ہیں اور وہ پاکیزہ چیزیں جو اموال سے یا زندگی کی صلاحیتوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی سب خدا ہی کے لئے اور خدا کے حضور تحفہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ تحفہ کیا ہوا کرتا ہے اور کیسا تحفہ ہے اور کیا روز ایک ہی تحفہ آپ بار بار پیش کرتے چلے جائیں گے۔اس مضمون پر جب آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ نہ ٹیکس ہے، نہ تجارت ہے بلکہ تحفے میں ایک خاص مضمون پایا جاتا ہے جس کو سمجھے بغیر آپ **التحیات** کا حق ادا نہیں کر سکتے تحفہ میں مضمون یہ پایا جاتا ہے کہ مادے کو روحانی کیفیات میں تبدیل کرنا۔یہ ایک بارٹر سسٹم Barter System ہے جس کا مادیت Materialism سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور Materialism میں جہاں انسانی مجبوریوں کے تحت دل اعلیٰ لذات کی تمنا کرتا ہے وہاں تحفے کا مضمون ضرور داخل ہوجاتا ہے۔پس ڈائیلیکٹیکل میٹریل ازم Dialedtical Materialias ہو یا اورمٹیریئلسٹ Materialist فلاسفی ہو جیسا کہ مغربی کیپٹل ازم Capitalism کی فلاسفی بھی مادیت پسند Materialist ہے ان میں تحفے کا مضمون سجتا نہیں ہے اور ایک بے تعلق سی چیز ہے۔اگر انسانی فطرت کی مجبوری نہ ہوتی تو ان دونوں نظاموں سے تحفے کا تصور مٹ جانا چاہئے تھا۔تحفہ یہ ہے کہ Matter جو ایک ٹھوس چیز ہے وہ دے کر اس کے بدلے ایک ایسی کیفیت حاصل کریں جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔جو آپ کے دل کے حالات سے تعلق رکھنے والی کیفیت ہے۔جو آپ کے تصورات کی دنیا سے تعلق رکھنے والی کیفیت ہے اور اگر کامل عقل کے ساتھ، اگر مارکس Marx کی عقل کے ساتھ آپ اس سودے کا معائنہ کریں گے تو آپ کہیں گے یہ پاگل پن ہے، جنون ہے، حد سے زیادہ بے وقوفی ہے۔کسی دوست سے محبت ہے تو اس کے وجود کو حاصل کرو۔اس سے جو کچھ لے سکتے ہو لولیکن اس کو کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے۔اور ایسے دوست کو جس سے ظاہری طور پر کچھ ملنے کی بھی توقعات نہ ہوں اس کے اوپر اپنے مال نچھاور کرنا، اپنی زندگی کی محنتیں قربان کرنا نہایت درجے کی بیوقوفی ہے۔اس کے بدلہ کیا ملتا ہے؟ اس کے بدلے محبت ملتی ہے

جو ایک ایسی کیفیت ہے جس کو کوئی انسان انگلی لگا کر دکھا نہیں سکتا کہ یہ محبت ہے۔ نہ اس کا رنگ ہے نہ اس کا روپ ہے نہ اس کا مزا ہے نہ اس کی خوشبو ہے۔ ایک کیفیت ہے اس کے سوا اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ پس مادی حالت کو روحانی حالت میں تبدیل کرنے کا نام تحفہ ہے جو کسی اور Transaction میں، کسی اور تبادلے میں نہیں ملتا۔ پس آپ نے اب تک خدا تعالیٰ سے جو تعلقات قائم کئے اس کے حضور رکوع کیا، اس کے حضور سجود کئے تو آپ نے قربانیاں تو دیں اور اطاعت بھی کی لیکن کیا یہ ایک مکینیکل سی اطاعت ہے۔ ایسی اطاعت ہے جیسے کسی بادشاہ کی عظمت کو قبول کر کے اس کے خوف سے اطاعت کی جاتی ہے۔ خوف اطاعت کے لئے لازم ہے لیکن کافی نہیں۔ حقیقی اطاعت محبت کی اطاعت ہوا کرتی ہے اور جب آپ **سبحان ربی، سبحان ربی** کہتے ہیں تو یہاں محبت کے تعلق کا اقرار کر لیا گیا ہے ورنہ میرا رب نہیں کہہ سکتے۔ دنیا کا رب ہے ٹھیک ہے کائنات کا رب اور جابر ہے اور طاقتور ہے اس کے سامنے جھکنا ضروری ہو گیا، عقل نے سمجھا دیا یہ بھی ٹھیک ہے لیکن میرے رب کے مضمون میں تو ایک پیار کا مضمون داخل ہو گیا۔ پس اس کے بعد کچھ تحفے اور تحائف کا سلسلہ بھی تو جاری ہونا چاہئے۔ چنانچہ انسان رب کو اپنا بنا کر پھر بڑی عاجزی سے اس کے حضور یہ عرض کرتا ہے کہ **اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ** سب تحائف اللہ کے لئے ہیں۔ **وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ** اور تحائف کیا ہیں؟ بدنی قربانیاں۔ **والصلوت** اور مالی قربانیاں۔

یہ مضمون ان دو لفظوں سے بیان تو نہیں ہوتا لیکن مجبوراً وقت کی رعایت کے مطابق میں نے خلاصۃً یہ کہہ دیا ہے۔ بدنی قربانیاں انسان محبوب کے لئے دیکھیں کتنی کرتا ہے۔ اس کی خاطر انسان ہر تکلیف اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ادنیٰ درجے میں بھی یہ کیفیتیں روز ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں۔ ایک سردی کا موسم ہے، دروازہ کھلا رہ گیا ہے، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آتا ہے۔ آپ کا کوئی دوست اٹھ کر بند کرنے کے لئے جا رہا ہے، آپ جلدی سے اٹھتے ہیں کہ نہیں تم بیٹھو میں کرتا ہوں۔ کیا مصیبت ہے، کیوں اس کو نہیں کرنے دیتے۔ وہ کام کر رہا ہے۔ ٹھنڈی ہوا سے آپ بھی بچ جائیں گے وہ بھی بچ جائے گا، آپ نے کیوں پہل کی۔ یہ فطرت کی گہری آواز ہے جو آپ کو بتا رہی ہے کہ جب آپ کسی اعلیٰ مقصد کے لئے بدنی تکلیف اٹھاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں لذت پاتے ہیں۔ دینے کے نتیجہ میں جو لذتیں ہیں وہ مضمون ہمیں تحائف کا مضمون سمجھاتا ہے لینے کے نتیجہ

میں جولذتیں ہیں وہ ادنیٰ حالتیں ہیں۔اصل اعلیٰ لذتیں جودائمی لذتیں ہیں جولطیف تر لذتیں ہیں وہ ہمیشہ دینے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں۔ آپ اپنے محبوب کو کچھ پیش کریں وہ واپس کر دے تو دیکھیں کیسی تکلیف میں آپ مبتلا ہوں گے اور کچھ دیر کے بعد اگر وہ آپ کو کچھ دیتا ہے تو بعض دفعہ لینے کا مزہ تو ہے لیکن تھوڑا سا دل بجھ جاتا ہے اور انسان کہتا ہے کہ میں اس کو کچھ اور دوں تا کہ دینے کے لحاظ سے میں بالا رہوں۔حالانکہ یہ دینا ادنیٰ حالت کا دینا ہے لیکن اس میں بھی انسان ایک قسم کی بالائی حالت چاہتا ہے۔وہ چاہتا ہے میں زیادہ دوں اس سے کم لوں۔میں زیادہ تکلیف اٹھاؤں اس کو کم تکلیف پہنچاؤں یہ جولذتیں ہیں یہ انسان کے اندر ایک نیا وجود پیدا کرتی ہیں جس کا خدا سے تعلق قائم ہوسکتا ہے کیونکہ خدا مادی نہیں ہے اور انسانی تعلقات میں اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے اسی لئے رکھا ہے۔

میں نے جہاں تک ارتقاء Evolution کا مطالعہ کیا ہے میرے نزدیک Evolution ادنیٰ کیفیت سے اعلیٰ کیفیت کی طرف حرکت کا نام ہے اور یہ جو Evolution میں ہم بدنی تبدیلیاں دیکھتے ہیں یہ ثانوی حیثیت کی تبدیلیاں ہیں۔یہ مضمون بہت وسیع ہے اس کے ایک حصہ پر میں نے ماریشس کی ایک تقریب میں روشنی ڈالی تھی مگر بہت مختصر لیکن سر دست میں اس سے گزرتا ہوں کیونکہ اب وقت بھی کم ہو رہا ہے۔باقی مضمون انشاءاللہ پھر بعد میں بیان ہوگا۔بہر حال التحیات کے مضمون میں ہم داخل ہوئے ہیں اور چونکہ آج جلسے کا بھی دن ہے اور بہت سے کام کرنے ہیں اس لئے انشاءاللہ حسب توفیق اگلے جمعہ میں یہ بقیہ مضمون بیان ہو جائے گا اور اس جلسے کے آخر پر سورہ فاتحہ کے بعد جو طبعی اور منطقی نتیجہ نکلتا ہے اس کے تعلق میں میں خطاب کروں گا یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (البقرہ:۶،۷) کی دعا اگر قبول ہو جائے تو انعام یافتہ لوگوں میں کیا تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور کیا ظاہری علامتیں ان میں دکھائی دینے لگتی ہیں۔اسی طرح مغضوب جب انعام یافتہ لوگوں سے ٹکراتے ہیں تو ان سے خدا کیا سلوک کیا کرتا ہے۔یہ چونکہ بہت ہی وسیع مضمون ہے۔ایک خطبہ میں یہ بیان ہونے والا نہیں۔کچھ حصہ میں نے گزشتہ عید میں بیان کیا تھا۔بقیہ حصہ اگر پورا نہیں تو اس کا ایک حصہ میں انشاءاللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ کی آخری تقریر میں بیان کروں گا اور اس کے بعد اب میں نے گھڑی دیکھی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے میں آج کے خطاب کو ختم کرتا ہوں۔

التحیات کا پیغام انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہے

نماز میں درود شریف پڑھنے کی حکمت اور عارفانہ تشریح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲؍اگست ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

نمازوں کے سلسلے میں جو خطبات دیئے جارہے ہیں۔آج یہ غالباً اس سلسلے کا آخری خطبہ ہے۔میں نے گزشتہ خطبہ میں التّحیات پر گفتگو ختم کی تھی لیکن التّحیات کا مضمون ابھی جاری تھا۔ اس لیئے التّحیات ہی سے میں اس مضمون کو دوبارہ اُٹھاتا ہوں۔التّحیات کا مطلب ہے: تحفے اور تحفوں کا تعلق عام دیگر انسانی لین دین کے معاملات سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے۔اس میں انسان ایک چیز کسی دوست یا کسی بڑے کے حضور اس خاطر پیش کرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اسے ویسی کوئی چیز نہ ملے بلکہ اس کی محبت اور رضا حاصل ہو اور یہی تحفے کا مفہوم ہے۔اس نقطۂ نگاہ سے جو بھی مالی قربانیاں خدا کی راہ میں ہم پیش کرتے ہیں ان کے اندر بڑھا کر واپس لینے کا مضمون قربانی کرنے والے کے ذہن میں نہیں آنا چاہئے۔اسی مضمون کو قرآن کریم یوں پیش فرماتا ہے کہ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر:۷) کہ تو یہ سوچ کر احسان نہ کیا کر کہ تو بڑھا کر واپس لے گا اس لئے اگر چہ آپ کو بار بار یہ سمجھایا جاتا ہے کہ **خدا تعالیٰ ہمیشہ بڑھا چڑھا کر دیتا ہے لیکن اگر اس نیت سے خدا کے حضور پیش کیا جائے کہ زیادہ ملے گا تو یہ بہت ہی ادنیٰ سودا ہے اور اپنی قربانی کو تحفے کی بجائے ایک عام تجارت بنا دینے والی بات ہے۔**خدا سے تجارت کا معاملہ چلتا تو ہے مگر وہاں تجارت کا مفہوم اور ہے۔

پس **التحیات** نے ہمیں بتادیا کہ جو کچھ تم خدا کے حضور پیش کرتے ہو اس نیت سے پیش کیا کرو کہ اس کے بدلے جزاء ملے اور جزاء رضا کی جزاء ہو نہ کہ دنیاوی جزاء۔ اس نیت سے تحفے کا مضمون سمجھنے کے بعد ہماری تمام قربانیوں پر ایک غیر معمولی اثر پڑے گا چنانچہ نماز نے ہمیں صرف مالی قربانیوں سے متعلق ہی نہیں سمجھایا بلکہ بدنی قربانیوں سے متعلق بھی یہی سمجھایا ہے۔ فرمایا **التّحیات للّٰہِ و الصلواتُ و الطیّباتُ** ۔الصلوٰت سے بدنی قربانی مراد ہے اور **الطیبات** سے وہ پاکیزہ چیزیں مراد ہیں جو قولی ہوں یا فعلی ہوں یا جنس سے تعلق رکھتی ہوں اور جو ہم خدا کے حضور پیش کرتے ہیں۔ پس اس پہلو سے انسان کے خدا سے تمام تعلقات تحفہ پیش کرنے کے تعلقات ہو جاتے ہیں۔ جو شخص تحفہ قبول کرتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو انسان کسی بڑے انسان سے تحفہ لیتا ہے جبکہ اس کے مقابل پر وہ مالی لحاظ سے بھی اور دوسرے لحاظ سے بھی ادنیٰ ہوتا ہے۔ ایسا شخص دل میں خواہش تو بہت رکھتا ہے کہ میں کسی طرح بڑھا چڑھا کر پیش کروں لیکن اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتا اس لئے اگر وہ شخص جس کے حضور وہ تحفہ پیش کرنا چاہے حقیقتاً معزز ہو اور دل کا کریم ہو تو وہ اس کے ادنیٰ کو بھی بہت بڑھا کر قبول کرتا ہے۔ اس کے سوا اس غریب کے دل کی تمنا پوری ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں ہوتی گویا اس کے دل کی تمنا بھی کسی بڑے انسان کے کرم پر منحصر ہے۔ پس اس پہلو سے جہاں تک خدا کو تحفہ دینے کا تعلق ہے وہ تو یہی رشتہ بنتا ہے۔ ایک ایسے وجود کو تحفہ پیش کیا جارہا ہے جو ہر لحاظ سے بالا ہے اور اُسے ضرورت نہیں ہے۔ ہم اُس کو تحفہ پیش کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے لیکن جب وہ قبول کرتا ہے تو کرم کے نتیجے میں اس رنگ میں قبول کرتا ہے جیسے تم نے بہت بڑا کام کیا ہے اور چونکہ وہ زیادہ دینے کی استطاعت رکھتا ہے اس لئے وہ از خود زیادہ دیتا ہے ورنہ پیش کرنے والے کو تو اپنی غربت اور کم مائیگی کا احساس تھا۔ وہ تو اس شرم سے پیش کر رہا ہے کہ میں جو پیش کر رہا ہوں اس لائق نہیں کہ میں یہ پیش کرسکوں کیونکہ میرا محبوب اتنا بڑا ہے کہ میری طرف سے کچھ بھی پیش کیا جائے تو وہ چیز اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ اس کے حضور پیش کی جائے۔ پس اس کے بعد اس کے دماغ میں یہ خیال آنا کہ جتنا میں دوں گا اس سے بڑھا کر وہ مجھے دے دے گا کتنی کمینی بات ہوگی کتنی گھٹیا بات ہو جائے گی اور تحفے کے مزاج بگاڑنے والی بات ہوگی۔

پس خدا تعالیٰ سے تعلقات کے وقت یہ سودا پیش نظر نہ رکھا کریں کہ ابھی میں نے دیا اور کل

مجھے زیادہ مل جائے گا بلکہ یہ خیال کہ خدا کی راہ میں جو دینا چاہئے اس کی استطاعت نہیں رکھتے اور تحفہ پیش کرنے کو دل چاہتا ہے اور تحفے کے مقابل پر اگر کوئی واپسی کی بات کرے تو اس سے بھی انسان شرم سے کٹ جاتا ہے تو اس نیت سے خدا کے حضور میں پیش کرنا چاہیے کہ میں دے رہا ہوں اور شرم کے ساتھ دے رہا ہوں کہ جتنی توفیق ہے اس کے مطابق دے رہا ہوں ورنہ حق یہ تھا کہ اس سے بہت زیادہ دیا جاتا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے قبول کرلے اور دنیا میں فوراً واپس نہ کرے تو یہ خیال دماغ میں پیدا ہوجانا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ چندے میں بڑی برکت پڑتی ہے لیکن ہمیں تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا، بہت ہی گھٹیا اور کمینی بات ہوگی اور یہ تحفہ نہیں رہے گا اور چونکہ تحفہ نہیں رہے گا اس لئے قبول بھی نہیں ہوگا کیونکہ التّحیات نے ہمیں بتایا ہے کہ تحفے ہی ہیں جو قبول ہوں گے، باقی چیزیں نہیں ہوں گی۔ اگر تحفہ پیش کرتے ہو تو منظور ہے۔ تحفہ نہیں تو پھر تم اپنے کام سے کام رکھو خدا اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ تمہارے ساتھ ان قربانیوں کے نتیجے میں خدا سے تمہارا تعلق قائم نہیں ہوگا۔

دوسری بات التّحیات ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ روزانہ ہم خدا کے حضور پانچ وقت جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ التّحیات للّٰہِ والصلوٰتُ والطّیّباتُ تو کوئی انسان پہلے تحفے تو دوبارہ نہیں دیا کرتا۔ آخر ہم پانچ وقت کی ہر نماز میں بعض دفعہ ایک سے زیادہ دفعہ جب خدا کے حضور یہی بات پیش کرتے ہیں کہ التّحیات للّٰہِ والصلوٰتُ والطیباتُ تو اس کا یہ مطلب تو بہر حال نہیں ہوسکتا کہ ہم نے ایک دفعہ جو نیکیاں کر دیں، ایک دفعہ جو قربانیاں خدا کے حضور پیش کیں انہی کو بار بار تحفہ بنا کر دے رہے ہیں کیونکہ دنیاوی تعلقات میں تو انسان ایسا نہیں کرتا۔ اگر ایسا کرے تو بہت ہی پاگل اور احمق دکھائی دے گا۔ پس نماز پانچ وقت یہ پیغام دیتی ہے کہ دو نمازوں کے دوران تم نے کوئی نیکی کی ہے کہ نہیں۔ اگر دو نمازوں کے دوران کوئی اچھا نیک قول بھی تم نے کہا ہے تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق اور قرآن کے ارشاد کے مطابق وہ بھی ایک ہدیہ ہے، ایک تحفہ ہے، ایک اچھا نیک عمل ہے۔ خواہ قول بھی اچھا ہو تو وہ بھی نیک اعمال میں شمار ہوجاتا ہے۔ پس اگر اس عرصے میں کوئی اور نیک عمل کرنے کی توفیق نہیں ملی تو ذکرِ الٰہی کی توفیق ملی ہوگی کسی کو نیک نصیحت کرنے کی توفیق ملی ہوگی غیر کو نہیں تو اپنی بیوی کو، اپنے بچوں کو، اپنے ساتھیوں کو کوئی اچھی بات کہنے کی توفیق ملی ہوگی اس تمام عرصے میں جو دو نمازوں کے درمیان آپ پر گزرتا ہے کچھ نہ کچھ تحفہ آپ نے ضرور بنانا ہے

اور وہی تحفہ ہے جو خدا کے حضور پیش کیا جائے گا۔

پس اگر اس پہلو سے سوچتے ہوئے جب آپ **نماز میں التّحیات للّٰہ والصلوٰتُ والطیباتُ** کہتے ہیں تو بسا اوقات دل کانپ جائے گا کہ ہم خالی ہاتھ آئے ہیں اور بات یہ کر رہے ہیں کہ اے خدا! ہم تیرے حضور تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور تحفے بھی ایسے ہیں جو جمع کی صورت میں ہیں یعنی تحائف پیش کر رہے ہیں۔ والصلوٰتُ نیک اعمال کے ذریعے، بدنی قربانیوں کے ذریعے بھی و الطیباتُ اور اچھی چیزیں پیش کر کے بھی پس اس مضمون کو سمجھنے کے بعد التّحیات کا پیغام بہت ہی وسیع ہو جاتا ہے اور زندگی کے ہر دائرے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ روزمرّہ کی نمازوں میں نیکیاں بھرنے کی طرف ہمیں متوجہ کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے حضور وہی نیکیاں قبول ہونگی جو تحائف کا رنگ رکھتی ہوں گی اُس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۳) میں دراصل یہی پیغام ہے جو دیا گیا ہے کہ نیکی کی تعریف ہی تم نہیں سمجھتے اگر تمہیں یہ پتا نہ ہو کہ جو کچھ خدا کے حضور پیش کرتے ہو، وہ کرو جو سب سے اعلیٰ ہو اگر تمہیں سب سے اچھا پیش کرنے کا مزاج نہیں ہے اگر تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ خدا کے حضور سب سے اچھا پیش کرنا چاہئے تو تمہیں نیکی کی تعریف کا علم نہیں ہے۔ پس نیکی کی تعریف اور تحفے کی تعریف ایک ہی ہوگئی کیونکہ تحفے میں بھی انسان اچھی چیز چُن کر پیش کیا کرتا ہے جبکہ Tax میں بری چیز چن کر پیش کیا کرتا ہے۔ اگر مالیہ وصول کرنے والے گندم کی شکل میں مالیہ وصول کرنے آئیں تو کبھی زمیندار یہ نہیں کرتا کہ بہترین گندم چُن کر وہ مالیہ والوں کے سپرد کر دے بلکہ جو سب سے ذلیل، پانی میں ڈوبی ہوئی یا کالی ہوئی ہوئی گندم ہے وہ مالیہ میں دے گا لیکن تحفے میں برعکس مضمون ہے۔ پس حقیقت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا میں تحفے ہی کی تعریف کی جارہی ہے چنانچہ فرمایا حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کہ جب تک تمہیں محبت نہ ہو۔ پس محبت ہی کے نتیجہ میں تحفہ پیدا ہوتا ہے اور چونکہ تحفہ محبوب کے لئے پیش کیا جاتا ہے اس لئے محبوب کے لئے محبوب چیز پیش کی جاتی ہے۔ پس وہ اعمال قبول ہوں گے جو آپ کو محبوب ہوں جن کو فخر کے ساتھ آپ پیش کر سکیں اور وہ اچھی چیزیں مالی قربانی ہو یا کوئی اور کلمات کے ذریعے خدا تعالیٰ کی حمد کا بیان ہو، وہ ساری اچھی چیزیں جو آپ پیش کرتے ہیں۔ ایسے رنگ میں ہوں کہ سجی ہوئی ہوں، آپ کو اچھی لگ رہی ہوں۔ آپ کی

نظر میں بھی محبوب ہوں۔

اس کے بعد یعنی **التّحیات للّٰہِ و الصلوٰتُ و الطیباتُ** کے بعد انسان کہتا ہے کہ **السَّلامُ علیكَ ایها النبی و رحمة اللّٰہ و بر کاتہٗ ۔السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین** کہ اے نبی ہم تجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہ سلام درحقیقت تحفے ہی کے رنگ ہیں پیش کیا جارہا ہے کیونکہ خدا کو تحفے دینے کے بعد جو سب سے زیادہ محبوب ہستی ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ہستی ہے اور اللہ کو تحائف پیش کرنے کے بعد سب سے زیادہ تحفے کا حق اگر کوئی وجود رکھتا ہے تو وہ آنحضرت ﷺ ہی کا وجود ہے۔ **اس سلسلہ میں بعض لوگ ناسمجھی سے یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ حاضر ناظر ہیں اور حاضر ناظر کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اگر یہ دلیل درست ہو تو پھر خدا حاضر ناظر نہیں رہے گا کیونکہ اسی تخاطب میں التّحیاتُ علیكَ یا اللّٰہ نہیں کہا گیا بلکہ التّحیات للّٰہ و الصلوٰتُ و الطیباتُ فرمایا گیا ہے، تو خدا غائب ہو گیا اور محمد رسول اللہؐ حاضر ہو گئے۔ یہ مضمون تو بالکل ہی اکھڑ جائے گا، بے معنی ہو جائے گا اس لئے یہاں جو تخاطب ہے وہ اور معنی رکھتا ہے۔ بعض دفعہ حاضر کو عزت اور احترام کے نتیجے میں غائب کیا جاتا ہے اور غائب کو بھی عزت اور احترام کے نتیجے میں حاضر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جو ہم کہتے ہیں تو اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ غائب بھی ہیں مگر معزز بھی ہیں کیونکہ ''آں'' کا لفظ اعزاز کے لئے پایا جاتا ہے لیکن یو۔ پی میں جب خطاب کرتے ہیں تو بعض دفعہ حاضر کو غائب کے طور پر یہ بتانے کے لئے خطاب کرتے ہیں کہ ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں اور بعض دفعہ غائب کو عزت کی خاطر مخاطب کر دیا جاتا ہے۔** چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ کہہ رہے ہیں حالانکہ آپؐ غائب ہیں تو یہ جو طرزِ تخاطب ہے یہ اسی معنی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عزت اور احترام کی خاطر آپ کہا جارہا ہے حالانکہ آپ غائب ہیں اور خدا حاضر ہے لیکن اُسے عزت اور احترام کی خاطر غائب کیا جارہا ہے اور کلام کا یہ محاورہ دنیا کے ہر کلام میں ملتا ہے۔ پس خدا کے ساتھ اس کی عظمت اور شان کے پیش نظر حاضر ہوتے ہوئے بھی غائب کا خطاب ہے اور آنحضرت ﷺ کا خدا کے مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ پر ذکر ہے لیکن غائب ہوتے ہوئے بھی مخاطب کا خطاب ہے اور اس سے زیادہ اس کے اور کوئی معنی نہیں ہیں نعوذ باللہ یہ

مطلب نہیں ہے کہ جب ہم سلام بھیجتے ہیں تو جیسا کہ بعض مسلمان یقین کرتے ہیں آنحضرت ﷺ ہمارے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں گویا ہر نماز پڑھنے والے کی نماز کے سامنے اس موقعہ پر وہ آ کھڑے ہوں گے۔ یہ محض ایک جاہلانہ بات ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ خیال بھی شرک ہے۔ پس جب بھی آپ **السلام علیك ایها البنی** کہتے ہیں تو عزت اور احترام کے لئے خطاب کر رہے ہیں ورنہ حقیقت میں سامنے رکھ کر خطاب نہیں کر رہے۔

دوسری بات **السلام علینا و علی عباد للّٰہِ الصالحین** ہے۔ یعنی ہم سب پر بھی سلام ہو اور مخاطب کے متعلق متکلم کا صیغہ آیا کرتا ہے۔ پس اس پہلو سے بھی **التّحیات** کے اندر ایک حُسن بلاغت پایا جاتا ہے۔ غائب میں خدا کی بات ہوئی، پھر مخاطب میں حضرت محمد رسول اللہ ؐ کی بات ہوئی۔ اس کے بعد ہم متکلم میں داخل ہو گئے اور اپنے ساتھ تمام مومنین کو شامل کر لیا خواہ وہ موجود ہوں یا نہ ہوں اس لئے اس مضمون میں موجودگی کی کوئی بحث نہیں ہے۔ صرف ایک درجہ بدرجہ مرتبے کی گفتگو ہو رہی ہے اور ایک حسن کلام ہے جو اس شان کے ساتھ اپنے پہلو بدل رہا ہے۔ **و علی عباد اللّٰہِ الصالحین** پھر تمام صالح بندوں پر سلامتی بھیجی گئی۔ اس مضمون پر جا کر سورۃ فاتحہ سے ہم نے جو مضامین سیکھے تھے وہ اپنے درجہ کمال کو پہنچ گئے اور خدا تعالیٰ کی حمد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی مدح کی اور اپنے لئے اور تمام مومنین کے لئے ہر قسم کی دعائیں ہم نے اس میں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلقات قائم کئے اب اس کے بعد یہ سوال ہے کہ **اشھدُ ان لا اِلٰہَ الا اللّٰہ** کا کیا موقعہ ہے اور اس مقام پر اسے کیوں سجایا گیا ہے؟ میں نے جہاں تک غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ **کلمہ لا الہ الا اللّٰہ** درحقیقت سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور محمد رسول اللہ بھی سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور یہ مضمون سورۂ فاتحہ ہی کا ہے جو یہاں آ کر کامل ہوتا ہے اور ہمیں ایک نئی طرز پر بتایا جا رہا ہے۔ جب ہم اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کہتے ہیں تو یہاں صرف معبود کے طور پر خدا کا اقرار ہی نہیں کرتے بلکہ اِيَّاكَ کہہ کر ساتھ غیب کی نفی بھی کر رہے ہیں تو حقیقت میں **لا الہ الا اللّٰہ** کا مضمون اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ میں بہت شان کے ساتھ گویا مختلف لفظوں میں بیان ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کے مضمون میں داخل ہوتے ہیں تو سب سے بڑا نبی جس پر سب سے زیادہ انعاموں کی بارش کی گئی وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ ہی تھے۔ اس لئے

نماز میں جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ اُن لوگوں کے رستوں پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا تو سب سے زیادہ واضح طور پر جو بنی انسان کے ذہن پر چھا جاتا ہے وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ آپؐ ہی ہیں جو ذہن پر چھا جاتے ہیں۔ آپؐ ہی ہیں جو دل میں سما جاتے ہیں اور حقیقت میں آپ کے نام کے ساتھ باقی سب نبیوں کا نام شامل ہو جاتا ہے پس انعام یافتہ لوگوں میں سب سے اہم ذکر حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ہے اور اسی کا دوسرے لفظوں میں بیان یوں ہوا کہ **لاالٰہ الااللّٰہ محمدرسول اللّٰہ** تو نماز نے چونکہ درجہ بدرجہ ہماری تربیت کی اور سورۂ فاتحہ کا مضمون ہم پر مزید کھلتا چلا گیا۔ اس مضمون کا معراج یہ کلمہ ہے، **اشھدان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ و اشھدان محمداً عبدہ ورسولہ** لیکن یہاں یہ کلمہ تجربے کے بعد بیان ہوا ہے نظریاتی طور پر نہیں۔ سورۂ فاتحہ نے ہمیں خدا سے تعلقات کے ایسے تجارب سے گزارا ہے اور آنحضرت ﷺ کا مقام ہم پر اس طرح ظاہر فرمادیا کہ تحفہ دیتے وقت سب سے پہلے خدا کی ذات کا تصور ذہن میں آیا اس کے معاً بعد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تصور ذہن میں آیا۔ پس اسی مضمون نے ہمیں یاد کرایا کہ **لاالٰہ الااللّٰہ محمدرسول اللّٰہ** حقیقت میں دو ہی چیزیں ہیں۔ اللہ کی ذات اور محمد رسول اللہ۔ باقی سب افسانے ہیں۔ باقی وہ ہیں جو اُن کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں اور اُن کے ساتھ تعلق کی بناء پر اُن کا وجود بنتا ہے۔

یہاں تک سورۂ فاتحہ کا سفر حاضر اور مستقبل کا سفر تھا۔ اس میں حاضر کے طور پر مخاطب کیا جا رہا ہے اور حاضر یا مستقبل کے طور پر دعائیں مانگی جارہی ہیں۔ اب نماز آپ کو دوسرے زمانوں کا سفر بھی کرائے گی اور پہلوں کی یادیں بھی آپ کے لئے لے کر آئے گی۔ چنانچہ آپ دیکھیں شروع سے آخر تک جب تک ہم کلمہ **لاالٰہ الااللّٰہ** نہیں پڑھتے اور یہ شہادت نہیں دیتے اس وقت تک ہماری ساری دعائیں حاضر اور مستقبل سے تعلق رکھنے والی دعائیں ہیں۔ ان معنوں میں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے وقت بھی آپ کو ماضی کے وجود کے طور پر مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ ایک حاضر وجود کے طور پر مخاطب کیا گیا ہے اور اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ آپؐ کا زمانہ زندہ ہے۔ آپؐ ایک ایسے زندہ نبی ہیں جو زمانی لحاظ سے ماضی میں نہیں رہے بلکہ حال کے بھی نبی ہیں اور مستقبل کے بھی نبی ہیں۔ اس اب تک کا جو مضمون تھا وہ چونکہ حاضر اور مستقبل کے زمانے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے آپؐ کا ذکر اُن لوگوں

میں کیا گیا۔ اب ماضی کی طرف بھی نماز ہمیں لے کر جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے معاً بعد جب ہم **کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید** کہہ کر درود بھیجتے ہیں تو ماضی کے نیک لوگوں کے لئے بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بعد جس کا سب سے زیادہ حق ہے کہ اس پر سلام بھیجا ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوالانبیاء بھی کہلاتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی بزرگ نبی ہیں جن کی اولاد میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔ آپ وہی بزرگ نبی ہیں جن کی دعاؤں کو خدا تعالیٰ نے قبولیت کا شرف بخشا اور آنحضرت ﷺ آپ کی دعاؤں کا بہترین ثمر ہیں۔ پس اس تعلق کو ظاہر کرنے کیلئے اور یہ بتانے کے لئے کہ تم اگر اپنے محسنوں کے لئے دعا کرتے ہو اور ان کو تحائف پیش کرتے ہو تو ایک بڑے عظیم سابق محسن کو بھی یاد رکھنا اور وہ ابراہیمؑ ہیں اور ان کے حوالے سے پھر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر سلامتی بھیجو۔ سلامتی تو ہم دراصل آنحضرت ﷺ پر بھیج رہے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود کے ساتھ منسلک کر کے حضرت ابراہیمؑ کو بھی بہت ہی عظیم خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور **کما صلیت** میں جاری سلامتی ہے۔ کوئی ماضی کی سلامتی نہیں ہے۔ یہ مضمون بھی لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی بھیجی گئی تھی اور ختم ہوگئی اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر سلامتی بھیج۔ اگر ایسی محدود سلامتی رسول اللہ ﷺ کے لئے مانگنی ہے تو اس سے نہ مانگنا بہتر ہے۔ **کما صلیت** میں دراصل ماضی کا واقعہ ہے ماضی میں سلامتی شروع ہوئی تھی اس لئے ماضی کا صیغہ بولا گیا ہے ورنہ ہرگز یہ مراد نہیں کہ وہ سلامتی رسول اللہ ﷺ کے وقت پر آ کر ختم ہوگئی بلکہ قرآن خود بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا نام سلامتی کے ساتھ قیامت تک لیا جائیگا۔ آخرین میں بھی سلامتی کے ساتھ آپ کو یاد کیا جائے گا۔ پس اس طرح اس درود کا مطلب یہ بنے گا کہ اے خدا! تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اسی طرح ہمیشہ جاری رہنے والی سلامتیاں بھیج جس طرح تُو نے ابراہیمؑ پر ہمیشہ جاری رہنے والی سلامتی بھیجی تھیں۔ جس طرح ابراہیمؑ کی نسل میں تو نے بہت عظیم الشان پھل لگائے اسی طرح محمد مصطفیٰ ﷺ کی نسل میں بھی بہت ہی عظیم الشان پھل لگا۔ جس طرح ابراہیم اور ابراہیم کی اولاد سے تو نے محبت کی اور اُن سب سے محبت کی جو ابراہیمؑ کے پیچھے چلنے والے تھے۔ اسی طرح محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی اولاد اور اُن سب سے محبت فرما

جو آپ کے پیچھے چلنے والے ہیں۔ پس ان معنوں میں درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ایک اور رنگ بھی اختیار کر لیتا ہے اور کیونکہ ایک ماضی کے محسن کا ذکر ہے اس لئے نماز کی دعا زمانے میں وسیع تر ہو جاتی ہے اور اس کا تعلق ماضی سے بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس تعلق کی بناء پر آگے چل کر آپ کو اپنے والدین کے لئے بھی دعا سکھا دی گئی رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (ابراہیم:۴۱) میں پہلے اولاد کا بتایا لیکن سارے زمانے اکٹھے کر دیئے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ اے خدا مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا دے و من ذریتی اور میری اولاد کو بھی نماز پر قائم کر۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ اے ہمارے رب! ہماری دعا کو قبول فرما۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ اے خدا! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش دے تو جس طرح روحانی طور پر آنحضرت ﷺ کے والدین کا ذکر کیا گیا اسی طرح دعا کرنے والے نے اپنے والدین کا بھی ذکر کیا کہ مجھے بھی بخش، میری اولاد کو بھی بخش اور میرے والدین کو بھی تو حضرت ابراہیمؑ اور آنحضرت ﷺ اور آئندہ نسلوں کا جو تعلق روحانی طور پر ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے اس دعا میں ویسا ہی اپنی اولاد کے ساتھ، اپنے ساتھ اور اپنے والدین کے ساتھ ایک تعلق دکھا کر اس کی دعا سکھا دی گئی۔

پس نماز کو اگر آپ غور سے پڑھیں تو ایک لامتناہی مضمون ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور یہ ناممکن ہے کہ ہر نماز میں نماز کا ہر پہلو سے حق ادا ہو اس لئے کہیں نہ کہیں آپ کو کسی جگہ ٹھہر کر نماز کی لذت حاصل کرنی ہوگی اور یہ آپ کے مزاج اور حالات کے مطابق ہے۔ ہر لفظ پر اگر آپ ٹھہریں اور اس طرح غور کر کے نماز پڑھیں تو ایک ہی نماز 24 گھنٹے چلتی رہے گی اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مزاج کو ایسا بنایا ہے کہ وہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی خاص مزاج میں انسان نماز پڑھ رہا ہے اور کبھی کسی خاص مزاج میں نماز پڑھ رہا ہے۔ کبھی سورۃ فاتحہ کا پہلا حصہ ہے اس نے ہی دل تھام لیا ہے اور آگے نہیں بڑھنے دیتا، کبھی درمیان میں آ کر دل اٹکتا ہے کبھی آخر پر کبھی رکوع میں کبھی سجود میں گویا کہ مختلف حالات میں مختلف انسان اپنے مزاج کے مطابق مختلف رنگ میں نماز سے لذت پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے جو شخص متلاشی ہوگا جب اس کو اپنے مزاج کی چیز کہیں ملے گی تو وہیں ٹھہر جائے گا اور وہاں وہ زیادہ لطف اٹھائے گا اور اسی طرح کوئی نماز بھی انسان کی ایسی نہیں

جو لذتوں اور پھلوں سے خالی رہ جائے لیکن اگر غفلت کی حالت میں نمازیں ادا کرنی ہیں تو ساری عمر کی نمازیں بھی خالی ہوں گی، خالی برتن ہوں گے، ایسے برتن کہ جب آپ یہ خدا کے حضور پیش کریں گے اور کہیں گے التّحیات للّٰہ والصلوٰتُ والطیباتُ تو خالی التّحیات کے کھوکھلے برتن ہوں گے جن میں نہ الصلوٰت ہوں گی نہ الطیبات ہوں گی۔ یہ ایک تمسخر ہے۔ اپنے ساتھ بھی دھوکا ہے اور خدا سے بھی دھوکا کرنے کی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا بنائے کہ ہماری عبادات کو اپنے ذکر سے بھر دے اور ایسے ذکر سے بھر دے کہ جس سے ہماری زندگیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ معطّر رہیں۔ ہمارے وجود خدا کی ذات سے لذت پانے والے ہوں، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اور خدا کی ذات کے رنگ اور اس کی صفات ہماری ذات میں جاری ہونے والی ہوں۔ یہ وہ نماز ہے جو بالآخر انسان کو خدا نما بنا دیتی ہے۔ یہ وہ نماز ہے جس کے بعد انسان جتنی دفعہ بھی نماز میں جاتا ہے ہر دفعہ کوئی نیا موتی لیکر نکلتا ہے۔ نیا گوہر لے کر واپس لوٹتا ہے۔ کبھی انسان ایسی نمازوں سے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا، اور جتنا ترقی کرتا ہے اتنا ہی خدا کے رنگ اس پر پہلے سے بڑھ کر چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اتنا ہی زیادہ اس میں انکسار پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ وہ رکوع اور سجود کا اہل ہوتا چلا جاتا ہے اور تکبّر کی بجائے اس میں انکساری بڑھنے لگتی ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں، ہمارے بڑوں کو بھی اور چھوٹوں کو بھی، موجودہ نسلوں کو بھی اور آئندہ نسلوں کو بھی ایسی ہی نمازیں نصیب ہوں۔

اس کے بعد اب میں اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے آج ایک اور واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں آج ہمارا ایک بہت ہی پیارا وجود جو جماعت یو۔ کے (U.K) کا ایک بہت ہی محبوب وجود تھا یعنی چوہدری ہدایت اللہ صاحب بنگوی، وہ آج صبح اچانک ہم سے جُدا ہوئے اور اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ ان کو میں بہت دیر سے جانتا ہوں، جب میں طالب علم تھا اس وقت بھی ان سے مختصر سا تعلق بنا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں آپ پیدا ہوئے تھے اور تعلیم کے دوران بھی اور بعد میں بھی جس حالت میں رہے ہمیشہ سلسلہ کے بہترین خادم رہے، کسی نہ کسی شکل میں جماعت کی خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ تقسیم سے پہلے دہلی کے قائد مجلس خدام الاحمدیہ بھی رہے۔ تقسیم کے بعد جب جماعت کراچی کی نئے رنگ میں تنظیم قائم ہوئی تو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو براہ راست خود مجلسِ عاملہ کراچی کا ممبر مقرر فرمایا۔ بہرحال سلسلہ کے مختلف خدام ہیں جنہیں مختلف رنگ میں خدمت کی توفیق

ملتی ہے اور ایک نہیں، دو نہیں، آج کل تو خدا کے فضل سے ہزاروں ہیں جو اسی قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔ بنگوی صاحب کے متعلق جو چند کلمات میں خصوصیت سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہیں کہ آپ طبعاً خدمت کرنے والے انسان تھے۔ صرف جماعت کی ہی خدمت نہیں بلکہ اپنی سروس کے دوران جو اکثر فارن آفس میں رہی اور اس کے تعلق میں دنیا کی مختلف Embassies ایمبیسیز میں آپ مقرر ہوتے رہے۔ آپ نے اس طرح بے لوث ہر ایک کی خدمت کی ہے کہ وہ غیر احمدی، افسر ہوں یا ماتحت یا ساتھی جنہوں نے آپ کے ساتھ کسی جگہ وقت گزارا ہے ہمیشہ آپ کو بڑی محبت سے یاد کرتے ہیں اور مجھے امریکہ سے کچھ عرصہ پہلے بنگوی صاحب کے ایک دوست کا خط ملا تھا اس میں اس نے بتایا کہ یہ ایسا وجود ہے جو بھلانے کے لائق نہیں ہے۔ بہت ہی خدمت کرنے والا اور بہت ہی احسان کرنے والا وجود ہے۔ پس اس دور میں جو ربوہ سے آنے کے بعد کا دور ہے اور جسے میں ہجرت کا دور کہہ رہا ہوں، جبکہ میں پاکستان سے آکر انگلستان میں عارضی طور پر آباد ہوا تو آتے ہی میں نے سب سے پہلے یہ صدائے عام دی کہ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ (الصّف:۱۵) کون ہے جو اللہ کی خاطر، اللہ کے نام پر میری نصرت کرنے والا بنے گا تو وہ اولین آوازیں جنہوں نے لبیک کہا ان میں ہدایت اللہ صاحب بنگوی کی آواز بھی تھی اور اس آواز میں ایسا خلوص تھا، ایسی سچائی تھی کہ اس کے بعد میں نے ان کو ہمہ وقت خدمت دین میں مگن دیکھا اور سخت بیماری کی حالت میں بھی اس بیماری کو چھپا کر کہ مجھے خدمت سے روک نہ دیا جائے آپ خدمت میں ہمیشہ مگن رہے اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ ان آوازوں میں سے یہ آواز یقیناً سچی آواز تھی صدقِ دل سے اٹھائی گئی آواز تھی۔ چنانچہ ساری زندگی جو آپ نے بعد میں میرے ساتھ گزاری وہ زندگی اس بات کا نمونہ تھی کہ آپ واقعی اللہ کے انصار میں داخل ہو گئے تھے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب:۲۴) ان لوگوں میں سے اور بھی بہت سے ہیں جنہوں نے اپنی نیتوں کو پورا کر دیا اور بعض ایسے ہیں جو نیتیں پوری کر کے خدا کے حضور حاضر ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو ابھی انتظار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس وجود کو غریق رحمت فرمائے۔ آخر سانس تک خدمت میں وقت گزارا۔ ہر جلسہ کے بعد جب میں اُن کو مبارک باد دیتا رہا کہ آپ نے بہت ہی عمدہ خدمت کی ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے تو ہمیشہ جذبات سے

مغلوب ہو جایا کرتے تھے اور دو باتیں ہمیشہ کہا کرتے تھے ایک تو یہ کہ میری خدمت کوئی چیز نہیں، یہ آپ کی دعاؤں کا پھل ہے اور پھر تکرار سے کہا کرتے تھے کہ میں تکلفاً نہیں کہہ رہا میں دل کے پورے یقین سے کہہ رہا ہوں کہ یہ محض دعاؤں کا پھل ہے، میری کوئی حیثیت نہیں ہے دوسرے یہ دُعا یاد کرایا کرتے تھے کہ میرے لئے ہمیشہ یہ دعا کریں کہ چلتے پھرتے آخری سانس تک خدمت میں میری جان جائے۔ ایسا ہی ہوا اور یہ جلسہ جو بہت ہی کامیاب گزرا ہے، آپ نے دیکھا کہ کس طرح ان کو سخت بیماری کی حالت میں بھی چلتے پھرتے خدمت دین کی توفیق ملتی رہی۔ صبح جب میری بیگم کو پتہ چلا کہ بنگوی صاحب وفات پاگئے ہیں تو کہتی ہیں کہ رات بڑی دیر تک نیچے سے میں ان کی آوازیں سنتی رہی۔ یہ آ کر مہمانوں کے لئے ہدائتیں دے رہے تھے اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی کراری اور بلند آواز والا شخص جو اس طرح رات گئے بہت دیر تک مہمانوں کی خدمت میں مصروف ہے، صبح اچانک رخصت ہو جائے گا مگر بہر حال یہ بھی اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ۱۹۸۵ء سے لے کر اب تک، جب میں نے انہیں افسر جلسہ مقرر کیا تھا، یہ نہایت ہی عمدگی اور کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض کو سرانجام دیتے رہے اور یہ ساری زندگی گویا Lease پر تھی یعنی ڈاکٹروں نے تو جواب دیا ہوا تھا لیکن خدمت دین کا جذبہ انہیں لئے پھرتا تھا اور اللہ نے اس جذبے کو قبول فرمایا اور زندگی کا ایک نیا دور عطا فرمایا۔

پس اگر چہ جدائی انسان کو ضرور دکھ پہنچاتی ہے لیکن بعض جدائیاں دُکھ کے ساتھ بعض خوشی کے جذبات بھی رکھتی ہیں۔ ان کی جدائی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جیسے کوئی شخص کامیاب دورے کے بعد رخصت ہو رہا ہو تو لوگ دل کے بڑے گہرے غم کے ساتھ اس کو رخصت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی صمیم قلب کے ساتھ مبارکبادیں بھی پیش کرتے ہیں۔ پس میں اس جانے والے کو اسی جذبے کے ساتھ رخصت کرتا ہوں کہ اے جانے والے! ہم بہت مغموم ہیں۔ ہمارا دل تیرے صدمے سے گھائل ہو گیا ہے لیکن ہم صمیم قلب کے ساتھ تجھے مبارکباد پیش کرتے ہیں تو نے ایک کامیاب بندے کی زندگی گزاری اور ایک کامیاب احمدی کی حالت میں آخری سانس تک زندہ رہا اور اسی حالت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اللہ بے شمار رحمتیں ان پر نازل فرمائے اور اس ٹیم کو انہی نیکیوں پر قائم رکھے جس ٹیم کو انہوں نے بڑی محنت اور خلوص اور دعاؤں کے ساتھ تیار کیا ہے۔ ان کا نعم البدل ہمیں عطا کرے۔ ان کی اولاد کو توفیق

بخشے کہ وہ ان کی خوبیوں کو اپنی ذات میں زندہ کر کے انہیں نئی زندگی عطا کریں۔ آمین۔

جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے اس کی تاریخ میں وہ انشاء اللہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اولاد کو ہمیشہ اپنے فضلوں کا وارث بناتا رہے اور ان کی روح کو اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد میں یہ مختصر اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جمعہ کے معاً بعد انشاء اللہ ان کا جنازہ ہوگا۔ اس کے ساتھ کچھ جنازہ ہائے غائب بھی ہوں گے جن کا اعلان غالباً پہلے کیا جا چکا ہے اور میری خواہش تھی کہ اسی جلسہ کے اختتام پر اسلام آباد ہی میں ان کا جنازہ ہو چنانچہ اس خواہش کے پیش نظر ان کے عزیزوں نے بہت محنت کر کے بہت جلدی جلدی ان کو غسل دیا اور تیار کیا۔ پس آپ سب لوگ جمعہ کے بعد اسی جگہ کھڑے رہیں سوائے ان چند ساتھیوں کے جو میرے ساتھ باہر جا کر ان کی نعش کے سامنے کھڑے ہو کر وہاں جنازہ پڑھیں گے۔ باقی آپ اسی طرح صفوں میں کھڑے ہو جائیں۔

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

قولو قولاً سدیداور انما الاعمال بالنیات کی روشنی میں والدین کو نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ راگست ۱۹۹۱ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ ایک لمبے عرصہ سے جو تقریباً چھ ماہ پر پھیلا پڑا ہے نماز کے موضوع پر خطبات کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سلسلہ بند ہونے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ اب کس موضوع پر کل کا خطبہ دوں تو اس قسم کا کچھ خلا محسوس ہوا کہ جیسے اچانک چلتے چلتے رہٹ کھڑا ہو جائے تو ایسی خاموشی ہوتی ہے جس میں خیالات بھی خاموش ہو جاتے ہیں تو رات دعا کر کے سویا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس موضوع پر چاہے وہ خطبہ دلا دے۔ میرے ذہن میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ صبح آنکھ اس حالت میں کھلی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقویٰ سے متعلق ایک شعر بڑے زور سے زبان پر جاری تھا اس پر مجھے یہ سمجھ آئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے کہ تقویٰ کا مضمون کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اس کا کبھی بھی حق ادا نہیں ہوسکتا اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر جماعت احمدیہ کی آئندہ ایک سو سال کی نہیں بلکہ ہزاروں سال کی عمارت تعمیر ہونی ہے اس لئے اس موضوع پر مزید خطبات کی ضرورت ہے۔

اس پہلو سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر سے روشنی پاتے ہوئے کہ:

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے (درثمین:۔۔)

میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ تقویٰ کی جڑ نیتوں پر ہوتی ہے اور اس پر میرا ذہن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس حدیث کی طرف چلا گیا جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** . (بخاری کتاب الایمان حدیث:۱) تمام اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے۔ یہ درحقیقت ایک ہی مضمون ہے لیکن طرز بیان مختلف ہے، اظہار مختلف لفظوں میں ہوا ہے لیکن بعینہٖ ایک ہی مضمون ہے جو بیان ہو رہا ہے۔ ہر انسان کے ہر عمل کی جڑ اس کی نیت میں ہوتی ہے پس اگر وہ جڑ تقویٰ ہو تو اس کے اعمال کی تمام تر عمارت خواہ وہ ثریا تک جا پہنچے وہ خدا کے حضور مقبول اور حسین ہوگی ۔ ایک خوبصورت اور دلکش اور پائیدار عمارت تعمیر ہوگی اور اگر نیتوں کی جڑ میں نقص پیدا ہو جائے تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر عمارت کے تصور کو چھوڑ کر جڑ کے تصور سے درخت کی مثال آپ اپنی نظر کے سامنے لائیں تو جو جڑ بیمار ہوتی ہے اس کا تنا بھی بیمار ہوتا ہے، اس کے پتے بھی بیمار ہوتے ہیں، اس کے پھل بھی بیمار ہوتے ہیں اور بیمار جڑ والے درخت کو آپ جو چاہیں کرلیں اس کا علاج ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اُسے جڑوں سے اکھیڑ پھینکا جائے یا ایسی دوا دی جائے جو جڑوں میں اتر کر جڑوں کی بیماری کا کچھ علاج کر دے۔ مجھے زمیندارے میں بارہا ایسا تجربہ ہوا ہے کہ پودوں کی، درختوں کی بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جو پتوں پر، پھلوں پر، شاخوں پر حملہ کرتی ہیں اور ان کا علاج ممکن ہے لیکن ایسا درخت جو کونپلوں سے سوکھنا شروع ہوتا ہے اور نیچے کی طرف اس کی بیماری کا عمل حرکت کرتا ہے یعنی کناروں سے شروع ہو کر نیچے کی طرف تو ایسے درخت ہمیشہ جڑوں کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور جب تک جڑ کی فکر نہ کی جائے اس درخت کا کوئی علاج ممکن نہیں۔ پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی فرمودہ نصیحت جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** ،اس کو پیش نظر رکھ کر میں آپ سے آج کچھ خطاب کروں گا۔ یہ حدیث مختلف کتب میں مروی ہے، کہیں چھوٹی، کہیں کچھ بڑی، میں نے جو حدیث لی ہے وہ **بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله** ﷺ سے اخذ کی ہے۔ اور یہ پوری حدیث اس طرح بیان ہوئی ہے کہ

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحي بن سعید الانصاری

قال اخبرني محمد بن ابراهيم التميي انهٔ سبع علقمة على المنبر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ((انما الاعمال بالنيات ،وانما لكل امرى ما نوىٰ ،فمن كانت هجرتهٔ الى الله ورسوله فهجرتهٔ الى الله ورسولهٔ ومن كانت هجرتهٔ لدنيا يصيبها ،او امراةً ينكحُها فهجرتهٔ الى ماهاجر اليه

(بخاری باب کیف کان بدء الوحی رسول الله)۔

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں یعنی تمام روایت کا سلسلہ چھوڑتے ہوئے آخری راوی سے اصل مضمون کا ترجمہ بیان کر رہا ہوں، چونکہ یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر عام خطاب میں بیان فرمائی۔ پس آپ کی روایت یہ ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: سب اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی بدلہ دیا جاتا ہے۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی اور ان کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اور خواہشات کو ترک کر دیا اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہوگی لیکن جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت کی غرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہی قرار پائے گی جو اس کی اپنی نیت ہے یعنی اپنی نیت کا پھل جیسی بھی وہ نیت ہے اس کے مطابق اس کو ملے گا۔

اس حدیث کا اطلاق انسان کی ساری زندگی پر، اس کے تمام خیالات پر اور اس کے تمام اعمال پر ہوتا ہے۔ بہت ہی وسیع مضمون سے تعلق رکھنے والی حدیث ہے اور انسانی نفسیات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ انسانی نفسیات کی وہ جڑ ہے جس کو اگر پکڑ لیں تو ہر انسان کی نفسیات کی الجھن اس سے حل ہوسکتی ہے اور درحقیقت Psychiatrist اسی جڑ کی تلاش میں Psychiatry سے متعلق محنت اور جدوجہد کرتے ہیں اور مختلف مریضوں سے سوالات کرتے کرتے بالآخر ان کی تلاش جڑ کی تلاش ہوتی ہے کہ یہ شخص کیسے بیمار ہوا تھا آغاز کیسے ہوا تھا، دماغ میں وہ پہلا فتور کیسے پڑا تھا جس کے نتیجے میں یہ اتنی پیچیدہ بیماری لاحق ہوئی اور بیماری کے آغاز کا جو آخری نقطہ ہے وہ نیت کے آغاز کا نقطہ ہوا کرتا ہے اس سے آگے پھر سارا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

پس انسانی زندگی بہت ہی Complex زندگی ہے، بہت ہی الجھی ہوئی اور پیچیدہ زندگی

ہے اور اگر آپ بیرون سے انسانی خیالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کریں تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ اور باہر سے کسی شخص کی نیت تک پہنچنا اگر ممکن بھی ہو تو اس کا حد تک جواز نہیں ہے کہ کوئی انسان اپنے تجزیے کو کسی دوسرے پر ٹھونس سکے۔ پس اس مضمون پر غور کرتے ہوئے یہ نقطہ سمجھ آتا ہے کہ یہ سفر ہر شخص کو خود اختیار کرنا ہوگا۔ اپنی نیتوں کا خدا کے بعد سب سے زیادہ انسان خود واقف ہوتا ہے۔ جب وہ غیروں کے سامنے اپنے ارادے بیان کرتا ہے تو ہمیشہ پیچ وخم کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ہمیشہ ان کو خوبصورت لباس میں ڈھانپ کر پیش کرتا ہے۔ شاذ ہی کوئی ایسا انسان ہو جو اپنے ارادوں کو من وعن اسی طرح کسی کے سامنے رکھ دے ورنہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اپنی نیت کو چھپاتا ہے۔ جس طرح جڑ کو مٹی سے ڈھانپا جاتا ہے اسی طرح انسان بھی اپنی نیتوں کو جو پہلے ہی اندر چھپی ہوئی ہوتی ہیں مزید مٹی سے ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی کے نتیجے میں دنیا کے تعلقات میں اکثر فتور واقع ہوتے ہیں بلکہ تمام تر فتور کہنا چاہئے ایک بھی انسانی تعلقات میں خلل ایسا نہیں، ایک بھی انسانی تعلقات کا فساد ایسا نہیں جس کی بنیاد نیت پر نہ ہو اور نیت میں اگر تقویٰ شامل نہ رہے تو پھر جو بھی درخت اس سے پیدا ہوگا جو بھی نشوونما پائے گا، جو درخت بھی پھل دے گا وہ سارے پھل کڑوے اور گندے ہوں گے۔

اس مضمون کو عمومی رنگ میں بیان کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ اب انسانی تعلقات کے مختلف چھوٹے چھوٹے دائروں میں اس مضمون کا اطلاق کر کے آپ کو دکھاؤں اور آپ کو بتاؤں کہ کس طرح تقویٰ کے فقدان کے نتیجے میں انسانی تعلقات فسادات کی نظر ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد میں ایک مثال نکاح کی دی ہے کہ ایک مرد ایک عورت کی نیت لے کر سفر کرتا ہے۔ یعنی نیتوں کے سفر میں ایک عورت کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ وہی عورت اس کا مقصود ہے لیکن یہ مضمون چونکہ بہت ہی گہرا اور وسیع ہے اس لئے اس مثال کو سطحی نہ سمجھیں۔ اس مثال کے اندر انسانی تعلقات کے دائرے کا ایک بہت ہی وسیع حصہ زیر بحث لایا گیا ہے۔ عورت کی طرف انسانی سفر کیسے ہوتا ہے؟ اور کیا وہ ایک ایسی نیت ہے جو ہر شخص میں مشترک ہوتی ہے یا نیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اس مضمون پر اگر آپ غور کریں تو آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ذہن میں آتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ جب تم شادی کی نیت کرتے ہو تو وہ شادی دنیاوی مناصب اور مرتبوں کی خاطر بھی ہوسکتی ہے، خاندانی منصب اور خاندانی وقار اور وجاہت کی خاطر بھی ہوسکتی ہے، اموال کی خاطر

بھی ہو سکتی ہے اور وہ شادی حسن کی خاطر بھی ہو سکتی ہے لیکن وہ شادی دین کی خاطر بھی ہو سکتی ہے اس لئے تمہیں میری نصیحت یہ ہے کہ اپنی شادی دین کی خاطر کیا کرو۔

اب اس مضمون میں جو چار باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ان پر اگر آپ مزید غور کریں تو اور پھیل جاتی ہیں اور یہ مضمون بہت زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شادی کے معاملے میں نیتوں کا سفر صرف لڑکا یا لڑکی نہیں کرتے بلکہ ان کے ماں باپ بھی کرتے ہیں ان کی بہنیں بھی کرتی ہیں۔ان کا معاشرہ بھی کرتا ہے اور یہ سفر بظاہر ایک لڑکی کی طرف ہوگا یا ایک لڑکے کی طرف ہوگا لیکن اس میں ایک قافلہ شریک ہو جاتا ہے اور ہر ایک اپنے رخ کو دوسروں پر نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے گویا ایک قسم کی رسّہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ والدہ چاہے گی کہ میرے مزاج اور میری مرضی کے مطابق بہو گھر میں آئے۔ والد اپنی سوچ کے مطابق یہ کہے گا کہ مجھے تو اس قسم کی بہو چاہئے۔بہنیں بھائی کے لئے اپنا ایک تصور جمائے ہوئے ہوں گی اور بھائی (کم سے کم ہمارے معاشرے میں) بیچارا سب سے آخر پر آتا ہے، جس کی خواہشات جس کی تمنائیں خاندان کی چوکھٹ پر قربان ہونے کے لئے تیار رہتی ہیں اور والدین اکثر اپنی مرضی کو بیٹوں پر بھی ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں، بہنیں بھی ایسا کرتی ہیں لیکن لڑکیوں کے معاملہ میں تو حد سے زیادہ یہ زبردستی کی جاتی ہے اور ناحق بچی کے حق میں مداخلت کی جاتی ہے لیکن آگے پھر لڑکے کی اور لڑکی کی اپنی تمنائیں اور آرزوئیں ہیں وہ بھی مختلف ہو سکتی ہیں تو بیماریاں ایک سے زائد ہیں اور ایک سے زیادہ جگہ جڑ پکڑتی ہیں۔

اب اس ساری صورتحال کو پیش نظر رکھ کر اس مثال کو میں بعض جگہ مزید واضح کرتا ہوں۔اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ بعدازاں جب رشتوں میں خلل واقع ہوتے ہیں تو ان کا آغاز کیسے ہوا تھا۔ بعض عورتیں اپنی جہالت میں یہ سمجھتی ہیں کہ بہو ایسی آنی چاہئے جس کو ہم جوتی کے نیچے رکھیں اور ہمیشہ اسکو زبردستی تابع فرمان رکھیں اور وہ صرف خاوند کی خدمت نہ کرے بلکہ خاوند کے باپ کی بھی خدمت کرے، اس کی ماں کی بھی خدمت کرے، اس کی بہنوں کی بھی خدمت کرے اور پھر اس سے آگے قدم بڑھا کر وہ کہتی ہیں کہ بہو کے سارے خاندان کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ نیچے رہیں، ان کو معلوم رہنا چاہئے اور یہ احساس ہمیشہ ان کے دل میں جاگزیں رہنا چاہئے کہ انہوں نے گر کر ہمیں بیٹی دی ہے اگر ہم نہ چاہتے تو ان کی بیٹی کو قبول نہ کرتے۔ ہم نہ پوچھتے تو اور کس نے

پوچھنا تھا۔ رشتے کے انتظار میں اتنی دیر سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے ان ساری باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بیٹی ہی نہیں بلکہ بیٹی کا سارا خاندان بیٹے والے کے خاندان کے سامنے جھک جائے اور اس کے ساتھ پھر دماغ میں مزید مطالبے بھی آ جاتے ہیں۔ بعض مائیں کہتی ہیں کہ ہمارا بیٹا ہے، ماشاء اللہ اچھا تعلیم یافتہ ہے، ڈاکٹر ہے، اس کو ایسی بیٹی ملنی چاہئے جو اس کی ڈاکٹری تعلیم کا کچھ مزید انتظام کرے۔ یورپ کے سفر کا انتظام کرے۔ امریکہ کے سفر کا انتظام کرے اور خواہ اس کے ماں باپ اپنی جائیداد بیچیں، اپنے زیور بیچیں اپنے داماد کے مستقبل کو روشن تر کرنے کے لئے وہ اپنے گھروں کے دیے بجھا دیں لیکن ان کا فرض ہے کہ وہ ایسا ضرور کریں پھر بعض ساسیں یہ تصور جمائے رکھتی ہیں کہ ان کی بہو ایسی آئے جو دولت سے گھر بھر دے۔ ایک کار بھی لے کر آئے، فریج بھی لے کر آئے، جوڑے لائے، اپنی ساس کے لئے بھی، اپنی نندوں کے لئے بھی، ان کے رشتہ داروں کے لئے بھی اور ہم کسی کو بتا تو سکیں کہ کس قسم کی بہو ہمارے گھر آ رہی ہے۔

اس قسم کی جاہل عورتیں ہیں جو اس دنیا میں بھی نہ صرف اپنی نسل کے لئے بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے جہنم پیدا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں اور یہی وہ جاہل عورتیں ہیں جو اپنی نسل کو خود جہنم میں جھونکتی ہیں۔ وہ مائیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اُن کے پاؤں تلے جنت ہے وہ یہ مائیں نہیں۔ یہ وہ مائیں ہیں جو ایسی بدنصیب ہیں کہ جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جنت کی خوشخبری یا جنت کی تمنا کی لیکن اس کے باوجود ان کی بدبختی ان کے پاؤں تلے سے ان کی اولاد کیلئے جہنم پیدا کرنے کا موجب بن گئی اور سارے معاشرے کو دکھوں سے بھر دیا۔ ایسے تصور والی عورتیں شاذ کے طور پر نہیں ملتیں بلکہ بڑی بھاری تعداد میں آج دنیا میں موجود ہیں۔ پاکستان کے اخباروں میں ہندوستان کی بعض مظلوم لڑکیوں کا تو ذکر ملتا ہے جو جہیز نہ ملنے کے نتیجے میں زندہ جلا دی گئیں لیکن پاکستان میں لاکھوں کروڑوں ایسی بدنصیب لڑکیاں ہیں جو زندہ جلا نہیں دی جاتیں تو زندہ درگور کر دی جاتی ہیں۔ ان کی ساری زندگی جہنم بن جاتی ہے اور ان کے والدین کی بھی۔ تو نیتوں سے دیکھیں کس قدر بڑے فساد واقع ہوتے ہیں اور یہ فسادات پھر آگے بہت سے فسادات پر منتج ہوتے ہیں بعض دفعہ ایسی بچیوں کی طلاقیں ہو جاتی ہیں اور پھر اُن کے بچوں کے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر مقدمہ بازیاں شروع ہو جاتی ہیں، احمدی معاشرے میں تو نہیں مگر غیر احمدی معاشرے میں قتل و غارت تک بات پہنچتی ہے اور مسلسل گھر برباد

ہو رہے ہیں اور مسلسل گھر اس بربادی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس جہنم کا سفر نیت سے شروع ہوا تھا اور نیتوں کی اینٹوں سے یہ سڑک تعمیر ہوئی اور اسی پر چلتے ہوئے خاندان کے خاندان اور ان کی نسلیں جہنم وارد ہونے کا سفر اختیار کرتی ہیں اور کسی کو ہوش نہیں آتی۔

پس نیت کا فتور ہے جو سب سے زیادہ خطرناک چیز ہے۔اس نیت کو آپ تقویٰ سے بھر دیں تو یہی زندگی جنت بن جاتی ہے اس کے برعکس بعض مائیں ایسی ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ اپنی بہو کے لئے نیک گن چاہتی ہیں۔نیک گن سے مراد ہے نیک اخلاق، دیندار شریف الطبع اور میں جانتا ہوں بہت سی ایسی مائیں ہیں جو پیغام بھیجتی ہیں کہ ہمیں آپ کی کوئی چیز نہیں چاہئے۔ہمیں آپ کی بیٹی سے پیار ہے، بہت نیک فطرت ہے، سعید فطرت ہے، اچھی ہے ہمارے بیٹے کیلئے بھی اچھی ہوگی، اپنی اولاد کے لئے بھی اچھی ہوگی۔اس لئے آپ جس طرح چاہیں اس بیٹی کو رخصت کر دیں ہمیں اور کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں اور پھر اس بیٹی کو بڑی چاہت کے ساتھ گھر میں لاتے ہیں، چاہت کے ساتھ رکھتے ہیں اس سے ایسا حسن سلوک کرتے ہیں کہ وہ بیٹی ان پر فدا ہونے لگتی ہے۔بہت سے ایسے واقعات میرے علم میں ہیں۔ایسی ساسیں جن کی بہوئیں ان کو دعائیں دیتی ہیں اور ان کا گھر خدا کے فضل سے جنت نشان بن جاتا ہے۔ایسی ہی ایک نیک خاتون ابھی کچھ عرصہ پہلے لاہور میں فوت ہوئیں۔ہمارے منیر جاوید صاحب جو جلسہ سالانہ میں بڑی اچھی آواز میں نظم پڑھا کرتے تھے ان کی والدہ ہیں۔ان کی بہو مجھے ملنے آئی تو ذکر کرتے ہی اس قدر روئی، اس قدر اس کی آواز گلوگیر ہوئی کہ منہ سے بات نہیں نکلتی تھی میں حیران تھا کہ ساس فوت ہوئی ہے اور اتنا عرصہ بھی گزر گیا دو یا تین مہینے جتنے بھی تھے۔یہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی وہ کیسی ساس تھی۔اس نے مجھے ماؤں سے زیادہ پیار دیا ہے اور میری کمزوریوں کو اس طرح نظر انداز کرتی تھی جیسے مجھ میں کوئی کمزوری کبھی تھی ہی نہیں اور اس کی وجہ سے میری ساری زندگی اس کے لئے دعا بن گئی ہے اور میں ہمیشہ اس کو دعاؤں میں یاد رکھوں گی۔آپ بھی اس کیلئے دعا کریں۔ایسی ساسیں خدا کے فضل سے دنیا میں اور بھی ہیں اور مجھے سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے۔جب کوئی بہو ملاقات کے دوران اپنی ساس کا ذکر کرتی ہے تو محبت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ایسے بہت سے واقعات ہیں۔جرمنی میں ملاقاتوں کے درمیان بھی ایک بہو ملی تو اس سے میں

نے پوچھا کہ تمہاری ساس کا کیا حال ہے؟ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ساس زندہ ہے، اس کی وفات کا صدمہ نہیں تھا بلکہ محبت کی وجہ سے، اس نے کہا آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کیسی احسان کرنے والی ساس ہے۔ کس طرح اس نے مجھے پیار دیا ہے اس کی برکت ہے کہ ہمارا گھر جنت بن گیا ہے۔ ایسی ساسیں یقیناً وہ مائیں ہیں جن کے متعلق حضرت محمد مصطفی ﷺ نے خبر دی کہ ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

پس ایک عورت کی نیتوں کا سفر آپ دیکھیں۔ اس کا پہلا قدم فیصلہ کرتا ہے کہ میں نے اور میری اولاد نے جہنم کی طرف جانا ہے یا جنت کی طرف جانا ہے۔ کتنا گہرا ارشاد نبوی ہے۔ حکمتوں کے سمندر کو ایک کوزے میں بند فرما دیا ہے ساری انسانی زندگی کے تمام نفسیاتی مسائل کو حل فرما دیا جب فرمایا: **انما الاعمال بالنیات** یاد رکھنا تمہارے اعمال تمہاری نیتوں سے تشکیل پائیں گے۔ اگر تمہاری نیتیں جنت نشان ہوں گی تو تمہارے اعمال جنت نشان بنیں گے، اگر تمہاری نیتوں میں جہنم کی آگ ہوگی تو تمہارے اعمال بھی آگ کی وہ بھٹی بن جائیں گے جو ان میں پڑے گا وہ بھی جہنم میں مبتلا ہوگا اور جن کے وہ اعمال ہوں گے وہ بھی اس بھٹی میں جلیں گے۔

پس نیتوں میں فتور نہ ہونے دیں اور اسی سے ہمارے معاشرے کو جنت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ پھر اسی طرح والد ہے اُس کی نیتوں کا بھی بہت حد تک دخل ہوتا ہے۔ بعض والد چاہتے ہیں کہ ایسا رشتہ ملے جس کے نتیجے میں بیٹے کو نوکریاں اچھی مل جائیں، حسب نسب کے خاندانی تعلقات ایسے ہوں کہ اس کے نتیجے میں عزت اور مرتبہ بلند ہو۔ ایسا رشتہ ملے جس کے نتیجے میں اس کو جرمنی، انگلستان یا امریکہ میں رہائش نصیب ہو جائے۔ غرضیکہ کئی قسموں کے نیتوں کے فتور ہیں جو لے کر وہ اپنے خاندان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح خاوند کی بہنیں یعنی نندیں ہیں وہ بھی اپنا ایک الگ تصور جمائے رکھتی ہیں اور عموماً عورتوں کے تصور میں آنے والی پر حکومت کا تصور شامل رہتا ہے۔ پھر اس کے برعکس بھی صورت ہے۔ بعض بیٹیوں کو رخصت کرنے سے پہلے ان کی مائیں ان کی بہنیں ان کے عزیز اُن کے کان میں کئی قسم کی باتیں پھونکتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں خبردار، دب کر نہیں رہنا کوئی ایک بات کرے تو دس جواب دو، ایسی تیسی۔ کوئی تمہارے دوپٹے پر ہاتھ ڈالے تو اس کی چوٹی پر ہاتھ ڈال دو اس طرح دبکے سے رہو کہ شروع سے ہی سارا خاندان تمہارے نیچے لگ

جائے اور پھر مسلسل بیٹیوں کو سمجھانے کیلئے کانفرنسز ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کو گھر بلایا جاتا ہے اور ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو تمہاری ساس نے یہ بات کی، تمہاری نند نے یہ بات کی۔ ایسا فساد ڈالو کہ خاوند ان کی گتیں پکڑ پکڑ کر اُن کو گھروں سے نکالے اور یا یہ دیکھو کہ خاوند کہیں اپنے ماں باپ پر اپنے بھائیوں پر اپنے عزیزوں پر خرچ تو نہیں کر رہا۔ اگر وہ کر رہا ہے تو اس کے ہاتھ روکو۔ یہ تمہاری اولاد کا حق ہے جو وہ دوسروں کو دے رہا ہے۔ غرضیکہ کئی قسم کی کانفرنسیں ہو رہی ہوتی ہیں اور وہ یہ نہیں سمجھ رہے ہوتے کہ وہ بیٹی کے لئے جنت نہیں بلکہ جہنم بنا رہے ہیں۔ پس قصور محض ایک طرف کا نہیں۔ قصور بعض دفعہ دونوں طرف کا اور بعض دفعہ ایک طرف کا ہوتا ہے لیکن ہر دفعہ قصور نیت کا قصور ہوتا ہے اور نیتوں کا جو فتور ہے وہ دنیا میں یا جنت بن کر نکلتا ہے یا جہنم بن کر نکلتا ہے۔

پس اپنے بیاہ شادی کے معاملات کو طے کرنے میں سب سے پہلے اپنی نیتوں کا محاسبہ کرنا چاہئے تبھی قرآن کریم کی ایک آیت جس میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے نکاح کے موقعہ پر تلاوت کے لئے چنی اور وہ تین آیات جو نکاح کے موقعہ پر تلاوت فرمایا کرتے تھے ان میں ایک یہ آیت بھی داخل ہے کہ: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب: ۷۱تا۷۲)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اور سیدھی بات کہو۔ یہاں سچی بات کا محاورہ استعمال نہیں ہوا بلکہ سیدھی بات کا محاورہ استعمال ہوا ہے اور اس پر جہاں تک میں نے غور کیا ہے سوائے اس کے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ جو نیت میں ہے وہ بات بتایا کرو۔ اس پر پردے ڈھانپ کر بات نہ کیا کرو۔

دو قسم کے قول ہوتے ہیں۔ ایک پیچ والا قول ہے۔ اس میں بعض دفعہ جھوٹ نہ بھی بولا جائے تو پیچ ڈال کر بات کی جاتی ہے اور اگلے کو کچھ سمجھ نہیں آتی تو یہ نہیں فرمایا کہ سچ بولو کیونکہ بعض دفعہ سچ بھی ایسا بولا جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں مخاطب صحیح بات کو سمجھ نہیں سکتا اور جنگ کے موقعہ پر اسی قسم کا سچ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے **خدعہ** قرار دیا یعنی اگر وہ جھوٹ ہوتا تو ہرگز انبیاء اس طرز عمل سے کام نہ لیتے۔ رہتا سچ ہے مگر جنگ کے دوران جائز ہو جاتا ہے اور اس تھوڑے سے بھیس بدلے ہوئے

سچ کا نام **خدعہ** ہے یعنی ہے تو سچ مگر اس نے لباس ایسا اوڑھ لیا ہے کہ جس کے نتیجہ میں دوسرے شخص کو غلط خبر ملتی ہے اور اس میں کہنے والے کا قصور نہیں بلکہ اس کی ذہانت کو داد ملتی ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جب غزوہ کی حالت میں تھے یعنی ایک غزوہ کے لئے دشمن سے مُٹھ بھیڑ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو رستے میں ایک ایسا شخص آپ کو ملا جو ایک ایسے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جس کے متعلق خطرہ تھا کہ اگر وہ آپ کی منزل کا رخ بھانپ گیا تو دشمن کو مطلع کر دے گا اور اس کے نتیجہ میں جنگ میں Surprise کا جو Element ہوتا ہے یعنی تعجب کے نتیجہ میں دشمن کو زیر کرنا وہ ہاتھ سے جاتا رہے گا تو اس پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے جو سب سچوں سے بڑھ کر سچ بولنے والے اور سب سچوں کے سردار تھے، آپ نے اس شخص کو مخاطب کر کے ایک جگہ کا راستہ پوچھا اس جگہ جانا نہیں تھا۔ نہ یہ فرمایا کہ ہم وہاں جانا چاہتے ہیں بلکہ انسان کسی جگہ کا راستہ پوچھ لے۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ اس جگہ کا راستہ پوچھا اور آگے گزر گئے، بعد میں جب صحابہؓ نے پتہ کیا کہ یہ کیا بات تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو ایک جگہ کا راستہ پوچھا ہے اب اسکا اندازہ ہے وہ چاہے تو یہ اندازہ لگا لے (حوالہ۔۔) کہ ہم ادھر جانا چاہتے ہیں اور پھر فتنہ پیدا کرنے کی خاطر دشمن کو بے شک اس کی اطلاع کر دے، ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تو ذھانت بعض دفعہ سچائی پر ایک لباس اور اوڑھا دیتی ہے اور جنگ کے دوران یہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتا ہے اور اسے **خدعہ** کہا جاتا ہے مگر بیاہ شادی کے عام تعلقات میں خدا تعالیٰ اس کو بھی پسند نہیں فرماتا بلکہ سختی سے اس سے منع فرماتا ہے اور یہ وہ آیت ہے جس نے اس موضوع کو آپ کے سامنے کھول کر رکھا کہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا اے مومنو! تم بیاہ شادی کے لیے ایک دوسرے کی طرف روانہ ہو رہے ہو، رشتے ڈھونڈ رہے ہو، رشتے طے کر رہے ہو، ایک بات یاد رکھنا کہ سیدھی بات (سچی بات نہیں سیدھی بات) کرنا سیدھی بات جو دل سے اٹھی ہے اور دل تک پہنچے، اس میں کوئی خم نہ ہو، کوئی فریب نہ ہو، دل کی بات ہے وہ بعینہٖ ویسی بیان کر دو۔ جس قسم کی تمہاری لڑکی ہے اسی قسم کی لڑکی بیان کرو تا کہ دیکھنے والے کو کسی قسم کا دھوکا نہ لگے کہ اس لڑکی میں ایک یہ بھی نقص رہ گیا تھا جو ہمارے سامنے پیش نہیں کیا گیا، یہی حال لڑکوں کا ہوتا ہے۔

اس ضمن میں نیتوں کے فتور کا ایک اور بھی تماشہ ہے جو اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ دونوں

طرف کے لوگ اس نیت سے جاتے ہیں کہ دوسرے کی کرید کریں اور دونوں طرف کے لوگ اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہ اپنی کرُید نہ ہونے دیں۔اب یہ قول سدید تو در کنار ٹیڑھے چلنے کی بدترین صورت ہے۔لڑکے والے کی رشتہ دار مائیں،بہنیں وغیرہ اس نیت سے سفر کرتی ہیں کہ لڑکی کے اندر کوئی پرانی مرض بھی کبھی پیدا ہوئی ہو،کبھی بچپن میں آنکھوں کا ''ٹیر'' ہوا ہو یا کوئی ایسی بات ہوتو وہ بھی ہمارے علم میں آجائے تو ہم سنبھال کر رکھیں اور جب چاہیں ان کو طعنہ دے سکیں اور جہاں تک اپنی طرف کا تعلق ہے اس میں ہر بات پر پردہ ڈالا ہوا ہوتا ہے اور اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کئے جاتے ہیں۔نہ ادھر قول سدید نہ اُدھر قول سدید اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں کھولا۔ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧١﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ تم سیدھی بات کروگے تو اعمال کی اصلاح ہوگی ورنہ اعمال کی اصلاح نہیں ہوسکتی ورنہ فساد بڑھتا چلا جائے گا۔پس اگر دونوں طرف کچھ کمزوریاں بھی ہوں لیکن اگر بات سیدھی کہی جائے اور صاف اور کھلی کھلی بات کہی جائے تو ان کمزوریوں کے دور ہونے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں اور اصلاح کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں اگر کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا جائے اور قول سدید سے کام نہ لیا جائے تو اصلاح کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاح تو اعتراف کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ایک انسان اپنے کسی نقص کا اعتراف کرتا ہے۔دیکھتا ہے کہ اس میں وہ کمزوری ہے۔اس کے نتیجہ میں اس کے نقص کے اندر شرمندگی کا ایک احساس پیدا ہوتا ہے اگر وہ اس کمزوری کو دوسروں کے سامنے بھی رکھ دیتا ہے تو نہ صرف مزید شرمندگی کا احساس بلکہ یہ ایک ارادہ دل میں پیدا ہوجاتا ہے کہ میں اس کو دور کرنے کی کوشش کروں اب تو غیر بھی اس کے واقف ہوگئے ہیں۔پس کچھ لوگ اپنے نقائص کچھ عرصے تک چھپائے پھرتے ہیں،کچھ عرصے کے بعد وہ دکھائی دینے لگتے ہیں تو زیادہ سنجیدگی سے ان کو توجہ پیدا ہوجاتی ہے۔میرے پاس کئی قسم کے جلدی مریض آتے ہیں۔ایک دفعہ ایک برص کا مریض تھا اس نے مجھے کہا کہ جی! برص تو ہے لیکن کوئی ایسی بات نہیں کپڑوں کے اندر ہی ہے ناں،چہرے پر نہیں آئی اور اس کے برعکس ایک مریض کے چہرے پر بالکل چھوٹا سا داغ واقع ہوا ہے اور کوئی مرض کا نشان نہیں تھا لیکن اس بیچارے کی زندگی اس فکر میں اجیرن ہورہی تھی کہ یہ داغ میرے چہرے پر پڑ گیا ہے تو انسان بنیادی طور پر بہت ہی زیادہ نمائش والا جانور ہے اور بہت زیادہ اپنے

نقائص پر پردے ڈالنے والا جانور ہے۔اس پہلو سے اگر وہ اپنی کمزوریوں کو چھپالیتا ہے یا سمجھتا ہے کہ چھپی ہوئی ہیں تو اُسے اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوگی جیسا کہ میں نے مریض کا بتایا ہے میں اس کے لئے دوائی تجویز کرر ہا تھا لیکن اس نے کہا کہ جی! کوئی فرق نہیں پڑتا یہ کپڑوں کے نیچے ہی ہے کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں اگر چہرے پر ایک چھوٹا سا داغ بھی آجاتا تو وہ کئی ڈاکٹروں کے گھر پھرتا اور دیکھتا کہ شاید کہیں سے کوئی علاج مل جائے۔تو اس لئے اصلاح کے لئے اپنی بیماری کا احساس بھی ضروری ہے کہ اب اس بیماری کا دوسروں کو بھی پتہ لگ رہا ہے یا پتہ لگنے والا ہے اور یہ واقعہ بیاہ شادی کے وقت ضرور ہوتا ہے۔اگر کوئی انسان تقویٰ سے کام لینے والا ہو اور اس کی نیت میں یہ بات داخل ہو کہ وہ تین آیات جو اس نکاح کے موقع پر پڑھی گئی تھیں میں ان کا حق ادا کروں گا ورنہ وہ گویا میرے نکاح پر پڑھی ہی نہیں گئیں۔اگر ان آیات کو سننے کے بعد ان کا حق ہی ادا نہیں کیا تو کسی کی بلا سے چاہے اس کے نکاح پر پڑھی ہوں یا کسی اور کے نکاح پر پڑھی گئی ہوں اس کے نکاح سے تو ان آیات کا تعلق باقی نہیں رہے گا اور یہ وہ مرکزی آیت ہے جس کا ہر شخص کے نکاح سے گہرا تعلق ہے اور اس کی آئندہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

پس قول سدید سے کام لینے والوں کے لئے پہلی منزل بہت مشکل ہے۔بیاہ میں دلچسپی رکھنے والے ماں باپ جن کی بیٹیاں بڑی ہورہی ہوں وہ جانتے ہیں کہ کتنا مشکل کام ہے۔جب دیکھنے والا آتا ہے اور مختلف حالات کا جائزہ لیتا ہے تو اس وقت ساتھ یہ بتا دینا کہ جی! میری بیٹی کو یہ بیماری بھی ہے کتنے ماں باپ ہیں جن میں یہ ہمت ہے۔پس یہ بہت ہی تلخ قدم ہے جو ان کو اٹھانا پڑتا ہے لیکن متقی ضرور اٹھائے گا اور جو تقویٰ کی بنا پر یہ قدم اٹھاتا ہے خدا اس کا خود کفیل ہو جایا کرتا ہے۔اس بات کو لوگ بھلا دیتے ہیں۔نصیحتاً پہلا قدم تو تلخ نہیں اٹھاتے لیکن اس کے بعد زندگی کے ہر قدم کو تلخ بنا دیتے ہیں۔اس بیٹی کا پھر ہر سفر مصیبتوں اور اذیتوں کا سفر بن جاتا ہے۔ بار بار ہر طرف سے اس کو طعنے ملتے ہیں کہ تم وہی ہو جس کو یہ دورے پڑتے ہیں، تمہیں اس قسم کی بیماریاں ہیں، تم تو دھوکے کے ساتھ ہمارے گھر پر پھینک دی گئی ہو۔ہم تو کبھی تمہارے منہ کی طرف بھی نہ دیکھتے اگر ہمیں یہ پتہ ہوتا کہ تم اس بیماری میں مبتلا ہو لیکن جو شخص خدا پر توکل کرتے ہوئے، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ قول سدید سے کام لینا ہے۔ قول سدید سے کام لینے کی نیت کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ خدا کا وعدہ ہے کہ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

يُصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ میں میں بیماریوں کو بھی داخل کرتا ہوں کیونکہ خدا کی خاطر جہاں نیک نیتی کے ساتھ قول سدید سے کام لیا گیا ہے وہاں ایک مریضہ کی بیماری بھی اس میں داخل ہوگئی ہے، ایک مریض کی بیماری بھی اس میں داخل ہوگئی ہے تو میرے نزدیک اصلاح کا یہ وعدہ تو صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ بیماریوں اور ہر قسم کے اورعوارض سے بھی ہے۔ پس میں سب احمدی گھرانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ شادی کے وقت وہ ہرگز اس لالچ میں کہ کہیں یہ دیکھنے والا بھاگ نہ جائے اپنی بیٹی یا اپنے بیٹے کے عیوب کو چھپائیں نہیں بلکہ خود بتائیں کہ یہ کمزوریاں ہیں۔اس کے بعد اگر کوئی قبول کرتا ہے تو بسم اللہ اور اسکے بعد قبول کرنے والا پھر خود کم سے کم اتنی عقل تو رکھتا ہوگا کہ اس چیز پر کسی کو طعنے نہ دے۔ عام طور پر بیماریاں اور تکلیفیں جاننے کے بعد پھر جو قبول کرتے ہیں وہ بڑے حوصلے والے لوگ ہوتے ہیں اور خدا کے فضل کے ساتھ ان کو حسن سلوک کی بھی توفیق ملتی ہے۔ چنانچہ میرے علم میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بیماریاں دیکھیں، ان کو پتہ تھا کہ جو بہو گھر میں آنے والی ہے وہ کس کس عارضے میں مبتلا رہی ہے یا مبتلا ہے۔اس کے باوجود بعضوں نے خود مجھ سے ذکر کیا کہ ہماری بیٹیاں نہیں بیمار ہوتیں۔ یہ اللہ کی مرضی ہے جس کو چاہے بیمار بنادے جس کو چاہے شفا عطا کرے تو بچی اچھی ہے۔ نیک فطرت ہے۔ ہمیں منظور ہے اور آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ خدا کے فضل سے خداتعالیٰ کے ایسے نیک اور پارسا بندے بھی موجود ہیں جو تقویٰ کی بناء پر بیاہ شادی کے فیصلے کرتے ہیں۔

پھر جہاں تک دولہا اور دلہن کی نیتوں کا تعلق ہے اس میں بہت سے فتور واقع ہو جاتے ہیں جبکہ بہت سی ایسی نیتیں بھی ہیں جو پاک اور شفاف رہتی ہیں۔بعض دولہا شکلوں کے پیچھے مرتے پھرتے ہیں کہ شکل ہوئی تو ٹھیک ہے۔ پھر ہماری زندگی جنت بنے گی حالانکہ ان کو پتہ نہیں کہ شکلیں تو صرف لباس ہیں۔بعض لباسوں میں نہایت منحوس لوگ قید ہوئے ہوتے ہیں۔بعض خوبصورت شکلوں کے اندر ڈائنیں بستی ہیں اور اس کے برعکس بعض بدزیب پنجروں میں بند بڑے بڑے خوبصورت پرندے دیکھے گئے ہیں تو حقیقت میں دین ہی ہے جس کو فیصلے میں سب سے زیادہ اہمیت دینی چاہئے اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے لفظ دین رکھا ہے جو ایک بہت ہی وسیع لفظ ہے۔ دین میں صرف مذہب شامل نہیں بلکہ مزاج، عادات، طرز زندگی وغیرہ سب کچھ دین کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ پس ایسا کفو ڈھونڈنا چاہئے جس میں ایک اچھے مزاج کی نیک فطرت، پاک فطرت عورت ہو یا اسی طرح

خاوند میں بجائے اس کے کہ دنیا کی وجاہتیں تلاش کی جائیں اگر یہ دیکھا جائے کہ نیک مزاج ہو، حلیم طبع ہو، شریف النفس ہو، پیار کرنے والا ہو، دوسرے کی خوبیوں کی قدر کرنے والا ہو، دوسرے کی بدیوں سے صرف نظر کرنے والا ہو حوصلے والا انسان ہو تو خواہ وہ نسبتاً غریب بھی ہو یا آغاز میں غریب بھی ہو تو ایسے شخص کے ساتھ لڑکی کو رخصت کرنا لڑکی کو جنت کے سپرد کرنے والی بات ہوا کرتی ہے اور اگر اس وقت نہیں تو کچھ عرصے کے بعد خدا تعالیٰ ان کے مالی حالات بھی درست فرما دیا کرتا ہے اور بہت سی برکتوں سے ایسے گھروں کو بھر دیتا ہے جہاں تک ظاہری شکل کے پیچھے چلنے والے یا ظاہری شکلوں کو معیار بنانے والے نوجوانوں کا تعلق ہے ان کا شکل کو اتنی اہمیت دینا اُن کے لئے بعد میں مزید اور مسائل پیدا کر دیتا ہے کیونکہ لڑکی کی شکل ہمیشہ ویسی نہیں رہا کرتی اور کچھ دیر کے بعد ایک شکل کو دیکھ دیکھ کر اس سے دل بھی بھرنے لگ جاتا ہے۔ بیاہ سے پہلے کی دکھائی ہوئی شکل اور چیز ہے اور بیاہ کے چند مہینے کے بعد یا حمل کی حالت میں اسی بیوی کو، اسی شکل کو دیکھنا یہ بالکل اور نظارہ ہے اور شکل کی تمنا اُن کے اوپر ایسی غالب ہوتی ہے کہ وہ باہر شکلیں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ان کے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ **یہ ناممکن ہے کہ شکل کے ساتھ وفا پیدا ہو سکے۔ وفا ہمیشہ گُنوں سے ہوتی ہے۔ وفا ہمیشہ حسن اخلاق سے پیدا ہوتی ہے خالی صورت سے کوئی وفا نہیں پیدا ہوتی۔**

ایک بزرگ کے متعلق قصہ آپ نے بھی سنا ہے۔ میں آپ کو سُنا چکا ہوں لیکن شاید بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو نہ سُن سکے ہوں۔ وہ قصہ اس صورتحال پر خوب اطلاق پاتا ہے۔ ایک بزرگ کی بیٹی سے کسی کو محبت ہو گئی اور وہ شخص ایسا تھا جس کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ اچھا نہیں ہے اس لئے وہ کسی قیمت پر بھی اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے اور وہ پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ بار بار خط لکھتا تھا، پیغام بھیجتا تھا۔ کہتا تھا میں تو ایسا آپ کی بیٹی پر عاشق ہوں کہ اس کے بغیر میری زندگی نہیں گزر سکتی، میں تو ختم ہو جاؤں گا اس لئے مجھ پر رحم کریں لیکن وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک صاحب حکمت بزرگ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کو شکل سے پیار ہے اس کو عادتوں یا مزاج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے آخر تنگ آ کر اس کو دو یا تین ہفتے کا کہا کہ اچھا تم اس عرصے میں آ کر اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا، میں تیار ہوں۔ خیر وہ بہت خوش ہوا اور دو تین ہفتے کے بعد جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ وہی لڑکی سوکھ کر کانٹا ہوئی ہوئی اور اس کے

بال جھڑے ہوئے ،اس کے ہوش وحواس غائب ہوئے ہوئے ، اپنی پرانی شکل وصورت کا ایک پنجر بنی ہوئی تھی تو اس نے حیرت سے کہا کہ یہ لڑکی؟ اس کے ساتھ تو میں نے شادی کرنی نہیں چاہی تھی۔ انہوں نے کہا بالکل وہی چیز ہے صرف یہ ہے کہ اس کے بال میں نے Shave کر دیئے ہیں اور اُتر وا دیئے ہیں اس لئے گنجا سر تمہیں نظر آرہا ہے اور اس کو میں نے اتنے لمبے عرصے تک جلاب دیئے ہیں تا کہ اس کا بدن گھل جائے لیکن بال بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور جلاب میں جو کچھ نکلا وہ بھی محفوظ رکھا ہوا ہے اس کی بالٹیاں بھی تیار ہیں۔ یہی سب کچھ ہے جس سے تمہیں محبت تھی۔ اس میں کوئی چیز میں نے کم نہیں کی۔ پس یہ بالٹیاں اٹھاؤ، یہ بال اٹھاؤ اور یہ لڑکی لو اور اپنے گھر روانہ ہو جاؤ تب اس کی آنکھیں کھلیں کہ دنیا کے عارضی حسن کی محبت کیا حقیقت رکھتی ہے۔ اس بزرگ نے تو عملاً اس پر یہ ثابت کرنے کا یہ ذریعہ اختیار کیا کہ ظاہری حسن سے اگر تمہیں محبت ہے تو تم اگر قسمیں کھا کر بھی کہو کہ تم وفا کرو گے تو ہم جانتے ہیں کہ تم کرو بھی تو حسن وفا نہیں کرے گا۔ جس سے تمہیں پیار ہے اگر اس میں ہی وفا نہ ہو تو تمہارا تعلق کیسے ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کئی رنگ میں ظاہر ہوتی رہتی ہے کئی حادثے ہو جاتے ہیں۔ کئی طرح سے شکلیں ضائع ہو جاتی ہیں یا بعض شکلیں ایسی ہوتی ہیں جو جوانی میں خوبصورت لگتی ہیں لیکن عمر کے ساتھ ساتھ زیادہ بھیانک ہونے لگ جاتی ہیں بعض جسم ایسے ہوتے ہیں جو کنوار پن میں خوبصورت دکھائی دیتے ہیں مگر شادی کے بعد وہ بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں اور بعض خاندانی مزاج ہیں جوان باتوں کو طے کرتے ہیں تو شکل اور جسم کو بیاہ شادی کے موقعہ پر خدا بنا لینا اور یہ سمجھنا کہ اس کے بغیر گزارا نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ایسے خدا ہمیشہ ان عبادت کرنے والوں سے بے وفائی کرتے ہیں لیکن جو لوگ دین کو اپناتے ہیں خدا کی خاطر حسن خلق کی تلاش میں رہتے ہیں، نیکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ نیکیوں کے متعلق قرآن کریم نے وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ (الکھف:۴۷) فرمایا کہ نیکی کی تعریف میں ہمیشہ رہنا شامل ہے وہ کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہے اور حسن خلق اگر وہ سچا ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت میں اس کی بنیاد ہو تو ایسا حسن خلق جامد نہیں ہوا کرتا بلکہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ: آیت ۵) تیرا کوئی دن بھی ایسا نہیں جو تجھے حسین تر نہ بنا رہا ہو۔ لوگ بڑھاپے کی طرف حرکت کرتے ہیں تو جسم بالآخر اپنے سارے

حسن کھو بیٹھتا ہے یہاں تک کہ دماغی نشو ونما بھی چلتے چلتے رُک جاتی ہے اور پھر روبہ انحطاط ہو جایا کرتی ہے۔ ارذل العمر تک بھی لوگ پہنچ جاتے ہیں لیکن حسن خلق اور نیکی کا حسن ایسا ہے جو نہ صرف جوان رہتا ہے بلکہ اس کی جوانی میں ہمیشہ نئے رنگ بھرتے رہتے ہیں۔ پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا چلا جاتا ہے تو اس لئے حضرت محمد مصطفی ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ ساری باتیں تمہارے سامنے خوبصورت لباس اوڑھ کر آئیں گی کہ ہمیں چن لو کبھی تمہیں حسب نسب دکھائی دے گا کہ ہاں حسب نسب ہو تو رشتے اچھے ہوں گے اور کبھی تمہیں مال دکھائی دے گا کہ ہاں مال ہو تو پھر رشتے اچھے ہوں گے۔ کبھی بڑے مرتبے اور نوکریاں دکھائی دیں گی۔ کبھی حسن تمہارے سامنے اپنا جلوہ دکھائے گا اور تمہاری آنکھوں کو خیرہ کرے گا مگر یہ ساری چیزیں عارضی اور فانی اور بے حقیقت ہیں۔ جو چیز باقی رہنے والی ہے وہ دین ہے حسن خلق ہے۔

حسن سیرت ہے اگر اس کو تم اپناؤ گے تو تمہاری شادیاں کبھی ناکام نہیں ہونگی لیکن جوان کو بہتر سمجھتے ہیں اُن کی ناکام نہیں ہوتیں اور اس کا تعلق نیت سے ہے۔ ایک ہی شخص اگر اپنی نیت میں دین کو داخل کرتا ہو اور دین کو اہمیت دیتا ہو تو اس کا رشتہ ہمیشہ بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ یعنی نکاح کے بعد، رخصتانے کے بعد، بچوں کے بعد جسم انحطاط بھی کر رہے ہوں گے لیکن جس کی نیت میں یہ بات داخل ہو کہ مجھے حسن فطرت چاہئے اس کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق عطا فرمائے گا کہ وہ اپنی بیوی سے محبت میں بڑھتا رہے گا اور بیوی اس کی محبت میں بڑھتی رہے گی کیونکہ حسن فطرت ترقی کیا کرتا ہے، حسن خلق ترقی کیا کرتا ہے وہ حسن فطرت اور وہ حسن خلق جس کی بنیاد خدا کی محبت میں ہو وہ ہمیشہ ترقی پذیر رہتے ہیں لیکن جس کی نیت میں شروع سے ہی مال ہو یا اور باتیں ہوں اس کیلئے یہ دین بجائے خوشی پیدا کرنے کے مصیبت بن جائے گا۔ اس کے لئے ایک سوہان روح ہو جائے گا اور اس کو دین کوئی فائدہ نہیں دے گا اس لئے دین فی ذاتہٖ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو جب تک چاہنے والے کی نیت میں دین نہ ہو اس وقت تک باہر سے ملا ہوا دین اس کو کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا۔ پس آخری تان پھر اسی بات پر ٹوٹتی ہے کہ انما الاعمال بالنیات جو باہر سے چیز نظر آ رہی ہے اس کی خواہ کوئی بھی اہمیت ہو عقلاً آپ ثابت کر دیں کہ فلاں چیز بہتر ہے جب تک سفر کرنے والے کی نیت میں وہ چیز داخل نہ ہو اس کا مطلوب نہ بنی ہو اس وقت تک اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی چنانچہ بعض عورتیں بیچاریاں ایسی ہیں جو بہت ہی خوبیوں کی مالک ہوتی ہیں لیکن ساری زندگی یوں محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک لالۂ

صحرا ہیں۔صحرا میں کھلنے والا لالے کا پھول ہیں جس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔خاوند موجود ہے ساس موجود ہے دوسرا گھر بھرا پڑا ہے لیکن اس کی خوبیوں پر نظر ہی کوئی نہیں گویا وہ موجود ہی نہیں ہیں اور سخت محرومی کا شکار رہتی ہے۔اسی طرح بیچارے وہ مرد ہیں جو بڑی خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں لیکن جس گھر میں شادی کرتے ہیں وہ دنیادار ہے۔اُن کے نزدیک ان چیزوں کی اہمیت ہی کوئی نہیں ہے کہ کوئی دیندار ہے،کوئی نیک فطرت ہے،کوئی قدرشناس ہے۔وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دنیاوی لحاظ سے یہ چالاک ہے کہ نہیں سمارٹ نظر آنے والا ہے کہ نہیں،فیشن پرست ہے کہ نہیں،سوسائٹی میں جاتا ہے کہ نہیں سیاستدان ہے کہ نہیں۔اس قسم کی چیزوں میں ان کو دلچسپی ہوتی ہے چنانچہ ایسا مرد بیچارا یوں لگتا ہے جیسے نہ صرف یہ کہ صحرا میں کھلا ہوا لالہ ہے بلکہ بھینسوں میں گھرا ہوا لالہ بن جاتا ہے۔کوئی قدر نہیں وہ اپنی بدبو سے لالے کی خوشبو پر غالب آنے کی کوشش کرتی ہیں۔چنانچہ آپ کی زندگی کی کامیابی کا آخری فیصلہ نیت پر ہی ہوگا اور پہلا فیصلہ ہے جس نے آخری فیصلہ بننا ہے۔

بہت سے خطوط میں میرے سامنے یہ واقعات پیش ہوتے رہتے ہیں۔ایک ایسا خاندان ہے جس کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ماں نے بھی مجھے خط لکھا اُس کے بیٹے نے خود بھی خط لکھا کہ ہماری زندگی عجیب اجیرن بن گئی ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی کہ ہم کیا کریں۔بڑی چاہت سے ایک لڑکی کو گھر لائے تھے اس خیال سے کہ بزرگوں کی اولاد ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کی اولاد ہے اور ایسا خاندان ہے جو جماعت میں معروف ہے لیکن لڑکی ایسی دنیا پرست ہے کہ جب بھی میں دین کی خاطر قربانی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔کوئی چندہ دینے کی کوشش کرتا ہوں تو گھر میں ایک جہنم بن جاتی ہے یوں لگتا ہے کہ گھر میں سکون کو آگ لگا دی گئی ہے بچوں کے سامنے بولتی، گند بکواس کرتی۔ہر وقت یہ طعنے دیتی کہ مولویوں کے پلے میں کہاں پڑگئی۔نہ عقل نہ سمجھ۔اپنے بچوں کی بھلائی اپنے ہاتھوں سے جماعت کے نام پر پھینکتے چلے جا رہے ہو اور پتہ ہی کوئی نہیں کہ اپنا بھی کوئی حق ہے وہ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے دنیا کی نعمتیں مجھے دی تھیں وہ ساری میں نے اپنی اولاد کو بھی دیں۔اپنی بیوی کو بھی دیں ان کے لئے کبھی کوئی کمی نہیں رکھی،اس کے باوجود دل کی خساست کا یہ حال ہے اور دنیاداری کا یہ حال ہے کہ دین کی خاطر معمولی قربانی بھی گوارا نہیں تو چونکہ یہاں دھوکا ہوا ہے۔اس بیچارے کا نیت کا سفر درست تھا لیکن اس کے باوجود چونکہ ایک انسانی فیصلہ

غلط بھی ہوسکتا ہے۔ کچھ چھپانے والے چھپا لیتے ہیں اس لئے دوسرے کی نیت کا فتوران بیچاروں کے لئے جہنم بن گیا۔ تبھی قرآن کریم کی وہ آیات جو نکاح کے موقعہ پر تلاوت کی جاتی ہیں وہاں تقویٰ کی تکرار پائی جاتی ہے ایک کا تقویٰ کافی نہیں ہوگا تم دونوں کے لئے ضروری ہے کہ تقویٰ اختیار کرو ورنہ ممکن ہے کہ ایک طرف کا تقویٰ ضائع چلا جائے کیونکہ دوسرا فریق تقویٰ اختیار نہیں کرتا اور ایک کے ظلم کے نتیجے میں دوسرا فریق بھی مظلوم ہو جائے گا۔ پس ایسے واقعات بھی دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کا ایک ہی حل ہے اور وہ حل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے پیش کیا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی اور آپ نے ہمیں اس مسئلے اور اس کے حل سے مطلع فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ سنت تھی کہ آپ جب خانہ کعبہ آباد ہو گیا اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھر آباد ہوا اور وہاں بڑی رونق ہوئی تو آپ اس عرصہ میں کئی بار دوبارہ وہاں تشریف لائے اور وہاں جا کر آپ حالات کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب آپ وہاں تشریف لائے تو حضرت اسماعیلؑ موجود نہیں تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے گفتگو کی اور یہ معلوم کیا کہ بیوی نہ مہمان نواز ہے نہ اور اخلاق سے آراستہ ہے بلکہ ایک ایسی قسم کی چیز ہے جو اسماعیلؑ کی شایان شان نہیں۔ چنانچہ انہوں نے چونکہ جلدی جانا تھا اور حضرت اسماعیلؑ کسی لمبے سفر پر گئے ہوئے تھے اس لئے بیوی کو یہ کہا کہ جب تمہارا میاں واپس لوٹے تو اس کو کہنا کہ تمہارا باپ آیا تھا اور یہ نصیحت کر گیا ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دو۔ چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے جب یہ بات سنی تو فوراً اس بیوی کو طلاق دی اور کہا کہ میرے باپ نے جو نصیحت کی ہے وہ برحق ہے اور اس کے بعد پھر دوسری شادی کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ ایسی نیک اور پارسا خاتون تھیں کہ اس کے نتیجہ میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ بھی بعد ازاں اسی کی صُلب سے پیدا ہوئے تو دیکھیں کہ اچھی اور نیک بیوی کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اگر اس وقت کوئی یہ اعتراض کرتا کہ دیکھیں حضرت ابراہیم کو کیا حق تھا کہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے اور بیٹے کے گھر کو برباد کر کے وہاں طلاق واقع کروا دیتے تو اس جاہل کو یہ پتا نہیں کہ جو اھل اللہ ہوتے ہیں، جو خدا تعالیٰ کے نور سے روشن ہوتے ہیں وہ خدا تعالیٰ سے فراست پاتے ہیں۔ ان کو پتا ہے کہ کس چیز کو اہمیت دینی ہے اور کونسی دوسری چیزیں بے معنی اور حقیر ہیں۔ آپ جانتے تھے کہ حضرت

اسماعیلؑ کو ایک بہت بڑا مرتبہ عطا ہوا ہے، ان کی نسل سے آئندہ زمانے کے سارے انسانوں کی نجات وابستہ ہے اور یہ وہ ماں نہیں ہے جس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ پس اگر وہ فیصلہ نہ کرتے تو گویا دنیا کے لئے جہنم کا فیصلہ کر رہے ہوتے لیکن آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بیٹے کو ویسی بیوی ملنی چاہئے جو آئندہ نسلوں کے لئے وہ ماں بنے جن کے پاؤں کے نیچے سے جنت کے چشمے پھوٹ پڑیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی صورت میں جو واقعہ رونما ہوا اور آپ کے فیض سے دنیا پر جنت کے جو سیلاب آ گئے یہاں تک کہ قلزم بھر گئے، جو لق و دق صحرا تھے وہ روحانی لحاظ سے سمندروں میں تبدیل ہو گئے تو دراصل اس فیصلے کو اس فیض میں ایک دخل حاصل ہے۔ کتنا گہرا فیصلہ تھا ایک چھوٹا سا پیغام تھا کہ چوکھٹ بدل دو۔ تو جو خاوند اپنے مستقبل پر نظر رکھتے ہیں جو خاوند یہ بھی جانتے ہیں کہ ان ہی آیات میں جو نکاح کے موقعہ پر تلاوت کی جاتی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (سورۃ الحشر:۱۹) خبردار! جو کچھ تم آگے بھیجو گے اس کے بارہ میں جوابدہ ہو گے۔ اگر کوئی شخص یہ سوچ کہ اگر میں نے اس آیت کے مضمون کو بھلا دیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے آگے جہنم بھیج رہا ہوں تو میں خدا کو کیسے جواب دوں گا؟ تو یقیناً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلے کی اہمیت اس پر خوب روشن ہو کر ابھرے گی۔ ایسے موقع پر اگر وہ کامل سنجیدگی کے ساتھ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ایک بے دین بیوی کو اپنے گھر رکھ کر اپنی اولادوں کے لئے میں جہنم پیدا نہیں کر سکتا اور اس کو صاف کہنے پر تیار ہو جاتا ہے اور یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر گزرے گی میں اب بے دینی برداشت نہیں کروں گا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اکثر بیویوں کی اصلاح بھی ہو جائے گی کیونکہ ایسی ہی بیویاں شوخیاں دکھاتی ہیں جو یہ سمجھتیں ہیں کہ خاوند کمزور ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ خاوند دین کی باتیں تو کر رہا ہے مگر دین کو اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ مجھ سے جُدا ہو جائے اور اپنے لئے دوبارہ تنہائی کی ایک زندگی اختیار کر لے لیکن عزم کی بات ہے۔ اہمیت کی بات ہے۔ اگر خاوند کی نیت جیسا کہ اُس نے لکھا واقعۃً دین کی تھی تو اتنے عرصہ سے وہ دیکھ رہا ہے کہ دین نصیب نہیں ہو رہا بلکہ دین کے برعکس صورت حال ہے تو پھر وہ خود قصوروار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی نیت میں اگرچہ دین کا ایک خیال شامل تو تھا مگر وہ محض ایک سرسری خیال تھا۔ اُسے بنیادی حیثیت حاصل نہیں تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انما الاعمال بالنیات یہاں نیت کو بنیاد کے طور پر پیش فرمایا ہے، ایک سرسری خیال

کے طور پر نہیں۔ پس ان سب باتوں پر غور کرتے ہوئے آپ جب تقویٰ کے مضمون کو اپنی روزمرہ کی زندگی پر جاری کر کے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک سادہ سے بیان میں کتنی پُر پیچ باتیں بھی بیان ہو چکی ہیں اور تان اسی بات پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ **انما الاعمال بالنیات** اور اس کی بہترین تصویر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں فرمائی کہ

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے

اور جب آپ نے یہ کہا تو الہامی مصرعہ اس کے بعد یہ ہوا جو اس شعر کا دوسرا مصرعہ بن گیا کہ

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

اس جڑ کی حفاظت کرو۔ اس کی خاطر ہر دوسری چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین رکھو کہ تمہیں سب کچھ مل گیا۔ خدا کرے کہ ان ہی بنیادوں پر ہم اپنے آئندہ معاشرے کی تعمیر کریں اور آئندہ آنے والی نسلیں صرف سو سال نہیں ہزاروں سال تک ان نعمتوں سے حصہ پائیں اور ہماری شکر گزار رہیں اور ہمیں دعائیں دیں اور اللہ تعالیٰ اس فیض کو ہمیشہ ہمارے لئے اور ہماری اولادوں کے حق میں جاری رکھے خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ (آمین)

خطبہ ثانیہ سے قبل حضور انور نے ارشاد فرمایا:

جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہوگا کہ جلسہ کے مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں چونکہ ظہر کے وقت بہت زیادہ لوگ باہر سے آتے تھے اور ان میں سے بہتوں کے لئے عصر تک ٹھہرنا ممکن نہیں تھا اس لئے نمازیں جمع کی جاتی رہیں لیکن اب چونکہ مہمانوں کی تعداد میں کمی آ چکی ہے اور دوسرے لمبے عرصہ تک ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنے پر دل میں ویسے بھی بوجھ پڑتا ہے کیونکہ دن لمبے ہیں اس لئے کل سے انشاء اللہ تعالیٰ ظہر و عصر کی نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا ہوں گی۔ ظہر کی نماز دو بجے اور عصر کی نماز پانچ بجے ادا ہوگی لیکن رات چونکہ ابھی نسبتاً چھوٹی ہے اور مہمانوں کو دور دور جگہوں پر واپس جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے اور بعض دفعہ سواریاں بھی میسر نہیں آتیں اس لئے رات کے وقت مغرب و عشاء کی نمازیں سر دست کچھ عرصہ تک جمع ہوتی رہیں گی۔ اور جب میں حالات کا جائزہ لے کر مناسب سمجھوں گا اس وقت دوبارہ اعلان کر دوں گا کہ وہ بھی پھر اپنے اپنے وقت پر الگ الگ ادا ہوں۔

نعوذبالله من شرور انفسنا کی دعا نفس کی برائیوں سے بچاتی ہے۔ دوست اپنی نیتوں کے فتور دور کریں۔ جلسہ سالانہ پر تجارت کرنے کی نیت سے شامل نہ ہوں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ / اگست ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

جس طرح تقویٰ کی جڑ نظر سے پوشیدہ رہتی ہے اسی طرح ہر بدی کی جڑ بھی نظر سے پوشیدہ رہتی ہے لیکن ایک فرق ہے جڑیں تو سب پوشیدہ ہی رہا کرتی ہیں یہ درخت اور تنے ہیں اور پھول، پھل اور پتے ہیں ٹہنیاں ہیں جو دکھائی دیتے ہیں لیکن ان دونوں میں ایک فرق ہے تقویٰ کی جڑ غیروں سے پوشیدہ رہتی ہے اور انسان اس جڑ سے آگاہ ہوتا ہے اور اسی پر اس کی بناء ہوتی ہے اور بدیوں کی جڑ خود اپنے نفس سے پوشیدہ رہتی ہے اور غیر اس پر اطلاع پاتے رہتے ہیں۔ پس یہ ایک نمایاں فرق ہے جسے سمجھنے کے بعد انسان اپنے اعمال کو مختلف بدیوں سے پاک کرسکتا ہے اور مختلف خوبیوں سے زینت بھی بخش سکتا ہے۔ اس سے پہلے میں نے اسی موضوع پر ایک خطبہ دیا تھا۔ اب میں اس مضمون کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ اکثر انسان خواہ وہ نیکی کے کسی مقام پر بھی ہوں ضرور اپنی کچھ بد حالتوں سے ناواقف رہتے ہیں اور سب سے بڑا فتور نیتوں کا فتور ہے۔ نیتیں ہی وہ جڑیں ہیں جن پر نیکی کے پھل بھی لگتے ہیں اور بدیوں کے پھل بھی لگتے ہیں

اور انسان اپنی نیتوں پر طرح طرح کے پردے ڈالتا ہے اور ان کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ بسا اوقات خود اپنی نیتوں سے غافل ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے جہاں شیطان کے حملوں کا ذکر فرمایا وہاں ہمیں متنبہ فرمایا کہ:
اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (الاعراف: ۲۸) کہ دیکھو! شیطان اور اس کے قبیلے تمہیں ایسی جگہوں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ انسانی نیتوں پر اس آیت کا بہترین اطلاق ہوتا ہے انسان اگر اپنی نیتوں کو دیکھنے لگ جائے تو گویا بد نیتوں کو دیکھنے سے وہ شیطان کو دیکھنے لگ گیا۔ درحقیقت ہر انسان میں چھپے ہوئے شیاطین کا ذکر ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے کیونکہ انسان اپنے نفس کے شیطان سے غافل ہوتا ہے اور دوسروں کے شیطان کو دیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات دوسرے کی نیتوں پر بھی حملے کی جسارت کرتا ہے اس لئے وہ شیطان جو پوشیدہ ہے وہ اپنے نفس کا ہی شیطان ہے دوسروں کے نفس کے شیطان تو نہ صرف یہ کہ دوسروں پر پوشیدہ نہیں رہتے بلکہ انسان فرضی شیطان گھڑ کر بھی ان کی طرف منسوب کرتا رہتا ہے اسی لئے غیروں کے معاملہ میں بدظنی سے بچنے کا حکم آیا ہے کیونکہ وہاں انسانی فطرت کا رجحان یہ ہے کہ شیطان کہیں ہو یا نہ ہو شیطان بنا کر کسی کے سپرد کر دیا جائے اور اس کے سر پر تھوپ دیا جائے۔ پس وہ شیطان تو بہر حال خطرناک نہیں ہے جو دکھائی دے رہا ہے یا دکھائی دے نہیں سکتا کیونکہ موجود ہی نہیں۔

پس قرآن کریم نے جہاں ان شیاطین کا ذکر کیا ہے کہ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ کہ دیکھو وہ تمہیں ایسی جگہوں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اس کو نہیں دیکھ رہے۔ وہ اور اس کے قبیلے اس سے ملتی جلتی چیزیں، اس کے ہمنوا، اس کے ساتھ چلنے والے اس کے مؤید یہ بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتے۔ پس اگر آپ اپنے نفس میں ڈوب کر غور کریں تو اگر انسان کو نیکی سے ذرا بھی محبت ہو تو بے اختیار دل سے یہ دعا اٹھے گی کہ **نعوذ بالله من شرور انفسنا** کہ اللہ سے، اپنے رب سے ہم اپنے نفس کے شرور سے پناہ مانگتے ہیں اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس دعا کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ہمیشہ غیروں کے شر سے بچنے کی دعا مانگتے رہتے ہیں

اور لکھتے بھی یہی ہیں کہ دشمنوں کے شر سے بچانے کیلئے ہماری مدد کریں دعا کریں اللہ شریکے کے شر سے بچائے ،فلاں کے شر سے بچائے اور فلاں کے شر سے بچائے لیکن جس شر سے بچنے کے لئے خدا نے سب سے زیادہ متنبہ فرمایا ہے اس کے شر سے بچنے کی طرف توجہ ہی پیدا نہیں ہوتی۔

اس مضمون کا آپ زندگی کے ہر شعبے پر اطلاق کر کے دیکھیں تو اس قدر اس مضمون میں وسعت ہے اور اس تفصیل کے ساتھ انسانی نیتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ اگر انسان یہ سفر شروع کرے اور یہ تلاش شروع کرے تو ساری زندگی کا سفر ہوگا اور پھر بھی مکمل طور پر طے نہیں ہو سکتا لیکن یہ سفر اندرونی سفر ہے بیرونی سفر کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے غیروں کی شیطانیوں اور شرارتوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو آپ نہ صرف دیکھتے ہیں بلکہ بڑھا چڑھا کر دیکھتے ہیں۔ہاں بعض حالتوں میں وہ مخفی بھی رہتی ہیں لیکن ان کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے الگ دعائیں سکھا رکھی ہیں لیکن جس حصے سے اکثر غفلت برتی جاتی ہے وہ اپنا نفس ہے اب اس میں آپ نیتوں کی مثالیں ایک ایک کر کے چنیں اور پھر اس پر غور کریں تو آپ کو سمجھ آئے گی کہ کس حد تک انسانی نیتوں کے فتور اس کی ساری زندگی پر اثر انداز ہو جاتے ہیں۔

میں نے آپ کو ایک مثال شادی بیاہ کے تعلق میں دی تھی کہ بیاہ شادی کے وقت بھی انسان ایسی نیتوں کے فتور لے کر چلتا ہے جس کا میاں بیوی کی زندگی پر، دونوں خاندانوں کے تعلقات پر، آئندہ نسلوں پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔انگلستان میں ہمیں بارہا اس کا اس طرح تجربہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات باہر سے رشتوں کی تلاش والے آتے ہیں یا مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہمارے بیٹے کے لئے انگلستان میں یا امریکہ میں یا کسی اور ترقی یافتہ ملک میں رشتہ ڈھونڈ دیں جب میں انہیں اچھا رشتہ بتاتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ہمارے بیٹے کو نیشنلٹی Nationality نہیں مل سکے گی کیونکہ آپ نے جس لڑکی کا ذکر کیا ہے وہ اگر چہ انگلستان میں رہتی ہے لیکن پاکستانی نیشنلٹی کی ہے یا فلاں نیشنلٹی کی ہے۔ہمیں تو وہ چاہئے جس کے ذریعہ ہمارے بیٹے کو وہاں کی نیشنلٹی مل سکے تو رشتے کا خیال دل میں پیدا ہوا ہے اور تلاش کرنے نکلے ہیں مگر دل کی گہرائی میں نیت میں فتور آچکا ہے اچھی لڑکی پیش نظر نہیں ہے، اچھے خاندان پیش نظر نہیں ہیں، نیک عادات پیش نظر نہیں ہیں، یہ خیال نہیں کہ اچھی نسلیں پیدا ہوں اور میاں بیوی کو گھروں کے سکون ملیں۔خیال یہ ہے کہ کسی طرح ہمارے لڑکے کو

باہر کی دنیا میں نیشنلٹی مل جائے اب ایسی شادیاں لازماً فتنوں پر منتج ہوتی ہیں اور بہت سے ایسے رشتے جوڑو ٹتے ہیں وہ اسی وجہ سے ٹوٹتے ہیں۔ان باتوں کا یہاں تک بداثر ہے کہ انگلستان میں اگر کسی اچھی بچی کو پاکستان کے کسی اچھے لڑکے کا پیغام پہنچے تو وہ گھبرا کر انکار کرتی ہے کہ اس کی نیت کہیں نیشنلٹی لینے کی نہ ہو۔کئی دفعہ مجھے سمجھانا پڑتا ہے کہ دیکھو وہ لڑکا بڑا نیک اور سعید فطرت ہے اس کی نیت نیشنلٹی کی نہیں لیکن اگر اسے مل جائے تو بڑی اچھی بات ہے یہاں کی جماعت کو بھی تقویت ملے گی لیکن لڑکا فی ذاتہ اچھا نہ ہوتا تو میں تمہیں رشتے کے لئے نہ کہتا لیکن طبیعتیں بہت گھبراتی ہیں کیونکہ ایک لمبا تلخ تجربہ اس بات کا ہو چکا ہے۔چنانچہ ابھی کچھ عرصہ پہلے مجھے پاکستان سے ایک خط آیا کہ میرے بیٹے کے لئے امریکہ میں کوئی رشتہ ڈھونڈ دیں۔میں نے ان کو کہا کہ امریکہ میں تو نہیں مگر بعض اور جگہ بڑے اچھے رشتے ہیں وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔اس کا جواب آیا کہ جی! رشتے تو بتا دیں گے مگر نیشنلٹی کیسے ملے گی میں نے کہا کہ پھر نیشنلٹی آپ تلاش کریں۔میرا کام نہیں ہے کہ میں آپ کو نیشنیلٹیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر دوں۔میں تو تقویٰ کی بناء پر اچھے رشتے تجویز کر سکتا ہوں جو میرے نزدیک ایسے ہوں کہ دونوں خاندانوں کے لئے دین اور دنیا میں برکتوں کا موجب بنیں۔نیشنلٹیاں ڈھونڈنی ہیں تو آپ ڈھونڈیں۔پھر اسی قسم کے بعض خطوط ملتے ہیں کہ فلاں لڑکی ہو جو کمانے والی ہو۔ہمارا بیٹا ڈاکٹر ہے لیڈی ڈاکٹر چاہئے اور لیڈی ڈاکٹر بھی ایسی جو ساتھ مل کر کمائی کرے۔بعض استانیاں ڈھونڈتے ہیں حالانکہ ان غریبوں کی ساری عمر اپنے غریب بہن بھائیوں کا پیٹ پالنے کے لئے ایک مصیبت اور مشقت کی زندگی میں صرف ہو رہی ہوتی ہے۔وہ بے چاریاں محنتیں کرتی ہیں، پڑھاتی ہیں، لیکن یہ ان کو تاکتے ہیں کہ وہ آئیں اور ہمارے گھر آ کر اپنی محنتوں کی کمائی ہمیں کھلائیں۔ایسے بدنیت لوگ کبھی دنیا میں چین نہیں پا سکتے۔جو ایسی شادیاں ہو چکی ہیں وہ اکثر گھروں کو جہنم بنا دیتی ہیں۔بعض بیچاری بیٹیوں کے مجھے خط آتے ہیں کہ ہمیں کمانے سے کوئی عار نہیں ہے لیکن ہمیں علم نہیں تھا کہ ہماری کمائی کی خاطر ہم سے شادی کی گئی ہے اور اب جب ہم کماتی ہیں تو دل چاہتا ہے کہ اپنے غریب بہن بھائیوں کو بھی کچھ کھلائیں اور حصہ رسدی دونوں کو فائدہ پہنچائیں مگر ہر وقت ساس کی طرف سے یا خاوند کی طرف سے یا نندوں کی طرف سے طعنے ملتے ہیں کہ یہ تو کما کما کر اپنے گھر بھیج رہی ہے۔اگر کمانے والی چیز چاہئے تھی تو کسی کمانے والے جانور سے شادی کر لیں۔انسانوں کی زندگیاں کیوں

برباد کرتے ہیں لیکن یہ نیتوں کے فتور ہیں جنہوں نے نہ صرف بعض خاندانوں کے لئے اس دنیا میں جہنم پیدا کی بلکہ آگے نسلیں تباہ کر دیتے ہیں۔ایسے تعلقات جو اس طرح بگڑے رہیں ان کے ہاں پاکیزہ نسلیں نہیں پیدا ہوسکتیں۔ جہاں خاوند اور بیوی کے درمیان ہر روز کی بک بک جھک جھک رہے،لڑائیاں ہو رہی ہوں اور ایک دوسرے کو طعنے دیئے جا رہے ہوں، جہاں ساسیں اور نندیں وغیرہ بھی اس لڑائی کی آگ میں پتے جھونک رہی ہوں وہاں اولا د کس طرح امن کی زندگی کا منہ دیکھ سکتی ہے۔وہاں کی اولا د کس طرح شر سے بچ سکتی ہے۔لازماً ان کی طبیعتوں پر بہت گہرے اثر مترتب ہوتے ہیں اور خواہ وہ ایک طرف کے ہوں یا دوسری طرف کے ہوں دین کی طرف کے بہر حال نہیں رہتے اور ایک نسل کی نسل کے لئے آئندہ جہنم کے سامان کئے جاتے ہیں۔ایسے لوگوں میں سے جن تک میری یہ آواز پہنچے ان کو چاہئے کہ وہ آئندہ مجھے لکھنے کی بھی جرأت نہ کریں کہ ہمیں فلاں نیت سے رشتہ ڈھونڈ دیں جہاں چاہیں جائیں،سراٹھا کر پھریں میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جماعت کے نظام کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔اپنی بدنیتوں کو پورا کرنے کے لئے دنیا میں پھریں جہاں چاہیں جو چاہیں تلاش کریں لیکن اگر جماعت سے فائدہ اٹھانا ہے تو جماعت تقویٰ کی بناء پر آپ سے تعاون کرے گی اور تقویٰ کی حد تک آپ سے تعاون کرے گی اس سے زیادہ نہیں۔

نیتوں کے فتور کی بہت سی مثالیں ہیں۔میں سوچ رہا ہوں کہ روزمرہ کی انسانی زندگی پر جس طرح رشتوں کے متعلق میں نے بعض مثالیں دی ہیں ان مثالوں کو چسپاں کر کے اس مضمون کو زیادہ کھولتا رہوں آئندہ ایک یا دو خطبات میں انشاءاللہ اسی موضوع پر آپ سے خطاب کروں گا۔

اب میں جلسے سے تعلق رکھنے والی بعض باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں ۔جلسہ سالانہ یو۔کے ایک مرکزی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے مختلف ممالک سے بکثرت لوگ اس لئے یہاں حاضر ہوتے ہیں کہ یہ وہ جلسہ ہے جس میں خلیفہ وقت شریک ہوتا ہے اور اس پہلو سے اسے ایک مرکزیت مل گئی ہے۔باوجود اس کے کہ یہ جلسہ یو۔کے کا جلسہ کہلاتا ہے اور یو۔کے کی جماعت ہی زیادہ تر اس کا بوجھ اٹھاتی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی دوسری حیثیت نظر انداز نہیں ہوسکتی۔عارضی طور پر بھی جب میں کسی جگہ جاتا ہوں،امریکہ ہو یا کینیڈا یا جرمنی یا کوئی اور ملک تو وہاں اچانک جمعوں کی حاضری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔عام اجلاسوں کی حاضری بڑھ

جاتی ہے دور دور سے احمدی اپنی محبت اور جوش اور ولولے کے ساتھ وہاں حاضر ہوتے ہیں لیکن ان سب جگہوں میں مجھے سب آنے والے صاف نیت دکھائی دیتے ہیں۔ان میں کوئی فتور نظر نہیں آتا کیونکہ جو شخص مصیبت اٹھا کر بہت سے خرچ کر کے بہت دور دور سے آتا ہے اور دنیا کا کوئی فائدہ اس کے پیش نظر نہیں ہوتا تو اس کی نیت پر حملہ کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور ایسے لوگ ہیں جو دین و دنیا میں ہر لحاظ سے خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرتے ہیں اور اپنی نیتوں کا فیض پاتے ہیں لیکن یوکے (U.K) کے جلسے کے متعلق میں یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے جو مشاہدہ کیا ہے اس کی رو سے کئی قسم کے لوگ یہاں آتے دیکھے ہیں جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم آپ کا منہ دیکھنے آئے ہیں یا جلسہ دیکھنے کے لئے آئے ہیں اور بڑے جوش اور شوق سے آئے ہیں لیکن جب بات کو مزید کریدا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی اصل نیت کسی اور ملک میں ہجرت کی ہوتی ہے۔

جہاں تک پاکستان کے حالات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں میں ہرگز کسی کو متہم نہیں کرتا وہاں اتنے دردناک حالات ہیں کہ اگر سارے پاکستانی احمدی بھی اپنے دین کی حمیت کی خاطر روزمرہ کی زندگی میں ظلم وستم سے بچنے کے لئے اور دین کے معاملے میں ہر روز طعن وتشنیع کا نشانہ بننے سے بچنے کی خاطر اگر ملک چھوڑ دیں تو ان پر کوئی حرف نہیں۔کسی پہلو سے بھی ان کو مطعون نہیں کیا جاسکتا لیکن نیتوں کو آپس میں ملا دینا یہ قول سدید کے خلاف ہے اور اگر قول سدید نہ رہے تو اصلاح نہیں ہوسکتی۔ اس لئے مجھے فکر لاحق ہوتی ہے وہ لوگ جو یہ نیت لے کر چلتے ہیں کہ ہم نے کہیں Asylum حاصل کرنا ہے ان کو اپنے آپ کو صاف صاف دیکھنا چاہئے۔وہ خود اپنی نظر سے اپنی نیت کی جڑ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، اس پر مٹی ڈال دیتے ہیں اور اس دھوکے میں مجھے بھی مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تو صرف آپ کا چہرہ دیکھنے کو ترسے ہوئے تھے اس لئے آگئے ہیں اور اس کے بعد جلد از جلد اس چہرے کی طرف پیٹھ کر کے کسی اور ملک کی طرف بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کا آنا اپنی جگہ درحقیقت درست ہے لیکن نیت صاف ہونی چاہئے بات سچی ہونی چاہئے اگر وہ یہ کہیں کہ ہم تنگ آگئے تھے ہمیں نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے سوچا جہاں تک پیش چلے ہم پاکستان سے ہجرت کر کے کسی ایسے ملک میں پناہ لیں جہاں مذہبی آزادی ہو، جہاں امن کے سانس لے سکیں تو اس پر کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ساتھ وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ساتھ ہی ہمیں یہ

بھی شوق پیدا ہوا کہ اس جلسے میں بھی شامل ہو جائیں گے یہ ایک سچائی کی بات ہے اس کے نتیجے میں ان کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں میری ان سے محبت کم ہونے کی بجائے بڑھے گی لیکن جب بات الٹ کر کے پیش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم آپ کا منہ دیکھنے آئے۔ جلسے کے ترسے ہوئے آئے ہیں اور دل میں ان کی نیت ان کو بتا رہی ہوتی ہے خواہ وہ اس آواز کو سنیں یا نہ سنیں کہ نہیں تم دراصل کسی اور غرض سے آئے ہو تو اس طرح وہ اپنا ثواب بھی گنوا دیتے ہیں۔ ایک ہی بات کو مختلف طریق سے بیان کرنے کے نتیجے میں بھی ثواب یا اس کی بجائے بعض دفعہ سزا مترتب ہو جاتی ہے۔

اصل تقویٰ ہے جو نیکی کی جڑ ہے اور تقویٰ کی بات کو ہمیشہ میٹھے پھل لگتے ہیں **تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے صاف گو رہے۔ اپنے اندر کی روشنی سے اپنی نیتوں کے آخری کناروں تک نظر رکھتا ہو، اپنی نیتوں کی جڑوں کو پہچانتا ہو، یہی تقویٰ ہے اور اس کے نتیجے میں جب وہ سچ بولے گا، صاف بات کرے گا تو اس سے تعلق بڑھے گا نہ کہ کم ہوگا۔** اس کے برعکس بہت سے ایسے احمدی وہاں سے تشریف لاتے ہیں جن کی نیت خالص جلسے میں شرکت کی ہے یا ایک مدت سے خلیفہ وقت کو نہیں دیکھا ہوتا اور یہ تڑپ لے کر آتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نظر ڈال لیں۔ ان کی کیفیت ہی اور ہوتی ہے، ان کے چہرے کی آن بان ہی مختلف ہوتی ہے، ان کی آنکھوں کے پیغام مختلف ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ انسان ایسے انسانوں سے اتنا متأثر ہوتا ہے کہ دل کے اندر ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے ایسی کئی عورتیں ہر جلسے پر آتی ہیں جنہوں نے کبھی اپنے گاؤں سے کسی دوسرے شہر کا بھی سفر نہیں کیا ہوتا، نہ ان کو شوق ہوتا ہے۔ ساری عمر کراچی نہیں دیکھا، لاہور نہیں دیکھا اور بڑے بڑے بعض شہر ہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا بلکہ اپنے گاؤں کو چھوڑنے کو مصیبت سمجھتی ہیں لیکن پیسے جوڑ جوڑ کر دور دراز کے علاقوں سے وہ آتی ہیں۔ بعض دفعہ وہ ایک سال نہیں کئی کئی سال تک پیسے جوڑتی رہتی ہیں تا کہ کسی طرح جلسے پر چلی جائیں اور خود بالمشافہ اپنے امام کو دیکھیں اور اس کی گفتگو سنیں اور جب ان سے پوچھتا ہوں کہ بی بی اب کیا خیال ہے؟ تو کہتی ہیں کہ جی! اب واپسی، جو ہم نے کرنا تھا کر لیا، جو تمنا تھی وہ پوری ہوگئی۔ اب ہم واپس جا رہی ہیں۔ ایک ایسی ہی خاتون آئیں جن کے چہرے سے نور برستا تھا اور وہ سچائی کا نور تھا۔ غریب سادہ طبیعت کی خاتون اور دیکھ کر یوں جس طرح پھول کھل جاتا ہے اس طرح ان کی فطرت کھل اٹھی اور چہرے بُشرے سے وہ خوشی ظاہر ہو رہی تھی جو امیدیں پوری ہونے پر پیدا ہوتی

ہیں، ایسی خوشی پھوٹتی تھی اور مجھ سے انہوں نے کچھ دیر باتیں کیں میں نے کہا کہ کس طرح تشریف لائیں تو انہوں نے بتایا کہ اس طرح کہ گو حالات اچھے ہیں، گزارا چلتا ہے لیکن سفر کے لئے پیسے جوڑنے پڑے ہیں اور سارا سال میں اس طرح بچت کرتی رہی اور خدا کے فضل سے مجھے پھر توفیق ملی ہے اور اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں بیگم صاحبہ کو بھی ایک نظر دیکھ لوں۔ حالانکہ دل کے اپریشن کی وجہ سے ڈاکٹر نے منع کیا ہوا ہے کہ زیادہ ملاقاتیں نہیں کروائیں سوائے اس کے کہ گھر والے یا بہت بے تکلف دوست ہوں جن سے طبیعت پر بوجھ نہ پڑے لیکن ان کے لئے میرے دل میں اتنا احترام تھا کہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ میں خود ان کو ساتھ لے کر اوپر گیا اور اوپر جا کر ان کا تعارف کروایا تو تقویٰ اپنے الگ رنگ رکھتا ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی قوت ہے کہ جو دلوں کو مغلوب کر لیتی ہے اس میں خدا کی سچائی بول رہی ہوتی ہے۔ پس تقویٰ وہی ہے جو انسانی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دے اور اس کا آغاز نیتوں سے ہوتا ہے نیت صاف ہوگی تو جو پودا بھی اس سے نکلے گا صحت مند نکلے گا۔ جتنا وہ نشوونما پائے گا اتنا خدا کے قریب تر ہوتا چلا جائے گا اس کی شاخیں زمین کی طرف بدنیت سے نہیں جھکا کرتیں بلکہ آسمان کی طرف اٹھتی ہیں اور جب الٰہی پھلوں سے لد جاتی ہیں تب زمین کے فائدے کے لئے اس کی طرف جھکتی ہیں۔ جو بدنیتوں کے پودے ہیں ان کی شاخیں بھی بعض دفعہ زمین کی طرف جھکتی ہیں مگر پھل دینے کے لئے نہیں بلکہ زمین کا رس چوسنے کے لئے اور وہ بار بار جھکتی ہیں اور بار بار نئی جڑیں پیدا کرتی ہیں۔

پس نیتوں کا معاملہ ایک بہت ہی گہرا معاملہ ہے۔ اس زندگی سے ہی اس کا تعلق نہیں آئندہ زندگی سے بھی تعلق ہے۔ آج کی نسلوں کی زندگی سے ہی نہیں کثیر تعداد میں آئندہ پیدا ہونے والی نسلوں کے ساتھ بھی آپ کے تقویٰ کا تعلق ہے، آپ کی نیتوں کا تعلق ہے پس اپنی نیتوں کو جس حد تک بھی سیدھا کریں اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کے حالات درست ہوتے چلے جائیں گے اور آپ کی اصلاح کے امکانات پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ قول سدید کے بغیر اصلاح ممکن نہیں ہے اور قول سدید جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا اس چیز کا نام ہے کہ انسان اپنے دل کے حالات سے واقف ہو کر وہی بات کرے جو واقعۃً دل میں ہے اس سے زائد بات نہ کرے اور سچی بات کرے خواہ اس کا نقصان پہنچتا ہو۔ بل دے کر اور فریب کے ساتھ بات نہ کرے۔ ایسی عورتیں

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے دیکھیں کہ جو بڑی غربت میں اس طرح جلسے کے شوق میں آئیں کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دین اور دنیا دونوں سنوار دے گا ان کی نسلوں پر رحمتیں نازل فرمائے گا۔ایسے مرد بھی دیکھے جو غریب محنت کش ہیں، جن کے متعلق خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ضرور کہیں باہر نکلنے کے لئے آئے ہوں گے لیکن جب ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جی بس! ہماری نیت پوری ہوگئی۔ہمیں کہاں یہاں آنے کی توفیق ملنی تھی، حسرتیں پال رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اچانک یہ انتظام فرمادیا اور ہم خدا کے فضل کے ساتھ اب دیکھ چکے۔اب واپس اپنے اپنے کاموں پر جائیں گے۔دل بے اختیار ان کی محبت میں اچھلنے لگتا ہے۔نظر ان پر دعا بن کے نچھاور ہوتی ہے اور حیرت سے آدمی دیکھتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیسے کیسے متقی اور پاکباز لوگ پیدا کردیئے ہیں ،جن کی دنیا میں اور کوئی مثال دکھائی نہیں دیتی۔

اور اس کے برعکس بعض اچھے بھلے کھاتے پیتے گھروں کی عورتیں ہیں جو کپڑوں کی گٹھریاں اٹھا کے لے کر آتی ہیں اور نام جلسے کا اور نیت کپڑے بیچنے کی وہ انگلستان کی بے چاری عورتوں کی مہمان ٹھہرتی ہیں جو کہ بڑے اخلاص کے ساتھ ان کی آؤ بھگت کرتی ہیں۔جلسے کے چند ایام میں ٹھہرنا تو ہر ایک کا حق ہے اور یہاں کی جماعت اس کو سعادت سمجھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ نہایت ہی انکسار اور ایثار کے ساتھ یہ حقوق ادا کر رہی ہے اور بشاشت کے ساتھ یہ حقوق ادا کر رہی ہے مگر آپ اندازہ کریں کہ جب جلسہ پر آنے والے کچھ مہمان آکر اپنی گٹھریاں کھولتے ہیں تو ان سے بے شمار پاکستانی کپڑے نکلتے ہیں جو بیچنے کی نیت کے ساتھ آئی ہوتی ہیں۔مجھے جب کچھ عرصہ پہلے یہ علم ہوا کہ ہمارے لجنہ کے جو مختلف فنکشنز (Functions) ہیں، لجنہ کی مختلف تقاریب ہیں ان میں بھی کپڑوں کی دکانیں لگ گئی ہیں تو مجھے اس کی بہت تکلیف ہوئی میں نے کہا کہ یہ کیا قصہ ہے تو انہوں نے کہا جی! ہم کیا کریں۔پاکستان سے فلاں فلاں خواتین نے یہ کپڑے بھیجے ہیں کہ ہمارے کپڑے بکوادو اور ان کے ساتھ ہماری بعض خواتین کے منہ ملاحظے ہیں چنانچہ وہ بے چاریاں دکانیں لگا کر بیٹھ جاتی ہیں۔پھر جب مزید اس بات کو کریدا تو پتہ لگا کہ جلسہ سالانہ پر بھی یہی قصہ چل رہا تھا۔اور کئی سال سے یہ ہو رہا ہے اور بہت سی خواتین جو پاکستان سے آتی ہیں وہ جلسہ سننے کی بجائے میری تقریر کے دوران بھی کپڑے بیچ رہی ہوتی ہیں اور دوسرے سننے والوں کا بھی جلسہ خراب کرتی ہیں۔

بہت سی خواتین ہیں جو اس وقت کہ رش کم ہوتا ہے وقت نکال کر وہاں جا کر سودے کر رہی ہوتی ہیں۔ میں نے پھر مزید اس بات کی چھان بین کی تو پتہ لگا کہ بے انتہاء منافع بازی ہوتی ہے اتنی کہ ہوش اڑانے والی۔ اب یہ یہاں کی خواتین پر بڑا ظلم ہے، لجنہ یوکے (U.K) پر اور انفرادی طور پر لجنہ کی ممبرات پر بھی بے حد ظلم ہے کہ وہ بیچاریاں تو دین خدا کی خاطر قربانیاں کریں اور اپنے بھی کام کریں بچوں کے بھی کام کریں، کھانے پکائیں، برتن دھوئیں اور چھوٹے چھوٹے گھروں میں اس خاطر آپ کی مہمان نوازیاں کریں کہ آپ خدا کے مہمان ہیں اور کچھ دنوں کے بعد پتہ لگے کہ خدا کے مہمان نہیں تھے۔ یہ تو اپنے پیٹ کے مہمان ہیں اور گٹھریاں اٹھائے پھرنے والی تاجرات ہیں اور جب میں نے مزید تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اچھے بھلے کھاتے پیتے گھروں سے ان کا تعلق ہے۔ بہت امیر گھروں سے کہ جن کو ہرگز اس قسم کی مصیبت کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ ابھی حال ہی میں ایک واقعہ ہوا ہے جس سے مجھے بڑی سخت تکلیف پہنچی ہے اور اسی وجہ سے اب میں لجنہ اماء اللہ انگلستان کے لئے خصوصیت کے ساتھ ایک اعلان کرنا چاہتا ہوں۔

ایک خاتون ہیں جو دل کی مریضہ ہیں، ان کے میاں مریض ہیں ان کے پاکستان کے کسی خاندان سے تعلقات تھے، ان تعلقات کے خاطر وہ اپنے گھر میں ان کی اولاد کو بھی رکھتے ہیں لیکن مجھے کسی نے بتایا کہ چونکہ میں نے لجنہ کو منع کر دیا کہ نہ جلسہ پر کوئی کپڑا بکے گا، نہ تمہاری تقریبات پر کوئی کپڑا بکے گا جو چاہے آپ پر دباؤ ڈالے آپ نے ہرگز کسی کی بات نہیں ماننی اور صاف کہہ دیں کہ ہمیں حکم ہے کہ ہم نے یہ کام نہیں ہونے دینا اور اگر آپ کو ڈر ہے کہ ان کو تکلیف پہنچے گی تو آپ ان کو خط لکھیں۔ جن جن سے تلخ تجربات ہو چکے ہیں ان سب کو خطوط کے ذریعے پہلے متنبہ کریں کہ خدا کے لئے اس دفعہ کپڑے لے کر نہ آنا کیونکہ ہم اجازت نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود وہی لوگ لائے جو پہلے بھی لاتے تھے اور جس گھر میں ٹھہرے ہیں اس گھر کے متعلق جس ذریعے سے بھی ہو سکا اشتہار دے دیا کہ آئندہ کپڑے خریدنے ہوں تو اس گھر میں تشریف لائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بے چاری کمزور عورت دل کی مریضہ اور کئی قسم کے امراض میں مبتلا، ایک نہایت خطرناک آپریشن سے اعجازی طور پر شفا پانے والی مگر ابھی کمزوری باقی ہے ان کے دروازے کھٹکنے شروع ہوئے۔ کنڈی کھٹکتی تھی تو اٹھ کر پوچھتی تھیں کہ جی کیا بات ہے؟ اس پر پتا چلا کہ جی آپ کے ہاں فلاں خاتون ٹھہری ہوئی ہیں،

وہ سنا ہے کپڑے بہت اچھے لے کر آئی ہیں تو میں کپڑے خریدنے آئی ہوں۔اب اس بے چاری مخلص عورت کو اپنی تجارت کا نوکر بنا دینا یہ کہاں کی شرافت ہے۔اس لئے سارے یوکے (U.K) کی لجنہ کے لئے اور باقی جگہ جہاں بھی دین کی خاطر جلسے ہوتے ہیں میں اعلان کرتا ہوں کہ ان جلسوں پر اگر کوئی اس قسم کی تجارتی مال لے کر دین کے نام پر سفر کرے اور دنیا کمانے کی نیت ہو جو اس طرح کھل کر ظاہر ہو جائے تو ان کے ساتھ ہرگز کوئی تعاون نہیں کرنا۔کوئی احمدی عورت ایسی عورتوں سے کپڑے نہ خریدے۔تجارت ہر ایک کا حق ہے ضرورت ہو یا نہ ہو کسی کو یہ کہنا ہمارا کام نہیں ہے کہ تم بہت امیر ہو، خدا نے تمہیں اتنا کچھ دیا ہے خدا کے واسطے ان چھوٹی چھوٹی حرکتوں سے باز آؤ۔ہم نہیں کسی کو کہہ سکتے مگر جہاں دین کو Exploit کیا جائے گا دین کے نام پر بعض لوگوں کی شرافت کا استحصال کیا جائے گا تو وہاں ہمارا فرض ہے کہ ان کوششوں کو ہم رد کر دیں اور نامراد کر دیں اس لئے تمام وہ جماعتیں جہاں میں جاتا ہوں جہاں جلسے ہوتے ہیں وہاں اگر اس قسم کے تاجر پہنچیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں تو ان کی ان کوششوں کو ناکام کریں، ان کو کہہ دیں کہ ہم نے ہرگز تم سے تعاون نہیں کرنا اور یہی ان کے ساتھ نیکی کرنا ہے تا کہ اگر وہ اگلی دفعہ آئیں تو صاف نیت سے آئیں اور اس کا ثواب تو حاصل کریں۔

پھر ایک لمبے عرصے تک انگلستان کی جماعت پر بوجھ بن جانا جبکہ نہ کوئی رشتے داریاں ہوں ،نہ کوئی لین دین کے پرانے خاندانی تعلقات ہوں یہ بھی ظلم کی بات ہے۔وہاں سے جس نیت کے ساتھ آتے ہیں وہ نیت پوری ہوئی اب اپنے گھروں کو جائیں اور اگر سیر وتفریح کرنی ہے تو پھر اپنے خرچ پر ٹھہریں۔اگر توفیق نہیں ہے تو واپس چلے جائیں۔رشتے داریاں ہیں تو ٹھیک ہے رشتے داروں کے ساتھ جیسے جیسے ملاحظے ہوا کرتے ہیں فریقین آپس میں ایک دوسرے کے معاملات کو سمجھتے ہیں ان میں جماعت کو کسی قسم کے دخل کی ضرورت نہیں ہے۔کوئی شوق سے اپنے کام آئے، اپنے ذاتی اغراض کی خاطر اپنے کسی بے تکلف رشتے دار کے گھر ٹھہر جائے لیکن نظر رکھے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچ رہی ہو۔کہیں حیاء کی وجہ سے وہ اپنی تکلیف کا اظہار نہ کر رہا ہو۔یہ وہ چیز ہے جو میرے موضوع گفتگو سے مستثنیٰ ہے لیکن جماعتی تعلقات ہوں، ۔کوئی خاندانی رشتے نہ ہوں تو وہاں کسی حیاء دار کے گھر آ کر ٹھہر جانا جس کو یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہو کہ میاں اتنی دیر ہوگئی ہے اب آپ واپسی کا سامان کریں۔وہ

شرم کے مارے یہ بھی نہ کہہ سکے کہ فونوں کے بل ہی بہت بڑھ گئے ہیں اگر فون کرنا ہے تو خدا کے واسطے باہر جا کر کریں۔ وہ حیاء دار لوگ جو خدمت دین کی خاطر اتنی قربانی کرتے ہیں ان پر ایک اور مصیبت اور ایک اور بوجھ بن جاتا ہے۔ پس جو آنے والے ہیں ان کو حیاء چاہئے لیکن جو ٹھہرانے والے ہیں وہ کم سے کم اس بات کے مجاز ہیں بلکہ میں ان سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ یہ بات میری طرف منسوب کر کے کہیں گے کہ اگر آپ نے تجارتیں کرنی ہیں تو ہمارا گھر آپ کے لئے بند ہے اپنا سامان اٹھائیں، ہوٹلوں میں جائیں آپ کو کون تجارتوں سے روکتا ہے مگر تجارتوں کے جو طریقے ہیں ان کو اپنائیں۔ فرضی تجارتی خرچ ڈال ڈال کر قیمتیں تو بڑھا لیتے ہیں کہ پاکستان سے کپڑا آئے تو اتنا اس پر کرایہ لگے گا۔ اتنا آنے والے کا کرایہ ہوگا اتنا اس پر ٹیکس لگنا چاہئے جن میں سے کچھ بھی نہیں لگا ہوا ہوتا، آنے والے بعض دفعہ جلسے کے دوسرے مہمانوں پر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ ایک گٹھڑی اس کو پکڑا دی اور ایک گٹھڑی اس کو پکڑا دی اور رستے ایسے ایسے ڈھونڈتے ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ میں کینیڈا گیا تو وہاں جلسہ کے بعد میں تو فارغ ہو گیا لیکن میری بیگم نے چونکہ دل کا علاج کروانا تھا یہ امریکہ چلی گئیں اور امریکہ میں قیام کے دوران ان کو ایک ہومیو پیتھی دوائی کی سخت ضرورت پڑی اور میں سمجھا کہ یہ ایلو پیتھی علاج کے بس کی بات نہیں، اس لئے یہ دوا ضرور ملنی چاہئے تو میں نے ان کو بتایا کہ میری کچھ دوائیں کینیڈا میں پڑی ہوئی ہیں وہاں سے منگوالیں۔ ایک عزیز آنے والے تھے ان کے سپرد انہوں نے یہ کام کر دیا۔ اس وقت مجھے پتہ لگا کہ یہ کپڑے بیچنے والے کیسے کیسے رستے اختیار کرتے ہیں۔ اس بے چارے کی کار میں ایک گٹھڑی کپڑوں کی ڈال دی گئی اور دوا پہنچ نہیں رہی تھی، دیر ہو رہی تھی میں نے فون کر کے پتہ کیا کہ یہ کیا ہو گیا ہے تو پتہ چلا کہ کسی نے کپڑے بھیجے تھے وہ اس بیچارے کی کار میں ڈال دیئے گئے اور اب کسٹم والے اس کو نہیں چھوڑ رہے تھے کیونکہ اس بے چارے نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ میرے پاس کوئی تجارتی چیز نہیں۔ اس نے تو جھوٹ نہیں بولا لیکن واقعۃً وہ جھوٹ تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تجارتی چیز نہیں تو یہ ایک ہی طرز کے نئے سلے ہوئے خاص قسم کے اتنے کپڑے کیوں لے کر جا رہے ہو۔ اس نے کہا یہ تو مجھے کسی نے سپرد کئے تھے چنانچہ چند گھنٹے اس کو قید میں رکھا اور اور باتوں کی تحقیق ہوئی تو شک پڑ گیا اور ہومیو پیتھی کی دواؤں کو پتہ نہیں انہوں نے کس کس طرح آزمایا کہ اس میں کوئی Drug تو شامل نہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس حد تک اثر باقی رہا یا

نہیں مگر ہم یہاں پریشان کہ وہ دوا پہنچ نہیں رہی۔آخر ساری رات سفر کر کے بمشکل دوسرے دن وہ پہنچا، پھر وہ نیند سے مغلوب ہو گیا تو پھر کہیں رات کو جا کر وہ دوا ملی۔اب ایک شخص کی نیت کہیں سے چلی تھی۔میں یہ بتارہا ہوں کہ نیتیں کس طرح اپنے بداثرات پھیلاتی رہتی ہیں۔وہ نیت یہ تھی کہ براہ راست کپڑا امریکہ نہیں جاسکتا تو جو لوگ کینیڈا جارہے ہیں ان کے ذریعہ ہم تجارتی کپڑے بھیج دیں اوراس نیت نے آگے یہ فتور پیدا کر دیا ہے کہ کسی اورنیت سے بے چارا ایک نوجوان اخلاص کے ساتھ اس خاطر چلا ہے کہ کوئی مریض ہے اس کو جلد دوا پہنچے لیکن اس کا سارا سفر برباد کر دیا گیا اور یہ اس بدنیتی کا پھل تھا۔

جہاں تک تجارتوں کا تعلق ہے میں تو خود احمدیوں کو کہتا ہوں کہ تجارتیں کریں لیکن ایک نصیحت کرتا ہوں کہ جو خاوند اچھے بھلے کھاتے پیتے اورامیر ہوں وہ اپنی بیویوں کو اگر تجارتوں میں ڈالیں گے تو اس کا نقصان پہنچے گا۔ان کی مرضی ہے جو چاہیں فیصلے کریں لیکن ایسی بیویوں کو جن کو تجارتوں کی چھٹیاں دے دی گئی ہوں ان کو اور بھی بہت سی ایسی عادتیں پڑ جاتی ہیں جس کے نتیجے میں گھر کی طرف پوری توجہ نہیں رہتی،اولاد کی طرف پوری توجہ نہیں رہتی۔کچھ نقصانات فوری نظر آتے ہیں کچھ دیر کے بعد نظر آتے ہیں، کچھ دکھائی نہیں دیتے لیکن اگلی نسلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔میں تو ایک پاک نصیحت کرسکتا ہوں کہ آپ لوگوں کا حق ہے۔دونوں نے تجارتیں کرنی ہیں تو بے شک کریں لیکن جن کو خدا نے کھلی توفیق دی ہوان کو اپنی بیویوں کو اس بات پر شہ نہیں دینی چاہئے یا ان کی عادت سے آنکھیں نہیں بند کرنی چاہئیں یا بعض اوقات اگر روکنا ضروری ہو تو روک دینا چاہئے کہ وہ بے وجہ زائد روپے کی حرص میں ایسے کام کرتی پھریں جس سے گھر کا امن برباد ہوتا ہو لیکن یہ تو ایک نفلی مشورہ ہے۔

دوسرا مشورہ جو ہے وہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جماعت کو اس میں ملوث نہ کریں۔اس قسم کے نفلی کام یعنی آپ کے نفل ہیں خدا کے ہاں تو وہ نفل نہیں ہیں لیکن آپ نے نفلی روپیہ کمانا ہے،حرص پوری ہی نہیں ہو رہی تو نہ ہو بے شک لیکن پھر تجارت کے اصولوں پر کام۔کریں کپڑا ایکسپورٹ Export کرنے کے جو باقاعدہ طریقے ہوتے ہیں وہ اختیار کریں۔دکانوں تک سامان پہنچائیں،ان سے آرڈرز لیں،ان دکانوں سے کوئی احمدی خریدتا ہے تو شوق سے خریدے لیکن یہ کوئی حق نہیں ہے کہ جماعت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی حرصیں پوری کرتے پھریں۔اس لئے

میں جماعت کو متنبہ کرتا ہوں اس قسم کی عادتوں کو روکنے میں مدد کریں اور محبت اور پیار اور ادب سے بے شک کہیں لیکن سچی بات کہنے سے شرم نہیں کرنی چاہئے۔ان کو کہنا چاہئے کہ دیکھو تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے تم ایسی حرکتیں نہ کرو۔ تجارت کرنی ہے تو تاجروں کے پاس جاؤ بڑے بڑے سٹوروں کے پاس جاؤ اوران سے سودے کرو۔ گورنمنٹ کے بل دو اوراس کے بعد جو منافع ہے وہ خیر و برکت سے کماؤ۔اس میں سے پھر تمہیں چندوں کی بھی توفیق ملے گی لیکن ایسے کمانے والوں کی تو چندوں کی توفیق بھی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

بہر حال مجھے تو جماعت یو کے (U.K) کی اس بزرگ خاتون کی کہانی سن کر اتنی تکلیف ہوئی کہ دل اس وقت سے بے چین ہے۔ اتنا ظلم ہے کہ ایک بزرگ خاتون جو اس قدر محبت اور ایثار سے خدمت کرتی ہے اور کوئی حیا نہیں ہے اوران کے لئے ایک عذاب بن گئے ہیں ان کو تو ڈاکٹر نے کہا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ آرام سے رہیں کوئی بوجھ نہ پڑے کوئی تکلیف نہ ہو لیکن بار بار دروازے کھٹک رہے ہیں اور وہ اٹھ کر پوچھتی ہیں کہ کیا بات ہے؟ پتہ نہیں کیا پیغام آیا ہے؟ تو پتہ چلتا ہے کہ جی آپ کے ہاں ایک کپڑے بیچنے والی خاتون رہتی ہیں۔تو میری نصیحت یہی ہے کہ آپ نے آئندہ اگر تجارتیں کرنی ہوں تو تجارت کے اصولوں پر کریں اوراس طرح ملا جلا کر اپنے اور خاندانوں کی بدنامیوں کا موجب نہ بنیں اور اپنی اولاد کے لئے گندے بیج نہ بوئیں کیونکہ اس سے آپ لوگ آئندہ بہت نقصان اٹھائیں گے۔ آپ کو دل کا سکون نہیں ملے گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ تو ابھی بھی کم ہوتا جا رہا ہے لیکن یہ سکون اور بھاگے گا۔اس قسم کی دولتیں کبھی بھی دل کا سکون نہیں بخشا کرتیں۔

دل کا سکون تقویٰ سے ملتا ہے۔اپنی نیتوں کو پاک صاف کریں کبھی صاف نیت لے کر جلسہ پر آنے کی کوشش تو کریں پھر دیکھیں خدا کیسے کیسے فضل نازل فرماتا ہے۔اس نیت سے آئیں اور اخلاق کا مظاہرہ کریں۔نیک نیتیں لے کر آئیں اور نیک اثر پیچھے چھوڑ کر جائیں اور نیک دعائیں لیں جو ساری عمر آپ کی زندگی کا خزانہ بنی رہیں گی۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ ان قباحتوں سے احتراز کیا جائے گا اور جماعت نے چونکہ اب میری بات سن لی ہے اس لئے اس بات پر نگران ہو جائے گی۔ان سے ویسے جتنے چاہیں تعلقات رکھیں ان لوگوں کا جو ادب کرنا ہے کریں لیکن ان کاموں میں اب ان سے تعاون نہیں کرنا کیونکہ یہ ان کے لئے بھی مضر ہے اوران کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔

جہاں تک دوسرے معاملات میں نیتوں کے فتور اور ان کے بداثرات کا تعلق ہے ان کے متعلق چونکہ مضمون بدلنا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آج کے خطبہ کی بجائے آئندہ خطبہ یا پھر اس کے بعد آئندہ کسی خطبہ میں میں اس کا ذکر کروں گا میرا خیال یہی ہے کہ جس طرح آج ایک موضوع کو لیا ہے اور اس کے بعض حصوں پر یہ امر چسپاں کر کے آپ کو دکھایا ہے کہ کس طرح نیت کا فتور معاشرے کو گندا کر دیتا ہے اور مصیبتیں دنیا پر ڈال دیتا ہے اسی طرح زندگی کے ہر شعبے کا نیتوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

پس دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک وہ جڑ جو تقویٰ پر مبنی ہوتی ہے وہ بھی نیت سے اٹھتی ہے اور ایک وہ شجرۂ خبیثہ جس کی جڑ برائی میں پیوستہ ہوتی ہے اگر چہ وہ اکھڑی پھرتی ہے اور اڑتی پھرتی ہے اور کئی قسم کے نئے نئے پودے اس کی جگہ آ لگتے ہیں اور وہ بھی اکھڑ جاتے ہیں لیکن اس مضمون کو اس پہلو سے دیکھنا ضروری ہے کہ جڑ بہر حال فساد کے اندر ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں گندے پودے گندے پھل لے کر آتے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

آخر پر میں یہ ایک اصولی نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اس مضمون کا استغفار سے بہت گہرا تعلق ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استغفار کے مضمون پر بہت ہی عظیم الشان مضامین بیان فرمائے ہیں اور بہت ہی گہری نظر سے استغفار کے ہر پہلو کا تجزیہ فرمایا ہے۔ استغفار کا مطلب ہے مٹی سے ڈھانپنا غــفــر کا مطلب ہوتا ہے ڈھانپ دیا۔ خدا تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے اور انسان مغفرت طلب کرتا ہے استغفار کا معنی ہے: کوشش کرنا کہ میں ڈھانپا جاؤں۔ ننگا وجود ہو تو اس کو کپڑے سے ڈھانپا یہ استغفار ہے جڑ ننگی ہو رہی ہو تو اس کو مٹی سے ڈھانپنا یہ استغفار ہے۔

جس مضمون سے میں نے آج کے خطبہ کا آغاز کیا تھا اس پر واپس آتے ہوئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ استغفار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ استغفار ہے جو جڑوں کو ڈھانپنے والا ہے لیکن ایک استغفار ہے جو جڑوں کو چھپانے والا ہے۔ میں نے دو لفظ ڈھانپنا اور چھپانا عمداً استعمال کئے ہیں چھپانے سے مراد یہ ہے کہ بد جڑیں ہیں، گندی جڑیں ہیں اور آپ ان کو چھپاتے ہیں۔ یہ استغفار کے منفی معنی ہیں۔ اور ایک استغفار ڈھانپنے والا ہے جو شخص متقی ہو وہ بسا اوقات اپنی نیک نیتوں کو ڈھانپتا ہے اور دنیا کی نظر سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہیں تو یہ دونوں قسم کے استغفار لیکن ان کے نتائج میں

زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پس وہ لوگ جو اپنی بدیوں کو اور بدنیتوں کو چھپاتے ہیں وہ عادتاً انہیں اپنے آپ سے بھی چھپانے لگ جاتے ہیں۔ان کو سمجھانے کی خاطر میں یہ مثال ان کے سامنے رکھتا ہوں کہ بعض دفعہ اگر جڑوں کی بیماریاں ہوں تو سارے درخت کی جڑیں تو یکدم ننگی نہیں کی جاتیں مگر اچھا سمجھدار زمیندار کھود کر پہلے ایک ایک جڑ ننگی کرتا ہے،اس کا علاج کرتا ہے اور اس کے بعد اس کو ڈھانپتا ہے یعنی چھپانے کی بجائے خود کھودتا ہے اور اپنے درخت کی جڑوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ان کی بیماریوں کو پہچانتا ہے اور پھر گندی مٹی کو اس سے ہٹا دیتا ہے اور پھر پاک مٹی سے اس جڑ کو ڈھانپ دیتا ہے، پھر دوسری جڑ کی باری آتی ہے پھر تیسری جڑ کی باری آتی ہے۔وہ لوگ جو باغوں کے ماہر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس عمل کے نتیجے میں بسا اوقات نہایت خطرناک بیماریوں میں مبتلا پودا بھی صحت مند ہو جاتا ہے۔تو ایک دفعہ ننگا کرنا ضروری ہے اس کے بعد پھر حقیقی استغفار نصیب ہوگا اور نیتوں کی جڑوں کا علاج توبہ سے ہوتا ہے،توبہ اور استغفار، پہلے توبہ ہے اور پھر استغفار ہے توبہ کے بغیر استغفار کی کوئی حقیقت نہیں۔تو جس مضمون کو توبہ کہا جاتا ہے اس کا نقشہ یہ ہے کہ آپ اپنی جڑوں کو باری باری ایک ایک کر کے ننگا کریں۔لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ اپنے سامنے آپ کے اندر اپنے حالات کے متعلق جو روشنی پیدا ہوگی وہی روشنی ہے جو بعد میں نور بن جایا کرتی ہے اور یہ روشنی ضروری ہے اس کے بغیر نور نہیں بن سکتا۔ہم جنس چیز سے اسی جنس کی چیز بنتی ہے خواہ ان کے اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔نور کے لئے ایک نور کی ضرورت ہے اور اندر کی روشنی وہ پہلا نور ہے جو سچائی کے ساتھ آپ کو اپنے حالات سے آگاہ کرے۔ہر سفر اختیار کرنے سے پہلے، ہر حرکت سے پہلے، ہر قدم اٹھانے سے پہلے عادت ڈالیں کہ اپنی نیت کا جائزہ لے لیں اس کو اچھی طرح کھنگال کر دیکھیں۔معلوم کر لیں کہ اصل کیا ہے اس کے بعد نہ آپ اپنے نفس کو دھوکا دے سکتے ہیں نہ کسی اور کو دھوکا دینے کے لئے رجحان پیدا ہوگا کیونکہ یہ ایک ایسی کوشش ہے جس کے نتیجے میں سچائی سے پہلے سے زیادہ وابستگی ہو جاتی ہے۔جو شخص اپنے دل کے چھپے ہوئے حالات کو اپنے اوپر کھولتا ہے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی بدیوں کو دیکھ لیتا ہے اس کے اندر تقویٰ کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔اس کے اندر ایک ایسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کے دل کی روشنی

کو الٰہی نور میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پس اس طرح اپنی نیتوں کو ٹٹولنا شروع کریں اور جہاں بدی دیکھیں وہاں ٹھہر کر اس کے علاج کے متعلق غور کریں تو بہ سے کام لیں اور تو بہ اکیلی کافی نہیں ہوا کرتی جب تک کہ دوبارہ اس جڑ کو ڈھانپا نہ جائے اور اس دفعہ کا جو ڈھانپنا ہے اس کا نام استغفار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اس سے کہیں کہ میری جڑ تو ننگی ہوگئی، اس کے حال سے میں خوب مطلع ہو گیا اب دوبارہ میں اسے ڈھانپتا ہوں لیکن اسے زندگی بخشنا اور صحت بخشنا اب تیرا کام ہے اس لئے تو اپنے فضل کی مٹی سے اسے ڈھانپ دے تاکہ یہ صحت مند نشو ونما پا سکے۔ اس طرح اگر آپ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنے حالات اور اپنی نیتوں کی اصل اور کنہہ سے واقف ہونے کی کوشش شروع کر دیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ روزانہ آپ ایک نیا سفر کریں گے۔ روزانہ اپنے نفس کا ایک نیا مشاہدہ آپ کو نصیب ہوگا اور یہ ایک لامتناہی سفر ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا انبیاء کو چھوڑ کر کیونکہ انبیاء کے استغفار کا مضمون بالکل الگ ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بڑی شان کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور وہ ایک ایسا اچھوتا مضمون ہے کہ جس کو تقویٰ کی روشنی کے بغیر کوئی شخص بیان کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھ سکتا۔ تو انبیاء کا حال چھوڑ کر کوئی نیک میری نظر میں ایسا نہیں جو یہ سفر مکمل کر سکے کیونکہ جتنا وہ کھوج لگائے گا جتنا اپنے اندر ڈوبے گا اسے ضرور کچھ نہ کچھ ایسا گند دکھائی دے گا جسے صاف کرنا ضروری ہے، کچھ نہ کچھ جڑیں ضرور بیماریوں میں مبتلا نظر آئیں گی جن کی صفائی ضروری ہے اور دوبارہ پھر استغفار سے ان کا ڈھانپنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

غیبت سے معاشرہ میں بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔
جماعت کو اپنے معاملات اس برائی سے پاک رکھنے چاہئیں

(فرمودہ ۲۳ راگست ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

مضمون چل رہا ہے تقویٰ کی کمی کی وجہ سے یا تقویٰ کے معاملات میں گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے جو نقصانات ہمارے معاشرے میں پہنچتے ہیں اس سلسلے میں دو تین مثالیں خاندانی معاملات کی میں نے دی تھیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں ان سب کو یہاں پیش کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن وقتاً فوقتاً جہاں ضرورت محسوس ہوئی میں دوبارہ اس مضمون کو پھر اٹھاؤں گا۔ چنانچہ آج میں اس مضمون کو جماعتی حالات پر چسپاں کر کے آپ کے سامنے رکھوں گا تا کہ جماعتی معاملات میں تقویٰ کی کمی یا تقویٰ کے معاملات میں لاعلمی۔ یہ دونوں باتیں جماعت کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو فی ذاتہٖ جہاں تک فرائض کا اور عام نوافل کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے متقی ہوتے ہیں۔ جماعت کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے، پابند صوم و صلوۃ اور نہ صرف فرضی چندوں میں بلکہ طوعی چندوں میں بھی بڑے تقویٰ کے ساتھ شرائط کے مطابق خدمت دین کرنے والے ہیں لیکن بعض معاملات میں جبکہ امیر اور عاملہ کے معاملات ہوں یا بعض لوگوں کے جو کوئی عہدیدار نہیں ہیں امیر یا عاملہ سے واسطے پڑتے ہوں ایسے تعلقات کے دائرے میں بعض دفعہ وہ بے حد غیر متقیانہ باتیں شروع کر دیتے ہیں اور آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں تھی اس لئے اس مضمون کو

مختلف جہتوں سے کھول کر آپ کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سے پہلے بار ہا گزشتہ چند سال میں مجھے بعض ملکوں سے ان معاملات میں فتنوں کی بُو آئی جس طرح جلنے کی بُو آئی تھی۔ خدا کے فضل سے میری قوت شامہ بھی تیز ہے اور اندرونی حس جس سے فتنوں کی بُو آ جاتی ہے وہ بھی بہت تیز ہے۔ چنانچہ جب میں نے تحقیقات کیں تو رفتہ رفتہ بہت سے فتنوں کے عوامل عمل پیرا دکھائی دیئے جو اندر اندر کام کر رہے تھے اور تحقیقات کے دوران بہت ہی افسوسناک تعجب ہوا کہ ہمارے سلسلہ کے تجربہ کار مربی اور بعض صورتوں میں بعض امراء بھی ان چیزوں میں با قاعدہ ملوث تھے۔ جہاں تک ان کی وقف زندگی کا تعلق ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ بڑے خلوص اور تقویٰ کے ساتھ انہوں نے زندگی وقف کی، جہاں تک ان کی ان نیتوں کا تعلق ہے جو انہوں نے اپنی نظر کے سامنے رکھی ہوئی تھیں تو اس کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نیتیں صاف تھیں لیکن وہ نیتیں وہ تھیں جو انہوں نے عمداً خود سجا کر اپنی نظر کے سامنے رکھیں اور یہ وہ سب سے بڑا انسانی فطرت کا خطرہ ہے جو انسان کو دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے اور قرآن کریم نے جو فرمایا کہ شیطان وہاں سے حملہ کرتا ہے جہاں سے تمہیں دکھائی ہی نہیں دیتا۔ تو یہ وہ حکمت ہے کلام الٰہی کی جسے اگر ہم سامنے رکھیں تو بعض دفعہ ایسے الجھے ہوئے معمے بھی حل ہو جاتے ہیں کہ ایک شخص متقی ہے اس سے ان باتوں کی توقع نہیں لیکن پھر بھی وہ باتیں کر رہا ہے۔ ہم قرآن کریم کی پیش کردہ اس حکمت کی رو سے اس معاملے کو یوں حل کریں گے کہ وہ وہاں سے ڈسا گیا ہے جہاں سے سانپ اس کو دکھائی ہی نہیں دیا تھا۔ حملہ اس پر ایسی جگہ سے ہوا ہے جہاں اس کی نظر نہیں تھی لیکن صرف یہ کہنا اس کے دفاع میں کافی نہیں کیونکہ قرآن کریم دوسری جگہ اس مضمون کو یوں بیان کرتا ہے کہ انسان اپنے نفس کے حالات کو سمجھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ وہ اگر کوشش کرے تو یقیناً جان سکتا ہے کہ اس کے نفس کے پردوں کے پیچھے کیا کیا فتنے چھپے بیٹھے ہیں۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیامہ:۱۶) خواہ وہ بعد میں بے شمار عذر بھی پیش کرے اور کوشش کرے یہ ثابت کرنے کی کہ جو کچھ اس نے کیا تھا اس کا جواز موجود تھا۔

پس ایک پہلو سے ہمیں یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ انسان بعض دفعہ عمداً بالا رادہ یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فتنے کو قبول نہیں کرتا لیکن اس کی فطرت ان فتنوں پر پردے ڈالتی ہے اور نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر وہ اپنی دانست میں بڑی نیکی کی باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ جہاں تک روزمرہ کی زندگی

میں دوستوں سے تعلقات کا معاملہ ہے یا خاندان میں رشتہ داروں کے رشتہ داروں سے معاملات کا تعلق ہے یہ بھی ان چیزوں سے بہت متأثر ہوتے ہیں۔ان کے متعلق میں بارہا خطبات دے چکا ہوں لیکن ان سے بہت زیادہ اہمیت یہ باتیں اس وقت اختیار کر جاتی ہیں جبکہ جماعت کے عہدیداران ان باتوں میں ملوث ہو جائیں کیونکہ پھر یہ ان کے نفس کی برائی نہیں رہتی بلکہ پوری جماعت کوایک خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

میں نے پہلے بھی بارہا اس طرف جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ ایک انسان کے ذاتی گناہ ہیں وہ چاہے کسی مقام پر ہوا گر وہ دیانتداری سے کوشش کر رہا ہے، دعا کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے حالات پر پردہ ڈالے ہوئے ہے تو کسی دوسرے کو حق نہیں نہ نظام جماعت کو نہ کسی فرد کو کہ وہ کریدے اور تجسس کرے اور کوشش کرے کہ اس کی چھپی ہوئی بدیاں باہر نکل آئیں اور پھر وہ اس کو طعنہ دے سکے کہ تم یہ ہو اور یہ کرتے ہو لیکن جہاں وہ بدیاں باہر آ جائیں وہاں نظام جماعت کو اختیار نہیں ہے کہ ان سے آنکھیں بند کرے کیونکہ اب یہ معاملہ اس کا اور خدا کا نہیں رہا نظام جماعت کا بن گیا ہے۔خدا مالک ہے، وہ بخشش چاہے تو ہر گناہ کو بخش سکتا ہے اور کوئی نہیں جو اس کی بخشش کا ہاتھ روک سکے مگر نظام جماعت غلام ہے اور ایک ادنیٰ غلام ہے اس مالک کا جس نے نظام جماعت کو بعض اختیارات دیئے ہیں اور بعض اختیارات نہیں دیئے۔ وہاں بخشش اور رحم وکرم کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ وہاں تقویٰ اور انصاف کے ساتھ اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ کارروائی کرنے کا سوال اٹھتا ہے جو قرآن کریم اور سنت اس سے تقاضا کرتی ہے۔بعض دفعہ میں نے بعض معاملات میں جماعت کے عہدیداران کو پکڑا یا بعض افراد جماعت کو تو انہوں نے ہمیشہ مجھے کہا کہ آپ تو بخشش کی تعلیم دیتے ہیں، آپ تو کہتے ہیں خدا اتنا مہربان ہے، خدا ایسا ہے جو تمام عمر کے گناہوں میں ملوث انسان کو جس کے متعلق دنیا فتویٰ دے دے کہ یہ کبھی معاف نہیں ہوگا اس کو بھی معاف کر سکتا ہے اور آپ ہماری چھوٹی سی غفلت کو معاف نہیں کرتے۔اس کے جواب میں میں انہیں یہی کہتا ہوں کہ میں نے یہ جو صفات بیان کی تھیں اپنی نہیں بلکہ خدا کی بیان کی تھیں اور بحیثیت مالک خدا کو یہ اختیار ہے۔جو جو اختیار خدا نے مجھے دیئے ہیں بحیثیت مالک ان میں اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں خدا کی صفات کا نمونہ بنوں اور ان کے مطابق جہاں تک مجھ سے ممکن ہے بخشش سے کام لوں لیکن جہاں خدا تعالیٰ کی بخشش اپنی جگہ مگر

جہاں اس کی مالکیت اپنے جلال سے جلوہ گر ہو اور مجھے اختیار نہ دے کہ ان معاملات میں میں اپنے ذاتی رحم سے کام لیتے ہوئے کسی کو معاف کروں وہاں میں بے اختیار رہوں۔

آنحضرت ﷺ کی بعض مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ حد سے زیادہ یعنی حد سے زیادہ تو نہیں کیونکہ حد سے زیادہ جو چیز بڑھ جائے وہ خلق کے مقام سے آگے نکل جاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ بخشش کی آخری حدوں کو چھو رہے تھے جس کے بعد بخشش کی کوئی حد نہیں ہے۔ خدا کے بعد کبھی کوئی انسان اتنا رحم کرنے والا، اتنا بخشنے والا دنیا میں نہ پیدا ہوا نہ آئندہ ہوگا جیسا کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تھے مگر جہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو نگران بنایا تھا، جہاں بعض اصولوں کی حفاظت کا سوال تھا وہاں بعض دفعہ آپ نے ناراضگی کا ایسا اظہار کیا کہ کسی صورت معاف کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے جب تک خدا نے الہاماً آپ کو اس بات پر پابند نہیں فرمایا کہ اس معاملے میں میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ معاف کردو، درگزر سے کام لو۔ مثلاً وہ تین صحابہ جو پیچھے چھوڑے گئے تھے جو جہاد میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے متعلق آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ان سے ناراض ہوئے تو ان کی گریہ وزاری، ان کی ایسی حالت کہ گویا وہ اس غم سے ہلاک ہو جائیں گے آپؐ کے دل پر اثر نہیں کر سکتی تھی۔ آپؐ نے معاف نہیں فرمایا جب تک خدا تعالیٰ نے معاف نہیں فرما دیا اور اس دوران آپ خود بھی غم میں مبتلا تھے۔ یہ وہ مضمون ہے جو بعض لوگ اپنی نادانی میں نہیں سمجھتے۔ بعض دفعہ ایک امیر، بعض دفعہ ایک خلیفہ کسی شخص کے خلاف ایک سخت کارروائی کرتا ہے مگر دل کی سختی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مجبوری کی وجہ سے اور اس کا دل بعض دفعہ اس شخص سے بھی زیادہ سزا پاتا ہے جس کو وہ سزا دے رہا ہے۔ چنانچہ ان تین صحابہ کے متعلق جن کے متعلق قرآن کریم میں ذکر آیا ہے روایت ہے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں جبکہ ہم پر ہماری زندگی، ہمارا جینا، ہمارا کھانا پینا سب کچھ حرام ہو چکا تھا ایک ہی چیز تھی جو ہمیں زندہ رکھے ہوئے تھی وہ یہ تھی کہ کبھی کبھی اچانک آنحضرت ﷺ کو ہم اپنی طرف اس طرح دیکھتے ہوئے، اچکتی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوئے پکڑ لیتے تھے کہ جو رسول اللہ ﷺ کو خیال نہیں تھا کہ ہم ان کو دیکھ لیں گے۔ اس نظر میں شفقت تھی، اس نظر میں رحم تھا۔ یہ وہ مختصر سی غذا تھی جو کبھی کبھی ان کو ملتی رہتی تھی جو ان کی زندگی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

تو یہ بحث نظام جماعت سے نہیں اٹھائی جائے گی کہ یہ معاملہ بخشش سے تعلق رکھتا ہے،

رسول اللہ ﷺ بے انتہاء بخشش کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ بے انتہاء بخشش کرنے والا ہے اس لئے نظام جماعت کے اوپر جو چاہے جس طرح چاہے ہاتھ ڈال دے، جس طرح چاہے اپنے بڑوں کی بے عزتیاں کرے، نظام جماعت سے لاپروائی سے پیش آئے اور گستاخی سے پیش آئے، عدم تعاون کرے اور ان باتوں پر اصرار کرے اور پھر اس کا تقاضا ہو کہ مجھے ضرور معاف کیا جائے۔ ایسی صورتوں میں بھی بعض دفعہ انفرادی طور پر معافی کی گنجائش ہوتی ہے مگر جب یہ باتیں فتنوں پر منتج ہوں تو ایسے موقع پر لازماً سختی کرنی پڑتی ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں جو میرے سامنے ہیں کیونکہ میں نے جیسا کہ بتایا ہے مختلف وقتوں میں، مختلف ممالک میں، مختلف فتنے اٹھنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ بروقت ان کا صحیح تجزیہ کیا جائے، ان کو وقت پر پکڑا جائے اور دبا دیا جائے، سمجھا کر، منتیں کر کے بھی لیکن خدا نے فضل فرمایا جماعت کے وقار کو قائم رکھتے ہوئے جس طرح پیش گئی ان فتنوں سے نمٹا گیا اور خدا کے فضل سے ایک آدھ کے سوا کوئی شخص ضائع نہیں ہوا۔ جبکہ یہ خطرہ تھا کہ جماعتوں کی جماعتیں پھسل سکتی تھیں۔

اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے معاملات کو ساری جماعت کے سامنے رکھوں گا کیونکہ ان باتوں پر پردہ پوشی جہاں تک ذاتیات کا تعلق ہے وہ تو جائز ہے اور مناسب بھی ہے لیکن جہاں تک مثالوں کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں ان باتوں سے متعلق مزید پردہ پوشی سے کام لینا جماعت کے لئے نقصان دہ ہو گا کیونکہ بہت سے لوگ آج عہدوں پر فائز نہیں ہیں کل عہدوں پر فائز ہوں گے۔ بہت سے ہیں جو آج ایک غلطی نہیں کر رہے کل ایک غلطی کر سکتے ہیں اور ان بیچاروں کو پتا ہی نہیں کہ ان معاملات میں اس سے پہلے میں کیا اقدام کر چکا ہوں اور میں نے ان معاملات کو کس طرح سمجھا اور کیا کیا غلط فہمیاں تھیں فتنہ پیدا کرنے والوں کو جن کی غلط فہمیاں دور کی گئیں اور خدا کے فضل سے وہ مزید ٹھوکر سے بچ گئے اس لئے چند مثالیں آپ کے سامنے رکھوں گا بغیر نام کے چھوٹی چھوٹی باتوں سے کس طرح فتنے شروع ہوتے ہیں اور یہ مضمون آئندہ بھی شاید ایک دو خطبات میں اسی طرح جاری رہے۔

یہ تو تمہید ہے اس میں بھی کافی وقت لگ گیا ہے اس لئے آج تو مختصراً چند چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر کروں گا۔ سب سے پہلے میں چغلی یعنی غیبت کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق قرآن کریم نے بہت ہی سخت الفاظ میں مومنوں کو متنبہ فرمایا ہے۔ حالانکہ غیبت

بظاہر ایک چھوٹی سی بات ہے عام زبانوں کا چسکا ہے یا کانوں کا چسکا ہے جو مردوں، عورتوں میں ہر جگہ پایا جاتا ہے اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ساری دنیا کی سب قوموں میں عام ہے۔ مشرق میں بھی ہے اور مغرب میں بھی سب میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے کیوں اس پر اتنی سختی فرمائی۔ یہاں تک فرمایا جو غیبت کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ بہت ہی مکروہ مثال ہے یعنی مکروہ ان معنوں میں کہ اس کے فعل کی کراہت کو بہت کھول کر بیان فرمایا گیا ہے۔ مردہ بھائی کا گوشت کھانا، اوّل تو بھائی کا گوشت کھانا بہت ہی خوفناک بات ہے پھر مردے کا گوشت کھانا۔ یہ مثال کیوں دی گئی اس میں کئی حکمتیں ہیں؟ ایک حکمت تو ظاہر ہے کہ وہ اپنا دفاع نہیں کرسکتا۔ دوسرے اگر دفاع نہ بھی کرسکتا ہو تو یہ حرکت بہت مکروہ ہے اور کسی کا گوشت کھانے والی بات ہے۔ تیسرے کسی کی بوٹی نوچی جائے تو اس کا نقصان پہنچتا ہے، اس کا خون بھی کم ہوتا ہے، اس کا گوشت کا ٹکڑا بھی اس کے جسم سے اترتا ہے اور اگر کسی کو علم نہ ہو کہ میرے ساتھ یہ کیا جارہا ہے تو اس کو یکطرفہ نقصان پہنچتا رہتا ہے اور عملی دنیا میں غیبت یہی سب کام کرتی ہے۔

اس سلسلے میں اگر مزید غور کیا جائے تو غیبت کی ایک تعریف بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایک ایسی تعریف جس پر عموماً لوگوں کی نگاہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی ایسی بات کرے جس کے نتیجے میں سننے والے لوگوں کے اندر کسی اور شخص کا یکطرفہ طور پر احترام کم ہو جائے اور نیت یہ ہو کہ اس کو نقصان پہنچانا ہے لیکن اگر بغیر نیت کے بھی ایسا فعل کیا جائے اور نقصان پہنچ جائے تو وہ بھی غیبت ہے۔ جہاں تک نیتوں کا معاملہ ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ نیت کیا تھی کیونکہ انسان نیت پر نظر نہیں رکھ سکتا اس لئے اگرچہ اعلیٰ تعریف غیبت کی یہی ہے کہ کوئی انسان اس نیت سے کسی کے غیبوبیت میں اس کی غیر حاضری میں، اس کا ایسا ذکر کرے جس کے نتیجے میں سننے والوں کے دلوں میں اس کا احترام کم ہو جائے اور اس کو موقع نہ ہو دفاع کا۔ اس کو نقصان پہنچ جائے لیکن اس کو علم نہ ہو کہ مجھے نقصان پہنچ گیا ہے یہ غیبت ہے۔ اسی لئے ایک موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کی غیر حاضری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایسی بات کی جو اس کے متعلق اس کی کمزوری سے متعلق ایک امر واقعہ کا بیان تھا تو اس حکمت کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں محدثین مشکل میں پڑ گئے۔ وہ حیران تھے کہ رسول اکرم ﷺ نے نعوذ باللہ غیبت کردی اور اس کی بڑی بڑی تشریحیں کرنے لگے حالانکہ امر واقعہ

یہ ہے کہ اس موقع پر جو بات ہوئی اس کا تعلق اس شخص کی عزت کو یکطرفہ نقصان پہنچانے سے نہیں تھا۔ نہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ نیت تھی، نہ حضرت عائشہ کا اس سے کوئی ایسا تعلق تھا کہ اس کا مقام حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں گرنے کے نتیجے میں کوئی نقصان پہنچے۔

ایک پہلو اس حدیث کا ایسا ہے جو لوگوں کے زیر بحث نہیں آیا اور میرے نزدیک وہ سب سے اہم پہلو ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان ایک ایسی بات کسی شخص کے متعلق کسی کو بتاتا ہے کہ وہ بات حقیقت پر بھی مبنی ہوتی ہے اس کی نیت نقصان پہنچانے کی نہیں ہوتی بلکہ مخاطب کو نقصان سے بچانے کی نیت ہوتی ہے۔ اس کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں یہ بات ہے اس لئے اس سے بچو۔ اگر وہ حقیقت پر مبنی ہو اور اس نیت سے ہو اور مزید براں اگر ساتھ یہ نیت بھی شامل ہو کہ وہ شخص اگر اس بات کو سنے گا تو مانے گا تو نہیں لیکن اس کو تکلیف پہنچے گی تو اس تجزیے میں یہ ہرگز غیبت نہیں بلکہ نہایت ہی پُر حکمت فعل ہے۔ وہ جو حدیث زیر بحث ہے اس کے متعلق میں سمجھتا ہوں یہی اس کی سچی تشریح ہے کہ بسا اوقات جیسا کہ ہم عام روزمرہ معاملات میں دیکھتے ہیں ایک شخص کے متعلق بعض باتیں ہیں جو ایک مجلس کے محدود افراد جانتے ہیں اور ان کے علم میں کوئی اضافہ بھی نہیں ہو رہا ہوتا وہ اس شخص کے متعلق بات چلتی ہے جب وہ اچانک اندر داخل ہوتا ہے تو سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ کیوں خاموش ہو جاتے ہیں؟ اس لئے نہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے تھے، اس لئے نہیں کہ وہ اس کے علم کے بغیر اس کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے بلکہ اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے، اس کو اذیت نہ ہو اور غیبت کے مضمون میں اذیت نہ پہنچانے کا مضمون داخل ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو مزید اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جو کسی کی غیبت کرتا ہے جس سے وہ غیبت کرتا ہے اگر وہ بات اپنے تک رکھے اور آگے نہ پہنچائے تو اس غیبت کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی کسی کی طرف تیر پھینکے اور وہ تیر اس کو نہ لگے اور لگنے سے پہلے پہلے اس کے قدموں میں گر جائے۔ فرمایا وہ شخص جو غیبت کو سن کر آگے اس شخص تک پہنچاتا ہے جس کے متعلق بات کی گئی تھی اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے وہ پاس کھڑا ہو جب وہ تیر قدموں میں گرا ہو۔ قدموں سے اُٹھا کر اس کے سینے میں گھونپ دے (حوالہ۔۔)۔

تو دیکھیں کتنی عظیم الشان پُر حکمت تعریف ہے غیبت کی اور غیبت سے مناہی کا فلسفہ بیان

فرما دیا۔اصل مراد یہ ہے کہ بھائی سے کسی بھائی کو تکلیف نہ پہنچے۔اگر انسان غائبانہ تکلیف اس طرح پہنچانا چاہے کہ اس کے خلاف کسی کے کان بھرے تو یہ بات اس تک پہنچے نہ پہنچے یہ غیبت بن جائے گی۔اگر اس نیت سے نہ بھی کی ہو اور بات کسی کے خلاف کہی ہو تو جس نے سنا ہے اس کے پاس یہ امانت ہے اس کا فرض ہے کہ اس میں خیانت نہ کرے۔یا تو اس کو ٹوک دے اور سمجھائے کہ تم نے ایک شخص کے متعلق غائبانہ بات کر دی،تمہارے لئے مناسب نہیں تھا یا پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بات آگے پہنچانے سے احتراز کرے کیونکہ جب اس نے بات سنی اور خاموشی اختیار کی تو وہ لازماً اس کا مؤید بن گیا۔اس صورت میں یہ غیبت ان معنوں میں نہ رہی جن معنوں میں میں ایک حصے کی تعریف کر چکا ہوں۔یعنی ایک شخص نے ایک ایسے شخص سے بات کی کسی شخص غائب کے متعلق جس کی اس برائی میں دونوں متفق ہیں تو کیا نقصان ہوا اس شخص کو جب دونوں متفق ہیں تو بات کہنے والے نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے کسی کو غائبانہ نقصان پہنچا لیکن جب وہ سننے والا وہاں اتفاق کرنے کے بعد پھر تکلیف اٹھا کر دوسرے شخص تک پہنچتا ہے اور اسے وہ بات بتاتا ہے تو اس کی مثال وہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا جیسے تیر کسی کی طرف چلایا گیا ہو، لگا نہ ہو، اس کے سامنے قدموں میں جا پڑے اور کوئی شخص اٹھا کر اس کے سینے میں گھونپ دے۔وہ زیادہ ظالمانہ فعل ہے کیونکہ پہلے شخص نے تو کم سے کم کچھ احتیاط کی تھی کہ اس کو تکلیف نہ پہنچے لیکن دوسرے شخص نے سفا کی سے کام لیا ہے اس لئے غیبت کی اس تعریف کو پیش نظر رکھنا چاہئے **لیکن بعض دفعہ یہ معاملہ الجھ جاتا ہے جبکہ جماعتی معاملات ہوں اور نظام جماعت کے متعلق باتیں ہوں اور کوئی شخص کوئی بات کہیں کرتا ہے تو کیا اس بات کو متعلقہ عہدیدار تک نہ پہنچانا یہ مناسب ہے یا پہنچا دینا غیبت ہوگا؟ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس پر مزید روشنی ڈالنی ضروری ہے۔**

پہلے حصے کے متعلق میں جتنی روشنی ڈال چکا ہوں، جن لوگوں سے اس واقعہ کا تعلق ہے وہ بھی خطبہ سنیں گے اور وہ سمجھ چکے ہوں گے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس نصیحت سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن ایک دوسرا حصہ ہے جس کو مزید وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

میرے پاس بسا اوقات کئی دوست تشریف لاتے ہیں اور وہ بعض لوگوں کے خلاف بات کرتے ہیں عموماً میں ان کو روک دیتا ہوں۔اگر ایسی بیوی آئی ہے جو خاوند سے ناراض ہے، خاوند آیا

ہے جو بیوی سے ناراض ہے، رشتے داروں کے جھگڑے ہیں تو میں ان کو سمجھا تا ہوں کہ جہاں تک تکلیف کے اظہار کا تعلق ہے اور دعا کے لئے تحریک کرنے کا تعلق ہے میرا دل کھلا ہے تم مجھ سے اپنے سب آزار بیان کرو لیکن میاں بیوی کے اور رشتے داروں کے ایسے اختلافات جو شرعی تنازعہ بن سکتے ہیں ان کے متعلق میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا کہ کوئی بات کرو کیونکہ آخری صورت میں ان کا تنازعات کی اپیل مجھ تک پہنچتی ہے اصولاً اور میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں ایسے تنازعے میں یکطرفہ باتیں سن لوں جن کا یکطرفہ اثر میرے دل پر قائم ہو جائے اور بعد میں اس بات کا احتمال موجود ہو کہ کسی وقت میں فیصلے کی کرسی پر بیٹھا ہوں اور وہی باتیں مجھ تک پہنچ رہی ہوں۔ ان پرانے اثرات کو مٹانا پھر آسان نہیں ہوتا اور اگر میں یہ باتیں سنوں اور دوسرے فریق کو پھر موقع دوں تو میری ساری عمر انہی جھگڑوں کو طے کرنے میں گزر جائے گی یعنی خلافت کا کام ہی اور کوئی نہیں رہا سوائے اس کے کہ ساس کی باتیں سنے اور پھر بہو سے گفتگو کرے اور پھر بہو کے جوابات سنے اور ساس تک پہنچائے یا اختلاف کرنے والے میاں بیوی کے درمیان ایک Go Between بنا رہے یعنی ادھر سے ادھر بیڈمنٹن کی چڑیا کی طرح۔ یہ تو خلافت کا کام نہیں ہے۔ بعض لوگ احتجاج کرتے رہتے ہیں لیکن میں بھی جواباً ان کو کہتا رہتا ہوں کہ نہیں بس میں نے نہیں سننی۔ دعا کی حد تک کہو اس سے آگے نہ بڑھو۔

یہی طریق تمام امراء کو اختیار کرنا چاہئے جن کے پاس قضاء کے آخری جھگڑے پہنچنے والے ہوں۔ اگر ان کے پاس وقت ہے اور وہ معاملہ سلجھانے کی خاطر نہ کہ قضاء کے نمائندے کی حیثیت سے وہ ایک فریق کی بات سننا چاہتے ہیں تو اگر انہوں نے دوسرے فریق کو بعینہٖ موقع نہ دیا تو یہ ناانصافی ہوگی۔ پھر چغلی میں شریک ہونے والی بات ہوگی اور دوسرے فریق کو بات پہنچانا یہ چغلی نہیں ہے۔ یہ معاملہ ہے جو میں وضاحت سے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جن لفظوں میں کسی نے شکایت کی ہے انہی لفظوں میں وہ بات پہنچائی جائے۔

صرف یہی ایک صورت نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ جماعتی شکایات بھی مجھے بعض امراء کے خلاف بڑے بڑے سخت لفظوں میں ملتی ہیں۔ بعض عہدیداران دوسرے عہدیداران کے خلاف بڑے بڑے سخت لفظوں میں لکھ دیتے ہیں اور بعض دفعہ یہ بھی مناسب نہیں ہوتا کہ اس شخص کا نام بھی لکھا جائے لیکن جس کے خلاف شکایت ہے اس کا حق ہو گیا مجھ پر کہ میں اس کو بتاؤں کہ تمہارے خلاف

یہ شکایت ہے۔ چنانچہ میں پوری احتیاط کے ساتھ پرائیویٹ سیکرٹری کو سمجھا تا ہوں کہ یہ کلمے تم نے نہیں لکھنے یہ اس کے دل کی تلخی ہے اور اگر یہ کلمے ہم اس تک پہنچا ئیں گے جس شخص کے متعلق اس نے بات کی ہے تو وہ فتنہ شروع ہو جائے گا جس سے روکنے کے لئے قرآن کریم نے غیبت سے رکنے کی تعلیم دی ہے لیکن انصاف کے تقاضے کی حد تک جو شکایات کی روح ہے، جو شکایات کا حقیقی مضمون ہے وہ اس شخص تک پہنچانا ضروری ہے جس کے خلاف یکطرفہ شکایت کی گئی ہے ورنہ یہ بھی غیبت بن جائے گی۔ پس یہ دو انتہا ئیں ہیں جن کے درمیان قائم رہ کر قدم اٹھانا ہی پل صراط پر سے کامیابی سے گزرنا ہے۔ جہاں ان باتوں سے لاعلمی کی وجہ سے یا تقویٰ کی کمی کی وجہ سے لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ٹھوکریں کھا جاتے ہیں وہاں ان سے بعض دفعہ جماعت میں بہت بڑے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اب میں آپ کو اس مثال کو مزید واضح کر کے بتا تا ہوں۔ ایک شخص ہے جس نے جماعت کے معاملے میں غیرت کا اظہار نہیں کیا۔ ایک شخص ایک غیر ہے مثال کے طور پر ایک مجلس میں وہ سلسلے کے متعلق بیہودہ باتیں کرتا ہے، ایک احمدی وہاں بیٹھا ہوا ہے ایک اور غیر احمدی بھی بیٹھا ہوا ہے۔ ایک غیر احمدی اٹھ کر سلسلے کا دفاع کرتا ہے لیکن احمدی کو توفیق نہیں ملتی۔ یہ ایک قسم کی منافقت ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس لفظ منافقت کو استعمال کئے بغیر اگر اس شخص کی اصلاح ممکن ہو تو کیوں نہ کی جائے، اسے کیوں نہ سمجھایا جائے؟ اس کی بجائے اگر یہ معاملہ انسان امیر تک پہنچا دے تو اس کو اس ذمہ داری کے ساتھ پہنچانا چاہئے کہ میں اس نیت سے اس وجہ سے آپ کو بتا رہا ہوں اس معاملے میں اقدام کریں اور اس سے پوچھیں یا اس کو سمجھا ئیں تو یہ بھی غیبت نہیں ہے۔ یہ ایک فرض ہے جو پورا کرنا ضروری تھا لیکن اگر امیر وہاں ہاں میں ہاں ملا کر بیٹھ جائے اور دونوں اپنی طرف سے یہ فتویٰ صادر کر کے مطمئن ہو جائیں کہ ہاں یہ منافقت ہے تو یہ غیبت بن جائے گی اور اس غیبت میں دونوں شریک ہوں گے۔ امیر بھی شریک ہوگا اور پہنچانے والا بھی شریک ہوگا۔ یہ ایک بہت تکلیف دہ چیز ہے جو آئندہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کہنے والے کی نیت کیا تھی اور یہاں وہ نیتوں کا گہرا مضمون ہے جس کے متعلق میں روشنی ڈال رہا ہوں کہ نیتوں کی جڑیں بعض دفعہ اتنی گہری ہوتی ہیں کہ انسان خود واقف نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ بڑی مشقت اور محنت سے اس

بات کی عادت ڈالے کہ سب سے زیادہ تنقید اپنے نفس پر کیا کرے اور سب سے زیادہ تنقید اپنے دل کی گہرائی سے اٹھنے والے خیالات پر کیا کرے۔ پہچان تو لیا کرے کہ وہ ہیں کیا؟ بعد میں ان سے بچ سکے نہ بچ سکے یہ ثانوی معاملہ ہے۔ اگر بعد میں ان سے نہ بھی بچ سکے تو اس کا کم نقصان دوسروں کو پہنچے گا اگر وہ پہچانتا ہو کہ یہ ہے کیا چیز، یہ چیز کیا تھی اور یہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں میرے سامنے بہت سے ایسے معاملات ہیں ان پر میں چسپاں کر کے آپ کو بتا رہا ہوں یہ بالکل حقیقت ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے نفس کی کمزوریوں سے آگاہ ہو اگر وہ کمزوریوں سے، بعض کمزوریوں سے نہ بھی بچ سکے اس کا جماعتوں کو نقصان نہیں ہوا کرتا الاّ ماشاء اللہ۔ سوائے اس کے کہ وہ شریر النفس ہو۔ اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اور کیونکہ وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ بسا اوقات اس کو معاف بھی فرما دیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس کی اصلاح بھی فرما دیتا ہے لیکن جو شخص واقف ہی نہیں ہے کہ میرے دل میں یہ بات کیوں اٹھی اور یہ اقدام میں نے کیوں کیا وہ بعض دفعہ اپنی ہلاکت کا بھی موجب بن جاتا ہے اور بعض دفعہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ اب یہ چھوٹی سی مثال ہے بظاہر کتنی معصوم سی بات ہے کہ ایک شخص نے ایک احمدی کی دینی بے غیرتی کا علم پا کر امیر سے اس کے متعلق بات کی اور شکوہ کیا اور دونوں اس بات میں شریک ہو کر خاموش ہو گئے۔ اب وہ کیوں ایسا ہوا؟ اصل بات یہ ہے اگر وہ اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں تو ان دونوں نے کچھ نہ کچھ لطف اس بات کا اٹھایا کہ وہ تو کمزور ہے لیکن ہم نہیں ہیں، وہ دینی لحاظ سے بے غیرت ہے لیکن ہم نہیں ہیں۔ ہم اس چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور بتانے والے نے بھی اگر اس نیت سے بتایا ہوتا کہ اس کی اصلاح ہو تو ساتھ درخواست کرنی چاہئے تھی کہ امیر صاحب میری آپ سے درخواست ہے کہ حکمت کے ساتھ، معاملہ فہمی کے ساتھ اس شخص کی اصلاح فرمائیں لیکن یہ نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کا چسکا پورا کیا ہے اور اپنے دل میں مطمئن ہو گیا کہ الحمد للہ میں نے اپنی اعلیٰ غیرت کا اظہار کر دیا۔

اب ایسا شخص عام دنیا کے حالات میں متقی بھی ہو سکتا ہے اور ہوتے ہیں اور قربانیوں کے اعلیٰ معیار پر بھی قائم ہوتے ہیں۔ صاف گو، سچائی پر قائم لیکن یہ بہت سی باریک راہیں ہیں جن راہوں کے اوپر پوری روشنی نہیں پڑ رہی ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہمیں یہ دعا سکھائی کہ رَبَّنَآ

اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ (التحریم: ۹) یہ دعا کرتے رہو ہمیشہ کہ اے خدا ہمارا نور مکمل کرتا چلا جا کیونکہ تقویٰ کی عام راہیں تو روشن ہیں ان پر غلط قدم وہی اٹھاتا ہے جو غیر متقی اور شریر اور عمداً گناہ کرنے والا ہو لیکن جو باریک راہیں ہیں وہاں بعض دفعہ روشنی کی کمی کی وجہ سے، لاعلمی کے نتیجہ میں انسان غیر متقیانہ بات کر جاتا ہے اور اس کو پتا بھی نہیں لگتا کہ میں نے کی ہے۔ چنانچہ جو مثال میں دے رہا ہوں اس میں بعینہٖ یہی بات ہے۔ میں جانتا ہوں ان لوگوں کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ خدا کے فضل سے دین کے معاملے میں بڑی غیرت دکھانے والے، تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز، یعنی کھلے کھلے تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز، نمازی، پرہیزگار، دعا گو، سلسلے کی خاطر مالی قربانی کرنے والے اور اپنا وقت دینے والے لیکن ایک چھوٹی سی بات میں اپنی لاعلمی میں یا روشنی کی کمی کی وجہ سے ٹھوکر کھا گئے۔ اب یہ بات ایک ٹائم بم کے طور پر وہاں پڑی رہ گئی یعنی ایسے آتش فشاں مادے کے طور پر جس کی آتش فشانی کیفیت موجود ہے اگرچہ وہ پھٹا نہیں۔ بعد ازاں ان دونوں کا کسی معاملے میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ امیر کا اور اُس کا کسی معاملے میں خواہ وہ جماعتی ہو یا ذاتی ہوا اختلاف ہو سکتا ہے اور وہ جو پرانا ٹائم بم امیر صاحب کے دل میں محفوظ تھا اس کی یاد میں محفوظ تھا وہ اس شخص تک پہنچا دیتے ہیں جس شخص کے متعلق یہ بات ہوئی تھی۔ اب ایسے موقع پر اس امیر کی مثال بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی کہ تیر چلایا تھا جس پر چلایا تھا اس کے قدموں میں آ گرا اور اس کو نقصان نہیں پہنچا اور کسی پاس کھڑے ہوئے آدمی نے وہ تیر اٹھایا اور اس کے سینے میں گھونپ دیا اور اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا۔ بہت سخت اشتعال پیدا ہوا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آغاز کس بات سے ہوا تھا؟ جس بات کا آغاز تقویٰ سے ہوا ہو اس کے نتیجے میں یہ بدیاں نہیں پیدا ہوا کرتیں اس لئے یہ بحث فضول ہے کہ کس کا قصور ہے اور کس کا نہیں ہے؟ ایسے معاملات میں دونوں کا قصور ہے۔ جس نے بات کی اور اس وقت کھول کر انہیں بیان نہیں کیا کہ میری نیت یہ ہے اور یا اس بات کو بیان کرنے سے پہلے خود اس صاحب تک پہنچ کر یہ بیان نہیں کیا کہ مجھ تک بات پہنچی ہے، مجھے صدمہ پہنچا ہے، مجھے آپ سے توقع نہیں تھی تو ان دونوں صورتوں میں وہ اپنے فرض کو صحیح ادا نہیں کر سکا اور اس نے ایک فتنے کا خطرہ مول لے لیا اور چونکہ امیر نے بھی تقویٰ سے کام نہیں لیا اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا واضح ارشاد تھا اس کی واضح خلاف ورزی کی اس کے نتیجے

میں یہ زخم ضرور پہنچنا تھا اور ایک فتنہ پیدا ہونا تھا جو مقدر تھا ان حالات میں اس کو پھر ٹالا نہیں جا سکتا لیکن جب یہ باتیں ہو جائیں پھر کیا کرنا چاہئے؟ یہ بھی ایسا مضمون ہے جس کے متعلق جماعت کو خوب کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ تو فرمایا ہے کہ یکطرفہ بات سن کر کسی وقت اس کو دوسرے تک پہنچانے والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے تیر اٹھا کر سینے میں گھونپ دینے والے کی ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اس کے نتیجے میں اس شخص کو کیا کرنا چاہئے جس کو تیر مارا گیا ہو اس لئے یہ وہ پہلو ہے جس پر آنحضرت ﷺ کی سنت سے جہاں روشنی پڑتی ہے ان معاملات کو پیش نظر رکھ کر آپ کو نصیحت کروں۔ ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کو اپنے متعلق کسی کی مخالفانہ بات پہنچے وہ بھڑک اٹھے اور جوابی کارروائی اس طرح کرے کہ وہ بات جو ابھی تک یکطرفہ ایذا رسانی کی حد تک ہے وہ دوطرفہ جنگ میں تبدیل ہو جائے۔ عفو کس بلا کا نام ہے۔ عفو اسی کو کہتے ہیں کہ ایک انسان اپنے بھائی سے دکھ اٹھائے اور خاموش رہے اور صبر کرے اور اگر انسان ایک خلق میں نقصان اٹھا بیٹھا ہے اور اس خلق کے اعلیٰ تقاضوں کو پورا نہیں کر سکا تو خدا تعالیٰ نے مومن کو اور بھی صفات عطا فرمائی ہیں۔ دوسری صفات اس کی حفاظت فرما دیتی ہیں اور کئی قسم کی مشکلات اور مصیبتوں سے وہ بچ سکتا ہے اس لئے مومن ایک طرف سے حفاظت نہیں دیا گیا ہر طرف سے حفاظت دیا گیا ہے۔ جب تک ساری دیواریں نہ ٹوٹیں اس وقت تک مومنوں کی جماعت میں فتنہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

پس میری یہ نصیحت ہے اس شخص کو اور ساری جماعت کو جو اس قسم کے معاملات میں خدانخواستہ کبھی ملوث ہو کہ ایسے موقع پر سب سے پہلا ردعمل یہ ہونا چاہئے کہ انسان درگزر سے کام لے اور بجائے اس کے کہ بھڑک اٹھے اور اس شخص کو گالیاں دے اور پھر وہ امیر سے باتیں کرے اور امیر اور اس کے درمیان پھر توں توں میں میں ہو اور اچھی بھلی سنجیدہ جماعت جو عام دنیا کے حالات میں متقی، پرہیزگاروں کی جماعت ہے، خدا کی راہ میں خدمت کرنے والوں کی جماعت ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح یا گھٹیا عورتوں کی طرح آپس میں لڑنے لگے اس کی بجائے اور بھی راہیں ہیں جو اگر اختیار کی جاتیں تو معاملہ سلجھ سکتا تھا۔ جس شخص نے یہ بات سنی تھی اس کا اوّل تو یہ فرض تھا اگر وہ خود متقی تھا کہ امیر کو کہے کہ جناب آپ مجھے یہ بات کیوں پہنچا رہے ہیں، کب آپ نے سنی

تھی؟ چھ مہینے ہو چکے ہیں۔ اس وقت تک آپ اس کو دل میں پالتے رہے ہیں اب مجھے یہ بتائیں کہ کیوں مجھے بتایا جا رہا ہے۔ اگر الٹ کر امیر کو وہ یہ بات کہتا تو یہ فتنہ امیر پر الٹتا اور وہ اپنی غلطی کا ذمہ دار ہوتا اور اس کو اپنا دفاع انصاف کرنا پڑتا لیکن سننے والے نے اس بات کو اس طرح سنا کہ اب موجودہ حالات میں یہ امیر مجھ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے بہ نسبت اس شخص کے اور اب ایک تعلقات کے نئے دائرے یہاں پیدا ہوں گے۔ وہ شخص جو پہلے امیر کے قریب تھا اب امیر سے دور ہو جائے گا۔ اب میں امیر کے دائیں طرف آ گیا ہوں اور اس وجہ سے میں روشنی میں ہوں اور فلاں وہ اندھیرے میں ہے اب ہم دونوں مل کر اس کو سیدھا کریں گے اور اس کو اپنے ٹکانے لگائیں گے۔ یہ باتیں ان الفاظ میں اس کے دل میں پیدا ہوں یا نہ ہوں جب وہ یہ یکطرفہ بات سن کر مشتعل ہو کر اس دوست کے گھر پہنچتا ہے جس کے ساتھ اس کے جس کی بیوی کے اس کی بیوی کے ساتھ تعلقات، جن کے بچے آپس میں پیار محبت کے رشتے رکھنے والے اور جا کر ان پر برس پڑتا ہے اور کہتا ہے تم کون خبیث ہو جو ایسی باتیں کرو، تم منافق ہو گے، تمہارے فلاں فلاں منافق ہوں گے۔ میں کہاں سے منافق آ گیا اور یہ بات بھی نہیں سمجھتا کہ اس نے جو حرکت کی تھی وہ تھی تو منافقانہ۔

منافقت کو منافقت اس طرح قرار دینا جس کے نتیجے میں تکلیف پہنچے یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن جس سے حرکت ہوا اس کو کچھ شرمندگی تو ضرور ہونی چاہئے۔ ایک دوسرا ردعمل اس کے اندر یہ پیدا ہونا چاہئے تھا کہ اس نے جو بات بیان کی ہے اگر چہ اس کا طریق درست نہیں ہے اس طرح کرنی نہیں چاہئے تھی مگر غلطی مجھ سے ہو گئی ہے اور مجھے دینی غیرت دکھانی چاہئے تھی۔ اس کو چاہئے تھا کہ وہ ان تک پہنچتا اور اگر کوئی جواز تھا تو یہ بیان کرتا۔ اگر کوئی جواز نہیں تھا تو تسلیم کرتا مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے مگر مجھے آپ سے بھی توقع نہیں تھی کہ مجھ پر تو منافقت کا الزام لگا رہے ہیں اور آپ خود آنحضرت ﷺ کی نصیحت کو پس پشت پھینک رہے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں کہ کیا حرکت کر رہے ہیں۔ ایک ایسے بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں جو آپ کے لئے مردہ تھا، دفاع نہیں کر سکتا تھا اور لطف کی یا تکلیف کی بات یہ ہے کہ اب یہ سہ طرفہ لڑائی شروع ہوئی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کو یہ طعنہ دے رہے ہیں تم مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے ہو۔ حالانکہ کچھ نہ کچھ سب نے چکھا ہے۔ جس نے احمدیت کے متعلق الزام تراشی سنی اور خاموش رہا اور بے غیرتی کا نمونہ دکھایا وہ بھی تو احمدیت کا گوشت کھانے والا

تھا۔اس کا فرض تھا کہ وہ مجلس سے اٹھ جاتا یا اٹھ کر دفاع کرتا۔ایک غیر احمدی کو تو توفیق مل گئی دفاع کرنے کی مگر اس کو نہیں ملی۔اس لئے اسے نرم لفظوں میں کہا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہو جہاں اس کو ان باتوں کی سمجھ نہ ہو اور امر واقعہ یہی ہے کہ وہ شخص جس کے متعلق بات کی جاتی ہے وہ ایسے ماحول کا پرورش یافتہ ہے جہاں اس کی تربیت گہری ہو نہیں سکتی تھی۔اس کی یہ سعادت ہے کہ وہ اس ماحول کے باوجود احمدیت سے تعلق رکھتا ہے۔اس میں اور بھی کمزوریاں ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر بعض اور بھی اعتراض کرتا ہے۔بعض چندوں پر اعتراض کر دیتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے شخص کو سنبھالنے کی کوشش کی جائے۔اس سے حسن سلوک کیا جائے،اس کی پردہ پوشی کی جائے،اس کی دل آزاریوں کو بھی برداشت کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ سنبھل جائے اور دن بدن بہتر احمدی ہوتا چلا جائے اس لئے اس پس منظر میں اس پر یہ سخت الفاظ تو صادق نہیں آتے کہ وہ منافق ہے اور وہ بے غیرت ہے مگر میں نے جو الفاظ کہے ہیں یہ ان معنوں میں کہ وہ لوگ جو تربیت یافتہ ہیں،جن کو بچپن سے احمدیت کی روایات کا علم ہے،جن کو آنحضرت ﷺ کی سنت اور کردار کا علم ہے وہ اگر ایسی بات کریں تو ان کے لئے یقیناً یہ منافقت یا بعض دفعہ غداری بھی کہا جاسکتا ہے اور دین سے بے غیرتی بھی کہا جاسکتا ہے یقیناً ان تینوں میں سے کسی چیز کے مرتکب ہوئے ہیں۔

تو بہر حال وہاں ان باتوں کو ملحوظ نہ رکھنا ایک کمزور آدمی کی کمزوری کو سمجھتے ہوئے،اس کی اصلاح کی کوشش نہ کرنا اور اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو فتنوں کا موجب بنالینا ایک جماعتی خودکشی کے مترادف ہے اور ایک دوسرے کے روحانی قتل کے مترادف ہے۔چھوٹی سی جماعت ہو اس میں ایسی ناپاک فضا پیدا ہو جائے اور چھوٹے چھوٹے معاملات اس قسم کے جھگڑوں تک پہنچ جائیں جہاں انفرادی طور پر ہر شخص خدا کے فضل سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے شریعت کے تمام تقاضے پورے کرنے والا ہو۔یہ بات ہمیں بتاتی ہے کہ **انسان ہر وقت خطرے میں ہے۔کوئی امن کی حالت میں نہیں ہے صرف خدا کا فضل ہے جو انسان کے اوپر امن کا سایہ کئے رکھے تو انسان بچ سکتا ہے** اور جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں متنبہ فرمایا تھا وہاں یہ نہیں فرمایا کہ شیطان چھپ کر کمزوروں کی گھات میں بیٹھتا ہے اور مومنو تم اس سے بالکل بری ہو بلکہ تمام ابناء آدم کو مخاطب کیا ہے اور متنبہ فرمایا ہے کہ

دیکھو شیطان پہلے بھی تمہارے معاملات پر چھپ کر حملے کر چکا ہے، تم پر پھر بھی چھپ کر حملے کر سکتا ہے اور ضرور کرے گا۔ اس لئے شیطان کا چھپ کر حملہ کرنا سب پر عام ہے اور اس میں نیک و بد، چھوٹا بڑا سب برابر کے شریک ہیں۔ ایک وعدہ ہے قرآن کریم کا اور وہ یہ ہے کہ جو میرے بندے ہوں گے ان پر شیطان جو چاہے کرے غلبہ نہیں پا سکے گا۔

میں جماعت سے توقع رکھتا ہوں کہ ان بندوں میں شامل ہوں۔ عہدیدار ہوں یا غیر عہدیدار ہوں وہ شیطان کے حملوں سے تو نہیں بچ سکتے لیکن فراست سے، اگر مومن کی فراست سے کام لیں تو شیطان کو اس کی کمین گاہوں میں دیکھ ضرور سکتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مومن کے متعلق اس توقع کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے، اس کی فراست سے ڈرو۔ تو وہی لوگ ہیں جو خدا کے نور سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن پر کوئی پہلو دنیا کے معاملات کا اوجھل نہیں رہتا۔ کوئی جگہ ان کی اندھیرے میں نہیں رہتی اور اس پر روشنی پڑتی رہتی ہے۔

قرآن کریم نے اسی لئے ہمیں نصیحت فرمائی کہ اس معاملے میں خدا سے مدد چاہا کرو۔ مومن ہوتے ہوئے بھی خطرہ ہے کہ تم بعض اندھیروں میں ٹھوکر کھا جاؤ۔ لاعلمی اور جہالت کے اندھیرے بھی ہیں، تمہارے اپنے نفس کی جہالت کے اندھیرے بھی ہیں، عدم تربیت کے اندھیرے بھی ہیں، تقویٰ میں کمی کے اندھیرے بھی ہیں، کئی قسم کے اندھیرے ہیں جن میں ہم نے اپنی زندگی کا سفر کرنا ہے اور خدا ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ ان سب اندھیروں میں کہیں نہ کہیں کوئی شیطان چھپا بیٹھا ہوگا اور وہ تم پر حملہ کرے گا اور تمہیں اور تمہاری جماعت کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ تم خدا کے نور سے دیکھنا اور اگر تمہیں وہ نور پوری طرح میسر نہیں اور کسی شخص کو پوری طرح میسر نہیں آ سکتا تو ضرور دعا سے اپنے لئے مدد چاہنا۔ اگر تم یہ دعا کرتے رہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے نور کو بڑھائے گا اور تمہارے ہر اندھیرے کو روشنی میں تبدیل فرما دے گا۔ یہ وہ دعا ہے جس کے متعلق پہلے بھی میں نے جماعت کو نصیحت کی تھی۔

اس معاملے کے بقیہ پہلوؤں کو اگر ضرورت ہوئی تو میں آئندہ زیر بحث لاؤں گا ورنہ سردست اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ ہاں ایک بات ہے میں اس کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان سب باتوں کے باوجود پھر بھی ان لوگوں کو آپس میں لڑنے کا کوئی حق نہیں ہے اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سچی محبت ہے، اگر وہ اس کے خلیفہ سے تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نصیحت پہنچاتا ہوں کہ سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو۔ اگر تم اپنے سچے ہونے کی تعلیاں لے کر ایک دوسرے کو جھوٹے قرار دیتے رہو گے تو انسانی نفس اتنا دھوکا دینے والا ہے کہ سچے بھی ویسے ہی نظر آئیں گے جیسے جھوٹے نظر آئیں گے اور جھوٹے اور سچے میں تفریق ان جھگڑوں کے ذریعہ ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر تم توقع رکھو گے کہ نظام جماعت تمہاری آنکھوں سے تمہارے معاملات کو دیکھے اور اگر امیر اس نظر سے نہ دیکھے تو تمہیں امیر جھوٹا نظر آئے گا۔ یہ ایک لامتناہی فتنوں کا سلسلہ ہے جو کبھی بند ہونے میں نہیں آئے گا۔

اس لئے ایک ہی نسخہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو۔ تم میں سے وہ جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ سچا اور بری الذمہ سمجھتا ہے اس کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس آواز کو سن کر وہ پہل کرے اور اپنے بھائی کا جا کے دروازہ کھٹکھٹائے اور اس سے معافی مانگے اور اس سے کہے کہ میرے نفس نے جو کچھ بھی سمجھا ہے میں اس کو نظر انداز کرتا ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز کو اپنے نفس کی آواز بنا رہا ہوں اس لئے اس آواز کی پیروی میں تم سے اس طرح معافی مانگتا ہوں گویا سارا قصور میرا تھا۔ اگر وہ یہ طریق اختیار کریں تو یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے مٹ سکتا ہے اور جو اس کے بد اثرات ہیں خدا تعالیٰ کی تقدیر ان کو اس طرح مٹا دے گی جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ایک نئی جماعت اور ایک نئی زندہ رہنے والی اور ہمیشہ زندہ رہنے والی جماعت اس جماعت سے نکلے گی لیکن اگر وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں اسی طرح الجھے رہے اور اپنی سچائی کی تعلیاں بیان کرتے رہے تو نہ صرف وہ تباہ ہوں گے بلکہ ان کے اردگرد سارا ماحول تباہ ہو جائے گا۔ کچھ لوگ جو ابھی ملوث نہیں ہوئے کوئی ایک کے ساتھ ملوث ہو جائے گا کوئی دوسرے کے ساتھ ملوث ہو جائے گا اور پھر وہ امیر کو بھی ملوث کریں گے ملک کے امیر کو اور پھر مجھے شکایتیں لکھیں گے کہ اس ملک کے امیر نے بھی تقویٰ سے کام نہیں لیا۔ یہ دلائل ہمارے تھے، وہ دلائل ان کے تھے اس نے ان کی باتیں سن لیں اور ہماری نہیں سنیں۔

میں ان کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بہت سے احمدی ہیں جن کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ جیسا کہ میں نے بیان کیا عام حالات میں متقی ہیں اور ان کی میرے دل میں بہت جگہ ہے اور بعض متقی نہ بھی ہوں تو میں ان سے آہستہ آہستہ تقویٰ کی توقع رکھتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ رفتہ رفتہ رو بہ اصلاح ہیں اور ان کی بعض خوبیوں کی وجہ سے بھی ان سے گہرا تعلق رکھتا ہوں۔ **اس قسم کے یہ لوگ جب آپس میں لڑ پڑیں تو ان کو یہ سوچنا چاہئے کہ میرے دل میں تینوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ عملاً میرے دل کو پھاڑتے ہیں۔ کیسی میری بے اختیاری کی حالت ہوتی ہے، کیسی میری تکلیف کی حالت ہوتی ہے کہ دل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے نفرت کرتا ہے اس کو دھکیل رہا ہوتا ہے۔ سوائے اس کے میں کچھ نہیں کرسکتا کہ بالآخر تینوں کو اس دل سے باہر نکال پھینکوں۔ اگر وہ اس وقت اس پر آمادہ ہیں تو پھر جو چاہے کرتے پھریں لیکن اگر وہ میرے دل میں اپنی جگہ کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ مجھ سے محبت رکھتے ہوئے میرے دل کے ٹکڑے کریں** اور اس کو پھاڑنے کی کوشش کریں اس لئے نہ صرف یہ کہ آپ نصیحت پکڑیں اپنے ماحول کو سنبھالیں ورنہ لازماً اچھی جماعت ہونے کے باوجود یہ جماعت ہمیشہ کے لئے تنزل کا شکار ہو جائے گی اور یہ فتنہ ارد گرد پھیل کر مزید جماعت کے ٹکڑے کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان فتنوں سے بچیں۔ اب یہ چھوٹی سی مثال غیبت کی تھی۔ دیکھیں کہاں سے بات نکلی کہاں تک پہنچی۔ **اب آپ کو علم ہوگا کہ قرآن کریم نے کیوں اس جلال اور شان کے ساتھ آپ کو متنبہ فرمایا تھا کہ ہرگز غیبت میں مبتلا نہ ہونا یہ مردہ بھائی کے گوشت کھانے والی بات ہے۔**

امیر کی پشت پناہی وقت کا خلیفہ کرتا ہے اور خلیفہ کی پشت پناہی خدا فرماتا ہے۔نظام جماعت کی حفاظت خلیفہ کا کام ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ / اگست ۱۹۹۱ء بمقام ناصر باغ گروس گیراؤ۔ جرمنی)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

گزشتہ خطبہ میں میں نے ایک نیا سلسلہ مضامین شروع کیا ہے جس کا تعلق تقویٰ سے ہے۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ تقویٰ کی کمی کے نتیجہ میں یا خود اپنی حالت سے غفلت کے نتیجہ میں اور آخری تجزیہ کے طور پر دراصل یہ ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔ انسان بسا اوقات ایسی غلطی کرتا ہے اور اس غلطی پر اصرار کرتا چلا جاتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں خود بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور اگر وہ معاملہ جماعت کے نظام سے تعلق رکھتا ہو تو کثرت سے دوسروں کے لئے بھی ٹھوکر کا موجب بن جاتا ہے اور اسی طرح دنیا میں آئے دن فتنے پلتے اور سر اٹھاتے ہیں۔ جہاں تک انفرادی غلطیوں کا تعلق ہے انسان کا اپنے خدا سے معاملہ ہے اور انفرادی غلطی خواہ کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو جماعتی غلطی کو ہے کیونکہ جماعتی غلطی کے نتیجہ میں نظام برباد ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے نسل در نسل لوگوں کے لئے ٹھوکر کھانے کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں ایک آدمی نہیں ڈوبتا بلکہ ہزاروں لاکھوں بعض دفعہ کروڑوں کو لے ڈوبتا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے میرا طریق یہ رہا ہے کہ جماعتوں میں جب بھی اس قسم کے فتنوں نے سر اٹھایا پیشتر اس کے کہ وہ سر اٹھتا ان فتنوں کی خوب اچھی طرح بیخ کنی کرنے کی توفیق ملی لیکن یہ معاملہ میرے اور ان جماعتوں کے درمیان خط و کتابت کی حد تک ہی محدود رہا۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایسے معاملات ہیں کہ ساری جماعت کے علم میں آنے چاہئیں اور ساری جماعت کو معلوم ہونا چاہئے کہ فتنہ کیا ہے؟ کس طرح پلتا ہے کس طرح سر اٹھاتا ہے اور کس طرح بعض دفعہ بڑے بڑے متقی نظر آنے والے انسان خود اپنے نفس کے دھوکوں میں مبتلا ہو کر ساری جماعت کے لئے ایک ابتلا بن جاتے ہیں اور شیطان کے لئے ایک آلہ کار بن جاتے ہیں۔ بعض ایسے شخص عمداً بالارادہ بھی ایسی شرارت کرتے ہیں مگر وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں شاذ کے طور پر کہیں ہوں گے لیکن بہت سے ایسے ہیں جو اپنی بے وقوفی کے نتیجہ میں آنکھیں بند کرنے کے نتیجہ میں، تقویٰ کی کمی کے نتیجہ میں ایسی غلطیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور مستقلاً میرے لئے جماعت کی خاطر ایک پریشانی پیدا کرتے رہتے ہیں۔

آج کے خطبہ میں جماعت احمدیہ جرمنی سے متعلق میں بعض باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اکثر آپ احباب کے علم میں نہیں ہیں۔ ایک لمبے عرصہ سے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ آپ کی مجلس عاملہ اپنے امیر کا پوری طرح احترام نہیں کرتی اور اس میں ایسے عناصر موجود ہیں جو ایک دوسرے کو حقارت سے دیکھتے اور ایک دوسرے کی تذلیل کرنے کی کوشش کرتے اور امیر کی عزت اور احترام کا خیال رکھے بغیر مجلس میں اس قسم کی آزادانہ باتیں کرتے ہیں جو یقیناً بدتمیزی پر منتج ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسی ہستی موجود ہو جس کے دل میں ادب اور احترام ہو جو نظام جماعت کی نمائندہ ہو اس کے سامنے اونچی آواز کرنا ہی بدتمیزی ہے کجا یہ کہ بغیر اس کی اجازت کے آپس میں گفتگو شروع کر دیں۔ ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں، ایک دوسرے پر بدظنیاں کریں اور مجالس عاملہ کے وقار کو مجروح کر دیں۔ اس قسم کی شکایات معین طور پر مجھے نہیں پہنچیں مگر بسا اوقات جب میں نے امیر صاحب سے حال پوچھا تو وہ چونکہ بہت ہی نیک مزاج، سادہ، شریف النفس انسان ہیں، شکایت کے عادی نہیں مگر بڑے درد کے ساتھ انہوں نے کہا کہ شاید مجھے تجربہ نہیں شاید میں لاعلمی کی وجہ سے مجلس عاملہ کو سنبھال نہیں سکتا اور ایسے ایسے واقعات ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ چند سال کے عرصہ میں کم از کم دو مرتبہ میں اس مجلس عاملہ کے ساتھ بیٹھا اور بڑی تفصیل کے ساتھ ان کو سمجھایا کہ کیا بات غلط ہے کیا درست ہے؟ کیا آپ نے نہیں کرنی اور کیا بات کرنی چاہئے اور اس معاملہ میں امیر کے وقار کو جماعت میں قائم کرنے کے لئے آپ کو مددگار ہونا چاہئے۔ کن چھوٹی چھوٹی کمینی باتوں سے

احتراز ضروری ہے اس کے نتیجہ میں جماعت میں فتنے پیدا ہو سکتے ہیں اگر مجلس عاملہ بٹی رہے اور افتراق کا نمونہ بنی رہے تو باقی جماعتوں کی تربیت کیسے کرے گی؟ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کا کوئی خاص اثر مجلس عاملہ کے بعض ممبروں پر نہیں پڑا۔ اس وقت تک میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ پوری سختی کے ساتھ اب اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے کچلا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ممبر اپنی ذات میں اچھا دکھائی دیتا تھا، بہت خدمتیں کرنیوالا، بہت ہی بظاہر جماعت کے ساتھ اخلاص اور قربانی کا تعلق رکھنے والا اور ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ میرا قصور نہیں دوسرے کا قصور ہے لیکن جب میں نے خوب کھول کر سارے معاملات ان پر روشن کر دیئے اس کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اگر پھر کوئی ایسی حرکت ہوئی تو محض نصیحت سے کام نہیں لیا جائے گا۔ جو میری ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے میں اس کو ہر قیمت پر ادا کروں گا۔

اب نئے فتنہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ جلسہ سالانہ پر مکرم امیر صاحب جب مجھے ملنے کے لئے آئے تو ان سے میں نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کیسی آپ کی امارت چل رہی ہے؟ تو شدت جذبات سے بے قابو ہو گئے اور بہت مشکل سے ضبط کرنے کے بعد مجھے یہ بتا سکے کہ کچھ عرصہ سے حالات ایسے ہوتے چلے آرہے تھے کہ جس کے نتیجہ میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک گروہ میرے مقابل پر کھڑا ہے لیکن گزشتہ مجلس عاملہ میں جو مجلس شوریٰ کے بعد ہوئی اس میں میرے نائب امیر نے اور مربی انچارج نے میری نہایت خطرناک بے عزتی کی ہے اور کھلے کھلے لفظوں میں باغیانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے میرے ساتھ بدتمیزی کا سلوک کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق چونکہ مجلس شوریٰ کی ایک کارروائی سے تھا اس لئے میں نے امیر صاحب سے گزارش کی کہ آپ اس معاملہ کو بالکل دل سے نکال دیں اب یہ میرا کام ہے کہ میں فیصلہ کروں گا۔ آپ مجلس عاملہ کی کارروائی کی جو کیسٹ ہے وہ مجھے بھجوائیں تاکہ کسی ایک آدمی کی رپورٹ سے میں کوئی نتیجہ اخذ نہ کروں۔ میں اس کارروائی کے متعلقہ حصوں کو سنوں گا اور پھر براہ راست نتیجہ نکالوں گا۔ اس کے علاوہ میں نے ان سے یہ گزارش کی کہ چونکہ مجلس عاملہ کی کارروائی ریکارڈ نہیں ہوئی یعنی Audio ریکارڈ نہیں ہوئی، آواز کو محفوظ نہیں کیا گیا اس لئے آپ اس کے متعلق مجھے اپنی تفصیلی رپورٹ لکھ کر دیں۔ ان کی رپورٹ آنے کے بعد میں نے مربی انچارج کو اس رپورٹ کی نقل بھجوائی اور ان سے پوچھا کہ مجھے یہ بتائیے کہ اس رپورٹ میں

آپ کی طرف جو باتیں منسوب کی گئی ہیں ان میں سے کون کونسی غلط ہیں؟ ان کا جواب آیا کہ وہ باتیں تو غلط نہیں لیکن پوری تصویر واضح نہیں کی گئی اس لئے مجھے اجازت دیں کہ میں تصویر کا وہ حصہ بھی اجاگر کردوں جو اس رپورٹ میں درج نہیں۔ میں نے کہا آپ کو اجازت ہے آپ تفصیل سے مجھے لکھیں کہ کہاں کہاں امیر صاحب نے ایسی بات نہیں لکھی جو لکھنی چاہئے تھی۔ چنانچہ وہ رپورٹ بھی میرے سامنے آگئی۔

یہ آغاز ہوا ہے اس فتنہ کا جس کے نتیجہ میں پھر مجھے سخت کارروائی کرنی پڑی اور جماعت کے بعض پرانے کارکنوں کو سلسلہ کے کاموں سے کلیۃً علیحدہ کر دینا پڑا۔ لیکن اس سے پہلے کچھ اور پس منظر ہے وہ بھی میں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ جب سابقہ مبلغ انچارج جن کے ساتھ یہ معاملہ ہوا یا جو اس جھگڑے کے بانی مبانی بنے ان کا تبادلہ میں نے جرمنی میں کیا تو مجھے ان کی طرف سے ایک بہت ہی عجیب وغریب چٹھی موصول ہوئی جس سے مجھے بہت دھکا لگا۔ اس چٹھی کا لب لباب یہ تھا کہ عملاً مجھے ہر قسم کے اختیارات ہونے چاہئیں۔ امیر اپنی جگہ پر لیکن مجھے ہر قسم کے اختیارات ہونے چاہئیں اور اس چٹھی کا مضمون میں پورا تو نہیں بیان کر سکتا مختصراً چند فقرے میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ صرف جرمنی کی جماعت کی خاطر نہیں بلکہ تمام دنیا کی جماعتوں کے سامنے تا کہ ان کو معلوم ہو کہ کس طرح انانیت ایک بھیس بدل کر سر اٹھاتی ہے اور کیسے کیسے مطالبوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

یہ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ سلسلہ کے نئے دستور کے مطابق جو اس وقت نافذ العمل ہے اور جس سے دنیا بھر کی جماعتوں کے امراء اور نائب امراء اور مجالس عاملہ کے ممبران اور خصوصیت سے مربی واقف ہیں۔ اگر امیر مربی سلسلہ نہ ہو تو مربی سلسلہ کو نائب امیر بنا دیا جاتا ہے ضروری نہیں مگر بنایا جا سکتا ہے اور یہی میرا فیصلہ تھا کہ ان صاحب کو بھی نائب امیر بنا دیا جائے۔ ان کے مشورے یہ تھے کہ تبلیغ کے کام کی نگرانی خاکسار کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہوگا اس کو سرانجام دینے کی غرض سے تمام جماعتوں کے سیکرٹریان تبلیغ کا خاکسار سے براہ راست رابطہ ہوگا، تربیت کا شعبہ بھی براہ راست خاکسار کی زیر نگرانی ہونا چاہئے، مجالس عاملہ میں خاکسار کو کوئی عہدہ مثلاً نائب امیر وغیرہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ مجلس عاملہ میں خاکسار کی حیثیت مبلغ انچارج کی ہو اور بطور مرکزی نمائندہ کے خاکسار مجلس عاملہ کے فیصلوں اور ان کے کام کی عمومی نگرانی کرے۔ یعنی امیر سے بالا مجلس کا حصہ بنتے

ہوئے یہ ان پر گویا میری طرف سے براہ راست امیر سے او پر ایک نگران بن کر وہاں بیٹھے رہیں۔ ذیلی تنظیموں کے صدران کا مبلغ انچارج کے ساتھ گہرا رابطہ ہونا چاہئے ،صدر صاحبان حضور انور کی خدمت میں جو رپورٹیں بھجوائیں ان کی نقول خاکسار کو بھی بھجوائیں۔ خاکسار کو جماعت میں تبلیغی اور تربیتی کاموں کو تیز کرنے کے سلسلہ میں جو معلومات درکار ہونگی محترم امیر صاحب اور مجلس عاملہ کے متعلقہ شعبہ کا فرض ہوگا کہ خاکسار کو مہیا کرے۔ یعنی عملاً مطالبہ یہ ہے کہ میرا نام امیر نہ رکھا جائے مگر امیر اور مجلس عاملہ سے بالا ایک حیثیت مجھے وہاں دی جائے اس کے بغیر میں صحیح کام نہیں کرسکوں گا۔

میں نے ان کو جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ نائب امیر جماعت مغربی جرمنی ہیں اور مجلس عاملہ میں آپ کو یہی حیثیت حاصل ہوگی آپ کی ذمہ داری ہے کہ محترم امیر صاحب کو ہر معاملہ میں مناسب مشورہ دیا کریں اور امارت کے وقار کو جماعت میں بڑھانے کے لئے ممد و معاون ثابت ہوں اگر وہ آپ کا مشورہ قبول نہ کریں تو شرح صدر کے ساتھ امیر کے سامنے سر تسلیم خم کریں لیکن اگر آپ امیر کے فیصلہ کو جماعتی مفاد کے خلاف سمجھیں تو امیر کی معرفت اپنا اختلافی نوٹ مجھے بھجوائیں۔ اس کے علاوہ جتنے اختیارات امیر آپ کو دینا چاہے دستور کی حدود کے اندر رہتے ہوئے یہ اس کا کام ہے۔ امیر اگر آپ پر اعتماد رکھتا ہے تو جتنا چاہے آپ کو اختیار دے۔ میں خود کوئی اختیار معین نہیں کروں گا ورنہ نظام جماعت چلانے میں دوغلا پن اور تضاد پیدا ہو جائے گا۔

اس کے بعد اور بہت سی باتیں ان کو سمجھائیں اور آخر پر لکھا کہ مندرجہ بالا تمام وہ باتیں ہیں جن کے متعلق مجھے آپ پر حسن ظن تھا کہ پہلے اس کا شعور رکھتے ہوں گے مگر آپ کے لمبے سلسلہ سوالات نے میرے حسن ظن کو ٹھوکر لگائی ہے اور بڑی وضاحت کے ساتھ میں نے ایک اور موقعہ پر ان سے کہا کہ مجھے فتنے کی بو آرہی ہے۔ آپ تقویٰ سے کام لیں اور امیر کے سامنے پوری طرح سر اطاعت خم کریں ورنہ آپ خدمت سے محروم ہو جائیں گے۔ اور ایک موقع پر ایک انگریزی خط میں ان کو لکھا کہ میرے پاس دعا کے سوا چارہ نہیں رہا کہ یہ دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو Total disintegration سے بچائے۔ اس پر ان کی طرف سے مجھے اطمینان کا خط ملا۔ یعنی اپنی طرف سے مطمئن رہیں کہ میں بات سمجھ گیا ہوں۔ میری طرف سے آئندہ اس معاملہ میں کبھی آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔

یہ ہے پس منظر اس نئے جھگڑے کا یعنی آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو سختی کی گئی ہے۔اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حد سے زیادہ کی گئی ہے بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے کرنی چاہئے تھی اور تاخیر ہوگئی۔اگر یہ غلطی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔

اب جو واقعہ ہوا ہے اس کا آغاز مجلس شوریٰ میں کئی طریق پر ہوا۔میں اگر کیسٹ منگوا کر نہ سنتا تو میری توجہ صرف اس بات کی طرف مبذول کرائی گئی تھی کہ صدر لجنہ نے وہاں کچھ ایسی باتیں کہیں جن کے نتیجہ میں مربی صاحب نے اپنے اختیارات سے بہت بڑھ کر ان سے سختی کی یہاں تک کہ ان کا نروس بریک ڈاؤن Nervous break down ہو گیا اور گویا یہی بات تھی لیکن جب میں نے وہ کیسٹ سنی اور جب میں نے امیر صاحب سے تفصیلی رپورٹ منگوائی اور خود مربی انچارج سے رپورٹ منگوائی تو جو باتیں سامنے آئیں وہ یہ ہیں جو میں بیان کرتا ہوں اور آپ کے علم میں آنی چاہئیں۔سب دنیا کی جماعتوں کے علم میں آنی چاہئیں کہ مجلس شوریٰ کیا ہوتی ہے؟ کس کو کیا اختیار ہے؟ کون کس طرح سے تجاوز کرتا ہے جو جماعت کے لئے ناقابل برداشت ہونا چاہئے۔

سب سے پہلی بات یہ کہ جب ردشدہ تجاویز پڑھی جارہی تھیں آپ کے علم میں آنا چاہئے جن کو شوریٰ کا تجربہ نہیں کہ ردشدہ تجاویز، وہ تجاویز جن کو خلیفہ وقت کی منظوری کے ساتھ مجلس میں پیش کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور اس بات کا اعلان کیا جارہا ہوتا ہے کہ ان تجاویز کو نہ پیش کرنے کی اجازت ہے نہ ان پر کسی کو تبصرہ کرنے کی اجازت ہے۔جب یہ تجاویز پڑھی جارہی تھیں بار بار اس مربی انچارج نے اٹھ کر سیکرٹری کو ٹوکا اور بیچ میں آکر اپنے تبصرے شروع کئے کہ میرے نزدیک اس میں یہ پہلو ہونا چاہئے تھا یہ مختصر تبصرے کئے اور کئی دفعہ ایسا کیا اور اس کے بعد یہ کہا کہ میں اپنی اختتامی تقریر میں ان امور پر مزید کچھ بیان کروں گا۔

امیر صاحب چونکہ اردو نہیں جانتے تھے یا ٹرانسلیشن اگر تھی اور انتظام درست نہیں تھا وہ شاید اس وجہ سے یا اپنی حد سے زیادہ انکساری اور شرافت کی وجہ سے خاموش رہے اور وہاں کچھ نہیں کہا لیکن بعد میں ان کو منع کیا کہ آپ کو کوئی حق نہیں تھا کہ آپ سلسلہ کی معروف روایات کے خلاف جن کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے نہ کہ ان کا توڑنا آپ کا فرض ہے آپ ایسی حرکت نہ کرتے اس لئے آپ کو اجازت نہیں۔اس پر بجائے اس کے کہ خاموشی اختیار کرتے سیکرٹری مجلس شوریٰ سے فون پر

رابطہ کیا اور اس کو کہا کہ وہ امیر صاحب کو یہ کہے کہ آپ کی طرف سے اجازت تو نہیں ملی لیکن میں ضرور اس کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اب سیکرٹری مجلس شوریٰ کو، شوری کا کوئی ممبر براہ راست کہہ ہی نہیں سکتا اس کا تعلق ہی کوئی نہیں صدر مجلس جو ہے اس کے ساتھ ہر شخص کا تعلق ہوتا ہے۔ سیکرٹری مجلس شوریٰ تو صدر مجلس کے ماتحت ایک کارکن ہے اس سے زیادہ اس کی وہاں کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن بہر حال فون کے ذریعہ جبکہ خود نائب امیر تھے اگر کوئی اصرار کرنا تھا تو اصرار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بالکل ناجائز تھا تو براہ راست بات کر سکتے تھے۔ امیر صاحب نے اس کے باوجود اجازت نہیں دی جو بہت اچھا کیا اور درست کیا لیکن اس عرصہ میں یہ کافی ایسی نامناسب باتیں کہہ چکے تھے جو روایات سلسلہ کے سراسر منافی تھا۔

پھر دوسری تعجب انگیز بات میرے سامنے یہ آئی کہ اختتامی خطاب بجائے امیر کے نائب امیر کا ہو رہا ہے اور میری واضح ہدایات کے خلاف مجلس شوریٰ کی کارروائی اردو میں ہو رہی ہے حالانکہ میں نے بارہا تاکید کی ہے۔ مجلس شوریٰ تو ایک بہت ہی اہم Institution ہے۔ نظام جماعت کا ایک ایسا اہم حصہ ہے، جس کے اوپر میری ہدایات پر سختی سے عمل درآمد ہونا چاہئے۔ میری ہدایت ہے کہ جس ملک کی جو زبان ہے، جو ہمارے رسمی اجلاسات ہیں ان میں اسی ملک کی زبان بولی جائے گی اگر کسی کو سمجھ نہیں آتی تو اس کا ترجمہ اس صورت میں ہوگا کہ وہ ایک اہم ممبر ہو اس کی ضرورت ہے اس کا مشورہ درکار ہے مگر وہ مجبور ہے۔ ایسا استثناء ہو سکتا ہے اور یہ بھی استثناء ہو سکتا ہے کہ اگر جرمن شوریٰ ہے اور جرمن زبان میں کاروائی ہو رہی ہے تو اس کا اردو ترجمہ کر دیا جائے ان لوگوں کی خاطر جو جرمن پوری طرح نہیں سمجھتے لیکن سمجھنی چاہئے اس ہدایت کو سراسر نظر انداز کرتے ہوئے پوری کارروائی اردو میں ہو رہی تھی۔

پھر سلسلہ کی قدیم اور معزز روایات کو ٹھوکر مارتے ہوئے امیر کے آخری خطاب کی بجائے نائب امیر صاحب کا آخری خطاب تھا اور وہ آخری خطاب تو ایسا تھا جس نے رونگٹے کھڑے کر دیئے سب سے پہلے تو مجھے یوں لگا جیسے بعض لوگ تو خلیفہ بننے کی کوشش کرتے ہیں اور وہی انداز بناتے ہیں جو خلافت کا ایک خصوصی حق ہے اور جماعت اس انداز کے ساتھ ایک محبت رکھتی ہے اور اس کو اسی تعلق کی وجہ سے برداشت کرتی ہے اور یہ جماعت اور خلافت کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جسے کوئی

اور شخص نہ سمجھ سکتا ہے نہ اس میں دخل دینے کا اس کو حق ہے لیکن اس سے الگ ایک، حضرت مصلح موعودؓ کا بھی انداز تھا اور وہ آپ کی ذات پر ہی پھبتا تھا۔ مجھے تو آج تک یاد نہیں کبھی میں نے اس رنگ میں اپنا خطاب اپنی صحت کے ذکر سے شروع کیا ہو کہ احباب جماعت کو فکر ہوگی کہ میری حالت کیسی ہے اس لئے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ چند دنوں سے طبیعت علیل رہی ہے اور پھر یہ یہ کچھ واقعات ہوئے اور پھر یہ ہوا۔ یہ خاص انداز تھا حضرت مصلح موعودؓ کا جس کو جماعت بہت پسند بھی کیا کرتی تھی اور شوق سے سنا کرتی تھی لیکن اس کے بعد نہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے کبھی ایسا کیا نہ میں نے کیا بلکہ ہمیشہ شرم محسوس کی کہ جماعت کے وقت میں سے اپنی ذاتی گفتگو کے لئے وقت نکالوں لیکن مجلس شوریٰ میں تو اس کا سوال ہی کوئی نہیں۔ اگر صحت کے لئے کوئی اعلان کروانا ہو تو ہر احمدی کا حق ہے۔ اعلان کروائے جاتے ہیں لیکن وہ جلسوں میں کروائے جاتے ہیں۔ شوریٰ میں بھی اگر کروانا ہو تو محض ایک درخواست ہے جو کوئی شخص امیر کی نمائندگی میں پڑھ کر سنا دے گا لیکن اس کا ایک پہلا حصہ اس بات پر ہی مشتمل تھا اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں صدر لجنہ کے متعلق کچھ باتیں کہنی چاہتا ہوں اور اس بات کو میں نے اپنے اختتامی خطاب کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ صدر لجنہ نے کوئی غلط بات کہی تھی یا نہیں کہی تھی اس حصہ کو میں الگ لوں گا۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ مجلس شوریٰ میں جب کوئی شخص ناجائز بات کہتا ہے۔ اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے بات کہتا ہے تو ہر ممبر مجلس شوریٰ کا حق ہے بلکہ فرض ہے کہ وہ ادب سے اٹھ کر، امیر اجازت دے تو اس کو متوجہ کرے، ہاتھ اٹھائے، امیر کے سامنے آئے اس سے عرض کرے کہ میرے نزدیک یہ نظام سلسلہ کی خلاف ورزی ہے اور ایسی ناپسندیدہ باتیں مجلس شوریٰ میں نہیں ہونی چاہئیں یہاں ان کا تعلق نہیں۔ یہ حق ہے لیکن اگر امیر نہیں سنتا یا انکار کر دیتا ہے تو پھر ہرگز کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس بارہ میں زبان کھولے۔ ہاں بعد ازاں وہ امیر کی معرفت خلیفۃ المسیح کو متوجہ کرا سکتا ہے کہ ہماری شوریٰ میں یہ بات ہوئی ہے۔ میرے نزدیک روایات سلسلہ کے منافی ہے۔ اگر میں درست ہوں تو پھر امیر کو ہدایت کی جائے کہ آئندہ اس کا خیال رکھے۔ اگر میں غلط ہوں تو میری اصلاح کی جائے۔ یہ ایک مؤدبانہ درست، متقیانہ طریق ہے لیکن اس موقع پر جن صاحب کا میں ذکر کر رہا ہوں انہوں نے بجائے اس کے کہ امیر صاحب سے مؤدبانہ درخواست کرتے کہ یہ غلط باتیں ہو رہی ہیں آپ ان

کو روک دیجئے اپنا ایک حق محفوظ رکھا گویا خلیفہ وقت اس پر بعد میں تبصرہ کرے گا اور تبصرہ کا انداز بھی بلاشبہ صرف یہ کہ امیر سے بالا ہے بلکہ بعض باتوں میں خلیفہ وقت سے بھی ممتاز ہے اور اس تبصرے کے دوران آپ فرماتے ہیں کہ فلاں نام کی خاتون قادیان کی پرورش یافتہ ہیں ان کی تقریر تو بہت عمدہ تھی اور میں یہ مشورہ دیتا ہوں صدر صاحبہ لجنہ کو ایسی عمدہ تربیت یافتہ خواتین سے ہدایتیں لیا کریں اور ان کی ہدایت اور ان کے ارشادات اور ان کے تابع اور ان کے تجارب سے فائدہ اٹھا کر لجنہ کے کام چلائیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خلیفہ وقت کسی کو صدر مقرر کرتا ہے اور نائب امیر اٹھ کر اپنی مربیانہ حیثیت کو بالکل غلط استعمال کرتے ہوئے یہ مشورے دے رہا ہے اور ایک خاتون کا نام لے کر اس طرح تعریف کرتا ہے جس طرح خلیفہ وقت بعض اچھے کارکنوں کی نمایاں طور پر تعریف کر دیا کرتا ہے لیکن کبھی ناممکن ہے کہ کوئی خلیفہ وقت یہ کہے کہ میں نے جس کو صدر مقرر کیا ہے کوئی فرد جماعت اس سے بالا ہے اور صدر کا فرض ہے کہ عہدیداران سے ہٹ کر میری ہدایت سے الگ ہو کر فلاں کی متابعت کرے اور اس سے سبق سیکھے۔ گویا میری مقرر کردہ صدارت کو بھی کینسل کر دیا اور اپنی طرف سے جس طرح آپ امیر بالائے امیر بن گئے تھے ایک صدر بالائے صدر مقرر فرما دیا۔ نہایت ہی بے ہودہ حرکت تھی مگر وہی بات ہوئی جو ایک ہدایت کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں ہونی چاہئے تھی۔ اردو میں باتیں ہو رہی تھیں۔ ترجمہ اگر ہو بھی رہا تھا تو پتا نہیں کس قسم کا تھا۔ مگر امیر صاحب کو اس وقت پتا نہیں لگا کہ کیا ہوا ہے بعد میں امیر صاحب کو جب رپورٹیں ملیں اس پر مجلس عاملہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ مجلس عاملہ میں جو رویہ اختیار کیا گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور ناپاک رویہ تھا۔

ایک اور بات بھی ایسی تھی جو انہوں نے کی جس پر امیر صاحب نے ان کی باز پرس کی۔ وہ یہ تھی کہ اپنی طرف سے یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ جماعت جرمنی ہر جمعرات کو اس غرض سے روزہ رکھے کہ سو سالہ مساجد کی تعمیر میں ان روزوں میں خاص دعائیں مانگی جائیں۔ مجھے یاد ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ایک تحریک فرمائی تھی کہ مہینے میں ایک دفعہ آخری جمعرات کو روزے رکھے جائیں اور وہ صد سالہ جوبلی کی کامیابی کے سلسلہ میں تھی اس کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ کبھی کسی امیر نے اپنے طور پر ایسی تحریک کی ہو۔ میں نے کبھی نہیں کی کیونکہ بعض دفعہ ان چیزوں کو بھی رفتہ رفتہ ایک دکھاوا

سا بنالیا جاتا ہے کہ سب نے فلاں دن کا روزہ رکھنا ہے وہ پتا نہیں کہ کس حال میں رکھتے ہیں۔ جب تک دل میں درد پیدا نہ ہو۔ ایک خاص توجہ نہ ہو دعا کو بھی کھیل نہیں بنانا چاہئے اور اگر اس قسم کا فیصلہ کسی خاص اہمیت کے پیش نظر کسی نے کرنا ہے تو خلیفۃ المسیح کا کام ہے۔ باقی ہر شخص اٹھ کر روزوں کی تحریک شروع کر دے۔ اپنی طرف سے فلاں قسم کے نوافل کی تحریک شروع کر دے بالکل غلط ہے اور یہ روایات سلسلہ کے منافی ہے۔ جب امیر نے مجلس عاملہ میں یہ بات کہی تو ان صاحب نے جواب دیا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر جماعت جرمنی میرے جیسے انسان سے استفادہ نہیں کر سکتی۔ یہ پڑے ہیں آپ کے کاغذات گویا منہ پر کاغذات مارے کہ اب جو چاہیں کریں میں اس معاملہ میں بری الذمہ ہوتا ہوں اگر میری ہدایات کے تابع کام کرنا ہے امیر نے اور عاملہ نے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ یہ پڑی ہیں آپ کی عہدیداریاں اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

جب میں نے یہ پڑھا تو میں نے اس پر نوٹ لکھا کہ دراصل آپ میز پر یہ کاغذ مار رہے تھے کہ یہ رہا میرا وقف اور یہ رہی میری ساری عمر کی خدمات جائیں جہنم میں میرا اب ان سے کوئی تعلق نہیں۔ امیر کو اس دوران جو گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا وہ ایک یہ تھا کہ امیر صاحب: آپ نے میرے مشورہ کا انتظار کئے بغیر مجھ پر کمیشن کیوں مقرر کر دیا ہے آپ ہوتے کون ہیں کمیشن مقرر کرنے والے اور میں آپ کے کسی کمیشن کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں گا۔ کھلی کھلی واضح بغاوت تھی۔ امیر صاحب کو اگر تجربہ ہوتا تو وہ کہتے کہ اٹھ کر باہر نکل جاؤ۔ میں تمہیں معطل کرتا ہوں اور میں خلیفۃ المسیح کی خدمت میں یہ سفارش کروں گا کہ ایسے شخص کو جماعت میں نہیں رہنا چاہئے لیکن وہ بھولے شریف انسان ہیں۔ ان پر لوگ ظلم کرتے رہے ہیں اور وہ چپ کر کے برداشت کرتے رہے ہیں اور بدنصیبی ہے جماعت جرمنی کی کہ ایسے اعلیٰ متقی شریف النفس اور منکسر المزاج امیر کی، ان کی عاملہ کے ممبران بے عزتی کرتے چلے آرہے ہیں۔ میرا تو دل کھول اٹھا ہے یہ باتیں سن کر۔ میں نے ایک دفعہ یہاں تک ان کو لکھا تھا اسی مربی انچارج کو، کہ دیکھیں میں یہ مانتا ہوں کہ ان میں تجربہ کی کمی ہے لیکن خدا کے فضل سے وہ نہایت متقی انسان ہیں اور صاف گو اور سچے ہیں اس لحاظ سے میں خلیفہ ہونے کے باوجود ان کا ادب کرتا ہوں میں آپ سے بحیثیت مربی یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی ان کا ادب کریں۔ یہ چٹھی ان کو اس سے پہلے ملی ہوئی ہے۔ میرے پاس ساری تاریخیں موجود ہیں ان کا ریکارڈ

محفوظ ہے اس کے بعد ادب کا یہ حال تھا کہ دو باتوں میں کھلی کھلی بغاوت اور ایک موقعہ پر کہا میں جانتا ہوں کہ آپ عورتوں کے تابع آ چکے ہیں۔صدر لجنہ کے حق میں بات کر رہے ہیں۔عورتوں کے پیچھے لگ گئے ہیں اور پھر کہا میں جانتا ہوں یہ ایک ٹولہ جو آپ کے ساتھ لگا ہوا ہے اور پھر مجھے یہ لکھا اپنی عقل اور سمجھ کا نمونہ دکھانے کے لئے کہ دیکھیں کہ میں تو اس حد تک گیا کہ میں نے امیر صاحب کو ایک موقعہ پر علیحدگی میں یہ سمجھایا کہ آپ اور میں الگ الگ نہیں ہونے چاہئیں۔ورنہ اگر آپ نے جب اس طرح ہی گویا کہ مجھے الگ رکھا اور میرے مشوروں پر عمل نہ کیا تو جو لوگ آپ کے مشیروں اور آپ سے ناراض ہیں وہ میرے پاس آیا کریں گے اور اسی طرح جماعت میں دو دھڑے بن جائیں گے گویا خود مخالفانہ دھڑے کی سرداری قبول کر لی یہ نہیں کہا کہ امیر صاحب! آپ مطمئن رہیں کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اگر آپ کے خلاف بولتا ہوا میرے پاس آئے گا تو میں اس کو کہوں گا کہ تو دھتکارا ہوا شیطان ہے یہاں سے رخصت ہو۔امیر کے خلاف میں کسی قسم کی بکواس برداشت نہیں کروں گا۔امیر کو خلیفہ وقت نے مقرر کیا ہے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی نیابت میں مقرر کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ **من عصا امیری فقد عصانی فقد عصی اللہ** (بخاری کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر:۲۷۳۷) جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے **فقد عصنی اللہ** میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے۔ساری عمر یہ باتیں رٹتے ہوئے مربیان کو یہ بھی نہیں پتہ لگا آخری عمر میں جا کر کہ اطاعت ہوتی کیا ہے اور اخلاص کس چیز کا نام ہے چنانچہ مسلسل میری ہدایت کے باوجود میرے یہ لکھنے کے باوجود کہ میں اس شخص کا ادب کرتا ہوں حالانکہ میں نے امیر مقرر کیا ہے میرے ماتحت ہے آپ بھی ادب کریں۔ادب کا یہ طریق اختیار کیا اور ان کے بعض ساتھیوں نے بھی ایسا ہی رویہ اختیار کیا جو نہایت ناپسندیدہ تھا۔

اب میں تفصیل سے وہ نام نہیں لینا چاہتا لیکن یہ بدبوتھی جو مجھے بڑی دیر سے آ رہی تھی۔میں چاہتا تھا کہ سلجھ جائیں جیسا کہ میں نے کہا کہ میں دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ٹھوکروں سے بچائے۔اچھے اچھے کام کرنے والے بھی تھے لیکن جہاں جماعت کے مفاد کا سوال پیدا ہوتا ہو وہاں میں کسی ذاتی تعلق کو خاطر میں نہیں لاسکتا۔کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک مجھے نہایت ہی اخلاص اور محبت کے خط لکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان میں سے بعض یہ لکھتے

رہے کہ ہم آپ کے پاؤں کو چومنا چاہتے ہیں لیکن جانتے ہیں کہ آپ اپنی انکساری کی وجہ سے اور طبعی شرم کی وجہ سے اجازت نہیں دیں گے۔ **لیکن میرے نزدیک ایسے فقروں کی اور پاؤں چموانے کی نہ کوئی خواہش نہ اس کی ذرہ بھر قدر ہے خلیفہ وقت ایک نظام کا نمائندہ ہے خلیفہ وقت آپ سب مل کر ہیں اور آپ کی اجتماعی شکل میں ایک خلیفہ ہے جو آپ سب کی یعنی نظام جماعت کی عزت نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں خلیفہ وقت کی عزت کرتا ہوں۔** یہ ایسی باتیں ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے خوب کھل کر روشنی ڈالی تھی اور خوب اس معاملہ کو واضح فرمادیا اور بار بار واضح فرمایا قرآن کریم نے ایک موقع پر یہ مضمون بیان فرمایا کہ جو اللہ اور رسول کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور بار بار یہ مضمون بیان فرمایا ان کے سارے اعمال ان کی ساری کوششیں رد اور ذلیل ہیں۔کوئی ان کی حیثیت نہیں رہتی۔شروع میں مجھے یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ اللہ اور رسول کے درمیان تفریق سے کیا مراد ہے لیکن بعد کے تجربہ سے پتہ چلا کہ ایسے لوگ یہ کرتے ہیں۔ کہتے یہ ہیں کہ دیکھیں زندگیاں قربان کر دیں گے لیکن امیر، یہ اور بات ہے۔صدر خدام الاحمدیہ، یہ اور بات ہے، فلاں شخص کی اور بات ہے اس سے ہماری لڑائی اس سے ہماری دشمنی، مگر خلیفہ وقت کے مقابل پر ہم بھلا کس کو خاطر میں لا سکتے ہیں تو خدا اور رسول کی تفریق بھی اسی قسم کے لوگ کرتے ہوں گے کہ رسول کی کسی بات پر **نعوذ بالله من ذلك** ناراض ہو کر کہہ دیا کہ خدا کی بات تو الگ ہوئی لیکن یہ کہ ہر بات میں رسول کی پیروی کریں یہ نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ شیطانی وساوس ہیں جو نچلے درجہ پر منتقل ہوتے ہیں پھر اور نچلے درجوں پر منتقل ہوتے ہیں بعض دفعہ امیر کے نیچے۔ پھر یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ امیر ہماری سر آنکھوں پر مگر اس کا فلاں عہدیدار ٹھیک نہیں اور یہ فتنہ پیدا کس طرح ہوتا ہے۔اس کا آغاز خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے آغاز میں تمثیل کی صورت میں بیان فرمادیا جو میں بار بار بیان کر چکا ہوں لیکن جنہوں نے نصیحت نہیں پکڑنی ہوتی جو کان بہرے ہو چکے ہوں ان کو آواز آتی ہی نہیں۔ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

خدا تعالیٰ نے یہ بہت گہرا راز فتنوں کا ہمیں سمجھا دیا کہ جب ابلیس نے ابیٰ سے کام لیا تو اس کا ابیٰ اس کا انکار دراصل اس کی انانیت کی گود میں پلا تھا۔ پہلے اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا مگر خدا سے بڑا نہیں۔ خدا کے مقرر کردہ امیر سے بڑا سمجھا اس سے اپنے آپ کو بہتر سمجھا اور اس نے یہ نہیں کہا

کہ اے خدا میں تجھے تسلیم نہیں کرتا یا میں تیری عظمت کو دھتکارتا ہوں اور اس کا انکار کرتا ہوں ۔ یہ کہا کہ جس کو تو نے امیر بنایا ہے یہ تو مجھ سے چھوٹا اور بے معنی ہے۔ میرے مقابل پر اس کی کوئی حیثیت نہیں اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (ص:۷۷) کتنی گہری حکمت کی بات ہے ہزار ہا سال گزر چکے آغاز مذہب کی یہی حکایت ہمیشہ دہرائی جاتی ہے اور جو جاہل انسان ہے اس کو سمجھ نہیں آتی جس کی آنکھوں میں بصیرت نہیں ہے وہ باہر کے نور سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور ہمیشہ جماعت میں جب فتنے پیدا ہوئے وہ اسی طرح ہوئے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ بالا افسر وہ تو ٹھیک ہے۔ ہماری سر آنکھوں پر مگر یہ جو چھوٹا ہے نا! شیطان۔ اس کی ہم بات نہیں مانیں گے۔ اگر وہ واقعۃً شیطان ہے نا اہل ہے تو تمہارا فرض ہے کہ ادب کے ساتھ بالا ہستی جو بھی ہے۔ امیر ہے یا اس سے اوپر خلیفۃ المسیح ہیں ان کی خدمت میں لکھو کہ جس وقت تک آپ اس امیر کو بنائے رکھیں گے ہم ضرور اس کی اطاعت کریں گے لیکن **ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ بحیثیت امیر آپ کے شایان شان نہیں ہے۔ نظام جماعت کے اوپر دھبہ ڈال رہا ہے فلاں غلطی کر رہا ہے۔ یہاں تک لکھنا ہرگز نہ گستاخی ہے نہ ابلیسیت ہے** لیکن یہ بات کہے بغیر یہ کوشش کئے بغیر انکار کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لینا اور یہ کہہ دینا کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے ۔ یہ ہے ابلیسیت جس کا ذکر قرآن کریم کے آغاز میں ہوا اور بار بار اس کہانی کو دہرا کر ہمیں نصیحت فرمائی گئی کہ دیکھو فتنے اس طرح اٹھا کرتے ہیں۔ جب بھی آئندہ فتنے اٹھیں گے اسی طرح اٹھیں گے اور جہاں تک میں نے وسیع نظر ڈالی ہے۔ اپنی زندگی کے سارے تجربہ پر میں نظر ڈال کر آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ قرآن کریم کا بیان کردہ فتنوں کا اسلوب اسی طرح دہرایا جاتا ہے، اسی طرح نفس دھوکا دیتا ہے، اسی کا نام تقویٰ کی کمی ہے۔ یہ انانیت ہے جو **اَبٰی** بن کر پھر اٹھتی ہے اور بغاوت بن جاتی ہے۔

پھر ایک اور بات جو ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اطاعت کے ساتھ ادب ضروری ہے صرف اطاعت کافی نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا گیا کہ آواز بھی نہ اونچی کرو وہ لوگ جو اونچی آوازیں کرتے ہیں ان کو پتہ ہی نہیں کہ ایمان کیا ہے وہ اپنے ایمان کھو دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سچی اطاعت ادب کے بغیر ممکن نہیں ہے وہ کھوکھلی رسمی اطاعت کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو ہمیشہ اطاعت کرنے والے کے لئے خطرہ بنی رہتی ہے۔ پس جب امیر مقرر کیا

جاتا ہے تو اس کے ساتھ محبت اور ادب کا تعلق قائم کرنا ضروری ہے ورنہ اگر آپ اس کو اپنے سے حقیر سمجھتے رہیں بظاہر اطاعت بھی کریں گے تب بھی آپ کے لئے ہمیشہ کے لئے خطرہ موجود رہے گا۔ آپ ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو اتنی وضاحت کے ساتھ کھول کر بار بار پیش فرمایا کہ ایک موقعہ پر فرمایا کہ دیکھو تمہارے اوپر اگر ایک ایسا امیر بھی مقرر کیا جائے جو حبشی ہو یعنی عربوں کو اپنی قومیت پر ناز تھا اور ایک حبشی شخص کے متعلق کہ وہ آکر ان کا امیر بن جائے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے مثال کیسی عمدہ دی ہے کہ ان کے لئے کراہت کا سب سے بڑا سامان رکھتی تھی فرمایا۔حبشی ہو اور غلام ہو اور عربوں کے لئے غلام کی اطاعت کرنا تو ایک ناقابل تصور بات تھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور سخت اس سے تنافر پایا جاتا تھا پھر ان کو اپنی سرداریوں اور عقلوں پر بڑا ناز تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا سر منقے کے برابر ہو۔یعنی خشک کئے ہوئے کشمش کے دانے جتنا سر ہو اتنا بے وقوف پاگل ہو۔(بخاری کتاب الاحکام حدیث نمبر:۶۶۰۹) اگر ایسا امیر بھی تم پر مقرر کیا جائے تو ہم پر فرض کہ اس کی اطاعت کرو۔

یہ ہے اسلام کی امارت کی روح اور اطاعت کی روح جس کو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے خوب کھول کھول کر بیان فرما دیا اور قرآن کریم نے بھی آپ کے ان حقوق کی خوب حفاظت فرمائی ہے جو باتیں مختلف وقتوں میں شیطان آنحضرت ﷺ کے غلاموں کو بددل کرنے کے لئے پھیلاتے رہتے تھے قرآن نے ان سب کی تاریخ محفوظ کر دی ہے اور فتنہ کے ہر پہلو بیان فرمائے ہیں ایک بھی ایسا دنیا میں فتنہ نہیں جو ان پہلوؤں سے باہر ہو۔پس مسلمانوں کے لئے ہر قسم کی خبرداری کے باوجود، تنبیہ کے باوجود دوبارہ ٹھوکر کھانا حد سے زیادہ جہالت اور خودکشی کے مترادف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ بعض دفعہ لوگ اس طرح فتنہ پیدا کرتے ہیں۔ہے تو وہی بات کہ نچلے آدمی کے خلاف اوپر کے خلاف براہ راست نہیں کرتے قرآن کریم کے مطابق اوپر کو اس طرح ملوث کرتے ہیں۔کہتے ہیں کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ خود تو بڑے زیرک بڑے باشعور بڑے صاحب فہم انسان ہیں مگر یہ بدبخت جو مشورے دینے والے ہیں۔یہ مصیبت ہیں اور آپ کی کمزوری یہ ہے کہ اُذُنٌ ہیں۔لوگوں کی باتیں سنتے رہتے ہیں اور جو کسی نے کہا اس کو مان لیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دے کہ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ (التوبہ:۶۲) کہ یہ وجود ایسا ہے جو ہر ایک کی بات سنتا

ہے مگر خیر کی بات کو قبول کرتا ہے۔ بھلائی کی بات کو قبول کرتا ہے بدی کی بات کو رد کر دیتا ہے اور اس کا أُذُنُ ہونا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر یہ تم لوگوں کی باتیں نہ سنتا اور اپنے بالا خانوں میں چھپا رہتا تو **تم ہمیشہ روتے رہتے کہ ہماری بات حضرت محمد مصطفی ﷺ تک نہیں پہنچتی۔ یہ تو خدا کا ایسا عاجز بندہ ہے کہ اس کے عاجز ترین بندوں کے لئے بھی جھک جاتا ہے اور ان کی باتیں بڑے پیار اور محبت سے سنتا ہے تم ایسے ظالم اور ناشکرے ہو کہ اس کے خلاف شکایت کر رہے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا ان معنوں میں اذن ہونا کہ کامل انکساری کے ساتھ ہر ایک کے سامنے جھک جانا اور ان کی باتوں کو سننا اور پھر یہ فیصلہ کرنا کہ اچھی کون سی ہے اور بری کون سی ہے** تمہارے لئے فیض ہی فیض ہے۔

اب اس دور میں بھی جماعت میں جو فتنے اٹھتے رہے ہیں ان کا آغاز تو اسی طرح ہوا جیسے کہ ابلیسیت کا ہوا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ پہلے کسی ایک شخص سے ٹکر لی گئی ہے اور کہا کہ ہم اس سے بہتر ہیں۔ چاہے خلیفہ وقت نے مقرر کیا ہے یا جو بھی اس کی حیثیت ہے ہم اس سے بہتر ہیں اور پوری طرح اس کے تابع نہیں ہو سکتے۔ پھر خلیفہ وقت پر حملہ کرنے کے لئے یہ بہانے بنائے گئے کہ یہ فلاں کی باتیں سنتا ہے چنانچہ میں نام نہیں لینا چاہتا مگر جماعت احمدیہ میں میرے دیکھتے دیکھتے بارہا ایسی باتیں ہوئیں۔ ایک شخص ہے کسی نے کسی کو اپنا ہدف بنالیا۔ کسی نے کسی کو ہدف بنالیا۔ بعض کہا کرتے تھے کہ خلیفۃ المسیح الثالثؒ، مولوی ابوالعطاء صاحب کی باتیں سن کر ہمارے خلاف ہو گئے۔ یہ فلاں شخص کی باتیں سن کر ہمارے خلاف ہو گیا، یہ فلاں امیر کی باتیں سن کر ہمارے خلاف ہو گیا ہے۔ یہ بالکل وہی فتنہ ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور جس کو رد فرما دیا گیا ہے۔ لیکن سادہ لوگ جن کو ان باتوں کا علم نہ ہو وہ ٹھوکر کھاتے رہتے ہیں اور جماعت جرمنی میں بھی اسی فتنے نے نیا سر اٹھایا اور امیر کے متعلق یہ کہا جانے لگا اور مجھے تعجب ہے کہ وہ لوگ جن کے دل میں امیر کے لئے یا نظام کے لئے کوئی غیرت تھی ان باتوں کو کیوں برداشت کرتے رہے؟ کیوں انہوں نے مقابل پر اٹھ کر یہ نہیں کہا کہ یہ تمہارے شیطانی خیالات ہیں، ان سے باز آؤ ورنہ میں تمہاری خلیفۃ المسیح کے سامنے رپورٹ کروں گا لیکن سنتے رہے ہیں اندر اندر ایک دوسرے کے کان پکاتے رہے ہیں۔

اور وہ یہ باتیں تھیں مثلاً کہ جی امیر صاحب! یہ تو مبشر باجوہ کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں جو بات سنتے ہیں مبشر باجوہ کی سنتے ہیں اور اس معاملہ میں جو فتنے کی کھچڑی پک کر ابلی ہے تو مجلس عاملہ

میں مربی انچارج نے یہ کہا کہ امیر صاحب، جو جو آپ کے مشیر ہیں ان سے باز آجائیں ورنہ یہ ہوگا۔ یا مجلس عاملہ کے معاً بعد کہا اور مجلس عاملہ میں ایک ممبر صاحب اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں امیر صاحب! ہم آپ کو متنبہ کرتے ہیں۔ الفاظ متنبہ ہوں یا نہ ہوں لیکن اس کی جو طرز ہے اور سختی ہے وہ یہی ہے۔ آپ کو خلیفۃ المسیح نے مشوروں کے دو فورم دیئے ہیں یعنی آپ کو دو مشیروں تک محدود کر دیا ہے۔ ایک نائب امیر اور ایک مجلس عاملہ آپ اس فورم سے قدم باہر رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے آپ کو اجازت نہیں ہے کہ اس سے باہر نکلیں اور چونکہ آپ سن نہیں رہے اور ان باتوں سے باز نہیں آرہے کسی اور کی باتیں سنتے ہیں اس لئے یہ فتنہ پیدا ہوگا جب تک آپ توبہ نہیں کرتے اور اپنے ان دو مشیروں کو گویا عملاً تابع نہیں کر لیتے اس وقت تک آپ امارت نہیں کر سکتے۔ میں نے امیر صاحب کو کہا کہ بلا تاخیر فوراً ان صاحب کو مجلس سے باہر نکالیں اور عملاً آپ کی ساری مجلس عاملہ معزول ہے۔ سوائے ایک شخص کے جس نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کی غیرت کہاں گئی تھی؟ انہوں نے کیوں نہیں مڑ کر پوچھا کہ تم ہوتے کون ہو اس فورم کے مقرر کرنے والے۔ کہاں امیر المومنین نے یہ ہدایت کی ہے کہ کوئی امیر سوائے مجلس عاملہ یا نائب امیر کے کسی سے مشورہ نہیں کر سکتا۔ (اور سارے فتنے کے دوران) اندر اندر کئی سال کا یہ فتنہ پک رہا ہے۔ ایک دفعہ، ایک دفعہ بھی میرے سامنے یہ بات کسی نے نہیں رکھی کہ مبشر باجوہ نے یا کسی اور باجوہ نے امیر صاحب کو یہ غلط مشورہ دیا اور یک طرفہ بات سن کر اس غلط مشورے پر انہوں نے عمل کیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اور بات تھی میں اس معاملہ کی تحقیق کرتا اور پتہ کرتا کہ کیوں امیر صاحب اتنا متاثر ہیں ایک شخص سے کہ غلط صحیح کی پہچان کے بغیر فیصلے کئے چلے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کو مشوروں کی بیماری ہوتی ہے۔ یہ مبشر باجوہ صاحب کو بھی ہے وہ مجھے بھی بڑے لمبے لمبے خط لکھتے ہیں اور بیس بیس بائیس بائیس صفحے کے مشوروں کے خط مجھے ملتے ہیں۔ میں نے تو کبھی حوصلہ نہیں ہارا اور نہ کسی کو یہ حق ہے کہ کہے کہ دیکھیں آپ کو خدا نے مجلس شوریٰ تک محدود کیا ہے۔ یا اپنے ناظروں تک محدود کیا ہے، خبردار جو مبشر باجوہ کے مشورے آپ نے سنے۔ اور میرا تجربہ ہے کہ آج تک انہوں نے کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا جو جماعت کے مفاد کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشوروں کا شوق تو ضرورت سے زیادہ دے دیا ہے لیکن عقل بھی اچھی بھلی ہے۔ خدا کے فضل سے جو مشورے ہیں وہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ بے وجہ بہت ہی زیادہ

مشورے ہیں لیکن یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ان کے مشورے کسی ناپاک ارادہ سے ہوتے ہیں۔ یا ان کے مشوروں کے نتیجہ میں جماعت کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے ایک واقعہ بھی میرے علم میں آج تک نہیں آیا۔ ان کا میں شکریہ ادا کر دیا کرتا ہوں کہ جزاک اللہ آپ کے مشورے مل گئے جس حد تک ضرورت ہوئی میں فائدہ اٹھاؤں گا۔ یا یہ کہہ دیتا ہوں کہ اکثر باتیں تو پہلے ہی اسی طرح ہو رہی ہیں۔ مشورے پر مشورہ آ گیا ہے بس جزاک اللہ۔ تو کیا حرج ہے اس میں اس بے چارے کی عادت ہے۔ دلداری کر لی ختم ہو گیا معاملہ اس پر اتنا طیش کھانا؟ اس طرح جل جل جانا اور بغض وعناد پیدا کر لینا اور جماعت میں پروپیگنڈے شروع کر دینا کہ ایک شریف النفس امیر چونکہ صرف یہی نہیں کہ اس کی بات سنتا ہے بلکہ اس کا رشتہ دار بھی ہے اور اس کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے یہ ایک لعنتی پروپیگنڈا ہے ۔اگر ان لوگوں نے توبہ نہ کی تو خدا کی نظر میں یہ مغضوب ہوں گے اور پکڑے جائیں گے۔

عملاً ایسے لوگوں نے مجھ سے اپنا عہد بیعت خود فسخ کر لیا ہے مجھ سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ کیونکہ ایسی بدبختی بار بار کی نصیحتوں کے باوجود بار بار گھنٹوں بیٹھ کر سمجھانے کے باوجود ان کو عقل نہیں آئی۔ یہ کہنا چاہئے تھا یہ طریق اختیار کر سکتے تھے کہ فلاں صاحب مشیر ہیں اور ان کے مشورے بار بار غلط ہو رہے ہیں۔ یہ اسی طرح بار بار جماعت کے لئے سبکی ہو رہی ہے میں لازماً فوری طور پر تحقیق کرتا مگر کبھی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔

یہ درست ہے کہ امیر سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، ہو جاتی ہیں لیکن ان غلطیوں کو درست کرنے کا ایک طریق کار ہے۔ خلیفہ وقت موجود ہے، اس سے نیچے اور بھی عہدیداران ہیں جن کا امیر کی غلطیوں سے تعلق ہو سکتا ہے۔ ناظر اعلیٰ ہے، وکیل اعلیٰ ہے، صدران مجالس ہیں لیکن کسی کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ خود امیر پر نگران بن کر بیٹھ جائے اور اس کی غلطیوں کو پکڑے۔ صرف ایک معاملہ ایسا ہے جہاں اگر خدانخواستہ کبھی ہو تو وہاں جماعت کو امیر کی متابعت میں رہنے کا حق نہیں رہتا کہ وہ خلیفہ وقت کے کھلے کھلے فیصلہ کے خلاف کوئی کارروائی کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ اس صورت میں وہ عملاً اپنی امارت سے انحراف کر رہا ہے کیونکہ جس نے اس کو امیر مقرر کیا ہے اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے تجاوز کر رہا ہے۔

ایک امیر کے سوا آج تک میرے علم میں نہیں آیا کہ کسی نے خلیفۃ المسیح کی واضح ہدایت کی

کھلی کھلی خلاف ورزی کی ہواور وہ اس کی بدنصیبی تھی اوراس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس کو نظام جماعت میں خدمت سے محروم کر دیا گیا ورنہ امراء تو فدائیت کے پتلے ہوتے ہیں اور امیر کے وقار کی حفاظت کرنا خلیفہ وقت کا فرض ہے۔وہ آپ نے نہیں سنا کہ کس طرح خدا انبیاء کی حفاظت کرتا ہے کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس مان کے ساتھ کس شان کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میری پشت پر دیکھتے نہیں کون کھڑا ہے وہ کبھی مجھے نہیں چھوڑے گا اس لئے خلفاء کو بھی اسی سنت پر عمل کرنا ہے۔انبیاء خدا سے رنگ سیکھتے ہیں اور خلفاء انبیاء سے رنگ سیکھتے ہیں۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک خلیفہ وقت نے کسی کو امیر مقرر کیا ہے وہ ہمیشہ اس کی پشت پر کھڑا رہے گا۔یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ امیر کو زخم پہنچائیں اور خلیفہ وقت اس کا جواب نہ دے۔کوئی شخص اگر یہ منافقانہ، جاہلانہ خیال دل میں پالتا ہے کہ میں خلیفہ وقت کے مقرر کردہ امیر سے ٹکرار ہا ہوں اور خلیفہ وقت کے پاؤں چومتا ہوں تو وہ جھوٹا ہے۔یہ شیطانی خیالات ہیں۔خلیفہ وقت ایسے پاؤں چومنے والے کے چومنے پر ٹھوکر بھی نہیں مارتا۔وہ ہر قیمت پر اپنے مقرر کردہ امیر کی پشت پر کھڑا رہے گا سوائے اس کے کہ اس پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ وقت آ گیا ہے کہ اس امیر کو بدل دو۔

پھر یہ کہا گیا کہ امیر کی ایک پارٹی ہے گویا کہ اوراس کے مقابل پر ایک اور پارٹی ہے کہ اگر آپ اس طرح چلیں گے تو پھر یہ پارٹیاں قائم ہوں گی۔میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ جماعت میں صرف ایک پارٹی ہے اور صرف ایک پارٹی ہے اور وہ خدا کی پارٹی ہے اوراسی پارٹی کی نمائندگی امیر کرتا ہے اس کے سوا جتنی پارٹیاں ہیں وہ شیطانی پارٹیاں ہیں۔ان پارٹیوں کے زندہ رہنے کا حق ہی کوئی نہیں اس لئے سر اٹھا کر امیر سے یہ باتیں کرنا کہ ہم جانتے ہیں کہ کن عورتوں کی تم باتیں سن رہے ہو۔کون سے تمہارے ٹولے ہیں جو تمہاری مدد کر رہے ہیں؟ یہ کھلی کھلی بغاوت اور شیطانی خیالات ہیں ان کو کسی قیمت پر جماعت میں پنپنے نہیں دیا جائے گا۔

اس لئے میں امیر صاحب کو بھی خوب اچھی طرح اس بات سے آگاہ کرتا ہوں کہ آپ شیروں کی طرح ڈٹ جائیں۔خلیفہ وقت آپ کے ساتھ ہے اور ساری جماعت احمدیہ آپ کے ساتھ ہے۔جرمنی کی جماعت بھی آپ کے ساتھ ہے اور کل عالم کی ۱۲۶ جماعتیں آپ کے ساتھ ہیں اور خدا کی قسم جس کی پشت پناہی آج کا خلیفہ کر رہا ہوگا یا اپنے وقت کا خلیفہ کر رہا ہوگا اس کی پشت پناہی خدا

کرے گا اور ہمیشہ خدا اس کی پشت پناہی کرے گا۔ وہ لوگ جو جہالت سے بغاوت کے سر اٹھاتے ہیں ان کے سر کچلے جائیں گے بڑے بڑے پہلے بھی لوگ پیدا ہوئے تھے انہوں نے یہ آوازیں بلند کیں تھیں کہ ہمارے جتھے زیادہ ہیں کہاں گئے ان کے جتھے؟ ٹکڑے بکھر گئے ان کے۔ کہاں گئیں ان کی عزتیں؟ ساری خلافت سے وابستگی کے نتیجہ میں تھیں۔

وہ لاہوری جماعتوں کے حال کیا ہوئے وہ بڑے بڑے جو انجمن کے سربراہ بنے پھرتے تھے ان کے حال کیا ہوئے؟ کس طرح خلیفۃ المسیح الاول نے ان کو للکارا جو عجز کا پتلا تھے۔ میں بھی خدا کے فضل سے عجز کا پتلا ہوں مگر جہاں خدا کے نظام کے وقار کا سوال ہے وہاں کسی قیمت پر میں اپنے سر کو جھکا نہیں سکتا۔ بعض لوگوں نے مجھے کہا آپ تو محبت کے سمندر ہیں۔ میں ان کو بتاتا ہوں کہ سمندروں میں بھی تلاطم پیدا ہوا کرتے ہیں اور اس محبت کے سمندر میں اگر خدا کی غیرت کے خاطر تلاطم پیدا ہوا تو جتنے شیطانی جہاز ہیں وہ سارے غرق ہو جائیں گے اور کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ اس طوفان کا مقابلہ کر سکے اس لئے امیر صاحب کو میں نے ہدایت دی ہے اور میں تمام جماعت جرمنی سے اس کی توقع رکھتا ہوں کہ وہ کلیۃً ان کے ساتھ وفاداری کا اقرار کریں اور مجھے بعد میں ریزولیوشن کے ذریعہ آپ یہ یقین دلائیں کہ ہم میں سے ہر ایک جو آپ کی بیعت میں داخل ہے وہ اپنے امیر کی نہ صرف اطاعت کرے گا بلکہ پوری طرح اس کا احترام کرے گا اس کا ادب کرے گا اس سے ٹکرانے والوں کے ٹکڑے اڑا دے گا۔ یعنی ان کی حیثیت کسی شمار میں نہیں آئے گی جسمانی طور پر نہیں بلکہ ان کی انانیت کے ٹکڑے اڑا دے گا۔ ان کے تکبر کو پارہ پارہ کر دے گا اور مجھے یقین ہے، میں جماعت کو ہر دوسرے انسان سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں آپ میرے دل میں دھڑک رہے ہیں میں آپ کے دل میں دھڑک رہا ہوں ہم ایک دوسرے کی رمزوں سے واقف ہیں ہم ایک دوسرے کی نبضوں کو جانتے ہیں اس لئے میں آپ کی طرف سے کامل یقین کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ یہی جذبات جو میرے دل کے جذبات ہیں آج ساری دنیا، جرمنی کی جماعت کے جذبات ہیں، آج ساری دنیا کی جماعتوں کے جذبات ہیں۔

پس کیا خوف ہے آپ کو ان فتنے گروں سے جو بار بار سر اٹھاتے ہیں تکبر اور انانیت سے نہ یہ پہلے کبھی جماعت کا کچھ بگاڑ سکے تھے نہ آئندہ کچھ بگاڑ سکیں گے۔ آپ کو میں نے تفصیل سے یہ

باتیں اس لئے بتائی ہیں کہ بعض سادہ لوح آخری مقام پر پہنچنے سے پہلے پہلے ٹھوکریں کھا جایا کرتے ہیں۔ جب اس قسم کا مقابلہ کھل کر ہوتا ہے تو پھر وہ توبہ بھی کرتے ہیں۔ واپس بھی آتے ہیں لیکن زخمی ہونے کے بعد اور چند ایک گنتی کے بدنصیبوں کے سوا ان فتنہ گروں کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا کرتا۔ خود ان کے ساتھی ان کو چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اس مضمون کو بھی قرآن کریم نے بہت کھول کر جنگ بدر کے حالات بیان کرتے ہوئے بیان فرما دیا ہے۔ کوئی فتنے کا پہلو ایسا نہیں جو قرآن کریم نے خالی چھوڑا ہو جس کے متعلق ہمیں تنبیہہ نہ کر دی گئی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں جو عام حالات کی ذمہ داریوں سے بہت بڑھ کر ہیں۔ **یاد رکھیں ہم صدی کے سر پر کھڑے ہیں ہم بحیثیت مجموعی اس صدی کے امام بنائے گئے ہیں۔ آج کی غفلتیں اور آج کی ٹھوکریں آنے والے سو سالوں پر اثر انداز ہوں گی اس لئے سوچ کر مضبوطی کے ساتھ قدم اٹھائیں۔ سلسلہ کی روایات کی حفاظت کریں اور ہر ایسے شخص کو جس کی انانیت سر اٹھاتی ہے اس کو رد کر دیں اور اسے نامراد کر کے دکھا دیں۔** اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو۔ اور ہمیشہ ہمیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے سکھائے ہوئے اعلیٰ اسلوب کے مطابق اطاعت اور ادب کے حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نظام جماعت میں کوئی امیر ڈکٹیٹر نہیں۔

خلیفہ بھی ڈکٹیٹر نہیں کیونکہ وہ مقتدر ہستی کو جواب دہ ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ ستمبر ۱۹۹۱ء بمقام مسجد نور۔اوسلو (ناروے)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

آج کا یہ خطبہ میں ناروے کے دارالسلطنت اوسلو سے دے رہا ہوں۔ناروے کی جماعت بھی ان جماعتوں میں سے ایک ہے جن میں گزشتہ چند سالوں سے بارہا کئی قسم کے مسائل پیدا ہوتے رہے اور کئی قسم کی سرکشیوں نے سر اٹھایا۔ایسے لوگ چند گنتی کے ہوں گے کیونکہ میرا حسن ظن اس جماعت پر یہی ہے کہ جماعت کی بھاری اکثریت اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقویٰ کے ساتھ جماعت سے وابستہ ہے اور پوری وفا کے ساتھ نظام جماعت کے ساتھ منسلک ہے لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ ایک مچھلی بھی سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے۔عملاً الٰہی جماعتوں میں جب فتنے پھیلانے کی کوشش کی جاتی ہے خواہ وہ عمداً کی جائے یا بغیر معلوم ہوئے ایک فتنہ پرداز اپنی شخصیت کو پہچانے بغیر فتنے پھیلا رہا ہوتا ہے اور اس کو علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے جو بھی صورت ہو ہر مچھلی خواہ ایک ہو یا دو یا تین ہوں ان مچھلیوں کا پھیلایا ہوا گند چاروں طرف پھیلتا ہے اور تالاب کا پانی ضرور گدلا دکھائی دینے لگتا ہے اس لئے جہاں بھی اس قسم کے لوگ پہنچیں اور ان کی شرارت اور ان کے فساد کو بروقت دبایا نہ جائے اس کا نقصان لازماً جماعت کو پہنچتا ہے اور یہ جماعت کی بدنصیبی ہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں کو چھوٹی چھوٹی بدتمیزیوں کو دیکھتی ہے اور انہیں برداشت کرتی چلی جاتی ہے اور بروقت

اقدام نہیں کرتی ، جس کے نتیجے میں بعض دفعہ بہت گہرے نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

جماعت ناروے میں بھی ایسے لوگ تھے جنہوں نے نظم وضبط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جماعت احمدیہ کے وقار کو مجروح کرنے والی حرکتیں کیں اور نتیجۃً مسلسل یہی سمجھتے رہے کہ وہ متقی اور پرہیز گار ہیں اور باقی سب لوگ گندے ہیں اور رفتہ رفتہ سرکشی پیدا ہونے لگی اور امیر کی موجودگی میں بھی اور مجلس عاملہ میں بھی ، مسجد میں ، مجالس میں بلند آواز سے بدتمیزی کی باتیں ہوتی رہیں۔تو سب سے پہلے جس فتنے سے مجھے تکلیف پہنچی وہ یہ فتنہ تھا لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں کے سپرد ذمہ داری کی جاتی ہے اگر وہ بروقت مناسب اقدام کی اہلیت نہیں رکھتے تو مجھے وقت پر مطلع کیوں نہیں کرتے فتنے جماعت میں پل ہی نہیں سکتے ۔اگر جماعت کو یہ معلوم ہو جائے کہ خلیفہ وقت کا یہ منشا ہے تو ناممکن ہے کہ یہ جماعت کسی فتنہ پرداز کو اپنے اندر جگہ دے لیکن لاعلمی میں بہت سے لوگ دھوکا کھاتے اور کسی نہ کسی طرح ملوث ہوتے چلے جاتے ہیں۔ایک طرف کی باتیں سنتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ ہاں یہ سچی بات کر رہا ہے اور بعض دفعہ بات سچی بھی ہوتی ہے مگر کہنے کا انداز جھوٹا ہے، کہنے کا انداز فتنہ ہے۔ چنانچہ وہ منافقین جو آنحضرت ﷺ کو سچا کہتے تھے ، قرآن کریم نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا بات تو سچی کرتے ہیں لیکن ہیں جھوٹے لوگ ، تو بعض دفعہ باتیں سچی ہوتی ہیں لیکن باتیں کرنے کا مقصود فتنہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جب ایسے بعض دوستوں سے سنتے ہیں کہ فلاں دوست میں یہ نقص ہے، فلاں میں یہ نقص ہے اور امیر صاحب اس کو برداشت کر رہے ہیں اس کے خلاف کوئی سخت قدم نہیں اٹھایا جاتا، تو بعض نقائص واقعۃً ہوتے ہیں اس لئے بعض سادہ لوح انسان اس کے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن مومن کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی سادگی ان معنوں میں سادگی نہیں کہ وہ بے وقوف ہو۔ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے، ہر ایسا شخص جس کو تقویٰ کی روشنی نصیب ہو وہ کبھی ایسے دھوکے میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔تقویٰ کے معیار میں کچھ کمی ہے جس کے نتیجے میں ایسا واقع ہوتا ہے۔ یک طرفہ باتیں سننے کا چسکا پڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ محسوس کئے بغیر کہ اس سے کتنا بڑا نقصان جماعت کو پہنچ سکتا ہے۔ کچھ لوگ ایک طرف ایک گروہ میں بٹنے لگتے ہیں۔ کچھ دوسری طرف دوسرے گروہ میں بٹنے لگتے ہیں۔

پھر ایک اور بے ہودہ فتنے نے اس رنگ میں سر اٹھایا کہ ایک صاحب جن کے سپرد جماعت

کا ایک عہدہ تھا اور بڑا اہم عہدہ تھا، وہ جماعت کے پریذیڈنٹ کے گریبان پر ہاتھ ڈالتے تھے بدتمیزی کرتے تھے اور بعض دفعہ جسمانی طور پر زدوکوب بھی کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہمارے ناروے کے امیر مکرم نور بولستاد صاحب تھے اور ان کو تو چونکہ لمبا انتظامی تجربہ نہیں تھا وہ اس قسم کی بے ہودہ حرکتوں اور بدتمیزیوں سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ ایک دفعہ انہوں نے مجھے لکھ بھیجا کہ مجھ سے اب مزید کام نہیں ہوسکتا یہ لوگ اس سرشت کے لوگ ہیں، اس مزاج کے لوگ ہیں کہ میں ان سے نپٹ نہیں سکتا، میں نے اصلاح کی بہت کوشش کی مگر یہ باز نہیں آئے۔ وہ تو لاعلم تھے اگر ان کو پہلے پتہ ہوتا کہ ایسی صورت میں فوری طور پر آپریشن کرنا پڑتا ہے۔ جہاں دواؤں سے مرض نہ سنبھلتا ہو وہاں جراحی کے سوا کوئی علاج نہیں اور فوری جراحی ہمیشہ بہتر نتیجہ دکھاتی ہے۔ ان کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ ایسے معاملات کو فوری طور پر میرے علم میں لانا چاہئے لیکن جو مربی وہاں موجود تھے اور اس وقت ان کے نائب امیر تھے انہوں نے آنکھیں بند رکھیں۔ پہلے فتنہ سے بھی آنکھیں بند رکھیں اور بعد کے فتنہ سے بھی آنکھیں بند رکھیں اور اس کو شاید وہ اپنی شفقت سمجھتے ہوں اور یہاں کے لوگ بھی یہی سمجھتے تھے کہ بڑے ہی نرم مزاج حلیم طبع اور شفیق مربی ہیں۔ جب امیر نے اس وقت فتنوں سے آنکھیں بند رکھیں کہ لوگوں کو کہیں تکلیف نہ پہنچے اور جب نائب امیر ہوئے تب بھی فتنوں سے آنکھیں بند رکھیں۔ اس کا نام حلم نہیں ہے اس کا نام انتہائی سادہ لوحی ہے جس کے لئے اصل لفظ میں کہہ نہیں سکتا کیونکہ اس سے دل مجروح ہوں گے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جماعت کا جو عہدے دار ایسی باتوں سے صرف نظر کرتا ہے وہ خواہ کیسا ہی نیک اور بزرگ اور سلسلے کا وفادار کیوں نہ ہو اس سے ضرور سلسلے کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وفا کے اعلیٰ تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ ذاتی تعلقات اور ذاتی دشمنیوں کو سراسر بھلا دیا جائے۔ ہر ایسے شخص کا جس کے علم میں ایسی بداخلاقیاں آتی ہیں۔ فرض ہے کہ وہ اول تو فوری طور پر بیمار لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرے اگر وہ نہیں سمجھتے تو افسر بالا کو بتائیں۔ اگر وہ اقدام نہیں کرتے تو پھر اوپر بات پہنچائیں۔

لیکن ایسا ہونے کی بجائے جماعت میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں اور اس کا ایک بہت بڑا نقصان یہ پہنچا کہ ناروے کے ایک نہایت متقی اور بزرگ انسان جو نارویجن قوم سے تعلق رکھتے تھے، جن کو میں نے عمداً اس قوم کی تربیت کی خاطر امیر مقرر کیا تھا وہ ان جیسے نیک اور پارسا امیر سے محروم رہ گئے۔

جرمنی میں بھی ایسے فسادات ہوئے لیکن جرمنی میں فسادات کی کچھ مختلف نوعیت بھی تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ امیر صاحب جرمنی کو اللہ تعالیٰ نے بے حد حوصلہ عطا فرمایا ہے اور ہر شخص میں وہ حوصلہ نہیں ہوتا ان کے اندر خدا تعالیٰ نے جو خوبیاں رکھی ہیں ان میں سے ایک صبر کی خوبی ہے۔ لمبے عرصے تک وہ صبر کے ساتھ تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے اور دو تین دفعہ میرے علم میں بھی لائے میں نے بھی کوشش کی۔ جب وہ بیماری ٹھیک نہ ہوئی تو بالآخر گزشتہ خطبہ میں میں نے جو حالات بیان کئے ہیں وہ حالات رونما ہوئے اور معاملہ یہاں تک پہنچا۔

ناروے میں بعد میں فتنے نے ایک اور رنگ اختیار کر لیا۔ بعض لوگ امیر سے جو موجودہ امیر ہیں ان سے دل برداشتہ تھے، خواہ خانگی جھگڑوں کی بناء پر یا کسی اور وجہ سے ان کو نائب امیر صاحب ایسے مل گئے جو ان کی باتیں سنتے تھے۔ ایسے اور عہدیدار مل گئے جو ذیلی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے عہدیدار تھے جن کا ہرگز کام نہیں ہے کہ وہ جماعتی نظام میں دخل دیں اور جماعت کے خلاف باتیں کرنے والوں کی دلجوئی کریں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں اور ہمدردیوں کے اظہار کریں اور فتنہ جب بھی اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ بڑے عہدیدار ہمدردی اور شفقت سے فتنہ پردازوں سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو پھر ساری جماعت کو سخت خطرہ درپیش ہو جاتا ہے۔

اور پھر پہلی دفعہ میں نے وہاں باقاعدہ ایسے آثار دیکھے کہ فتنہ پرداز باقاعدہ ایک پارٹی بنتے چلے جا رہے تھے اور دونوں طرف کے خطوط مجھے ملتے تھے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دونوں جماعتیں ایک الٰہی جماعت کی طرف منسوب نہیں ہو سکتیں۔ اگر ایک الٰہی ہے تو دوسری ضرور شیطانی ہے کیونکہ اس قسم کے پھٹے ہوئے گروہ توحید میں نہیں سما سکتے اور خلافت اسلام میں توحید کی نگرانی کرنا سب سے بڑا فریضہ ہے آیت استخلاف کا جو آخری نتیجہ خدا تعالیٰ نے نکالا ہے وہ توحید پر مومنوں کی جماعت کو قائم رکھنا ہے۔ جو خلافت سے کاٹے جاتے ہیں وہ توحید سے کاٹے جاتے ہیں یعنی خود منتشر ہو جاتے ہیں بکھر جاتے ہیں ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں، نام کے بہتّر فرقے ہیں لیکن ہر فرقے میں بہتّر در بہتّر فرقے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

پس یہ میرے اولین فرائض میں سے ہے۔ اگر میں اس فریضہ کو ادا نہ کروں تو میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ جماعت کو ایک ہاتھ پر اکٹھا رکھنا میرے فرائض میں سے ہے جس سے میں

ہر گز کسی قیمت پر روگردانی نہیں کرسکتا۔اس معاملہ میں میں سوائے خدا کے اور کسی کا دوست نہیں ہوں اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہو کہ مجھ سے اچھے تعلقات ہیں مجھ سے محبت کے دیرینہ مراسم چلے آرہے ہیں میں اس سے پیار کرتا ہوں تو یہ واہمہ دل سے نکال دے۔ میرا پیار اس حد پر جا کر رک جاتا ہے جہاں وہ خدا کی مقرر کردہ حدوں کو پھلانگ کر باہر نکلتا ہے اور مجھ میں یہ گنجائش اور توفیق ہی نہیں ہے کہ ایسے شخص سے پیار کا کوئی تعلق رکھ سکوں۔تو ایسے موقع پر وہ بعض دفعہ مجھے واسطے دیتا ہے کہ آپ تو بڑے شفقت کرنے والے، آپ تو بڑے مہربان ہیں، آپ ہمیشہ مجھ سے اس طرح کیا کرتے تھے، اب کیوں آنکھیں پھیری ہیں؟ تو میں ان کو بتاتا ہوں کہ آنکھیں پھیرنے والا وہ ہوتا ہے جو خدا اور اس کے دین سے آنکھیں پھیر لے جو دین کے اعلیٰ مفادات سے آنکھیں پھیر لے، جو دین کے اعلیٰ تقاضوں سے آنکھیں پھیر لے اور اگر خلیفہ وقت اس سے آنکھیں نہ پھیرے تو اس کی آنکھیں دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔وہ نور بصیرت سے عاری آنکھیں ہیں اور خدا مجھے ایسی توفیق نہ دے کہ میری آنکھیں بھی اس طرح اندھی ہو جائیں کہ جن کی آنکھیں نظام جماعت سے پھر رہی ہوں میری آنکھیں ان کو محبت سے دیکھیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔اس فتنے نے جب یہاں تک سر اٹھایا تو مجھے کچھ اقدامات کرنے پڑے اور عجیب بات ہے کہ جو لوگ ملوث ہوتے ہیں اور آخر وقت تک اپنے آپ کو معصوم ہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کوئی نہ کوئی بہانہ پیش نظر رکھتے ہیں اور یہ بات نہیں سوچتے کہ ان کی ان حرکتوں کے نتیجے میں جماعت ضرور بٹ رہی ہے اور نظام جماعت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

آخری فیصلہ اس بات سے ہونا چاہئے کہ جو باتیں میرے علم میں آئی ہیں اگر وہ غلط ہیں تو ان کا صحیح علاج کیا ہے؟ ہر وہ علاج غلط اور جھوٹا ہے جس سے نظام جماعت کو کسی طرح کی آنچ آئے اور بعض لوگ نظام سے دل برداشتہ ہوں اور مومنوں کی جماعت میں تفریق پیدا ہو۔

سوال یہ ہے کہ کیا امیر کبھی غلطی نہیں کرتا؟ یقیناً کرتا ہے۔کئی امیر ہیں جو نہ صرف اپنے فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں بلکہ احباب جماعت سے ویسا شفقت اور محبت کا تعلق نہیں رکھتے جیسا کہ ان کے منصب کا تقاضا ہے۔ایسے بھی امیر ہیں جو بعض دفعہ بعض لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت کا تعلق رکھنے لگ جاتے ہیں اور وہ لوگ ان امیروں سے کھیلتے ہیں اور ان کو یہ بتاتے ہیں کہ فلاں شخص تو تمہارے خلاف ہے، اگر تم نے ان کے ساتھ کسی قسم کا نظام جماعت میں سختی کا برتاؤ کیا تو وہ فساد برپا

کر دیں گے اور تمہارے سامنے تو کہنے کی جرأت نہیں لیکن تمہارے پیچھے ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں اور بعض امیر اپنی بے وقوفی میں ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھیلتے اور بے وجہ بجائے فتنے کو دبانے کے فتنے کو ہوا دینے کا موجب بن جاتے ہیں اس لئے اس بات سے میں انکار نہیں کر رہا کہ امیر غلطی نہیں کرسکتا۔ امیر غلطی کرسکتا ہے۔ بہت سے امراء ہیں جن کو اپنے عہدوں سے معزول کیا گیا ہے ان کے اوپر کمیشن بٹھائے گئے ان کی نگرانی کی گئی، کئی قسم کی غلطیاں انسان کو لاحق ہیں۔ امارت کے نظام کا طریق یہ ہے کہ جماعت اپنے طور پر حسب توفیق جس کو سب سے اچھا متقی اور پرہیزگار سمجھے اسی کو امیر چنتی ہے لیکن جہاں جماعت میں انتخاب کی صلاحیت پوری نہ ہو جہاں جماعت میں خود تقویٰ کا معیار بعض جگہوں پر گرا ہوا ہو، جہاں جتھے بن رہے ہوں، خاندانی پارٹیاں بنی ہوئی ہوں وہاں اکثر اوقات امیر کے انتخاب میں غلطی ہو جاتی ہے اور جب ایک دفعہ غلطی ہو تو پھر جماعت کو اس کے نقصانات پہنچتے رہتے ہیں۔ اسی لئے نظام جماعت میں خلیفہ وقت کو آخری اختیار ہے کہ جس انتخاب کو چاہے رد کر دے لیکن بعض دفعہ اس امیر کی غلطیاں یا جماعت کی غلطیاں فوری طور پر سامنے نہیں آتیں کچھ وقت لگتا ہے اور ایسے موقعوں پر اقدام کیا جاتا ہے تو یہ کہنا غلط ہے کہ امیر غلطی نہیں کرسکتا۔ اس لئے میں امارت کا ساتھ دے رہا ہوں۔ اس مضمون کو سمجھانے کی ضرورت ہے میں ان معنوں میں امارت کا ساتھ دیتا ہوں کہ جب تک کوئی امیر مقرر ہے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کے مطابق لازماً اس کے ساتھ اطاعت کا تعلق رکھنا ہوگا۔ لازماً ہر اس شخص سے بیزاری کا اظہار کرنا ہوگا جو امیر کی اطاعت کے خلاف باتیں کرتا ہے یا اس کے خلاف دل بھرتا ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ امیر سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ ان کا علاج اور ہے ان کا علاج یہ نہیں ہے کہ ایک بیماری کو دور کرنے کے لئے سو بیماریاں پھیلا دی جائیں۔ بعض لوگ امیر کے متعلق جب یہ سنتے ہیں کہ اطاعت کرو اور جب بھی کہے جو کچھ کہے اگر وہ نظام جماعت کے اندر ہے، معروف کے خلاف بات نہیں تو اپنی نفرتوں کو بھلا کر بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پھر ڈکٹیٹر شپ ہوئی۔ اور بعض جماعتوں میں جب امیر کے ساتھ اختلاف ہوئے خواہ وہ غلطی امیر کی بھی ہو۔ بعض لوگوں نے امراء سے بڑی سختی کی اور ان کو بار بار ڈکٹیٹر، ڈکٹیٹر، ڈکٹیٹر کے طعنے دیئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔

اگر امیر کسی پر بالا رادہ یا بلا ارادہ ظلم کرتا ہے تو یاد رکھیئے ، ہر ایسا شخص اگر وہ نظام جماعت اور خدا کی خاطر صبر سے کام لیتا ہے تو خدا کے فرشتے اور خدا کا سارا نظام اس کی تائید میں کھڑا ہوگا اور ضرور اس کے لئے راحت کے سامان فرمائے گا۔ دنیا میں بھی اس کو جزادے گا اور آخرت میں بھی اس کو جزا دے گا لیکن اگر وہ صبر سے کام نہیں لیتا تو اس کے لئے دو طریق ہیں۔

اول:۔ یہ کہ جیسا کہ نظام مقرر ہے وہ بالا افسروں تک شکایت پہنچائے ، بجائے اس کے کہ غیر متعلقہ لوگوں سے باتیں کرے۔ جب وہ افسر بالا تک شکایت پہنچاتا ہے اور وہ نہیں سنتا تو پھر بالآخر بات خلیفہ تک پہنچتی ہے اور میں نے تو یہاں تک اعلان کر رکھا ہے کہ سارے درمیان کے واسطے بیشک چھوڑ دو صرف ایک واسطہ اختیار کرو جس کے خلاف شکایت کرنی ہے، تقویٰ سے کام لو اور اس کی معرفت کرو تا کہ شکایت غیبت نہ بن جائے۔ چغلخوری نہ ہو اور اس کو علم ہو کہ میرے متعلق کیا کہا جا رہا ہے۔

لیکن اگر تمہیں شک ہے کہ وہ اس چٹھی کو دبا کر بیٹھ جائے گا تو اس کی نقل مجھے بھجوا دو اور پھر مجھ پر چھوڑ و تو اول تو پہلی بات یہ کہ جس شخص کے اوپر ایک اور نگران بیٹھا ہوا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کرے بلکہ انصاف پر قائم رہے تو ایسے شخص کو ڈکٹیٹر کا طعنہ دیا ہی نہیں جا سکتا۔ ڈکٹیٹر تو مطلق العنان اور خود مختار، ہستی کو کہتے ہیں جو چاہے کرے ہر قانون اس کے تابع ہوتا ہے۔ ایک امیر بے چارہ ڈکٹیٹر کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کے اوپر نظارتیں ہیں، وکالتیں ہیں، اور اس کے اوپر خلیفۃ المسیح کی نگرانی ہے۔ جب شکایت کے یہ سارے رستے کھلے ہیں تو ان رستوں کو چھوڑ کر عوام الناس کی عدالت میں پہنچنا یہ روحانیت کے خلاف ہے اور نظام جماعت میں کسی قیمت پر برداشت نہیں ہوسکتا کیونکہ اس طرح فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ جماعت الٰہی جماعت ہے کوئی احراری جماعت تو نہیں۔

احراری جماعت اور الٰہی جماعت میں زمین و آسمان کے فرق ہوتے ہیں احراری جماعتوں میں بدتمیزی بدخلقی ، بدگوئی ، ہر قسم کی پارٹی بازی یعنی سیاسی جماعتوں کی بدترین قسم ہے۔ الٰہی جماعت ایک پاکیزہ جماعت ہے۔ اس کے سارے معاملات خدا کی خاطر ہوتے ہیں۔ عہدے ذمہ داریاں ہیں نہ کہ اپنی برتری کو ثابت کرنے کے لئے کوئی شخص انہیں استعمال کرتا ہے۔ عہدیداری تو ایک بہت ہی بڑا بوجھ ہے۔ جن لوگوں نے الٰہی جماعتوں میں مناصب کی حقیقت کو سمجھا ان میں ایسے بھی پیدا ہوئے جیسا کہ حضرت امام مالکؒ جن کو عہدہ قبول نہ کرنے کی سزا کے طور پر کوڑے مارے گئے

اور ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ بعد میں ان کے ہاتھ شل ہو گئے اور وہ اٹھ نہیں سکتے تھے۔اور بھی بہت سے عالم اسلام کے پہلے دور میں جبکہ تقویٰ کا معیار بہت بلند تھا ایسے واقعات نظر آتے ہیں کہ ایک شخص عہدے سے ڈرتے ہوئے توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس عہدے کے لائق نہیں ہوں میرے سپرد نہ کرو اور بادشاہ وقت زبردستی سزا دے کر ،بعضوں کو قید کیا گیا ،بعضوں پر کوڑے برسائے گئے ،بعضوں کو اور سزائیں دی گئیں ،اور حکماً ان کو مجبور کیا جاتا رہا کہ تم یہ عہدہ قبول کرو۔

کہاں یہ نظام اسلام جہاں عہدے سے خوف پیدا ہوتا ہے اور دل ڈرتے ہیں کہ میں ان ذمہ داریوں کو ادا کرسکوں گا کہ نہیں ، کہاں ان عہدوں کو ڈکٹیٹر شپ قرار دے دینا اور یہ سمجھنا کہ یہ بھی دنیا کے مناصب ہیں جن میں سے ایک منصب پر یہ شخص فائز ہو گیا ہے جو مجھے پسند نہیں ۔ یہ باتیں تقویٰ کی روح سے خالی ہیں اور ان کو نظام جماعت میں اب کسی طرح بھی مزید برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ایک دو ہوں اور اس وقت پکڑا جائے تو بہت بہتر ہے بجائے اس کے کہ یہ عام بیماریاں بن جائیں ۔اس سلسلے میں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ خلیفہ وقت کبھی بھی کسی امیر کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جماعت پر کسی قسم کا ظلم کرے۔اگر ایک فرد کی شکایت بھی پہنچے تو اس کی پوری تحقیق کی جاتی ہے اور امیر کو اس بات کے لئے جواب دہ بنایا جاتا ہے اور ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں جن میں ایک شخص نے جب مجھ تک شکایت پہنچائی کہ فلاں عہدیدار کی طرف سے خواہ وہ امیر تھا یا وکیل تھا یا ناظر تھا مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے تو بلا تاخیر میں نے ایسی تحقیق کروائی ہے جو کلیۃً آزاد تحقیق تھی اور بعض لوگوں کو شک ہوتا ہے کہ شاید اس تحقیق میں بھی کسی نے اثر ڈال دیا ہوگا ایسے لوگوں کو بعض دفعہ میں یہاں تک کہتا رہا ہوں کہ تم اپنے نمائندے مقرر کرو جو ساتھ بیٹھیں اور پھر اپنے نمائندوں سے سن کر مجھے بتاؤ کہ کیا ناجائز حرکت ہوئی ہے۔جس عہدے دار کے سر پر ایسا زبردست نظام موجود ہو کہ وہ ذرا بھی راہ راست سے ہٹے تو اس کی نگرانی کی جائے ،اس کے متعلق تحقیقاتی کمیشن بیٹھیں اور اگر وہ غلطی کرتا ہے تو اس کی پاداش میں اس کو عہدے سے معطل یا معزول کرنا پڑے تو پھر ایسے شخص کو ڈکٹیٹر کہہ دینا بڑا ظلم ہے ۔**نظام جماعت میں تو کوئی ڈکٹیٹر ہو ہی نہیں سکتا۔خدمت کرنے والے لوگ ہیں۔** ایک بے چارہ سیکرٹری مال ہے سوائے اس کے اس کو مشغلہ ہی کوئی نہیں کہ وہ خدا کی خاطر پیسے اکٹھا کرتا پھرے۔دنیا جب اپنے پیسے اکٹھے کرنے

میں مصروف ہوتی ہے وہ گھر گھر پھرتا ہے، دروازے کھٹکھٹاتا ہے اور رات کو اپنے حساب کتاب لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ بعض کے بیوی بچے مجھے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے لئے بھی تو اس کا کچھ رہنے دیں۔ یہ تو دن رات جماعت کے کاموں میں ہے۔ بعض ایسے امراء ہیں جن کے بیوی بچے مجھے بتاتے ہیں کہ مدتیں ہوگئی ہیں ہمارے بچوں نے ان کو نہیں دیکھا۔ رات کو کام کر کے دیر سے آتے ہیں ،صبح جلدی چلے جاتے ہیں اور سوائے نظام جماعت کے ان کا ہے ہی کچھ نہیں۔ ہمارے تو کسی کام کے نہیں رہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ وہ ان کے اتنے کام کے ہیں کہ ان کو اندازہ ہی نہیں۔ ان کی برکتیں وہ نسل ہی نہیں بلکہ نسلاً بعد نسل ان کی اولاد پاتی رہے گی اور آسمان سے یہ برکتیں بارش کی طرح ان پر نازل ہوں گی ایسے وفاداروں کو خدا کبھی تنہا نہیں چھوڑا کرتا کبھی بے جزا کے نہیں چھوڑا کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا دیکھو تم سمجھتے ہو کہ تمہارا باپ تمہارے لئے خالی گھر چھوڑ گیا ہے کبھی یہ وہم دل میں نہ لانا، یہ وہ گھر ہے جس پر ہمیشہ برکتیں برستی رہیں گی۔ تم پر، تمہاری اولادوں پر، تمہاری اولادوں کی اولادوں پر اس گھر میں دعاؤں کے ایسے خزانے بھر گیا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ تو نظر کی بات ہے، دیکھنے کی بات ہے جن نظروں کو خدا تعالیٰ نے نور عطا کیا ہو ان کو یہ برکتیں دکھائی دیتی ہیں مگر بعضوں کو نہیں دکھائی دیتیں۔ کسی نہ کسی حد تک شکوہ واجب بھی ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ میں حکماً ایسے عہدے داران کو کہتا ہوں کہ تم اتنی دیر کے لئے کام سے الگ ہو جاؤ یا زبردستی چھٹی دلواتا ہوں۔ بعضوں کو میں نے یہ کہہ کر رخصت پر بھجوایا کہ تم اتنی دیر اپنے خاندان کو لے کر کسی اچھے خوبصورت مقام پر جاؤ اور ان کے ساتھ کچھ دن زندگی بسر کرو اور تمہیں یہ حکم ہے تم اس کا انکار نہیں کر سکتے اور جماعت کو جو ایسا خلافت سے تعلق ہے اس میں کوئی یہ تو نہیں کہتا کہ آپ یہ حکم دینے والے کون ہوتے ہیں۔ آپ دین کی باتیں کریں، آپ کو ہماری ذات سے کیا تعلق؟ ہر شخص جس سے میں ایسی بات کرتا ہوں۔ مجھے علم ہوتا ہے کہ اس کا مجھ سے ایک ایسا تعلق ہے کہ باپ بیٹے کو حکم دے سکتا ہے تو اس سے بڑھ کر وہ میرے حکم کو قبول کرے گا اور یہ تعلقات اور معمول کے تعلقات اور نوع کے تعلقات ہیں، دنیا کو ان کی خبر ہی کوئی نہیں۔ ایسے حالات میں ایک امیر کو یہ طعنہ دے دینا کہ تم ڈکٹیٹر ہو، نہایت لغو بات ہے ایک دل کا غصہ اتارنے والی بات ہے۔ اگر امیر نے کوئی ظلم کیا تھا تو جب تک یہ بات

نہیں کہی اس وقت تک خدا کے فرشتے شاید اس کو ڈکٹیٹر کہتے ہوں۔ اس لئے کہ وہ ظلم کر رہا ہے۔ ان معنوں میں ڈکٹیٹر کہا جا سکتا ہو گا لیکن جب کہنے والے نے کہہ دیا تو پھر یہ آسمان کی آواز بند ہو گئی۔ اگر اس شخص کو پہنچنے والی تکلیف مجھے معلوم ہوتی تو میں اس کی تائید میں کھڑا ہوتا، اس کے دل کی تکلیف میرے دل کی تکلیف بن جاتی، میں اس کی طرف سے باز پرس کرتا اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ اگر کسی عہدے دار کو توفیق نہیں ہے کہ وہ جھک کر معافی مانگے تو اس کی طرف سے میں جھک کر معافی مانگتا ہوں اور جس کو تکلیف پہنچی ہے اسے کہتا ہوں کہ اصل ذمہ دار میں ہوں۔ میرے ماتحت شخص نے یہ حرکت کی ہے اور میرا فرض ہے کہ تم سے دل کے ساتھ معافی مانگی جائے۔ اگر یہ نہیں مانگتا تو میں مانگتا ہوں اور اس سے دلوں کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔

پس نظام جماعت تو ایک لاثانی نظام ہے اس کی کوئی مثال دنیا میں نہیں ہے۔ اس کو چھوٹی ادنیٰ ادنیٰ باتوں سے ذلیل ورسوا نہ کریں۔ اگر آپ نے اس نظام کی قدر نہ کی تو یہ سوچیں کہ یہ نظام پہلے بھی ایک دفعہ ناقدری کے نتیجے میں اٹھا لیا گیا تھا اب دوبارہ خدا نے آپ کو نعمت دی ہے اور الحمدللہ اس وعدہ کے ساتھ دی ہے کہ یہ نظام اب ہمیشہ رہے گا مگر ناقدری کرنے والوں کو سزا ضرور ملے گی اس لئے احتیاط سے کام لیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ آپ کو نظام جماعت کے تابع رہتے ہوئے امیر ہی کا سوال نہیں کسی بھی عہدیدار سے کوئی شکایت ہو تو وہ مجھے لکھ سکتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹا عہدیدار ہو خواہ وہ بڑا عہدیدار ہو اور میں جماعت کو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے بوجھ کی فکر نہ کریں۔ اگر مجھ تک تکلیف دہ باتیں نہ پہنچیں تو مجھے تکلیف ہو گی لیکن ہوں سچی یہ شرط ہے اگر تقویٰ کے خلاف کوئی جھوٹی باتیں پہنچیں گی تو پھر لازماً ایسے شخص کو سزا دی جائے گی۔ وہ دہرا جرم کرتا ہے۔ خلیفہ وقت کو دھوکا دیتا ہے اور خدا کے نظام سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ سچی شکایت ہو۔ سچے طریق پر پہنچے جس کے خلاف شکایت ہے اس کی معرفت بھجوائی جائے اس کی نقل مجھے بھجوا دی جائے۔ پھر دیکھیں لازماً کارروائی ہو گی لیکن کارروائی وہ ہو گی جو تقویٰ تقاضا کرتا ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حق میں ضرور ہو گی حالانکہ بالکل غلط بات ہے۔

بعض دفعہ ایسے ایسے ظالمانہ الزام عہدیداروں پر لگائے جاتے ہیں کہ پہلا خط پڑھ کر تو پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی ہے کہ اچھا جماعت میں ایسے ایسے خوفناک عہدیدار بھی ہیں۔ جب

تحقیق کی جاتی ہے تو بات برعکس نکلتی ہے۔شکایت کنندہ ظالم نکلتا ہے۔اب میں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر فیصلے کرنے ہیں۔شکایت کنندہ کے دل کی حالت کو دیکھ کر تو فیصلے نہیں کرنے جب میں فیصلہ کرتا ہوں تو پھر بعض دفعہ وہ کہہ دیتا ہے۔بعض دفعہ دل میں رکھتا ہوگا کہ لو جی خلیفہ کے پاس بھی انصاف نہیں لیکن میں آپ کو ایک اور بات بتاتا ہوں کہ خلیفہ کوئی ڈکٹیٹر نہیں ہے کیونکہ خلیفہ کے اوپر سب سے زیادہ مقتدر اور طاقتور ہستی بیٹھی ہوئی ہے جو ہر وقت اس کی نگرانی کرتی ہے۔

حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ لاہوریوں کا فتنہ سر اٹھانے لگا تھا اپنے ایک جلالی خطبے میں یہ فرمایا کہ تمہیں خدا نے باندھ کر میرے تابع کر دیا ہے۔تم عہد بیعت سے مجبور ہو،تمہاری مجال نہیں ہونی چاہئے کہ میرے سامنے بات کرو اور آواز اٹھاؤ لیکن اگر میں غلطی کرتا ہوں اور مجھ سے شکایت ہے تو مجھ سے بالا ہستی جو ساری کائنات میں سب سے بالا ہستی ہے۔اس کے پاس میری شکایت کرو۔اس کو شکایت کرو کہ یہ بڈھا ہمیں یہ تکلیف دے رہا ہے اور فرمایا کہ خدا پھر مجھے اس دنیا سے اٹھالے گا اور مجھے یہاں باقی نہیں رکھے گا کیونکہ اس کی خاطر تم میری اطاعت کر رہے ہو میری خاطر تو نہیں کر رہے۔

اس لئے جس خلیفہ کے اوپر ایسا مقتدر خدا بیٹھا ہو، جس کے قبضہ قدرت میں زندگی اور موت ہو ایسے خلیفہ کے خلاف شکایت تو سب سے بڑے دربار میں ہوتی ہے۔پس یہ نظام خلافت آمریت سے کوئی مشابہت رکھتا ہے اور نہ نظام امارت ،سلسلے کا کوئی عہدہ بھی ایسا نہیں جس میں آمریت کی ذرّہ بھی خوبو پائی جائے لیکن احباب جماعت کو تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔اس نظام کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہئے۔سمجھ لینا چاہئے اور جب خدا تعالیٰ نے یہ سارے رستے رکھے ہوئے ہیں شکایتیں دور کرنے کے ان کو اختیار کیا جائے۔جب بھی ایک شخص اپنی شکایت کو صحیح رستہ پر چلانے کے بجائے دوسرے لوگوں تک پہنچاتا ہے جن کا تعلق نہیں ہے تو اس سے کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔اول یہ کہ وہ شکایت جب کسی اور بھائی سے کرتا ہے یا بہن سے کرتا ہے تو اپنے دل کا غبار اسی سے نکال لیتا ہے پھر خدا پر اس کا کچھ نہیں رہتا اور یکطرفہ باتیں کرتے ہوئے بسا اوقات جس عہدیدار سے شکایت ہے اس کے خلاف بدتمیزی بھی کرتا ہے،اس کو گالیاں بھی دے جاتا ہے اور کئی قسم کے ایسے ناجائز فقرے کستا ہے جس کے نتیجے میں وہ مظلوم تھا ظالم بن جاتا ہے۔پھر جس سے

باتیں کرتا ہے اس کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اگر وہ شخص تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر نہیں ہے تو اس کی باتیں سن کر آگے متعلقہ عہدیدار کو پہنچانے کی بجائے، اس کے خلاف ردعمل دکھانے کی بجائے وہ اپنے دل میں بٹھا لیتا ہے اور اس سے ہمدردی شروع کر دیتا ہے۔ کہتا ہے ہاں ہاں! یہ تو تم سے زیادتی ہوگئی اس طرح اس کو ایک اور دوست مل گیا۔ پھر اس سے ایک اور منافق دوست بن گیا، پھر اس سے ایک اور منافق دوست بن گیا۔ اس طرح بجائے اس کے کہ کسی شکایت کا ازالہ ہو، اس شکایت سے بہت بڑھ کر ایک روحانی بیماری جماعت میں پھیلنے لگ جاتی ہے۔ فرض کریں ایک امیر نے کسی کو گالی دے دی۔ اگر وہ خدا کی خاطر اسے برداشت کر لے۔ دنیا سے بھی تو گالیاں کھاتا رہتا ہے۔

کسی کی عزت کا سوائے خدا کے کوئی محافظ نہیں ہو سکتا۔ خدا کی خاطر اگر صبر کر جائے یا جیسا کہ میں نے کہا ہے شکایت کرے تو اس کا حق ہے لیکن جب وہ اردگرد ماحول سے ہمدردیاں لینے لگتا ہے تو یہیں سے پارٹیوں کا آغاز ہوتا ہے یہیں سے فتنے بنتے ہیں اور بدنصیبی سے ناروے کی جماعت میں بھی اس قسم کے فتنے پیدا ہوتے رہے۔ مختلف وقتوں میں میں نے دبایا اور بعد میں مجھے چٹھیاں آجاتی تھیں کہ ہمارا تو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اگر ملوث بھی تھے تو معافی مانگتے ہیں لیکن کب تک اس طرح چلے گا۔

ایک وقت تھا جب ناروے کی جماعت سے مجھے بڑی محبت تھی، میں بڑے شوق سے یہاں آیا کرتا تھا، بہت دن یہاں ٹھہرتا تھا، ملک بھی خوبصورت ہے کبھی مجھے سال سال دو دو سال تک Relaxation کے لئے وقت نہیں ملتا تو میں اس وقت کو بچا لیتا تھا کہ ناروے جا کر لوں گا اور چند دن یہاں الگ چلا جایا کرتا تھا لیکن جب سے آپ لوگوں نے یہ حرکتیں شروع کی ہیں میرا اس ملک میں آنے کو دل نہیں چاہتا۔ اس طرف دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ لفظ میرے لئے دکھ کا موجب بن گیا ہے، تکلیف کا موجب بن چکا ہے۔ کہاں کہاں سے تم لوگ آئے ہو، کس خدا کی خاطر ہجرتیں کی ہیں اور یہاں آ کر اس نیک امیر سے یہ سلوک کیا جو بڑا ہی متقی انسان تھا اور جس نے بڑے پیار اور محبت کے ساتھ بہت ہی محنت کر کے جماعت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا یہاں تک کہ وہ دل برداشتہ ہو گیا۔

اس نے کہا یہ پاکستانی عجیب مخلوق ہیں۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ میں تو احمدیت کی وجہ سے ان سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر یہی احمدیت ہے تو پھر میں نقصان میں ہوں۔ ایسا بھی وقت ان پر آیا

جب وہ ٹھوکر بھی کھا سکتے تھے مگر متقی کو خود خدا ہاتھ رکھ کر بچا لیتا ہے جس کے اندر بیماری ہو وہ نہیں بچا کرتا۔ اس ٹھوکر سے تو بچ گئے لیکن اس کے قریب ضرور پہنچ گئے تھے۔ خود انہوں نے مجھے لکھا کہ میرے پر ایک ایسا وقت آیا تھا کہ یوں لگتا تھا کہ میں کنارے تک پہنچ چکا ہوں اور وجہ یہی تھی کہ کچھ جماعتوں میں کچھ بدتمیز لوگ، نظام جماعت کیساتھ گستاخی سے پیش آنے والے، چھوٹے چھوٹے کمینے جھگڑے کرنے والے، بات بات پر ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے، وہاں سے ایسے بدنصیب لوگ آ گئے تھے جنہوں نے سارے تالاب کو گندا کیا ہوا تھا اور ابھی بھی اس کے بداثرات موجود ہیں اس لئے آپ کو تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے جہاں تک امراء کا تعلق ہے ان سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑی غلطی جو بعض امراء کرتے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جب خلیفہ وقت ان کو ایک کھلی کھلی نصیحت کرتا ہے تو اس کو نظر انداز کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں۔ جماعت کی عدم تربیت کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ساری جماعت تک خلفاء کے خطبے نہیں پہنچتے۔ میں جب زور دیتا ہوں کہ میرے لفظوں میں جماعت تک یہ آواز پہنچایا کرو تو مجھے ذرا بھی اپنے خطبے پڑھوانے کا شوق نہیں ہے۔ **نعوذ باللہ من ذٰلک** اگر یہ نعوذ باللہ دکھاوا ہے تو میں اس دکھاوے پر لعنت ڈالتا ہوں۔ مگر میں جانتا ہوں میرا دل جانتا ہے کہ بڑی محنت کے ساتھ بڑے سوچ و بچار اور دعاؤں کے ساتھ میں ایک تربیت کا پروگرام بناتا ہوں۔ مدتوں اس پروگرام پر وقت خرچ کرتا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ ہر احمدی میری آواز میں میری بات خود سن لے۔ اگر نہیں سمجھ سکتا تو اس کے ترجمے اس تک پہنچ جائیں اور ان ترجموں کو سن کر وہ فائدہ اٹھائے کیونکہ وہ الفاظ دل کی گہرائی سے نکلتے ہیں۔ خواہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ان میں کیسے ہی نقص کیوں نہ ہوں لیکن بڑا فرق ہے اور سچے دل کے درد سے جو بات اٹھتی ہے، اس کا اور اثر ہوتا ہے۔ مگر بعض امراء ایک مخفی تکبر کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں دیتے چنانچہ بعض عہدے دار جو سلسلے کے مربی ہیں اور انہی کو امیر مقرر کیا گیا ہے یا عہدے دیئے گئے ہیں تو سب سے پہلے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان باتوں پر عمل کریں۔ لیکن مخفی تکبر سے مراد یہ ہے کہ ان کو پتہ ہی نہیں کہ وہ متکبر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خلیفہ وقت کی بات پہنچ گئی، ٹھیک ہے ہم جو اس کا خلاصہ تیار کر دیتے ہیں بس وہی کافی ہے اور ہم نے پہنچا دی اور فرض پورا کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں کئی نسلیں تباہ ہو سکتی ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کتنا بڑا بوجھ

اٹھا رہے ہیں کتنی بڑی ذمہ داری قبول کر رہے ہیں۔ابھی سویڈن سے میں آیا ہوں۔وہاں لجنہ میں میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ آپ سے براہ راست بھی بات کرتا ہوں۔کوئی کسی قسم کا سوال کرنا ہو ،کوئی شکایت کرنی ہو تو بے تکلفی سے کریں اس پر ایک بچی نے اٹھ کر کہا کہ آج تک ہمیں سویڈش زبان میں آپ کا خطبہ نہیں پہنچایا گیا۔آپ پتہ نہیں کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔لوگوں سے ہم سنتے رہتے ہیں۔ اس نے کہا یہاں پلے ہیں ،یہیں پیدا ہوئے ،یہیں بڑے ہوئے ،ہمیں اردو نہیں آتی اور ہم مجبور ہیں ہمارا حق ہے کہ ہمیں بھی پتہ لگے کہ خلیفہ وقت ہم سے کیا تقاضے کرتا ہے۔میں حیران رہ گیا دیکھ کر کہ ایک تجربہ کار پرانا مربی ،ساری عمر کا واقف زندگی ملک کا امیر ہو اور بار بار سننے کے باوجود اور علم رکھنے کے باوجود ان لوگوں سے غافل ہو اور ان کی ضرورتوں سے غافل ہو۔اور مقامی مربی بھی اسی طرح ایک تربیت یافتہ پرانے بہت ہی وفادار انسان اور دوسری خوبیوں کے لحاظ سے مرصع لیکن بچوں سے غافل ہیں ۔ان کو کیوں خیال نہیں آیا کہ نظام جماعت کا فرض ہے کہ ان تک سویڈش زبان میں خطبہ پورے کا پورا پہنچایا جائے۔جن جماعتوں میں اخلاص ہے،تقویٰ ہے وہاں یہ کام کرنے میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگتی۔

عربی زبان میں ہمارے پاس بہت تھوڑے ماہر ہیں لیکن بعض ایسے ہیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور نظام جماعت سے عشق ہے اور خلافت سے ایسی وفا کا تعلق ہے کہ اس کی مثال دوسری جگہ کم نظر آتی ہے۔ہمارے ایک ایسے ہی بزرگ سید حلمی الشافعی ہیں وہ ہفتہ نہیں گزرتا کہ انگریزی سے اس کا عربی ترجمہ کر کے ساتھ ساتھ بھجواتے رہتے ہیں۔اور وہ سلسلے کے ملازم نہیں ہیں ،تنخواہ دار نہیں ہیں ۔اپنی کمائی کے لئے اپنا وقت ہے اور الگ ان کو وقت دینا پڑتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اور بہت سی کتب کے تراجم کر چکے ہیں اور بہت سے نظام جماعت کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں لیکن ایک شوق ہے اور ذمہ داری کا احساس ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ خطبات ایسے ہیں جن کو ہر عرب تک پہنچنا چاہئے اور احمدی عرب کا حق ہے کہ اس تک یہ آواز عربی زبان میں پہنچے۔ان کو اس بات کا علم ہے لیکن جو بعض امراء ہیں اور جو بعض پرانے مربی ہیں ان کو احساس نہیں۔ میں نے اس سے پہلے کئی دفعہ خطبوں میں اشارۃً بغیر نام لے کر یہ باتیں سکھائیں اور سمجھائیں۔لیکن جن تک بات نہ پہنچنی ہو نہیں پہنچتی معلوم ہوتا ہے ان تک بات نہیں پہنچتی ۔اگر ان کے دماغ میں

یہ بات پہنچ جائے کہ اس کی اہمیت کیا ہے تو پھر ساری جماعت تک ضرور پہنچے گی۔

پس جو opaque ہو وہی block کیا کرتا ہے۔ opaque ایسی کثیف چیز کو کہتے ہیں جو روشنی کو اپنے تک پہنچا کر وہیں ٹھہرا دیتی ہے اور روشنی اس کی سطح تک رہتی ہے اور شفاف وہ چیز ہوتی ہے جو اپنے میں سے گزرنے دے۔ پس جو کثیف چیز ہو اس سے روشنی اس لئے نہیں گزرتی کہ خود اس کے اندر بھی تو داخل نہیں ہوئی ہوتی۔ جس کے اندر روشنی داخل ہو جائے اس مادے سے پھر ضرور روشنی باہر بھی نکلتی ہے اور دوسروں کو بھی فیض پہنچاتی ہے اس لئے باقی امور میں ایسے عہدے دار خواہ کیسے ہی نیک کیوں نہ ہوں مخلص ہوں، فدائی ہوں، عمر بھر کی خدمتیں ہوں لیکن بعض دفعہ ایک معاملے میں مخفی تکبر کا شکار ہونے کے نتیجے میں یا بے وقوفی کے نتیجے میں، جو بھی آپ کہہ لیں وہ کسی ہدایت پر عمل نہیں کر رہے ہوتے اور اس سے بہت بڑا نقصان جماعت کو پہنچا رہے ہوتے ہیں۔ دوسری بعض جماعتیں ہیں جہاں ایک ہی آدمی ہے، وہ فوری طور پر اکیلا سارا بوجھ اٹھاتا ہے اور تراجم کر کے پھر ان کو کثرت کے ساتھ شائع کراتا ہے، اور ایسی جماعتوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن معیار ترقی پر ہے اور ساری جماعت کو پتہ لگ رہا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ ساؤتھ انڈیا میں ہماری ایسی جماعتیں ہیں جو اردو نہیں سمجھتیں۔ وہاں ہمارے مولوی محمد عمر صاحب مبلغ سلسلہ ہیں ان کو خدا تعالیٰ نے اس بات کا جنون دیا ہوا ہے کہ ادھر آواز کان تک پہنچی، ادھر فوری طور پر اس کے ترجمے کئے اور ساری جماعتوں تک پہنچائے۔ وہاں سے جو جماعتوں کے خط ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ ان کو افریقہ کا بھی پتہ ہے، ان کو امریکہ کا بھی پتہ ہے، ان کو چین، جاپان کا بھی پتہ ہے۔ جماعت کے سارے مسائل کا علم رکھتے ہیں اور ان کے خطوں میں روشنی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ کر مجھ سے بات کر رہے ہیں لیکن جہاں یہ خطبات نہیں پہنچتے وہاں بچے ہوں یا بڑے ہوں وہ بے چارے جماعت سے کٹے ہوئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے جس پر آخری ذمہ داری ڈالی ہے اس سے کٹ کر تو پھر روحانی ترقی نہیں ہو سکتی اس لئے بہت ہی اہم باتیں ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ نعوذ باللہ میں امیروں کی ناجائز حمایت کرتا ہوں۔ میں ان کی ہر بات پر نظر رکھتا ہوں جہاں تک پیش چلے ان کو سمجھانے کی بھی کوشش کرتا ہوں اور کئی دفعہ سرزنش سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ جماعت میں کوئی ڈکٹیٹر نہیں ہے۔ اگر مجھ سے کوئی شکایت ہے مجھ تک

پہنچائیں ۔ میں اس کو پوری نہ کروں اور آپ اپنے آپ کو سچا سمجھیں تو خدا کے دربار میں میری شکایت کریں ۔ آپ کی حدیں تو وہاں تک پہنچتی ہیں جہاں کسی دنیا والے کی حد نہیں پہنچتی ۔ خدا تک آپ کے سوا اور کون پہنچ سکتا ہے کیونکہ آپ خدا کی جماعت ہیں، خدا کی خاطر اطاعت کرنے والے ہیں ۔

اس لئے اس نظام میں جو ایسا پاکیزہ الٰہی نظام ہے دنیاداری کی باتیں تو پنپ سکتی ہی نہیں، نہ پنپنے دی جائیں گی ۔ میں پھر آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان باتوں میں اپنی اصلاح کریں ۔ تقویٰ سے کام لیں کیونکہ جیسا کہ میں نے اب شروع کیا ہے یہ باتیں عام خطبوں میں اس لئے میں بیان کر رہا ہوں کہ ساری دنیا کی جماعتوں کو پتہ چلے کہ تربیتی مسائل کیا ہیں؟ اور کن کن اطراف سے انہیں خطرے درپیش ہیں، وہ متنبہ ہو جائیں اور اگر یہ باتیں سننے کے باوجود ان کے عہدے داران تقویٰ سے کام نہ لیں اور خلیفہ وقت کی ہدایات پر عمل نہ کریں یا ان سے ناجائز سلوک کریں، زیادتی کریں تو میں حاضر ہوں جتنا بوجھ چاہیں مجھ پر ڈالتے جائیں ۔ اللہ تعالیٰ ہے جو بوجھ اٹھانے کی توفیق بخشتا ہے اور اپنے فضل سے توفیق بڑھاتا چلا جاتا ہے اس لئے اس بات کی بالکل پرواہ نہ کریں ۔ میرا بوجھ تو وہ بوجھ ہے کہ مجھے علم نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے ۔ کسی ملک میں جاؤں تو وہاں کے بچے اٹھ اٹھ کے شکایتیں کریں کہ ہمیں تو پتا ہی نہیں کہ آپ کیا کہتے ہیں ۔ ہماری طرف بھی تو توجہ کریں ۔ ہم بھی حق رکھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ تقویٰ کی باریک راہوں پر محافظ اور نگران ہو جائیں ۔ شیطان باریک راہوں سے داخل ہوتا ہے یعنی متقیوں پر حملے کرنے کیلئے شیطان ہمیشہ باریک سے باریک راہ سے داخل ہوتا ہے تا کہ وہ نظر نہ آئے ۔ جو غیر متقی موٹے موٹے عام لوگ ہیں ان پر تو وہ کھلے کھلے حملے کرتا ہے اور پھر بھی ان کو نظر نہیں آتا ۔ مگر یہ خیال چھوڑ دیں کہ آپ کی روحانی ترقیات کے مسائل ایک دفعہ حل ہو چکے اور آپ نے ساری منازل طے کر لیں ۔ کوئی دنیا میں نہیں ہے جو ساری منازل طے کر سکے ۔ انجیل کا مطالعہ کر کے دیکھیں شیطان نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کی جو خدا کی طرف سے سب سے اعلیٰ منصب پر یعنی نبوت کے منصب پر فائز فرمائے گئے تھے ۔ بھیس بدل کر ان کا بھی امتحان لینے کی کوشش کی ۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھی امتحان لینے کی کوشش کی لیکن وہ ایسے نیکوں اور متقیوں پر بہت باریک راہوں سے حملے کرتا ہے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ ان کو نور بصیرت عطا فرما چکا ہوتا ہے وہ خدا کے نور سے دیکھتے ہیں اس لئے ان باریک راہوں پر وہ

محافظ اور نگران رہتے ہیں۔اس طرف سے بھی کسی دشمن کو مجال نہیں ہوتی کہ وہ ان پر حملہ کر سکے تو اپنے اس روحانی معیار کو بڑھائیں اور اپنی باریک راہوں کی نگرانی کریں۔مخفی طریق سے شیطان جب آپ پر حملہ آور ہو خواہ وہ آواز کسی نیک آدمی کی طرف سے آرہی ہو دراصل وہ شیطان کی آواز ہے۔

نیک آدمی ایک ملک کا عہدیدار ایک ملک کا صدر بھی بعض دفعہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں بہت متقی اور بزرگ ہوں اور بات ایسی کر رہا ہوتا ہے کہ شیطان اس کو آلہ کار بنا رہا ہوتا ہے۔عام آدمی تک بات پہنچتی ہے تو کہتا ہے یہ دیکھو یہ فلاں اتنے بزرگ،متقی انسان نے کہی ہے حالانکہ بات پہچانی جاتی ہے۔بُو بھی نہیں آتی۔یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ تقویٰ کے خلاف بات ہو اور اس میں بد بو نہ ہو؟ متقی کو بد بو آجاتی ہے۔اس کا دل ضرور اس کو متنبہ کر دیتا ہے کہ اس بات میں ہے کچھ بات،کوئی ایسے خطرے کی بات ہے جو یہ بات قابل قبول نہیں رہی ہے اور ہر انسان کو خدا نے ایسا نور ضرور عطا فرمایا ہے کہ اگر وہ اپنے ضمیر سے بروقت اٹھنے والی اس تنبیہ کو قبول کرے اور اس پر غور کرے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ ہر فتنہ سے نجات پا سکتا ہے۔

ویسے تو یہ مضمون شاید آگے اور بھی بڑھے لیکن آج کے خطبہ میں آخری بات میں یہی کہوں گا کہ یہ ایسی مشکل باتیں ہیں کہ دعا کے بغیر چارہ نہیں ہے۔دعا کے ذریعہ مدد مانگیں،دعا کے ذریعہ نئی زندگی حاسل کریں۔دعا کے ذریعہ ان سب فتنوں سے بچنے کی کوشش کریں۔توبہ کرنی ہے تو خدا کے حضور توبہ کریں۔مجھ سے معافی مانگنا بالکل بے معنی ہے اگر دل میں پہلے پیدا نہ ہو چکی ہو اور خدا سے استغفار کرتے ہوئے مسلسل دعائیں مانگیں۔خدا آپ کی حفاظت فرمائے۔اگر آپ چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تو خدا تو دیکھ سکتا ہے۔وہ چاہے تو جس طرح چاہے اپنی تقدیر کو حرکت دے کر آپ کو ٹھوکروں سے بچا سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ جو کام ظاہری طور پر ہماری تدبیر کے بس میں نہیں اور حقیقت میں کچھ بھی نہیں،دعا سے ان کاموں کو کریں اور دعا ہی سے ہماری تدبیر میں بھی جان پیدا ہوگی۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مجلس عاملہ اور امارت کے فرائض کی باہمی تقسیم۔

جماعت کا مالی نظام دنیا کا بہترین نظام ہے جو دیانت و امانت پر قائم ہے جس کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ ستمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت النور۔ نن سپلیٹ (ہالینڈ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ تین خطبات جمعہ میں میں نے بعض ایسی تکلیف دہ باتوں کا ذکر کیا تھا جو نظام جماعت کے عدم احترام سے پیدا ہوتی ہیں۔ تقویٰ کی کمی سے یا علم کی کمی کے نتیجہ میں یا عام عقل کی کمی کے نتیجہ میں چھوٹی چھوٹی باتیں فتنوں کا رنگ اختیار کر جاتی ہیں اور نظام جماعت کے لئے خطرہ بن جاتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ نظام خلافت کے تابع ہر ایسے فتنے کو اٹھنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جاتا ہے ورنہ اگر نظام خلافت نہ ہوتا تو اب تک یہ جماعت خدا جانے کتنے ٹکڑوں میں بکھر چکی ہوتی۔ لیکن اصل حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ فتنے اٹھنے سے پہلے ہی ان کے احتمالات کو ختم کیا جائے۔ اسی غرض سے میں نے خطبات کا یہ سلسلہ شروع کیا تا کہ احباب جماعت کو خوب اچھی طرح علم ہو کہ کون کون سی غلطیاں کیا کیا بدنتائج پید کرتی ہیں اور وہ فتنے کو آغاز ہی میں دیکھ کر پہچان سکیں۔ جب مرض پہچانی جائے اور اس کا شعور پیدا ہو جائے تو اس پر قابو پانا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ آغاز ہی میں مرض کی شناخت ہونی ضروری ہے اور جن کو مرض کی شناخت نہ ہو مرض اکثر اوقات ان کے اختیار سے باہر نکل جاتی ہے۔

آج کے خطبہ میں بھی عام روزمرہ کی چند چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا جن پر اگر توجہ نہ دی جائے تو اس کے بسا اوقات بہت خطرناک نتائج نکلتے ہیں۔

عام طور پر مجلس عاملہ میں جو امیر کے تابع ہو یا صدر کے تابع ہو ماحول کی نگرانی اس رنگ میں نہیں کی جاتی کہ بدمزہ باتیں، بدخلقی کی باتیں برداشت کر لی جاتی ہیں حالانکہ وہی فتنوں کا آغاز ہے جس مجلس عاملہ میں باہمی محبت کا رنگ نہیں، اخوت کا رنگ نہیں، تقویٰ کے ساتھ بات کرنے کی عادت نہیں وہ ایسی سرزمین ہے جہاں فتنے ہمیشہ پرورش پا سکتے ہیں۔ان روزمرہ کی باتوں میں ایک بات ایسی ہے جو سب سے زیادہ خطرناک ہے وہ یہ کہ مجلس عاملہ کے بعض ممبران بسا اوقات ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور بعض دوسرے ممبران آپس میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔اس کا نام گروہ بندی نہیں ہے فطرتاً انسان بعض انسانوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے بعض انسانوں سے دور ہوتا ہے۔مزاج کے بہت اختلافات ہیں اس لئے طبعاً چند آدمیوں کا ہم خیال ہونا یا ایک دوسرے سے تعلق میں بڑھتے چلے جانا یہ قابل اعتراض بات نہیں لیکن مجلس عاملہ میں جب معاملات زیر بحث آتے ہیں اس وقت ہم خیال دوستوں کا ہمیشہ اس وجہ سے ایک دوسرے کی تائید کرنا کہ ہم ایک ہی قسم کے لوگ ہیں اور ایک ہی تعلق والا گروہ ہے یہ بہت ہی بڑا فتنہ ہے۔یہ تقویٰ کے خلاف بات ہے اور بہت سے فتنے اسی لاعلمی اور حماقت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ایک دوسرے کے تعلق والے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے کی بات کی تائید کریں حالانکہ مجلس عاملہ ہو یا کوئی اور مشورے کی بات ہو خواہ کہیں ہو رہی ہوں وہاں آنحضرت ﷺ نے ہر مشورہ دینے والے کو امین فرمایا ہے اور لفظ امین میں بہت بڑی حکمت کا راز پوشیدہ کر دیا۔پوشیدہ تو اس لئے کہ بعض نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے ورنہ حقیقت میں تو لفظ امین میں بڑا کھلا کھلا پیغام ہے جو بات نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ امین خدا اور رسولؐ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں، امانت کی نگہداشت کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں اور اگر کبھی مشورہ ہو تو مشورہ دینے والے کو ہمیشہ پہلے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ میں خدا کی طرف سے امین مقرر ہوا ہوں اور سچائی کی امانت اس کے سپرد ہے عدل کی امانت اس کے سپرد ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہئے۔پس خواہ کوئی کیسا ہی تعلق والا کیوں نہ ہو۔کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو اگر صدق دل سے انسان یہ سمجھتا ہو کہ اس کی بات میں وزن نہیں

ہے تو اس کی تائید کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے۔ بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے اور یہ وہ گناہ ہے جس میں عام طور پر لوگ ملوث ہو جاتے ہیں۔ مختلف جماعتی خدمات میں مختلف قسم کی مجالس میں بیٹھنے کا موقعہ ملا ہے اور میرا وسیع تجربہ ہے کہ اچھے بھلے نیک متقی لوگ اخلاص کے ساتھ وقف کرنیوالے وہ بھی لاعلمی یا لاشعوری حالت میں ان باتوں میں ملوث ہونے لگ جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک بات مشورے کے لئے آتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جس میں ہلکا سا اشارہ بھی ہوتا ہے آپس میں باتیں کرتے یا کسی اور کے خلاف اس کی بے وقوفی پر ہنسی اڑاتے یا اس کے مشورے کے غلط ہونے کے متعلق اشاروں میں بتاتے ہیں کہ دیکھو جی اس نے ایسی بات کر دی تھی۔ پس وہ ہلکی سی ادا ایسی خطرناک ادا ہے جو ان کے ایمان کو کھا جاتی ہے اور کم سے کم اس موقعہ پر تو ان کے تقویٰ کو کھا جاتی ہے۔ جب مشورہ ہو رہا ہو تو کچھ لوگ اپنی عقل کے مطابق بے وقوفی والی بات بھی کر سکتے ہیں لیکن جب دوسرے کچھ لوگ ان کی طرف حقارت سے دیکھیں اور یہ گویا کہ باتیں کریں کہ ہم جانتے ہیں کیا ہے۔ اس بے وقوف کو کیا پتہ یا اس نے تو ایسی ہی باتیں کرنی تھیں تو اسی وقت امانت ان کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے اور یہ خائن کی حیثیت سے مجلس میں بیٹھتے ہیں۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مجلس میں جیسا کہ میں نے بیان کیا، مجلس عاملہ ہو یا کوئی اور مشورے کی مجلس ہو ہر ایک کو یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ تقویٰ کے ساتھ اپنی بات کرے اور کسی کو یہ حق نہیں ملنا چاہئے کہ وہ اس کی بات کو تحقیر سے دیکھے ہاں اختلاف کی نظر سے دیکھنا ہرگز گناہ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات جو میرے دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ امیر کی اطاعت اور امیر کے ادب کا یہ غلط مطلب سمجھا جاتا ہے کہ امیر کی ہر بات کی ضرور تائید کرنی ہے۔ اس کے نتیجہ میں بھی بعض دفعہ اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور گروہ بندی ہوتی ہے چونکہ مجھے بہت سے ایسے معاملات میں تفصیل سے جائزہ لینا پڑتا ہے اس لئے جو باتیں میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں یہ حقائق پر مبنی باتیں ہیں کوئی خیالی باتیں نہیں۔ ایک ایسی مجلس عاملہ میرے علم میں ہے جس میں کچھ ممبران نے یہ پیشہ بنایا ہوا تھا کہ امیر کی ہر بات کی تائید کریں اور اس رنگ میں کریں گے کہ گویا یہی امیر کے دوست ہیں اور باقی دشمن ہیں۔ اس میں دو قسم کے خطرات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ان کی نیتیں صاف بھی ہوں تو امیر یہ سمجھنے لگے گا کہ یہی میرے دوست ہیں اور باقی میرے دشمن ہیں اور دوسرا ان

کی نیتوں کے فتور کا خطرہ بھی ہے۔ بعض لوگ اس طرز عمل سے امیر کو اپنے ہاتھوں میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اگر سادہ لوح امیر ہو تو وہ ضرور ان کے ہاتھوں میں کھیلنے لگ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بات دوسرا گروہ کرتا ہے ان کے دل میں رفتہ رفتہ یہ احساس پیدا ہونے لگ جاتا ہے کہ یہاں پارٹی ہے اور گویا امیر ایک پارٹی کا خود نگران ہے۔ ایک پارٹی کے سپرد امیر ہو رہے ہیں۔ جرمنی والے خطبہ میں میں نے بیان کیا تھا کہ امیر کوئی پارٹی نہیں ہے وہ ایک ہی پارٹی یعنی خدا کی پارٹی کا نمائندہ ہے لیکن وہ اس صورتحال کو پیش نظر رکھ کر بیان کیا تھا جو میرے سامنے تھی۔ بعض دفعہ اس کے برعکس ممکن ہے۔

جب بھی امیر ایسے خوشامدیوں کی باتوں کے نتیجہ میں تقویٰ کی بات کرنے کی بجائے ان کو اپنا ساتھی سمجھنے لگ جاتا ہے اور ان پر اس وجہ سے انحصار کرنے لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی تائید کرتے ہیں وہیں اس کی پارٹی بدل گئی یعنی اس کو تو ایسا خدا کی پارٹی کا ہونا چاہئے تھا کہ خلافت اس کی پشت پناہی پر ہوتی لیکن وہ عملاً اس اعلیٰ برکت سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہ وہ خطرہ ہے جس کو مشورہ کے وقت صرف امیر ہی کو نہیں دوسروں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جب بھی ایک شخص اس وجہ سے تائید کرے کہ گویا وہ آپ کا ساتھی ہے تو اس ذہین آدمی کے لئے اس کو معلوم کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کا احترام دل میں کرنا چاہئے نہ کہ بڑھنا چاہئے اور اس کی بروقت سرزنش کے نتیجہ میں اس کی بھی اصلاح ہوسکتی ہے اور جو اس مجلس کے باقی ممبران ہیں ان کے دل میں بھی یہ بات یقین کے ساتھ گڑھ سکتی ہے کہ یہ شخص کسی کا نہیں ہے صرف خدا کا ہے، سچی بات کا ہے اور کسی گروہ کی تائید اس لئے نہیں کرتا کہ وہ گروہ اس کی تائید کرتا ہے۔

پس ہر بات میں اگر تقویٰ پیش نظر ہے تو کسی دوسرے جھگڑے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ایک دفعہ یہاں عقل کے متعلق ایک غیر مسلم نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ آپ کے نزدیک عقل کی سب سے بڑی تعریف کیا ہے تو میں نے اس کو کہا کہ تم سمجھ تو نہیں سکو گے لیکن میں سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ تقویٰ سے زیادہ کوئی عقل نہیں ہوسکتی۔ تقویٰ اور عقل دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ہر شخص کی اپنی عقل ہے، اس عقل میں تو وہ براہ راست اپنی کوشش سے ترقی نہیں کر سکتا لیکن اگر تقویٰ پر قائم ہو جائے تو اس کو ایک ایسا نور ملتا ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کے نور سے دیکھنے لگ

جاتا ہے اور اسی کا نام عقل کل ہے۔ بعض دفعہ اپنی مرضی کے خلاف فیصلے کرتا ہے اس لئے کہ اس کو یہ بات دکھائی دے رہی ہوتی ہے کہ میری مرضی اس وقت خدا کی مرضی کے خلاف ہے۔ میری خواہش خدا کے خواہش کے خلاف ہے اور ایسے فیصلوں پر وہ ہمیشہ اپنے نفس کی تمنا پر اپنے رب کی اس خواہش کو ترجیح دیتا ہے جو وہ تصور کرتا ہے، یہ تقویٰ ہے اور اس کے نتیجہ میں عقل روشن ہوتی ہے اور تقویٰ کے ساتھ فیصلے کرنے والا کبھی پارٹی بازی کا شکار ہو ہی نہیں سکتا کبھی ایک کی تائید کرے گا کبھی دوسرے کی تائید کرے گا۔ تائید کی خاطر نہیں بلکہ بات کی خاطر۔ آنحضورﷺ نے اس موقعہ سے تعلق رکھنے والی نصیحت فرمائی کہ **الحکمة ضالة المومن** (ترمذی کتاب العلم حدیث نمبر:۲۶۱۱) کہ حکمت کی بات تو مومن کی گمشدہ اونٹنی ہے وہ اس کا مالک ہے۔ اگر دشمن سے بھی آئے تو وہ اسے لے لے گا۔ کبھی یہ تو نہیں ہوا کہ کسی کی کار چوری ہو جائے تو وہ کہے کہ بڑے کمینے دشمن کے پاس سے نکلی ہے میں نہیں لوں گا۔ جتنی بڑی دشمنی ہوا اتنا ہی وہ جلدی اس کو لینے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھیں مومن کے ساتھ کیسا حکمت کا رشتہ باندھ دیا کہ کسی صورت میں بھی مومن حکمت سے الگ نہیں ہو سکتا۔ پس اگر ایسے لوگوں کی طرف سے حکمت کی بات امیر کو ملے جن کے بارہ میں وہ عمومی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ میری تائید نہیں کرتے تو اسے دونوں ہاتھوں سے قبول کرے اور جو غلط تائید کرتے ہیں ان کی سرزنش کرے کہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو یہ اچھی بات ہے اس کے نتیجہ میں اگر خدا نخواستہ فتنے کا کوئی فتور پیدا ہو بھی رہا تھا تو وہ زائل ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک ایسی بات ہے جس کا مال سے تعلق ہے جماعت احمدیہ میں بعض فتنے اس وجہ سے بھی پیدا ہوتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کے اخراجات کے طریق پر خوش نہیں ہوتے جن کے سپرد جماعت کی امانت ہوتی ہے۔ امیر کے خرچ کے طریق ہے یا دوسرے کا خرچ کا طریق ہے اور خرچ کے معاملہ میں اکثر لوگوں کو یہ علم بھی نہیں کہ خرچ کیسے ہونا چاہئے اور نظام جماعت کس کو کیا اختیار دیتا ہے۔ اگر یہ علم ہو تو اس کے نتیجہ میں فتنہ پیدا ہونے کی بجائے بروقت ایک غلط بات کی اطلاع صحیح آدمی کو پہنچ سکتی ہے مجالس عاملہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک وہ مجلس عاملہ ہے جو امیر کے تابع ہے اور جماعت میں امیر ایک ایسا لفظ ہے جسے ہر دوسرے منتخب عہدے سے برتری حاصل ہے۔ امیر سے مراد یہ ہے کہ خلیفہ وقت نے اپنے جو اختیارات دوسروں کو تفویض کئے ہیں امارت کے عہدے کو

ایسے اختیارات سب سے زیادہ تفویض کئے ہیں جو نظام جماعت میں خلافت کی طرف سے ہمیشہ تفویض کئے جاتے ہیں۔مختلف عہدیدار ہیں سیکرٹری مال کو بھی اختیار تفویض ہوئے ہوئے ہیں۔ سیکرٹری تبلیغ کو بھی ہیں،ایک جماعت کے صدر کو بھی ہیں لیکن سب سے زیادہ اختیارات امیر کو ہیں کیونکہ امیر خلیفہ وقت کا براہ راست نمائندہ ہوتا ہے۔انتخاب مشورے کی خاطر کیا جاتا ہے مگر اس کو ڈیموکریٹک انتخابات سے تعلق نہیں ہے۔ڈیموکریٹک انتخاب میں جو یہ روح ہے کہ عوام کی رائے معلوم ہو جائے اس حد تک یہ ڈیموکریٹک ہے مگر عوام کے لئے بہتر کیا ہے؟ یہ فیصلہ بعض دفعہ عوام کی رائے سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت کی موقعہ شناسی سے ہوتا ہے اور بہت کم ایسا موقعہ آتا ہے مگر بعض دفعہ وہ سمجھتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی چالاکی کی وجہ سے اور اپنے جتھے کی وجہ سے زیادہ ووٹ حاصل کر لئے ہیں۔اگر اس انتخاب کو منظور کر لیا گیا تو جماعت میں چالاکیاں دکھاوے اور جتھہ بندی کی روح کو تقویت ملے گی۔کیونکہ وہ اس دنیا میں خدا کا نمائندہ ہے اور براہ راست نہیں مگر رسول کی وساطت سے اس لئے وہ اس وجہ سے فیصلے کر رہا ہوتا ہے اور چونکہ جماعت کا اس کے ساتھ تعلق کسی صدر یا امیر کی معرفت نہیں ہوتا بلکہ ہر فرد بشر کا براہ راست تعلق ہے اس لئے وہ اس کے فیصلے کو ہمیشہ ترجیح دیتی ہے اور ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتی کہ ان کی رائے کے مطابق انتخاب کیوں نہیں کیا گیا۔یہ حفاظت کا وہ دہرا نظام ہے جو خدا کے فضل سے صرف جماعت احمدیہ کو دنیا میں نصیب ہے دنیا کی کسی اور ڈیموکریسی کسی اور نظام کو دہری حفاظت کا یہ نظام میسر نہیں۔

بہر حال اس طریق کار پر جو امارت ہے اس کو سب سے زیادہ اختیارات خلیفہ وقت کی طرف سے تفویض کئے جاتے ہیں اور اس کے بعد صدارت ہے جس عہدیدار کو صدر کہتے ہیں اس کو بھی نمائندگی کے اختیارات ہیں لیکن نسبتاً کم۔وہ کیا کیا ہیں،کہاں کہاں فرق ہے۔مجلس عاملہ کا ان سے کیا تعلق ہے؟ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کو جماعت احمدیہ کے سامنے خوب کھول کھول کر بیان کرنا چاہئے کیونکہ دنیا کے ۱۲۶ ملکوں میں جماعت نافذ ہو چکی ہے۔وہاں کے خدانخواستہ نظر سے اوجھل پیدا ہونے والے اختلافات فتنوں کا رنگ اختیار کر سکتے ہیں چونکہ اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ خلیفہ وقت کے خطبات کو فوری طور پر تمام دنیا میں جماعتوں تک پہنچایا جائے اس لئے یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعہ ہم جماعتی نظام سے ساری جماعت کو روشناس کرا سکتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کے دل

میں اس نظام کا ادب جاگزیں کر سکتے ہیں۔

بہر حال اس سلسلہ میں میں بتانا چاہتا ہوں کہ مجلس عاملہ کے اور امیر کے اختیارات میں فرق ہے اور ان دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ اس کے بعد جہاں موقعہ ملے گا اس سلسلے میں بعض دوسری ضروری باتیں بھی بیان کروں گا جن کا فتنوں کے احتمالات سے تعلق ہے۔

امیر کو روزمرہ کے جماعتی کاموں کو چلانے کے مکمل اختیارات ہیں اور یہ انتظامی اختیارات ہیں مجلس عاملہ کو انتظامی اختیارات بحیثیت مجلس عاملہ کوئی نہیں ہیں۔ یہ تمام اختیارات یا امیر کو ہیں یا سیکرٹریان مجلس عاملہ کو ہیں جو اپنے اپنے شعبہ میں انتظامی اختیارات رکھتے ہیں۔ مجلس عاملہ کی حیثیت ایک تو یہ ہے کہ ان سب پر مشتمل ہے لیکن اجتماعی حیثیت سے وہ منتظمہ نہیں ہے بلکہ مشیر ہے۔ آپس میں مل کر بیٹھ کر غور کرنے کے لئے ایک مجلس ہے لیکن بعض باتوں میں ان کو ایسے اختیارات ہیں جو امیر کو نہیں ہیں مثلاً اموال سے متعلق مجلس عاملہ کی مرضی کے بغیر امیر خود جماعت کے سامنے مجلس کے سامنے کوئی بجٹ پیش نہیں کر سکتا۔ یہ مجلس عاملہ کا حق ہے کہ بجٹ پر غور کرے اور اس کے مالہ و ماعلیہ، (Pros and cons) اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے ایک ایسا بجٹ بنائے جسے وہ شوریٰ میں پیش کرے گی۔ امیر اپنے طور پر یہ بجٹ نہیں بنا سکتا۔ مالی معاملات میں امیر کے اختیارات یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔

اگلی بات یہ ہے کہ مجلس عاملہ کے مشوروں کے بعد ملک کی مجلس شوریٰ جو بجٹ منظور کرتی ہے اسے آخری فیصلہ قرار دینے سے پہلے مرکز سے اس کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے کسی مجلس شوریٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ نہیں بنتا جب تک مرکز سلسلہ سے اس کی منظوری حاصل نہ ہو جائے۔ جب منظوری حاصل ہو جاتی ہے تو طبعاً امیر کے اختیارات اس معاملے میں بالکل کالعدم ہو جاتے ہیں کیونکہ امیر اپنے افسر بالا کے فیصلوں کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ مجلس شوریٰ کے جو فیصلے خلیفہ وقت سے منظور شدہ ہوں یا وکیل اعلیٰ کی طرف سے منظور شدہ ہوں ان میں امیر خود پابند ہے اس لئے یہ خیال کر لینا کہ امیر کو گویا ڈکٹیٹر شپ کے اختیارات ہیں بالکل غلط اور بودی بات ہے۔ جب امیر شوریٰ کے منظور شدہ فیصلوں کا پابند ہو جاتا ہے اور منظور شدہ بجٹ کا پابند ہو جاتا ہے تو اس کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ منظور شدہ بجٹ سے باہر جا کر خرچ کرے اور بہت سی جگہ ایسی غلطیاں ہوتی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ بجٹ کا

احترام جماعت میں پیدا کرنا بڑا ضروری ہے کیونکہ اللہ کے فضل کے ساتھ دنیا میں سب سے زیادہ قابل اعتماد طوعی مالی نظام جماعت احمدیہ کا نظام ہے۔ یہ جو لوگ ایک آواز پر لاکھوں کروڑوں فدا کرتے ہیں اس کا ان کے دل کے اخلاص سے بھی تعلق ہے اور اس یقین سے بھی تعلق ہے کہ اس راہ میں ہم جو ایک ایک پیسہ دیتے ہیں اس پر وہ خدا کی طرف سے امین مقرر ہیں۔ انہیں کوئی بھی گارنٹی نہیں ہوتی اور یہی وہ روح ہے جس کی حفاظت کرنا بے حد ضروری ہے اسی لئے مالی نظام میں امیر کو کم اختیارات تفویض کئے گئے ہیں کیونکہ امیر کا ان باتوں میں ملوث نہ ہونا خود اس کے احترام اور تقدس کے لئے ضروری ہے لیکن امراء بعض دفعہ اس وجہ سے کہ ان کو بہت احترام دیا جاتا ہے، ان کے متعلق بار بار کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارے اوپر خلیفہ وقت کی طرف سے نگران مقرر ہیں ان کی اطاعت ہی نہ کرو، ادب کرو، احترام کرو، پیار کا تعلق رکھو۔ اس وجہ سے بعض سادہ لوح لوگ سمجھتے ہیں کہ امیر اگر نظام جماعت کی حدوں سے بھی گزر رہا ہو اور ان اختیارات کو بھی اپنے ہاتھ میں لے رہا ہو جو اس کو دیئے نہیں گئے تو اس بارہ میں خاموشی اس کا ادب ہے، خاموشی اختیار کرنا ہی اس کی اطاعت کی روح ہے، یہ بالکل غلط ہے اور نہایت لغو بات ہے عقل سے اور تقویٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ تقویٰ کا تقاضا ہے کہ بالا ہستی کی اطاعت کی خاطر ماتحت ہستی کی اطاعت کی جاتی ہے۔ تقویٰ کا پہلا سبق قرآن کریم نے ہمیں اس رنگ میں دیا تھا کہ خدا کی اطاعت کی خاطر ساری مخلوق کو آدمؑ کے سامنے جھکنا ہوگا اور وہ شیطان جس نے کہا کہ میں بہتر ہوں اس نے اس بہت ہی بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ اطاعت صرف خدا کی ہے اور خدا کی اطاعت کے نیچے جس صاحب کو امیر بنایا گیا اس کی اطاعت عملاً خدا کی اطاعت ہے اور اس سے روگردانی سرکشی ہے۔

پس بالا افسر کی اطاعت ہر جگہ ہر فیصلے کے وقت فیصلہ کن امر ہے۔ اسی سے روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ اگر امیر کسی موقعہ پر اپنے بالا افسر سے باغیانہ رویہ اختیار کرتا ہے اس کی اطاعت سے باہر نکلتا ہے تو وہیں جماعت اس کی اطاعت سے باہر نکل جائے گی۔ اس کی وفا امیر سے نہیں ہے بلکہ امیر سے بالا افسر سے ہے۔ اس کی وفا خلیفہ سے نہیں ہے بلکہ خلیفہ سے بالا افسر نبی سے اور خدا سے ہے تو ان معنوں میں کسی جگہ بھی کوئی صاحب امر ڈکٹیٹر نہیں بن سکتا اور ہر ایک کی اطاعت خدا کی خاطر جاتی ہے۔ اسی لئے بیعت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں معروف امر میں آپ کی اطاعت کروں گا۔

خلیفۃ المسیح سے یہ عہد نہیں ہے کہ میں ہر بات میں آپ کی اطاعت کروں گا، جو بھی نیک کام آپ مجھے بتائیں گے انہی میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ جو معروف فیصلہ ہوگا اس میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ پس نیک کام اور معروف فیصلے سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے جتنے احکامات ہیں ان میں میں تابع فرمان رہوں گا اور ان سے باہر کی اطاعت کا سوال ہی نہیں۔ وہ اطاعت شیطانی بن جائے گی اس لئے امارت کے ساتھ بھی آپ کا تعلق اسی مضمون کے تابع ہے۔ اگر کہیں کوئی امیر اپنے مالی اختیارات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان سے تجاوز کرتا ہے تو مجلس عاملہ کا فرض ہے بلا تاخیر اس کے متعلق خلیفہ وقت کو یا دوسرے کو جو بھی اوپر مقرر ہے اس کو مطلع کرے اور اس بارہ میں واضح قوانین ہیں کہ کہاں تک ان معاملات میں فوری تعاون کرنا ہے اور کہاں نہیں کرنا۔ مثلاً پیسے نکلوانے کے لئے ایک امیر کے ساتھ سیکرٹری مال کے دستخط بھی ضروری ہیں یا بعض دفعہ جماعت کے دو اور عہدیداران کے دستخط کروائے جاتے ہیں اور ساری دنیا میں یہی نظام مقرر ہے کہ سلسلے کے اموال پر کوئی شخص اکیلا اس طرح نہیں بیٹھے گا کہ جب چاہے جو چیز نکلوا لے بلکہ خواہ کتنا ہی بڑا اس کا مقام ہو اس کے ساتھ کسی اور کو دستخط کرنے ہوں گے۔ ہر ایسے مقام پر جہاں واضح طور پر مرکزی ہدایت کے خلاف روپیہ نکلوایا جا رہا ہے وہاں ساتھ کے دستخط کرنے والا بھی ذمہ دار ہو جاتا ہے کیونکہ اس کو امین بنایا گیا ہے اور اسی لئے اس کے دستخط ساتھ رکھے گئے ہیں تا کہ اس کو علم ہو کہ کون سی بات ہو رہی ہے اور اگر وہ خلاف قانون ہو رہی ہے تو وہ اس میں روک بن جائے۔

ایسی صورت میں اب تک کی جو میری ہدایت تھی وہ یہ تھی کہ سیکرٹری مال اگر امیر کو واضح طور پر خلاف قاعدہ رقم نکلواتے ہوئے دیکھے تو دستخط کرنے سے پہلے احتجاج کرے۔ اگر پھر بھی وہ حکم دے تو پھر دستخط کر دے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں مزید احتیاط کی ضرورت ہے ایسی صورت میں جو دو مشیر ہیں ان کا کام ہے کہ انکار کریں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واضح طور پر خلاف قاعدہ حرکت ہے اس لئے ہم دستخط نہیں کریں گے۔ آپ ہماری شکایت اوپر کریں اور ہم بھی اس معاملہ کو اوپر بھیجتے ہیں اور فوری طور پر اس مسئلے کا حل ہو سکتا ہے۔ آج کل ٹیلی فونز کے ذریعہ رابطے اتنے فوری ہو چکے ہیں کہ دنیا کے کسی کونے سے بھی بلا تاخیر رابطہ ہو سکتا ہے اور اس قسم کی باتیں شاذ کے طور پر ممکن ہیں۔ اس لئے کوئی ایسی وجہ ہی نہیں ہے کہ اس کے نتیجہ میں بڑا فساد کھڑا ہو لیکن انکار کرنے کے وقت بھی ادب کا

پہلو اور احترام کا پہلو لازمی ہے اور ایسا شخص جو امیر کے ساتھ دستخط کرنے پر مقرر کیا گیا ہے اگر انکار کرتا ہے تو بڑی بھاری ذمہ داری کو قبول کرتا ہے۔شک کی بناء پر اس کو انکار کا حق نہیں ہے۔ وہ واضح طور پر جہاں خلاف ورزی دیکھتا ہے وہاں جب انکار کرتا ہے تو پوری ذمہ داری قبول کرتا ہے۔اس کو یقین ہونا چاہئے کہ میرا یہ انکار درست ہے۔

اس میں اور بہت سے پہلو ہیں جن کو نظر انداز کیا جا رہا ہے مثلاً ایک بجٹ سفر خرچ کا مقرر ہوا ہے ایک بجٹ مہمان نوازی کا ہے۔ایک کسی اور چیز کا بجٹ ہے۔خرچ تو امیر نے کرنا ہے یا امیر کے تابع جو انتظامیہ ہے اس نے کرنا ہے کیونکہ بحیثیت منتظم ہر شخص کو کچھ نہ کچھ خرچ اپنے دائرہ کار میں کرنے ہوتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ رقمیں جو مقرر کر دی گئی ہیں ان سے وہ تجاوز کریں لیکن ہوتا یہ ہے کہ اگر سفر خرچ کی مد پر غیر معمولی خرچ ہو رہا ہے تو کسی اور مد سے اس مد کے نام پر لیکن سفر خرچ کے لئے رقم خرچ کی جاتی ہے۔اس معاملہ میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی اور کو علم نہ ہو۔جس بجٹ سے خرچ ہو رہا ہوتا ہے اس کو محاسب دیکھتا ہے نظام جماعت کا آڈیٹر ہے وہ اس کو دیکھتا ہے اور یہ نظام اسی لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ بروقت مرکز کو مطلع کریں کہ کون سے اخراجات اپنے موقع اور محل کے مطابق درست ہیں۔بسا اوقات جب میں تحقیق کرواتا ہوں تو رپورٹ آجاتی ہے کہ جی! سب کچھ ٹھیک ہے کوئی غلطی نہیں لیکن میرے دل میں چونکہ ایک قسم کا دھڑکا سا لگ جاتا ہے کہ صورتحال درست نہیں ہے۔پھر میں تفصیل سے یہ رپورٹ منگواتا ہوں بعض دفعہ امراء کو کہتا ہوں کہ مجھے اپنے فلاں فلاں اخراجات کے سارے بل بھجوائیں۔وقت تو میرا لگے گا لیکن مجبوری ہے اب جب تک میرے دل کو اطمینان نہ ہو جائے کہ مالی معاملات میں سب کچھ ٹھیک ہے اس وقت تک میں مزید آپ کو اجازت نہیں دے سکتا۔جب بل منگواتا ہوں تو اس وقت بات سمجھ آتی ہے کہ سفر خرچ پر اگر ایک لاکھ روپیہ خرچ ہونا چاہئے تھا تو پانچ لاکھ ہو گیا ہے لیکن وہ چار لاکھ سفر خرچ کی مد میں نہیں لیا گیا بلکہ فلاں مد میں سے اور فلاں مد میں سے وہ بل ادھر منتقل کر دیئے گئے۔یہ ناجائز ہے اور جب پوچھا گیا تو یہ بتایا گیا کہ جی! مجموعی بجٹ میں تو گنجائش تھی۔ہم نے وہاں سے لے کر خرچ کر دیا۔

اس کے متعلق دو باتیں جماعت کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہئیں۔مجلس عاملہ کو

اختیار ہے کسی عہدیدار کو نہیں کہ بجٹ کے اندر رہتے ہوئے ایک مد سے دوسری مد میں روپیہ منتقل کرے۔لیکن مجلس عاملہ کو بھی اختیار نہیں کہ ایک مد کا خرچ بغیر مرکز کو بتائے کسی اور مد میں ڈال دے۔یہ بددیانتی ہے اور یہاں سے آگے پھر بہت قسم کے فتنوں کے رستے کھل جاتے ہیں۔اگر سفر خرچ کی مد ختم ہوگئی ہے تو سفر خرچ کی مد کو بڑھانا چاہئے۔سفر خرچ کے بل دوسری مد میں نہیں جائیں گے اور عملاً یہ جو خاموشی کے ساتھ بات کر دی جاتی ہے وہ یہ ہوتی ہے بجائے اس کے کہ مجلس عاملہ بیٹھے اور یہ فیصلہ کرے کہ سفر خرچ کی مد کو ایک لاکھ کی بجائے ہم پانچ لاکھ کرتے ہیں اور زائد چار لاکھ روپیہ فلاں فلاں مد سے کاٹ کر ادھر منتقل کرتے ہیں، جو ایک جائز بات ہے۔اس کی بجائے سفر خرچ کی مد ایک لاکھ کی ایک لاکھ رہتی ہے اور بل سفر خرچ کے دوسری مدوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔سفر خرچ کی مثال میں صرف ایک مثال کے طور پر پر دے رہا ہوں لیکن ہر مد سے اسی قسم کی باتیں ہیں یعنی اپنے آپ کو برابر کرنے کی خاطر ایک دن امیر صاحب اور ان کے ساتھی مل کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی! یہ جو زائد خرچ ہے اس کو اب کس طرح ٹھیک کرنا ہے (اور پھر یہ طے ہوتا ہے کہ) اچھا جی! اس کو فلاں فلاں مد میں ڈالتے چلے جاؤ یہ سراسر بددیانتی ہے۔بددیانتی سے مراد یہ نہیں ہوا کرتی کہ اپنی جیب میں ڈالا گیا ہے۔امانت کی خیانت ہے، یہ سلسلے نے بعض قوانین کے تابع ان کو اخراجات کی اجازت دی تھی۔ان قوانین کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور مرکز کو دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ آپ کے قوانین کے تابع خرچ ہو رہے ہیں۔پس مجلس عاملہ کے ہر ممبر کو اس بات پر نگران رہنا چاہئے کہ بحیثیت مجلس عاملہ جو اختیارات ہیں ان کے اوپر کوئی اور چھاپہ نہ مار سکے۔ان اختیارات کو ناجائز طور پر کوئی اپنے قبضے میں نہ کرے۔

ایک اختیار جو مجلس عاملہ کو بھی نہیں ہے وہ یہ ہے کہ مجموعی بجٹ کو از خود بڑھا دے۔مثلاً مجموعی بجٹ اگر دس لاکھ گلڈرز ہے تو دس لاکھ گلڈرز کے اندر مدات میں کہیں پچاس ہزار، کہیں دس ہزار مختلف مدات ہیں جن میں وہ روپیہ تقسیم ہوا ہے۔مجلس عاملہ کی طرف سے اندرونی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں انفرادی طور پر نہیں لیکن دس لاکھ گلڈرز کو گیارہ لاکھ بنانے کا ان کو کوئی اختیار نہیں اس کے لئے لازمی مرکز سے پوچھنا ہوگا کہ آیا دوران سال ہم بجٹ کو بڑھا سکتے ہیں یا نہیں اور ان امور میں بھی بعض دفعہ بغیر مرکز کی اجازت کے تجاوز کر جاتے ہیں۔

پھر بار رہا یہ سمجھایا گیا ہے کہ اگر آپ کا بجٹ ختم ہونے والا ہے اور آپ کو ضرورت ہے تو پیشتر اس سے کہ آپ کو ضرورت پیش آجائے اور بجٹ ختم ہو چکا ہو آپ مجلس عاملہ کی میٹنگ بلایا کریں اور اس میں Approval لیا کریں لیکن اس کی بجائے سال کے آخر پر جب ہم سب حساب منگواتے ہیں تو پتہ لگتا ہے کہ جی! فلاں مد میں مجبوری پیش آگئی تھی۔ فلاں میں مجبوری پیش آگئی تھی اس کا اتنا منظور کیا جائے اتنا منظور کیا جائے۔ بعض دفعہ تو نظر انداز کرنا پڑا ہے کیونکہ ابھی پوری تربیت نہیں ہوئی لیکن آج اس خطبہ کے بعد اب میں یہ بات کھول دیتا ہوں کہ بہت دفعہ میں ایسی غلطیوں کو نظر انداز کر چکا ہوں۔ آئندہ نہیں کی جائیں گی کیونکہ نظام جماعت میں سے مال کے نظام کی حفاظت نہایت ضروری ہے آئندہ سینکڑوں سال کا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جس رنگ میں قربانیاں پیش کرتی ہے وہ بے مثل ہیں ان کا دنیا میں کسی اور نظام کسی اور جماعت میں عشر عشیر بھی دکھائی نہیں دیتا اس مقدس نظام کی حفاظت ضروری ہے اور اس کی حفاظت کے سلسلہ میں اخراجات کی حفاظت بڑی ضروری ہے۔ اگر جماعت کو کامل یقین رہے کہ اخراجات کی پوری طرح نگرانی ہو رہی ہے اور قوانین سے سر مو بھی انحراف نہیں ہو رہا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کو خدا تعالیٰ نے اتنا بڑا حوصلہ عطا فرما دیا ہے اور دین کی راہ میں خرچ کرنے کا ایسا چسکا ڈال دیا ہے کہ پھر سلسلہ کے خزانے کبھی بھی ختم نہیں ہو سکیں گے ہر ضرورت جس طرح پوری ہو رہی ہے آئندہ بھی ضرور پوری ہو گی لیکن جہاں ہمارے لئے تم میں فتور آئے گا وہاں یہ سب برکتیں جاتی رہیں گی۔ پس مالی امور میں چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی اپنے ہاتھ میں قانون کو لینا گناہ سمجھنا چاہئے اور یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ دیانتداری کی تعریف میں صرف یہ بات بھی داخل ہے کہ **روپیہ دین کا ہے دین پر خرچ کرو حالانکہ دیانتداری کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ جس بات کے تم مجاز ہو وہی کرو۔** جس بات کے مجاز نہیں ہو وہ نہ کرو۔ یہاں اگر ہم نے دیانت کی حفاظت کی تو ذاتی اخراجات کا سوال ہی باقی نہیں رہے گا۔ وہ بد دیانتی جو دین کے مال کو اپنے اوپر خرچ کرنے پر منتج ہوتی ہے اس کا آغاز اسی قسم کی بد دیانتیوں سے ہوا کرتا ہے۔ ایک جگہ بے احتیاطی کی، دوسری جگہ بے احتیاطی کی۔ رفتہ رفتہ اس بے احتیاطی نے جرأت دلا دی۔ حیاء کم کر دی اور پھر سلسلے کے اخراجات ذات پر بھی ہونے لگتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے واقعات جماعت احمدیہ میں بہت شاذ کے طور پر ہیں اور جہاں بھی

ہوئے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کا روپیہ واپس ہوا لیکن یہ تو بہت بعید کی بات ہے۔ میں آپ کو روزمرہ کی باتوں میں تاکید کر رہا ہوں اور نظام جماعت سمجھا رہا ہوں۔ مجلس عاملہ کے اختیارات ہیں بجٹ کے اندر تبدیلی پیدا کرنا اور پھر اس کے متعلق منظوری لینا۔ بجٹ کے باہر تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں۔ مرکز کو درخواست کی جاسکتی ہے اور بجٹ کے اندر رہتے ہوئے خرچ کرنا امیر کی ذمہ داری ہے اور جہاں وہ تجاوز کرتا ہے وہاں دستخط کرنے والے کو ہاتھ روک لینے چاہئیں۔ اس کا اب فرض ہے کہ وہ امیر سے کہے کہ تم نے افسر بالا کی نافرمانی کی ہے اس لئے میں اس نافرمانی میں تمہارا شریک نہیں بنوں گا۔ مرکز سے اجازت لو اور پھر مجھے مطلع کرو، پھر میں دستخط کروں گا۔ اب اگر سختی سے اس بات کو نافذ کیا گیا تو انشاء اللہ آئندہ جو ہلکا سا رجحان پیدا ہو رہا ہے اس کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو جائے گا۔

مجالس عاملہ کے تعلقات میں ایک بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ امیر کو بعض اوقات مجلس کے فیصلوں کو ویٹو کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور وہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ مجلس عاملہ کا یہ فیصلہ جماعت کی اعلیٰ اغراض کے منافی ہے اور جماعت کے لئے بعض خطرات پیدا کر سکتا ہے۔ اس صورت میں امیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ ویٹو کر دے لیکن امیر کا فرض ہے کہ ویٹو کرنے کے بعد ۱۵ دن کے اندر اندر مرکز کو اس ویٹو کے حق کی وجوہات سے مطلع کرے۔ ایسی باتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں کہ امیر نے فیصلہ کیا ویٹو کر دیا اور بارہا ویٹو کیا اور مرکز کو مطلع نہیں کیا اور جماعت کو بھی مطلع نہ کیا کہ جماعت کے کیا حقوق ہیں اور اگر امیر ان حقوق سے متعلق ایک بالا حق کو استعمال کرتے ہوئے ان کو منسوخ کرتا ہے تو جماعت کو کیا حق ہے؟ جماعت کو کیا کرنا چاہئے۔ جماعت کی یہ عدم تربیت ہے اس کے نتیجہ میں ماضی میں بہت بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ خاص طور پر افریقہ میں سلسلے کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ مرکز سے ایک تربیت یافتہ آدمی تربیت یافتہ ان معنوں میں کہ جو قوانین کو خوب سمجھتا ہے وہاں مقرر ہوا اور امیر بنا دیا گیا۔ نئے لوگ جو احمدیت میں داخل ہوئے اخلاص تو ان میں تھا لیکن نظام جماعت سے واقفیت نہیں تھی۔ ان کو امیر نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے کیا حقوق ہیں۔ ان کو یہ بتایا کہ میرے کیا حقوق ہیں۔ جب بھی انہوں نے امیر کے فیصلے کے خلاف احتجاج کیا یا تو اسے یہ کہہ کر سختی سے دبا دیا کہ تم کون ہوتے ہو امیر کے خلاف بات کرنے والے یا ان کے متعلق

مرکز کو رپورٹیں بھیجنا شروع کیں کہ فلاں موقعہ پر فلاں شخص نے یہ کہا، فلاں وقت پر یہ کہا۔ فلاں وقت پر یہ کہا۔ اگر چہ وہ دب گیا ہے لیکن اس میں فتنہ پردازی کی بو پائی جاتی ہے اور بعض بہت اچھے اچھے کارکن اس طرح خدمت سے محروم رہ گئے اور کسی موقعہ پر ان کو یہ نہیں بتایا کہ اگر چہ مجھے حق ہے کہ تمہارے فیصلہ کے اوپر ویٹو کروں لیکن تمہیں بھی حق ہے اور تم میں سے ہر ایک کا حق ہے کہ میرے ہر فیصلہ کے خلاف جس سے تمہیں اختلاف ہو خلیفہ وقت کو چٹھی لکھو اور اس کا طریق یہ ہے کہ براہ راست لکھو تو مجھے اس کی نقل بھیجو لیکن بہتر طریق یہ ہے جس کو ہم رواج دیتے ہیں کہ جس کے خلاف شکایت ہے اس کی معرفت خط لکھو اور نقل براہ راست بھیج دو تا کہ یہ وہم نہ رہے کہ کوئی عہدیدار اپنے خلاف شکایت کے اوپر بیٹھ رہا ہے۔ یہ اگر بتایا جاتا تو جن فتنوں کی میں بات کر رہا ہوں ان میں سے ایک بھی فتنہ پیدا نہ ہوتا۔

ایک لمبے عرصہ تک بے چاری جماعتوں کو اس دھوکا میں رکھا گیا کہ امارت کے نظام سے مراد یہ ہے کہ امیر سیاہ وسفید کا کلیۃً مالک بن چکا ہے اور اس کے خلاف اگر کوئی شکایت پیدا ہو رہی ہے۔ دل میں کوئی لغزش پیدا ہو رہی ہے تو سوائے صبر کے اس کے حل کا کوئی رستہ نہیں ہے اور ہر آدمی سے صبر نہیں ہوتا۔ وہ پھر رستہ نہ پا کر نئے رستے بناتے ہیں۔ اپنے ماحول میں اپنے دوستوں میں باتیں کرتے ہیں ان کو بد دل کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ جماعت کا اخلاص گرنے لگتا ہے اور ایک بد دلی سی پیدا ہو جاتی ہے اور جب یہ بات بہت بڑھ جائے تو پھر فتنے کا ایک آتش فشان پھٹ پڑتا ہے۔

بعض ممالک میں بہت بھاری نقصان پہنچا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر مثلاً ۲۰۔۲۵ سال پہلے یہ نقصان نہ پہنچا ہوتا تو آج جماعت دس گنا زیادہ طاقتور ہوتی۔ بہت بڑے بڑے طاقتور لوگ جو ویسے ہی مخلص تھے وہ ہاتھ سے نکل گئے اور مخلص ہونے کا ان کا ثبوت یہ ہے کہ مدتیں ہوگئی ہیں اس فتنے کو پیدا ہوئے اور ان کو الگ ہوئے لیکن آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پورا احترام ہے۔ تمام دعاوی کو تسلیم کرتے ہیں اور کھلم کھلا مجالس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر دل میں اخلاص نہ ہوتا تو اتنی دیر کے بعد یہ کیسے باقی رہ سکتا تھا جو فتنے دل کی کجی سے پیدا ہوتے ہیں وہ ایمان کو ضرور کھا جاتے ہیں۔ جو فتنے لاعلمی سے پیدا ہوتے ہیں نقصان انکا بھی ہوتا ہے لیکن ایمان بچ جایا کرتا ہے اور ایسے لوگوں کو بالآخر اللہ تعالیٰ بچا لیتا ہے تو جو شخص لوگوں کی لاعلمی

کی وجہ سے ان کے ایمان سے کھیلنے لگ جائے اور جماعتی مفاد کے لئے خطرہ بن جائے وہ امارت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس لئے امراء کو بھی اس بات کی نگرانی رکھنی چاہئے کہ تمام جماعت کو ان کے حقوق سے مطلع رکھیں اگر وہ دیکھیں کہ ان کی کسی بات سے کسی کو رنجش پہنچتی ہے تو اسے محبت کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر اصول کا معاملہ ہو اور وہ اس معاملہ میں فیصلہ بدلنے کے مجاز نہ ہوں تو پھر ان کو سمجھائیں کہ دیکھو تمہیں بھی اختیار ہے چٹھی لکھو میں تمہیں پتے بتاتا ہوں کہ کس کو چٹھی لکھنی چاہئے۔ میرے خلاف شکایت لکھو اور کھل کر لکھو کہ میں نے کیا غلطی کی ہے۔ پھر تمہیں آپ ہی مرکز سمجھا دے گا کہ کیا اصل بات تھی۔ تو نظام جماعت میں تو کوئی رخنہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا اگر تقویٰ سے کام لیا جائے لیکن روح تقویٰ کی ہی ہے جو کام کرتی ہے۔ مجلس میں بھی کوئی بات تکلیف نہیں دیتی اگر وہ تقویٰ پر مبنی ہو اور متقیوں کا اختلاف ہمیشہ رحمت بنتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو ایک ہی فقرہ میں بڑی خوبصورتی سے بیان فرما دیا ہے مگر افسوس کہ بعض لوگ اس پر نظر نہیں کرتے۔ فرمایا: **اختلاف امتی رحمة** (حوالہ حدیث) میری امت کا جو اختلاف ہے وہ رحمت ہے اور دوسرے مواقع پر اختلافات کے خلاف بہت سخت ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ بعض اختلافات ہیں جو امت محمدیہ کے اختلاف ہیں، یہاں امتی کا جو لفظ ہے اس نے مضمون میں جان ڈالی ہے۔ جو میری امت ہو، یہ معنی ہیں کہ جو سچے رنگ میں حقیقی طور پر میری ہو وہ میرے رنگ میں رنگین ہوگی۔ ان کے اختلافات تقویٰ پر مبنی ہوں گے اور تقویٰ کے نتیجہ میں جو اختلاف ہے اس سے عقل ترقی کرتی ہے۔ اس سے آزادی ضمیر کو تقویت ملتی ہے اور خیالات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نشوونما پاتے ہیں، ہر قسم کے اندھیرے دور ہوتے ہیں، نئی روشنیاں نصیب ہوتی ہیں اور ترقی کا ایک لامتناہی سلسلہ اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام رحمت ہے لیکن جو اختلاف تقویٰ سے عاری ہو وہ رحمت کیسے بن سکتا ہے۔ یہ تو ہمیشہ ظلم پر مبنی ہوتا ہے اور ظلمات پیدا کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اندھیرے پیدا ہوتے ہیں، اضطراب پیدا ہوتے ہیں۔ قومیں پھٹ جایا کرتی ہیں۔

تو بات وہیں ختم ہوتی ہے یعنی تقویٰ پر۔ تقویٰ سے بات کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اختلاف بھی رحمت بن جاتا ہے اور تقویٰ نہ ہو تو تائید بھی لعنت بن جاتی ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان

کیا بعض لوگ امیر کی تائید کر رہے ہوتے ہیں لیکن تقویٰ کے بغیر اس کے نتیجہ میں مخالف رائے رکھنے والے مجبوراً ایک گروہ بن جاتے ہیں۔گویا کہ ان کو تحریک کی جاتی ہے کہ تم اکٹھے ہو ورنہ ہم نے بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر بات میں غلط ہو یا صحیح ہو امیر کی تائید کر کے اس کا جتھہ بن جائیں گے۔پس ان معنوں میں امیر کا جتھہ بن سکتا ہے لیکن یہ جتھہ پھر خدا کا جتھہ نہیں ہوگا امراء پر بھی بڑی ذمہ داری ہے وہ ہمیشہ اس بات کے نگران رہیں کہ مشورے میں اللہ کا خوف ہمیشہ دامن گیر رہے اور سچائی کو عظمت دی جائے کسی دوستی اور تعلق کو عظمت نہ دی جائے۔اس قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جو آج مجھے کہنی تھیں اور خیال تھا کہ شاید اسی خطبہ میں بات ختم ہو جائے لیکن میرے خطبہ کے مقررہ وقت میں چند منٹ رہ گئے ہیں اور ابھی مضمون باقی ہیں۔پھر کبھی انشاء اللہ میں اس سلسلہ میں مزید باتیں کروں گا۔

ایک بات آخر پر میں یہ بتانی چاہتا ہوں کہ بعض باتیں ایسی ہیں جن کو بے وجہ امراء مجلس عاملہ میں لا کر اپنی ناسمجھی کی وجہ سے یا ناتجربہ کاری کی وجہ سے اختلافات کے بیج ڈال دیتے ہیں اور ماحول مکدّر ہونے لگتا ہے۔مثلاً ایک عہدیدار نے ،ایسے مرکزی عہدیدار نے یا علاقائی عہدیدار نے کسی جماعت کا دورہ کرنا ہے جس کے لئے دلوں میں احترام پایا جاتا ہے تو بعض دفعہ مقامی امیر اس کو مجلس عاملہ میں رکھتا ہے کہ اس کو کہاں ٹھہرایا جائے اور اس پر پھر اختلافات شروع ہو جاتے ہیں۔بعض لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے گھر ٹھہرے۔بعض لوگوں کی خواہش ہوتی ہے ہمارے گھر ٹھہرے۔بعض کہتے ہیں کہیں بھی نہ ٹھہرے ہوٹل میں انتظام ہو اور اس چھوٹی سی بات پر وہ تکرار شروع ہو جاتی ہے کہ الامان اور الحفیظ۔بڑے بڑے سمجھدار لوگ نہایت ہی احمقانہ باتیں کر رہے ہوتے ہیں حالانکہ یہ ایسی بات ہی نہیں جسے مجلس عاملہ میں رکھ کر فتنے کا موجب بنایا جائے۔مجلس عاملہ کو اس فیصلہ کا اختیار ہی نہیں ہے کہ آنے والے مہمان کو کہاں ٹھہرائے۔جس کا مجلس کو اختیار ہی نہیں ہے اس کو اس کا موضوع بنانے کا کیا حق ہے۔مجلس عاملہ میں ان معنوں میں مشورہ کے لئے بات رکھی جاسکتی ہے کہ آپ مجھے مشورہ دے دیں آنے والے کا فیصلہ ہے کہ جہاں چاہے وہ ٹھہرے گا۔آپ میں سے جو کسی کے مشورے ہوں گے میں ان تک پہنچا دوں گا لیکن یہ ایسا امر نہیں ہے جس میں مجلس عاملہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔اس کا نظام جماعت میں کہیں بھی کوئی ذکر نہیں ہے کہ مجلس عاملہ کی ذمہ داریوں میں یہ بھی ہے کہ آنے والے مہمان کے متعلق فیصلہ کرے کہ اس کو کہاں ٹھہرایا

جائے یا کون اس کی مہمان نوازی کرے گا۔ ہاں مہمان نوازی کی حد تک تو امیر کا کام ہے فیصلہ کر سکتا ہے۔ سیکرٹری ضیافت موجود ہے۔ سیکرٹری ضیافت کا کام سیکرٹری ضیافت ہی کرے گا اور امیر اس کو یہ ہدایت کر سکتا ہے کہ بھئی! یہ کام کرو اور یہ نہ کرو لیکن امیر کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ مرکز کی منظوری کے بغیر سیکرٹری ضیافت کے کام دوسروں کے سپرد کرے۔ اس سے بھی دیکھا گیا ہے کہ فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ اچھا ہوا ضمناً اس بات کا ذکر چل پڑا۔ میں یہ بھی سمجھا تا چلوں کہ سیکرٹری ضیافت کا کام اس طرح پر کہ سیکرٹری ضیافت کوئی اور ہو اور اس کا کام کسی اور کے سپرد کر دیا جائے۔ امیر کا یہ فیصلہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ سفر خرچ کے بجٹ میں جو بل پڑنے چاہئیں وہ بل اٹھا کر کسی اور مد میں داخل کر دے۔ مدیں بدلنے کا امیر کو اختیار نہیں ہے اس لئے اگر سیکرٹری ضیافت اس بات کا نااہل ہے کہ امیر کی ہدایات کے تابع وہ ضیافت یعنی مہمان نوازی کا حق ادا کرے تو بروقت امیر کو چاہئے کہ مرکز میں وجوہات لکھ کر اس کی تحقیق کروائے یا مرکز سے فیصلہ لے کر اس کو بدل دینا چاہئے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ ایک عہدہ کسی کے پاس رہے اور اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے کہ عہدہ تو تمہارے پاس رہے گا کام ہم تم سے نہیں لیں گے، کام کسی اور کے سپرد کر دیں گے۔ اس کے نتیجہ میں بھی بے اطمینانی بڑھتی ہے اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پس امارت کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آپ سب لوگ مل کر محبت اور تقویٰ سے امیر کی مدد کریں اور ان باتوں میں اگر امیر غلطی کرتا ہے تو چونکہ میں اب آپ کو تفصیل سے سمجھا رہا ہوں آپ بھی ادب اور احترام سے اس کو سمجھائیں لیکن یاد رکھیں کہ اگر اس کے باوجود امیر اپنے ان اختیارات سے تجاوز کرتا ہے جو اسے ملے ہوئے ہیں اور وہ اختیارات حاصل کرتا ہے جو اسے ملے نہیں تو پھر جماعت اس کی اطاعت سے اس حصہ میں باہر ہے اور اس صورت میں جماعت کا فرض ہے کہ فوری طور پر مرکز سلسلہ کو مطلع کرے کہ یہ صورت پیدا ہو رہی ہے جو بہت خطرناک ہے۔ پھر مرکز کا کام ہے کہ اگر اصلاح طلب معاملہ ہے تو اصلاح کرے ورنہ اس امیر کو ہٹا کر کسی اور کو مقرر کرے۔

ہاں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض دفعہ سادگی میں اس بے چارے کو پتہ ہی نہیں کہ کون سا مشورہ کیا حیثیت رکھتا ہے یہ جو پہلو ہے اس کو مزید کھولنے کی ضرورت ہے مجلس عاملہ سے مشورہ لینا منع نہیں ہے۔ اکثر صورتوں میں امیر کو مجلس عاملہ میں باتیں کھولنی چاہئیں اور وہاں سے مشورہ حاصل کرنا چاہئے لیکن مجلس عاملہ کو فیصلے کا اختیار نہیں ہے اس معاملہ میں اس لئے جہاں فیصلے کا اختیار نہیں

ہے وہاں امیر کو وہ پابند نہیں کرسکتی کہ تم نے چونکہ ہم سے مشورہ لیا تھا اس لئے اب اس جگہ ٹھہراؤ جہاں ہم سمجھتے ہیں ہماری اکثریت سمجھتی ہے۔اس کا اکثریت کے ساتھ کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ جو مشورے ہیں امیر سن کر متعلقہ متوقع مہمان کو لکھ دے کہ یہ یہ آراء آئی تھیں۔آپ نے ٹھہرنا ہے، آپ کی مرضی ہے جہاں چاہیں ٹھہریں لیکن ان باتوں کو ملحوظ رکھ لیں۔اگر ایسا ہو تو خدا کے فضل سے کسی جگہ بھی کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوسکتی۔ مجھے یاد ہے کہ وقف جدید یا خدام الاحمدیہ یا انصار اللہ کے دوروں کے وقت کئی دفعہ میرے ساتھ بھی ایسا ہوا کرتا تھا۔بعد میں لوگ آتے تھے کہ جی! ہم نے تو کہا تھا کہ وہاں ٹھہرائیں لیکن انہوں نے یوں کیا۔میں نے کہا کہ تم نے کہا تھا تو تمہیں اختیار کس نے دیا ہے کہ تم اتنے معتبر بن جاؤ کہ ضرور تمہاری مرضی چلے۔نہیں ٹھہرایا تو کیا فرق پڑتا ہے۔مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ تمہیں کیوں تکلیف ہورہی ہے۔میں نے خوشی سے قبول کرلیا بات ختم ہوئی۔اب تمہیں کوئی حق نہیں کہ لوگوں کے کان بھرو یا میرے کان آ کر بھرو کہ جناب ہم نے تو آپ کے لئے اچھی جگہ تجویز کی تھی۔یہ ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جان کر آپ کو خراب کرنے کے لئے فلاں جگہ رکھی ہے۔یہ چھوٹی چھوٹی کمینی باتیں ہیں۔جماعت بہت بلند مقام کی جماعت ہے۔خدا کی جماعت ہے۔ایسی باتیں کریں جو خدا لگتی ہوں۔ایسی باتیں کہیں جو خدا والوں کو زیب دیتی ہوں۔اپنے مرتبے اور مقام کو پہچانیں اور اس مقام پر رہیں جس کی آپ سے توقع کی جاتی ہے۔پھر انشاءاللہ تعالیٰ کوئی فتنہ آپ کے اندر راہ نہیں پاسکے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مالی قربانی کی روح کو سمجھیں یہ کوئی جبر کا نظام نہیں۔

نوافل سے اپنے فرائض کی حفاظت کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات قرآنی تلاوت کیں:۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ
الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ
الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ
قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ
الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ
رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

(التوبہ: ۹۸ تا ۱۰۰)

پھر فرمایا:۔

قرآن کریم نے جو مالی نظام دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے یہ ایک بالکل الگ اور ممتاز نظام ہے جس کی کوئی مثال دنیا کے کسی مذہب میں دکھائی نہیں دیتی۔ یہ مضمون اپنی ذات میں اتنا وسیع

اورا تنا گہرا ہے کہ اگر کسی غیر مذہب والے کو اس موضوع پر کوئی مسلمان متوجہ کرے اور اسے دعوت دے کہ تم اپنے مذہب ہی سے نہیں دنیا کے تمام مذاہب سے خدا کی خاطر مالی قربانی دینے والے مضامین کو اکٹھا کرلو اور ہم قرآن کریم سے ان آیات کو پیش کریں گے اور پھر دیکھو کہ کیا قرآن کی تعلیم بھاری رہتی ہے یا ساری دنیا کی اجتماعی کتابوں کی مجتمع تعلیم قرآن کریم کے اوپر بھاری ہوتی ہے۔

میں نے یہ موازنہ بڑے غور سے کیا ہے اگر چہ تمام مذاہب کی تعلیم پر بہت گہری نظر ڈالنے کی توفیق تو نہیں مل سکی لیکن موازنہ مذاہب کا چونکہ مجھے شوق رہا ہے میں نے اصل کتابیں بھی پڑھی ہیں، بعد کے زمانے کی کتابیں بھی پڑھیں اور ان پر اپنوں اور غیروں نے جو تبصرے لکھے ہیں وہ بھی بہت حد تک پڑھنے کی توفیق ملی اس لئے میں اپنے ذاتی علم کی بناء پر یہ بات کر رہا ہوں محبت کے کسی دعوے کی بناء پر نہیں۔ قرآن کریم سے ہر مسلمان کو محبت ہے۔ وہ اس کے متعلق بلند بانگ دعاوی بھی کرتا ہے لیکن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احمدیت کو جو نئی ادا سکھائی وہ یہ ہے کہ محض محبت کی بناء پر دعوے نہ کرو بلکہ تجربے کی بناء پر دعوے کرو، خود دیکھو پرکھو، خوب اچھی طرح غور کے بعد بات کرو۔ پس یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں پورے غور کے بعد کہہ رہا ہوں۔ آپ میں سے ہر احمدی اس نسخے کو آزما کر دیکھ سکتا ہے اور ہر گز کبھی وہ تمام دنیا کے مذاہب کی اجتماعی طاقتوں سے بھی اس معاملہ میں شکست نہیں کھائے گا۔ یہ تعلیم اتنی وسیع ہے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اور اتنے گہرے فلسفے پر مبنی ہے اور ہر اونچ نیچ کو اس طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ مالی قربانی کے نظام کا ایک پورا جہان ہے جو اپنی ذات میں کامل ہے اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ سمجھانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ آج کل جو بعض نئے نئے فتنے پیدا ہوتے ہیں ان میں بارہا یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ **اسلام کامل کیسے ہوگیا۔ دنیا ترقی پذیر ہے اور ہر چیز میں پہلے کی نسبت کسی نہ کسی صورت میں ترقی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ کیا ہم ایک جامد مذاہب کو مان جائیں گے جو اپنی ذات پر کھڑا ہے اور ماضی کے کسی ایک نقطہ پر آ کر جمود اختیار کر گیا ہے وہاں سے آگے نہیں چلتا۔** یہ اعتراض سادہ لوح مسلمانوں پر بعض دفعہ برے اثرات مترتب کرتا ہے۔ بعض دفعہ ان کو پھسلانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور آج کل جئے سندھ کی جو تحریک ہے اس میں بھی سید صاحب نے جو اپنا فلسفہ حیات پیش کیا ہے اس میں نمایاں طور پر اس بات کو اٹھایا ہے کہ قرآنی تعلیم

اپنے زمانہ میں اچھی تھی لیکن اب فرسودہ ہوگئی ہے۔ چودہ سو سال پہلے کی باتیں ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ چودہ سو سال پہلے کی کتاب آج ہماری راہنمائی کیسے کر سکتی ہے تو ان کے لئے بھی یہ چیلنج ہے۔ صرف مذہب کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے مالی نظام جو آج تک انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہیں ان کے فلسفے کو جانچ لیجئے، ان کو اکٹھا دعوت دے دیں کہ جاؤ اور سارے مل کر اپنے اپنے فلسفوں اور اپنے اپنے نظام سے چوٹی کے نکتے نکال کر لاؤ اور پھر اسلام کے مالی قربانی کے نظام سے مقابلہ کرو اور پھر یہ بتاؤ کہ اسلام کے مالی قربانی کے نظام میں کہاں اصلاح کی اور ترقی کی گنجائش ہے کچھ کر کے دکھاؤ تو ہم مانیں گے۔ محض خیالی تبصروں کے اوپر تو انسان اپنے دینی تصورات کو تبدیل نہیں کیا کرتا یا اعتقادات کو تبدیل نہیں کیا کرتا۔

تو یہ وہ نظام ہے جس کے متعلق ہر احمدی کو خوب اچھی طرح واقف ہونا چاہئے اور عملاً وہ واقف ہو رہا ہے اور یہ نظام اگر آج دنیا میں کہیں رائج ہے تو جماعت احمدیہ میں ہی اس کا ایک پہلو رائج ہے۔ یعنی وہ جو طوعی چندوں کا نظام ہے وہ جماعت احمدیہ میں رائج ہو گیا ہے۔ اور حسن و احسان میں ترقی کر رہا ہے اور دن بدن زیادہ نکھر کر سامنے آتا جا رہا ہے اور اس نئے بناؤ سنگھار میں ایک ادنیٰ سا موقع بھی ایسا پیش نہیں آتا کہ قرآنی تعلیم پر اضافے کی ضرورت پیش آئے اس کے دائروں میں یہ سب ترقی ہو رہی ہے اور اس کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہم جانتے ہیں ابھی بہت کچھ آگے بڑھنے کی گنجائش موجود ہے۔

پس آج پندرہویں صدی کا انسان یا چودہویں صدی کا انسان مڑ کر راہنمائی کے لئے دیکھ رہا ہے اور قرآن کریم کی تعلیم سے جب وہ استفادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ ابھی بہت کچھ کرنے والا باقی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ زمانے کے آخر تک قرآن بنی نوع انسان کا ساتھ دے گا۔ وہ ساتھ دے سکیں نہ دے سکیں یہ الگ بات ہے لیکن قرآن کی تعلیم کسی دنیاوی فکر سے یا دنیاوی ترقی سے پیچھے نہیں رہ سکتی۔

بہر حال اس مختصر تعارف کے بعد اب میں ایک خاص پہلو کو جماعت کے سامنے نمایاں طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم نے دو طرح کی مالی قربانی کرنے والوں کا حال اعراب کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ غلاموں کا ذکر نہیں ہے اس لئے

اس بات کو خوب اچھی طرح سوچ لیں کہ ان آیات میں سے جو پہلی آیت ہے اس کا اطلاق خالصۃً اعراب پر ہوتا ہے یعنی ان بدوؤں پر جنہوں نے اجتماعی طور پر اسلام کو قبول کرلیا لیکن حضور اکرم ﷺ کی تربیت سے فیض یاب نہ ہوسکے لیکن حضور اکرم ﷺ کی تزکیہ کی طاقت ایسی تھی کہ ان اندھیروں میں بھی پہنچی ہے ان کو بھی پار کیا ہے اور ان میں بھی جگہ جگہ نور کی بہت ہی خوبصورت شمعیں روشن کردی ہیں، دوسری آیت اس مضمون کو بیان کررہی ہے۔ اور تیسری آیت یہ بتاتی ہے کہ نمونہ وہی ہے جو انصار اور مہاجرین کا نمونہ ہے۔ اعراب میں برے بھی ہیں اچھے بھی ہیں، بہت خوبصورت قربانیاں کرنے والے بھی ہیں لیکن نمونے کے طور پر تم نے محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں اور انصار اور مہاجرین کو پکڑنا ہے کیونکہ وہ آنحضور ﷺ کے تربیت یافتہ ہیں۔ پہلی آیت میں فرمایا۔ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ کہ ان اعراب یعنی بدوؤں میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو کچھ خرچ کرتے ہیں چٹی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں اور دل میں کڑھتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ مخفی طور پر انہیں بددعائیں دیتے رہتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں مصیبت ڈال دی، ہمارے اموال میں سے حصہ لینے والے آجاتے ہیں اور خدا کرے ان پر کوئی آسمانی حوادثاتی مصیبت نازل ہوا اور یہ ان مصیبتوں کا شکار ہوجائیں۔

اس مضمون سے پتا چلتا ہے کہ یہ اسلام کے غلبہ کے دور کی بات ہے جبکہ اسلام اس حد تک غالب آگیا تھا کہ حکومت بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے غلاموں کے ہاتھ میں تھی اور عربوں پر ایک اسلامی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو چٹی والی بات نہ ہوتی اور اسی میں دراصل آئندہ فتنوں کی پیشگوئی بھی تھی کہ جب بھی نظام حکومت ڈھیلا ہوگا تو وہ لوگ جو انتظار میں بیٹھے ہیں کہ تم پر کوئی مصیبت ٹوٹے تو وہ آزاد ہوں، وہ نہ صرف یہ کہ خدا کی راہ میں پیسے دینے بند کردیں گے بلکہ ان کے باغیانہ خیالات زور سے سر اٹھائیں گے اور شور پیدا کریں گے چنانچہ اس آیت کی روشنی میں یہ کہنا کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بند ہوتے ہی جو کچھ آپ کی اصلاح تھی وہ مٹ گئی اور فساد برپا ہوگئے محض ایک جاہلانہ اعتراض ہے اور اہل مغرب کی طرف سے بھی اور بعض مشرقی مفکرین کی طرف سے بھی ہمیشہ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی ﷺ کی اتنی لمبی محنتیں کہاں گئیں۔ ۲۳ سالہ تربیت کے بعد اچانک جب آپ کا وصال ہوتا ہے تو اعراب بغاوت میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں

اور فتنہ ارتداد اور زکوٰۃ نہ دینے کا فتنہ شروع ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کریم تو اس آخری دور میں جبکہ حکومت کامل ہوئی تھی اور یہ دو تین سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہے اس عرصے کے بارہ میں فرماتا ہے کہ اعراب میں سے ایک بڑی اکثریت ایسی ہے جنہوں نے دل سے اسلام کو قبول نہیں کیا اور اس حد تک بہر حال نہیں کیا کہ خدا کی راہ میں کچھ خرچ کر سکیں۔ جو کچھ دیتے ہیں وہ مجبوراً چٹی سمجھ کر دیتے ہیں اور دلوں میں نفرتیں دبائے بیٹھے ہیں اور تمہارے بدخواہ ہیں۔ تم پر آسمانی مصائب کی راہ دیکھ رہے ہیں لیکن ساتھ ہی جیسا کہ قرآن کریم کا طریق ہے کسی قوم کو بحیثیت مجموعی مطعون نہیں فرماتا، کسی قوم کو کلیۃً مجرم قرار نہیں دیتا بلکہ واقعاتی طور پر جو استثناء ہو سکتے ہیں ان کی بھی نشاندہی فرماتا ہے۔ فرمایا:۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ لیکن عجیب ہے انہیں اعراب میں سے ابھی تھوڑی دیر تربیت پائی ہے لیکن ایسے عظیم الشان وجود پیدا ہو چکے ہیں يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اور جو کچھ بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کے دو ہی مقاصد ہیں کہ اللہ کی قربت حاصل کریں اور رسول کی دعائیں حاصل کریں۔ اس کے سوا ان کا کوئی منشاء نہیں۔ جب روپیہ دیتے ہیں تو اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے کیا دیا اور کیسے دیا اور جزا ان کی سوائے اس کے کوئی نہیں کہ خدا ان کو قربت عطا فرمائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دعائیں ان کو پہنچیں۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سنو ان کی یہی ادا قربت پیدا کر رہی ہے مالی قربانی کا ایسا پیارا انداز ہے کہ قربت تو ان کو مل گئی۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ میں بہت ہی خوبصورت مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہاں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قربت عطا کی جائے گی۔ یا اس کے نتیجے میں تمہیں یہ ملے گا۔ فرمایا اِنَّهَا قُرْبَةٌ مالی قربانی کا یہ انداز اپنی ذات میں قربت ہے۔ یہ ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے قریب ہوں۔ یہ مضمون ہے یعنی جزاء کا مضمون تو بعد کی باتیں ہیں وہ تو اپنی جگہ قائم ہے۔ اِنَّهَا قُرْبَةٌ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرز فکر کے لوگ جو اس بناء پر قربانی دیا کرتے ہیں وہ تو پہلے ہی اہل قربت ہیں۔ جن کو خدا کا قرب نصیب نہ ہو ان کو اتنی حسین ادائیں آ ہی نہیں سکتیں۔ خدا تعالیٰ کا عجیب کلام ہے حیرت میں انسان ڈوب جاتا ہے۔ ذرا ٹھہر ٹھہر کر غور سے آپ پڑھیں تو حسن کے عجیب

کرشمے دکھائی دیتے ہیں جو انسان کی جادوگری سے پیدا نہیں ہو سکتے، خدا کا کلام ہے، اس میں عجیب شان ہے، عجیب گہرائی ہے، عجیب صدق ہے۔ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ اور بعد میں دوسرا مضمون بھی بیان فرما دیا۔ اللہ اس کے نتیجے میں سَيُدْخِلُهُمُ ضرور ان پر رحمتیں بھی نازل فرمائے گا یعنی جزاء تو ان کو مل گئی کہ قربت نصیب ہے تو ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ جو وہ چاہتے تھے وہ تو پورا ہو گیا لیکن اس کے سوا بھی خدا فرماتا ہے کہ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اللہ اس کے علاوہ بھی ان کو رحمتیں عطا فرمائے گا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہے یہاں سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ سے مراد ہے کہ خدا کی رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اس میں داخل ہو جائیں گے ان کے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے رحمت ہی رحمت ہوگی۔ رحمت کا یہ پودا رحمت کا ماحول ان کے اوپر چھا جائے گا ان کو لپیٹ لے گا ان کا کوئی حصہ رحمت باری تعالیٰ سے باہر نہیں رہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور ساتھ یہ بھی وعدہ فرما دیا کہ خدا تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہاں اس احتمال کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ جو خدا کی راہ میں مالی قربانیاں کرتے ہیں اور اس پیار اور محبت کے انداز سے کرتے ہیں ان میں بسا اوقات بعض دوسری کمزوریاں بھی ہوتی ہیں لیکن مالی قربانی سے ان کی نوک پلک درست ہو جاتی ہے اور وہ بہت خوبصورت، بہت اعلیٰ کردار دکھانے والے بن جاتے ہیں لیکن بعض دوسری باتوں میں کوتاہیاں بھی ہو جاتی ہیں، غفلتیں ہو جاتی ہیں، بعض دفعہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، استغفار کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے، پھر ٹھوکر کھاتے ہیں تو فرمایا ان لوگوں کے لئے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ جب کسی کی ایک ادا پسند آ جائے تو اس کے بعض دوسرے نقائص سے انسان آنکھیں بند کر لیا کرتا ہے اور کسی کی کوئی ادا بہت پسند آ جائے تو اتنا ہی زیادہ مغفرت کرنے والے کے دل میں ایک طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ پس یہ اس طلب کا ذکر ہے ورنہ اس سے پہلے بخشش مانگنے کا کوئی مضمون بیان نہیں فرمایا گیا تو یہ بات بھی آپ یاد رکھیں کہ بعض نیکیوں میں غیر معمولی کمال حاصل کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں مغفرت عطا کرنے کی طلب پیدا ہوتی ہے اور بخشنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے اور جہاں ہاتھ نہیں بھی پھیلایا گیا وہاں ہی خدا نے خود ذکر فرما دیا کہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ان کو ہم یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اللہ بہت ہی مغفرت فرمانے والا اور بہت رحم

کرنے والا ہے۔اس کے بعد تیسری آیت ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔

وَالسّٰبِقُوْنَ اور الْاَوَّلُوْنَ تو وہی ہیں مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ کہ جو مہاجرین میں سے ہیں اور انصار میں سے ہیں یعنی اعراب تو بعد میں آئے اس سے پہلے کون لوگ تھے مہاجر تھے اور انصار تھے جنہوں نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل کی فرمایا ان کی تو بات ہی الگ ہے چنانچہ فرمایا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اور وہ لوگ جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ان کی تو یہ کیفیت ہے کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ دونوں طرف سے رضا ہے۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ان کے لئے خدا تعالیٰ نے ایسی جنات پیدا فرمائی ہیں جن کے اندر دائمی نہریں بہتی ہیں۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ میں صرف صحابہ مراد نہیں ہیں بلکہ صحابہ کا ذکر چونکہ الگ گزر چکا ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ صحابہ مراد ہی نہ ہوں بلکہ صحابہؓ کی پیروی کرنے والوں کا ذکر ہے جو بعد میں آنے والے ہیں۔ پس اس پہلو سے میرے نزدیک اس آیت کا مضمون ہمیشہ کے لئے جاری وساری ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اگر کلام الٰہی ہمیشہ کے لئے ہے اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور آپ سے تربیت یافتہ صحابہ ؓ کا نمونہ ہمیشہ کے لئے ہے تو یہ فیض جو بھی پائے گا وہ ان انعامات سے بھی ضرور حصہ لے گا جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے لیکن ایک شرط داخل فرمادی۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ اتباع کی ہے۔ اب لفظ احسان قابل غور ہے۔ یہاں احسان کس طرح مضمون سے مطابقت کھاتا ہے یہ بات قابل توجہ ہے۔ آپ جب کسی کی پیروی کرتے ہیں تو عام معنوں میں تو احسان نہیں کرتے نا کہ اس پر ہم نے بڑا احسان کیا اس کی پیروی کی۔ جس کی پیروی کی جاتی ہے وہ محسن ہوا کرتا ہے اور جو پیروی کرتا ہے اس پر اس محسن کا احسان ہوتا ہے تو قرآن کریم جب ظاہری مضامین کو الٹاتا ہے تو وہیں

آپ کے قدم رک جانے چاہئیں اور آپ کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ کوئی بہت ہی عظیم بات بیان فرمائی جارہی ہے جو عام مضامین سے مختلف ہے۔ فرمایا وہ لوگ جوان بزرگوں کی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ مہاجرین اور انصار کی اداؤں کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ جنہوں نے آغاز میں اسلام سیکھا اور لمبا عرصہ آنحضور کی تربیت پائی الْاَوَّلُوْنَ کہہ کر یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر چہ اعراب میں بھی اچھے اچھے پیدا ہوئے مگر ان کا مقابلہ تو نہیں ہوسکتا جنہوں نے آغاز ہی میں آنحضور ﷺ کی اتباع کی اور پھر آپ سے خود براہ راست تربیت پائی اور لمبا عرصہ یہ تربیت پائی ان کی پیروی احسان سے کرنے کا ذکر ہے۔

یہاں احسان کے دو معنی ہیں ایک احسان کا معنی تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر احسان کرتے ہیں کسی اور پر احسان نہیں کرتے اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ یعنی اپنے نفس کو حسین تر بنانے کے لئے اپنے وجود کو پہلے سے زیادہ خوبصورت بنانے کی خاطر وہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہاں پیروی کے مضمون میں اپنے نفس کی تربیت کا مضمون بالا رادہ طور پر داخل ہو جاتا ہے وہ جانتے ہیں کہ ہم خوبصورت نہیں ہو سکتے جب تک ان لوگوں جیسا بننے کی کوشش نہ کریں جس طرح ایک زمانہ میں بعض لوگ کسی ایکٹر کو اپنا ہیرو بنا لیتے ہیں، کوئی کسی ایکٹرس کو بنا لیتے ہیں اور ان کے طریق سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ کرکٹ کا اچھا بالر ہے تو اس ادا سے Ball کرتے ہیں، اگر اچھا بیٹسمین ہے تو اس ادا کے ساتھ بیٹنگ کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض بے وقوف بچیاں جب نئی نئی بڑی ہوتی ہیں تو بعض ایکٹرسوں کو انہوں نے اپنا مقصود اور مطلوب بنایا ہوا ہوتا ہے اور ان ہی کی نقالی کر رہی ہوتی ہیں اور بچے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ چنانچہ مارکٹیں اس قسم کے کپڑوں وغیرہ سے بھری ہوتی ہیں جن پر کسی نہ کسی مشہور آدمی کا نام ہے کہ وہ اس طرح پہنا کرتا تھا، اس رنگ کی چیزیں پسند کرتا تھا، تم بھی ایسا ہی کرو تو کس کیلئے؟ اس لئے کہ وہ خوبصورت سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم حسین ہو جائیں گے۔ پیروی میں احسان کا مضمون داخل ہے احسان کا مطلب ہے چیز کو اچھا بنانا خوبصورت بنانا۔

پس اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان کی پیروی ان کو ماڈل سمجھتے ہوئے کرتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ جتنا ہم ان کے قریب ہوں گے اتنا زیادہ خود خوبصورت اور دل کش ہوتے چلے جائیں گے اور غور کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے کس کس رنگ میں قربانیاں دیں اور پھر

ویسے ہی رنگ اختیار کرتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بسا اوقات اپنے خطبات میں صحابہؓ کی مالی قربانیوں کے تذکرے اس رنگ میں کیا کرتے تھے کہ اس سے بچپن سے ہی لوگوں کے دلوں میں اس قسم کی قربانیاں کرنے کی تمنا پیدا ہو جاتی تھی اور آج کل کے زمانے میں بھی جماعت احمدیہ نے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس مضمون میں نئے رنگ بھرے ہیں اگر چہ اتباع ان ہی لوگوں کی کی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جو نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں وہ اس مضمون میں زیادہ دلکشی پیدا کرتے چلے جاتے ہیں لیکن بنیادی ادائیں نہیں بدلتیں ان میں کبھی تبدیلی نہیں آئی۔ جن باتوں کے متعلق خدا نے یہ فرمایا کہ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وہ بنیادی صفات ہر انسان کی ہر زمانے میں ایک ہی رہتی ہیں۔ یہ مضمون سمجھنے کے لائق ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر قرآن بھی بدلنا ہوگا پھر کوئی کتاب ہمیشہ کے لئے کامل نہیں ہو سکتی مگر چونکہ قرآن کریم دین فطرت ہے اس لئے ان فطری مضامین کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے جن میں تبدیلی کوئی نہیں۔ لا تبدیل لخلق اللہ کا مضمون ہے چونکہ انسانی فطرت سے ان باتوں کو باندھا گیا ہے اور فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی لیکن اس فطرت کے مظاہر بدلتے رہتے ہیں۔ وہ مختلف رنگ میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ تو جب میں کہتا ہوں کہ نئے رنگ بھرے تو میری مراد یہ نہیں کہ انہوں نے نئی ادائیں بنائی ہیں۔ ادائیں وہی ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی تھیں۔ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ لیکن ان میں اپنے اپنے انداز کے مطابق اپنی اپنی انفرادی حیثیت کے مطابق نئی قسم کے جذبات اور اظہارات کو داخل کیا ہے اور ایک انفرادیت پیدا کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے جہاں احسان کا ذکر فرمایا وہاں یہ مراد ہے کہ ان لوگوں کی پیروی کر کے اپنے اعمال کو حسین سے حسین تر بناتے رہتے ہیں۔

دوسرے مضمون کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے۔ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ کہ احسان کا ایک معنی ہے بہت ہی زیادہ حسین نیکی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے سب سے اعلیٰ درجے کی نماز کی جو تعریف فرمائی ہے اسے احسان قرار دیا ہے اور قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ احسان کا یہ معنی ایک دینی اصطلاح ہے کہ ایسی نیکی جو اپنی ذات میں درجہ کمال کو پہنچی ہو تو فرمایا کہ وہ ان کی پیروی میں یہ نہیں دیکھتے کہ ان سے کمزوریاں کیا سرزد ہوئیں اور ان کو اپنے

لئے نمونہ بنائیں ۔ نہ صرف یہ کہ وہ نیکیوں پر نظر رکھتے ہیں بلکہ نیکیوں میں سے بھی بہترین پر، ان کی نگاہ اونچی ہوتی ہے اور وہ ان میں سے جو بہترین ادائیں کرنے والے خدا کی محبت میں مبتلا ، خدا کی محبت میں گرفتار عشاق محمد مصطفیٰ ﷺ تھے ان کی پیروی کرتے ہیں ان اداؤں میں جو ان کے اندر بہترین ہیں اور ان کی ذات میں درجہ کمال رکھتی ہیں۔

اس مضمون نے ایک پہلو تو ہمیشہ کے لئے مردود فرما دیا یعنی بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے جو اس عہدہ پر تھا اور اس مقام پر تھا اس نے فلاں بدی کی تو ہم نے بھی کر لی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کو کیوں نہیں پکڑتے ۔ اس مضمون کو اس آیت نے ہمیشہ کے لئے مردود کر دیا ہے۔ **فرمایا ہے پیروی کرنے والوں کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ ادنیٰ کی پیروی کریں چاہے وہ اعلیٰ سے سرزد ہوا ہو۔** ادنیٰ فعل اگر اعلیٰ سے بھی سرزد ہوا ہو تو قرآن تعلیم کے مطابق وہ پیروی کے لائق نہیں رہتا اس لئے اس کا حوالہ دیا ہی نہیں جا سکتا حوالہ دینا ہے اور حوالہ تلاش کرنا ہے تو اپنے لئے حسن کا حوالہ دو اور حسن کا ہی حوالہ تلاش کرو۔ حسن پیدا کرنے کی خاطر کام کرو اور حسن میں جو سب سے اعلیٰ درجے کا حسن ہے اس کی پیروی کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا ان کی جزاء یہ ہے کہ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ان سے خدا ہمیشہ کے لئے راضی ہوگیا وَرَضُوْا عَنْهُ اور وہ ہمیشہ کے لئے اللہ سے راضی ہوئے وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ان کے لئے خدا نے ایسی جنتیں بنا رکھی ہیں جن میں دائمی نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اس میں رہیں گے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ ایک بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

یہ مالی قربانی کی وہ روح ہے جس کا صرف ایک پہلو یہاں بیان ہوا ہے اس کے علاوہ مختلف پہلوؤں سے مالی قربانی کے نظام کو خدا تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے اور اس کے حسن و قبح کو بڑی تفصیل کے ساتھ واضح فرما دیا ہے۔ جماعت احمدیہ میں بعض لوگ اگر چہ چندے ادا کرنے میں دقّت محسوس کرتے ہیں اور بعض بوجھ بھی محسوس کرتے ہوں گے **مگر چونکہ جبر کا نظام نہیں ہے اور حکومت نہیں ہے اس لئے جب تک وہ اس اندرونی تردّد کے باوجود مالی قربانی میں حصہ لے رہے ہیں ان کے اوپر ہم حرف نہیں رکھ سکتے کیونکہ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اکراہ کے ساتھ قربانی کی ہے۔ اگر چہ کچھ نہ کچھ جبر کا پہلو ان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے آغاز کے وقت انسان کو**

خوب اچھی طرح خبردار ہونا چاہئے جن دلوں میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں ان کا کام ہے کہ خود اپنی نگرانی کریں کیونکہ بیرونی طور پر کوئی ایسا نظام نہیں ہے جسے یہ اجازت ہو کہ وہ کسی کو یہ کہہ سکے کہ تم نے جبر کے ساتھ قربانی دی ہے، تمہارے دل میں کراہت تھی ۔ یہ کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے، سوائے اس کے کوئی کراہت کا اظہار کرتا ہے اور بعض ایسے بدنصیب ہیں جو کر دیتے ہیں ۔ ان کے متعلق جب اطلاع ملتی ہے ہمیشہ میں یہی کہتا ہوں کہ ان سے کبھی چندہ نہ لیا جائے کیونکہ نظام جماعت میں کوئی جبر نہیں ہے لیکن جب چندہ لینے والے جاتے ہیں تو بعض کہتے ہیں کہ کیا تم نے مصیبت ڈالی ہے ہر روز آجاتے ہو، یہ چندہ، وہ چندہ بعض لوگ مجالس لگاتے ہیں اور کہتے ہیں جی کتنی قسم کے چندے ہو گئے ہیں ۔ یہ کیا نظام ہے؟ ایک سیدھا چندہ عام رکھیں وصیت رکھیں جو مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جاری فرمایا ۔ یہ آئے دن کے نئے چندے ایجاد کرنے کا کیا موقعہ ہے حالانکہ آئے دن کی ضرورتیں آئے دن کے چندوں سے ہی پوری ہوں گی اور چندہ میں کوئی جبر نہیں ہے ۔ خدا کے نام پر اپیل کی جاتی ہے، ان لوگوں کے دلوں کو مخاطب کیا جاتا ہے جو پہلے ہی اس تمنا میں رہتے ہیں کہ خدا کی رہ میں قربانی والی کوئی آواز اُٹھے اور ہم پھر لبیک کہیں اور پھر اس سے لطف اندوز ہوں ۔ تو وہ لوگ جن کے دل میں لازمی چندوں سے کسی قسم کی کراہت پائی جاتی ہے یا طوعی تحریکات میں وہ اپنے دلوں پر بوجھ محسوس کرتے ہیں ان کو اپنا تجزیہ کرنا چاہئے اور شروع میں ہی اپنی پہچان کر لینی چاہئے ۔ وہ بعض دفعہ اس وجہ سے طوعی چندوں پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ اس میں کسی قسم کا بھی جبر نہیں ۔ لازمی چندے میں بھی جبر نہیں ہے لیکن لفظ لازم نے اس کے اندر ایک خاص سنجیدگی پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے انسان سمجھتا ہے کہ یہ چندہ تو دینا ہی دینا ہے لیکن جس کو طوعی کہا جاتا ہے اس کا تو مضمون ہی یہ ہے کہ دینا ہے تو دو نہیں دینا تو نہ دو، قطعاً کوئی حرف نہیں، کوئی اعتراض نہیں ۔ سلسلہ کے عہدوں کا جہاں تک تعلق ہے ووٹ کا تعلق ہے، تمہارے حقوق کا تعلق ہے ایک ذرہ بھی اثر انداز نہیں ہوں گے اگر تم لازمی چندے دے دیتے ہو تو اتنا کافی ہے یعنی کافی ان معنوں میں کہ تمہارے بنیادی حقوق جو جماعت کے ساتھ وابستہ رہ کر تمہیں ملنے چاہئیں وہ سارے ملیں گے لیکن اس کے باوجود ان کو طوعی چندوں پر اعتراض ہے ۔ اس کا مطلب ہے کہ کراہت کا مضمون داخل ہو چکا ہے اور شروع ہو گیا ہے ۔

میں نے اس پر غور کر کے دیکھا ہے کیونکہ مجھے بھی بہت سی جماعتوں میں چندوں سے متعلق

جانے اور تفصیل سے جائزے لینے کا موقعہ ملا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو ایک بات سے تکلیف ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ جب بڑھ بڑھ کر طوعی چندے دیتے ہیں اور ان کا دل نہیں کھلتا تو ان کو شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی میں ہمارا مقام ننگا ہو جائے گا اور لوگوں کو پتہ لگے گا کہ یہ تو حصہ نہیں لیتا جبکہ دوسرے لے رہے ہیں یہ لبیک کہنے میں پیچھے ہے تو اس کے نتیجے میں اس پر پردہ ڈالنے کی خاطر وہ فلسفہ بنا لیتے ہیں کہ جی ہم اس کے قائل ہی نہیں یہ ہے ہی بکواس۔ یہ سارا سسٹم ہی غلط ہے۔ ان نئی نئی باتوں کے ہم قائل نہیں۔ ہم تو وہی بنیادی چندے کے قائل ہیں آگے کو نہیں بڑھیں گے۔ اگر وہ جماعت میں غلط پروپیگنڈا نہ کریں اپنی خفت مٹانے کے لئے جھوٹے اعتراض نہ بنائیں اور صرف یہ کہہ دیا کریں کہ ہمیں اتنے کی توفیق ہے تو اس پر کوئی حرج نہیں یہ جائز ہے اور اس پر کسی کو حق نہیں کہ ان پر اعتراض کرے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ دین بنیادی طور پر ہے کیا؟ کیا میں کروں تو میں مسلمان بن جاؤں گا۔ آپ نے کچھ فرائض بتائے اس کے بعد آپ نے نوافل کا مضمون شروع کیا تو اس نے کہا کہ ان کے بغیر دین مکمل نہیں ہوگا؟ کیا میں خدا کے حضور پکڑا جاؤں گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں جو فرائض بتا دیئے ہیں اگر صرف اتنا کر لو تو پکڑے نہیں جاتے۔ اس نے کہا: بس میرے لئے بہت کافی ہے۔ مجھے آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم عہد میں سچے ہو تو جاؤ کوئی فکر نہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے۔ یہ انسانی فطرت کی بات ہے جو صرف فرائض تک رہتے ہیں ان میں کشن Coshion کوئی نہیں ہوتا ان میں ابتلاؤں اور مشکلوں کے وقت جو ٹھوکر سے بچنے کے لئے درمیان کا دبیز حصہ ہے وہ نہیں پایا جاتا۔ جس طرح شیشے کے برتن آپ کسی جگہ بھجیں اور ایسے کاغذ وغیرہ کے بغیر اس کو بھیج دیں جو باہر کی دیوار اور برتنوں کے درمیان ایک روک بن جاتا ہے تو اس کے ٹوٹنے کا بہت زیادہ احتمال ہے تو اسی طرح انسان کے ایمانیات کی اور اعمال کی حالت ہوتی ہے۔ سنتیں اور نوافل اس کے بنیادی اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور اگر کہیں کمزوری واقعہ ہوتی ہے کوئی ابتلاء آتا ہے تو اس کا بوجھ سنتوں اور نوافل کی دیواریں اٹھا لیتی ہیں اور اس کے فرائض قائم رہتے ہیں۔ پس اس شخص نے بہت بڑی بات کی تھی جس نے یہ کہا کہ میرے لئے بہت کافی ہیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اگر تم اپنے وعدے پر پورے رہتے ہو تو پھر کوئی خطرہ نہیں مگر بہت بڑا ''اگر''

ہے۔کون ہے جواس وعدے پر پورا رہے اورصرف فرائض تک ٹھہر جائے اورنوافل کے ذریعے فرائض کی حفاظت ضروری نہ سمجھے اور پھراس میں کامیاب ہو۔کوئی غیر معمولی انسان ہی ہوسکتا ہے مگر غیر معمولی انسانوں کوتو پھرنوافل کی توفیق بھی ملتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے جو مالی نظام جاری فرمایا ہے اس کے مضمون کو سمجھنا چاہئے ۔وہ لوگ جو نوافل پر بھی اعتراض شروع کردیتے ہیں ان کا وہ مضمون نہیں ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تھی ۔وہ ایک سادہ انسان تھا اس نے کھول کر کہا کہ باقیوں کیلئے بے شک ہو مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔میں یہ بحث نہیں کرتا کہ ان کی ضرورت نہیں ہے۔میں تو صرف یہ عرض کررہا ہوں کہ اگر میں وہ زائد باتیں نہ کروں تو میں روحانی لحاظ سے مرجاؤں گا یا زندہ رہوں گا آپؐ نے فرمایا: تم مرتے نہیں۔اس نے کہا کہ بس پھر میرے لئے زندگی کے سانس کافی ہیں۔مجھے مزید تکلفات کی ضرورت نہیں ہے ۔مگر جن دانشوروں کی میں بات کررہا ہوں یہ لوگ اس نفلی نظام پر اعتراض کرتے ہیں اورزبانیں کھولتے ہیں۔کہتے ہیں یہ کیا سلسلہ شروع ہوگیا ہے نئی نئی تحریکیں نئے نئے قربانیوں کے رستے ، یہ ہونا ہی نہیں چاہئے ہم اس لئے ان سے باز آتے ہیں کہ ہم ان کے قائل ہی نہیں ہیں۔ہم ان کو درست ہی نہیں سمجھتے۔

اگر ایسی بات ہے اورکوئی شخص احمدی عوام میں اس قسم کا اظہار رائے کرتا ہے تو وہ فتنہ پرداز ہے۔اپنی ذات میں وہ بے شک نفلی چندہ نہ دے۔اگر وہ فرض چندہ بھی نہ دے تو احمدی پھر بھی رہتا ہے۔زیادہ سے زیادہ اس کا اتنا نقصان ہوگا کہ ووٹ کے نظام میں وہ شامل نہیں ہوگا۔نہ ووٹ دے سکے گا نہ عہدیدار بن سکے گا اور چھٹی اور اس کو مصیبت سے رہائی۔اس کو کیا فرق پڑتا ہے لیکن جب وہ سلسلے کے کسی نظام کے متعلق باتیں کرے گا تو وہ پھر منافق ہے اس سے لازمی چندے بھی نہیں لینا چاہئے اور جہاں کوئی ایسا شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ نظام جماعت میں فلاں فلاں چندے اضافہ ہوگئے ہم اس کے قائل ہی نہیں ہیں تو میری طرف سے نظام جماعت کو اجازت ہے کہ اس کو کہہ دیں کہ تم بے شک اب اپنے چندے نہ دو ہمیں تمہارے مال کی ضرورت نہیں ہے۔نظام جماعت میں جو مالی حصہ ہے یہ اس پہلو سے بہت ہی مقدس ہے کہ اس کی تمام تر جڑیں مومنوں کے اعلیٰ اعتقادات میں ہیں اور گہرے پرخلوص قلبی جذبات میں ہیں۔یہ کوئی ٹیکسیشن کا نظام نہیں ہے۔اگر اس درخت پر زلزلہ آتا

ہے تو دماغ میں اعتقادات کی جو جڑیں ہیں ان پر بھی زلزلہ آتا ہے وہ بھی اکھڑتی ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ درخت کا اوپر والا حصہ ہی جھولتا رہے اور جڑوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ بعض دفعہ جڑوں کی بیماریاں اوپر چلی جاتی ہیں، بعض دفعہ اوپر کے ابتلا نیچے داخل ہو جاتے ہیں مگر جماعت کا مالی نظام بہت ہی مقدس نظام ہے اس کا تعلق گہرے غیر متزلزل اعتقادات سے بھی ہے اور بہت ہی پر خلوص محبت کے جذبات سے بھی ہے۔ ہمیں اس نظام کی بہر حال ہر قیمت پر حفاظت کرنی ہے اور اگر کوئی اس کے اوپر پورا نہیں اترتا تو جماعت کے مالی نظام کو ذرہ بھی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہزار بھی ایسے افراد ہوں کتنے ہی امیر ہوں اگر وہ ناقدری کی وجہ سے جماعت کے مالی نظام میں حصہ لینے سے محروم ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ جماعت کی ضروریات میں کبھی کمی نہیں کرے گا، نہ آج تک ہوئی ہے۔

اس ضمن میں ایک اور بہت ہی ضروری سمجھانے والی بات یہ ہے کہ جب ہم خدا کی راہ میں خدا کی مرضی کی خاطر چندہ دے بیٹھے اور قربت پیش نظر ہے یا امام کی دعائیں پیش نظر ہیں تو سودا تو نقد نقد پورا ہو گیا جس خاطر سودا کیا تھا تمہیں قیمت مل گئی۔ اس کے بعد تمہارا یہ حق نہیں رہتا کہ ہماری جماعت نے اتنا چندہ دیا ہے اس لئے ہماری جماعت پر اتنا خرچ کیا جائے ہمارے ملک نے اتنا چندہ دیا ہے اس کو کسی اور ملک پر خرچ نہ کیا جائے۔ مجلس شوریٰ کے ذریعے بجٹ بنانے کا جو یہ نظام ہے یہ بھی ایک طوعی نظام ہے ورنہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ بھی نہیں تھا۔ **قرآن کی مالی قربانی کی روح یہ ہے کہ چونکہ تم خدا کی خاطر خدا کے نمائندے کے سپرد مال کرتے ہو جس پر تمہیں کامل اعتماد ہے اس لئے جب تک یہ اعتماد قائم ہے تمہارا دل پوری طرح مطمئن ہوگا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اور جس غرض کے لئے دیا ہے۔** وہیں خرچ ہوگا لیکن غرضوں کی تعیین کرنے میں تم کوئی حصہ نہیں لوگے، یہ شرط نہیں ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ اس کو فلاں جگہ ضرور خرچ کیا جائے یہ اور بات ہے۔

ایک اور بات ہے جس کی میں یہاں وضاحت کر دوں تا کہ بعض دوست غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ وہ چندے جو بالعموم خدا کے نام پر دیئے جاتے ہیں ان کے بجٹ کی میں بات کر رہا ہوں۔ بعض مخصوص تحریکات ہوتی ہیں۔ مثلاً روس کے لئے ہے، افریقہ کے لئے ہے، افریقہ کے بھوکوں کے لئے مدد کی تحریک ہے۔ وغیرہ وغیرہ قرآن کریم کی اشاعت کی تحریک ہے، مساجد کی تعمیر

کی تحریک ہے ان میں چندہ دینے والا ایک غرض کے ساتھ چندہ دیتا ہے اور وہاں جماعت کا فرض ہے کہ اس غرض کے ساتھ چندے کے خرچ کو مشروط رکھے اور یہی جماعت کرتی ہے لیکن یہ اپنی ذات میں کوئی بری بات نہیں جس غرض کے لئے کوئی انسان کہتا ہے میں عام چندہ بھی دوں گا اور زائد میں یہ فلاں غرض کے لئے دینا چاہتا ہوں اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن بعض دفعہ بعض لوگ بعض ایسی شرطیں عائد کر دیتے ہیں کہ اس کو اس طرح تقسیم کیا جائے، اس طرح خرچ کیا جائے، اس طرح اس کی حفاظت کی جائے ان لوگوں کو میں کہتا ہوں کہ پھر تم خود کرو، میں تو نہیں قبول کروں گا۔

اگر تمہیں نظام جماعت پر اعتماد ہے تو شوق سے یہ رقم نظام جماعت کے سپرد کر دو۔ مقصد بتا دو اور اس مقصد کے بتانے کے بعد مطمئن رہو کبھی دل میں وہم پیدا ہو تو بے شک پوچھ بھی لو کہ اس پر خرچ ہوا کہ نہیں۔ تمہیں بتایا جائے گا لیکن یہ کہ باریکیاں بتاؤ کہ اس تفصیل سے اس طرح طے کریں یہ نظام مقرر کیا جائے یہ نہیں ہو سکتا لیکن میں آپ کو یہ سمجھا رہا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ چندہ دیتے تھے اور اس بات کا کبھی تذکرہ نہیں کرتے تھے کہ فلاں جگہ فلاں طریق پر خرچ کیا جائے۔ یہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے نمائندوں کا کام تھا کہ جس طرح چاہیں اس کو خرچ کرتے تھے لیکن خرچ ان ہی جگہوں پر ہوتا تھا جو دین کی اغراض ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں بھی یہی طریق جاری رہا۔ انجمن بن بھی گئی تب بھی کوئی مجلس شوریٰ قائم نہیں تھی اور انجمن کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ انجمن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہدایات تھیں کہ ان ہدایات کے تابع خرچ کرو لیکن کبھی کسی چندے والے نے یہ نہیں کہا یا کسی جماعت نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے اتنا چندہ دیا ہے اور تم لوگ اتنا فلاں جگہ خرچ کر رہے ہو اور ہم پر کم کر رہے ہو یہ ایک ایسا جاہلانہ اور باطل خیال ہے جس کے ساتھ چندوں کی روح برباد ہو جاتی ہے۔ اول تو جیسا کہ میں نے کہا جب چندہ خدا کی قربت کی خاطر یا امام کی دعائیں لینے کے لئے دیا، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں لینے کے لئے دیا۔ امام تو میں ان معنوں میں کہہ دیتا ہوں کہ آپ کی غلامی میں یہ مضمون بعد میں جاری رہتا ہے لیکن وہ اصل صلوٰت محمد رسول اللہؐ کی ہیں جو آج بھی ان لوگوں کو پہنچتی رہیں گی کیونکہ آپؐ کا زمانہ جاری ہے اور آپ نے ہر زمانہ کے مخلصین کے لئے دعائیں کی ہیں اس لئے اتنے بڑے مقصد کو پالینے کے لئے جس کے جواب میں

اللہ تعالیٰ کہے کہ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ کہ دیکھو دیکھو اللہ کی تو قربت عطا ہو چکی ہے۔اس کے بعد وہ یہ سوچیں کہ اور مزید بھی اس سے کچھ کمائی کریں اور یہ دیکھیں کہ کہاں خرچ ہوا کتنا خرچ ہوا اور ہمارے اوپر کیوں اتنا خرچ نہیں ہوا۔ یہ ایسے فتنے ہیں جنہیں کبھی جماعت میں قبول نہیں کیا جائے گا اور داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو میں کہہ دیتا ہوں کہ تم اپنے روپے اپنے پاس رکھو۔ یہ جہنم میں پھینکنے کے قابل تو ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت ان سے استفادہ نہیں کر سکتی۔ آنحضرت ﷺ نے مالی قربانی کی جو جنت مسلمانوں کو عطا کی ہے یہ روپیہ اس میں داخل ہونے کے لائق نہیں ٹھہرتا۔ اس قسم کے بھی بے وقوفوں والے فتنے کئی دفعہ پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک جگہ پیدا ہوا ہے اور میں نے ان کو یہی کہلا بھیجا ہے کہ تم تمہاری ساری عاملہ، تمہارے سارے چندہ دینے والے ایک آنا بھی سلسلہ کو نہ دو کیونکہ میرے نزدیک اگر ان خیالات کے ساتھ چندہ دینا ہے تو مردود چندہ ہے۔ ایسے چندے کے اوپر جماعت تھوکتی بھی نہیں ہے تم اور تمہارے جیسے لوگ جہاں چاہیں ان روپوں کو پھینکیں جماعت ان سے کبھی کچھ قبول نہیں کرے گی وہ لوگ جنہوں نے قادیان میں قربانیاں دی تھیں وہ غریب عورتیں جن کا وظیفوں پر گزارہ تھا اور ان وظیفوں سے بچا بچا کر چندے دیتی تھیں ان کے چندے یہاں مسجد فضل پر خرچ ہوئے ہیں۔ ایک ایسا بھی دور تھا کہ جب عورتوں نے قربانیاں دیں تو یہاں چندے خرچ ہوئے اور کبھی کسی عورت نے مڑ کر نہیں پوچھا کہ ہم غریب، ہم فاقہ زدہ ہم کمزور لوگ لیکن تم اس غلام ملک کی اتنی قربانیوں کے چندے اٹھا اٹھا کر اس امیر ملک میں خرچ کر رہے ہو جو تمام دنیا کی دولتیں سمیٹ رہا ہے۔ اشارۃً بھی کبھی کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا جس نظام پر اعتماد ہے۔ جس خلافت سے وابستگی اختیار کی ہے اس کے ساتھ تعلقات تو کامل اعتماد پر چلتے ہیں۔ جہاں اعتماد ختم وہاں چندوں کا نظام ہی ختم ہو گیا۔ وہاں یہ تعلق ہی قائم نہیں رہا کرتا۔ پس مالی نظام میں بھی قرآن کریم نے دنیا کا بہترین مالی نظام ہمارے سامنے رکھا ہے تفصیل کے ساتھ ہمیں اس کے حسن و قبح کو سمجھا دیا ہے ان خطرات کی نشاندہی کر دی ہے جن میں بعض لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں وہ نمونے قائم فرما دیئے ہیں جن نمونوں کو دائمی قرار دیا اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی بعد میں آنے والے قیامت تک پیروی کرتے رہیں گے اور قیامت تک ان کا فیض اٹھاتے رہیں گے۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ میں بعض جاہلوں کا اس قسم کے فتنے اٹھانا ہرگز قابل

قبول نہیں ہے۔ میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں ان کے چندوں کی ایک کوڑی کی بھی قیمت نہیں ہے۔ یہ سارے اپنے چندے لے کر جہاں چاہیں بھاگ جائیں سلسلے کو ان کی ضرورت نہیں ہے اور ان کے جانے سے برکت ہوگی ان کے داخل ہونے سے برکت نہیں ہوگی مگر میں جانتا ہوں کہ سلسلے کی بھاری اکثریت سے بھی زیادہ بھاری اکثریت اللہ تعالیٰ کے فضل سے مالی قربانی میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کی یاد کو تازہ کرنے والی جماعت ہے۔ آپؐ کی رسموں کو زندہ کرنے والی جماعت ہے آپ کی اداؤں کو اپنانے والی جماعت ہے جو ان ہی قدموں کو چومتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے جن قدموں کے نشان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے پیچھے چھوڑے تھے خدا کرے کہ ہم قیامت تک اسی مالی نظام کو زندہ رکھیں جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نازل ہوا اور وہ نظام ہے جو ہمیں زندگی بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

جب سے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے پاکستان کے حالات دن بدن بگڑتے گئے۔ ماریشس کے جلسہ کا ذکر

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ر ستمبر ۱۹۹۱ء بمقام ماریشس)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (یونس:۲۲ تا ۲۴)

یہ آیات سورۃ یونس کی ۲۲ تا ۲۴ آیات ہیں جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جب ہم اپنے بندوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں یعنی بندوں پر رحمت کا سلوک

فرماتے ہیں۔ بندوں کا ترجمہ شاید درست نہیں الناس ہے یعنی لوگوں کو قطع نظر اس کے کہ وہ خدا کے بندے بننے کی اہلیت رکھتے ہیں کہ نہیں عمومی نقطہ ہے۔ تو یوں کہنا چاہئے کہ جب ہم انسانوں کو، بنی نوع انسان کو اپنی رحمت کا لطف چکھاتے ہیں بعد اس کے کہ ان کو کوئی مصیبت آ پڑی ہو اِذَا لَهُمۡ مَّكۡرٌ فِىۡۤ اٰيَاتِنَا پھر وہ ہماری آیات میں مکر کرنے لگ جاتے ہیں۔ قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ان سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ اِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ ہمارے بھیجے ہوئے، ہمارے رسول، ہمارے فرستادہ لوگ وہ سب باتیں لکھ رہے ہیں جو تم مکر کے طور پر کرتے ہو۔ اِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً مِّنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُمۡ یعنی ایسا گہرا انسانی فطرت کا فلسفہ بیان ہوا ہے جس کا صرف مذہبی دنیا ہی سے نہیں بلکہ عام انسانی دلچسپیوں کے ہر دائرے سے تعلق ہے۔ ایک انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا اور بسا اوقات انسان سمجھتا ہے کہ میں تو گیا۔ بڑی بڑی مصیبتیں تو الگ بات ہے میں نے دیکھا ہے کہ چھوٹی سی بیماری بھی بعض لوگوں کو اس طرح مغلوب کر دیتی ہے کہ معمولی بیماری سے بھی یہ خود اپنے نفس میں افسانے گھڑتے رہتے ہیں۔ کسی کو کینسر ہو جاتا ہے، کسی کو کوئی اور گہری بیماری پکڑ لیتی ہے یعنی اپنے فرضی خیالوں میں ہی اور وہم ہیں کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے اور پھر انسان یہ سوچتا ہے کہ مجھ سے یہ غلطیاں بھی ہوئی، یہ غلطیاں بھی ہوئیں آئندہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات بخشی، صحت عطا فرمائی تو میں یہ کروں گا، یہ کروں گا۔ تو انسانی دلچسپی کے ہر دائرے سے اس گہری نفسیاتی سوچ کا تعلق ہے کہ جب انسان مشکل میں مبتلا ہو تو بسا اوقات مشکل اس پر اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ اسے نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی اور جب خدا تعالیٰ اس مشکل کو دور فرما دیتا ہے تو فرمایا اس کے بعد اِذَا لَهُمۡ مَّكۡرٌ فِىۡۤ اٰيَاتِنَا پھر وہ ہماری آیات میں مکر کرنے لگ جاتے ہیں۔

یہ مضمون مذہبی دنیا پر بھی بڑی صفائی اور گہرائی کے ساتھ اطلاق پاتا ہے اور دنیاوی معاملات میں بھی۔ مذہبی دنیا میں اس طرح کہ قرآن کریم نے ہمیں فرعون کے زمانے کے واقعات بتائے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ بار بار فرعون کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے عین مطابق پکڑا اور جب ان کی پکڑ آئی تو وہ حضرت موسیٰ کی طرف بار بار دوڑے

اور یہ کہا کہ ہمارے لئے دعا کرو کیونکہ اب اس بلا کو تمہاری دعا کے سوا کوئی چیز ٹال نہیں سکتی اور جب وہ بلاٹل گئی تو اِذَالَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا کا دور شروع ہوا اور انہوں نے دل میں سوچا کہ ہم نے کیا بیوقوفی کی تھی یہ تو ایک روزمرہ کا ہونے والا حادثہ تھا۔ ایک ایسا واقعہ تھا جو انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہی رہتا ہے۔ کبھی دریاؤں کے پانی گدلے ہو جاتے ہیں، کبھی مینڈک بڑھ جاتے ہیں، کبھی جوئیں کثرت سے پھیل جاتی ہیں یہ تو روزمرہ کے ہونے والے واقعات ہیں۔ ان کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے کیا تعلق ہے؟ چنانچہ ان کا جو مکر ہے وہ آیات میں شروع ہو گیا۔ یعنی دیکھی تو انہوں نے آیات تھیں خدا کی کھلی کھلی نشانیاں دیکھی تھیں لیکن ان نشانیوں کو دنیا کی طرف منسوب کرنے لگے اور پھر جب دوبارہ کسی بلا نے پکڑا پھر بعینہٖ وہی حرکت کی۔ پھر حضرت موسیٰ کی طرف دوڑے، پھر دعائیں کروائیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کے نتیجے میں جب اس بلا کو ٹال دیا تو پھر دوبارہ وہی آیات کے ساتھ مکر کا دور شروع ہو گیا۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ نو مرتبہ ایسا ہوا۔ نو مرتبہ موسیٰ کی بیان کردہ وعید سے تعلق رکھنے والی یعنی انذاری پیشگوئیاں پوری ہوئیں اور ہر بار یہاں تک کہ قوم ہلاک کر دی گئی۔ مسلسل وہ اسی طرح حضرت موسیٰ کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کی آیات کے ساتھ سلوک کرتے رہے۔

یہی حال بدقسمتی سے آجکل پاکستان کا ہو رہا ہے اور دن بدن یہ صورتحال زیادہ غمگین اور خوفناک اور پیچیدہ ہوتی چلی جارہی ہے۔ یہ عجیب بات ہے جسے وہ شاید مل کر سوچتے بھی ہیں کہ نہیں کہ جب سے Islamisation کا نام شروع ہوا ہے یعنی ملک کے اندر اسلام کو جاری کرنا اور یہ ضیاء الحق صاحب کے دور کا قصہ ہے وہاں سے بات چلی ہے۔ جب سے ساری قوم نے بحیثیت قوم اسلام کے نام پر خدا کو خوش کرنے کی کوششیں شروع کی ہیں مسلسل اللہ تعالیٰ کے عذاب اس قوم پر نازل ہوتے چلے جارہے ہیں اور جگہ جگہ سے بلائیں ان کو گھیرتی چلی جارہی ہیں۔ کوئی انسانی زندگی کا ایسا پہلو نہیں ہے جس میں امن رہ گیا ہو، کوئی انسانی تعلقات کا ایسا دائرہ نہیں ہے جو گندہ نہ ہو چکا ہو۔ ہر وہ شہری جو پاکستان میں کسی پہلو سے زندگی بسر کر رہا ہے اس کے کوئی نہ کوئی حقوق کسی اور نے سلب کئے ہوئے ہیں۔ اگر کسی شخص نے نہیں کئے تو حکومت نے سلب کئے ہیں، حکومت نے نہیں کئے تو کسی قوم نے کر لئے ہیں۔ کسی نہ کسی پہلو سے ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ وہ آزادی سے سانس نہیں لے رہا

مجبور اور بے اختیار ہے اور بے بس ہے اور ظلم اتنا پھیل گیا ہے، اتنا گہرائی میں جا چکا ہے کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کی عزت بھی محفوظ نہیں رہی، معصوم بچیوں کی عزت بھی محفوظ نہیں رہی۔ اغواء ہو رہے ہیں دن بدن اور بڑی بڑی قیمتیں مانگی جاتی ہیں، بعض ایسے غریب لوگ ہیں جنہوں نے مجھے خود اپنی داستان لکھی کہ بچہ ہمارا اغوا ہو گیا ہے اور جتنا مطالبہ ہے اگر ہم ساری جائیداد بیچ دیں تب بھی وہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتے اور شرط یہ ہے کہ اگر ہم مطالبہ پورا نہیں کریں گے تو بچے کو قتل کر کے اس کی لاش ہمارے پاس بھجوا دی جائے گی اور وہ لکھتے ہیں کہ یہ کوئی دھمکی نہیں یہ روزمرہ کی باتیں ہیں۔ معصوم بچوں کو قتل کر کے واپس ماں باپ کے پاس بھجوا دیا جاتا ہے یا نہروں میں بہا دیا جاتا ہے کہ ان کے ماں باپ وہ پیسے نہیں دے سکے۔ چوری، اچکا پن، ڈاکے، بددیانتی، عدالتوں میں جھوٹ کوئی ایک پہلو بھی پاکستانی زندگی کا ایسا باقی نہیں رہا جہاں اسلام جاری وساری دکھائی دیتا ہو اور کثرت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی علامات ظاہر ہوتی چلی جا رہی ہیں جس طرح حضرت نوحؑ کے سیلاب نے قوم کو غرق کیا تھا اسی طرح بدیوں اور معاصی اور بے اطمینانی اور بدامنی کا ایک سیلاب ہے جس میں ساری قوم غرق ہوئی پڑی ہے اور ان کو یہ علم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیوں ایسا ہو رہا ہے؟۔

آج بھی اخباروں میں بڑے دھڑلے سے اسلام کی باتیں ہو رہی ہیں۔ شریعت کے قصے چل رہے ہیں اور مولویوں کے قبضے میں اسلام دے کر اسلام کے ساتھ حد سے زیادہ جو بیوفائی ہو سکتی تھی وہ کی جا چکی ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اگر یہ چیزیں خدا کی خاطر تھیں، واقعی اسلام کی محبت میں تھیں تو خدا کو کیا ہو گیا ہے کہ اس کے بدلے میں ہمیں انعام دینے کی بجائے جوتیوں پہ جوتیاں مارتا چلا جا رہا ہے۔ ایسی نیک قوم جس نے اتنے لمبے عرصے تک پاکستان بننے کے بعد جدوجہد جاری رکھی بالآخر اس ملک کو اسلامی بنانا ہے، ایسی نیک قوم جس نے اس جدوجہد کا دامن نہیں چھوڑا جب تک کہ ان مقاصد کو حاصل نہیں کر لیا اور یہاں تک کہ اسمبلیاں مجبور ہو گئیں، ان کے سر جھک گئے اور آخر شریعت اسلامی نافذ کر دی گئی ایسی قوم کو انعام ملنا چاہئے تھا یا سزا ملنی چاہئے تھی؟ یہ پہلو کوئی نہیں سوچتا۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ سب کچھ جماعت احمدیہ سے ظلم کے نتیجے میں ہے یہاں تک تو ان کی فکر جاتی ہی نہیں۔ سوچ سے ہی محروم ہو چکے ہیں، دماغی قوتیں سلب ہو گئی ہیں حالانکہ یہ ایک معمولی سی بات ہے اگر احمدیہ مسئلہ نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ پاکستان کی سیاست

مولویوں کو اپنی جوتی کی نوک پر بھی رکھتی۔ صرف احمدیت کے تعلق کا خوف ہے، احمدیت کی دیانتداری کا خوف ہے جو ہمارے سیاستدان کو دن بدن مولویوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتا چلا جاتا ہے۔ جب احمدیت سے تعلق کی دھمکی ہو تو اس دھمکی کے اثر سے نکلنے کے لئے سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں، عقل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں جتنا بھی باقی ہے اور یہ نہیں سوچتے کہ دنیا کی سیاستیں اس طرح زندہ نہیں رہا کرتیں۔ پہلو در پہلو ایک عام عدالت جاری ہے، ایک شرعی عدالت جاری ہوگئی، ایک عام قانون جاری ہے ایک شرعی قانون جاری ہو گیا ہے اور چند مولویوں کے ہاتھ میں شریعت کی تعبیر اس طرح چھوڑ دی گئی کہ شریعت کورٹ جو بھی فیصلے دیتی ہے اب ہمارے پاکستانی اسمبلیوں کے نمائندے مجبور ہو چکے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے انہوں نے اپنے آپ کو رسیوں میں جکڑ لیا ہے۔ جو وہ کہیں اسلام کے نام پر ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ اتنا دوغلا پن پیدا ہو چکا ہے ہمارے قانون میں کہ بعض قانون دان اس پر بڑی سخت تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔

تو ایک موسیٰ کی قوم تھی یعنی موسیٰ کے مقابل پر فرعون کی قوم میں کہنا چاہتا تھا جو ظلم کرتی تھی اور ظلم کے بعد اتنی عقل ضرور رکھتی تھی کہ سمجھتی تھی کہ ظلم کا کچھ تعلق ضرور ہے ہماری شامت اعمال سے۔ بداعمالیاں ہیں تو شامت اعمال ہیں اور پھر وہ جا کر اپنے ظلموں کی معافی بھی مانگتے تھے اور استدعا بھی کرتے تھے کہ ہمارے لئے دعا کرو اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کو ٹال دے اور قرآن کریم نے عبرت کے طور پر ان کے واقعات کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا لیکن آج کے باشعور زمانے میں جبکہ تعلیم کا چرچا ہے، دنیا سمجھتی ہے کہ اتنی ترقی ہو چکی ہے، اتنا آگے نکل گئی ہے۔ اس زمانے میں عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں میں اتنی سوچ بھی باقی نہیں رہی کہ یہ باتوں سے آپس میں رشتے تو ملا کر دیکھیں **تب سے پاکستان مصیبت میں مبتلا ہوا ہے جب سے احمدیوں کو اسلام سے باہر نکالا ہے۔** اسلام کے اندر اسلام کی برکت کی یہی ضمانت تھی۔ یہی وہ تعویذ تھا جس کے نام پر اسلام کا تقدس جاری تھا اور اس تعویذ کو تو آپ نے نکال کر باہر پھینک دیا۔ پیچھے پھر اسلام کیا اور اسلام کی برکتیں کیا سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا ہے اور مسلسل اس کے بعد سے سیاست گندی سے گندی ہوتی چلی جارہی ہے، مٹتی ہی جارہی ہے، Horse Trading کا محاورہ ایسا کھلا کھلا استعمال ہوتا ہے کہ جیسے روز

مرہ کی کوئی بات ہے کوئی شرم و حیا کی بات ہی نہیں رہی۔ کرپشن سر سے پاؤں کے ناخنوں تک پہنچ گئی ہے۔ کوئی زندگی کا ایسا شعبہ نہیں جہاں بددیانتی کے بغیر کام چل سکے اور بے حیائی ایسی کہ دیکھیں سب کہتے ہیں الحمد للہ اسلام آ رہا ہے۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اسلام کے قریب تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ کہاں اسلام کے قریب ہو رہے ہیں؟ کسی نے کبھی نہیں سوچا۔ اگر یہ ساری بدبختی اسلام ہے تو **نعوذ باللہ من ذالک** اس اسلام سے تو دوری بہتر ہے لیکن خدا گواہ ہے کہ یہ اسلام نہیں یہ بدبختیاں تمہاری شامت اعمال ہیں۔ تم نے جو احمدیوں پر مظالم کر کے اسلام سے دوری اختیار کی ہے یہ اس کی سزا ہے۔ ورنہ اسلام کے قرب کی تو خدا سزا نہیں دیا کرتا۔ اسلام سے قرب کی تو جزاء ہوتی ہے۔

پس یہ ساری وہ مصیبتیں جو تم پر نازل ہو رہی ہیں تمہیں کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے کہ اسلام سے قرب کے نتیجے میں نہیں بلکہ اسلام سے دوری کے نتیجے میں ہیں، اسلام کے بنیادی حسین، منصفانہ قوانین کو تم نے بالائے طاق رکھ دیا بلکہ بھاڑ میں جھونک دیا اور کبھی تمہارے دل میں ادنیٰ سی بھی ضمیر میں ادنیٰ سا بھی چونکا نہیں دیا، ضمیر کی ادنیٰ سی کسک بھی تم نے اپنے دل میں محسوس نہیں کی کہ ہم کیا کر رہے ہیں، کس مقدس نام کو کیسے استعمال کر رہے ہیں اور مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ہے تو وہ یہ جاری ہے اور مسلسل چلتا چلا جارہا ہے۔ ہر مصیبت کے لئے کوئی نہ کوئی نیا نسخہ پیش ہوتا چلا جارہا ہے۔ جماعت اسلامی کہتی ہے کہ یہ جو اَب مصیبتیں آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے جماعت اسلامی سے انحراف کیا ہے اور اس کی باتیں نہیں مانیں اور جمعیت العلماء اسلام کہتی ہے کہ تم نے چونکہ اسلام کی ہماری تعبیر کو قبول نہیں کیا بلکہ کوئی اور اسلام جاری کر دیا ہے اس لئے خدا تعالیٰ تم سے ناراض ہو گیا ہے۔ پہلے خدا ناراض کیوں نہیں تھا جبکہ اسلام کا نام بھی نہیں تھا۔ جبکہ انصاف کی حکومت تھی، اس وقت خدا کہاں چلا گیا تھا اس کی غیرت کہاں تھی؟ اچھا بھلا پاکستان تھا، ساری دنیا میں اس کی عزت تھی، شہرت تھی، ہر جگہ انصاف جاری تھا۔ بددیانتیاں تو ہر ملک میں ہوتی ہیں مگر پاکستان میں برائے نام تھیں، بہت معمولی سی۔ ایک پولیس کا محکمہ تھا جو بدنام تھا اب تو پولیس کا محکمہ نیک نام تو نہیں کہہ سکتے لیکن باقی سب محکمات سے مل جل سا گیا ہے۔ سارے پولیس کے اہلکار لگتے ہیں۔ ہر جگہ نحوست ہے، ایسی نحوست ہے جو چہروں پر لکھی جا چکی ہے۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (الفتح: ۳۰) ان کی نشانیاں، ان کی پاک نور

کی علامتیں، سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر لکھی گئی ہیں اور ان کے چہروں پر جگہ جگہ بے شمار جس دائرہ کار میں آپ کا تعلق کسی حکومت کے نمائندے سے ہو آپ کو وہاں سجدوں کے نتیجے میں نور کی کوئی علامت دکھائی نہیں دے گی بلکہ نحوست دکھائی دے گی۔

کچھ لوگ انگلستان سے پاکستان گئے واپسی پر میں نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا ہم پہلے پاکستانی تھے پاکستان سے تعلق تو بہر حال ہے وہ تو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا مگر شاید اسی تعلق کی وجہ ہے کہ بے حد دلبرداشتہ ہو کر لوٹے ہیں بعض ماؤں نے کہا کہ بچوں کو بڑے شوق سے لے کر گئے تھے لیکن اتنی تکلیف ہوئی ہے جا کر آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بھی رشوت نہ دو تو کام نہیں بنتا۔ سیٹ بک کروانے کے لئے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔ انہوں نے یہاں تک بتایا کہ پی آئی اے کے جہاز میں لاہور سے بُک ہوئی ہوئی سیٹ ہمیں دینے سے انکار کر دیا، سیٹیں بھر چکی ہیں۔ پھر کسی نے سمجھایا کہ بیوقوف پیسے دے دو تو تمہاری ریزروسیٹ تمہیں ملے گی۔ تو ہر شعبہ زندگی میں بددیانتی اپنے کمال کو پہنچ چکی ہے اور اسلام کی باتیں جو ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی ہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آتی یہ کون سا اسلام ہے۔ کن رگوں میں دوڑ رہا ہے، وہ کیا خون ہے جو **نعوذ باللہ من ذالک** اس نام سے پلید ہو رہا ہے یہ نام تو خونوں کو پاک کرنے والا نام تھا۔ یہ نام تو جس رگ میں دھڑکے اس رگ کو زندہ کر دیتا ہے۔ جس لہو میں شامل ہوا سے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ یہ وہی نام ہے جس نے حضرت محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے غلاموں کو نئی روحانی زندگی عطا کی تھی۔ ایک روحانی انقلاب برپا کر دیا تھا۔ آج یہ الٹ کیسے چل رہا ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے لیکن قرآن کریم جیسا کہ فرماتا ہے ان کے دلوں پر تالے پڑ چکے ہوں۔ اگر دلوں پر تالے پڑ چکے ہوں تو پھر کوئی علاج نہیں مگر قرآن کریم نے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ لَهُمْ مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا کہ اپنے نفس کو قائل کرنے کے لئے بہانے ضرور تلاش کرتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی مکر بنا لیتے ہیں۔ آجکل یہ مکر چلا ہوا ہے ملاں اپنی خفت مٹانے کی خاطر یہ عوام کو باور کروانے کے لئے کہ یہ ساری نحوستیں ہماری نہیں اور ہماری فرضی شریعت کی نہیں بلکہ اس بات کی نحوست ہیں کہ ہماری Brand کا اسلام کیوں نہیں آیا۔ پھر نواز شریف Brand کا اسلام کیوں آیا ہے یا بے نظیر بھٹو Brand کا اسلام کیوں لایا جائے گا۔ جب تک ہماری Brand ہماری قسم کا اسلام نافذ نہیں ہوتا اس وقت تک تم لوگ بچتے نہیں حالانکہ وہ آخری تنکا ہو گا جو کمر توڑنے والا ہو

گا۔ ابھی تک خدا کا شکر ہے کہ کسی مولوی کی مکمل Brand نہیں آئی۔ اگر وہ آ جائے تو اس ملک کے بچنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

خدا کرے اس تنکے سے پہلے پہلے یہ لعنتوں کے بوجھ جو اپنی کمر پر لاد بیٹھے ہیں ان کو ہلکا کرنا شروع کریں اور مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا کی بجائے **تفکر فی الآیات** کی عادت ڈالیں۔ مکر اور تفکر میں یہ فرق ہے مکر کے نتیجے میں انسان بہانے تلاش کرتا ہے اور اصل وجہ کو چھپاتا ہے اور دوسری وجہیں سوچ کر ان سے اپنے ضمیر کی غلطیوں پر پردے ڈالتا ہے لیکن تفکر کے نتیجے میں انسان گہرا ابھرتا چلا جاتا ہے۔ وہ بات کی کنہ تک پہنچتا ہے، وہ آخری طرف جس کی وجہ سے کوئی چیز اور کوئی سلسلہ شروع ہوتا ہے اس آخری کنہ تک پہنچ جاتا ہے اور یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ پاکستان کی تاریخ کو احمدیت کے ساتھ پاکستان کے سلوک کی تاریخ کے ساتھ ملا کر پڑھیں ہر بات ایسے کھلتی چلی جائے گی جیسے دن کی روشنی میں آپ کچھ دیکھ رہے ہوں۔

پس ایک مضمون تو مذہبی دنیا سے تعلق رکھنے والا مضمون ہے جس کا تاریخ سے بھی تعلق ہے حال سے بھی تعلق ہے مستقبل سے بھی رہے گا لیکن اس تعلق میں جب ہم آج کے پاکستان کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے کہ سابقہ تاریخ سے استفادہ کرنے کی بجائے قومیں جب دوبارہ وہی ٹھوکر کھاتی ہیں تو پہلے سے بڑھ کر ٹھوکر کھایا کرتی ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے۔ پہلی غلطی دہرانے والی قومیں اس مقام پر نہیں ٹھہرا کرتیں جو پہلی غلطی کا مقام تھا بلکہ ہمیشہ آگے بڑھ جاتی ہیں اور اسی طرح اب خدا کی پکڑ بھی بالآخر آگے بڑھتی ہے اور اس جاری سلسلے کو دنیا میں کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

ایک اور پہلو اس کا ذاتی سوچوں کا پہلو ہے اور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان جب بھی کسی مشکل میں مبتلا ہو تو ہر شخص کے دنیا کے اندر اسی قسم کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ سوچتا ہے کہ میں کیوں اس مصیبت میں مبتلا ہوا؟ اب میں بچوں گا تو کیسے بچوں گا؟ اگر میں بچ گیا تو کیا کچھ کروں گا؟ اور دعائیں کرتا بھی ہے اور کرواتا بھی ہے بسا اوقات لیکن جب بچ جاتا ہے تو ہمیشہ اس بچنے کا کریڈٹ یا اپنے آپ کو دیتا ہے یا اپنی کسی ہوشیاری کو دیتا ہے یا اپنے کسی علاج کو دیتا ہے یا اور کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتا ہے اور ہمیشہ تعریف خدا کے لئے دل میں پیدا نہیں کرتا بلکہ اپنے لئے یا اپنی کسی ہوشیاری کے لئے تعریف کا جواز پیدا کرتا ہے۔ یہ ہمیشہ کا لفظ تو شاید درست نہ ہو کیونکہ

بہت سے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس ہلاکت سے بچاتا ہے لیکن یہ روزمرہ کی ایک عام انسانی نفسیات سے تعلق رکھنے والا مسئلہ ہے۔ایک انسان کسی مشکل میں مبتلا ہوا اور دعا بھی کی اور ہاتھ پاؤں بھی مارے اور کوئی نہ کوئی تدبیر کہیں چل گئی یا وہ یہ سمجھا کہ اتفاق سے میرا ایک ایسا دوست آ گیا جس کو مدت سے جانتا تھا لیکن تعلق نہیں رہا تھا وہ موقع پر آ گیا اور میں نے اس سے بات کر لی اور جب وہ مصیبت ٹل گئی تو اس کی تعریف جو ہے یا وہ دوست تک ختم ہو جائے گی یا اپنی ہوشیاری تک۔میں اگر اس وقت اس سے بات نہ کرتا تو شاید میرا مسئلہ کبھی حل ہی نہ ہوتا۔اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ جو دعا کی تھی اس کے نتیجے میں خدا مسبب الاسباب ہے۔یہ کیوں نہیں سوچا اس نے کہ خدا نے دوست تو بھجوا دیا جس سے کبھی ملاقات نہیں رہی تھی،خدا نے بر وقت اس کے دل میں خیال پیدا کیا کہ یوں ہو گیا ہوگا۔

ایک ایسی فیملی جس کو کسی ملک کا ویزا ملنا مشکل تھا کیونکہ وہ مومن فیملی ہے،مومن خاندان ہے یعنی دل کے لحاظ سے عقل کے لحاظ سے اس لئے میں ان کی مثال دیتا ہوں۔ان کی سوچ مختلف تھی اس موقع پر اور اپنی مومنانہ سوچ ہے۔ایک ایسی جگہ کا ویزا لینے کے لئے جہاں ایمبیسیز نے راستے بند کئے ہوئے تھے کسی احمدی کو ویزا نہیں دیتی تھیں۔انہوں نے کوشش کی اور آخر خیال آیا کہ بے دلی سے،یعنی کوشش تو نہیں کی لیکن پتا کیا تو پتا لگا کہ کوئی امکان نہیں ہے۔ان کے میاں نے یونہی بے دلی سے اپنے ایک دوست سے ذکر کیا کہ خواہش تو بہت تھی میرے بچے وہاں چلے جائیں لیکن کوئی صورت نہیں ہے۔اس دوست نے کہا کہ صورت کیسے نہیں ابھی جاؤ اور جا کے درخواست دے دو اور دیکھو پھر کیا ہوتا ہے۔انہوں نے جا کر درخواست دی،بغیر انٹرویو کے،بغیر کسی سوال جواب،بغیر بیوی بچوں کو بلائے سب کا ویزا فوراً دے دیا۔اب اگر مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا کی سوچ ہوتی تو دماغ صرف اسی دوست تک ٹھہرتا کہ دیکھو کتنا عظیم الشان دوست تھا کیسے موقع پر کام آیا لیکن چونکہ مومنانہ سوچ تھی انہوں نے شروع سے آخر تک یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں جب وہ کسی بندے کے لئے تدبیر کرتا ہے تو کس طرح تدبیر کرتا ہے۔وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس دوست سے ہمیں کوئی خیر پہنچے گی اور بغیر کسی تدبیر کے بغیر کسی توقع کے،بغیر اس علم کے کہ اس کا اس امریکی سے کوئی دور کا بھی تعلق ہے۔یونہی بے دلی کی سی بات تھی جو کر دی۔چھوڑیں جی چھوڑیں وہاں ہم کیسے جا سکتے ہیں وہاں تو کسی احمدی کو ویزا ملنے کا سوال ہی نہیں اور معلوم ہوتا ہے اس دوست کا ایمبیسی میں کسی شخص سے گہرا تعلق تھا

اس نے اس کو جب بھیجا ہے تو کوئی بات ہوگی لیکن اصل سبب یہ تعلق نہیں تھا اصل سبب خدا کی تقدیر تھی اور وہ تدبیر تھی جو تقدیر کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ تو مَّكْرٌ فِيٓ اٰيَاتِنَا اور تفکر فی ایاتنا دونوں میں فرق ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں ہم سے بارہا یہ واقعات ہوتے ہیں۔ جب بیمار ہوتے ہیں اور اچھے ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں فلاں دوائی سے فائدہ ہوا، فلاں چیز سے فائدہ ہوا۔ دوائیاں بھی کام کرتی ہیں مگر خدا کے اذن سے کام کرتی ہیں۔ صحیح دوائی تک ذہن کا پہنچ جانا بھی اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ دوائی کو اجازت بھی کام کی تب ملتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو۔ پس مومن کو ہمیشہ تدبر فی آیات کرنا چاہئے تفکر فی آیات چاہئے اور کبھی مکر فی الآیات کی عادت نہیں ڈالنی چاہئے کیونکہ یہ ہلاک کرنے والی عادت ہے۔

جن قوموں میں انفرادی طور پر آیات میں مکر کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے بحیثیت مجموعی، بحیثیت قوم ان کی ساری قومی فکر ہی مکر فی الآیات کی فکر بن جایا کرتی ہے۔ جیسے فرعون کی قوم اس سے پہلے اس صورت سے ہلاک ہوئی ہے جیسا کہ اب ہم پاکستان میں بہت دردناک حالات دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح کا یہ زہر ہے جو افراد میں داخل ہوتا ہے پھر قومی بیماری بن جاتا ہے اور جب قومی بیماری بن جائے تو قوموں کو ہلاک کر دیا کرتا ہے۔ آپ اس بات پر نگران رہیں اور ہمیشہ نگران رہیں تو جب بھی **کسی مشکل میں مبتلا ہوں اور خدا تعالیٰ سے التجاء کر کے اس مشکل سے نجات کے لئے خیر طلب کریں، اس خدا کی مدد طلب کریں اور وہ مشکل حل ہو جائے تو خواہ کیسے ہی بڑے بڑے بت آپ کے سامنے کیوں نہ آئیں اور ہر ایک ان میں سے یہ دعویٰ کر رہا ہو کہ میری وجہ سے تمہارا یہ مسئلہ حل ہوا۔ آپ ان سب بتوں کی آواز کو رڈ کر دیا کریں اور گردن صرف خدا کے حضور جھکایا کریں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسباب کا شکریہ ادا نہیں کرنا۔ شکریہ ادا کرنا ہے مگر اللہ کے حکم سے۔** دل پوری طرح خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہئے اور مطمئن رہنا چاہئے کہ جو کچھ ہمیں ملا محض اللہ کے فضل سے ملا یعنی چونکہ خدا فرماتا ہے کہ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا اس لئے صاحب شکر بندہ بنیں اور یہی سچائی ہے، یہی توحید کامل ہے جس پر جماعت کو ہمیشہ قائم رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

پیشتر اس کے کہ میں دوسرا خطبہ شروع کروں اور اس پہلے حصّے کو ختم کروں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ماریشس کی جماعت کا آج جلسہ سالانہ شروع ہورہا ہے اور ماریشس کی جماعت نے مجھ سے ایک خواہش کا اظہار کیا کہ یہ خطبہ جمعہ جو ہم بھی سن رہے ہوں گے یہ ہمارے جلسہ کا افتتاح بن جائے اس لئے اس خطبہ جمعہ میں ہمیں مخاطب کر کے بھی کچھ باتیں کریں۔ تو چونکہ یہ سارا سلسلہ ریڈیو کے وسیلے سے یعنی ٹیلی کمیونیکشن کے وسیلے سے خطبے کا دوسرے ملکوں تک پہنچنا ماریشس سے شروع ہوا تھا اور انہی لوگوں کی Brain Wave تھی یعنی ایک خاص ان کے ذہن کی ایک لہر تھی جس سے یہ خیال پیدا ہوا اس لئے ساری دنیا کی جماعتیں ماریشس کی بہر حال ممنون احسان ہیں جن کو فوری طور پر براہ راست یہ آواز سننے کی توفیق مل جاتی ہے۔

ماریشس کی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بہت ہی مستعد اور مخلص جماعت ہے اور ماریشس کے لوگ ذہین بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کا Sence of Humour یعنی ذوق مزاح بھی رکھتے ہیں اور بہت کاموں میں باقاعدہ اور مستعد ہیں۔ یہ اگر چہ جزیرہ ایسا ہے جس میں جا کر .... کا خیال آتا ہے یعنی Tennison کی ایک مشہور نظم ہے Lotus Eaters جس میں ایک ایسے جزیرے کا نقشہ کھینچا گیا ہے جہاں ہمیشہ ایک ہی سا موسم رہتا ہے۔ بہت ہریالی ہے اور بہت سرسبزی اور شادابی ہے اور زمین بھی مہربان ہے اور آسمان بھی مہربان ہے لیکن اتنا مہربان ہیں دونوں کے دونوں کہ لوگوں کو اپنے کاموں کے لئے کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اس لئے بے انتہاء سست ہو گئے ہیں اور Lotus کھاتے رہتے ہیں یعنی افیم اور یہ سارا دن ان کا سوائے اس کے کوئی کام نہیں افیم کھائی اور نشے میں دھت رہے اور خدا کی قدرت کے عجائب دیکھتے رہے۔

ماریشس ویسے ہی جزیرہ دکھائی دیتا ہے جیسا۔۔۔کی نظم Lotus Eaters میں بیان کیا گیا ہے مگر بالکل برعکس نتیجہ ظاہر کرنے والا جزیرہ۔ یہاں کہ لوگ ایسے خوبصورت جزیرے میں ایسے دائمی اچھے موسم کا فیض پاتے ہوئے بہت محنتی ہیں، بہت مستعد ہیں۔ جماعتی کاموں میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت باقاعدہ اور مستعد اور ہر آواز پر لبیک کہنے والے ہیں اور ذہنی لحاظ سے اچھی اچھی باتیں ان کو سوجھتی رہتی ہیں۔ صرف ان سے شکوہ یہ ہے کہ تبلیغ کے معاملے میں جیسا ان سے توقع تھی آغاز میں تو وہ پوری کی لیکن اب کچھ سُست ہو گئے ہیں۔ اگر دنیا کے معاملے میں Lotus

Eaters نہیں بنے تو خدا کے لئے تبلیغ کے معاملے میں تو Lotus Eaters نہ بن جاؤ۔ یہ ایک وہ جگہ ہے جہاں .... ہو نا حرام ہے۔ اس لئے اگر آپ کو خدا کی نعمتوں کا جو اس نے آپ پر نازل فرمائیں شکر ادا کرتے ہوئے پوری محنت کے ساتھ اپنے جزیرے کو وہ روحانی نعمت بھی عطا کرنے کی کوشش کریں جس سے آپ فیضیاب ہورہے ہیں تو واقعی دنیا میں جزیرہ ہر پہلو سے جنت نشان بن سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ آپ لوگوں کو خدا نے اچھا ذہن عطا فرمایا ہے، ترکیبیں سوجھتی ہیں، محنت کر لیتے ہیں، لوگوں کے اندر جذب ہونے کی طاقت موجود ہے، دل جیتنے کی طاقت موجود ہے وہ کون سی چیز ہے جس کی تبلیغ میں ضرورت ہو اور آپ کو مہیا نہ ہو؟ اس لئے سب کچھ ہے اگر دعا کی کمی ہے تو پھر دعائیں کریں اور جس طرح بھی ہو اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ماریشس کی جماعت پوری طرح مستعد ہو جائے تو جیسا کہ ماریشس کے عام طور پر لوگ ہیں، صاف لوگ ہیں جلدی اثر قبول کرنے والے ہیں، مخالفت کا اثر بھی جلدی قبول کر لیتے ہیں لیکن پاکستانی میں اور ہندوستانی لوگوں کی طرح مخالفت کے رنگ کو پکا نہیں کرتے بلکہ جہاں شفاف پانی ملا اور رنگ ڈھل گیا اور دوسرا رنگ چڑھ گیا لیکن خدا کا رنگ پکا ہوا کرتا ہے۔ وہ جب چڑھتا ہے تو پھر وہ اس بات کی ضمانت خود دیتا ہے کہ وہ رنگ مستقل رہے گا۔ تو میں یہ چاہتا ہوں جس طرح آپ نے دوسرے گندے رنگ جو آپ پر پہلے احمدی ہونے سے چڑھے ہوئے تھے ایک دفعہ دھوڈالے اور خدا کے رنگ میں رنگین ہوئے اور خدائی لوگوں کی صفات اپنانے کی کوشش کی ہے اگرچہ بہت سی منزلیں ابھی اس معاملے میں طے ہونے والی ہیں میں یہ نہیں میں کہتا کہ آپ درجہ کمال کو پہنچ گئے ہیں لیکن دنیا کی جماعتوں میں آپ کا ایک ایسا مقام ہے کہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ اس پہلو سے میں آپ سے توقع رکھتا ہوں اور توقع رکھنے کا حق رکھتا ہوں کہ اگر آپ خدا کے فضل کے ساتھ تبلیغ کی طرف بھرپور توجہ دیں تو اس جزیرے کی چند سالوں میں قسمت بدل سکتی ہے اور یہ دنیا ہی میں نہیں بلکہ دین میں بھی ایک جنت جزیرہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور اہل ماریشس کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ آپ کے نیک رنگ اختیار کریں اور جلد از جلد احمدیت کی پرامن آغوش میں آجائیں۔ آمین

اس مختصر افتتاحی خطاب کے بعد اب میں اس خطبے کو ختم کرتا ہوں اور مسنون خطبہ پڑھوں گا۔

جماعت احمدیہ مالمو سے اظہار ناراضگی

تقویٰ یا حکمت کی کمی دونوں ہی فتنہ کا سبب بنتی ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ /اکتوبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

میں کئی مرتبہ پہلے بھی جماعت کو توجہ دلا چکا ہوں کہ تقویٰ اور عقل کا آپس میں بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ یہ درست ہے کہ اگر کسی انسان کو عقلی صلاحیتیں ہی عطا نہ ہوئی ہوں تو محض اس کا تقویٰ عقل کے سارے تقاضے پورے نہیں کرسکتا لیکن تقویٰ کے بغیر انسان بالکل اندھا ہو جاتا ہے اور بھرپور عقل بھی کوئی کام نہیں کرتی لیکن عقل کی کمی کو بہت حد تک تقویٰ دور کر دیا کرتا ہے اور بڑی ٹھوکروں سے انسان کو بچالیتا ہے۔ بعض فتنے ایسے ہیں یا ہو سکتے ہیں جن کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ یہ فتنے تقویٰ کی کمی سے پیدا ہوئے یا عقل کی کمی سے۔ دونوں صورتیں اپنے طور پر یکساں صادق آسکتی ہیں اور یہ مطالعہ بھی اس لحاظ سے بہت عبرت آموز ہے اور بہت پر حکمت بھی ہے کہ انسان جب ان فتنوں کی کنہہ پر غور کرتا ہے، ان کی عادات اور ان کے اسلوب پر غور کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعینہٖ وہی باتیں کلیۃً عقل کی کمی سے بھی پیدا ہوسکتی ہیں اور تقویٰ کی کمی سے بھی پیدا ہوسکتی ہیں اور ایک ہی فتنے کو تقویٰ کے بحران کا فتنہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور عقل کے بحران کا فتنہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس کی ایک تازہ مثال مالمو کے فتنے سے ہے جو کچھ عرصہ پہلے یعنی تقریباً گذشتہ دو سال سے وہاں نشوونما پاتا رہا ہے لیکن مقامی امیر نے بھی اور ملک کے امیر نے بھی اسے میری نظروں سے

اوجھل رکھا اور دونوں کا عذر یہ ہے کہ ہم سے بے وقوفی ہوئی ہے۔اب میرا کام یہ تو نہیں کہ نیتوں کی کنہہ میں اتر کر ان کی جڑوں تک پہنچوں اور بتاؤں کہ بے وقوفی نہیں تھی یہ تقویٰ کی بیماری ہے کہیں نہ کہیں اس جڑ کو کوئی بیماری لگی ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں تم سے ایسی ظالمانہ حرکت سرزد ہوئی۔لیکن اللہ بہتر جانتا ہے۔میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عقل کی کمی کی وجہ سے بھی اگر ایک فتنہ پیدا ہوتا ہے تو جہاں تک مومن کا کام ہے فتنے سے جماعت کو بچانا اس کا فرض ہے اور اگر فتنہ عقل میں پیدا ہو چکا ہو اور یہ بھی احساس نہ رہا ہو کہ اس فتنے سے بچانا ہمارا فرض ہے تو وہاں جا کر مکمل طور پر بحران کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔

اب میں نیتوں کا واقف نہیں ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ جماعت کو ہر فتنے سے متنبہ بھی کروں اور اگر وہ پیدا ہو چکا ہو تو اس سے بچانے کی کوشش کروں۔اس لئے مجھے اس سے بحث نہیں کہ وہ عقل کے بحران کا فتنہ ہے یا تقویٰ کے بحران کا فتنہ ہے جو بھی فتنہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روحانی طور پر قائم کردہ مقدس نظام پر حملہ آور ہوگا۔میں اس سے قطع نظر کہ وہ کس بحران کا فتنہ ہے،اس کا سرشدت سے کچلنے کی کوشش کروں گا اور اس معاملہ میں ایک ذرہ بھی رحم میرے دل میں پیدا ہونا گناہ عظیم ہوگا کیونکہ انسانوں کی غلطیوں پر انسانوں پر رحم کیا تو جاتا ہے لیکن نظام جماعت کو فنا کرنے کی کوشش اور برباد کرنے کی کوشش خواہ وہ بے وقوفی سے سرزد ہوئی ہے یا کسی اور وجہ سے اس کے متعلق اس کوشش کو کچلنے میں ہرگز رحم سے کام نہیں لیا جاتا نہ لیا جاسکتا ہے، نہ خدا مجھے اس کی اجازت دیتا ہے۔میں نے ان لوگوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی اور جب پوری طرح اپنا سر کھپا بیٹھا اور پھر بھی ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی سوائے ایک دو اشخاص کے اور ان کو یہ سمجھ ہی نہیں آرہی کہ ہم سے غلطی کیا ہوئی ہے۔جب یہی نہ پتہ چلے کہ غلطی کیا ہوئی ہے تو اب اس کی یہی صورت ہے کہ ساری دنیا کی جماعت کے سامنے بتاؤں کہ یہ غلطی ہے۔آئندہ کوئی بھی اپنی بے وقوفی یا کم عقلی کا عذر رکھ کر ایسی باتوں کا وہم بھی دماغ میں نہ لائے ورنہ نظام سلسلہ کو یہ باتیں نہ صرف آج تباہ کرنے والی ہوں گی بلکہ دور تک صدیوں تک اس کے بداثرات ایسے جراثیم کی طرح چمٹ جائیں گے کہ پھر جماعت کے مقدس مالی نظام کی صحت کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکے گی۔

ساری دنیا کی جماعتیں جانتی ہیں کہ چندہ دینے والا ہمیشہ محض اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھ کر چندہ دیتا ہے۔ نہ اس کا کوئی ذاتی مفاد اس کے پیش نظر ہوتا ہے نہ اس جماعت کا مفاد اس کے پیش نظر ہوتا ہے جس جماعت کا وہ ممبر ہے۔ آج اس جماعت کا ممبر ہے کل کسی اور جماعت کا ہو جائے گا اور چندہ دیتے وقت اس کے واہمہ میں بھی یہ بات نہیں گزرتی کہ جو چندہ میں اس جماعت کے فرد کے طور پر دے رہا ہوں بعد میں میری جماعت کو اس چندے میں سے کتنا حصہ ملے گا اور کتنے فوائد اس کو پہنچیں گے۔ یہ عالمی نظام یعنی جماعت احمدیہ کا مقدس مالی نظام جو خالصۃً للہ ہے اور جب تک خالصۃً للہ رہے گا مقدس رہے گا ۱۲۶ ممالک میں پھیل چکا ہے اور آج تک میرے علم میں کسی طرف سے ایسی آواز پہلے نہیں آئی تھی کہ جماعت کراچی اتنا چندہ ادا کرتی ہے اس لئے جماعت ربوہ کے اوپر اتنا خرچ نہ کیا جائے بلکہ اتنا جماعت کراچی پر خرچ ہونا چاہئے، جماعت لاہور اتنا ادا کرتی ہے، پنڈی بھٹیاں اتنا ادا کرتی ہے، پنڈی بھٹیاں کو کیوں ایک مبلغ دے دیا گیا اس کی آمد اتنی ہے کہ چند دن کی تنخواہ کی بھی متحمل نہیں ہوسکتی۔ فلاں ضلع میں کیوں اتنا خرچ کر دیا گیا۔ فلاں کام پر اتنا خرچ کیوں کر دیا گیا؟ ایسے شیطانی وساوس آج تک میرے علم میں نہیں آئے حالانکہ وقف جدید کا بھی مجھے وسیع تجربہ ہے۔ دوسرے سلسلہ کے کاموں میں بھی ہر قسم کی ادنیٰ خدمات پر میں مامور رہا ہوں اور کبھی آج تک یہ واقعہ میرے علم میں نہیں آیا کہ یہ فتنے اٹھائے گئے ہوں کہ فلاں علاقہ کی آمد اتنی ہے۔ فلاں شہر کی آمد اتنی ہے اس لئے ان پر اتنا خرچ کیا جائے۔ ہاں نظام جماعت نے ازخود بعض معمولی روزمرہ کے اخراجات کے لئے حصے مقرر فرما رکھے ہیں اور مجلس شوریٰ نے ان کی تعیین کر دی ہے کہ اگر ایک جماعت اتنی رقم ادا کرتی ہے تو اس کے روزمرہ کے شہری اخراجات یا دیہاتی اخراجات چلانے کے لئے اتنا خرچ اس کو مل جانا چاہئے۔ اسے مرکزی گرانٹ کہا جاتا ہے۔ باقی سب کے متعلق جماعت کی مجلس شوریٰ غور کرتی ہے اور قطع نظر اس سے کہ پیسہ کہاں سے آیا تھا اس بات پر غور کرتی ہے کہ کہاں خرچ ہونا چاہئے اور سلسلے کے اعلیٰ مفادات کا تقاضا کیا ہے؟ اسے کیسے خرچ کیا جائے اور یہ بحث کبھی نہیں اٹھائی گئی کہ فلاں جماعت کے بجٹ کے لئے چونکہ اس کے چندے زیادہ ہیں اس لئے ان کو سپیشل نمائندگی اس غرض سے دی جائے کہ وہ دیکھیں کہ ان کے مفادات کی حفاظت ہو رہی ہے کہ نہیں۔ اس قسم کی باتیں پہلی دفعہ جب میں یورپ کے دورے سے واپس آیا ہوں تو مجھے ایک رات

اس طرح ملیں جیسے دل پر بجلی گرتی ہو اور تعجب اس لئے تھا کہ اس سے پہلے میں فتنوں کے خلاف ہی خطبات دے رہا تھا۔ جرمنی میں خطبہ دیا، اس سے پہلے ہالینڈ میں دیا تھا، یہاں دیا تھا بعد میں ناروے خطبہ دیا اور ان میں سے بہت سے لوگ جو اس فتنے میں ملوث ہیں وہ ساتھ ساتھ پھر رہے تھے اور بڑے اخلاص کا اظہار ہو رہا تھا کہ اب ہمیں خوب باتیں سمجھ آ رہی ہیں لیکن تقویٰ کا بحران کہہ دیں یا عقل کا، یہ ایسا خطرناک بحران تھا کہ ادھر میں یہاں واپس پہنچا ہوں اور ادھر امیر صاحب سویڈن کی طرف سے مجھے یہ فیکس ملی ہے کہ آپ کے جانے کے فوراً بعد امیر صاحب مالمو نے مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ بلائی اس میں جو باتیں پیش ہوئی ہیں وہ کچھ اس قسم کی ہیں۔

جماعت سویڈن کا بجٹ ۴ لاکھ کے قریب ہے جبکہ مالمو کی جماعت کو مبلغ مالمو کے اخراجات شامل کر کے بھی ایک لاکھ سے کم رقم ملتی ہے، مالمو کی جماعت کی ضروریات کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ان کا ایک مطالبہ تو یہ ہے کہ سال کے شروع میں بجٹ کا سارا حصہ مالمو منتقل کر دیا جائے، فنانس کمیٹی میں مالمو کی متناسب نمائندگی ہو۔ نیشنل مجلس عاملہ میں مالمو کی مناسب نمائندگی ہو۔ جب اس قسم کی باتیں ملیں تو میں نے فوری طور پر پتہ کروایا کہ یہ کیا تماشہ ہو رہا ہے اور بہت سی ایسی باتیں تھیں جو میں آگے بیان کروں گا جن سے پتہ چلتا تھا کہ کسی مقام کی مجلس عاملہ کا ان باتوں سے تعلق ہی کوئی نہیں اور پھر جب اس کے متعلق جواب طلبی کی گئی کہ تم مقامی امیر ہو یہ کیسی لغو باتیں تمہارے زیر صدارت ہو رہی ہیں؟ کیوں تم نے فوری طور پر ان کو نہیں کہا کہ ایسی بے ہودہ باتیں میں نہیں ہونے دوں گا اور مجلس عاملہ کو برخاست کرتا ہوں اور وہ رپورٹ آگے کیوں نہیں بھجوائی؟ تو جواب یہ ملا کہ یہ تو ان کی بڑی پرانی عادت ہے۔ میں تو ان کو روکتا رہتا ہوں اور یہ مانتے ہی نہیں۔ جب یہ بات سنی تو میں تو اور حیران رہ گیا کہ یہ کیا قصہ ہو رہا ہے؟ جب امیر سویڈن کی جواب طلبی کی گئی تو انہوں نے پھر وہ فہرستیں بھجوانی شروع کیں کہ فلاں مجلس عاملہ میں یہ بات ہوئی تھی، فلاں میں یہ بات ہوئی تھی،۔ فلاں میں یہ بات ہوئی تھی اور اس کے اوپر دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی نے مجھے اطلاع نہیں دی کہ یہ فتنے پیدا ہو رہے ہیں جو جماعت کے عالمی نظام کے تقدس کے خلاف ہیں، اس مقدس پانی کو گدلا کرنے والے ہیں۔ اگر ایک جگہ، ایک ملک میں، کسی ایک شہر میں نعوذ باللہ جماعت کی روایات کو ایسے گدلا کرنے کی کوشش کی گئی تو پھر جماعت کے مقدس نظام کی حفاظت کی کبھی کوئی ضمانت نہیں رہے گی

اور اس کی سنجیدگی کچھ سمجھ ہی نہیں آرہی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

اب میں آپ کے سامنے متفرق امور جو بعد میں اکٹھے کئے گئے ہیں۔لمبی بحث و تمحیص کے بعد کہ یہ بھی بتاؤ، وہ بھی بتاؤ قریباً دو ہفتے کی محنت کے بعد ان کے مطالبات کا آخری خلاصہ یہ نکلتا ہے۔

ا۔ایک یا دو نمائندے نیشنل عاملہ میں ہوں جو نیشنل مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کر کے مالمو کی ترقی اور مسائل اور مالی امور پر بحث کر سکیں۔

۲۔مجلس عاملہ مالمو میں نیشنل مجلس عاملہ کی تشکیل پر بحث ہوئی۔تمام اراکین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آئندہ جماعت سویڈن کی مجلس عاملہ تشکیل دی جائے۔

یعنی مجلس عاملہ موجود ہے۔وہ ان کے نزدیک مجلس عاملہ ہی نہیں ہے کیونکہ جس طرح یہ چاہتے ہیں اس طرح تشکیل نہیں ہوئی۔کہتے ہیں آئندہ نیشنل مجلس عاملہ تشکیل دی جائے جس میں تعداد کے اعتبار سے نمائندگی ہوتا کہ گوٹن برگ اور مالمو کی برابر نمائندگی ہو سکے گویا دنیا کے ہر ملک میں یہ فتنہ کا دروازہ کھل جائے کہ ہر مرکزی مجلس عاملہ جس کا تقرر مجلس شوریٰ کی سفارش پر خلیفہ وقت کی منظوری سے ہوتا ہے اس میں ایک نئی بحث یہ اٹھے کہ فلاں فلاں ریجن کے اتنے آدمی ہوں۔فلاں فلاں ریجن کے اتنے آدمی ہوں اور بعض ملک اتنے بڑے بڑے ہیں جن کے اوپر یہ اصول عملاً اطلاق پا ہی نہیں سکتا یعنی امریکہ میں لاس انجلیز اور سان فرانسسکو اور ڈیٹرائیٹ وغیرہ سب کی مجلس عاملہ مرکز یہ میں متناسب نمائندگی رکھی جائے تو نہ وہ مجلس کبھی اکٹھی ہو نہ کبھی جماعت کے مسائل حل ہو سکیں اور یہ صرف اتنی بات نہیں ہے۔ان لوگوں کی عقل میں یہ بات نہیں پڑ رہی کہ یہ مذہبی جماعت ہے کوئی سیاسی جماعت نہیں ہے،کوئی علاقائی جماعت نہیں ہے کہ جہاں سندھ اور پنجاب کے سوال اٹھ کھڑے ہوں یہ ایسا خوفناک فتنہ نظام جماعت میں داخل کرنے والی بات ہے جو صرف مالی نظام کو نہیں بلکہ جماعت کے عام روزمرہ کے کام کے ڈھانچے کو تباہ کرنے والا ہے یہاں تو تقویٰ پر بحث چلتی ہے جتنے بجٹ بنتے ہیں اس میں کبھی کسی نے اس نیت سے نہیں سوچا کہ میں کہاں سے آیا ہوں مجلس شوریٰ کے سب ممبر ہوتے ہیں۔جہاں جہاں مشن ہیں وہاں ان کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہاں وہ ابتدائی بجٹ تجویز کریں اور اسی طرح مالمو کے بجٹ بھی بنے تھے۔وہ تجویز مجلس شوریٰ میں پیش ہوتی ہے۔مجلس شوریٰ غور کے بعد سفارشات کرتی ہے نہ کہ فیصلے۔ان سفارشات پر مرکز میں غور ہوتا ہے۔پھر اس

کے بعد وہ ساری سفارشات میرے سامنے پیش کی جاتی ہیں میں ان کی گہری چھان بین کرتا ہوں کہ کہیں کسی سے کوئی زیادتی نہ ہوگئی ہو یا سقم نہ رہ گیا ہو اور قطع نظر اس کے کہ کس نے کیا دیا ہے ہمیشہ اس بات پر فیصلہ ہوتا ہے کہ کس کو کیا ضرورت ہے اور جماعت کا روپیہ سلسلے کی ضروریات کے لئے کس طرح بہترین رنگ میں خرچ ہوسکتا ہے؟ اس رنگ میں یہ فیصلے ہورہے ہوتے ہیں اور اس سارے نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے دو سال سے مسلسل سازشیں چل رہی ہیں اور اس کی مجھے اطلاع ہی کوئی نہیں دی جارہی۔

۳۔ برابر نمائندگی کا حق یعنی علاقائی نمائندگی برابر ملے۔

۴۔ پھر مالمو مشن کے متعلق بحث ہوئی کہ اس مشن پر جتنا خرچ ہونا چاہئے اتنا خرچ نہیں ہورہا یہاں تک کہ بالآخر مجلس عاملہ مالمو نے یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ جماعت مالمو نے کوئی رقم مالمو مشن کے لئے جمع کی تھی وہ مالمو کو واپس ملنی چاہئے۔

باقی امور کی طرف آنے سے پہلے میں اس کا قضیہ تو چکا جاؤں۔ مالمو مشن جب خریدا گیا ہے تو مالمو کی جماعت نے ایک لاکھ ۶ ہزار ۸۵۰ کرونر چندہ پیش کیا تھا۔ نام بنام سب کی فہرست میں نے منگوالی ہے اور دیکھ لیا ہے۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کے متعلق ابھی بھی میرا دل یقین نہیں کرسکتا کہ تقویٰ کی کوئی بھی کمی ہوگی کیونکہ دیر سے میں جانتا ہوں لیکن عقل کی کمی کے متعلق کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اگر عقل کی اتنی کمی ہوجائے کہ عملاً نتیجہ تقویٰ کی کمی پر منتج ہو تو انسان بالکل بے اختیار ہوجاتا ہے اور ایسے شخص کو بھی لازماً زیر تعزیر لانا پڑتا ہے۔ ۳لاکھ ۶۵ ہزار میں یہ مشن خریدا گیا تھا جس کے اوپر مرمتوں وغیرہ پر مزید اخراجات بھی ہوتے رہے۔ اس میں سے ایک لاکھ ۶ ہزار ۸۵۰ اس جماعت کے افراد نے دیا تھا اور آج اتنے سال کے بعد یہ مطالبہ ہے کہ جو ہم نے اس مشن میں چندہ دیا تھا ہمیں واپس کیا جائے۔ میں نے عام دستور سے ہٹ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کی ایک ایک پائی ہر اس شخص کو واپس کی جائے جس نے یہ چندہ دیا تھا اور یہ فیصلہ کہ آئندہ کبھی ان لوگوں سے چندہ وصول کرنا ہے کہ نہیں، یہ بعد میں کیا جائے گا مشن جاری رہے نہ رہے اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن اس مشن میں کوئی ناپاک آنہ بھی داخل نہیں ہوگا جس کے متعلق خدا کے حضور پیش کرنے کا ادعا کرکے بعد میں کوئی مطالبہ کرے کہ یہ ہمیں واپس کیا جائے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے تو اپنے غلاموں کی

ایسی پاکیزہ تربیت فرمائی ہے کہ یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو تحفہ دے دے اور پھر اس سے واپس مانگے تو یہ ایسی ہی بات ہے جیسے قے الٹ کر پھر اسے خود نگل جائے اور چاٹ جائے (مسلم باب) یہ مثال بہت ہی عظیم مثال ہے کیونکہ عقل سے عاری جانور جن کو پتہ نہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں وہ بعض دفعہ ایسا کیا کرتے ہیں۔ گندی غلیظ قے کی ہے اور پھر اس کے بعد اس کو چاٹ گئے۔ اب تحفے سے ایسا سلوک کرنا کہ گویا وہ واپس مانگا جاسکتا ہے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ پاک تھا ہی نہیں۔ یہ وہ مصلحت ہے جو میں آپ کو سمجھانی چاہتا ہوں جب میں نے کہا یہ گندہ پیسہ اس میں نہیں آئے گا تو کوئی غصے کا فتویٰ نہیں ہے بلکہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جو تمام حکمتوں کا سرچشمہ تھے ان کی ایک بہت ہی عظیم گہری نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ جب آپ نے ایک عام انسان کے متعلق یہ فرمایا کہ جب تم اس کو تحفہ دیتے ہو اور پھر واپس لینے کا سوچتے ہو تو ایسی بات ہے جیسے قے کر کے اسے واپس لو تو وہ تحفہ تحفہ تھا ہی نہیں وہ ایک گندگی تھی جو کسی کی طرف بھیجی گئی تھی اور تم نے عملاً اس گندگی کو خود چاٹ لیا۔ تو اگر انسانوں سے معاملات میں ایسی اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے تو خدا کے معاملے میں تو بے انتہاء احتیاط کی ضرورت ہے۔ تبھی خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ تمہارے تحفوں میں سے کچھ بھی خدا کو نہیں پہنچتا۔ پاک اور پرخلوص نیتیں، طیبات پہنچتے ہیں جن کا تقویٰ کے اعلیٰ مضامین سے تعلق ہے۔ دل کی خاص کیفیات سے تعلق ہے جو تقویٰ کے نتیجہ میں لہر در لہر پیدا ہوتی ہیں اور مالی قربانی میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ وہ چیزیں ہیں جو خدا کو پہنچتی ہیں تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چیز کو قے قرار دے دیں تو میں کون ہوں کہ اسے مقدس مال سمجھ کے سلسلے کے مال میں شامل رکھوں اس لئے یہ قے جو ہے یہ تو واپس ہوگی اور میں نے اعلان کر دیا ہے کہ اس معاملہ میں کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ یہ روپیہ ان کو واپس کیا جائے گا مشن جماعت کا ہے اس سے یہ لوگ استفادہ بہر حال کریں گے جب تک وہ مشن قائم رہے گا۔

۴۔ آگے ایک مطالبہ ہے، سابقہ سالوں میں مالمو کے لئے جو بجٹ ہوتا تھا وہ چونکہ مالمو کو نہیں دیا گیا وہ اب واپس مالمو کو ملنا چاہئے۔

اب وہ کونسا بجٹ ہوتا تھا جو مالمو کو نہیں دیا گیا۔ یہ ایک ایسی فرضی بات ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ یہ فتنہ دو سال سے شروع ہوا ہے جب سے ایک خاص انسان وہاں امیر کے طور پر مقرر ہوا

ہے۔اس سے پہلے کبھی یہ آواز نہیں اٹھی تھی لیکن آگے جا کر میں اس معاملے پر مزید روشنی ڈالوں گا۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ کونسا بجٹ تھا؟ واقعۃً جب میں نے تحقیق کرائی تو جتنے اخراجات مالمو کے اٹھتے آئے ہیں وہ ہیڈ کوارٹر یعنی گوٹن برگ میں جو مرکز قائم ہے اس کی طرف سے ادا ہوتے رہے ہیں کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی کہ انہوں نے کوئی جائز خرچ کیا ہو، بجٹ کے اندر خرچ کیا ہو جوان کو ادا نہ کیا گیا ہو اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ اپنی مالی قربانی میں باقیوں سے بہت بڑھ کر ہیں اور ان پر کم خرچ ہو رہا ہے اس کے متعلق میں آگے جا کر بات کرتا ہوں۔

۵۔ پھر یہ بے باکی میں یہاں تک آگے بڑھے ہیں کہ وہ ذیلی تنظیمیں جن کا مجلس عاملہ مالمو سے کیا مجلس عاملہ سویڈن سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ خدام الاحمدیہ، لجنہ اماء اللہ اور انصار اللہ کی مجالس اپنے الگ بجٹ بناتی ہیں ان کی الگ مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ان کے معاملات نیشنل مجلس عاملہ میں زیر بحث آ ہی نہیں سکتے۔ اگر کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو امیر کے تابع ہیں۔امیر کا کام ہے کہ مجھے بتائے کیا خطرناک باتیں ہو رہی ہیں اور کیا نہیں ہو رہیں اور بالعموم جہاں تک میرا علم ہے کہ خدا کے فضل سے دنیا بھر میں بڑی عمدگی کے ساتھ یہ نظام جاری ہے۔ جب یہ بات آگے بڑھنی شروع ہو جائے تو پھر منہ کھلتے چلے جاتے ہیں۔

۶۔ 14/01/90 کے اجلاس میں ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ ذیلی تنظیموں کے چندہ کا لوکل حصہ ان کو ملنا چاہئے اب مجلس عاملہ مالمو سے اس کا کیا تعلق ہے۔ یہ اعتراض بنایا گیا کہ میں جب دورے پر گیا ہوں تو میں نے ان کے ساتھ مل کر اجتماعی کھانا نہیں کھایا اور اس پر حملے کا نشانہ ملک کے امیر کو بنا دیا گیا اور یہ بحث مجلس عاملہ میں ہوئی کہ گویا میں تو تیار بیٹھا تھا۔ملک کے امیر نے عمداً اس رنگ میں غلط طور پر ان کی درخواست پیش کی کہ میں اس کو رد کرنے پر مجبور ہو گیا یعنی دماغ کا ایسا Twist ہے ایسا ٹیڑھا پن ہے کہ آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔نہ امیر سے پوچھا کہ آپ نے کیا پیش کیا تھا کیوں رد ہوا۔ نہ مجھ سے پوچھا میں وہاں گیا ہوں اور بات نہیں کی اور جب سب واقعات گزر گئے تو وہاں آخری مجلس عاملہ میں یہ بحث اٹھا دی کہ دیکھو امیر تمہارا کیسا دشمن ہے کہ وہاں تو دعوت ہوئی لیکن یہاں نہیں ہوئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب امیر صاحب نے مجھ سے درخواست کی دونوں جگہ کے لئے مالمو اور

گوٹن برگ کے لئے تو میں نے ان کو بتایا کہ آپ کچھ عقل سے کام لیں۔ میرا دورہ اتنا مصروف ہے کہ صبح سے رات تک میں چکر میں ہوں اور چند منٹ نہیں ملتے سکون سے الگ بیٹھنے کے۔ آپ کے ساتھ جماعتی خدمت کے جتنے کام ہیں میں حاضر ہوں۔ سوال و جواب میں مجھے بٹھائیں۔ ملاقاتیں کروائیں سب کچھ کے لئے حاضر ہوں لیکن چند منٹ گھر میں الگ بیٹھنے دیں تا کہ تھوڑا سا سکون ملے دوسرے دن پھر صبح صبح سفر کرنا ہے تو اس پر انہوں نے بات تسلیم کر لی اور اس وجہ سے میں نے معذرت کی۔ جب میں مالمو پہنچا ہوں تو صبح ۹ بجے سے سفر شروع کیا ہوا ۴ بجے ہم وہاں پہنچے ہیں اور چونکہ ایسی غلط فہمی ہوگئی تھی کہ ہمیں مشن کا کوئی پتہ نہیں لگ رہا تھا کہ کدھر ہے اور اس طرح ہمیں دیر ہوگئی۔ جاتے ہی بغیر کسی اور آرام یا وقت کے ضیاع کے نماز کے لئے واپس آیا ہوں، نماز کے معاً بعد ان سے ملاقاتیں کی ہیں جتنی ملاقاتیں انہوں نے رکھی تھیں سوائے ایک کے جس سے میں جماعتی طور پر ناراض تھا اور ملنا نہیں چاہتا تھا۔ باقی سب سے ملاقات کی۔ پھر مجلس سوال و جواب کیلئے نیچے آیا۔ پھر خواتین کو ان کی مجلس سوال و جواب کا الگ وقت دیا اور جب تک یہ سارا سلسلہ ختم نہیں ہو گیا اس وقت تک میں ان کے ساتھ بیٹھا رہا پھر نمازیں پڑھیں اور پھر میں اوپر آیا ہوں۔ اس پر اعتراض یہ کہ مل کر کھانا نہیں کھایا اور اس کے لئے مجھے تو براہ راست کو س نہیں سکتے تھے اسی کو فتنے کا بہانہ بنالیا۔ کہ امیر نے ایسا کیا ہوگا اور نہ وہاں مجھ سے پوچھا نہ بعد میں امیر سے پوچھا۔ یہ ٹیڑھی سوچ ایک دن کی سوچ نہیں ہے یہ لمبے عرصے سے پلتی چلی آرہی ہے۔ جب میں نے تحقیق کی اور پوری طرح چھان بین کی تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ ایک تو حد سے زیادہ دونوں اشخاص کی عقل کا بحران ہے اگر اور کچھ نہیں تو ان فتنوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اور مطلع نہیں کر رہے۔ پتا ہے کہ جماعت کے عالمی نظام کے تقدس کے خلاف باتیں ہیں۔ سلسلے کی ساری مالی روایات میں کبھی ایسی فتنے نہیں ہوئے نہ کبھی مجالس عاملہ کو اس رنگ میں تشکیل دیا گیا ہے کہ کسی ریجن کی کتنی نمائندگی ہوتی ہے لیکن بڑے آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہو رہا جب پوچھا گیا کہ کیوں جناب! آپ جو مقامی امیر صاحب ہیں آپ کی آنکھوں کے نیچے یہ باتیں ہو رہی ہیں آپ کس مرض کی دوا تھے تو جواب دیا گیا کہ میں تو اس معاملہ کو آگے امیر صاحب کے سپرد کر دیا کرتا تھا اور کہا تھا آپ جانیں اور یہ لوگ جانیں۔ آئیں اور ان کو سمجھائیں حیرت انگیز بات ہے۔ یہ تو بالکل ویسی بات لگتی ہے جیسے بعض دفعہ سیاسی طور

پر بعض صوبوں کے وزراء اعلیٰ مرکز سے صوبے کو ٹکرانے کی خاطر ان کی تائید میں باتیں کرتے ہیں۔ ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، فتنے پیدا ہو جاتے ہیں اور بعد میں وہ مرکز سے کہتے ہیں کہ آؤ جی! ان سے نپٹو۔ یہ ان کے جائز اعتراضات ہیں یا شکایات ہیں ان کو آ کر سمجھاؤ ہم تو بیچ میں ایک طرف بیٹھے ہیں۔ ایک طرف بیٹھنے کا مطلب کیا ہے۔ جس شخص کی جماعت میں لمبی تربیت ہوئی ہو جس کو نظام جماعت کا بھی تجربہ ہو، لمبا عرصہ سلسلہ نے اس پر محنت کی ہو اس کو اتنا نہیں پتا کہ جماعت کا مالی نظام ہے کیا اور جماعت کا مجلس شوریٰ کا کیا نظام ہے اور جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ کیا ہے۔ کس طرح یہ باتیں چلتی ہیں اور لاعلمی کا عذر تو قابل قبول ہی نہیں کیونکہ اتنی بار خطبات میں میں ان باتوں پر روشنی ڈال چکا ہوں کہ لاعلمی سے مراد سوائے اس کے کہ جہالت ہو اور کچھ نہیں کہا جا سکتا اور جہالت کا معنی کیا ہے وہ میں آگے جا کر مزید آپ کے سامنے کھولتا ہوں۔ ان معاملات میں لاعلمی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ جس چیز سے کھیلا جارہا ہے اس کی حرمت میرے نزدیک بہت بڑی ہے اور میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ جماعت کے مقدس عالمی نظام کو کسی طرح بھی آنچ پہنچنے دوں۔ عالمی نظام خواہ مالی ہو یا انتظامی ہو۔ دونوں جگہ مقدس ہے اور کسی حماقت کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ ان معاملوں میں فتنے برپا کرے۔

اب صورت حال یہ بنتی تھی کہ مالمو کے متعلق دو سال سے ایک کیس Build ہو رہا ہے اور یہ اثر ڈالا کہ ساری جماعت اس میں شامل ہے، ساری مجلس عاملہ شامل ہے کیونکہ ان کی تائید کی ہوائیں ہیں۔ آواز یہ اٹھ رہی ہے کہ آپ کی خاطر، آپ کے حقوق کی خاطر یہ باتیں ہو رہی ہیں اور مجھ سے اس بات کو مخفی رکھا جارہا ہے حالانکہ یہ سارے جانتے ہیں اور بار بار میں بتا چکا ہوں کہ اگر کسی جگہ کسی احمدی کے دل میں خواہ وہ مجلس عاملہ کا ممبر ہے یا نہیں، عہدیدار ہے یا نہیں، سلسلے کا مالی نظام یا کسی اور معاملہ میں کوئی شکایت ہو تو اس کا حق ہے اور بعض جگہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ بلا تاخیر مجھے اس کی اطلاع کرے لیکن طریق کار یہ ہے کہ دستور کے مطابق جو چینل بنی ہوئی ہے جو رستہ بنا ہوا ہے وہ اس کو اختیار کرے۔ مثلاً اگر مقامی امیر کے خلاف شکایت ہے تو مقامی امیر کی وساطت سے اطلاع آنی چاہئے اور اگر کسی عہدیدار کے خلاف شکایت ہے تو اس کی وساطت سے آنی چاہئے، اگر مرکزی امیر سے شکایت ہو تو اس کی وساطت سے آنی چاہئے لیکن ساتھ ہی بار بار میں یہ بات کھول چکا ہوں کہ

اگر آپ کو گھبراہٹ ہو، یہ وہم ہو کہ آپ کی شکایت پر کوئی بیٹھ رہے گا تو اس کی نقل براہ راست مجھے بھجوا دیجئے۔ نقل بھجوانے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر میں دیکھوں گا کہ کس حد تک زیادتی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی اور جماعت کا جو مالی نظام ہے یہ تو ایسا ٹھوس اور مضبوط اور سقم سے پاک نظام ہے کہ کبھی کسی افریقن ایشیائی ملک میں ایسا فتنہ نہیں پیدا ہوا۔ یورپ میں اس ملک کے سوا کہیں یہ فتنہ پیدا نہیں ہوا جماعت جرمنی بھی ہے۔ بہت بڑے بجٹ ہیں ان کا بجٹ تو اس کا بیسواں حصہ بھی نہیں بنتا بلکہ اس سے بھی بہت کم ہوگا لیکن بڑی بڑی جماعتیں مختلف جگہ اکٹھے گچھوں کی صورت میں موجود ہیں۔ فرینکفرٹ میں مرکز ہے اور ہمبرگ میں جماعتوں کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے جس طرح ستاروں کا جھرمٹ ہوتا ہے اسی طرح وہاں اکٹھی ہوئی ہوئی جماعتیں ہیں۔ اسی طرح ساؤتھ میں ہائیڈل برگ اور اس سے نیچے میونخ کی طرف یہاں بھی کئی جگہ جماعتوں کے گچھے ہیں کبھی کسی فرد جماعت نے یا جماعت نے یہ نہیں کہا کہ جی! فرینکفرٹ پر خرچ ہو رہا ہے اور ہماری متناسب نمائندگی ہونی چاہئے اور ہمیں اس کے حقوق ملنے چاہئیں۔

ایک اور فرق جو جرمنی کی جماعت اور اس جماعت میں ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے جرمنی کی جماعت کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کیا تو ساری جماعت نے بلا استثناء فوراً بات کو سمجھا اور ایک زبان ہو کر ان باتوں سے نہ صرف بیزاری کا اظہار کیا بلکہ کامل طور پر آئندہ اپنے خلوص، اپنی وفا اور امارت سے اپنی وابستگی کے متعلق مجھے یقین دلائے۔ یہاں تک کہ جن باپوں کے متعلق شکایت تھی ان کے بیٹے گھروں کو لوٹے تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے باپ ہیں لیکن جو خلیفہ وقت کہہ رہا ہے وہ بالکل سچی بات ہے آپ کا قصور ہے۔ بیویوں نے خاوندوں پر یہ بات واضح کر دی کہ آپ کے حقوق اپنی جگہ لیکن جہاں تک نظام جماعت کا تعلق ہے آپ کی غلطی ہے تو آپ اس کو بھگتیں گے اور اس معاملے میں ہمیں اپنے ساتھ نہیں پائیں گے۔ ۱۵، ۲۰ ہزار کی جماعت ہے ایک واقعہ بھی نہیں ہوا کہ جس میں ادنیٰ سی بھی کجی پائی گئی ہو اور جب لوگ کہتے ہیں کہ تم جرمنی کی جماعت کی محبت کی باتیں کرتے ہیں تو کیوں نہ کروں جو مسیح موعودؑ کی جماعت سے محبت رکھتا ہے میں اس سے محبت کروں گا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جو اسلام اور مسیح موعودؑ کی مقدس جماعت سے پیار کرنے والا ہو میرے دل میں اس کی قدر نہ ہو لیکن اس جماعت کی بدنصیبی کہ ۱۵ دن سے سمجھا رہا ہوں اور بار بار یہ اصرار ہے کہ ہم سے تو

کچھ نہیں ہوا۔آپ کیا کہتے ہیں بغاوت؟ بغاوت! کیسی بغاوت؟ اورحلفاً بیان آرہے ہیں امیر صاحب کے کہ میں حلفاً گواہی دیتا ہوں کہ آج تک مجلس عاملہ نے کبھی کوئی نظام سلسلہ کے خلاف باغیانہ بات نہیں کی اور آج ہر مجلس کے الگ الگ خط آرہے ہیں کہ ہم حلفاً اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے باغیانہ باتیں ہوئی ہیں ۔جب سزا کا آخری قدم اٹھایا ہے تب ان کو ہوش آئی ہے تب ان کو سمجھ آنی شروع ہوئی ہے عجیب دماغی حالت ہے۔پس فتنہ خواہ تقویٰ کے بحران کا ہو یا عقل کے بحران کا ہو عملاً ایک ہی چیز بن جاتا ہے۔

اسی لئے میں ہمیشہ زور دیا کرتا ہوں کہ عقل حقیقت میں تقویٰ کا دوسرا نام ہے سوائے اس کے کہ کسی کو ذہنی صلاحیتیں عطا نہ ہوئی ہوں ۔وہ الگ مسئلہ ہے لیکن اس کی تفصیل میں میں اس وقت نہیں جانا چاہتا۔میرے ذہن میں یہ بات خوب روشن ہے کہ ان دونوں کے اندرونی تعلقات کیا ہیں لیکن بیرونی نظر سے عمومی طور پر دیکھا جائے تو عقل اور تقویٰ ایک ہی چیز کے دونام قرار دیئے جاسکتے ہیں اور جہاں تک فتنوں کا تعلق ہے میں نے اس مضمون پر غور کیا تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پر دل سے بے حد درود نکلے کہ کتنی گہری باتیں ۔کتنی دیر پا باتیں ہماری ہدایت کے لئے آپ بیان فرما گئے ہیں اور جب قرآن کریم کی روشنی میں ان کو حل کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وہی اصول جو دنیاوی معاملات میں کارفرما ہیں وہی روحانی دنیا میں بھی اسی طرح کارفرما ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ **کادالفقران یکون کفرًا** (حوالہ حدیث) کہ دیکھو! میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں ۔ہرگز بعید نہیں ہے کہ غربت کفر میں تبدیل ہو جائے اب غربت سے کیا مراد ہے؟ دولت سے کیا مراد ہے؟ اگر مادی لحاظ سے دیکھا جائے تو دنیا کی غربت بھی کفر میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اشتراکیت کے پیدا ہونے کے متعلق اس میں ایک بہت گہری پیشگوئی تھی ۔**کادالفقران یکون کفرا** کا اطلاق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر تو نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہاں تو یہ عالم تھا کہ جتنا غریب تھا اتنا ہی زیادہ شیدائی، اتنا ہی زیادہ عاشق اور اصحاب الصفہ نے تو وہ روایات قائم کردی ہیں جو مذہب کے آسمان پر ہمیشہ چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح جڑی رہیں گی اور کوئی نہیں جو ان کے نور کو کم کرسکے۔غریب سے غریب، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی جس کو کچھ بھی استطاعت نہیں تھی خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ایسے ولولے رکھتا تھا کہ ایک

موقعہ پر جب آنحضرت ﷺ نے تحریک فرمائی اور بعض ایسے ہی اصحاب الصفہ تھے جن کے پاس کچھ نہیں تھا انہوں نے کلہاڑے پکڑے یا عاریۃً لئے جنگل میں نکلے، لکڑیاں اکٹھی کیں اور واپس آ کر بیچیں جو کچھ ہاتھ آیا وہ خدمت دین میں پیش کر دیا۔ تو یہ بات ہمیشہ میرے پیش نظر رہی کہ لازماً اس میں کوئی پیشگوئی ہے ورنہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے غریبوں پر تو یہ اطلاق نہیں پا رہی اس زمانے کا جو **فقر** تھا وہ نور ایمان میں بدلا ہوا تھا اور **کاد** کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس کے اندر تنبیہ ہے جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اور بعض احتمالات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان غرباء میں کوئی کفر کی باتیں دیکھی تھیں۔ مراد یہ تھی کہ وہ غرباء جو محمد رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ نہ ہوں ان کے لئے خطرہ ہے جو نور نبوت کے نیچے نہیں پلتے ان کے لئے خطرہ ہے کہ ان کا **فقر** کفر میں تبدیل نہ ہو جائے۔ اور دوسرے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آئندہ کے زمانے کے متعلق یہ ایک بنیادی اصول بیان ہوا تھا کہ جو قومیں اپنے غریبوں کا فکر نہیں کرتیں ان کے غریبوں کی غربت بالآخر دہریت پر منتج ہو جایا کرتی ہے۔ پھر وہ خدا کے خلاف ہو جاتے ہیں، باغی ہو جاتے ہیں اور اشتراکیت کے عروج نے جو اس صدی کے آغاز میں شروع ہوا بعینہٖ وہ منظر پیش کیا ہے لیکن گزشتہ صدی میں اس کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں اور وہ بھی بعینہٖ اسی اصول پر کہ غربت کفر میں تبدیل ہو رہی تھی۔ پہلے غربت کے اثرات کے نتیجہ میں دہریت کا ایک فلسفہ وجود میں آیا ہے۔ پھر اس کے نتیجہ میں مارکس ازم، لینن ازم پیدا ہوئے ہیں۔

دوسری طرف جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ: ۲۷۰) اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جو شخص بھی حکمت دیا جائے، جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکمت عطا کی جائے۔ اسے گویا خیر کثیر عطا ہو گئی یعنی اسے زر کثیر عطا کیا گیا، کثرت سے مال دے دیا گیا۔ تو حکمت کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں زر کثیر کے طور پر پیش کیا۔ گویا حکمت کی کمی غربت ہے اگر حکمت کثرت مال پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بالکل ایک دوسرے کا برعکس ہیں اور بعینہٖ یہ مضمون دونوں جگہ صادق آتا ہے اگر حکمت مال ہے تو حکمت کی کمی غربت ہے اور حکمت کی کمی بھی لازماً کفر میں تبدیل ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو سمجھنے کے بعد اس محاورے کی

سمجھ آجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے کے زمانے کو جاہلیت کا زمانہ کہتے ہیں کفر کا زمانہ نہیں کہتے ۔ جاہلیت کے اندر ایک مخفی کفر ہے۔ جاہلیت کفر میں اس وقت تبدیل ہوتی ہے جب دوٹوک حکم نازل ہو جاتا ہے کہ یہ کرنا ہے یا وہ کرنا ہے۔اس وقت جاہلیت کے اندر دبا ہوا کفر سر اٹھاتا ہے اور انکار کر دیتا ہے۔ پس یہ بہت ہی عظیم اصطلاح ہے جو قرآن کریم نے استعمال فرمائی کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے سے پہلے کو جاہلیت کا زمانہ قرار دیا یعنی روحانی لحاظ سے انتہائی غربت کا زمانہ فقر اور فاقوں کا زمانہ اور وہی عقلی فقر تھا جو کفر میں تبدیل ہو گیا۔

پس مجھے اس سے بحث نہیں ہے کہ یہ فتنے پیدا کہاں سے ہوئے تھے۔ براہ راست تقویٰ کا قصور تھا یا عقل کا قصور تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل کر دیا ہے۔ ہمیں یہ تو حق نہیں دیا کہ کسی کے دل میں اتر کر اس کی نیتوں پر حملہ کرو مگر یہ حق بھی دیا اور پہچان بھی دی کہ جہاں نیتوں کے نتائج بے وقوفی پر منتج ہوں، سخت حماقتوں کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہوں وہاں تمہیں حق ہے کہ کہو کہ ان باتوں کا تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کفر کی باتیں ہیں۔ پس جدھر چاہو کروٹ بدلو۔ خواہ اپنے تقویٰ کی کمی کا قصور تسلیم کرو یا عقل کی کمی کا قصور تسلیم کرو ظلم بہت بڑھا ہوا ہے اور اب زبانی طور پر یا تحریری طور پر کہہ دینا جی! ہم تو جاہلیت کی غلطیاں کرتے تھے معاف کر دینا۔ یہ سرسری باتیں ہیں۔ اس طرح یہ حل ہونے والی نہیں ہیں۔ ان کے متعلق مزید تحقیق ہوگی اور معین فیصلے کئے جائیں گے لیکن یہ فیصلہ تو بہر حال کیا جا چکا ہے کہ جس نے اپنے چندے کو تے بنا دیا وہ تو اب خدا کی طرف واپس نہیں لوٹے گی۔ وہ تو آپ کی جیبوں کو زیب دے گی اور سلسلے کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

تمام دنیا کی جماعتوں کو اس سے نصیحت پکڑنی چاہئے۔ نظام جماعت میں کسی ناانصافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب ہر فرد کو یہ حق ہے اور بعض جگہ جیسا کہ میں نے بیان کیا فرض ہے کہ وہ خلیفہ وقت سے ہر وقت براہ راست تعلق قائم کر سکتا ہے اور لوگ جب اپنی ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں کرتے ہیں تو نظام جماعت میں کیوں مجھ پر رحم کرتے ہیں۔ کسی کی بہو ناراض ہوگئی، کسی کا بیٹا روٹھ گیا، کسی کے بچے کو فلاں لت لگ گئی وہ اطلاعیں مجھے دینے میں سمجھتے ہیں میرا حرج کوئی نہیں ہے لیکن جب نظام جماعت میں رخنہ پیدا ہو رہا ہو تو کہتے ہیں ہم اس لئے نہیں بتا رہے تھے کہ آپ کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ بھی نیت کا فتور ہے یا وہی کہنا چاہئے کہ یا نیت کا فتور ہے یا پھر عقل کا فتور ہے۔ دونوں صورتوں میں

نتیجہ وہی نکلے گا کہ بات کفر کی بن جائے گی۔

اب میں یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ یہ صاحب جن کے دور میں یہ سب کچھ ہوا ہے بہت ہی ہوشیار آدمی ہیں۔ بڑی محنت کے ساتھ سلسلے کے کام بھی کئے۔ بچوں کو پڑھایا، بڑوں کے دل جیتے اور ان کی تائید میں باتیں ہوتی رہیں اور مطالبے سارے ایسے ہیں جو ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری خاطر ہیں اور ساتھ ہی مسلسل اپنا دامن بچاتے رہے کہ جی! میں نے تو یہ اطلاع امیر صاحب کو کر دی ہے اور امیر صاحب بڑے تجربہ کار ہیں، وہ بڑے سمجھ دار آدمی ہیں وہ آپ کو خود بتا دیں گے اور سمجھ لیا کہ میں تو دونوں طرف سے بری الذمہ ہوں۔ یہ بھی ایک سوچا جا سکتا تھا مگر میں یہ نہیں سوچتا۔ دماغ میں یہ احتمال پیدا ہوا بھی ہے لیکن یہ احتمال میں زبردستی رد کرتا ہوں کیونکہ اس صورت میں مجھے ہر قدم پر اس کی نیت پر حملہ کرنا پڑے گا لیکن بے وقوفی اس حد تک کہ ان سب باتوں کے متعلق علم ہونا چاہئے جو جامعہ کے ایک بچے کو بھی علم ہونا چاہئے کہ یہ باتیں نظام سلسلہ کے خلاف ہیں۔ ان پر اپنی ذمہ داری محسوس کرنے کی بجائے اس ذمہ داری کو اپنے افسر بالا کی طرف انسان منتقل کرتا چلا جائے اور اس پر خاموش بیٹھا رہے اور جماعت میں ہر دلعزیز رہے۔ یہ بہت خطرناک بات ہے اگر یہ بے وقوفی کا فتنہ ہے تو بہت ہی سخت فتنہ ہے۔ ایسا مبلغ جو قابل اعتراض باتوں پر ٹوکتا ہو اور سختی سے آگے مقابلہ کرتا ہو وہ ہر دلعزیز نہیں رہ سکتا اس کے خلاف باتیں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ ساری جماعت اس کی تائید میں ہو کہ جی! بہت ہی بہترین خدمت کرنے والا ہو اور باتیں یہ کر رہی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی قصور کہیں واقعہ ہوا ہے۔ جماعت تو اس حد تک پکڑے گی جس حد تک بے وقوفی کے نتائج سامنے آئیں گے۔ اگر نیت کا بھی فتور ہے تو جماعت کی پکڑ پر معاملہ ختم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ جاری رہے گی کیونکہ وہ نیتوں کی کنہہ تک پہنچتا ہے اور پھر اس سلسلے کو جاری رکھتا ہے جب تک کہ اس شخص کی نیتیں کڑوے پھل بن کر اس کے سامنے ظاہر نہیں ہو جاتیں اس لئے نیتوں کے معاملے میں مجھ سے معافی نہ مانگیں۔ نہ میں اس میں دخل دیتا ہوں۔ نہ مجھے معافی کا حق ہے۔ خدا سے معافی مانگیں اور اپنے آپ کو ٹٹولیں۔ مجھ پر الزام بے شک لگائیں کہ ضرورت سے زیادہ سختی کی ہم تو سادگی میں باتیں کرتے تھے۔ مجھے اس الزام کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں جماعت کو کسی فتنے میں ملوث نہیں ہونے دوں گا اور تا زندگی یہ میرا عہد ہے کہ خدا کی قسم! **میرا ذرہ ذرہ بھی اس راہ میں فنا ہو جائے، ساری**

دنیا مجھ پر لعنتیں ڈالے مگر میں خدا کی لعنت کو قبول نہیں کرسکتا اور جہاں تک مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس نظام کا تعلق ہے اس کی حفاظت میں ہمیشہ سینہ سپر رہوں گا۔آپ بھی میرے لئے دعا کریں اور اپنے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اجتماعی رنگ میں اس عہد کو تادم آخر پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک بات جس کا میں نے کہا تھا میں بعد میں ذکر کروں گا وہ میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔ یہ جو فرضی کہانی ہے کہ ۴ لاکھ کے قریب جماعت سویڈن کا چندہ ہے اور اس میں سے ایک لاکھ بھی مالمو پر خرچ نہیں ہوتا۔اس کا Break Down اب میں آپ کو بتا دیتا ہوں تا کہ یہ بتاؤں کہ ان میں سے کسی نے اتنی بھی عقل نہیں کی کہ دیکھ تو لیں کہ واقعاتی طور پر حقائق کیا ہیں۔اعداد وشمار کیا ہیں۔

سویڈن کی جماعت کا چندہ گزشتہ ۳ سال سے گر رہا ہے۔ یہ بھی میرا خیال ہے ان باتوں کی ہی نحوست ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور ۴ لاکھ تک کبھی بھی نہیں پہنچا۔سارے شامل کر کے بھی نہیں پہنچا۔ جماعت کے خرچ کو چلانے کے لئے مرکز اپنے حصہ سے جو حصہ مرکز کہلاتا ہے۔جس کا تعلق خالصۃً مرکز کے فیصلے پر ہے جس جگہ چاہے خرچ کرے۔اس ملک میں کرے۔دنیا میں کہیں اور کرے اور اس ملک کا تعلق نہیں رہتا۔اسے اگر شامل بھی کر دیا جائے یعنی ابھی نکالا نہ جائے تو کل چندہ جو جماعت مالمو نے ادا کیا تھا وہ سال ۹۰۔۹۱ء میں ایک لاکھ ۶۱ ہزار ۴۰۸ کرونہ تھے۔اس میں سے حصہ مرکز جس کا مقامی طور پر کوئی حق نہیں ہوتا۔اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ ۶۰ ہزار ۶۴۴ ہے۔ گویا انہوں نے لازمی چندہ جات تحریک جدید، وقف جدید وغیرہ میں جو کل ادا کیا وہ ایک لاکھ ۶۴ ۷ کرونہ تھا۔اب اس کو یاد رکھ لیجئے۔سارے سال میں وہ چندہ اگر ۱۰۰ فیصدی ان کی جماعت پر خرچ کیا جائے تو ایک لاکھ ۶۴ ۷ بنتا ہے۔اس کے مقابل پر سال ۹۰۔۹۱ء میں مالمو پر خرچ ایک لاکھ ۳۸ ہزار ۳۰۳ تھا اور اس کے علاوہ مرمت مشن کے لئے ۴۰ ہزار کرونز الگ مرکز نے دیا گویا ایک لاکھ ۸۷ ہزار ۳۰۳ ان پر خرچ ہوا۔ان کی طرف سے کل چندہ ایک لاکھ ۶۱ ہزار ادا کیا گیا۔حصہ مرکز نکالا جائے جیسا کہ ہر جگہ سے نکالا جاتا ہے تو پیچھے ایک لاکھ ۶۴ ۷ ان کا حصہ ہے۔ایک لاکھ ۸۷ ہزار ان پر خرچ ہو رہا ہے اور ابھی مانگ رہے ہیں کہ باقی ہمارا واپس کرو۔ وہ کونسا باقی ہے؟ کہاں سے آیا یہ تو ویسی بات ہے جیسے ایک اندھے کے ساتھ مل کر کسی نے حلوہ کھایا تھا تو تھوڑی دیر کے بعد اندھے کو خیال آیا کہ یہ آنکھوں

والا ہے تیز نہ کھا رہا ہو اس نے تیزی سے شروع کر دیا اور پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے وہ دو ہاتھوں سے کھا رہا ہو مجھے کیا پتہ ہے۔ اس نے دو ہاتھوں سے کھانا شروع کر دیا۔ پھر خیال آیا کہ میں اندھا ہوں مجھے کیا پتہ ہو سکتا ہے کوئی اور تدبیر کر رہا ہو تو حلوہ اٹھا کر ایک طرف بیٹھ گیا کہ باقی میرا حصہ ہے تو مالمو کی جماعت کا اندھا پن تو اس مقام پر پہنچ گیا ہے۔ دیکھا ہی نہیں کہ ہم کتنا دیتے ہیں۔ کتنا ہم پر خرچ ہو رہا ہے اور آپ باقی اٹھانے کی فکر میں ہیں کہ جی! جو کچھ مرکز والے اور سارے ہمارا کھا چکے ہو اب باقی ہمارا حصہ ہمیں واپس کر دو۔

عقل کی کمی، تقویٰ کی کمی یہ دونوں طرح جہالت ہے اور نتیجہ وہی اندھیرا ہے جس اندھیرے سے اسلام بدنصیبوں کو نکال کر روشنی میں لے کر آیا تھا اور دلوں کے ٹیڑھے پن پھر لوگوں کو واپس انہی اندھیروں میں لے کر چلے جاتے ہیں۔ ساری عالمی جماعت کو اپنے لئے دعا کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ۱۴۰۰ سال کے بعد جس روشنی کو دوبارہ ثریا سے کھینچ کر نیچے اتارا ہے اور جو محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کی روشنی ہے کبھی بھی دوبارہ قیامت تک اٹھنے نہیں دیں گے چمٹے رہیں گے۔ جان بھی جائے گی تو اس کو جانے نہیں دیں گے۔ ان اندھیروں کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ ان کے سایوں کو بھی کبھی قبول نہیں کریں گے جن کو جاہلیت کے اندھیرے کہا جاتا ہے۔ آمین

جماعت کو جو مال دیا جاتا ہے اس پر دینے والے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ پاک نیت سے چندے دیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج میں دو تین متفرق امور سے متعلق جماعت سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں سب سے پہلے تو گزشتہ خطبے کے مضمون کو دوبارہ از سر نو چھیڑنا ہے۔ وہ فتنہ جو مالمو میں پیدا ہوا جس کی بروقت سرزنش کی گئی اس سلسلہ میں ایک دو وضاحتوں کی ضرورت ہے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے چندہ دیا اور پھر مانگا ان پر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ یہ مثال صادق آتی ہے کہ تحفہ پیش کرنے والا اگر اس کی واپسی کا خیال کرے تو ایسا ہی ہے جیسے قے کر کے اسے دوبارہ چاٹے (مسلم حوالہ۔۔۔۔۔۔۔۔) اور یہ ایسی مکروہ چیز ہے جو انسانی تعلقات میں بھی قابل قبول نہیں، کجا یہ کہ خدا کے تعلق میں انسان یہ وہم بھی کر سکے کہ خدا کے حضور کچھ پیش کر کے اسے واپس مانگا جائے۔ چنانچہ اس حدیث کی روشنی میں میں نے اس معاملہ کی کراہت کو ظاہر کرتے ہوئے بیان کیا تھا کہ اس رقم کا واپس کرنا ہی بہتر ہے لیکن اس ضمن میں بعض اور سوال اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور بعض فتنوں کے دروازے بھی کھل سکتے ہیں اس لئے ان کی پیش بندی کے لئے میں اس معاملہ کو دوبارہ چھیڑ رہا ہوں۔

مضمون اپنی ذات میں درست ہے۔ ایسے شخص کے متعلق کراہت کا اظہار اس سے بہتر

الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی چندہ دینے والا بعد میں اس عذر کو سامنے رکھ کر یا کسی اور عذر کی بناء پر چندے کی واپسی کا مطالبہ کرے ایسی صورت میں جماعت پر نہ واپسی فرض ہے، نہ اس کا کسی قسم کا حق ہے نہ وہ کوئی قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ کئی مرتدین نے یہ قسمت آزما دیکھی ہے لیکن عدالتوں نے ان کے اس موقف کو رد کر دیا ہے اس لئے جہاں تک اس کا تعلق ہے جسے چیز دی جائے اس کا اس چیز کو واپس کرنا ضروری نہیں کیونکہ واقعۃً اس تک قے نہیں پہنچتی، چاٹنے والے کے لئے قے ہے اور اس معاملہ میں غالباً میں نے جو تشریح کی تھی اس کو ضرورت سے زیادہ ممتد کر دیا تھا زیادہ کھینچ دیا تھا جو درست نہیں تھا۔ چندہ خواہ گندی نیت سے دیا جائے یا ریا کاری سے دیا جائے یا کسی اور مکروہ بات کے ساتھ دیا جائے جب ایک دفعہ سلسلہ کو مل جاتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا مکروہ فعل اس کی طرف لوٹایا جاتا ہے لیکن روپے کا لوٹنا ضروری نہیں ہے اس لئے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ جو چندہ سلسلے کو ایک دفعہ پیش کیا جائے پیش کرنے والا چاہے کیسی ہی مکروہ نیت سے پیش کرے اسے مانگنے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ مانگتا ہے تو اس کے اوپر قے والی مثال صادق آتی ہے۔ باقی اس کے باوجود میں نے اس کی واپسی کا فیصلہ کیوں کیا؟ تو دراصل اس کے پیچھے سزا کا مضمون ہے۔ حق کے طور پر واپس نہیں کیا جا رہا بلکہ سزا کے طور پر کیونکہ ایک احمدی مخلص کے لئے اس سے بڑی سزا کم ہوگی کہ اس کا چندہ اسے لوٹا دیا جائے اور آئندہ کے لئے اسے چندہ دینے سے محروم کر دیا جائے۔

کل ایک ملاقات کے دوران جس میں یوگوسلاویہ کے کچھ دوست تشریف لائے ہوئے تھے۔ ایک سیاسی راہنما جو جماعت میں بھی دلچسپی رکھتے تھے، ان کو مالی نظام کی بحث میں جب میں نے یہ بتایا کہ ہم چندہ دینے والے کو جو زیادہ سے زیادہ سخت سزا دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسے چندہ واپس کر دیں یا اسے کہیں کہ آئندہ تم سے چندہ نہیں لیا جائے گا۔ اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے تو حیرت کے ساتھ ان کے منہ پھٹے کے پھٹے رہ گئے۔ انہوں نے کہا یہ سزا ہے؟ دنیا میں تو کسی کو Tax واپس کریں تو وہ تو چھلانگیں لگائے، گھروں میں ناچ گانے ہوں کہ شکر ہے ہمارے پیسے واپس ہو گئے یہ عجیب جماعت ہے جس کی سزا یہ ہے کہ پیسے واپس کر دیئے جائیں۔

تو دراصل پچھلے خطبہ میں ہی کھول کر مجھے یہ سمجھا دینا چاہئے تھا کہ جماعت واپسی کی ذمہ دار

نہیں ہے۔ اگر تقے بھی ہے تو معنوی لحاظ سے اس کے لئے تقے ہے جو مانگتا ہے مگر جو روپیہ ایک دفعہ سلسلے کو دے دیا جائے اس کو واپس لینے کا کوئی حق نہیں ورنہ مالی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ چندہ واپس کر دینا یا آئندہ نہ لینا اس کی سند الگ احادیث میں موجود ہے اور ایسے اقدامات ہمیشہ سزا کے طور پر کئے گئے ہیں نظام جماعت میں بھی تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ناراضگی اور سزا کے اظہار کے طور پر ایسا کیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی بات ہے کہ اس طرح سزا کے نتیجہ میں ایک شخص ساری زندگی عذاب میں مبتلا رہا لیکن پھر بھی اس سے روپیہ وصول نہیں کیا گیا۔ تو یہ مضمون دراصل اس حکمت سے تعلق رکھتا ہے اسے دوسرے امور پر کھینچ کر اس کا غلط استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ مجلس عاملہ نے ایک بات کی، اس کی سزا جماعت کو کیوں ملے؟ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ بعض دفعہ جب ایک قوم کے راہنما کوئی خطرناک غلطی کرتے ہیں تو قوم بھی اس کے ساتھ سزا پاتی ہے۔ اہل مدینہ میں سے ایک بد بخت نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں جب آنحضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا تو اہل مدینہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کی طرح تڑپ رہے تھے اور بار بار عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! ہمارا قصور نہیں۔ ہم نے تو نہیں کہا۔ اس بد بخت نے کہا ہے مگر آنحضور ﷺ اس ناراضگی کے اظہار میں رکے نہیں۔

پس بعض دفعہ کسی قوم کی بدنصیبی ہے کہ اس کے راہنما، اس کے چنیدہ لیڈر ایسی بدبختی کی بات کر دیں جس کا آزار سب کو پہنچے اور سب کو اس سے تکلیف ہو لیکن یہ ایک ایسی تکلیف ہے جس میں صرف وہ لوگ شریک نہیں ہیں جن کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے بلکہ خود میں بھی شریک ہوں کیونکہ میرے لئے ایسے احمدیوں کے متعلق جو کسی رنگ میں بھی اس معاملہ میں ملوث نہ ہوں یہ فیصلہ کرنا سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ ان کا چندہ لوٹایا جائے۔ چنانچہ گزشتہ ایک ہفتہ بہت تکلیف کی حالت میں بار بار دعا بھی کی، استغفار بھی کیا اور وہاں سے آئے ہوئے احتجاجات کا بھی مطالعہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ باقی جماعت میں سے جن کے متعلق یہ علم ہو کہ ان کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا ان کے اوپر اس فیصلہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ان کے لحاظ سے یہ فیصلہ منسوخ ہے لیکن یہ ہے تعجب انگیز بات کہ ساری عاملہ ایک بات پر متفق ہو اور بار بار اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتی ہو اور اس وقت کا صدر رپورٹوں

میں یہ لکھتا ہو کہ ساری جماعت کے یہی خیالات ہیں اور اس کے باوجود خطوط یہ ملیں کہ ہمارے خواب وخیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی نہ کبھی ہم نے سنی تو عجیب سی عاملہ تھی جو انتہائی خفیہ سازش کے طور پر بند کمروں میں باتیں کرتی تھی اور جماعت کو اس کی کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ تعجب انگیز ہے لیکن ہمارا یہ حق نہیں ہے کہ اس کے باوجود کوئی شخص حلفاً یا کھلے کھلے اقرار کے ساتھ یہ بات کہے کہ میرے علم میں یہ بات نہیں تھی اس لئے میں نے احتجاج نہیں کیا تو ہم اس پر بھی یہ سزا عائد رکھیں اس لئے میں یہ اعلان کر دیتا ہوں کہ وہ سب احباب جماعت مالمو جن کے علم میں یہ بات نہیں آئی یا وہ مجلس عاملہ کی میٹنگ میں شامل نہیں تھے اور بالعموم ان کا رجحان اس قسم کا نہیں ہے ان کو بھی سزا سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔

ایک اور بات یہ کہ اگر دنیا پر یہ تاثر پڑا ہے کہ مالمو کی ساری جماعت نعوذ باللہ گندی ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا بہت سے مخلصین ہیں۔ بہت سے ایسے نوجوان ہیں جن کے اخلاص میں کوئی شک نہیں۔ جب ان کے علم میں یہ بات آئی تو انتہائی کراہت کے ساتھ انہوں نے دیکھا اور اپنے رشتوں کی بھی پرواہ نہیں کی اور بلا دھڑک ان امور کے خلاف جذبات کی بڑی شدت کے ساتھ احتجاج کیا ہے۔ تو بعض لوگوں کی غلطی سے بعض دفعہ سزا تو ایک رنگ میں سب کو ہی ملتی ہے لیکن ہر ایک کا مجرم ہونا ضروری نہیں ہے اور قرآن کریم نے اس مضمون کو ایک اور جگہ کھولا ہے کہ اس دن کے عذاب سے ڈرو جب معصوم بھی ساتھ پیسے جائیں گے۔ تو بعض تکلیفیں ہیں وہ ہر ایک کو پہنچتی ہیں۔ یہ ایک قانون قدرت ہے بعض اس قسم کی تکلیفیں ہیں جن میں معصوم بھی ساتھ پیسے جاتے ہیں لیکن غلطیاں بعض کی ہوتی ہیں لیکن سزا کے لحاظ سے وہ عقوبت کے مستحق اور سزا وار نہیں ہوتے۔ یہ سزا ایک طبعی قانون کے طور پر چلتی ہے مگر یہ کہ نعوذ باللہ خدا ان سے ناراض ہو یہ بات درست نہیں اس لئے کثرت سے ایسے لوگ وہاں ہوں گے جن سے خدا ناراض نہیں جن کے تقویٰ کے متعلق کوئی شک نہیں، جو اخلاص کے ساتھ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے ہیں ان سب کو بحیثیت جماعت مالمو کے رد کر دینا یا ان کو مطعون کرنا یہ درست نہیں ہے۔

علاوہ ازیں سویڈن میں بھی بحیثیت جماعت بڑی بڑی قربانی کرنے والے لوگ ہیں۔ ماشاءاللہ۔ گوٹن برگ سے جماعت مالمو نے ایک قسم کی رقابت کا مضمون شروع کر رکھا تھا وہاں

ایسے دوست بھی ہیں جنہوں نے اکیلے پورے قرآن کریم کی اشاعت کا خرچ دیا اور بڑی خاموشی کے ساتھ ایک یورپین مشن کے لئے ایک ہی فرد واحد نے بہت بڑی رقم پیش کی ہے یعنی ایک لاکھ پاؤنڈ کے قریب اور اشارۃً بھی یا کنایۃً بھی اس بات کو انہوں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ نہ مجھے کہا ہے اس کو ضبط تحریر میں لایا جائے اور میرا نام ظاہر کیا جائے تو بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کی ہر جماعت بڑے عظیم الشان مخلصین سے بنی ہوئی ہے اور ایسی جماعت نہیں ہے جسے جماعت کے طور پر **نعوذ بالله من ذالك** رد کیا جائے۔ پس مالمو کی جماعت کو بھی اگر تکلیف پہنچی ہے تو لازماً پہنچنی تھی کیونکہ مجلس عاملہ ایک بہت بڑی نمائندہ حیثیت رکھتی ہے۔ وہاں سالہا سال سے ایسی بے ہودہ باتیں ہو رہی ہوں تو لازماً ساری جماعت کے لئے سخت شرم کی بات ہے اور ایسا معاملہ ہے کہ انہیں استغفار کرنا چاہئے مگر بیرونی دنیا کی جماعتوں کو میں سمجھا رہا ہوں کہ وہ **نعوذ بالله من ذالك** اسے جماعت مالمو کے لئے طعن و تشنیع کا موجب نہ بنائیں۔ اگر ان کے رشتے دار وہاں ہیں تعلق والے ہیں تو ان کو یہ حق نہیں ہے کہ اس ناراضگی کے اظہار کے نتیجہ میں وہ ان کو کسی قسم کے طعنے دیں یا کسی رنگ میں گھٹیا سمجھیں۔

اس وضاحت کے بعد ایک اور ہدایت ساری دنیا کی جماعتوں کو یہ دینی چاہتا ہوں کہ جہاں تک میں نے جھگڑوں اور فتنوں کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے ایک سبب ہر جگہ موجود دکھائی دیا ہے کہ **جب بھی کوئی بداخلاق آدمی مجلس عاملہ میں آجائے تو اس سے ضرور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسا شخص جس کی زبان میں تیزی ہے جو طبعاً بدخلق آدمی ہے اور پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی بات سے کسی کا دل کٹتا ہے۔ اپنے ساتھی کے ساتھ ادب اور احترام سے گفتگو کرنے کی بجائے کڑوی بات پتھر کی طرح مارتا ہے۔** بعض لوگ اس کا نام سچائی قرار دیتے ہیں کہ دیکھو جی! ہم تو سچی بات کریں گے۔ ہم تو رکھیں گے نہیں۔ یہ سچی بات نہیں ہے یہ بدتمیزی ہے۔ سچ بولنے میں اور سچ بولنے میں فرق ہوا کرتا ہے۔ ایک بااخلاق انسان سچ بات کہتا ہے مگر حتی المقدور کوشش کے ساتھ کہ کسی کو دکھ نہ پہنچے اور جو سچ کے نام پر بدتمیزیاں کرتے ہیں وہ سچے ہوتے بھی نہیں ہیں۔ یہ بھی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب ان کا جائزہ لیا جاتا ہے تو سچ کے نام پر بڑے بڑے جھوٹ بول جایا کرتے ہیں۔ بدخلق انسان سے بچیں اور چونکہ مجالس عاملہ کا انتخاب جماعت کرتی ہے اس لئے جماعت کو اپنے انتخاب

کے وقت اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے ۔ جو شخص اپنی روزمرہ کی گفتگو میں باادب نہیں ہے اور زبان کا کرخت ہے اور چھوٹی چھوٹی بات پر بھڑک اٹھتا ہے ایسے شخص کو اگر آپ مجلس عاملہ میں منتخب کر کے لائیں گے تو اس مجلس عاملہ کا تقدس باقی نہیں رہے گا اور اس کے نتیجے میں صدر یا امیر یا دوسرے عہدیداروں کے لئے بھی شرمندگی کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں اور ساری جماعت کو بھی وہ فتنوں میں ملوث کر سکتا ہے۔ امرائے جماعت کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ جائزہ لیں اگر ان کی عاملہ میں یا ان کے ماتحت جماعتوں کی عاملہ میں کوئی بدخلق لوگ داخل ہو گئے ہیں تو مجھے لکھیں تا کہ پیشتر اس سے کہ کوئی فتنہ پیدا ہو، وہ خود ابتلاء میں پڑیں یا دوسروں کو ابتلاء میں ڈالیں ان کو ان عہدوں سے سبکدوش کر دیا جائے۔ **اگر مجالس عاملہ بااخلاق، باادب باتمیز افراد جماعت پر مشتمل ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایسی مجالس کو فتنوں کا ڈر نہیں ہوا کرتا۔**

اب میں ایک اور مضمون کو مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے کچھ عرصہ پہلے صد سالہ جوبلی کے تشکر کے طور پر ایک تحریک کی تھی جس کا ابتداءً نام ’’صد سالہ جوبلی فنڈ برائے افریقہ وانڈیا‘‘ رکھا گیا تھا۔ یہ تحریک جولائی ۱۹۸۹ء میں ہوئی تھی۔ اس پر بعض ممالک کی طرف سے مجھے توجہ دلائی گئی کہ آپ صرف افریقہ وانڈیا کیوں رکھتے ہیں؟ ضرورتمند اور پسماندہ لوگ جہاں بھی دنیا میں ہیں ان کے لئے اس تحریک کو عام کر دینا چاہئے اس لئے اس کا نام تبدیل کر دیا جائے۔ وہ غالباً میرے مقصد کو پوری طرح سمجھ نہیں سکے تھے۔ یہ غرباء اور ضرورتمندوں کی امداد کے لئے نہیں تھی بلکہ ایسے علاقوں میں خصوصی توجہ کرنے کی خاطر تھی جہاں خدا کے فضل سے احمدیت کے نفوذ کے بہت روشن امکانات پیدا ہو رہے تھے اور ظاہر ہو رہا تھا کہ تھوڑی سی توجہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے توقع سے بہت بڑھ کر نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس پہلو سے یہ تحریک اگر ہندوستان اور افریقہ کے لئے کی گئی تھی تو حکمت اس کے پیش نظر یہی تھی جو میں نے بیان کی ہے لیکن بعض لوگوں کے اصرار کے نتیجہ میں اس کا نام پھر تبدیل کر دیا گیا۔ اب مجھے یاد نہیں کہ نیا نام کیا تجویز ہوا تھا لیکن اب اس تحریک کے اندر انشاء اللہ اسی حکمت کے پیش نظر U.S.S.R کے علاقے بھی شامل ہو جائیں گے کیونکہ وہاں بھی بہت تھوڑی توجہ کے نتیجہ میں بہت زیادہ پھل لگ رہے ہیں اور اس کثرت کے ساتھ U.S.S.R کے باشندے جماعت کے پیغام سے متاثر ہوتے اور لبیک کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں

وقت ہے کہ بڑے زور کے ساتھ اور بڑی تیزی کے ساتھ U.S.S.R کے باشندوں کو بھی احمدیت کا پیغام کثرت سے دیا جائے تو اس لحاظ سے نام کی تبدیلی ایک رنگ میں تو بہتر ہے کہ جو ایسے اور علاقے بھی پیدا ہوتے رہیں گے وہ بھی شامل ہوتے جائیں گے۔

چندے کی جو میں نے تحریک کی تھی وہ اس وقت کے سٹرلنگ کی قیمت کے لحاظ سے ۵ کروڑ پاکستانی روپے یعنی تقریباً ایک ملین پاؤنڈ کی تحریک کی تھی لیکن جہاں تک جماعت کے لبیک کہنے کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈیڑھ ملین کے وعدے موصول ہوئے اور ان وعدوں کے علاوہ بعض ایسی رقمیں بھی موصول ہوئیں جو وعدوں میں شامل نہیں ہیں۔ مثلاً بعض احباب جو براہ راست مجھے رقم پیش کر دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ اپنی مرضی سے اسے جہاں چاہیں خرچ کریں ان کی پیش کردہ اکثر رقمیں میں نے اس فنڈ میں ڈال دیں اور وصولی کی جو رپورٹ ہے اس کے لحاظ سے غالباً ۳۲ ہزار پاؤنڈ ہیں جو اس عرصہ میں بغیر کسی وعدہ کے زائد پیش کئے گئے اور ان میں سے بعض پر میں نے بات کھول دی اور بعض پر شاید نہ بھی کھولی کہ آپ کا اپنا جو وعدہ ہے وہ الگ ہے چونکہ آپ نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ جہاں چاہوں خرچ کروں اس لئے میں سمجھتا ہوں اس مد میں زیادہ ضرورت ہے اس لئے اس کو میں اس میں داخل کر رہا ہوں لیکن یہ آپ کے پہلے وعدہ کے علاوہ ہوگا۔ بہر حال اگر اس کو وعدوں میں شامل کر لیا جائے تو وعدوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔

بہت سی جماعتیں ہیں جو وعدے بھیجتی ہی نہیں ہیں اور صرف چندے بھجوانے شروع کر دیتی ہیں اس لئے وعدوں سے پوری صحیح تصویر سامنے نہیں آسکتی۔ قانون ہے ایک قسم کا کہ ہمیشہ جماعت وعدوں سے زیادہ رقم پیش کیا کرتی ہے اور وعدے پوری طرح منضبط نہیں ہوا کرتے۔ اس تمہید کے بعد اب میں وصولی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

اس تحریک کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے کوتاہی ہوئی اور بار بار جماعتوں کو یاد دہانی نہیں کروائی گئی اور وصولی متوقع رفتار سے بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ اس وقت تک ۳ لاکھ ۴۲ ہزار ۵۶۷ پاؤنڈ کی وصولی ہوئی ہے اور جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے اس مد سے ۵ لاکھ سے زائد کے اخراجات ہو چکے ہیں بلکہ اگر افریقہ میں جو خصوصی پریس لگوائے گئے ہیں ان کو شامل کر لیا جائے تو تقریباً ۷ لاکھ کے قریب اس میں سے خرچ ہو چکا ہے لیکن وصولی ابھی تک صرف ۳ لاکھ پاؤنڈ ہے۔ اس کی بڑی وجہ

یاددہانی کے نظام کی کمزوری ہے کیونکہ جن جن جماعتوں میں بھی مستعدی کے ساتھ یاددہانی کرائی جائے وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمیشہ جماعت اپنے وعدے پورے کرتی ہے بلکہ بسا اوقات وعدوں سے زیادہ ادا کرتی ہے تو تمام دنیا کی جماعتوں کو میں اس خطبہ کے ذریعہ مطلع کرتا ہوں کہ اس سلسلہ میں متعلقہ سیکرٹری کو بیدار کریں۔اس کے ساتھ ایک ٹیم تیار کریں جو ساری جماعتوں کا جائزہ لے کر سلیقہ کے ساتھ ان کو یاددہانی بھی کروائے اور یہ بھی دیکھے کہ جتنے وعدے کئے گئے تھے عملاً اتنے ہی موصول ہوئے ہیں یا زائد ہو چکے ہیں اوران زائد وعدوں کی اطلاع بھی مرکز کو کرے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ بعض دفعہ جماعتیں بالمقطع وعدہ کر دیتی ہیں اور ہم وعدہ میں وہی شمار کرتے ہیں مثلاً انگلستان نے ۵۰ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ کیا ہے تو یہی ۵۰ ہزار وعدوں میں شمار کیا جائے گا لیکن واقعۃً انگلستان کی جماعت بعض دفعہ اس سے زیادہ چندے اپنی جماعت کو لکھوا چکی ہوتی ہے۔ یا بغیر وعدوں کے زیادہ رقمیں دے دیتی ہے تو اگر اس کا علم مرکز کو نہ ہو تو بہت سی حسابی غلطیاں ہوسکتی ہیں اور بہت سی کوششوں میں کوتاہی ہوسکتی ہے۔مثلاً انگلستان میں عملاً ۶۰ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ ہو تو جب رقم ۵۰ ہزار تک پہنچے گی تو مرکز سمجھے گا کہ وعدہ وصول ہو چکا ہے۔اب مزید یاددہانیوں کی ضرورت نہیں ہے اور مرکز بھی ڈھیلا پڑ جائے گا اور چونکہ ملک کو یاددہانی نہیں ہوگی وہ بھی اسی لحاظ سے ڈھیلے پڑ جائیں گے۔اس لئے اصل واقعاتی اعداد و شمار کا ہم تک پہنچنا ضروری ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ایک مہم کے ذریعے تو اعداد و شمار درست کئے جائیں گے اور پھر توجہ دلائی جائے گی۔

توجہ دلانے میں ہمیشہ نرمی رکھنی چاہئے بعض لوگ کئی قسم کے مالی بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں اگر ان کو توجہ دلانے میں ضرورت سے زیادہ احساس دلایا جائے تو بعض دفعہ ان کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔اس لئے توجہ دلانے میں نرمی رکھیں اور دعا کریں مگر توجہ ضرور دلائیں اور نرمی کے پہلو اس طرح کہ آپ کی طرف سے وعدہ تھا ابھی تک ۲/۳ ملنا چاہئے تھا مگر ۱/۱۰ ابھی نہیں ملا مثلاً تو ہم آپ کو توجہ دلاتے ہیں اگر آپ سہولت کے ساتھ جلدی یہ رقم ادا کرنے کی کوشش کریں۔اس رنگ میں اگر تحریک کی جائے تو کسی پر بوجھ نہیں پڑتا لیکن میرا یہ تجربہ ہے کہ اگر نرمی اور پیار سے تحریک کی جائے اور دعا کی جائے تو شدت کی جو رسمی تحریکیں ہیں ان سے بہت زیادہ بابرکت ہوتی ہے۔بعض لوگ لکھنے میں تیز ہوتے ہیں۔وہ بعض دفعہ اس طرح کی تحریریں لکھ دیتے ہیں کہ گویا ملزم کر رہے ہیں آپ کو پتا نہیں کہ

کتنا وقت گزر گیا ہے آپ نے وعدہ کیا تھا خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یوں کریں اور دوں کریں ایسے ایسے سیکرٹریان مال بھی میں نے دیکھے ہیں لیکن ان کے لکھے میں برکت نہیں ہوتی لیکن ایک شخص جو انسانی قدروں کا ادب کرتے ہوئے، انسانی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مخلص کے جذبات کو ٹھوکر لگائے بغیر نرمی اور پیار سے یاددہانی کراتا ہے اور ساتھ دعا بھی کرتا ہے تو اس کے لکھے میں بہت برکت پڑتی ہے اس لئے اس عمومی ہدایت کے تابع اس یاددہانی کے نظام کو تیز کریں اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کے نیک نتائج ظاہر ہوں گے۔

اب میں آخر پر ملک وار جماعتوں کا نقشہ پیش کرتا ہوں لیکن سب جماعتوں کے کوائف پڑھنے کا تو وقت نہیں ہوگا بعض کے پڑھنے ضروری ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ممالک ایسے ہیں جنہیں یہ پسند نہیں کہ وہ پیچھے رہ جائیں اور بعض تحریکات پر جب زیادہ زور نہ دیا جائے تو بعض دفعہ وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور ان کو علم نہیں ہوتا اس لئے جب وہ فہرست میں اپنا نام سنیں گے کہ کس نمبر پر آیا ہے تو از خود ان میں ایک عام تحریک پیدا ہوگی ایک اچھے کام کے لئے رقابت پیدا ہوگی اور اس کے نتیجہ میں امید ہے کہ ان کے وعدوں میں مزید برکت پڑے گی۔ مثلاً اگر کینیڈا، امریکہ سے دگنے وعدے کر چکا ہو جبکہ مالی استطاعت کے لحاظ سے امریکہ کو خدا نے زیادہ استطاعت دی ہو اور امریکہ کے احمدیوں کو علم ہی نہ ہو کہ کس جگہ کھڑے ہیں تو ایسی فہرستیں جب ترتیب سے پڑھی جاتی ہیں تو اس سے بہت سے مخلصین کے دل میں خود ہی خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی جماعت کے لئے غیرت دکھاتے ہیں اور اس لحاظ سے بھی بڑھ بڑھ کر چندے دیتے ہیں۔

اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان دنیا کے سب ممالک میں اول ہے اور سٹرلنگ کے لحاظ سے ۶ لاکھ ۴۹ ہزار ۸۵۲ پاؤنڈ کے وعدے ہیں۔ کینیڈا کے وعدے ۲ لاکھ ۶۸ ہزار ۸۱۷ سٹرلنگ پاؤنڈ کے ہیں۔ امریکہ کے ایک لاکھ ۳۴ ہزار ۴۰۹ جرمنی کے ۵۱ ہزار ۹۶۴ اور یوکے کے ۵۰ ہزار۔ ماریشیس ۴۰ ہزار۔

میرے ذریعہ جو رقوم وکالت مال کو مل چکی ہیں وہ ۳۲۵۲۹ پاؤنڈ کی ہیں۔ ناروے کا وعدہ ہے ۲۲۷۵۰ پاؤنڈ، جاپان ۲۱۱۶۸ پاؤنڈ، سوئٹزرلینڈ ۲۱۱۳۴ پاؤنڈ، انڈونیشیا ۱۶۹۱۱ پاؤنڈ، سویڈن ۱۵۰۰۵ پاؤنڈ، ہندوستان ۱۰۷۵۳، ڈنمارک ۸۸۲۴، فرانس ۶۴۳۳، آسٹریلیا ۵۹۰۵، ہالینڈ ۵۵۶۴، سنگاپور ۲۰۴۷۔ سویڈن

۱۱۵۰۰۵، سپین ۱۷۷۷، بیلجیئم ۱۱۰۶ پاؤنڈ اور باقی متفرق ممالک ہیں۔ ان میں غانا خاص طور پر اس لئے قابل ذکر ہے کہ غانا کے اقتصادی حالات بہت ہی زیادہ خراب ہیں۔ اس کے باوجود افریقہ میں غانا سب سے آگے نکل گیا ہے اور ۱۲۳۲۹ پاؤنڈ کا غانا کا وعدہ ہے اس کے برعکس نائیجریا جس کو اللہ تعالیٰ نے غانا کے مقابل پر بہت زیادہ دولت عطا فرمائی ہے اور انفرادی طور پر بھی خدا کے فضل سے بہت اچھے کھاتے پیتے احمدی موجود ہیں ان کا وعدہ صرف ایک ہزار ۳۷ پاؤنڈ کا ہے۔ تو اس میں یہ اندازہ تو نہیں لگایا سکتا۔ یہ جائز نہیں ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ نائیجریا کے احمدی اخلاص میں بہت پیچھے ہیں کیونکہ میرا ذاتی علم ہے کہ خدا کے فضل سے یہ بہت ہی مخلص جماعت ہے اگر چہ سخاوت کے لحاظ سے غانین مزاج باقی افریقہ کے مقابل پر بہت اونچا ہے۔ غانین لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی توفیق سے بڑھ کر خرچ کرنے کا خدا تعالیٰ نے ایک ایسا ملکہ ودیعت فرمایا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا فطری رجحان عطا فرمایا ہے کہ جس کی وجہ سے غانین اس پہلو سے باقی افریقنوں کے مقابل پر جو خود بھی بڑے اچھے ہیں نمایاں طور پر بڑھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

اس کو پیش نظر رکھ کر بھی میں سمجھتا ہوں کہ ضرور اس میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ غانا کا اخلاص اپنی جگہ مگر نائیجریا اتنا پیچھے رہ نہیں سکتا۔ ناممکن ہے۔ نظام جماعت کی کوئی کمزوری ہے۔ وہاں جس شخص کے بھی سپرد یہ کام ہے، امیر کو چاہئے کہ خود بھی متوجہ ہوں اور ان کو بھی متوجہ کریں اور از سرنو نائیجریا میں اس چندے کی تحریک ہونی چاہئے اور بھی اسی قسم کے بعض غیر متوازن وعدے ہیں جو ملکی حالات اور اقتصادی حالات کے پیش نظر تعجب انگیز ہیں۔ میں ان کی تفصیل میں نہیں جاتا لیکن بہت سے ایسے غریب ممالک ہیں جنہوں نے خدا کے فضل سے اپنی توفیق سے بہت بڑھ کر وعدے کئے ہیں ۔توفیق تو خدا بڑھا ہی دیا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ظاہری حالات میں جس اقتصادی بحران سے ممالک گزر رہے ہیں اس کے باوجود خدا کے فضل سے مالی قربانی میں پیچھے نہیں ہیں اور بعض ممالک تو بہت چھوٹے چھوٹے ہونے کے باوجود اپنے چندوں میں بہت آگے ہیں۔ ان سب کے نام یہ فہرستیں بھجوادی جائیں گی تا کہ وہ خود موازنہ بھی کرسکیں۔ صرف ان کے کوائف نہیں دیئے جائیں گے بلکہ ساری دنیا کے کوائف کا جو خلاصہ ہے وہ ساری دنیا کی جماعتوں کو بھجوادیا جائے گا تو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے پیش نظر وعدے بھی بڑھیں گے اور چندوں کی ادائیگی میں بھی بہتری ہوگی۔

ادائیگی کے لحاظ سے اب دیکھتے ہیں کہ کونسا ملک آگے ہے اور اس میں ایک حیرت انگیز چیز یہ دکھائی دیتی ہے (حیرت انگیز تو نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پاکستان کو جو فضیلت عطا کر دی ہے اسے وہ قائم رکھے ہوئے ہے) کہ پاکستان کی ادائیگی باقی ممالک کے مقابل پر بہت بہتر ہے۔ ۸۵۳۱۸ پاؤنڈ کے لگ بھگ پاکستان کی ادائیگی ہو چکی ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس خطبہ کے بعد انشاء اللہ اس میں نمایاں اضافہ ہوگا۔

جو حیرت کی بات تھی وہ یہ تھی کہ کینیڈا کا وعدہ امریکہ سے بہت زیادہ اور ادائیگی بہت پیچھے یعنی امریکہ کا وعدہ تو ہے ۳۴۱۰۰ کا لیکن ادائیگی ۵۵ ہزار ہو چکی ہے نسبت کے لحاظ سے ابھی کم ہے لیکن اچھی معقول ادائیگی ہے اور کینیڈا کا ۲ لاکھ ۶۸ ہزار ۷۸۱ کا وعدہ تھا لیکن ادائیگی صرف ۹ ہزار ۶۳۸ ہے۔ کینیڈا کے لئے ایک عذر موجود ہے جو بکثرت استعمال ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا مشن بنا رہے ہیں اس لئے ان کے چندوں کی طرف توجہ ہے۔ مشن کی طرف توجہ بجا لیکن جنہوں نے مشن کا چندہ لکھوایا اور اس کے علاوہ دوسرے چندے لکھوائے انہوں نے اپنا حال دیکھ کر ہی چندہ لکھوایا ہوگا اس لئے یہ عذر جو بار بار پیش کیا جاتا ہے اس میں حقیقت کوئی نہیں ہے سستی پر پردہ ڈالنے کا ایک بہانہ ہے۔ جو سیکرٹری جس کام کا ذمہ دار ہے اسے اپنے کام کی طرف توجہ کرنی چاہئے اگر وہ صحیح طریق پر مسلسل محنت سے یاددہانیاں کرائے اور اپنے شعبے کا حق ادا کرے تو کبھی بھی ملک پیچھے نہیں رہ سکتے اس لئے کینیڈا میں لازماً کہیں کوئی سستی ہے۔ کوئی غفلت ہے اس کی طرف توجہ کریں۔ امریکہ میں خدا کے فضل سے مالی لحاظ سے اب بہت بہتر مستحکم رنگ میں کام چل پڑا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے مزید اور فوائد ظاہر ہوں گے۔

جرمنی بھی وعدوں کے لحاظ سے تو ٹھیک ہے لیکن اب تک وقت گزرنے کے لحاظ سے جتنی وصولی ہونی چاہئے تھی ابھی نہیں ہو سکی۔ ۵۱ ہزار کا وعدہ تھا اور ۱۹ ہزار ۶۹۲ وصولی ہے۔ یو کے وصولی کے لحاظ سے میرا خیال ہے کہ سب سے آگے بڑھ گیا ہے کیونکہ یو کے۔ کا ۵۰ ہزار کا وعدہ تھا اس میں سے ۳۹ ہزار پاؤنڈ ہو چکے ہیں۔ یعنی دو تہائی سے زائد ادا کر چکے ہیں جب کہ ابھی پورا دو تہائی وقت نہیں گزرا جس کا مطلب ہے کہ پاکستان سمیت دنیا کے ہر دوسرے ملک سے اس وقت خدا کے فضل سے یو۔ کے کی جماعت آگے ہے اور جو ۳۲ ہزار میرے ذریعے ملا ہے اس میں بھی یو کے کے بہت

سے دوست شامل ہیں چونکہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے اس لئے ان کو عمومی کھاتے میں ڈالا گیا ہے، یو۔کے کی جماعت میں نہیں ڈالا گیا مگر یو کے کا اس کے ساتھ تعلق ضرور ہے۔

جاپان بھی اللہ کے فضل سے وعدوں کے لحاظ سے تقریباً ٹھیک ہے لیکن ابھی تناسب کے لحاظ سے پیچھے ہے۔ باقی ممالک میں تو کوئی قابل ذکر ایسی نسبت نہیں ہے جس کے متعلق یہاں کچھ بیان کیا جائے۔ بالعموم شکل یہ بنتی ہے کہ تین میں سے دو سال گزر رہے ہیں اور تین میں سے ایک وعدہ وصول ہوا ہے یعنی ایک تہائی وصول ہوا ہے جبکہ دو تہائی وصول ہونا چاہئے تھا۔ مجھے اب یاد نہیں رہا ہوسکتا ہے میں نے مدت بڑھا کر ۵ سال تک کر دی ہو کیونکہ مجھے یاد ہے کہ کراچی کے امیر صاحب نے یہ کہا تھا کہ اگر میں ۵ سال کی مدت کر دوں تو امید ہے انشاء اللہ چندے زیادہ بھی ملیں گے اور جماعتوں کو سہولتیں بھی ملیں گی تو اگر ۵ سال کی مدت کر دی گئی تھی تو اس میں ایک اشکال یہ پیدا ہو جائے گا کہ جن جماعتوں نے تین سال کی نسبت سے وعدے کئے تھے ان کی ادائیگی ہم تین سال کے حساب سے شمار کریں گے یعنی ہونی چاہئے تھی۔ اگر پانچ سال ہے تو پانچ سال کی نسبت سے وعدہ بھی تو بڑھنا چاہئے تھا اس لئے چونکہ پہلا وعدہ تین سال کی پیش نظر رکھ کر کیا گیا تھا۔ اس لئے جب ان کی یاد دہانی کرائی جائے گی تو تین والی نسبت کو پیش نظر رکھ کر یاد کرایا جائے گا کہ آپ نے تین سال کے پیش نظر وعدہ کیا تھا۔ دو سال گزر چکے ہیں دو تہائی آپ کی وصولی ہو جانی چاہئے تھی۔ مگر بہر حال جنہوں نے ۵ سال کی نیت سے وعدہ لکھوایا ہے ان کے لحاظ سے ہوسکتا ہے ان کی رفتار قابل تسلی ہو۔

اب یہ کوائف آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ عمومی نصیحتیں کر چکا ہوں۔ خدا کے حضور جماعت کی معرفت جو روپیہ پیش کیا جاتا ہے اس پر ہمیشہ نگران رہیں یہ روپیہ ظاہری طور پر تو خدا کو نہیں پہنچتا کیونکہ خدا ہی ہے جو تمام کائنات کا مالک ہے اسے اس روپے کی ظاہری احتیاج نہیں ہے۔ ہاں اس کے بتائے ہوئے نیک کاموں پر خرچ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس روپے کو قرض قرار دیا ہے اور یہ اس کا احسان ہے میں کئی دفعہ سوچتا ہوں کہ اسے قرض کیوں قرار دیا گیا؟ اس لئے کہ واقعۃً آپ خدا کو تو روپیہ دے ہی نہیں سکتے اسی کا ادا کیا ہوا مال اسی کی سب کچھ عطا ہے اس کو ہم واپس کیسے کر سکتے ہیں اس لئے قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو دو عنوانات کے تحت بیان فرمایا ہے ایک تحفہ۔ تحفہ کے متعلق تو یہ مسلمہ بات ہے کہ تحفہ میں یہ بحث نہیں اٹھا کرتی کہ کس نے کس کو دیا تھا اور

اس نے کتنا اس کو دیا کیونکہ ماں باپ جو اپنے بچوں کو سب کچھ دیتے ہیں ان ہی کی آمد پر ان کے سب گزارے ہیں سب اخراجات چل رہے ہوتے ہیں، بچے بعض دفعہ اپنی آمد میں سے ان کو تحفہ دے دیتے ہیں اور ماں باپ بڑے پیار سے قبول کرتے ہیں تو تحفے کا مضمون تو کسی منطقی بحث کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو بالکل الگ مضمون ہے اور اکثر چندے جو ہیں وہ پیش کرتے وقت تحفے کے مضمون کو پیش نظر رکھنا چاہئے اور یہ سب سے بالا مضمون ہے لیکن تحفہ کے مضمون پر جب میں نے قرآن کریم کی رو سے غور کیا تو کہیں مجھے یہ دکھائی نہیں دیا کہ خدا کہتا ہے کہ مجھے تحفہ پیش کرو۔ ہاں نماز میں التحیات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ **التحیات للہ**: تحفے اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سب پاکیزہ تحفے اچھے تحفے اللہ کے لئے ہیں لیکن قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ تحفے پیش کرو بلکہ ''قرض پیش کرو'' کا مضمون ملتا ہے حالانکہ تحفے کا مضمون قرآن کریم میں کئی آیات سے مستنبط ہوتا ہے تو اس پر یہ دلچسپ چیز مجھ پر روشن ہوئی کہ تحفے مانگ کر نہیں لئے جاتے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ہماری تربیت میں اس بات پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ اگر تم نے کسی کو کوئی چیز لکھ کر یا کہہ کر منگوائی ہو اور وہ بعد میں یہ کہہ دے کہ جی! میں نے پیسے نہیں لینے یہ تحفہ ہے تو ہرگز قبول نہیں کرنی یا وہ چیز واپس کر دو یا رقم ادا کرو اور میں نے اس نسخہ کو اخلاق کی حفاظت کے لئے بہت ہی مفید پایا ہے۔ ایک بہت عظیم الشان نسخہ ہے اب جب میں نے قرآن کریم کے اس مضمون پر غور کیا تو مجھے حضرت مصلح موعودؓ کی یہ نصیحت بھی یاد آ گئی اور یہ بات مجھ پر اور کھل گئی کہ تحفے مانگ کر نہیں لئے جاتے۔ تحفہ دینے والے کے دل میں اپنی محبت کے نتیجہ میں تحریک پیدا ہوتی ہے وہ از خود پیش کرتا ہے لیکن قرآن کریم نے چونکہ مذہبی جماعتوں کو قربانی کے گر سکھانے تھے۔ اور اقتصادی ترقی کے راز سمجھانے تھے، یہ دونوں باتیں اکٹھی ہیں اس لئے قرآن کریم نے جب مانگا ہے تو قرض مانگا ہے اور قرضہ حسنہ مانگا ہے۔ قرضہ حسنہ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں ہوتی۔ سودی یا کسی قسم کی بڑھا کر دو لیکن جو قرضہ حسنہ وصول کرتا ہے اس کا اپنا حسن طبیعت ہے کہ واپسی پر جتنا چاہے بڑھا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چندوں کے موضوع پر جو گفتگو فرمائی ہے وہ عظیم الشان ہے۔ بہت ہی حیرت انگیز مضمون ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ زکوٰۃ کے متعلق بھی یہی بیان فرماتا ہے کہ جو تم دو گے وہ تمہارے روپے کو کم نہیں کرے گی بلکہ بڑھائے گی۔ فرمایا سود تمہارے پیسوں کو کم کرتا ہے، زکوٰۃ تمہارے پیسوں کو کم نہیں کرتی اور خدا ضامن ہے کہ

خدا کی خاطر زکوۃ ادا کرتا ہے اللہ اسے بڑھا دے گا اور زکوۃ کے نام میں یہ مضمون شامل ہے۔ زکوۃ کا مطلب ہے نشوونما پانے والی چیز، بڑھنے والی چیز، برکت پانے والی چیز تو فرمایا کہ جو روپیہ تم خدا کی خاطر زکوۃ ادا کرتے ہو وہ کم نہیں ہوتا بلکہ تمہیں علم نہیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ اس میں برکت ڈالتا ہے اور اس کو بڑھا دیتا ہے اور قرض کے متعلق ہر جگہ یہ وعدہ فرمایا کہ تم مجھے قرضہ دو اور میں بڑھا دیتا ہے ۔میں بڑھا کر واپس کروں گا۔اس لئے کسی رنگ میں بھی خدا تعالیٰ کے اوپر احسان کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر چندہ ادائیگی کرتے وقت قرض کے مضمون کے اندر جو ہدایتیں ہمیں ملی ہیں ان کو ہمیں ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔

پہلی بات یہ کہ خدا جب قرض مانگتا ہے تو ایک انسان کو اپنے نفس میں ڈوب کر ضرور سوچنا چاہئے کہ کس چیز سے قرض مانگتا ہے۔ وہ سب کچھ جو اس نے مجھے دیا ہے اور اس پر جو مجھ سے قرض مانگتا ہے تو میں قرض کے طور پر نہ دوں بلکہ محبت اور عشق کے اظہار کے طور پر دوں یہ منع نہیں ہے۔اس لئے قرض کے سودوں کو اگر آپ محبت اور عشق کے اظہار کے سودوں میں تبدیل کر دیں تو اس سے بہتر کوئی اور طریق چندہ ادا کرنے کا نہیں۔اس نیت کے ساتھ ادا کریں کہ اے خدا! سب کچھ تو نے دیا ہے تیرے حضور، تیرے رزق میں سے، تیری عطا کردہ صلاحیتوں میں سے کچھ پیش کرنے کی سعادت پاتا ہوں وہ قبول فرمائے تو یہ عزت ہے قرض نہیں ہے تحفہ ہے لیکن اس کے باوجود اگر ایک شخص اس اعلیٰ محبت کے مقام پر فائز نہیں اور جب دیتا ہے تو تکلیف اور قربانی کے ساتھ خدا کے اذن کے احترام میں دیتا ہے تو وہ قرض ہوگا لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ قرض اسے واپس ملے گا اور بہت زیادہ واپس ملے گا۔اس وعدے کے نتیجہ میں جو نیتوں پر بعض اثرات پڑ سکتے ہیں ان کے متعلق میں چند الفاظ میں متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔

بعض لوگ جن کو خدا تعالیٰ ان کی مالی قربانیوں کے نتیجہ میں بار بار عطا کرتا ہے اس بات کے عادی ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ادھر دیا ادھر ہمیں واپس ضرور مل جائے گا اس کے نتیجہ میں ان کے چندوں کے جیسے اعلیٰ اثرات پیدا ہونے چاہئیں ان کی ذات پر وہ اعلیٰ اثرات مترتب نہیں ہوتے، وہ ظاہر نہیں ہوتے۔بعض دوست مجھے اپنے تجربے لکھتے ہیں۔ بڑے ایمان افروز ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن اگر اسے کوئی انسان مستقل عادت بنالے اور یہ سمجھے کہ ادھر میں نے خدا کے حضور پیش کیا ادھر واپس

آ جائے گا تو یہ بھی ناپسندیدہ بات ہے قرض کے دو پہلو ہیں۔ ایک دینے والے کا ایک لینے والے کا۔

وہ قرض جو سود سے پاک ہے اسے قرضہ حسنہ کہا جاتا ہے قرضہ حسنہ میں یہ ایک عجیب دلچسپ بات ہے کہ دینے والا ہرگز زیادہ لینے کی نیت سے نہیں دیتا۔ لینے والا ہمیشہ زیادہ دینے کی نیت سے لیتا ہے اس لئے اپنی نیتوں کو زیادہ کے خیال سے پاک رکھ کر اگر دینے کی کوشش کریں تو یہ چندے کی بہت بہتر قسم ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی زیادہ رضا حاصل ہوگی۔ جہاں تک زیادہ ملنے کا تعلق ہے وہ تو خدا نے دینا ہی دینا ہے اور اس کے دینے کے ہزاروں رستے ہیں کہ انسان کو سمجھ نہیں آتی اور ضرور ایسے لوگوں کے اموال میں برکت پڑتی ہے اور ان کی اولادوں کے اموال میں برکت پڑتی ہے ان کی خوشیوں میں برکت پڑتی ہے، ابتلاؤں سے بچائے جاتے ہیں، مصیبتوں کے وقت ان کے سہارے کے لئے خدا تعالیٰ کی نصرت اترا کرتی ہے۔ یہ ساری برکتیں ہیں جو چندوں کے نظام کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن چونکہ بہت باریک مضامین ہیں اس لئے جہاں تک مجھے توفیق ہے میں باریکی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں خدا ضرور زیادہ دیتا ہے لیکن **قرضۂ حسنہ کی ایک تعریف یہ ہے کہ جہاں تک دینے والے کا تعلق ہے وہ ہرگز زیادہ لینے کی نیت سے نہ دے اور اپنی نیت کو بالکل صاف کر کے دے۔** اس پہلو پر قرآن کریم کی ایک اور آیت روشنی ڈالتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر:۷) کہ کسی کو اس نیت سے نہ دیا کرو کہ تمہیں زیادہ ملے اگر چہ اس کا انسانی لین دین سے تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ پر تو احسان ہو ہی نہیں سکتا۔ تَمْنُنْ کے معنوں کا اطلاق خدا پر نہیں ہو سکتا لیکن مومن کے اخلاق کو صیقل کرنے کے لئے اس کے اخلاق کو نہایت اعلیٰ درجے کی لطافتوں تک پہنچانے کے لئے خدا تعالیٰ نے جو یہ نصیحت فرمائی ہے اس کے نتیجے میں خدا سے لین دین کے معاملات میں بھی اپنے اندر ویسے ہی اخلاق پیدا کریں جیسے خدا بندوں کے معاملات میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور دیتے وقت یہ نیت کیا کریں کہ اے خدا! ہم زیادہ لینے کی نیت سے نہیں دے رہے بلکہ حق یہ ہے کہ سب کچھ تیری عطا ہے۔ اگر تحفے کے طور پر قبول ہو تو اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لیکن تُو نے قرض فرمایا ہے تو تجھ سے بہتر محفوظ ہاتھ قرض دینے کیلئے اور کوئی نہیں ہے ہماری نیت تیری رضا کا حصول ہے اور اس نیت کیساتھ اگر انسان چندے دے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے اخلاص، اس کے ایمان اس کے اعلیٰ روحانی مدارج کی یہ باتیں ضامن بن جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کے

فضل سے ایسی پاک نیتوں کی ساتھ جو مال دیئے جاتے ہیں ان میں برکت بھی بہت پڑتی ہے ظاہری طور پر اس کی کوئی دلیل نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور میری زندگی کا تجربہ ہے کہ پاک نیت سے جو مال دیا جائے ان کے خرچ میں بہت برکت ہوتی ہے جو بہت اعلیٰ نیتوں سے نہ دیئے جائیں یا گندی نیتیں مل جائیں تو ان کے خرچوں میں برکت نہیں رہتی اور بے وجہ ضائع ہو جاتے ہیں اس لئے اپنی نیتوں کی بہت حفاظت کریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر کتنی برکتیں نازل فرماتا ہے خدا کرے کہ جماعت احمدیہ کا مالی نظام اسی طرح پاک شفاف بہت ہی اعلیٰ اخلاقی لطافتوں کے ساتھ وابستہ رہے اور ہمیشہ اسی طرح صحیح وسلامت تا قیامت جاری رہے۔ آمین۔

روس میں دعوت الی اللہ کیلئے واقفین عارضی کی تحریک
اسلام کی جنگ جماعت احمدیہ کے سوا کسی نے نہیں لڑی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو نشوونما کی ایک صلاحیت عطا فرما رکھی ہے بدی کو بھی نشوونما کی صلاحیت ہے اور نیکی کو بھی نشوونما کی صلاحیت ہے بلکہ زندگی کے ہر ذرے میں خدا تعالیٰ نے یہ دونوں قسم کی صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں۔ صرف یہ بات نہیں کہ بعضوں میں دوسروں پر غلبہ پانے کی طاقت ہے بلکہ اندرونی طور پر زندگی اور موت کی جدوجہد ہر ذرے میں جاری ہے خواہ وہ ظاہری طور پر زندگی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اس کے باوجود زندگی کے لفظ کا اطلاق وسیع ترین معنوں میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر مخلوق پر ہوتا ہے اور موت اور زندگی کی جدوجہد جس کا ذکر قرآن کریم میں سورۂ ملک کی پہلی آیت میں ملتا ہے، یہ ایسا نظام ہے جس کا تعلق ہر مخلوق سے ہے چنانچہ وہ Protons جن کے متعلق پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ابدی ہیں اور کبھی مٹ نہیں سکتے ان کے متعلق اب اکثر سائنس دان یہ یقین کر چکے ہیں کہ ان کی زندگی بھی بہر حال اختتام پذیر ہوگی اور یہاں زندگی سے مراد ان کی بقا کا عرصہ ہے۔ اندرونی طور پر ان کے اندر ایک موت کا نظام بھی جاری ہے اور جو چیز ایک دفعہ پیدا ہو جائے اس نے بہر حال مٹنا ہے اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن: ۲۷، ۲۸) تو اس میں بھی اللہ کے ''وجہ'' کا ذکر فرمایا۔ وہ

ذات جو ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ہے اس کا چہرہ اس کی رضا ہے جو باقی ہے۔ باقی ہر چیز مٹ جانے والی ہے۔

اس ضمن میں اس سے پہلے چونکہ میں روشنی ڈال چکا ہوں اس لئے اس مضمون کو یہاں بیان نہیں کروں گا چونکہ اس کا ضمناً اس مضمون کے ساتھ تعلق ہے جو میں اب بیان کرنا چاہتا ہوں اس لئے اس کا ذکر آ گیا۔ بہر حال بات یہ ہے کہ ہر چیز جسے پیدا کیا گیا ہے اس کے اندر اندرونی طور پر ایک زندگی اور موت کی جدوجہد جاری ہے اور دونوں قسم کی صلاحیتیں خدا تعالیٰ نے اسے ودیعت کر رکھی ہیں اس کے علاوہ بیرونی تعلقات میں بھی یہی نظام جاری ہے۔ بعض چیزیں بعض دوسری چیزوں پر غلبہ پاتی ہیں اور بعض چیزیں بعض دوسری چیزوں سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور اس میں بھی نیکی اور بدی میں کوئی تمیز نہیں کی گئی اور کوئی فرق نہیں کیا گیا بلکہ اس معاملہ میں بھی ایک حیرت انگیز عدل کا نظام جاری دکھائی دیتا ہے۔ اگر خدا نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں نشوونما کی طاقت رکھی ہے تو ابلیس کو بھی اس طاقت سے محروم نہیں کیا اور شیطان کو جو ہمیشہ کے لئے چھٹی دی گئی کہ اپنے لاؤ لشکر کو جس طرح چاہو میرے بندوں پر چڑھا لاؤ لیکن میرے بندوں پر تمہیں غلبہ نصیب نہیں ہوگا اس میں بھی وہی نظام عدل جاری و ساری دکھائی دے رہا ہے۔ خدا نے نیکی کی صلاحیتیں جن بندوں کو عطا فرمائیں ان کو یہ یقین دلایا کہ اگر تم ان صلاحیتوں کو استعمال کرو گے تو بدی کی طاقتیں تم پر غالب نہیں آسکیں گی لیکن بدی کو بھی ایسی طاقتیں عطا کیں کہ جہاں وہ کوئی کمزوری دیکھیں اپنے مدمقابل پر غلبہ پا لیں یہ زندگی اور موت کا وہ نظام ہے جس کا مذاہب سے بھی گہرا تعلق ہے اور غیر مذہبی دنیا سے بھی ہر قسم کی انسانی دلچسپیوں کے دائرے پر اس مضمون کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں اس مقصد کی طرف آتا ہوں جس کے متعلق میں آج آپ سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ آج کے اس دور میں مذہب کی جنگ ایک دفعہ پھر بڑی شدت کے ساتھ چل پڑی ہے۔ اس سے پہلے جب تک روس اور امریکہ کا مقابلہ جاری تھا اس وقت تک اسلام کے خلاف مذاہب کی جنگ میں ایسی شدت نہیں تھی لیکن گلف Gulf کے واقعات کے بعد اور روس کے منہدم ہو جانے کے بعد عیسائی طاقتوں میں بڑی تیزی کے ساتھ عیسائیت کو غالب کرنے کا رجحان پھر زندہ ہو رہا ہے اس سے پہلے بھی عیسائیت ہمیشہ اسلام پر حملہ آور رہی ہے لیکن ان سیاسی واقعات کے

بعد جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، یہ کوششیں ایک نئے عزم کے ساتھ بیدار ہوئی ہیں اور نئے منصوبوں کے ساتھ حکومتیں ان کوششوں میں شامل ہو چکی ہیں۔ روس پر جس طرح عیسائیت نے یلغار شروع کی ہے وہ اس دور کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ بڑی تیزی اور کثرت کے ساتھ ہر جگہ عیسائیت کا جال پھیلایا جا رہا ہے اور اسی طرح افریقہ پر عیسائیت نئے سرے سے نئے عزم کے ساتھ حملہ آور ہوئی ہے اور جو جو اطلاعات مجھے مل رہی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ خصوصاً ان دو واقعات یعنی گلف کی جنگ اور روس کا بالآخر اپنی شکست تسلیم کر لینے کے بعد عیسائیت میں ایک نئی رعونت پیدا ہو گئی ہے اور وہ عیسائی جو پہلے خاموش اور دبے ہوئے تھے وہ بڑی شدت کے ساتھ سر اٹھا رہے ہیں اور دوبارہ بقیہ افریقہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

نائیجریا میں جو حالیہ فساد ہوئے ہیں یہ بھی اسی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو رپورٹیں مجھے نائیجریا سے ملی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جن شمالی علاقوں میں فساد ہوئے ہیں وہاں اس سے پہلے عیسائیت کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں سے ٹکر لے لیکن یہ جو عالمی واقعات رونما ہوئے ہیں اور خاص طور پر جب وہ امریکہ کو اپنی پشت پناہی پر دیکھتے ہیں تو ان کے اندر ایک نئی رعونت پیدا ہو چکی ہے۔ انہیں نئی دولت کے سہارے مل چکے ہیں انہیں ہتھیار مہیا کئے جا رہے ہیں اس لئے عیسائیت اسلام کے ساتھ اپنی آخری جنگ کے لئے ہر قسم کی تیاری کر کے میدان میں کود چکی ہے۔

جہاں تک عالم اسلام کا تعلق ہے بدقسمتی سے عالم اسلام کو یہی عیسائی طاقتیں آپس میں الجھا رہی ہیں اور الجھائے رکھ رہی ہیں۔ کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرتا جس میں بعض مسلمان طاقتوں کو بعض دوسری مسلمان طاقتوں کے خلاف کسی رنگ میں ابھارا نہ جا رہا ہو اور کوئی ایسا زمانہ قریب میں دکھائی نہیں دیتا جس میں مسلمان طاقتیں پوری طرح امن کے ساتھ ہم آہنگی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ، مل کر اسلام کے فروغ کی کوششیں کر رہی ہوں۔ کردوں کا مسئلہ ہے جس کا عراق سے بھی تعلق ہے، ترکی Turkey سے بھی تعلق ہے روس سے بھی تعلق ہے، سیریا Syria (شام) سے بھی تعلق ہے اس مسئلے کو پہلے عراق کے تعلق میں چھیڑا گیا اب ترکی کے تعلق میں اسے چھیڑا اور ابھارا جا رہا ہے اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں لیکن وہ لوگ جو ہوش مندی کے ساتھ خبروں کا مطالعہ کرتے ہیں ان پر یہ بات خوب روشن ہے کہ عالم اسلام کو وہ امن اور وہ

سکون میسر آ نہیں سکتا جس کے ساتھ انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں کو نیکی کی راہوں پر ڈال دے لیکن صرف ایک بدنصیبی نہیں اس کے علاوہ اور بھی بدنصیبیاں ہیں۔ اگر بیرونی طاقتیں مسلمان طاقتوں کو سیاسی چپقلشوں میں نہ بھی الجھائیں اور انہیں امن بھی نصیب ہو تو بدنصیبی یہ ہے کہ اس امن کے دور کو وہ پھر اندرونی طور پر ایک دوسرے سے مذہبی اختلافات میں لڑ کر اپنی طاقتوں کو ضائع کر دیتی ہیں اور اس موقع کو ضائع کر دیتی ہیں جس میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ نیکی کی پرورش اور پنپنے کے وقت ہوتے ہیں۔ امن کا دور ہمیشہ اچھی صلاحیتوں کے لئے ایک خوش نصیب دور ہوا کرتا ہے جس میں اچھی طاقتوں کے پنپنے اور پھول پھلنے کا وقت ہوا کرتا ہے لیکن عالم اسلام کی حالیہ تاریخ پر آپ نظر ڈال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جہاں امن بھی نصیب ہوا وہاں اس امن کو ہمیشہ اندرونی بدامنی میں تبدیل کر دیا گیا اور فرقہ بازیوں میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے اور سیاست میں بھی ہر قسم کے غلط حربے استعمال کرتے ہوئے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے میں اس امن کے دور کو ضائع کر دیا گیا اور بجائے استفادہ کے اور بھی زیادہ اس سے نقصان اٹھایا۔

پس کسی پہلو سے بھی آپ عالم اسلام پر نگاہ ڈالیں تسلی کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی اور غیر طاقتیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بڑے عزم اور بڑے گہرے اور دیرپا منصوبوں کے ساتھ دوبارہ ساری دنیا پر بھی حملہ آور ہیں اور خصوصیت سے اسلام پر حملہ آور ہیں۔ اس صورتحال میں جماعت احمدیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے دفاع کا تمام تر بوجھ اپنے اوپر اٹھائے اور یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے جماعت احمدیہ کو پیدا کیا گیا ہے۔ **جب میں مخالفانہ طاقتوں، ان کے منصوبوں اور ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لیتا ہوں تو میں حیران رہ جاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے کس کو کس کے مقابل پر ٹکرا دیا ہے، اتنی عظیم طاقتیں ہیں۔ صرف دولت کے اعتبار سے ہی دیکھیں تو کروڑوں گنا زیادہ طاقتور قومیں ہیں، مقابل پر جماعت احمدیہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اگر عددی اعتبار سے دیکھیں تو یہی صورت حال ہے، اگر سیاسی اثر ونفوذ کے لحاظ سے دیکھیں تو یہی صورت حال ہے کوئی ایسا پہلو جو مقابلوں میں کام آیا کرتا ہے ایسا نہیں جو جماعت احمدیہ کو ان کے اوپر فوقیت دیتا ہو پھر خدا تعالیٰ نے ہمیں اس غیر متوازن جنگ میں کیوں الجھا دیا اور کیوں ہم سے یہ توقع کی گئی کہ ہم اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر بالآخر غالب کر کے دکھائیں گے؟**

اس مضمون پر جب آپ غور کریں تو دنیا میں سب سے بڑا تعجب انگیز واقعہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تھی۔ آپ سے یہ جدو جہد شروع ہوئی اور آپ ہی سے اس جہاد کا آغاز ہوا۔ آپ ایک تھے جن کو مخاطب کر کے خدا نے فرمایا:

قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر:۳) اے محمد ﷺ! اٹھ اور تمام دنیا کو انذار کر اور ساری دنیا سے ٹکر لے میری خاطر اور میرے غلبے کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک جہاد کا اعلان کر دے اور وہ جہاد عالمگیر جہاد تھا اور آنحضرت ﷺ اکیلے تھے۔ پس سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ تو ان دنوں کا واقعہ ہے جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اکیلے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا اور اس حکم کے تابع تمام دنیا کی طاقتوں سے ہمیشہ ہمیش کے لئے ٹکر لینے کی ہدایت فرمائی گئی اور پھر اس جہاد کا آغاز ہوا جو ۱۴۰۰ سال سے جاری ہے۔ گو مختلف وقتوں میں اس کی شکلیں بگڑتی بھی رہیں۔ بنتی بھی رہیں دشمنوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیوں میں پانسے بھی پلٹتے رہے۔ کبھی یہ لڑائیاں مذہبی دنیا میں لڑی گئیں کبھی سیاسی دنیا میں لڑی گئیں۔ مختلف حالات میں یہ جہاد مختلف صورتوں سے گزرتا ہوا جاری رہا اور آج بھی جاری ہے لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ وہ سیاسی جنگیں بھی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ہوئیں ایک مذہبی عنصر اپنے اندر رکھتی تھیں اور ان جنگوں کو بھی خالصةً سیاسی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عیسائی قوموں کی دنیا میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی قوموں سے لڑائیاں ہوئی ہیں مگر سوائے ان لڑائیوں کے جو مسلمان قوموں سے کی گئیں کسی دوسری لڑائی کا نام صلیبی جنگ نہیں رکھا گیا اور اسلام پر جہاد کا الزام دھرنے والوں کا اپنا یہ حال تھا کہ کئی سو سال تک مسلمان ممالک پر باہر سے جا کر حملہ آور ہوئے ہیں اور ان جنگوں کا نام صلیبی جنگیں رکھا گیا۔ پس اگر چہ وہ سیاسی جنگیں ہی تھیں کیونکہ علاقائی جنگیں تھیں، ملکوں اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی جنگیں تھیں لیکن ان کے اندر اسلام دشمنی کا ایک عنصر بھی لازماً کارفرما رہا ہے۔ آج جو صورتحال ہے یہ صورتحال اتنی نازک ہے اور اتنی خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر تمام احمدیوں کا نظر رکھنا بہت ہی ضروری ہے اور اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً آپ کو بیدار کرنا میرے بنیادی فرائض میں داخل ہے۔ جو شکل آج مجھے دکھائی دے رہی ہے ایسی خطرناک شکل ہے اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئی۔ **عیسائیت جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بڑے عزائم کے ساتھ اور نئے ارادے باندھ کر، نئے منصوبوں کے ساتھ، نئی دولتوں**

کا سہارا لے کر نئی سیاسی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل کرتے ہوئے بڑے زور کے ساتھ دوبارہ تمام دنیا پر اور خصوصیت سے اسلام پر حملہ آور ہوئی ہے اور اس کے حقیقی دفاع کے لئے احمدیت کے سوا کسی میں صلاحیت نہیں ہے اور کسی کو ان باتوں کا دماغ نہیں ہے۔ کسی کی زندگی کا اعلیٰ مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ خالصۃً اسلام کا دفاع کرے اور حقیقت میں اسلام کا دفاع کرے نہ کہ کسی سیاسی غرض کا۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کو اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے نئے عزم کے ساتھ اس جہاد کے میدان میں کودنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت ایسا کر رہی ہے۔

جہاں تک مقابل پر ہر قسم کا لٹریچر تیار کرنے کا تعلق ہے، جہاں تک ہماری موجودہ صلاحیتوں سے کام لے کر ان کے نتیجہ میں مقابل پر منصوبے بنانے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کام جاری ہے لیکن اس وقت ضرورت ہے لام بندی کی اور اسی طرف میں کچھ عرصہ سے آپ کو متوجہ کرتا رہا ہوں۔ بعض دفعہ دنیا کے عام امن کے حالات میں فوجوں کی تعداد بڑھانے کے لئے ایسی کوئی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اگر چہ فوجی نظام ضرور موجود رہتا ہے، ہتھیار بھی بنتے ہیں اور ہتھیار بنانے والے محکمے مسلسل بیدار مغزی کے ساتھ بہتر سے بہتر ہتھیار فوج کے لئے مہیا کرنے کے لئے کوشاں بھی رہتے ہیں لیکن جب جنگ کا بگل بجایا جائے تو اس وقت صورت حال یکسر بدل جاتی ہے اور انہی کوششوں میں جو پہلے سے ہی جاری ہیں نئی جان پڑ جاتی ہے، غیر معمولی حرکت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور کام میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس ایسے اوقات جبکہ کثرت کے ساتھ لوگوں کو بھرتی کے لئے بلایا جائے تو اسے کہا جاتا ہے کہ لام بندی ہوگئی۔ لام بندی کا حکم ہو گیا اور لوگوں کو، عوام الناس کو بار بار دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ اور اس فوج میں شامل ہو۔ مجھے یاد ہے ہندوستان میں جب جنگ عظیم کا وقت تھا تو کثرت کے ساتھ حکومت کی طرف سے ایسے محکمے قائم کر دیئے گئے جو دیہات میں جا کر اندرون ملک دور دور جا کر لوگوں کو اکٹھا کر کے فوج کے لئے بھرتی کرنے کے لئے لایا کرتے تھے۔ دیہات سے قافلہ در قافلہ ایسے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان مقامات پر پہنچایا جاتا تھا جہاں ان کے معائنے ہوتے تھے اور ان کو فوج میں داخل کرنے کے لئے ابتدائی تحقیق کی جاتی تھی ان کی صلاحیتیں جانچی جاتی تھیں۔ غرضیکہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں فوج کی جو کچھ ضروریات ہوتی ہیں اس کے مطابق ان کو جانچا پرکھا جاتا تھا اور اس زمانہ میں مجھے یاد ہے کہ فوج کے جانچنے اور پرکھنے کا معیار

بھی کم کر دیا گیا تھا کیونکہ عام حالات میں اگر مثلاً چلتے وقت کسی کے گھٹنے گھٹنے سے ٹکرا جاتے ہیں تو فوج میں ایسے شخص کو قبول نہیں کیا جاتا مگر ان دنوں میں وہ جو Bandy Egs والے کہلاتے ہیں جن کے گھٹنے بہت زیادہ باہر کی طرف نکلے ہوں یا جن کے گھٹنے چلتے وقت آپس میں ٹکراتے ہوں ان کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ تو جتنی ضرورت زیادہ بڑھتی ہے اتنے پیمانوں میں بھی لچک پیدا ہوتی چلی جاتی ہے آج اس بات کی ضرورت زیادہ بڑھتی ہے اتنی پیمانوں میں بھی لچک پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ جماعت احمدیہ میں دعوت الی اللہ کے نظام کو بہت زیادہ سنجیدگی کے ساتھ جاری کیا جائے اور صرف صاحب علم لوگ ہی اس نظام سے منسلک نہ ہوں بلکہ کم علم والے بھی ہر قسم کے احمدی دعوت الی اللہ کے کام میں پوری طاقت کے ساتھ اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کریں کیونکہ اس میدان میں ابھی ہمیں بہت ہی کمی محسوس ہوتی ہے۔

روس کے متعلق میں نے اعلان کیا تھا کہ ہمیں ایسے واقفین کی ضرورت ہے جو عارضی طور پر روس میں جا کر اسلام کا پیغام پہنچا ئیں ۔ضرورت بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور روس کے مختلف علاقوں سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں کہ ہماری طرف آؤ، ہماری طرف آؤ ہمارے پاس مستقل آدمی بھیجو، ہمیں ایسے معلم عطا کرو جو بیٹھ کر ہمیں اسلام سکھائیں مگر سر دست جماعت احمدیہ کے پاس ایسی انفرادی طاقت نہیں ہے کہ ہم ان کی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ وقف کی جو میں نے تحریک کی تھی اس میں اگر چہ میں سمجھتا ہوں کہ جماعت میں لبیک کہنے کا جذبہ ضرور ہے لیکن بعض غلط فہمیاں غالباً مانع رہی ہیں۔ ایک غلط فہمی یہ ہے کہ روس میں صرف روسی زبان استعمال کی جاتی ہے اور اس وجہ سے وہ لوگ جن کو روسی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں ہماری خواہش تو ہے دل تو چاہتا ہے مگر ہم مجبور ہیں اور اس خدمت میں شامل نہیں ہو سکتے۔ ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے میں بتاتا ہوں کہ روس میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں اور خاص طور پر اہل مشرق کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ فارسی زبان بعض علاقوں میں بکثرت استعمال ہوتی ہے اور بعض علاقوں میں ترکی زبان بکثرت بولی اور سمجھی جاتی ہے اور بعض ایسے علماء ہیں جو عربی زبان بھی خوب اچھی طرح بولتے اور سمجھتے ہیں پس وہ لوگ جو روسی زبان نہیں جانتے اور فارسی جانتے ہیں یا فارسی سے کسی حد تک شدھ بدھ رکھتے ہیں ان کے لئے بھی بہت اچھا موقع ہے کہ اپنے آپ کو پیش کریں۔

پس روسی زبان جاننا کوئی شرط نہیں ہے۔علاوہ ازیں اگر ان میں سے بھی کوئی زبان نہ آتی ہوتو اب تک جو میں نے جائزہ لیا ہے اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اکثر ریاستوں کے صدر مقامات میں ہر قسم کے مترجمین مل جاتے ہیں اور بعض بہت اچھے اچھے ترجمے کرنے والے بہت سستے داموں مہیا ہو جاتے ہیں۔مثلاً یہ ازبکستان ہے، بخارا اور سمرقند وغیرہ کے علاقے ہیں ان میں بڑے اچھے اردو دان بھی موجود ہیں۔جب میں نے اپنا نمائندہ وہاں بھجوایا تو مجھے معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ بہت ہی اچھے اردو دان جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی اردو میں تقریریں کرتے ہیں اور پھر بعض اردو کے رسالے بھی شائع کرتے ہیں وہ نہ صرف وہاں مہیا ہیں بلکہ بہت ہی معمولی داموں پر ان کی صلاحیتوں کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔پھر ایک سے زیادہ زبانیں جاننے والے بھی وہاں بہت موجود ہیں۔ایسے بھی ہیں جو دو تین چار مشرقی زبانیں جانتے ہیں اور ہر قسم کے مواقع کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں یعنی اگر کوئی احمدی پاکستان سے جاتا ہے جو اردو دان ہے تو وہ اردو سے اس مقامی زبان میں بھی ترجمہ کر سکتے ہیں۔روسی زبان میں بھی ترجمہ کر سکتے ہیں۔اگر کوئی عرب احمدی جاتا ہے تو ایسے ترجمہ کرنے والے ہیں جو عربی سے ترکی، فارسی اور دوسری زبانوں میں ترجمہ کر سکتے ہیں۔زبانوں کے لحاظ سے اس بات نے مجھے بہت ہی متعجب کیا۔میرا خیال تھا کہ روس کے علاقوں میں سوائے ایک آدھ زبان کے لوگوں کا زبانوں کی طرف رجحان نہیں ہوگا مگر ہمارے اس دور کے پہلے روسی احمدی جو ایک بہت قابل آدمی ہیں، مسٹر راویل، وہ آج کل یہاں تشریف بھی لائے ہوئے ہیں اور انہوں نے اکثر اپنی زندگی احمدیت کیلئے وقف کر رکھی ہے ان کے متعلق مجھے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ پانچ زبانیں نہایت شستگی سے جانتے ہیں۔مثلاً مشرقی یورپ کی زبانوں میں سے روسی زبان کے تو وہ بہت اچھے لکھنے والے ماہر شاعر بھی اور ڈرامہ نویس بھی اور کالم نویس بھی لیکن ہنگیرین زبان میں بھی ایسے ماہر ہیں کہ B.B.C نے اپنے ہنگیرین پروگرام کے لئے ان کی خدمات حاصل کی ہیں اور ہنگیرین قوم کو B.B.C جو پیغام بھیجنا چاہتی ہے آج کل ان کے ذمہ ہے کہ وہ کچھ وقت ہنگیرین زبان میں وہ پیغامات ان قوموں کو پہنچائیں۔یعنی اگرچہ پیغامات کی شکل میں تو نہیں دیئے جاتے مگر جب B.B.C غیر زبانوں میں اپنے پروگرام بناتی ہے تو آخر مقصد یہی ہوا کرتا ہے کہ انگلستان جو باتیں ان تک پہنچانا چاہتا ہے اس رنگ میں وہ ان تک پہنچیں مختلف مضامین کی شکلوں میں، مختلف اہم امور

پر مقالے لکھوا کر وہ اپنے رنگ میں نہایت عمدگی کے ساتھ آخر اپنے مطلب کو وہاں تک پہنچا دیتے ہیں اور راویل صاحب جن کا میں نے ذکر کیا ہے یہ اتنے ماہر ہیں کے B.B.C جو بڑے اعلیٰ معیار کے مترجمین کو قبول کرتی ہے جن کا ترجمے کا معیار بہت بلند ہے انہوں نے ان کو اس قابل سمجھا کہ ہنگیرین زبان میں یہ B.B.C کی نمائندگی کریں۔ اور بھی بہت سی زبانیں یہ جانتے ہیں۔ ترکی زبان بھی جانتے ہیں لیکن پانچ زبانیں مجھے انہوں نے بتایا ایسی ہیں کہ وہ بآسانی بغیر کسی دقت کے، بغیر توقف کے وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کر لیتے ہیں تو اسی طرح ازبکستان وغیرہ میں ایسے لوگ بکثرت ہیں جو زیادہ زبانیں جاننے والے ہیں اور کوئی احمدی جس کو سوائے اردو کے کوئی زبان نہیں آتی وہ ازبکستان کے علاقہ میں تو اپنے آپ کو کلیۃً اجنبی نہیں پائے گا۔ وہاں ضرور اسے ایسے آدمی مل جائیں گے جو اس کا ترجمہ کرسکیں اور دیگر جگہوں میں بھی اگر تلاش کیا جائے تو کوئی نہ کوئی ایسا مل جائے گا۔ تو وہ لوگ جو اپنے آپ کو روس میں وقف کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں وہ زبان کے تردد میں نہ پڑیں۔ اگر وہ توفیق رکھتے ہیں کہ اپنے خرچ پر روس میں دو چار ہفتے یا مہینہ دو مہینے گزار سکیں تو وہ باقاعدہ تحریک جدید کی معرفت یا براہ راست مجھ سے رابطہ قائم کریں اور ہم ان کی راہنمائی کریں گے کہ کہاں جانا ہے اور کیا کیا اس علاقہ کی ضروریات ہیں جنہیں ان کو پورا کرنا ہوگا اور چونکہ جماعت احمدیہ کے روابط اب بہت سے علاقوں میں قائم ہو چکے ہیں اس لئے کوئی مشکل نہیں کہ ہم ایسے لوگوں سے ان کے رابطے کروا دیں جو ان کو سنبھال لیں اور ابتدائی طور پر ان کی مدد کریں۔ اگر چہ ان کو اپنے اخراجات خود ہی برداشت کرنے چاہئیں لیکن روسی اقوام میں مہمان نوازی بہت ہے اور وہ کوشش یہی کریں گے کہ جس طرح بھی ہو چاہے آپ ان کو پورا کھانا میسر آئے نہ آئے آنے والے مہمانوں کا خیال رکھیں ایک غلط فہمی کا یہ حصہ تھا جو دور کرنا چاہتا تھا۔

دوسرا یہ ہے کہ جب ہم لفظ روس بولتے ہیں روس کہتے ہیں یا روسی کہتے ہیں تو باہر کی دنیا خصوصاً ہندو پاکستان میں اس سے مراد U.S.S.R ہے یعنی یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ریپبلک لیکن جس بڑے ملک کو ہم روس کہتے ہیں وہاں پہنچیں تو وہاں جب بھی آپ روس کہیں گے اس سے مراد صرف یورپین ریاست روس ہے اس کے سوا روس سے کچھ مراد نہیں لی جاتی۔ U.S.S.R کی سب سے بڑی ریاست کا نام روس ہے یعنی رشیاء اور اس میں بھاری اکثریت یورپینز کی ہے۔ اگر چہ روسی

قومیں بھی یہاں آباد ہیں اور سٹالن کے زمانے میں خصوصیت کے ساتھ بعض مسلمان علاقوں سے لوگوں کو ہانک کر یہاں لایا گیا اور یہاں بسایا گیا۔ اس میں تاتاری قومیں بھی موجود ہیں قازان ایک شہر ہے جہاں بڑی تعداد میں تاتاری مسلمان بستے ہیں تو اگر چہ دوسری قومیں بھی ہیں مگر رشیا کی ریاست میں زیادہ تر یورپین ہیں اور یہ روس کی یعنی جسے ہم روس کہتے ہیں، اس کی سب سے بڑی طاقتور اور سب سے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی ریاست ہے۔ اتنی بڑی ہے کہ اکیلی یہ ریاست امریکہ سے بڑی ہے۔ اس سے بڑی یا اس کے لگ بھگ ہوگئی قریباً بہت بڑا رقبہ ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ روس میں نہ صرف یہ کہ روس لفظ کو یہاں یورپین حصے پر چسپاں کیا جاتا ہے بلکہ اگر آپ اجنبی ہیں اور ان باتوں کو نہیں جانتے اور بعض دوسری ریاستوں میں ان لوگوں کو روسی کہہ کر مخاطب کریں گے تو وہ ناراض بھی ہو سکتے ہیں اور بعض بھڑک بھی سکتے ہیں کیونکہ آج کل خصوصیت کے ساتھ U.S.S.R میں روسی ریاست کے خلاف دوسری ریاستوں میں بڑی سخت رقابت پیدا ہو رہی ہے اور بعض جگہ تو شدید نفرت ہو رہی ہے چنانچہ حالیہ زمانہ میں جو محققین وہاں دورے پر گئے ہیں اور واپس آ کر انہوں نے مقالہ جات لکھے ہیں ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بعض علاقوں میں تو شدید نفرت کی لہریں چل پڑی ہیں اور روسی لفظوں کو جو پہلے عام جگہ جگہ بورڈوں پر آویزاں دکھائی دیتے تھے یا روزمرہ کی سڑکوں پر رستے دکھانے کے لئے ہدایات کی شکل میں روسی لفظ استعمال ہوتے تھے وہ سارے بورڈ اب ختم کر دیئے گئے ہیں اور ان سب روسی لفظوں کو بدل کر مقامی زبانوں کے لفظوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ایک لفظ مثلاً مگاسان Magazin ہے جو غالباً فرنچ میں بھی دوکان کو کہتے ہیں روسی زبان میں بھی مگاسان یا میگسین (اس کا تلفظ مجھے صحیح یاد نہیں) دکان کو کہتے ہیں۔ اب بخارا اور سمرقند، تاشقند وغیرہ ان سب جگہ تمام وہ دوکانیں جن پر پہلے یہ لفظ لکھا ہوا تھا اب وہاں دوکان لکھ دیا گیا ہے اور ضمناً آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ ان کے ہاں مشرقی علاقوں میں جو مقامی زبانیں ہیں ان میں بہت سے ایسے لفظ ہیں جو اگر غور سے سنیں جائیں تو معلوم ہوگا کہ اردو میں بھی مستعمل ہیں۔ صرف تھوڑا سا تلفظ کا فرق ہے چنانچہ روسی مہمان جو ہمارے جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے بعد میں جب ان کے ساتھ مجالس ہوئیں تو ایک سے زائد مرتبہ اس طرح ہوا کہ جب یہ آپس میں بات کر رہے تھے تو ترجمہ کرنے سے پہلے میں نے ان کو بتا دیا کہ میں سمجھ گیا ہوں میں اس کا

جواب دیتا ہوں۔آپ یہ کہہ رہے ہیں تو انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح پتا چلا تو میں نے بتایا کہ آپ کے ہاں بہت سے ایسے لفظ ہیں جو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں جس طرح دوکان ہے،اس کو دکان کہیں گے لیکن ہے دوکان ہی بہرحال اور بھی بہت سے لفظ ہیں چونکہ جن مضامین پر بحث ہو رہی تھی وہ میرے علم میں تھے اس لئے دو چار لفظ راہنمائی کر دیا کرتے تھے کہ یہ کیا بات کہنا چاہتے ہیں۔یا کیا بات پوچھنا چاہتے ہیں اور وہ اندازے درست نکلتے رہے۔

تو اگر پاکستانی دوست یا ہندوستانی یا دوسرے اردو دان روس کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں اور ان علاقوں میں جائیں جن کا میں ذکر کر رہا ہوں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ خود بھی ان کی زبان سیکھنے کے اہل ہو جائیں گے اور اس ضمن میں واقفین کو چاہئے کہ جاتے ہی زبان سیکھنے کے اداروں میں ضرور داخل ہوں صرف گلیوں میں چلتے پھرتے گفتگو کے ذریعہ زبان نہ سیکھیں بلکہ اداروں میں داخل ہوں وہاں زبان بھی سیکھیں گے اور ساتھ تبلیغ بھی کر سکیں گے۔اپنے ہم مکتب لوگوں سے مذہبی گفتگو بھی کر سکیں گے اور اس طرح ان کے دونوں کام ہو جائیں گے ایک پنتھ دو کاج والا معاملہ ہو گا۔

تو ہمیں اس وقت کثرت کے ساتھ لام بندی کی ضرورت ہے اور بہت احمدیوں کی ضرورت ہے جو نئے علاقوں میں جہاں اسلام کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے کثرت سے پہنچیں وہاں چھوٹے چھوٹے مکاتب لگائیں۔وہاں ان کو نماز پڑھنی سکھائیں،دعائیں کرنی سکھائیں اور درس جاری کریں جس طرح گزشتہ زمانوں میں اولیاء اللہ نے تبلیغ کے کام کئے تھے اس رنگ میں جا کر انہی اداؤں کے ساتھ دوبارہ ان قوموں میں تبلیغ اسلام کریں۔

مسلمان علاقوں میں اس لئے خصوصیت سے تبلیغ کی ضرورت ہے کہ ان میں سے اکثریت ایسی ہے جو خدا کی ہستی سے ہی غافل ہو چکی ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے بھی ہیں تب بھی خدا کا تصور نہیں ہے اور اسلام کو ایک قوم اور نیشن Nation کے طور پر لے رہے ہیں۔بڑا خطرہ یہ ہے کہ بعض مسلمان ممالک جو اپنے سیاسی نفوذ کو ہی اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں وہ پہنچ رہے ہیں اور ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ان سے پیسے لیں اور ان کے مقاصد میں استعمال ہوں اور اسلام کو ایک قومیت کے رنگ میں اپنائیں اور پھر سیاسی جدوجہد میں اس جذبے کو استعمال کریں۔ایسے لوگ جو

عملاً خدا کی ہستی سے ہی ناواقف ہو چکے ہیں ان میں جب اس قسم کے رجحان پہنچیں گے تو اسلام کے اندر جو اس وقت دلچسپی پیدا ہو رہی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے نقصان اٹھا جائیں گے۔ان کو پتہ ہی نہیں لگے گا کہ جو ہم سیکھ رہے ہیں یہ محض سیاست ہے قوم پرستی ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں پس پیشتر اس سے کہ غلط تصورات وہاں پہنچ کر ان کی پیاس پر قابض ہو جائیں اور جسے وہ پانی سمجھ کر پی رہے ہوں وہ دراصل زہر کے پیالے ہوں کثرت سے احمدیوں کو وہاں پہنچنا چاہئے اور آب حیات لے کر پہنچنا چاہئے اسلام کو اسلام کے رنگ میں، خالص اسلام کے طور پر ان تک پہنچانا چاہئے اور ان کی ضرورتوں کو سیراب کرنا چاہئے۔

پس یہ ایک دو کی بات نہیں ہے سینکڑوں چاہئیں اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر زبان سے کلیۃً نابلد بھی ہوں اور مترجم بھی مہیا نہ ہوں تو اگر احمدی مختلف علاقوں میں جا کر دو ہفتے، مہینے کے لئے ایسے اڈے لگا لیں کہ جہاں وہ دعائیں کرتے رہیں، لوگوں کو اپنی طرف بلائیں اور اشاروں کے ساتھ نمازیں پڑھنا سکھائیں اور نیکی کی تعلیم جس حد تک ان کو توفیق ملے اشاروں کنایوں سے ان کو دینے کی کوشش کریں اور دعائیں سکھائیں۔ دعا کر کے بتائیں، اشاروں سے اپنے مقصد کو سمجھانے کی کوشش کریں تو چونکہ یہ خالصۃً للہ ہوگا۔اس لئے مجھے یقین ہے کہ ان بے زبانوں کو بھی خدتعالیٰ اثر کی زبان عطا کر دے گا اور اثر کی زبان لفظوں کی محتاج نہیں ہوا کرتی۔ وہ دلوں تک براہ راست پہنچتی ہے۔ضرورتیں بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت کم ہے کیونکہ جو خبریں آ رہی ہیں وہ بڑی متوحش ہیں۔ دو قسم کے اثرات اس وقت نئے آزاد ہونے والے مشرقی، یورپ اور روس میں بڑے نمایاں طور پر دکھائی دینے لگے ہیں۔ایک عیسائیت کا چرچہ اور بڑی کثرت کے ساتھ پرانے کلیساؤں کو ازسر نو مرمت کر کے اور زینت دے کر باوقار بنانا اور اس کی ظاہری کشش سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے جدوجہد کرنا۔ایک یہ کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے پھر عیسائیت کے نام پر مالی اور دوسری امداد بہت مل رہی ہے۔ پھر مغربی عیسائی قوموں کے ساتھ ہمنوائی کا جو موقع ہے یہ بھی آج کل روس میں ایک فخر بن رہا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ جو مغربی قوموں کے زیادہ دوست بن کر ابھریں گے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے اور آج کل کی یہی ہوا چل رہی ہے اس ہوا میں ہمیں بھی ساتھ چلنا چاہئے۔اس کے نتیجہ میں عیسائیت کو فروغ کے لئے نئے نئے مواقع عطا ہو رہے ہیں۔

لیکن اس کے علاوہ ایک اور خطرناک رویہ ہے مغربی طرز زندگی کی، تہذیب وتمدن کی تمام برائیاں بڑی تیزی کے ساتھ ان علاقوں میں داخل ہورہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ آزادی سے مراد یہ ہے کہ جو چاہو جس طرح چاہو بدکاریاں کرو اور عیش و عشرت میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ جاؤ۔ پس Crime یعنی جرم کے رجحانات گزشتہ ایک سال کے اندر اندر اس تیزی سے بڑھے ہیں کہ روس سے آنے والے بتاتے ہیں کہ بعض علاقے پہچانے نہیں جاتے وہاں کبھی وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ اس طرح گلیاں بے امن ہو جائیں گی لیکن اب یہی صورت حال ہے۔ ہمارے راویل صاحب نے بھی جو آ کر ماسکو میں تبدیلیوں کے واقعات سنائے ہیں وہ بہت ہی سخت پریشان کن ہیں اور ظلم یہ ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ عیسائیت کا چولی دامن کا ساتھ بن گیا ہے۔ یعنی ہاتھ میں ہاتھ پکڑے عیسائیت اور بدکاریاں اکٹھی ان گلیوں میں پھر رہی ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی منافرت نہیں ہے اور یہ جو آزادی عیسائیت دیتی ہے یہ عیسائیت میں ایک مزید کشش پیدا کرنے والی بات بن گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں اپنے نام عیسائی رکھ لو چرچ چلے جایا کرو اس کے علاوہ جو چاہو عیش وعشرت کرو جس قسم کی زندگی بسر کرو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم بخشے گئے۔ یہ جو ڈھیل ہے اس ڈھیل نے عیسائیت میں ایک اور زائد کشش پیدا کر دی ہے۔

اس کے مقابل پر جب اسلام اپنی اصل شکل وصورت میں پہنچتا ہے تو ان کو بالکل مختلف طرز زندگی کی طرف بلاتا ہے۔ پابندیاں عائد کرتا ہے تم یہ بھی نہ کرو، وہ بھی نہ کرو اور اپنے جذبات کے اوپر بھی کنٹرول رکھو، اپنے خیالات پر بھی کنٹرول رکھو، اپنے روزمرہ کے رہن سہن میں نمایاں پاک تبدیلیاں پیدا کرو۔ شروع شروع میں تو بڑا ہی اکتا دینے والا منظر نظر آتا ہے جسے بوریت کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ کیا تماشہ بن گیا ہے۔ کس قسم کے لوگ ہمارے پاس آ گئے ہیں۔

ہم تو آزادی کی طرف جارہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ نہ کرو وہ نہ کرو اور یہ کرو غرضیکہ جو جدوجہد ہے جسے انگریزی میں کہتے ہیں Unequal Fight غیر متوازن جنگ ہے **اور بظاہر ہر فوقیت عیسائیت کو حاصل ہے اور بظاہر نقصان کا پہلو اسلام کی طرف ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام کے اندر ایک اندرونی طاقت ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے تعلق کی طاقت ہے وہ سچائی کی طاقت ہے یہ لازماً غالب آجائے گی اگر متقی لوگ اسلام کا پیغام لے کر وہاں پہنچیں**

اور اپنے اعلیٰ اور پاک نمونے سے ان کو بتائیں کہ روحانی انقلاب کیا ہوتا ہے اور روحانی زندگی کس کو کہتے ہیں؟

اس قسم کے پیاسے بھی وہاں موجود ہیں اور مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ عیسائیت کے مقابل پر یہ رقابت کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور اس موقعہ سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے مشرقی ریاستوں کے دورے کئے ہیں ان کے بعض مضامین سے مجھے پتہ لگا ہے کہ ان ممالک میں مغربیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف ایک شدید ردعمل پیدا ہو چکا ہے اور لکھنے والا لکھتا ہے کہ بہت سے مسلمان جن کو پہلے اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں تھا اور جن کو اب بھی نہیں پتہ کہ اسلام کیا ہے وہ اس ردعمل کے نتیجہ میں مسجدوں میں جانے لگ گئے ہیں اور مسجدوں کی رونق بعض جگہ اتنی بڑھ رہی ہے کہ اگر ایک سال پہلے ایک آدمی جاتا تھا تو اب دس آدمی جاتے ہیں۔ تو جہاں عیسائی علاقوں میں عیسائیت اور مغربی تہذیب کی گندگیاں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہیں وہاں مشرقی علاقوں میں اس کے ردعمل کے نتیجہ میں ہمارے لئے ایک اچھا ماحول بھی مہیا ہو رہا ہے اور ایک اچھی سازگار فضا میسر آ رہی ہے۔

اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ وقت نہیں رہا کہ ہم انتظار کریں کہ زبانوں کے بڑے ماہر علم کے ماہر اور باقاعدہ تربیت یافتہ مربی تیار کر کے وہاں بھجیں۔ یہ اس قسم کا وقت نہیں ہے یہ تو ایسا وقت ہے کہ جب قومی بقا کی خاطر جو کچھ بھی ہے میدان جنگ میں جھونکنا پڑا کرتا ہے، بعض دفعہ بچوں کو بھی بھیجنا پڑتا ہے۔ اب عراق ایران جنگ میں آپ دیکھیں کہ ایک وقت ایران پر ایسا آیا تھا جبکہ بالغ لڑنے والے مہیا نہیں ہو سکتے تھے تو انہوں نے عمر کا معیار ڈھیلا کرنا شروع کیا اور کم کرنا شروع کیا یہاں تک کہ آخر ایک وقت ایسا آیا کہ جب میدان جنگ میں بھیجنے سے پہلے نابالغ بچے اکٹھے کئے جا رہے تھے اور بعض ایسے منظر ٹیلی ویژن پر یہاں دکھائے گئے جن سے پتہ چلتا تھا کہ مائیں روتی پیٹتی رہ جاتی تھیں اور ان کے بچوں کو چھین کر لے جاتے تھے کہ ان کو ہم شہادت کے لئے تیار کر رہے ہیں اور دائمی زندگی بخشیں گے تم کس بات پر رو رہی ہو لیکن صرف یہی نہیں بلکہ بعض حیرت انگیز ایسے مناظر بھی دکھائے گئے کہ ایرانی ماؤں نے خود اپنے بچے پیش کئے۔ اتنا کثرت سے پروپیگنڈا تھا کہ عراق کے مقابل پر جو لڑائی کو جائے گا وہ کفر کے مقابل پر جائے گا اور اگر وہ مارا گیا تو شہید ہوگا کہ

بعض نیک دل مگر سادہ لوح مائیں خود اپنے چھوٹی عمر کے بچوں کو فوجیوں کے سپرد کر دیا کرتی تھیں۔ وہ ایک جاہلانہ جنگ تھی۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ اسلام دشمنی کی جنگ تھی۔ دونوں طرف اسلام دشمنی ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود چونکہ اسلام کا نام استعمال ہو رہا تھا اس لئے ماؤں نے اپنے چھوٹے بچوں کو بھی اس جنگ میں جھونک دیا۔ میں جس جنگ کی طرف بلا رہا ہوں وہ اسلام کی جنگ ہے اور خالص اسلام کی جنگ ہے یہ وہ اسلام کی جنگ ہے کہ جو جماعت احمدیہ کے سوا کسی اور نے نہیں لڑنی اور کسی اور کے سپرد نہیں ہے یہ لڑائی اس لئے آج ہر قسم کے پیمانوں میں نرمی کرنے کا وقت ہے جس قسم کے بھی احمدی مہیا ہو سکتے ہیں، جن کو بھی توفیق ہے ان کو چاہئے کہ ان علاقوں میں چلے جائیں۔ ان کا جانا ہی بابرکت ہوگا اور ان علاقوں میں بیٹھ کر ان کا دعائیں کرنا ہی بابرکت ہوگا اور یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہے امر واقعہ یہ ہے کہ بعض علاقوں میں اسلام کا غلبہ محض ان کے بزرگوں کی دعاؤں کے نتیجہ میں ہوا ہے۔

سب سے بڑی طاقتور چیز دعا ہے اور دعا ہی وہ ہتھیار ہے جو اس غیر متوازن جنگ میں کمزوروں کو طاقت وروں پر غالب کرنے والی ہے۔ اس لڑائی میں کمزور کی فتح کا یہی راز ہے ورنہ یہ ہو نہیں سکتا قانون قدرت کے خلاف بات ہے۔ جب بھی کمزور طاقتوروں سے ٹکراتے ہیں ضرور شکست کھاتے اور ضرور مار کھاتے ہیں۔ صرف مذہب کی دنیا میں یہ عجیب واقعہ رونما ہوتا ہے کہ کمزور طاقتور سے ٹکراتا ہے اور طاقتور کو شکست دے دیتا ہے۔ شاعروں کی دنیا میں تو ممولے شہباز سے لڑتے ہیں لیکن یہ ایک شاعری کی بات ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں مگر مذہب کی دنیا میں واقعۃً ایسا ہوتا ہے۔ ایسے ممولے پیدا ہوتے ہیں جو شہبازوں کے پر توڑ دیتے ہیں اور ان کے لشکر کے لشکر کو ہر جہت سے شکست دے دیتے ہیں اور واقعی جب آپ ان کا مقابلہ دنیا کے پیمانوں سے کریں تو ایک طرف حقیقت میں وہ ممولے دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف واقعی شہباز دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔

روما کی سلطنت سے جب چند گنتی کے مسلمان مجاہدین کی ٹکریں ہوئی ہیں اور فارس کی سلطنت سے جب گنتی کے چند مسلمان مجاہدین کی ٹکریں ہوئی ہیں تو اگر چہ بعض ایسی جنگیں بھی تھیں جو خالصۃً جہاد نہیں کہلا سکتی تھیں لیکن مذہبی عناصر کا بہرحال ان میں غلبہ تھا۔ مذہبی محرکات یقیناً ان میں غالب تھے اور چونکہ لڑنے والے نیک تھے خدا پرست تھے اور دعائیں کرنے والے تھے اس لئے ان

جنگوں کے حالات پر جب آپ نظر ڈالتے ہیں تو واقعۃً یوں لگتا ہے جیسے ممولوں کی ایک ٹولی بکثرت شہبازوں پر حملہ آور ہوئی اور ان کو شکست دے دیتی ہے۔ **پس اس پہلو سے آج بھی ایسا ہی ہوگا لیکن ہوگا دعا کی برکت سے اس کے سوا اور کوئی نسخہ نہیں ہے اس لئے اگر زبان دان نہیں ہیں تو دعا گو تو ہیں ناں۔ ہر احمدی کو دعا کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے کہ دنیا کی کسی مذہبی یا غیر مذہبی جماعت میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔** دنیا میں جتنی بھی مذہبی جماعتیں ہیں آپ ان سب کا تفصیل سے جائزہ لیں تو ان میں سال بھر میں دعا کا اتنا چرچہ نہیں ہوتا جتنا جماعت احمدیہ میں ایک ہفتہ یا ایک مہینے میں چرچہ ہو جاتا ہے حالانکہ تعداد کے لحاظ سے یہ بہت تھوڑی ہے۔ تو اس کثرت سے دعا کا مضمون جماعت کے اندر جاری وساری ہو چکا ہے کہ ہر فرد جب ایک دوسرے سے ملتا ہے دعا کی بات کرتا ہے ایک دوسرے کو خط لکھتا ہے تو دعا کی بات ہے۔ آپ ساری دنیا کی ایک دن کی ڈاک اکٹھی کر کے اگر دیکھ سکتے ہوں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ساری دنیا کی ایک دن کی ڈاک میں دعا کا اتنا ذکر نہیں ملے گا جتنا چند احمدیوں کی ڈاک میں دعا کا ذکر ملے گا بلکہ میں سمجھتا ہوں اور یہ مبالغہ نہیں ہے کہ ساری دنیا میں ہفتوں بھر کی ڈاک میں دعا کا اتنا ذکر نہیں ملے گا جتنا احمدیوں کی ڈاک میں ایک دن میں مل جاتا ہے۔

روزانہ جتنے خط مجھے آتے ہیں سارے انگلستان بلکہ سارے یورپ میں جتنے خط مل رہے ہوتے ہیں ان کے سارے مجموعہ میں دعا کا اتنا ذکر نہیں ہوتا۔ **تو دعا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح گھوٹ کر ہمیں پلائی ہے، ہماری گھٹی میں داخل کی ہے اور یہ ماں کے دودھ کی طرح ہماری رگوں میں جاری ہوئی ہے اس لئے یہی وہ سب سے طاقت ور ہتھیار ہے جو آپ کو میسر ہے۔ اگر صاحب علم نہیں ہیں تو دعا گو تو ہیں ہی ناں اور یہ سب سے بڑی فیصلہ کن طاقت ہے جس نے دنیا میں انقلاب برپا کرنا ہے۔** اس کے علاوہ اور بھی اس مضمون پر کچھ اور باتیں کہنے والی ہیں مگر اب چونکہ وقت ہو گیا ہے اس لئے آئندہ کے لئے میں اٹھا رکھتا ہوں۔

اس عمومی تحریک کے بعد کہ ہمیں آج U.S.S.R کے علاقوں میں یعنی یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ریپبلک E X (سابق) ریپبلک کہنا چاہئے اب تو صرف یونین کا تصور ہی باقی رہ گیا ہے۔ وہاں مختلف علاقوں میں، عیسائی علاقوں میں بھی اور مسلمان علاقوں میں بھی۔ ایشیائی علاقوں میں خواہ وہ مسلمان ہوں یا بدھسٹ ہوں۔ بعض بدھسٹ علاقے بھی وہاں ہیں۔ سب جگہ

بکثرت واقفین زندگی کی ضرورت ہے جو عارضی طور پر اپنے آپ کو پیش کریں۔ جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے بالعموم روس میں تھوڑے روپے پر گزارہ ہوسکتا ہے۔اگر انسان ہوٹلوں میں قیام نہ کرے۔

آج کل ایسا ماحول بن چکا ہے کہ درویش صفت لوگ جا کر مسجدوں میں ڈیرے لگا سکتے ہیں اور کوئی روک نہیں ہوگی اور اگر وہ نظام جماعت سے رابطہ کر کے ہدایات لے کر سفر شروع کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کو بہت سے ایسے روابط مہیا کر سکتے ہیں جن کے نتیجہ میں ان کی دیکھ بھال کرنے والا، ان کا خیال رکھنے والا، ان کو مشورے دینے والا ، ان کا خرچ بچانے والا کوئی نہ کوئی سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ان کو مہیا ہو جائے گا اور سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کی بات ہوئی ہے تو ایسے ہر سفر کرنے والے کو ہمیشہ اس دعا کو ضرور یاد رکھنا چاہئے جسے میں نے ساری زندگی استعمال کیا ہے اور بے انتہا مفید پایا ہے۔ ہر احمدی کو ہر سفر سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے۔

رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل:۸۱)

کہ اے میرے رب! مجھے اس ملک میں صدق کے ساتھ داخل فرما، سچائی کے ساتھ داخل فرما۔ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور اس ملک سے یا اس مقام سے سچائی اور صدق کے ساتھ باہر لا۔ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا اور میرے لئے اپنی جناب سے کسی غیر کی طرف سے نہیں ایسا مددگار عطا فرما جو سلطان ہو جس میں غلبے کی طاقت ہو۔ جو کمزور مددگار نہ ہو بلکہ یہ طاقت رکھتا ہو کہ کمزوری کو طاقت میں بدل سکے۔

پس یہ دعائیں کرتے ہوئے جو لوگ للہی سفر اختیار کریں گے ہر دوسری کمزوری پر یہ دعا اور ان کی بعد کی دعائیں انشاء اللہ غالب آجائیں گی اور جو انقلاب ہم U.S.S.R میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ محض ہماری تمناؤں کا انقلاب نہیں رہے گا بلکہ ایک حقیقی دنیا کا انقلاب بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نصرت بالرعب کا نشان اور جماعت احمدیہ کی تعداد کی وضاحت۔ دعا ہے کہ میری زندگی میں ایک کروڑ نئے احمدی ہو جائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ /اکتوبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۖ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

(الانفال: ۴۴، ۴۵)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات کریمہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے، ان کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے اور غزوۂ بدر سے پہلے کی اس رؤیا کا اس میں ذکر کیا گیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو تھوڑا کر کے دکھایا تھا۔ یعنی اگر چہ عملاً دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر اس مبارک رؤیا میں دشمن کی تعداد

تھوڑی کر کے دکھائی گئی اور اس ذکر کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس وقت تمہیں بھی، تم سب کو وہ تھوڑے دکھائی دیئے۔ وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ اور خدا ان کی نگاہوں میں تمہیں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا تا کہ خدا تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ صادر فرما دے جس نے ہو کر رہنا تھا۔ جو مقدر ہو چکا تھا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ اور خدا ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں۔

ان آیات کا تعلق مسلمانوں کی تعداد اور اس کے مقابل پر دشمن کی تعداد سے ہے اور اس کا اس رنگ میں دکھایا جانا کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنے سے کم دیکھ رہے تھے۔ ان آیات کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ آج میں جماعت کی تعداد کے مسئلہ پر گفتگو کروں گا اور بہت سے غلط خیالات جو پھیلے ہوئے ہیں بہت سے اعتراضات ہیں جو اس سلسلہ میں کئے جاتے ہیں اور بے یقینی کی بعض کیفیات ہیں اس لئے ضرورت سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر ضرور کچھ نہ کچھ کہا جائے۔

کچھ عرصہ پہلے مجھے ہندوستان سے کانپور سے بھی ایک خط ملا۔ اس میں یہ ذکر تھا کہ دشمن ابھی تک ہمیں بہت ہی تھوڑا بتاتا ہے اور جہاں تک جماعت احمدیہ کا دعویٰ ہے کہیں ہم ایک کروڑ کی تعداد لکھے ہوئے دیکھتے ہیں، کہیں ڈیڑھ کروڑ کی تعداد بھی سنائی دیتی ہے اس لئے عجیب ابہام کی سی کیفیت ہے اس سلسلہ میں ضرور روشنی ڈالیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

ایک کروڑ کی تعداد کا آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ تعالیٰ کے ایک جلسہ کے موقع پر ایک اعلان سے ہوا غالباً ۲۰ سال یا اس سے کچھ زائد عرصہ کی بات ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جلسہ سالانہ پر احمدیوں کی تعداد کے متعلق اپنا تخمینہ ایک کروڑ کا بتایا تھا۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ ایک نجی محفل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جماعت کی تعداد کے متعلق جو اندازہ بتایا اس پر میں نے مؤدبانہ یہ عرض کیا کہ میرے نزدیک اس سے بہت کم ہے جتنی آپ کا اندازہ ہے۔ آپ نے اس بات کو قبول نہیں کیا اور تفصیل سے مجھے یاد نہیں کیا دلائل پیش فرمائے لیکن مجھے اس ساری گفتگو کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ بہت سی جماعتیں خصوصاً بیرونی ممالک اور پاکستان میں بعض اضلاع کی جماعتیں حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں جب جماعت کے اندازے پیش کرتی ہیں تو پوری احتیاط سے کام نہیں لیتیں۔ ایک ملک کے متعلق مجھے یاد ہے کہ اس کے ذکر میں آپ نے فرمایا کہ وہاں دس لاکھ کی

تعداد پہنچ چکی ہے بعد میں مجھے بھی اس ملک کے دورہ کا موقعہ ملا لیکن میرے اندازے کے مطابق پانچ لاکھ کے لگ بھگ تعداد تھی۔ تو اندازوں میں فرق ہوتا ہے لیکن جہاں تک میں نے اس گفتگو سے اندازہ لگایا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو پورا یقین تھا کہ یہی تعداد ہے اور نعوذ باللہ من ذالک اس میں کسی مبالغہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ مقام ادب یہ تھا کہ اس کے بعد میں زبان نہ کھولتا اس لئے اس موضوع پر پھر کبھی میں نے کسی سے گفتگو نہیں کی۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا اور خلافت کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈالی گئی تو مجھے اکثر بیرونی ممالک میں دورہ کے وقت اس سوال کا سامنا ہوا اور میرے لئے اس وقت یہ ایک بہت ہی مشکل مسئلہ تھا کہ جہاں تک گزشتہ خلیفہ کی طرف سے اعلان کا تعلق ہے میرا یہ مقام نہیں تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی رائے ظاہر کرتا اور جہاں تک میرے اپنے تخمینہ کا تعلق تھا میں کم سمجھا کرتا تھا اس لئے ان دونوں مسائل کے دوران سے ہمیشہ میں نے سچے گریز کی راہ یہ اختیار کی کہ جب کبھی کسی سوال کرنے والے نے سوال کیا تو میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں ساری دنیا کے احمدیوں کی تعداد کا تخمینہ نہ لگا سکا ہوں نہ یہ کسی کے لئے ممکن ہے کہ حقیقتاً یہ تخمینہ لگا سکے کیونکہ اس کی راہ میں بہت سی مشکلات ہیں لیکن مجھ سے پہلے خلیفہ نے ایک تخمینہ پیش کیا تھا جو ایک کروڑ کا تھا اور یہی تخمینہ ہے جو جماعت میں رائج ہے اور جب بھی سوال کرنے والے نے مزید کریدا اور میرے ذاتی اندازے کے متعلق گفتگو کی تو میں نے ہمیشہ بلا تردد یہ بتایا کہ میرے خیال میں اس سے کم ہے لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ چونکہ باقاعدہ طور پر میں اس مقام پر نہیں تھا اور عملاً میرے لئے ممکن بھی نہیں تھا کہ پہلے تخمینے کے متعلق جانچ پڑتال کر کے اس کی تصحیح کر سکتا اس لئے جماعت میں ہر جگہ ایک کروڑ کی تعداد رائج ہوگئی۔ اس پر مزید یہ مشکل پیش آئی کہ بہت سے لوگوں نے اندازہ لگایا کہ اگر ۲۰ سال پہلے ایک کروڑ تعداد تھی تو اب سوا کروڑ ہوگئی ہوگی اور بعضوں نے اس کو ڈیڑھ کروڑ بھی کر دیا اور یہ اعداد وشمار جب شائع ہونے شروع ہوئے تو جماعت کے لئے بڑی الجھن کا سامنا تھا کہاں ایک کروڑ پھر ڈیڑھ کروڑ، پھر دشمن کی طرف سے تعداد بہت ہی کم تو واقعتہً بہت سے ممالک کے احمدیوں کے لئے یہ ایک بہت ہی مشکل مسئلہ بن گیا۔

اب میں آپ کو مختصراً بتاتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندازے

میں کون سے محرکات تھے، کون سے اسباب تھے جنہوں نے کام کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اپنی صدارت کے زمانہ میں جب پاکستان کے دورے کیا کرتے تھے تو سیالکوٹ گجرات، شیخوپورہ، سرگودھا وغیرہ میں اتنے بڑے بڑے اجتماع ہوا کرتے تھے اور جماعتیں اتنے زور کے ساتھ شرکت کرتی تھیں اور ایسے بھرپور اخلاص کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں ایک سرسری تخمینے میں بہت بڑی تعداد دکھائی دیتی تھی۔ ان دوروں کے نتیجہ میں اور کچھ مختلف امراء کی ایسی رپورٹوں کے نتیجہ میں مثلاً جن میں سے ایک کے متعلق مجھے بھی علم ہے کہ سیالکوٹ کے متعلق ایک دفعہ کسی صاحب نے، امیر تو نہیں تھے مگر کسی دوسرے نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو یہ اثر دیا کہ سیالکوٹ میں تو کوئی جگہ ہی نہیں جہاں احمدی نہ ہوں۔ تقریباً سارا سیالکوٹ احمدیت سے بھر گیا ہے جبکہ یہ بات امر واقعہ نہیں ہے۔ سیالکوٹ میں جہاں جماعتوں کے گچھے ہیں اور جہاں عموماً لوگ دوروں پر جاتے ہیں۔ وہاں واقعی یہی منظر دکھائی دیتا ہے لیکن بڑے بڑے علاقے ہیں جو بالکل خالی پڑے ہیں چنانچہ جب میں نے دورے کئے تو میں نے یہ دیکھا اور مجھے اس سے اندازہ ہوا کہ کیوں غلطی ہو جاتی ہے کہ اگر میں صرف احمدی علاقوں کے دورے کر کے آتا تو میرے پر بھی یہی تأثر ہوتا لیکن میں نے دوسرے علاقوں کے بھی دورے کئے کیونکہ وقف جدید کے تابع میں یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کون سے خلاء رہ گئے ہیں وہاں کوشش کی جائے اور جب خلا والے علاقے دیکھے تو دیکھ کر ہول آتا تھا کہ سیالکوٹ جیسے ضلع میں جہاں جماعت کے متعلق اتنا رعب ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں جماعت پھیل چکی ہے دسیوں میل کے ایسے علاقے ہیں جہاں کوئی احمدی گاؤں نہیں یعنی بعض علاقوں میں ایک بھی گاؤں نہیں جہاں ایک احمدی بھی ہو تو اس سے طبیعت پر بہت فکرمندی پیدا ہوتی تھی لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض علاقوں کے دورہ سے واقعی یہ اثر بھی پڑتا تھا کہ گویا سارا سیالکوٹ احمدیت کی جھولی میں آگیا ہے۔ تو ایک وجہ یہ ہوگی، دوسری وجہ یہ کہ جماعت کی تاریخ میں مختلف ادوار ایسے آئے ہیں جن میں بعض علاقوں میں کثرت سے احمدیت پھیلی ہے اور تاریخ نے ان باتوں کو محفوظ کیا ہے اور بہت سے ایسے ادوار ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے دیکھے ہوئے ہیں جو مجھ سے عمر میں ۱۷ سال بڑے تھے اور اس کے تأثرات آپ کے ذہن پر تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ نے جہلم کا دورہ کیا تو حضور نے مجلس میں بیان فرمایا کہ یہاں بڑے بڑے علاقے احمدی ہیں۔ اس وقت صاحبزادہ مرزا منیر احمد

صاحب نے جن کی کوٹھی پر آپ قیام فرمار ہے تھے عرض کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جب یہاں تشریف لائے تھے تو ایک ہی دن میں ۱۶۰۰ بیعتیں ہوئی تھیں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ آہستہ آہستہ یا کہیں اور چلے گئے یا ضائع ہو گئے اور دشمن کے دباؤ کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن اب ۶۰۰ بھی نہیں رہے اور وہ ایک دن کی بیعتیں تھیں۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ذہن پر ان تاریخی واقعات کا بھی اثر تھا اور امر واقعہ یہ ہے کہ لوگ جو پیچھے ہٹے ہیں وہ کلیۃً پیچھے نہیں ہٹا کرتے ان سے جب بھی تذکرہ ہو اور ذرا سا انسان کریدے تو معلوم ہوتا کہ ان کے دل میں احمدیت کی صداقت موجود ہے اور وہ دشمن کے دباؤ کی وجہ سے گمنام سے ہو گئے۔ تو ایک تخمینہ لگانے والا تاریخی واقعات کو بھی اپنے تخمینے میں شامل کر سکتا ہے اور یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک علاقے میں جہاں دیہات کے دیہات اور جہاں بہت بڑے بڑے بارسوخ آدمی چند دنوں کے اندر اندر احمدی ہوئے تھے اس لئے اس علاقہ میں لازماً ۱۰۔۲۰ ہزار کی تعداد میں لوگ احمدی ہوں گے یہ واقعہ ۱۰۰ سال پہلے کا ہے تو اندازہ کریں کہ رفتہ رفتہ ان لوگوں میں سے ان کے بچے بھی اگر احمدی ہوں تو تعداد کتنی بن جاتی ہے۔

پھر مجھے ایک تجربہ صوبہ سرحد کے دورے کا ہوا۔ اس سے بھی مجھے اندازہ ہوا کہ کیوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ذہن پر تعداد کا بہت زیادہ اثر ہے۔ میں جب کوہاٹ گیا تو کوہاٹ سے بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کا دورہ کیا وہ سڑک جو کوہاٹ سے ڈیرہ اسماعیل خان تک جاتی ہے۔ اس پر بعض جگہ مجھے ایسے بورڈ آویزاں دکھائی دیئے جس سے پتہ لگتا ہے کہ احمدی گاؤں ہے اور احمدی بستی وغیرہ اس قسم کے نام تھے جب میں نے دریافت کیا تو ایک مقامی دوست نے بتایا کہ واقعۃً یہ بستیاں احمدی تھیں اور محض نام کی بات نہیں ہے چنانچہ ڈیرہ اسماعیل خان میں سوال و جواب کی ایک بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں اس علاقے کے اکثر معززین تشریف لائے ہوئے تھے۔ دوران گفتگو رفتہ رفتہ لوگ کھلنے شروع ہوئے اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے دلوں پر بہت گہرا اثر ہے تو بعض سے میں نے بات چھیڑ دی کہ یہ بات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اصل قصہ کیا ہے؟ تو ان میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر بتایا کہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہیدؓ کے زیر اثر یہ سارا علاقہ تھا اور اس وقت یعنی آپ کی شہادت کے وقت تقریباً سب کے سب احمدی ہو گئے تھے اور اس نے بتایا کہ میرا گاؤں فلاں پہاڑ کی چوٹی پر ہے جس رستے سے آپ گزر کر آئے ہیں اسی رستے

سے اوپر رستہ جاتا ہے میں گواہ ہوں کہ ہمارا سارا گاؤں احمدی تھا اور آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں ہمارے گھر میں پڑی ہوئی ہیں کوئی آدمی جا کر دیکھنا چاہے تو لائبریری میں آپ کی کتابیں ملتی ہیں۔

پھر صوبہ سرحد کے ایک اور آدمی نے گواہی دی جو ایک وقت میں مرکزی حکومت کے وزیر بھی رہے کہ ان کے والد بھی احمدی، ان کے خاندان میں بہت سے احمدی اور اس علاقے میں ان کے اثر کی وجہ سے بہت سے احمدی ہوئے لیکن بعد میں سیاست کی وجہ سے ملاں کے زور کی وجہ سے وہ لوگ دب گئے تو انہوں نے کہا کہ دل سے تو میں آج بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں اور میں ابھی بھی بعض دفعہ ان کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں جو میرے والد کی لائبریری میں ہیں مگر ہمت نہیں سیاست کی کمزوری ہے اس کی وجہ سے توفیق نہیں کہ کھل کر کہہ سکوں۔ یہ بھی بتایا کہ میرے والد مجھے قادیان لے جایا کرتے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے مصافحہ کی خاطر مجھے کہا کرتے تھے کہ آؤ میرے ساتھ چلو (مصافحہ نہیں کہنا چاہئے آپ کے قرب کی سعادت حاصل کرنے کے لئے صحبت کی سعادت حاصل کرنے کیلئے) کہتے ہیں جب میں پہلی دفعہ گیا تو میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھادیا تو میرے والد نے زور سے ہاتھ مار کر کلائی سے میرے بازو کو نیچے کیا اور کہا کہ گھٹنوں کو ہاتھ لگاؤ تم اس لائق نہیں ہو کہ مصافحہ کرو۔ تو یہ سیاسی لحاظ سے علاقہ کے بہت معزز انسان تھے اور دل میں گہری عقیدت بھی تھی اور بچوں پر بھی اس کا اثر رہا لیکن نام کے لحاظ سے وہ احمدی نہیں۔ تو چونکہ یہ دور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے دیکھے ہوئے تھے اور ان کے بعد کے اثرات کا میں نے مطالعہ کیا اس سے مجھے یقین تھا اور اب بھی یقین ہے کہ اگر ان سب کو شامل کرلیا جائے اور وہ خاندان یا وہ علاقوں کے علاقے جو کسی زمانہ میں احمدی ہوئے اور بعد میں کمزوری دکھا گئے تو یقیناً اس تعداد میں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بیان فرمائی کوئی مبالغہ نہیں ہے لیکن جہاں تک ارادے یا نیت کا تعلق ہے اس میں مبالغے کا سوال ہی کوئی نہیں پیدا ہوتا۔

اب رہا یہ سوال کہ ایسا کیوں ہوا اور خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں کرنے دیا۔ تو اس کے متعلق قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دفعہ الٰہی حکمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک جماعت اپنے آپ کو مدمقابل کے سامنے زیادہ سمجھے اور مدمقابل کو تھوڑا سمجھے۔ نسبت کی بات ہے اگر مدمقابل تھوڑا

دکھائی دیتا ہے تو مقابل پر اپنی تعداد زیادہ دکھائی دے گی اور یہ الٰہی حکمت ہوتی ہے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک سے زائد مرتبہ یہ الہام ہوا کہ **نصرت بالرعب** کہ مجھے رعب کے ذریعہ نصرت عطا کی گئی تو جماعت کا ایک رعب بھی ہے اور وہ رعب بہت بڑا ہے اس رعب کے مقابل پر ہماری تعداد تھوڑی ہے لیکن اس رعب پر جب نظر جاتی ہے تو کروڑ سے بھی زیادہ دکھائی دیتی ہے اور خدا تعالیٰ کی تقدیر بعض دفعہ ایسا کیا کرتی ہے۔ چنانچہ میں نے قرآن کریم کی جن آیات کی تلاوت کی ہے اس پر کوئی جاہل مولوی تو اعتراض کرسکتا ہے مگر صاحب فراست جو انسانی نفسیات پر نظر رکھتا ہے اس کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یاد کرو وہ وقت جبکہ میں نے تجھے رویا میں دشمن کی تعداد کم دکھائی اب پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دکھا رہا ہے نعوذ باللہ جھوٹی رویا دکھائی اور خدا تعالیٰ کو غلط بیانی کی کیا ضرورت تھی اگر نعوذ باللہ مولوی کی تعریف میں یہ غلط بیانی کہلائے تو یہ عجیب وغریب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خود دکھا رہا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور تجھے تعداد کم دکھائی تو اگر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دل پر الٰہی تصرف کے تابع دشمن کم اور اپنی تعداد کے زیادہ ہونے کا اثر پڑا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ایک حکمت تھی وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ اگر تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھائی دی جاتی جیسا کہ تھی اور نسبت کے لحاظ سے تم کم ہو جاتے اور وہ زیادہ ہو جاتے تو تم میں سے بہت سے ایسے کمزور ہیں جو پھسل جاتے اور ٹھوکر کھا جاتے اور آپس میں تم لوگ اختلاف شروع کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ سینوں کے راز کو بہتر جانتا ہے۔

لیکن پھر بھی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اس کے باوجود واقعات کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں رؤیا دکھائی گئی تأثر اور چیز ہے تأثر میں غلطی لگ جایا کرتی ہے مگر اللہ رؤیا دکھائے اور آنحضرت ﷺ کو دکھائے اور واقعات کے خلاف ہو یہ عجیب بات ہے جو قابل فہم نہیں ہے اس کا جواب اگلی آیت میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا کہ اے مومنو! جب تم خود جاگے ہوئے اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے تھے اور ان کی تعداد کو کم سمجھ رہے تھے وہ وقت یاد کرو تو اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ دکھایا

ہے ایک ایسا واقعہ جس نے ظہور میں آنا تھا جو حقیقت تھی کہ جب دشمن کے سامنے مسلمانوں کی فوج صف آراستہ تھی اس وقت مسلمانوں نے جو اپنے اندزے کئے وہ بعینہ یہی تھے جو رؤیا کے مطابق تھے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا تصرف ایسا عظیم الشان ہے کہ غلط بات دکھائے بغیر وہ تاثر پیدا فرما دیا جس کا پیدا فرمانا مسلمانوں کی بقا کے لئے ضروری تھا اور حیرت انگیز ہے فرمایا: وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ الٰہی تصرف کے مطابق جاگے ہوئے ایک چیز کا کم دکھایا جانا یا زیادہ دکھایا جانا یہ جھوٹ میں شامل نہیں ہے اور خدائی تصرف نے مسلمانوں کو وہ نظارہ دکھا دیا جس کے اندر ایک مصلحت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی رؤیا حقیقۃً سچی ثابت ہو اور یہ سارے مسلمان اس بات کے گواہ بن جائیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے سچ دیکھا اور سچ فرمایا، ورنہ اگر نعوذ باللہ ایسا نہ ہوتا اور آنحضرت ﷺ یہ کہہ کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لے جاتے جیسا کہ آپؐ نے ان کو فرمایا تھا کہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ دشمن کی تعداد تھوڑی سی ہے کوئی حرج نہیں ہے چلو وہاں دشمن زیادہ دکھائی دیتا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنی بڑی قیامت آتی اور کتنا بڑا فتنہ پیدا ہو جاتا یعنی کمزور ایمان والوں کے لئے۔ سچے مومنوں کے لئے تو فتنے کا کوئی مقام نہیں ہوا کرتا اور اللہ کی شان دیکھیں کہ ان میں سے ہر شخص، ہر مجاہد جو اس غزوہ میں شامل تھا ہر ایک کی آنکھوں نے یہی نظارہ دیکھا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا تھا کہ دشمن کم ہے اور آپ تعداد میں زیادہ ہیں۔

پس جماعت احمدیہ کی تقویت کے لئے اور ان کو سہارا دینے کے لئے اور بہت قوی اور بڑے دشمن کے رُعب سے بچانے کی خاطر خدا تعالیٰ نے میں سمجھتا ہوں کہ اپنے تصرف کے تابع یہ انتظام فرمایا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا جو اندازہ تھا وہ ایک الٰہی تصرف کے تابع تھا لیکن جب حقیقت میں اعداد وشمار پر بحث ہو تو اس وقت احمدیوں کا اس بات پر اصرار کرنا کہ ہم ضرور اتنے ہیں یہ درست نہیں ہے یا اس کو مزید بڑھا چڑھا کر بیان کرنا یہ بھی درست نہیں ہے اس میں احتیاط کرنی چاہئے۔

اس کا موقعہ اس لئے پیش آیا کہ ایک جگہ سے مجھے خط آیا کہ تعداد کے اوپر میری کسی سے گفت وشنید ہوئی اور اس نے حتماً کہا کہ ہرگز تم اتنے نہیں اور میں تیار ہوں کہ میں اس بات پر مباہلہ کر لوں۔ ایک تو مباہلہ کا مضمون عام ہو گیا ہے یہاں تک کہ پاکستان کے ایک جاہل مولوی نے یا کسی نے تعداد کے معاملہ میں مجھے مباہلہ کا چیلنج دیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن پر یہ اثر ہوگا اس لئے اس

نے کہا کہ میں مباہلہ کرتا ہوں میں نے کہا: ہرگز مباہلہ نہیں کرنا کبھی اندازوں میں بھی مباہلے ہوئے ہیں اور پھر تعداد کا مضمون ایسا مضمون ہی نہیں ہے جس میں مباہلے کئے جائیں۔ کسی کی صداقت کا مضمون ایسا مضمون ہے جس میں مباہلے کئے جاتے ہیں یہ تو ایک لغو بات ہے کہ ہر بات کو کھیل بنا لو اور مباہلہ کر لو حالانکہ مباہلے کا مطلب یہ ہے کہ خدا ضرور تمہارے مدمقابل کو تمہاری زندگی میں ہلاک یا رسوا کر دے۔ تو کیوں خدا کی تقدیر کو آپ خواہ مخواہ اپنے اندازوں کے تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا کی تقدیر کا تقدس تقاضا کرتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں ایسے بڑے بڑے دعوے نہ کیا کریں تو اس لئے بھی مجھے ضرورت پیش آئی ہے کہ اس مضمون کو ایک دفعہ خوب اچھی طرح کھول دوں۔

جہاں تک دشمن کے دعاوی کا تعلق ہے وہ ویسے ہی مضحکہ خیز ہیں اور ایک دوسرے کو جھٹلانے والے ہیں اور اتنے لغو ہیں کہ کوئی بچہ بھی ان کو سن کر ان سے متاثر نہیں ہو سکتا میں اس کی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ وہ جو احمدیوں پر مبالغے کا الزام دھرتے ہیں ان کی اپنی کیفیت کیا ہے ان کے نزدیک جماعت احمدیہ کی تعداد کیا ہے اور ان کے اندازوں میں اختلافات کیا کیا ہیں اسکے چند نمونے میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ایشیا جو جماعت اسلامی کا ہفت روزہ رسالہ ہے۔ ۲۹/نومبر ۱۹۷۰ء کو اس نے اپنی اشاعت میں لکھا کہ: ''پاکستان میں ۱۱ کروڑ مسلمان بستے ہیں جبکہ قادیانیوں کی کل تعداد چند لاکھ بھی نہیں'' یاد رکھئے! یہ ان کا ۲۹/نومبر ۱۹۷۰ء کا اعلان ہے اس کے ۳ مہینے بعد ہفت روزہ چٹان میں جماعت اسلامی کے سرکردہ لیڈر رسید اسعد گیلانی کا یہ بیان شائع ہوا کہ

''مغربی حصے میں (یعنی مشرقی پاکستان کو الگ کر کے مغربی پاکستان میں) ۲۲ لاکھ سے زائد قادیانی اقلیت اپنے سارے وسائل کے ساتھ پیپلز پارٹی کی رضا کار تنظیم بن گئی۔'' یعنی ۳ مہینے پہلے چند لاکھ بھی نہیں تھے ۵ سے بھی کم اور ۳ مہینے کے بعد ۲۲ لاکھ ہو گئے جن میں اکثریت رضا کاروں کی تھی۔ اب اس قسم کے تخمینوں سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان میں نہ کوئی تُک نہ کوئی حساب جو منہ میں آئے انٹ شنٹ کہتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی جہاں دل چاہا تعداد کو کم کر دیا جہاں دل چاہا بڑھا دیا۔ اس کے مقابل پر جو جماعت کا تخمینہ ہے وہ اگر زیادہ بھی ہو تو اس کے حقیقت سے زیادہ ہونے کے لئے کچھ جواز بھی موجود ہیں جیسا کہ میں نے بیان کئے ہیں۔

تاریخی طور پر جماعت ایک دفعہ اتنی پھیل چکی ہے کہ ایک کروڑ سے زائد یقیناً اس کی تعداد پہنچ چکی ہے لیکن جو لوگ نام کے نہیں رہے یا خاندان کے خاندان یا علاقوں کے علاقے جو پیچھے بھی ہٹ چکے ہیں اگر آپ ان سے رابطے کریں اور مولوی کے معلوم کرنے کا خوف ان کو دامنگیر نہ ہو تو وہ آپ کے سامنے آج بھی یہی گواہی دیں گے۔ چنانچہ ایک دفعہ کی بات نہیں، بیسیوں مرتبہ مجھ سے ایسا ہوا ہے کہ وہ احمدی جن کے آباؤ اجداد احمدی تھے جو جماعت کے ریکارڈ میں ایک دفعہ احمدی کے طور پر لکھے گئے ان کی اولاد غیر احمدی ہوتے ہوئے بھی جب علیحدگی میں ملتی ہے تو تھوڑی سی بے تکلفی کے بعد ان کے دل سے یہ آواز اٹھتی ہے اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ احمدیت سچی ہے ہمارے بزرگ والدین درست تھے ہم بھی دل سے احمدی ہیں مگر مجبور ہیں۔ بنگال میں بھی مجھے اس کا بارہا تجربہ ہوا۔ ادھر پنجاب میں ہوا، سرحد میں ہوا، ابھی کچھ عرصہ پہلے جہلم ہی کے ایک علاقے کے (جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے) ایک معزز خاندان کے دوست تشریف لائے ہوئے تھے۔ان سے میری بات ہوئی انہوں نے کہا: ہاں جی! میں جانتا ہوں، ہمارے آباؤ اجداد سارے کے سارے، سارا علاقہ احمدی تھا اور دل کی بات پوچھیں تو میں بھی احمدی ہوں ، اور ہمارے دل میں حضرت مسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت جاگزیں ہے مگر مجبور ہیں۔ہم لوگ سیاسی بن چکے ہیں، دنیادار ہو گئے تو اس کیلئے ایک جواز ہے۔ایسا جواز نہیں جو محض دور کا جواز ہو واقعۃً پچھلی سوسالہ تاریخ میں جماعت ایک کروڑ کی حدوں کو مس کر چکی ہے۔اب ہمارا فرض ہے کہ ان لوگوں سے دوبارہ رابطے زندہ کریں۔ جو لوگ کھوئے گئے یا پیچھے ہٹے ان کو کھینچ کر لائیں۔اس لئے اس مبالغہ میں (اگر یہ مبالغہ کہتے ہیں) تو کوئی ایک بنیاد موجود ہے اسے کلیۃً ہوائی بات نہیں کہا جاتا مگر ان کی باتیں آپ سنیئے کیسی ہیں۔ایک جگہ جماعت اسلامی کے ۱۹۷۰ء کے اعلان کے مطابق چند لاکھ بھی احمدی نہیں اس سے ۱۴ سال کے بعد یعنی ۱۹۸۴ء میں مفتی مختار احمد نعیمی صاحب سیکرٹری جنرل مجلس عمل نے اعلان کیا کہ ”پاکستان میں قادیانیوں کی تعداد کسی طرح بھی ایک لاکھ سے زیادہ نہیں“ (روزنامہ وفاق، لاہور۔ ۱۲/ جولائی ۱۹۸۴ء) یعنی اب پہلے تین مہینے کے اندر اندر چند لاکھ سے بڑھ کر ۲۲ لاکھ رضا کاروں تک بات پہنچ گئی پھر تقریباً ۱۴ سال کے بعد وہ تعداد گھٹتے گھٹتے ایک لاکھ بھی نہیں رہی ۔ پھر راجہ ظفر الحق صاحب جو ایک زمانے میں مرکزی حکومت میں وزیر تھے ان کا ایک باقاعدہ معین اعداد و شمار کے ساتھ اعلان شائع ہوا۔وہ کہتے

ہیں۔’’ملک میں قادیانیوں کی تعداد ایک لاکھ چار ہزار دوسو چوالیس ہے۔‘‘(روزنامہ وفاق۔ لاہور) اب یہ ایسی مضحکہ خیز بات ہے کہ ہر احمدی جو پاکستان کی جماعتوں کو جانتا ہے جس نے دورے کئے ہوئے ہیں یا ویسے بھی جلسے دیکھے ہوئے ہیں اس کو پتہ ہے کہ ایک ایک جلسے میں اس سے بہت زیادہ تعداد موجود تھی۔ مجھے یاد ہے جب میرا پاکستان میں ۱۹۸۳ء کا آخری جلسہ تھا تو اس میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار سے زائد حاضرین شامل تھے۔ ان میں سے چند ہزار غیر احمدی بھی ہوں گے کیونکہ احمدی دوست اپنے ساتھ لایا کرتے تھے مگر یہ تو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں اس کے بعد ان کا یہ اعلان ہے کہ ایک لاکھ ۴ ہزار ۲۴۴ ہیں یہ حکومت کی بیان کردہ تعداد ہے۔ اب اس پر مزید چھلانگ انہوں نے یہ لگائی کہ جنیوا میں انسانی حقوق کے عالمی کمیشن کا ایک اجلاس ہوا، جس کے سامنے جماعت احمدیہ کے نمائندوں نے بھی پاکستان میں احمدیوں پر گزرنے والے حالات رکھے اور حکومت کے نمائندے نے باقاعدہ رسمی طور پر وہاں یہ اعلان کیا کہ یہ جو کہتے ہیں ہم اتنی بڑی تعداد میں ہیں اور۔۔۔مظالم ہورہے ہیں اور اتنے مظالم ہورہے ہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ مظالم ہو بھی رہے ہیں تو تمہیں کیا؟ چھوٹی سی تو جماعت ہے اتنی سی جماعت پر مظالم ہو بھی جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہماری تحقیق کے مطابق سارے پاکستان میں جماعت احمدیہ کی تعداد ۶۰ ہزار ہے۔ تو ایک طرف وہ بھی کم کررہے ہیں اور دوسری طرف ہمیں بھی وہ کم دکھائی دیتے ہیں تو اندازوں کی غلطیوں میں ایک جماعت معصوم ہے اور ایک جماعت عمداً غلط بیانی سے کام لے رہی ہے لیکن یہ الٰہی تصرف ہے کہ وہ ہمیں معمولی سمجھتے ہیں۔ ہم اپنی تعداد کو ان سے زیادہ سمجھتے رہے اور دونوں باتوں فائدہ ہمیں پہنچا ہے کیونکہ جنگ بدر میں بھی ان دونوں غلطیوں کا فائدہ مسلمانوں ہی کو پہنچا تھا اگر ایک بڑی تعداد اپنے مدمقابل کو چھوٹا سمجھے تو وہ اسے حقیر سمجھ کر اتنے ذرائع کام میں نہیں لاتی جتنے ذرائع کی اس جدوجہد میں ضرورت ہونی چاہئے یعنی ذرائع موجود بھی ہوتے ہیں۔ طاقت موجود ہوتی ہے لیکن مدمقابل کو حقیر اور معمولی سمجھ کے وہ پوری کوشش کو بروئے کار نہیں لاتے اس لئے ان کا نقصان ہوتا ہے۔ وہ جماعت جس کے مدمقابل بہت بری طاقت ہو ان کو اگر اتنی طاقت دکھائی دی جائے تو ان کے ڈر کے مارے حوصلے پست ہو جائیں اور ان کی بقاء مشکل ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نفسیاتی لحاظ سے اس غلطی کا فائدہ بھی ان کو ہی پہنچایا اور وہ اس حوصلے میں رہتے ہیں کہ نہیں دشمن ٹھیک

ہے بڑا سہی، ہم بھی کون سے کم ہیں، ہماری بھی کافی تعداد ہے یہ مقابلہ خوب رہے گا اس سے ان کے حوصلے جوان رہتے ہیں۔ بہر حال یہ صورت حال ہے جو تعداد کے لحاظ سے مختلف نظریات اور مختلف جہتوں سے اندازے پیش کئے گئے ہیں مگر یہ سب اندازے ہیں۔ میں نے جب بھی اس موضوع پر غور کیا میرے دل سے ہمیشہ دو دعائیں اٹھتی رہی ہیں۔ایک کے بعد دوسری اور میں آج ان دعاؤں میں بھی آپ کو شامل کرنا چاہتا ہوں اور اس مضمون کا تعلق تبلیغ کے ساتھ باندھ کر آپ کی ذمہ داری آپ پر روشن کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دل سے ہمیشہ ایک دعا تو یہ اٹھی کہ اے اللہ! اگر ہم کم ہیں، ایک کروڑ سے کتنا کم ہیں ہمیں علم نہیں لیکن تو یہ تو کرسکتا ہے کہ میری موت سے پہلے ہمیں ایک کروڑ کردے تا کہ اس تسلی کے ساتھ میں جان دوں کہ میرے پہلے واجب الاطاعت امام خلیفہ نے جو اندازہ پیش کیا تھا میں مرنے سے پہلے یہ یقین سے کہہ سکوں کہ وہ اندازہ درست نکلا۔

دوسری دعا میں نے یہ کی کہ اے خدا! تو مالک ہے قادر ہے یہ بھی تو کرسکتا ہے کہ میرے زمانے میں ایک کروڑ کردے تا کہ ہم یہ تو کہہ سکیں کہ پہلے تو اندازے تھے اب اعداد و شمار سے ہم تمہیں دکھاتے ہیں اور واقعات تمہاری آنکھوں کے سامنے رکھتے ہیں کہ یہ دیکھو ایک ہی خلیفہ کے زمانے میں خدا تعالیٰ نے ایک کروڑ عطا کئے۔تو ان دونوں دعاؤں کی قبولیت کا تعلق تو خدا کی ذات سے ہے وہ ارحم الراحمین ہے۔ میری تو دعا یہی ہے کہ وہ دوسری دعا قبول فرمالے لیکن جماعت کی کوششوں اور محنتوں اور مخلصانہ جدوجہد سے بھی اس بات کا تعلق ہے، دعاؤں کو عمل تقویت دیا کرتے ہیں۔قرآن کریم نے اس مضمون کو خوب کھول کر بیان فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ کو عمل صالح رفعت عطا کرتا ہے۔ پس دعاؤں کو بھی نیک اعمال سے رفعت عطا ہوا کرتی ہے اس لئے اگر ساری جماعت یہ کوشش کرے کہ ہم اس دور میں ایک کروڑ اور ہو جائیں تو ہرگز بعید نہیں ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے آثار دکھانے شروع کر دیئے ہیں اور خدا کے فضل سے نہ صرف یہ کہ جماعت میں بیعتوں کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے بلکہ بعض نئے علاقے سامنے آرہے ہیں جن کے متعلق توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری التجاؤں کو قبول فرمائے اور جماعت کو خدمت کی توفیق بخشے تو علاقوں کے علاقے احمدی ہوں گے۔ جہاں تک ان اعداد و شمار کا تعلق ہے جن کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے اور سو فیصد درست اعداد و شمار ہیں۔جن کے متعلق تحریری طور پر بیعتوں کا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ اب میں

میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ خدا کی تقدیر حرکت میں ہے اور قبولیت دعا کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ اگر ساری جماعت دعوت الی اللہ کے کام کو سنجیدگی سے لے اور دعائیں کر کے ہر شخص یہ کوشش کرے کہ میں ایک سے دو اور دو سے چار ہونا شروع ہو جاؤں تو مجھے کامل یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں خدا تعالیٰ یہ عظیم خوشخبریاں دکھائے گا۔

جب میں انگلستان پہنچا ہوں تو اس سال دسمبر ۸۴ء تک ۴۸۴۱ بیعتیں ہوئی ہیں۔ پاکستان میں تو ہم نے ان دنوں میں ریکارڈ ظاہر کرنا بند کر دیا تھا۔ ابھی بھی بند ہیں لیکن یہ میں باہر کی دنیا کی بتا رہا ہوں۔ اگلے سال یہ بڑھ کر ۹۵۲۳ ہو گئیں۔ اس سے اگلے سال ۱۲۶۸۹ اور اس سے اگلے سال ۱۵۰۵۹ گویا پہلے تین سال میں تقریباً ۲۵ ہزار اور چوتھے سال کو ملا کر ۴۰ ہزار کے قریب ۴ سال میں بیعتیں ہوئی ہیں اور بقیہ سالوں کا اندازہ کر لیں کہ کس طرح خدا تعالیٰ ترقی دے رہا ہے۔ اب تک میرے یہاں قیام کے دوران موجودہ سال نکال کر ۲ لاکھ ۳۷ ہزار ۸۶ بیعتیں ہو چکی ہیں تو کہاں وہ ۴ ہزار فی سال کی تعداد اور کہاں یہ تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا رجحان کہ گزشتہ ۷ سال میں پہلے چار سال کے معمولی چند ہزار شامل کر کے دو لاکھ ۳۷ ہزار بیعتیں ہو چکی ہیں اور جو موجودہ سال ہے اس میں بھی میرا اندازہ ہے کہ چالیس کے اوپر پچاس کے لگ بھگ ہوں گی۔ اب تک جو چند مہینوں کے اعداد وشمار آچکے ہیں۔ ان میں ۲۰ ہزار سے زائد تو موصول ہو چکی ہیں اسلئے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تعداد ۵۰ کے لگ بھگ ہوگی۔ تو اگر ۴۰ بھی شمار کریں تو ان ۸ سالوں میں کل تعداد ۲ لاکھ ۷۷ ہزار ۸۶ بنتی ہے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان چند سالوں میں جماعت کی رفتار کو کس تیزی سے بڑھانا شروع کیا ہے اور بعض ایسے علاقے ہیں جہاں کام ہو رہا ہے اور ان کے نتائج کے متعلق میں امید رکھتا ہوں کہ جس طرح درختوں کے پھل پکنے میں کچھ وقت لیتے ہیں لیکن پکنے کا عمل سب پھلوں پر شروع ہو چکا ہوتا ہے اسی طرح بعض علاقے ایسے ہیں جہاں پھل پک رہے ہیں۔

پس اگر ہم دعاؤں میں غفلت نہ دکھائیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور جماعت کو خدمت کی توفیق بخشے تو جو پھل پک رہے ہیں یہ اکٹھے جھولی میں گریں گے اور تھوڑے عرصے کے اندر اندر لکھوکھہا بیعتیں ہو سکتی ہیں۔ پس جو باتیں میں اب آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اس میں کوئی تخمینہ نہیں ہے۔ یہ واقعات کی دنیا کی باتیں کر رہا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ بظاہر ناممکن دعاؤں کو

بھی سن لیتا ہے اور ان کو بھی قبول فرما لیتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم دعاؤں کے ذریعہ بھی اور نیک مخلصانہ عمل اور جدوجہد کے ذریعے بھی خدا کے فضلوں کو کھینچنے والے ہوں اور تعداد کے متعلق دشمن جو تعلّی کرتا ہے یا تمسخر آمیز باتیں کرتا ہے وہ ساری باتیں دشمن کے منہ پر پڑیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کو سارے عالم میں سرخرو کرے۔ جہاں تک رعب کا تعلق ہے آج بھی آپ کا رعب تمام عالم میں ایک کروڑ سے زائد کا رعب ہے۔ واقعتاً اس تعداد کے بڑھنے سے یا ڈیڑھ گنا یا دو گنا ہونے سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ساری دنیا میں ایک تہلکہ مچ جائے گا اور پھر ہماری رفتار کے پیمانے بڑی تیزی کے ساتھ مزید وسعت پذیر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ امین۔

پس دعوت الی اللہ کے کام کو معمولی نہ جانیں۔ میں ہمیشہ اسی نیت سے آپ کو دعوت الی اللہ کی تلقین کرتا ہوں کہ یہ دو آرزوئیں ہیں خدا کے فضل کے ساتھ پوری ہوں اور آپ کے سینے بھی کھلیں اور میرا سینہ بھی کھلے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت دن دگنی رات چوگنی اس تیزی سے ترقی کرے کہ دشمن کے ارادے نا کام اور نامراد ہو جائیں اور دشمن یقین کر لے کہ وہ ہمیشہ کے لئے شکست کھا چکا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تحریک جدید کے سال نو کا اعلان

جماعتہائے عالمگیر کی بے مثال قربانیوں کا تذکرہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم نومبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

آج کے خطبہ میں دو موضوع میرے پیش نظر ہیں سب سے پہلے تو تحریک جدید کے نئے سال کا آغاز کرنا ہے اور اس کے بعد پھر گھنٹوں تک غالباً رات کو کسی وقت جماعت جاپان کا سالانہ جلسہ شروع ہوگا اور ان کی یہ خواہش تھی کہ میں براہ راست اس جلسے میں ان سے خطاب کروں۔ یہ چونکہ ایک ایسی نئی رسم پڑ جاتی جس کو نبھانا میرے لئے اور بعض دوسری جماعتوں کے لئے بھی مشکل ہو جاتا اس لئے ان سے میں نے معذرت کی لیکن چونکہ وہ جماعت خدا کے فضل سے بہت ہی مخلص اور بعض پہلوؤں سے امتیازی شان رکھنے والی جماعت ہے اس لئے ان کی دلداری کی خاطر یہ تدبیر میں نے نکالی کہ خطبہ جمعہ میں کچھ وقت کے لئے ان کو بھی مخاطب ہو جاؤں گا اور وہ یہی کیسٹ ان لوگوں کے لئے جلسے میں چلا دیں گے جو براہ راست نہیں سن رہے تو اس طرح گویا ان کے جلسے کا آغاز اس جمعہ کے ساتھ ہی ہو جائے گا۔ پس یہ دو باتیں ہیں جو میں آج احباب جماعت کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

تحریک جدید کا آغاز حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۹۳۴ء میں احرار موومنٹ کے ردعمل کے طور پر مگر الٰہی منشاء کے تابع فرمایا تھا یعنی بظاہر تو اس کا تعلق مجلس احرار کی اس مخالفانہ جدوجہد سے ہے جس

میں انہوں نے یہ عہد و پیمان باندھے تھے اور بڑے بڑے دعاوی کئے تھے کہ ہم اپنے آپ کو احمدیت کو مٹادینے کے لئے وقف کرتے ہیں اور ہمارا مقصد حیات یہی ہے کہ احمدیت کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا جائے۔ چنانچہ عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ قادیان کے جلسہ میں یہ اعلان کیا تھا کہ آپ دیکھیں گے کہ ہم منارۃ المسیح کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے اور قادیان میں کوئی مرزا غلام احمد کا نام لیوا باقی نہیں رہے گا۔ یہ وہ بلند دعاوی تھے جو احرار نے کئے بلندان معنوں میں کہ شور بہت بلند تھا مگر معنوی لحاظ سے دنیا کے پست ترین دعاوی تھے کیونکہ وہ دعویٰ جو خدا کی آواز کو مٹانے اور دبانے کے لئے کیا جائے وہ دنیا کا ذلیل ترین دعوی کہلا سکتا ہے۔ پس ایک لحاظ سے بلند اور ایک لحاظ سے پستی میں انتہائی ذلت کے مقام کو پہنچا ہوا یہ دعویٰ تھا جس کے رد عمل میں حضرت مصلح موعودؓ نے بہت سے پروگرام بنائے اور جماعت کو اس تحریک کے مقابلے کے لئے آمادہ کیا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے القاء کے طور پر آپ کے دل پر یہ تحریک نازل فرمائی اور آپ نے اپنے خطبہ میں ذکر فرمایا کہ تحریک تو میری ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک القاء ہے اور یقیناً یہ ایک الٰہی تحریک ہے جو دنیا میں عظیم الشان نتائج پیدا کرے گی۔ پس وہ احرار جو قادیان کی چاردیواری میں بھی احمدیت کا دم گھونٹنے کا عزم لے کر اٹھے تھے ان احرار کے اپنے دم گھونٹے گئے اور حضرت مصلح موعودؓ نے انہی دنوں میں جبکہ وہ یہ بلند بانگ دعاوی کر رہے تھے یہ اعلان کیا کہ خدا نے جو مجھے خبر دی ہے اس کے مطابق میں احرار کے پاؤں تلے سے زمین نکلتی دیکھ رہا ہوں۔ پس ان کی اپنی زمینیں ان کے پاؤں تلے سے نکل گئیں اور خدا تعالیٰ نے دنیا میں وسیع ممالک کی نئی نئی زمینیں احمدیت کو عطا کیں اور آج یہ اسی تحریک جدید کے اخلاص اور قربانیوں کا پھل ہے کہ جماعت احمدیہ اس وقت دنیا کے ۱۲۶ ممالک میں قائم ہو چکی ہے۔ پس دنیا کی تحریکات اپنے عزائم لے کر اٹھتی ہیں۔ ان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عزم کا اظہار ہوتا ہے اور ہمیشہ اللہ ہی کا عزم ہے جو دنیا پر غالب آیا کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (آل عمران: ۵۵) وہ بھی مکر کرتے ہیں، تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ کا مکر یقیناً غالب آتا ہے اور ہمیشہ غالب آتا ہے اور ان معنوں میں خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کہ وہ بدیوں کے مکر کرتے ہیں اور اللہ بھلائی کے مکر کرتا ہے اور اچھی اچھی تدبیریں کرتا ہے۔

اس مضمون کو قرآن کریم نے اور بھی کئی جگہ مختلف رنگ میں بیان فرمایا ہے پس دشمن کی ہر وہ تحریک جو خدا تعالیٰ کی کسی تحریک کے مقابل پر اُٹھتی ہے اور اس کو مٹانے کا عزم لے کر اُٹھتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کے مقابل پر ایسی تحریکات جاری فرماتا ہے کہ دن بدن دشمن کے عزائم کو ناکام اور نامراد بناتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر فتح خدا تعالیٰ کی تدبیروں کی ہی ہوا کرتی ہے۔اس کا ایک نمونہ ہم نے تحریک جدید کی صورت میں دیکھا ہے۔جس طرح اس درخت نے نشوونما پائی۔جس طرح اس کی شاخیں پھیلیں اور دور دور تک مختلف ممالک میں پھیل گئیں۔یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور وہ آنکھیں جو بینائی رکھتی ہیں اُن کے لئے احمدیت کی صداقت کے ثبوت کیلئے یہی ایک معجزہ کافی ہونا چاہئے مگر جن کو بینائی نصیب نہ ہو وہ تو سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتے ان کے لئے تو کوئی معجزہ بھی کسی قسم کا فائدہ نہیں دے سکتا۔

تحریک جدید کے چندوں کا جہاں تک تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہمیشہ قدم آگے کی طرف ہی بڑھا ہے اور گذشتہ چند سالوں میں خصوصیت کے ساتھ بیرون ممالک بہت آگے نکلے ہیں۔جب میں لفظ بیرونی کہتا ہوں تو چونکہ میرا وطن پاکستان ہے اور پاکستان کی نسبت سے یہ کہنے کی عادت پڑی ہوئی ہے اس لئے مراد ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک ورنہ جہاں تک احمدیت کا تعلق ہے کوئی بیرونی ملک نہیں ہے۔سب احمدیت کے ممالک ہیں۔سب احمدیت کی سرزمینیں ہیں ہم ہر جگہ اندرونی ملک کے رہنے والے ہیں پس اس پہلو سے اس محاورے کو سطحی طور پر سمجھیں اس کو حقیقی معنوں پر اطلاق نہ کریں۔احمدیت کے لئے کوئی بیرونی دنیا نہیں سب احمدیت کی اپنی دنیا ہے۔پس جہاں تک پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے گزشتہ چند سالوں میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ جماعتوں نے قدم آگے بڑھائے ہیں یہاں تک کہ اگلے چند سالوں میں یہ خطرہ دکھائی دیتا ہے کہ بعض ممالک کے چندے پاکستان سے بھی آگے بڑھ جائیں اور ایک وقت ایسا تھا جبکہ پاکستان میں احمدیت کے دشمن اپنے منصوبے بناتے وقت اس بات کو اہمیت دیا کرتے تھے کہ احمدیت کے دنیا میں پھیلنے کی طاقت کا راز وہ چندے ہیں جو پاکستان میں اکٹھے ہوتے ہیں اور بیرونی ممالک پر خرچ کئے جاتے ہیں۔اگر پاکستان کے چندوں کا باہر نکلنا بند کر دیا جائے تو ان کی بیرونی سرگرمیوں کا دم گھوٹا جائیگا اس لئے کئی دفعہ وفود بنا کر یہ حکومتوں کے

سربراہوں تک پہنچے اور مطالبات میں ایک اہم ترین مطالبہ یہ ہوا کرتا تھا کہ آپ نے پاکستان کی احمدیہ جماعت کو جو یہ رعایت دے رکھی ہے کہ یہ اپنے چندے دوسرے ملکوں کی طرف منتقل کروائیں یہ بہت بھاری ظلم ہے۔ اس رعایت کو ختم کرنا چاہئے اس کے برعکس ہمیں یہ موقعہ ملنا چاہئے کہ ہم آپ کی مدد سے بیرونی دنیا میں یعنی پاکستان سے باہر کی دنیا میں تبلیغ کریں چنانچہ بالآخر ان کے یہ مطالبات منظور ہوئے۔ پاکستان کی جماعت احمدیہ کو Exchange کی جو سہولت دی جاتی تھی وہ سہولتیں بند کر دی گئیں اور بہت سی قدغنیں لگا دی گئیں۔ یہاں تک کہ واقعتہً انہوں نے گویا جماعت کے مالی نظام کی شہ رگ پر ہاتھ ڈالا اور یہ سمجھا کہ اس طرح تمام دنیا میں احمدی جماعتوں کو خون کی سپلائی بند ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے جو نتیجہ ظاہر فرمایا وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اب پاکستان کا چندہ تمام دنیا کے تحریک جدید کے احمدی چندوں کے مقابل پر ایک تہائی بھی نہیں رہا اور بعض ممالک اس تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پاکستانیوں کے لئے خطرہ ہے کہ چند سال کے بعد وہ صفِ اول میں کھڑے رہنے سے محروم رہ سکتے ہیں۔ پس ان کو دعا بھی کرنی چاہئے اور کوشش بھی کہ جو اولیت کا مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے اس کو وہ قائم رکھیں۔

تفصیلی رپورٹیں پڑھ کر سنانے کا تو اس خطبہ میں وقت نہیں ہے لیکن جیسا کہ میں نے گزشتہ سال یہی طریق اختیار کیا تھا کہ چند چوٹی کی بڑی بڑی خدمت کرنیوالی جماعتوں کی فہرست آپ کے سامنے پڑھ کر سناؤں گا اور چندوں کے متعلق کہیں نہ کہیں ایسے تبصرے کروں گا جس کے نتیجہ میں ان جماعتوں کو بھی فائدہ ہو اور دوسری سننے والی جماعتوں کو بھی احساس ہو کہ وہ آگے بڑھنے والی جماعتوں کے مقابل پر کہاں کھڑے ہیں اور کس کس جگہ کمی ہے اور کہاں ترقی کی مزید گنجائش موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے حسب سابق امسال بھی پاکستان کو خدا تعالیٰ نے اولیت عطا کی ہے اور اس کے بعد جرمنی کی جماعت کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ دنیا کے باقی تمام ممالک کے مقابل پر وہ اول ٹھہرے۔ چنانچہ ان میں ہر لحاظ سے خدا کے فضل سے نمایاں ترقی پائی جاتی ہے۔ ۹۰۔۱۹۸۹ء میں جرمنی کی جماعت کا وعدہ ایک لاکھ ۳۷ ہزار ۵۶۴ پاؤنڈ تھا جس کے مقابل پر ان کی وصولی ایک لاکھ ۴۷ ہزار ۹۵۳ پاؤنڈ تھی گویا کہ وعدہ بھی خدا کے فضل سے بہت اچھا اور وصولی بھی وعدے سے بڑھ کر ۹۱۔۱۹۹۰ء میں جرمنی کی جماعت نے اپنا وعدہ بڑھا کر ایک لاکھ ۵۰ ہزار ۹۴۳

کر دیا اور خدا کے فضل سے وصولی بھی ایک لاکھ ۵۰ ہزار ۹۴۳ ہے۔اس ضمن میں یہ بات کھولنا چاہتا ہوں کہ جن جماعتوں کی طرف سے بعینہٖ اتنی ہی وصولی کی خبر ملتی ہے ان کے مالیاتی نظام کی صحت پر شک پڑ جاتا ہے کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں چندہ دہندگان موجود ہوں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ جتنا وعدہ کیا گیا ہو بعینہٖ اتنا ہی وعدہ پورا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ بعض وعدہ کنندگان بیچارے ایسے بھی ہیں جو بڑے اخلاص سے نیک نیتی سے وعدہ کرتے ہیں لیکن درمیان میں حادثات کا شکار ہو کر مالی لحاظ سے یہ توفیق نہیں پاتے کہ اپنے وعدے کو پورا کر سکیں چنانچہ بعض دفعہ ان کی طرف سے بڑی دردناک چٹھیاں ملتی ہیں کہ ہم مجبور ہو گئے ہیں اگر اجازت دی جائے تو کچھ عرصہ کے لئے ہمیں وصولی کی قید سے آزادی دی جائے، پھر جب خدا توفیق عطا فرمائے گا ہم شامل ہو جائیں گے تو یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ یہ حوادث زمانہ ہیں ان سے کسی ملک کو بھی استثناء نہیں ہے۔ جرمنی کو بھی نہیں ہے۔ وہاں بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عموماً ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو چندہ لکھواتا ہی نہیں اور اگر لکھوانا چاہے بھی تو کسی نہ کسی جگہ چندے لکھنے والوں کی طرف سے غفلت ہوتی ہے کیونکہ ہم نے بالعموم یہ دیکھا ہے کہ وصولی کی طرف تو زیادہ سنجیدگی سے توجہ دی جاتی ہے لیکن وعدے لکھوانے کی طرف اتنی سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جاتی کیونکہ جماعت میں بالعموم یہ بڑا گہرا تاثر ہے کہ پیسہ تو ہم نے دینا ہی دینا ہے۔ یا لوگوں نے چندہ تو ادا کرنا ہی کرنا ہے وصولی کے وعدے تو ایک رسمی سی چیز ہے، یہ نہ بھی ہو تو فرق نہیں پڑتا اس لئے میرا سالہا سال کا یہی تجربہ ہے جب میں وقف جدید میں بھی کام کرتا تھا کہ وعدے لکھوانے میں جماعتوں کی طرف سے سستی ہوتی ہے اور عملاً وصولی کے وقت جماعتیں خدا کے فضل سے مستعد ہو جاتی ہیں۔ پس وعدوں سے وصولی بڑھنی چاہئے اور بالعموم یہی ہوا کرتا ہے کہ جو لوگ کم دے سکتے ہیں ان کے مقابل پر زیادہ دینے والے نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں اور بالعموم یہی شکل بنتی ہے کہ آخر وعدوں کے مقابل پر وصولی بڑھ جاتی ہے اس کے برعکس بعض اور جماعتیں بحیثیت ملک کی اقتصادی حالت کے بہت کمزور ہوتی ہیں یعنی سارے ملک کی اقتصادی حالت اتنی کمزور ہوتی ہے جیسے سیرالیون میں کہ ایک وقت کی روٹی بھی اکثر باشندوں کو میسر نہیں آ رہی۔ ایسے حالات میں وعدے خواہ کتنے ہی اخلاص سے لکھائے گئے ہوں سارے ملک کا اقتصادی معیار مہینوں کے اندر گرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ کئی گنا روپے کی قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہے

اور ایسے لوگ اگر چاہیں بھی تو پھر وعدے پورے نہیں کر سکتے تو ان کا وعدوں کو پورا کرنا ان کے اخلاص کے لئے پیمانہ نہیں ہے بلکہ کسی اور چیز کا پیمانہ ہے۔ یہ ان کی بے کسی اور مجبوری کا پیمانہ ہے پس اس پہلو سے بھی یہ عقلاً ممکن ہی نہیں کہ جتنے وعدے لکھوائے گئے ہوں بعینہ اتنی وصولی ہو جائے تو جرمنی کی اس رپورٹ میں کچھ خامی رہ گئی ہے۔ یہ وصولی تو یقیناً ہوئی ہے کیونکہ جہاں تک میں نے ان کے مالی نظام کو دیکھا ہے جب وہ کہتے ہیں کہ یہ وصولی ہے تو لازماً وہ اتنا روپیہ دکھاتے ہیں۔ موجود ہوگا لیکن میرا خیال ہے کہ جلدی کی رپورٹ ہے اور بہت سی وصولیاں ابھی آئی نہیں ہوں گی۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ ان کو بھی اس معاملہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے جیسا کہ U.K کو بھی یعنی انگلستان کی جماعت کو بھی اپنی رپورٹ پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔ U.K کا ۹۰ ہزار پاؤنڈ کا وعدہ تھا اور بعینہٖ ۹۰ ہزار پاؤنڈ پورا ہوا ہے اب یہ بھی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ اس سے پچھلے سال U.K کا وعدہ ۹۰ ہزار کا تھا اور وصولی ۷۱ ہزار ۲۰۷ تھی اس لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ امیر صاحب اس کی چھان بین کر کے پھر رپورٹ بھجوائیں گے۔ بہر حال U.K کی یہ خوش قسمتی ہے کہ جرمنی کے بعد یہ دوسرے نمبر پر ہیں اور تیسرے نمبر پر امریکہ ہے جس کے وعدے گزشتہ سال ۷۰ ہزار ۱۷۵ کے تھے اور وصولی بھی بعینہٖ ۷۰ ہزار ۱۷۵ کی تھی جو تعجب انگیز ہے اور امسال ان کے وعدے ۸۷ ہزار ۹۴۷ کے تھے اور وصولی بھی بعینہٖ ۸۷ ہزار ۹۴۷ ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی امیر صاحب کے لئے چھان بین کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے۔ کینیڈا کا نمبر چوتھا ہے یعنی پاکستان کو چھوڑ کر اور ان کے وعدے گزشتہ سال ۵۱ ہزار ۵۹ کے تھے اور وصولی ۴۷ ہزار ۳۹۸ تھی اور امسال ان کے وعدے ۶۱ ہزار ۱۷۲ کے تھے۔ اور وصولی ۵۰،۰۴۲ پس کینیڈا کو خصوصیت سے توجہ کرنی چاہئے۔ بڑی مخلص جماعت ہے لیکن بہت حد تک تربیت کے محتاج نوجوان بھی وہاں پہنچے ہوئے ہیں اور بعض ایسے خاندان ہیں جن کا پہلے جماعت سے کوئی ایسا خاص تعلق نہیں تھا۔ کینیڈا میں جا کر ان کے اندر نئی زندگی پیدا ہوئی ہے تو وہاں کے مالی نظام کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے ان کا مرکزی نظام تو بہت مستحکم ہے اور کمپیوٹر کی مدد سے جدید ترین طریق پر وہ حسابات رکھتے ہیں لیکن خالی کمپیوٹر سے کام نہیں بنا کرتے۔

نظام جماعت میں دو چیزوں کی ضرورت ہے اول اخلاص کے معیار کو بلند کرنا۔ دوسرے

کارکنوں کی محنت اور نظم وضبط کے نظام کو بہتر بنانا اگر سلسلہ کے کارکن محنت سے کام کرنے والے ہوں اور نظم وضبط کے ساتھ ان کے کام کی نگرانی ہو تو بالعموم خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ دبے ہوئے اخلاص بھی چمک اٹھتے ہیں اور جماعت میں نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاص کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے جو ظاہر و باہر پریشانیوں سے پھوٹتا اور قربانیوں سے ظاہر ہوتا ہے اور ایک وہ ہے جو ہر احمدی کے دل میں بیج کے طور پر موجود رہتا ہے یا دبی ہوئی لہروں کے طور پر موجود رہتا ہے۔ ایسے اخلاص کو ابھارنا اور باہر لانا یہ سلسلہ کے کارکنوں کی کارکردگی پر منحصر ہے۔ اگر وہ اچھے ہوئے مخلص ہوں عقل والے ہوں، حکمت کے ساتھ بجائے روپے کے مطالبے کرنے کے ان کے اخلاص کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کرنے والے ہوں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے بہترین نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

انڈونیشیا کا نمبر پاکستان کو چھوڑ کر باہر کی دنیا میں پانچواں ہے۔ انڈونیشیا نے گزشتہ سال ۳۴ ہزار کے وعدے کئے تھے اور وصولی ۳۷ ہزار کی ہوئی امسال یعنی جو سال اب گزر چکا ہے اس میں ۴۵ ہزار ۷۸۵ کے وعدے تھے اور وصولی ۴۵ ہزار ۷۸۵ ہوئی ہے۔ اس وصولی کی ممکن ہے ایک یہ بھی وجہ ہو یعنی بعینہٖ ہونے کی کہ بعض جماعتوں نے ابھی تک رپورٹیں نہیں بھجوائیں اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے شاید انڈونیشیا بھی اس میں شامل ہے۔ ان کے متعلق مال کے شعبہ نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ گزشتہ سال کی رپورٹ کو دہرایا ہے۔ یعنی وعدوں کی رپورٹ تو مل چکی ہے لیکن وصولی کی گزشتہ سال کی رپورٹ کو انہوں نے من وعن اسی طرح بیان کر دیا ہے۔ جو پہلی جماعتیں تھیں جن پر میں نے تعجب کا اظہار کیا ہے ان کی رپورٹیں مل چکی ہیں اور رپورٹوں میں بعینہٖ وہی اعداد و شمار ہیں جیسے میں نے پڑھ کر سنائے ہیں لیکن انڈونیشیا کے معاملہ میں ابھی آخری رپورٹ آنے والی ہے۔

ماریشس کا نمبر چھٹا آتا ہے اور ان کا گزشتہ وعدہ ۹،۲۰۸ تھا وصولی ۹،۷۲۴ اور امسال ۱۶،۶۵۰ اور وصولی ۱۶،۶۵۰ ہے یہ بھی تعجب انگیز ہے۔

یہ معاملہ یقیناً تعجب انگیز ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں جماعتیں ایسی ہیں جن کی وصولی بعینہٖ وعدوں کے مطابق ہے جب کہ خدا کے فضل سے تعداد چندہ دہندگان بہت بھاری ہے اور یہ عقلاً ممکن نہیں ہے کہ بعینہٖ ویسی وصولی ہو۔ ماریشس کا بھی یہی حال ہے ۱۶،۶۵۰ کے وعدے ۱۶،۶۵۰ وصولی اور جاپان کی وصولی امسال معمولی سی کم رہ گئی ہے جس کی جاپان سے بہر حال توقع نہیں ہے ۱۵،۱۵۵

کے ان کے وعدے تھے اور وصولی ۱۴،۷۵۱ کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس میں بھی رپورٹ کی کوئی خامی رہ گئی ہوگی ورنہ جماعت جاپان کا جیسا کہ میں نسبتاً تفصیلی ذکر کروں گا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سے ہرگز یہ امید نہیں کہ وعدہ سے کم وصولی کرنے والے ہوں۔

ہندوستان کی پوزیشن پاکستان کے بعد باہر کی جماعتوں میں آٹھویں نمبر پر ہے۔ ان کے وعدے سال گزشتہ ۱۴،۱۳۱ تھے وصولی ۱۱،۴۰۰ اور اب جو سال گزر رہا ہے اس میں ۱۴،۵۴۴ کے وعدے تھے اور وصولی ۱۲،۳۰۷۔ ہندوستان کے حالات ایسے ہیں کہ ان میں یہ بات سمجھنے کے قابل ہے یعنی سمجھی جاسکتی ہے اور ان کو اس بات کا حق دیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی حد تک وصولی میں پیچھے رہ جائیں کیونکہ کشمیر کی جماعتیں بہت ہی سنگین حالات میں سے گزر رہی ہیں اور ہندوستان ویسے بھی بہت پھیلا ہوا ملک ہے جس کے مقابل پر قادیان میں جماعتوں تک پہنچنے کے جو وسائل ہیں وہ سر دست نسبتاً کم ہیں۔ انسپکٹران بھی کم ہیں اور لمبے سفر درپیش ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی خاطر اگر یاددہانی کے لئے انسپکٹر بھیجے جائیں تو انسپکٹر بھجوانے کا خرچ زیادہ آتا ہے اور وہاں سے وصولی کم ہوتی ہے تو اس لحاظ سے کچھ ایسی دقتیں ہیں کہ ان کی مجبوریاں ہیں۔ اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان اللہ تعالیٰ کے فضل سے قربانی کے میدان میں پہلے کی نسبت زیادہ آگے بڑھ رہا ہے۔

جہاں تک فی کس وصولی کا تعلق ہے اس لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل سے جاپان تمام دنیا کو میلوں پیچھے چھوڑ گیا ہے لیکن اس سے پہلے میں تعداد کا ذکر کردوں۔ چندہ دہندگان کی تعداد بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس پہلو سے ہمیں تعداد پر بھی ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے۔

جرمنی میں چندہ دہندگان کی تعداد گزشتہ سال ۴،۸۷۴ تھی اس سال خدا کے فضل سے ۴،۹۰۰۔ U.K میں ۳۰۰۰ تھی اب جو بڑھ کر ۳۳۰۳ ہوگئی امریکہ میں ۱،۲۲۵ تھی اور اب گر کر ۱،۱۶۹ رہ گئی۔ کینیڈا میں ۲،۲۵۲ تھی جو بڑھ کر ۲،۵۰۰ ہوئی اور انڈونیشیا میں ۷،۲۴۵ تھی جو بڑھ کر ۹،۱۶۹ بن گئی ماریشس میں ۹۷۴ کے مقابل پر ۱،۳۹۵ تعداد ہوئی اور جاپان میں ۱۱۰ سے بڑھ کر ۱۳۰ تک تعداد پہنچ گئی ہے۔ ہندوستان میں ۱۲،۸۱۵ تعداد تھی اور اب بھی ۱۲،۸۱۵ دکھائی گئی ہے جو عقلاً ممکن نہیں اس لئے ان کے اعداد وشمار میں بھی درستی کی گنجائش موجود ہے۔

پہلے دس میں ناروے بھی شامل ہے۔ ان کے چندہ کی کیفیت یہ ہے کہ سال گزشتہ انہوں

نے ۶۷۰۳ کا وعدہ کیا تھا اور وصولی ۶۷۱۰ تھی اور امسال یعنی سال جو آج ختم ہو رہا ہے ان کا وعدہ ۶۷۰۴ کا تھا اور وصولی ۶۷۶۵ ہے ان کی تعداد میں بھی خدا کے فضل سے اضافہ ہوا ہے ۴۱۵ پچھلے سال تھی اور اب ۴۵۳ ہو چکی ہے۔

اس کے بعد میں فی کس وصولی کے متعلق بیان کرتا ہوں۔ جاپان دنیا کے سب ممالک میں فی کس وصولی کے لحاظ سے آگے نکل گیا ہے۔ جاپان کی جماعت نے فی چندہ دہندہ تحریک جدید ۱۱۳،۴۶ پاؤنڈ ادا کئے ہیں جو بہت بھاری رقم ہے اور امریکہ جاپان سے تقریباً نصف ہے پیچھے رہ گیا ۶۷ء۲۳ پاؤنڈز فی چندہ دہندہ تحریک جدید ادا ہوا ہے۔ جرمنی خدا تعالیٰ کے فضل سے تیسرے نمبر پر ہے اور ۳۰ء۸۸ پاؤنڈ فی چندہ دہندہ ادا کیا ہے جو جاپان سے تقریباً چوتھا حصہ اور امریکہ سے تقریباً نصف ہے لیکن اس پہلو سے جرمنی کی قربانی قابل تحسین ہے کہ جرمنی کی جماعت میں بھاری اکثریت غرباء کی ہے اور ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی کام کے ہیں اور حکومت کی طرف سے جو زندگی کی بقاء کے لئے گزارے ملتے ہیں اس پر گزارہ کر رہے ہیں اور اس پر بھی چندے دے رہے ہیں اس لئے جہاں تک جرمنی کی جماعت کا تعلق ہے ان کا ۳۰ پاؤنڈ فی کس تحریک جدید کا چندہ ادا کرنا بہت ہی عظیم الشان قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا دے اور ان کے اموال میں، جان میں، اخلاص میں اور بھی بہت ترقی دے جس طرح کہ باقی جماعتوں کے لئے بھی ہماری یہی دعا ہے۔ U.K کی کیفیت ۲۷،۲۴ ہے اب یہ سوچنے والی بات ہے کہ انگلستان کی جماعت جرمنی سے پیچھے رہ جائے۔ جہاں تک تعداد کا تعلق ہے چونکہ جرمنی کی جماعت تعداد میں بڑھ گئی ہے اس لئے ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ جرمنی کا چندہ U.K سے بڑھ جائے لیکن فی کس قربانی کے معیار کے لحاظ سے جرمنی کی جماعت اقتصادی لحاظ سے انگلستان سے بہت پیچھے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خدا کے فضل سے ابھی قربانی کی اور بھی گنجائش موجود ہے۔ کینیڈا ۲۰،۱۱ ہے۔ ان کی بھی کیفیت کم و بیش جرمنی والی ہی ہے کیونکہ بہت سے لوگ بے کار ہیں اور ویسے بھی اقتصادی بحران ملک میں بہت ہے لیکن اس کے باوجود جرمنی سے اتنا پیچھے رہ جانا یہ تعجب انگیز ہے۔ ناروے ۱۴،۹۳ ہے ناروے خدا کے فضل سے اقتصادی لحاظ سے اچھا ملک ہے۔ کافی مستحکم ملک ہے اگرچہ وہاں دوست یہ شکایت کرتے ہیں کہ بہت برا حال ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود جہاں تک آمدنیوں کا تعلق ہے یا حکومت کی طرف سے

وظائف کا تعلق ہے ناروے میں آمدنیوں کا معیار کافی معقول ہے۔ان کا عذر یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے مقابل پر خرچ بھی زیادہ ہیں مگر بہر حال ناروے کا کینیڈا سے اتنا پیچھے رہ جانا ضرور تعجب انگیز ہے۔ باقی جو ایشیائی یا افریقی ممالک ہیں ان کے اقتصادی حالات یورپ اور امریکہ وغیرہ سے بالکل مختلف ہیں اس لئے وہاں ایسا موازنہ نہیں کیا جاسکتا تاہم اب چند نام اور پڑھ کر سناتا ہوں۔ ماریشس کی قربانی ۹۳،۱۱ تقریباً ۱۲ پاؤنڈ فی کس ہے انڈونیشیا کی ۴،۲۷ ہے جو خدا کے فضل سے انڈونیشیاء کے حالات کے مطابق اچھی ہے اور پاکستان کی ۲،۸۸ ہے جو پاکستان کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت معقول ہے کیونکہ وہاں ۶ فی کس کے حساب سے یا ۱۲ فی کس کے حساب سے بچوں وغیرہ کو شامل کیا جاتا رہا ہے اور اب یہ بنتا ہے ۱۲۰ سے کچھ اوپر ۱۲۵ فی کس کے لگ بھگ رقم بنتی ہے یعنی روپوؤں میں۔اس لحاظ سے تو خدا کے فضل سے پاکستان کا معیار قربانی بھی کافی بلند ہے۔

سوئٹزرلینڈ ، بیلجیئم ، فرانس ، سویڈن اور ڈنمارک یہ ان ممالک میں سے ہیں جو مجموعی قربانی کے لحاظ سے تو پہلے دس میں جگہ نہیں پاسکے لیکن نسبتی قربانی کے لحاظ سے فی کس چندہ دہندہ کے لحاظ سے ان کا قربانی کا معیار قابل تحسین ہے۔سوئٹزرلینڈ میں فی کس چندہ دہندہ نے ۷۱ پاؤنڈز ۴۷ پینس ادا کئے بیلجیئم نے ۴۸،۴۰ یعنی ۴۸ پاؤنڈز ۴۰ پینس ، فرانس میں فی کس چندہ دھندہ نے ۳۳ پاؤنڈ ۵۰ پینس سویڈن نے ۲۲ پاؤنڈ ۱۴ پینس اور ڈنمارک نے ۱۹ پاؤنڈ ۳۴ پینس ادا کئے۔

افریقن ممالک میں جو نمایاں طور پر آگے بڑھنے والے ہیں ان میں کینیا اور گیمبیا ہیں۔ کینیا خدا کے فضل سے اقتصادی لحاظ سے باقی افریقہ میں بہتر ہے۔وہاں فی کس تحریک جدید کا چندہ ادا کرنے والے نے ۵ پاؤنڈ ۲۳ پینس ادا کیا اور گیمبیا میں ۴ پاؤنڈ ۴۱ پینس۔ گیمبیا اقتصادی لحاظ سے کینیا سے بہت پیچھے ہے اور بہت غریب ممالک میں شمار ہوتا ہے اس لحاظ سے گیمبیا کے احمدیوں کا مالی قربانی کا معیار خدا کے فضل سے بہت قابل تحسین ہے۔اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا دے۔ برکینیا فاسو میں بھی نئی جماعتیں قائم ہوئی ہیں اور یہ ملک تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ یہاں بھی چندوں کے معیار میں بہتری کی طرف نمایاں رجحان ہے اور فی چندہ دہندہ ۳ پاؤنڈ ۷ پینس برکینیا فاسو نے ادا کیا ہے جو خدا کے فضل سے ان کی اقتصادی حالت کے مقابل پر بہت بہتر ہے۔ بینن نے ۲ پاؤنڈ ۴۹ پینس ادا کئے ہیں۔ یہ بھی ایک چھوٹا سا غریب ملک ہے لیکن اللہ کے فضل سے یہاں بھی جماعت اچھی

قربانی کرنے والی اور آگے بڑھنے والی ہے نائیجریا ابھی اقتصادی لحاظ سے بہت پیچھے ہے۔ یہ شاید کینیا سے بھی مضبوط ہو یا غالباً مضبوط تو نہیں لیکن اس کے قریب ہی ہوگا کیونکہ یہاں تیل کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں اس لحاظ سے یہ دولت ہے ورنہ آبادی بھی بہت ہے۔ کئی لحاظ سے غربت بھی ہے اس لئے میں معین نہیں کہہ سکتا کہ دونوں میں سے کون اقتصادی لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے مگر اچھے ممالک میں سے ہے اور اس کے باوجود تحریک جدید کی مالی قربانی میں صرف ایک پاؤنڈ ۲۸ پینس ادا کئے ہیں اور باقی ممالک تو بے چارے پھر برائے نام قربانی کرنے والے ہیں لیکن ان کی غربت کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو ہوسکتا ہے بہت سے اعلیٰ مقام پانے والے ممالک سے بھی ان کے اخلاص کا معیار خدا کی نظر میں بلند تر شمار ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کی قربانی مقبول ہے اور کس کی نہیں۔ روپوؤں میں ہم اس کو جانچنے کی کوشش کرتے ہیں، روپے کے پیمانوں میں اس کو جانچتے اور اندازے لگاتے ہیں کہ جماعت کا اخلاص کیا ہوگا لیکن نیتوں کا مضمون بہت ہی گہرا اور پھیلا ہوا اور الجھا ہوا مضمون ہے اس لئے آخری فیصلہ تو خدا کی چوکھٹ پر ہوگا۔ اس چوکھٹ میں اگر یہ قربانیاں مقبول ہو جائیں اور خدا تعالیٰ ان کو قبول فرمائے اور اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمادے تو ایک پیسہ بھی ہو تو دنیا کی سب دولتوں سے بڑھ کر ہے اس لئے آخر پر میری جماعت کو یہی نصیحت ہے کہ یہ فیصلہ جو بالآخر خدا کی قبولیت کی چوکھٹ پر ہونا ہے اس کا آغاز آپ کے دل کی چوکھٹ سے ہے۔ جو قربانی اس دل کی چوکھٹ سے خلوص اور پیار اور محبت کے ساتھ نکلتی ہے اسے لازماً پر پرواز عطا ہوتے ہیں۔ وہ لازماً ایسی رفعتیں پاتی ہے کہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچے اور خدا کے حضور پایہ قبولیت میں جگہ پائے۔ جو قربانی دل کی چوکھٹ سے الجھی ہوئی اور پشیمان صورت میں نکلتی ہے جس میں نیتوں میں اختلاط ہو جاتے ہیں کچھ یہ نیت کچھ وہ نیت جہاں کئی قسم کی دوسری کمزوریاں نیتوں میں جگہ پالیتی ہیں ان قربانیوں کو رفعتیں نصیب نہیں ہوا کرتیں خواہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ہم ان کو کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ دیکھیں اس لئے آخری فیصلہ کن امر یہی ہے جس کو ہمیشہ جماعت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اپنے دل سے پھوٹتے ہوئے قربانی کے جذبوں پر نگاہ کیا کریں۔ وہیں ان کی تقدیر طے ہونی ہے۔ وہیں ان کی قسمت کے فیصلے لکھے جائیں گے۔ اگر دل پاک صاف ہوں اور قربانی میں اللہ کی محبت اور خالص اللہ کی رضا شامل ہو تو ایسی قربانیاں اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور قبولیت کے مقام میں جگہ پاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ

جماعت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔اور پھر یہ بھی یادرکھیں کہ اخلاص سے دی جانے والی قربانیوں میں برکت بہت ہوتی ہے۔ان کے تھوڑے میں بھی اللہ تعالیٰ بے انتہاء برکتیں ڈالتا ہے اور اب تک خدا کی تقدیر یہی فیصلے صادر فرما رہی ہے کہ جماعت کے تھوڑے میں بھی بے انتہاء برکتیں ڈالی گئیں اس لئے خدا کی تقدیر کے اس پیمانے پر پرکھتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آج تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی قربانیوں میں اخلاص اور پاکیزہ نیتوں کے عنصر غالب رہے ہیں۔خدا کرے کہ ہمیشہ یہ عناصر غالب ہی رہیں اور جماعت کے تھوڑے اموال میں بے انتہاء برکتیں پڑتی رہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔

اب جاپان کے جلسے کے آغاز کے لئے میں چھوٹا سا پیغام جماعت جاپان کو دینا چاہتا ہوں جماعت جاپان کا چند سال پہلے تک یہ حال تھا کہ خدا کے فضل سے زندگی کا احساس تو تھا۔اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی خواہش تو تھی مگر اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہوسکی تھی اس لئے ہمیں ایک مشن کو بند کرنا پڑا کیونکہ جماعت کی تعداد کی نسبت کے لحاظ سے بہت زیادہ خرچ ہو رہا تھا اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مشن کو بند کر دیا جائے کیونکہ افریقہ اور دوسرے غریب ممالک پر اتنے ہی خرچ میں بہت زیادہ کام ہوسکتا ہے۔وہ جو جماعت جاپان کو ایک ٹھیس پہنچی ہے اس نے ایک حیرت انگیز ردعمل پیدا کیا ہے اور جماعت جاپان جو بہت ہی محدود تعداد کے اکثر نوجوانوں پر مشتمل ہے ان کے اندر نہ صرف ایک بیداری پیدا ہوئی بلکہ یہ عزم پیدا ہوا کہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں گے اور ہمارا ٹوکیو مشن بند نہ کیا جائے۔اس کے بعد میں نے وہاں دورہ کیا اور جہاں تک میں نے مختلف ممالک کے دورے کئے ہیں میرے نزدیک جتنا اچھا غیر معمولی انقلاب نیک اثر جماعت جاپان پر پڑا ہے ویسی کوئی اور مثال میرے سامنے نہیں یعنی دورے کے بعد تو یوں لگتا تھا کہ اس جماعت کی کایا پلٹ گئی ہے۔ایک نئی جماعت جس طرح مردوں سے اٹھ کھڑی ہوتی ہے ایسی ایک کیفیت پیدا ہوئی اور نوجوان ویسے بھی خدا کے فضل سے حساس دل رکھتے ہیں جذبات محبت کا جواب جذبات محبت سے دینے والے ہوتے ہیں اور خصوصیت سے جاپان کی نوجوان جماعت نے تو جو بھی فتوحات حاصل کی ہیں وہ قلبی کیفیات سے حاصل کی ہیں۔ان کے نوجوانوں میں بے حد محبت کا مادہ ہے اور بہت زیادہ فدائیت پائی جاتی ہے۔تھوڑے سے اشارے پر بھی اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو ان کے

اعداد وشمار آپ کو بتائیں گے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے فی کس قربانی کے لحاظ سے یہ دنیا کی ہر دوسری جماعت کو نہ صرف پیچھے چھوڑ چکی ہے بلکہ بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ نئے معیار قائم کر دیئے ہیں، نئے پیمانے بنا دیئے ہیں اور ساری دنیا کے لئے ایک ایسا نمونہ بن گئی ہے جس کی پیروی کے لئے اب کھلی دعوت ہے۔ صلائے عام ہے جس میں طاقت ہے جس میں توفیق ہے وہ اس چیلنج کو قبول کرے اور ان کے پیچھے پیچھے ان کی پیروی کرتے ہوئے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اس لئے یہ تو میں نہیں کہتا کہ جماعت جاپان ہی ہمیشہ اول رہے مگر اس اولیت کو حاصل کرنے کے لئے جو کھلے رستے ہیں ان پر میری خواہش یہی ہے کہ ساری جماعتیں دوڑیں اور چونکہ جماعت جاپان کو اولیت عطا ہو چکی ہے اس لئے وہ اور بھی تیز دوڑے اور اس طرح یہ مقابلے جن کا ذکر قرآن کریم میں فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرہ:۱۴۹) کی نصیحت میں ملتا ہے ہمیشہ جاری و ساری رہیں اور اللہ تعالیٰ پہلوں کو بھی قبول فرمائے اور بعد میں آنے والوں کو بھی قبول فرمائے۔

ہاں اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ چندہ دہندگان کی تعداد جس میں بچے عورتیں سب شامل ہیں۔ جاپان میں صرف ۱۳۵ بنتی ہے اور تعداد کے لحاظ سے وقف جدید کو یہ اعزاز ملا کہ وقف جدید میں جاپان میں ۱۳۵ چندہ دہندگان شامل ہوئے اور اس پہلو سے کل تعداد کے مقابل پر جتنے چندہ دہندگان شامل ہوئے ہیں اس میں جاپان نے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے ۳۲۲۳ پاؤنڈ چندہ ادا کیا جو ۲۳،۸۷ پاؤنڈ فی کس بنتا ہے جو وقف جدید کے نقطہ نگاہ سے بہت بھاری قربانی ہے کیونکہ وقف جدید میں چندوں کا معیار عموماً بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ پھر چندہ تحریک جدید میں ۱۴ ہزار ۱۵۷ ادا کیا اور کل چندہ دہندگان ۱۳۰ ہیں۔ فی کس ۱۱۳،۴۶ پاؤنڈ ادا کیا گیا ہے جو خدا کے فضل سے ایک حیرت انگیز رقم ہے۔ دنیا کی کسی جماعت کو شاید اس کے نصف تک پہنچنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو۔ ایک امریکہ ہے جو نصف سے کچھ زائد ہو گیا ہے۔ باقی سب جماعتیں پیچھے ہیں۔

جماعت جاپان کا ۹۱۔۹۰ء کا بجٹ ۸۲۲،۶۷ پاؤنڈ تھا اب ۲،۳۸۴،۷ ہے اس پہلو سے ۸۷۲ پاؤنڈ فی چندہ دہندہ ادا کیا گیا ہے۔ یہ صرف عام چندہ نہیں اس میں وصیت کا چندہ بھی شامل ہے۔ اب آپ اس میں ۱۱۳ جمع ۲۳ وہ وقف جدید والے بھی ڈال لیں تو ہزار پاؤنڈ فی کس سے اوپر رقم بن جاتی ہے لیکن یہیں ساری کہانی ختم نہیں ہو جاتی۔ گزشتہ سال اس جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم

ٹوکیو میں ایک نیا مشن بنائیں گے، مسجد اور اس کے ساتھ مشن کی عمارت اور اس کے لئے پہلی منزل پر زمین حاصل کی جائے گی اور وہاں زمینیں اتنی مہنگی ہیں کہ جتنا بھی آپ سوچیں شاید ہی آپ کا تصور وہاں تک پہنچے کہ جاپان میں زمینوں کی قیمت کیا ہے، انچوں کے لحاظ سے بکتی ہے چنانچہ انہوں نے سوچا کہ مشن کے شایان شان ایک معقول رقبہ لینے کے لئے ان کو ۹ لاکھ پاؤنڈ کی ضرورت ہوگی اور پہلے وہ تین سال میں یہ رقبہ لیں گے۔ پھر اس کے بعد اس میں وہ مشن بنائیں گے یا مجھے اب صحیح یاد نہیں کہ بعد کا پروگرام کیا ہے مگر پہلے تین سال میں انہوں نے یہ چندہ اکٹھا کرنا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۳۰ یا ۱۳۵ بڑے چھوٹے سب چندہ دینے والے شامل ہیں عملاً چندہ دینے والے کتنے ہیں یہ مجھے اس وقت صحیح معلوم نہیں جو مستقل کمانے والے لوگ ہیں ان کی تعداد یقیناً وقف جدید میں شامل ہو جاتے ہیں تو فی سال یہ ان سارے چندوں کے علاوہ ۳ لاکھ پاؤنڈ ادا کریں گے اور اس کا آغاز کر چکے ہیں۔ جب میں نے پہلی دفعہ یہ خبر پڑھی تو میرا دماغ بنھا گیا۔ میں نے کہا یہ کیسے کر سکتے ہیں میں جانتا ہوں درمیانی آمدنیوں والے نوجوان ہیں۔ کئیوں کے پاس کام نہیں بھی ہیں کئی کچھ تجارت وغیرہ کر رہے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کی خاطر انسان دل بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر حوصلے بڑھاتا ہے رزق میں برکت دیتا ہے۔ اخلاص میں برکت دیتا ہے تو اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کیسے روحانی جنات ہیں جو کئی سال سے قربانی کے اس معیار کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان قربانیوں کے ذریعہ جماعت جاپان نے اپنا ایک مقام پیدا کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مقام کو مزید وسعتیں بھی عطا کرے گا اور رفعتیں بھی عطا کرے گا۔ پس میں جماعت جاپان کو مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ میں آپ کے اس جلسہ سالانہ کا آغاز کرتے ہوئے اس کا افتتاح کرتے ہوئے آپ کو اپنی طرف سے بھی اور تمام دنیا کی احمدیہ جماعتوں کی طرف سے بھی ان اعزازات پر مبارک باد دیتا ہوں جو نیکی کے میدانوں میں آپ نے حاصل کئے ہیں اور ہم سب آپ کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نئے نئے اعزازات عطا فرمائے اور نئی نئی قربانیوں کی راہیں دکھائے ان قربانی کی راہوں پر چلنے کی استطاعت عطا کرے اور اپنی جناب سے ایسی فراخی عطا فرمائے اور ایسی جزاء عطا کرے کہ اس دنیا میں بھی آپ پر حسنات اور رحمتوں کی بارشیں ہوں اور اس دنیا میں بھی آپ پر حسنات اور رحمتوں کی بارشیں ہوں۔ آپ نے ہمت کے ساتھ قربانیوں کے میدان میں اولیت کا یہ جو علم ہاتھوں میں اٹھایا

ہے اس علم کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔دعا کرتے ہوئے آگے بڑھیں لیکن آخر پر میں اس بات کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ نیکی کا ایک میدان ہے جس میں ابھی آپ کو کام کی بہت ہی گنجائش ہے وہ دعوت الی اللہ کا کام ہے۔اگر اس پہلو کی طرف بھی آپ اس طرح اخلاص کے ساتھ توجہ دیں جس طرح آپ کے بعض نوجوان دے رہے ہیں اور میں ان نوجوانوں کو جانتا ہوں جن کو سارا سال دعوت الی اللہ کا غم ایک روگ کی طرح لگا رہتا ہے اور جوں جوں ان کے وعدوں کے پورا ہونے کا وقت قریب آتا ہے بڑے کرب کے ساتھ وہ خطوط لکھتے اور دعاؤں کی طرف توجہ دلاتے۔یہاں تک کہ پھر وہاں سے فیکسز Faxes اور تاریں آنی شروع ہو جاتی ہیں کہ اتنے دن باقی رہ گئے۔دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں وعدہ پورا کرنے کی توفیق بخشے تو یہ لگن جو آپ کے اندر چند نوجوانوں میں خدا کے فضل سے موجود ہے اگر ساری جماعت جاپان کو عطا ہو جائے تو اس تیزی کے ساتھ آپ میں ترقی کرنے کی گنجائش موجود ہے کہ ساری دنیا کی جماعت کے لئے اس پہلو سے بھی آپ مثال بن سکتے ہیں اور ضرورت ہے آج کہ اس پہلو سے دنیا کی کوئی جماعت باقی سب دنیا کی جماعتوں کے لئے مثال بنے جب تک یہ نہیں ہوگا ہماری بلند توقعات اور تمنائیں جو احمدیت کی وسعت کے لئے ہمارے دل میں تڑپتی ہیں اور دل سے اٹھتی ہیں وہ پوری نہیں ہوسکتیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت کی بہترین جزاء عطا کرے اور آپ کا جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب ثابت ہو۔آمین

دعاؤں کے ذریعہ بنجر زمینوں کو بھی پھل لگ جایا کرتے ہیں۔

تبلیغ میں دعاؤں کی تدبیر کے بغیر کوئی کامیابی ممکن نہیں۔

خطبہ جمعہ فرمودہ ۸؍نومبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۲۶﴾ (النحل: ۱۲۶)

پھر فرمایا:۔

یہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس جہاد کے مضمون کو بیان فرماتی ہے جو حقیقی اور اول اور افضل جہاد ہے یعنی اپنے رب کی طرف بنی نوع انسان کو بلانا۔ یہ جہاد کیسے کیا جائے گا کن ہتھیاروں سے یہ جنگ لڑی جائے گی؟ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ فرماتی ہے کہ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ اپنے رب کی راہ کی طرف بنی نوع انسان کو حکمت کے ساتھ بلاؤ تلوار یا تیر کے ساتھ نہیں، ڈانٹ ڈپٹ کر اور دھمکا کر نہیں بلکہ حکمت کے ساتھ بلاؤ۔ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ اور نیک نصیحت کے ذریعے ایسی دلکش نصیحت کے ذریعے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ اور بالآخر اگر مقابلہ کرنا ہی پڑے تو بہترین رنگ میں مقابلہ کرو سب سے اچھے دلائل کو اختیار کرو۔ احسن رنگ میں یعنی دلکش انداز میں ان دلائل کو

پیش کرو کیونکہ مقصد دل جیتنا ہے نہ کہ لوگوں کو شکست دینا۔ پس یہ وہ اول اور حقیقی جہاد ہے جس کی طرف قرآن کریم ہر مومن کو بلاتا ہے اور اس جہاد کے اسلوب سے بڑے واضح طور پر آگاہ فرماتا ہے۔ وہ ہتھیار بھی بیان کر دیئے جو اس جہاد میں استعمال ہوں گے۔ اس آیت کریمہ کے علاوہ اسی مضمون پر اور بھی آیات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تبلیغ کے لئے صبر کی بڑی ضرورت ہے حکمت کے علاوہ دعاؤں کی بڑی ضرورت ہے۔ چنانچہ انبیائے کرام کے طریق تبلیغ کو جو قرآن کریم نے کھول کر بیان فرمایا اس میں دعاؤں کا مضمون بھی ساتھ ساتھ اس طرح شامل ہے جیسے زندگی کے ساتھ سانس شامل ہو اور یہاں حکمت کے لفظ کو تو اختیار فرمایا۔ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کا ذکر کیا اور وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کا ارشاد ہوا لیکن دعا کا ذکر نہیں۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ حکمت کے اندر سب سے پہلے دعا آتی ہے کیونکہ حکمت سے مراد یہ ہے یعنی مختلف معانی لفظ حکمت کے ہیں لیکن اس مضمون سے تعلق میں خصوصیت کے ساتھ حکمت کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے مقصد کو کم سے کم کوشش، کم سے کم نقصان کے ذریعے، زیادہ سے زیادہ احسن رنگ میں حاصل کرو۔ دراصل ہر جگہ، زندگی کے ہر شعبہ پر حکمت کا یہی مضمون اطلاق پاتا ہے۔ وہ کام جو کم سے کم کوشش، کم سے کم جدوجہد کے ذریعہ کرنے کی کوشش کی جائے لیکن شرط یہ ہو کہ زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل ہوں۔ پس کم سے کم کا فیصلہ زیادہ سے زیادہ کا نتیجہ کرے گا۔ اگر زیادہ سے زیادہ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ محنت درکار ہے تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ پھر زیادہ محنت کی جائے مگر بے ضرورت محنت نہ کی جائے اور بے کار محنت نہ کی جائے، ایسی کوشش نہ کی جائے جو نتیجہ خیز نہ ہو اور جو مضمون سے بے تعلق ہو۔

اس سلسلہ میں چونکہ مومن کی ہر تدبیر کارگر ہونے کے لئے دعا کی محتاج رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی اس لئے حکمت کے لفظ میں سب سے پہلے دعا کا مضمون شامل ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے جو عظیم الشان انقلابی فتح اپنے مدمقابل پر حاصل فرمائی اور گنتی کے چند سالوں میں یہ حیرت انگیز بے مثل معجزہ کر دکھایا کہ سارے عرب کی کایا پلٹ دی ایسے مخالف اور جاہل عرب کی کایا پلٹ دی جو کلیۃً متحد ہو کر آپ کو اور آپ کے پیغام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلا بیٹھا تھا، ایسا عجیب انقلاب وہاں برپا ہوا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حٰم السجدہ: ۳۵)

اچانک تو یہ دیکھے گا کہ وہ لوگ جو میری ہدایت کے مطابق حکمت اور موعظہ حسنہ وغیرہ سے تبلیغ کرتے ہیں اور صبر سے کام لیتے ہیں ان کی کوششیں ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیں گی۔ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ اچانک تو یہ دیکھے گا کہ وہ جو تیرے خون کا پیاسا تھا جو تیرا دشمن تھا وہ تیرا جانثار دوست بن چکا ہے۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے محض رسماً نام تبدیل نہیں کئے اور عقلاً قائل نہیں کیا بلکہ دل جیتے ہیں اور ایسے دل جیتے جو آپؐ پر فدا ہونے کے لئے تڑپتے رہے۔ یہ وہ آخری مقصد ہے جو تبلیغ کا آخری مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے حضرت محمد اقدس مصطفی ﷺ کا سب سے بڑا اور کارگر ہتھیار دعا تھی ہر قدم پر دعا فرمائی یہاں تک کہ جب آپ سب سے زیادہ مظلوم ہوئے اور دکھوں میں مبتلا کئے گئے تو اس وقت جبکہ بددعا کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بھی آپؐ کے قلب مطہر سے اپنے دشمنوں کے لئے دعا نکلی اور دعا بھی ہدایت کی دعا نکلی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ہی کی دعائیں تھیں جنہوں نے یہ انقلاب برپا کیا اور حکمت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جب دل دکھا ہوا ہو اور بے اختیار بددعائیں پھوٹنے کو تیار ہوں تو اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لانے کے لئے انسان اپنے جذبات کو قربان کرتے ہوئے ظالموں کے حق میں ہدایت کی دعا کرے۔ مظلوم کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن مظلوم کی دعا جو اپنے دشمنوں کے خلاف ہونے کی بجائے ان کے حق میں ہو اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کے لئے قبولیت کے سوا رہ کیا جاتا ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے تبلیغ کے سلسلے میں ہمیں حکمت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا اور سب سے اہم گر یہی سمجھایا کہ دعائیں کرو اور دعاؤں پر بھروسہ رکھو۔ ہر حال میں دعائیں کرو اور دعاؤں کے ذریعہ تمہاری جنگ جیتی جائے گی۔ یہ تمہارا سب سے طاقتور سب سے بڑا اور سب سے زیادہ قابل اعتماد ہتھیار ہے جس کے سوا خدا کی راہ میں کامیابی کے ساتھ دعوت نہیں دی جاسکتی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بہت سی آیات کریمہ جن میں انبیاء اور دیگر بزرگوں کی تبلیغ کا ذکر ہے ان میں دعا کا مضمون سب جگہ شامل ہے۔

حضرت موسیٰؑ جب فرعون سے محو گفتگو ہیں بار بار خدا کی طرف توجہ جاتی ہے۔ خدا کے حوالے دیتے ہیں خدا پر توکل کی بات کرتے ہیں۔ آپ کے وہ متبعین جنہوں نے اس مناظرے اور مقابلے کے وقت آپ کے نئے پیغام کو قبول کیا اور خدا اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے جب فرعون

ان کو دھمکیاں دیتا ہے تو معاً ان کی توجہ بھی دعا ہی کی طرف جاتی ہے اور خدا پر بھروسے کا ذکر کرتے ہیں غرضیکہ انبیاء کی جو روئیداد قرآن کریم میں جگہ جگہ پھیلی پڑی ہے اور انبیاء کے ماننے والوں کی جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے خدا پر توکل کو دی گئی اور خدا پر توکل کے نتیجے ہی میں اپنی جو دعائیں دل سے پھوٹی ہیں وہی کارگر ثابت ہوئیں اور انہی کے ذریعہ انقلاب عظیم برپا ہوا۔

پس وہ کام اور وہ بظاہر بہت ہی مشکل کام جس کی طرف میں نے جماعت کو بلایا ہے وہ آسان ہو جائے گا اگر آپ بھی یہی ہتھیار استعمال کریں جو بارہا آزمائے جاچکے ہیں۔ یہ ایسا نسخہ نہیں جو نیا ہو اور انوکھا ہو اور پتہ نہیں کہ اس کے کیا نتائج مترتب ہوں گے بلکہ ایسا نسخہ ہے کہ جو ازل سے آج تک جب بھی استعمال ہوا ہمیشہ کارگر ثابت ہوا۔ پس جب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ ہمیں یہ دعا بھی کرنی چاہئے اور یہ جدوجہد بھی کرنی چاہئے اور خدا کے در سے یہ امید رکھنی چاہئے کہ ہم اپنی زندگیوں میں ایک کروڑ احمدی اور بنالیں اور ایک کروڑ ایسی روحیں خدا کی راہ میں اس کے قدموں میں ڈال دیں جو اس سے پہلے خدا سے برگشتہ تھیں یا خدا سے اجنبی تھیں تو یہ اتنا بڑا کام نہیں جتنا بظاہر دکھائی دیتا ہے کیونکہ دعاؤں کے نتیجہ میں بہت بڑے بڑے کام آسان ہو جایا کرتے ہیں، پہاڑ ٹل سکتے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ اگر تم میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اور تم پہاڑوں کو اپنی طرف بلاؤ گے تو وہ تمہاری طرف آجائیں گے۔ اس سے ظاہری پہاڑ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ سرکش قومیں ہیں جو خدا کا پیغام سننے کے لئے تیار نہیں ان کو ایمان اور دعا کی دولت سے بلایا جاسکتا ہے۔

بہرحال یہ وہ سب سے اہم ذریعہ تبلیغ ہے جس کی طرف جماعت کو جس سنجیدگی سے توجہ کرنی چاہئے اس سنجیدگی سے توجہ نہیں کر رہی۔ میں اس لئے یہ بات یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اگر اس سنجیدگی سے توجہ کی جاتی تو وہ نتیجہ ضرور نکلنا تھا جو پہلے نکلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ قانون قدرت نے دیکھیں آپ کو یہ سکھایا کہ محنت کر کے زمین تیار کرو اور اس میں بیج ڈالو تو وہ بیج ضرور سبز کھیتوں کی شکل میں پھوٹے گا اور جتنا ڈالا ہے اس سے بہت زیادہ تمہیں واپس کرے گا۔ یہ ایک ایسا قانون قدرت ہے جو سوائے استثنائی ابتلاؤں کے ہمیشہ کارگر ہوتا رہا ہے اور کبھی بھی یہ نسخہ ناکام نہیں ہوا۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ روحانی دنیا میں ایک دستور جاری فرمائے، ایک

قانون بنائے اور وہ لوگ جو اس دستور پر، اس قانون پر اللہ کی رضا کی خاطر عمل کرنے والے ہوں ان سے اس قانون کی منفعتیں چھین لے اور ان کو اس کے نفع سے محروم کر دے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا اور کبھی ہوا نہیں ساری تاریخ انبیاء ساری تاریخ مذاہب ہمیں بتا رہی ہے کہ دعا ہمیشہ کارگر ثابت ہوئی ہے اور دعا کے نتیجہ میں سعید روحوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں کھچے ہوئے دوڑتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہونے کی توفیق ملتی رہی ہے۔

پس دعا پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جا رہی ۔ بہت سے لوگ مجھے لکھتے ہی کہ ہم تبلیغ کر رہے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکل رہا، دعا کرتے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکلتا۔ بعض دفعہ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی دعا میں بھی مخلص ہیں لیکن دعا کے علاوہ تبلیغ کے مضمون میں صبر کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ بعض دفعہ بعض عمل جلدی پھل لاتے ہیں۔ بعض ذرا دیر میں پھل لاتے ہیں مختلف قسم کی زمینیں ہیں جن پر کام ہوا کرتے ہیں، مختلف قسم کے بیج ہیں جو بوئے جاتے ہیں۔ بعض بیج ہیں جو آج بوؤ تو کل ان سے ہریالی نکل آتی ہے۔ مثلاً مکئی کے دانے مجھے یاد ہے بچپن میں ہم خاص طور پر اس لئے بویا کرتے تھے کہ بہت جلدی ان سے روئیدگی پھوٹتی ہے اور بہت جلدی جلدی مکئی کا سرسبز وشادات پودا آنکھوں کے سامنے بڑھتا ہے لیکن بعض بیج ایسے ہیں جو بہت لمبا وقت لیتے ہیں۔ زمینوں کے ساتھ بھی اس مضمون کا تعلق ہے بعض زمینیں دیر سے بیجوں میں اثر پیدا کرتی ہیں اور ان کو پھوٹنے کے لئے اجازت دیتی ہیں، بعض زمینیں جلدی اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ جب میں سری لنکا سیلون بوٹینیکل گارڈن دیکھنے گیا تو وہاں مجھے ایک درخت دیکھ کر تعجب ہوا جس کے متعلق پتہ لگا کر ہزاروں سال پرانا ہے اور اس کا پھل میچور Mature ہونے یا بالغ ہونے میں بہت سے سال لگتے ہیں۔ دس پندرہ سال تک وہ پھل آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے۔ اس پر مجھے اب بعینہٖ یقین سے تو یاد نہیں مگر ۶۰ سال یا اس سے زیادہ مدت اس نے بتائی کہ اس عرصہ میں اس کا بیج پھوٹ کر پودا مناسب قد کو پہنچتا ہے یعنی جوان ابھی نہیں ہوا ہوتا لیکن باقاعدہ ایک پودے کی شکل اختیار کر چکا ہوتا ہے اس عمل کے لئے ۶۰ سال درکار ہیں۔ اگر کوئی بے صبرا دعا کرنے والا اس بیج پر دعا کرتا تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے مر جاتا کہ وہ پودا بڑا ہو کر پھل لانے کے قابل ہوتا کیونکہ ۶۰ سال کے بعد اس کی بلوغت کا دور شروع ہوتا ہے اور پھر ایک لمبا عرصہ اس کو پھل لانے میں لگتا ہے۔ تو اللہ کے قوانین جاری وساری ہیں اور ضرور عمل دکھاتے ہیں لیکن یہ

قوانین جن حالات پر صادر ہوتے ہیں وہ حالات بھی تو بدلتے رہتے ہیں۔ان کی کیفیات مختلف ہیں کچھ حالات خدا کے ایک قانون کے تابع ہیں کچھ دوسرے قانون کے تابع ہیں۔پس ایسے لوگ جو بے صبری دکھاتے ہیں وہ بعض دفعہ اپنی ذات پر یا خدا کی ذات پر یہ بدظنی کر دیتے ہیں گویا ہماری دعاؤں میں کوئی اثر ہی نہیں یا خدا سنتا نہیں ان کو بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔پس اپنی کیفیت کو درست کریں۔اللہ کی ذات پر کامل توکل رکھیں۔دعا اس طرح کریں جیسا کہ دعا کرنے کا حق ہے اور صبر کو اختیار کریں اور اپنی طرف سے سب کچھ خدا کے حضور حاضر کر دیں۔پھر یاد رکھیں کہ پھل پھول لانا اس کا کام ہے۔میاں محمد لکھو کے والوں کا یا مجھے یاد نہیں رہا کہ کن کا وہ پنجابی کا شعر ہے بہرحال کسی صوفی بزرگ کا ہے کہ مالی کا کام تو یہ ہے کہ وہ محنت کرے درخت لگائے اور پھر بھر بھر مشکیں ڈالے آگے مالک کا کام ہے پھل پھول لائے نہ لائے، یہ اس کا کام ہے یہ مالی کے اختیار کی بات نہیں۔اس کے سپرد جو کام ہے وہ بہرحال کرے اور پھر باقی معاملہ خدا کے سپرد کر دے۔یہ تبلیغ کا وہ مضمون ہے جو دعا سے اور صبر سے تعلق رکھتا ہے۔

اس ضمن میں میں ایک اور بات واضح کرنی چاہتا ہوں کہ خدا کے سپرد کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ذمہ داری خدا پر پھینک دے اور جب یہ سوال پیدا ہو کہ تمہاری کوششوں کو پھل نہیں لگ رہے تو آدمی بڑی بیزاری سے یا بے تعلقی سے یہ کہہ دے کہ جی! میں نے جو کرنا تھا کر لیا آگے اللہ کی مرضی یہی بات کہ اللہ کی مرضی اور اللہ کا اختیار ایک صوفیانہ جذبہ عشق کے ساتھ بھی بیان کی جاتی ہے اور ایک نہایت گستاخانہ بے ہودہ طریق پر بھی بیان کی جاتی ہے۔بات ایک ہی ہوتی ہے مگر اس کے نتائج بالکل مختلف نکلتے ہیں۔وہ لوگ جو خدا کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی محبت میں پگھل کر یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک ہے جب چاہے گا دے گا اور ہم اس کی رضا پر ہر حال میں راضی ہیں یہاں تک کہ وہ نہ بھی دے گا تب بھی راضی ہیں اس بات میں ایک غیر معمولی جذب پایا جاتا ہے جو اللہ کی رحمت کو جذب کرنے کے لئے بعض عظیم الشان کام دکھاتا ہے، بعض دفعہ بعض دعائیں اس اظہار کے نتیجہ میں مقبول ہو جاتی ہیں حالانکہ انسان کے دل کی کیفیت تو وہی رہتی ہے جو ہمیشہ سے ہے لیکن بعض دفعہ انسان ایک دکھے ہوئے دل کے ساتھ انتظار کرتے ہوئے کہ میری دعائیں قبول ہونگی، ہونگی، ہونگی آخر یہ سوچتا ہے کہ کیوں نہیں ہوئیں۔اس وقت دل بڑی پختگی کے ساتھ اس سارے مضمون پر

غور کرتا ہے اور آخری نتیجہ یہ نکالتا ہے کہ میں راضی ہوں۔ میرے اندر کوئی فتور نہیں ہے اور خدا کے حضور اپنے دل کی کیفیت اس طرح پیش کر دیتا ہے کہ اس وقت یہ بات دعا بن جاتی ہے اور عظیم الشان جذب کی طاقت رکھتی ہے یعنی اللہ کی رحمت کو جذب کرنے کی طاقت رکھتی ہے لیکن ایک بدتمیز آدمی جس کو کہا جائے کہ جی آپ کے سپرد یہ کام کیا تھا یا آپ نے ابھی کام کیا نہیں تو وہ کہے کہ جی میں نے جو کرنا تھا کر دیا آگے نتیجہ نکالنا میرا کام نہیں۔ یہ اللہ کا کام ہے۔ اس بات میں بڑی سخت بدتمیزی اور گستاخی پائی جاتی ہے۔ یعنی وہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو پورا کامل کام کیا اس میں کوئی نقص نہیں چھوڑا اور نتیجہ نہیں نکلتا تو خدا ذمہ دار ہے، میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ یہ بالکل اور مضمون ہے۔ اس مضمون سے ایسا بھاگیں جیسا کوڑھی سے بعض لوگ بھاگتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو ہلاک کرنے والا مضمون ہے۔

اس لئے مومن جہاں توکل رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ میری دعا کو ضرور پھل لگے گا وہاں پھل میں دیر ہونے کی صورت میں اپنے عیوب تلاش کرتا ہے، اپنی کمزوریوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور ہمیشہ یہی سمجھتا ہے کہ دعا کو تو ضرور پھل لگنا چاہئے۔ اللہ کی رحمت اگر دیر سے آرہی ہے یا نہیں آرہی تو یہ تو شک والا معاملہ ہی نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کی سچی محنتوں کو قبول کرتا ہے۔ آج نہیں تو کل اس کی رحمت ضرور نازل ہوگی لیکن یہ خطرہ بھی تو ہے کہ میرے کام میں نقص رہ گیا ہے، میری نیت میں فتور ہو گیا ہو۔ میں نے اس بھونڈے انداز سے کام کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قابل قبول ہی نہ ہو۔ اس پہلو سے جب انسان اپنے نفس کا جائزہ لیتا ہے تو حکمت کا ایک دوسرا باب کھل جاتا ہے اور حکمت ایک نئے مضمون کے ساتھ انسان پر روشن ہوتی ہے۔ پھر انسان اپنی تبلیغی کوششوں کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ کس حد تک میں نے صحیح کام کیا، کس حد تک مجھ میں نقائص ہیں، کہیں میرے اعمال کی کمزوری تو نہیں جو لوگوں کو مجھ سے دور بھگاتی ہے، کہیں میرے طرز بیان میں تو نقص نہیں کہ لوگوں کے دل میری طرف مائل ہونے کی بجائے وہ مجھ سے متنفر ہو جاتے ہیں، کہیں میں بے محل باتیں تو نہیں کرتا جس کے نتیجہ میں عام حالات میں کوئی بات سنتا بھی ہے تو میری بے موقع اور بے محل باتوں کے نتیجہ میں مجھ سے بدکتا اور دور بھاگتا ہے، کہیں میں ایسی بات تو نہیں کرتا جس میں صرف مجھے دلچسپی ہے اور دوسرے کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیا میں ایسی باتوں کی تلاش میں رہتا ہوں، ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہوں کہ جب ایک شخص کا دل کسی خاص مضمون کی

طرف مائل ہوتا ہو اور میں خدا تعالیٰ کی دعوت کے مضمون کو اس کے ساتھ چل کر اسی رو میں بہہ کر اس کے حضور پیش کروں یا ان باتوں سے میں غافل ہوں۔ تو حکمت کے بہت سے موتی اس کو اسی تلاش کے دوران ملیں گے اگر وہ غوطہ لگانے کی استطاعت رکھتا ہو، اگر اس کو پتا ہو کہ اپنے نفس کو ٹٹولنے کے لئے کیسی غوطہ خوری کرنی پڑتی ہے۔ کس طرح محنت کے ساتھ اپنے نقائص کو تلاش کرنا پڑتا ہے تو بات وہی حکمت ہی کی ہے کہ حکمت کا اول اور آخر دعا ہے مگر دعا کے بعد اپنے نفس کی نگرانی اور محاسبہ یہ حکمت کا دوسرا تقاضا ہے اور سچے توکل اور خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ پس اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے احمدی اس معاملہ میں بھی غافل ہیں اور انہوں نے کبھی نہ دعا پر اس رنگ میں توجہ دی جیسے دی جانی چاہئے، نہ حکمت کے دوسرے تقاضے کو پورا کیا اور اگر دعا قبول نہیں ہوتی تو خدا پر الزام دھرنے کی بجائے اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہو۔ پس وہ سب لوگ جو سمجھتے ہیں کہ وہ تو پیغام پہنچا رہے ہیں نتیجہ نہیں نکل رہا ان کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ان سب باتوں پر غور کیا کریں اور ہر چیز کا اپنے مقام پر حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔

دعا کا حق ادا کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ کامل توکل ہو اور یقین ہو کہ خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ دوسرا حق ادا کرنا یہ ہے کہ اپنا دل اس دعا میں اٹک جائے اور دعا قبول نہ ہو تو مایوسی نہ ہو مگر دکھ ضرور ہو۔ بعض دکھ رضا کے ساتھ بھی ہوتے ہیں۔ ایک شخص اپنے محبوب سے کوئی استدعا کرتا ہے، اس سے کچھ چاہتا ہے اور وہ اسے نہیں دیتا تو وہ اس پر راضی ضرور ہوگا لیکن محرومی کا دکھ پھر بھی اپنی جگہ رہتا ہے۔ پس دعا کے ساتھ دکھ کا مضمون شامل ہے اور اس کے ساتھ صبر کا تعلق ہے۔ پس قرآن کریم نے جہاں دعوت الی اللہ کے لئے دعا کا مضمون سکھایا۔ موعظہ حسنہ کا مضمون سکھایا وہاں صبر کا مضمون بھی ہمیشہ ساتھ بیان فرمایا۔ تو دعا کے ساتھ تبھی صبر ہو سکتا ہے جب دکھ پہنچے ورنہ دکھ کے بغیر صبر کے معنی ہی کوئی نہیں۔ کون انسان خوشی پر صبر کرتا ہے کون انسان بے اعتنائی پر جب پرواہ ہی کچھ نہ ہو اس پر صبر کرتا ہے اور آپ نے کس سے کوئی چیز مانگی اس نے نہیں دی آپ نے کہا جاؤ جہنم میں مجھے پرواہ ہی کوئی نہیں تو صبر کا یہاں کونسا مضمون ہے۔ صبر کا مضمون تو وہاں شروع ہوتا ہے جہاں دکھ شروع ہو، جہاں تکلیف ہو۔ تو قرآن کریم کی ان آیات نے ہمیں یہ طریق سمجھایا کہ جب دعا کرو تو پھر تمہیں دکھوں کے رستے سے گزرنا ہوگا، دعا بھی دکھ کے ساتھ کرنی ہوگی اور صبر کے ساتھ کرنی ہوگی اور دعا کے

نتیجہ میں اگر تمہاری تمنا کے مطابق پھل نہ لگیں یا جیسی تمہیں توقع ہے ویسی عطا نہ ہو تو اس وقت تمہیں صبر کے ساتھ اس صورتحال کو برداشت کرنا ہوگا اور صبر کے نتیجہ میں خدا پر الزام لگانے کی بجائے اپنی تدابیر کا تنقیدی نظر سے جائزہ لینا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ تمہاری طرف سے کوششوں میں کیا کمی رہ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کی نصیحت کے دوران یہاں صبر بھی فرمایا اور موعظہ حسنہ کا بھی ذکر فرمایا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی اس تعلق کو خوب کھول کر بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۴﴾ (سورة العصر)

موعظہ اور تَوَاصَوْا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی نصیحت کرنا اور یہاں فرمایا: حق کے ساتھ اور صبر کے ساتھ نصیحت کرنا۔ تبلیغ کے مضمون میں موعظہ حسنہ اور صبر کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ پس موعظہ حسنہ کا ایک معنی قرآن سے یہ ثابت ہوا کہ موعظہ حق ہو، وہ بات کرو جو سچی ہو، سچی بات سے زیادہ خوبصورت اور کوئی بات نہیں ہے اور دلائل کی بات بعد میں شروع کرو، پہلے صاف سچی پیاری بات کرو ایسی نصیحت کرو جس میں حسن پایا جاتا ہو۔ موعظہ سچی بھی ہوسکتی ہے اور اس کے باوجود حسن سے عاری بھی ہوسکتی ہے۔ اگر چہ حق حسن ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن طرز بیان کا فرق ہوتا ہے اس لئے قرآن کریم نے تبلیغ کے مضمون میں موعظہ حسنہ کہا ہے جس میں سچائی شامل ہے لیکن لفظ حسنہ پر زور دے کر یہ بتایا کہ حق بات ایسے رنگ میں کہو کہ دوسرے کو پیاری لگے۔ حق بات ایسے رنگ میں نہ کہو جس سے سننے والا بے وجہ تلخی محسوس کرے۔ یہاں یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ بعض دفعہ ایسی بات بھی دوسرے کو تلخ محسوس ہوتی ہے جو حسین ہو جس کے اندر غیر معمولی کشش پائی جاتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ سننے والے بیمار ہوتے ہیں۔ یہاں ان کا ذکر نہیں چل رہا جو سننے والے بیمار ہیں ان سے خدا خود نپٹے گا چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۲﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۳﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۴﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (الغاشیہ: ۲۲ تا ۲۵)

کہ اے محمدؐ! تو تو مذکر ہے اور تیری نصیحت بہت حسین ہوا کرتی ہے۔ یہ مضمون آنحضرت

ﷺ کے مذکر ہونے کے اندر داخل ہے کیونکہ آپ کو ذِکْرًا (الطلاق:۱۱) فرمایا گیا ہے ایسا رسول جو مجسم ذکر ہے ذِکْرًا لفظ کے اندر خدا کی یاد اور نصیحت دونوں مضمونوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ پس اس سے زیادہ حسین نصیحت متصور ہی نہیں ہوسکتی جتنی حسین نصیحت آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ نہیں سنیں گے۔ کچھ ایسے بدنصیب ہوں گے جو پیٹھ پھیر کر چلے جائیں گے ان کے متعلق فرمایا پھر تیرا کام نہیں ہے ان سے نپٹنا۔ چونکہ بیماری ان کی ہے اور بدنصیب وہ ہیں اس لئے اس کی سزا وہ پائیں گے۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ جو پیٹھ پھیرے گا اور انکار کرے گا فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ اللہ تعالیٰ اسے عذاب اکبر میں مبتلا فرمائے گا۔

پس موعظہ حسنہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ نصیحت جو لازماً دوسرے کو خوش کر دے۔ وہ نصیحت جو لازماً دلوں کو کھینچے بلکہ موعظہ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ ایسی حسین نصیحت جو صحت مند انسانوں پر نیک اثر پیدا کرنے والی ہو۔ جو دلوں کے بیمار اور ٹیڑھے ہیں ان کے ردعمل سے اس کی نصیحت کا غیر حسنہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر بیمار متلی سے مرتے ہوئے آدمی کو جو میٹھے کے تصور سے بھی قے کرتا ہو آپ انگور کھلائیں گے تو انگور اپنی ذات میں ایک اچھی چیز اور نعمت ہیں لیکن اس کے ردعمل کے نتیجہ میں انگور کو خراب تو نہیں کہا جاسکتا اس لئے دوسرے آدمی کی صحت ایک لازمی شرط ہے اس بات کے لئے کہ وہ نیک اثر قبول کرتا ہے یا نہیں۔

پس موعظہ حسنہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ کے دل سے موعظہ حسنہ اٹھی ہے سننے والے کے کانوں سے اس کا تعلق بعد میں پیدا ہوگا۔ آپ کے دل سے ایسی پیاری آواز اٹھی ہے آپ کی زبان سے حسین رنگ میں وہ بات ادا ہوئی ہے اور آپ نے اس مضمون کو ایسے عمدہ رنگ میں جس کو سنا رہے ہیں اس کے سامنے پیش فرمایا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اسے ضرور آپ کی طرف مائل ہونا چاہئے۔ یہ ہے موعظہ حسنہ۔ پھر اگر نہیں مائل ہوتا تو اس کا تعلق خدا سے ہے اس کا پھر بندے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور اس کے مائل نہ ہونے کے نتیجہ میں اس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ پس یہی آیت کریمہ جس کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو سچی راہ سے ضرور بھٹکیں گے اور بھٹک جاتے ہیں اور اللہ ان لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہوتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ تم موعظہ حسنہ کرو گے تو ضروری نہیں کہ اس موعظہ حسنہ کے نتیجہ میں لازماً عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہوں لیکن وہ لوگ جو پاک دل رکھتے ہیں وہ لوگ جو نیک فطرت رکھتے ہیں وہ ضرور اس موعظہ حسنہ سے کھنچے جائیں گے۔ اس کے مقابل پر موعظہ سیئہ یعنی بری نصیحت کی تعریف یہ بنے گی کہ وہ نصیحت جو نیک فطرت لوگوں کو کھینچنے کی بجائے ان کو اور بھی دور کر دے۔ پس موعظہ حسنہ میں پوٹینشل Potential ہے اس میں اندرونی صلاحیت اور قابلیت موجود ہے کہ اگر سننے والا صحت مند ہو اور اس کے اندر کوئی بیماری نہ ہو تو وہ ضرور اس نصیحت کی طرف کھینچا جائے گا اور بدنصیحت سے مراد یہ ہے کہ اچھی بات ہونے کے باوجود ایسے بے ہودہ رنگ میں پیش کی جائے کہ عام طور پر صحیح الدماغ صحیح صلاحیتوں والا انسان ہو اور وہ قریب آنے کی بجائے بھٹک جائے۔

پس تبلیغ میں یہ احتیاط بڑی ضروری ہے اور یہ بھی حکمت ہی کی تفصیل ہے پس موعظہ حسنہ فرمایا اور دلائل کی بات ابھی نہیں کی۔ دلائل بہت بعد میں آتے ہیں۔ سب سے پہلے نیک نصیحت ہے جو عمل دکھاتی ہے اور قرآن کریم نے ہمیشہ موعظہ حسنہ کو دلائل سے پہلے رکھا ہے جہاں اس مضمون کا ذکر ہے وہاں موعظہ حسنہ کو پہلے رکھ دیا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یہ بھی وہی مضمون ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (حٰمٓ السجدہ:۳۴) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ جو احسن چیز ہے اس کے ذریعہ بدی کو دور کرو۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ پھر تم دیکھو گے کہ وہ شخص جو تم سے دشمنی رکھتا ہو وہ تمہارا گہرا جانثار دوست بن جائے گا۔ دوست کبھی بھی دلائل کے ذریعہ نہیں بنا کرتے۔ یہ بات آپ یاد رکھیں۔ یہاں کس حسن کا ذکر ہے وہ حسن جس کا جادو دل پر چلتا ہے اور وہ اخلاق حسنہ ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو شروع کرتے ہوئے فرمایا وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ اس سے زیادہ حسین قول کس کا ہوسکتا ہے جس نے خدا کی راہ میں بلایا اور نیک اعمال کے ذریعہ اپنے قول کو زینت بخشی۔

پس قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے موعظہ حسنہ کی یہ تفسیر ہمیں معلوم ہوئی کہ خدا کی

طرف بغیر کسی دلیل کے بلانا، ایک سچے دل کے ساتھ ایک گہرے جذبے کے ساتھ، اس کامل یقین کے ساتھ کہ آپ حق پر ہیں اور آپ خدا کو جانتے ہیں، خدا سے مل چکے ہیں اور واقعہ خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور بلانا اسطرح کہ آپ بلانے سے پہلے آپ اپنے اعمال کو زینت بخش چکے ہوں اور آپ کے اعمال حسین ہو چکے ہوں۔ جب اعمال حسین ہوں گے تو یہ قول حسن بن جائے گا، اس کے بغیر نہیں کیونکہ ان دونوں باتوں کو مشروط فرما دیا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ اس سے زیادہ کون اپنی بات میں حسین ہوسکتا ہے۔ جو خدا کی طرف بلائے وَعَمِلَ صَالِحًا شرط یہ ہے کہ اس کے اعمال حسنہ ہوں۔ اس کے اعمال کا حسن اس کی بات کے حسن میں تبدیل ہوگا۔

اب یہاں ایک ایسا قول جس کا ذکر چل رہا ہے جو انقلابی طاقت رکھتا ہے جو دلوں کو تبدیل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ بعض قول حسن، بڑی ہی دلکش باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا عمل صالح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور بڑی بڑی چرب زبانی کے ساتھ وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ مگر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہی اس میں راز ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں قول حسن سے مراد یہ نہیں ہے کہ نہایت ہی خوبصورت انداز میں لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرو اور ایسے چسکے کے ساتھ مضمون کو بیان کرو کہ سننے والے کا منہ بھی چٹخارے لینے لگے۔ یہ موعظہ حسنہ نہیں ہے۔ یہ لفّاظی ہے یہ شاعری ہے یہ چرب زبانی ہے جو چاہیں اس کو کہہ لیں۔ موعظہ حسنہ عمل حسن سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو وعمل صالحاً سے خوب کھول دیا تو قرآن کریم کی اصطلاحوں کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ پس موعظہ حسنہ صرف اچھی نصیحت نہیں ہے، ایسی اچھی نصیحت ہے جس کی تائید میں بہت ہی حسین اعمال کھڑے ہوں جس کی پشت پناہی میں انسان کا عظیم کردار کھڑا ہو۔ دنیا کے سامنے وہ ایک ایسا کردار لے کر نکلے جو نہ صرف بیدار ہو بلکہ جذب کرنے والا ہو، کھینچنے والا ہو، لوگ حیرت سے اس کو دیکھیں کہ یہ کون انسان ہے جو ہم میں اس دنیا میں بستا ہے لیکن ہم سے مختلف ہے اور میں نے پہلے بھی بارہا جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ اکثر کامیاب مبلغین وہی ہیں جن کا کردار ان کے قول کو حسن اور قوت بخشتا ہے اور انہی کے ذریعہ عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

پس آپ اس بات کو دوبارہ دعا کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو ایک اور نیا مضمون ہمارے سامنے نکلتا ہے۔ پہلے دعائیں کیں درددل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کیں کہ اے خدا ہم تیری راہ

میں لوگوں کو تیری راہ ہی کی طرف بلانے کے لئے نکلے ہیں۔ ہماری محنتوں کو قبول فرما۔ پھر جب ان میں اثر نہیں دیکھا تو اپنا جائزہ لیا اور دیکھا کہ مجھ میں کیا کیا نقص ہیں؟ کہاں میں نے غلطیاں کی ہیں؟ کہاں میری بات میں تشدد پایا جاتا ہے کہاں میری بات سن کر دھکا کھاتے رہے بجائے اس کے کہ میری طرف مائل ہوئے اور کونسی کمزوریاں ہیں جو مجھ سے رونما ہوئیں اور جب اپنی ناکارہ حالت کو پہچان لیا اپنی بے بسی کو محسوس کر لیا تو اس کیفیت سے ایک نیا دکھ ابھرے گا اور اس کیفیت سے پھر ایک دعا اور اٹھے گی گویا پہلی دعا کو تقویت دینے کے لئے ترمیم شدہ دعا، ایک نئی دعا دل سے اٹھے گی جس میں انسان یہ عرض کرے گا کہ اے خدا! میں دعائیں تو کرتا رہا مگر اپنے حال سے غافل تھا۔ مجھے پتہ نہیں لگ سکا کہ تیری راہ میں چلنے کے کیا آداب ہیں اور تیری راہ میں بلانے کے کیا طریقے ہیں پس اب میں نے پہچانا ہے اور پوری طرح نہیں کسی حد تک میں واقف ہوا ہوں۔ میں اپنے اعمال کی ایسی اصلاح چاہتا ہوں کہ میرا قول حسن بن جائے اور قول حسن کی تعریف تو نے یہ فرمائی ہے فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ کہ اچانک یہ معجزہ رونما ہو جائے کہ وہ جو تیرا دشمن تھا وہ تیرا جانثار دوست بن جائے۔ اے خدا! میں تو یہ نہیں دیکھ رہا میری دعاؤں میں اگر کوئی کمی ہے تو میری دعا یہ ہے کہ اس کمی کو پورا فرما دے۔ میرے اعمال میں جو نقائص میرے سامنے روشن ہوئے ہیں ان نقائص کو دور فرما دے کیونکہ بہت سے ایسے ہیں جن پر مجھے استطاعت نہیں ہے میں چاہتا بھی ہوں تو دور نہیں کر سکتا اور اکثر وہ نقائص جو جان کو وبال کی طرح چمٹ جاتے ہیں، جو امراض مُزمنہ بن جاتے ہیں یعنی دائمی امراض بن جاتے ہیں ان کے متعلق یہ ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کو آپ ایسا بے حس اور بے دین سمجھیں کہ نیکی کی باتیں کرنے کے باوجود وہ بعض اعمال میں گندا ہے اس مضمون کو اگر قرآن کی روشنی میں سمجھیں گے تو آپ کو یہ فتویٰ دیتے ہوئے خوف محسوس کرنا چاہئے کیونکہ ہر انسان کے ساتھ کچھ ایسے عوارض چمٹے ہوئے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا۔ بعض دفعہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے بعض دفعہ ان سے وحشت کھاتا ہے لیکن اس کے باوجود دور کرنے میں اس کو طاقت نہیں ڈرگ ایڈیکشن Drug Addicton اور Evil Addiction دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور نفرت کے ایک ہی حصے میں ان کی جڑیں ہیں Drugs کے ساتھ جو لوگ چمٹ جاتے ہیں۔ نشہ آور دواؤں کے جو شکار ہو جاتے ہیں ان کو ایک موقعہ پر محسوس ہوتا ہے کہ ہم بہت ہی گندی حالت

میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ ہر طرح زور لگاتے ہیں کہ اس حالت سے نکلیں مگر نکل نہیں سکتے اور بعض دفعہ ان کو طبیبوں کی ضرورت پڑتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ اس مرض سے چھٹکارہ حاصل کریں مگر نہیں چھٹکارہ حاصل کر سکتے۔ طبیبوں کی طرف دوڑتے ہیں اور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں کہ ہاں مجھ سے جو چاہو کرو مگر میری اس حالت کو بدل دو۔ پس خدا کے حضور ایسے اعمال سے چھٹکارے کے لئے جب انسان کو دعا کرنی ہو تو اپنے آپ کو پیش بھی کرنا ہوگا۔

اور یہاں قبولیت دعا کا یہ راز ہے جس کو سمجھے بغیر اگر دعا کریں گے تو قبول نہیں ہوگی۔ وہ مرض جس سے نفرت ہے اس مرض سے نفرت کی حد تک تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تمہیں نفرت ہے لیکن اس کے باوجود اس سے ایک تعلق بھی قائم ہو چکا ہے اور وہ تعلق بعض دفعہ ایسا گہرا اور ایسا مجبوری کا تعلق ہو جاتا ہے کہ انسان سچے دل سے یہ بھی دعا نہیں کر سکتا کہ مجھے اس سے چھٹکارا نصیب ہو جائے یعنی جس مرض میں مبتلا ہے اس سے چھٹکارے کے لئے دعا بھی کرتا ہے مگر دعا میں گہری صداقت نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹٹول کر اپنے آپ کو خدا کے سپرد نہیں کرتا، پیش نہیں کرتا اور یہ فیصلہ نہیں کرتا کہ اے خدا بہت تلخ معاملہ ہے میں جانتا ہوں کہ اس بات کو چھوڑنا میرے لئے سخت تلخی کی زندگی کو قبول کرنا ہوگا اور میری اچھی طرح نظر ہے۔ پھر بھی میں اپنے وجود کو تیرے حضور پیش کر دیتا ہوں جو چاہے کر گزر مجھے اس بیماری سے نجات بخش دے۔ اس کامل خلوص اور یقین اور گہرے علم کے ساتھ اگر دعا کی جائے تو وہ ضرور مقبول ہوتی ہے۔ تو حکمت کا یہی مضمون بار بار کروٹیں بدلتا ہے کبھی دعا کی طرف مائل ہوتا ہے، پھر دعا سے منعکس کا یہی مضمون بار بار کروٹیں بدلتا ہے کبھی دعا کی طرف مائل ہوتا ہے، پھر دعا سے منعکس ہو کر عمل کی دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر انسان عمل میں اپنے نقائص تلاش کرتا ہے پھر بداعمالیوں سے چھٹکارے کے لئے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر دعائیں کرتا ہے اور اس کے بعد بالآخر اپنی کیفیت پر صبر کے بعد جب دیکھتا ہے کہ مدمقابل کسی طرح سننے پر آمادہ نہیں اور نیک نصیحتیں کارگر نہیں تو پھر دلائل کو بھی استعمال کرتا ہے پھر جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کا مضمون بھی شروع ہو جاتا ہے لیکن یہ سب سے آخر پر ہے لیکن اس کے لئے تیاری بھی ضروری ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آخر ایک وقت بات مجادلے تک ضرور پہنچنی ہو الا ماشاء اللہ اور آپ اس کی تیاری نہ کریں اور پھر دعویٰ کریں کہ ہم خدا کی طرف قرآنی تعلیم کے

مطابق بلانے والے ہیں۔

پس یہ وہ پہلو ہے جو ہمیں علمی تیاری کی طرف متوجہ کرنے والا ہے لیکن بالعموم میں نے دیکھا ہے کہ لوگ تو پوری طرح دعا نہیں کرتے جیسی لگن کے ساتھ دعا ہونی چاہئے، اپنے مقاصد کے لئے اور اپنی مرادیں پانے کے لئے تو دل سے بڑی طاقت سے دعا اٹھتی ہے اپنی ناکامیوں پر حسرت کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف طبیعت مائل ہوتی اور اس سے مدد چاہتی ہے اور اس سے سہارے ڈھونڈتی ہے لیکن تبلیغ کے معاملہ میں یہ سنجیدگی نہیں ہے۔ دعا میں وہ بے قراری نہیں ہے۔ اکثر لوگوں کے دل میں نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کے بعد پھر تبلیغ کیسے پھل لا سکے گی کیونکہ تبلیغ کا آغاز ہی دعا سے ہوتا ہے اور اس کے بغیر تبلیغ کوئی معنی نہیں رکھتی، کوئی معنی خیز سفر نہیں کر سکتی، کوئی معنی خیز نتائج پیدا نہیں کر سکتی تو زبانی پیغام پہنچانا کام نہیں ہے۔ پھر آگے حکمت کا مضمون ہے اور بہت تفصیل کے ساتھ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے آج تک بیسیوں مجالس میں اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے۔ ایسی بھی مجالس ہیں جن کی کیسٹس موجود ہیں اور ممکن ہے پچیس تیس چالیس گھنٹے اس مضمون کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہو۔ اس میں حکمت کا مضمون ایک مبلغ کو سمجھانے کے لئے میں نے حتی المقدور پوری کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود جب بھی میں غور کرتا ہوں کوئی نہ کوئی نیا نکتہ پھر ایسا دکھائی دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون ختم ہونے والا مضمون نہیں ہے۔

اس رنگ میں کتنے ہیں جو غور کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ یہ داعی الی اللہ جس کی جماعت کو ضرورت ہے۔ ایک دعا گو داعی الی اللہ جو ہمیشہ اپنے اعمال کا نگران ہو اور محاسبہ کرنیوالا ہو، جو ہمیشہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ جب بھی اپنے اعمال کی کمزوریوں پر نگاہ پڑے ان کمزوریوں کو خدا کے حضور اس التجا کے ساتھ پیش کرنے والا ہو کہ جو چاہتا ہے کر گزر مگر ان داغوں کو مٹا دے۔ ان کمزورریوں کو دور فرما دے۔ وہ جس کے نیک اعمال اس کی موعظہ حسنہ کو حسین بنا رہے ہیں اور ان میں ایک عظیم الشان جذب پیدا کر رہے ہوں جو بار بار کبھی دعا کی طرف متوجہ ہو، کبھی اعمال کی طرف پھر اعمال کو دعا کے ساتھ ملا کر مختلف کروٹیں بدلتا ہوا مختلف پہلو اختیار کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ لیٹے ہوئے بھی اور اٹھتے ہوئے بھی اور چلتے ہوئے بھی دعاؤں کے ذریعہ خدا سے سہارے مانگ رہا ہو۔

یہ وہ داعی الی اللہ ہے جس کی جماعت کو ضرورت ہے۔ پھر وہ صبر کرنے والا ہو۔ جلدی ہار جانے والا نہ ہو۔ ایک طریق اگر کارآمد ثابت نہ ہو تو دوسرے طریق کی تلاش کرنے والا ہو اور یہ نہ کہے کہ یا خدا پھل نہیں دے رہا یا زمین ہی گندی اور ناپاک ہے اور اس کو پھل نہیں لگیں گے۔ ایسی باتیں کرنے والے کو واقعی پھل نہیں لگا کرتے۔ ان کی دعائیں بھی نامراد ہو جاتی ہیں اور ان کی وہ زمینیں بھی بنجر ثابت ہوتی ہیں جن پر وہ کام کرتے ہیں۔ زمینوں کو زرخیز سمجھیں یعنی صلاحیت کے لحاظ سے اور اگر پھر محنت اور صبر کے ساتھ کام کریں گے تو بعض زمینوں میں دیر سے پھل لگے گا لیکن بالآخر ان زمینوں سے پھل ضرور ملے گا۔ دیر سے روئیدگی باہر آئے گی مگر ضرور باہر آئے گی اور آخر اپنی بلوغت کے سارے منازل طے کر کے پھل تک منتج ہوگی۔

پس یہ قوانین قدرت ہیں جن پر نظر رکھنی چاہئے۔ اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی تنظیموں کی اور ان لوگوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں جن کے سپرد انتظام کئے گئے ہیں اس مضمون پر میں انشاء اللہ کسی حد تک اگلے خطبہ میں روشنی ڈالوں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کو یہ باتیں بار بار سمجھائی جا چکی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ اس سلسلہ میں جماعت کے وہ بزرگ عہدیدار جن کے سپرد ذمہ داریاں کی گئی ہیں ان کو جس طرح اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں شاید وہ ان باتوں سے لابلد ہیں یا غافل ہیں کیسے ان کو کام کرنا چاہئے۔

انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں اس سلسلہ میں کچھ گفتگو کروں گا۔ عمومی طور پر میری جماعت کو نصیحت یہ ہے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے، زمانہ بہت تیزی سے آگے نکل رہا ہے۔ اس کمی کو جو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں کہ ہم وقت سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اس کو دعاؤں کے ذریعہ پوری کرنے کی کوشش کریں۔ تبلیغ کے تعلق میں دعائیں ایک الگ معاملہ ہے جس پر میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ عمومی دعائیں جماعت کے مستقبل کے لئے کریں عمومی دعائیں جماعت کی بہبود کے لئے کریں اور اس یقین کے ساتھ کریں کہ اگر جماعت کا مستقبل روشن ہے تو ضرور اس عالم کا مستقبل روشن ہے، ضرور انسانیت کا مستقبل روشن ہے اگر جماعت کے مستقبل کے متعلق خدشے ہیں تو پھر اس انسانیت کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت کی بھی توفیق بخشے اور بنی نوع انسان کی حفاظت کی توفیق بھی بخشے اور وہ روحانی انقلاب برپا کرنے کی توفیق بخشے جس کے لئے حضرت

اقدس محمد مصطفی ﷺ سید دو عالم کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

آج جلسہ سالانہ فرانس کا پہلا دن ہوگا یعنی آج ان کا افتتاحی اجلاس جمعہ کے معاً بعد ہوگا۔ گزشتہ مرتبہ میں نے جاپان کے جلسہ کے لئے جو پیغام بھیجا تھا اس کی دیکھا دیکھی فرانس والوں نے بھی فوراً درخواست بھیج دی کہ ہمارا بھی اگلے خطبہ میں ذکر کردیں۔ ان کا اس لحاظ سے بھی خصوصی حق بنتا ہے ویسے تو ہر جماعت کا ہی حق ہے کہ میں نے ان سے جلسہ میں شامل ہونے کے ارادے کا ذکر کیا تھا اور پروگرام بن گیا تھا لیکن کسی اور وجہ سے اس پروگرام کو منسوخ کرنا پڑا۔ وہاں سے کچھ دوست جو تشریف لائے انہوں نے بتایا کہ اس سے جماعت بے چاری بہت ہی دل شکستہ ہے کیونکہ انہوں نے بڑی محنت اور شوق سے مشن ہاؤس کی خدمت کی اسے پینٹ کیا۔ نئے نئے حسن پیدا کرنے کی کوشش کی پھولوں، کیاریوں کی طرف توجہ دی اور جلسہ کے انتظامات کئے شہر کے مختلف بڑے بڑے لوگوں سے رابطے کئے۔ بعض عالمی شہرت والے دوستوں سے بھی رابطے کئے اور ان کو جلسہ پر آنے کی دعوت دی۔ اتنے شوق سے وہ گھر سجا کر آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور آپ نے کہہ دیا میں نہیں آسکتا تو انہوں نے یہ حوالہ دے کر بھی کہا ہے کہ اگر آ نہیں سکتے تو ہمارے متعلق کچھ گفتگو ہی ہوجائے۔ کچھ ہمارا ذکر ہی چلے جو ہم براہ راست سنیں چنانچہ یہ خطبہ وہ براہ راست سن رہے ہیں اس لئے میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ انشاء اللہ پھر ملاقاتیں ہوں گی۔ میں آپ کی ہر رنگ میں دلجوئی کی کوشش کروں گا۔ جو نصیحت میں نے آج جماعت کو کی ہے وہی نصیحت آپ کے لئے ہے فرانس میں سب سے زیادہ دعوت الی اللہ کی کمی ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قوم بنجر ہے لیکن بنجر زمینوں کو بھی تو خدا تعالیٰ زرخیز بنا دیا کرتا ہے قرآن کریم میں یہ ذکر ہے۔ اگر واقعۃً وہ زمین بنجر ہے تو آپ کی دعا تو بے پھل، بے ثمر نہیں رہ سکتی۔ آپ کی دعا میں یہ طاقت ہے اگر آپ سچے دل سے پورے خلوص کے ساتھ دعا کا حق ادا کرتے ہوئے دعا کریں گے تو اگر فرانس کی سرزمین بنجر بھی ہے تو یہ سبز و شاداب بن سکتی ہے۔ قرآن کریم اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا تم نے اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ (السجدہ:۲۹) نہیں دیکھا کس طرح بنجر زمینوں کی طرف خدا کی رحمت کا پانی جب برس کر چلتا ہے تو ویرانوں کو خوبصورت شاداب گلستان میں تبدیل کردیا کرتا ہے پس بنجر ہی سہی مگر آپ کی دعائیں تو بے ثمر اور بے اثر نہیں ہوسکتیں۔ دعائیں کریں۔ محنت کریں۔ کوشش کریں تا کہ

اسلام کا وہ روح پرور انقلاب جس نے آخر ساری دنیا میں ضرور آنا ہے فرانس میں بھی اس کی بہار کے کچھ نظارے تو لوگ دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک اور مختصر سا اعلان یہ ہے کہ آج کل سردیوں کی وجہ سے دن اتنے چھوٹے ہو گئے ہیں کہ جمعہ ختم ہونے سے پہلے ہی نماز عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے اس لئے یہاں ہمیں اختیار ہی کوئی نہیں سوائے اس کے کہ ہم جمعہ کے ساتھ نماز عصر بھی جمع کر لیا کریں۔ مجھے پورے شرح صدر کے ساتھ یقین ہے کہ اس کی اجازت ہے کیونکہ یہ ایک ایسی مجبوری ہے جسے ہم ٹال ہی نہیں سکتے۔ اس لئے جب تک چھوٹے دنوں کا یہ تقاضا رہے گا آئندہ اس وقت تک نماز جمعہ کے ساتھ نماز عصر جمع کی جائے گی اور آج بھی کی جائے گی۔

دعوت الی اللہ کے میدان میں نئی زمین، نیا آسمان بنائیں

امراء اور مجالس عاملہ کو دعوت الی اللہ کے بارہ میں اہم ہدایات

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ر نومبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

پیشتر اس سے کہ دعوت الی اللہ میں حکمت عملی کے مضمون کو آگے بڑھایا جائے دو غلطیوں کی اصلاح کا اعلان کرنا ضروری ہے۔

گزشتہ خطبہ میں سورۂ النحل کی آیت اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ کی تلاوت کی تھی لیکن حوالہ دیتے وقت النحل کی بجائے النمل پڑھا گیا ہے کیونکہ جمعہ کے بعد مجھے کسی نے توجہ دلائی اس لئے دوست اصلاح فرمالیں۔ جہاں جہاں بھی کیسٹ میں یہ حوالہ پڑھا گیا ہوگا اس کو درست کر لیا جائے۔

دوسری غلطی ایک پہلے خطبہ میں ہوئی تھی جس کی طرف مجھے برما کے ایک دوست عزیزم محمد سالک صاحب نے توجہ دلائی ہے۔ قرآن کریم کی دعاؤں پر گفتگو کے دوران میں نے ایک ایسی دُعا کا حوالہ دیا تھا جس کا حضرت موسیٰ کے ساتھ تعلق ہے جب وہ ہجرت کر کے مدین تشریف لے گئے وہاں آپ نے دعا کی رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ (القصص:۲۵) اس دعا کے ذکر میں ضمناً میں نے یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں شادی کی آپ کے خسر حضرت شعیبؑ تھے جو خود بھی نبی تھے۔ یہ ذکر ضمناً از خود اس لئے ہوا کہ گزشتہ مفسرین نے یہی لکھا ہے

اور بالا رادہ طور پر تحقیق کے بعد یہ بات میں نے بیان نہیں کی تھی بلکہ تعلیم کے زمانے میں جو گزشتہ تفسیریں پڑھی تھیں ان میں یہی بات یاد تھی اوراسی طرح میں نے بیان کردی۔ سالک صاحب نے برما سے مجھے خط لکھا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تفسیر کبیر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نظریے کو قرآن کریم کی آیات کے حوالے اور استدلال کے ساتھ بالکل غلط کر کے دکھایا ہے۔ چنانچہ ان کے توجہ دلانے پر جب میں نے دیکھا تو واقعۃً حضرت مصلح موعودؓ نے اس نظریے کے خلاف ایسے مضبوط دلائل پیش فرمائے ہیں کہ جن کے بعد کسی دور کے داہمہ کا بھی سوال نہیں رہتا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خسر کو شعیب قرار دیا جائے۔

مختلف دلائل میں ایک یہ آیت آپ نے پیش فرمائی۔ فرمایا کہ قرآن کریم میں سورۂ اعراف آیت ۱۰۴ میں درج ہے ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ فرماتے ہیں سورۂ اعراف میں یہ ذکر شعیب کی قوم (کی ہلاکت) کے بعد فرمایا گیا ہے۔ شعیبؑ کی قوم کا ذکر مکمل کرنے کے بعد قرآن کریم فرماتا ہے ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو بھیجا۔ بِاٰيٰتِنَاۤ اپنے کھلے کھلے نشانات کے ساتھ اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف۔ وَمَلَا۟ئِهٖ اور اس کے سرداروں کی طرف فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۔ پس غور کر دیکھ کہ کیسا مفسدوں کا انجام ہوا کرتا ہے۔ تو یہ آیت اس معاملہ میں اتنی قطعی ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد یعنی حضرت مصلح موعودؓ کی نظر سے پڑھنے کے بعد یہ حیرت ہوتی ہے کہ پُرانے مفسرین کی نظر سے کس طرح یہ آیت رہ گئی اور اس میں کوئی قصور نہیں ہوا کرتا۔ ایک دفعہ بات چل نکلے تو نظر پر ایک پردہ سا آجاتا ہے۔ سینکڑوں مرتبہ قرآن کریم پڑھا ہے لیکن میرا بھی اس طرف خیال نہیں گیا کہ یہ آیت تو کھلا کھلا اس نظریے کی تردید کر رہی ہے کہ حضرت شعیبؑ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خسر تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غریق رحمت فرمائے بے انتہاء بلند مرتبے عطا فرمائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جیسی خدمت قرآن کی آپ کو توفیق ملی ہے، جس طرح قرآن کے معارف کو غوطے لگا کر باہر نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی توفیق ملی ہے اس کی کوئی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ ایسے مفسر صدیوں میں نہیں، ہزاروں سال میں پیدا ہوتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو یہ توفیق بخشی ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر اچھوتے انداز میں قرآنی آیات کے دلائل پیش کر کے دنیا کے سامنے رکھی ہے یہ ایک اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس سے جماعت کو خود بھی فائدہ اُٹھانا چاہئے اور اپنے دوسرے دوستوں تک بھی یہ نعمت پہنچانی چاہئے۔تفسیر کبیر مکمل چھپی ہوئی سب دنیا میں دستیاب ہے اور جو پہلی ۵ ہزار یا اس کے لگ بھگ جلدیں ہم نے طبع کرائی تھیں وہ ساری بک چکی ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ پانچ ہزار گھروں میں تو یہ دستیاب ہونی چاہئیں لیکن ان میں سے کتنوں نے استفادہ کیا ہے یہ بات کہنی بہت مشکل ہے۔تو ضمناً میں نے توجہ دلائی کہ وہ جو پڑھ بھی لیتے ہیں وہ بھی ایک دفعہ کے پڑھے ہوئے کو پوری طرح یاد نہیں رکھ سکتے۔اس لئے وقتاً فوقتاً جہاں توفیق ملے،جن آیات کی تلاوت کریں، وقت نکالیں کہ ان کے حوالے کے ساتھ تفسیر کبیر قرآن کریم کو بھی دیکھیں اور وہ دیکھیں گے کہ ہر دفعہ ان کے علم میں غیر معمولی اضافہ ہوگا اور روحانی لذت جو نصیب ہوگی اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں کیونکہ قرآن کے ہر نئے نکتے کی معرفت کے وقت ایک روحانی لذت کی لہر سارے وجود میں دوڑ جاتی ہے اور یہ ایک ایسا لطف ہے جس کی کوئی مثال دنیاوی لطفوں میں نہیں ملتی۔

اب میں اس مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جو میں نے گزشتہ جمعہ میں شروع کیا تھا یعنی دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں حکمت عملی کو اختیار کرنا کیونکہ قرآن کریم نے ہمیشہ دعوت الی اللہ کے مضمون کے ساتھ حکمت پر زور دیا ہے اور اسکے علاوہ صبر پر زور دیا ہے۔میں نے گزشتہ خطبہ میں یہ عرض کیا تھا کہ میں آئندہ انشاءاللہ عہدیداران،منتظمین اور امراء کو مخاطب کرتے ہوئے ان کو سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے ان پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔پس دُعا کے بعد سب سے بڑی ذمہ داری ہے اور حکمت کا خلاصہ اور حکمت کی روح ہے کہ دعا کے ذریعہ کام شروع کیا جائے تمام امراء اور عہدیداران جن کا اس دعوت الی اللہ کے کام سے تعلق ہے ان کو میں دوبارہ تاکید کرتا ہوں کہ بہت دُعائیں کیا کریں اپنے لئے بھی اور اپنے تابع دوسرے خدمت دین کرنے والوں کے لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو حکمت کے اعلیٰ گوہر عطا فرمائے اور قرآن کریم ایک مومن سے جیسی حکمت کا تقاضا کرتا ہے ویسی حکمت اپنے فضل سے خود آپ کو عطا فرمائے اور آپ کی تبلیغ کارگر ہو،ثمر دار ہو،اور محض ایک کوشش نہ ہو بلکہ ایک نتیجہ خیز کوشش ہو۔اس سلسلہ میں حضرت مسیح

علیہ السلام کا یہ قول ہمیشہ یادرکھنا چاہئے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔اس کے مختلف معانی ہیں۔ بہت ہی عارفانہ کلام ہے لیکن ایک معنی یہ بھی تو ہے کہ جو درخت پھل نہ دے وہ بنجر ہی کہلائے گا خواہ آپ اس کی کیسی ہی خدمت کریں۔کیسی اس کی آبیاری کریں۔ دیکھنے میں وہ سرسبز وشاداب ہی کیوں نہ دکھائی دے لیکن اگر پھل سے عاری ہے تو وہ درخت کاٹے جانے کے لائق ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

پس اپنے تبلیغی کاموں کو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ پھلوں سے جانچیں اور پھلوں سے جانچنے کے لئے ایک تو پھلوں کی مقدار، تعداد دیکھنی ضروری ہے۔اگر کوششیں بڑھتی چلی جارہی ہیں، خرچ بڑھ رہے ہیں، آپ محنت کر رہے ہیں، ساری جماعت بظاہر مستعد دکھائی دیتی ہے، فائلوں کے منہ بھرے ہوئے ہیں، رپورٹوں میں صفحات کے صفحات تبلیغی کارروائیوں پر مشتمل ہیں لیکن جب نتیجہ تک پہنچتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہی گنتی کے چند آدمی جو پہلے تھے ویسے ہی اس سال بھی ہیں ویسے ہی اس سے پہلے تھے تو درخت کو پھل سے پہچاننے کی کیوں کوشش نہیں کرتے۔

پس سب سے پہلا کام عہدیداران کا یہ ہے کہ اپنا اور اپنے کاموں کا اور طریق کار کا محاسبہ کریں اور بڑی گہری اور تفصیلی نظر سے دیکھیں کہ وہ اب تک کیا کیا ذرائع استعمال کر چکے ہیں اور کب سے وہ ذرائع استعمال کر رہے ہیں اور ان ذرائع کے نتیجہ میں کہیں کوئی پھل بھی لگا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ضروری نہیں کہ وہ ذرائع بیکار سمجھے جائیں بلکہ استعمال کرنے والوں پر بھی نظر کرنی پڑے گی اور بھی بہت سے ایسے اسباب ہیں جن کا ذرائع کے استعمال سے تعلق ہے اور ہر سطح پر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جو ان ذرائع کو استعمال کر رہا ہے وہ ذاتی طور پر خود کیسا؟ وہ دعا گو ہے بھی کہ نہیں اور اس کی ذاتی توجہ پورے اخلاص کے ساتھ اور انہماک کے ساتھ ان کاموں کی طرف ہے بھی کہ نہیں؟ پس ذرائع کی چھان بین ان کی جانچ پڑتال، ذرائع کو استعمال کرنے والوں کے حالات اور ان کی جانچ پڑتال پھر ان کی اپنی صلاحیتوں کا جائزہ اور یہ دیکھنا کہ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق ہتھیار استعمال کر رہا ہے کہ نہیں۔ یہ ایک اتنا وسیع مضمون ہے کہ اسی پر اگر عہدیداران توجہ دیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔ مسلسل توجہ اور محنت کا تقاضا کرنے والا معاملہ ہے لیکن اس معاملہ میں میں کچھ باتیں مزید وضاحت سے رکھنی چاہتا ہوں کیونکہ اس قسم کی نصیحتیں میں بارہا کر چکا ہوں اور وہ کیسٹس

بھی سب جماعتوں میں پہنچائی گئی ہیں لیکن چونکہ اکثر ممالک پر اثر نہیں پڑا اس لئے میرا بھی تو یہ کام ہے کہ میں محاسبہ کروں اور دیکھوں کہ میرے اختیار کردہ ذرائع میں کیا نقص رہ گئے تھے اور دوبارہ میں پیش کروں تو کیا نئی بات پیدا کر کے پیش کروں کہ وہ باتیں جو پہلے پھل نہ لاسکی تھیں اب پھل لے آئیں۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جماعت کی زمین بحیثیت مجموعی زرخیز ہے اور گزشتہ چند سالوں میں جماعت نے مجموعی حیثیت سے تبلیغ میں جو نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ نصیحتیں سب بے کار نہیں گئیں اور محنت ضائع نہیں گئی بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ ان کوششوں کو پھل ضرور لگایا ہے لیکن کتنی زمینیں ایسی ہیں جنہوں نے بیج کو بڑھا کر واپس کیا ہے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے۔ مجموعی طور پر اضافہ تو ہوا ہے اور غیر معمولی اضافہ ہوا ہے لیکن ہر جگہ نہیں ہوا۔ بہت سے ایسے علاقے ہیں جو مثلاً ترقی یافتہ ہیں۔ یورپ اور امریکہ اور اسی طرح کے ترقی یافتہ ممالک جاپان ہے اور ان ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ کے درمیان کے ممالک جو کچھ تیسری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، کچھ دوسری دنیا سے کچھ پہلی دنیا سے یعنی ان کے مختلف طبقات مختلف زمانوں میں بس رہے ہیں ان کے حالات کا بھی آپ جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر ممالک میں ابھی تک ان ذرائع کے نتیجہ میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی لیکن جہاں ہوئی ہے ان کا میں نے جائزہ لیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ جہاں اخلاص اور محنت کے ساتھ امیر اور اس کے ساتھ شامل ٹیم نے واقعتہً پوری لگن سے کام کیا ہے وہاں یہ بیان کردہ ذرائع کارگر ثابت ہوئے ہیں۔ اس لئے ذرائع کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بار بار ان کو یاد کرانے کی ضرورت ہے بار بار مختلف ذرائع استعمال کرنے کے طریق سمجھانے کی ضرورت ہے۔ ان خامیوں پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جن کے نتیجہ میں بعض دفعہ محنتیں بے کار چلی جاتی ہیں اور درخت ثمر دار نہیں ہوتے۔

یہ جو نشوونما کا مضمون ہے یہ ساری کائنات کی ترقی کا خلاصہ ہے اور کائنات پر غور کرنے سے خواہ وہ زندگی کے وجود سے پہلے کی کائنات ہو یا زندگی کے وجود کے بعد کی کائنات ہو، انسان کو بہت سے حکمتوں کے موتی ملتے ہیں اور انسان کو اپنی روحانی انفرادی اور جماعتی ترقی کے لئے بہت سے گر ہاتھ آتے ہیں۔ پس ان سب مضامین پر غور کے نتیجہ میں جو باتیں اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرماتا رہتا ہے مختلف مواقع پر میں انہیں بیان کرتا رہا ہوں اور بلاشبہ بیسیوں گھنٹے کی وہ نصیحتیں ہیں جو مختلف کیسٹس

میں یا ویڈیوز وغیرہ میں محفوظ ہیں لیکن دبتی چلی جارہی ہیں۔ باتیں کہی جاتی ہیں لیکن جماعت کی بھاری اکثریت کے سامنے وہ نہیں آتیں اور ان کے اندر جونشوونما کی صلاحیتیں ہیں انہیں تحریک نہیں ملتی۔ اس لئے میں یہ زور دیتا رہا ہوں کہ جو عہدیداران ہیں وہ صرف اس بات پر اکتفا نہ کریں کہ میری باتیں سمجھ کر آگے دوستوں تک پہنچائیں بلکہ یہ کوشش کریں کہ ان دبے ہوئے مضامین کو نکالیں اور حتی المقدور کوشش کریں کہ وہ احمدی احباب جو دعوت الی اللہ کا جذبہ رکھتے ہیں ان کو یہ چیزیں سُنائی جائیں۔ مجلس عاملہ کے ممبران بھی سنیں اور بار بار سنیں کیونکہ سننے کے نتیجہ میں کچھ تو ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نئے طریق کار معلوم ہوں گے اور کچھ ان کے اندر خود تحریک پیدا ہوگی۔ ہر انسان جو ایک کام کا ارادہ کرتا ہے اور کسی مضمون کو پڑھتا ہے نئے علم کے نتیجہ میں اُسے روشنی کا احساس ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے روشنی مل گئی مگر یہ نہیں جانتا کہ روشنی کا سفر لامتناہی ہے۔ ایک روشنی کے بعد آگے بھی روشنی ہوا کرتی ہے اس روشنی کے بعد پھر اور بھی روشنی ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو خوابوں میں جاگتے ہیں ان کو بھی جاگنے کا ایک احساس تو ضرور ملتا ہے اور وہ شعور حاصل کرتے ہیں کہ جاگنا اس کو کہتے ہیں لیکن جب سچ مچ جاگتے ہیں تو وہ کوئی اور قسم کا شعور ہوا کرتا ہے اور جاگنے کے بعد کچھ عرصے تک آنکھیں ملتے رہنے کے وقت جو جاگ کی کیفیت ہے وہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ جب پانی کے چھینٹے پڑتے ہیں اور مستعدی کے ساتھ انسان باہر آتا ہے۔ پھر جب گھر سے نکل کر باہر دھوپ میں قدم اُٹھاتا ہے تو اس کی جاگنے کی کیفیت میں ایک نیا نور پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر روزمرہ کی زندگی میں حصہ لیتے ہوئے بہت سی باتیں غفلت کی حالت میں دیکھی جاتی ہیں اور جب انسان کو اندرونی طور پر جاگنے کی توفیق ملتی ہے تو ہر قدم پر اس کو ایک نئی روشنی محسوس ہوتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اب میں جاگا ہوں اور جب انسان معرفت کے مزید درجے حاصل کرتا ہے تو بعض اوقات بڑے بڑے صوفیا نے آخر وقت یہی محسوس کیا کہ ہم جاگے ہی نہیں تھے بلکہ ایک نسبتی کیفیت تھی۔ چنانچہ میر درد نے ایک شعر میں بڑی حسرت سے اس معرفت کا یوں اعلان کیا کہ

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا ؎
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

تو خواب اور افسانوں کی حقیقتیں فی ذاتہ تو یہ حقیقتیں نہیں ہیں لیکن اکثر ہماری حقیقتیں جن

کو ہم حقیقت سمجھ رہے ہوتے ہیں ان کی اپنی حیثیت خواب اور افسانے کی ہوتی ہے۔ یہ عمومی کیفیت ہے اس لئے انسان کو کسی مقام اور کسی مرتبے پر جا کر پورے یقین اور وثوق کے ساتھ یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ میرا روشنیوں کا سفر تمام ہوا اور مجھے سب کچھ حاصل ہو گیا۔

یہ عجز کا مقام ہے جو انسان کی تعلیم و تربیت کرتا ہے۔ دُنیا میں کوئی سفر بھی حقیقی عجز کے بغیر ممکن نہیں اور کوئی سفر بھی روشنی کے بغیر ممکن نہیں، تو میں عہدیداران سے عاجزانہ طور پر یہ درخواست کرتا ہوں کہ جو کچھ اس مضمون پر ان کو سمجھایا گیا ہے وہ خود بھی سُنیں اور توجہ سے سُنیں اور پھر اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اسی طرح جن لوگوں کو وہ اس کام میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں تحریک پیدا کرنا چاہتے ہیں انہیں اپنی زبان میں سُنانے کی بجائے میری زبان میں سُنائیں۔ یہ کوئی بے وجہ تفاخر کے نتیجہ میں میں ہرگز نہیں کہہ رہا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو کہنا میرے لئے دشوار ہے کیونکہ میری ذات سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود اپنے حیاء کے جذبات کو قابو کر کے ایک فرض ادا کرنے کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ **خلیفہ وقت کو جو باتیں خدا تعالیٰ دینی کاموں سے متعلق سمجھاتا ہے ان کو کہنے کے انداز بھی عطا کرتا ہے اور ان باتوں میں جیسی گہری سچائی ہوتی ہے ویسی دوسرے کی باتوں میں جگہ جگہ کہیں کہیں تو ہو سکتی ہے مگر بالعموم ساری باتوں میں ویسی سچائی نہیں آسکتی اور ویسا اثر نہیں پیدا ہوسکتا۔ دوسرے سننے والا ہمیشہ بات کے نتیجہ میں اثر قبول نہیں کیا کرتا بلکہ بسا اوقات کہنے والے کے اثر کے نتیجہ میں اثر قبول کیا کرتا ہے** اور یہ ایک ایسا انسانی فطرت کا راز ہے جسے سمجھے بغیر آپ خدمت دین کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

کلام الٰہی کا اپنا ایک اثر ہے۔ اُسے لاکھ اپنی زبان میں سمجھانے کی آپ کوشش کریں جب تک کلام الٰہی کے حوالے سے وہ بات نہ سمجھائی جائے وہ اثر نہیں پیدا ہوسکتا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے کلام کا ایک اثر ہے جو ۱۴۰۰ سال سے زائد عرصہ گزرا وہ کم ہونے میں ہی نہیں آتا وہ ایسی طاقت ہے جو ہمیشہ کی زندگی رکھتی ہے اور ایسا کلام ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کے بعد اگر کوئی زندہ کلام ہے تو حضرت محمد مصطفی ﷺ کا کلام ہے اور آپ کی برکت سے اور آپ کی غلامی میں پھر یہ طاقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نصیب ہوئی اور اسی لئے میں ہمیشہ زور دیتا رہا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام خصوصاً ملفوظات کی طرف جماعت کو توجہ

کرنی چاہئے۔ جیسی زندگی بخش طاقت اس زمانے کے مریضوں کے لئے اور کمزوروں اور نحیفوں کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نصیحت میں ہے ویسی کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔ چند فقرے پڑھنے کے بعد ہی انسان جھرجھری لے کر بیدار ہو جاتا ہے اور ان مضامین کو پڑھنے کے باوجود جن کے متعلق پہلے علم ہوتا ہے کہ کیا ہیں پھر بھی ہمیشہ نئی روشنی ملتی ہے، ہمیشہ نئی روحانی لذتیں عطا ہوتی ہیں۔ تو کہنے والے کی بات کس نے کہی یہ اس لئے بھی اثر کرتی ہے کہ ایک مرتبہ اور مقام جو اپنے دل کو بھاتا ہے۔ اپنے دل کو پیارا لگتا ہے اور پیار کے نتیجہ میں بات میں زیادہ اثر پیدا ہو جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ جو کہنے والے خدا کے زیادہ قریب ہیں ان کی باتیں بھی خدا کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور ان میں اثر بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ پس ہر خلیفہ کے وقت میں جو اس زمانے کے حالات ہیں ان کے متعلق جو خلیفۂ وقت کی نصیحت ہے وہ لازماً دوسری نصیحتوں سے زیادہ مؤثر ہوگی۔ اس تعلق کی بناء پر بھی اور اس وجہ سے بھی کہ خدا تعالیٰ نے جو ذمہ داری اسکے سپرد کی ہوتی ہے خود اس کے نتیجہ میں اس کو روشنی عطا کرتا ہے۔

پس پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ ان حکمت کی باتوں کو سمجھیں اور انہیں تخفیف کی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ حتی المقدور کوشش کریں کہ پُرانے دبے ہوئے ریکارڈ سے ان کیسٹس کو یا ویڈیوز کو یا تحریروں کو نکالیں اور اگر ساری جماعت کو یکدفعہ ان باتوں سے روشناس نہیں کرا سکتے کیونکہ یہ بہت مشکل کام ہے میں جانتا ہوں، میں نے ہر میدان میں عملی کام کر کے دیکھے ہوئے ہیں کہنا آسان ہے کرنا اتنا آسان نہیں ہوا کرتا مگر یہ ضروری ہے کہ ہر مشکل سے مشکل کام بھی کچھ نہ کچھ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ پس میں یہ تقاضا نہیں کرتا کہ یہ ساری باتیں آناً فاناً کر دکھائیں مگر آپ کے پروگرام میں ان کو ایک اہمیت حاصل ہونی چاہئے۔ آپ کے پروگرام میں ان کو ایک اوّلیت نصیب ہونی چاہئے اور اس کے نتیجہ میں پھر ہر وقت جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ کتنے احباب جماعت تک جو تبلیغ کے کاموں میں متعلق ہو رہے ہیں یہ باتیں خلیفۂ وقت کی آواز میں اسی کی زبان سے پہنچائی جا چکی ہیں۔ اب اس کیلئے ایک نظام مقرر کرنا پڑے گا امیر کیلئے ممکن ہی نہیں ہے کہ تمام ذمہ داریاں ادا کرنے کے علاوہ ہر وقت اس قسم کے تفصیلی مضامین کی بھی نگرانی کرے لیکن آخری نگرانی بہرحال اُسے کرنی ہے۔ جہاں امیر کی آنکھ غافل ہوئی وہاں ہر طرف اندھیرا ہو جائے گا اس لئے امیر کے لئے ضروری ہے کہ ایسا نظام مقرر کرے کہ اس کے مددگار اور اس کے نصیر پیدا ہوں اور جب میں یہ کہتا ہوں تو معاً قرآن کریم کی وہ آیت

پھر ذہن میں اُبھرتی ہے کہ وہ دعا اس موقعہ پر بہت ہی ضروری ہے۔
رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل: ۸۱) کیونکہ اس دُعا کا تعلق ظاہری سفر سے بہت زیادہ روحانی سفر سے ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو روحانی سفر میں جو مدارج عطا ہونے تھے ان مدارج سے تعلق ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر مرحلہ جو طے ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیر کے ذریعہ طے ہوتا ہے اور محض اپنی کوشش سے طے نہیں ہوتا۔

پس اس دُعا کے ساتھ جب امراء اور دیگر عہدیداران اپنے کام کا آغاز کریں گے اور منصوبہ بندی کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کو نئی روشنی نصیب ہوگی۔ ان کو نئے مددگار ملیں گے اور یہ محض ایک عقلی استدلال نہیں ہے بلکہ تجربے کی بات ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر دعا پر اخلاص کے ساتھ پورا انحصار ہو، یقین کے ساتھ انحصار ہو تو روزمرہ کے صرف طبعی مددگار نہیں ملتے بلکہ ایسے مددگار ملتے ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ یقین دلاتا ہے کہ یہ دعا کا نتیجہ ہیں۔ ایسے مددگار جو پہلے غافل تھے وہ جاگ اُٹھتے ہیں۔ ایسے لوگ مدد کو آجاتے ہیں جن کے متعلق انسان کو توقع ہی نہیں تھی اور نصیر کا مضمون دن بدن شہادت کی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے فیض اور اس کا فضل نصیر کا روپ دھار دھار کر غیب سے وجود میں آجاتا ہے اور واقعۃً آپ ان مددگاروں کو دیکھتے ہیں اور پھر وہ مددگار جو خدا کی طرف سے عطا ہوتے ہیں ان میں سلطانیت پائی جاتی ہے۔

یہ ایک بہت ہی گہرا اور عظیم مضمون ہے جو قرآن کریم کی اس دعا نے ہمیں سمجھایا کہ دنیا کے مددگار ضروری نہیں کہ اپنی مدد میں طاقت بھی رکھتے ہوں اور ان کی مدد کو غلبے کی ضمانت نصیب ہو مگر اس دعا کے نتیجہ میں جو مددگار ملتے ہیں ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ تم نے سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا مانگے تھے اور تمہیں سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ہی عطا ہوئے ہیں اور اس طرح تم پہچان لو کہ جو کچھ تمہیں ملا ہے تمہیں دعا کے نتیجہ میں ملا ہے۔ سلطان کا مطلب ہے غالب، بادشاہ کو بھی سلطان کہتے ہیں جس میں طاقت ہو، جو کرنا چاہے وہ کر دکھائے، جس میں دلیل بھی ہو معقولیت بھی ہو۔ سلطان بہت عظیم لفظ ہے۔ پس ایسے نصیر ملیں گے جو استدلال کی قوت رکھتے ہوں گے۔ جن میں غلبے کی صلاحیت موجود ہوگی جو جیسا چاہیں وہ کر کے دکھا سکتے ہوں گے۔ ایسے مددگار اگر حاصل کرنے ہیں تو اس سفر

کے آغاز میں بھی یہ دعا کریں اس سفر کے دوران بھی یہ دعائیں کیا کریں۔

محاسبہ کرتے وقت بہت سی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ مثلاً سفر سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس وقت آپ کس مقام پر کھڑے ہیں تمام حالات کا جائزہ لینا اور اور یہ دیکھنا کہ ہم کون کون سے ذرائع استعمال کر رہے ہیں یہ محاسبے کے لئے ضروری ہے لیکن اس کو حقیقت کی نظر سے دیکھنا ہوگا رپورٹوں کی زبان میں نہیں پڑنا بلکہ واقعۃً جانچنا ہے، دیکھنا ہے، پرکھنا ہے کہ جو کچھ ہونا چاہئے وہ ہو بھی رہا ہے کہ نہیں اور کتنا ہو رہا ہے۔ اب کہنے کو تو سب کام کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ جو جو ذرائع ہمارے اختیار میں تھے ہم نے پورے کر لئے ہم نے خطوط لکھے ہم نے تمام احباب جماعت کو بار بار متوجہ کیا، ان کو بتایا کہ لٹریچر کے ذریعے، دوسرے ذرائع سے تعلقات بڑھا کر، دعوتیں کر کے، ویڈیو دکھا کر، آڈیو سُنا کر اس طرح تم تبلیغ کرو ہم سب کچھ کر چکے ہیں لیکن نتیجہ ابھی نہیں نکلا۔ تو جو سب کچھ کر چکے ہیں ان میں پہلے دیکھنا یہ ہے کہ وہ کر بھی چکے ہیں کہ نہیں؟ اس چیز نے آگے جا کر عملی جامہ پہنا بھی ہے کہ نہیں لیکن جو سیکرٹری تبلیغ ہے جب وہ یہ لکھ دیتا ہے تو اپنی رپورٹ میں ہمیں مطلع کر دیتا ہے کہ ہم نے سب ذرائع اختیار کر لئے حالانکہ یہ درست بات نہیں۔ اگر سیکرٹری تبلیغ کھیت کے کنارے پر جا کر دیکھے کہ وہاں پانی پہنچا بھی تھا کہ نہیں تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ سب زبانی جمع خرچ تھا۔ جہاں یہ باتیں عمل میں ڈھلنی چاہئیں وہاں یہ باتیں ہی رہیں اور عملاً کچھ بھی نہیں ہوا یا ہوا تو ایک دو کے سوا کسی نے کچھ نہیں کیا اور پھر جس نے جس طرح کیا اس پر نظر رکھنا یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے۔ آج کے خطبہ میں تو اس کو بیان کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لیکن آئندہ انشاء اللہ اگر کوئی اور مضمون ایسا نہ ہوا جس کو پہلے بیان کرنا ضروری ہو تو میں اس کو مزید تفصیل سے آپ کے سامنے رکھوں گا۔

سر دست میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ امراء کو ان باتوں کی روشنی میں اور جو مزید باتیں میں ان کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں، نئے سرے سے اس سارے کام کو ترتیب دینا چاہئے۔ مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ کافی نہیں ہے۔ بار بار ایسی میٹنگز بلانی پڑیں گی۔ اگر ہنگامی طور پر چند دن کی رخصتیں لے کر بھی سب کو اکٹھا دن رات بیٹھنا پڑے تو ایسا کریں لیکن مقصود یہ پیش نظر ہوگا کہ ہم نے اپنی گزشتہ حالت پر راضی نہیں رہنا کیونکہ بہت بڑا کام ہے جو ہمیں کرنا ہے اور اگر ہم نہیں کریں گے تو ہم خوابوں میں بس رہے ہوں گے اور اگر اس حالت میں ہم نے جان دے دی تو پھر میر دؔرد کا یہ شعر ہم پر

بھی صادق آئے گا۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

پس اس خواب کو حقیقت میں بدلنا ہے۔ یہ مقصد ہے اس کے لئے عزم کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ایک چیلنج کو قبول کرنے کی ضرورت ہے اس فیصلے کی ضرورت ہے کہ ہم نے بہر حال تبدیلی کرنی ہے اور اس یقین کی ضرورت ہے کہ جو جماعت آپ کو میسر ہے اس میں اس بات کی صلاحیت موجود ہے، ہر احمدی میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ایک سے دو اور دو سے چار ہو۔ بیج خراب نہیں ہیں۔ بیج صحیح استعمال نہیں ہو رہے یا جس طرح ان میں بعض دفعہ پڑے پڑے بوسیدگی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی کیفیت ہوگی لیکن بیجوں میں اُگنے کی صلاحیت ضرور موجود ہے۔

دنیا میں جو قانون قدرت ہمیں دکھائی دیتا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ کچھ لوگ بانجھ تو ضرور ہوتے ہیں لیکن اکثریت بانجھ نہیں ہوا کرتی۔ اکثریت میں پنپنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ پس اگر اکثریت بانجھ نظر آئے تو خدا تعالیٰ کے قانون پر حرف رکھنے کا آپ کو حق نہیں ہے۔ ہرگز ایسی جرأت نہ کریں۔ آپ کو یقیناً یہ سوچنا چاہئے اور یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے بیج تو ہمیں اچھے دیئے تھے لیکن ہماری غفلت سے ان بیجوں کو کچھ ایسی بلا چمٹ گئی ہے یا کچھ ایسا وبال لگ گیا ہے کہ جس کے نتیجہ میں وہ پھوٹ نہیں رہے اور نشو ونما اختیار نہیں کر رہے۔ تو یہ ایک سفر سے پہلے کا لازمی نتیجہ ہے جو سفر سے پہلے آپ کو نکالنا ہوگا ورنہ سفر کے بعد جو نتیجہ نکلنا چاہئے وہ نہیں نکلے گا **اور یہ نکتہ بھی آپ کو خوب سمجھنا چاہئے کہ ہر سفر کے آغاز پر اس کا نتیجہ پہلے نکل جایا کرتا ہے۔** اس کو سائنس کی اصطلاح میں Blue Print کہتے ہیں اور قرآن کریم نے بھی اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے اور احادیث نے بھی اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے انسان کا Blue Print موجود تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا Blue Print خدا کے علم میں موجود تھا اور اس کی تقدیر میں موجود تھا۔ پس نتیجہ وہی نکلتا ہے جو پہلے آغاز میں نکالا جا چکا ہو۔ پس اگر آپ نے تبلیغی کوششوں کے لئے ایک مکمل نظام اپنے ذہن میں رکھا اور پورے عزم کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ اپنے خیالی ڈھانچے کو عملی جامہ ضرور پہنا کر چھوڑیں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ کوششیں ضرور نتیجہ خیز ہوں گی

لیکن اگر سفر سے پہلے آپ کو یقین ہی نہ ہو، سفر سے پہلے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ ہمارا کہہ دینا فرض ہے مگر یہی ہوتا رہتا ہے۔ جب سے ہم نے دیکھا اسی طرح لوگ سنتے بھی ہیں اور بھول بھی جاتے ہیں۔ یاد کرانے والے یاد بھی کراتے ہیں اور پھر غافل ہو جاتے ہیں اور بالآخر وہی روئیداد جو پہلے رونما ہوا کرتی تھی وہی رونما ہوتی رہے گی۔ یہ نتیجہ جب آپ نے پہلے نکال لیا تو آپ نے اپنی ناکامی کا نتیجہ نکالا ہے۔ آپ کا Blue Print بیمار ہے بیج ناقص نہیں۔ آپ کے دماغ کا بیج بانجھ ہو گیا ہے۔ اس لئے بڑے کھلے دماغ کے ساتھ واقعہ اور تیز نگاہ کے ساتھ اس بات کو خوب اچھی طرح دیکھ لیں کہ کون سا سفر آپ اختیار کرنے والے ہیں اور آپ کے اعلیٰ مقاصد کیا ہیں اور پھر اگر آپ یقین رکھتے ہیں کہ یہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں یہ ناممکن نہیں ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ناممکن نہیں رہیں گے۔ وہی مقولہ صادق آتا ہے انگریزی کا محاورہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص کو علم نہیں تھا کہ جو میں کام کرنے لگا ہوں یہ ناممکن ہے پس وہ آگے بڑھا اور اس نے اس کو کر لیا۔ **یہ ناممکن ہونے کا احساس بڑی بیماری ہے۔ یہ سب سے بڑا مرض ہے جو تمام منصوبوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ آپ بظاہر ناممکن نہ بھی کہیں اور سر تسلیم خم کر دیں کہ ہاں جی! ہم نے آپ کی نصیحتیں سن لی ہیں تو احمدیوں میں خدا کے فضل سے یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ایک سے دو ہو سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ بظاہر تائید کر سکتے ہیں لیکن عملاً آپ کے دل کی سوچ کے اندر یہ مرض موجود ہوگا کہ ٹھیک ہے جی، اسی طرح ہوتا آیا ہے کیسے ہو سکتا ہے یہ تو خیالی باتیں ہیں۔ آئیڈیل باتیں ہیں کبھی عملی دنیا میں ہوئی نہیں اس لئے ٹھیک ہے کوشش کریں گے۔ ہوگا تو وہی جو پہلے ہوتا رہا ہے تو آپ نے اپنی تمناؤں کی جڑوں پر ابھی سے تبر رکھ دیا۔ جو تمنائیں ہی مر جائیں ان کے آگے اس کے نتیجے کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔**

اس لئے جاگیں اور بیدار ہوں اور یقین کریں کہ خدا تعالیٰ نے جیسے دنیا کے نظام میں اکثر بیجوں میں پھولنے پھلنے کی صلاحیت رکھی ہوتی ہے، اکثر انسانوں کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ وہ صحیح طریق اختیار کریں تو خدا ان کو اولاد عطا کرے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت بھی گزشتہ انبیاء کی جماعتوں کی طرح بالعموم یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ پھولے پھلے اور دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دے اور اتنے وقت میں کرے کہ اس انقلاب کے دوران وہ آپ بیمار نہ ہو چکی ہو۔ وہ امتیں جن کو پھل دیر سے لگتے ہیں، بہت لمبے عرصے بعد لگتے ہیں ان کی نشو ونما بعض

دفعہ ایسے ذرائع سے ہوتی ہے جو ان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتے۔ خدا کی تقدیر کا وعدہ ہے کہ میں غالب آؤں گا اور غالب کروں گا تو زمانے کے حالات ایسے ہو جاتے ہیں کہ اکثریت ان کے ساتھ ہو جاتی ہے مگر ضروری نہیں کہ ان کے اندر صلاحیتیں باقی رہی ہوں۔ ضروری نہیں کہ وہ صالح لوگ رہیں۔ بہت سی فتوحات ایسی بھی ہوتی ہیں جبکہ امتیں بیمار ہو چکی ہوں اور پھر فتح نصیب ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم جب تک کمزور اور محدود تھی باصلاحیت تھی۔ اس میں ایسے لوگ تھے اور بڑی کثرت سے تھے جنہوں نے وحدانیت کو ہمیشہ زندہ رکھا، وحدانیت سے چمٹے رہے، وحدانیت کا علم بلند رکھا اس کی خاطر قربانیاں دیں، خدا کی توحید پر قائم رہے۔ ان کا ذکر سورۂ کہف میں اصحاب الکہف کے ذکر میں ملتا ہے لیکن جب عیسائیت سے روم فتح ہو گیا تو ایسی حالت میں فتح ہوا کہ تثلیث پھیل چکی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ فتح کا وعدہ تو خدا نے پورا کر دیا کیونکہ وہ مسیح سے وعدہ تھا لیکن وہ ایک بیمار فتح تھی۔ اس کے نتیجہ میں یہ نہیں کہ دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ میں پہلے بھی اس مضمون پر روشنی ڈال چکا ہوں کہ سچے مذاہب بگڑنے کے باوجود بھی بہت سی صلاحیتیں زندہ رکھتے ہیں اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ سچے مذاہب خواہ بگڑ چکے ہوں ان کے غلبے سے دنیا کو فائدہ نہ پہنچا ہو۔ ایک جہت سے نہ ہو دوسری جہت سے پہنچ جاتا ہے مگر مذہب کا جو اصل اعلیٰ مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوتا اور ہر مذہب کا اعلیٰ مقصد توحید کا قیام ہے۔

پس عیسائیت کی بڑی بدنصیبی ہے کہ ایسی حالت میں فتح پائی جبکہ توحید بالعموم ہاتھ سے جاتی رہی تھی اور بہت تھوڑے تھے جو توحید پر قائم تھے۔ پس صرف یہ بحث نہیں ہے کہ آپ میں بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی صلاحیت ہے بلکہ اس صلاحیت کو اس تیزی سے استعمال کریں کہ آپ کی روحانی صلاحیتیں، ابھی زندہ ہوں اور ان میں نقص نہ پیدا ہو چکے ہوں۔ اگر بیمار حالت میں آپ کو ترقی نصیب ہو تو اس ترقی کا کوئی نمایاں فائدہ نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہوگا لیکن اعلیٰ مقاصد میں آپ ناکام ہو چکے ہوں گے اس لئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ترقی کی رفتار کا اقدار کی حفاظت سے ایک گہرا تعلق ہے۔ بہت دیر تک اگر قوموں کو ترقی نہ ملے تو بعض دفعہ آہستہ آہستہ زنگ لگنے شروع ہو جاتے ہیں اور غیر معاشروں سے وہ مغلوب ہونے لگ جاتے ہیں۔ اس لئے معاشرے کے اندر ایک طاقت پیدا ہونی چاہئے اور وہ تعداد کے بڑھتے رہنے سے ہوتی ہے۔ وہ طاقت جو اس یقین

کے ساتھ پیدا ہوتی ہے کہ ہم غالب آ رہے ہیں اسکے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اقدار کی بھی حفاظت ہوتی ہے ورنہ دیر تک ترقی نہ ملنے کے نتیجہ میں یا سُست روی کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ جو کچھ انسان نے حاصل کیا ہے وہ بھی ہاتھ سے جانے لگتا ہے اور قومیں روحانی لحاظ سے تنزل اختیار کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

پس بہت سے ایسے محرکات ہیں، بہت سی ایسی وجوہات ہیں جن پر نظر رکھتے ہوئے میں یقین رکھتا ہوں کہ ہماری روحانی بقا کے لئے آج تیز رفتاری سے آگے بڑھنا ضروری ہے۔ **آج ہمیں ایسے ممالک چاہئیں جہاں جماعت احمدیہ غالب آ کر ایک غالب معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کر سکے ورنہ اپنے معاشرے کی صحت پر ہی نئی نسلوں کو یقین نہیں رہے گا۔** بہت سے ایسے لوگ ہیں جن سے گفتگو ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں ٹھیک ہے احمدیت اچھی ہوگی مگر وہ کون سی جگہ ہے جہاں احمدیت نے دنیا کی حالت تبدیل کر کے ایک پُر امن معاشرہ پیش کیا ہو جس کے نتیجہ میں ہم کہہ سکیں کہ ہاں یہ تجربہ باقی دنیا کے لئے بھی لائق تقلید ہے۔ ایسا کوئی ملک ہمیں نظر نہیں آتا۔ بستیاں کچھ دکھائی دیں گی مگر ایسی بستیاں جن پر غیر معاشرے کے غلبہ کی وجہ سے اچھی چیز میں بُری چیز کی ملاوٹ ہے اور کوئی بھی ایسی بستی نہیں دکھائی جا سکتی جس کو ہم کہہ سکیں کہ ہاں یہ خالصۃً احمدی معاشرے کی نمائندہ ہے کیونکہ اس پر احمدیت ہی اثر انداز ہوئی ہے اور باقی اثرات سے اس بستی کو بچایا گیا ہے۔ یہ غلبہ کے نتیجہ میں ہوا کرتا ہے۔ پس مجھے ایک کوڑی کی بھی دلچسپی سیاسی غلبہ میں نہیں مگر اس بات میں دلچسپی ہے کہ احمدیت کو تمدنی اور معاشرتی غلبہ نصیب ہو اور اس کا ایک تعلق سیاسی غلبہ سے ضرور ہے خواہ سیاست کی آپ کو ایک کوڑی کی بھی پرواہ نہ ہو۔ آپ کو ملکوں میں تمدنی غلبے حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور عددی اکثریت کے بغیر یہ غلبہ حاصل ہو نہیں سکتا۔

اس لئے اور باتوں کے علاوہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم تیزی کے ساتھ پھیلنا، پھولنا، بڑھنا شروع کر دیں اور ہر ملک میں ایک انقلابی تبدیلی واقع ہو۔ پس امراء کو چاہئے اور ان کے ساتھ دوسرے خدمت کرنے والوں کو چاہئے کہ اس مضمون کی اہمیت کو تو سمجھیں۔ بہت ہی اہم مضمون ہے۔ امریکہ ہو یا یورپ کے دیگر ممالک وہاں اس کثرت سے اسلام کی دشمن قدریں بڑھ رہی ہیں اور نئے عزائم لے کر اسلام پر حملہ کرنے کیلئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کہ

جب آپ کمزور ہیں اتنے کمزور ہیں کہ آپ کا معاشرہ اپنی ذات میں اپنی حفاظت کی اندرونی طاقت بھی نہیں رکھتا تو کہاں تک آپ یہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دعاؤں اور مسلسل محنت کے ذریعہ کچھ نسلوں کو آپ سنبھال سکتے ہیں مگر آپ کے ماحول میں اردگرد جو لوگ رہتے ہیں وہ آپ سے بحیثیت قوم متاثر نہیں ہو سکتے۔ انفرادی طور پر ہو سکتے ہیں مگر کونسا ملک ہے جہاں یہ کہا جاسکے کہ احمدی معاشرہ غالب آگیا ہے اور وہ ایک مثال بن گیا ہے اور تمام ملک کے باشندوں کی نظریں اس معاشرے کی طرف اٹھ رہی ہوں جب تک یہ واقعہ نہیں ہوتا ہماری تمدنی اور معاشرتی قدروں کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

اس لئے یورپ کے ممالک میں خصوصیت کے ساتھ احمدیت کو ایک جھرجھری لے کر بیدار ہونا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ بظاہر وہ بیدار ہیں لیکن ابھی خواب میں ہیں۔ نئے ارادوں کے ساتھ اٹھنا چاہئے اور نئے عزم کے ساتھ نئے منصوبے بنانے چاہئیں اور دعائیں کرتے ہوئے اس سفر کا آغاز کرنا چاہئے جس کا اکثر جگہ آغاز بھی نہیں ہوا۔ بہت ہی طمانیت کے ساتھ اور بہت ہی خوداعتمادی کے ساتھ بعض یورپ کے امراء مجھے لکھتے ہیں کہ الحمد للہ خدا کے فضل سے آپ کی دعاؤں سے اس سال ہمیں ۷۰ بیعتیں ملی ہیں جبکہ گزشتہ سال مثلاً ۵۵ تھیں اور میں کہتا ہوں اللہ رحم کرے میری دعائیں اگر ایسی ہی ہیں تو اللہ میرے اوپر بھی رحم کرے۔ میں تو دعائیں کرتا ہوں کہ ہزاروں لاکھوں میں تبدیل ہوں اور مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری دعاؤں سے ۷۰ ملی ہیں۔ میں کہتا ہوں اللہ مجھے معاف کرے یہ کیسی دعائیں ہیں جو نعوذ باللہ من ذلک ایسی نامقبول ہیں مگر دعائیں بھی اس وقت قبول ہوتی ہیں جب دعائیں جن کے لئے کی جاتیں ہیں وہ صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ یاد رکھیں کہ اولاد کے حق میں بھی دعائیں نہیں لگا کرتیں اگر اولاد ان کو قبول کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اور اسے تمنا ہی نہ ہو۔

یہ خدا تعالیٰ کی تقدیر کا ایک عجیب مضمون ہے جس میں فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ (الکہف:۳۰) کا مضمون خدا کی تقدیر میں ہر جگہ صادق آتا ہے۔ ہر شخص کی اپنی تمنا اور خواہش کا اس کی زندگی کا رخ ڈھالنے میں ایک گہرا تعلق ہے اور محض دوسرے کی دعائیں کارگر ثابت نہیں ہوتیں جب تک وہ خود ان دعاؤں کے رخ پر چلنے کی تمنا پیدا نہ کرے۔ ہوائیں ضرور سفر میں مدد ہو جایا کرتی ہیں۔ سمندری سفروں میں بھی اور دنیا کے عام سفروں میں بھی ہوائی جہازوں کی

بھی ہوائیں مدد کرتی ہیں۔اور موٹروں کی بھی مدد کرتی ہیں۔ پیدل چلنے والوں کو بھی مدد کرتی ہیں لیکن جو ہوا کے مخالف چل رہا ہو اس کی کیسے مدد کر سکتی ہیں۔اس لئے دعاؤں کا مضمون بھی ہواؤں سے ایک نسبت رکھتا ہے۔

پس یاد رکھیں کہ آپ کے حق میں آپ کی اپنی دعائیں یا میری دعائیں یا ان بزرگوں کی دعائیں جو ہم سے پہلے گزر گئے اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے دعائیں کرتے کرتے انہوں نے جان دی تبھی مقبول ہونگی جب آپ ان دعاؤں کے رخ پر سفر کرنے کے ارادے کریں گے اور جب ان ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشش کریں گے تو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی رفتار کو کس طرح غیر معمولی الٰہی تائید حاصل ہوتی ہے۔

پس یہ ۷۰، ۸۰، ۱۰۰، ۲۰۰، یورپ اور امریکہ اور کینیڈا کی اطلاعات ایسی تکلیف دہ ہیں کہ دل حیران ہو جاتا ہے کہ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور کیوں یہ یقین نہیں کرتے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے چند افراد چند اور آدمی پیدا کر رہے ہیں تو باقی افراد کیوں بانجھ پڑے ہیں۔وہ بانجھ نہیں ہیں آپ نے ان کیلئے وہ ماحول نہیں پیدا کیا جس میں وہ نشوونما پا سکتے ہیں ان کی اتنی تربیت نہیں کی، ان کی مدد نہیں کی، ان کے مسائل پر پورا غور نہیں کیا۔ یہ جائزہ نہیں لیا کہ آپ کس طرح تبلیغ کر رہے ہیں، اس میں کیا کیا نقص رہ گئے ہیں؟ کون سے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں تھے جو نہیں کئے، کون سے ذرائع ہیں جن کا ذکر کاغذوں میں تو ملتا ہے لیکن عمل کی دنیا میں ناپید ہیں۔ان سب جائزوں کے بغیر جس کو میں محاسبہ کا نام دے رہا ہوں آپ کے سفر کا آغاز ہو ہی نہیں سکتا۔

پس آج کے خطبہ میں آخری نصیحت یہی ہے کہ آپ محاسبہ کریں اور منصوبہ بنانے سے پہلے خوب اچھی طرح معلوم کر لیں کہ ساری جماعت میں کہاں کہاں کیا کیا کیفیت ہے، کس صلاحیت کے لوگ ہیں؟ کون سے ایسے ہیں جو تبلیغی لحاظ سے نشوونما کی صلاحیت اس حد تک رکھتے ہیں کہ آپ انکو تھوڑا سا بھی سمجھائیں اور ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھائیں تو وہ چل سکتے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جو ابھی اس معیار سے نیچے ہیں اور ان کی صلاحیتیں مخفی ہیں ابھی ان پر زیادہ محنت اور کام کی ضرورت ہے۔ ہر پہلو سے یہ جائزے لے کر جب آپ مکمل طور پر اپنی پہچان کر لیں گے کہ آپ کہاں کھڑے ہیں تو اس

کا نام محاسبہ ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ محاسبے ہی کا دوسرا نام روشنی ہے۔ ہر سفر کے آغاز سے پہلے اگر اندھیروں کا سفر ہو تو روشنی کی ضرورت ہے اور محاسبہ آپ کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اگر اپنا محاسبہ کئے بغیر آپ سفر کریں گے تو آپ ٹھوکریں کھائیں گے۔ آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ کس رخ پر جانا ہے اور وہ سفر اگر طے بھی ہو تو بڑی مصیبت اور مشکل سے طے ہوگا لیکن تیز رفتاری سے ہرگز نہیں۔ روشنی مل جائے تو اندھیروں کا سینہ چیرتے ہوئے وہ آگے آگے بڑھتی ہے اور آپ کو ساتھ لئے لئے جس رفتار سے آپ چاہیں آپ کو آگے بھگائے پھرتی ہے اور بہت قوت اور یقین اور حوصلے کے ساتھ آپ پر خطر راہوں کے بھی سفر کر سکتے ہیں کیونکہ آپ کو خطرات دور سے دکھائی دیتے ہیں۔ پتہ لگتا ہے کہاں کوئی جانور ہے، کہاں کوئی پتھر ہے، کہاں کوئی گڑھا ہے، کہاں سڑک کا کنارہ ہے، کہاں جھاڑیاں ہیں، کہاں قدم رکھنے ہیں کہاں نہیں رکھنے؟ یہ باتیں محاسبہ سے ملتی ہیں۔

پس دعا کے بعد جو ہمیشہ اولیت رکھتی ہے اور ہمیشہ اولیت رکھے گی اور پھر ساتھ ساتھ چلے گی آپ کو تبلیغ کا سفر کرنے سے پہلے اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ جن جن باتوں کی میں نے نشاندہی کی ہے ان میں بھی محاسبہ کریں اور پھر اس محاسبہ کے بعد منصوبہ بنانے میں اگلا قدم کیا ہونا چاہئے اس کی کچھ تفاصیل انشاء اللہ میں آئندہ خطبہ میں بیان کرونگا اور میں امید رکھتا ہوں کہ تمام ممالک کے امراء اور ان کے ساتھی، ان کی مجالس عاملہ خواہ انکا شعبہ اصلاح وارشاد سے تعلق ہو یا نہ ہو وہ سارے اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد یہ بنالیں گے کہ ہم نے تبلیغی نقطہ نگاہ سے جماعت میں ایک انقلاب برپا کر دینا ہے ایک نئی فضا پیدا کرنی ہے، نئی زمین بنانی ہے، نیا آسمان بنانا ہے کیونکہ اس بوسیدہ زمین اور بوسیدہ آسمان میں تو ہمارے سفر طے نہیں ہو سکتے جس میں آج ہم سانس لے رہے ہیں۔ ہماری صلاحیتوں کی اکثریت بیکار بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم کو خدا تعالیٰ نے نشوونما کی جو طاقتیں دی ہوئی ہیں ان کو پنپنے کے لئے جس ماحول کی ضرورت ہے ابھی وہ میسر نہیں ہے۔

اس لئے اس مضمون پر انشاء اللہ آئندہ مزید روشنی ڈالوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم جلد جلد بیدار ہوں اور بیدار ہونے کے بعد نئی بیداریوں کے سفر شروع کریں نئی روشنیاں ہمیں عطا ہوں۔ ہماری رفتاریں بڑھیں اور دیکھتے دیکھتے ہم حضرت محمد ﷺ کے زندگی بخش دین کو ساری دنیا میں پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین

موجودہ جماعت اپنی زندگی میں ایک کروڑ نئے احمدی پیدا کرے

دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں عہدیداران جماعت کو نصائح۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۲ نومبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ خطبہ میں میں نے ذکر کیا تھا کہ آئندہ انشاء اللہ دعوت الی اللہ کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ امرائے جماعت، صدران اور عہدیداران کو ہدایات دوں گا۔ اس مضمون کا براہ راست تعلق تو عہدیداران سے ہی ہے کہ انہیں کس طرح کام کروانا چاہئے۔ خطبہ کے لئے میں نے اسے اس لئے چنا ہے کہ یہ کام تو میں بڑی دیر سے کرتا چلا آ رہا ہوں اور جہاں جہاں جس جس ملک میں دورے پر گیا ہوں وہاں ہمیشہ اس موضوع پر کسی نہ کسی جگہ ضرور خطاب کیا ہے اور عہدیداران کو بٹھا کر تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کی ہے، جماعتی عہدیداران کو بھی اور ذیلی تنظیموں کے عہدیداران کو بھی کہ انہیں دعوت الی اللہ کا کام کیسے کرنا چاہئے لیکن اس کے باوجود وہ نتیجہ پیدا نہیں ہوا جس کی مجھے لازماً توقع تھی۔ ہر ملک کا ایک حال نہیں۔ بعض ممالک میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری توقعات سے بھی بڑھ کر نتیجے ظاہر ہوئے کیونکہ جن لوگوں کو مخاطب کر کے میں نے بات کی انہوں نے تقویٰ کے ساتھ انکساری کے ساتھ، اپنے آپ کو بڑا اور عقلمند سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ عاجز بندوں کی طرح نصیحت کو سنا اور اس پر دیانتداری سے عمل کی کوشش کی اور اپنی انا کو بیچ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ میں جب یہ کہتا ہوں تو مراد یہ نہیں کہ باقی سب نے ایسا کیا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے

کہ خدا کے فضل سے اگر جماعت کے تمام عہدیداران نہیں تو بھاری اکثریت متقی ہے اور ان کی انا کچلی جاتی ہے تو وہ خدمت کے لئے آگے آتے ہیں لیکن اس کے باوجود انا کے بہت سے مخفی پہلو ہیں جو کسی نہ کسی رنگ میں انسان کے کاموں میں بھی اور اس کی سوچوں میں بھی حائل ہوتے رہتے ہیں اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے سوائے انبیاء کے کسی کی انا ہمیشہ کے لئے کلیۃً کچلی نہیں جاتی اس لئے میں جب یہ کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان کو نعوذ باللہ ادنیٰ سمجھتا ہوں یا تقویٰ کے خلاف باتوں میں ملوث دیکھتا ہوں بلکہ یہ ساری جماعت کے لئے ایک عام نصیحت ہے کہ اپنی انا سے ہمیشہ خبردار رہیں۔ وہ دب جاتی ہے لیکن مٹتی نہیں اور موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس کا حال جراثیم کی طرح ہے صحت مند انسان کے جسم میں بھی وہ جراثیم اس کے خون میں دوڑ رہے ہوتے ہیں لیکن انہیں موقعہ نہیں ملتا کہ وہ نشوونما پاسکیں کیونکہ صحت مند جسم ان کو دبا کر رکھتا ہے اور اجازت نہیں دیتا کہ وہ سر اٹھائیں لیکن حقیقت میں کامل طور پر اگر کسی کی انا مری ہے تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ہی انا ہے کیونکہ آپ نے انا کا نام ہی شیطان رکھا ہے اور شیطان کے متعلق فرمایا کہ ہر انسان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس کی نسوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس کے وجود کے اندر شامل ہے۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے اندر بھی شیطان ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ہے لیکن مسلمان ہو چکا ہے (حوالہ۔۔۔)

تو انسانی فطرت کے اندر یہ جو سر اٹھانے کا اور کسی نہ کسی رنگ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا فطری جذبہ ہے اسی کا نام حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے شیطان رکھا ہے اور آپ کا یہ فیصلہ قرآن پر مبنی ہے کیونکہ قرآن نے سب سے پہلے شیطان کا جو تعارف کرایا ہے وہ انانیت کے سر اٹھانے والے ایک وجود کے طور پر پیش فرمایا ہے اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (الاعراف: ۱۳) کی آواز والے شیطان بھی ہوں گے اور ہوتے ہیں۔ انسانی شکلوں میں بھی اور اس کے علاوہ بھی ممکن ہیں لیکن ایک شیطان جو محقق ہو چکا ہے جس کے متعلق ہمیں آخری دربار سے آخری فیصلہ مل گیا ہے وہ انسانی فطرت کے اندر اس کی انانیت ہے۔

پس وہ عہدیداران جو انانیت کو کچلنے میں زیادہ اعلیٰ مقامات پر فائز ہوتے ہیں وہ ہمیشہ نصیحتوں سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن صرف یہی ایک روک نہیں ہے جو حائل ہے۔ انسانی فطرت کے اندر بات سن کر اثر کو قبول کرنے کا مادہ بھی ہے اور بات سننے کے کچھ عرصہ بعد اس کو بھلا دینے کا مادہ بھی ہے اسی لئے قرآن کریم نے بار بار اور بار بار اور بار بار نصیحت کا حکم دیا ہے

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو **مذکر** کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کی مستقل صفت بن چکی تھی یعنی آج یا کل یا کبھی کبھی اتفاقی نصیحت کرنے والے نہیں تھے بلکہ ہمیشہ کی زندگی میں ہر مشغلے میں نصیحت ان کے وجود کا حصہ بن گئی تھی اور آپ کی ذات میں وہ نصیحت ایسی شامل ہو چکی تھی کہ خدا نے خود آپ کا **مذکر** ہمیشہ کا دائمی نصیحت کرنے والا نام رکھ دیا۔

پس اس لئے بھی نصیحت کی ضرورت پڑتی ہے۔ضروری نہیں کہ انانیت کا ہی کوئی شعبہ سر اٹھا رہا ہو۔انسانی غفلت ہے، کمزوریاں ہیں جو نصیحت کو سن کر ان کو بھلا دینے کی طرف انسان کو مائل کر دیتی ہیں۔پس اس پہلو سے جب میں عہدیداران کو نصیحت کرتا ہوں یا ان کے متعلق بعض دفعہ یہ تبصرے کرتا ہوں تو ان کی دل آزاری ہرگز مقصود نہیں۔میں امید رکھتا ہوں وہ تحمل سے سنیں گے اور یہ واقعاتی تبصرے ہیں۔ان سے مفر نہیں یعنی ان کو بیان کئے بغیر بات پوری کھلے گی نہیں۔واقعہ یہی ہے کہ میں کہتا چلا جاتا ہوں اور پیچھے سے باتیں بھلائی چلی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ بڑی دیر سے جاری ہے۔چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ساری جماعت کو وہ باتیں سمجھاؤں کیونکہ ساری جماعت کو اگر علم ہو کہ ہمارے متعلق یہ توقعات ہیں۔یہ ہمیں لائحہ عمل دیا جارہا ہے تو اگر عہدیداران کبھی غافل بھی ہوں تو جماعت ان کو بیدار کرے گی اور جماعت کے علم میں براہ راست آئے گا کہ ہم سے کیا توقعات ہیں اور ہمیں ان توقعات کو پورا کرنے کے لئے کیا مدد دی جارہی ہے یا کیا مدد دی جانی چاہئے۔

اس ضمن میں پہلی بات تو میں یہ سمجھانی چاہتا ہوں کہ معلومات کی کمی خود بہت بڑے نقصان کا موجب بنتی ہے۔اب جو خطبے میں دوں گا مجھے امید ہے کہ اس کے نتیجہ میں فائدہ پہنچے گا کیونکہ معلومات عام ہوں گی لیکن جو نصیحتیں میں کرتا رہا ہوں ان کو جماعت تک پہنچایا نہیں گیا اور جماعت کی بھاری اکثریت ان سے غافل ہے۔ان کو علم ہی نہیں کہ کیا توقعات تھیں، کس طرح ان توقعات کو پورا کرنے کے لئے میرے ذہن نے نقشے بنائے اور کس طرح میں نے احباب جماعت کو عہدیداران کو سمجھانے کی کوشش کی؟ معلومات کی کمی کا یہ حال ہے کہ اکثر احباب جماعت کو جو ترقی یافتہ ممالک میں رہتے ہیں اور مستعد ہیں اور جہاں ذرائع ابلاغ بہت ہی اعلیٰ درجے کے اور ہر شخص کو مہیا ہیں، وہاں بھی عام باتوں کا بھی احباب جماعت کو علم نہیں ہے۔مثلاً ان کا اگر کوئی دوست بنتا ہے جو بلغارین زبان بولنے والا ہے تو وہ گھبرا کر مجھے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا بلغارین زبان میں بھی کوئی لٹریچر

موجود ہے۔ بعض دفعہ عربی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کوئی کیسٹ ہو، کوئی ابتدائی معلومات کی کتابیں ہوں تو ہمیں بتائی جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو یہ پتہ ہی نہیں کہ جماعت اس وقت تک لٹریچر کی تیاری میں اور آڈیو ویڈیو سامانوں کی تیاری میں کس حد تک آگے جا چکی ہے اور کیا کیا چیزیں مہیا ہو چکی ہیں؟ اگر کثرت کے ساتھ یہ معلومات بہم پہنچائی جائیں اور جماعت کے اخبارات و رسائل میں بار بار یہ بیان کی جائیں اور عہدیداران کے ذریعہ بھی اعلان کروائے جائیں۔ کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے بروشرز، چھوٹے چھوٹے خوبصورت پمفلٹ شائع کر کے ان میں بھی تمام احباب جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا جائے کہ ہمارے پاس یہ یہ چیزیں بھی ہیں۔ کبھی آپ کو ضرورت ہو تو ان کو استعمال کر کے دیکھیں اور اس کے نتیجہ میں آپ کے لئے تبلیغ کی راہیں آسان ہوں گی۔

خدا کے فضل سے اس وقت تک اتنی زبانوں میں لٹریچر تیار ہو چکا ہے کہ خود وہ لوگ جن کی زبانوں میں لٹریچر ہے وہ جب دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور بعض ایسے مخالفین جو اس سے پہلے جماعت کے شدید مخالف تھے انہوں نے جب جماعت کی بعض نمائشوں میں اس لٹریچر کو دیکھا تو بڑے زور کے ساتھ گواہی دی کہ وہ سب جھوٹے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تم مسلمان نہیں ہو کیونکہ اسلام کی اتنی خدمت اور ایسے احسن رنگ میں اسلام کی خدمت کبھی کسی کو دنیا میں اس کی توفیق نہیں ملی۔ ان کی مراد اس زمانہ سے ہے نعوذ باللہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کو شامل کر کے تو یہ نہیں کہتے، تو کبھی کا لفظ جب بھی کبھی بولتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ ہمارے علم میں ہمارے موجودہ زمانہ میں ہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا کہ ایسی خدمت کرتا ہو۔ اسی طرح مختلف ایمبیسیز (Embassies) ہیں ان کے نمائندے مختلف ممالک میں جا کر احمدی لٹریچر کو دیکھتے ہیں تو غیر معمولی طور پر دلچسپی لینے لگ جاتے ہیں۔

لیکن اس سلسلہ میں لاعلمی کی جو کوتاہیاں ہیں ان کا آغاز خود امیر جماعت یا عہدیداران سے ہے مثلاً ان کو سرسری علم تو ہے کہ ہمارے پاس رشین زبان میں قرآن کریم کے تراجم موجود ہیں لیکن یہ نہیں پتہ کہ ایک ہیں دو ہیں، تین یا چار ہیں کسی کو دے بھی سکتے ہیں کہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو پارسل گئے وہ کھل کر کسی جگہ لگ گئے اور مزید تفصیل سے دلچسپی نہیں لی گئی کہ ان کو آگے استعمال بھی کرنا ہے کہ نہیں۔ پس معلومات سرسری بھی ہوا کرتی ہیں اور گہری بھی اور گہری معلومات کا تعلق ذاتی دلچسپی سے ہے۔ مثلاً اگر مجھے کوئی کتاب آئے تو بعض دفعہ میرا دل چاہتا ہے کہ فوراً

جماعت کے صائب الرائے لوگوں کو، دانشوروں کو یہ کتاب ضرور پہنچائی جائے۔ایسی صورت میں بعض دفعہ ان کی فوٹو کا پیز کروا کر امراء کو بھجوائی جاتی ہیں۔بعض اور دانشوروں کو بھجوائی جاتی ہیں کیونکہ مجھے اس میں دلچسپی ہے اور اس بات میں دلچسپی ہے کہ جماعت کے زیادہ سے زیادہ دوستوں کو بعض امور کا علم ہو اور ان کے اندر جستجو کا شوق ہو لیکن اگر ایک امیر اس میں دلچسپی نہیں لیتا تو اس کی معلومات سرسری رہیں گی۔اگر وہ دلچسپی لے گا تو مثلاً جب اس کو پتہ چلا کہ آج ہمارے پاس روسی زبان میں قرآن کریم کا تحفہ آیا ہے تو وہ کہے گا کہ کتنے ہیں۔اس سے فائدہ کس طرح اٹھانا ہے۔بعض رشینز Russians کی تلاش کی جائے وہ ہیں کہاں؟ ان کو پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔معلوم کیا جائے کہ ان پر کیا تاثرات پیدا ہوتے ہیں لیکن چونکہ بات وہیں ختم کر دی گئی اس لئے مزید معلومات حاصل نہیں کی گئیں۔پھر اچانک مجھے خط ملا (میں مثالیں دے رہا ہوں نام نہیں لوں گا) کہ آپ نے ہدایت کی تھی کہ ایمبسڈرز کو بلاؤ دعوت دے کر اور نمائش دکھاؤ اور ان سے رابطے پیدا کرو ہم نے روسی ایمبسڈر کو بلایا اس نے بہت خوشی سے دعوت کو قبول کیا لیکن ہمیں بہت شرمندگی ہوئی کہ جب اس نے قرآن کریم خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور ہم نے دیکھا تو ایک ہی نسخہ تھا جو لائبریری کے لئے تھا اور اس کے سٹاف نے بھی بڑی دلچسپی لی لیکن ہم نے ان کو پتے لکھ دیئے ہیں کہ کہاں سے منگوائے جا سکتے ہیں۔

اب یہ تو کوئی بات ہی نہیں۔بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ جب آپ دعوت دیتے ہیں تو آپ کو کم سے کم یہ توقع تو کرنی چاہئے کہ جو چیز دکھائیں گے جس کی وہ زبان ہے اس میں وہ اگر کسی لٹریچر میں دلچسپی لے گا کسی کتاب میں دلچسپی لے گا تو مانگے گا بھی تو سہی اور اگر نہ بھی مانگے تو کچھ نہ کچھ تو اس کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آپ کو زائد ضرور رکھنا چاہئے تو معلومات کی کمی اور معلومات میں دلچسپی کی کمی دونوں عملاً ایک ہی نتیجہ پیدا کرتے ہیں اور وقت کے اوپر وہ ضرورت کی چیز کام نہیں آسکتی۔پس معلومات پہنچانی ہیں اس طرح نہیں جیسے سر سے بوجھ اتارا جائے ایک دفعہ ایک لسٹ شائع کر کے اگر آپ ساری جماعت میں تقسیم کروا دیں تو یہ معلومات پہنچانا میرے نزدیک نہیں ہے کیونکہ میں معلومات ان باتوں کو کہتا ہوں جن میں وہ دلچسپی پیدا ہو، جن کو انسان استعمال کر سکتا ہو ورنہ وہ معلومات جو عمل کی سطح پر ذہن کے سامنے حاضر نہ رہیں وہ رفتہ رفتہ لاشعور میں دبنی شروع ہو جاتی ہیں اور ایسے ہی ہے جیسے نہ ہوں پس معلومات پہنچانا اور بیدار مغزی کے ساتھ ان کو لوگوں کے

پیش نظر رکھنا اور اس طریق پر الٹتے پلٹتے رہنا کہ انسانی ذہن جو نیند کا عادی ہے وہ کچھ دیر کے لئے تو بیدار ہو اور اتنی چیز اس کے سامنے ہو جتنی اس کے اندر سمجھنے کی صلاحیت ہے۔

پس ٹکڑوں ٹکڑوں میں معلومات پہنچانا اور پھر ان کی پیروی کرنا، ان کا تتبع کرنا اور معلوم کرنا کہ اس سے کیا فائدہ ہوا۔ کسی نے ان چیزوں کو استعمال بھی کیا کہ نہیں۔ یہ ایک مسلسل نظام ہے جو باقاعدہ منصوبے کے تحت چلنا چاہئے اور اگر سیکرٹری تبلیغ کو خود اس بات کی استطاعت نہیں ہے۔ بعض دفعہ جماعتیں ایسا آدمی چن دیتی ہیں جس کو واقعۃً اس شعبہ کے لئے کوئی خاص استطاعت نہیں ہوتی۔ تو اول تو امراء کا کام ہے کہ وہ خود ساتھ مل کر اسے سمجھا کر تربیت دیں اور رفتہ رفتہ ان باتوں کے قابل بنائیں اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو ان کے ساتھ بعض خصوصی کاموں کے لئے سپیشلسٹ یعنی تخصیص کے ماہر نائبین مقرر کر دیں، مددگار مقرر کر دیں اور کسی کے سپرد ایک کام کر دیا جائے کسی کے سپرد دوسرا کام کر دیا جائے۔ جماعتوں کی مجبوریاں بھی ہیں۔ انتخاب کے وقت محض کسی خاص شعبے کی صلاحیت کو مدنظر نہیں رکھا جا سکتا اس شخص کی دلچسپی کو بھی تو پیش نظر رکھنا پڑے گا اور اس کا تقویٰ کے ساتھ تعلق ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ خوف ہے، خدا کے لئے دل میں زیادہ محبت ہے۔ جماعتی کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ اس کی ذہنی اور قلبی صلاحیتیں تو اس کے اختیار کی بات نہیں لیکن جماعت دیکھتی ہے کہ یہ لوگ ہیں جو خدمت کرنے والے ہیں ان کے نام وہ چنتی ہے اور یہی ہے جو قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ذمہ داریاں سپرد کرتے وقت تقویٰ دیکھا کرو۔ لیکن ان کے نیچے ایسی ٹیم بنائی جا سکتی ہے جو پہلے مستعد نہیں لیکن ان کو مستعد بنانا مقصود ہو اور ان کی صلاحیتوں سے پورا پورا استفادہ کرنا مقصود ہو۔ ایسے لوگ مہیا کر کے ان کے سپرد کئے جا سکتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے بعض دفعہ عہدیداران میں براہ راست یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ٹیم بنائیں۔ میں ان کے لئے بعض نوجوانوں کو تلاش کرتا ہوں۔ ذاتی طور پر ان کو سمجھاتا ہوں، سکھاتا ہوں اور پھر ان کے سپرد کر دیتا ہوں اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان کو ٹیم ملتی ہے جس سے پھر وہ بہت عمدہ کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔

پس معلومات کے سلسلہ میں سیکرٹری اصلاح وارشاد کو ایسے Specialist نائبین مہیا کرنے چاہئیں جن کے سپرد مختلف شعبے ہوں مثلاً معلومات مہیا کرنا اور معلومات کو گردش میں رکھنا اور معلومات کے سلسلہ میں وسعت نظر پیدا کرنا، صرف یہ نہیں دیکھنا کہ فلاں اعداد و شمار مہیا ہو گئے

اور ہم نے پہنچا دیئے ہیں بلکہ آگے بڑھ کر یہ سوچنا کہ ان باتوں کو پہنچانے کا مقصد کیا ہے اگر ہمارے پاس Back of stock نہیں ہے۔ اگر ہم دلچسپی پیدا ہونے کے نتیجہ میں ان کی طلب کو پورا نہیں کر سکتے تو ان معلومات کو مہیا کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے طلب بیدار کرنا اور طلب کو پورا کرنے کے سامان مہیا کرنا یہ اس مخصوص نائب کا کام ہے جو سیکرٹری کے ساتھ اس کام کے لئے متعلق ہو۔ اس کو مرکز سے بار بار خط و کتابت کرنی پڑے گی۔ مرکز سے کر تو سکتا ہے لیکن اصل طریق یہ ہے کہ اپنے ہیڈ کوارٹر سے اپنے ملک کے متعلقہ شعبہ سے وہ تعلق قائم کرے اور جو ملک کا سیکرٹری ہے وہ مرکز سے براہ راست تعلق قائم کرے اور ان سے کہے کہ ہم نے یہ یہ معلومات مہیا کی ہیں۔ فلاں فلاں کتب کے بارہ میں تعارف کرایا ہے۔ ان کو استعمال کرنے کے ڈھنگ سکھائے ہیں اور ہمارے پاس صرف دو موجود ہیں۔ اب طلب شروع ہوگی تو ہم کیا کریں گے اس لئے ہمیں اتنی ضرور بھجوا دیجئے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ ان کے لئے جگہیں بھی مہیا کرنی ہونگی۔ کہاں کتابیں رکھی جائیں کس طرح ان کو سلیقے سے رکھا جائے کہ وقت کے اوپر آسانی سے نکالا جا سکے۔ **کام شروع کیا جائے تو جتنا کام سمٹتا ہے اتنا آگے بھی بڑھتا ہے اور معاشرے اسی طرح ہمیشہ ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔ جتنا زیادہ آپ کام سمیٹنے کی کوشش کریں گے آپ فارغ نہیں ہوں گے بلکہ کام بڑھے گا اور کام بڑھے گا** تو پھر آپ کو اور آدمیوں کی ضرورت ہوگی اسی لئے میں نے پہلے خطبہ میں ہی یا دوسرے میں یہ نصیحت کی تھی کہ ایک بہت اہم دعا قرآن کریم نے ہمیں سکھائی ہے اس کو ہرگز نہ بھولیں۔ خود بھی کرتے رہیں اور اپنے نائبین کو یا متعلقہ عہدیداران کو بھی سمجھاتے رہیں کہ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل: ۸۱)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا! ہم جب تیرے نزدیک اس لائق ہوں کہ اعلیٰ مرتبے تک پہنچیں اور تو ہمیں اس اعلیٰ مرتبے میں داخل فرما دے تو وہاں ٹھہرائے رکھنا تو مقصود نہیں ہے۔ ہم تجھ سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ تو مزید اگلے درجے کی طرف ہمارے قدم بڑھائے گا اور ایک ہی مرتبے پر نہیں ٹھہرے رہیں گے۔ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ کے ساتھ ہی یہ عرض کیا وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ سچائی کے ساتھ اس مقام پر پہنچا اور سچائی کے ساتھ اس سے نکال لے اور ایک اور اعلیٰ مقام تک پہنچا دے اس کے لئے مددگار کی ضرورت ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو قرآن کریم نے

سمجھایا ہے۔ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ۔روحانی مراتب ہوں یا علمی مراتب ہوں یا دنیاوی کوششوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے مراتب ہوں سب جگہ ایک سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا کی ضرورت ہے جو ہر شخص کو پیش آتی ہے۔انبیاء کو بھی پیش آتی ہے۔انبیاء کے روحانی مراتب کے لئے ان کو جبرائیل سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا کے طور پر عطا کیا جاتا ہے روح القدس عطا کی جاتی ہے اور دین کے دیگر مشاغل ہیں اور دیگر مقاصد کو پورا کرنے کے لئے فرشتوں کے علاوہ انسانی فرشتے بھی مہیا کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ پیدا کئے جاتے ہیں۔تو آپ کو بھی سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا کی بہرحال ضرورت ہے اور سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا اندرونی بھی ہوتا ہے اور بیرونی بھی۔اندرونی طور پر تو چند مثالیں میں نے دیں۔بیرونی طور پر خدا تعالیٰ غیروں کے دلوں میں بھی اپنے پاک بندوں کی مدد کے لئے تحریک فرما دیتا ہے اور اچانک ضرورت کے وقت ایسی جگہ سے مددگار مہیا ہو جاتے ہیں جن کے متعلق انسان وہم و گمان بھی نہیں کرسکتا تو اس مضمون کو صرف دعا کے طور پر ادا نہیں کرنا بلکہ اس کی حکمت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

پس آپ جب کسی عہدیدار کو تیار کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس کو سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا مہیا کریں یا اس میں یہ صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ نوجوانوں میں سے بعض دفعہ ایسے بوڑھوں میں سے بھی بہت بڑے مددگار مل جاتے ہیں جو ریٹائر ہو گئے ہیں، اپنے کاموں سے فارغ ہو گئے ہیں اور ان کو زندگی کا کوئی اور مشغلہ درپیش نہیں اور اگر جماعت ان سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ ضائع ہو کر رفتہ رفتہ ایک بیکاری کی زندگی میں خدا کے حضور حاضر ہوں گے اور کوئی مومن پسند نہیں کرتا کہ یہ بے کاری کی حالت میں اپنے رب کے پاس جائے۔پس ایسے بوڑھے جو فارغ ہوں ان میں بعض دفعہ خدا تعالیٰ یہ تحریک پیدا فرماتا ہے اور یہ بھی دعاؤں کے نتیجہ میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں تا کہ آخری سانس تک خدمت کا موقع ملے تو ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے۔سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا پیدا کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے لئے بھی یہ نصرت ہے جن سے خدمت لی جاتی ہے اور سلطان نصیر کی یہ دعا دوطرفہ کام کرتی ہے کیونکہ وہ لوگ جن کو پہلے دین کی خدمت کی عادت نہیں جب رفتہ رفتہ ان سے خدمت لی جاتی ہے تو ان کے اندر سے ایک نیا شعور پیدا ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تو اب زندگی کا پتہ چلا ہے اس سے پہلے تو غفلت کی حالت میں وقت ضائع کیا اور ان کو زندگی کا لطف آنے

لگ جاتا ہے۔ اپنے سے کام لینے والوں کو دعائیں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ دین کی مدد کر رہے ہوتے ہیں اور دین ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے اندر بھی وہ روحانی ترقی کا سفر شروع ہو جاتا ہے جس کا اس دعا میں ذکر موجود ہے۔ تو تبلیغ کرنے کے لئے جب آپ کام شروع کریں گے۔ لٹریچر کے ساتھ جماعت کو متعارف کرائیں گے۔ آڈیو اور ویڈیو کے ساتھ جماعت کو متعارف کرائیں گے تو لازماً اس کے نتیجہ میں یہ کام بڑھے گا اور کام بڑھے گا تو اس کام کو سمیٹنے کے لئے مددگار بھی چاہئیں اور کچھ خرچ بھی چاہئے اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت پیش آئے گی۔ مثلاً میں نے دیکھا ہے جب ہم کہتے ہیں کہ آڈیو ویڈیو سے جماعت کو متعارف کرایا جائے۔ ان کو بار بار بتایا جائے کہ ہمارے پاس کیا نئی چیز آئی ہے اور کیا پہلی ایسی چیزیں ہیں جن سے آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو طلب شروع ہو جاتی ہے اور اس طلب کو پورا کرنے کے لئے جو مناسب مشینیں ہیں وہ موجود نہیں ہوتیں۔ جب تک آڈیو ویڈیو اچھے طریق پر وسیع پیمانے پر پیدا کرنے اور ان کو بڑھانے کا انتظام نہ ہو اس وقت تک ایک خلا رہے گا۔ معلومات بھی پہنچیں گی۔ طلب بھی پیدا ہو جائے گی لیکن طلب کو پورا کرنے کے لئے اگلا قدم نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے لئے الگ ٹیمیں بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

چنانچہ یہاں انگلستان کی مثال آپ کے سامنے ہے جب سے میں یہاں آیا ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بھی پروفیشنل کو جو فن کا ماہر ہو اس کے وقت کی اجرت دے کر ہمیں اپنے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے رکھنا نہیں پڑا۔ ایسے نوجوان آگے آئے جن کا اس شعبہ سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ غلطیاں بھی ہوئیں مگر رفتہ رفتہ سیکھا، رفتہ رفتہ نئے نئے آلے، نئی نئی ایجادات ان کو مہیا کی گئیں اور اب خدا کے فضل سے یہ شعبہ بہت ترقی کر چکا ہے اور بہت ہی اعلیٰ سطح کی صلاحیتیں حاصل کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ پھر آڈیو کے بعد ویڈیو کو الگ کیا گیا۔ اس کے لئے ایک الگ شعبہ قائم ہوا اور اس نئے شعبہ میں خدا کے فضل سے حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ نئے نئے رستے انہوں نے تلاش کئے، نئے نئے آلے ان کو مہیا کئے گئے یا انہوں نے طلب کئے تو رفتہ رفتہ یہ سب کام بڑھتا چلا جا رہا ہے، پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا مہیا ہو رہے ہیں۔ ان کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں لیکن جماعت کے اوپر کوئی الگ بوجھ نہیں ہے۔ شعبہ کو بناتے وقت تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے بعد انسان بے فکر ہو کر عمومی نگرانی کرتا ہے۔

پہلے بھی میں نے بارہا جماعت کو سمجھایا ہے کہ تخلیق کائنات کے متعلق قرآن کریم نے جو

مضمون بیان کیا ہے اس پر غور کرو۔ چھ دنوں میں ساری کائنات کو پیدا کر کے اس کو درجہ کمال تک پہنچادیا اور جب سب نظام خود کار آلوں کی طرح چل پڑا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف:۵۵) پھر خدا تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا یعنی جس طرح جائزہ لینے کے لئے، آفاقی نظر سے دیکھنے کے لئے کوئی بلند مقام پر فائز ہو اور صرف یہ دیکھ رہا ہو کہ کیسے چل رہا ہے یا اگر کہیں کوئی رخنہ پیدا ہو تو اس کے لئے سزا دینے والا یا روکنے والا یا کمی پوری کرنے والا جو نظام مقرر ہے وہ مستعد ہے کہ نہیں۔ وہ کر کے پھر اور آسمانوں کی تخلیق کے لئے (خدا تعالیٰ کے متعلق یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وقت مل گیا لیکن) تو جہات فارغ ہو گئیں اور تو جہات کے فارغ ہونے کا محاورہ قرآن کریم نے خود بیان فرمایا ہے۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (الرحمان:۳۲) اے دو بڑی بڑی وسیع طاقتو اور بھاری لوگو! ہم تمہارے لئے فارغ ہوں گے۔ خدا کے لئے فراغت کے معنی ویسے تو نہیں ہوتے جیسے ہمارے لئے ہوتے ہیں لیکن بہر حال لفظ فراغت قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سے مراد میں یہی سمجھتا ہوں کہ ایک اچھا منتظم جب ایک کام کو چلا کر اور جاری کر کے روز روز کے کاموں کے دھندوں سے نجات حاصل کر لے اور انسانی سطح پر فارغ کے جو معنی ہیں ان معنوں میں نسبتی طور پر فارغ ہو جائے تو اس کو پھر اور کاموں کی طرف متوجہ ہونے کا وقت مل جاتا ہے اور اس طرح نظام ہمیشہ ارتقاء پذیر رہتا ہے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

امراء کو بھی اس مضمون کو سمجھنا چاہئے سب عہدیداران کو سمجھنا چاہئے۔ بات سن کر اتنی سی بات پر عمل کر کے رسمی طور پر اس بات کا حق ادا کیا، گہرائی میں جا کر اس بات کا حق ادا نہ کیا ان دو باتوں میں فرق ہے۔ مومن وہ ہے جو رسمی طور پر حق ادا نہیں کرتا بلکہ اوامر اور نواہی میں گہرائی میں جا کر حق ادا کرتا ہے اور جو لوگ علم میں ڈوب کر اس کو سمجھتے ہیں، اس کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں ان کا علم ترقی کرتا ہے اس علم کے ذریعہ ان کو نئے نئے فوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ بہر حال یہ مضمون بعض باتوں کے کچھ تھوڑا سا زیادہ تفصیل میں چلا گیا ہے۔ اصل مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے میں عرض کرتا ہوں کہ عہدیداران کو، خصوصاً امراء کو معلومات مہیا کرنے کے نظام کو بہتر بنانا پڑے گا اور خود دلچسپی لینی ہوگی اور گہری ذاتی دلچسپی لیں گے تو ان کو نئے نئے خیالات آئیں گے، نئی نئی تجویزیں سوجھیں گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالآخر ایک نہایت عمدہ خود کار نظام کی طرح تبلیغ کا یہ شعبہ چل پڑے گا

اور پھر وہ دوسری طرف توجہ کر سکیں گے۔

معلومات کے سلسلہ میں معلومات پہنچانے کی طرح معلومات حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہے۔اس سے پہلے میں نے معلومات حاصل کرنے کے متعلق بعض باتیں سامنے رکھی تھیں۔اب ایک عملی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ آپ جائزہ لیں کہ کتنے احمدی نوجوان، بوڑھے، مرد، عورتیں تبلیغ میں دلچسپی لیتی ہیں تو ہمیں لسٹیں آجاتی ہیں اور بڑی بڑی لمبی لسٹیں ہوتی ہیں۔بعض ملکوں سے ہزاروں کی لسٹیں آتی ہیں۔ پاکستان سے ۷۰ ہزار کے قریب ایک لسٹ آئی تھی یا ایک لسٹ کی کئی قسطیں آئی تھیں جس سے پتہ چلا کہ گویا پاکستان میں اتنے احمدی دعوت الی اللہ کے کام میں دلچسپی رکھ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے نام بھی لکھوائے ہیں۔افریقہ کے ممالک سے، یورپ کے ممالک سے بھی نسبتاً چھوٹی چھوٹی فہرستیں مگر آتی ضرور ہیں۔اگر یہ فہرستیں واقعۃً درست ہیں تو اس کے نتیجہ میں جو نتیجہ خیز کام ہونا چاہئے وہ تو موجودہ نتائج کے مقابل پر سینکڑوں گنا زیادہ ہونا چاہئے لیکن ایسی بات نہیں ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ معلومات حاصل کرنے کا انداز بھی سطحی ہے جس طرح معلومات پہنچانے کے انداز میں بھی گہرائی چاہئے معلومات حاصل کرنے کے انداز میں بھی گہرائی چاہئے اور بامقصد کام ہونا چاہئے۔اب فہرستیں آپ اکٹھی کرلیں اور ان کو کسی جگہ کاغذوں کے نیچے غرق کردیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔رسمی طور پر آپ کے سر سے بوجھ اتر گیا۔آپ نے مرکز کی ہدایت کو پورا کر دیا مگر وہ ہدایت کس کام آئی ہمیشہ اپنے ذہن کو اس بات پر مستعد رکھا کریں کہ **وہ نتیجے کی تلاش کیا کرے۔صرف نتیجہ پیدا کرنے کے ذرائع کی تلاش نہ کرے بلکہ نتیجے پر دھیان رکھے۔اگر نتیجہ نہیں نکلتا تو پھر قابل فکر بات ہے کوئی نہ کوئی مرض لاحق ہے یا کوشش کرنے والے میں نقص ہے یا اس شخص میں نقص ہے ان لوگوں میں نقص ہے جن کے لئے کوشش کی جاتی ہے** مگر نتیجہ اگر نہیں نکلتا تو تسکین سے بیٹھنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔دعاؤں میں کمی ہے تو اس طرف توجہ دی جائے۔ اپنے کام میں طریق کار میں کچھ نقائص موجود ہیں تو ان کو ڈھونڈا جائے۔

یہ معلومات کا جو سلسلہ ہے اس میں معلومات حاصل کرنے کا بھی ایک جز ہے اور اس میں بھی گہرائی یا سطحی انداز پائے جاتے ہیں۔ گہرائی سے میری مراد یہ ہے کہ جب آپ معلوم کرتے ہیں کہ کتنے آدمی تبلیغ میں دلچسپی لے رہے ہیں یا دلچسپی لینے کا وعدہ کرتے ہیں تو پھر فوری طور پر ان کی اگر

روزانہ نہیں تو ہفتہ وار یا پندرہ روزہ نگرانی کا کام ساتھ ہی شروع کر دیا جائے،ان سے رابطے ہوں،ان کے پاس مرکزی عہدیداران پہنچیں یا ان کے نمائندے پہنچیں،ان سے ملاقاتیں کریں۔ان سے معلوم کریں کہ آپ نے جو یہ وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کے کیا انداز ہیں،کیا طریق اختیار کئے گئے ہیں،اب تک کے تجارب کیا کہتے ہیں آپ نے کس طرح کام کو آگے بڑھایا ہے اگر اس طرز پر وہ چھان بین شروع کریں گے تو معلوم ہوگا کہ فہرست میں جو اکثر نام درج ہیں وہ فرضی سے ہیں یعنی نام حقیقی تو ہیں لیکن اس حقیقت میں کوئی گہرائی نہیں۔ایک سطحی پن ہے کاغذ کی سطح پر نام درج ہوئے اور وہیں ٹھہر گئے۔عمل کی دنیا میں ان ناموں نے کوئی روپ نہیں دھارا،کوئی شکل اختیار نہیں کی،اس لئے وہ نام سطحی رہ جاتے ہیں۔

اس ضمن میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس شعبے کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔اس جائزے کے دوران یہ معلوم کر لیا جائے کہ عملاً وہ کتنے احمدی ہیں جن کو تبلیغ کی دھن سوار رہتی ہے اور وہ بعض جگہ گنتی کے چند ملیں گے۔بعض جگہ بیسیوں بھی مل سکتے ہیں بعض جگہ سینکڑوں بھی لیکن اکثر صورتوں میں ایسے فعال احمدی جو دن رات تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہیں وہ تعداد میں بہت کم ہیں۔ان کی الگ فہرست بنائی جائے اور کسی کے سپرد کیا جائے کہ ان کے ساتھ رابطہ رکھو،ان کے حوصلے بڑھاؤ،ان کو کام کے نئے نئے طریق بتاؤ ان کی ساری ضرورتیں پوری کرو،ان کے ساتھ ان کے اردگرد رہنے والے احمدیوں میں سے بعض نوجوان مددگار کے طور پر دو۔اگر باقاعدہ عہدہ نہیں تو اپنی ٹیم کے سرداران کو بناؤ اور ان کے سپرد یہ کام کرو کہ بعض دوسروں کو بھی یہ تربیت دیں۔یہ کام اگر شروع کیا جائے تو دراصل ہمہ وقتی کام ہے لیکن چونکہ ہم سب جزووقتی کام کرنے والے ہیں یعنی اپنے دوسروں کاموں کے علاوہ دین کا جزو وقتی کام کرتے ہیں اس لئے بہت ہی مصروف آدمی کی ضرورت ہے۔یعنی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو مصروف رہنا جانتا ہو۔جب میں نے مصروف لفظ کہا تو مراد یہ ہے کہ ایسا شخص جو مصروفیت کے بغیر رہ نہ سکے۔میرا جائزہ اور تجربہ یہ ہے کہ جب مصروف آدمی کے سپرد کام کئے جائیں تو وہ ہو جاتے ہیں۔**فارغ وقت والے آدمی کے سپرد کام کئے جائیں تو نہیں ہوتے کیونکہ فارغ وقت والا ہوتا ہی وہی ہے جس کو اپنے وقت کی قیمت معلوم نہیں ہوتی اور وقت ضائع کرنا اس کی عادت بن چکا ہوتا ہے۔اس لئے اگر فارغ وقت آدمی کو پکڑنا ہے تو رفتہ رفتہ اسے مصروف رہنا سکھانا ہوگا** اور اس کے لئے بعض دفعہ اس کے مطلب کی چیز اگر اس کے سپرد کی جائے تو

اس سے رفتہ رفتہ اس کو کام کی عادت پڑ جاتی ہے۔

پس جب آپ اس شعبہ کے لئے کوئی آدمی تلاش کریں گے تو نظر ڈالیں مختلف لوگ مختلف کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں۔ان کے مختلف طبعی تقاضے ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحیح آدمی کی تلاش کرنا، صحیح آدمی کو صحیح جگہ کام دلانا یہ سیادت کی ضروری باتیں ہیں اور ہر احمدی امیر سے میں توقع رکھتا ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعلیٰ سیادت کی صلاحیتیں موجود ہیں۔پس اس رنگ میں اپنی صلاحیتوں کو ٹٹول کر باہر نکالیں اور ذاتی دلچسپی لے کر یہ معلوم کیا کریں کہ فلاں اچھے کام کے لئے فلاں شخص موزوں ہے کہ نہیں؟ پس مصروف آدمی کو تلاش کریں یعنی جو طبعاً اور فطرتاً کاموں کا عادی ہو اور ایسے شخص کو جب آپ دین کے کام دیتے ہیں تو بالعموم یہ ہوتا ہے کہ اس کی دوسری مصروفیتیں جھڑنے لگ جاتی ہیں اور ان کی جگہ دین کے کام قبضہ کرنے لگ جاتے ہیں۔وہ شخص جو پہلے سمجھتا تھا کہ میرے پاس وقت نہیں ہے وہ سمجھتا ہے کہ دوسری چیزوں کے لئے وقت نہیں ہے دین کے لئے وقت ہے تو اس طرح ساری قوم ترقی کرتی ہے۔بہر حال ایسے آدمی کے سپرد کام کریں جو اپنے آپ کو اس میں کھو دے۔اس کو یہ لگن لگ جائے کہ یہ میرا کام ہے۔واسطے رکھے پتہ کرے کہ یہ جو ہمارے مخلصین تبلیغ کر رہے ہیں ان کے کیا کیا طریق ہیں۔ پھر جو طریق اس کو پسند آئے اس سے دوسروں کو مطلع کرے۔

بعض دفعہ جلسے ہوتے ہیں جن میں مبلغین کے تجارب کے متعلق تقاریر ہوتی ہیں ۔ جو لوگ سنتے ہیں ان کے دل پر اچھا اثر پڑتا ہے لیکن ایسے رسمی جلسے تو سال میں ایک دو مرتبہ ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ساری جماعت ہفتہ وار ایسے جلسوں میں شامل ہو سکے لیکن ایک ذہین آدمی جب ایسے تبلیغ کرنے والوں کے واقعات سنتا ہے جس سے وہ متاثر ہوتا ہے تو اس کو فوراً چاہئے کہ اس سے استفادہ کرنے کا بھی تو سوچے۔اس کو چاہئے کہ مثلاً اپنے اخبار احمدیہ میں اگر اخبار احمدیہ کے نام سے کوئی چیز شائع ہو رہی ہے یا رسالوں میں یا دیگر ممالک کے رسالوں میں ان دلچسپ اور دلکش اثر انداز ہونے والے واقعات کو شائع کرے پھر نوجوانوں کو اس کے ساتھ ملائے ان کو کہتے کہ تم اپنے محلے میں جہاں جہاں نماز ہوتی ہے وہاں دورہ کرو اور بیٹھ کر مجالس لگاؤ اور یہ باتیں سناؤ تو کئی رنگ میں ایک اچھے تجربے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں نئے تجارب مہیا ہو سکتے ہیں یعنی انسان کو نئی نئی باتیں سوجھ سکتی ہیں اور وہ ان پر عمل کر سکتا ہے اور پھر نئے دلچسپ تجربے ظہور میں آسکتے ہیں تو کام ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اگر آپ کام کریں۔

جہاں کام بڑھ نہیں رہا وہاں اس کے اندر کچھ کمزوری ہے وہ انسان جو خود اپنی ذات میں سکڑ رہا ہو۔ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے کام نہیں بڑھ رہے جب کام بڑھیں گے تو انسان کی شخصیت بھی وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے پھیلتی چلی جاتی ہے، وہ اپنی حدود سے باہر آ جاتی ہے اور اس کی نئی حدود قائم ہوتی ہیں۔ پس جماعتوں کی شخصیتیں بھی اسی طرح بڑھتی ہیں۔ جو جماعتیں مستعد ہیں ان کے اوپر آپ بوجھ ڈالتے چلے جائیں وہ اور زیادہ مستعد ہوتی چلی جائیں گی اور کام بنتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ بڑے بڑے کاموں کے کارخانے قائم ہو جاتے ہیں اور کوئی پتہ نہیں لگتا، کوئی شور نہیں پڑتا۔ کوئی ہنگامہ نہیں ہے۔ کوئی افراتفری کے مطالبے نہیں ہیں کہ یہ کام آ پڑا یہ مہیا کرو۔ فلاں کام ہے یہ کام کرو مثلاً کراچی کی جماعت ہے۔ ایک لمبے عرصے سے خدا کے فضل سے ارتقاء پذیر ہے اور اس جماعت پر خدا تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اگر کبھی چھوٹے چھوٹے فتنوں نے سر اٹھانے کی کوشش بھی کی تو اللہ تعالیٰ نے جماعت کو عمومی طور پر ایسی بیدار مغزی عطا کی ہے کہ وہ فوراً ان پر غالب آ جاتی رہی اور اس وجہ سے اب وہاں ایک پورا بھاری نظام جاری ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے خوبصورت کام کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ وہ بے آواز ہو، اس میں شور نہ ہو، جو خود بخود جاری ہو جائے وہی اصل کام ہے۔

اب کائنات میں دیکھیں کہ ان گنت نظام جاری ہیں ان گنت قوانین ہیں لیکن دیکھیں کتنی خاموشی سے کام چل رہے ہیں۔ اتنی خاموشی ہے کہ دیکھنے والے کو نیند آ جاتی ہے وہ غافل ہو جاتا ہے وہ سمجھتا ہے ہو ہی کچھ نہیں رہا۔ درخت کے ایک پھل بننے تک کے حالات پر غور کریں۔ کتنے بے شمار قانون ہیں جو اس میں حرکت میں ہیں۔ کام کر رہے ہیں ایک آم انسان نے اگر بنانا ہو تو سوچیں اس کے لئے اس کو کتنے بڑے کارخانے کی ضرورت پڑے گی یعنی ان چیزوں سے بنانا ہو جن چیزوں سے خدا تعالیٰ نے آم بنا کر دکھا دیا ہے اور روزمرہ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن چونکہ نظام بہت اعلیٰ درجے کا ہے اور بہت عمدگی سے کارفرما ہے اس لئے اس کی آواز ہی نہیں آتی۔ مزہ چکھتے ہیں پھر بھی آواز نہیں آتی۔ پتہ ہی نہیں لگتا کہ یہ کیسے ہوا اور چیزیں کیا مہیا کی گئی ہیں تھوڑی سی مٹی ہے پانی ہے روشنی ہے اور ہوا ہے۔ یہ امریکہ کے یا روس کے اعلیٰ ترقی یافتہ سائنسدانوں کو مہیا کر دیں کہ یہ لو مٹی، یہ ہوا، یہ پانی اور یہ روشنی اور اس سے تم آم بھی بناؤ، امرود بھی بناؤ، اور ہر قسم کی غذائیں پیدا کرو، گندم بھی اسی سے بنے، کچھ نہ کچھ سائنس دان آج کل بنا سکتے ہیں، ادنیٰ ادنیٰ معمولی معمولی کیمیاؤں سے وہ بڑی بڑی

ترقی یافتہ کیمیاوی شکلیں بنا لیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن ایک آم بنانے کے لئے کتنے کارخانوں کی ضرورت پڑے گی؟ کتنا شور برپا ہوگا؟ کتنی ہوا میں پلوشن Pollution ہوگی؟ آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ اس سے فائدہ کتنا اور نقصان کتنا زیادہ ہوگا۔ہم جتنے کام بھی کررہے ہیں ان سے شور ہی اتنا پیدا ہورہا ہے کہ اس سے ہی لوگوں کے اعصاب تباہ ہورہے ہیں۔اور فضا میں اتنی پلوشن ہورہی ہے کہ اس کے نتیجہ میں ہم اب یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ ترقی کی اعلیٰ حالتوں کی بجائے نسبتاً سادہ صورتوں کی طرف لوٹ جائیں یہ بہتر ہے یا اسی طرح آگے بڑھتے رہیں کیونکہ ہر کام جو انسان کررہا ہے، ہر چیز جو انسانی صنعت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اپنے ساتھ ایسا فضلہ چھوڑ رہی ہے جس کا کوئی فائدہ مند استعمال نہیں ہے بلکہ وہ زہر پیدا کررہا ہے۔کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جو کارخانے بنائے ہیں ان کا فضلہ اس کا ذرہ ذرہ دوبارہ صحیح مصرف میں استعمال ہورہا ہے اور یہ صنعت کا کمال ہے۔اب آم بنیں یا پھول بنیں یا اور پھل بنیں یا پتے بنیں یا شاخیں بنیں، جو کچھ بھی بنتا ہے جب بھی کوئی چیز بنتی ہے اس میں کچھ زائد چیزیں بے کار چیزیں نکل کر فضا میں ادھر ادھر پھیل رہی ہوتی ہیں یا زمین میں جذب ہورہی ہوتی ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے زندگی کے عمل کے ذریعہ عام کیمیاء کو نامیاتی کیمیاء میں تبدیل کیا ہے اس کے لئے جو کارخانہ بنا ہوا ہے وہ دیکھنے میں ہر جگہ ایک جیسا ہی ہے۔گھاس پھوس ہو یا جھاڑیاں ہوں یا درخت ہوں، بنیادی طور پر سب ایک ہی قسم کا کارخانہ ہے۔اس میں آپ کوئی فرق محسوس نہیں کرسکتے لیکن ہر قسم کی مختلف چیزیں وہ بنا رہے ہیں اور ہر ایک کا Waste Product زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے اور ایسا حسین توازن ہے کہ ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جس کو آپ کہہ سکتے ہوں کہ یہ دراصل ہمیں ترقی کرنے کی سزا مل رہی ہے۔مثلاً آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ ان دو چیزوں کا عمل زندگی کی کیمیاء میں یا زندگی کی کیمیاگری میں سب سے نمایاں ہے اور ان دونوں کا توازن اتنا حسین طور پر قائم رہتا ہے کہ اس سے کسی قسم کے Environment کو فضاء کو یا زمین کو یا پانیوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا اور ہر چیز جو کچھ پھینک رہی ہے وہ کسی اور دوسری چیز کی بقاء کے لئے کام آرہی ہے تو یہ ہے خدا تعالیٰ کا کارخانہ جو خاموشی سے چلتا ہے اتنی خاموشی سے چلتا ہے کہ سنائی نہیں دیتا اور جو کم نظر ہیں ان کو دکھائی بھی نہیں دیتا۔جن کی بقاء کا سہارا بنا ہوا ہے وہ سمجھتے ہیں ہم خود ہی اپنی بقاء کا

سہارا ہیں۔ یہ ساری چیزیں از خود ہو رہی ہیں تو اتنا عظیم الشان کارخانہ یہ دھوکا دینے لگے کہ میں از خود ہوں، یہ صنعت کاری کا کمال ہے۔ یہ انتظام کا معراج ہے اور اس پہلو سے میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک زندہ جماعت ہیں اس کے غلام ہیں جس کو روحانی اور علمی معراج عطا ہوا اس لئے ہم بھی اپنے کاموں کو درجہ معراج تک پہنچانے کے لئے کوشش کرتے رہیں اور خدا تعالیٰ نے جس طرح ہمیں نظام کائنات کو چلانا سکھایا ہے اسی طرح ہم اپنے نظام جماعت کو ترقی دیتے چلے جائیں اور اس ترقی کی کوئی آخری منزل نہیں ہے، یہ ہمیشہ جاری وساری رہنے والی ہے۔ جب ایک کام سے آپ فارغ ہوں گے تو دوسرا کام آپ کے سامنے آجائے گا فراغت کا یہ معنی نہیں کہ بے کار بیٹھو۔ فراغت کا مطلب یہ ہے کہ ایک کام کو جاری کر دو۔ وہ خود کار آلے کی طرح چل پڑے۔ پھر اس کو لطف کے ساتھ دیکھو وہی تمہاری جزاء ہے پھر اپنے وقت کو دوسرے کام کے لئے استعمال کرو اور ایک اور کام اس طرح جاری کر دو۔ غرضیکہ اسی طریق پر اگر ہم اپنے کاموں کو آگے بڑھاتے رہیں تو جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے روز بروز ترقی کی منازل طے کرتی رہے گی۔

یہ باتیں تو دو تین ہی کہی ہیں لیکن ان کو تفصیل سے سمجھانا ضروری تھا اس لئے پورے خطبہ کا وقت انہی ایک دو باتوں میں صرف ہو گیا۔ آئندہ انشاء اللہ اسی مضمون سے متعلق مزید کچھ باتیں بیان کروں گا۔ آخر پر دعا کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں کیونکہ میرا ایمان بھی ہے اور زندگی بھر کا تجربہ بھی یہی ہے کہ کسی کام میں دعا کے بغیر برکت نہیں پڑتی۔ دعا مانگیں اور دل ڈال کر دعا مانگیں۔ اپنی عاجزی اور بے کسی کو محسوس کرتے ہوئے دعا مانگیں اور ہمیشہ دعا مانگتے رہیں۔ دعا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں میں برکت دے اور ہمارے خیالوں میں اور سوچوں میں برکت دے اور ہمارے خیالوں اور سوچوں کو عمل کی دنیا میں ڈھالنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائے۔ پھر ان کاموں کو برکت دے اور اپنے فضل سے خود ان کو پھل لگاتا چلا جائے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ ہم نے بہت سفر طے کرنا ہے۔ وقت بہت تھوڑا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کی تھی کہ ہمیں کوشش یہ کرنی چاہئے کہ آج جو جماعت ہے یہ **بالعموم اپنی زندگی میں ایک کروڑ نئے احمدی پیدا کر دے**۔ اگر ہم اس مقصد کو حاصل کر لیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ کروڑ پھر ایک جگہ ٹھہرنے والے نہیں ہوں گے وہ دسیوں بیسیوں کروڑ بنیں گے اور بہت تیزی کے ساتھ دنیا میں روحانیت کا آخری انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعوت الی اللہ کے گُر سیکھیں اور احباب جماعت کو سکھائیں، حکمت سے دعوت الی اللہ کریں تو مقام محمود عطا ہوگا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ نومبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

دعوت الی اللہ کے کام کو زیادہ احسن رنگ میں چلانے کے متعلق میں نے چند باتیں پچھلے خطبہ میں عرض کی تھیں۔اب میں اسی مضمون کو وہیں سے اٹھاتے ہوئے مزید کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

Follow Up ایک انگریزی محاورہ ہے یعنی تتبع کرنا۔کوئی بات چلا کر پھر اس کی پیروی کرنا،جستجو کرنا اور دیکھنا کہ وہ بات اپنے مقصود تک پہنچی بھی ہے کہ نہیں ۔ اس کی ایک بہت ہی خوبصورت تصویر قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے واقعہ میں بیان فرمائی کہ جب ان کی ماں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور اللہ کی وحی کے مطابق بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا کی لہروں میں بہا دیا تو پھر بہن کو بھیجا جو پیچھے پیچھے ساتھ ساتھ کنارے پر چلتی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ یہ ٹرنک یا لکڑی کا بکس Box جو بھی کہہ لیجئے یہ کہاں پہنچا اور کیسے پہنچا اور اس بچے کا کیا بنا۔ایمان تو لازم تھا۔اس میں تو کوئی شک ہی نہیں لیکن جب یقین بھی ہو،خدا تعالیٰ کی وحی بتا رہی ہو کہ بچہ محفوظ ہو جائے گا اور اپنے اس اعلیٰ مقصد کو پالے گا جس کی خاطر تم یہ قربانی کر رہی ہو،اس کے باوجود انسانی فطرت میں اگر محبت اور تعلق ہو تو یہ جستجو از خود پیدا ہوتی ہے کہ ہوگا تو سہی لیکن خود اپنی آنکھوں سے تو

دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ وہ جستجو ہے جس کے نتیجہ میں انسانی منصوبوں پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اگر کوئی آدمی بات کہے اور نصیحت کرے اور اس بات اور نصیحت سے اس کا ذاتی گہرا قلبی تعلق نہ ہو، یا اس شخص سے گہرا قلبی تعلق نہ ہو جس کو وہ بات کہتا ہے اور نصیحت کرتا ہے تو اسی حد تک تتبّع میں کمی ہو جائے گی۔ بعض لوگ اس رنگ میں نصیحت کرتے ہیں کہ گلے سے بات اتاری اور کہتے ہیں ٹھیک ہے ہم نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ اب آگے تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ اور کچھ لوگ ہیں جو نصیحت کرنے کے بعد اس کے اثر کو دیکھتے ہیں۔ اثر نہیں پڑتا تو ان کا دل غم سے ہلکان ہونے لگتا ہے۔ اپنی زندگی کو اس نصیحت کی خاطر اس طرح غم میں گھلا گھلا کر زندگی کا نقصان کر رہے ہوتے ہیں کہ دیکھنے والا یا سننے والا ان کے ظاہر سے اندازہ بھی نہیں لگا سکتا کہ ان کی کیا کیفیت ہے لیکن عالم الغیب خدا جانتا ہے یا وہ خود جانتے ہیں کہ ان کی کیا حالت ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا ایسا ہی نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:۴) اے میرے بندے! تو اپنے آپ کو غم میں ہلاک کر لے گا کہ تیری باتیں ان پر اثر نہیں کر رہیں اور وہ ایمان نہیں لا رہے۔ تو یہ دعوت الی اللہ کی روح ہے جس کا معراج حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی صورت میں دنیا میں ظاہر ہوا اور اس کی کیفیت کو قرآن کریم نے ہمیشہ کے لئے ہمارے سامنے رکھ کر زندۂ جاوید کر دیا۔

یہی وہ طریق ہے جو ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو بھی اختیار کرنا ہوگا اور ہر اس شخص کو بھی جس نے دعوت الی اللہ کے پروگرام مرتب کرنے ہوں۔ نصیحت آپ تک پہنچتی ہے، آپ اس نصیحت کو آگے پہنچا بھی دیتے ہیں جو اکثر صورتوں میں نہیں پہنچاتے۔ اس سلسلہ میں میں پہلے بات کر چکا ہوں۔ پہنچا بھی دیتے ہیں تو آپ کا فرض پورا نہیں ہو جاتا۔ جب ایک منتظم کو یہ اطلاع ملتی ہے یا امیر کو منتظمین کی طرف سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہماری تحریک پر فلاں فلاں جماعت میں اتنے اتنے دعوت الی اللہ کرنے والے یا دعوت الی اللہ کی تمنا رکھنے والے پیدا ہو چکے ہیں تو اس اطلاع کے بعد ایک حصہ دل کا مطمئن ہو جانا چاہئے کہ نصیحت کسی حد تک کارگر ہوئی اور بات آگے چل پڑی لیکن پھر وہ دعوت الی اللہ کرنے والے کیسے پیدا ہوئے؟ انہوں نے ان نیک ارادوں کو عمل میں ڈھالا کہ نہیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان کی پیروی کی یا نہیں، دعوت الی اللہ کی تو کس رنگ میں کی، اس کے نتائج کیسے

نکلے؟ یہ سارا ایک سلسلہ ہے جو دعوت کا پہلا پیغام پہنچانے کے نتیجہ میں چل پڑتا ہے اور تبلیغ کے نتیجہ میں احمدی ہونے والے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ سلسلہ اس رنگ میں کڑی کے بعد دوسری کڑی جاری ہوا کہ نہیں؟ یہ سوال ہے جو دل میں اٹھنا چاہئے اور اگر کسی شخص کو کسی کام سے دلی لگن ہو تو یہ سوال ضرور اٹھے گا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی طرح دریا کے کنارے کنارے چلے گا، بار بار نظریں ڈالے گا اور دیکھے گا کہ اس پروگرام کو جو میں نے جاری کیا تھا یہ کس انجام کو پہنچا ہے اور اگر اس کی حالت اور ترقی کرے تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل کے مشابہ کسی حد تک، سو فیصد تو ممکن نہیں کوئی اور اس کیفیت کو پا سکے لیکن کسی حد تک اس کیفیت کو اپنے دل میں محسوس کرے گا اور اس پروگرام سے اس کو دلی محبت پیدا ہو جائے گی ایسی محبت ہو گی جیسے ایک مصنف کو اپنی تصنیف سے یا ایک مصور کو اپنی تصویر سے ہوتی ہے۔ ہر خالق کو اپنی مخلوق سے محبت ہوتی ہے۔ پس ان منصوبوں کو جو اپنا بنالیں، اپنے دل کو لگا لیں، اپنا ذاتی کام سمجھنے لگ جائیں اور اس منصوبے سے ان کو پیار ہو جائے ان کے کاموں میں اور قسم کے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور اور طرح کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

پس دعوت الی اللہ سے متعلق تمام عہدیداران کو خواہ وہ منتظم ہوں، ناظم ہوں، سیکرٹری ہوں یا امراء ہوں، میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے دل کا پہلے جائزہ لیں کہ کیا آپ نے اس کام کو اپنی جان کے ساتھ اس طرح لگا لیا ہے جیسے غم لگ جایا کرتے ہیں جیسے لگن لگ جاتی ہے جیسے عاشق کو عشق کھانے لگ جاتا ہے۔ کیا ایسی کیفیت آپ کی اس پروگرام سے متعلق پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ یا کچھ نہ کچھ اس قسم کی کیفیت آپ محسوس کرتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو پھر ابھی یہ کام آپ کے بس میں نہیں۔ آپ کو اپنا کچھ اور تعلق دین کے کاموں سے اور دین کے کاموں کے اپنی تکمیل تک پہنچنے کے معاملہ سے بڑھانا پڑے گا۔ یہ تعلق بڑھے گا تو کام آگے چلے گا۔ اگر یہ تعلق نہیں بڑھے گا تو سب چیزیں وہیں کی وہیں کھڑی رہ جائیں گی۔ جہاں پہلی حالت میں تھیں اور یہی عموماً ہوتا ہے۔ پس لگن کے نتیجہ میں جستجو اور تتبّع پیدا ہونا چاہئے اور اگر یہ نہیں ہے تو اسی حد تک آپ کے دل کی لگن میں اور اس کے تعلق میں کمی ہے۔

آگے پھر اس کام کو کرنا کس طرح ہے؟ کام تو اتنا زیادہ ہے کہ اس سلسلہ میں فوری طور پر کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ہر دعوت الی اللہ کرنے والے تک پہنچ کر اس کی کیفیات کا جائزہ لے، اس کے پروگراموں کا جائزہ لے، وہ پروگرام کس طرح چلا رہا ہے۔ ان باتوں کا جائزہ لے۔ یہ کام لمبا ہے

لیکن اس کا آغاز ہونا چاہئے اور اگر آغاز درست ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ یہ کام سنبھالا جائے گا۔

امراء کو چاہئے کہ اپنے سیکرٹری تبلیغ سے اس معاملہ میں باقاعدہ Sitting کریں یعنی مجلس عاملہ کے علاوہ بھی ان کو بلائیں، ان کے ساتھ بیٹھیں۔ ان سے پوچھیں کہ آپ نے اس سلسلہ میں اب تک کیا کیا ہے؟ اور پھر دیکھیں کہ کیا جن لوگوں نے دعوت الی اللہ کے وعدے کئے تھے ان تک یہ سیکرٹری تبلیغ یا ان کے نائبین پہنچے بھی ہیں کہ نہیں اور مل کر تفصیل سے صورت حال کا جائزہ لیا ہے کہ نہیں۔ مثلاً انگلستان کی مثال لیجئے۔ اگر برمنگھم سے ۱۰۰ داعی الی اللہ کرنے والے اپنا نام اس فہرست میں درج کرا دیتے ہیں اور ہر سال ان اعداد و شمار کا اعادہ ہوتا رہتا ہے اور عملاً کوئی جا کر دیکھتا نہیں کہ انہوں نے پچھلے سال کیا کیا تھا تو یہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے والی بات ہے، یونہی وہموں میں بسنے والی بات ہے کہ ہم کوئی کام کر رہے ہیں۔ لازمی طور پر اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے تھا کہ اول تو امیر، مرکزی سیکرٹری تبلیغ کا اس معاملہ میں جائزہ لیتا اور جب اس کو رپورٹ پہنچتی تو وہ خوشی کا اظہار کرتے ہی یہ پوچھتا کہ تم نے اس کے بعد کیا کیا؟ پتہ کیا ہے وہ کون لوگ ہیں؟ معلوم کیا ہے کن کن لوگوں کو تبلیغ کر رہے ہیں؟ ان کا تبلیغ کا طریق کیا ہے؟ تبلیغ کے لئے جو مواد ضروری ہے وہ ان کو مہیا بھی ہے کہ نہیں؟ غلط طریق پر اگر کام کر رہے ہیں تو کسی نے کبھی معلوم کر کے ان کو سمجھانے کی بھی کوشش کی ہے کہ نہیں؟ اگر یہ نہیں تو پھر یہ کام تسلی بخش نہیں محض ایک فہرست ہے۔ پھر ان کو سمجھائے اور بعض دفعہ اپنے دوروں کے دوران ان مقامات پر جا کر مثال کے طور پر بعض رابطے پیدا کر کے دکھائے اور بتائے کہ اس طرح کام ہوتا ہے۔ مثلاً ایک سیکرٹری تبلیغ اگر پوری طرح کام کرنے والا ہو اور وہاں جماعت کی تعداد خاطر خواہ ہو تو اس کو تو اتنا وقت میسر ہی نہیں آ سکتا کہ اپنے روزمرہ کے کام اور تبلیغ کے علاوہ اسے کوئی ہوش رہے۔ اتنے تفصیلی دورے کرنے پڑیں گے اور مختلف جگہوں پر ٹھہر ٹھہر کر اتنے وسیع رابطے کرنے پڑیں گے کہ بڑی جماعتوں میں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ ۲۴ گھنٹے کے دن کے اندر کسی حد تک تو کام سموئے جا سکتے ہیں، حد سے زیادہ کام تو نہیں سموئے جا سکتے اس کا تقاضا یہ ہے اگر اسے ٹیمیں بنانی پڑیں گی۔ اس مجبوری کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اپنے ساتھ اپنے نائبین تیار کرنے پڑیں گے اور مثلاً وہ یہ کام کر سکتا ہے کہ ایک مرکزی ٹیم بنائے مختلف ایسے نوجوان چنے جن کے پاس پہلے کام نہیں ہیں۔ بے شک ایسے چنے جن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، جو دین کی خدمت نہ کرنے کے

نتیجہ میں بہک رہے ہیں اور بھٹک رہے ہیں ان سے رابطہ قائم کرے اور اس رابطہ کے قیام کے لئے ضروری نہیں کہ پہلے ان کو بتائے کہ یہ کام تم سے لینا ہے بلکہ نظر ڈال کر پیار اور محبت سے ان کو کبھی چائے پر بلا کر کبھی کسی اور رنگ میں ان سے ذاتی تعلق قائم کرے اور پھر کہے کہ میں دورے پر جا رہا ہوں کیا آپ بھی میرے ساتھ چل سکتے ہیں آیئے ہم تجربہ کرتے ہیں اور مل کر دیکھتے ہیں کہ ہم دین کی کس حد تک خدمت کر سکتے ہیں۔ یعنی الفاظ تو اس طرح ضروری نہیں مگر مفہوم یہی ہے جو گفتگو کا ہونا چاہئے اور اس کے علاوہ سلسلہ کی خدمت کرنے والے اور خدمت کا جذبہ رکھنے والے دوسرے دوستوں کو بھی ساتھ شامل کرے اور ضروری نہیں کہ ہر جگہ یہ ساری کی ساری ٹیم پہنچے۔ بعض جگہوں میں ایک دو کو لیا جا سکتا ہے، بعض جگہوں پر جانے کے لئے دوسرے دو تین کو اختیار کیا جا سکتا ہے تو اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے نائبین لے کر جائے یا ایسے احباب جماعت لے کر جائے جن کو آئندہ نائبین بنانا مقصود ہو اور کام کی تربیت دینا مقصود ہو۔ وہاں پہنچ کر پریذیڈنٹ سے رابطہ کرتا ہے، بتاتا ہے کہ میں اس غرض سے آیا ہوں۔ یا ہم اس غرض سے آئے ہیں۔ پھر ایک ایک شخص سے ملنے کا پروگرام بنایا جائے۔ صرف میٹنگ ہی نہ بلائی جائے کیونکہ میٹنگز میں بعض باتیں ہوتی ہیں اور بیک وقت بہت سارے لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں مگر انفرادی سطح پر جب تک تتبع نہ کیا جائے کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو ان تک پہنچنے کے لئے پروگرام بنا کر جایا جائے۔ ہر شخص کے اپنے اوقات ہیں۔ کافی سردردی کرنی پڑے گی لیکن جو محبت کے ساتھ کام کیا جائے وہ فی الحقیقت سردردی نہیں بلکہ دل کا درد بن جاتا ہے اور سردردی، مصیبت ہوتی ہے اور دل کا درد بہت پیاری چیز ہے۔ تو بظاہر سردردی ہے لیکن اگر لگن ہو، توجہ ہو، تعلق ہو تو اس کام میں بہت لطف آئے گا۔ رابطے پیدا کرنے ہوں گے کوئی کہے گا کہ جی! میرے پاس تو وقت نہیں ہے۔ اچھا جی! مجھے بتائیں کہ میں کب آپ کے پاس آ سکتا ہوں۔ ہم نے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ کسی ایک سے جس سے بھی وقت طے ہو اس تک پہنچ کر پوچھا جا سکتا ہے کہ جی بتایئے! آپ نے دعوت الی اللہ میں نام لکھایا تھا، کیا کیا ہے؟ کن کن لوگوں تک آپ پہنچے ہیں یا پہنچ سکتے ہیں۔

اگر اس سے پہلے وہ سارے جائزے مکمل ہوں جن کے متعلق پہلے بارہا نصیحت کی جا چکی ہے تو یہ کام بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً جائزوں کے سلسلہ میں بارہا یہ ہدایت کی گئی ہے کہ

Ethnic Minorities یعنی مختلف قسم کے اقلیتی گروہ جو بعض ملکوں میں بستے ہیں ان کے متعلق مکمل معلومات حاصل کی جائیں اور ان معلومات کا سب سے زیادہ تعلق سیکرٹری تبلیغ سے ہے۔جس ملک کی معلومات حاصل کی جائیں اس کو پھر آگے تجزیہ کر کے شہروار تقسیم کرنے کی کوشش کرنی پڑے گی ورنہ ان معلومات کا فائدہ کوئی نہیں۔تو یہ ایک الگ مضمون ہے جو پہلے بارہا بیان کیا جاچکا ہے اور ہدایات میں مختلف جماعتوں کو پہنچایا جاچکا ہے۔مختصراً تعارف کے طور پر میں ذکر کر رہا ہوں کہ مقصد یہ ہے کہ ہر ملک میں مختلف قسم کے طبقات کی معلومات سیکرٹری تبلیغ کے پاس ہونی ضروری ہیں وہ لوگ جو مقامی طور پر اس ملک کے باشندے ہیں ان کی طبقاتی تقسیم ،ان کی معاشرتی ،اقتصادی اورنظریاتی تقسیم وغیرہ وغیرہ ،کئی رنگ میں ان کی گروہ بندی کی جاسکتی ہے ۔طلباء ہیں، مصنفین ہیں،اخبارات سے تعلق رکھنے والے،ریڈیو ٹیلی ویژن سے تعلق رکھنے والے،سیاسی لیڈر،زمیندار،تاجر طبقہ اوراسی قسم کے اورکئی طبقات ہیں ان کی مقامی سطح پر تقسیم ہوسکتی ہے اوراس کے علاوہ جو بیرونی لوگ وہاں بسے ہوئے ہیں ان کے متعلق معلومات ہوسکتی ہیں اور ہونی چاہئیں۔

مثلاً جب میں پرتگال گیا تو وہاں کے مبلغ ماشاء اللہ چونکہ تبلیغ پر نظر رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے بعض ایسے دوستوں سے بھی رابطے کئے ہوئے تھے۔جن کا پرتگال سے تعلق نہیں ہے۔ جب میں نے ان سے مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے کہا تو افریقہ کے ایک ملک کے نمائندے جو وہاں موجود تھے انہوں نے اپنے ملک کے باشندوں کی جو معلومات مہیا کیں تو اتنا بڑا کام ان کے اندر ہوسکتا تھا کہ مبلغ کو اور کاموں کے لئے بڑی مشکل سے وقت نکالنا پڑتا اور وہ ایسے لوگ ہیں جن کو احمدیت کی مقامی لوگوں کے مقابل پر زیادہ آسانی سے سمجھ آسکتی ہے کیونکہ ان ملکوں میں یعنی افریقہ کے بعض ملکوں میں اسلام کا گہرا اثر ہے اور احمدیت کو سمجھنا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ پھر وہ گھر سے بے گھر ہوئے لوگ اگر ان کو ایک مشن سے تعلق پیدا ہو جائے تو یہ ان کے لئے سہارے کا موجب بھی بنتا ہے اور ان کے اندر ایک طبعی کشش پائی جاتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ہو جہاں ان کا اڈا ہو۔ جہاں مشکل کے وقت جاسکیں، جہاں بیٹھ کر اپنے دل کے دکھ درد بیان کرسکیں اور یقین ہو کہ اس کے جواب میں سچی ہمدردی پیدا ہوگی۔

پس ان کی بھی ضرورتیں ہیں۔ایسے گروہ ایک نہیں بلکہ ایک سے زائد ہیں۔ چنانچہ ان کی

طرف میں نے اپنے مبلغ صاحب کو توجہ دلائی کہ آپ ان میں کام کریں اوران لوگوں سے کام لیں۔ یہ جو آپ کے پاس آتے ہیں، بعض ان میں سے بیعت کر چکے ہیں، بعض نے نہیں کی۔ ان سے آگے کام چلائیں۔ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کو آپ کے پاس لے کر آئیں ورنہ اگر آپ نے محض ڈاک میں لٹریچر بھیجنا شروع کیا تو اکثر اوقات اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ آپ کو بھی اشتہار پہنچتے رہتے ہیں اور کئی قسم کے لٹریچر پہنچتے رہتے ہیں۔ جن چیزوں میں آپ کو ذاتی دلچسپی ہے ان میں آپ کچھ نظر ڈال بھی لیتے ہیں مگر عام طور پر اس کو ایک نظر ڈال کر پھینک دیتے ہیں۔ مذہب کے پیغام میں دنیا سب سے کم دلچسپی لیتی ہے کیونکہ یہ پیغام سنتے ہی آدمی سمجھتا ہے کہ مجھے تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے گی مجھے اپنے تعلقات کے دائرے منقطع کرانے کی کوشش کی جائے گی اور خواہ مخواہ کی مصیبت میں سہیڑوں، کیا ضرورت ہے؟

پس اگر پہلے کوئی اور تعلق قائم نہ ہو چکا ہو تو بیرونی طور پر ذاتی رابطے کے بغیر جو پیغام پہنچتے ہیں بالعموم انسان ان میں دلچسپی نہیں لیتا۔ اس پہلو کو میں الگ زیر بحث لاؤں گا کہ ایسا کام اگر کرنا ہو تو دلچسپی پیدا کرنے کے ذرائع کیا ہیں؟ مگر میں واپس اس مقام پر پہنچتا ہوں جہاں سے بات دوسری طرف چل پڑی کہ ایسے شخص سے آپ کو آخر یہ پوچھنا چاہئے کہ میری معلومات کے مطابق یہاں چینی بھی بستے ہیں، روسی بھی بستے ہیں، پرتگیزی بھی آئے ہوئے ہیں، افریقہ کے فلاں فلاں ممالک کے لوگ ہیں۔ ویسٹ انڈیز (West Indians) ہیں۔ بہت سے طبقات ہیں۔ آپ کے ماحول میں بھی کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں کبھی آپ نے معلومات حاصل کیں؟ آپ کے ساتھ کام کرنے والوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو آپ نے کبھی رابطے کی کوشش کی اور رابطے کی کوشش اگر کی تو کس طرح کی؟ اگر ایک اجنبی آدمی کو آپ رابطہ کر کے یہ کہنا شروع کر دیں کہ آؤ اسلام قبول کر لو تو ذاتی رابطے کے باوجود وہ کچھ تو سنے گا لیکن طبعاً اس کے دل میں اس کے خلاف ردعمل ہوگا۔ جس کو تبلیغ کی جاتی ہے پہلے اس کی دلچسپی کے دائروں کی تلاش کرنی پڑتی ہے اس لئے جب آپ یہ مضمون چھیڑیں گے تو اور تفاصیل میں جانا پڑے گا۔ بات سے بات نکلتی چلی جائیگی۔ اگر اُس نے مثال کے طور پر رابطے کئے ہیں تو آپ کا کام ہے کہ اُس سے پوچھیں کہ رابطے کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایک چینی نے کیا جواب دیا، ایک ترک نے کیا جواب دیا۔ ایک Gambian نے کیا جواب دیا۔ وغیرہ

وغیرہ اور اگر دلچسپی نہیں لی تو کیا آپ نے جائزہ لیا ہے کہ اس کو کن باتوں میں دلچسپی ہے، کس طرح اس کے دل میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے لئے کرید پیدا کرنے کے امکانات ہیں؟ تو تفصیلی بحث انفرادی بحث تک جا پہنچے گی اور ہر شخص جو زیر تبلیغ ہے اس کے متعلق اس سے گفتگو کرنی پڑے گی اس سلسلہ میں اس کو نیک مشورے دینے پڑیں گے اور سیکرٹری تبلیغ جو اس طرح کام کرتا ہے۔اس کو رفتہ رفتہ اتنا وسیع تجربہ ہونے لگ جاتا ہے کہ واقعی اس کے اندر یہ اہلیت پیدا ہوتی ہے کہ ہر صورت حال میں ایک مفید اور اچھا مشورہ دے سکے اور کچھ اس کی معلومات پہلے ہی وسیع ہوتی ہیں اس رنگ میں اس کے جو ساتھی ہیں ان کی بھی تربیت ہو رہی ہوتی ہے لیکن اس مثال کو ابھی کچھ اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔مثلاً ایک چینی ہے اگر آپ اس چینی کو جو انگلستان میں بس رہا ہے یا کہیں ٹھہرا ہوا ہے جا کر یہ کہیں کہ آؤ اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرو۔میرا نہیں خیال کہ وہ اس میں کوئی دلچسپی لے گا لیکن اگر آپ کوئی ایسا سوونیئر مثلاً پیش کریں جس میں چینی لوگوں سے رابطہ پیدا ہونے کا ذکر ہو۔ ایسا کوئی سوونیئر نہیں ہے میں مثال کے طور پر کہہ رہا ہوں بعض دوسری قوموں کے ہیں تو جس قوم سے رابطہ ہے اس کے متعلق اگر کوئی ایسی دلچسپ چیز آپ اس کو دکھانے لگیں جس سے اس کو معلوم ہو کہ ہمارے ملک میں اس جماعت کا بڑا وقار ہے اور اس جماعت نے خدمات کی ہوئی ہیں اور ہمارے ملک کے معززین ان لوگوں کی عزت کرتے ہیں تو اچانک اس کے دور کے تعلق میں قربت کا ایک رجحان پیدا ہوگا۔ وہ آپ کے لئے اس طرح اجنبی نہیں رہے گا بلکہ شناسائی کے امکانات پیدا ہو جائیں گے اور قریب آئے گا پھر آپ اس کو اور باتیں سمجھا سکتے ہیں۔ ہماری جماعت کی روح کیا ہے ہم کس طرح کام کرتے ہیں۔ پھر آپ افریقن قوم کے متعلق اور افریقہ کی اس قوم کے متعلق جس کا وہ باشندہ ہے (میرا مطلب ہے اگر وہ افریقہ کا ہو تو) مزید دلچسپی لے سکتے ہیں اور اس کے لئے آپ کو معلومات ہونی چاہئیں اور یہ معلومات پھر سیکرٹری تبلیغ کو آگے اس شخص تک پہنچانی چاہئیں، طریق کار سمجھانا چاہئے۔

اب میں واپس چین ہی کی مثال پر آتا ہوں۔میرے پاس بہت سے چینی دوست ملنے کے لئے آتے ہیں۔ بالعموم براہِ راست فوری طور پر اسلام کا پیغام دینے کی بجائے میں پہلے اُن سے چین کے حالات اور چین کے مسائل کے متعلق بات کرتا ہوں اور جب وہ مسائل بتاتے ہیں تو کچھ دیر کے

بعد بات آخر اخلاقیات پر ضرور پہنچتی ہے اور ان کے راہنماؤں نے جو غلطیاں کی ہیں۔ اشتراکیت میں جو کمزوریاں ہیں جس کے نتیجہ میں چین آج اس حال کو پہنچا ہے ان سارے مسائل پر نظر ڈال کر جب بات کی جاتی ہے تو اس شخص کا ایک ذاتی گہرا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری قوم میں اس کو دلچسپی ہے میری قوم کے حالات سے واقف ہے اور جو بات کہہ رہا ہے درست ہے اور آخری تجزیہ ایسا ہے جو میرے دل کی بھی آواز ہے۔ جب اس طرح تعلق قائم ہو تو پھر اس مضمون کا رخ بدلنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ پھر اخلاقیات کے موضوع پر کنفیوشس ازم کی مثلاً بات چل جاتی ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ کنفیوشس ازم کی اخلاقی تعلیم بنیادی طور پر چونکہ ایک ہی خدا کی دی ہوئی تعلیم ہے اس لئے اسلام کے ساتھ اس کا یہ تعلق ہے اور اسلام میں بھی یہ تعلیم ملتی ہے اور اس تعلیم کے سوا دنیا کا کوئی نظام چاہے وہ اشتراکی نظام ہی ہو جاری نہیں ہوسکتا تو بات سے بات نکلتے ہوئے کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔

ان موضوعات پر مختلف مواقع پر بعض دفعہ سوال و جواب کی مجالس میں، بعض دفعہ دوروں کے دوران مختلف خطابات میں بہت سا مواد موجود ہے۔ اس لئے کوئی سیکرٹری تبلیغ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو تو شاید ان باتوں کا علم ہو مجھے علم نہیں ہے۔ میں نے اپنا علم آپ کے ساتھ Share کیا ہوا ہے یعنی میرا علم اور آپ کا علم دو جداگانہ چیزیں نہیں رہیں۔ جو احمدی کو علم ہوتا ہے وہ مجھے لکھ کر بھیجتا ہے اور میری توجہ اس کی طرف مبذول کراتا ہے۔ روزانہ کثرت سے ایسے خط ملتے ہیں جن میں بعض امور کا ذکر ملتا ہے کہ فلاں ملک میں فلاں جگہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا رجحانات ہیں اور بعض دفعہ اخبارات کے تراشے ملتے ہیں۔ بعض دفعہ بعض احمدی احباب کتابیں بھجواتے ہیں۔ کوئی بہت اچھی کتاب انہوں نے پڑھی ہو تو کہتے ہیں یہ ایسی کتاب ہے جس کی معلومات کا دین کے ساتھ ایک تعلق ہے یعنی آپ کے کاموں سے ایسا تعلق ہے کہ آپ ان معلومات کے نتیجہ میں مزید فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جماعت کی راہنمائی کے سلسلہ میں یہ آپ کے کام آنے والی باتیں ہیں۔ غرضیکہ ایسی ہی کئی تمہیدوں کے ساتھ کتابیں ملتی ہیں تو آپ جو مجھے علم دیتے ہیں میں اپنے اندر سنبھال کر کنجوس کی طرح تالے لگا کر تو نہیں رکھتا۔ آپ سے ملنے کے دوران، دوروں کے وقت، خطبات میں، سوال و جواب کی مجالس میں جو فیض میں جماعت سے پاتا ہوں وہ جماعت کو واپس کر رہا ہوتا ہوں اور یہ مضمون اکٹھا ہو کر ایک دریا کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

پس اگر سیکرٹری تبلیغ با قاعدہ اپنے کام کے سلسلہ میں تیاری کرنے کی کوشش کرے تو اس کے لئے مواد بہت ہے۔ تیاری کے لئے ذرائع موجود ہیں۔لٹریچر کا مطالعہ، دنیا کے حالات کا براہ راست مطالعہ، مختلف Ethnic گروپس جو اس ملک میں رہتے ہیں یعنی اقلیتی طبقات ان کے متعلق مقامی طور پر ان کی انجمنوں سے رابطے کر کے معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ان کے اقتصادی مسائل کے متعلق معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ ان کے اخلاقی مسائل کے متعلق ان کے ملکوں کے اقتصادی، سیاسی وغیرہ مسائل پر معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔وہ معلومات جو حاصل کریں وہ مجھ تک پہنچائیں۔ جو مجھے ملتی ہیں میں ان تک پہنچاتا ہوں اس طرح علم کا ایک ذخیرہ پیدا ہوتا ہے جو بڑھتا چلا جاتا ہے اور ان سب عمومی باتوں کا تبلیغ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ جس شخص کو تبلیغ کی جائے جب تک اس کی دلچسپی کے معاملات میں آپ کو دلچسپی نہ ہو۔ جب تک اس کو یہ یقین نہ ہو کہ میری دلچسپی کے دائرے تبلیغ کرنے والے کی دلچسپی کے دائرے سے بالکل الگ نہیں ہیں کچھ ایسی مشترکہ زمین بھی ہے جہاں ہم دونوں ایک ہی طرح کی دلچسپی رکھتے ہیں اس وقت تک اس کے لئے اپنے پیغام میں دلچسپی پیدا کرنے کے امکانات بہت کم ہوں گے۔اس کی مزید وضاحت یوں کرتا ہوں کہ آپ کے لئے اس بات کا امکان کم ہوگا کہ آپ اس کو اپنے پیغام میں دلچسپی لینے پر مجبور کرسکیں۔آپ کو پہلے خود دلچسپی لینی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ اور باتیں آپ کو معلوم ہوں گی اور ان باتوں کے نتیجہ میں علم کی روشنی ملے گی۔جس طرح کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا روشنی کے بغیر سفر نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اجنبی سے آپ مؤثر گفتگو نہیں کر سکتے پہلے ٹٹول کر تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کر کے اندازہ لگانا پڑتا ہے کہ یہ کس مزاج کا آدمی ہے۔اس لئے جب نئے دوست میرے پاس آتے ہیں تو ہمیشہ شروع میں ادھر ادھر کی چاروں طرف کی باتیں کر رہا ہوتا ہوں جو احمدی لے کر آتے ہیں وہ بھی حیران ہوتے ہوں گے کہ یہ سیدھی بات کرتا نہیں۔تبلیغ کی گفتگو نہیں کر رہا لیکن میں اس کے بغیر گفتگو کر ہی نہیں سکتا جب تک مجھے یہ نہ پتہ لگے کہ کسی شخص کا مزاج ہے کیا؟ کن باتوں میں دلچسپی رکھتا ہے اس کے نظریات کیا ہیں، اس کے تجارب کیا ہیں، کیا تلخیاں دل میں ہیں، کیا خوشی کی باتیں ہیں؟اس وقت تک صحیح معنوں میں تبلیغ ہو ہی نہیں سکتی۔ پس وہی بات حکمت کی بات ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی کہ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ (النحل: ۱۲۶) حکمت سے اپنے رب کی

طرف بلاؤ اور حکمت کا مضمون اتنا وسیع ہے کہ یہ جو باتیں بیان کر رہا ہوں یہ بھی اسی مضمون کی بعض شاخیں ہیں۔

اب دیکھیں سیکرٹری تبلیغ کے لئے کتنی محنت درکار ہے اور کتنا وقت اس کو صرف کرنا ہوگا۔ پھر وہ جس کو تبلیغ کے لئے تیار کر رہا ہے اس کو یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کے لئے ہمارے پاس یہ یہ مواد موجود ہے اگر پاس بلغاریہ کے لوگ رہتے ہیں تو ان کے لئے ہمارے پاس خدا کے فضل سے یہ لٹریچر تیار ہو چکا ہے اگر رومانیہ کے لوگ ہیں تو ان کیلئے ہمارے پاس یہ لٹریچر ہے اگر ترک باشندے ہیں تو ان کے لئے ہمارے پاس یہ کچھ ہے۔ اگر عرب ہیں تو ان کے لئے ہمارے پاس یہ کچھ ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت دنیا کی اکثر قوموں سے متعلق پوری جدوجہد کے ساتھ ایسا لٹریچر تیار کر رہی ہے۔ جن کی ہمارے نزدیک ان کو ضرورت ہے اور سیکرٹری تبلیغ اکثر ایسے ہیں جن کو پتہ ہی نہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان کو نہ لٹریچر کی تفصیل کا علم ہے کہ کون سا شائع ہو چکا، نہ آڈیو ویڈیو کی شکل میں جو تبلیغی مواد ہے اس کے متعلق پورا علم ہے۔ وہی کیفیت ہے کہ

ے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

جن کا کام ہے تبلیغ کرنا ان کو ان باتوں کا علم نہیں ہے اگر ان کو علم ہو تو پھر آگے اس علم کو دعوت الی اللہ کے لئے اپنا نام پیش کرنے والے ہر شخص تک پہنچانا ہوگا اور تفصیل سے سمجھانا ہوگا پھر یہ بتایا جا سکتا ہے کہ رابطہ کرنے کا طریق کیا ہے۔ اگر ایک بالکل اجنبی ہو اس سے بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے اور رابطے کے لئے تقریبات پیدا کی جا سکتی ہیں اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ جب میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتا تھا تو ہماری احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشنز کے بعض طلباء کے ساتھ اسی مضمون پر گفتگو ہوئی اور میں نے ان کو بتایا کہ میرے لئے تو رابطہ قائم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ رابطہ پیدا کرنے کا گر آنا چاہئے کہ وہ ہے کیا؟ اور وہ گر یہی ہے کہ اگر آپ کو کسی شخص میں دلچسپی ہے تو اسے آپ میں دلچسپی ہوگی۔ میں نے مثال دی کہ ایک کھلاڑی ہے ہاکی کا کھلاڑی ہے، اچھا کھیلتا ہے کہیں بیٹھا ہو آپ اس کے پاس جا کر کہہ سکتے ہیں کہ میں نے تمہارا کھیل دیکھا تھا، میرے دل پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا تو اچانک اس کے دل میں آپ کے لئے محبت اور نرمی کا گوشہ پیدا ہو جائے گا۔ پھر آپ اس کو کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے لئے اعزاز سمجھوں گا اگر آپ میرے ساتھ چائے کی ایک پیالی پئیں

اور پھر اس کے مضمون کی کچھ باتیں آپ شروع کر دیں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ آپ کے ہاتھ جھٹک دے۔ ہر شخص میں بعض خوبیاں ہیں ۔ جھوٹی تعریف نہیں کرنی چاہئے۔اس کا تو کسی مؤمن کے لئے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر ہر شخص کی سچی تعریف کرنے کے امکانات ہیں اور یہی امید کا وہ روشن چراغ ہے جسے ہمیں لے کر تبلیغ کے معاملہ میں آگے بڑھنا ہے۔ امید کا روشن چراغ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے کوئی ایک بھی اس میں سے ایسی نہیں جو خوبیوں سے عاری ہو اور ہر جنس کے ہر فرد میں خواہ وہ اپنے کردار کی گراوٹ میں کہیں تک پہنچ چکا ہو پھر بھی کچھ خوبیاں رہتی ہیں۔

بعض چوروں اور بدکاروں میں بھی بعض ایسی بنیادی خوبیاں قائم رہتی ہیں کہ جن کے نتیجہ میں ان کے لئے ہر وقت واپسی اور توبہ کا امکان روشن رہتا ہے۔تو ہر شخص کی خوبیوں کے ذریعہ آپ کا اس سے رابطہ ہونا چاہئے۔ ہر قوم کی بعض خوبیاں ہوتی ہیں ان خوبیوں کو بھی آپ کو پیش نظر رکھنا چاہئے ۔پس آغاز میں اگر آپ کسی شخص کو نہیں جانتے تو اس کی بعض قومی خوبیوں کا ذکر کر سکتے ہیں ۔اگر اس کو جاننے لگے ہیں تو رفتہ رفتہ اس کی بعض اچھی باتیں تلاش کریں اور ان باتوں کا ذکر اس سے چھیڑیں اس کا تعلق آپ سے بڑھنا شروع ہو جائے گا۔

تو بہر حال یہ سمجھنا پڑے گا کہ رابطے کیسے کئے جاتے ہیں۔ان رابطوں کے سلسلہ میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کچھ نہ کچھ خاطر مدارات بھی ساتھ کرنی پڑے گی اور اس کے بغیر گزارا نہیں ہے۔پس داعی الی اللہ کو اس بات کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اس ضمن میں مستورات کے لئے بھی بہت سے خدمت کے مواقع ہیں۔ بہت سی رپورٹیں جو مجھے مختلف جگہوں سے ملتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جن احمدی داعیین الی اللہ کی بیویاں حوصلے والی اور خدمت کرنے والی اور مہمان نواز ہیں ان کا دعوت الی اللہ کا کاروبار خوب چمکتا ہے اور بڑی جلدی ان کے تعلقات کے دائرے بڑھتے ہیں۔کوئی شخص جو آپ کے گھر آ کر آپ کی بیوی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا سوائے اس کے کہ بدقسمتی سے وہ کھانا بہت ہی خطرناک پکاتی ہو ایک دفعہ کھالے تو کچھ کمی بھی رہ گئی ہوگی تو وہ بہت ہی ممنون ہوگا اور شکریہ ادا کرے گا اور اس کا ایک گہرا تعلق قائم ہو جائے گا۔اس طرح آپ کی بیویاں بھی اس میں حصہ لے سکتی ہیں،آپ کے بچے بھی اگر آپ ان کی اخلاقی لحاظ سے تربیت کریں ،وہ ان سے پیار کا اظہار کریں،ان سے دل لبھانے والی اچھی باتیں کریں تو وہ جو دور کا تعلق تھا اچانک قریب آتے آتے

ایک خاندانی تعلق میں تبدیل ہو جائے گا۔ تو دور کے تعلقات کو قریب کرنا ایک باقاعدہ منصوبے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کوچے کی آشنائی ہونی ضروری ہے اور یہ باتیں محض عمومی نصیحتوں کے ذریعہ نہیں سمجھائی جایا کرتیں۔ انفرادی طور پر کام کر کے دکھانا پڑتا ہے تو اس طرح آپ دیکھیں کہ ایک سیکرٹری تبلیغ چند آدمیوں کو لے کر جاتا ہے اس کے پاس اپنا کتنا وقت ہوگا۔ وہ کہاں تک ان سب کاموں سے نپٹ سکتا ہے کس کس تک پہنچ سکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اصل طریق وہی ہے کہ جن دو تین ساتھیوں کو لے کر وہ جاتا ہے ان سے پھر وہ بار بار کام لینا شروع کرے۔ ساتھ ان کی تربیت کرے اور پھر مقامی دوستوں کو وہ ساتھ لینا شروع کریں۔ پھر حلقے تقسیم کریں تو ایک کام جو معمولی آغاز سے شروع ہوا وہ ایک وسیع کاروبار تک پہنچ سکتا ہے اور ساتھ اور لوگ شامل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

اس موضوع پر بھی وہی آیت کریمہ ہمارے کام آئے گی جو ہمیں دعا کا ایک طریق سکھاتی ہے کہ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا (بنی اسرائیل: ۸۱) کہ اے خدا! ہم ترقی کے جس مرحلے میں بھی قدم رکھتے ہیں اس مرحلے کو ہمارا آخری مقام نہ بنانا بلکہ اگلے مقامات کے لئے دروازہ کھولنے والا مقام بنا دینا اور اس ضمن میں ہر اگلا مرحلہ ہمارے لئے مقام محمود ثابت ہو۔ ایسا مرحلہ جس کی اللہ کی طرف سے تعریف کی جاتی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آیت کریمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریب ہے کہ خدا تعالیٰ تجھے مقام محمود تک پہنچا دے یا مقام محمود پر نافذ فرما دے۔ اس کے بعد پھر ساتھ یہ دعا ہے کہ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ مقام محمود کے تقاضوں کو سمجھنے کے بعد طبعاً دل سے یہ دعا اٹھنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ نے یہی دعا سکھائی ہے۔

پس مقام محمود چونکہ خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس لئے کسی انسانی تعریف کا محتاج نہیں ہے اور انسانی تعریف سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مقام محمود وہ ہے جس کو خدا نے تعریف کے ذریعہ ایک مقام کے لائق سمجھا ہو اور وہ مقام اس کو عطا کیا ہو۔ یہ وہ مقام ہے جو مقام محمود کہلاتا ہے ۔اس کے بعد دنیا کی تعریف خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مقام محمود میں صرف خدا تعریف کرتا ہے اور بندے تعریف نہیں کرتے مگر یہ تعریف وہ ہے جو خدا کی تعریف کے تابع ہوتی ہے۔ یہ وہ راگ ہے جسے جب آسمان گاتا ہے تو فرشتے بھی ساتھ گاتے ہیں اور پھر ملائکہ کے

تابع زمین پر بسنے والے نفوس بھی اس سے متاثر ہو کر اسی رنگ کے راگ الاپنے لگ جاتے ہیں تو مقام محمود ہمارے ہر کام میں چھوٹی چھوٹی منازل کی شکل میں آتا رہتا ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفٰی ﷺ کے جس مقام محمود کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے وہ تو ہم میں سے اکثریت کے تصور سے بھی بالا ہے۔ اس لئے میں اس کی مثال دے کر آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ وہ مقام محمود بھی دراصل ایک ہی چھلانگ میں حاصل ہونے والا مقام محمود نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ساری زندگی سفر فرمایا ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر فرماتے چلے گئے ہیں۔ **ہمیں بھی اسی بات کی پیروی کرنی ہوگی اور دین کی ہر خدمت اگر اچھے رنگ میں کی جائے۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے کی جائے۔** اس سے دعائیں مانگتے ہوئے کی جائے تو ہمارے لئے اس خدمت کا ہر مرحلہ ایک مقام محمود بن سکتا ہے۔

پس اس موقعہ پر بھی یہ دعا ساتھ رہنی چاہئے اور یہ دعا کہ ہر مقام پر مجھے مددگار چاہئے ہوں گے۔ بیٹھ رہنے کے لئے تو مددگار کی ضرورت نہیں ہوا کرتی آگے بڑھنے کے لئے مددگار کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ خاص طور پر مشکل سفر میں مددگار کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ پس اپنے مددگار پیدا کریں اور یہ دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہر ایسے مرحلہ پر جسے تو مقام محمود بنائے گا میرے لئے ایسے مددگار پیدا فرما کہ یہ سفر ہمارے لئے آسان تر ہوتا چلا جائے اور ہمیشہ ہم تھک ہار کر بیٹھ رہنے کی بجائے آگے ہی قدم بڑھاتے رہیں۔ ان دعاؤں کے ساتھ، اس لگن کے ساتھ اگر آپ جماعت کی تربیت کریں گے تو دعوت الی اللہ کے رنگ بدل جائیں گے اس میں نئی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

مختلف Ethnic گروپس کی میں بات کر رہا تھا، پھر آگے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ کس جگہ کس قسم کے لوگ زیادہ توجہ دے رہے ہیں اور تجارب پر نظر رکھنی ہوگی۔ محض تجربے کا آغاز کر دینا کافی نہیں ہے کئی جگہ آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بعض دفعہ بعض طبقات میں نسبتاً کم دین کی طرف توجہ ہوتی ہے بعض دوسرے طبقات میں زیادہ توجہ پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کس طریق پر رابطے پیدا کئے جائیں تو زیادہ توجہ پیدا ہوتی ہے۔ کس طریق پر رابطے پیدا کئے جائیں تو کم توجہ پیدا ہوتی ہے غرضیکہ جو کام جاری کرنے ہیں ان کو متعلقہ افراد تک پہنچا کر سمجھا کر اپنی طرف سے آپ کام مکمل کر بھی دیتے ہیں تب بھی بات ختم نہیں ہوتی پھر ان کے تجارت پر نظر رکھنی پڑے گی اور اگلے سفر کے وقت جب آپ وہاں جاتے ہیں تو ان سے پوچھنا ہوگا کہ جو ترکیبیں آپ کو پہلی دفعہ بتائی گئیں ان پر کوئی عمل ہوا

بھی کہ نہیں، کوئی رابطے ہوئے۔ کس نے کیا جواب دیا اور آپ کے پاس اس کا کیا جواب تھا؟ جب آپ اس رنگ میں ان سے گفتگو کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے بہت سے جواب غلط تھے۔ بہت سے جواب ایسے تھے جو کسی کو قریب کرنے کی بجائے دور پھینکنے والے تھے اور یہ باتیں مجھ تک تو خود پہنچ جاتی ہیں اس لئے مجھے جا کر پتہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان سے، افریقہ کے ممالک سے، فجی سے، جاپان سے، ہر تبلیغ کرنے والے کو شوق ہوتا ہے کہ مجھے بھی بتائے کہ کس طرح تبلیغ کی اور بعض تو اتنی لمبی لمبی رپورٹیں آتی ہیں کہ مجھے ان کو پڑھنے میں کئی دن لگتے ہیں مگر جو تفصیل سے بات کرنے کے عادی ہیں انہوں نے تو بہر حال تفصیل سے ضرور بتانا ہے کہ فلاں آدمی سے یہ بات ہوئی اس نے مجھے یہ کہا، میں نے اس کو یہ کہا، اس نے مجھے یہ کہا میں نے اس کو یہ کہا پھر یہ بات ہوگئی پھر فلاں شخص آ گیا، پھر اس سے گفتگو شروع ہوگئی، پھر ایک اور آدمی آ گیا اس نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔ ساری تفصیل اس رپورٹ میں لکھی ہوتی ہے اور پھر اس کو پڑھ کر بعض جگہ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ بڑی حکمت سے عمدہ جواب دیا ہے بعض جگہ کوفت ہوتی ہے کہ ہرانے کی کوشش ہو رہی ہے، دل جیتنے کی کوشش نہیں ہو رہی۔ سختی سے کاٹنے والا جواب دیا جا رہا ہے اور اپنی طرف بڑے فخر سے مجھے بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح ہم نے اس کو لاجواب کیا حالانکہ لاجواب کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ دل جیتیں خواہ خود لاجواب ہو کر دل جیتیں اور یہ بھی ایک حکمت کا مضمون ہے۔ بعض دفعہ لاجوابی سے بھی دل جیتے جاتے ہیں۔ آپ ایک بات کو برداشت کر جائیں اور اس کا جواب نہ دیں اور ایک دردآمیز خاموشی اختیار کریں تو اس کے نتیجہ میں بھی دل جیتے جاتے ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے افریقہ کے ایک ملک سے اسی مضمون پر ایک رپورٹ ملی کہ ہم کسی جگہ گئے۔ وہاں عیسائیوں کا جو منادتھا اس نے بہت بے ہودہ زبان استعمال کی اور سختی کی اور ناپسندیدہ رویہ اختیار کیا۔ اس پر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ صبر سے کام لیں اور مقابل پر سختی نہ کریں۔ چنانچہ ہم صبر کے ساتھ اس دکھ کو برداشت کرتے ہوئے خاموش رہے۔ دوسرے دن وہ دلی معذرت کے ساتھ انتہائی شرمندہ حالت میں پہنچا۔ بار بار معافی مانگی اور عرض کیا آپ دوبارہ ہم سے بات کریں۔ دوبارہ تبلیغ کریں اور ہم سننے کے لئے حاضر ہیں۔ بڑی شرافت کے ساتھ گفت وشنید ہوگی۔ اس مضمون کا خط صرف ایک افریقہ سے نہیں آتا۔ مختلف جگہوں سے ملتے ہیں۔

بنگلہ دیش سے بھی اس مضمون کا ایک خط ملا اور بھی کئی ایسے ہیں جن کا مجھے اب نام بھی یاد نہیں مگر روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو احمدی صبر کے ساتھ للّٰہی خاموشی اختیار کرتا ہے اس کا جواب نہ دینا اس کے لئے زیادہ دل جیتنے کا موجب بن جاتا ہے اور جو ایسا جواب دینا جانتا ہے کہ جس کے نتیجہ میں دل جیتے ہی جاتے ہیں وہ تو بہر حال خدا کے فضل سے ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہے اور اس کے نتیجہ میں ہر تبلیغ ہر جدوجہد، ہر کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی جھولی میٹھے پھلوں سے بھرتی رہتی ہے۔تو دعوت الی اللہ کرنے کا گر سکھانا اور جائزہ لینا کہ کوئی اس معاملہ میں کیا غلطی کر رہا ہے اس کی کس رنگ میں درستی کی ضرورت ہے یہ بھی ایک بہت ہی اہم کام ہے۔بعض اور باتیں جو میں نے محسوس کی ہیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ بعض لوگ خاص لوگوں سے جب ایک دفعہ ٹکر لے بیٹھتے ہیں اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کر بیٹھتے ہیں تو یہ سوچتے ہی نہیں کہ ان کے اندر قبولیت کا کوئی مادہ کم ہے اور بعض ایسی عادتیں ہیں جن کے نتیجہ میں عام طور پر ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ملا کرتی یعنی ضد ہے، تعصب ہے، ہٹ دھرمی ہے اور قرآن کریم نے ہمیں آغاز ہی میں یہ مطلع فرما دیا کہ یہ کتاب هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (البقرہ:۳) ہے یہاں متقین سے مراد ابتدائی تعریف کے طور پر یہ ہے کہ وہ لوگ جو سچی بات کو دیکھتے ہیں تو سچی بات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی ضد اور تعصب نہیں ہے تو تقویٰ کا پہلا، قدم یہ ہے کہ انسان میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ دن کو دن کہہ سکے اور رات کو رات کہہ سکے اس کے لئے کوئی بڑی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔یہ انسانی فطرت کی ایک طبعی کیفیت کا نام ہے تو ایسے لوگ جن کو یہ فطری سچائی نصیب نہ ہو ان سے آپ جتنا چاہیں سر ٹکرائیں ان کو ہدایت نہیں ملے گی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس بنیادی بیماری کو دور فرما دے۔پس بجائے اس کے کہ آپ اپنا وقت اس امید پر ان بیماروں پر ضائع کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے شاید ان کا دل بدل دے۔جو بیمار نہیں ہیں ان کی طرف کیوں نہیں توجہ کرتے۔جب آپ کے پاس کافی وقت نہیں ہے کام زیادہ ہے تو پہلے ان چیزوں پر ہاتھ ڈالیں جن کو قبضہ میں لینا آسان تر ہے پہلے مشکل چیزوں پر ہاتھ ڈالیں گے تو نتیجہ بہت کم اور بہت دیر سے نکلے گا۔اس لئے تبلیغ کے وقت اس بات کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ایک آدمی کو کس وجہ سے Reject یعنی نظر انداز کر دینا چاہئے اور کس وجہ سے نہیں کرنا چاہئے۔یہ بھی اپنی ذات میں ایک گہرے غور کا مضمون ہے۔میں وضاحت سے آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس بات پر

نظر انداز نہ کریں کہ وہ سمجھنے میں دیر کر رہا ہے یا کسی اور وجوہات کی وجہ سے اس کے لئے قبول کرنا مشکل ہے۔ اگر اس کی فطرت میں صفائی ہے اگر اس کے اندر جھوٹ اور تعصب نہیں ہے تو خواہ دوسری کتنی ہی برائیاں کیوں نہ ہوں اس کی اصلاح ممکن ہے۔ اس لئے بد کہہ کر کسی کو نہیں چھوڑنا ورنہ جس طرح حسن سب میں ہے بدیاں بھی سب میں ہوتی ہیں۔ آپ کو بنا بنایا فرشتہ تو تبلیغ کے لئے نہیں ملے گا۔ اگر بنا بنایا فرشتہ ہے تو پھر شاید وہ آپ کو تبلیغ شروع کر دے کیونکہ آپ میں اس کی نسبت زیادہ برائیاں ہوں گی۔ پس برائیوں کے نتیجہ میں نہیں چھوڑنا۔

ایک بات یاد رکھیں قرآن کریم نے ابتدا میں جو تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جس کے اندر سچائی کی روشنی نہیں ہے، جس کی طبیعت میں کجی ہے اس کی آپ اصلاح نہیں کر سکتے۔ جتنا چاہیں آپ اصلاح کی کوشش کریں ان کی آپ اصلاح نہیں کر سکتے۔ اسی مضمون کو کچھ آیات کے بعد مزید کھولتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (البقرۃ: ۸) ان کی اندرونی کجی ان کی صلاحیتوں کی راہ میں حائل ہوگئی ہے۔ صلاحیتیں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عطا فرمائی ہیں۔ کان بھی ہیں لیکن کانوں پر پردے پڑ گئے ہیں، کان بھاری ہو گئے ہیں، کانوں کے اوپر بوجھ پڑ گئے ہیں، آنکھیں ہیں لیکن آنکھوں کے اوپر پردے پڑ گئے ہیں، دل ہیں مگر دل اندھے ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کے اوپر مہریں لگی ہوئی ہیں۔ پس مہر زدہ آدمیوں پر بے وجہ لمبے وقت ضائع کرنا یہ درست نہیں ہے۔ آپ کے قیمتی وقت کا ضیاع ہے لیکن اس کے مقابل پر ایک اور بات سے بھی احتیاط بہت لازم ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ جی! یہ سارا علاقہ ہی مہر زدہ ہے۔ ان میں ہدایت قبول کرنے کا مادہ ہی کوئی نہیں۔ یہ جو عام فتویٰ دینا ہے یہ ایک بہت خطرناک بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اپنی کمزوریوں کو خدا تعالیٰ کی تقدیر کے سر پر تھوپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے ساری زمینیں ہی بنجر پیدا کی ہیں آپ بے چارے کیا کر سکتے ہیں۔ جب زمینوں نے قبول ہی نہیں کرنا تو آپ کا کیا قصور اس لئے اس فتویٰ میں جلدی نہیں کرنی چاہئے لیکن حکمت اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لے کر انفرادی طور پر یہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور جن لوگوں میں آپ ضد اور تعصب دیکھیں ان کو چھوڑ کر سعید فطرت لوگوں کی طرف متوجہ ہوں۔

ہندوستان کے زمانہ میں مجھے یاد ہے لاہور میں جب ہم طالب علم ہوا کرتے تھے تو ہمارے بعض دوست تبلیغ کا بہت ہی شوق رکھنے والے تھے۔ ساری عمر انہوں نے تبلیغ کی اور ساری عمر ایک بھی پھل نہیں لگا۔ وجہ یہ ہے کہ جو ضدی آدمی چنے ہوئے تھے ان سے ہی ٹکراتے رہے۔ آج وہ یہ دلیل لے کر آیا کل یہ دوسری دلیل لے کر آئے۔ ہر روز ہنگامے، ہر روز گفت وشنید، گرم گرم بحثیں یہاں تک کہ بعض دفعہ لڑائیوں تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی مگر وہ ان دوستوں کے ساتھ آپس میں اس طرح جڑ چکے تھے کہ علیحدہ نہیں ہو سکتے تھے اور اپنی ساری عمر ضائع کر دی۔ اگر ان کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو آسانی کے ساتھ خدا کے فضل سے ایسے سعید فطرت مل سکتے تھے لیکن کیوں ایسا نہیں کیا؟ یہ سوال ہے جس کو آپ کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔

انانیت کی بہت سی قسمیں ہیں بعض قسمیں دبی ہوئی شکل میں بھیس بدلی ہوئی شکل میں موجود ہیں بعض دفعہ جس سے ایک دفعہ دینی گفتگو میں مقابلہ شروع ہو جائے اگر آپ اس کے کسی سوال کا جواب نہ دیں اور یہ کہہ دیں کہ جی! میں تمہیں دیکھ چکا ہوں، بس کافی ہوگئی، میں ہار گیا سمجھ لو تو اگر آپ میں یہ کہنے کی صلاحیت نہیں ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ کسی موقع پر میں نے اپنی ذات کی ہار قبول ہی نہیں کرنی تو آپ ایسے شخص سے پھر کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ ایک تلخ گھونٹ پینے کے لئے آپ کو تیار ہونا پڑے گا ایک موقع پر آپ کو یہ کہنا پڑے گا میاں تم جیت گئے، میں ہار گیا۔ میرے پاس جواب نہیں ہے یعنی تمہاری ان کج بحثیوں کا جواب نہیں ہے۔ تم مجھے ہارا ہوا سمجھ لو لیکن خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑو۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے تو بعض دفعہ اس کی مخفی انانیت کہتی ہے کہ لو جی تم شکست کھا گئے۔ اپنے آپ کو تم نے نیچا دکھا دیا اور یہ روک اس سے پیچھا چھڑانے میں حائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جن صاحبان کا میں ذکر کر رہا ہوں۔ ایک سے زائد ہیں جو میرے ذہن میں ہیں۔ بعض فوت ہو گئے بعض زندہ بھی ہیں ان کی یہ عادت ان کی تبلیغ کے مؤثر ہونے کی راہ میں ہمیشہ روک رہی اور وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے لئے جواب دینا ضروری ہے اور اچھے جواب لے کر آتے تھے مگر جس نے قبول ہی نہیں کرنا اس کو اچھے یا برے جواب سے کوئی بحث ہی نہیں ہے اس نے بہر حال قبول نہیں کرنا۔ تو یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ کوئی شخص چند خاص قسم کے لوگوں کے ساتھ مسلسل سر تو نہیں ٹکرا رہا۔

میں جب جرمنی گیا تو وہاں یہواوٹنس والے بڑے سرگرم عمل دیکھے۔ افریقہ میں بھی آج کل

بڑا کام کر رہے ہیں۔ بعض دوستوں سے جب کبھی ملاقات ہوئی اور تبلیغ کی بات ہوئی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہم تبلیغ کر رہے ہیں مگر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب مزید پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہوا وٹنس والوں سے وہ اپنا سر کھپا رہے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو تمام عیسائیوں میں سب سے زیادہ متعصب اور Rigid ہیں۔ ان کی عقلی حالت ایسی ہے کہ ان کے اندر بدلنے کی صلاحیت نہیں ہے اور ایک خاص قسم کا دماغ ہی ہے جو یہوا وٹنس بنتے ہیں۔ یہوا وٹنس کے لئے جو صلاحیتیں چاہئیں ان میں دماغ کی کروکڈ نیس Crookedness ضروری ہے اور کچھ نظر کی تنگی ضروری ہے۔ اس کے بغیر اچھا یہوا وٹنس بن ہی نہیں سکتا تو وہ الا ما شاء اللہ بعض کہیں ایسے نکل آتے ہیں جو یہوا وٹنس بننے کے اہل نہیں ہوتے پھر بھی بن جاتے ہیں اور ایک احمدی ان کو ان ٹھوکروں سے بچا بھی لیتا ہے۔ مثلاً جاپان سے مجھے ایک خط ملا جس سے پتہ لگا کہ ایک یہوا وٹنس والا اتنا سعید فطرت تھا کہ چند باتوں میں ہی اس کا دل یہوواوٹنس سے ہٹ کر اسلام کی طرف مائل ہو گیا لیکن وہ دور کی قومیں ہیں۔ ان کو عیسائیت کا اتنا زیادہ گہرائی سے علم نہیں اور گہرائی سے اتنا تعلق نہیں ہے مگر عیسائیوں میں بعض تبلیغی فرقے ایسے ہیں جو دماغ کی کمزوری اور صلاحیتوں کے منجمد ہونے کی وجہ سے مذہبی بنے ہوئے ہیں۔

مولویت کے لئے بے وقوفی کا ہونا ضروری ہے اور جہاں بے وقوفی ضد میں بدل جائے وہاں آپ جو چاہیں کریں آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تو ان کو میں نے سمجھایا۔ میں نے کہا تم کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو اور اگر یہوا وٹنس والوں سے بات کرنی ہے تو کم سے کم پتہ تو کرو کہ ان کو کس طرح گلے سے اتارا جا سکتا ہے۔ یا وہ سیدھے ہوں یا تمہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں ان سے گفتگو کی طرز اور ہونی چاہئے۔ اس قسم کی ایک خاتون ایک دفعہ مجھ سے ملنے تشریف لائی تھیں۔ گفتگو کرنے لگیں۔ میں نے کہا تم مجھے پہلے بتاؤ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ اور خدا کے تعلقات کیا ہیں۔ وہ واقعۃً بیٹا ہیں۔ ہاں جی بالکل پکا بیٹا اس میں تو شک کا کوئی سوال ہی نہیں۔ میں نے کہا تو حضرت مریمؑ پھر ماں ہوئیں۔ تو کہا کہ طبعی بات ہے ماں ہیں۔ خدا باپ ہے تو حضرت مریمؑ پھر خدا کی بیوی کہلائیں ناں۔ اگر وہ نکاح نہیں ہوا تو پھر رشتہ جو ہے بڑا گندا رشتہ قائم ہوا اور ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے کوئی گندہ رشتہ قائم ہو اور اگر نکاح ہوا ہے یعنی آسمان پر ہی ہوا ہو ضروری نہیں کہ دنیا میں پڑھایا گیا ہو تو پھر منکوحہ بیوی بن گئی ہیں۔ اب مجھے اگلا مسئلہ یہ سمجھاؤ کہ

جب یوسف نجار سے شادی کی تو کیا خدا نے طلاق دی تھی یا دو خاوند کئے ہیں۔ایک خاوند خدا تھا جس سے مسیحؑ پیدا ہوئے اور ایک یوسف نجار تھا جس سے اور بہت سے بچے پیدا ہوئے تو یہ مسئلہ حل کرو۔ اب ایسے مسائل جو عقلی نقطہ نگاہ سے پیش کئے جائیں ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔آپ آزما کر دیکھ لیں ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے گفتگو کرنی چاہیئے اس میں کوئی شک نہیں ۔دل آزاری کی خاطر نہیں سمجھانے کی خاطر یہ اشکال ان کے سامنے رکھے جاسکتے ہیں۔

ایک دو کے ساتھ آپ اس طرح کی عقلی دلائل سے گفتگو کریں تو آپ ان کو بلائیں گے بھی تو وہ آپ کے پاس نہیں آئیں گے۔جہاں اس میدان میں وہ آپ کو کھینچ لائیں یعنی بائبل کے بعض ایسے بیانات جن کو نہ وہ خود سمجھتے ہیں نہ عام انسان کی استطاعت ہے، گہرے مضمون سے تعلق رکھتے ہیں۔تو آپ جو چاہیں کریں آپ کبھی ان کی اصلاح نہیں کرسکیں گے اور ہمیشہ وہ یہ سمجھیں گے کہ ابھی یہ ہمارا شکار ہے۔تو اس لحاظ سے بھی تفصیلی چھان بین سیکرٹری تبلیغ کو اور اس کے ساتھیوں کو کرنی پڑے گی کہ جن لوگوں کو تبلیغ کر رہے ہیں وہ کون لوگ ہیں، ان کے ردعمل کیا ہیں۔ یہ زمین جیت رہے ہیں یا خود ابہام کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں۔

یہ بڑا وسیع مضمون ہے اور بڑے وسیع وقت کا تقاضا کرتا ہے۔ بہت سے ایسے تربیت یافتہ مددگاروں کی ضرورت ہے۔ بہت دعاؤں کی ضرورت ہے لیکن چونکہ اب وقت کافی زیادہ ہو چکا ہے میں نے گھڑی پر نظر ذرا دیر میں ڈالی ہے اس لئے اس مضمون کو میں یہاں ختم کرتا ہوں انشاءاللہ آئندہ خطبہ سے دوبارہ اس مضمون کو شروع کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف سمجھنے کی توفیق نہ بخشے بلکہ جو ہم سمجھیں اس کو عمل میں ڈھالنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مجلس عاملہ جرمنی کے اظہار ندامت پر معافی کا اعلان

سیرت طیبہ ؐ کی روشنی میں دعوت الی اللہ کریں۔

سیکرٹریان مال کی طرح کھاتے بنائیں۔

خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ ردسمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:

دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں مضمون کو آگے بڑھانے سے پہلے ضمناً جرمنی میں ہونے والے اس واقعہ سے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کے متعلق مجھے ایک نصیحت کا خطبہ دینا پڑا اور سمجھانا پڑا کہ اس قسم کے واقعات ہیں جو نظام جماعت کو کمزور کر سکتے ہیں، خطرے میں ڈال سکتے ہیں اور امارت کے وقار کو گہرا نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے ان کو سمجھیں غور کر کے ان سے عبرت حاصل کریں اور آئندہ اپنے لائحہ عمل کے وقت ہمیشہ اپنی نگرانی کریں، اپنے معاملات میں ہمیشہ اپنی نگرانی کریں کہ اس قسم کی ٹھوکریں آپ نہ کھائیں۔ یہ مقصد تھا جس کی وجہ سے وہ خطبات دیئے گئے ذاتی طور پر کسی کو متہم کرنا اور ذاتی طور پر کسی کو ساری دنیا میں رسوا کرنا ہرگز مقصد نہیں تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کیونکہ ایسا خیال ہی میرے لئے بہت مکروہ ہے لیکن چونکہ مثالیں حقیقی پیش کرنی تھیں اور یہ مجبوری تھی کہ بجائے اس کے کہ فرضی واقعات گھڑ کر جماعت کے سامنے نمونۃً رکھتا عملاً جو واقعات گزرے ان کی مثال دینی تھی اس لئے بغیر نام لئے عہدوں کا ذکر کر کے یا بعض لوگوں کے متعلق

یہ کہہ کر کہ بعضوں نے ایسا کیا ان کا عمومی ذکر کیا تھا اس سے جماعت کو یہ سمجھ جانا چاہئے تھا کہ انفرادی طور پر ان لوگوں کو حقارت کا، تحقیر کا نشانہ نہ بنائیں اور طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں خود نصیحت پکڑیں لیکن ان کو ذلیل اور رسوا نہ سمجھیں۔

عموماً یہی ردّعمل جماعت کی طرف سے ظاہر ہوا ہے لیکن بعض لوگ جو عہدوں کے متعلق جانتے تھے کہ یہ عہدہ کس کے سپرد ہے انہوں نے کچھ ضرورت سے زیادہ اسے ذاتی مسئلہ بنالیا اور مجھے جو خطوط ملنے شروع ہوئے ان میں بھی یہ رجحان تھا کہ بہت سختی اور نفرت کے ساتھ ہم نے ان واقعات کو اور اس طرز عمل کو ردّ کرتے ہیں۔ طرز عمل کو ردّ کرنا تو درست ہے لیکن جن اشخاص سے یہ باتیں رونما ہوئیں ان کے متعلق تحقیر آمیز رویہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ابتلاء میں ہر شخص کو ڈال سکتا ہے، ہم میں سے ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمزوری ایسی ضرور ہے جس پر اگر خدا تعالیٰ کی ستاری کی چادر نہ رہے تو دنیا کے سامنے ہمارا جو وجود ظاہر ہو وہ قابل نفرت ٹھہرے، اس لئے ایسے موقع پر استغفار کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے علاوہ ستاری طلب کرنی چاہئے اور جو لوگ ان واقعات میں ملوث ہوئے ان پر رحم کرنا چاہئے نہ کہ نفرت۔ ہاں جو معاملات قابل نفرت ہیں وہ قابل نفرت ہی ٹھہرتے ہیں۔ اس تفریق کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اپنے معاملات میں پیش نظر رکھا اور جماعت کو بھی اسی کی نصیحت فرماتے رہے کہ بعض باتوں سے نفرت ضروری ہے مگر انسانوں سے نفرت نہ کرو ان پر رحم کرو، ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

اس تمہید کے بعد اب میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جرمنی کی مجلس عاملہ ہو یا اس سے باہر اگر کوئی لوگ اپنی غلطیوں کی وجہ سے ایک غلط رویہ اختیار کر کے ناراضگی کا مؤجب ٹھہرے تو انہوں نے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت ہی غیر معمولی پاک تبدیلی کا نمونہ بھی دکھایا ہے۔ توبہ اور استغفار سے کام لیا اور کسی ایک کے متعلق بھی اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دل کی گہرائی کے ساتھ میں اسے معاف نہیں کر چکا۔ کلیۃً ان میں سے ہر ایک کے معاملات میں اب میرا دل صاف ہے۔ ایک دو ایسے مخلصین تھے جن کو ابھی تک بات پوری طرح سمجھ نہیں آرہی تھی اور میں خطبہ میں اس اعلان سے پہلے ان کو سمجھانے کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ سمجھ جائیں تو پھر میں عمومی اعلان کر سکوں ورنہ یہ کہنا پڑتا کہ ایک دو کے سوا باقی سب ٹھیک ہو چکے ہیں۔ ٹھیک تو اللہ کے فضل سے وہ بھی تھے ہی دل کی گہرائی میں اخلاص

تھا لیکن بعض لوگوں کی طبیعت میں کچھ بحث مباحثے کی عادت ہوتی ہے، کچھ نکات ان کو سمجھ نہیں آ رہے ہوتے ، ان پر تھوڑا سا وقت لگانا پڑتا ہے ان کو مختلف طریق پر سمجھانا پڑتا ہے۔تو اب میں شرح صدر کے ساتھ یہ اعلان کرسکتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے ان میں سے ہر ایک نے اپنے قصور کو سمجھ لیا، اپنی غلطیوں کو خود پہچان لیا اور آئندہ کے لئے سچے دل اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرتے ہیں اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے اور آئندہ ہمیشہ ان کو اس قسم کی ٹھوکروں سے بچائے۔

اس کے علاوہ ان کے لواحقین کے متعلق اور دوستوں کے متعلق میں یہ خوشنودی کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہوں کہ بہت ہی عظیم الشان مثال قائم ہوئی ہے کہ جتنے بھی دوست میری ناراضگی کا مورد ٹھہرے تھے ان میں سے کسی ایک کے عزیز نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جماعت کا ساتھ دیا اور خلافت کے ساتھ اپنی کامل وفاداری کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ عملاً اس کے نمونے دکھائے۔ساری دنیا میں جہاں جہاں بھی ان کے عزیز پھیلے پڑے ہیں ان میں ایک بھی استثناء نہیں بلکہ ہر ایک نے کھلے لفظوں میں واشگاف الفاظ میں مجھ پر اس بات کا اظہار کیا اور اپنی جماعت میں اپنے رویہ سے اس بات کو ثابت کیا کہ ہمارے بڑوں یا عزیزوں یا اقرباء کی غلطیاں تھیں، اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔جو کارروائی کی گئی وہ سو فیصدی درست تھی اور ہم اس معاملے میں کامل طور پر خلافت سے وابستہ اور وفادار ہیں اور نظام جماعت سے وابستہ اور وفادار ہیں۔پس یہ واقعہ اپنی ذات میں مکروہ سہی لیکن خدا تعالیٰ بعض دفعہ مکروہ باتوں میں سے حُسن کی باتیں نکال دیتا ہے اور مکروہ چیزوں سے خیر کے پہلو نکال دیتا ہے۔

تو یہ بھی جماعت کی تاریخ میں ایک اہم قابل ذکر واقعہ ہے کہ کسی پر یا کسی خاندان پر نہیں بلکہ بعض خاندانوں پر ابتلاء کا وقت آیا ہو اور ان تمام خاندانوں کے ہر فرد نے ثابت قدمی دکھائی ہو جن کو سزا دی گئی وہ بھی ثابت قدم ٹھہریں، ان کے تمام رشتہ دار ثابت قدم ٹھہرے اور کسی نے بھی ادنیٰ سی ٹھوکر کھا کر اپنے آپ کو داغدار نہیں کیا۔یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ایسا عظیم واقعہ ہے جس کو ریکارڈ ہونا چاہئے تاکہ خطبے میں پہلے جوان لوگوں کے متعلق کچھ تکلیف دہ باتیں جماعت کی تاریخ میں درج ہوگئی ہیں ان کا ازالہ بھی جماعت کی تاریخ میں درج ہو جائے جیسا کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض صحابہ سے غلطیاں ہوئیں ان میں سے تین ایسے تھے جو عظیم کردار کے مالک

تھے۔ بہانہ بنا کر یا بات کو توڑ مروڑ کے وہ وقتی طور پر آنحضورﷺ کی ناراضگی سے بچ سکتے تھے مگر انہوں نے سچائی کو قربان نہیں کیا، صاف گوئی سے کام لیا اور اس ناراضگی کو قبول کر لیا جس کے بعد ان کی زندگی ایک لمبے عرصے تک جہنم کا نمونہ بنی رہی۔ یعنی اذیت کے لحاظ سے جہنم کا نمونہ ویسے تو ان کے لئے ایک روحانی جنت تیار کرنے والی زندگی تھی۔ اس پر آنحضرتﷺ نے انتظار فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کب ان کی بخشش کا اعلان ہوتا ہے اور اس انتظار فرمانے میں ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ تھی۔ ایک سے زائد حکمتیں پوشیدہ تھیں مگر ایک خصوصیت کے ساتھ ایسی حکمت ہے جس کا میں جماعت کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آنحضرتﷺ اس عرصے میں خود ان کے لئے بے حد دکھ محسوس کر رہے تھے اور بار بار کن اکھیوں سے ان لوگوں کو دیکھتے بھی تھے اور ان آنکھوں میں کبھی بھی ان لوگوں نے نفرت نہیں دیکھی جن کے لئے سزا کا اعلان تھا بلکہ ہمیشہ محبت دیکھی۔ حضرت کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں تو ان آنکھوں کے سہارے زندہ تھا جو کبھی کبھی میری طرف اٹھتی تھیں۔ جب بھی میں نے ان کو دیکھا ان میں میں نے محبت دیکھی کبھی ایک دن بھی نفرت نہیں دیکھی اور وہی محبت کے صدقے تھے جو میری زندگی کا سہارا بنے ہوئے تھے۔ (بخاری) تو آنحضرتﷺ کا ایک عظیم کردار اس دور میں ظاہر ہوا کہ آپ فیصلے اپنے ذاتی خیالات اور رجحانات کی بناء پر نہیں کرتے بلکہ کلیۃً رضاء باری تعالیٰ کی خاطر کرتے ہیں ورنہ اتنی دیر خود کیوں اذیت محسوس کرتے رہے اور کیوں ان کو اس سے پہلے معاف نہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہو۔

دوسرا یہ کہ آنحضرتﷺ کی معافی کے نتیجے میں ان لوگوں کی ہمیشہ کے لئے ایسی بریت نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ وحی الٰہی کے نتیجے میں ان کی بریت ہوئی کیونکہ آنحضرتﷺ کی ناراضگی ایک عام آدمی کی ناراضگی نہیں تھی، عام بزرگوں والی ناراضگی بھی نہیں تھی، خلفاء والی ناراضگی بھی نہیں تھی۔ آپؐ خلیفۃ اللہ تھے اور آپؐ کی ناراضگی اس شخص کے لئے جس سے آپؐ ناراض ہوں دنیا اور آخرت کی ہمیشہ کے لئے ہلاکت کا موجب بن سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی دلوں پر نظر ہے اور انبیاء کی بھی براہ راست اس طرح دلوں پر نہیں ہوتی جیسے خدا تعالیٰ کی نظر ہوتی ہے۔ انبیاء کی فراست عام انسانوں کی فراست سے بہت زیادہ روشن اور لطیف ہوتی ہے اس کے باوجود وہ دلوں کا کلیۃً حال نہیں جانتے۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے اعلان کا انتظار فرمانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ ان کی ایسی

کامل بریت چاہتے تھے کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ان لوگوں کا نام عزت اور رحمت کے ساتھ یاد کیا جائے بجائے اس کے کہ ایک ایسے داغ دار شخص کے طور پر، ایسے داغ دار اشخاص کے طور پر جن کے اوپر داغ تو سچا لگا لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ کامل طور پر دھل گیا تھا کہ نہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ نے گنہگار سمجھتے ہوئے بھی اپنی رحمت اور مغفرت کے جذبے سے ان کو معاف کیا ہے یا اس گناہ کے داغ کو دھوڈالا ہے یا کالعدم سمجھا ہے۔

جب خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تو اس میں یہ شائبے باقی نہیں تھے۔ ان شائبوں کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ نے دلوں پر نظر رکھی اور یہ اعلان فرما دیا ہمیشہ کے لئے کہ ان کو معاف کیا جاتا ہے ان کے دل صاف ہوگئے ہیں۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (حوالہ۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔) وہ شخص جو گناہ سے سچی توبہ کرتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ پس اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی بخشش بعض دفعہ خدا تعالیٰ کی بخشش کے لئے ایک دعا بن جایا کرتی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ عرصہ جو آنحضرت ﷺ نے اس تکلیف میں گزارہ ہے کہ دل چاہتا تھا کہ معاف فرما دیں لیکن خدا پر معاملہ چھوڑ چکے تھے اور وہ عرصہ مسلسل ان لوگوں کے لئے دعا بنا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور تاریخی لحاظ سے وہ ہمیشہ کی زندگی پاگئے۔ اس سلسلے میں ان کے اپنے دل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ چنانچہ حضرت کعبؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مجھے پتا چلا تو لوگ آنحضرت ﷺ سے صبح کے نماز کے وقت معافی کی خبر سن کر ان کی طرف دوڑے جا رہے تھے کہ ان کو اطلاع کریں لیکن کسی بلند آواز والے نے زیادہ حکمت اور ہوشیاری سے کام لیا۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر اس نے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا کہ اے فلاں اور فلاں اور اے فلاں اور فلاں خدا کے رسول نے تمہاری معافی کا اعلان کر دیا ہے۔ کہتے ہیں یہ ایسی عظیم آواز تھی کہ کبھی زندگی میں پھر کسی اور آواز نے ایسا دل پر اثر نہیں کیا۔ پیشتر اس سے پیامبر پہنچتے یہ دوڑے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے اور حاضر ہو کر یہ سوال کیا ہے کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے معاف کیا ہے یا خدا نے معاف کیا ہے؟ آپؐ کی طرف سے ہماری بخشش ہوئی ہے یا اللہ کی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی وحی نازل ہوئی ہے، خدا کی طرف سے معافی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں اس وقت میرا دل

ایسا راضی ہوا جیسے کبھی کوئی دکھ محسوس نہ کیا ہو تو اس خاموشی اور اس دیر میں یہ بھی ایک حکمت تھی۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کی براہ راست معافی کا تعلق ہے یہ واقعات شاذ و نادر کے طور پر تاریخی نمونے کے طور پر مثالوں کے طور پر ہوا کرتے ہیں روزمرہ کی زندگی میں ایسے نہیں ہوتے بلکہ انبیاء کی زندگی میں بھی میں نے سوائے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دور کے کسی اور نبی کے دور میں ایسا واقعہ نہیں پڑھا کہ خدا تعالیٰ نے کسی کو یا خدا تعالیٰ کے رسول نے کسی کو سزا دی ہو اور اللہ تعالیٰ نے براہ راست پھر اس کو معاف فرمایا ہو۔ یہ واقعات بریت اور معافی کے دو ہی ہیں جو صرف حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دور میں ظاہر ہوئے۔ بریت کے معاملے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بریت وحی کے ذریعے ہوئی اور وہاں بھی انتظار کی حکمت یہی تھی جو میں بیان کر رہا ہوں اور معافی کے سلسلے میں بھی حضرت کعبؓ اور ان کے ساتھیوں کی معافی وحی کے ذریعے ہوئی اور کسی نبی کے زمانے میں یہ واقعہ نہیں گزرا لیکن اس میں جو سبق ملتا ہے وہ سبق دہرایا جا سکتا ہے۔ پہلے بھی تاریخ اس سبق کو دہراتی رہی آئندہ بھی دہراتی رہے گی کہ اگر کوئی شخص للہ ناراض ہو اور شرح صدر کا انتظار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس عرصے میں دعا کرتا رہے تو بعید نہیں کہ جب اس کا دل معافی پر راضی ہو تو وہ خدا کی طرف سے ہی معافی ہو اور ضروری نہیں کہ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس معافی کا اعلان کرے مگر بسا اوقات شرح صدر کے ذریعے اور دل کو نرم اور ملائم کر کے اپنی طرف سے معافی کا اعلان فرما دیتا ہے۔ بس ہم دعا کرتے ہیں کہ آئندہ بھی جماعت کو اللہ تعالیٰ ان ٹھوکروں سے محفوظ رکھے اور اگر خدانخواستہ کوئی شخص ٹھوکر کھائے وہ بھی ایسے ہی نیک نمونے دکھائے اور جب اسے معافی ملے تو خدا کی طرف سے معافی ملے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل صاف اور پاک کئے جائیں۔

اس لمبے اعلان کے بعد جو جرمنی کے واقعہ سے تعلق رکھتا ہے اب میں واپس اس مضمون کی طرف لوٹتا ہوں یعنی دعوت الی اللہ کا مضمون جس کے متعلق خطبات کا ایک سلسلہ شروع ہے۔

میں ذکر کر رہا تھا کہ ایک داعی الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی ذات میں دلچسپی لے اور ذات میں دلچسپی لینا ایک تو انفرادی طور پر ہر شخص کے متعلق کوئی بھلائی کی بات سوچنا جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کوئی ایسی تعریف کر دینا جو واقعۃً اس شخص میں پائی جاتی ہو ایک یہ بھی ذریعہ ہے ذاتی تعلقات قائم کرنے کا اور کسی کی ذات میں دلچسپی لینے کا مگر ایک ذات میں دلچسپی لینے کا رجحان

ہوا کرتا ہے اور وہ رجحان خدادادرجحان ہوتا ہے لیکن اسے مزید صیقل کیا جاتا ہے اور مزید ترقی دی جاتی ہے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ میں یہ خدادادرجحان اپنے درجۂ کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اسی لئے آنحضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا۔ **رحمۃ العرب، رحمۃ العجم یا رحمۃ المسلمین** نہیں فرمایا بلکہ رحمۃ اللعالمین۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر ایک میں دلچسپی تھی اور رحمت کے ساتھ دلچسپی تھی۔ ہر شخص کی بھلائی کے متعلق آپؐ کے جذبات قطعی طور پر اٹھتے تھے اور اس میں کسی کوشش یا ارادے کو دخل نہیں ہوا کرتا تھا از خود ہر ایک سے رحمت کے سلوک کو جی چاہتا تھا اور یہ مثال ہمیں انسانی رشتوں میں سب سے زیادہ ماں اور بچوں کے رشتے میں دکھائی دیتی ہے۔ قرآن کریم میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی کہ اگر تم میں سچا ایمان ہے تو ایمان کی اصل علامت یہ ہے کہ تمہیں خدا اور رسول سے اپنے ہر عزیز اور قریبی سے زیادہ محبت ہو اور زیادہ دلی تعلق قائم ہو جائے۔ اگر یہ نہیں تو تمہیں پھر ایمان کا پتا نہیں کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ اس مضمون پر غور کرتے ہوئے مجھے رحمۃ للعالمینؐ کا حقیقی مفہوم سمجھ آیا۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہرگز جبراً کسی کو یہ نہیں فرما سکتا کہ تم فلاں شخص سے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ محبت کرو۔ یہ بالکل بے دلیل بات ہے اور غیر فطری بات ہے لیکن اگر خدا کے علم میں ہو کہ وہ شخص کسی سے اپنے عزیزوں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے اور جتنی اس سے قریب تر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں ان سے بڑھ کر ان سے محبت کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک غیر معمولی شفقت کا سلوک ہوگا کہ اس شخص سے متعلقہ کو بتادے کہ دیکھو یہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ تمہارے قریب ترین عزیز اور اقرباء اور ماں اور باپ اور دوسرے رشتہ دار ویسی محبت تم سے نہیں کرتے۔ اس لئے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:۶۱) یہ دائمی قانون ہے جو یہاں بھی اطلاق پانا چاہئے اور تم میں بھی جواباً اس وجود سے ویسی ہی محبت کرنی چاہئے جیسی یہ تم سے محبت کرتا ہے۔ یہ سارا مضمون اس مضمون کے اندر داخل ہے، اس ہدایت کے اندر داخل ہے کہ اگر تم خدا اور رسول سے اپنے ماں باپ اور اقرباء سے بڑھ کر محبت نہیں کرتے تو تمہیں ایمان کا علم ہی کوئی نہیں کہ ایمان ہوتا کیا ہے۔ دراصل یہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کی رحمت کی گواہی تھی اور رحمۃ العالمین کا لفظ اس پہلو سے ایک حیرت انگیز لقب ہے اور ایسا بے مثل لقب ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کے بانی، کسی نبی، کسی ولی، کسی بزرگ کے متعلق آپ کی اپنی کتابوں میں بھی یہ

لقب درج نہیں پائیں گے۔ یہ ایک عجیب شان ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کی کہ اس شان میں خدا کا کوئی دوسرا نبی کسی علاقے کا کسی قوم کا کسی زمانے کا شریک نہیں ہے اور یہ وہ شان ہے جو تبلیغ کے لئے بڑی ضروری ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کے سپرد عالمی ذمہ داریاں کی گئیں۔ آپ سارے عالم کے لئے گہری سچی رحمت اپنے دل میں رکھتے تھے۔ ایسی گہری اور سچی رحمت جس سے بسا اوقات ماؤں کے دل بھی ناآشنا ہوتے ہیں اور ہر ماں سے بڑھ کر بنی نوع انسان سے خدا تعالیٰ کی مخلوق سے آپ محبت کرنے والے تھے اور تبلیغ کے لئے یہ دلچسپی ہے جو دراصل کام آتی ہے۔ مصنوعی دلچسپی کے ذریعے بھی ہیں اور ایک کوشش کرنے والے کو وہ بھی اختیار کرنے چاہئیں لیکن اگر وہ سچے ہوں۔ جیسا کہ میں نے مثال دی یہ ایک مصنوعی طریق ہے کہ کسی شخص کی خوبی معلوم کرو، اس کی تعریف کرو لیکن وہ سچی ہو۔ یہ کوئی طبعی طریق نہیں ہے، طبعی طریق وہی ہے کہ انسان رحمت ہو جائے۔ ہر دوسرے انسان میں فطرتاً اور قطعاً اس کے دل میں نرمی پائی جائے، شفقت پائی جائے، پیار کا جذبہ پایا جائے، اس کی بھلائی پر متلاشی رہے۔ جہاں کسی کو دکھی دیکھے، اس کا دکھ محسوس کرے اور اپنا دکھ مٹانے کی خاطر اس کی مدد کرے۔ یہ وہ حقیقت ہے نفسیاتی جس کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ کسی کا دکھ سمجھ کر اس کی مدد کرنا، بڑا مشکل کام ہے اور اسی لئے لوگ ایسے مشکل کام پر یا ہاتھ نہیں ڈالتے یا ہاتھ ڈالتے ہیں تو کامیاب نہیں ہوتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا بوجھ ہے جسے انسان برداشت نہیں کرسکتا۔ غالب کہتا ہے:

کون ہے جو نہیں حاجت مند
کس کی حاجت روا کرے کوئی (دیوان غالب:۔۔)

اگر کوشش کر کے، جدوجہد کر کے، عقل کو استعمال کر کے انسان لوگوں کے دکھ بٹانے کی کوشش کرے اور ان کی حاجت روائی کی کوشش کرے تو ایسا کام ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہے بہت ہی مشکل ہے لیکن اگر فطرتاً لوگوں کا دکھ اس کا دکھ خود بخود بن جایا کرے، لوگوں کے غم اس کے غم ہو جایا کریں، لوگوں کی تکلیفیں اس کی تکلیفیں بن جائیں تو اپنی تکلیف دور کرنے کی کون کوشش نہیں کرتا۔ اپنے غم دور کرنے کی کون کوشش نہیں کرتا؟ وہ تو ایک فطری تقاضا ہے اس کوشش میں لذت ہے، اس کوشش میں بوجھ نہیں ہوتا۔ پس ایسے لوگ جو فطرتاً دوسروں کے ہو جاتے ہیں اور طبعاً ان کے دکھوں کو اپنا لیتے ہیں اگرچہ آپ بیرونی آنکھ سے دیکھیں تو ان کو بہت زیادہ بوجھوں کے تلے دبا ہوا

محسوس کریں گے گویا وہ کچلے جا رہے ہیں۔اب حیرت سے انسان دیکھتا ہے کہ کیسے انہوں نے ایسے ایسے مشکل کام سنبھال لئے، کیسے اتنے بڑے بڑے بوجھ انہوں نے اٹھا لئے مگر وہ نہیں جانتے کہ راز اس میں یہی ہے کہ وہ بوجھ ان کے ہوتے ہیں، ان کے اپنے بن جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اندر جو بوجھ اٹھانے کی صلاحیت موجود تھی اس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿۷۳﴾

(الاحزاب:۷۳) کہ دیکھو ہم نے ایک بہت بڑا بوجھ شریعت کا بوجھ، ساری بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی اور ان کو سنبھالنے کا بوجھ، ان کے لئے ابدی نمونہ قائم کرنے کا بوجھ، ان کے دکھ بانٹنے کا بوجھ، زمین، آسمان اور پہاڑوں کے سامنے رکھے کہ کون ہے جو ان بوجھوں کو اٹھانے کے لئے آگے آتا ہے مگر ہر ایک نے انکار کر دیا۔..............اور یہ سارے ان بوجھوں کے تصور سے ڈر گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ کون آگے آیا؟ محمد مصطفیٰ ﷺ۔ یہ انسان کامل تھا جو ان بوجھوں کو خوب شناخت کرنے کے بعد ان کو سمجھنے اور ان کی حقیقت سے آشنا ہونے کے بعد آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے بڑھا اور ان بوجھوں کو اٹھا لیا۔کیوں ایسا ہوا؟ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا اس لئے کہ وہ اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا تھا۔اور اپنے نفس پر ظلموں کے نتیجے میں وہ جھــــول بھی تھا یعنی اس کو پھر کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کیا مجھ پر گزر جاتی ہے۔ یہاں اس نفس کے ظلم کی بات ہو رہی ہے یہ وہی ظلم ہے جس کا میں رحمت کے سلسلے میں تعارف کروا رہا ہوں۔

جب انسان دوسروں کے غموں کو اپنا غم بنا لیتا ہے اور قطعاً بنا تا ہے تو وہ سارے ظلم جو دنیا پر ہو رہے ہیں اپنی جان پر کر رہا ہوتا ہے۔ اسی کا نام ظَلُومًا ہے۔ دوسروں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ دوسروں کے ظلم خود پر جھیل لینے والا۔ جو ظلم ساری دنیا کی طرف سے بعض مظلوموں پر توڑے جاتے ہیں ان ظلموں کا نشانہ اپنے وجود کو بنا لینے والا، اپنے دل کو بنا لینے والا یہ وہ ظَلُومًا ہے اور اس کے لئے چارہ ہی کوئی نہیں سوائے اس کے کہ آگے بڑھے اور ساری دنیا کے بوجھ اٹھائے کیونکہ وہ بوجھ پہلے ہی اس کا دل اٹھا چکا ہے۔

تو شریعت کے مفہوم کے سوا بھی اس کے معنے ہیں۔ شریعت کا بوجھ اٹھانا اپنے اندر ایک بڑا

مضمون رکھتا ہے لیکن ظلوم کے لفظ سے پتا چلا کہ آنحضرت ﷺ دل کی شفقت اور رأفت کے لحاظ سے ایک ایسے درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے جہاں بہت کم انسانوں کی نظر پہنچتی ہے اور طبعاً اور فطرتاً آپ لوگوں پر ہونے والے ظلموں اور ستموں اور دکھوں کو از خود اپنا لیا کرتے تھے اور اسی لئے آپ ان کے لئے غمزدہ رہتے تھے۔

پس یہ وہ جذبہ ہے جو مبلغ کے لئے ضروری ہے اور کامیاب دعوت الی اللہ کے لئے لازم ہے کہ انسان اس قسم کا طرز عمل اختیار کرے۔ پس طبعاً اور فطرتاً میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص کو خدا نے جذبہ دیا ہوا ہے لیکن یہ جذبہ بعضوں میں چمک جاتا ہے بعضوں میں چمکتا نہیں اور اگر اس جذبے کے تقاضوں کو آپ نظر انداز کرتے رہیں تو رفتہ رفتہ دل پتھر بننے لگتا ہے اور بعض دفعہ ایسے لوگ پھر پہچانے بھی نہیں جاتے۔ آدمی یقین ہی نہیں کرسکتا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو فطرتاً اللہ تعالیٰ نے رحمت اور رأفت عطا فرمائی تھی کیونکہ بداعمالیوں کی وجہ سے بار بار جرائم کی وجہ سے دلوں پر زنگ لگنے لگ جاتے ہیں اور فطرت کی سچائی دنیا کے گردوغبار سے اٹ جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ گردوغبار کی تہیں جم جم کر سخت ہونے لگتی ہیں جس کو پنجابی میں کھرنڈ کہتے ہیں۔ ایسے کھرنڈ آنے شروع ہو جاتے ہیں ان کے اوپر یعنی تہیں جو آہستہ آہستہ سخت ہو جاتی ہیں، پھر وہ منجمد ہو جاتی ہیں، پھر وہ Fossilize ہو جاتی ہیں، پتھر سی بن جاتی ہیں۔ انسان کی تھوڑی سی زندگی میں یہ سارے ادوار گزر جاتے ہیں اور بعض دفعہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بنی نوع انسان میں یہ جذبہ ہی نہیں ہے حالانکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس لحاظ سے کوئی استثنائی چیز نہیں ملی تھی کہ آپ ؐ کو تو رحمت والا دل دے دیا اور سارے لوگوں کو بنی نوع انسان کو پتھر دل عطا کر دیئے یہ درست نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو آنحضور ﷺ کا کوئی امتیاز نہ باقی رہتا۔ پھر ہم یہ کہتے کہ خدا نے آپ ؐ کو تو دے دیا تھا نرم دل باقی لوگوں کو نہیں دیا اب اس میں لوگوں کا کیا قصور اور آپ ؐ کا کیا شرف؟ سب کو دل اپنی کیفیت کے لحاظ سے پیدائشی طور پر ایک ہی جیسے دل ملتے ہیں۔ بعض لوگ ان دلوں کی خوبیوں کو چمکاتے ہیں، بعض ان خوبیوں پر مٹی ڈالنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ خوبیاں مٹ جاتی ہیں اور غلط قسم کے پتھر دل جیسے نمودار ہو جاتے ہیں۔

پس جماعت احمدیہ کو اس بات پر کامل یقین ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ

صلاحیت ضرور بخشی ہے کہ لوگوں کے غموں کو اپنالیں۔ماں بچے کے غم کو کیوں اپناتی ہے اگر اس کے اندر یہ صلاحیت نہ ہوتی۔ باپ اپنی اولاد کے غم کو یعنی وہ باپ جو نرم دل رکھتے ہیں اپنی اولاد کے غم کو کیوں اپناتے ہیں؟ بعض بہن بھائی ایک دوسرے کے غم کو اتنا محسوس کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ کتنا گہرا قرب کا رشتہ ہے۔تو جب انسانی رشتوں میں یہ مثال سامنے آتی ہے تو صاف پتا چلتا ہے کہ ہر انسان کو فطرتاً یہ صلاحیت ضرور عطا کی گئی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ رشتوں کے دائرے بڑھانے کی ضرورت ہے۔خونی رشتوں سے بڑھ کر باہر نکل کر انسانوں کے ساتھ تعلقات کو قائم کرنے اور اس سلسلے میں اپنے نفس کو تربیت دینے کی ضرورت ہے۔اس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ انسان کی دبی ہوئی صلاحیتیں پھر اجاگر ہونے لگتی ہیں اور جو چیز فطرتاً عطا ہوئی ہے لیکن غفلت کی وجہ سے وہ مٹ سی گئی ہے اس کے نقوش پھر خدا کے فضل ابھرنے لگتے ہیں اور انسان کے اندر رحمت کا جذبہ بڑھتا رہتا ہے۔ایسا شخص جو اس رحمت کے جذبے کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ سخت دل ہونے لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسے سفاک لوگ بھی دیکھے جاتے ہیں جو اپنے بچوں پر ظلم کرتے ہیں، اپنی بیویوں کو نفرت کا نشانہ بناتے ہیں، اپنے گھر میں ایک جہنم بنا دیتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ گھر رحمت اور تسکین کا موجب بنے ان گھروں میں ہر سینے میں آگ بھڑک رہی ہوتی ہے اور ایسے بعض بدنصیب لوگ احمدیوں میں بھی ابھی تک موجود ہیں۔بعض بچے مجھے خط لکھتے ہیں بڑے دردناک کہ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کہاں جائیں، کیا کریں؟ جو ماں کے ساتھ ہم نے بچپن سے ظلم ہوتے دیکھے اور پھر بڑے ہو کر ہماری طرف ان ظلموں کے رخ پھیرے گئے، ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ باپ ہوتا کیا ہے اور وہ کیسے باپ ہیں جو بچوں سے پیار کرتے ہیں، اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہیں؟ شاذ شاذ خط اس مضمون کے بھی آتے ہیں اور میں حیران رہ جاتا ہوں کہ اس احمدیت کا کیا فائدہ جس احمدیت کے نتیجے میں ایک انسان انسان ہی نہ بن سکے۔اس کو وہم ہے کہ اس نے وقت کے مامور کو پہچانا اور قبول کیا کیونکہ جو شخص وقت کے مامور کو پہچانے اور قبول کرے اس کے اندر اتنی پاک تبدیلیاں لازماً ہونی چاہئیں کہ وہ جانوروں سے انسان بننا شروع ہو جائے اور رفتہ رفتہ اس کے اخلاق ترقی کریں۔اگر یہ نہیں ہے تو پھر روحانیت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔روحانیت کا مضمون تو بہت بعد کا مضمون ہے۔ یہ لطیف فضاؤں کا مضمون ہے۔جو شخص زمین کی سطح پر بھی چلنا نہیں جانتا بلکہ دھنس رہا ہے بیچ میں اس کے متعلق

یہ خیال کر لینا کہ یہ روحانی پرندہ بن کر آسمان روحانیت پر پروازیں کرے گا یہ تو بالکل پاگلوں اور جاہلوں والی باتیں ہیں اس لئے حقیقت شناس بنیں۔

ایسے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھائیں اگر شروع میں صبر نہیں تو جبراً ان اخلاق کو اختیار کریں کہ رفتہ رفتہ آپ کے اندر وہ صلاحیتیں بیدار ہو جائیں جن صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما رکھا ہے۔ آپ کو عطا فرمائی ہوئی ہیں اور ہر شخص کو عطا فرمائی ہوئی ہیں۔ سفر کے رُخ کی بات ہے۔ اگر آپ نرمی اور رحمت اور شفقت کی سمت میں سفر اختیار کرنا شروع کریں گے تو رفتہ رفتہ یہ سفر آگے بڑھتا چلا جائے گا اور آپ کے اندر حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پیدا کرتا چلا جائے گا۔ آپ اپنوں کے بھی منظور نظر ہوتے چلے جائیں گے، غیروں کے بھی منظور نظر ہوتے چلے جائیں گے۔ غیر آپ کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ آپ کو ان میں دلچسپی ہے۔ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ ان کی ذات کی خاطر اور جہاں تک آپ کے دل کی کیفیت ہوگی آپ یہ نہیں سمجھیں گے کہ آپ کسی پہ احسان کر رہے ہیں بلکہ آپ جانتے ہوں گے کہ آپ پر اپنی ذات پر یہ احسان ہے۔ ماحول کا دکھ آپ کا دکھ ہے۔ آپ کو چین نصیب ہی نہیں ہوسکتا اگر کوئی اور دکھ میں مبتلا ہے۔ تو عجیب یہ رشتہ قائم ہوتا ہے جو مذہبی تعلیم کے سوا انسانی تصور سے بالا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ درجے کی پاک تعلیم ہے جو قرآن کریم میں ملتی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوہ کی صورت میں ہم پر ظاہر ہوئی ہے اور ہمارے دل و دماغ کو اس نے روشن کر دیا ہے۔ نئے زاویوں سے ہمیں انسانیت کی تعلیم دی اور نئے زاویوں سے ہمیں انسانی خلق کو دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پس یہ رخ اختیار کریں یعنی اپنی خداداد صلاحیتوں کو چمکانے اور صیقل کرنے اور لطیف تر بنانے کا رخ اختیار کریں تو رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کو وہ مقام عطا ہو جائے گا جس کا میں ذکر کر رہا ہوں کہ جہاں دنیا آپ کو اس طرح دیکھے گی کہ آپ ان کے محسن اعظم ہیں اور آپ اس طرح دنیا کی طرف دیکھیں گے کہ گویا آپ نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ جو بھی احسان کر رہے ہیں اپنی ذات پر کر رہے ہیں اور اگر کوئی جزاء مل رہی ہے تو خدا کی طرف سے تحسین کی نظروں کی صورت میں مل رہی ہے۔

یہ وہ اعلیٰ درجے کا مرتبہ ہے جس کے نتیجے میں ایک داعی الی اللہ کی آواز میں غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، غیر معمولی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص تھوڑی باتیں بھی کرے اس کے

زیادہ پاک اثرات ظاہر ہوتے ہیں ورنہ ان خصلتوں کے بغیر انسان جتنی مرضی چالاکیوں سے کام لے، جیسی چاہے تقریریں کرے اس کو ہدایت دینے کی توفیق نہیں مل سکتی۔ پس اس مضمون کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں **من یھد اللہ فلا مضللہ** اصل ہدایت خدا کی طرف سے آتی ہے اور اس مضمون کا اس آیت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

اللہ جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو کس طرح ہدایت دیتا ہے؟ آنحضرت ﷺ کو جیسے ہدایت دی اور دوسروں کی ہدایت کا موجب بنا دیا۔ جو طریق آپؐ نے اختیار کئے ان طریقوں کو اختیار کرنے کے نتیجے میں آپؐ کو ہدایت دینے کی صلاحیتیں عطا ہوگئیں۔ پس وہ ہدایت خدا ہی کی طرف سے تھی لیکن جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قرب کی سعادت پا گیا آپ کے ذریعے خدا نے اس کو ہدایت دی لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیشہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے **و من یضللہ فلا ھادی لہ** اگر اللہ کسی کو رسوا اور گمراہ کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کا بہترین طریق یہی ہے کہ انسان خود ہدایت یافتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کرے، اللہ تعالیٰ سے فیض خیر حاصل کرے، اخلاق فاضلہ کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو لیکن اس کے باوجود بعض بدنصیب ایسے ضرور ہوں گے جن میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوگی کیونکہ وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقوں سے اتنا دور ہٹ چکے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر ہدایت قبول کرنے کا مادہ ہی باقی نہیں رہتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے۔ یہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھے ہو جاتے ہیں لوگ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو مارتے رہتے ہیں جہاں ان کے مقابلے پر نیک لوگ اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ ان پر وہی مضمون صادق آتا ہے۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس:۱۱)۔ کہ وہ شخص ہلاک ہو گیا، نامراد ہوا جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو دفنانا شروع کر دیا اور زمین میں گاڑنے لگ گیا بجائے اس کے کہ نشوونما دیتا اور ترقی دیتا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کا نور جاتا رہا مثلاً وہ دیکھنے سے عاری ہو گیا۔ فرمایا ایسی صورت میں جب ایک انسان دیکھنے سے عاری ہو جائے تو ایک سورج چھوڑ ہزار سورج چمکا کریں اس نابینا کو کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ پس ہدایت دوطرفہ مضمون ہے لیکن جہاں تک آپ کی بات کا تعلق ہے آپ کو چمکنا تو چاہئے۔ اگر آپ نہیں چمکیں گے تو مضمون ایک اور رنگ میں ظاہر ہوگا

کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں تو ہیں لیکن نور ہی نہیں چمکا تو وہ بیچارے کیا کرتے۔ پس جہاں تک ایک احمدی کی ذات کا تعلق ہے اسے ضرور چمکنا چاہئے ، اسے ضرور روشن ہونا چاہئے۔ اسے ایسا بننا چاہئے کہ اگر کوئی آنکھ رکھتا ہو تو پھر کم سے کم وہ آنکھ والا ضرور ہدایت پا سکے اور پھر خدا سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیدہ ور عطا کر ایسے روشن ضمیر انسان عطا کر جو اس روشنی سے فائدہ اٹھائیں جو تو نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

پس اس رنگ میں تمام عہدیداران کو چاہئے کہ اپنے نفس کا بھی محاسبہ کریں اور اپنے نور ہدایت کو چمکائیں اور جو داعین الی اللہ ہیں ان پر نظر رکھیں۔ بعض دفعہ ان کو خود اپنے بعض نقائص نظر نہیں آئیں گے، بعض بدخلقیاں ان کی اپنی نظر سے اوجھل رہیں گی لیکن اگر دعوت الی اللہ کا سیکرٹری بیدار مغز ہو اور ان باتوں کو سمجھ کر جو میں بیان کر رہا ہوں داعین الی اللہ کی تربیت کا پروگرام بنائیں تو اسے مزید دلچسپی لینی پڑے گی اور وسیع دلچسپی لینی پڑے گی ، یہ دیکھنا پڑے گا کہ ایک دعوت الی اللہ کرنے والے میں کیا کیا کمزوریاں ہیں اور پیار اور محبت سے اس کو سمجھانا ہوگا ، اس کو بتانا ہوگا کہ تم تو اپنے گھر میں ہی اچھے اخلاق کے نہیں ہو تو تمہاری باہر کون سنے گا۔ کچھ اپنی حالت بہتر بناؤ، کچھ لوگوں کے مرغوب نظر بننے کی کوشش کرو، کچھ اپنے اندر کشش پیدا کرو اور وہ کشش تبھی پیدا ہوگی جب تم لوگوں میں دلچسپی لو گے، گہری دلچسپی لو گے، ان سے ہمدردی کا سلوک کرو گے، ان سے پیار کا سلوک کرو گے۔ اس طریق پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے دعوت الی اللہ کرنے والوں کے کام میں غیر معمولی برکت پڑے گی۔

انفرادی طور پر نظر رکھنے کا کام کیونکہ بہت مشکل کام ہے یعنی اگر کسی کو شوق ہو ان کاموں کا تو اس کے لئے مشکل تو نہیں لیکن وقت کی مجبوری ہے اور ایک سیکرٹری دعوت الی اللہ یا سیکرٹری اصلاح وارشاد جو ایک بڑے ملک کے مرکزی عہدے پر فائز ہے اس کے لئے الگ الگ ممکن ہی نہیں ہے کہ تفصیلاً ہر ایک کے معاملات پر اس طرح گہری نظر رکھے جس طرح میں بیان کر رہا ہوں تو اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ مقامی سیکرٹریاں کی تربیت کی جائے ، ان کو سمجھایا جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ تم جو ہمیں رپورٹیں بھیجتے ہو کہ ہمیں پتا لگ جائے اتنے لوگ دعوت الی اللہ کر رہے ہیں یہ کوئی طریق نہیں ہے۔ تم ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کا کھاتہ بناؤ، اس کا ایک رجسٹر رکھو اور اس سے ہر

ہفتہ رپورٹ لیا کرو اور بوجھ نہ ڈالو بلکہ ہلکے طریق پر پوچھ لیا کرو کہ کیا اس دفعہ کوئی تجربہ ہوا، کوئی کام ہوا کہ نہیں؟ اگر زیادہ بوجھ ڈالو گے، زیادہ مطالبے شروع کر دو گے تو وہ بھاگنا شروع ہو جائے گا تم سے اس لئے پیار محبت سے ہلکا ہلکا یاددہانی کرواتے رہو اور اس کے کوائف کا ہر ہفتے اندراج کرو اور اس طرح ہر شخص پر باقاعدہ کھاتہ بننا چاہئے کہ اندراج کرنے کے بعد پھر ایک ایسا خانہ رکھو جس پر یہ درج کرو کہ ان معلومات سے میں نے کیا فائدہ اٹھایا ہے یا ان معلومات کو حاصل کرنے کے بعد شخص متعلقہ کو کیا فائدہ پہنچایا ہے؟ اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر ان کاغذی اندراجات کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہو گی۔ ایسے اندراجات سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو جایا کرتے ہیں اور ایسے اندراجات فائلوں میں دب کر نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ لکھنے والا سمجھتا ہے کہ میں نے فرض ادا کر دیا مگر اس فرض کی ادائیگی کا فائدہ کوئی نہیں پہنچتا۔

پس مومن کے وقت کی بڑی قیمت ہے۔ فضول کاموں سے اس کو بچنا چاہئے یعنی اپنے کاموں کو فضلول نہیں ہونے دینا چاہئے۔ یہ بھی تو اس کا مطلب ہے۔ پس ہر کام کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنی چاہئے۔ میرے ذہن میں جو نقشہ ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً اگر میرے سپرد کئے جائیں چند داعین الی اللہ۔ میں ان سے ہر ہفتے رابطہ رکھوں گا ان سے پوچھوں گا کہ بتاؤ تم نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا تو ان کو بعض مشورے دے دوں گا............ اچھا یہ کر کے دیکھ لیں، فلاں چیز آزمالیں۔ یہ پوچھ لوں گا مثلاً کہ آپ کے کوئی دوست آپ کے پاس آتے جاتے ہیں، ان کے پتے مجھے دے دیں میں ان کو کچھ لٹریچر بھجوا دیتا ہوں۔ ہوسکتا ہے آپ کے اور ان کے درمیان ایک شرم حائل ہو لیکن جب میں بھیجوں گا تو وہ شرم ٹوٹ جائے گی وہ خود آپ سے پوچھنا شروع کر دیں گے۔ یہ ایک مثال ہے ایسی اور بہت سی باتیں سوچی جاسکتی ہیں اور ہر شخص کے حالات کے مطابق الگ الگ بات ذہن میں آسکتی ہے۔ تو پہلی بات تو یہ کہ رابطے کے معاً بعد سیکرٹری کو یہ بتانا چاہئے کہ اسے اس رابطے کے نتیجے پر غور کرنا چاہئے۔ اس کے اندراجات کرنے چاہئیں اور یہ سوچنا چاہئے کہ میں اب اس سے کیا فائدہ اٹھاؤں گا اور کس طرح کسی کو فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر اس اندارج کے بعد اپنا لائحہ عمل درج کریں کہ فلاں داعین الی اللہ ہے اس کی یہ رپورٹ ہے یا چند ہفتوں سے میں دیکھ رہا ہوں یہ حالت ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس طریق پر اسے عملاً بیدار کیا جاسکتا ہے اور فعال بنایا جاسکتا ہے۔ پھر اس کا فرض

ہے کہ اس کے متعلق اپنے بالا افسر کو بھی رپورٹ کرے۔ بجائے اس کے کہ یہ کہے کہ دعوت الی اللہ کا کام ہو رہا ہے اس کو تفصیل سے بتائے کہ میں نے اس اس رنگ میں فلاں فلاں شخص میں دلچسپی لی ہے اب تک مجھے وقت مل سکا ہے اس لئے میں انفرادی طور پر اتنوں کی طرف توجہ کر چکا ہوں، یہ مسائل میرے سامنے آئے ہیں، اس طرح میں نے ان کا حل تجویز کیا ہے۔ اگر آپ اس سے بہتر مجھے کوئی طریق بتا سکتے ہیں تو میری راہنمائی کریں۔ غرضیکہ انفرادی رابطہ اور انفرادی رابطے کے نتیجے میں معلومات جو حاصل ہوں ان پر مزید غور اور معین لائحہ عمل بنانا یہ سیکرٹری اصلاح وارشاد کا کام ہے اور اس رنگ میں میں سمجھتا ہوں کام کرنے والے شاید دنیا میں ہی کوئی نہ ہوں کیونکہ جہاں تک میری معلومات ہیں مجھے ایک لمبا عرصہ تجربہ ہوا ہے مختلف عہدوں میں سلسلے کی خدمت کرنے کا اور تبلیغ کے متعلق میں ہمیشہ گہری نظر سے جائزہ لیتا رہا ہوں۔ میں نے کبھی آج تک اپنی زندگی میں کسی سیکرٹری تبلیغ کو اس طرح فعال نہیں دیکھا۔ سیکرٹری مال بہت فعال ہوتے ہیں۔ انہوں نے تو ساری جماعت کا بوجھ سر پہ اٹھایا ہوتا ہے، دوڑے پھرتے ہیں ان کو تو ہوش ہی نہیں رہتی۔ بعض ایسے ہیں جو صبح دفتر سے جا کر سیدھا اپنے مال کے دفتر پہنچتے ہیں اور بعض دفعہ گھر بارہ بارہ بجے تک نہیں آئے تو اس لئے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو سمجھ لیا ہے۔ اپنی جان سے لپٹا لیا ہے اس ذمہ داری کو۔ ان کو چین نہیں مل سکتا جب تک اس کو ادا نہ کریں۔ دعوت الی اللہ کے کام میں ابتدائی کام پہ بھی غور ضرور ہوتا ہے۔ ابھی زمین تیار کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زمین کے اوپر ہل چلائے جاتے ہیں، اس کو نرم کیا جاتا ہے، گھاس پھوس سے اس کو پاک کیا جاتا ہے، سہاگے پھیرے جاتے ہیں سو کام ہیں کرنے والے۔ ابھی جماعت کی دعوت الی اللہ کی زمین پر اس طرح محنت کی ضرورت ہے۔ اگر ایک دفعہ امراء اور متعلقہ عہدیداران اس رنگ میں محنت کر لیں گے تو بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس زمین میں بہت پیداوار ہوگی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کو کام کا طریقہ سکھاؤ ایک دفعہ رستہ چلنا بتا دو۔ تھوڑا سا انگلی پکڑ کے ساتھ لے جانا پڑے گا۔ ایک دفعہ وہ چل پڑے تو پھر دوڑنے لگیں گے انشاء اللہ۔ پھر وہ آپ کی انگلیاں اس لئے نہیں پکڑیں گے کہ آپ ان کو چلائیں ہوسکتا ہے کہ اس لئے پکڑیں کہ آپ ان کے ساتھ تیز چلیں اور میں نے دیکھا ہے کہ جب بیداری پیدا ہوتی ہے تو جماعت میں اس قسم کے عظیم الشان نمونے ظاہر

ہوتے ہیں۔

اب میں اگلا سوچ رہا ہوں کہ وقت ہو گیا ہے تو اگلا پوائنٹ بعد میں شروع کریں انشاء اللہ۔ میرا خیال ہے بعض نکات ہیں وہ انشاء اللہ اگلے خطبے میں پیش کروں گا کیونکہ اتنا تھوڑا وقت رہ گیا ہے میرا خیال تھا اڑھائی بجے تک ختم کروں گا۔ ایک دو منٹ رہتے ہیں اور اس عرصے میں بات شروع کی ہوئی ختم نہیں ہو سکے گی اس لئے آج کا خطبہ یہیں ختم کرتا ہوں اور آخر پر صرف اس دعا کی تحریک کرتا ہوں کہ دعا کریں کہ جو دعوت الی اللہ کے سلسلے میں ضروری باتیں ہیں اللہ تعالیٰ وہ مجھ پر بھی خوب روشن فرمائے اور جماعت بھی ان کو سن کر ان کی حقیقت سے آشنا ہو، وہ باتیں ان کے دل و دماغ میں گونجیں اور سرائیت کر جائیں اور جگہ پا جائیں اور جس طرح بیج اچھی زمین میں داخل ہو کر جڑ پکڑتا ہے اور شاخیں نکالتا ہے اس طرح یہ باتیں جماعت کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ جائیں اور شاخیں نکالیں اور دیکھتے دیکھتے جماعت میں دعوت الی اللہ کی کھیتی ہری بھری ہو جائے اور ساری دنیا سے خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے سائے دراز ہو جائیں خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

ہر ملک میں مراکز دعوت الی اللہ کے مستقل قیام کیلئے ہدایات

داعیین الی اللہ خدا نما وجود بننے کی کوشش کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

دعوت الی اللہ کے کام کو زیادہ منظّم اور مرتب کرنے کے سلسلہ میں میں کچھ ہدایات دے رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں ایک بہت ہی اہم چیز یہ ہے کہ ہر ملک میں کم از کم ایک مرکز دعوت الی اللہ کے مستقل قیام کی ضرورت ہے۔ اب یہاں انگلستان میں جہاں لندن میں ہیڈ کوارٹر ہے وہاں اگر کوئی باہر سے دعوت الی اللہ کرنے والا حاضر ہو یا اپنے کسی دوست کو لے کر آئے تو کوئی ایسا الگ ہال یا کمرہ نہیں ہے جہاں دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی ضرورتیں بھی مہیا ہوتی ہوں اور دعوت الی اللہ کے کام کو سکھانے کے لئے انتظام بھی موجود ہو۔ اس سلسلہ میں جس قسم کے مرکز کا قیام میرے ذہن میں ہے میں اس پر مزید تفصیل سے روشنی ڈالتا ہوں۔ میرے خیال میں ہر جگہ جہاں کوئی مربی ہو یا تمام بڑی جماعتوں میں یا کم از کم آغاز میں ملک کے ہیڈ کوارٹر میں جہاں ملک کا مرکز ہو وہاں ایک جگہ خصوصیت سے دعوت الی اللہ کے لئے مخصوص کرنی چاہئے اور اس میں دعوت الی اللہ میں استعمال ہونے والی وہ تمام ضروریات مہیا ہونی چاہئیں جن کا خصوصیت سے اس ملک سے تعلق ہو۔ کچھ تو ایسی ضروریات ہیں جو تمام دنیا میں مشترک ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کا مختلف ملکوں سے خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ پس جو مشترک ضروریات ہیں وہ تو ہر ملک میں اس طرح ہوں گی لیکن خصوصی ضروریات مثلاً گھانا Ghana سے تعلق رکھنے والی، بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والی، امریکہ

یا کینیڈا سے تعلق رکھنے والی یہ ان ہی ممالک میں ہوں گی جہاں ان کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسے مراکز میں قرآن کریم کے مختلف تراجم موجود ہونے چاہئیں۔یعنی اس حد تک موجود ہونے چاہئیں جس حد تک اس ملک میں ضرورت پیش آسکتی ہے۔وسیع لائبریری الگ موجود ہے یعنی ہدایت ہے کہ ہر ملک میں قائم کردی جائے۔اس لئے اس لائبریری کا اعادہ مقصود نہیں مگر اس میں سے وہ حصہ جس کی اس ملک میں دعوت الی اللہ کے لئے ضرورت ہے وہ منتخب کر کے اسے ضرور وہاں اس کمرہ میں سجانا چاہئے۔مثلاً اگر بنگال ہے تو قرآن کریم کا بنگلہ ترجمہ اور اس سلسلہ میں جماعت کی طرف سے جو اور خدمات کی گئی ہوں ان کے وہ سارے نمونے موجود ہونے چاہئیں،اسی طرح بنگال میں جو دوسری اقلیتیں پائی جاتی ہیں جن کی زبان الگ ہے لیکن بنگال میں ایک معقول تعداد میں وہ لوگ موجود ہیں ان کے لئے بھی ضرورت کا سامان مہیا ہونا چاہئے۔مثلاً چٹا گانگ کے علاقہ میں بعض ایسی جگہیں ہیں جہاں برمی زبان سمجھی جاتی ہے۔اس لئے اگر چٹا گانگ میں یہ مرکز قائم ہو تو برمی زبان کا لٹریچر بھی وہاں موجود ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کے لئے معلومات مہیا ہونی چاہئیں کہ یہاں کیا کیا ہے؟ اور اس کے باقاعدہ چارٹس بن کر اس کمرے میں لٹکنے چاہئیں جو تعارف کا رنگ رکھتے ہوں گے۔مثلاً یہ ذکر ہو کہ ہمارے پاس آڈیو ویڈیو میں یہ یہ چیزیں یہاں موجود ہیں۔ان کو دکھانے کا انتظام موجود ہے۔ان ان زبانوں میں یہ چیزیں موجود ہیں۔اگر آپ میں سے کسی کو دلچسپی ہو تو ان کو دکھانے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔یعنی یہ حصہ لکھنا ضروری نہیں لیکن یہ بتانا ضروری ہے۔اس کے علاوہ لٹریچر میں سے مختلف زبانوں میں جو لٹریچر موجود ہے اس کا تعارف ہوتا کہ آنے والا سب سے پہلے اس چارٹ کو ملاحظہ کر کے یہ معلوم کرے کہ ہمارے پاس یہاں کیا کچھ ہے۔اس کے بعد اس کمرے میں تمام ضروری لٹریچر بھی جو تبلیغ کے سلسلہ میں استعمال ہوتا ہو وہ موجود ہونا چاہئے۔آڈیو ویڈیو کیسٹ کے نمونے ہونے چاہئیں اور ان کے دکھانے کا انتظام ہونا چاہئے اور وہ لٹریچر جس کے متعلق یہ خیال ہو کہ اس کا مطالبہ ہوسکتا ہے اس کا سٹاک کسی جگہ موجود ہونا چاہئے۔اس کمرے کے معائنہ کے بعد اگر کسی کو کسی خاص کتاب میں،کسی آڈیو ویڈیو میں دلچسپی پیدا ہو تو معلوم ہو کہ وہ کیسے حاصل کی جائیں گی اور کتنی دیر میں وہ مہیا ہوسکتی ہیں۔وہ چیزیں جو قیمتاً مہیا ہونی ہیں ان کے متعلق معلوم ہونا چاہئے جو

جماعت کی طرف سے تحفۃً پیش کی جاسکتی ہیں ان کے متعلق معلومات مہیا ہونی چاہئیں ۔ غرضیکہ ایک ایسا کمرہ ہو جس میں اٹھنے بیٹھنے کا بھی انتظام ہو۔ اگر چائے وغیرہ کی سہولت مہیا کی جاسکے تو اور بھی بہتر ہے ورنہ کم از کم تبلیغی ضروریات کے سلسلہ میں تمام چیزیں موجود ہونی چاہئیں ۔

اس کے علاوہ ہمارے لٹریچر میں جو حوالے مذکور ہیں جو کثرت سے استعمال ہونے والے ہیں اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں ۔ کچھ کا عیسائیت سے تعلق ہے کچھ کا ہندوازم سے، کچھ کا سکھ ازم سے، بالعموم یہ دیکھا گیا ہے کہ جب دعوت الی اللہ کرنے والے کو کوئی سوال کرتا ہے کہ تم نے جو فلاں اقتباس بتایا ہے کہ ہماری کتابوں میں موجود ہے یہ دکھاؤ کہاں ہے تو دو طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں ۔ اول یہ کہ اصل کتاب اس ملک میں ہی موجود نہیں ہوتی دوسرے حوالے ناقص ہوتے ہیں ۔ اور ہمارے پرانے طبع شدہ لٹریچر میں یہ بہت بڑی مشکل ہے کہ حوالوں کا انداز ایسا مضمون نگار کا ساتھا واقعاتی طور پر صحت کے ساتھ اعداد و شمار درج کرنے کا رجحان ہر شخص میں نہیں پایا جاتا۔ اس زمانہ میں جو مضمون لکھنے والے مضمون نگار تھے وہ بڑے اچھے اچھے دعوت الی اللہ کی مہارت رکھنے والے لوگ تھے ۔ لیکن کتابوں کے حوالوں کے فن سے ناواقف تھے ۔ اور چونکہ سچ بولنے والے تھے اس لئے وہ اپنے بھولپن میں یہ سمجھنے لگ جاتے تھے کہ ہم نے تو حوالہ دیکھا ہے ہم جانتے ہیں کہ سچا ہے بس یہی کافی ہے اور ذکر کر دیا کہ فلاں جگہ حوالہ موجود ہے اور اکثر علمی کتابیں جو شائع بھی ہوئی ہیں ان میں ایسے حوالے ہیں کہ دیکھئے ، بدر سن ۱۹۰۰ فلاں یا الحکم ۱۹۰۰ فلاں اور اس حوالے سے آگے پھر وید کا حوالہ یا گیتا کا حوالہ ہے یا بائبل کا حوالہ ہے حالانکہ معمولی سی بات ہے کہ جو کتابیں مستقل نوعیت کی ہیں سب دنیا میں شائع شدہ ہیں ان کے حوالوں کی تلاش کے لئے کوئی بدر کے فلاں سن کے پرچے میں جائے گا اور وہاں سے جا کر ڈھونڈے گا۔ تو مضمون نگاروں نے اپنے بھول پن میں یا سہل انگاری سے ایسے حوالے درج کر دیئے جن تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے اور ان کی تلاش ان رستوں سے بے ضرورت ہے جو رستے وہاں دکھائے گئے ہیں ۔ پھر جب ان حوالوں کو دیکھا جاتا ہے جو اصل کتاب کے ہیں تو بسا اوقات یہ دقت پیش آتی ہے کہ وہاں ایڈیشن کا ذکر نہیں کہ کس ایڈیشن کے کس صفحہ کا حوالہ ہے ۔ گویا کہ صرف ایک ہی ایڈیشن ساری عمر میں اس کتاب کا شائع ہوا ہے اور جو شخص بھی کہیں سے وہ کتاب اٹھائے گا اس کو سیدھا اس صفحہ پر وہ حوالہ دکھائی دے گا ۔ تو کئی دعوت الی اللہ

کرنے والوں کو بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔ جب اصل کتاب دکھائی جائے تو وہاں سے کچھ بھی نہیں نکلتا حالانکہ حوالے موجود ہیں۔ پھر ترجموں سے متعلق اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ یہ ترجمہ ہم تسلیم نہیں کرتے اور اس کے مستند ترجمہ کرنے والے کی کتاب پیش کی جانی ضروری ہے اور ایک سے زیادہ ایسے ترجموں کے حوالے دینے چاہئیں جو مدمقابل کو منظور ہوں اس لئے بہت ضروری ہے کہ حوالوں کے سلسلہ میں دعوت الی اللہ کے مرکز میں کچھ ایسا مواد موجود ہو جسے تبلیغ کا شوق رکھنے والے، روزمرہ اگر وہ آسکتے ہیں ورنہ کبھی کبھی جب بھی آسکیں، آکر دیکھیں، ان حوالوں کا مطالعہ کریں، اور خود تسلی پکڑ لیں کہ ہاں یہ چیز اس شکل میں فلاں جگہ موجود ہے، اس سلسلہ میں ایک دقت یہ ہے کہ اگر یہ ساری اصل کتب مہیا کی جائیں تو بہت ضخیم لائبریری بن جائے گی۔ اس لئے ہم نے اس کا یہ علاج سوچا ہے کہ اصل کتاب سے فوٹو سٹیٹ یعنی عکسی تصویریں اتار کر ان کے حوالے وہاں اکٹھے کر دیئے جائیں اور منضبط کر دیئے جائیں تاکہ جس طرح کمپیوٹر کے ذریعہ معلومات حاصل کی جاتی ہیں اسی طرح ان حوالوں تک پہنچنے کے لئے کوئی ایسا چھوٹا سا کتابچہ ہو جس کی مدد سے ایک شخص معین طور پر معلوم کر سکے کہ جس حوالے کی مجھے ضرورت ہے اس کی عکسی تصویر کہاں ہے اور عکسی تصویر کی کچھ کتابیں بنوائی جاسکتی ہیں وہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دو عکسی تصویروں کی کتابیں بنوا کر ہم نے ایک دفعہ تمام مشنز کو بھجوائی بھی تھیں جو روزمرہ کے استعمال ہونے والے جماعت کے حوالے ہیں۔ وہ ان پر مشتمل تھیں لیکن ہر مذہب کے لئے خصوصی حوالوں کی کتابیں تیار ہونی چاہئیں۔ ایک دفعہ میں کوئٹہ میں ایک مجلس سوال و جواب میں شامل ہوا تھا وہاں ایک شخص نے اعتراض کر دیا کہ آپ پرانوں کا حوالہ دے کر حضرت مسیحؑ کے کشمیر کے سفر کا ذکر کرتے ہیں لیکن جو حوالہ آپ نے دیا ہے یہ تو ہے ہی نہیں یہ حوالہ غلط ہے اور میں ثابت کر سکتا ہوں۔ ان کے پاس کوئی ایسی کتاب ہوگی جس میں وہ حوالہ مختلف طریق پر درج ہوگا یا مختلف صفحوں پر درج ہوگا۔ ہمارے درج کرنے والے نے جس کتاب کا حوالہ دیا اس کے صفحے اور تھے، اس کی ترتیب اور تھی، تو اس وقت فوری طور پر تو میں اس کے چیلنج کو قبول نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ وہ حوالہ کہاں ہے اور اس کا ترجمہ بھی درست ہے یا نہیں لیکن میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ حوالہ درست موجود ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے۔ اس میں غلطی کا کوئی دور کا بھی شائبہ نہیں ہے لیکن میں جا کر تلاش

کروں گا۔ کوئٹہ سے ربوہ آ کر تلاش کرنے کے بعد اس حوالے کا علم ہوا اور یہاں انگلستان آنے کے بعد ایک پنڈت کو میں نے وہ حوالہ بھجوایا اور ان سے درخواست کی کہ آپ خود اس کا ترجمہ تفصیل سے کر کے دیں۔ تفصیل سے مراد یہ تھی کہ اس حوالے سے کچھ پہلے کی آیات کا بھی اور کچھ بعد کی آیات کا بھی یا آیات نہ کہیں تو فقرات کا ترجمہ تا کہ سیاق وسباق کا علم ہو سکے۔ انہوں نے جب وہ ترجمہ کر کے بھیجا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارے ہاں شروع سے جو ترجمہ مروج ہے اس کے مقابل پر یہ ترجمہ ہماری بہت زیادہ تائید کرنے والا ہے۔ مثلاً اس حوالے میں راجہ شال باہن کا ذکر ہے، یوز آسف کا ذکر ہے لیکن مسیحؑ کا ذکر نہیں ملتا۔ ہمارے ترجمے جو عام طور پر مروج ہیں ان میں مسیحؑ کا نام نہیں ملتا۔ لیکن یہ ہندو پنڈت جس کو علم بھی نہیں تھا کہ میں کیوں اس کا ترجمہ کروا رہا ہوں، اس نے جب یوز آسف کا ذکر کیا تو یوز آسف کے ضمناً ایک ذکر کے بعد جب اس کا اصل ذکر اس طرح آتا ہے کہ راجہ شال باہن کا اس نئے آنے والے کے ساتھ سوال و جواب ہوا جس کو انہوں نے وادی میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ پھرتے ہوئے دیکھا تھا تو اس سوال و جواب میں راجہ شال باہن نے جب اس آنے والے اجنبی سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے تو انہوں نے کہا: مشیحو اور مسیح اور مشیح یہ ایک ہی چیز کے دو تلفظ ہیں اور بعد میں بھی میسحو نام سے وہ ذات مبارک اپنے آپ کو متعارف کراتی رہی اور اسی حوالے سے بات کرتی رہی۔ چنانچہ جو تفصیلی حوالہ ہے وہ بہت زیادہ قوی شواہد ہماری تائید میں رکھتا ہے۔

یہ جو ایک عادت پڑ چکی ہے کہ پرانے حوالے جس قسم کے بھی درج ہوئے ہیں ان کو اسی طرح لئے چلو اور اصل کو دیکھو ہی نا۔ اس سے دعوت الی اللہ کے کام کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور دعوت الی اللہ کرنے والے کا دماغ بھی وسعت اختیار نہیں کرتا۔ یہ عادت پیدا کرنی چاہئے اور اس عادت کو پورا کرنے کے لئے سامان مہیا کرنے چاہئیں کہ دعوت الی اللہ کرنے والے جماعت کی طرف سے جو حوالے پیش کرتے ہیں وہ خود ان حوالوں کا مطالعہ کریں اور مختلف پہلوؤں سے ان کا مطالعہ کر کے۔ جائزہ لے کر اپنے دل کو پوری طرح اطمینان دلائیں کہ جماعت احمدیہ جو بات کہتی ہے سو فیصدی درست ہے اور اگر کوئی اس کو چیلنج کرے تو اس کے مقابل پر اس کو بلا کر دکھا سکیں۔ اصل کتاب کی فوٹو سٹیٹ اگر دکھا دی جائے تو اس سے بہت حد تک تسلی ہو جاتی ہے لیکن چونکہ یہ دعوت الی اللہ کے لئے قطعی ذریعہ ہے مگر آنے والا ممکن ہے یہ کہے کہ نہیں! اصل کتاب دیکھنا چاہتا

ہوں تو اس کی اصلی کتاب کے متعلق بھی یہ معلومات ہونی چاہئیں کہ کہاں موجود ہے اگر اس ملک میں موجود نہیں ہے تو کس جگہ موجود ہے؟ اس کی کسی لائبریری سے پتہ کرنا چاہئے کہ اس ملک کی کسی لائبریری میں موجود ہے کہ نہیں چنانچہ اس کے متعلق بھی معلومات ہونی چاہئیں۔ بہت سی کتابیں ہیں جن میں ایک اور نقص یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ حوالہ اس وقت کے لحاظ سے درست تھا لیکن بعد میں تبدیلیاں پیدا کر لی گئیں اور چونکہ وہ مخصوص حوالہ جماعت احمدیہ کی تائید میں ایک روشن نشان کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے مدمقابل نے تحریف سے کام لیتے ہوئے بعد میں جو کتب شائع کیں ان میں سے وہ حوالہ غائب کر دیا گیا۔

مولوی دوست محمد صاحب نے اس سلسلہ میں ایک دفعہ تحقیق کر کے ایک بہت ہی عمدہ مضمون شائع کیا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ بعض ظالموں نے احادیث میں بھی تحریف کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ کو اس کا فائدہ پہنچتا تھا۔ اسی طرح عیسائیوں نے تحریف سے کام لیا ہے۔ بائیبل کے بعض پرانے نسخوں میں اسلام کی تائید میں کھلا کھلا حوالہ موجود ہے لیکن بعد میں شائع ہونے والے نسخوں میں وہ حوالہ موجود نہیں ہے۔ جنم ساکھی بھائی بالا سکھوں کے لئے اتنی مقدس کتاب ہے۔ لیکن وہاں بھی ایک جگہ تحریف سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً وہ حوالہ جس میں بٹالہ کے پرگنہ میں ایک ایسے گورو کے ظاہر ہونے کی خوشخبری حضرت بابا گورو نانک نے دی جس کے متعلق فرمایا کہ وہ بھگت کبیر سے بھی بڑا ہوگا۔ اب بڑی معین پیشگوئی ہے لیکن اب آپ جنم ساکھی بھائی بالا کو اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو وہ پیشگوئی کہیں دکھائی نہیں دے گی لیکن ہمارے لٹریچر میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف کتابوں کے بہت سے حوالے دیئے ہیں جن میں بعد میں تحریف کر لی گئی اور بعد کے ایڈیشنز میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

تو دعوت الی اللہ کا کام بہت احتیاط کا کام ہے اور بہت غور اور فکر کے ساتھ اس کے سارے پہلوؤں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ پس معلوم کرنا چاہئے اور اگر کسی ملک میں ایسے وسائل نہ ہوں کہ وہ خود معلوم کر سکیں تو مرکز کو لکھ کر اپنی مشکلات پیش کریں اور تمام وہ حوالے جن کا روزمرہ کسی ملک میں استعمال ہوتا ہو کم از کم ان حوالوں کو مگر کوشش یہی کرنی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ حوالوں کو ایسے رنگ میں محفوظ کر لیا جائے کہ جب بھی کوئی اس کے متعلق مزید جستجو کرنا چاہے اس کے پاس کافی مواد موجود

ہو۔حوالوں کو ترتیب دی جائے۔اصل اقتباسات کی فوٹو سٹیٹس یعنی عکسی تصویریں مہیا کی جائیں اوران سے متعلق مختصر تعارف کرایا جائے کہ یہ فلاں ایڈیشن میں موجود تھا بعد کے ایڈیشنز میں تحریف ہوئی۔تحریف شدہ ایڈیشنز کی فوٹو سٹیٹس بھی شامل کی جائیں۔ یہ معلومات مہیا کی جائیں کہ فلاں فلاں لائبریری میں یہ مواد آج بھی موجود ہے اور مثلاً اگر برٹش میوزیم کی لائبریری میں کوئی پرانی کتاب اصل صورت میں موجود ہے تو اس سے مصدقہ نقول حاصل کرنی چاہئیں کیونکہ جب ان باتوں کا چرچا ہوا اور دشمن اپنے آپ کو مغلوب دیکھے تو بعض دفعہ شرارت کرتا ہے۔بعض دفعہ کتابوں کو نقصان پہنچا تا ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ہیں کہ بعض ضروری کتب کو دشمن چرا کر لے گیا اور ضائع کر دیا اوران کی حفاظت کی چونکہ پوری احتیاط نہیں کی گئی تھی اس لئے سلسلہ کو نقصان پہنچا۔ ربوہ میں بھی جب باہر سے سوال وجواب کے لئے وفود آیا کرتے تھے تو ان میں بعض تنگ نظر اور متعصب لوگ بھی آجایا کرتے تھے تو مجھے لائبریرین صاحب سے علم ہوا کہ انہوں نے وہاں یہ حرکت کرنی شروع کر دی۔ جو نایاب نسخے جماعت کی تائید میں استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ایک نسخہ ایک مولوی صاحب نے جیب میں ڈالا اور کھسک گئے اور نسخہ پھر غائب ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا متبادل پھر مہیا ہوا کہ نہیں۔مگر ایسے واقعات ہوتے ہیں۔

اس لئے اقتباسات کے سلسلہ میں یہ احتیاط کی جائے کہ اپنے اپنے ملک میں جہاں وہ اصل کتاب موجود ہو اس کا حرف عکس نہ اٹھایا جائے بلکہ اس کے اوپر لائبریرین کی تصدیق کرائی جائے کہ ہم نے یہ عکس با قاعدہ طور پر تصدیق کرنے کے بعد جاری کیا ہے اوراس کے بعد پھر اگر کوئی شرارت کرتا بھی ہے تو اس شرارت کا اتنا بڑا نقصان نہیں ہوگا۔تو ان معنوں میں دعوت الی اللہ کے مراکز تیار کرنے چاہئیں جو معنی میں نے بیان کئے ہیں اور پھران میں آڈیو ویڈیو کا تعارف بھی ہو مختلف مواقع پر جو سوال وجواب کی مجالس ہیں یا دوروں کی تصاویر ہیں یا جلسہ سالانہ کی روئیداد ہے اس کے متعلق پہلے تعارف ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس یہ یہ چیزیں موجود ہیں اور کس کس قسم کے لوگوں کے لئے کون کون سا مواد موجود ہے اوراس کے دکھانے کا انتظام ہو تو جو بھی باہر کی جماعتوں سے یا مقامی شہر سے آتا ہے وہ کچھ عرصہ بیٹھے، اس کا دل لگے اوراس کو معلوم ہو کہ میرا کہاں مقام ہے جہاں آکر میں نے مزید معلومات حاصل کرنی ہیں۔اس دفتر سے اپنائیت کا احساس پیدا ہوا اور وہاں رونق

لگنی شروع ہو اور دوستوں کو لا کر یعنی غیر احمدی دوستوں کو بھی لا کر وہاں بٹھایا جائے اور وہاں کے آڈیو ویڈیو لٹریچر سے استفادہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ اس سنٹر میں ایسا رجسٹر ہونا چاہئے جہاں مطالبات کا اندراج ہو۔ اس کے کھلنے کے باقاعدہ اوقات مقرر ہونے چاہئیں۔ مطالبات کا اندراج ان معنوں میں ہو کہ ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے فلاں فلاں کتب کی ضرورت ہے لیکن وہ کتابیں ان کے پاس نہیں ہیں تو وہاں سیکرٹری ہو خواہ وہ مستقل طور پر تنخواہ دار ملازم کے طور پر رکھا گیا ہو یا جیسا کہ بہتر رواج ہے کہ کوئی رضا کار اپنا وقت دے کر وہاں بیٹھا ہو اور اس کا فرض ہو کہ کسی رجسٹر پر ایسے مطالبات درج کریں اور کارروائی کے خانہ میں بعد ازاں یہ درج کرے کہ اس مطالبے کی کب تعمیل ہوئی ورنہ بعض دفعہ ۶۔۶ مہینے کے بعد لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ جی ہم فلاں جگہ گئے تھے اور وہاں ہم نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ فلاں لٹریچر بھیجا جائے، فلاں کیسٹ مہیا کی جائے اور ہمارے دوست آج تک مانگتے ہیں اور ہم شرمندہ ہیں لیکن ہمیں اب تک وہ مہیا نہیں کی گئی۔ پوچھنے والے بھی چھ چھ مہینے کے بعد بتاتے ہیں اور اس وقت یہ بھی نہیں پتہ لگتا کہ کس سے پوچھا گیا تھا۔ کہاں یہ مطالبہ درج ہے اس لئے لٹریچر کا مطالبہ ہو یا آڈیو ویڈیو کیسٹس کا ہو لازماً کسی رجسٹر میں وہ مطالبات درج ہونے چاہئیں اور ان پر کارروائی کا خانہ خالی رہے جب تک وہ کارروائی ہو نہیں جاتی اور اگر کچھ عرصہ تک کارروائی نہیں ہوتی تو یہ اندراج ہو کہ کیوں کارروائی نہیں ہوئی اور ایسی باتیں جن کا مجبوریوں سے تعلق ہو مثلاً کوشش کے باوجود وہ چیز دستیاب نہیں ہو رہی تو ان کے متعلق مجھے بھی لکھنا چاہئے۔ جہاں روزمرہ کی کاروائی ہو رہی ہے وہاں مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن جہاں کوئی مشکل درپیش ہو، کوئی روک پیدا ہو جائے تو وہاں ضرور مجھے اطلاع کرنی چاہئے کہ فلاں ملک میں فلاں دعوت الی اللہ کے کام کے سلسلہ میں یہ روک ہمارے رستہ میں حائل ہوئی ہے تاکہ حتی المقدور اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے علاوہ ایک ایسا رجسٹر ہونا چاہئے جس میں مخالفین کی جوابی کارروائی یا ابتدائی طور پر ان کی طرف سے جماعت کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کا ذکر ہو کر آگے کارروائی کے خانہ میں یہ ذکر کیا جائے کہ ہم نے اس کے جواب میں کیا اقدامات کئے ہیں۔ بعض دفعہ ایسی باتیں علم میں آتی ہیں جن کے متعلق جوابی کارروائی کرنے کا کوئی اپنے آپ کو ذمہ دار ہی نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھتے ہیں ہر

جوابی کارروائی براہ راست مرکز سے ہونی چاہئے مثلاً انگلستان میں بعض دفعہ عیسائیوں کی طرف سے، بعض دفعہ دوسرے مسلمانوں کی طرف سے جماعت کے خلاف اشتعال انگیز لٹریچر، غلط فہمیاں پھیلانے والا لٹریچر تقسیم کیا جاتا ہے اور یہاں کوئی شخص اپنے آپ کو یہ ذمہ دار نہیں سمجھتا کہ اگر خلیفہ وقت یہاں موجود نہ ہوتو تب بھی ہماری لازماً ذمہ داری ہے کہ ہم خود اس کا جواب دیں یا جواب تلاش کریں۔فوری طور پر جماعت کو مطلع کریں کہ کیا کارروائی کی جارہی ہے۔بعض دفعہ کئی کئی مہینے کے بعد اتفاقاً کوئی احمدی دوست وہ لٹریچر اٹھا کر مجھے بھجوادیتا ہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں وقت سے یہ لٹریچر تقسیم ہورہا ہے اور ہمارے بچوں کے دماغوں پر برا اثر پڑ رہا ہے یعنی اگر وہ اس سے منفی رنگ میں متاثر نہیں بھی ہوئے تو تکلیف کا اثر تو ضرور پڑتا ہے۔ بے چینی پیدا ہوتی ہے۔وہ کہتے ہیں ایسی باتیں کی جارہی ہیں ہماری طرف سے کیا جواب ہے تو ایسی اطلاع ملنے پر جب میں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعۃً یہ بات درست ہے اور وہ بات یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیوں سے مناظروں کے دوران جہاں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سختی کی گئی ہے اور آپ کی گویا ہتک کی گئی ہے۔ان الفاظ کو سیاق وسباق سے نکال کر اس طرح پیش کیا گیا کہ جس کے نتیجہ میں بہت ہی غلط تاثر پیدا ہوتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں حضرت مسیحؑ کی کوئی بھی عزت نہیں تھی بلکہ آپ ان کو یہ اور یہ اور یہ اور یہ سمجھتے تھے اور الفاظ ایسے ہیں جن سے واقعۃً طبیعت ایک دفعہ مکدر ہو جاتی ہے کہ اگر مسیحؑ واقعی نعوذ باللہ ایسے خوفناک شخص تھے تو نبی اللہ تو درکنار وہ ایک عام شریف انسان کہلانے کے مستحق بھی نہیں رہتے۔یہ تاثر ہے جو قائم کیا جاتا ہے اور قائم کیا جارہا تھا اور مہینوں گزر گئے لیکن جماعت انگلستان کو یہ خیال نہیں آیا کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم فوری طور پر معلوم کریں کہ ان باتوں کا جواب کہاں پہلے سے موجود ہے۔اگر نہیں ہے تو فوری طور پر اس کا جواب تیار کروایا جائے اور تقسیم کروایا جائے۔چنانچہ میں نے پھر اس کا جواب لکھوایا اور ''حضرت مسیحؑ کی ہتک کا الزام'' کچھ اس قسم کا اس کا عنوان ہے اور اسے پھر باقاعدہ شائع کروایا۔میں نہیں جانتا کہ ابھی تک جماعت انگلستان نے اس کا انگریزی ترجمہ کر کے تقسیم کرایا ہے کہ نہیں۔مگر جب اس کا جواب آپ پڑھتے ہیں تو صورت حال بالکل برعکس ہو جاتی ہے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احترام پہلے کی نسبت کئی گنا دل میں بڑھ

جاتا ہے۔ کیونکہ اس مناظرے کا پس منظر بتایا جاتا ہے وہ صورت حال بتائی جاتی ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیسائیوں پر یہ جوابی حملہ کیا ہے اور جب خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں یہ سمجھایا جاتا ہے کہ یہ حملہ ہرگز اس پاک اور مقدس ذات پر نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں مسیح نبی اللہ کے طور پر ملتا ہے بلکہ اس فرضی وجود پر ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور عیسائیوں کے لٹریچر میں خود ان کی اپنی زبان سے اس کا یہ تعارف کروایا گیا ہے اور جب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس قسم کے جوابی حملے کی ضرورت کیوں پیش آئی تو پڑھنے والے کا دل بجائے اس کے کہ احمدیت سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متنفر ہوا چانک حضرت مسیح موعودؑ اور احمدیت کی تائید میں اس کا دل پلٹ جاتا ہے۔

چنانچہ اس کا ایک تجربہ ہالینڈ میں ہوا وہاں احمدیت کے ایک بہت پرانے واقف اور جماعت میں آنے جانے والے دوست تھے جو غالباً گزشتہ ۲۴ سال سے یا اس سے بھی شاید زائد عرصہ سے ہالینڈ میں تھے۔ وہ ایک اچھے عالم اور علم دوست انسان تھے۔ ان کے متعلق جب مجھ سے تعارف کروایا گیا کہ انہوں نے حال ہی میں بیعت کی ہے تو میں نے ان سے پوچھا کہ کس طرح آپ کو بیعت کی توفیق ملی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے آپ کے مقامی امام نے ایک رسالہ ڈچ زبان میں ترجمہ کے لئے بھجوایا تھا اور اس کا عنوان ہے: ''حضرت مسیحؑ کی ہتک یا گستاخی کا الزام اور اس کا جواب'' وہ کہتے ہیں جب میں نے وہ پڑھا تو حضرت مسیحؑ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اس طرح دلنشین ہوگئی کہ اس کے بعد میرے لئے کسی تردد کا کوئی سوال باقی نہیں رہا۔ پس وہی چیز جسے ایک رنگ میں دشمن پیش کرتا ہے اور احمدیت سے متنفر کر دیتا ہے جب صحیح پس منظر میں پیش کی جائے تو احمدیت کی محبت پیدا کرنے کا موجب بن جاتی ہے۔

پس اس پہلو سے ہر ملک کا فرض ہے کہ دشمن کی کارروائیوں پر نظر رکھے اور یہ علم ہوتے ہی کہ فلاں قسم کا لٹریچر جماعت کے خلاف شائع کیا جا رہا ہے فوری طور پر معلوم کیا جائے کہ اس لٹریچر کا پہلے کون سا موثر اور شافی جواب موجود ہے۔ اگر نہ ہو یا اس وقت کے حالات کے تقاضوں کے مطابق پورا نہ ہو تو نیا لٹریچر تیار کیا جائے لیکن یہ کام لازماً اول طور پر سیکرٹری اصلاح و ارشاد کا ہے اور چونکہ سیکرٹری دعوت الی اللہ اسی کے تابع ہے یا اسی کے دو نام ہو سکتے ہیں اس لئے جہاں تک مجھے یاد ہے یہ

الگ سیکرٹری نہیں ہے لیکن اگر الگ سیکرٹری مقرر ہو گیا ہو تو اس کی تصحیح کر لی جائے۔ بہر حال اول طور پر یہ کام اصلاح وارشاد کے سیکرٹری کا ہے اور اس کے ساتھ اگر سیکرٹری اشاعت ہے تو اس کا بھی یہ کام ہے اور اگر الگ سیکرٹری دعوت الی اللہ ہے تو اس کا بھی یہ کام ہے۔ ان تینوں میں سے جس کو بھی پہلے معلوم ہو کہ فلاں قسم کا مخالفانہ حملہ شروع ہو چکا ہے تو اس کا اولین فرض ہے کہ وہ فوری طور پر اپنے ساتھیوں کو بھی مطلع کرے، امیر کو مطلع کرے اور جوابی کارروائی کے لئے فوری طور پر پہلے تحقیق شروع کی جائے اور تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا جائے کہ کسی پرانے شائع شدہ رسالہ کو جواباً شائع کرنے کی ضرورت ہے یا نیا رسالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس تیزی سے اس کے متعلق کارروائی ہونی چاہئے کہ جیسے بجلی کی سرعت سے کام کیا جاتا ہے۔ ورنہ بعض دفعہ مہینوں، بعض دفعہ سالوں جماعت کی مخالفانہ کارروائیوں کا علم رکھنے کے باوجود جوابی کارروائی نہیں ہو رہی ہوتی اور ایک قسم کا انجماد سا پایا جاتا ہے، بے حسی سی پائی جاتی ہے۔ اس طرح تو دعوت الی اللہ کے کام نہیں چل سکتے۔

ایسا تیزی سے رد عمل ہونا چاہئے جیسے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دکھایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ اکیلے تھے۔ کوئی مدد و معاون، کوئی مددگار نہیں تھا جب آپ نے کام کا آغاز کیا ہے اور مامور ہونے سے پہلے سے آپ کے دل کی کیفیت یہ تھی کہ اسلام پر حملہ ہو سہی شدید بے تاب ہو جاتے تھے اور فوراً جوابی کارروائی کرتے تھے۔ بعض دفعہ بعض رسالوں کے جواب آپ نے راتوں رات بیٹھ کر لکھے اور ان کو ایک یا دو راتوں میں ہی تیار کر کے اس مضمون کو شائع کروادیا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ تو اس زمانے میں مددگار نسبتاً کم تھے۔ لیکن جو بھی تھے وہ والہانہ جذبے رکھتے تھے اور چونکہ احساس بہت شدید تھا اور دین کی غیرت اور دین کی محبت ایک بہت بلند مقام پر فائز تھی اس لئے یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اسلام کے خلاف کوئی کارروائی ہو اور اس کے جواب میں فوری کارروائی رونما نہ ہو۔

اب یہ جو کیفیت میں دیکھ رہا ہوں اس کی وجہ سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے کہ یہ کیوں سمجھا جاتا ہے کہ مجھے ان باتوں کی صرف اطلاع کر دینا کافی ہے۔ بعض دفعہ ربوہ سے بھی صدر انجمن کے کارکنوں کی طرف سے بھی ایسی غلطی ہوتی ہے کہ اطلاع کر دیتے ہیں اور آگے یہ بھی نہیں لکھتے کہ اس کے جواب میں ہم نے کیا کارروائی کی ہے۔ بار بار ان کو لکھ کر اور سمجھانے کے

بعد اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی حد تک اصلاح ہوئی ہے لیکن ابھی بھی بعض دفعہ ایسی حرکت ہو جاتی ہے ۔اطلاع کرنا تو بہت اچھا ہے اور ضروری ہے ۔جب بھی کسی قسم کی کوئی مخدوش بات ظاہر ہو۔ قابل فکر صورت حال پیدا ہو تو لازماً مجھے اطلاع کرنی چاہئے لیکن اگر امیر کے علم میں بات آئے یا متعلقہ عہد یدار کے علم میں بات آئے اور وہ اطلاع کرے تو ساتھ یہ اطلاع بھی کرنی چاہئے کہ آپ مطمئن رہیں ہم اس سلسلہ میں یہ جوابی کارروائی کر رہے ہیں ۔یا اس جوابی کارروائی کا آغاز ہو چکا ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

جہاں تک اعتراضات کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت نے جوابات کا ایک بہت عمدہ سلسلہ طبع کرانا شروع کیا ہے ۔وہ زیادہ تر پاکستان کے اور ہندوستان کے علماء کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے لیکن انشاءاللہ تعالیٰ اسی سلسلہ کو عیسائیت اور دیگر مذاہب پر بھی ممتد کر دیا جائے گا اور جس طرف سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کے جوابات کے سلسلے انشاء اللہ تعالیٰ طبع ہو کر جماعت کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔

لیکن میں واپس اس طرف لوٹتا ہوں کہ دعوت الی اللہ کے مرکز میں ایسا رجسٹر ہونا ضروری ہے جس پر اس قسم کی کارروائیوں کا ندراج ہو اور پھر جوابی کارروائی کے متعلق نوٹ ہو کہ یہ کارروائی کی جا چکی ہے یا کی جارہی ہے ۔تا کہ ہر شخص وہاں جب بھی اس رجسٹر کو دیکھے تو اس کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت ایک مستعد اور بیدار جماعت ہے اور جس اعتراض کے سلسلہ میں بھی اس کو تلاش ہو وہ کارروائی میں معلوم کر سکے کہ یہ جوابی کارروائی ہو چکی ہے یا ہو رہی ہے۔

ایک رجسٹر شکایات کا بھی موجود ہونا چاہئے ۔جہاں انتظامات کے خلاف یا کتابوں میں غلطی کے متعلق شکایات ہوں تو وہ درج ہونی چاہئیں اور اس کے متعلق بھی جو جوابی کارروائی ہے یا اصلاحی کارروائی ہے اس کا اندراج ہو۔بعض دفعہ بعض دوست سلسلہ کے طبع شدہ لٹریچر میں کوئی غلطی نکالتے ہیں یا محسوس کرتے ہیں کہ فلاں بات غلط ہوگئی ہے تو اگر وہ مجھے لکھ دیں تو فوری طور پر متعلقہ شعبہ کو متوجہ کر کے پوری طرح تسلی کر لی جاتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے گی لیکن بسا اوقات بعض دوست مجھے نہیں لکھتے اور اپنے مقامی امیر کو یا کسی عہد یدار کو متوجہ کرا دیتے ہیں اور بات وہاں ختم ہو جاتی ہے ۔اس کا مجھے اس لئے علم ہے کہ بعض لکھنے والوں نے یعنی ایسی شکایات

بھیجنے والوں نے مجھے یہ لکھا کہ اتنے سال ہو گئے ہیں ہم جماعت کو، متعلقہ عہدیداران کو متوجہ کر رہے ہیں لیکن کسی نے اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی۔ اسی طرح وہ چیز غلط سلط چھپتی چلی جا رہی ہے اور ایک دو معاملات میں میں نے خود تحقیق کی تو ان کی بات درست نکلی اور پھر جب تحقیق کی کہ کیوں ایسے ہوا ہے تو ہر شخص اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈالتا چلا جاتا تھا اور بعض باتیں اتنی پرانی ہو جاتی ہیں کہ پھر پوری تحقیق ہو بھی نہیں سکتی اور ہو بھی تو اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں رہتا۔ اس لئے ہر جماعت میں اپنے اپنے شعبہ کے متعلق رجسٹر شکایات ہونا چاہئے اور صرف یہیں نہیں بلکہ دوسرے شعبوں میں بھی مگر چونکہ میں یہاں دعوت الی اللہ کا ذکر کر رہا ہوں اس لئے یہاں ایک رجسٹر شکایات ضروری ہے جس میں ایسی شکایات بھی درج ہوں کہ ہم آئے اور ہم سے حسن سلوک نہیں کیا گیا۔ ہم آئے اور ہم نے کہا کہ فلاں صاحب کو ہم اتنی دور سے لے کر آ رہے ہیں مگر مربی صاحب نے پانی بھی نہ پوچھا، بیٹھنے تک کی دعوت نہ دی۔ یا جس عہدیدار کے بھی خلاف شکایت ہو وہ وہاں درج ہونی چاہئے اور متعلقہ بالا افسر یا امیر کی طرف سے جو کارروائی ہو اس کا اندراج ہونا چاہئے۔ ورنہ بعض دفعہ یہ دقت پیش آتی ہے کہ ایک پرانی شکایت کا ذکر کر کے بعض دوست کہہ دیتے ہیں کہ جی! جماعت کے نظام کا یہ حال ہے۔ ہم یہ کرتے رہے، یہ کرتے رہے کچھ بھی نہیں ہوا اور وہ بات ان کی غلط ہوتی ہے یا کارروائی ہو چکی ہوتی ہے اور وہ اس کا ذکر نہیں کرتے۔ تو ایسا رجسٹر اگر ہو تو جب بھی میں جماعت سے پوچھوں کہ کوئی ایسا واقعہ گزرا ہے کہ نہیں اور اگر گزرا ہے تو آپ نے کیا کارروائی کی تو فوراً وہ مجھے دکھا سکیں۔

بہر حال دعوت الی اللہ کا کام چونکہ بہت ہی نازک جذبات سے تعلق رکھنے والا کام ہے۔ اگر کوئی شخص احمدیت میں دلچسپی لے رہا ہے اور اس کے جذبات کو ٹھوکر لگانے کا ظلم کیا جائے تو یہ کوئی معمولی جرم نہیں ہے اس لئے اس معاملہ میں تو غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے۔

داعیین الی اللہ کو تازہ دم رکھنا بہت ضروری ہے تازہ دم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ان کو ایسا مواد مہیا ہوتا رہے جس سے ان کی روح تازہ ہو۔ ان کے اندر دعوت الی اللہ کی محبت پیدا ہو۔ ان کے اندر نئے جذبے بیدار ہوں، ان کا جذبہ، ان کی دعائیں، تبلیغ کے دوران رونما ہونے والے معجزات یہ ایسا مواد ہے جن سے ان کو مختلف رنگ میں مختلف وقتوں میں ایسا مواد مہیا کیا جائے جس سے وہ ان واقعات کو پڑھ کر اپنی روح کی تازگی اور شادابی کے سامان پیدا کریں۔ میں نے حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ کے دعوت الی اللہ کے واقعات بہت کم محفوظ ہیں حالانکہ اس زمانہ میں اس کثرت سے دعوت الی اللہ ہوئی ہے اور کوئی بھی پیشہ ور خدمت کرنے والا نہیں تھا جو با قاعدہ تنخواہ دار ہو۔ اس کے باوجود تمام صحابہؓ نے آناً فاناً عرب میں بھی اور عرب سے باہر دوسرے ممالک میں بھی اسلام کا پیغام پہنچایا۔ تو بغیر دعوت الی اللہ کے تو یہ ممکن نہیں تھا لیکن افسوس ہے کہ ان تفاصیل کا کہیں ذکر نہیں ملتا ان تجارب کا ذکر نہیں ملتا، کیا کیا باتیں ہوئیں اور کس طرح ان کو جوابات دیئے گئے، کیا مشکلات پیش آئیں۔ کس طرح ان مشکلات پر قابو پایا گیا، دعائیں کی گئیں، معجزات رونما ہوئے، ان کا تفصیلی ذکر نہیں ہے۔ منجملہ تاریخ میں صرف ان باتوں کا پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ مگر چونکہ دعوت الی اللہ کی تاریخ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں دہرائی گئی ہے اس لئے اس تازہ تاریخ سے ہم استفادہ کر کے یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ پہلے کیا ہوتا ہوگا، کون سی چیزیں تھیں جو کامیاب ہوئی ہیں۔ اس قسم کی کتب اگر ضخیم کتب کی شکل میں پہنچائی جائیں تو بعض دفعہ ایسا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص کے پاس وقت نہیں ہوتا کہ وہ زیادہ ضخیم کتابوں کا مطالعہ کر سکے۔ اور ایک دفعہ اگر مطالعہ کر بھی لے تو ایک دفعہ ہی اس کی سیری ہو جائے گی لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ سیری نہ ہو بلکہ بار بار ہو اس لئے چھوٹے چھوٹے رسائل ان مضامین کے شائع ہوتے رہیں خواہ آپ کے ملکی رسائل میں یہ مضامین شائع ہوں یا چھوٹے چھوٹے پمفلٹس کی شکل میں صرف دعوت الی اللہ کرنے والوں کو انگیخت کرنے کے لئے اور ان کے جذبے دوبارہ بیدار کرنے کی خاطر چھپوائے جائیں اور ان تک پہنچائے جائیں تو اس سے مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عموماً بہت فائدہ پہنچے گا۔

پھر ایسے ایمان افروز واقعات کا انتخاب اچھا ہونا چاہئے اور کسی خاص منصوبے کے ماتحت ہونا چاہئے۔ اتفاقی طور پر نہ ہو۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ مختلف مذاہب کا گہرا علم رکھتے تھے اور جب بھی آپ ان کے تبلیغی واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں کہ ان کو مختلف مذاہب کا ذاتی طور پر اتنا گہرا علم تھا اور مناظرے کے دوران مدمقابل ان کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اس قسم کے واقعات جب کوئی پڑھتا ہے تو لازماً اس کی توجہ اپنا علم بڑھانے کی طرف ہوتی ہے اور اس کا بھی دل چاہتا ہے کہ میں بھی ایسا عالم فاضل بنوں۔ حضرت مولوی غلام

رسول صاحب راجیکیؓ کے مناظرے ہیں۔حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب کے ،حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے،حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہیؓ کے،اس طرح کے بہت بڑے بڑے بزرگ علماء ہیں جن کے علم وفضل کے سامنے انسان اپنے آپ کو ایک بالکل معمولی اور بے حیثیت انسان سمجھنے لگتا ہے۔جب آپ ان کے واقعات پڑھیں تو ان کا رعب دل پر قائم ہوتا ہے۔وہ پہاڑوں کی طرح آپ کے سامنے بلند ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔تو ایسے واقعات کا انتخاب الگ ہو جس سے جماعت میں اپنا علم بڑھانے کا شوق پیدا ہو اور دیگر مذاہب کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو۔

اس کے علاوہ فن مناظرہ کے لحاظ سے برجستہ دلچسپ جواب دینے کا فن بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کو بطور خاص حاصل تھا اور اس اعتبار سے بہت بڑے بڑے دلچسپ واقعات ہیں۔بڑے لطائف پیدا ہوا کرتے تھے جب کہ دشمن سمجھتا تھا کہ ہم نے زیر کر لیا ہے۔اچانک اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جواب دینے والے کو خدا تعالیٰ ایسی بات سجھا دیتا تھا کہ اچانک صورت حال دشمن پر پلٹ جاتی تھی تو اس قسم کے جو واقعات ہیں وہ اپنے اندر ایک خاص لطف رکھتے ہیں اور ان کو پڑھنے کے بعد انسان کا ذہن حاضر دماغی کی طرف منتقل ہوتا ہے، برجستہ جوابات دینے کا سلیقہ اس کو آتا ہے اور اس کا شوق پیدا ہوتا ہے۔اور اس کی بھی تبلیغ کے میدان میں بڑی ضرورت ہے کیونکہ نیک نصیحت کے بعد پھر قرآن کریم فرماتا ہے کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل:۱۲۶) کہ پھر اگر عقل اور فہم اور دلائل کی لڑائی شروع ہو جائے تو جَادِلْهُمْ خوب لڑو ان کے ساتھ لیکن احسن طریق پر۔اس طرح لڑو کہ تمہاری دلیلیں زیادہ حسن رکھنے والی ہوں تمہارا طرز مجادلہ زیادہ حسین ہو اور زیادہ دلکش ہو تو یہ سب باتیں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے تبلیغی واقعات میں نظر آتی ہیں۔

پھر دعاؤں کے مقابلے ہیں۔جب انسان آگے کوئی راہ نہیں پاتا تو دعاؤں کا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ نے جہاں بھی دعاؤں سے کام لیا ہے خدا تعالیٰ نے حیرت انگیز نشانات ان کے لئے ظاہر فرمائے ہیں اور آپ جب ان واقعات کو پڑھیں تو حیران ہوں گے کہ آپ میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کے خاندانوں کے جدامجد دعاؤں کے طفیل احمدی ہوئے تھے اور بعض خاندان کے افراد کو اپنا پتہ ہی نہیں کہ ہمارے خاندان میں احمدیت کیسے آئی

تھی اور ہمارے بزرگوں نے اس زمانہ میں جب کہ احمدیت کو قبول کرنا ایک بہت بڑے دل گردہ کا کام تھا کیوں قبول کرلیا۔ ان واقعات کو پڑھتے ہوئے پھر ان خاندانوں کے بزرگوں کے بعض دفعہ نام آتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ ان کی ساری اولاد کو پتا ہو کہ ہم کس کی اولاد ہیں کن واقعات کے نتیجہ میں ہمارے بزرگوں کو یہ روشنی نصیب ہوئی مگر بہرحال اس کے علاوہ جو فائدہ میرے زیرنظر ہے وہ یہ ہے کہ ان واقعات کو پڑھ کر ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو جائے گی کہ دعوت الی اللہ کا کام خشک اور خالی دل کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اس کا روحانیت کے ساتھ گہرا واسطہ ہے جب تک میں خدا نما وجود نہ بنوں، تک میں اپنے رب سے تعلق نہ رکھوں اس وقت تک یہ کام میرے بس کا نہیں ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قدرت نمائی کے واقعات وہ پڑھ چکا ہوگا اس لئے پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین ہوگا اور خدا تعالیٰ کی محبت دل میں پہلے سے بڑھ کر موجزن ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی ساری زندگی پر اس کے اچھے اثرات مترتب ہوں گے تو یہ دعوت الی اللہ کرنے والا جہاں دوسرے کو خدا کی طرف بلا رہا ہوگا دعوت الی اللہ کی تیاری کے دوران وہ خود بھی خدا کی طرف کھچا چلا جا رہا ہوگا۔

اس لئے دعوت الی اللہ کے کام کو اگر سلیقے اور ترتیب سے کیا جائے تو اس کے بیرونی بھی اور اندرونی بھی بہت بڑے فوائد ہیں اور دعوت الی اللہ کو پھر خدا کے فضل کے ساتھ بڑے بڑے پھل لگ سکتے ہیں۔ پس ایک یا دو یا تین باتوں کا نام دعوت الی اللہ نہیں بلکہ ایک بہت وسیع نظام کا نام ہے اس میں جماعت کی انتظامیہ کو بھی بھرپور حصہ لینا ہوگا۔ ان ساری باتوں کے جائزے لے کر ایک بہت عمدہ منصوبے کے مطابق سلیقے اور ترتیب کے ساتھ اس کام کو رفتہ رفتہ کھولنا ہوگا اور سب دعوت الی اللہ کرنے والوں پر نظر رکھنی ہوگی۔ یہ کام دیکھنے میں بڑا وسیع اور مشکل ہے لیکن حسب توفیق تھوڑا تھوڑا شروع کر دیا جائے تو آسان ہوتا چلا جاتا ہے اور کچھ مشکل نہیں رہتا۔ اس سلسلہ میں باقاعدہ کام کرنے والوں کی صرف تربیت کی ضرورت ہے جو شروع میں کچھ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ امراء اور ان کے ساتھی اگر ایک دفعہ کچھ لوگوں کی صحیح تربیت کرلیں تو وہ ٹیمیں ان کے ساتھ مددگار اور معاون بن کر خدمت کرتی رہیں گی پھر آگے اور اچھے تربیت یافتہ لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔

اس کے علاوہ مقامی طور پر جب دعوت الی اللہ کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائیدی

نشان ظاہر ہوتے ہیں تو ان کو دیگر داعیین الی اللہ تک پہنچانا بھی بہت اہم ہے اور ہر جگہ جہاں بھی کامیابی سے تبلیغ چل رہی ہے۔ وہاں ایسے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید کے بغیر تبلیغ کو پھل لگیں اور جہاں بھی کسی نومبائع سے میں نے گفتگو کی ہے تو اس گفتگو کے دوران مجھے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ محض دلائل کی ہی بات نہیں تھی اور بہت سی باتیں ہیں جنہوں نے اس نو احمدی کے دل پر اثر ڈالا اور بعض اعجازی نشان انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ نشان جو قریب کے نشان ہوں وہ بعض دفعہ دُور کے زیادہ عظیم الشان نشانات کے مقابل پر بھی دل پر زیادہ اثر پیدا کرتے ہیں۔ جو دور کی بات ہے وہ خواہ کتنی ہی بڑی ہو بعض دفعہ دل پر وہ اتنا اثر نہیں کر سکتی جتنا ایک قریب کی چیز دل پر اثر کرتی ہے۔ اس وجہ سے آپ کے اپنے تجارب جن میں سے آپ گزرتے ہیں یا اپنے ماحول میں ہونے والا ایک واقعہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا دل پر بہت زیادہ گہرا اثر ہوتا ہے۔ بہ نسبت ۱۴۰۰ سال پہلے یا دو ہزار سال پہلے کے ایک اعجازی نشان کا علم ہونے سے جو دل پر اثر پڑتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز قریب ہے اس کا دل پر اثر پڑتا ہے اقبال نے اس سلسلہ میں کہا ہے۔

؎ جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ (کلیات اقبال)

تو اس شعر میں گہری حکمت ہے۔ علامہ اقبال کو بعض احمدی سمجھتے ہیں کہ یہ گویا ایک ایسا نام ہے جس کا ہماری زبان پر آنا ہی گویا کہ جرم ہے۔ یہ نہایت بے ہودہ خیال ہے۔ علامہ اقبال نے جماعت کے خلاف بھی باتیں لکھی ہیں۔ اس سے پہلے جماعت کی تائید میں بھی بہت کچھ لکھا تھا علاوہ ازیں ایک اچھے شاعر تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اتنے بڑے حکیم امت نہ ہوں جتنا بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی باتوں میں کئی جگہ بہت اچھی اچھی حکمت کی باتیں ملتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نصیحت ہے: الحکمة ضالة المومن (ابن ماجہ)۔ پس ہمیں حکمت سے پیار ہونا چاہئے۔ میں اس لئے اس بات کا ذکر کر رہا ہوں کہ ایک ملک میں ایک مربی نے کسی دوسرے احمدی کے اوپر بڑی سختی کی کہ تم نے جماعتی مجالس میں علامہ اقبال کے ایک شعر کی تعریف کیوں کی۔ وہ شعر غلط استعمال ہوا تھا اس میں کوئی شک نہیں لیکن جہاں تک علامہ اقبال کے شعر کی تعریف کا تعلق ہے تو جو تعریف کے

قابل چیز ہے ہر سچے انسان کا کام ہے فرض ہے اس کے اندر ایک طبعی جذبہ پایا جانا چاہئے کہ وہ اس کی تعریف کرے۔ پس اس بات کو ہرگز خاطر میں نہ لائیں کہ کوئی اچھی بات علامہ اقبال نے کہی ہے یا ظفر علی خان نے کہی ہے حتیٰ کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کے منہ سے بھی کوئی اچھا کلمہ نکل گیا ہو تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی نصیحت یہ ہے کہ **الحکمة ضالة المؤمن** اصل میں تو وہ مؤمن کو زیب دینے والا کلمہ ہے۔ مومن ہی کی ملکیت ہے۔ ہر اچھی چیز مومن کو زیب دیتی ہے۔ جہاں سے ملے اپنی سمجھ کر لو تو بہر حال اقبال کا جو یہ شعر ہے بہت گہری حکمت پر مبنی ہے۔

ع قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

تو معجزوں کے قریب تر آپ ہوں اور آپ کے قریب جو معجزے ہیں وہ آپ کو زیادہ روشن دکھائی دیں گے، زیادہ مطمئن کرنے والے دکھائی دیں گے اور وہ دعوت الی اللہ کرنے والے جو اپنے اوپر وارد ہونے والے چھوٹے چھوٹے نشانات پیش کر سکتے ہوں ان کو یقین رکھنا چاہئے ان نشانات میں بہت زیادہ اثر ہوگا بہ نسبت کتابوں میں پڑھے جانے والے ان نشانات کے جو واقعات بہت عظیم الشان تھے۔ پس آپ کے دوستوں کو آپ کی ذات میں کچھ کرامات دکھائی دینی چاہئیں۔ کچھ عجائب کام دیکھنے کے لئے ملنے چاہئیں اور ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ پس جب اس قسم کے واقعات جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آپ دعوت الی اللہ کرنے والوں کو بھیجیں گے تو لازماً ان کی توجہ اس طرف پیدا ہوگی اور وہ اپنا جائزہ لیں گے اور خدا تعالیٰ سے اپنا قرب کا تعلق بڑھانے کی کوشش کریں گے۔ دل میں بہت دفعہ بے قرار تمنا پیدا ہوگی وہ رو رو کر دعائیں کریں گے کہ اے خدا!

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
ہیں خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

تو نے پہلوں کے ساتھ حسن واحسان کے ایسے سلوک کئے اور ایسے ایسے عظیم الشان نشانات ان کو دکھائے ان کی تائید میں حیرت انگیز طور پر ظاہر ہوا اور حیرت انگیز کام ان کی خاطر دکھائے ہم بھی تو اسی چمن کے شجر ہیں۔ ہمیں بھی ایسے ثمر عطا کر۔ ہم بھی تو اسی چمن کے عاشق ہیں ہمیں بھی وہ پھل نصیب فرما جن پھلوں سے تو نے پہلوں کو سیر کر دیا اور جن پھلوں کی برکت سے جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان دعوت الی اللہ کرنے والوں کے ذریعے تو نے پھیلانے کی

توفیق عطا فرمائی ہم پر بھی ایسے افضال کی بارش فرما، ایسے نمونے ہم پر ظاہر فرما۔ یہ دعا ہے جو بعض دفعہ انسان عام طور پر روز کرتا رہتا ہے لیکن اس دعا میں وہ اثر نہیں پیدا ہو سکتا جتنا کسی واقعہ کو دیکھ کر یا پڑھ کر اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی دعا میں اثر ہوا کرتا ہے۔ اس نکتہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں ورنہ دعوت الی اللہ کرنے والے کہیں گے کہ ہمیں ان واقعات کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے ہم روزانہ یہی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں نشان دے اے اللہ! ہمیں برکت دے۔ اے خدا! ہمارے ہاتھ سے معجزات رونما فرما۔ یہ خالی منہ کی باتیں ہیں۔ دعا میں ایک گہرا اثر ہونا چاہئے اور وہ اثر یونہی منہ کی باتوں سے پیدا نہیں ہوا کرتا۔ قرآن کریم نے اس کی مثال دی ہے۔ چنانچہ حضرت زکریاؑ کے متعلق فرمایا کہ وہ مدتوں سے دعا کر رہے تھے کہ اے خدا! مجھے اولاد دے۔ مجھے بیٹا دے اور اس مضمون کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ساری عمر یہ دعا کی اور مایوس نہیں ہوئے لیکن اس دعا میں وہ اثر پیدا نہیں ہوا جو اس واقعہ کے بعد ہوا کہ آپ ایک دفعہ حضرت مریمؑ کے حجرہ میں گئے۔ وہاں آپ نے اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے والے عظیم نشانات دیکھے۔ وہ رزق دیکھا جو حضرت مریمؑ کو عطا ہو رہا تھا۔ اس کے نتیجہ میں اس کے حوالے سے آپ کے دل میں ایک عجیب ولولہ اٹھا ہے اور اس پر آپ نے دعا کی ہے کہ اے رب! مجھے بھی ایک پاک بیٹا عطا کر۔ مجھے بھی ایسا بیٹا عطا کر جو تیرے نام کو بلند کرنے والا ہو جو تیرے نور کو دنیا میں پھیلانے والا ہو اور میری اچھی باتوں کو میرے بعد زندہ رکھنے والا ہوتا کہ میرے شریک یہ طعنہ نہ دیں کہ اس کی اچھائیاں اس کے ساتھ ہی مر گئیں وہ میری نیکیوں کا وارث ہو۔ وہ دعا جس جذبہ سے اٹھی ہے وہ ایسا جذبہ تھا کہ جس کے نامقبول ہونے کا سوال ہی نہیں تھا اور جب آپ نے یہ دعا کی کہ اے خدا! میرے تو بال سفید ہو گئے، میری ہڈیاں گل گئیں یہ دعا کرتے کرتے، اب میں اے خدا! یہ دعا کرتا ہوں کہ تو قبول فرما۔ میں تجھ سے مایوس نہیں ہوں تو معاً اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں! ہم تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا، ایسا نام جو اس سے پہلے کبھی دنیا نے نہیں سنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر حضرت یحیٰی اسی شان کے ساتھ پیدا ہوئے جس شان کے ساتھ آپ کی خوشخبری دی گئی تھی اور آپ کی زندگی کے متعلق تو خیر ایک الگ لمبا مضمون ہے۔

میں واپس اس مضمون کی طرف آتا ہوں کہ دعا وہی ہوتی ہے جو مختلف وقتوں میں کی جاتی ہے مگر بعض دفعہ وہ دعا اثر سے لبریز ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ وہ دعا ایک سرسری سی دعا رہتی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ نعوذ باللہ

حضرت زکریاؑ سرسری دعا کیا کرتے تھے۔میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک نبی جو دل کی گہرائی سے دعا کرتا ہے اس کی دعاؤں میں بھی مختلف وقتوں میں مختلف اثرات ہوتے ہیں۔عام آدمی کی دعاؤں میں بھی مختلف وقتوں میں مختلف اثرات ہوتے ہیں مگر جب کسی خاص واقعہ سے دل پر بہت گہرا اثر پڑا ہوا ہو تو اس وقت کی دعا اور رنگ رکھتی ہے۔پس جب آپ بزرگوں کے اچھے واقعات پڑھیں دل پر اثر کرنے والے واقعات پڑھیں تو جس نوعیت کے وہ واقعات ہوں اس نوعیت کی جو دعا دل سے اٹھے گی وہ عام دعاؤں کے مقابل پر زیادہ اثر رکھنے والی ہوگی۔

پس دعوت الی اللہ کرنے والے تو سادہ لوگ ہیں۔اکثر علم کے لحاظ سے بھی بہت پیچھے ہیں کمزور ہیں۔جذبہ ہے کہ ہم دعوت الی اللہ کرنا چاہتے ہیں اور کرنے کے لئے اپنا نام پیش کر دیتے ہیں مگر ان سے سلیقے کے ساتھ کام لینا ان کی ضروریات کو پورا کرنا ان کی تربیت کرنا، ان پر نظر رکھنا ان کی موقع بہ موقع مدد کرتے رہنا اور ان کو دن بدن دعوت الی اللہ کے کام کے لئے زیادہ تیار کرتے رہنا یہ سارے کام نظام جماعت کے کام ہیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اور جو ذرائع میں نے آج آپ کے سامنے رکھے ہیں ان کو اگر آپ استعمال کریں تو میں امید رکھتا ہوں کہ اس سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی دعوت الی اللہ کے کام میں بہتری کی طرف نمایاں فرق پیدا ہوگا اور اس کے علاوہ چند باتیں ہیں۔میں نہیں کہہ سکتا کہ اگلے خطبہ میں میں ان کو بیان کرسکوں گا کہ نہیں مگر انشاء اللہ اس موضوع پر وقتاً فوقتاً آپ سے مخاطب ہوتا رہوں گا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس عظیم الشان کام کو اس طرح سرانجام دیں جس طرح جماعت احمدیہ سے توقعات کی گئی ہیں۔جب میں کہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ سے توقعات کی گئی ہیں تو یاد رکھیں کہ ہم سے یہ توقع کی گئی ہے کہ اسلام کی بعثت ثانیہ میں تبلیغ کے کام کو جماعت احمدیہ اپنے منتہٰی تک پہنچا دے گی اور اولین کے دور میں جو عظیم الشان کام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں سے جاری ہوا آخرین کے دور میں آپ ہی کے غلام کامل اور عاشق عاشق حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس کام کو آگے بڑھایا جائے گا یہاں تک کہ ساری دنیا اسلام میں داخل ہو جائے گی یہ توقع ہے اور یہ توقع آپ سے خدا تعالیٰ نے کی ہے۔اس توقع کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے کہ ایک ایسا روحانی وجود پیدا ہوگا جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے دعوت الی اللہ کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے گا۔یہ وہ وعدہ ہے جو قرآن کریم میں دیا گیا ہے۔جس کے متعلق بہت سے بڑے بڑے پرانے مفسرین اور بزرگ بیان

کرتے ہیں کہ یہ وعدہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں پورا ہونا ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الصّف:۱۰) یہ وہ وعدہ ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں ۔ایک ایسا ظاہر ہونے والا ظاہر ہونا تھا جس کے زمانہ میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کا دین تمام دوسرے ادیان پر غالب آنا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ توقع رکھی اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اس کی خوشخبری عطا فرمائی اور آنحضرت ﷺ کے دل پر اس آیت کریمہ کا جو اثر ہوا ہوگا اس کا ہم پورا تصور تو نہیں کر سکتے مگر میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس کے بعد ہم ہمیشہ آنحضور ﷺ کی دعاؤں میں شامل ہوگئے ہوں گے کہ اے خدا! جن پر بھی تو نے یہ ذمہ داری ڈالنی ہے ان کو توفیق عطا فرما ان کی مدد فرما اور ان کے لئے اس کام کے سارے مراحل آسان فرما دے تو آپ کے ساتھ، میرے ساتھ، ہم سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی توقعات اور دعائیں وابستہ ہیں اس لئے اس کام کو اگر ہم کماحقہ نہ کر سکیں تو ہمارا قصور ہے۔ یہ کام نہ صرف یہ کہ ہوسکتا ہے بلکہ ضرور ہوگا کیونکہ یہ مقدر ہے اس تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اس لئے کوئی عذر کام نہیں آئے گا کہ جی! جن لوگوں کو ہم تبلیغ کرتے تھے وہ بنجر زمینیں تھیں وہ گندے علاقے تھے۔ جس قسم کے بھی لوگ تھے، جس قسم کے بھی علاقے تھے ان سب کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا اس کے باوجود خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ وعدہ فرمایا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ دین اسلام کو تمام دیگر ادیان پر غالب کر دیا جائے گا اور اہل اللہ بزرگوں نے اس آیت کریمہ کے متعلق یہ تفسیر بیان فرمائی کہ یہ واقعہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہونے والا ہے۔ پس ہم جو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی جماعت ہیں ہم سے بہت بڑی توقعات ہیں اس لئے ان توقعات کے نتیجہ میں دل میں کامل یقین پیدا کریں۔ ٹھوس یقین کے ساتھ آگے بڑھیں۔ یہ کام ہوسکتا ہے۔ ضرور ہوگا اور خدا کے فضل سے ہمارے ذریعہ ہوگا اور پھر اس کے نتیجہ میں دعائیں کریں اس کے نتیجہ میں جو بھی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ جو بقیہ مضامین ہیں وہ آئندہ کسی وقت انشاء اللہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

میں ایک یہ بات کہنی بھول گیا تھا کہ اس سال کا آج کا جمعہ جو میں انگلستان میں ادا کر رہا ہوں اور اس سال کا آخری جمعہ ہے جو یہاں ادا ہوگا۔ اس کے بعد چند دن تک ہم انشاء اللہ تعالیٰ

ہندوستان میں ہوں گے اور قادیان کا سفر درپیش ہے۔

اس کے متعلق ساری جماعت آگاہ ہے۔ وہ دوست جو جارہے ہیں ان کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سفر جہاں تک ممکن ہو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اور درود اور سلام بھیجتے ہوئے پورا کریں اور بہت کثرت سے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اس جلسہ سالانہ کو ایک غیر معمولی اہمیت کا اعجازی جلسہ سالانہ بنادے اور جماعت کے لئے بہت سی خیر و برکت کا موجب بنے۔ وہ لوگ جو پیچھے رہ رہے ہیں ان کو پیچھے رہنے کا غم ہے وہ اپنے خطبوں میں ملاقاتوں میں بھی ذکر کرتے ہیں ان کو پیچھے رہنے کے غم کو اپنے لئے ایک بہت ہی نفع بخش سرمائے میں تبدیل کر دینا چاہئے۔ وہ اس غم کے نتیجہ میں دعائیں کریں کہ اے اللہ! ہم جا تو نہیں سکتے تو ہماری محرومی کے احساس کو قبول فرمالے اور ہمارے دکھ کو جماعت کے لئے خوشیوں میں تبدیل کر دے اور جو تکلیف ہم محسوس کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں جماعت کے لئے آسائش پیدا فرما اور تیرے وعدوں کے پورے ہونے کے دن قریب آجائیں۔ وہ جلسہ اگر ہم نہیں دیکھ سکتے تو ہمیں اس جلسے کی برکات دکھادے اور اس جلسہ کے نتیجہ میں ہونے والے عالمی افضال کے ہم بھی شاہد بن جائیں۔

پس اس رنگ میں جو پیچھے رہنے والے ہیں وہ بھی دعائیں کر کے اس جلسہ کے فیض میں شامل ہو سکتے ہیں اور اس جلسہ کے نتیجہ میں جو فیوض بعد میں ظاہر ہوں گے ان میں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ گواہ بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ سارا عرصہ بہت دعائیں کرتے ہوئے گزاریں۔ خدا تعالیٰ اس سفر کے سارے مراحل آسان فرمادے اور ساری مشکلات دور فرمائے۔ دشمنوں کے حسد کے شر سے جماعت کو محفوظ رکھے اور سب اندھیروں کو روشنیوں میں بدل دے اور سب مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل فرمادے اور اسیران راہ مولیٰ بھی تو ہیں جو خود اس جلسہ میں شامل نہیں ہو سکتے بلکہ اپنے قریب کے جلسوں میں بھی شامل نہیں ہو سکتے۔ اپنے دکھ کے وقت ان کا دکھ جو بہت زیادہ گہرا اور بہت زیادہ لمبے عرصہ پر پھیلا ہوا دکھ ہے اس کو بھی یاد کر لیا کریں اور ان کے لئے بھی دعا کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان عاجزانہ التجاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین

چوالیس سال بعد خلیفۃ المسیح کی قادیان آمد
درویشان قادیان کیلئے بہت بڑی بڑی خوشخبری مضمر ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ ؍دسمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت اقصیٰ قادیان)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے فرمایا:

’’آج کا دن ایک بہت ہی اہمیت کا تاریخی دن ہے۔ آج ۴۴ سال کے لمبے اور بڑے تلخ التواء کے بعد آخر اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ المسیح کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ آج کا جمعہ قادیان میں احباب جماعت کے ساتھ ادا کر سکے۔ قادیان کے درویشوں کے لئے بھی اس میں بہت بڑی خوشخبری مضمر ہے۔ معلوم ہوتا ہے خدا کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہجر کے دن چھوٹے ہو جائیں گے اور وصل کے دن قریب آجائیں گے اور ان سب آنے والوں کے لئے بھی اس میں بہت خوشخبری ہے جو دور دور سے تکلیفیں اٹھا کر اور بہت سے اخراجات کا بوجھ اٹھا کر یہاں پہنچے تا کہ ان کے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو سکیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے سعادت بخشی اور توفیق عطا فرمائی کہ نہ صرف اس تاریخی جلسے میں جو سو سال کے بعد (لازماً سو سالہ جلسہ سو سال کے بعد ہی منعقد ہوتا ہے) مراد یہ تھی کہ جو سو سال کے بعد سو سالہ جلسہ منعقد ہوتا ہے اس میں شامل ہو سکے ہیں۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو سو سال میں ایک ہی دفعہ نصیب ہو سکتی ہے اور اس پہلو سے آج کی نسل کے لئے یہ بہت ہی غیر معمولی سعادت کا لمحہ ہے۔ لیکن دوسری سعادت جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے، یہ بھی بہت ہی بڑی اور بابرکت اور لائق

صد شکر سعادت ہے۔خدا تعالیٰ نے چوالیس سال کے انقطاع کے بعد خلیفۃ المسیح کو آج قادیان میں جمعہ پڑھانے کی سعادت عطا فرمائی۔ جو لوگ پیچھے رہ گئے اور جو آج ہمارے ساتھ شامل نہیں خصوصاً وہ لوگ جو اسیران راہ مولیٰ ہیں، جو ایسے مجبور ہیں، ایسے بے بس ہیں کہ خواہش کے علاوہ اگر ان میں ویسے دنیاوی لحاظ سے استطاعت ہوتی بھی تو یہاں نہ آ سکتے۔ان سب کو خصوصیت سے نہ صرف آج اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں بلکہ اس دوران یعنی جلسے کے ایام اور جلسے کے شب و روز میں مسلسل جب بھی آپ کو توفیق ملے آپ ان سب غیر حاضرین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے رہیں۔

یہ وہ دن ہیں کہ جب سے ہم یہاں آئے ہیں خواب سا محسوس ہو رہا ہے یوں لگتا ہے جیسے خواب دیکھ رہے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ خواب نہیں بلکہ خوابوں کی تعبیر ہے۔ایسے خوابوں کی تعبیر جو مدّتوں، سالہا سال ہم دیکھتے رہے اور یہ تمنا دل میں کلبلاتی رہی، بلبلاتی رہی کہ کاش ہمیں قادیان کی زیارت نصیب ہو۔کاش ہم اس مقدّس بستی کی فضا میں سانس لے سکیں جہاں میرے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے کامل غلام مسیح موعود علیہ السلام سانس لیا کرتے تھے۔ جب میں یہاں آیا اور میں نے اس بات کو سوچا کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ایسی فضا میں دوبارہ سانس لیں گے۔تو مجھے بچپن میں پڑھا ہوا سائنس کا ایک سبق یاد آ گیا۔جس میں یہ بتانے کے لئے کہ جتنے ایک انسان کے سانس میں ایٹم (Atoms) ہوتے ہیں ان کی تعداد کتنی ہے۔وہ مثال دیا کرتے تھے کہ سیزر نے جو آخری دفعہ مرتے وقت ایک سانس لیا تھا اس سانس میں اتنے ایٹم تھے کہ اگر وہ برابر ساری کائنات میں، ساری فضا میں تحلیل ہو جائیں اور برابر فاصلے پر چلے جائیں تو ہر انسان جو سانس لیتا ہے اس کے ایک سانس میں سیزر کے سانس کا ایک ایٹم بھی ہوگا۔تو جب میں نے سوچا تو مجھے خیال آیا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں لکھو کھہا مرتبہ سانس لئے، یہ فضا تو آپؑ کے سانسوں کے ان اجزاء سے بھری پڑی ہے اور ہر سانس میں خدا جانے کتنے ہزاروں، لاکھوں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سانس کے ایٹم ہوں گے جو آج ہم بھی Inhale کرتے ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے میرا خیال حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی طرف منتقل ہوا تو مجھے خیال آیا کہ زمین کا سارا جوّ اُس ہوا سے بھرا پڑا ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اپنی سانسوں میں کھینچا کرتے تھے اور نکالا کرتے تھے۔ جب میں یہاں تک پہنچا تو اس ظاہری خوشی میں کچھ کدورت پیدا ہوگئی کیونکہ میں نے سوچا کہ انہی

میں وہ سانس بھی ہیں جو دنیا کے بہت سے بدنصیب بھی تو لیا کرتے تھے اور آج بھی لیتے ہیں۔ ایسے بدنصیب جنہوں نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کا زمانہ پایا اور سارا زمانہ ان سانسوں کو نورِ رسالت کے بجھانے کیلئے استعمال کیا۔ اس کو ہوا دے کر فروغ کر دینے کیلئے استعمال نہیں کیا۔ تو یہ ظاہری اور جذباتی چیزیں مجھے بے حقیقت دکھائی دینے لگیں۔ وہ جذباتی لطف جو یہاں آ کر آیا تھا۔ اس میں ایک اور پیغام بھی مجھے ملا کہ حقیقت میں ان سانسوں کی جب تک ہم قدر کرنا نہ جانیں جو محمد مصطفی ﷺ کے سانس تھے یا آپ کے غلام کامل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سانس تھے۔ اس وقت تک ہم ان سانسوں سے برکت پانے کے اہل نہیں ہو سکتے کیونکہ مدینہ کی فضا بھی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے سانسوں سے بھری پڑی تھی۔ وہ کتنے بدنصیب تھے جو ان سانسوں کو لیتے تھے لیکن ان سے برکت نہ پاتے تھے۔ پس نظام برکت ایک روحانی نظام ہے اس کے لئے ہر انسان کو اہلیت پیدا کرنی چاہئے۔

جس طرح دنیا میں ایک نظام انہضام ہے، جب تک نظام انہضام درست نہ ہو، قطع نظر اس بات کے کہ غذا اچھی ہے یا بری، انسان کو اس غذا سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ایک شخص جس میں بعض اچھی غذاؤں کو ہضم کرنے کی طاقت ہی نہ ہو، بعض دفعہ جب وہ ایسی غذا استعمال کرتا ہے تو ردّعمل پیدا ہوتا ہے اور فائدے کی بجائے نقصان پہنچتا ہے۔ دودھ کو دیکھئے، کیسی کامل غذا ہے کہ دو اڑھائی سال تک بچہ مکمل طور پر محض دودھ پر پلتا ہے اور اسی سے اپنی آنکھیں بناتا ہے، اپنے دانت بنانے کی تیاری کرتا ہے، جسم کا ہر عضلہ اسی دودھ سے پرورش پا کر بنتا ہے ہڈیاں بن رہی ہیں، ناخن بن رہے ہیں، بال بن رہے ہیں، تمام جسم کے اعضاء خواہ کسی نوعیت کے ہوں اسی ایک دودھ سے قوّت پا کر نشو ونما پاتے چلے جاتے ہیں لیکن جن کو دودھ کی الرجی ہو، جو دودھ ہضم نہ کر سکیں، وہ جب دودھ پیتے ہیں تو مرنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ مجھے چونکہ ہومیو پیتھک علاج کا تجربہ ہے اس لئے بعض مریض میرے سامنے ایسے بھی لائے گئے۔ مثلاً انگلستان میں ایک بچے کے متعلق بتایا گیا کہ دودھ کا ایک قطرہ بھی وہ برداشت نہیں کر سکتا اور دن بدن اس کی صحت گرتی چلی جا رہی ہے۔ دودھ دیں تو پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ یا الٹیاں آجاتی ہیں یا قے شروع ہو جاتی ہے یا اسہال لگ جاتے ہیں الغرض کئی قسم کے وبال چمٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کا علاج کیا

وہ بچہ صحت مند ہوا، صحت مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طبعی حالت کی طرف لوٹ گیا جو خدا تعالیٰ نے سب کو عطا کر رکھی ہے۔ جس کو ہم اپنی غفلتوں سے بگاڑ دیا کرتے ہیں۔ تو اگر تم نے اپنی روحانی حالتوں کو بگاڑ رکھا ہے، اگر ان میں خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ روحانی غذاؤں کے انہضام کی صلاحیت باقی نہیں رہی تو محض یہ جذباتی باتیں ہیں کہ آج ہم ان فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں جہاں کسی وقت ہمارے آقا و مولیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سانس لیا کرتے تھے۔ یہ سب ایک جذباتی کھیل ہوں گے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

پس وہ لوگ جو آج اس جلسے میں شمولیت کی غرض سے جو سوسالہ جلسہ ہے یہاں تشریف لا سکے ہیں اور اس جمعہ میں بھی شمولیت کی سعادت پا رہے ہیں ان کو بھی میں یہ نصیحت کرتا ہوں اور بعد میں آ کر ان سے ملنے والوں کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں اور ہم سب کے چلے جانے کے بعد یہاں ہمیشہ رہنے والے درویشوں کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس مقام کے کچھ تقاضے ہیں۔ ان تقاضوں پر ہمیشہ نگاہ رہنی چاہئے۔ عام حالتوں سے یہاں رہنے والوں کی حالت کچھ مختلف ہونی چاہئے۔ ہم سب انسان ہیں، ہم سب میں کمزوریاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں سے صرفِ نظر فرمائے، ہماری غفلتوں کو معاف فرمائے لیکن اس کے ساتھ ہی اس ذمہ داری سے ہم بہرحال آنکھیں بند نہیں کر سکتے جو مقدّس مقامات پر رہنے والوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ خواہ وہ عارضی قیام کے لئے آئیں یا مستقل قیام کی سعادت پائیں پس ان ایام میں ان ذمہ داریوں کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھتے ہوئے، دعائیں کرتے ہوئے دن گزاریں، خدا تعالیٰ سے توفیق حاصل کرنے کی دعا مانگیں اور توفیق پائیں کہ ہم اپنے روحانی نظام ہضم کو درست کر سکیں اور جہاں بھی قدرت کی طرف سے کوئی روحانی فیض عطا ہونے کا موقع ملے ہم اس سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔ تبھی ہم ایک تنومند، مضبوط اور صحت مند روحانی وجود کی صورت میں ارتقاء کر سکتے ہیں۔ یہ وہ ایام ہیں جن میں کثرت کے ساتھ درود پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اور احسان کے ساتھ جو عظیم الشان تعلیم، اسلام کی صورت میں ہمیں عطا ہوئی ہے، وہ پاک کلام جس کا کوئی ثانی نہیں، یعنی قرآن کریم یہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے قلبِ مطہّر پر نازل ہوا تھا قرآن کی وحی کی صورت میں بھی اور اس کے علاوہ دیگر وحی کی صورت میں بھی۔ اسلام کی مکمل تعلیم حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے فیض سے ہمیں عطا ہوئی ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ قرآن کریم آپ کو وسیلہ قرار دیتا ہے یعنی وہ واسطہ ہیں جن کے ذریعہ سے تمام روحانی فیوض، تمام بنی نوع انسان کے لئے ہمیشہ کے لئے جاری کئے گئے۔ یہی قرآن کریم ہمیں نصیحت فرماتا ہے۔ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦١﴾ (الرحمٰن:۶۱) کیا احسان کی جزاء احسان کے سوا بھی ہوسکتی ہے۔ احسان کی جزاء تو احسان ہی ہونی چاہئے لیکن مشکل درپیش ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا احسان اتنا عظیم اور اتنا وسیع اور اتنا دوررس ہے کہ لامتناہی ہے۔ اس کی حدود قائم کرنے کا انسان کے ادراک کو اختیار نہیں ہے۔

میں نے جب بھی غور کیا ہے اور گہرا غور کیا ہے اور نظر کو ہر طرف دوڑایا اور پھیلایا اور سوچا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احسانات کا احاطہ کرسکوں اور ان کے متعلق ایک ایسا شعور پیدا کرسکوں کہ ہر دفعہ اس احسان کو پہچان لوں تو میں اس کوشش میں ہار گیا اور کوشش کے باوجود آج بھی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے احسانات ہیں جو ہم پر وارد ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہم غفلت کی حالت میں ان سے آگے نکلتے چلے جاتے ہیں۔

صبح جب آپ اٹھتے ہیں اور اپنے بدن کو پاک اور صاف کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف دل کو لگاتے ہیں تو کتنے ہیں جو باقاعدہ بلا استثنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا تصوّر دل میں لاتے ہیں یا لا سکتے ہیں کہ یہ ہمارے آقا و مولیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اچھی صبح کا آغاز سکھایا۔ یا پھر سارا دن آپ کا مختلف حالتوں میں گزرتا ہے، کہیں بدیوں سے بچنے کی کوشش میں، کہیں نیکیوں کی طرف میلان کی صورت میں، کہیں کسی غریب پر رحم کے نتیجے میں آپ کے دل میں ایک خاص روحانی لہر دوڑتی ہے لیکن کتنے ہیں جو سوچتے ہیں کہ یہ سب فیوض حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کے فیوض ہیں۔ آپؐ نے سب کچھ سکھایا ہے، ایسے کامل معلّم، ایسے کامل مربی کہ آپؐ نے انسانی ضرورتوں کی ہر چیز کا احاطہ کرلیا۔ یہ درست ہے کہ یہ احاطہ خدا تعالیٰ کے اس پاک کلام نے کیا جو آپؐ پر نازل ہوا لیکن اس لامتناہی پاک کلام کے فیوض کو اپنی ذات میں جاری کرکے ایک نمونہ بن کر ہمارے سامنے ابھرے۔ یہ احسان ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا احسان ہے ورنہ وہ پاک کلام ہماری حدِّ ادراک سے باہر رہتا۔ ہم قرآن آج بھی تو پڑھتے ہیں۔ کتنے ہیں جو قرآن کے معارف کو براہِ راست پاسکتے ہیں اور ان کے مطالب کو پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن وہ مطالب جو ہم نے پالئے اور ان میں سے بھی بہت

سے ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اگر آپ مزید غور کریں تو آپ کا دل اس یقین سے بھر جائے گا کہ یہ تمام فیوض جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ابتداءً جاری ہوئے اگر حضرت محمد مصطفی ﷺ ان فیوض سے اپنا کوثر بھر کر ہمارے لئے ہمیشہ کیلئے جاری نہ فرماتے تو ہم ان فیوض کو پا نہیں سکتے تھے۔ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کی تفاصیل سے لاعلم اور جاہل رہتے اس لئے یہ درست ہے کہ ہر برکت کا آغاز خدائے واحد و یگانہ سے ہے۔ لیکن بعض انسانوں کو وہ توفیق عطا فرماتا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے گنہگار انسانوں کیلئے ایک وسیلہ بن جائیں اور سب سے بڑا وسیلہ دنیا میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بنے کیونکہ سب سے کامل تعلیم آپ پر نازل ہوئی اور زندگی کے سب سے زیادہ تقاضے کرنے والی تعلیم آپ پر نازل ہوئی۔ اتنے تقاضے ہیں کہ دنیا کے کسی مذہب میں اس کا عشر عشیر بھی آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔

اگر تقاضوں پر نظر رکھیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ اس کی ساری عمر ایک قید خانے میں بسر ہوگی جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کو ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ الدنیا سجن للمومن وجنة للكافر (مسلم کتاب الزھد والرقاق حدیث نمبر: ۵۲۵۶) کہ دنیا مومن کے لئے تو قید خانہ ہی ہے۔ کافر کی جنت ہوتی ہوگی لیکن مومن کے لئے قید خانہ ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم اِن لفظوں پر غور کرتے ہیں تو یہ قید خانہ بھی مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتا ہے بعض قیدی ہمیں بہت خوش نظر آتے ہیں اتنے خوش کہ وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ وہ اس قید خانہ سے باہر ایک سانس بھی لیں اور کئی قیدی ہیں جو رسے تڑاتے پھرتے ہیں اگر وہ تڑا سکیں تو تڑا لیتے ہیں، بے قاعدگیاں کر سکیں تو کرتے ہیں۔ ورنہ ان کی زندگی ایک قسم کا عذاب بنی رہتی ہے۔ تو کس قسم کا قید خانہ ہم نے قبول کرنا ہے یہ راز بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہم پر اپنا نمونہ پیش کر کے کھول دیا کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ قیود کو آپؐ نے قبول فرمایا اور سب سے زیادہ پُر لطف زندگی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی تھی جن کی عشرت اپنے آقا و مولیٰ اللہ جل ّشانہٗ کی کامل اطاعت میں تھی۔ اس کی عبادت میں آپؐ کو سرور ملتا تھا۔ آپؐ کی تمام تر روحانی لذتیں اپنے خدا کی ذات سے وابستہ تھیں۔ پس قید بھی تو مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ بعض قیدیں ایسی ہیں جو زندگی کی تمام سہولتیں فراہم کرنے والی ہوتی ہیں اور بعض قیدیں ایسی ہیں جو زندگی کی تمام صعوبتیں وارد کرنے

والی ہوتی ہیں۔پس اپنے زاویۂ نگاہ کو درست یا نادرست کرنے والی بات ہے۔

یہ وہ مضمون ہے جسے دنیا کا ہر انسان سمجھتا ہے یا سمجھ سکتا ہے چاہے اسے مذہب کی دنیا میں اطلاق کرے یا نہ کرے کسی نہ کسی محبت کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے اور محبت بھی تو کچھ پابندیاں عائد کرتی ہے۔محبت بھی تو بہت سے تقاضے کیا کرتی ہے ان تقاضوں کو پورا کرنے میں ہی محبت کرنے والے کی لذّت ہوا کرتی ہے،ان تقاضوں سے انحراف کے نتیجہ میں زندگی کا لطف پیدا نہیں ہوتا۔محبت کی بھی بے شمار قسمیں ہیں۔ان میں سے ایک ماں کی بچے کیلئے محبت۔میں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں کہ ماں کی بچے سے محبت کے تقاضے بعض دفعہ اتنے شدید ہو جاتے ہیں اور اتنے تکلیف دہ ہوتے ہیں کہ انسان ان کے تصوّر سے بھی کانپتا ہے اور ماؤں کو بڑے رحم کی نظر سے دیکھتا ہے جن کے بیمار بچے ساری رات ان کو بلاتے اور ان سے کسی نہ کسی مدد کے تقاضے کرتے چلے جاتے ہیں۔خواہ وہ مدد کر سکیں یا نہ کر سکیں اور بسا اوقات ماں مدد کرنے سے عاری ہوتی ہے،نہیں کر سکتی،بچے کا دکھ دور نہیں کر سکتی۔اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپتے دیکھتی ہے۔جانتی ہے کہ وہ غلط کہہ رہا ہے کہ ماں! نہ سو۔میرے ساتھ جاگ اور میرے ساتھ تکلیف اٹھا۔وہ جانتی ہے کہ میرا جاگنا میرے ساتھ تکلیف اٹھانا اس بچے کے کسی کام نہیں آئے گا لیکن محبت کا تقاضا ہے۔اسے نیند میں عذاب ملتا ہے اسے جاگنے میں راحت نصیب ہوتی ہے۔وہ جتنا بیمار بچے کے قریب ہو،جتنا اس کے دکھ کو اپنے قلب پر وارد کرے،اس کے دکھ کا احساس کرتے ہوئے اس تکلیف کو اپنانے کی کوشش کرے،اتنا ہی اس کو کچھ سکون ملتا ہے۔لیکن یہ واہمہ بھی اس کے لئے جہنم کے واہمہ کی طرح ہے کہ وہ اپنے بیمار تڑپتے ہوئے بچے کو چھوڑ کر اسلئے سو جائے کہ فائدہ تو میں کچھ پہنچا نہیں سکتی،کیوں نہ کچھ آرام کروں۔تو اسلام کو جس قید خانے کی صورت میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمارے سامنے رکھا وہ ان معنوں میں نہیں تھا کہ تم ہمیشہ قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا ہو کر زندگی گزارو اور تمہاری زندگی عذاب بن جائے بلکہ سب سے بڑے قیدی اس قید خانے کے تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خود تھے۔کہنے والا جانتا تھا کہ اس قید کے کیا تقاضے ہیں اور اس قید کے کیا فوائد ہیں اور کہنے والا جانتا تھا کہ یہ وہی قید ہے کہ ایک لمحہ بھی میں اس قید سے باہر کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس قلبی رجحان کو اللہ جلّ شانہٗ نے ہم پر ایک ایسے راز کے طور پر کھولا جو بہت ہی مقدّس راز،محبت اور پیار

کا راز تھا لیکن جسے بنی نوع انسان کے فوائد کے لئے ان کے سامنے کھولنا ضروری تھا۔ فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام:۱۶۳) میں ایک ایسا قیدی ہوں کہ میری تمام تر عبادتیں، میری تمام تر قربانیاں، میری زندگی، میرا مرنا، کلیۃً لمحہ لمحہ خدا تعالیٰ کا ہو چکا ہے۔ میری زندگی کا ہر لمحہ اس قید میں جکڑا گیا ہے اور یہی میری لذّت کا معراج ہے۔ فرمایا یہی کہہ کر لوگوں کو اس طرف بلاؤ۔ اگر یہ ایک تکلیف دہ صورتحال ہوتی تو خدا تعالیٰ اس راز کو چھپاتا، نہ کہ ظاہر کرتا۔ اگر ایسی بات تھی کہ جس سے طبیعتیں متنفّر ہوتیں اور بھاگتیں اور اسے بوجھ سمجھتیں تو خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی کہ اس راز کو مومنوں پر ظاہر کر کے فرماتا کہ یہ حال ہوگا تمہارا۔ جو میرے عاشقِ صادق محمد ﷺ کا حال ہے اس لئے ادھر نہ آنا۔ دنیا کے عاشق تو ڈرایا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا جو حال ہو گیا ہے، خدا نہ کرے تمہارا بھی ہو لیکن اس حال کا جو محمد مصطفیٰ ﷺ کا حال تھا، اس کا عجیب عالم ہے کہ بظاہر دور کی نظر سے، جتنی دور کی نظر سے اس کو دیکھو اتنا تکلیف دہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن خدا کی قریب کی نظر نے اس کو ایک جنّت کا نہایت اعلیٰ درجہ کا نمونہ دیکھا اور ایسی عظیم زندگی کے طور پر دیکھا کہ جس کا حال جس کا راز اگر بنی نوع انسان کو پتا چلے تو وہ والہانہ اس زندگی کی طرف دوڑتے چلے آئیں اور اسے اپنانے کی کوشش کریں۔ پس یہ وہ اندرونی مضمون ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا۔ لیکن اس میں اترنے کی صلاحیّت بھی ہونی چاہئے۔ اسے سمجھے بغیر انسان ان مضامین سے پوری طرح استفادہ نہیں کرسکتا۔ پس دنیا کے عاشق کو لطف تو آتا ہے لیکن ساتھ ساتھ ڈراتا بھی تو چلا جاتا ہے کہ

اَلَا یَا اَیُّہَا السَّاقِی اَدِرْ کَأْسًا وَّ نَاوِلْہَا

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

اے ساقی! شراب سے لبریز پیمانہ پکڑا تا کہ میں اپنے آپ کو ڈبو دوں، اپنی یادوں کو غرق کردوں کہ عشق کے سوا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا کیونکہ ''آساں نمود اوّل'' عشق آغاز میں تو بہت پرلطف دکھائی دیتا تھا اور بڑا آسان لگتا تھا ''ولے افتاد مشکلہا'' اب اس میں مبتلا ہو گئے ہیں تو بہت مصیبتوں کا پہاڑ سر پر آ پڑا ہے۔ لیکن حضرت محمد ﷺ کا عشق دیکھا کہ کس شان سے محبوب کی نظر میں ظاہر ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ اعلان کیا کہ اب کہہ دے! تمام بنی نوع انسان کو مطلع کردے کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ کہ اے محبت کا دعویٰ کرنے والو! خدا کی محبت عذاب نہیں، خدا کی محبت ثواب ہے، یہ لذّت ہے، یہ جنت ہے اور جنت کی بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی قسم ہے اسلئے تم بھی اگر محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری پیروی کرو، میرے پیچھے آؤ پھر تمہیں پتا لگے گا کہ محبت ہوتی کیا ہے پھر تم محبت کی حقیقت سے آشنا ہو گے اور سچی محبت کے نتیجہ میں خدا کے پیار اور محبت کی نظریں تم پر پڑنے لگیں گی۔ پس ان معنوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وسیلہ ٹھہرے۔

پس جب ہم درود پر زور دیتے ہیں تو ہرگز نعوذ باللہ من ذالک اس میں کوئی شرک کا پہلو نہیں۔ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا اور کوئی کچھ نہیں۔ اس کے سوا نہ محمدیت ہے، نہ احمدیت ہے، نہ زندگی کی کسی اور حقیقت کے کوئی معنی ہیں۔ تو خدا ہی ہے جو سب کچھ ہے لیکن وہ لوگ بھی بہت کچھ ہوئے جو خدا تعالیٰ سے وابستہ ہو گئے اور وہ لوگ بھی بہت کچھ ہوئے جنہوں نے خدا تعالیٰ سے وابستہ ہونا شروع کر دیا۔ پس اس پہلو سے وسیلے کی حقیقت کو سمجھیں تو ہم سب آج اپنے ربّ سے وابستہ ہو رہے ہیں اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ لازماً ہم سب آنحضرت ﷺ کے عظیم احسانات کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم احسانات کا بدلہ اتار سکیں۔ پس قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۱﴾ کہ کیا احسان کی جزاء احسان کے سوا بھی کچھ ہو سکتی ہے؟ پس یہ بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احسانوں میں سے ایک احسان ہے اور عظیم احسان ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے دل میں بھی تمنا ہوتی ہوگی کہ مجھے تحفے دو۔ میرے لئے کچھ کرو تو درود پڑھا کرو۔ خدا کی حمد کے بعد درود پڑھا کرو اور اس کے نتیجے میں بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم کچھ احسان اتار رہے ہیں مگر طاقتور سے لڑائی نہیں ہو سکتی ناممکن ہے۔ محسن اعظم کے احسان سے فیضیاب ہونے والے اس سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک طرف بظاہر ہمارے دل کو تسکین دینے کے سامان پیدا کئے کہ تم بھی مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ کچھ تمہیں بھی تو لطف آئے کہ تم نے میرے لئے کچھ کیا اور ساتھ فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری دعائیں مقبول ہوں گی۔ یہ سارے درود خدا تعالیٰ تم پر لوٹا دے گا اور آسمان سے یہ درود برکتیں اور رحمتیں بن کر تم پر نازل ہوا کرے گا۔ تو کیسا احسان اتارا؟ ایک ذرّہ بھی نہیں۔ احسان اتارنے کی کوشش میں اَور احسانوں تلے ہم دبتے چلے

جاتے ہیں اور دبتے چلے جائیں گے۔

پس آنحضرت ﷺ چشمہ فیض ہیں۔آپؐ کا فیض لازماً لوگوں کو پہنچے گا۔کسی کا فیض آپؐ کو نہیں پہنچ سکتا،سوائے خدا کے۔میرے نزدیک خاتمیت کا آخری معنی یہی ہے کہ وہ فیض رساں جو ہر دوسرے کو فیض پہنچائے اور کبھی کسی سے فیض حاصل نہ کرے سوائے اس کے کہ جس کی وہ مہر ہے، جس کے ہاتھوں سے لگتی ہے۔پس کامل رسول، سب سے کامل رسول، اکمل رسول، سب کاملوں سے بڑھ کر کامل اور سب خدا رسیدہ لوگوں سے بڑھ کر خدا رسیدہ ایک ایسا رسول تھا جس کا فیض تمام نبیوں پر پھیلا ہے۔تمام بنی نوع انسان پر پھیلا ہے۔حیوانات پر پھیلا ہے۔جمادات پر پھیلا ہے۔ان کو پہنچا جو آپؐ کے آنے سے بہت پہلے پیدا ہوئے۔اس کائنات کو پہنچا جو ابھی ابتدائے وجود کی حالت میں کروٹیں بدل رہی تھی۔کیونکہ آپؐ آخری رسول تھے اس لئے آپ فیض رساں ہیں لیکن تمام تر فیوض آپؐ نے اپنے ربّ سے پائے۔یہ توحیدِ کامل ہے جس کا سمجھنا ضروری ہے اور اس کے نتیجہ میں جہاں حمد کی طرف غیر معمولی توجہ اور عارفانہ توجہ پیدا ہوتی ہے وہاں درود کی طرف بھی غیر معمولی اور عارفانہ توجہ پیدا ہوتی ہے۔

پس ہم یہ مبارک ایام ان فضاؤں میں سانس لیتے ہوئے یہاں بسر کریں گے جن فضاؤں کے ساتھ ہمارا ایک گہرا جذباتی رابطہ ہے۔خواہ ہم اس فیض کو پاسکیں یا نہ پاسکیں لیکن جب ہم یہ سوچتے ہیں اور سوچیں گے کہ حضرت مسیح موعود ان فضاؤں میں سانس لیتے رہے اور آپؑ کے بزرگ صحابہؓ اور خلفاء ان فضاؤں میں سانس لیتے رہے تو باوجود اس احساسِ بے بسی کے ہم زبردستی اس کا فیض نہیں پا سکتے جب تک فیض پانے کی اہلیت پیدا نہ کریں۔ایک جذبات میں انگیخت تو ضرور ہوگی، ایک لرزش پیدا ہوگی۔ایک تموّج پیدا ہوگا اور تموّج بھی ایک عجیب روحانی لطف پیدا کرتا ہے۔ایسی کیفیات میں درود پڑھا کریں۔ایسی کیفیات میں جو خاص تموّج کی حالتیں آپ پر آنے والی ہیں اور آچکی ہونگی اور آئندہ بھی آتی چلی جائیں گی ان حالتوں میں سب سے بڑھ کر حمد باری تعالیٰ کے بعد درود پڑھنے کی ضرورت ہے۔اور یہ وہ چیز ہے جو برکتوں کی صورت میں آپ ہی پر نازل ہوگی آپ کا کسی پر کوئی احسان نہیں۔نہ حمد کا خدا تعالیٰ پر احسان ہے نہ درود کا محمد مصطفیٰ ﷺ پر احسان ہے۔یہ احسان ایسا ہے جو کئی گنا ہو کر آپ کی طرف واپس لوٹے گا اور پھر آپ اس کیفیت میں اگر اپنوں کے

لئے ، غیروں کے لئے ، دوستوں کے لئے اور دشمنوں کے لئے ، آزادوں کے لئے اور اسیروں کے لئے ، صحتمندوں کے لئے اور بیماروں کے لئے ، وہ جو خوش نصیب ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے دولت کی فراوانی عطا کی ہے ، وہ جو غربت میں سسکتے ہوئے زندگیاں بسر کر رہے ہیں جو قرضوں کے بار تلے دبے ہوئے ہیں ، جو کئی قسم کے مصائب کا شکار ہیں ان سب کے لئے بھی اگر آپ دعائیں کریں گے تو وہ دعائیں زیادہ مقبول ہوں گی اور ان معنوں میں آپ بھی تو کچھ فیض رساں بن جائیں گے۔

پس یہ عجیب گُر ہمیں حمد و ثنا اور درود نے سکھا دیا کہ تم اپنے اوپر والوں کا احسان تو نہیں اتار سکتے مگر اس احسان اتارنے کی کوشش میں اپنے نیچے والوں پر اور احسان کرتے چلے جاؤ ، تمہیں بھی کچھ فیض رساں ہونے کا سلیقہ عطا ہوگا ، تمہیں بھی لطف ملے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفی ﷺ کا احسان نہیں اتار سکتے تو عاجز بندوں پر کچھ احسان تو کر سکتے ہو اور خدا کے بندوں پر احسان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو احسان مند محسوس فرماتا ہے۔ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امت پر احسان کرنے کے نتیجہ میں آنحضور ﷺ کی روح آپ پر رحمت اور درود بھیجے گی۔ یہ ایک ہی راستہ ہے جس سے ہم کچھ احسانات کا بوجھ ہلکا کرنے کی کامیاب کوشش کر سکتے ہیں لیکن اس راستے میں داخل اسی طریق سے ہوتے ہیں جو طریق قرآن کریم نے ہمیں سکھایا جو حمد و ثنا اور درود نے ہمیں سکھایا۔

پس آج کی اس محفل میں جو باتیں میں آپ کے سامنے کر رہا ہوں انہیں حرزِ جان بنائیں ان پر غور کریں ، سوتے جاگتے ، اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے کوشش کیا کریں کہ آپ کے اخلاق کے رونما ہوتے وقت یعنی جب اخلاق کسی عمل میں ڈھل رہے ہوتے ہیں یہ دیکھا کریں کہ اس پر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی کتنی چھاپ ہے۔ اور جب آپ ایسا سوچیں گے تو اکثر صورتوں میں جہاں بھی آپ بھلائی کریں گے آپ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے زیر احسان آرہے ہونگے۔ اور اس وقت کا درود ایک خاص کیفیت کا درود ہوگا۔ وہ عام حالت کا درود نہیں ہوگا۔ پس درود ، درود کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ ایسا درود پڑھیں جو دل کی گہرائیوں سے تموّج کی حالت میں اٹھے۔ ایک موج کی صورت میں ، لہر در لہر دل سے نکلے۔ وہ درود ہے جو آسمان تک پہنچتا ہے ، وہ درود ہے جو برکتیں بن کر آپ پر نازل ہوتا ہے۔ پھر آپ کی دعائیں آپ کے پیاروں کے حق میں بھی سنی جائیں گی۔ مجبوروں کے حق میں بھی سنی جائیں گی ، غیروں کے حق میں ، اپنوں کے حق میں ، ہر اس شخص کے حق میں آپ کی دعائیں سنی

جائیں گے جن کیلئے آپ آنحضورﷺ کے فیض کے اثر کے تابع دعا کریں گے۔ یہ آخری بات سمجھا کر میں اس خطبہ کو ختم کروں گا۔ آنحضورﷺ کے فیض کے تابع اگر آپ دعا کریں تو آپ کی دعا اپنوں کے لئے نہیں رہ سکتی، صرف اپنوں کیلئے نہیں رہ سکے گی۔ آنحضورﷺ کا فیض محسوس کرتے ہوئے اس خاص حالت میں اگر آپ دعا کریں تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے دشمن کے لئے بھی دعا نہ کریں۔ ناممکن ہے کہ تمام حاضر بنی نوع انسان کے لئے دعا نہ کریں۔ ناممکن ہے کہ آئندہ تمام آنے والی نسلوں کیلئے دعا نہ کریں۔ ناممکن ہے کہ تمام گزرے ہوئے بنی نوع انسان کیلئے دعا نہ کریں۔ کیونکہ آنحضورﷺ کے فیض کا یہ وسیع دائرہ تھا جس میں آپ کا فیض پہنچا کرتا تھا۔ پس آپ کے فیض سے لذّت پا کر آپ کے دل میں بھی اسی طرح کی ایک بے کنار موج اٹھے گی جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوگا، آپ کے دل کی گہرائی سے ایسی دعائیں اٹھیں گی جن سے بنی نوع انسان کو بہت سا فائدہ پہنچے گا۔ ان معنوں میں آپ فیض رساں بن سکتے ہیں اور انہی معنوں میں آپ کو فیض رساں ہونا چاہئے کیونکہ اگر آپ آج فیض رساں نہ بنے تو یہ دنیا ہلاکت کے آخری کنارے تک پہنچی ہوئی ہے۔ کسی اور کا فیض اس دنیا کو اب ہلاکت سے بچا نہیں سکتا۔ ایک محمد مصطفیٰﷺ کا فیض ہے وہ آپ کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان وسیلہ بنے ہیں اور آپ کو محمد مصطفیٰﷺ اور بنی نوع انسان کے درمیان لازماً وسیلہ بننا ہوگا۔ یہی وہ وسیلہ ہے جو آج تمام بنی نوع انسان کی نجات کا وسیلہ بنے گا اگر یہ وسیلہ نہ بنا تو بنی نوع انسان کا کچھ نہیں بن سکتا۔ یہ آج کی دنیا لازماً ہلاک ہونے والی ہے۔ اس کے اطوار تو دیکھیں۔ اس کی عادتیں حضرت محمد مصطفیٰﷺ کی عادتوں سے کوسوں کیا، کروڑوں، اربوں میل دور جا چکی ہیں۔ پس وسیلے کے مضمون کو اپنے تک پہنچا کر ختم نہ کر دیا کریں۔ محمد مصطفیٰﷺ وسیلہ صرف خدا تعالیٰ اور آپ کے درمیان نہیں تھے، خدا تعالیٰ اور سارے بنی نوع انسان کے لئے وسیلہ بننے کے لئے آئے تھے اور آپؐ کو مزید وسیلوں کی ضرورت ہے۔ پس وہ جو محمد مصطفیٰﷺ سے عشق کا دم بھرتے ہیں، جو غلامی کا دعویٰ کرتے ہیں، جو عہد کرتے ہیں کہ ہم آپؐ کی خاطر، آپؐ کے ناموس کی خاطر، آپؐ کے پیغام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔ ان کو لازماً وہ وسیلہ بننا ہوگا اور وسیلے کے تقدّس کے تقاضے پورے کرنے ہوں گے جس حد تک بھی توفیق ملے۔ جو انسانی کمزوریوں اور بشری بے بسی کے نتیجے میں کمزوریاں لاحق ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ ایسی صورت میں مجھے اللہ تعالیٰ سے بھاری

امید ہے کہ ایسے لوگوں سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔ان کی کمزوریوں سے صرفِ نظر فرمائے گا،ان کے گناہوں کو بخشے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے سب سے محبوب اور سب سے محبوب مطلوب سے یہ پیار کرنے والے ہیں۔اور اگر اپنے کسی محبوب سے کسی کو پیار ہو تو لازماً اس کی کمزوریوں سے بھی انسان صرفِ نظر کرنے لگ جاتا ہے اور بہت سی باتیں اس کی برداشت کر جاتا ہے جو دوسروں کی نہیں کرسکتا۔پس خدا سے مغفرت پانے کا بھی یہی ایک ذریعہ ہے۔اس وسیلے سے تعلق قائم کریں اور اس وسیلے کی خاطر آپ اس کے اور بنی نوع انسان کے درمیان وسیلہ بن جائیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آج کے خطبے کی آواز دنیا کے مختلف ممالک میں پہنچ رہی ہے اور اس ضمن میں جسوال برداران کا دعا کی خاطر ذکر کرنا چاہتا ہوں،خصوصاً وسیم جسوال صاحب کی غیر معمولی محنت اور کوشش کے نتیجے میں آج یہ سامان مہیا ہوئے ہیں کہ آج یہاں کے خطبے کی آواز انگلستان پہنچے۔پھر انگلستان سے سیٹلائٹ کے ذریعہ دنیا کے مختلف ممالک میں مشرق و مغرب میں۔اور جاپان تک بھی پہنچے فجی میں بھی پہنچے،ماریشس میں بھی پہنچے،یورپ کے ممالک میں بھی پہنچ جائے۔غرضیکہ جہاں جہاں بھی جس جماعت کو توفیق ہے کہ خطبہ سننے کے انتظامات کر سکے ان تک یہ آواز آج براہ راست پہنچ رہی ہے۔ اس پہلو سے یہ ایک عظیم تاریخی دن ہے کہ آج قادیان سے محمد مصطفی ﷺ کے کامل غلام کے ایک ادنیٰ غلام کی آواز،آپ ہی کی آوازیں بن کر تمام عالم میں پھیل رہی ہیں۔اللہ تعالیٰ اس سعادت کے نتیجہ میں ہمیں مزید شکرگزار بندے بننے کی توفیق عطا فرمائے اور اس شکرگزاری کا آغاز اس بات سے ہونا چاہئے کہ جو لوگ اس بات کیلئے سعادت کا ذریعہ بنے ان کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے ہیں جنہوں نے ان انتظامات میں بہت ہی کوشش اور بہت ہی محنت کی ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

قادیان کے جلسے کے انتظامات رسمی طور پر تو شاید کل یا پرسوں شروع ہوں گے۔لیکن ان انتظامات کا آغاز بہت پہلے سے ہو چکا ہے۔انگلستان میں آفتاب احمد خان صاحب جو یونائیٹڈ کنگڈم (United Kingdom) کے امیر ہیں۔وہ خصوصیت سے اس معاملہ میں میری مدد کرتے رہے ہیں اور بہت ہی حکمت،ذہانت اور مسلسل بڑی محنت کے ساتھ اس جلسے کو کامیاب بنانے کے لئے جو

کچھ صلاحیتیں ان کو عطا ہوئی تھیں وہ خرچ کی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بہت سے ہمارے انگلستان میں ساتھی اور پھر قادیان میں بہت سے درویش، پھر ربوہ سے آنے والے سلسلہ کے خدام کثرت سے ایسے نام ہیں جو ذہن میں دعا کی غرض سے عمومی طور پر گھوم جاتے ہیں لیکن اس موقع پر تفصیل سے ان ناموں کا بیان ممکن نہیں۔ اس لئے میں آپ سے یہی درخواست کرتا ہوں کہ ان ایام میں تمام کارکنوں کو جنہوں نے کسی بھی رنگ میں جلسے کی خدمات میں حصہ لیا ہے یا آئندہ لیں گے ان کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھا کریں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ جلسہ کے ان ایّام میں بہت سے مختلف قسم کے لوگ یہاں آئیں گے۔ اکثر خدا تعالیٰ کے فضل سے اخلاص کے ساتھ، وفا اور محبت سے مجبور ہو کر یہاں پہنچیں گے، کچھ شریر بھی آئیں گے، کچھ تنگ نظر بھی آئیں گے، کچھ بدارادے لیکر بھی آئیں گے اسلئے جہاں ان پاک نیک لوگوں کے لئے ہم پر کچھ فرائض ہیں جو خدا کے نام کی خاطر اور خدا کے دین اور خدا کے پیاروں کی محبت کی خاطر یہاں پہنچے ہیں یا پہنچتے رہے ہیں، جہاں ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی ذمّہ داریاں ادا ہوتی ہیں وہاں انکو غیروں کے اثر سے بچانے کی بھی ہم پر ذمّہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کے لئے آپ سب کو نگران رہنا چاہئے۔ ظاہری سیکیورٹی وغیرہ کے جو انتظامات ہیں وہ تو محض بہانہ ہوتے ہیں۔ اصل تو خدا تعالیٰ کا فضل ہے لیکن خدا تعالیٰ کا فضل جن جن مشکلوں میں ڈھلتا ہے، جن جن وسیلوں میں سے گزر کے آگے بڑھتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر مومن صاحب فراست ہوتا ہے۔ ہر مومن کو بیدار مغز ہونا چاہئے۔ جہاں اس کو کوئی رخنہ دکھائی دے وہاں کوشش ہونی چاہئے کہ وہ رخنہ بند ہو جائے پیشتر اس کے کہ اس کے نتیجہ میں کوئی فساد ابل پڑے۔ اسی طرح اپنی چیزوں کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ مجھے تجربہ ہے کہ جلسہ کے موقع پر جماعت مومنین کو بھولا بھالا سمجھ کر کئی چور اُچکّے بھی آجاتے ہیں اور پھر لوگوں کو اس سے بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لئے میں آپ کو نصیحت کر رہا ہوں۔ آپ خود بھی یہ نصیحت ذہن نشین کر لیں لیکن آنے والوں کو بھی بتائیں کہ اپنے سامانوں کی حفاظت کریں۔ باہر سے کثرت سے لوگ آنے والے ہیں۔

پس جہاں جہاں جس قیام گاہ میں آپ ٹھہرتے ہیں کوئی قیامگاہ ایسی نہیں ہونی چاہئے جہاں آپ اپنا امیر نہ بنائیں۔ اگر یہ نظام جلسہ سالانہ قادیان کے منتظمین نے جاری فرما دیا ہے تو اس

نظام کے مطابق کام کریں۔ اگر نہیں ہے تو یاد رکھیں کہ ہر کمرہ کا ایک امیر ہونا ضروری ہے۔ اس کا نظام کے تابع انتخاب کر کے یا مقرر کروا کے پھر اندرونی انتظامات کو مکمل کریں۔ کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ کیا کرے؟ اس کا ان سب کو علم ہونا چاہئے۔ کوئی اور ایمر جنسی ہو جاتی ہے، حادثہ ہو جاتا ہے تو کیا ہونا چاہئے؟ یہ پھر آپ کی قیامگاہ کے امیر کا کام ہے کہ اپنے ساتھ نائبین بنائے۔ سب ضروریات پر نظر رکھتے ہوئے وقت پر آپ کو مطلع کرے بلکہ پہلے سے بتا رکھے کہ یہ بات ہو تو یہ ہونا چاہئے۔ فلاں بات ہو تو یہ ہونا چاہئے۔ کوئی کسی قسم کی شرارت کرتا ہے تو اس کا یہ توڑ ہے۔ اگر پولیس کے پاس جانا ہے تو کس طرح جانا ہے۔ کس نظام کی معرفت اور کس وسیلے سے پہنچنا ہے۔ یہ ساری باتیں ایسی تفصیلی ہیں جو بعض دفعہ منتظمین سمجھتے ہیں کہ سب کے علم میں ہی ہیں۔ سب کے سب جانتے ہیں کیونکہ خود ان کے علم میں ہیں حالانکہ بہت سے بھولے بھالے باہر سے آنیوالے ایسے ہیں کہ ان کو کوئی پتا نہیں ہوتا کہ کیا کرنا چاہئے۔ ان کی تربیت کرنی ضروری ہے۔ پس جماعت کے ہر نظام میں تربیت کا ایک از خود رفتہ نظام جاری ہو جایا کرتا ہے اور جلسے کی برکتوں میں سے ایک یہ بھی برکت ہے کہ اس جاری وساری نظام سے بہت سے لوگ فیض پاتے ہیں اور واپس جا کر بہتر زندگی گزارنے کی اہلیت حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔

پس اس بات کو یاد رکھئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسانات میں سے ایک یہ بھی احسان ہے کہ امارت کے بغیر کی زندگی کا کوئی تصوّر بھی مسلمان کے لئے باقی نہیں رہتا اسے لازماً نظام کی کڑی کے طور پر نظام کے سلسلے سے مربوط ہو کر رہنا پڑے گا اور اس کا یہ طریق ہمیں سمجھایا کہ اگر تم سفر پر جاتے ہو، کہیں بھی ہو، بغیر امارت کے نہیں رہنا چاہئے۔ یہی امارت ہے جس کا سلیقہ اگر مومنوں کو عطا ہو جائے تو اس سے صالح امامت رونما ہوتی ہے اور خلافت کی حفاظت کے لئے بھی اس نظام کا تفصیل سے جاری رہنا، جاری رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا بڑا ضروری ہے۔ پس ان تمام فسادات سے بچنے کے لئے اور اس دیر پا دُور رَس اور اعلیٰ نیت کے ساتھ کہ نظام جماعت کی حفاظت اور صالحیت کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں۔ جہاں بھی آپ رہیں گے وہاں ایک امیر بنا کے ان تمام باتوں پر نظر رکھئے جو ایسے بڑے اجتماعات میں حادثوں یا شرارتوں کی صورت میں رونما ہو سکتے ہیں۔ ان کی پیش بندی کے لئے ترکیب سوچئے، سامان پیچھے چھوڑ کر جاتے ہیں، کوئی آئے گا کیسے

داخل ہوگا، اس کو اگر روکا جائے تو شرارت کا احتمال نہ ہو، یہ ساری باتیں ہیں جن میں توازن پیدا کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے اگر بیدار مغزی سے پہلے ہی متنبہ ہوں تو پھر آپ ایسا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں جلسے کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق بخشے۔

مقامی درویشوں پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ بعض کے گھر اس طرح بھرے ہیں اور بھرنے والے ہیں کہ باہر سے آدمی دیکھے تو سوچ نہیں سکتا کہ اس گھر میں سے اتنے افراد نکلیں گے۔ آج کل تو مرغی خانے کا نظام اور طرح ہو گیا ہے۔ پرانے زمانے میں خصوصاً پنجاب میں چھوٹے چھوٹے دڑبے رکھے جاتے تھے اور ان میں قطع نظر اس کے کہ اتنی سانسوں کی گنجائش بھی ہے کہ نہیں، زمیندار مرغیاں گھسیڑتا چلا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ آخر پر مشکل سے دروازہ بند کر دیتا تھا۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ ایسی حالت میں مرغیاں بچ جاتی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ بچپن میں میں نے دیکھا کہ ایک دڑبا کھلا تو اس میں اتنی مرغیاں نکلیں گھبرائی ہوئی اور پریشان کہ یقین نہیں آتا تھا کہ اس چھوٹے سے دڑبے میں سے نکل رہی ہیں لیکن یہ صرف مرغیوں کی دنیا کی بات نہیں ہے۔ احمدی جلسے میں ہر گھر مرغا خانہ بن جاتا ہے اور بعض دفعہ مہمان نکلتے ہیں اور اتنے نکلتے ہیں کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ کیسے اس میں سما گئے تھے؟ مگر دل کو خدا تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی ہے، ایثار کے جذبے عطا کئے ہیں، محبت عطا کی ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ سب انہونی باتیں ہو کر رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ محبت اور پیار کے انداز میں ان مشکل تقاضوں کو پورا کریں اور شوق سے اور پیار سے پورا کریں، لطف اٹھاتے ہوئے پورا کریں نہ کہ تکلیف محسوس کرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضورؒ نے فرمایا:

جلسہ کے ایام میں اور آج سے لے کر جلسہ تک اور جلسہ کے بعد بھی کچھ عرصہ تک کیونکہ لوگوں کو بار بار مساجد میں اکٹھا ہونے میں تکلیف ہوتی ہے اور ایسی تکلیف کے لئے اللہ تعالیٰ نے سہولت مہیا فرما رکھی ہے اس کے لئے نمازیں جمع ہوتی رہیں گی۔ آج بھی ہوں گی اور جب تک سہولت پیدا نہ ہو جائے تب تک اس رخصت سے استفادہ کیا جائے گا۔ تو یاد رکھئے کہ اب بھی، شام کو بھی اور آئندہ بھی ان ایام میں ظہر و عصر کی نمازیں اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع ہوا کریں گی۔‘‘

وقف جدید کے نئے سال کا اعلان

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷؍ دسمبر ۱۹۹۱ء بمقام بیت اقصیٰ قادیان

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

آج سے 34 سال پہلے دسمبر کی 27 ؍ تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی بار وقف جدید کی بناء ڈالی ۔ اور اس کا اس خطبہ میں اعلان کیا۔ آج 34 سال کے بعد پھر دسمبر کی 27 ؍ تاریخ ہے اور جمعہ کا دن ہے اور مجھے وقف جدید کے نئے سال کے اعلان کی توفیق مل رہی ہے۔

یہ بھی ان اتفاقات کے سلسلہ میں سے ایک حسن اتفاق ہے جو اس سال بہت اکٹھے ہو گئے ہیں اتنے کہ اتفاقات پر ایمان اٹھ گیا ہے اور یوں لگتا ہے کہ اتفاق کی بات نہیں یہ تقدیر الٰہی ہے جو جاری ہے ورنہ اتفاق سے، ایک اتفاق ہو جائے، دو ہو جائیں، تین ہو جائیں، یہ کیا کہ اتفاقات کا مسلسل سلسلہ جاری ہو اور ہر اتفاق حسن اتفاق ہو۔ پس مَیں سمجھتا ہوں کہ اس سال کی خصوصیات میں سے حسن اتفاق کے ایک مجموعہ کا اس طرح ظہور ہونا بھی شامل ہے ۔ یعنی ہر اتفاق اپنی ذات میں ایمان افروز لیکن ان کا گلدستہ بہت ہی دیدہ زیب دکھائی دیتا ہے۔

وقف جدید سے متعلق جب حضرت مصلح موعودؓ نے پہلا اعلان کیا تو بہت ہی احتیاط کے ساتھ بہت معمولی چندے کی تحریک فرمائی اور اسے بہت آسان کر کے جماعت کو دکھایا۔ چند ہزار روپے کی تحریک تھی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس سلسلہ میں چونکہ بہت سے زمیندار زمین کے کچھ ٹکڑے وقف کریں گے اور معلمین کو جن کو ہم بہت تھوڑا گذارہ دیں گے ان زمینوں سے کچھ زائد آمدنی کی صورت پیدا ہو جائے گی اس لئے مالی لحاظ سے اتنے فکر کی بات نہیں۔ اس تحریک کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جتنی توقع حضرت مصلح موعودؓ نے

ظاہر فرمائی تھی، اس سے زیادہ کے وعدے جماعت نے پیش کئے اور جتنے مراکز کا شروع میں اعلان فرمایا تھا کہ وقف جدید کے معلم وہاں جا کر بیٹھیں گے اس سے زیادہ مراکز کا سامان مہیا ہو گیا۔ اس تحریک کے وقت حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسی بات کہی جس کو میری ایک والدہ نے بڑے تعجب سے دیکھا اور بعد میں مجھے بتایا، انہوں نے فرمایا کہ جب حضرت مصلح موعودؓ نے اس تحریک کے اعلان کا فیصلہ کیا تو ساتھ مجھے بتایا کہ اس میں مجلس کے ممبر کے طور پر مَیں نے سب سے پہلا نام طاہر کا لکھا ہے۔

پس آج جب مَیں اس خطبہ کے لئے آ رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ یہ بھی شاید اللہ کی کسی تقدیر کے نتیجہ میں تھا کہ وقف جدید کی مجلس میں حضرت مصلح موعودؓ نے جو پہلا نام اپنے ہاتھ سے لکھا تو وقف جدید کے 34 سال کے بعد لیکن تقسیم کے بعد خلیفہ ٔ وقت کے تعلق سے یہاں خطبات کا جو انقطاع ہوا تھا، اسکے 45 سال کے بعد آج قادیان میں ہونے والے پہلے جلسہ سالانہ کے جمعہ میں مجھے ہی وقف جدید کے نئے سال کے اعلان کی توفیق مل رہی ہے۔

ہندوستان میں وقف جدید کی تحریک کچھ کمزور حالت میں پائی جاتی تھی۔ کیونکہ وقف جدید کے چندے کی طرف ہندوستان کی جماعتوں میں دلچسپی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ابھی تک وہ کمزوری جاری ہے اور بمشکل پانچ لاکھ کے قریب یا کم و بیش اتنی ہی وصولی ہوتی ہے حالانکہ ہندوستان میں وقف جدید کی غیر معمولی اہمیت سمجھی جانی چاہیے۔ یہ وہ تحریک ہے جس کے ذریعہ تمام ہندوستان کے علاقوں میں کم سے کم خرچ پر جماعت احمدیہ کا مؤثر رنگ میں پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ذہن میں جو نقشہ تھا وہ کچھ اسی قسم کا تھا جیسا کہ مَیں نے اپنی کل کی تقریر میں ذکر کیا تھا کہ کچھ درویش صفت لوگ جن کی ضروریات زیادہ نہ ہوں، خدا کے نام پر کسی ایک جگہ جا کر بیٹھ رہیں اور وہاں دھونی رما لیں اور اردگرد اصلاح و ارشاد کا کام کریں اور جماعتیں ہوں تو وہاں ان کی تربیت کا کام بھی سنبھالیں۔ یہ وہ طریق کار ہے جس کے ذریعہ ہم آسانی کے ساتھ ملک کے گوشے گوشے میں تبلیغ ہدایت کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں جماعت کی عمومی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ اگر ہم بڑے بڑے علماء تیار کر کے ہندوستان کو پیغام دینا چاہیں تو اس کے لئے بہت لمبے انتظار کی ضرورت ہوگی۔

وقف جدید کی طرف سے اگرچہ ہم معلمین کو باقاعدہ تعلیم بھی دیتے ہیں لیکن اس جدید تحریک کی روایات یہ ہیں کہ اگر ضرورت پیش آئے تو تعلیم کے فقدان کی پرواہ نہ کی جائے اخلاص کو

دیکھا جائے اور اگر واقعۃً کوئی معمولی تعلیم والا شخص بھی اخلاص میں بڑھا ہوا ہو، تقویٰ کے لحاظ سے اس کا معیار اونچا ہو تو اس کو بھی وقف جدید میں شامل کر لیا جائے۔ شروع میں یہی طریق تھا لیکن رفتہ رفتہ پھر معیار تعلیم کو بڑھایا جانے لگا اور وقف جدید میں داخلہ کیلئے کم سے کم میٹرک کو معیار قرار دیا گیا۔ رفتہ رفتہ تعلیم میں اور بھی اضافے ہوئے۔

اب پاکستان میں صورتحال یہ ہے کہ خدا کے فضل سے جتنے بھی معلمین ہیں ان کی ٹھوس تعلیم کا اگر مکمل نہیں تو کسی حد تک انتظام کیا جاتا ہے۔ یہی صورت اس وقت ہندوستان میں رائج ہے لیکن آغاز میں وقف جدید کی جو روح تھی وہ وہی تھی جس کو مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ اگر وقت کا تقاضا ہو تو تعلیم کو بے شک نظر انداز کر دو۔ اخلاص اور تقویٰ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے واقفین کا انتخاب کرو۔ اور جہاں ضرورت ہے اس ضرورت کو پورا کرو۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ آج ایسا ہی وقت ہے کہ ہمیں تعلیم کے لمبے جھگڑوں کو نظر انداز کرنا ہوگا اور جب ہم یہ کہتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں معاً وقف جدید کے معلمین کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں۔ اول وہ جو محض تبلیغِ حق کیلئے، تبلیغِ ہدایت کیلئے دنیا میں نکل کھڑے ہوں اور ان کی تعلیم خواہ کیسی بھی کیوں نہ ہو وہ تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہوں، تقویٰ کا زادِ راہ رکھتے ہوں تو ہم امید رکھتے ہیں کہ خدا کے فضل سے ان کی تبلیغ کو بہت پھل لگیں گے۔ ایک دوسری نوع کے معلمین وہ ہوں گے جن کو لازماً کم سے کم بنیادی تعلیم دینی ہوگی۔ کیونکہ ان کا زیادہ تر کام جماعتوں کی تربیت ہوگا۔ پس دو قسم کے معلمین کی ہمیں اس وقت ہندوستان میں شدید ضرورت ہے۔ ایک وہ جو پیغام حق پہنچائیں خواہ کسی تعلیم کے ہوں۔ کسی طبقۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وقف کی روح رکھتے ہوں، ایک ولولہ رکھتے ہوں، ایک جوش رکھتے ہوں کہ آج میدانِ خدمت نے ہمیں آواز دی ہے ہم ضرور لبیک کہیں گے۔ اس جذبہ کے ساتھ وہ میدان میں نکل کھڑے ہوں اور ہر میدان کو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں سر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرے معلمین تربیت کی خاطر تیار ہونے ضروری ہیں۔ اور انہیں کچھ علمی ہتھیار سے مرصع کرنا اس لئے ضروری ہے کہ بعض اوقات بعض علماء ان جگہوں پر جہاں جماعتِ احمدیہ ترقی کر رہی ہے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جا پہنچتے ہیں اور چیلنج دیتے ہیں کہ آؤ ہم سے علمی مقابلہ کرو، ایسی صورت

میں اگر وہاں نہیں تو قرب و جوار میں ضرور ایسے معلم مہیا ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ علمی میدان میں بھی ان کو شکست دے سکیں۔

ہندوستان میں ضروریات اس تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی جماعتوں سے شاید اتنے احباب نہ مل سکیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر میں نے قادیان کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہندوستان کی حکومت سے درخواست کریں کہ جس طرح دوسرے ممالک میں جماعت احمدیہ کو اپنے مبلغین بھجوانے کی اجازت ہوتی ہے اس طرح ہندوستان بھی ہمیں باہر سے مبلغین بھجوانے کی اجازت دے۔ اس سلسلہ میں گفت وشنید ابھی کسی آخری مرحلے پر نہیں پہنچی لیکن اگر ہندوستان کی حکومت وسیع حوصلہ دکھائے اور جیسا کہ دنیا کے تمام ممالک خدمت دین کرنے کیلئے آنے والوں کی درخواستوں پر ہمدردی سے غور کرتے ہیں اور انہیں اجازت دیتے ہیں جیسے ہندوستان میں کثرت سے یورپ اور امریکہ سے عیسائی مبلغ اور مناد پہنچتے رہے اور آج بھی شاید ان کو اجازت دی جاتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان مبلغین کو جو خالصۃً اللہ کی خاطر قربانی کرتے ہوئے امن کو پھیلانے کے لئے، خدا کی محبت کو فروغ دینے کیلئے سچائی کا پیغام لے کر یہاں پہنچیں ان کی راہ روک دی جائے۔ بہرحال اگر حکومت ہندوستان نے ہمدردانہ غور کرتے ہوئے جماعت کو اجازت دی تو میں ہندوستان کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ایک عالمی وقف کی تحریک کروں گا تا کہ دوسرے ملکوں سے بھی لوگ یہاں پہنچیں اور آپ کے وقت کے تقاضوں پر لبیک کہیں۔ اگر یہ اجازت نہ مل سکی تو پھر آپ کو لازماً اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنا ہوگی۔

اس وقت جو میدان ہمارے سامنے ہیں ان میں بعض نئے ممالک بھی ہیں جن کا بظاہر تحریک جدید سے تعلق ہے لیکن کام کی نوعیت وقف جدید والی ہی ہے۔ مثلاً سکم ہے، بھوٹان ہے، نیپال ہے وہاں جہاں جہاں بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کے مبلغین پہنچے ہیں انہوں نے زمین کو پیاسی دیکھا جو پیاسی بھی تھی اور سیراب ہونے کی خواہش بھی رکھتی تھی۔ ورنہ انسانی تجربہ میں یہ بات آئی ہے کہ جب تمثیلی طور پر انسان کا ذکر زمینوں کی صورت میں کیا جاتا ہے تو ضروری نہیں کہ پیاسی زمینیں پانی کی طلب بھی رکھتی ہوں۔ پانی آئے تو اسے رد بھی کر دیتی ہیں لیکن بھوٹان، سکم اور نیپال میں اللہ تعالیٰ کے فضل کیساتھ طبعی فطری رجحانات پائے جاتے ہیں اور صرف ایک مذہب

کی طرف سے پیاس کا اظہار نہیں بلکہ وہاں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب میں ہی ایک طلب ہے اور ایک تلاش ہے چنانچہ اب تک ہمارے معمولی تعلیم یافتہ معلمین نے جتنا بھی کام کیا ہے خدا کے فضل سے اس کے توقع سے بہت بہتر نتائج ظاہر ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمیں پھر لازماً ان ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے آپ سے مزید واقفین طلب کرنے ہوں گے۔ جہاں تک اعلیٰ تعلیم یافتہ واقفین کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اب قادیان میں جگہ کی اتنی سہولت مہیا ہو چکی ہے اور اس جلسہ کے اثر سے بعض دوسری جماعتوں نے بھی مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ان کے خرچ پر ان کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ ان کے علاقوں سے آنے والوں کے لئے بھی یہاں مہمان خانے تعمیر کئے جائیں۔

پس وہ جو دقت تھی کہ طلباء کو کہاں پڑھایا جائے، کہاں جامعہ بنایا جائے، یہ دقت تو عملاً دور ہو چکی ہے اور باقی مزید دور ہو جائے گی۔ اساتذہ کا جہاں تک تعلق ہے، مَیں نے غیر ممالک سے جائزہ لیا ہے اور بہت مثبت جواب پایا ہے کہ عرب جو عربی زبان کی مہارت رکھتے ہوں، ویسے تو ہر عرب کو عربی آتی ہے لیکن ہر مادری زبان بولنے والے کو اس زبان پر قدرت نہیں ہوا کرتی اس لئے مزید چھان بین کرنی پڑتی ہے کہ کون فصیح و بلیغ زبان جانتا ہے، پس ایسے عرب احمدیوں میں سے جو زبان پر خدا تعالیٰ کے فضل سے قدرت رکھتے ہیں۔ جب مَیں نے یہ سوال کیا کہ کیا آپ اپنے آپ کو وقف کر کے قادیان کے جامعہ میں پڑھانے کے لئے تیار ہوں گے تو انہوں نے خوشی سے اثبات میں جواب دیا بلکہ بہت ہی پر خلوص جذبے کے ساتھ لبیک کہی۔

اسی طرح ایسے انگریزی دان بھی میسر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ قادیان میں آ کر خدمت کے لئے تیار ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے اور زبانوں میں بھی زبان سکھانے والے اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔ اس پہلو سے یہاں کے جامعہ کا معیار خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت بلند کیا جا سکتا ہے۔ اہل زبان اپنی اپنی زبان یہاں کے طالب علموں کو سکھائیں اور قابل علماء جو یہاں میسر نہ ہوں تو باہر سے منگوائے جائیں۔ وہ اپنے اپنے مضمون کو اعلیٰ پیمانہ پر ذہن نشین اور دلنشین کریں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ یہاں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جامعہ کا معیار بہت بلند ہو سکتا ہے اور جو روکیں اس وقت پاکستان میں ہمیں زچ کر رہی ہیں اور دل کو تنگ کرتی ہیں مَیں امید رکھتا ہوں کہ وہ روکیں یہاں

نہیں ہوں گی۔ پس اگر یہ ہوتو میرے ذہن میں یہ نقشہ ہے کہ ایک وسیع جامعہ بنایا جائے جس کا کام صرف اعلیٰ درجہ کے مولوی فاضل پیدا کرنا یا مولوی فاضل کے معیار سے بلند مبلغ پیدا کرنا نہ ہو بلکہ وقف جدید کے لئے بھی وہی کام کرے گویا شروع کے دو یا تین سال جتنی دیر میں ہم سمجھتے ہیں کہ وقف جدید کے مبلغ اس حد تک تیار ہو سکتے ہیں کہ وہ حوصلے اور اعتماد کے ساتھ میدان عمل میں جا کر خدمت بجالا سکیں اسوقت تک ان سب کی کلاسیں اکٹھی بھی ہوسکتی ہیں۔ بعد میں جو مزید ماہر علماء تیار کرنے ہوں وہ تین یا چار سال کے لئے مزید اس جامعہ میں ٹھہر کر اپنی آخری ڈگری حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر ان میں سے جو مخلصین فوری طور پر اپنے آپ کو میدان عمل کیلئے پیش کریں اسی جامعہ میں کچھ نہ کچھ ابتدائی تربیت کیلئے ان کو چند مہینے روکنا ہوگا اور خدا کے فضل سے اسی جامعہ میں اس کا بھی بہت عمدہ انتظام ہوسکتا ہے۔ تو تین قسم کے معلمین اور مبلغین یہ جامعہ تیار کریگا۔ ایک وہ مخلصین جو فوری طور پر اپنے آپ کو میدان عمل میں پیش کرنے کے لئے حاضر ہوں اسمیں نہ کوئی عمر کی شرط ہوگی نہ کوئی تعلیم کی شرط ہوگی، تقویٰ اور خلوص اور قربانی کا مادہ، یہ دیکھے جائینگے۔ ابتدائی طور پر ان کو نظامِ جماعت سمجھانے کیلئے، تبلیغ کے میدان میں حکمتوں کے معاملات سمجھانے کیلئے اور عمومی طور پر ان علاقوں کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانے کے لئے جن میں ان کو بھجوانا مقصود ہو۔ پھر اسلام کی کم از کم وہ تعلیم عمدگی کے ساتھ ان کے ذہن نشین اور دلنشین کرنے کی خاطر جس تعلیم کے بغیر کوئی مسلمان روزمرہ کی زندگی میں اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ وہ بھی ان کو لازماً سکھانی ہوگی مثلاً نماز ہے، اگر کوئی بہت ہی مخلص آدمی اپنے آپ کو پیش کرے کہ مَیں حاضر ہوں۔ مجھے میدان عمل میں جھونک دیا جائے لیکن نماز صحیح نہ جانتا ہو، اس کا تلفظ درست نہ ہو، اس کا ترجمہ اسے نہ آتا ہو، نماز کے متعلق اس کے اردگرد جو مسائل گھومتے ہیں ان سے ناآشنا ہو۔ وضو کے مسائل کا نہ پتہ ہو۔ دیگر آداب صلوٰۃ سے ناواقف ہوتو یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ یہ متقی ہے کیونکہ تقویٰ کی کچھ ظاہری علامتیں ہونی بھی تو ضروری ہیں۔ تقویٰ اگر کسی دل میں ہوتو وہ نماز سے محبت کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک سچا متقی ہو اور نماز کیلئے اس کے دل میں جستجو اور تڑپ نہ ہو۔

چنانچہ مجھے یاد ہے کہ اسی قادیان کی بستی میں جب بچپن میں ہم یہاں گلیوں میں گھوما کرتے

تھے تو عام سے عام انسان جسے دنیا کی زندگی میں عام کہا جاتا ہے ایک مزدور، ایک فقیر، وہ بھی نماز کو نہ صرف اچھے تلفظ کے ساتھ ادا کر سکتا تھا بلکہ اس کے مطالب سے آگاہ تھا اور روزمرہ کے دینی مسائل سے واقف ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں قادیان کے لوگ کچھ اور ہی مخلوق دکھائی دیتے تھے۔ جن کا اردگرد کی دنیا سے گویا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ وہ بستی تھی جہاں لوگ فقیروں کو، مانگنے والوں کو جھک کر سلام کیا کرتے تھے، ان کی عزت کیا کرتے تھے اور ان کے سامنے دعا کی درخواستیں پیش کیا کرتے تھے۔ یہ وہ بستی تھی جہاں مزدور جو سٹیشن پر مزدوری کرتے تھے پانچ وقت اپنی مزدوری کو چھوڑ کر مسجد مبارک میں حضرت مصلح موعودؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کے شوق میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ اعتکاف بھی بیٹھا کرتے تھے۔ ذکر الٰہی میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے اور دیکھنے میں ریلوے کے ایک قلی ہی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو لوگ دعاؤں کیلئے بھی کہتے تھے۔ ان سے استخارے بھی کروایا کرتے تھے۔ ان کی مجالس میں بیٹھنا باعث فخر اور باعث عزت سمجھتے تھے۔ یہ وہ معاشرہ تھا جس میں تقویٰ کی تعریف اپنے پورے جوبن کے ساتھ جلوے دکھا رہی تھی۔ پس جب مَیں نے یہ کہا کہ تقویٰ موجود ہو اور سچا اخلاص ہو تو ہم تعلیم کی مزید پروا نہیں کریں گے تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ سطحی طور پر تقویٰ کو دیکھا جائے گا۔ امر واقعہ تو یہی ہے کہ تقویٰ کی گہرائی میں اترنا صرف خدا کا کام ہے لیکن کسی حد تک انسانی نظر کو بھی تو جانچ کرنی پڑتی ہے۔ جس حد تک انسان کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے اس وقت تقویٰ کی ظاہری شرائط کو پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ پس اس پہلو سے مَیں سمجھتا ہوں کہ عارضی طور پر وقف کرنے والوں کو بھی ہم فوراً بغیر کسی تحقیق کے میدانِ عمل میں نہیں جھونک سکتے۔ یہ ضرور دیکھنا ہوگا کہ اسے مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کے ابتدائی فرائض ادا کرنے آتے ہیں کہ نہیں۔ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے لئے علم کی ضرورت نہیں۔ ازخود ہر مسلمان کو معلوم ہونے چاہئیں اور ایک متقی کو لازماً معلوم ہوتے ہیں۔ پس ان ابتدائی مسائل سے آگاہی کی خاطر اسے ان باتوں سے بہت اچھی طرح مسلح کرنے کی ضرورت ہے جو میدان عمل میں اس کے سامنے روزمرہ پیش ہوں گی اور ان سے لاعلمی کے نتیجہ میں وہ اپنے فرائض کو کما حقہٗ ادا نہیں کر سکے گا۔ جب وہ کسی کو اسلام کی طرف بلائے گا تو وہ پوچھے گا ناں کہ بتاؤ اسلام کیا ہے؟ اگر محض اخلاص ہی اخلاص ہو تو وہ اسے کیا بتائے گا۔ اسکی تو ایسی ہی مثال ہوگی جیسے کہا جاتا ہے کہ ایک پٹھان نے جب فساد کے زمانے تھے کسی

غیر مذہب والے کو تلوار کے زور سے ڈرا کر مسلمان بننے پر آمادہ کرلیا۔ جب وہ آمادہ ہو گیا تو اس نے کہا: خانصاحب! اب آپ فرمایئے کیسے مسلمان بنوں؟ اسنے کہا: کلمہ پڑھو۔ اسنے کہا پھر پڑھایئے تو کہا کہ تمہاری قسمت اچھی ہے۔ کلمہ مجھے بھی نہیں آتا۔ یہ لطیفہ ہے۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ پٹھانوں میں جو دین سے بڑی محبت رکھتے ہیں ایسے لوگ ہوں گے۔ مگر پرانے زمانوں میں یہ جاہلانہ رواج تھے کہ قوموں کے اوپر لطیفے بنائے جاتے تھے۔ پس کسی نے یہ لطیفہ گھڑا ہوگا۔ لیکن یہ فرضی لطیفہ ایسے معلم پر ضرور صادق آئے گا جو مسلمان بنانے کیلئے نکل کھڑا ہوا اور اسے صحیح طریق پر کلمہ بھی پڑھنا نہ آتا ہو۔ نماز بھی پڑھنی نہ آتی ہو، قرآن کریم کی تلاوت نہ جانتا ہو اور مسائل کی شدھ بدھ نہ رکھتا ہو۔ اس قسم کی تعلیم کیلئے مَیں سمجھتا ہوں کہ آغاز میں ہم تین مہینے کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اگر اساتذہ مشورہ دیں تو تین مہینے کو چھ مہینے میں بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ چھ مہینے جو ابتداء میں ہمیں کم از کم ضرورت کے معلم پیدا کرنے کیلئے درکار ہوں گے وہ ضائع نہیں جائیں گے کیونکہ اس عرصہ میں ہمیں بہت سے انتظامی کام بھی کرنے ہیں۔ بہت سے جائزے لینے ہیں اور میدان عمل میں دیگر ضرورتوں کی طرف بھی توجہ کرنی ہے۔ بعض مقامی قوانین کے تقاضے بھی پورے کرنے ہیں۔ مثلاً جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے سکم، بھوٹان، نیپال وغیرہ میں خدا کے فضل سے ایک رجحان پایا جاتا ہے لیکن وہاں پر جب تک جماعت رجسٹر نہ ہو اس وقت تک تبلیغ کی کھلے بندوں اجازت نہیں اور معلمین کو کافی دقت پیش آتی ہے۔

پس جب تک ہم وہاں باقاعدہ قانون کے تقاضے پورے نہ کرلیں اس وقت تک کھلی آزادی کے ساتھ اور پورے ولولے کیساتھ وہاں کام نہیں ہوسکتا۔ تو اگر آج کے بعد ہم ایک مہینہ آپ کی جماعتوں تک اس پیغام کے پہنچنے اور وہاں سے جواب آنے کا رکھ لیں اور ایک دو مہینے ان خواہشمند احباب کی درخواستوں پر غور کرنے کے، انکے حالات کی چھان بین کرنے کے اور وہاں کی جماعتوں سے رپورٹیں حاصل کرنے کے رکھ لیں تو پہلے تین مہینے تو اسی قسم کی ابتدائی تیاری کے لئے درکار ہوں گے۔ ان کے بعد پھر دوسری تیاریاں جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے کرنی ہوں گی۔ جامعہ کی تیاریاں ،اساتذہ کو حاصل کرنا، اس کے سلیبس تیار کروانا۔ نئے طرز پر جامعہ کی تعمیر کیلئے بڑی محنت درکار ہوگی اس کیلئے مَیں سمجھتا ہوں کہ کم از کم تین مہینے اور چاہئیں ہونگے تو جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چھ مہینے کے لیے بعد میں، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے تعلیم شروع کریں تو ایک سال کے بعد پہلا

پھل لگے گا۔ اگر چہ ہماری خواہش کے مطالبے اور ہیں اور صبر کے تقاضے اور ہیں لیکن لازماً آخر صبر کے تقاضے جیت ہی جاتے ہیں۔ ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا ایک سال کا انتظار تو ہمارے لئے بہر حال مقدر ہے۔ اس لئے پہلے سال کے بعد انشاء اللہ پھر ہر سال یا اگر چھوٹی کلاس ہو تو تین تین۔ چھ چھ مہینے کے بعد معلمین کے نئے وفود تیار ہوتے چلے جائیں گے۔ نئے گروہ تیار ہوں گے جن کو ہم حسب حالات اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہندوستان کے شمال وجنوب میں پھیلا سکتے ہیں۔

وقف جدید کی تحریک کا اس طرز تبلیغ سے گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ذہن میں جو طرزِ تبلیغ تھی یا طرزِ تربیت تھی یہ وہی ہے جو مَیں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ آپ کے پیش نظر کوئی بہت زیادہ رسمی سخت مزاج کی تنظیم نہیں تھی۔ ایسی تنظیم تھی جس میں لوچ ہو، جس میں تقاضوں کے مطابق ڈھلنے کی صلاحیت ہو، اونچ نیچ کیلئے اس میں گنجائش موجود ہو۔ پس ہندوستان کی وقف جدید کو بھی اسی نہج پر کام کرنا ہوگا اور اللہ کے فضل سے کسی حد تک یہ کام ہو رہا ہے۔ لیکن جہاں تک مقامی ضروریات کا تعلق ہے پانچ لاکھ کی رقم تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ چنانچہ چند سال پہلے مَیں نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے پہلی مرتبہ وقف جدید کے چندہ کے نظام کو بین الاقوامی یا کل عالمی بنا دیا۔ پہلے وقف جدید کے متعلق یہ خیال تھا کہ برصغیر ہندو پاکستان کی حدود میں محدود ہے اور صرف پاکستان ہی سے چندہ وصول کیا جائے یا صرف ہندوستان ہی سے چندہ وصول کیا جائے۔ اور اس میں ایک اضافہ بنگلہ دیش کا بھی کر لیں۔ ان دنوں میں وہ چونکہ مشرقی پاکستان تھا اس لئے اس وقت دو ہی ملک پیش نظر تھے مگر بنگلہ دیش بھی اس گروہ میں شامل ہے چند سال پہلے خصوصیت سے ہندوستان کی ضروریات کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں نے وقف جدید کے چندہ کی عالمی تحریک کی اور تمام دنیا کی جماعتوں سے یہ درخواست کی کہ پاکستان اور ہندوستان کی سرزمین وہ ہے جہاں سے کبھی خالصۃً آپ تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے وہاں کے باشندگان مسلسل قربانی کیا کرتے تھے اور کبھی کسی ذہن میں یا ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ چندہ تو ہم اکٹھا کر رہے ہیں لیکن خرچ دوسرے ملکوں میں ہو رہا ہے۔ **ہندوستان اور پاکستان کے باشندوں نے ایک لمبے عرصہ تک کلیۃً اللہ کی خاطر اور تمام نفسانی اغراض سے پاک ہو کر تمام دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے مالی قربانیاں بھی دیں اور جانی قربانیاں بھی دیں۔** چنانچہ مَیں نے باقی ملکوں کو سمجھایا کہ یہ تو ایک

ایسا احسان ہے جو آپ عمر بھر اور نسلاً بعد نسل بھی اتارنے کی کوشش کرتے رہیں تو دعا کے سوا اُتر نہیں سکتا۔ مگر ظاہری طور پر اگر یہ احسان اُتارنا چاہتے ہیں تو ایک صورت یہ ہے کہ آپ ایک ایسی تحریک میں شامل ہو جائیں جس کا خرچ آپ کے ملک میں نہیں ہوگا بلکہ ہندوستان اور پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہوا کرے گا چنانچہ اس طرح آپ اظہار تشکر بھی کر سکتے ہیں اور آپ کے دل احسان کے بوجھ سے ہلکا محسوس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس تحریک پر بہت ہی شاندار لبیک کہا گیا اور بڑے بڑے ممالک نے جن میں یورپ کے ممالک میں سے جرمنی ہے اور UNITED KINGDOM ہے اور دوسرے مغرب کے ممالک میں سے کینیڈا ہے اور امریکہ ہے اسی طرح انڈونیشیا اور دیگر مشرقی ممالک نے بھی بڑی ہی خوشدلی کے ساتھ اور بشاشت کے ساتھ لبیک کہا۔ اور اس کے نتیجہ میں ہماری بہت سی مالی دقتیں دور ہوگئیں۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ دیگر ممالک تو مسلسل قربانی میں آگے بڑھ رہے ہیں اور آغاز میں جتنے انہوں نے وعدے کیے تھے اور جتنی ادائیگی کی تھی اس کے مقابل پر اب انکے وعدے اور ادائیگی کئی گنا بڑھ چکی ہے۔

لیکن ہندوستان کی وقف جدید کا وہی حال ہے جس رفتار سے پہلے قدم اٹھا رہی تھی بعینہٖ اسی رفتار سے اب قدم اٹھا رہی ہے۔ شاید اس میں کچھ قصور بیرونی قربانی کرنے والوں کا ان معنوں میں ہو کہ یہاں کے کارکنوں نے سمجھ لیا کہ خدا کے فضل سے پیسے تو باہر سے آ ہی جانے ہیں، ضرورتیں تو پوری ہو ہی جاتی ہیں ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ کوشش کریں اور مصیبت میں مبتلا ہوں اور چٹھیاں لکھیں اور جماعتوں کو احساس دلائیں کہ تم نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہے۔ بعض دفعہ بیرونی مدد اس قسم کی کمزوری بھی پیدا کر دیا کرتی ہے۔ تو ایک بات تو مَیں آج آپ سے یہ کہنی چاہتا ہوں کہ دین کی خاطر قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی پر ذاتی احسان نہیں ہے۔ یہ نہیں مَیں کہہ رہا کہ واقعۃً آپ پر وہ قومیں احسان کر رہی ہیں۔ یہ لفظ تو محاورے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عملاً جو بھی چندہ دیتا ہے للہ دیتا ہے۔ اللہ کی رضا کی خاطر دیتا ہے اس لئے احسان کے مضمون کو کچھ دیر بھول جائیے۔ لیکن انسانی غیرت اور حمیت کے مضمون کو ضرور یاد رکھیں۔ ایک مومن حتی المقدور ضرور یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔ ایک مومن حتی المقدور ضرور یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنی اور اپنی علاقائی ضرورتوں کو وہ خود پورا کر سکے اور ہر معنی میں یعنی لطیف تر معنی بھی فیض رساں ہو فیض قبول کرنے والا نہ ہو۔

پس ذاتی طور تو ہندوستان کو جہاں بیرونی دنیا سے کوئی بھی زیر احسان نہیں کرتا جب وہ خلیفۂ وقت کی تحریک پر وقف جدید کی مدّ میں قربانی کرتا ہے۔لیکن ہندوستان میں یہ احساس پیدا ہونا ضروری ہے کہ ہم وہ ملک ہیں جہاں احمدیت کا سوتا پھوٹا ہے۔ جہاں آسمان سے احمدیت کا نور نازل ہوا ہے۔ایک لمبے عرصہ تک ہمیں یہ سعادت ملی کہ ہمارا فیض ساری دنیا کو پہنچتا رہا۔مشرق کو بھی پہنچا، مغرب کو بھی پہنچا، کالوں کو بھی پہنچا، گوروں کو بھی پہنچا۔ایک ہندوستان ہی تھا جو افریقہ کی ضرورتیں بھی پوری کر رہا تھا، امریکہ کی ضرورتیں بھی پوری کر رہا تھا، یورپ کے ممالک کی ضرورتیں بھی پوری کر رہا تھا اور مشرق بعید کے ممالک کی ضرورتیں بھی پوری کر رہا تھا۔کبھی کسی ہندوستانی احمدی کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ وہ دوسروں پر احسان کرتا ہے۔اسکے لئے یہ سعادت تھی اور اس سعادت کے نتیجہ میں، تکبر کے نتیجہ میں نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے احسان کو یاد رکھتے ہوئے اس کا سر اونچا ہوتا تھا۔

سر کا اُونچا ہونا بھی مختلف وجوہ سے ہوسکتا ہے یاد رکھیں کہ سر کا اونچا ہونا لازماً تکبر کی علامت نہیں ہے۔بعض دفعہ نیک مقاصد کیلئے بھی سر بلند کئے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے احسان کے تابع جہاں سر جُھکتے ہیں وہاں سر بلند بھی ہوا کرتے ہیں۔پس ان معنوں میں ہندوستان کی جماعتوں کا سر بہت بلند تھا لیکن رفتہ رفتہ تقسیم کے بعد جو کمزوریاں پیدا ہونی شروع ہوئیں ان میں ایک مصیبت یہ آپڑی کہ دوسروں پر انحصار کا رُجحان پیدا ہو گیا اور ہندوستان یہ بھول گیا کہ وہ تو ایک فیض رساں ملک تھا اور فیض رساں ملک کے طور پر بنایا گیا تھا۔اس مقصد کیلئے خدا نے اسے چنا تھا کہ اس کا فیض ساری دنیا میں پھیلے۔ پس اس نقطۂ نگاہ سے ہندوستان کی جماعتوں کو اپنے حالات کا از سر نو جائزہ لینا چاہئے۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ فلاں جماعت کے لوگ مالی قربانی میں پیچھے ہیں اور فلاں کے آگے ہیں لیکن یہ مَیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ضروریات کے لئے استطاعت ضرور بخشی ہے۔آپ میں جتنے مخلصین کام کیلئے آگے آسکتے ہیں ان کا آپ کی تعداد سے ایک تناسب ہے اور ہر قوم میں یہ تناسب موجود ہوتا ہے پس جتنے مخلصین آپ پیدا کر سکتے ہیں ان مخلصین کی ضروریات کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ضرور توفیق بخشی ہے۔پس اگر وہ ضروریات پوری نہ ہوں اور باہر سے مدد کی ضرورت پیش آئے تو یہ تکلیف دہ صورت اُبھرتی ہے کہ ہندوستان کی جماعتیں اپنے فرائض کو پورا ادا نہیں کر رہیں۔پس مَیں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے حالات کا جائزہ لیں۔آپ میں سے وہ خوش نصیب جن کو خدا تعالیٰ نے کثرت سے دولت عطاء فرمائی ہے اور ایسے ضرور ہیں۔ وہ یہ جائزہ لیں کہ کیا وہ اس نسبت سے جس

نسبت سے اللہ نے ان پر فضل فرمایا ہے، خدا کے حضور مالی قربانی میں لبیک کہتے ہیں کہ نہیں۔

یہ خیال کہ جماعت کے عہدیداران کو کیا پتہ کہ ہمارے پاس کیا ہے، ہمیں کتنا ملتا ہے، یہ ایک بے تعلق اور بے معنی خیال ہے۔ جماعت کے عہدیداران کو خوش کرنے کیلئے تو آپ نے دینا ہی نہیں ہے۔ جس کے حضور پیش کرتے ہیں اسے سب کچھ پتہ ہے کیونکہ دینے والا ہاتھ وہ ہے۔ عطا کرنے والے کو کیسے آپ دھوکہ دے سکتے ہیں۔ جس نے خود آپ کو کچھ دیا ہو آپ کیسے یہ سوچ سکتے ہیں کہ اسے آپ کے حالات کا علم نہیں ہے۔ پس ان عذر کے قصوں کو بھلا دیجئے چھوڑ دیں ان باتوں کو کہ آپ کے اوپر کتنی ذمہ داری ہے اور مالی لحاظ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ اچھے ہیں لیکن عملاً یہ حال نہیں ہے۔

اس قسم کی باتیں عموماً کم چندہ دینے والے کیا کرتے ہیں۔ ان کو بھلا دیجئے اور یہ بات دیکھئے کہ جس خدا نے آپ کو عطا کیا ہے اگر اس کی محبت اور پیار کے اظہار کیلئے آپ اس کے حضور کچھ پیش کرتے ہیں تو وہ اسے رکھ نہیں لے گا وہ اسے واپس لوٹائے گا اور دہ چند کر کے واپس لوٹائے گا۔ اور دس گنا زیادہ کر کے واپس لوٹانا اس نے اپنے اوپر فرض کر لیا ہے۔ وہ کیسے یہ کام کرتا ہے ہم ان اسرار کو نہیں جانتے مگر روزمرہ کی زندگی میں ان کاموں کو ہوتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن وہ لوگ جو اخلاص کے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے کوئی حد قائم نہیں فرمائی۔ فرمایا: پھر جسے وہ چاہے اسے جتنا چاہے بڑھا کر دیتا چلا جائے اسکی کوئی حد نہیں ہے۔ تو پہلے تو یہ دیکھیں کہ خدا کے معاملے میں کنجوسی کرنا کوئی عقل کا سودا ہے؟ کوئی نفع کا سودا ہے یا گھاٹے کا سودا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی حلیم ہے اور ضروری نہیں کہ ہر کنجوسی کرنے والے کو اسکی کنجوسی کی فوراً سزا دے۔ وہ مستغنی بھی ہے۔ وہ بعض دفعہ پرواہ بھی نہیں کرتا اور خصوصاً ان لوگوں کی پرواہ نہیں کرتا جن سے توقعات نہ ہوں۔ پس خدا کی طرف سے اس معاملہ میں پکڑ کا نہ آنا ایک خطرناک علامت ہے۔ میرا ساری زندگی کا تجربہ ہے کہ نیک لوگوں پر غفلت کے نتیجہ میں احساس دلانے والی پکڑ ضرور جلد ہی آیا کرتی ہے۔ خدا کی پکڑ کی صرف ایک ہی قسم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی عقوبت کی بھی اور پکڑ کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض دفعہ پکڑ ایسی ہوتی ہے جو صرف احساس دلانے کیلئے ہوتی ہے کہ ہیں ہیں! تم سے یہ توقع نہیں تھی۔ یہ کام نہیں کرنا ورنہ میں غالب ہوں۔ مجھ سے بھاگ کر تم الگ نہیں جا سکتے۔ یہ ایک ایسی پکڑ ہے جسے مومن اور مخلص مومن ہی جانتا ہے۔ غیروں کو اندازہ ہی نہیں کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔ اس کا نام ابتلاء نہیں ہے اس کا نام سوائے محبت کی دنیا کے کسی

اور دنیا کو معلوم ہی نہیں ہوسکتا۔ایک ماں جو اپنے بیٹے سے محبت رکھتی ہے اور اعلیٰ توقع رکھتی ہے جب وہ غفلت کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ اسے سزا دے۔لیکن اسکی آنکھ میں ہلکی سی جو مایوسی ظاہر ہوتی ہے وہی اس پیارے بچے کے لئے سزا بن جاتی ہے۔اگر نسبتاً کم لطیف مزاج کا بچہ ہوتو اس کے لئے اظہار ناراضگی یا اظہار مایوسی ذرا اور رنگ میں ظاہر ہوگا۔نسبتاً زیادہ کھل کر ظاہر ہوگا۔مگر وہ بھی عام دنیاوی معنوں میں عقوبت یا سزا نہیں کہلاتی وہ محض ایک یاددہانی ہے۔

پس میرا تجربہ ہے کہ خدا تعالیٰ مومنوں کو جن سے توقعات رکھتا ہے جن کو آگے بڑھانا چاہتا ہے ان کی بعض ایسی غفلتوں پر ضرور پکڑتا ہے اور جلدی پکڑتا ہے۔اور اس پکڑ کا نتیجہ انکی اصلاح ہوتی ہے اور ان کے اور خدا کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ تجربے کے بعد جان لیتے ہیں، خوب اچھی طرح پہچان لیتے ہیں کہ خدا سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔جہاں ہم نے غلطی کی ہم اپنی غلطی میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ہم اپنے غلط مقصد کو حاصل نہیں کرسکیں گے۔پس وہ خوش نصیب ہیں جو غفلت کے نتیجہ میں ان معنوں میں پکڑے جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو اپنے حال پر تو راضی ہو جائیں جن کی تجوریاں بھرتی رہیں، جن کے رزقوں میں ترقی ہوتی چلی جائے وہ یہ سمجھنے لگیں کہ خدا ہم سے تو راضی ہے اگر ہم اس کے حضور پیش کرنے میں کمی بھی دکھاتے ہیں تو اس نے کبھی بھی ناراضگی کا ظاہری اظہار نہیں کیا۔یہ بہت بڑی بیوقوفی ہے۔خدا مستغنی ہے۔وہ عطاء کرنے والا ہے ایسے موقع پر اس کی ناراضگی کا ظاہری اظہار کوئی نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ کوئی شخص اتنا دور چلا جائے کہ وہ دین کا دشمن ہو پھر بعض دفعہ اسکو دنیا میں عبرت کا نشان بنایا جاتا ہے لیکن یہ تو بہت ہی بعید کی بات ہے۔مَیں کسی احمدی کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ وہ نعوذ باللہ اس حال کو پہنچ جائے پس وہ لوگ جن کو خدا نے زیادہ دیا ہے خواہ وہ کسی بھی صوبے سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ ان تک مال کے انسپکٹران کی آواز پہنچتی ہو یا نہیں یا مرکز کے ناظران کے خطوط پہنچتے ہوں یا نہیں۔انکو یاد رکھنا چاہیے کہ خدا جانتا ہے اور خواہ آپ ظاہری قربانی کریں، اعلانیہ قربانی کریں یا مخفی قربانی کریں خدا کے علم میں ہے کہ کون میرا بندہ مجھ سے محبت رکھتا ہے۔میرے پیار کے نتیجہ میں وہ میرے حضور کچھ پیش کرتا رہتا ہے۔اس علم کو آپ اپنے کانشنس، دماغ میں اگر محسوس کریں یعنی باشعور طور پر ہر قربانی کرنے والا قربانی کرتے وقت یہ جانتا ہو کہ میرے مولیٰ کی مجھ پر نظر ہے تو اس کی قربانی کا معیار یکدفعہ بدل

جائے گا۔اس میں ایک انقلاب برپا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ شخص جسے کوئی دیکھ رہا ہو اور خصوصاً وہ دیکھنے والا ہو جو اُس سے بلند توقعات رکھتا ہو جس کا اس شخص کے دل میں احترام ہو۔ جسے دیکھا جا رہا ہے تو اس وقت اُس کا ردِعمل بالکل مختلف ہوتا ہے اس کی اَدائیں بدل جاتی ہیں۔ بچے، دیکھا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے جن کی عزت کرتے ہیں کتنے مہذب اور بن ٹھن کر تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ گفتگو کا سلیقہ بھی بالکل مختلف، لیکن اُدھر استاد کمرے سے باہر نکلا یا ماں چلی گئی تو اچانک شور شرابا برپا ہو جاتا ہے۔ دیکھنے کا جو مضمون ہے یہ ایک بہت ہی اہم مضمون ہے۔ اسے سمجھے بغیر اخلاص میں سچی ترقی ہو نہیں سکتی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک بہت ہی پاکیزہ اور عظیم الشان کلام میں بار بار جو یہ فرمایا کہ سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ تو اس میں صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا میری نگہداشت کر رہا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ مَیں ہر آن اس کے سامنے کُھلا پڑا ہوں۔ میری زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔ چھپا ہوا نہیں ہے۔ مَیں کیسے غلطی کر سکتا ہوں مجھے تو توفیق ہی نہیں ہے مَیں تو ہر وقت دھوپ میں بیٹھا رہتا ہوں۔ میرا زندگی کا کوئی حصہ چھپا ہوا، مخفی، پُراسرار نہیں ہے۔ ہر وقت میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔

پس ان معنوں میں جب خدا دیکھتا ہے تو انسان کے طرزِ عمل میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اسکے نتیجہ میں۔ پھر دوسرے معنے میں بھی دیکھتا ہے یعنی ہر وقت اس کی پیار کی نظر اپنے ایسے بندے پر رہتی ہے، نگہداشت کی نظر اس پر رہتی ہے اور اس کے دشمن اس پر وار نہیں کر سکتے۔ مگر خدا کی حفاظت ان کے واروں کو ناکام اور نامراد کر دیتی ہے۔ یہ نگہداشت کی نظر اس پہلی نظر کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اسکی کوکھ سے پھوٹتی ہے اور لوگ اس مضمون کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں کتنی سعادتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پس اس کا تجربہ ہر جماعت کا چندہ دینے والا اپنے روزمرہ کے چندوں میں کر کے دیکھے تو وہ محسوس کرے گا کہ مالی قربانی سے اسے نئی عظمتیں اور نئی رفعتیں نصیب ہو رہی ہیں۔ اور خدا سے اس کا تعلق دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ پس ایسی مالی قربانی نہ کریں جس کے نتیجہ میں خدا سے تعلق کم ہو۔ ایسی مالی قربانی کریں جس کے نتیجہ میں آپ خدا کے پیارے بنتے چلے جائیں۔ اور وہ آپ کا نگہدار ہو جائے آپکی ہر ضرورت کا کفیل ہو جائے۔ وہ اپنے ذمہ یہ لے لے کہ اس بندے کی ہر ضرورت میں پوری کروں گا۔ کیونکہ اس

نے میری خاطر اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے میرے حضور کچھ مالی قربانی پیش کی ہے۔ خدا سے زیادہ شکر گزار اور کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے اس کا نام شکور رکھا گیا ہے۔ حالانکہ اگر آپ گہرائی سے دیکھیں تو شکر کے مضمون کا خدا پر اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ظاہری نظر سے ہم اس معاملہ پر غور نہیں کرتے۔ شکر تو اس کا ادا کیا جاتا جس نے کوئی احسان کیا ہو۔ خدا پر تو کوئی احسان ہو نہیں سکتا۔ جو کچھ ہے اس نے عطا کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

ع سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے (درثمین صفحہ:۳۶)

محسن کے طور پر ہے۔ اس کا شکر بھی احسان کی ایک بہت ہی اعلیٰ درجہ کی قسم ہے۔ اس شکر کی کوئی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ اپنے بندے پر احسان فرماتا ہے کہ اسے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بخشے اور پاک جذبوں سے خرچ کرنے کی توفیق بخشے۔ پھر شکر کے ساتھ اسے قبول فرماتا ہے۔ اور اس کی ضروریات کا کفیل بننا اس کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے ’’شکور‘‘ ہونے کا یہ جو مضمون ہے یہ اتنا لطیف ہے کہ اس پر آپ جتنا غور کریں اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی محبت آپ کے دل میں اچھلتی چلی جائے گی۔

پس چندے دیں تو اس اَدا سے دیں کہ ہر چندہ آپ کے طرزِ فکر کو خدا کی محبت کی سمت رواں کر دے۔ آپ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کے مضمون پر مزید غور کیا کریں اور آپ کی مالی قربانی آپ کو وہ کچھ عطا کر جائے جسے دنیا کی ساری دولتیں بھی خرید نہ سکتی ہوں ایک شخص چند کوڑی خدا کے حضور پیش کر دیتا ہے۔ ایک ہے جو چند لاکھ پیش کر دیتا ہے۔ لیکن خدا تو نہ چند کوڑی میں خریدا جا سکتا ہے نہ چند لاکھ میں خریدا جا سکتا ہے۔ تمام دنیا کی دولتیں خود اسی نے عطاء کر رکھی ہیں۔ ساری دنیا کی دولتیں بھی اس کے حضور پیش کر دیں تو خدا خریدا نہیں جا سکتا۔ مگر یوسف تو سوت کی ایک اَٹی پر بک گیا اور آج تک دنیا اس کے قصے سناتی ہے۔ لیکن یوسف کو خدا سے کیا نسبت ہے، خدا تو ایک اَٹی سے کم رزق کے ایک دانے پر بھی بکنے کیلئے تیار بیٹھا ہے۔ اگر وہ محبت اور خلوص کے ساتھ اس کے حضور پیش کیا جائے۔

تو اپنی عظیم پُر رفعت قربانیوں کو اس طرح ضائع نہ کریں۔ جب خدا کے نام پر آپ سے مانگا

جائے تو خدا کو حاضر ناظر جان کر اپنے حالات پر غور کر کے اس سے تعلق بڑھانے کیلئے، اس سے پیار کے رشتے قائم کرنے کیلئے پیش کیا کریں۔ پھر دیکھیں آپ کی تنگ دستیاں بھی دور ہونی شروع ہو جائیں گی اور آپ کے رزق میں غیر معمولی وسعت ملی گی اور ایسی وسعت نہیں ملے گی جو آپ کے لئے ابتلاء لیکر آئے۔ ایسی وسعت ملے گی جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بدلیاں آپ کیلئے اٹھا لائے گی اور آپ ہمیشہ خدا کی رحمت کے سائباں تلے رہیں گے۔ آپ پر خدا کی برکتیں برسا کریں گی۔ آپ کی مصیبتیں کم ہوتی چلی جائیں گی۔ آپ کی راحت کے سامان بڑھتے چلے جائیں گے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ اپنے آپ کو ایک محفوظ انسان سمجھیں گے۔ جہاں بھی رہیں گے وہ آپ کے لئے دارالامان ہو گا۔ قادیان دارالامان میں آپ کیلئے ایک یہ بھی پیغام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان قربانیوں اور قربانیوں کی ان اَداؤں کے ساتھ اپنے گرد ایک دارالامان خدا سے طلب فرمایا۔ یعنی زبان حال سے اور اللہ تعالیٰ نے اس دارالامان کو پہلے ''الدار'' کی صورت میں عطا فرمایا پھر اس کا درجہ بڑھاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ یہ وعدہ فرمایا کہ جو تیرا روحانی فرزند ہے، تجھ سے روحانی تعلق بھی رکھتا ہے، وہ بھی تیرے گھر کی امان میں ہے۔

پس قادیان کی امان کو آپ سارے ہندوستان پر پھیلا سکتے ہیں۔ یہ امان ایسی نہیں جو یہاں جڑ پکڑ کر یہیں کی ہو رہی ہے۔ یہ ایسا پودا ہے جو آپ کے گھروں میں لگ سکتا ہے۔ اور ہر احمدی ہر ایک گھر کو دارالامان بنا سکتا ہے۔ مگر اس کا طریق وہی ہے جو مَیں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے جب ایسا تعلق قائم کر لیا جائے کہ آپ پیار کے نتیجہ میں اس کی خاطر اٹھتے بیٹھتے اور قربانیاں کرتے ہوں محض رسمی طور پر نہیں، محض ظاہری اطاعت کے طور پر نہیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو امان دی جاتی ہے ہر قسم کے مصائب سے امان دی جاتی ہے، ہر قسم کی مشکلات سے امان دی جاتی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آپ کا ایک پیار کرنے والا، آپ کی نگہداشت کرنے والا ایک موجود ہے۔ ہمیشہ وہ آپ کے سر پر کھڑا ہے اور آپ کا ساتھ دینے والا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا خدا کا ہو جائے وہ جب سوتا ہے تو خدا اس کیلئے جاگتا ہے، جب اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ اس کا دشمن اس کیلئے کیا تیاری کر رہا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے دشمن کی شرارتوں پر نظر رکھتے ہوئے ان کے توڑ کے منصوبے بنا رہا ہوتا ہے اور دشمن کے ہر وار کو اس کے پڑنے سے پہلے ہی معطل اور ناکام

کر دیتا ہے۔ پس اس خدا سے ہم نے تعلق باندھا ہے، اسی خدا سے اپنے تعلق کو استوار کرنا ہے۔

وقف جدید کے سلسلہ میں بھی اور دیگر چندوں کے سلسلہ میں بھی مَیں ہندوستان کی جماعتوں کو متوجہ کرتا ہوں کہ باہر کی دنیا کے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں بہت آگے نکل چکے ہیں اور بڑی تیزی سے آگے نکل رہے ہیں۔ اس لیے آپ اپنے پہلے اعزاز کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ وہ جھنڈا جو خدا نے خود آپ کے ہاتھ میں تھمایا تھا یعنی عظیم مالی قربانیوں کا جھنڈا، اسے اپنے سینے سے چمٹا رکھیں۔ اسے بلند رکھیں اور اگر چہ سب آپ کے بھائی ہیں اُن سے حسد اور رقابت کوئی نہیں مگر نیکیوں میں خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔

پس اس روحانی رقابت کو تو بہر حال آپ کو محسوس کرنا ہوگا۔ یہ عہد کریں اور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ دن جلد آئیں جب نہ صرف یہ کہ آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں بلکہ از سر نو ساری دنیا کی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے آپ خدا کے حضور مالی قربانیاں کرنی شروع کر دیں اور ایک دفعہ پھر آپ کا سر اس فخر کے ساتھ بلند ہو جو عجز اور شکر کا جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے کہ اَلْحَمْدُلِلّٰه ثُمَّ اَلْحَمْدُلِلّٰه ، اپنی توفیق سے نہیں بلکہ خدا کے فضل اور رحم کیساتھ ہمیں یہ توفیق ملی ہے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربانی کے جو اسلوب اور قربانی کی جو ادائیں ہمیں سکھائی تھیں از سر نو ہم نے ان کو اپنا لیا ہے۔ اب اس پہلو سے ہم دنیا کے حسین ترین وجود بن کے ابھر رہے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو اور جلد تر آپ کو اسکی توفیق ملے۔

جماعتوں کی طرف سے قربانیوں کے مقابلے کی جو فہرست پیش کی جاتی ہے تا کہ دوسروں کو تحریک ہو وہ تو بہت لمبی ہے۔ صرف دو باتیں کر کے اب مَیں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ پہلے تو پاکستان اور ہندوستان کو چھوڑ کر دنیا کے دیگر ممالک میں جو پہلے دس ملک ہیں ان کا ترتیب وار اعلان کرنا چاہتا ہوں تا کہ جو ملک خدا کے فضل سے اس مقابلے میں نمایاں حیثیت حاصل کر سکے ہیں ان کو طمانیت نصیب ہو اور وہ ملک جو ان سے پیچھے رہ گئے ہیں انکے اندر یہ جذبہ پیدا ہو کہ ہم بھی آگے بڑھیں اور ان کا مقابلہ کریں۔ اس لئے مَیں وہ فہرست پڑھ کر آپ کو سناتا ہوں۔

اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ پہلی تحریک پر بیرونِ ہندو پاکستان اور بیرونِ بنگلہ دیش ممالک نے جو مالی قربانی وقف جدید کے لئے پیش کی تھی وہ چند ہزار کی تھی لیکن 1991ء میں جو وقف

جدید کے لحاظ سے آج ختم ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھ کر ایک لاکھ پانچ ہزار 963 پاؤنڈ بن چکی ہے اور اس کو اگر روپوں میں ڈھالا جائے اور ہندوستان اور پاکستان کی مالی قربانی کو بھی روپوں کے ایک ہی معیار پر اکٹھا کر دیا جائے تو یہ پہلا سال ہے کہ خدا کے فضل سے وقف جدید کی سالانہ آمد ایک کروڑ روپے ہو چکی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی عظیم احسان ہے اور یہ حسن اتفاق بھی اسی سال کو نصیب ہوا ہے۔

دوسری بات اول اور دوم کے لحاظ سے یہ ہے کہ ساری دنیا پر جرمنی کی جماعت وقف جدید کی مالی قربانی میں سبقت لے جا چکی ہے۔ اور پچھلے سال بھی خدا کے فضل سے انہوں نے اس سبقت کو قائم رکھا تھا اور اس سال بھی باوجود اسکے کہ بعض دیگر رشک رکھنے والے لوگوں نے زور بھی مارے مگر جرمنی نے ان کو آگے نہیں نکلنے دیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ وعدہ تو 24 ہزار 648 سٹرلنگ پاؤنڈز کا تھا لیکن ادائیگی 32 ہزار 446 کی ہے خدا کے فضل سے وعدوں سے بہت بڑھ کر انہوں نے ادائیگی کی توفیق پائی اور یہ بھی خدا کا ایک خاص اعزاز ہے۔

امریکہ نمبر 2 ہے۔ 21 ہزار 47 ادائیگی ہے لیکن وعدے سے کچھ پیچھے رہا ہے۔ پس دونوں لحاظ سے یہ جرمنی سے پیچھے ہے۔ کینیڈا نمبر 3 ہے جسکی 13 ہزار 277 پاؤنڈ کی ادائیگی ہے اور اللہ کے فضل سے وعدے سے کچھ زیادہ دیا ہے۔ برطانیہ نمبر 4 ہے۔ 12,500 کے وعدے کے مقابل پر 13,051 پیش کیا اس کے بعد انڈونیشیا، جاپان، ناروے، ماریشس، ہالینڈ اور بنگلہ دیش آتے ہیں۔

جاپان کو دنیا میں ایک خصوصیت حاصل ہے جو وہ آج بھی برقرار رکھے ہوئے ہے اور مالی قربانی کے ہر شعبہ میں اسے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ فی چندہ دہندہ (کے حساب سے) جاپان ساری دنیا میں سب سے زیادہ اور سب سے آگے ہے اور اتنا نمایاں آگے ہے کہ کسی اور ملک کو ابھی مستقبل قریب میں بظاہر یہ توفیق نہیں ملے گی کہ وہ اس کو پکڑ سکے۔ جاپان کا جو میں نے جائزہ لیا تھا تو اس سے پتہ چلتا تھا کہ فی کس مالی قربانی میں بعض ممالک سے تقریباً 3 گنا زیادہ، بعض ممالک سے 4 گنا زیادہ یعنی بہت ہی آگے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو بھی یعنی اہل ہندوستان کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ نہ صرف وقف جدید کے میدان میں بلکہ دیگر سب میدانوں میں بھی، مالی قربانی میں بھی پورے جوش

اور خلوص کیساتھ آگے بڑھیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لطف اٹھائیں اور اللہ آپ کے اموال میں بھی اس کے نتیجہ میں بہت ہی برکت دے۔اور آپ کی مالی کمزوریاں دور فرمائے اور جہاں تک زندگیاں پیش کرنے کا تعلق ہے خدا تعالیٰ آپ کو یہ بھی توفیق عطاء فرمائے کہ آپ اپنے ملک کی ضرورتیں خود پوری کرسکیں۔اس توقع کے بعد کہ ہندوستان میری آواز پر اسی طرح نمایاں شان سے لبیک کہے گا جس طرح آج کا جلسہ ایک نمایاں شان رکھتا ہے،اب مَیں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔

Friday Sermon 7th, June 1991 at Trinidad

I am facing a dilemma today because I have been told that many among you cannot understand Urdu.
The dilemma is that ever since I have left Pakistan around 7 years ago plus some months I have always delivered my sermons in Urdu for the sake of those Ahmadies left in Pakistan who have this link between me and them and who are so accustomed to hearing me directly on Fridays. Also there are other Ahmadies in India and Kashmir particularly who speak and understand Urdu well, also a large number of Ahmadies who reside in Europe around 30 to 40 thousand of them understand Urdu but do not understand English, so that is why my Sermons have always been in Urdu but fortunately there have been simultaneous arrangements for translation in English in England and other European countries, and in America and Canada also, there are always simultaneous translations but here there is no such arrangement.
So in view of this, I have been persuaded very strongly that I make just one exception today and deliver my sermon in English.
If I do that and I think I should do that then I leave the series of lectures on Namaz (Prayer) and the Quranic Prayers, particularly which are preserved for the mankind with a special purpose, I have been speaking

in the past and have been giving a series of lectures on the Quranic prayers, there significance, there background, and how well they can be utilized by us today, but for today I think I shall have to depart from that practice also, so that when I speak again in Urdu then I will return to the same series and it should continue unbroken in the same language.

Juma is a very special institution in Islam. It is a gathering much larger than 5 daily prayers. In the 5 daily prayers Muslims belonging to a certain area which is smaller in size who have access to the Mosques and can go 5 times to a Mosque. But once in every week it is expected that much larger audience is drawn to the Mosque, those who belong to one town or if the town is too big at least much larger area of that town, who could get together at such Mosques which are built for this particular purpose,to accommodate people, that is a larger gathering, for Juma day. They are called Jamia Mosques.

Now the reason behind this is that Islam wants to unite mankind and togetherness in Islam has a very important message.

That is why the size of the congregations goes on increasing, every week there is Juma, and every year there are two Eids. And in Eid it is not just the inhabitants of one town or one city who say prayer behind one Imam, but it is the entire area which gathers around in one central Mosque but the Mosque cannot accommodate them, so they gather, not in the mosque but, outside in the open places and there the Eid prayer is held.

So a larger congregation symbolizes the Message of Islam that you must remain united, then once in a life time you are expected to go the Pilgrimage at least once in a life time to Mecca to indicate the universality of Islam.

The oneness is not just on the smaller regions or the small scale but it is on a much larger scale where all the Humanity is represented and you get together in one place in the world that is Mecca and show, demonstrate to the world that we are one. The whole mankind is one. There is no difference in color or creed or geographical entities.

Man is a servant of God where ever he is born, whatever color he is born in, and whatever language he speaks, so this is all symbolic language, to repetitively remind you that you belong to one God. That is the meaning of unity.

On this I have been speaking to various gatherings in the world and I have been emphasizing this message not only to Ahmadies but some times to Non Muslims as well. When I speak to them, people perhaps naively consider unity to be just a matter of belief, something which has to do with our thinking alone and has nothing to do with our practice or way of life. It is not so, if that was just a matter of belief then لاالہ الا اللہ would not be counted among five practices.

People know this and yet they do not know this.

How strange it is that all Muslims believe that Kalima is a part of five practices, Kalima is a not part of the five beliefs, the five beliefs are Allah, Angels, The Books, The Prophets and to believe in the day of

judgment, but five practices in Islam begin with Kalimaلاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ so that means its not just a message, its not just an ideology. It is a practice. What is that practice? That is what I am pointing out to you. This message is delivered home five times a day to Muslims on a smaller scale, once every Juma and on a much larger scale, once every Eid or twice every Eid and then once in a life time.

The universality of man, the oneness of man is demonstrated so completely and comprehensively that no shadow of doubt should be left in any mind that Islam wants you not only to believe in oneness of God but also in oneness of man.

Man must be united under one God, that is the purpose of Islam, now this is not just an Ideology as I have emphasized it involves many more things which automatically emerge from this. If, to unite man is one of the fundamental messages of Islam, then anything which disunites man should be considered non Islamic. And if you go further into it, delve deeper into this concept then you realize that any harsh world spoken to a friend, to a brother, to a sister, to a neighbor, to any one which puts distances between him and you, which creates bitterness in the society, which disunites man, which throws people a part, a harsh word, a harsh act, an unjust act, they are all against unity.

How could you be believing in one God and in Kalima while you are acting a life exactly contrary to your beliefs. This is a very profound message which was given once by Hazrat Muhammad PBUH to Hazrat Abu

Haraira in a form which he could not understand, it was too profound for him.
Once Hazoor PBUH addressing Abu Haraira said:
من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃHe did not say
With that, just said whoever declares that there is no God but Allah he would most certainly enter heavens, enter the paradise.
Abu Haraira took up this message and went from street to street crying full throatedly that
look here be happy there is a great glad tiding for you. Hazrat Muhammad PBUH has declared that all you have to do is to sayلاالہ الا اللہto enter the Heavens and no more. Hazrat Umar was coming, passing from the same street, where he was declaring to the world that this is the new message. He caught him by the throat, almost dragged him back to Hazrat Muhammad PBUH and complained to him that Abu Huraira is doing this, what will happed to the people, what will they begin to do after this?
Hazrat Muhammad PBUH told Umer to leave him off. Leave him alone. He said I did say to him but I know what you mean, I know people will not understand. So let it be left at that. What was the message? this is what I am discussing today. The message was far more profound than a simple man like Abu Hurraira could understand.
The message was further explained by Hazrat Muhammad PBUH in many of his sermons, in many of his traditions and the essence of that message is that
لاالہ الا اللہ is not just a matter of belief but a matter of the conduct of whole lifetime.

Any one who acts contrary to this, anyone who behaves in a manner as to create distances between family members, children born out of same mothers or relatives or next door neighbors or people at large. Anyone who works contrary to the unity of man, in reality does not believe inلاالہ الا اللہ

This is the message and as such once Hazrat Muhammad PBUH explained the meaning of Raham.

There are two words having the same root letters رح م which means Raham as well as Rehim.

Raham means mercy and Rehman as you know God to be. That name of Allah is derived from the same three letters ر ح م but Rehim means a completely different thing, Rehim means the uterus, in which children develop in the womb of their mothers. That human organ that is known as uterus or womb, is also derived from the same three letters ر ح م and this is pronounced Rehim instead of Raham. So Hazrat Muhammad PBUH once pointed out the word Rehman and the Uterus are derived from the same source to give you a special message, who ever breaks the ties born out of relationship to a mother he also breaks his ties with Rehman Lord, God.

Fundamentally if you cut at the root you cut the entire tree and both relationships connected through Rehim and relationship with God belong to the same root, cut at one root and other also is severed.

So this is again a message of unity and the message tells us that the unity begins at home first, In the families its highly important that we behave in a manner as to improve the family ties and preserve the

family units as healthy and wholesome units, which create peace for mankind. Unless the family units are strengthened and unless family ties are protected. It is impossible for a people who have broken families to bring mankind to one unified entity. So all this is a part of our beliefs and beliefs turn into practices. So see how profoundly Hazrat Muhammad PBUH understood the Attributes of Allah and how he translated them into messages for us. Rehman is the name of God which stands supreme because the Holy Quran says the word Rehman is Rehma/Mercy of Allah covers every thing and this Attribute of God is so strong that it is overwhelmingly more emphatic and strong than the rest of his Attributes. So this again delivers a message to mankind.

As Muslims we must stress Rehmaniyat, we must stress a conduct in life where we are benign to others and where we show kindness to the mankind, that would be the means of unification of man. It is not just a theory, it is not just a dischanted attitude. If you further study the teachings of Hazrat Muhammad PBUH you will be surprised how united all the branches of his teachings are and whatever he says ultimately converges into one single theme.

For instance, in other place He says that he who does not show Reham, that is mercy to the people of Allah, on the servants of Allah He has created Allah does not show mercy to him. So the same message which was first delivered in relation to mother's children now is delivered in relation to the whole mankind.

The unifying word remains to be the same Reham. So try to understand, It's a very profound message when he spoke of Rehami Relationship. It was not just a limited teaching applying to homes, applying to strengthening the ties between the children born of the same mother. Apparently it seems to be just that but when you further study Hazrat Muhammad PBUH, traditions of his messages then you are amazed at the depth and width of his wisdom. How beautifully and how profoundly he understood God and how he related Allah's Attribute to human affairs, So to begin with, he says strengthen the ties relating to your close relationships through your mothers and then he enlarges the same subject with reference to the same Attribute of God remember the. Rehman and with no other reference, to the entire mankind. He says who ever treats other human beings without Reham, Allah will not show Reham to him. What a great teaching and what an important teaching this is ?This is the meaning of من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ?. Some one who claims that there is no God but Allah, who believes in the unity of God in all its depth and width and breadth, in all that it comprises of, if he understands unity and practices unity, that is the message than he will most certainly go to Paradise.

So to go to Paradise is not just a matter of claims or professions, it is a matter of much deeper understanding of the message of Islam and translating that understanding into practicing this message.

Again talking of Paradise you will be surprised that Hazrat Muhammad PBUH relating to mothers also in

an other manner, tells you that to enter Paradise is through entering from under the feet of your mothers.
There is a doorway which leads to Paradise but it lies under the feet of your mothers. So the whole teaching is so well organized and well connected, all there are different parts of a much bigger whole. So Ahmadies have been blessed by Allah that He sent Hazrat Masih Moud Al.Imam Al_Mahdi in this age. And the wisdom of Islam was Revealed to him in a manner that we saw Islam as if it was reborn. It was given a new life. The same other Mullahs who oppose you, who read the Holy Quran, who read the traditions, but just skip along the surfaces. They don't know what they are reading, they don't understand the message. It was left to Hazrat Masih Moud A.S., who was guided by Allah, who delved deeper into the wonders of Islam, into the wisdom of Islam and bring it back to us.
So we must be grateful to Allah that He has granted us this great opportunity to accept the message of Truth which He sent as a servant of Hazrat Muhammad PBUH in this age. A servant indeed but a perfect servant. A servant who lost his own identity completely in his master. That was the reason why he was chosen to lead the world, that is the meaning of Almahdi, so when we talk of these things I assure you we learnt this from Hazrat Masih Moud A.S. If you read his writings that is a way to understand true Islam as it was revealed to Hazrat Muhammad PBUH. So once we have been re-informed, once we have been reinstructed we have been reeducated it is doubly our responsibility to act upon the message.

Now when I say that, I have in view many small petty differences which you have from time to time among yourself, which some times are reported to me and they leave me deeply disturbed. I am cut to the deep some times, I am so pained, I wonder what is happening, I wish to come over to you and tell you this is not the way you are expected to behave. Small things must not put you a part. You have been created to rejoin the world, to strengthen the joints that join the various entities of man. You have come to unify and not to disintegrate. So if over small things you fight with each other, you misunderstand each other, you will fall apart, you begin to build small mosques of your own in the name of God, and yet make such mosques with a purpose to serve a group or a family, then this is not Islam. The Holy Quran speaks with the strongest condemnation of this tendency. What was masjid-e-Zarrar?

Masjid-e-Zarrar was a mosque built apparently for the sake of God yet it was built for the sake of creating differences between one section of Muslim society and other sections of Muslim Society. So what could be the holier purpose in life than to build Allah's home, Allah's houses, yet if the intentions are wrong and the intentions are not to enforce unity but to create disintegrate then even this holiest purpose becomes the un holiest.

So I beseech you, I advise you from the bottom of my heart to maintain this unity in the light of what I have told you, to respect this unity, to realize that unity of God will mean nothing to God if you are not united and

if you do not always make an effort to unite first your own brothers and then the rest of the mankind.
So the message is very profound and very important. Hazrat Musleh Moud R.A. once wrote a poem on this subject. He said" those who want my love, those who want me to love them, they should behave like great people, like people above small petty things."
He goes on developing the theme and says "that those who fight with each other, who pickup quarrels for small insults whether they are meant or not meant, sometime the insults are just imaginary, no body meant to heart you. Who cannot forgive there brothers, who think small and act small. Who sow the seed of discontent". Having developed this theme he says "such people are not mine. I don't belong to them. They don't belong to me because God has made me for big things and I can not descend to such depths as to love such people who disintegrate the society. I have nothing to do with them. So if you care, at all, for my love, for my regard then behave in a manner that I willy-nilly love you."
"I love those who are noble minded, who have broader visions, who have greater capacity to forget and to live in harmony with others even if they are offended.
They know how to forgive, they know how to forget, and yet despite the fact that they are the ones who have been offended they seek forgiveness from their offenders instead of waiting for them to come to their doors and knock at their doors and say please forgive us. Those who have been offended they take the initiative in their own hands, they go and ask

forgiveness of those who have offended them. Now, this is a strange teaching but this is the teaching of Hazrat Masih Moud A.S. as he says

سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل اختیار کرو(کشتی نوح)

Even if you are right, for the sake of God learn to seek forgiveness from those who have transgressed you, like as if you have offended them and as it you were in the wrong.

Now I have thought over this instructions of Hazrat Masih Moud A.S. for years and I think there cannot be a better formula to bring warring sections of human society together, to bring those brothers together who over small things get angry with each other and some times for weeks after weeks, even for months, do not speak to each other. Who fall apart over small things and then their families fall apart. Some time they also fall apart from the Jamat just because they think they were offended by the Missionary in-charge or by some office bearers.

Some times they stop going to the mosques for real or imaginary offences. Now such people I have been dealing with them many a times in my life. I used to travel a lot in Pakistan and have been to so many villages, traveled far and wide and everywhere I went I found some people of that type, who are over sensitive to their own tribes, and they go on quarrelling with each other, for things said or unsaid. So whenever I dealt with such people I knew the answer. They insist that we are right and he is wrong. Why should we ask forgiveness from him. And when you go to the other party he says we are right and he is wrong. Why should

we go first to seek forgiveness from the persons who has robbed us of our right. Now having read Hazrat Masih Moud A.S. this instruction always came to my rescue. So I asked them many times, repeatedly are you sure that you are right and your brother is wrong? They say off course, we are sure. I said then it is your responsibility to go first to him because the leader you have accepted, the leader of this age Created by God Himself, he requires of you that if you are right you go to your brother who is in the wrong and seek forgiveness from him .

Now this leaves no options for a person who has got any regard for Hazrat Masih Moud A.S. but to come to terms with his brothers with whom he has fallen out. What better formula could there be than this? So whenever you come across any Ahmadi who is angry at some thing with some one, Weather he is wrong or have not been wrong, that is a different issue, apply the same formula to him. Tell him are you really right? and if he says yes, then you tell him this is what Hazrat Masih Moud A.S. says, then to prove that you are right you must take the initiative and seek forgiveness of your brother. It is a beautiful teaching, it can unite a warring society, and once somebody seeks forgiveness of his brother even if he is right, the unification of erstwhile angry brothers becomes even stronger.

I have noticed this that to be angry, off course it happens, but to become friends after you have been angry sometimes strengthens the ties of friendship much more strongly than before. Such people make up for the past grievances and try to appease each other

and help each other and be kinder to each other. That is the one advice in the name of unity which I render to you and as I have been pointing out repeatedly, unity is all important. It is not just a theme, it is not just a doctrine. It is a way of life, it is a practice.

Without practicing unity you cannot be a true believer in the Unity of God. So unite together say nothing to anger your brothers or sisters, even if some one hurts you be magnanimous enough to forgive Even if you are Right, take the first step towards the house of your brother who has angered you and seek forgiveness.

This is not a difficult advice. It is heaven on earth. Practice it. And then you will see your life will turn into a glorious life of peace and understanding and love. That is what we must create within ourselves before we think of providing the Paradise for the rest of the society .

Homes are falling apart everywhere in the world, the society is disintegrating everywhere in the world. You have heard of United Nations but if you truly observe the behavior of the United Nations you can find it only to be a body of disunited nations. No more no less. You are the people Raised by God to create a united nations in the sense that the Holy Quran wants to create in the world. So be united among yourselves, love each other then you can say to the world. "Love for all hatred for none". Not without it, these are not the slogans to show to the rest of the world, to show your guests this is what we are. If we privately nourish hatred among our brothers, if we abhor certain people, certain families and we do not have that love in our heart for our own

brothers and sisters. What is this hypocrisy, declaring to the world "Love for all hatred for none", that is not Islam, that is not a belief in the unity of God, so Allah Bless you and let you not only understand this message but practice this message.

The world needs it, Ahmdiyyat needs it, if you are progressing by a pace of 10 paces in a year, if you get united you will proceed by 100 or even 1000 paces per year. This is the fruit of unification. Those who are disunited they can never progress. Their energies are wasted one against the other. They cannot make real progress in the world. They cannot leave a lasting impression on the people around them. So be united and travel together, march forward to progress and pray to Allah that He keep you united generation after generation and then you will see Inshallah, with The Grace of Allah, that the Pace of your progress will become hundred even thousand times greater than before. Allah Bless you.

With these words I finish this sermon with the hope that you have understood the message, I have repeated this so many times, in so many ways, I don't think anyone among you is left without knowing what I wanted to say. Believe in the unity and act in the unity of God that is the way to Heaven and that is the only way to Heaven. Allah Bless you.

We will say Asr Prayers together with Juma because I am on journey and also because many other people.

اشاریہ

خطبات طاہر جلد ۱۰

اشاریہ

خطبات طاہر جلد10

آل عمران

النساء

المائدة

الانعام

الاعراف

الانفال

التوبة

یونس

هود

یوسف

الرعد

ابراهیم

الحجر

النحل

بنی اسرائیل

الکهف

مریم

طٰہٰ

الانبیاء

الحج

المؤمنون

النور

فاطر

الفرقان

الشعراء

النمل

القصص

دعوت الی اللہ

ض

ضیاء الحق

ط

طاعون

طائف

طب

طالمود

طالوت

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ

طیبہ

ظ

ظلم

محبت

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نشونما

نشہ

نصیحت

نظام

مرزا نظام دین

نفاق

نفس

نفل

نکاح

نماز

و

ی